بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 1

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال



تالیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 1

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ (محمد:24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انہی کے تالے لگے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 1

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہ

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

نام کتاب: نقوشِ قرآن جلد 1

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

اشاعت اوّل: شعبان 1443ھ

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، ملتان، پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ، پرانا ملتان روڈ، شجاع آباد، ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 0322-6102570, 061-4396067,

0300-4396067, 0301-6361990

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے، قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

اللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰهُمَّ

بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاہِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم الله الرحمن الرحيم

فاذكروني أذكركم

١٤٣٢

واشكروا لي ولا تكفرون

MUFTI MUHAMMAD TAQI USMANI
Vice President Jamia Darul-Uloom Karachi - Pakistan

المفتي محمد تقي العثماني
نائب رئيس جامعة دار العلوم كراتشي - باكستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی شجاع آبادی حفظہ اللہ کو باری تعالیٰ نے بڑی توفیق سے نوازا ہے۔ قرآن کریم کی خدمت سے بھی انکو حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ ہر سال مدارس کی چھٹیوں میں وہ دورۂ تفسیر کراتے رہے ہیں، اور تراویح میں مقتدیوں کو تلاوت کی گئی آیات کا خلاصہ بھی بیان فرماتے رہے ہیں۔ اب یہ خلاصہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ اسمیں قرآن کریم کی تمام سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان اور عام فہم مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔ بندہ نے اسکی ورق گردانی کے دوران متعدد جگہوں کو دیکھا، تو نظر آیا کہ ماشاء اللہ نہایت دلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ان آیات کا مفہوم، انکا پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قرآن کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ انکے لئے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسکو نافعِ خلائق بنائیں، اور یہ فاضل مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۶ر شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

واردِ حال دفتر وفاق المدارس العربیہ
ملتان

Jamia Darul-Uloom Karachi
Korangi Industrial Area,
Karachi - Pakistan, Post Code : 75180
Phone: (92) (21) 5043192, Fax : (92) (21) 5040234

جامعة دار العلوم كراتشي
كورنجي انڈسٹريل ايريا، الرمز البريدي ٧٥١٨٠
كراتشي - باكستان
هاتف: ٥٠٤٣١٩٢ (٢١) (٩٢) فاكس: ٥٠٤٠٢٣٤ (٢١) (٩٢)

رائے گرامی

شیخ الاسلام حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

دامت برکاتہم العالیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زُبیر احمد صدیقی شجاع آبادی حفظہ اللّٰہ کو باری تعالیٰ نے بڑی توفیق سے نوازا ہے۔ قرآنِ کریم کی خدمت سے بھی ان کو حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ ہر سال مدارس کی چھٹیوں میں وہ دورۂ تفسیر کراتے رہے ہیں، اور تراویح میں مقتدیوں کو تلاوت کی گئی آیات کا خلاصہ بھی بیان فرماتے رہے ہیں۔ اب یہ خلاصہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ اس میں قرآنِ کریم کی تمام سورتوں، رُکوعات اور منتخب آیات کا آسان اور عام فہم مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔ بندہ نے اس کی ورق گردانی کے دوران متعدّد جگہوں کو دیکھا تو نظر آیا کہ ماشاءاللّٰہ نہایت دِلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو اِن آیات کا مفہوم، ان کا پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قُرآنِ کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔ دِل سے دُعا ہے کہ اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اس کو نافعِ خلائق بنائیں، اور یہ فاضل مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت ثابت ہو، آمین۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۶ رشعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

وارِدحال دفتر وفاق المدارس العربیہ

ملتان

اجمالی فہرست


اقرأ باسم ربك الذي خلق خلق الإنسان من علق اقرأ وربك الأكرم الذي علم بالقلم علم الإنسان ما لم يعلم
١٤٢١

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قرآنِ کریم حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی جانب آخری پیغام اور زندگی گزارنے کا بہترین دستور ہے، دُنیا وآخرت کی جملہ فوز وفلاح اسی سے وابستہ ہیں۔ قرآنِ کریم ہی آئین وقانون، دستور ومنشور، علم وعمل، موعظت وہدایت، شفا اور سکون ہے۔ عقیدہ وفکر سے لے کر عمل وآداب اور حُسنِ معاشرت تک سبھی کچھ قرآنِ کریم میں ہے۔ اسی سے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی وابستہ ہے۔ نظامِ مملکت، نظامِ عدل، نظامِ معیشت، نظامِ معاشرت، نظامِ اُسرَۃ (خاندانی نظام)، قوموں کا عروج وزوال، تاریخِ عالم، انسانیت کا ماضی، حال اور مستقبل، دُنیا، برزخ، آخرت، حیوانات، نباتات، جمادات، نُوری، خاکی، ناری، جنّت، جہنّم، خوفِ خدا، تقویٰ، پرہیزگاری، انبیاء ورُسل علیہم السلام کے حالات، صالحین وابرار، سیئین وفجار، اسبابِ ترقّی اور اَسبابِ تنزّلی وغیرہ کے تذکرے بھی اسی میں موجود ہیں۔

قرآنِ کریم وحیِ الٰہی بھی ہے اور کلامِ الٰہی بھی۔ یہ حق تعالیٰ کی شانِ جلال اور شانِ جمال کا مظہر ہے۔ بصورتِ قرآن، اللہ تعالیٰ بندوں سے ہم کلام بھی ہے اور تنبیہ وتسلی کناں بھی۔ قرآن ذِکر، فکر، لذّت آشنائی، معرفتِ الٰہی، حقوق العباد، باعثِ رحم انسانیت اور اِطمینانِ قلب ہے، تبھی تو حق تعالیٰ نے جابجا اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے، وابستہ ہونے، عمل کرنے اور اس کتاب کو اَپنانے کا حکم دیا۔ اسی کے ساتھ عزّتوں اور علم وعمل کے نُور کو وابستہ کیا، جبکہ اس سے اِنحراف کی صورت میں ذِلتیں اور جہالت کے اندھیرے مقدّر فرمائے۔ اسی سے علم کے موتی اور عمل کے سانچے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی سے مفلوک الحال طبقات کی ڈھارس اور خوش حال لوگوں کی خوش حالی جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے اس کا حق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، سمجھا جائے، اس کی گہرائیوں میں اُترا جائے، عمل کیا جائے، اپنایا جائے، اس وفادار کلام سے دوستی کر کے قبر وحشر میں اسی کی رفاقت حاصل کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم کے ساتھ حریص تھے، ہر مَرد وزَن نے قرآنِ کریم کو اَپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ اِشتغال بالقرآن تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب گھروں کو لوٹ کر آتے تو ان کی اَزواج واَولاد ان سے یہ سوال کرتی کہ آج وحی کا کون سا حصّہ اُترا ہے؟ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی قصہ "صحیح بخاری" میں مذکور ہے:

آپ نے ایک انصاری صحابی سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ جب کسی وجہ سے وہ انصاری خدمتِ نبوی میں

> نہ جاسکتا تو حضرت عمرؓ اس دِن حاضرِ خدمت ہوتے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضری سے معذور ہوتے تو انصاری دوست مجلسِ رسول میں حاضر ہوتے اور پھر دونوں ایک دوسرے کو اس دِن اُترنے والا قرآنِ کریم کا حصّہ سکھاتے۔ (صحیح بخاری: ۵۱۹۱)

اسی قرآنِ کریم کو سُن کر عتبہ بن ربیعہ جیسا متعصب کافر کا دِل بھی اسلام کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ لیکن ابو جہل اس کے اسلام کے راستے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔ سیّدنا اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ پر قرآنِ کریم کی تلاوت سُن کر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول مبارک تھا کہ وہ قرآنِ کریم سے راہنمائی کے حصول کے لیے میدانِ جہاد میں آیاتِ جہاد بالخصوص سورتِ اَنفال کی تلاوت کرتے، کاروبار میں آیاتِ تجارت، عبادت میں آیاتِ خشوع وخضوع، عدالتوں میں آیاتِ عدل وانصاف، موعظت میں آیاتِ خوف ورجاء، اور اسی طرح ہر موقع پر اس کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرماتے، ان کا عمومی مزاج گھروں میں تلاوتِ قرآنِ کریم اور تفکر وتدبر قرآنِ کریم کا تھا۔

رات بھر میں ختمِ قرآنِ کریم ان کا محبوب مشغلہ ہوتا۔ قرآنِ کریم سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی زندگیاں مبارک ہوگئیں۔ اس زمانے کا عمومی ماحول خیر وبرکت کا تھا، وہ حضرات ایک دوسرے سے ملاقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی مقدار کا سوال کرتے۔ جُوں جُوں زمانہ بدلتا گیا، اہلِ ایمان کا قرآنِ کریم سے تعلق بھی کمزور ہوتا گیا، جس کی وجہ سے آج نہ تو عمل بالقرآن رہا اور نہ ہی مسلمانوں کی عزّت وعظمت باقی رہی!

اہلِ سلام کو اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے پھر سے اِنفرادی واِجتماعی طور پر قرآنِ کریم کو اَپنانا ہوگا، اپنے اِنفرادی وجود سے لے کر اپنی ریاست تک کو قرآنِ کریم کی برکات سے آراستہ کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم سے صحیح معنوں میں استفادہ تبھی ممکن ہے، جب اسے خوب سمجھا جائے، اس میں تدبر کیا جائے، اس کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کی جائے۔

''نقوشِ قرآن'' اسی اہم مقصد کی جانب ایک قدم ہے۔ یہ کتاب نہ تو باقاعدہ تفسیر ہے، اور نہ ہی نکات سے لبریز کوئی علمی تحقیق، بلکہ عوام الناس میں بیان کیے گئے دُروس کا مجموعہ ہے۔ ۱۴۴۱-۴۲ھ بمطابق 2020-21ء کرونا کی صورتِ حال اور اپنی علالت کی وجہ سے مسلسل دو سال رمضان المبارک میں گھر میں قیام کا موقع ملا تو اسی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے مسجد الرشید، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد میں عوام الناس کے سامنے، رمضان المبارک کی راتوں میں روزانہ کی تلاوت کی گئی منزل کا خلاصہ بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی زِید شرفہٗ اور ان کے رُفقاء نے حد درجہ محنت کرتے ہوئے ان دُروس کی نہ صرف ریکارڈنگ کروائی، بلکہ آن لائن نشر بھی کیا۔ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ میں کرونا کی وجہ سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ موقوف تھا، اَحباب کو ریکارڈنگ سے کاغذ پر منتقل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جامعہ کے بعض طلبہ واساتذۂ کرام نے یہ کام شروع کیا۔ اس تحریری کام کا ایک حصّہ مولانا مفتی محمد عامر شعیب زِید مجدہٗ، اور دوسرا حصّہ حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زِید مجدہٗ نے دیکھنا شروع کیا۔ یہ حضرات تحریر کو دُرست کرتے، عناوین دیتے اور حوالہ وغیرہ کی تخریج کر کے عاجز کو پیش کرتے، عاجز

نظر ثانی کرتا۔ یوں رفتہ رفتہ کام جاری رہا۔ عید الاضحیٰ ۱۴۴۱ھ کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا تو کام میں تعطل آ گیا۔ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ سے جامعہ کے فاضل مولانا مفتی محمد ہارون خان سلمہٗ کی صرف اسی کام کے لیے تقرّری کی گئی۔ انہوں نے ماشاء اللہ آخری حصے کا بقیہ کام مکمل کیا، اور عاجز نے اسے حرف بہ حرف دیکھا، اور مناسب ترامیم و اضافے کیے۔ پہلے حصے پر بھی دوبارہ کام شروع کیا گیا تا کہ دونوں حصوں میں موافقت پیدا ہو جائے۔ یہ کام بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شروع میں کتاب ایک جلد میں لانے کا خیال تھا، لیکن بڑھتے ہوئے صفحات کے ساتھ خیال ہوا کہ دو جلدوں میں کتاب کی طباعت کرائی جائے۔ لیکن جب کام مکمل ہوا تو اندازہ ہوا کہ کتاب تین جلدوں میں طبع کی جائے تو مناسب ہوگا۔

چنانچہ کتاب کی **پہلی جلد** ”**سورۃ الفاتحہ** تا **سورۃ الانفال**“

دوسری جلد ”**سورۃ التوبہ** تا **سورۃ القصص**“

اور **تیسری جلد** ”**سورۃ العنکبوت** تا **آخرِ قرآنِ کریم**“ طبع کی جا رہی ہے۔

”نقوشِ قرآن“ عام آدمی کو پیش نظر رکھ کر مرتّب کی گئی ہے۔ کتاب کا اُسلوب سادہ لیکن علمی رکھا گیا ہے۔ ہر سورت کا نمبر، ضروری تعارف، فضائل اور سابقہ سورت کے ساتھ ربط ذِکر کرنے کا اِلتزام کیا گیا ہے۔ سورت کا مرکزی خیال اور عمومی مضامین چند سطروں میں اس طرح ذِکر کیے گئے ہیں کہ چند منٹوں میں سورت کا اِجمالی خلاصہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اِجمالی خلاصہ کے بعد تفصیلی خلاصہ آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ بالاستیعاب تو مذکور نہیں، تاہم سورت کی بیشتر اور اہم و مقصودی مضامین پر مشتمل آیات اور ان کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ آیات کے شانِ نزول، فضائل، عبر و حکم، قصصِ قرآنیہ، علمی لطائف، بعض تحقیقی مباحث وغیرہ بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر سورت کے آخر میں سورت سے حاصل ہونے والے ”اہم دُروس“ کے عنوان سے پوری سورت کے اہم مضامین کو ایک بار پھر ذِکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اِن شاء اللہ! عوام الناس کے ساتھ علمائے کرام و مدرّسینِ عظام کے لیے بھی دُروسِ قرآن میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں یہ کتاب قبول اور عوام الناس کے لیے نافع ہو۔ حق تعالیٰ عاجز اور عاجز کے رُفقاء کے لیے اس خدمت کو باعثِ عمل، باعثِ نجات اور آخرت کا ذخیرہ فرمائیں۔

والسلام

زُبیر احمد صدیقی عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدیر ماہنامہ ”صدائے فاروقیہ“ شجاع آباد

۹ ر رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

بمطابق 11 فروری 2022ء


محمد رسول الله

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃ

نزول: پانچ　ترتیب: ایک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

تعارف

یہ سورت جمہور علماء کے مطابق مکی (ہجرت سے پہلے نازل ہوئی) ہے اور یہ سب سے پہلی سورت ہے جو ایک ہی وقت میں مکمل نازل ہوئی۔ البتہ بعض اہل علم کے مطابق سورتِ فاتحہ کا نزول دو مرتبہ ہوا۔ پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، جبکہ دوسری مرتبہ ہجرتِ مدینہ کے بعد جب بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا، اس وقت یہ سورت دوبارہ نازل کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

سورۂ فاتحہ کے کلمات کی تعداد ستائیس، حروف کی تعداد ایک سو چالیس اور آیات کی تعداد بہ اتفاق علمائے کرام سات ہے، البتہ آیات کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک تسمیہ جزوِ فاتحہ نہیں، اس لیے سات آیات یوں ہوں گی، کہ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝" مستقل آیت ہے۔ امام شافعیؒ اور بعض اہل علم، تسمیہ کو مستقل آیت قرار دے کر جزوِ فاتحہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝" الگ آیت نہیں ہے۔ مصحفِ مکی اور مصحفِ کوفی میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق، تسمیہ کو مستقل آیت قرار دیا گیا ہے۔

ترتیبِ نزولی میں سورتِ فاتحہ پانچویں جبکہ موجودہ قرآنی ترتیب میں پہلے نمبر پر ہے۔اس میں ایک رکوع اور سات(۷) آیات ہیں۔

مکی اور مدنی سورتوں میں فرق

قرآنِ کریم کی بعض سورتیں مکی ہیں اور بعض مدنی، راجح قول کے مطابق ان میں فرق یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں (خواہ وہ کہیں بھی نازل ہوئی ہوں) وہ سورتیں ''مکی'' کہلاتی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں (خواہ وہ بدر، اُحد، اَحزاب، حدیبیہ، یا فتحِ مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں) وہ سب سورتیں مدنی کہلاتی ہیں۔(مناہل العرفان، ج:۱،ص:۱۹۴)

سورتِ فاتحہ کے نام

حضرات مفسرین نے سورتِ فاتحہ کے بیس(۲۰) سے زیادہ نام بیان فرمائے ہیں، ناموں کی کثرت سے بھی مسمّٰی کی شرافت وعظمت کا پتہ چلتا ہے۔چند معروف نام درج ذیل ہیں:

۱-**الفاتحۃ**: (قرآنِ پاک کا آغاز اور افتتاح اسی سورت سے ہورہا ہے)

۲-**اُمّ الکتاب**: ''اُمّ'' کسی چیز کی اصل اور بنیاد کو کہتے ہیں۔سورۂ فاتحہ کو ''اُمّ الکتاب'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت تمام دینی مقاصد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مقاصدِ دین کے لیے اصل اور بنیاد ہے۔

۳-**سورۃ الحمد**: اس سورت کا آغاز ''الحمد'' سے ہورہا ہے۔

۴-**السبع المثانی**: یعنی سات دُہرائی ہوئی آیات۔فاتحہ کی یہ سات آیات ہر رکعت میں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔

۵-**القرآن العظیم**: سورتِ فاتحہ پورے قرآنِ کریم کے مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، قرآن عظیم بھی کہلاتی ہے۔

۶-**سورۃ الرقیۃ**: ''رقیہ'' کا معنی پناہ مانگنے کا ہے، جمع ''رُقٰی'' دم کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اس سورت کے ساتھ کیونکہ مریضوں کو دم کیا جاتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ سورت پڑھ کر مریضوں کو دم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید فرمائی۔

۷-**شفاء، شافیہ، واقیہ**: سورتِ فاتحہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے شفاء اور حفاظت طلب کی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورتِ فاتحہ، ہر بیماری کی شفاء ہے، اس لیے اسے سورتِ شافیہ، شفا اور واقیہ کہا جاتا ہے۔

۸-**سورۃ الصلوٰۃ**: یہ سورت نماز کا اہم جز اور واجب ہے۔بعض اہل علم کے نزدیک نماز کا رکن ہے۔

۹-**سورۃ الاساس**: یہ سورت قرآنِ کریم کی بنیاد اور اصل ہے۔

۱۰-**سورۃ کافیہ**: یہ سورت اپنے ماسوا سے کفایت کرجاتی ہے۔

۱۱۔سورۃ الکنز: ''کنز'' خزانہ کو کہتے ہیں، اس سورت کے مضامین قیمتی خزانے اور گوہر یکتا کی طرح ہیں، نیز اس سورت کو حق تعالیٰ نے عرش کے خزانوں میں سے نازل فرمایا ہے۔

۱۲۔سورۃ الشکر: یہ سورت شکر کے مضمون پر مشتمل ہے۔

۱۳۔سورۃ الثناء: یہ سورت اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد وثناء بیان کرتی ہے۔

۱۴۔سورۃ المناجاۃ: اس سورت کے ذریعے بندہ اپنے رَبّ کے ساتھ مناجات اور راز و نیاز کرتا ہے۔

۱۵۔سورۃ الدعاء: اس سورت میں ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' دُعا مذکور ہے۔

۱۶۔سورۃ السوال/ تعلیم المسئلہ: یہ سورت اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے اور مانگنے کا سلیقہ بتلاتی ہے۔

سورت فاتحہ کے فضائل

سورتِ فاتحہ کثیر الفضائل سورت ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اس سورت سے متعلق مذکور احادیث کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

الف:۔سب سے بڑی سورت

سیّدنا ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز ادا کر رہا تھا، اس دوران مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔ میں نے (بوجہ نماز) کوئی جواب نہ دیا، نماز پڑھنے کے بعد میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے طلب کرنے کے باوجود آنے سے کیا چیز مانع بنی؟ میں نے عرض کیا: میں ادائیگی نماز میں مشغول تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: ''اللہ و رسول جب تمہیں بلائیں تو کہا مانو، وہ تمہاری زندگی کا ذریعہ ہیں، پھر ارشاد فرمایا: میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل، قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت کی تعلیم دوں گا، پھر میرا ہاتھ تھام لیا۔ جب آپ نے مسجد سے باہر جانے کا ارادہ فرمایا، تو میں نے عرض کیا کہ، یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل، قرآنِ کریم کی سب سے بڑی سورت کی تعلیم دوں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' یہ سورت ''السبع المثانی'' یعنی سات دہرائی ہوئی آیات اور مجھے عطاء کیا گیا قرآن عظیم ہے۔ (الصحیح البخاری: ۴۴۷۴)

ب:۔آسمان کے خاص دروازے اور خاص فرشتے کے ذریعے یہ نازل ہوئی

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، جبرائیل امین علیہ السلام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف فرما تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر سے آواز سنی۔ جبرائیل علیہ السلام نے سر اوپر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: یہ آسمان کا ایسا دروازہ ہے جو آج پہلی مرتبہ کھلا ہے، اس سے قبل کبھی نہیں کھلا۔ اس مخصوص دروازے سے ایک ایسا فرشتہ نازل ہوا ہے جو

اس سے پہلے کبھی زمین پر نازل نہیں ہوا۔ اس فرشتے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور کہا: آپ کو دو نُور مبارک ہوں جو صرف آپ ہی کو عطا کیے گئے، یہ نور آپ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ وہ نُور یہ ہیں:

۱.....سورتِ فاتحہ۔ ۲.....سورتِ بقرہ کا آخری حصّہ۔

آپ جو حرف بھی تلاوت کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو نُور عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم:۸۰۶، نسائی و ترمذی)

ج:۔نادر و نایاب سورت

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قسم بخدا! تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ کریم میں "سورتِ فاتحہ" جیسی کوئی سورت نہیں اُتری، یہ "سبع من المعانی" اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا۔ (سنن ترمذی:۲۳۰۷)

د:۔اللہ تعالیٰ سے مناجات کی سورت

سیّدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ نماز (فاتحہ) میرے اور میرے بندے کے مابین نصف نصف تقسیم کی گئی اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔ بندہ جب "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد کی۔ بندہ "الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثناء کی۔ بندہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا، میرے بندے نے اپنے آپ کو مجھے سونپ دیا۔ بندہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے وہی ہے جو اس نے (مجھ سے) طلب کیا۔ پھر جب بندہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو اس کی طلب عنایت ہوئی۔ (صحیح مسلم:۳۹۵)

ہ:۔قرآن کا افضل ترین حصّہ

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، رستہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے تو اپنے قریب موجود شخص کی طرف متوجہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں قرآنِ کریم کے افضل حصہ کی خبر نہ دوں؟ انہوں نے کہا: ضرور! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تلاوت فرمائی۔ (الترغیب والترہیب:۱۴۵۴)

و:- بیماریوں سے شفا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورتِ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے۔ (سننِ بیہقی) اہلِ علم حضرات، بیماریوں سے شفایابی کے لیے سورتِ فاتحہ کا ایک وظیفہ یہ بتاتے ہیں کہ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اگر ۴۱ بار سورتِ فاتحہ اس طرح پڑھی جائے کہ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (یعنی الرحیم کی میم اور الحمد کے لام کو ملا کر پڑھا جائے) تو نہ ختم ہونے والی بیماریاں بھی سورتِ فاتحہ کی برکت سے ختم ہو جاتی ہیں۔

ز:- باب القرآن

فاتحہ، قرآنِ کریم کی پہلی سورت، قرآنِ کریم کا دیباچہ اور خلاصہ ہے، قرآنِ کریم اس سے شروع ہوتا ہے، یہ باب القرآن ہے، اس کو آپ قرآنِ کریم کا چھوٹا سا نسخہ بھی کہہ سکتے ہیں، پورے قرآنِ کریم کے مضامین اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں جمع فرما دیے، یہ گٹھلی کی طرح ہے، گٹھلی کا اثر پورے درخت کے پتوں، شاخوں، ٹہنیوں اور پھلوں میں ہوتا ہے، سورۂ فاتحہ کا اثر بھی قرآن پاک کی بقیہ ایک سو تیرہ سورتوں میں ہے، ایک سو تیرہ سورتوں کو سمیٹو تو سورتِ فاتحہ بنتی ہے، اور سورتِ فاتحہ کو کھولو تو قرآن کی ایک سو چودہ سورتیں ظاہر ہو جاتی ہیں، قرآن کے تیس پارے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

سورتِ فاتحہ سے آغازِ قرآن کی وجہ؟

سورۃ الفاتحہ سے قرآن کا آغاز کیا گیا اور ہر نماز میں فاتحہ پڑھوائی گئی، اکیلے نماز پڑھ رہے ہو یا امام ہو تو ہر رکعت میں فاتحہ پڑھو، اور اگر مقتدی ہو تو "من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۸۵۰) امام نے فاتحہ پڑھی تو اس نے تمہاری طرف سے بھی پڑھی، لیکن فاتحہ بہرصورت پڑھی گئی، اگر صرف فرض نماز اور وتر دیکھیں تو ایک دن میں بیس مرتبہ ہم نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، یہ کیا وجہ ہے کہ نماز میں فاتحہ، ہر رکعت میں فاتحہ، قرآن کے آغاز میں فاتحہ، یاد رکھیے! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ الفاتحہ، قرآن کے تمام مضامین کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اگر فاتحہ سمجھ میں آ گئی تو قرآن سمجھ میں آ گیا، اگر فاتحہ پر عمل ہوا تو نماز کا نور آپ کو نصیب ہو گیا، فاتحہ سے نماز کی بھی تکمیل ہو گئی، اور اگر فاتحہ نہ ہو تو حضور فرماتے ہیں کہ جس نماز میں فاتحہ نہ ہو وہ نماز ناقص ہے۔ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۰۶، رحمانیہ)

نیز اس سے ابتدا کرنے کی بظاہر یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص قرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق ومالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور حق کے ایک سچے طلب گار کی طرح اسی اللہ سے سیدھے رستے اور ہدایت کی دُعا مانگنی چاہیے، اسی لیے فاتحہ میں "صراطِ مستقیم" کی جو دُعا سکھائی گئی ہے، آگے مکمل قرآنِ مجید اسی سیدھے رستے کی تشریح ہی ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۱/۳۶)

خصوصیاتِ سورت فاتحہ

سورت فاتحہ، قرآنِ کریم کے آغاز میں قرآنِ کریم کے لیے دروازے کی حیثیت رکھتی ہے، قرآنِ کریم کے مضامین کو اپنے اندر سمونے کی وجہ سے نہ صرف یہ سورت قرآنِ کریم کے مختصر نسخے کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی تلخیص کہلانے کی مستحق ہے۔ اس سورت میں مذکور بعض جملے کسی بھی دوسری سورت میں مذکور نہیں، مثلاً: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۭ" اسمِ جلالت کی مذکور صفات: "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" کسی بھی دوسری سورت میں نہیں ہیں۔

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۭ" کا جملہ بھی کسی دوسرے مقام پر نہیں، ان جملوں کا کمال یہ ہے کہ ان میں مفعول بہ کو مقدم رکھا گیا ہے۔ نیز سورت میں ہدایت، توفیق، صراطِ مستقیم یا استقامت صراطِ مستقیم کی طلب سکھائی گئی ہے، پھر بطور بدل کے مبہم انداز میں منعم علیہم کے راستے کو "صراطِ مستقیم" قرار دے کر اس ابہام کی تفصیل سورتِ نساء میں:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء:۶۹)

اور سورۃ مریم میں:

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۤ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَاۗءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ (مریم:۵۸)

بیان کی گئی ہے۔

اسی طرح "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ ۝" کا ذکر کر کے ان کی راہ سے بچنے کی دُعا تلقین کی گئی ہے۔ ان کے ذکر کو بھی مبہم انداز میں بیان کیا گیا، اس کی تفصیل سورۂ مائدہ میں:

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَـنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝

میں کی گئی ہے۔ مغضوب علیہم یہود کا ذکر تو آیت مذکورہ میں ہے، جبکہ نصاریٰ کا ذکر بھی سورت مائدہ میں:

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ (المائدۃ:۷۷)

میں فرمایا۔

"سورتِ فاتحہ" قرآنِ کریم کے موضوعات کا خلاصہ ہے

قرآنِ کریم کے تین بڑے اور بنیادی موضوع یہ ہیں:

۱......اعتقادات

یہ قرآن کا بڑا موضوع ہے، قرآن نے ہمارے عقائد ٹھیک کیے، عقیدوں میں توحید کا عقیدہ، رسالت کا عقیدہ اور قیامت کا عقیدہ، یہ تین بڑے اور بنیادی عقیدے ہیں، قرآنِ کریم کی ساری مکی سورتیں یہی عقیدے سکھا رہی ہیں کہ اللہ کو ایک جانو، ایک مانو، وحدہٗ لاشریک جانو، وہ ذات وصفات میں یکتا ہے، رسالت کا عقیدہ پہچانو، حضور علیہ السلام کو اللہ کا نبی مانو، آخری نبی مانو، ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش نبیوں کو اللہ کا نبی مانو، اور قیامت کا عقیدہ تسلیم کرو۔

۲......عبادات

اللہ کے قرب کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو، قرآنِ کریم کی تلاوت کرو، اللہ کا ذکر کرو، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھو، وغیر ذالک۔

۳......معاملات ومعاشرت

تم اسلام کے طریقے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنے معاملات کرو۔ یہ سارے قرآنِ کریم کے مضامین ہیں۔ اور قرآن کا خلاصہ ہیں، یہ تینوں چیزیں سورت فاتحہ میں موجود ہیں۔

’’سورتِ فاتحہ‘‘ میں بنیادی عقائد کا بیان

’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ‘‘ سے ’’مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ‘‘ تک عقائد بتائے ہیں۔

عقیدۂ توحید

’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ‘‘ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پوری کائنات کو پالنے والے ہیں، اس سے توحید کا عقیدہ دو طرح سے سمجھ میں آیا:

۱۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ‘‘ کا معنی یہ بھی ہے کہ سب تعریفیں خالق کے لیے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سب کے خالق ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے پروردگار ہیں۔

عالمین، عالم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ماسواء کو عالم کہتے ہیں۔ عالم بے شمار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر عالم کی مخلوقات کی ضرورتیں پوری فرما رہے ہیں۔ سب کو کھلا رہے ہیں، پلا رہے ہیں، پہنا رہے ہیں، ضرورتوں کی تکمیل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو ان مخلوقات کے تقاضوں کو پورا کر سکے؟

عقیدۂ رسالت

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝" "بہت رحمت والے ہیں اور سب پر رحمت کرنے والے ہیں، اس سے ذات وصفات میں جیسے "توحید باری" سمجھ آتی ہے، ویسے ہی "رسالت کا عقیدہ" بھی واضح ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر سب سے بڑی رحمت، انبیائے کرام کی بعثت ہے، اس سے رسالت کا عقیدہ خود باخود سمجھ میں آجاتا ہے۔

عقیدۂ آخرت

"مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝" "قیامت کے دن کے مالک ہیں، جزا کے دن کے مالک ہیں۔ اس سے قیامت کا عقیدہ سمجھ میں آیا۔

دِین کے معانی

قرآنِ کریم میں "دِین" چار معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ شریعت: یعنی احکام، جیسے: "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ" "(آل عمران: ۸۵) میں یہی معنی مراد ہے۔

۲۔ جزاء وسزا: جیسے: "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝" "(الفاتحہ: ۴) میں یہی معنی مراد ہے۔

۳۔ توحید: جیسے: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ" "(یوسف: ۴۰) میں یہی معنی مراد ہے۔

۴۔ عبادت و پکار: جیسے: "فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ" "(غافر: ۱۴) میں یہی معنی مراد ہے۔

عبادات کا اِجمالی بیان

"اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝" "ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد مانگتے ہیں، یہ قرآن کا دوسرا موضوع "عبادات" ہے جو یہاں اجمالی طور پر بیان ہوا۔ عبادت، انتہا درجہ کی عاجزی اور حد درجہ تعظیم کو کہتے ہیں، یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کی جائے، اور اسی سے مدد مانگی جائے۔

معاشرت کا اِجمالی تذکرہ

قرآنِ کریم کا تیسرا موضوع ہے: "زندگی کیسے گزاریں؟" تو سورتِ فاتحہ میں اس بارے میں بھی فرمایا: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ" "ہمیں سیدھے رستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر آپ نے انعام کیا، یا اللہ! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جنہیں آپ نے "پروٹوکول" عطا فرمایا ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے، یہی کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔

اِنعام یافتہ کون ہیں؟

فَأُولَٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿النساء:٦٩﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ وہ چار جماعتیں ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔ لہٰذا اگر تمہیں کامیابی چاہیے تو تم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلو، وہ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور اللہ کے ولی یعنی صالحین ہیں۔

اللہ کے غضب اور گمراہی سے پناہ کی تلقین

آخر میں فرمایا: ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴿'' ان لوگوں کے راستوں پر نہ چلا، جن پر غضب نازل ہوا (یہودی) اور نہ ان لوگوں کے راستے پر چلا جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ ہیں (عیسائی)۔

مفسرین کرام کے نزدیک ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' سے مراد یہود اور ''الضَّآلِّيْنَ'' سے مراد عیسائی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ نیک لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو، غیر اقوام کی نقالی نہ کرو، اس لیے کہ وہ گمراہ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہیں۔

دیکھیے کہ زندگی گزارنے کا جامع اور کامیاب طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے سورتِ فاتحہ میں بتادیا، اس لیے نماز کی ہر رکعت میں فاتحہ ہے اور قرآنِ کریم کا آغاز بھی فاتحہ سے ہے۔

''آمین'' کہنے کا حکم

سورتِ فاتحہ کے آخر میں ''آمین'' سے قبولیتِ دُعا کی درخواست پیش کی جاتی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتِ فاتحہ پڑھائی، جب ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴿'' کہا تو جبرئیل امین نے آپ سے فرمایا: آمین کہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا۔ (مصنف ابن أبی شیبۃ۔ ترقیم عوامۃ ۲/۴۲۵)

''آمین'' کا معنٰی

آمین کا معنٰی ہے: اے اللہ! میری دُعا کو قبول فرمالیجیے۔ سورتِ فاتحہ کے اختتام پر معمولی سے سکتہ کے ساتھ آمین پڑھی جائے، اس لیے کہ آمین، بالاتفاق قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہے۔ بعض روایات میں آمین اس امت کی خصوصیت قرار دی گئی ہے، البتہ سیّدنا ہارون علیہ السلام نے بھی حضرت موسیٰ کی دُعا میں ''آمین'' کہی تھی۔

سنن ابن ماجہ میں ہے، یہودی لوگ، تمہاری آمین پر جتنا حسد کرتے ہیں، اور کسی چیز پر نہیں کرتے، اس لیے کثرت سے آمین کہا کرو۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/۲۷۸)

سورۂ فاتحہ، قرآنِ کریم کا خلاصہ بھی ہے اور دیباچہ بھی، اسی سے آغاز قرآن ہو رہا ہے۔ اس لیے پورے قرآنِ کریم میں سورت فاتحہ کے مضامین مذکور ہیں۔ سورۂ فاتحہ گٹھلی کی طرح ہے، گٹھلی کا اثر درخت کی ہر ٹہنی، پتے اور پھل میں ہوتا ہے۔ سورتِ فاتحہ کے مضامین بھی پورے قرآنِ کریم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

''سورتِ فاتحہ'' سے حاصل شُدہ دُروس

۱۔ پوری کائنات کا خالق، مالک، رحمٰن و رحیم، روزِ جزا میں انصاف کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اسی کی عبادت کی جائے، اسی سے مدد طلب کی جائے، وہی تمام کامل صفات وخوبیوں کا مستحق اور حق دار ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہدایت واستعانت کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

۳۔ حصول ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں کی صفات اختیار کرنا، عذاب خداوندی کے مستحق اور گمراہوں کی صحبت سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۴۔ اس سورت میں ''اِیَّاكَ نَعْبُدُ'' سے اِخلاص، اور ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' سے توکّل علی اللہ کا درس حاصل ہوا ہے۔

۵۔ جمع کے صیغے ''نعبد، نستعین، اھدنا'' ذکر کر کے اُمّت کو وحدت کا پیغام دیا گیا ہے۔

۶۔ یہ سورت پورے قرآنی مضامین کا خلاصہ ہے، عقائد، عبادات اور معاشرت کے بارے میں مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

تمت هذه السورة بعون الله سبحانه وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

ترتیبِ قرآنی: ۲ ترتیبِ نزولی: ۸۷

تعارف

سورۃ البقرۃ بالاتفاق مدنی اور قُرآنِ کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی دو سو چھیاسی (۲۸۶) آیات اور چالیس (۴۰) رکوع ہیں۔

یاد رکھیے کہ قُرآنی سورتوں کی دو طرح سے ترتیب بیان کی جاتی ہے:

۱۔ **ترتیبِ نزولی**: یعنی کونسی سورت اور آیت، کب کہاں اور کس ترتیب سے نازل ہوئی۔ گویا جس ترتیب سے سورتیں نازل ہوئی ہیں، اس ترتیب کو "ترتیبِ نزولی" کہا جاتا ہے۔

۲۔ **ترتیبِ توقیفی**: قرآنِ کریم نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی جو ترتیب صحابہ کرامؓ کو سمجھائی کہ کس آیت کو کس سورت میں رکھا جائے؟ اور آیات کو کیسے ترتیب دیا جائے؟ اسے "ترتیبِ توقیفی" کہتے ہیں، اسے "ترتیبِ عثمانی" بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا نزول کے اعتبار سے تو یہ سورت ۸۷ نمبر پر نازل ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق اسے دوسرے نمبر پر درج کیا گیا۔

نزول کا زمانہ اور خصوصیت

ہجرت کے بعد اس کا نزول شروع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرِ حیات تک جاری رہا، اسی سورت میں قرآنِ کریم کی سب سے بڑی آیت یعنی "آیتِ دَین/مداینۃ" ہے، نیز اسی سورت میں آیت الکرسی بھی ہے، جو اَجر و ثواب کے لحاظ سے تمام قُرآنی آیات سے افضل آیت ہے، قرآنِ کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (آیت:۲۸۱)

بھی اسی سورت میں ہے۔ اس سورت کا کمال یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ہے، انسانوں کی جتنی اقسام ہیں، مومن، کافر، منافق، نیک و بد وغیرہ سب کا ذکر اللہ نے سورۃ البقرہ میں کیا ہے۔

''سورۃ البقرۃ'' کے اسماء

اس سورت کے کئی نام ہیں جنہیں وجہِ تسمیہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

۱-البقرۃ: گائے یا بیل کے معنی میں ہے، اس سورت کی آیت نمبر ۶۷ تا ۷۳ میں ایک گائے کا واقعہ مذکور ہے جس کے ذبح کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، گائے کے اسی واقعہ کی وجہ سے اس کا نام ''سورۃ البقرۃ'' رکھ دیا گیا۔ یہ نام احادیث میں مذکور ہے، گائے کے اس واقعہ میں بندوں کے لیے سامانِ عبرت ہے کہ حکمِ خداوندی پر سرِ تسلیم خم کردیں، چوں چرا ں نہ کریں، ورنہ نقصانِ عظیم سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کو ذبحِ بقرہ کا حکم ملا، لیکن ان کے خواہ مخواہ کے حیلے بہانوں کے نتیجہ میں انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

۲-الزھراء: پر رونق اور روشن کے معنی میں ہے، اس سورت کے ذریعے چونکہ دنیا و آخرت میں راہ ہدایت روشن ہو جاتی ہے۔، اس لیے اس کا ایک نام ''الزھراء'' بھی ہے۔

۳-السّنام: سنام کی معنی کوہان اور بلندی ہے، اس سورت میں امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے زندگی گزارنے کا طرز وطریق بکثرت مذکور ہے، اسی لیے یہ سورت باقی قرآنِ کریم کی سب سورتوں سے بلند و بالا اور ممتاز ہے۔

۴-الفُسطاط: فُسطاط عربی میں ''خیمہ'' کو کہتے ہیں، میدانِ جنگ میں لشکر کے سربراہ کا قیام خیمہ میں ہوتا ہے اور وہیں سے احکام جاری ہوتے ہیں، اس لیے جنگ میں سردار اور امیر کا ''خیمہ'' مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس سورت سے بھی تشریعات اور معرفت کی راہیں پھوٹتی ہیں۔ اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار احکام ہیں، ایک ہزار اوامر ہیں، ایک ہزار نواہی ہیں، ایک ہزار حکمتیں ہیں، اسی مرکزی حیثیت کی وجہ سے اس سورت کا نام ''فسطاط'' بھی ہے۔

فضائل

یہ سورت کثیر الفضائل ہے، سورت کے بعض فضائل منفرد اور اسی کے ساتھ خاص ہیں اور بعض فضائل دیگر سورتوں کے ساتھ مذکور ہیں، مکمل سورت کے فضائل بھی مذکور ہیں اور اس سورت کی بعض آیات کے فضائل بھی روایات میں وارد ہیں۔ یہاں کچھ انفرادی فضائل اور پھر دیگر فضائل کا ذکر کیا جائے گا۔

''سورۃ البقرۃ'' کے مخصوص فضائل

الف:-قبر کی ساتھی ہے

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت بقرہ اپنے تلاوت کرنے والے کا قبر میں دفاع کرتی ہے اور اسے مانوس رکھتی ہے۔ یہ ایک بڑے بادل کی طرح سایہ فگن رہتی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۹۰۸، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۳۳۵۷۲)

ب:- شیاطین کا علاج

سیّدنا ابو ہریرہؓ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ۔

ترجمہ:- اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، بلاشبہ شیطان ایسے گھر سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں، جس میں سورت بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۵۳۹)

دوسری روایت میں ہے کہ: جس نے اپنے گھر میں دن کو سورت بقرۃ کی تلاوت کی، تین دن تک شیاطین اس گھر میں داخل نہیں ہوں گے اور جس نے رات کو اس سورت کی تلاوت کی تو تین راتوں تک سرکش شیاطین اس گھر سے دور رہیں گے۔ (صحیح ابن حبان: ۳/ ۵۹)

ج:- جادو کا توڑ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عليكم بسورة البقرة فإن أخذها بركة وتركها حسرة ولا يستطيعها البطلة۔

(صحیح ابن حبان: ۱/ ۳۲۲)

یعنی سورۃ البقرۃ کی تلاوت کو اپنے اُوپر لازم کرلو: کیونکہ اس کا پڑھنا برکت اور چھوڑنا حسرت ہے اور اہلِ باطل (جادوگر) اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔

آج کل ہر دوسرے شخص کو یہی شکایت ہوتی ہے کہ مُجھ پر یا میرے گھر والوں پر جادو ہوگیا ہے، اسی جادو کے توڑ کے لیے سورہ البقرہ موجود ہے، سورۃ بقرہ کی تلاوت کا اپنے گھروں میں اہتمام کرو، ان شاء اللہ جادو بے اثر ہوگا، اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہوگی کہ کسی کے جادو کا کوئی زور آپ پر نہیں چل سکے گا۔

د:- فرشتوں کا نزول

سیّدنا اُسید بن حُضَیرؓ فرماتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ رات کو سورت بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا قریب میں بندھا ہوا تھا، وہ بدکنے لگا، انہوں نے قراءت روک دی تو گھوڑا بھی رک گیا، پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا بدکنے لگا، خاموش ہوئے تو گھوڑا رک گیا، پھر قراءت شروع کی تو ایسا ہی ہوا، ان کا بیٹا قریب تھا، انہیں خطرہ لاحق ہوا کہ گھوڑا انہیں نقصان نہ پہنچا دے، جب بیٹے کو اٹھایا تو آسمان کی جانب نظر اٹھائی، دیکھا کہ بادل کی طرح کوئی چیز تھی، جس میں روشنیاں جگمگا رہیں تھیں، میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اُٹھ گئیں اور پھر نظر نہ آئیں۔ صبح کو یہ ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا، تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو یہ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز پر قریب آ گئے تھے، اگر آپ تلاوت جاری رکھتے تو صبح سب کو نظر آتے، کسی سے مخفی نہ ہوتے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۸، صحیح مسلم: ۷۹۶)

ھ:- سورت بقرۃ کا حافظ، سرداری کے لائق ہے

سیّدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد پر ایک لشکر کی تشکیل فرمائی، پھر ان کے قرآنِ کریم کا جائزہ لیا، ان میں ایک نوجوان تھا آپ نے اس سے سوال فرمایا: کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے بتایا فلاں فلاں اور سورت بقرہ بھی مجھے یاد ہے، آپ نے (تاکیداً) پوچھا کہ سورت بقرہ بھی یاد ہے؟ اس نوجوان نے جواب دیا کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا جاؤ تم ہی ان کے امیر ہو۔ (صحیح ابن حبان: ۵/۴۹۹)

و:- تمام ارکانِ اسلام کی جامع سورت

سورۃ البقرہ، قرآنِ کریم کی وہ واحد سورت ہے جس میں سارے ارکینِ اسلام (شہادتین، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کا ذکر موجود ہے۔

سورتِ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

حدیث گرامی ہے کہ جس شخص نے سورت بقرہ کی آخری دو آیات رات کو تلاوت کیں، اسے کافی ہو جائیں گی (صحیح البخاری، ص: ۴۱۴) کافی ہو جانے کا معنی یہ ہے کہ ہر شر سے کافی ہو جائیں گی یا قیام اللیل کی جگہ کفایت کریں گی یا اجروثواب میں کافی ہوں گی، واللہ تعالیٰ اعلم!

''سبع طوال'' میں سے ہونا

سورت بقرہ قرآنِ کریم کی سبع طوال (سات طویل) سورتوں میں سے ایک ہے، قرآنِ کریم کی سات لمبی سورتیں یہ ہیں:

۱- البقرۃ ۲- آل عمران ۳- النساء ۴- المائدہ
۵- الانعام ۶- أعراف ۷- أنفال وتوبہ

بعض حضرات نے سورت یونس کو بھی ان سورتوں میں شامل کیا ہے۔ سیّدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے قرآن کی سات سہل اور آسان سورتیں سیکھ لیں، وہ عالم ہے۔ (مستدرک حاکم: ۲۰۷۰، مسند احمد: ۶/۷۲)

سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کے درمیان ربط

سورۃ البقرۃ کا سورۃ الفاتحہ سے درج ذیل امور میں ربط پایا جاتا ہے:

۱۔سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دُعا کی تلقین کی کہ دُعا کرو: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" یا اللہ! ہمیں سیدھا راستہ عطا فرما، سورۃ البقرہ میں اس دُعا کی قبولیت ہے کہ جس "صراطِ مستقیم" کو تم ڈھونڈ رہے ہو، وہ یہ کتاب ہے: "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" ہدایت کے طور پر یہ قرآن ہم نے تمہیں عطا کر دیا ہے، اس پر چلو تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے گی۔

۲۔سورتِ فاتحہ میں تین جماعتوں کا بیان ہے:

۱....."مُنعَم علیہم": جن کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔

۲....."غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ": جن کی صحبت سے اجتناب کی تاکید کی گئی۔

۳....."الضَّآلِّيْنَ": جن کی صحبت سے اجتناب کی تلقین کی گئی۔

سورۃ البقرہ میں "اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" تک "منعم علیہم" کا تذکرہ کیا گیا کہ قرآنی تعلیمات کو تسلیم کرنے والے ہی ہدایت پر ہیں، جبکہ "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" تک "کافرین"، اور "يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" تک "منافقین" کا ذکر کر کے یہ وضاحت فرما دی کہ قرآنی ہدایت سے انحراف اور انکار کرنے والے (کافر اور منافق) وہ لوگ ہیں جن کے راستے سے "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" میں پناہ مانگی گئی ہے۔

۳۔سورتِ فاتحہ میں اِقرارِ رُبوبیت اور تعلق باللہ، نیز بُرے لوگوں کی راہ سے اجتناب کا بیان ہے، سورتِ بقرہ میں تعلق باللہ کو بصورت اِنذار بیان کیا گیا ہے اور آلِ عمران میں اس مضمون کی تکمیل ہے، بقرۃ میں دلائل پیش کیے گئے ہیں اور آلِ عمران میں مخالفین کے شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

سورۃ البقرۃ کا مرکزی موضوع

سورۃ البقرۃ چونکہ ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوئی اور ہجرت کے بعد ایک ریاست کا قیام ہوا، اور زمین میں مسلمانوں کو خلافت عطا ہوئی، اس لیے اس سورت کا مرکزی موضوع "خدا کی زمین پر خدائی نظام کا قیام" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس خلافت کے طریقے اور منہج کو واضح کیا ہے کہ تم زمین میں اللہ کے خلیفہ اور نائب کے طور پر کس طرح کامیاب خلافت قائم کر سکتے ہو۔

عمومی مضامین

اس سورت میں درج ذیل اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں:

۱۔سورت کی ابتدا میں انسانوں کی تین اقسام (مومن، کافر اور منافق) بیان کر کے ان میں سے ہر ایک کی صفات بتائی گئی ہیں تا کہ ہر شخص اپنے آپ کو اس کسوٹی پر جانچ سکے کہ وہ ان میں سے کس قسم کے اوصاف کا حامل ہے۔

۲-اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں "ارضی خلافت" کے تین نمونہ جات بیان فرمائے ہیں:

"خلافت" کا پہلا نمونہ

سورت کی ابتدا میں بتایا گیا کہ اس زمین کا سب سے پہلا خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا گیا، لیکن شیطان نے جیسے اُن سے دُشمنی نکالی، اسی طرح وہ تم سے بھی دُشمنی رکھتا ہے، اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق خلافت کا حق ادا کرنا ہے تو ابلیس اور اس کے لاؤ لشکر کے مکروفریب سے بچ کر اللہ سے تعلق مضبوط رکھنا ہوگا۔

دوسرا نمونہ

ارضی خلافت کے دوسرے نمونے کے طور پر "بنی اسرائیل" کا تذکرہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر کیسے کیسے انعامات واحسانات کیے لیکن انہوں نے کُفر، نافرمانی اور سرکشی کر کے اس خلافت کی امانت کو ضائع کیا اور خود کو اس "خلافت" کے لیے نااہل ثابت کیا۔

تیسرا نمونہ

پہلے پارے کے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی "خلافت" کا ذکر کیا گیا کہ انہوں نے خدائی خلافت ونیابت کا حق ادا کر دیا۔ یہ اس اُمت کے لیے "خلافت" کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ تینوں نمونے ذِکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اگر "خدائی خلافت" کا قیام چاہتے ہیں تو ہمیں ان واقعات کے ضمن میں ہونے والی اُن خطاؤں، غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنا ہوگا جو انسان کو خلافت سے محروم کر دیتی ہیں۔

۳- دوسرے حصے میں اس اُمت کو منہج اور دستور دیا گیا کہ اگر خدائی منشا کے مطابق خلافت حاصل کرنی ہے تو مندرجہ ذیل اُمور کی پابندی کرنی ہوگی:

۱: سابقہ اُمتوں سے اس اُمت کا تشخص الگ اور ممتاز ہے۔ (اسی ضمن میں تحویلِ قبلہ کا ذکر ہوا)

۲: امتیاز میں توازن اور اعتدال ہے۔

۳: اطاعتِ خداوندی کے لیے عملی امتحانات۔

۴: شرعی قوانین کی تفصیل ارشاد فرمائی گئی، مثلاً:

الف:- محرمات اور مستثنیات کے علاوہ باقی تمام زمینی طیبات مباح کر دی گئی ہیں۔

ب:- جنایات اور جرائم کا بیان ہے۔

ج:- وصیت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

د:- روزوں کی مشروعیت کا بیان ہے۔

ھ:- جہاد و قتال کی مشروعیت بیان کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں طالوت و جالوت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا گیا کہ خدائی احکامات کی پیروی میں مادی اشیاء پر بھروسہ کی بجائے توکل اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر کامل بھروسہ ہی انسان کو "خدائی نیابت" کا اہل قرار دیتا ہے۔

و:- حج کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

ز:- خاندانی معاملات (نکاح، ایلاء، طلاق، خلع، عدّت، نفقہ، رضاعت اور حیض وغیرہ) کے اَحکام تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

ح:- اس سورت کے آخر میں اقتصادی اور مالی معاملات کے شرعی احکام بیان کیے گئے اور ربا کی حُرمت کو خوب واضح فرمایا گیا۔

خدا تعالیٰ کی کامل قُدرت کا تذکرہ

سورۃ البقرہ میں کئی ایسے واقعات بیان کیے گئے جن کا مقصد یہ ہے کہ مومنین اپنے رَبّ پر کامل بھروسہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر مکمل قادر ہے۔ مثلاً:

۱۔ حضرت عُزیر علیہ السلام کا واقعہ۔ ۲۔ نمرود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ۔ ۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے مختلف پرندے ذبح کرنے اور ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ۔ ۴۔ اور اُن لوگوں کا واقعہ جنہیں فوت کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا۔ یہ سب واقعات قدرتِ باری تعالیٰ کے اظہار کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔

پارہ نمبر ا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الۗمّۗ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ

يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي ھُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

کچھ ''حروفِ مقطعات'' کے بارے میں

یہ حروف سورتوں کے آغاز میں خاص حکمت کے تحت ذکر کیے گئے ہیں۔ ان حروف کا حقیقی معنی اللہ ربّ العزّت ہی جانتے ہیں، تاہم یہ حروف، حروفِ تہجی میں سے ہیں۔ یہاں تین حروف لائے گئے ہیں، بعض سورتوں کے آغاز میں ایک حرف، مثلاً: نٓ، قٓ، صٓ، اور بعض سورتوں کے آغاز میں دو حرف مثلاً: طٰهٰ، طٰسٓ، حٰمٓ، یٰسٓ، بعض سورتوں کے آغاز میں تین حروف مثلاً: الٓمٓ، الٓرٰ، بعض سورتوں کے آغاز میں چار حروف مثلاً: الٓمٓصٓ، الٓمٓرٰ، بعض سورتوں کے آغاز میں پانچ حروف مثلاً: كٓهٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ۔

یہ حروف کل انتیس (۲۹) سورتوں کے شروع میں لائے گئے ہیں، ان کے تخمینی معانی علمائے کرام نے نکالنے کی کوشش کی ہے، ایسے معانی بھی متعدد بتائے گئے ہیں۔ اس لیے محققین کہتے ہیں کہ ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

البتہ ان حروف کے لانے سے مقصود اہلِ عرب کو چیلنج دینا ہے کہ قرآنِ کریم انہیں حروفِ تہجی سے مرکب ہے، اگر تمہیں اس کے خدائی کلام ہونے میں شک ہے تو تم بھی انہی حروف کی ترکیب سے ایسا کلام بنا کر دکھاؤ، یہی وجہ ہے کہ جن انتیس (۲۹) سورتوں کے آغاز میں یہ حروف لائے گئے ہیں ان میں سے غالباً چھبیس (۲۶) مکی ہیں، چونکہ مکہ کے قریشیوں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، اس لیے مکہ مکرّمہ میں اترنے والی سورتوں کے آغاز میں بکثرت حروفِ مقطعات لائے گئے۔ ان حروفِ مقطعات سے تکرار حذف کر دیں تو یہ کل حروفِ تہجی کا نصف بنتے ہیں، اور ان حروف کی صفات میں سے بھی نصف صفات ان حروف میں استعمال کی گئی ہیں، اہلِ علم نے ان حروف میں بہت سارے حیرت انگیز اعجازِ قرآنی بیان کیے ہیں۔

''حروفِ مقطعات'' کی تعریف

سب سے پہلے ''الٓمٓ'' فرمایا۔ یہ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی کچھ سورتوں کے شروع میں ایسے الفاظ اُتارے، جن کو لکھا تو اکٹھے جاتا ہے، لیکن پڑھا الگ الگ کر کے جاتا ہے، ان الفاظ کو حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے۔ جمہور محققینؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان الفاظ کا درست مطلب کسی کو بھی معلوم نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ''کوڈ ورڈز'' اور راز ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے بھی کبھی ان الفاظ کی تفسیر صحابہ کے سامنے بیان نہیں فرمائی۔ ''سِرٌّ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَ رَسُوْلِه'' لہٰذا اس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے معانی سمجھنے پر موقوف ہے۔

''حروفِ مقطعات'' کی حکمت

حروفِ مقطعات لانے کی ظاہری حکمت یہ ہے (والله سبحانهٗ وتعالى أعلم!) کہ دنیا والو! قرآن انہیں حروف سے بنا ہے جو حروف روزمرہ تمہارے استعمال میں رہتے ہیں، جنہیں حروفِ تہجی کہا جاتا ہے، یہ الفاظ بھی انہیں حروف سے مل کر بنے ہیں، ''الٓمّٓ، الٓمّٓرٰ، كٓهٰيٰعٓصٓ''، اگر تم اس قرآن کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تو تم بھی انہیں حروف سے قرآن جیسی کتاب بنا کر لاؤ، گویا یہ حروف، قرآنِ کریم کے اعجاز کو بیان کرنے کے لیے اور مخالفین کی عاجزی کو ظاہر کرنے کے لیے آئے ہیں کہ یہ لوگ ''قرآنِ کریم'' کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

تفسیر ابنِ کثیر میں ''حروفِ مقطعات'' کی حکمت بیان کرتے ہوئے اسی قول کی تائید کی گئی ہے۔ فرمایا:

وقال آخرون: بل إنما ذكرت هذه الحروف في أوائل السور التي ذكرت فيها بيانًا لإعجاز القرآن، وأن الخلق عاجزون عن معارضته بمثله هذا مع أنه [تركب] من هذه الحروف المقطعة التي يتخاطبون بها، ولهذا كل سورة افتتحت بالحروف فلا بد أن يذكر فيها الانتصار للقرآن وبيان إعجازه وعظمته، وهذا معلوم بالاستقراء، وهو الواقع في تسع وعشرين سورة...وغير ذلك من الآيات الدالة على صحة ما ذهب إليه هؤلاء لمن أمعن النظر، والله أعلم۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۶۰)

سارا قرآن ''صراطِ مستقیم'' ہے

سورتِ فاتحہ میں جس ''صراطِ مستقیم'' کی دعا مانگی گئی تھی، ''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' سے اسی ''صراطِ مستقیم'' کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ یہ سارا قرآن، کتابِ ہدایت ہی ہے، جو بھی ہدایت کا طلب گار ہو، عاملِ قرآن بن جائے۔ دنیا وآخرت کی کامیابی اس کا مقدر ہوگی۔

عقل وشعور میں غلطی ممکن ہے، قرآن میں نہیں

پھر فرمایا: ''لَا رَیْبَ ۚ فِیْهِ ۚ'' اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ لاریب کتاب ہے، غلطیوں سے پاک کتاب ہے، درست اور کامل عقل والا اس کلام پر اُنگلی اُٹھا ہی نہیں سکتا۔

اگر کوئی اس کلام پر اعتراض کرتا ہے یا اسے کوئی غلطی نظر آتی بھی ہے (جیسا کہ مستشرقین نے قرآنِ پاک پر بے جا اعتراضات کیے ہیں) تو درحقیقت یہ اس کے اپنے فہم کا قصور ہے، کسی کو اگر اس کتاب میں کوئی شک ہے تو وہ اس کی اپنی کمزوری ہے، قرآن لَا رَیْبَ کتاب ہے۔ اس میں لکھی ہوئی ہر بات سو فیصد درست ہے۔

ہدایت اُنہی کو ملتی ہے جو ہدایت کے طلب گار ہوں

قرآن میں بیان کی گئی "راہِ ہدایت" اگرچہ سب کے لیے عام ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس "ہدایت" سے نفع انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو خدا خوفی اور تقویٰ رکھنے والے ہوں، جو قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہوں، اس لیے فرمایا:

"هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" "یہ ڈر اور تقویٰ رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

"متقین" کے اوصاف

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اور ساتھ میں یہ بھی وضاحت فرمادی کہ تمہیں خدائی خلافت کے حقیقی حصول میں کامیابی تب ہوگی، جب تقویٰ والوں کے اوصاف اپناؤ گے، متقین کے اوصاف یہ ہیں:

۱۔ایمان بالغیب۔ ۲۔نماز کی پابندی۔ ۳۔انفاق فی سبیل اللہ۔ ۴۔قرآن اور کُتبِ سابقہ پر ایمان۔ ۵۔آخرت پر ایمان۔

پہلی صفت: ایمان بالغیب

متقین کا پہلا وصف یہ بیان کیا گیا ہے "الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ" بن دیکھے ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ بیان فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہدایات وتعلیمات ارشاد فرمائی ہیں، اُن سب پر دل سے اور قطعیت کے ساتھ ایمان لاؤ، تم نے اللہ کو نہیں دیکھا، فرشتوں کو نہیں دیکھا، نبیوں اور رسولوں کو نہیں دیکھا، لیکن بن دیکھے مانو۔ دیکھے بغیر ایمان لانے ہی میں تو اصل امتحان ہے۔ دیکھی بھالی چیز پر اگر ایمان لایا جائے تو امتحان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری صفت: نماز کی پابندی

دوسرا وصف: "وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ" نماز قائم کرتے ہیں۔ ایمان کے بعد بدنی عبادات میں سے سب سے اہم عبادت "نماز" ہے، اور "اقامتِ نماز" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اسی طرح ادا کرتے ہیں جیسے نماز کی ادائیگی کا حق ہے۔

تیسری صفت: اِنفاق فی سبیل اللہ

تیسرا وصف: "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" اپنے مالوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس میں مالی عبادات (زکوٰۃ وصدقات اور نفلی خیرات وغیرہ) داخل ہیں۔

نوٹ:۔ متقین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے "ایمان" کے بعد صرف دو اعمال کا ذکر فرمایا: "نماز اور اِنفاق فی سبیل اللہ" "نماز بدنی عبادات میں سے اہم ہے اور "اِنفاق" سب مالی عبادات کو شامل ہے۔ گویا معنی یہ بنا کہ مومنین وہ ہیں "جن کا ایمان بھی کامل ہے اور عمل بھی کامل ہے۔" اسی ایمان وعمل کے مجموعے کا نام "اسلام" ہے۔

چوتھی صفت: قرآن اور کُتبِ سابقہ پر ایمان

متقین کا چوتھا وصف: ''وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ'' بیان کیا گیا ہے کہ متقی لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی، وہ بھی سچی تھی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام پر خدائی اَحکامات نازل ہوئے تھے، وہ بھی یقیناً سچے تھے (اگرچہ بعد میں ان میں تحریف کردی گئی)۔ یہ صرف ایمان کی حد تک لازم ہے ورنہ قُرآنِ کریم نازل ہونے کے بعد اب عمل صرف قرآنی احکامات پر ہی ہوگا، پچھلی ساری کتابیں اور شریعتیں اب منسوخ سمجھی جائیں گی۔

ختمِ نبوّت کی دلیل

مذکورہ آیت میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ پر ایمان لانے کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اگر بالفرض آپ کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو ''وما انزل من بعدك'' بھی کہا جاتا۔

پانچویں صفت: آخرت پر ایمان

پانچویں صفت: ''وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ'' ہے کہ متقین قیامت اور روزِ آخرت پر صرف ایمان ہی نہیں رکھتے بلکہ ایسا ''یقین'' رکھتے ہیں کہ گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

کامیابی کے لیے انہی اوصاف کو اَپنانا لازم ہے

فرمایا کہ ربّ کے راستے کے راہی اور کامیاب لوگ وہی ہیں جو مذکورہ بالا صفات کے حامل ہوں گے، اس لیے اگر تم دُنیا و آخرت کی فلاح اور ربّ کی رضا چاہتے ہو تو انہی متقین کی صفات اپنے اندر پیدا کرلو، کامیابی تمہارا بھی استقبال کرے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

اِنسانوں کی تین اَقسام ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تین جماعتوں کا ذکر فرمایا ہے: ١۔ متقین (جن کا ذکر ہو چکا)۔ ٢۔ کافروں کی جماعت۔ ٣۔ منافقین کی جماعت۔

مذکورہ بالا آیات میں ان کفّار کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے ٹھان رکھی تھی کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا

اے محبوب! (ﷺ) آپ انہیں دعوت دیں یا نہ دیں، حق کے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہرگز نہیں ماننی۔

انہی کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجے میں اللہ نے بھی ان کے دلوں پر مُہر لگا رکھی ہے اور اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی ہے۔ ان سے اصلاح کی توقع رکھنا عبث ہے۔

نوٹ:- اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کُفّار کی کیفیت تو بیان فرمائی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتبلیغ سے منع نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ہر مُصلِح اور داعی کو اپنے حصہ کا کام کرتے ہی رہنا چاہیے، اسے اپنی محنت کا اجر وثواب ضرور ملے گا۔ البتہ ہدایت کس کے نصیب میں ہے اور کس کے نصیب میں نہیں، یہ معاملہ اللہ کے علم میں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ
الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ
السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۱۶

''منافقین'' اور ان کی پانچ بیماریاں

ان آیات میں انسانوں کی تیسری جماعت کا بیان ہو رہا ہے جنہیں ''منافق'' کہا جاتا ہے۔

''کافر'' اور ''منافق'' کے درمیان فرق

شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے، ان میں سے کسی بھی چیز کا انکار کرنا کُفر ہے۔ لہٰذا کافر اس کو کہتے ہیں جو دل اور زبان دونوں سے توحید ورسالت اور دیگر ضروریاتِ دین کا منکر ہو، جبکہ منافق اسے کہتے ہیں جو دل سے توحید ورسالت اور ضروریاتِ دین کا منکر ہو، لیکن مصلحت یا کسی مفاد کی خاطر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہو۔

''منافقین'' کی پہلی بیماری: ''جھوٹا دعویٰ''

فرمایا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸'' کہ کچھ لوگ (منافقین) جھوٹے دعوے کرتے ہیں، جھوٹے نعرے لگاتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، حالانکہ درحقیقت مومن نہیں ہیں۔

جھوٹے نعروں سے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے شاید وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم خدائی گرفت سے بچ گئے

اور ہم نے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دے دیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اس دھوکے کا انجام خود انہی کے حق میں بہت برا ہوگا۔

''منافقین'' کی دوسری بیماری: ''اَمراضِ رُوحانی''

ارشاد فرمایا: ''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ'' یہ منافق لوگ روحانی طور پر بیمار ہیں، اپنے اختیار سے ایمان نہیں لاتے، ان کی اسی باطنی ضد کے نتیجے میں اللہ نے بھی ان کو ایمان کی توفیق سے محروم کردیا ہے۔ ایمان اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کا باطنی بغض اور نفاق کی یہ بیماری بڑھتی جارہی ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝

تیسری بیماری: ''اُلٹے دماغ ہیں''

منافقین کی تیسری بیماری یہ ہے کہ ان کی سمجھ بھی کام نہیں کرتی، ان کی فہم میں انعکاس ہے، ان کی سمجھ اُلٹی ہے، ان سے جب کہا جاتا ہے کہ فساد نہ کرو! تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کررہے ہیں، جب انہیں کہا جاتا ہے کہ میاں! زمین میں خون ریزی نہ کرو! تو منافقین کہتے ہیں کہ ہم تو دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، قتل بھی کررہے ہیں اور اُلٹا کہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں، ان کی سمجھ اُلٹی ہے، اپنے عیب کو یہ لوگ ہنر سمجھتے ہیں۔ یہ بھی منافقت ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝

چوتھی بیماری: ''سفاہت و بے ادبی''

ان کی چوتھی بیماری نیک لوگوں کو برا بھلا کہنا اور انہیں سب و شتم کرنا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ''اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' ''صحابہؓ کی طرح ایمان لاؤ تو یہ کہتے ہیں کہ ''اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ'' ''صحابہؓ تو۔ نعوذ باللہ۔ بے وقوف ہیں، انہیں گالیاں بکتے ہیں، ''اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ'' ''حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خود بے وقوف ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی معیارِ حق ہیں

اس آیتِ مبارکہ میں یہ بات واضح کردی گئی کہ صحابہ کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر ساری اُمت کے ایمان کا پرکھا جائے گا، جو بھی ایمان کا دعویٰ کرے گا، اسے اس ''معیار اور کسوٹی'' پر جانچا جائے گا۔ اس معیار سے ہٹ کر کوئی عقیدہ اور کوئی عمل خواہ وہ جتنا بھی نیک نیتی سے کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾
اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾

پانچویں بیماری: ''دورُخی پالیسی''

منافقین کی پانچویں بیماری ان کی ''دورُخی پالیسی'' ہے کہ جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم تو مومن ہیں، لیکن جب یہ لوگ اپنے گروؤں اور آقاؤں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں:

''إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ﴿١٤﴾'' ہم تمہارے ساتھ ہی ہیں، ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کررہے ہیں۔

فرمایا کہ منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم مسلمانوں کو بیوقوف بنارہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود بیوقوف بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے استہزا کا سامان یہ فرمایا کہ انہیں ڈھیل دے دی، اس طرح یہ اپنی سرکشی اور گناہوں میں آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ جرم کی سنگینی پر خوب پکڑے جائیں گے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

''منافقین'' نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا

فرمایا کہ منافقین نے اسلام اور اس کے معاملات کو قریب سے دیکھنے کے باوجود دنیوی مفادات کے لیے اسلام پر کُفر کو ترجیح دی۔ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کر بڑے گھاٹے کا سودا کیا۔ انہیں اپنے نفع نقصان کا بھی ادراک نہ ہوسکا۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا
يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ
أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

''منافقین'' کی دو اَقسام اور ان کی مثال

منافقین دو طرح کے تھے، ایک تو وہ لوگ جو اپنے کُفر پر جمے ہوئے تھے، اسلام اور ایمان سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا، تاہم اپنی دُنیوی مفادات کی خاطر اسلام کا راگ الاپتے تھے۔ جب کہ کچھ ایسے بھی تھے جو کبھی کبھی دل سے ارادہ کرتے تھے کہ مسلمان ہوجانا چاہیے لیکن پھر دُنیوی اغراض کی وجہ سے گومگو اور مذبذب رہتے تھے، دل سے ایمان نہیں لاتے تھے۔

قُرآن نے ان آیات میں پہلی مثال اُن منافقین کی بیان فرمائی جنہوں نے حق دیکھ اور پہچان کر بھی قبول نہ کیا، ان

کی حالت اس شخص جیسی ہے کہ آگ نے اس کے اردگرد ماحول کو خوب روشن کر رکھا ہو لیکن اس کی بینائی سلب کر دی گئی ہو۔ اسلام بھی ہر طرف خوب نور پھیلا رہا ہے لیکن یہ لوگ اپنے کفر کے اندھیروں پر راضی ہیں۔

دوسری مثال اُن منافقین کی بیان کی گئی جو متردّد ہیں، کبھی دل سے حق قبول کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور کبھی مفادات کی خاطر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو برساتی رات کا مسافر ہو، آسمانی بجلی چمکے تو چل پڑتا ہو اور جب اندھیرا چھا جائے تو رُک جاتا ہو۔ جیسے یہ شخص چلنے میں تذبذب کا شکار ہے، ویسے ہی یہ منافقین ایمان کی روشنی کو مکمل اپنانے میں تردد کا شکار ہیں۔ اسلام کی حقانیت دیکھ کر اسلام کی طرف جھکاؤ کرتے ہیں لیکن اسلامی احکام اور ذمہ داریوں کے خوف سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

اپنی پوزیشن واضح کرو!

منافقین کی ان پانچ کمزوریوں کو سمجھانے اور ان کی حالت پر دو مثالیں دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا کہ تم خلافت کے اہل تب بنو گے جب متقی بنو، اور اپنی حیثیت اور پوزیشن واضح کر لو، اپنے گریبان میں ہر بندہ جھانک لے کہ تمہارا تعلق ان تین جماعتوں میں سے کس کے ساتھ ہے، تم متقین میں سے ہو، کافرین میں سے ہو یا منافقین میں سے ہو، اگر کافرین میں سے نہیں ہو تو شکر کرو، پھر دیکھو کہ منافقین میں سے تو نہیں ہو، کیا منافقین کی مذکورہ بالا بیماریاں تمہارے اندر تو نہیں ہیں؟ اس لیے اپنے آپ میں متقین والے اوصاف پیدا کرو، کافرین اور منافقین جیسی عادات اور اوصاف سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

”خلافت“ کا اہم اُصول

اللہ تعالیٰ نے تیسرے رکوع کے اندر خلافت کے لیے ایک اہم اصول کو بیان کیا اور وہ ہے توحید کو اختیار کرنا، عقیدہ ٹھیک کرنا، اور اسی میں سورتِ فاتحہ سے ربط بھی ہے، اس سورت میں چار دفعہ توحید کا دعویٰ ذکر کیا گیا ہے۔

عقیدۂ توحید

ابتدائی بیس آیات میں قرآنی ہدایت ماننے اور نہ ماننے کے لحاظ سے انسانوں کی تین اقسام بیان کی گئی تھیں، اب ان سب اقسام سے خطاب کر کے انہیں توحید کی دعوت اس انداز میں دی جا رہی ہے جس میں توحید کے واضح دلائل بھی موجود ہیں۔

ان میں پہلا دعویٰ: ”يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ“ ہے، ایک ربّ کی عبادت

کرو، اللہ کو ایک جانو، پھر دلائل بھی دیے، اس لیے کہ وہی سب کا خالق ہے، اس لیے کہ زمین و آسمان اسی نے بنایا ہے، کوئی اور بنا سکتا ہے تو بنا کر دکھائے! اس لیے کہ بارشیں وہی اتارتا ہے، بارشوں سے پھل اور پھول وہی اُگاتا ہے، یہ بنیادی عقیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کے استحقاق کے لیے مُوَحِّد ہونا ضروری ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان

توحید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان ضروری ہے، اس لیے ان آیات میں صداقتِ قرآن اور رسالت کا ذکر کیا کہ یہ قرآن سچی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، اگر کوئی اسے اللہ کی کتاب نہیں مانتا بلکہ انسانی کلام مانتا ہے تو پھر پوری دُنیا کو چیلنج ہے کہ قرآن جیسی کوئی کتاب تو بنا کر پیش کرو، عربی نظم و نثر پر مکمل قدرت کے باوجود، دُنیا جہاں کا تعاون لینے کے بعد بھی، یہ لوگ اُلٹے لٹک جائیں گے لیکن قرآن جیسی مکمل کتاب تو دور کی بات، یہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت جیسی سورت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکیں گے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

عقیدۂ آخرت

فرمایا کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا، لہٰذا جو لوگ مومن ہیں اور اچھے اچھے اعمال کرنے والے ہیں، انہیں اللہ کی طرف سے انعام ملے گا، اور وہ انعام ہے: ”اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ“ تمہیں جنّت ملے گی، جنّت میں نہریں ہوں گی، بے بہا رزق ہوگا، جب رزق کھائیں گے تو خوش ہو جائیں گے، ”كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ“ اور وہ جنّت کی نعمتیں اور پھل ایسے ہوں گے کہ ان کی شکلیں تو جنتیوں کی دیکھی بھالی ہوں گی، لیکن ان جیسے ذائقے اور جسامتیں نہیں دیکھی ہوں گی، ”وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝“ جنّت میں اُنہیں ایسی پاکیزہ بیویاں ملیں گی جو ہر قسمی ظاہری و باطنی عیوب سے پاک ہوں گی، جنّتی لوگ، جنّت کی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ

قرآنی مثالوں میں حکمت

کافروں کو اس بات پر اعتراض تھا کہ قرآن اگر خدا کا کلام ہے تو اس میں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ جیسے حقیر جانداروں کی مثالیں کیوں دی گئی ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خلاف ہے۔

فرمایا کہ قرآن جو مثالیں دیتا ہے وہ دراصل حقیقی بات کو سمجھانے کے لیے دیتا ہے، حقیر اور ادنیٰ چیز کی مثال میں ادنیٰ مخلوق، مکھی اور مچھر کی مثال ہی دی جائے گی۔ کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ مثالوں کے ذریعے بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، لیکن یہ بات انہی کو سمجھ آتی ہے جو مومن ہوں، جنھوں نے کفر کی قسم کھا رکھی ہو، ان کے لیے مزید گمراہی کا باعث بن جاتی ہے۔ یاد رکھو! قرآنِ کریم پر ایمان لاؤ، اور قرآنِ کریم کی مثالوں پر بھی ایمان لاؤ ورنہ فاسق بن جاؤ گے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

"فاسق" کی تین نشانیاں

"فاسق" کون ہوتے ہیں؟ فرمایا: فاسق وہ ہوتے ہیں جن میں تین نشانیاں پائی جائیں۔

پہلی نشانی: "عہد شکنی"

فرمایا کہ: "الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠" فاسق عہد شکن ہوتا ہے، اللہ سے کیا گیا وعدہ (وعدۂ اَلَستُ) بھی پورا نہیں کرتا، اسی وعدہ کی یاددہانی کے لیے آنے والے پیغمبروں اور اُترنے والی کُتب پر بھی ایمان نہیں لاتا۔

دوسری نشانی: "قطع تعلق"

فاسقین کی دوسری نشانی یہ ہے کہ "وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ" وہ قطع رحمی کرتا ہے، ان تمام تعلقات کو توڑ دیتا ہے جنھیں جوڑے رکھنے کا خود اللہ نے حکم دیا۔ چاہے وہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہو، خاندان کے افراد سے تعلق ہو یا عام انسانوں سے، فاسق شخص ان حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا۔

تیسری نشانی: "فسادی طبیعت"

فاسق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ "وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ" وہ زمین میں فساد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی نہیں کرتا تو اس کا لازمی نتیجہ "فساد فی الارض" ہی نکلتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

رَبِّ کریم کے اتنے احسانات کے باوجود شرک کی ''ہمت'' کیسے کر لیتے ہو؟

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید اختیار کرنے پر زور دیا اور ان لوگوں کو ڈانٹا جو شرک کرتے ہیں، دنیا کا اُصول ہے کہ جو شخص جس ملک میں پیدا ہوتا ہے، پیدائش ہی سے اس ملک کا شہری اور اس کے قوانین کا پابند ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی اس کائنات میں پیدا ہو رہا ہے، خود بخود اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے خالق کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارے گا۔

اس لیے فرمایا کہ جب تم اللہ ہی کے پیدا کردہ ہو، کائنات کی جن چیزوں سے تم فائدہ اُٹھاتے ہو، وہ بھی اللہ ہی کی پیدا کردہ اور توحید کی گواہ ہیں، اس سب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کفر کا رویہ کتنی بڑی ناشکری ہے! یہ کون سا انصاف ہے کہ تمہیں پیدا تو رَبّ تعالیٰ کرے اور تم فرمانبرداری کسی اور کی کرو!

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ
الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

''خلافت'' کا پہلا نمونہ

اس تمہید کے بعد خلافت کا پہلا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، جس سے زمینی خلافت کا آغاز ہوا اور وہ آدم علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ مَیں زمین میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں جو خود بھی میرے احکام پر عمل کرے گا اور دوسروں کو بھی حسبِ وسعت میری اطاعت کی طرف دعوت دے گا۔

فرشتوں کی حیرانگی اور اللہ تعالیٰ کا جواب

فرشتوں کو اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ اے اللہ! انسانی ڈھانچے اور فطرت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ فساد اور قتل وغارت گری اس کی سرشت میں ہے، یہ ڈھانچہ نیکی کے ساتھ بدی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے، فرشتے چونکہ پہلے سے جنات کی فطرت میں لڑائی اور فتنہ فساد دیکھ چکے تھے، اس لیے انہیں اندازہ ہوا کہ شاید وہی سب کچھ یہ حضرت انسان بھی کرے گا، اس لیے عرض کیا کہ اسے بنانے کی اور دنیا کو فساد کی آماجگاہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ خصوصاً جب اس نئی مخلوق بارے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آپ کی نافرمانی کریں گے جس سے آپ ناخوش ہوں گے۔ ہم نیاز مند ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں، آپ کی تسبیح وتحمید کے لیے بہت کافی ہیں۔ لہٰذا ایک معصوم اور مکمل تابعدار مخلوق کے ہوتے ہوئے غیر معصوم اور سرکشی کا مادہ رکھنے والی مخلوق پیدا کر کے اپنی نیابت ان کے حوالے کرنے میں حکمت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پر حاکمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ "اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝" یعنی خلافتِ الٰہیہ کی حقیقت اور اس کی ضروریات سے تم واقف نہیں ہو، جس چیز کو تم نیابت کے منافی سمجھ رہے ہو، درحقیقت وہی چیز ہی اہلیتِ نیابت کا بنیادی سبب ہے، نائب کی ضرورت ہی تبھی ہوتی ہے جب فتنہ فساد ہو، اگر فتنہ فساد ہی نہ ہو تو پھر خلیفہ اور نائب بھیجنے کی کیا ضرورت! لہٰذا اس "نیابت" کی پوری حقیقت کو ہم ہی جانتے ہیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝

آدم اور فرشتے آمنے سامنے

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کے خواص اور انسانی کیفیات، بھوک پیاس، راحت و تکلیف وغیرہ فرشتوں کے سامنے سکھا دیے، لیکن ظاہر ہے کہ فرشتے کیا جانیں کہ بھوک پیاس کیا ہوتی ہے اور نفسانی جذبات کیسے ہوتے ہیں، اس لیے جب فرشتوں سے کہا گیا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ، تو چونکہ فرشتوں میں ان اُمور کو سمجھنے اور یاد رکھنے کی صلاحیت ہی نہ تھی، اس لیے فرشتے جواب نہ دے سکے اور صرف یہی کہا کہ "سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝" ہمیں تو صرف وہی علم حاصل ہو سکتا ہے جو آپ ہمیں دینا چاہیں اور جس کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کر دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا "اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ" فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ نام سنا دیے، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام فطری طور پر ان سب چیزوں سے مانوس اور انہیں جاننے والے تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام معلّمِ ملائک تھے

اس طرزِ گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو فرشتوں کا معلّم اور استاد بنایا جبکہ فرشتوں کو متعلّم اور شاگرد کا مقام دیا۔

کامیاب خلافت

خلافت کے لیے علم کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے ہم نے آدم کو خلافت عطا کی، کامیاب حکومت اور خلافت کے اہل لوگ وہ ہوں گے جو صاحبِ علم ہوں گے، علمِ دین کا بھی حاصل کرو، علمِ دنیا کا بھی حاصل کرو، اگر جاہلوں کو حکومت مل جائے تو وہ ناکام ہوا کرتے ہیں، چونکہ آدم علیہ السلام کا علم کامل تھا اس لیے آدم علیہ السلام کو فضیلت بھی ملی اور اسی فضیلت کا احساس

دِلانے کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ بھی کروایا، یہ تعظیمی سجدہ تھا، سجدہ کا یہ حکم جنات کو بھی تھا، اس لیے کہ جب سب سے افضل مخلوق فرشتوں پر سجدہ لازم ہے تو جنات اس میں بدرجہ اَولیٰ داخل تھے۔ چنانچہ ابلیس کے علاوہ سب نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ پھر انہیں جنّت میں ٹھہرایا، یہ پہلا نمونہ خلافت ہے۔ اس میں اشارہ ہوا کہ بنی آدم، ابلیس وشیطان سے دور رہیں، اس لیے کہ یہ انسان کا دشمن ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

جنّت کی مہمانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو سے حضرت حوّا کو پیدا فرمایا اور پھر دونوں کو جنّت میں ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنّت کی نعمتوں سے خوب لطف اندوز ہونے کی اجازت دی البتہ ایک مخصوص درخت (مفسرین کی آراء اس درخت کی تعیین بارے مختلف ہیں، کوئی گندم، کوئی انگور اور کوئی انجیر کا درخت کہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی مستند روایت سے اس درخت کی تعیین نہ ثابت ہے اور نہ ہی اس کے جاننے کی کوئی ضرورت!) کے قریب نہ جانے اور اسے استعمال نہ کرنے کا حکم فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام اپنی زوجہ کے ہمراہ جنّت میں عرصہ دراز تک مقیم رہے۔

شیطان کا بہکاوا اور زمین پر نزول

اس دوران شیطان جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کر کے راندۂ درگاہ بنا دیا گیا تھا اور حسد وعداوت کی آگ میں جل رہا تھا، اُس نے کسی ذریعے سے حضرت آدم علیہ السلام تک رسائی حاصل کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتہ بن جانے، جنّت میں ہمیشہ رہنے کا دھوکا دے کر اور اپنی خیر خواہی کی جھوٹی قسمیں کھا کر (''وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝'' الاعراف:۲۱) اس شجرِ ممنوع کے استعمال پر آمادہ کر لیا، حضرت آدم علیہ السلام شیطان کی قسموں اور بہکاوے میں آ کر یہ درخت کھا بیٹھے، اسی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوّا کو جنّت سے اُتار کر زمین پہ الگ الگ کر کے بھیج دیا، اور ساتھ میں یہ بھی پیشین گوئی کی گئی ''بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ'' اولادِ آدم اور شیطان کی دُشمنی تا قیامت چلتی رہے گی اور اولادِ آدم کے درمیان بھی باہمی عداوت اور دُشمنیاں رہیں گی، ظاہر ہے کہ اولاد میں لڑائیوں سے والدین کا سکون برباد ہو جاتا ہے، گویا زمین پر اُتارنے کے ساتھ ساتھ، اولاد میں دُشمنی کی پیشین گوئی کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو معنوی طور پر یہ بھی ایک سزا دی گئی تھی۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا

يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝

''توبہ'' کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائے گئے

زمین پہ اتر کر حضرت آدم وحوا ایک عرصہ تک گریہ وزاری سے اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرتے رہے، لیکن یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کن الفاظ سے معافی مانگیں، بالآخر حق تعالیٰ نے خود ہی انہیں توبہ کے الفاظ سکھائے، جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝'' (الاعراف: ۲۳) یہ بات بھی واضح رہے کہ غلطی اور گناہ ہونے پر توبہ کے لیے کوئی مخصوص الفاظ کہنا ہرگز ضروری نہیں، کوئی بھی ایسے الفاظ جس میں اپنی خطا پر شرمندگی اور آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا عزم ہو، توبہ کے لیے کافی ہے، تاہم یہ الفاظ چونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے خود سکھائے گئے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے توبہ کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ ان شاء اللہ!

بہرکیف! اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں دُنیا میں بھیجتے ہوئے فرمایا کہ میری ہدایت اولادِ آدم کے پاس آتی رہے گی، جو اسے قبول کریں گے وہ بےخوف وخطر رہیں گے، اور جو کافر بنیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

شیطان، اِنسان کا واضح دشمن ہے

اس واقعہ سے ہمیں ایک سبق ملا کہ شیطان نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ انسان سے نعمت چھن جائے، اللہ نے آدم علیہ السلام کو جب جنّت میں ٹھہرایا تو شیطان نے دشمنی کی اور آدم علیہ السلام کو وسوسے اور غلط فہمی میں ڈال کر درخت کھانے پر آمادہ کرلیا، جس کے نتیجے میں انہیں جنّت سے زمین پر آنا پڑا، یہ عداوت ہے شیطان کی، تمہاری شیطان سے دشمنی ابتداء سے چل رہی ہے، آخر تک رہے گی، یہ تمہارے اَبا آدم اور اَمّاں حوّا کا دشمن تھا تو تم سے کیسے مخلص ہوسکتا ہے! اس لیے اس سے بچ کر رہنا، اس نمونے سے ہمیں سبق حاصل ہوا کہ علم بھی حاصل کرو اور شیطان کے بہکاوے سے بھی بچو!

''عصمتِ انبیاء علیہم السلام'' کا مسئلہ

یاد رکھیے! اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ سیّدنا آدم علیہ السلام سے لے کر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک، جملہ انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، حق تعالیٰ ان کی نشوونما اور نگرانی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہیں، گناہ کی صلاحیت ومادہ ہونے کے باوجود انہیں گناہوں سے دور رکھا جاتا ہے تاکہ امت کا اپنے نبی پر اعتماد مجروح نہ ہو، اگر نبی بھی گناہ کرے تو نبی، اپنی امت کے لیے واجب الاتباع کیسے رہے گا!

حضرت آدم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ میں شیطان کا سجدہ سے انکار اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی دیدہ ودانستہ اور تکبّر کی

بنیاد پر تھی، وہ اپنے جرم پر نادم ہونے کے بجائے اکڑ گیا، جبکہ آدم علیہ السلام سے درخت کھانے کی لغزش بھول کی وجہ سے ہوئی، جس کی حقیقت شیطان کا دھوکا اور یہ بہکاوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں آپ کو اس درخت سے اس لیے منع کیا تھا کہ آپ میں اُس وقت اِس درخت کے استعمال کی قوت نہیں تھی، یہ بہت مقوی غذا ہے، اب آپ چونکہ جنّت کی نعمتوں سے مانوس ہو گئے ہیں اور آپ میں مطلوبہ قوت پیدا ہو گئی ہے، اس لیے اب اس درخت کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، اس درخت کے کھانے سے ہمیشہ کی زندگی ملے گی اور آپ کو جنّت میں رہ کر ہمیشہ عبادت خداوندی کا لطف ملے گا وغیرہ وغیرہ، اُس مردود نے اپنی بات کی یقین دہانی کے لیے قسمیں بھی اُٹھائیں، جیسا کہ گزشتہ سطور میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت آدم نیک دل تھے، نیک نیتی سے درخت کھا بیٹھے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عارضی ناراضگی کا سبب بن گیا، حضرت آدم علیہ السلام نے پھر آہ و زاری سے توبہ بھی کی، معلوم ہوا کہ یہ کوئی جان بوجھ کا گناہ نہ تھا بلکہ نیکی کی نیت بھی نیکی تھی، نتیجہ غلط ہو گیا، اس لیے معافی مانگنے پر اللہ نے معافی بھی دے دی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جن انبیاء کی خطا اور لغزش بیان کی گئی ہے، وہ درحقیقت جان بوجھ کر نافرمانی نہیں تھی بلکہ اجتہادی خطا اور غلط فہمی تھی، نیز وہ غلط فہمی بھی دینی اور تبلیغی معاملات میں نہ تھی بلکہ ذاتی افعال وغیرہ میں تھی، اور ان سے ایسا کرایا گیا تاکہ سب کو معلوم ہو سکے کہ انبیاء بھی درحقیقت انسان ہی ہوتے ہیں اور چونکہ حضرات انبیاء کا مقام بہت بلند ہے، اس لیے قرآن میں ان کے ایسے افعال کو معصیت اور غویٰ جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا اور گرفت بھی کی گئی، اگرچہ انہیں حقیقت میں ''گناہ'' نہیں کہا جا سکتا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

''خلافت'' کا دوسرا نمونہ

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت کا دوسرا نمونہ پیش کیا ہے، بنی اسرائیل اور ان کی اُمتوں کا، ان میں بہت سی اُمتیں تھیں، کئی سو سال تک بنی اسرائیل اس رُوئے ارض کے حاکم رہے۔

''اسرائیل'' کا معنی و مفہوم

اسرائیل سُریانی زبان کا لفظ ہے اور یہ دو الگ الگ الفاظ ہیں ''اسرا'' بمعنی بندہ اور ''ایل'' بمعنی اللہ، تو اس کا معنی ہے: عبداللہ، یعنی اللہ کا بندہ۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

پوتے اور سیدنا اسحاق علیہ السلام کے فرزند تھے، پھر حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے جن سے آگے بارہ خاندان پھیلے، انہی بارہ خاندانوں اور قبائل کو "بنی اسرائیل" کہتے ہیں۔ سارے یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔

"یہود" کو "یہود" کہنے کی وجوہات

انہیں "یہودی" کہنے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں:

۱- یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے "یہودا" کی طرف منسوب ہیں۔

۲- یہ "ہود" سے مشتق ہے بمعنی حرکت کرنا، یہ لوگ چونکہ ہل ہل کر تورات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی "دیوارِ گریہ" کے پاس یہ لوگ ہل ہل کر اپنی کتاب پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں "یہودی" کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

"بنی اسرائیل" کے ذکرِ خاص کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کئی ہزار سال تک زمین میں خلافت دی، بڑے بڑے انعامات و اکرامات سے نوازا جن کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ یہ شکر گزار بنتے، خدائی احکامات کی پاسداری کرتے لیکن یہ بالکل ناکام ہوئے، تورات کے احکامات میں من مانیاں کیں، ایمان اور اعمال کے کچے نکلے، ان میں بڑے بڑے جرائم نے جنم لیا، انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے، اس لیے یہ لوگ "خدائی خلافت" کا استحقاق باقی رکھنے میں ناکام ہوئے، سورہ بقرہ میں ایک سو کے قریب آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان بنی اسرائیلیوں کا ذکر کیا جن میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی اور ساتھ ساتھ انہیں تنبیہ بھی کی گئی کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے بکثرت احسانات کے باوجود ناشکری اور بدعنوانیوں سے باز نہیں آئے، اس لیے ناکام ہوئے۔

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ۞ وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ۞

نکتہ:- سورتِ بقرہ میں تین بار "يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ" مذکور ہے، پہلا "يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ" بطورِ تمہید ہے، دوسرے میں تفصیل ہے اور تیسرے میں نتیجہ ہے۔ پہلے "يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ" سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آٹھ اوامر اور چار نواہی دیے تھے، مگر انہوں نے ان میں سے کسی کی بھی رعایت اور پروا نہیں کی۔

"بنی اسرائیل" کو دیے گئے احکامات کا خلاصہ

۱- پہلا حکم میں نے بنی اسرائیل کو یہ دیا تھا کہ "اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ" میری نعمتوں کو یاد کرو اور میری

نعمتوں کا شکر ادا کرو، بنی اسرائیل کو پہلا حکم نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا تھا، ہمیں بھی پہلا حکم سورہ فاتحہ میں شکر کا ہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" "شکر کرنے سے نعمت بڑھتی ہے۔

۲- دوسرا حکم دیا تھا: "وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" "میرے وعدے کو پورا کرنا۔

۳- تیسرا حکم تھا: "وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ" "مجھ ہی سے ڈرنا۔

۴- چوتھا حکم تھا: "وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ" "جب قرآن مجید کا نزول ہو تو اس کو کتاب ہدایت ماننا اور اس پر ایمان لے آنا، انکار نہ کرنا۔ اور یہ قُرآن دو طرح سے سابقہ کُتب کی تصدیق کرتا ہے: ۱- سابقہ کُتبِ سماویہ بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ تھیں (اگرچہ بعد میں ان میں تحریف کر دی گئی)۔ ۲- اُن کُتب میں آخری پیغمبر کی آمد کی جو پیشین گوئی تھی، قُرآن نے اسے سچا ثابت کر دکھایا۔ ان تصدیقات کا لازمی تقاضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لاتے لیکن معاملہ اس کے برعکس رہا، دیگر اقوام کے مقابلے میں بنی اسرائیل، اسلام قبول کرنے میں نہ صرف پیچھے پیچھے رہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور دیگر اقوام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرنے میں ان کا بڑا کردار رہا۔

۵- پانچواں حکم تھا: "وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" "نماز قائم کرنا۔

۶- چھٹا حکم تھا: "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" "زکوٰۃ دینا۔

۷- ساتواں حکم تھا: "وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ" "جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ رکوع کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ یہودیوں کی عبادت میں رکوع نہیں ہوتا، یہ اُمتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

۸- آٹھواں حکم تھا: "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" "صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد مانگنا۔

"بنی اسرائیل" کو جن اُمور سے منع کیا گیا

اللہ تعالیٰ نے انہیں جس طرح کچھ امور کے کرنے کا حکم دیا، اسی طرح چند چیزوں سے منع بھی فرمایا تھا۔

۱- پہلی چیز "وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ" "قرآن کے پہلے منکر نہ بننا۔ اپنی کُتب میں موجود آخری پیغمبر کی آمد کی بشارتوں کو سمجھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنا۔

۲- دوسرا "وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا" "دِین فروش نہ بننا، لوگوں سے پیسے لے کر تورات کے احکام میں مَن مانی تحریفات وتاویلات ہرگز نہ کرنا (بعض یہودی علمائے سوء کا یہی طرزِ عمل تھا)۔

۳- تیسرا "وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ" "حق کو باطل کے ساتھ نہ ملانا۔

۴- چوتھا حُبِ جاہ اور حُبِ مال سے بچنا۔

لیکن بنی اسرائیل نے ان میں سے کسی پر بھی عمل نہ کیا تو فرمایا کہ بنی اسرائیل، ارضی خلافت کا استحقاق برقرار رکھنے میں ناکام ہوگئے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

''بنی اسرائیل'' پر اللہ تعالیٰ کے اِحسانات کا تفصیلی تذکرہ

اس رکوع سے بنی اسرائیل اور ان کے آباء واجداد کے تفصیلی احوال اور ناکامیوں کو پانچ انوع واقسام میں بیان کیا گیا ہے:

''بنی اسرائیل'' کی پہلی قسم کا بیان

رکوع نمبر ۵ کی آیت نمبر ۴۷ سے رکوع نمبر ۶ کی آیت نمبر ۶۱ تک بنی اسرائیل کی پہلی نوع کا بیان ہے جس میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے آٹھ انعامات اور دو عذابوں کا ذکر ہے جب کہ رکوع نمبر ۷ کی پہلی آیت میں اس نوع کا تکملہ ''قانونِ نجات'' کی شکل میں پیش کیا گیا ہے، ان دونوں رکوعوں میں یہود کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ، دعوتِ ایمان بھی دی گئی ہے اور یہود کی پرانی روش اور ان کی ناکامی کو بھی بیان کیا گیا ہے، بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے آٹھ انعامات واحسانات درج ذیل ہیں:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

۱- پہلا اِنعام: ''نسل کشی اور فرعون کے مظالم سے نجات''

اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک احسان یہ کیا کہ فرعون جو اِن کے یہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا (کیونکہ فرعون کو کسی نے یہ بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمہارے تخت وسلطنت کے لیے خطرہ بنے گا) صرف بچیوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔ اللہ نے فرعون کے مظالم سے انہیں نجات عطا فرمائی۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

۲- دوسرا اِنعام: ''آلِ فرعون کی غرقابی اور بنی اسرائیل کی حیرت انگیز حفاظت''

فرعون اور اس کا لاؤ لشکر، بنی اسرائیلیوں کے قریب پہنچ چکا تھا (واقعے کی تفصیل آگے آئے گی) ہم نے بحرِ قلزم (غالباً بحیرۂ احمر ''Red Sea'' اور نہرِ سوئیز کا درمیانی علاقہ) میں بنی اسرائیل کے لیے راستے بنا دیے، یہ بحفاظت سمندر پار کر گئے جب کہ ان کے دشمن کو ہم نے ان کے سامنے پانی میں غرق کر دیا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰىٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

۳- تیسرا اِنعام: ''بچھڑے کی عبادت جیسے شرک کے باوجود محض اپنے فضل وکرم سے معافی دے دی''

فرعون کی غرقابی کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو موسیٰ بن ظفر (سامری) نامی ایک شخص نے بچھڑا بنایا اور قوم سے کہا کہ یہی بچھڑا ہی تمہارا حقیقی اور اصل خدا ہے، اسی کی پوجا پاٹ کرو۔ موسیٰ پتہ نہیں کس خدا کی تلاش میں گئے ہوئے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے اتنے بڑے جرم اور شرک کو معاف کیا اور فرمایا کہ یہ معاف کرنا ہمارا بڑا انعام تھا تاکہ تم ربّ تعالیٰ کا شکر کرو۔ (واقعے کی تفصیل سورتِ اَعراف اور سورتِ طٰہٰ میں بیان ہوگی۔ اِن شاء اللہ)۔

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝

۴- چوتھا اِنعام: ''تورات جیسی عظیم الشان کتاب کا عطیہ''

فرمایا کہ ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے تورات جیسی کتاب عطا کی اور حق وباطل میں فرق کرنے کا معیار (خود تورات اور اس میں موجود اَحکامات یا پھر حضرت موسیٰ کو عطا کردہ معجزات) دیا تاکہ تم راہِ راست پر رہو، بھٹک کر گمراہ نہ ہو جاؤ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۝

۵- پانچواں اِنعام: ''شرک جیسے گناہ کی دُنیا میں ہی سزا دے کر تمہیں پاک صاف کر دیا گیا''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اُصولی بات کی تھی کہ تم لوگوں نے رَبّ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ تمہارے اس شرک کی توبہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے شرک نہیں کیا، وہ شرک کرنے والوں کو قتل کریں گے، اس طرح اللہ نے تم پر رحم کیا اور تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں شرک کے اُخروی عذاب سے نجات دی اور تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار بن گئے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

۶- چھٹا اِنعام: ''گستاخ ایسے کہ مار دیے جانے کے لائق تھے، لیکن ہم نے پھر بھی زندگی بخشی''

یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ جو ہمارے پاس تورات کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے احکامات لائے ہیں، ہمیں کیا پتہ کہ یہ حقیقت میں اللہ کے احکامات ہیں بھی سہی یا نہیں؟ ہم تو اللہ کو تبھی مانیں گے جب ہم اللہ کو خود اپنی

آنکھوں سے دیکھ لیں، اس گستاخی پر اللہ کی طرف سے ان پر ایک بجلی کڑکی جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے (عند البعض بے ہوش ہوئے) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ نے انہیں دوبارہ زندگی عطا کی تاکہ اللہ کے احسانات کو تسلیم کریں اور شکرادا کریں۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا
وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

۷۔ساتواں اِنعام: ''تمہاری نافرمانی کے باوجود ہم نے صحرا میں سایہ اور اعلیٰ خوراک مہیا کی''

جب بنی اسرائیل نے جہاد کے خدائی حکم سے منہ موڑا تو سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صحرائے سینا (وادیٔ تیہ) میں قید کر دیا، لیکن اس سزا کے باوجود خدا تعالیٰ کی مہربانی یہ تھی کہ صحرائی تپش سے بچنے کے لیے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور غذائی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم نے تمہیں ''مَنّ'' (ترنجبین قسم کا پھل) اور ''سَلْوٰی'' (بٹیر) عطا کیے۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ
كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝

۸۔آٹھواں اِنعام: ''تمہارے پینے کے لیے پانی کا انتظام بھی نہایت عمدہ کیا گیا''

فرمایا کہ وادیٔ تیہ میں جب تم حیران و سرگرداں پھر رہے تھے اور تمہارے پاس پینے کے لیے پانی نہیں تھا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، انہوں نے اپنا عصا پتھر پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے، اس لیے بارہ ہی قبیلے تھے، ہر قبیلہ کو پانی کا اپنا علیحدہ چشمہ اور گھاٹ مل گیا تاکہ کوئی اُلجھن پیدا نہ ہو۔

یہ آٹھ انعامات اللہ نے بنی اسرائیل پر کیے تھے، لیکن یہ لوگ ناقدرے نکلے اور اس طرح اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ
لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى
الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

نافرمانیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب

اللہ تعالیٰ نے ان کی مسلسل نافرمانیوں اور ناشکریوں کی وجہ سے پھر انہیں دو عذابوں میں مبتلا کیا، پہلا عذاب ان پر یہ آیا کہ جب یہ لوگ مسلسل ''مَن و سلویٰ'' استعمال کرتے ہوئے اُکتا گئے تو کہنے لگے کہ اب ہم زمین کی سبزیاں استعمال

کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کی اور ان سے فرمایا کہ سامنے ایک شہر (راجح قول کے مطابق بیت المقدس ہے۔ "أصح القولين أن هذه البلدة هي بيت المقدس" تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۷۳) ہے، وہاں چلے جاؤ، داخل ہوتے وقت عاجزی سے، جھکتے ہوئے اور اپنے گناہوں پر ندامت کرتے ہوئے اس طرح داخل ہو کہ زبان سے "حِطَّةٌ" (ہمارے گناہ معاف فرما) کہتے جانا، وہاں جا کر اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا استعمال کرنا چاہو، ملے گی۔

لیکن یہ ناقدرے لوگ، اپنی عادتِ بد سے پھر بھی باز نہیں آئے۔ بے ادبی کرتے ہوئے، لغویات بکتے ہوئے گئے، جھکنے کے بجائے، سُرینوں کے بل اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے اور "حنطة" (گندم) جیسا مہمل کلمہ کہتے ہوئے گئے، اللہ نے اس کے نتیجے میں ان پر طاعون کی وبا نازل فرمائی جس کی وجہ سے بعض مفسرین کے بقول ان کے ستر ہزار لوگ ہلاک ہو گئے، یہ طاعون عذاب بن کر ان پر اترا تھا۔

"کرونا وائرس" کی حقیقت

یہ کورونا وائرس بھی طاعون کی طرح کی ایک مصیبت ہے، اور سورۂ بقرہ ہمیں بتا رہی ہے کہ اس طرح کی مصیبتیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی شکلیں ہوا کرتی ہیں، آج کل عجیب باتیں سُننے کو ملتی ہیں کہ "ہم کرونا کو ناکام کریں گے، شکست دیں گے، ڈرنا نہیں، لڑنا ہے" ارے میاں! اللہ کے عذاب کو کوئی شکست نہیں دے سکتا، اس کا حل صرف یہی ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرو، استغفار کرو!، یوں کہو کہ ہم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اس مصیبت کو اللہ سے رُکوائیں گے۔ سورتِ بقرہ اور رمضان کا یہ پہلا دِن ہمیں سبق دے رہا ہے کہ اگر کورونا اور اس جیسی آفات سے بچنا ہے تو پھر اللہ کی نافرمانیاں چھوڑ دو۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

"بنی اسرائیل" کو خدائی میزبانی بھی پسند نہ آئی

وادیٔ تیہ میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے لیے آسمان سے کھانا اُتارتے رہے، مَن اور سلویٰ آتا رہا، جس سے وہ معاشی طور پر بے فکر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اُنہیں اس لیے دی تھی تا کہ فکرِ معاش سے فارغ ہو کر جہاد کی تیاری کریں، غلامانہ زندگی سے آزادی کی جدّ وجہد کریں، لیکن یہ لوگ ناشکری کرتے ہوئے کہنے لگے: "لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ" نہیں جی! ہم ہر وقت ایک جیسا کھانا نہیں کھا سکتے، ہم خود کاشت کر کے سبزیاں کھائیں گے، پیاز کھائیں گے، لہسن کھائیں گے، مسور کی دال کھائیں گے، ساگ اور سبزی کھائیں گے۔ ہمیں ہر وقت ایک ہی جیسی خوراک استعمال کرنا پسند نہیں۔

مشقّت کا عذاب

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس احمقانہ مطالبہ پر ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے، اگر تمہیں یہی پسند ہے تو ایسا ہی سہی، ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ'' ''شہر میں جاؤ، وہاں کی خاک چھانو، کاشت کاری کرو، بیل، ہل، بیلچہ سب تیار کرو، یہ خاک چھاننا اور کھیتی باڑی کے آلات سے کام لینا مشقّت اور ذِلّت کا ذریعہ ہوتا ہے، چنانچہ ان پر ذِلّت و مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا گیا، ذِلّت دوسروں کی نظر میں اور مسکنت اپنی نظر میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ خدا کا عذاب بھی ان پر تھوپ دیا گیا، یہ سب کچھ آیاتِ خداوندی کے انکار اور قتلِ انبیاء کے سبب ان پر مسلط ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞

''قانونِ نجات'' سب کے لیے ایک ہے

اس نوع کا تتمہ اس آیت میں ''قانونِ نجات'' کی شکل میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اہلِ ایمان ہیں اور یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے گا، انہیں ربّ کی جانب سے اجر ملے گا، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کسی غم کا شکار ہوں گے۔

دراصل یہ قانون اس تناظر میں ذکر کیا گیا کہ یہود اپنے آپ کو۔العیاذ باللہ۔اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب گردانتے، خود کو اولادِ انبیاء اور صاحبزادے سمجھ کر بزعمِ خود جنّتی قرار دیتے اور کہتے: ''لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً'' (البقرۃ:۸۰) اوّل تو ہم تو دوزخ میں جائیں گے ہی نہیں، اگر بالفرض گئے بھی تو محض چند روز کے لیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے رَدّ میں فرمایا کہ میرا قانون سب کے لیے ایک ہے، مدارِ نجات ''ایمان اور عملِ صالح'' ہے، یہی قانون اپنے آپ کو مومن کہنے والوں کے لیے ہے اور یہی قانون یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں (ستارہ پرست) سب کے لیے ہے، کسی کو یہ گھمنڈ نہیں رہنا چاہیے کہ ہم اللہ کے مقرّب ہیں تو ہم مفت میں جنّت کے حق دار ہیں، یہاں اعمال کی بناء پر فیصلے ہوں گے۔

کامیابی چاہیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لانا ضروری ہے

مذکورہ بالا آیت میں ایمانیات میں سے صرف اول و آخر یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر ہے، لیکن مُراد جملہ ایمانیات ہیں، یعنی مدارِ نجات، تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ، اللہ کے نبی و رسول جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و ختمِ نبوّت پر ایمان، فرشتوں اور کتابوں پر ایمان وغیرہ سب اس میں شامل ہے۔

اس دور کے بعض ملحدین کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، اس لیے یہودی، عیسائی وغیرہ سب جنّتی ہو سکتے ہیں، یہ بات جہالت پر مبنی اور دِین کی روح سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

قرآنِ کریم کی سورۃ النساء میں ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:۱۵۰-۱۵۲)

''یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ایمان لانے میں تفریق کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، نبیوں پر ایمان نہیں لاتے یا کچھ انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور بقیہ کی تکذیب کرتے ہیں، وہ پکے کافر ہیں۔ نجات کے لیے سب پر ایمان لانا لازم ہے۔''

لہٰذا آج کل کے زمانے میں بعض لوگوں کا یہ دھوکا دینا کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نجات ہو جائے گی، نصوصِ قطعیہ کے بالکل برعکس بات ہے۔ ایمان بالرسل کے بغیر نہ ایمان معتبر ہے اور نہ ہی نجات کی اُمید۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

''بنی اسرائیل'' کی دوسری قسم کا بیان

آیت نمبر ۶۳ سے لے کر آیت نمبر ۷۴ تک بنی اسرائیل کی دوسری نوع کا تذکرہ ہوا ہے اور اس میں اس نوع کی تین نالائقیوں کو بیان کیا گیا ہے:

۱- اَحکامِ خداوندی سے اِعراض کرنا۔

۲- حیلہ سازی اور بہانے بنانا۔

۳- بے جا تعمق اور گہرائی، بال کی کھال اُتارنا۔

۱- اَحکامِ خداوندی سے اِعراض

بنی اسرائیل نے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کتاب کا مطالبہ کیا، جب تورات عطا کر دی گئی تو پہلے تو اس میں شک کرنے لگے کہ یہ واقعۃً اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے بھی سہی یا نہیں؟ ستر آدمی تورات کی تصدیق کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور گئے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقین ہو جانے کے بعد قوم کو آ کر یہ تو بتایا کہ واقعی یہ اللہ کی طرف سے ہے لیکن اپنی طرف سے یہ بات بھی بڑھا دی کہ اللہ نے گنجائش دی ہے کہ جس قدر اس کتاب پر عمل ہو سکے کر لینا، بقیہ معاف

ہے۔ اس طرح وہ من چاہے احکام پر عمل کرنے لگے اور بقیہ احکام کو خدائی رعایت پر محمول کر کے گویا عملاً کتاب اللہ سے اعراض کرنے لگے، یہ انکار گویا ارتداد ہی تھا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بطورِ سزا ان کے سروں پر کوہ طور کو بلند کر دیا کہ تورات کے سبھی احکام کو تسلیم کرو، نہیں تو پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا، جب اس قوم نے اطاعت اور کتاب پر عمل کا عہد کیا تب کوہ طور ان سے ہٹا لیا گیا۔ لیکن یہ لوگ پھر سے عہد شکن بن گئے۔

نوٹ:- کوہ طور بلند کرنے کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے اُٹھا کر عملاً ان کے سروں پر لایا گیا ہو، قدرتِ خداوندی سے یہ ہرگز بعید نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو زور زور سے اس طرح ہلایا گیا ہو جس سے قوم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ پہاڑ ہم پر گر ہی نہ پڑے۔ سورۃ الاعراف کی یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (الأعراف:171) واللہ أعلم بحقیقۃ الحال

نیز پہاڑ بلند کرنے کا مطلب انہیں زبردستی مومن بنانا نہیں تھا، یہ جائز نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑ بلند کرنے کا مقصد بنی اسرائیل کو ایمان لانے کے بعد اُن کی نافرمانیوں پر سزا دینا تھی جو بلاشبہ درست ہے۔ نیز قانون کا پابند بنانے کے لیے ایسی سختی کی گئی۔

خلاصہ یہ کہ کسی کو جبراً مذہب تبدیل نہیں کرایا جا سکتا، لیکن بخوشی مذہب اختیار کرنے والے کے لیے اس مذہب کے قوانین پر عمل کرنے کے لیے سختی نہ صرف جائز ہے، بلکہ ضروری ہے۔ جیسے ہر ملک اپنے شہریوں کو قانون کا پابند بناتا ہے، بصورت دیگر سزا دی جاتی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

۲- حیلہ سازی اور بہانے بازی کی عادت

غالباً حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے، اللہ رَبّ العزّت نے یہودیوں کی عبادت کے لیے ہفتے کا دن مقرر فرمایا تھا، اور اس دن دیگر معاشی سرگرمیاں اختیار کرنے پر پابندی لگا دی تھی۔ فرمایا کہ ہفتہ کے دن تم نے شکار نہیں کرنا، مچھلی نہیں پکڑنی، جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے، وہ کسی سمندر کنارے آباد تھے جن کا ذریعہ معاش ہی عموماً ماہی گیری ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے حیلوں کے ذریعے مچھلی کا شکار شروع کر دیا، اللہ کی طرف سے امتحان یہ تھا کہ پورا ہفتہ مچھلیاں نظر نہیں آتی تھیں، لیکن ہفتہ کے دن مچھلیاں وافر اور صاف تیرتی دکھائی دیتیں، تو یہ لوگ حیلہ یوں کرتے کہ ہفتہ کو براہِ راست مچھلی پکڑنے

کے بجائے دریا اور سمندر سے نالیوں کے ذریعے اپنے تالابوں میں پانی لاتے، مچھلیاں ان نالیوں کے ذریعے سے تالابوں میں آجاتیں، اتوار کو یہ لوگ جاتے اور اپنے تالابوں سے وہ مچھلیاں پکڑ لیتے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کو حیلے بہانوں سے توڑنے اور باطل کرنے والوں کا عبرتناک انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنادیا، یوں ان کی پوری ایک قوم ہلاک ہوگئی، ایک قوم نے انہیں منع بھی کیا اور خود بھی اس کام سے اجتناب کیا تو وہ بچ گئی اور ایک قوم اس طرح عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئی۔ جبکہ تیسری قوم جو نہ تو مبتلائے گناہ ہوئی اور نہ ہی دوسروں کو منع کیا، ان سے متعلق قرآن خاموش ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

۳- خدائی اَحکام میں بے جا سوالات اور قیل وقال کرنا

بنی اسرائیل کی تیسری نالائقی یہ تھی کہ ان میں ایک آدمی قتل ہوگیا، جس کا قصہ تاریخی روایات میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں "عامیل" نامی ایک بے اولاد آدمی تھا، دولت اس کے پاس بڑی تھی، لیکن تھا بخیل، اس کا ایک بھتیجا تھا جو بہت غریب اور محتاج تھا، بھتیجا اس انتظار میں تھا کہ میرا چچا مرے اور مجھے کچھ جائیداد ملے، اللہ نے اس کی زندگی لمبی کردی تو بھتیجے نے لالچ میں آکر اپنے چچا کو قتل کیا اور مظلوم بن کر روتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوا کہ میں لٹ گیا، میں مر گیا، میرا چچا قتل ہوگیا۔

"عالم الغیب" صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے!

اب دیکھو عالم الغیب اللہ کی ذات ہوتی ہے، نبی بھی غیب دان نہیں ہوتے، موسیٰ علیہ السلام کو نہیں پتہ چلا کہ اس شخص کا قاتل کون ہے؟ بہرکیف! جن لوگوں پر اس بھتیجے نے قتل کا الزام لگایا تھا، انہوں نے عرض کی کہ اے موسیٰ! مقتول کی دِیت ادا کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں، لیکن ہمیں بلاوجہ قاتل سمجھا جارہا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہمیں اس شخص کا حقیقی قاتل بتادیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝

قاتل کی تلاش کا طریقہ بھی درحقیقت امتحان ہی تھا

حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا: جاؤ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اس میّت کو

لگادو، اللہ میت کو زندہ کریں گے، وہ میت خود بتائے گی کہ اس کو کس نے قتل کیا۔ سیدھا سادہ مسئلہ تھا، گائے ذبح کرتے، عمل کرتے، قاتل کا پتہ چل جاتا، لیکن انہوں نے کیا کیا؟

بنی اسرائیل کا ''خودساختہ'' تقویٰ

پہلے تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ''اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ'' آپ نبی ہو کر ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں! کیا اس طرح سے بھی کبھی قاتل کا پتہ لگتا ہے! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نعوذ باللہ! میں مذاق نہیں کر رہا، مذاق میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت بہت بڑی جہالت ہے، اللہ کی پناہ اگر میں ایسی نادانی کا کام کروں۔

جانور کی تعیین میں بلاوجہ کھود کُرید اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جوابات

پھر کہنے لگے: ''ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ'' اچھا! ذرا اللہ سے یہ تو پوچھو کہ وہ گائے جو ذبح کرنی ہے، وہ کیسی ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ وہ گائے ایسی ہو کہ ''لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ'' نہ زیادہ بوڑھی ہو اور نہ جوان ہو، درمیانی عمر کی ہو، جو تمہیں حکم دیا گیا ہے، بس اسے پورا کرو۔ پھر کہنے لگے کہ ''ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ'' اب اس گائے کا رنگ بھی اللہ سے پوچھ کر بتاؤ، اللہ نے رنگ بھی بتادیا کہ ''اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝'' تیز زرد رنگ ہو جو خوش کُن ہو، پھر کہنے لگے کہ اس گائے کے اوصاف بھی اللہ سے پوچھ کر بتاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ وہ گائے بے عیب ہو، اس سے کوئی کام وغیرہ بھی نہ لیا گیا ہو۔

الغرض! ایک گائے ذبح کرنے کا حکم مطلق تھا، کوئی سی بھی گائے ذبح کر دیتے، حکم پورا ہو جاتا، لیکن ان کی بلاوجہ کی کھود کُرید کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سختیاں آتی چلی گئیں، نتیجہ یہ نکلا کہ گائے کی تعیین میں اتنی سختی ہو گئی کہ اب مطلوبہ عمر اور اوصاف کی حامل گائے کے ڈھونڈنے میں دشواری لگنے لگی۔

اس واقعہ سے یہ سبق دیا گیا کہ بلاوجہ کی اور غیر ضروری تحقیقات میں پڑنا ٹھیک نہیں، جو بات جتنی سادہ ہو، اتنی ہی سادگی میں اس پر عمل کر لینا بہت کافی ہے۔

بہرکیف! مطلوبہ اوصاف کی حامل گائے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک یتیم کے گھر میں پہنچے، اس کا باپ فوت ہو گیا تھا اور یہ بچہ اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا، اس بچے کے پاس وہ گائے تھی جس میں وہ ساری خوبیاں پائی جاتی تھیں، جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بتلائی تھیں۔

انہوں نے اس بچے سے کہا کہ یہ گائے ہمیں دے دو، ہم نے ذبح کرنی ہے، اس نے کہا کہ میں نہیں بیچتا، وہ قیمت بڑھاتے گئے، بڑھاتے گئے، پیشکش دیتے گئے، پیشکش پر پیشکش، آخری پیشکش یہ دی کہ یہ گائے ہمیں دے دو ہم اسے ذبح کریں گے، اس کا چمڑا اُتاریں گے، اس کے چمڑے میں جتنا سونا آئے گا، وہ سب سونا ہم آپ کو اس گائے کی قیمت کے طور پر دے دیں گے، اس نے کہا چلو ٹھیک ہے، اللہ نے اس بچہ کو بھی ماں کی فرمانبرداری کا بدلہ دینا تھا، رزق دینا تھا، اب یہ گائے

انہوں نے ذبح کی، اللہ فرماتے ہیں کہ گائے تو انہوں نے ذبح کردی اور اللہ نے میت کو بھی زندہ کردیا اور اس نے بتلادیا کہ میرا قاتل فلاں ہے، لیکن خدائی احکام میں بے جا باریکیاں نکالنے اور بلاوجہ حیلے بہانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل سخت ہوگئے، پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

جمادات میں بھی ایک حد تک ''شعور'' ہوتا ہے

فرمایا کہ پتھروں کی کئی اقسام ہوتی ہیں، کچھ پتھروں سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل نے خود وادیٔ تیہ میں مشاہدہ بھی کیا، کچھ پتھروں کے پھٹنے سے چشمے تو نہیں نکلتے لیکن پانی کے سوتے اور معمولی مقدار ظاہر ہوجاتی ہے، کچھ پتھر ربّ تعالیٰ کی خشیت میں اپنی جگہ سے لڑھک بھی جاتے ہیں، لیکن یہ بنی اسرائیلی اس قدر سخت دل ہیں کہ جس خدا کی خشیت، پتھروں کو متاثر کرتی ہے، اس کے احکام ان کے دلوں پر اثر نہیں کرتے، یہ لوگ پتھروں سے بھی زیادہ سخت دِل ہوچکے ہیں۔

ان آیات میں جس طرح بنی اسرائیل کی سنگ دِلی بتائی گئی ہے، اسی طرح یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ پتھروں اور جمادات میں بھی ایک گونہ شعور اور احساس ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورتِ مریم میں اسی کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝'' (مریم: ۹۰،۹۱) آج کی سائنس بھی اب اس بات کو آہستہ آہستہ تسلیم کررہی ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمِنْھُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

یہود کی پانچ گمراہ جماعتیں

مذکورہ بالا پانچ قرآنی آیات میں یہود کی پانچ جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا.....محرّفین۔

۲.....منافقین۔

۳.....جاہل مُرید۔

۴..... مفترین علی اللہ (اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے)۔

۵.....صاحبزادگان۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان یہود سے ایمان کی امید لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے حالات تو یہ ہیں کہ:

ا.....ان کی ایک جماعت اللہ کے کلام یعنی تورات کوسُن کر اور سمجھ کر بھی جانتے بوجھتے اس میں تحریف کرتی ہے، اس کے الفاظ و معانی تک بدل دیتی ہے۔

۲.....ایک جماعت کا یہ عالم ہے کہ وہ منافق ہیں، دورُخی پالیسی اپناتے ہیں، اہل ایمان سے ملاقات میں کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں سے جا کر کہتے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تورات میں جو خبریں آئی ہیں، انہیں کسی پر ظاہر نہ کرنا، کہیں لوگ تمہارے خلاف ہوکر تم پر حجت قائم کرنے نہ لگ جائیں۔ حالانکہ ان بیوقوفوں کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ مسلمانوں سے یہ حقائق چھپا لینے سے اللہ تعالیٰ کے یہاں تو حقائق نہیں چھپ سکتے، قیامت کے دن پیغمبروں کی تکذیب کے ساتھ ساتھ حقائق چھپانے کی گرفت الگ ہوگی۔

۳.....ان کی ایک جماعت ان پڑھ لوگوں کی ہے، جو کتاب اللہ کا ذرا بھی علم نہیں رکھتے، بس اپنے ’’علمائے سوء‘‘ کے کہنے پر امیدوں، آرزوؤں اور گمانوں پر مطمئن ہیں کہ ہم خدا کے پیارے نبیوں کی اولاد ہیں، ہم دوزخ میں نہیں جاسکتے، یہی حال آج کل بہت سے جاہلوں کا ہے۔

۴.....ان میں ایسے بدبخت لوگ بھی ہیں جو ’’دین فروش‘‘ ہیں۔ اپنے ہاتھ سے من گھڑت مسائل لکھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول دیتے ہیں کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اس طرح یہ لوگوں سے مال و نذرانے بٹورتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہے، جن کے ہاتھ غلط مسائل لکھتے ہیں اور ان کی کمائی پر بھی ہلاکت و خرابی ہے۔ دِین فروشی پر جتنی بھی رقم لے لی جائے آخرت کے مقابلے میں یہ ثمنِ قلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں پوری دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

۵.....یہ لوگ یہ نظریہ اور سوچ بھی رکھتے ہیں کہ ہم بڑوں کی اولاد ہیں، امیر زادے، نبی زادے اور صاحبزادگان ہیں، لہٰذا ہمیں تو دوزخ کی آگ مس نہیں کرے گی، اگر دوزخ گئے بھی تو بس چند دن، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم سے اللہ نے اس کا عہد و پیمان کر رکھا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ بول رہے ہو!

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

آخرت میں ذات اور نسب نہیں، اعمال کام آئیں گے

فرمایا کہ یہودیوں کے قائم کردہ خود ساختہ نظریات کی قطعاً کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان اور عملِ صالح ہی مدارِ نجات ہے۔ اگر کوئی شخص بدعمل یا بدعقیدہ ہے تو محض ذات پات اور حسب نسب اسے کبھی بھی ربّ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ اس لیے محض خاندانوں اور قومیت کے غرور میں مبتلا ہو کر عقیدے اور عمل کی اصلاح نہ کرنا بہت بڑا شیطانی دھوکا ہے۔ اس فتنہ سے بچ کر رہو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

بنی اسرائیل کی تیسری نوع

مذکورہ بالا آیات میں بنی اسرائیل کی تیسری نوع کا بیان ہے، اس نوع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ:

۱...... ”لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ“ شرک نہیں کرو گے۔

۲...... ”وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا“ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے۔

۳...... ”وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ“ رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے۔

۴...... ”وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا“ لوگوں سے اچھے اخلاق سے بات کرو گے۔

۵...... ”وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ“ نماز قائم کرو گے۔

۶...... ”وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ“ زکوٰۃ دو گے۔

لیکن ان میں سے اکثر نے اس عہد و پیمان سے اعراض کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ بھی عہد لیا تھا کہ:

۱...... ”لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ“ آپس میں خون ریزی اور باہمی خانہ جنگی نہیں کرو گے۔

۲...... ”وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ“ ایک دوسرے کو جلاوطن نہیں کرو گے۔

۳...... ”وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ“ اگر تم میں سے کوئی اسیر ہو جائے تو اسے رہائی دلاؤ گے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

مدینہ میں آباد یہودی قبائل اور ان کی عہد شکنی

مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے:

الف:۔بنو قریظہ ب:۔بنو نضیر ج:۔بنو قینقاع

ان میں سے بنو نضیر، مقامی مشرک قبیلہ خزرج کے جبکہ بنو قریظہ، قبیلہ اوس کے حلیف تھے، اوس وخزرج کی باہمی جنگوں میں یہ لوگ بھی اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ ایک دوسرے کے مدّ مقابل آتے اور جہاں دوسرے لوگ مارے جاتے، کچھ یہودی بھی ساتھ مارے جاتے اور جلاوطنی پر مجبور ہوتے، اس طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد میں سے درج ذیل دو عہدوں کی خلاف ورزی کرتے کہ:

۱......ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے۔

۲......ایک دوسرے کو جلاوطن بھی کرتے۔

لیکن اگر کوئی یہودی گرفتار ہو جاتا تو فدیہ دے کر رہائی دلاتے اور کہتے" ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے اگر کوئی یہودی دشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس تورات نے تمہیں یہ حکم دیا کہ قیدیوں کو چھڑاؤ، اسی تورات نے تمہیں ایک دوسرے کو قتل کرنے اور جلاوطن کرنے سے بھی تو منع کیا تھا! کتاب اللہ کے کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ کی تکذیب کرتے ہو!

اس عہد شکنی پر دُنیا و آخرت میں گرفت مقدر ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝"

اللہ تمہاری بدعہدیوں سے ہرگز غافل نہیں ہے۔ایسے بدعہد لوگوں کے لیے دُنیا کی رسوائی مقدر ہے اور آخرت میں سخت ترین عذاب کی طرف ایسے لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ان لوگوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کو ترجیح دی، اس لیے نہ تو یہ اللہ کے عذاب سے بچ پائیں گے اور نہ ہی ان کی آخرت میں کوئی مدد کی جائے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ۝

بنی اسرائیل کی چوتھی نوع

اس آیت میں بنی اسرائیل کی چوتھی نوع کا بیان ہے، جس میں موجودہ بنی اسرائیل کے آباء واجداد کا حضرات انبیائے کرام کے ساتھ سلوک کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے بعد لگاتار رسول مبعوث فرمائے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے:

وکانوا إلى زمن عيسى عليه السلام أربعة آلاف، وقيل: سبعين ألفًا وكلهم على شريعته عليه السلام منهم يوشع وشمويل وشمعون. وداود وسليمان وشعياء وارمياء وعزير وحزقيل والياس واليسع ويونس وزكريا ويحيى وغيرهم عليهم الصلاة والسلام.

(تفسير الألوسي:۱/۳۰۰، بترقيم الشاملة)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی واضح معجزات دیے گئے (ان کے اُولوالعزم ہونے یا شریعتِ موسوی سے کچھ مختلف احکام لانے کی وجہ سے ان کا انفرادی تذکرہ کیا گیا۔ واللہ اعلم) جبرئیل علیہ السلام کی نصرت کے ساتھ انہیں مبعوث کیا، لیکن بنی اسرائیل نے تکبّر کرتے ہوئے کچھ انبیاء کو قتل کیا اور کچھ کو جھٹلا دیا، تقریباً ایک سو ستر انبیاء کے مقدس خون سے ان ظالموں نے اپنے ہاتھ رنگین کیے۔

بُرے افعال پر رضامندی بھی خود بُرائی کرنے کی طرح ہے

اگرچہ گزشتہ انبیائے کرام کو قتل، موجودہ یہودیوں کے آباء واجداد نے کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ یہودی اپنے آباء کے ان مکروہ افعال کو درست اور حق سمجھتے تھے، اس لیے قتل کی نسبت ان کی طرف کردی گئی کہ "فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ" ویسے بھی ان موجودہ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر اپنے آباء کی عادت پورا کرنے کی یقیناً کوشش کی تھی، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کا یہ فریب کارگر نہ ہوا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ۝

یہود کا عذرِ لنگ اور اس کا منہ توڑ جواب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا یہ عذر بیان کیا ہے کہ جب انہیں دینِ اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ مسلمانوں سے طنزاً کہتے کہ بس یوں سمجھ لو کہ ہمارے دلوں پر غلاف اور پردہ ہے۔ ہم سے اسلام قبول کرنے کی امید مت رکھو۔ نیز اس جملہ کا یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ ہمارے دِلوں پر اللہ کی طرف سے حفاظتی غلاف اور پردہ پڑا ہوا ہے، اس لیے کسی اور مذہب کی دعوت اور غلط بات ہم پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ (آسان ترجمہ قرآن:۱/۷۷)

اللہ تعالیٰ نے اس عذر اور بہانے کے جواب میں فرمایا کہ یہ حفاظتی غلاف نہیں بلکہ "لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ" اللہ نے ان کے کُفر کی وجہ سے ان پر لعنت اور پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس وجہ سے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞

بنی اسرائیل کی پانچویں نوع اور ان کی تکذیب کا بیان

اس آیت میں بنی اسرائیل کی پانچویں نوع کا بیان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کو بیان فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی تو یہ یہودی اس انتظار میں تھے کہ آخری پیغمبر آئیں گے اور ہم ان پر ایمان لائیں گے۔ حتیٰ کہ یہ دعائیں کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! جو تو نے نبی آخر الزمان بھیجنا ہے اس کے طفیل ہمیں دُشمنوں پر فتح نصیب فرما، ہمارے دشمنوں پر ہمیں کامیابی عطا کر۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو یہ یہودی صرف اس وجہ سے پیروی کرنے سے رُک گئے کہ آخری پیغمبر، بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل سے کیوں آئے! حالانکہ اس بات سے وہ خوب اچھی طرح واقف تھے کہ یہی آخری پیغمبر ہیں۔

اللہ نے فرمایا: "فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞" اللہ کی ان کافروں پر لعنت ہے، فرمایا یہ جو یہودی ہیں یہ ہر لحاظ سے ناکام ہیں، علمی لحاظ سے بھی اور عملی لحاظ سے بھی یہ ناکام ہوئے اور یہ کسی طریقے سے بھی اس قابل نہیں رہے کہ اللہ کو ان پر اعتماد ہو اور ان کو خلافت ملے۔ نہ یہ از خود کام کرتے ہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞

حسد، ضد اور کُفر انہیں لے ڈوبا

فرمایا کہ بنی اسرائیل نے اپنے آپ کو وحیِ اِلٰہی کی تکذیب کرتے ہوئے دُنیوی جاہ ومنصب کے عوض فروخت کر دیا، ان کے کذب کی وجہ حسد اور بغض ہے کہ نبوّت بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل میں کیوں منتقل ہوئی، خاندانی عصبیت کی وجہ سے یہ حسد اور کُفر کے مرتکب ہوئے اور اسی وجہ سے مستحق عذاب ٹھہرے، نبوّت تو فضلِ خداوندی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ

اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝

''تورات'' پر عمل کا دعویٰ بھی دھوکا ہے

فرمایا کہ جب یہودیوں کو قرآن کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو بس اسی کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا، یعنی کہ تورات، اس کے علاوہ ہم کسی کلام کو نہیں مانتے۔

''آئینہ جو اُن کو دِکھایا تو بُرا مان گئے''

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بے ہودہ دعویٰ کو تین طرح سے باطل قرار دیا:

۱۔فرمایا: ''وَهُوَ الْحَقُّ '' جب تورات کے علاوہ بقیہ کُتب کا ''منزل من اللہ'' ہونا دلیلِ قطعی سے ثابت اور برحق ہے تو پھر ان کے انکار کرنے کی وجہ کیا ہے!

۲۔''مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ '' قرآنِ مجید اور دیگر سماوی کُتب، تورات کی تصدیق کرتی ہیں۔اب اگر تم تصدیق کرنے والی کُتب ہی کی تکذیب کرتے ہو تو درحقیقت تم ''تورات'' کی تکذیب کرتے ہو۔

۳۔فرمایا کہ ''فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ '' درحقیقت تم لوگ ''تورات'' کو مانتے ہی نہیں ہو۔حضراتِ انبیائے کرام علیہ السلام کا قتل تو تمام کتبِ سماویہ کے لحاظ سے جُرم ہے۔اگر تم تورات کو مانتے ہوتے تو سابقہ انبیاء کا قتلِ عام نہ کرتے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لائے گئے معجزات کا انکار نہ کرتے اور خدائے واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت جیسے شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔کیا یہی ایمان ہے اور کیا ایمان نے یہی تمہیں سکھایا ہے! حقیقت یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ ''تورات'' کی جھوٹی آڑ لے کر، اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ۝ وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَیٰوةٍ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ۝

''یہود'' کے ''مقرّب اور جنّتی'' ہونے کی قلعی بھی کھول دی جاتی ہے

فرمایا کہ یہودی جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور آخرت میں جنّت کا مستحق سمجھتے ہیں، اگر اُن کے اس دعویٰ میں ذرا بھی حقیقت ہے تو انہیں کہیے کہ ''موت کی تمنا کریں''۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے موت کی تمنا کرتے تا کہ مرتے ہی جنّت میں پہنچ جاتے لیکن اللہ فرماتے ہیں کہ ''وَلَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ '' یہ

لوگ مر جائیں گے لیکن موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ کیونکہ انہیں اپنے کرتوتوں کا اچھی طرح علم ہے۔ نہ زبان سے مرنے کا اظہار کریں گے اور نہ ہی دل میں سوچیں گے۔ انہیں ڈر ہے کہ تمنا کرنے سے کہیں موت آ ہی نہ جائے۔ خدائی چیلنج کا جواب دینا ان کے بس میں نہیں ہے۔

جنّت کے اِستحقاق کا دعویٰ اور پھر بھی طولِ عمر کی حرص!

فرمایا کہ "وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ" "اگر مشرکینِ عرب جن کا یومِ آخرت پر ایمان ہی نہیں، وہ اگر دُنیا میں لمبی زندگی کی تمنّا کریں تو پھر بھی سمجھ آتا ہے کہ ان کے عقیدے کے مطابق سب کچھ دُنیا ہی ہے، لیکن یہود جو آخرت کے قائل اور خود کو جنّت کا مستحق سمجھتے ہیں، اگر لمبی زندگی کی تمنّا کریں تو باعثِ تعجب اور حیرت ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ یہودی نہ صرف لمبی عُمر کی حرص رکھتے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ہر فرد یہ خواہش رکھتا ہے کہ ہزار ہزار سال زندگی پائے۔ ظاہر ہے کہ لمبی زندگی کسی کو اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

ان کی اس حرص سے معلوم ہوا کہ جنّت کے استحقاق بارے ان کا یہ دعویٰ بھی محض باطل ہے۔ حقیقت یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنّم ہے، اس لیے جہنّم سے بچنے کے لیے یہ یہودی زیادہ سے زیادہ اسی دُنیا میں وقت گزاری کے خواہش مند ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

یہودیوں کی جبریلِ امین سے دشمنی

ان آیات میں یہودیوں کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام پر ایک اعتراض منقول ہے، دراصل انہوں نے اپنی سرداری انا کے زائل ہونے کے خوف سے ایمان قبول نہ کرنے کا یہ بہانہ تراشا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر قرآن کون لاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبرئیل علیہ السلام لاتے ہیں۔ اس پر یہودی کہنے لگے یہ تو ہمارا دشمن ہے، ہمارے بڑوں پر سخت احکام اور عذاب لاتا رہا، اگر میکائیل یا کوئی اور فرشتہ قرآن لاتا تو ہم ضرور مان لیتے۔ اب تو ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

"جبریل دُشمنی" پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب

اللہ نے پانچ وجوہ سے ان کے لغو اعتراض کا جواب ارشاد فرمایا:

ا...... "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" پہلی بات یہ ہے کہ جبرائیل اپنی طرف سے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم سے قرآنِ پاک لے کر آئے ہیں، لہٰذا خواہ مخواہ جبرئیل سے ضد باندھنا فضول ہے۔

۲...... "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" اس قرآن کی صداقت کی نشانی یہ بھی ہے کہ یہ تورات کی تصدیق کر رہا ہے۔

۳...... "وَهُدًى" تیسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

۴...... "وَبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ" چوتھی بات یہ ہے کہ یہ مومنین کے لیے خوشخبری ہے۔

۵...... "مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ" پانچویں بات یہ ہے کہ جو اللہ، اس کے رسولوں، اس کے فرشتوں، جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے، وہ اللہ کا دشمن اور اللہ اُس کا دشمن ہے، لہٰذا جو کچھ جبرئیل لائے ہیں، اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لائے ہیں۔ لہٰذا جبرئیل سے دُشمنی بھی لغو ہے اور اسی بہانے سے کلام اللہ کی تردید بھی فضول عذر ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"یہود" عہد شکن قوم ہے

مذکورہ بالا آیات میں یہودیوں کی عہد شکنی بتائی گئی ہے کہ تورات میں یہودیوں سے عہد لیا گیا تھا کہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے، ان میں سے بعض نے تو سرے سے اس عہد ہی کا انکار کر دیا اور بعض نے تورات کے اُس حصے کا عملاً انکار کر دیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نشانیوں کے ساتھ ساتھ اُن پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی تھی۔ ان یہودیوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کی، کتاب اللہ کو پسِ پشت ایسے پھینکا جیسے اسے کتاب اللہ سمجھتے اور جانتے ہی نہ ہوں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

یہود کی طرف سے حضراتِ انبیاء علیہم السلام پر بہتان

ان آیات میں یہود کی ایک عظیم حماقت اور بدعملی کو بیان کیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تورات جیسی کتاب عطا فرمائی، جس میں ہدایت، نور اور نظامِ حیات موجود تھا، لیکن ان لوگوں نے کتاب اللہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جادو ٹونے کی پیروی شروع کر دی، کیونکہ انہیں شیاطین نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی محیر العقول سلطنت، جادو کے زور پر چلتی تھی اور حضرت سلیمانؑ خود بھی بڑے جادوگر تھے اور زندگی کے آخر میں دین سے بھی ہٹ گئے

تھے۔معاذ اللہ۔اس لیے یہ لوگ بھی جادو سیکھنے کے دَرپے ہو گئے کہ ہمیں بھی اس طرح عجیب وغریب طاقت حاصل ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں نہ صرف جادو ٹونے کی مذمت فرمائی بلکہ حضرت سلیمان کی طرف جادو اور شرک وکُفر کی نسبت کرنے کی بھی پُرزور نفی فرمائی۔

کتاب اللہ کے مقابلے میں جادو جیسے منحوس عمل کو اختیار کرنا انحطاطِ فکر وعمل کا آخری نتیجہ ہے،حضرت لاہوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب کسی قوم پر انحطاط آتا ہے تو وہ تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کا سہارا لیتی ہے،یہودی بھی جادو ٹونے میں لگ گئے۔اس سلسلے میں دو حوالے دیے گئے:

ا......سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جنات بھی انسانوں کے ساتھ کام کرتے تھے،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو حضرت سلیمان کے تابع کیا ہوا تھا،ان جنات میں سے شیطان قسم کے جنات یہ جادو ٹونا لوگوں کو سکھاتے،خود بھی عمل کرتے اور تاثر یہ دیتے کہ حضرت سلیمان جس کی حکومت انسانوں،جنوں،ہواؤں،پرندوں وغیرہ پر ہے جادو کی وجہ سے ہے،نعوذ باللہ!

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صفائی دی کہ ''وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا'' حضرت سلیمان ایسا کُفریہ عمل نہیں کرتے تھے،وہ تو وقت کے پیغمبر تھے،جبکہ جادو ٹونہ شیطانوں کا عمل تھا۔

۲......ایک زمانے میں پوری دُنیا بالخصوص عراق کے شہر بابل میں جادوگری کا بڑا چرچا تھا،لوگ جادو اور معجزات کو ایک جیسا سمجھنے لگے تھے حتیٰ کہ بعض لوگ ان جادوگروں کو مقدس اور واجب الاتباع سمجھنا شروع ہو گئے تھے اور جادو کو ''کارِ خیر'' سمجھ کر سیکھنے لگے تھے۔

ہاروت وماروت کی آمد کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ''ہاروت وماروت'' اسی مقصد کے لیے نازل فرمائے کہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت بتا کر حضراتِ انبیاءؑ کے معجزات اور جادو میں فرق سمجھا سکیں تاکہ لوگ شعبدہ بازی اور جادوگری کی اتباع کے بجائے اس خبیث عمل کی حقیقت سے واقف ہوں اور جادو کا توڑ کر سکیں۔نیز اس کے ساتھ ساتھ معجزہ کی عظمت بھی سمجھ پائیں،کسی دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔

چنانچہ یہ فرشتے بابل میں آکر لوگوں کو پہلے یہ سمجھاتے کہ دیکھو!ہماری آمد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان اور آزمائش ہے کہ کون شخص جادو کے اُصول سیکھ کر خود کو اس کے شر سے بچاتا ہے اور کون اس شر کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔اس لیے اچھی نیت اور مقصد سے جادو کی معلومات لینا۔ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ وہ فرشتے لوگوں کی خیر خواہی اور کر ہی کیا سکتے تھے۔

جو شخص ان سے خیر کے مقصد سے سیکھنے کا وعدہ کرتا تو وہ اس کے تقاضے پر اُسے جادو کی حقیقت اور اس کے

اصول سکھا دیتے اور مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کے سامنے جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو سکے کہ جادو سبب کا محتاج ہوتا ہے جب کہ معجزہ کسی سبب اور ذریعہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ اب ان میں سے کچھ لوگ وعدہ خلافی کرتے اور جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنا لیتے جس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جاتی جو فسق و فجور تو تھا ہی، اس کی بعض صورتیں تو کفر تک پہنچ جاتی تھیں۔

لوگوں کی اپنی وعدہ خلافی سے ان پاکباز فرشتوں پر کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ ان کی آمد اور جادو کی تعلیم ہی امتحان کے لیے تھی، یہ تو ان کی احتیاط تھی کہ لوگوں کو پہلے سے آزمائش کا بتا بھی دیتے تھے اور صحیح نیت کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ بعد میں اگر کوئی شاگرد نالائق نکلے تو اس سے قابل اور خیر خواہ استاد پر حرف نہیں آیا کرتا۔

جادو کی حقیقت اور حکم

جادو کہتے ہیں کسی شخص پر ایسے طریقے سے اثر ڈالنا جس کا سبب ظاہر نہ ہو۔ اس کی کئی صورتیں بن سکتی ہیں تاہم عُرفِ عام میں جادو اُسے کہا جاتا ہے جس میں ارواحِ خبیثہ سے مدد مانگی جاتی ہو، خلافِ شرع امور کا ارتکاب کیا جاتا ہو، بعض اوقات کُفریہ و شرکیہ کلام پڑھا جاتا ہے تاکہ شیطان کو خوش کر کے اس سے کام لیا جا سکے، اس لیے اہلِ علم نے جادو کو حرام اور اس کی بعض صورتوں کو کُفر قرار دیا ہے، احادیث مبارکہ میں جادو کو بڑے گناہوں میں شُمار کیا گیا ہے، (جادو سے متعلقہ مسائل واحکام کے لیے معارف القرآن، جلد اوّل، صفحہ: ۲۷۴ تا ۲۸۰، ملاحظہ فرمائیں)۔

جادو کی حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کے انکار کا کوئی معنیٰ نہیں، قرآن و سُنّت سے اس کا وجود ثابت ہے، البتہ جادوگر اور شیاطین و جنات کی قوت، اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے زیادہ نہیں ہے، معوذتین (قرآن کی آخری دو سورتیں) جادو کے علاج کے لیے نازل ہوئیں، آج کل ہر معاملہ اور بیماری کو لوگ جادو اور سحر سمجھ لیتے ہیں، یہ توہم اور خام خیالی ہے۔

”تعویذ“ کا حکم

شریعت میں افضل اور بہتر طریقہ ”جھاڑ پھونک“ ہے یعنی قرآنی آیات اور احادیث میں موجود دعائیں پڑھ کر دم کر دیا جائے، تاہم اگر دُعائیں اور آیات کسی کاغذ پر لکھ کر تعویذ بنا لیا جائے جس کا مقصد جائز ہو، جائز کلام اور جائز طریقے سے ہو، غیر اللہ سے مدد نہ مانگی گئی ہو اور نہ ہی شرکیہ یا مبہم کلمات ہوں، نیز تعویذ کو بھی صرف علاج کا ایک مباح سبب سمجھا جائے، شفاء کا یقینی ذریعہ نہ سمجھا جائے تو تعویذ بھی جائز اور صحابہ کے عمل سے ثابت ہے۔ جس حدیث شریف میں ”تمیمہ“ سے منع کیا گیا ہے وہ شرکیہ اور کُفریہ اعتقادات والفاظ پر مشتمل ہوتا تھا۔ شروحِ حدیث میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

خالی خولی علم بے فائدہ ہے!

فرمایا کہ یہود کو یہ بات خوب معلوم تھی کہ شرکیہ جادو کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں لیکن اس کے باوجود وہ یہ کام کیا کرتے تھے، ایسا علم کس کام کا جس پر عمل ہی نہ ہو۔ کاش کہ وہ علم کی حقیقت اور مقصد کو جان لیتے تو اس کام سے باز آجاتے۔

حاصلِ بحث

یہود کے تفصیلی احوال بیان کرنے کا مقصد واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل کرم نوازیوں اور مہربانیوں کے باوجود ان لوگوں نے کسی طرح بھی اپنے آپ کو "خلافتِ الٰہیہ" کا اہل ثابت نہیں کیا، اس لیے اب خلافت بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل کی جانب منتقل کی جارہی ہے، لہٰذا اہلِ ایمان ان جملہ خرابیوں اور گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں جو یہود میں پائی جاتی تھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اپنا تشخص قائم رکھو

ان آیات میں یہ حکم دیا گیا کہ اُمتِ مسلمہ اپنی عبادت اور معاشرت وغیرہ میں اپنا تشخص برقرار رکھے اور یہود ونصاریٰ سے اپنے آپ کو ممتاز رکھے، چنانچہ فرمایا کہ:

گفتگو اور معاشرت میں یہود کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو، اس سے توہین رسول کا بھی اندیشہ ہے۔ یہود غیظ وغضب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "رَاعِنَا" کا تاثر دے کر "رَاعِيِنَا" کہہ جاتے، "رَاعِنَا" کا معنی ہے: "ہماری رعایت کیجیے!" جبکہ "رَاعِيِنَا" کا معنی "ہمارے چرواہے" بنتا ہے۔ نیز عبرانی زبان میں اس سے ملتا جلتا لفظ بطورِ گالی بھی استعمال ہوتا تھا، یہود کبھی تو "راعينا" کہتے اور کبھی "راعنا" کہہ کر اپنی عبرانی کا لفظ مراد لیتے تھے۔ اور اس خرابی کی وجہ ان کا صرف یہی حسد تھا کہ نبوّت "بنی اسماعیل" میں کیوں چلی گئی! حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں، اس عظیم الشان منصب پر سرفراز فرما دیتے ہیں۔

بہر کیف! ان کی دیکھا دیکھی کچھ مخلص مسلمان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے وقت "راعنا" کہنے لگے جو اگرچہ مفہوم کے لحاظ سے درست لفظ تھا، لیکن چونکہ اس سے یہود کی شرارت چھلکتی تھی اور تلفظ کے فرق سے غلط مفہوم کا بھی احتمال تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس ذومعنی لفظ کے استعمال سے ہی منع فرما دیا کہ تم لوگ، یہود کی بولی نہ بولو، بلکہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے وقت ''اُنْظُرْنَا'' کہا کرو یعنی ''ہم پر (شفقت کی) نظر فرمایئے!'' اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں ہیں۔ یہودی ''رَاعِنَا'' کا لفظ بول کر توہین کے مرتکب اور دھوکا پر خوش ہوتے ہیں، تم ان کے جیسی گفتگو اور توہین سے بچو۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

نسخ کی مختصر وضاحت

یہ بات سمجھ لی جائے کہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت ہر دَور میں ایک رہے ہیں، ہر پیغمبر نے انہی کی دعوت دی ہے، ان میں کبھی تبدیلی نہیں آئی۔ تاہم امتوں کے حالات اور زمانوں کے فرق سے اللہ تعالیٰ نے عملی اور فروعی احکامات میں تبدیلیاں فرمائی ہیں۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی بہن کا آپس میں نکاح جائز تھا جو بعد کی شریعتوں میں منسوخ ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو احکامات تھے، حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں اس سے احکامات مختلف تھے۔ اسی طرح شریعتِ محمدی میں بھی ابتدائی زمانہ کے لحاظ سے احکام الگ تھے جو بتدریج تبدیل ہوتے رہے حتیٰ کہ جب شریعت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو اعلان ہوا کہ ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ'' (المائدۃ:۳) انہی عملی اور فروعی احکام کی وقتی تبدیلیوں کو شریعت میں ''نسخ'' کہا جاتا ہے جو قطعاً بھی ''عیب'' نہیں ہے۔

''نسخ'' کا اصل مطلب

اس ''نسخ'' کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پہلے لاعلمی میں ایک حکم دے دیا گیا جسے بعد میں منسوخ کرنا پڑا (یہ تو خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے) بلکہ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے جیسے ایک ڈاکٹر، مریض کی موجودہ حالت دیکھ کر ایک نسخہ تجویز کرتا ہے، ڈاکٹر کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر مریض یہ نسخہ استعمال کرے گا تو چند دنوں بعد اس کی حالت بہتر ہو جائے گی اور اُس حالت کے مطابق اس کی دوائی تبدیل کرنی ہوگی۔ لیکن وہ ابتداء میں ہی سارا طریقۂ علاج نہیں بتا دیتا بلکہ مریض کے حسبِ حال دوائیاں اور نسخے تبدیل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ مریض مکمل صحت یاب ہو جاتا ہے، اُس وقت نسخے تبدیل کرنے کی حاجت بھی نہیں رہتی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ، لوگوں اور زمانے کے حالات کے مطابق ان فروعی احکامات میں تبدیلیاں پیدا فرماتے رہے جو کہ عینِ حکمت ہے۔ شرعی احکام میں یہی تدریج کا طریقہ ہی ہے جو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ دینی اَحکام کو کیسے انسانی نفسیات کے مطابق، مزاج کا حصہ بنانا ہے۔

قرآنِ کریم میں ''نسخ'' کی مثالیں بھی شاید اسی مقصد کے لیے باقی رکھی گئی ہیں تا کہ قیامت تک کے لوگوں کو شرعی

اَحکام میں "تدریج اور سہولت" کا پتہ چلتا رہے کہ کیسے حکیم ذات نے لوگوں کے لیے اَحکامات میں نرمی پیدا فرمائی اور ان کے لیے دین پر عمل کو آسان بنایا۔

"نسخ" کی تعیین میں حضراتِ متقدّمین اور متاخرین کی آرا

حضراتِ متقدمین کے یہاں قُرآنی آیات میں جزوی تبدیلی اور فرق بھی "نسخ" کہلاتا ہے، مثلاً اگر پہلے حکم مطلق تھا، بعد میں مقید حکم آ گیا یا پہلے حکم مجمل اور مبہم تھا اور بعد میں مفصل حکم آ گیا تو یہ بھی "نسخ" کہلائے گا، اس لیے متقدمین کے نزدیک منسوخ شدہ آیات کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) کے قریب بنتی ہے۔

جب کہ حضراتِ متاخرین صرف انہی آیات کو منسوخ مانتے ہیں جن کی بعد میں نازل ہونے والی آیات کے ساتھ کسی طرح بھی تطبیق ممکن نہ ہو سکے۔ پھر اس کی تعیین میں کئی اقوال ہیں، بعض کے نزدیک ۲۱، بعض کے نزدیک ۱۹ جب کہ آخری دَور میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے یہاں صرف پانچ قُرآنی آیات ایسی ہیں جنہیں واقعی "منسوخ" کہا جا سکتا ہے۔ (نسخ کے بارے مزید تفصیل کے لیے معارف القرآن، جلد اوّل، صفحہ: ۲۸۲ تا ۲۸۶، ملاحظہ فرمائیں)۔

بہرکیف! "نسخ" کے اوپر غیر مسلموں کا یہ اشکال تھا کہ اگر یہ سب احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو پھر ان میں یہ تبدیلیاں کیوں ہیں؟ اسی کے جواب میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق، اور حالات کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے احکامات نازل فرماتے ہیں اور یہ احکامات ایسے ہوتے ہیں جو موجودہ حالات کے لحاظ سے پہلے والے حکم سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں یا کم سے کم اسی مرتبہ اور مقام کے ہوتے ہیں جیسا پہلے حکم تھا۔

موجودہ زمانے میں بھی مستشرقین، قرآنی متن پر جب اعتراض کرتے ہیں تو عموماً نسخ کی بحث، مصحفِ عثمانی اور صحابہ کے ذاتی مصاحف (قرات شاذہ) کے درمیان موازنہ اور قراءتِ متواترہ کو لے کر شُبہات پیدا کر کے قُرآن کو تورات و انجیل کی طرح محرّف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ کریم صرف قرات متواترہ ہی ہے، قراءتِ شاذّہ کا درجہ تفسیر کا ہوتا ہے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

یہود کی طرح اپنے پیغمبر سے بے جا سوالات نہ کرو

یہ قُرآنی خطاب یہود اور مسلمانوں دونوں سے ہے۔ یہودیوں کو یہ سمجھایا گیا کہ تم لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر

ایمان لانے کی بجائے ان سے طرح طرح کے مُطالبے کرتے ہو، یہ طرزِ عمل درست نہیں۔اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی کہا گیا کہ تم یہود کی طرح نہ ہو جانا جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کے باجود ان سے طرح طرح کے نامعقول سوالات کرتے رہتے تھے۔تم نے ایسا ہرگز نہیں کرنا۔

یہود سے خبردار!

ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا کہ اہلِ کتاب تمہارے ایمان لانے سے ہرگز راضی نہیں ہیں، ان کی بھرپور کوشش ہے کہ تمہیں کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے پھیر دیں۔حق واضح ہو جانے کے باوجود بھی یہ بیچارے حسد اور بغض کی آگ میں جل رہے ہیں۔ان کے ان مکروفریب کو اللہ پر چھوڑو اور دینی احکامات کی پیروی کرتے رہو۔جب اللہ چاہیں گے، ان کے بارے میں احکام (جہاد، جزیہ وغیرہ) نازل فرمائیں گے۔فی الحال عبادات میں لگے رہو، اس کا تمہیں بہت بہترین اجر ملے گا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ......اِلٰی...... وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

آخر میں یہود سے پانچ شکوے

یہود کے ان شرمناک کارناموں کو واشگاف کرنے کے بعد، اس بحث کو سمیٹتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے یہود سے پانچ شکوے کیے ہیں:

۱...... یہود و نصاریٰ، باہمی ہزار اختلاف کے باوجود، اہلِ اسلام کے خلاف یکجا ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ''لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'' یہودی صرف اپنی نسل کو جنّت کا مستحق سمجھتے ہیں جب کہ عیسائی صرف عیسائیوں کو جنّت کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں۔جواباً اللہ نے فرمایا یہ تو بس تمہاری خواہش اور تمنا ہی ہو سکتی ہے، اس پر کوئی دلیل ہے تو پیش کرو! جنّت میں جانے کا اصل سبب قومیت یا کسی خاص گروہ میں سے ہونا ہرگز نہیں ہے، قانونِ نجات یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی (غیر منسوخ احکام میں) فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ اور خدائی احکام کے مطابق کرے گا، وہی جنّتی ہوگا۔ظاہر ہے کہ منسوخ احکام اور شریعت پر چمٹے رہنا اور نئے پیغمبر کی اتباع نہ کرنا، خواہشِ نفس کی پیروی تو ہو سکتی ہے، خدائی منشاء پر عمل نہیں ہو سکتا۔

۲...... یہود و نصاریٰ اور ان کی دیکھا دیکھی مشرکینِ مکہ بھی اپنی اپنی حقانیت کا نعرہ لگاتے اور دوسروں کے مذہب کی نفی کرتے ہیں، حالانکہ اس کا فیصلہ تو حق تعالیٰ روزِ محشر فرمائیں گے کہ درحقیقت حق مذہب کون سا تھا اور کسے حق سمجھا جاتا رہا۔

۳...... یہود، عیسائی اور مشرکین جو بزعم خود اپنے اپنے عقیدے کو درست اور صرف خود کو ہی جنّت کا حق دار سمجھتے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی شکل میں خدائی عبادت گاہوں کی بے حُرمتی کی ہے۔ سن چھ ہجری میں مشرکینِ مکہ نے اہل اسلام کو مسجد حرام سے روکا، نیز عیسائیوں کی جانب سے بیت المقدس کی توہین کی گئی، عیسائی حاکم طیطوس نے مسجد اقصیٰ پر حملہ کیا، اس سے پہلے عیسائی گورنر ابرہہ نے بیت اللہ پر حملہ کرنے کی مذموم کوشش کی تھی، یہودیوں نے بھی بیت اللہ کے تقدس کا انکار کر کے گویا لوگوں کو عملاً بیت اللہ سے روکا۔ دعویٰ تو تنہا جنّت کی ملکیت کا ہے اور حالت یہ ہے کہ خدائی عبادت گاہوں کی تباہی اور ویرانی کے دَر پے ہیں، اس لیے فرمایا: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا" اس سے بڑا ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں رُکاوٹ ڈالے اور مسجدوں کو ویران کرے، حالانکہ مساجد تو وہ مقدّس مقامات ہیں، جہاں ڈرتے ڈرتے اور ادب سے داخل ہونا چاہیے نہ کہ متکبرانہ انداز میں اور ان مقامات کی بے حُرمتی کرتے ہوئے داخلہ ہو۔

اسی دوران یہ بھی واضح فرمادیا کہ "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" کسی خاص سمت عبادت میں کوئی فضیلت نہیں، سب سمتیں اللہ کی ہیں اور اللہ اپنی عبادت کے لیے کسی خاص سمت کا محتاج نہیں۔ بس جدھر رُخ کرنے کا وہ حکم دے دے، بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے۔ مقصد صرف اللہ کے حکم کی پیروی ہے، وہ اگر کہے کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے عبادت کرو تو وہی رُخ عبادت کے لیے متعین اور اگر وہ بیت اللہ کی طرف مُنہ کرنے کا کہے تو اسی حکم کی اتباع لازم ہے۔ اصل بات خالق کی پیروی ہے نہ کہ خواہش کی۔

۴...... یہود و نصاریٰ اور مشرکین اللہ تعالیٰ کی اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ کئی وجوہ سے یہ عقیدہ باطل ہے:

الف:...... "بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے، جب ہر چیز کا مالک وہی ہے تو اسے اولاد کی کیا ضرورت! اولاد کی حاجت تو دنیوی امور میں دست و بازو بننے کے لیے پیش آتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہیں۔ نیز اولاد ماں باپ کی ملکیت نہیں ہوتی، جبکہ ساری کائنات حق تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

ب:...... "كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ" کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا فرماں بردار ہے۔ اسے کسی مددگار اور اولاد کی کیا ضرورت!

ج:...... "بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اللہ تعالیٰ تو آسمان و زمین کو ازسرِنو پیدا کرنے والا ہے۔

د:...... "وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" تخلیق کی قدرت بھی ایسی ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو "کُن" کہہ کر پیدا کردیتا ہے، تو پھر اسے اولاد اور کسی کی مدد لینے کی کیا ضرورت!

مذکورہ بالا چاروں صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر اللہ کی کوئی اولاد ہوتی تو اولاد میں اپنے والد کی کچھ نا کچھ صفات کا عکس دکھائی دینا فطری ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

۵...... جہلاء کہتے ہیں کہ "لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ" اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا، نیز ہماری کوئی مَن پسند نشانی کیوں نہیں بھیجتا؟ فرمایا: اس طرح کے جاہلانہ مطالبے پہلے لوگوں نے بھی کیے تھے، لیکن منہ مانگے

معجزات دیے جانے کے باوجود ایمان نہ لائے، جس سے عذابِ خداوندی کا نزول ہوا۔ لہٰذا تم بھی باز آجاؤ، ورنہ تمہارا حشر بھی اُنہی جیسا ہوگا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ ھُدَى اللّٰهِ ھُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاۗءَھُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

یہود و نصاریٰ کی پیروی سراسر نقصان کا سودا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ یہود و نصاریٰ تب تک آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی نہ کرلیں۔ اگر کبھی وہ آپ سے ایسا مطالبہ کریں تو آپ صاف کہہ دیا کریں کہ ہدایت کا حقیقی راستہ وہی ہے جسے اللہ خود تجویز فرمادیں، اور ظاہر ہے کہ اللہ کا تجویز کردہ رستہ اسلام ہے۔ آگے بالفرض والحال یہ فرمایا گیا کہ اے پیغمبر! اگر آپ بھی ان کے منسوخ اور تحریفات سے بھرپور باطل خیالات کی اتباع کرنے لگ گئے تو کوئی بھی آپ کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچاسکے گا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے فعل کا صادر ہونا محال تھا تو یہود و نصاریٰ کی اتباع بھی محال ہوئی۔ جب ان کی اتباع محال ہوئی تو یہود و نصاریٰ کا اسلام پر راضی ہونا بھی محال ٹھہرا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہود و نصاریٰ سے کسی قسم کی امید لگانے کا فائدہ کوئی نہیں ہے۔ آپ بس اپنے حصے کا کام خوش اسلوبی سے کرتے رہیے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

تورات پر حقیقی عامل وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاتے ہیں

جس طرح بنی اسرائیل میں سرکش یہودی موجود تھے، اسی طرح کچھ ایسے مخلص لوگ بھی تھے جو کتاب اللہ کو بڑے تدبر سے پڑھنے والے اور اس کے تقاضوں پر عمل کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے، چنانچہ جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوتِ حق ملی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ درحقیقت تورات کو ماننے والے وہی ہیں جنہوں نے تورات کے احکام کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کو قبول کرلیا، باقی تو محض خالی خولی دعویدار ہیں۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

ان سب واقعات کی یاددہانی کا مقصد تمہاری ’’خیرخواہی‘‘ ہے

بنی اسرائیل پر کی جانے والی خدائی نعمتوں کا ذکر تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ آیت نمبر ۴۷ اور ۴۸ میں ہوچکا ہے،

درمیان میں بنی اسرائیل کے کرتوتوں اور خدائی نافرمانیوں کے تفصیلی تذکرہ کے بعد پھر وہی نصیحت دوہرائی گئی ہے کہ ان سب واقعات اور باتوں کو یاد دلانے کا مقصد صرف تمہاری خیر خواہی ہے، تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرو، نافرمان بن کر اپنی دُنیا و عاقبت برباد نہ کرو۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۝

خلافت کا تیسرا نمونہ: ''سیّدنا ابراہیم علیہ السلام''

بنی اسرائیل کے تفصیلی احوال اور نافرمانیاں بیان کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کامیاب نمونہ ذکر کیا، یہ خلافت کا تیسرا نمونہ ہے۔ اس کا ماقبل سے تعلق یوں بھی واضح ہے کہ مشرکین، یہودی اور عیسائی ہر ایک اپنے آپ کو ''ملّتِ ابراہیمی'' کا پیروکار سمجھتے تھے، اس لیے حضرت ابراہیمؑ کے احوال بیان کیے گئے تاکہ اُنھیں معلوم ہوسکے کہ حضرت ابراہیمؑ کا تم تینوں کے باطل عقائد سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا، ابراہیم توحید پرست تھے اور تم سب توحید بیزار ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کو عقیدۂ توحید کی وجہ سے آگ میں جانا پڑا، گھر چھوڑنا پڑا، ربّ کی خاطر وطن چھوڑا، بیوی اور نومولود بچے کو ویرانے میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا تو بلا تامّل تعمیل کر گزرے، تب اللہ نے انہیں دُنیا بھر کا پیشوا اور امام بنا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک متفقہ شخصیت ہیں، یہودی بھی ان کا نام لیتے ہیں، عیسائی بھی خود کو ''ابراہیمی'' سمجھتے ہیں، مسلمان بھی ان کا نام لیتے ہیں، مشرکین بھی ان کا نام لیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا، اور فرمایا دیکھو اگر تم اپنی نسبت ''حضرت ابراہیمؑ'' کی طرف کرتے ہو تو پھر ''ملّت ابراہیمی'' بھی اختیار کرو، اسلام پر آؤ، پھر اس کعبہ کی بھی مخالفت نہ کرو، ابراہیم بت شکن تھے، تم بھی بت پرست نہ بنو بلکہ ابراہیم کی طرح بت بیزار اور بت شکن بنو۔

نافرمان لوگ اس عظیم منصب کے اہل نہیں ہیں

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو پیشوائی کا عظیم منصب عطا فرمایا تو انہوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا ''لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ'' آپ کی جو اولاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرے گی، وہ اس لائق نہیں ہوگی کہ زمانے بھر کی پیشوائی اور راہ نمائی کا منصب اُن کے حوالے کیا جائے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں تک آزمانے کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ لوگ اس عظیم منصب کے ہرگز اہل نہیں ہیں، اس لیے اب نبوت اور پیشوائی کا منصب، حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کی طرف منتقل کیا جارہا ہے۔ امامت کا یہ منصب اب ''بنی اسماعیل'' میں چلے گا، اس لیے ان کا قبلہ بھی وہی ہوگا جو حضرت اسماعیلؑ اور ان کے عظیم والد حضرت ابراہیمؑ نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے آگے تعمیرِ بیت اللہ کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

”بیت اللہ“ ہر چیز کو ”امن“ دیتا ہے

فرمایا کہ ہم نے بیت اللہ کو ایسا بنایا جس کی طرف لوگ بار بار لوٹیں، اس میں کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے نہیں دیکھا، وہ بھی مشتاق ہے اور جو دیکھ چکا ہے، اسے بھی کسی پل چین نہیں ہے۔ نیز ہم نے بیت اللہ کو سراپا امن بنا دیا، یہ صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ حیوانات اور نباتات کو بھی امن وامان مہیا کرتا ہے، اس لیے ”حدودِ حرم“ میں نہ کسی انسان کو بلاشرعی وجہ کے ستانا جائز ہے اور نہ ہی کسی جانور اور پودے سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی اجازت ہے۔ حرم، سب کے لیے امن کا مقام ہے۔

”مقامِ ابراہیم“ پر نماز اور ”بیت اللہ“ کو پاک صاف رکھنے کا حکم

پھر ہم نے حکم دیا کہ: ”وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى“ جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، اُسے ”مقامِ ابراہیم“ کہتے ہیں، اللہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی بیت اللہ کا طواف کرو تو اس کے بعد اُس پتھر کے سامنے آ کر قبلہ رُخ ہو جاؤ اور دو رکعت نماز ادا کرو۔ اگر کوئی عذر نہ ہو تو اسی جگہ ہی نماز پڑھنا افضل ہے۔ نیز یہ بھی حکم دیا گیا کہ بیت اللہ کو ہر زائر اور عابد کے لیے پاک صاف رکھا جائے اور زائرین اور عبادت گزار بھی اس کی طہارت کا خاص خیال رکھیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۖ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

”بیت اللہ“ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعائیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی ابتدا ”ربِّ“ سے فرمائی، یہ بھی دُعا کا ایک سلیقہ ہے اور ربّ تعالیٰ کی رحمت کے متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد اس چٹیل میدان کو ”بلد“ اور شہر بنانے کی دُعا کی کہ اسے نہ صرف شہر بنا دیجیے بلکہ اسے ایک پُر امن مقام بھی نصیب فرمائیے۔ یہ شہر قتل وغارت گری، کفّار کے قبضے اور آفات ومصائب سے محفوظ رہے۔

تیسری دُعا یہ فرمائی کہ "وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ" "اس شہر کے باسیوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی کمالِ حکمت یہ ہے کہ انہوں نے یہ دُعا نہیں کی، اسی بنجر زمین کو کاشت کاری کے قابل بنا دیں، شاید وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد باغبانی اور کاشت کاری میں مصروف ہو کر اللہ کی عبادت سے غافل ہو جائے۔ بلکہ انہوں نے یہ دُعا کی کہ یہ پھل اور ثمرات جہاں بھی پیدا ہوں لیکن مکہ میں پہنچ جایا کریں۔

"ثمرات" کا مفہوم

واضح رہے کہ "ثمرۃ" کسی بھی چیز سے حاصل شدہ پیداوار کو کہا جاتا ہے، چاہے وہ درختوں کے پھل ہوں یا مشینوں سے حاصل شدہ پیداوار، سب "ثمرۃ" کہلاتی ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی "يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ" (القصص:۵۷) فرمایا گیا ہے "ثمرات کل شجر" نہیں کہا گیا، معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے صرف درختوں کے پھل ہی پہنچنے کی دُعا نہیں فرمائی تھی بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی مکہ میں مہیا کرنے کی درخواست کی تھی۔ یہ دُعا ایسی قبول ہوئی کہ دُنیا بھر کی کوئی ایسی ضروری مصنوعات نہیں جو مکہ مکرمہ میں نہ ملتی ہوں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ قید لگا دی کہ یہ دُنیوی خوشحالی اگرچہ مکہ کے سب باسیوں اور آپ کی اولاد کو ملے گی تاہم آخرت کی خوش حالی صرف انہی لوگوں کا نصیب ہوگی جو مومن ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خشیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ "رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ" "اے اللہ! ہمیں اپنی کامل فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما اور ہماری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو ہمیشہ حق کے علَم بردار رہیں۔ اپنی اولاد کے لیے نیک رستے کی دُعا مانگنا بھی اولاد کی خیر خواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا بھی قبول فرمائی اور شرک و کفر کی جہالتوں کے باوجود عرب میں ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے جو دینِ حنیف کے پیروکار اور شرک و بت پرستی سے کوسوں دور تھے۔

نیز یہ دُعا بھی کی کہ "وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا" "اے اللہ! ہمیں مناسکِ حج اور مقاماتِ حج بھی اچھی طرح سمجھا دیجیے تاکہ ہم آپ کی عبادت آپ کی منشاء کے مطابق ادا کر سکیں۔ چنانچہ حضرت جبرئیلِ امینؑ کے ذریعے حج کا طریقہ اور مقامات سمجھا دیے گئے تھے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾

"بعثتِ نبویؐ" کی خصوصی دُعا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت اور رسالت بھی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کی مرہونِ منّت ہے، انہوں نے ہی تو دُعا کی تھی کہ اے اللہ! انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے گا جو انہیں کتاب کے الفاظ بھی پڑھ کر سنائے اور کتاب کے

معانی ومفہوم کی تعلیم بھی دے، گویا آیات کی تلاوت اورانہیں اصل لب ولہجہ میں پڑھنا بھی فرض ہے اوراس کے معانی ومفہوم کوتعلیماتِ پیغمبری کی روشنی میں سمجھنا ایک مستقل فرض ہے۔

اسی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد ''تزکیہ'' بھی بیان کیا گیا ہے کہ صرف الفاظ اور مفہوم کا سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ کسی مربی اور مزکی کی تربیت میں رہ کران اعمال کی جب تک عادت نہ ڈالی جائے اور خود کو ظاہری وباطنی گناہوں سے پاک صاف نہ کیا جائے، ایمان کی کامل مٹھاس حاصل نہیں ہوسکتی۔لہٰذا یہ بھی پیغمبر کے فرائضِ منصبی میں سے ہے کہ وہ اُمّت کی ظاہری وباطنی تربیت بھی کرے۔

بہرکیف! اس دُعا سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، مرادِ ابراہیمی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی تعلیمات کو دل وجان سے تسلیم کرنا ہی درحقیقت، ملّتِ ابراہیمی کی اتباع ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

''ملّتِ ابراہیمی'' سے منہ پھیرنے والا احمق ہے!

فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دُنیا اور آخرت کی بے بہا عزّتوں سے سرفراز کیا ہے، ابراہیم ہمارا اِنتخاب تھا، اس کا دِین، عینِ فطرت کے مطابق ہے، لہٰذا جو شخص ابراہیمؑ کی ملّت کی پیروی نہیں کرتا، وہ فطرتِ سلیمہ سے ہٹا ہوا اور احمق ہی ہے۔ ابراہیمؑ تو ایسے تھے کہ جب اس کے رَبّ نے انہیں کہا کہ ''سرِ تسلیم خم کردو!'' تو وہ بولے کہ ''میں نے رَبّ العالمین کے سامنے سر جھکا دیا!'' اس قدر مطیع وفرمانبردار تھے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞

اپنی اولاد کی دِینی خیرخواہی کرنا پیغمبرانہ سُنّت ہے

فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اور حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنی اولاد کو یہی وصیت کی تھی کہ حق مذہب کو چھوڑنا مت! زندگی بھر اسی کی پیروی کرتے رہنا۔ ان حضرات نے خلافت کی اس امانت کو اپنی نسلوں میں منتقل کیا اور ان کی دِینی خیرخواہی کی۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۞

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کو وصیت

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو جمع کیا اور پوچھا کہ میرے بچو! یہ بتاؤ کہ میرے

انتقال کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ سب کی یا صرف ایک ربّ کی؟ تو اُن سب نے کہا کہ صرف اُس ربّ کی عبادت کریں گے جو آپ کا بھی ربّ ہے، اور ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا بھی ربّ ہے، وہی ایک خدا ہے، ہم اسی کی مان کر چلیں گے۔ حضرت یعقوبؑ کی اس وصیت کو نقل کر کے ان یہودیوں کی تردید کی گئی جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو ''یہودیت'' پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہر ایک نے اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے

یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اس لیے ہم بخشے بخشائے اور جنّتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا جواب دیا کہ کبھی بھی اپنے آباء واجداد کے اعمال کو اپنے لیے کافی نہ سمجھو، آباء نے اپنے نیک و بد اعمال کا حساب خود دینا ہے اور تم اپنے اعمال و افعال کے خود ذمہ دار ہو۔ تم سے تمہارے اعمال کا حساب ہوگا، تم سے نہ تو پچھلوں کے اعمال کا حساب ہوگا اور نہ ہی اُن کے اعمال کی وجہ سے تمہیں کوئی رعایت ملے گی۔ لہٰذا اس دھوکے میں ہرگز مت رہنا کہ ہم اولادِ رسول ہیں، اس لیے جو چاہیں کرتے رہیں، ہماری تو بخشش ہو جائے گی۔ اپنے اپنے اعمال کا حساب لازماً دینا ہوگا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰھٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ڮ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَھُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

مدارِ نجات، یہودیت یا عیسائیت نہیں بلکہ ''ملّتِ ابراہیمی'' کی حقیقی اِتباع ہے

فرمایا کہ یہ یہودی اور عیسائی اپنے اپنے عقیدے کی طرف دعوت دیتے اور اسے ہی مدارِ نجات سمجھتے ہیں، آپ ان سے صاف کہہ دیجیے کہ ہم تو ملّتِ ابراہیمیؑ کے پیروکار ہیں، اگر تمہیں بھی نجات چاہیے تو اسی ملت کی پیروی کر لو، اس ملت میں سب انبیاء کا احترام اور ان کا جائز مقام انہیں دینا لازم ہے۔ سب پر ایمان رکھنا ضروری ہے، بعض کو ماننا اور بعض کا انکار کرنے والا ''ملّتِ ابراہیمی'' کا متبع نہیں ہو سکتا۔ اگر تم بھی یہی راستہ اختیار کر لو تو بہت اچھا ورنہ تمہاری دُشمنی اور بغض ہمیں پہلے سے پتہ ہے، ہمارا اللہ ہی تمہارے شرور سے نمٹنے کے لیے کافی ہے۔ نیز اگر کسی پر رنگ چڑھانا ہے تو خالص توحید کا رنگ چڑھاؤ، عیسائیوں کی طرح بپتسمہ (عیسائی مذہب میں داخل ہونے کے لیے مخصوص پانی میں غسل دیا جاتا ہے،

اسے بپتسمہ کہا جاتا ہے) کے عارضی رنگ میں رنگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ توحید کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ، کیونکہ سب نبیوں کا عقیدہ یہی توحید ہے، جو عقیدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، وہی عقیدے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق۔علیہم السلام۔کے تھے۔

معیارِ حق ''صحابہؓ'' ہیں!

درمیان میں یہ بھی بیان فرمایا کہ ایمان کے لیے صحابہ معیارِ حق ہیں ''فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا'' اگر صحابہ جیسا ایمان ہوگا تو ہدایت ملے گی، اگر صحابہ جیسا ایمان نہیں ہوگا تو پھر تمہیں ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟

یہودیوں اور عیسائیوں کو بزعمِ خود یہ گمان تھا کہ یہودی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی جبکہ عیسائی، حضرت ابراہیم کو عیسائی سمجھتے تھے، اللہ نے جواب دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی تھے۔ کیونکہ یہودیت تو ابراہیم کے بعد آئی، اس لیے کہ یہودیت تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہے اور یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کہاں سے یہودی ہو گئے!

نیز حضرت ابراہیم کے عیسائی ہونے کا دعویٰ بھی درست نہیں کیونکہ عیسائی مذہب تو حضرت عیسٰیؑ کے بعد دُنیا میں آیا، حضرت عیسٰیؑ کا زمانہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے ہزاروں سال بعد کا ہے۔

پھر اس کے ضمن میں فرمایا کہ ان سب انبیاء کے متعلق اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کس مذہب کے پیروکار تھے، تم بھی اس حقیقت کو جانتے ہو کہ تمام انبیائے کرام خالص توحید کا درس دیتے آئے ہیں، ان کا تمہارے باطل عقیدوں سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ خود تمہاری کتابوں میں ان باتوں کی حقیقت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارتیں موجود ہیں لیکن تم لوگ ان حقائق کو چھپا کر ظلم کر رہے ہو۔ اللہ تمہارے ان کرتوتوں سے ہرگز بے خبر نہیں ہے۔

بہر کیف! وہ سب گزر گئے ہیں، ان سے انہی کے اعمال کا حساب ہوگا اور تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اگر تم بھی انہی جیسے عقائد اختیار کرو گے تو نجات پا جاؤ گے اور خلافتِ الٰہیہ کے مستحق بن جاؤ گے، ورنہ تباہی سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

پارہ نمبر ۲

یہ پارہ سورۂ بقرہ کے بقیہ حصے پر مشتمل ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞

تمہیدی گفتگو

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں یہ مضمون بیان فرمایا کہ خلافت کس طرح قائم کی جاسکتی ہے؟ یہ اُمت اپنے آپ کو خلافت کا اہل اور مستحق کیسے ثابت کرسکتی ہے؟ اس کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا نمونہ پیش فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش فرمایا اور بنی اسرائیل کا ناکام نمونہ بھی پیش فرمایا۔

دوسرے پارے میں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں کو خلافت کا فریضہ سرانجام دینا ہے، تو جو اُحکام اس دوسرے پارے میں، سورۃ البقرہ میں اور پورے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں، تمہیں اس پر مکمل عمل کرنا ہوگا۔

دوسرے پارے کے اہم مضامین

دوسرا پارہ تین اہم مضامین پر مشتمل ہے:

۱۔اپنے منفرد تشخص کو برقرار رکھو

پہلا مضمون اس حصے میں یہ بیان ہوا کہ اس امت کا اپنا ایک تشخص ہے، اپنا ایک امتیاز ہے، تم اپنے بول میں، اپنے عقائد واعمال میں، اپنے کردار میں، اپنی شکل وصورت میں، اپنے معاملات میں دوسری امتوں سے جدا ہو، منفرد ہو، تمہاری مستقل ایک تہذیب ہے، تمہارا مستقل ایک تمدن ہے، تمہاری مستقل ایک پہچان ہے، دھیان رہے کہ دوسری امتوں کے ساتھ گڈمڈ نہ ہوجانا۔

دور سے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسلمان آرہا ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بیٹھا ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو معاملات ہیں، یہ کسی یہودی کے نہیں، کسی عیسائی کے نہیں، کسی ہندو اور سکھ کے نہیں، کسی بدھ مت کے نہیں، یہ ایک محمدی کے معاملات ہیں، اپنا امتیاز اور اپنا تشخص برقرار رکھو اور اس میں اعتدال سے کام لو، افراط وتفریط کا شکار نہ ہوجانا۔

۲۔تعلق مع اللہ مضبوط کرو

دوسرا مضمون بیان کیا اس پارے میں، کہ دیکھو اپنے اللہ سے تعلق قائم کرو، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو، اطاعت کرو، تبھی تم خلافت کے اہل اور مستحق بنو گے۔

۳۔شریعت کے سب اُحکامات پر عمل کر کے اپنے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کرو

تیسرا مضمون اس پارے میں یہ بیان کیا گیا کہ تقویٰ کا وصف اپنے اندر پیدا کرو اور یہ تمام احکام جو اللہ تعالیٰ نے اس پارے میں بیان فرمائے، ان سب سے غرض اسی تقویٰ کے وصف کو اُجاگر کرنا ہے، ان احکام میں نماز کے احکام بھی اللہ نے بیان فرمائے، روزہ کے احکام بھی بیان فرمائے، حج کے احکام بھی بیان فرمائے، اللہ نے طلاق کے احکام بھی بیان فرمائے، بچے کی رضاعت اور اس کے دودھ پلانے کے احکام بھی بیان فرمائے، میاں بیوی کے حقوق بھی بیان فرمائے۔

اسی پارے میں اللہ تعالیٰ نے طلاق، ایلاء اور عدت کے احکام بھی بیان فرمائے، شراب، جوے اور حرام چیزوں سے اجتناب کے احکام بھی بیان فرمائے، حیض اور خواتین کے ناپاکی کے ایام کے مسائل بھی بیان فرمائے، جہاد کو بھی تفصیل سے بیان فرمایا اور فرمایا کہ ان سب احکام پر عمل کے ذریعے تم نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنا ہے، یہ پورے پارے کا مختصر خلاصہ میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا، اب ہم اسے تھوڑا تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

تحویلِ قبلہ اور یہودیوں کے بے بنیاد اِعتراضات

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریباً سولہ یا سترہ ماہ آپ کو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ بیت المقدس وہ قبلہ ہے، جس کی طرف بہت سے انبیاء علیہم السلام نے منہ کر کے نماز پڑھی، یہودیوں کا قبلہ بھی بیت المقدس ہے اور عیسائیوں کا قبلہ بھی بیت المقدس کا ایک مشرقی حصہ ہے۔

اللہ نے اپنی حکمت کے تحت، ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں، حضور علیہ السلام کی اپنی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ ہمارا قبلہ وہ ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے اور وہ کعبۃ اللہ ہے، یہ حضور علیہ السلام کی خواہش تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی خواہش کی تکمیل کرنی تھی اور قبلہ کو تبدیل کرنا تھا، اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ قبلہ کی اس تبدیلی پر بڑا ہنگامہ بپا ہوگا، یہودی بھی ہنگامہ برپا کریں گے اور مشرکین مکہ بھی، مشرک کہیں گے کہ دیکھو جی! اب تک ان کا قبلہ بیت المقدس رہا، اب یہ ہمارے والے قبلہ کی طرف آرہے ہیں، اس کا معنی یہ ہوا کہ اب یہ ہماری طرف پلٹ رہے ہیں، ہمارے قریب ہو رہے ہیں، یہ ہمارے دین کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

جبکہ یہودی اور مشرک دونوں یہ کہیں گے کہ اگر یہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو کیا روز روز ان کے احکام

اور قبلے بدلتے!! سارے انبیائے کرام کا قبلہ تو بیت المقدس رہا ہے، ان صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انبیاء کا قبلہ کیوں چھوڑا؟ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام والا قبلہ کیوں چھوڑا؟ یہ ہنگامہ بپا ہونا تھا اور ہوا، اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت پیشگوئی فرمادی تھی کہ یہ ہنگامہ بپا ہوگا، اگر ایک چیز ناگہانی طور پر نمودار ہو تو پریشانی ذرا زیادہ ہوتی ہے اور اگر ایک چیز کا پہلے سے علم ہو جائے تو آدمی کے لیے حکمت عملی اختیار کرنا آسان ہوتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو پہلے سے اس بے بنیاد ہنگامے کی اطلاع دے دی اور فرمایا: "سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ" بے وقوف لوگ یہ کہیں گے کہ آخر کیا چیز ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنا قبلہ بدلا؟ پہلے قبلہ (بیت المقدس) کو چھوڑ کر نیا قبلہ (بیت اللہ) بنانے کی وجہ کیا ہے!

تحویلِ قبلہ کا حاکمانہ جواب

اللہ تعالیٰ نے قبلے کی تبدیلی کی مختلف وجوہ اور حکمتیں بیان فرمائیں، سب سے بنیادی حکمت اللہ تعالیٰ نے بطور حاکمانہ جواب بیان فرمائی کہ تم لوگ کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے؟ "قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞" مشرق اور مغرب میں کیا رکھا ہے! عبادت کے لیے کوئی خاص سمت مقرر کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ بھی اسی سمت میں محدود ہے، مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی، ساری جہتیں اللہ کی ہیں، وہ ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے، اس کی مرضی کہ وہ اپنی عبادت کے لیے جس سمت کی طرف بھی رُخ کرنے کا حکم دیدے! اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھی ہیں تو یہ اُسی اللہ کا حکم تھا اور اب اگر وہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں تو یہ بھی اسی کا حکم ہے، لہٰذا اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہم اللہ کے بندے ہیں اور بندہ کی کیا مجال کہ وہ سرتابی کرے، وہ اعتراض کرے، غلام کا کام ماننا ہے، غلام کا کام علتیں نکالنا نہیں ہوتا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞

تحویلِ قبلہ کا حکیمانہ جواب

اور پھر یہ اُمت، ایک مستقل اُمت ہے، لہٰذا اس کا قبلہ بھی مستقل ہوگا، جیسے یہ اُمت، ایک معتدل اُمت ہے، ایسے اس اُمت کا قبلہ بھی باقی قبلوں سے جدا اور افضل ہوگا "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" ہمارے نبی بھی اعلیٰ، نبی کی یہ اُمت بھی اعلیٰ، نبی بھی معتدل، نبی کی یہ اُمت بھی معتدل، ہمارے اندر افراط و تفریط نہیں ہے، ہمیں احکام بھی ایسے مناسب دیے گئے جو تا قیامت انسانیت کی راہنمائی کے لیے کافی ہیں، اس امت کے افراد، قیامت کے دن انبیائے کرام کے حق میں گواہ بن کر آئیں گے کہ ان انبیاءؑ نے اپنی اپنی اُمت تک حق بات پوری طرح پہنچادی تھی، ہمارے پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ بات ہمیں بتائی تھی اور ہمیں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کامل بھروسہ واعتماد ہے۔ یہ بھی اس اُمت کی ایک خصوصیت ہے۔

اور قبلہ ہم نے اس لیے بدلا کہ ہم دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں "مَن يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" کہ کون ہے جو قبلہ کی حقیقت سمجھ کر محض اللہ اور اس کے نبی کی بات مانتا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اور کون ہے جو قبلے ہی کو مقدس مان کر، اللہ کے حکم کی سرتابی کرتا ہے، اپنے مَن کی مُراد پوری اور اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے!

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

قبلہ بدلنے کی دوسری حکمت

قبلہ بدلنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہی تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہو "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" "میرے حبیب! ہم آپ کے چہرے کو (وحی کے انتظار میں) بار بار آسمان کی طرف اُٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، آپ اسی انتظار میں ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم کب آئے گا! کیونکہ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ تھا کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم، ایک عارضی حکم ہے، دوسرا "بیت اللہ" بیت المقدس کی نسبت قدیم بھی تھا اور اس سے حضرت ابراہیمؑ کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لیے طبعی خواہش تھی کہ بیت اللہ ہی کو دوبارہ قبلہ بنا دیا جائے۔

اس لیے فرمایا کہ میرے حبیب! اب ہم آپ کو آپ کی پسند کا قبلہ دے رہے ہیں، لہٰذا "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" "سن دو ہجری میں تبدیلی کا حکم آگیا کہ آج کے بعد نماز میں اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔

"بیت اللہ" کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوتا ہے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو سلمہ کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے تھے، نماز ظہر کا وقت ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز ظہر ادا فرمائی، ابھی فرض کی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ نماز کے دوران ہی اللہ نے یہ حکم دے دیا "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" "اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دو رکعتیں تو بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے ادا کیں تھیں، جو مدینہ کے لحاظ سے شمال کی جانب ہے، اور پھر تبدیلی کا حکم آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران رُخ بدلا اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ادا کیں جو مدینہ کے لحاظ سے جنوب میں ہے۔ (تفسیر مظہری، ج:۱،ص:۱۸۶)

چونکہ قبلہ تبدیل ہونے کا واقعہ نماز کے دوران مسجد میں ہی ہوا تھا، اس لیے اس مسجد کو "مسجد ذُو قبلتین" کہا جاتا ہے۔ مدینہ کے شمال مغرب میں، وادی عقیق کے قریب واقع اس مسجد میں، تحویلِ قبلہ کی یادگار کے طور پر، ایک محراب بیت المقدس کی طرف اور دوسرا کعبہ کی جانب ہے۔

اہلِ کتاب بھی "تحویلِ قبلہ" کو برحق جانتے ہیں

فرمایا کہ "وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ" جو اہلِ کتاب ہیں، وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبلے کی تبدیلی کا یہ حکم برحق ہے، کیونکہ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور انہیں یہ خوب معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہی اللہ کے حکم سے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور اسے اپنا قبلہ بنایا تھا، یہودیوں کو بھی اس کا پتہ ہے اور عیسائیوں کو بھی۔ تورات میں بھی لکھا ہے کہ نبی آخر الزماں کا جو قبلہ ہوگا وہ بیت اللہ ہوگا اس لیے وہ لوگ "بیت اللہ" کے قبلہ ہونے کی حیثیت سے انکار نہیں کر سکتے، بس "ضد" اور تکبر کی وجہ سے حقیقت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞

اپنے "قبلے" پر ڈٹے رہو، کسی کی بات سننے کی قطعاً ضرورت نہیں!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ان اہلِ کتاب کے پاس اپنے قبلہ کی حقانیت بارے جتنے دلائل بھی لے آئیں، یہ کبھی بھی آپ کے قبلہ کو تسلیم نہیں کریں گے، ان کا آپس میں بھی ایک قبلہ پر اتفاق نہیں، یہودی بیت المقدس کو اور عیسائی بیت اللحم کو قبلہ مانتے ہیں۔ اس لیے آپ بھی ان کے منسوخ قبلہ کی اتباع نہ کریں، اپنے قبلہ پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ اگر کبھی خدانخواستہ اہلِ کتاب کی بات مان کر ان کی اتباع کی کوشش کی تو اُس وقت آپ کا شمار بھی اُنہی میں سے ہوگا جو جان بوجھ کر خدائی احکامات کا انکار کر کے اپنی جان کے دُشمن بنتے ہیں۔ لہٰذا حق وہی ہے جو آپ کے رَبّ کی طرف سے آپ تک پہنچ چکا ہے، کبھی بھی اُن لوگوں میں نہ ہونا جو اس میں شک کرتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞

فرمایا کہ دُنیا میں ہر مذہب والوں نے اپنے الگ الگ قبلے بنا رکھے ہیں، یہ ممکن نہیں ہے کہ تم ان سب کو ایک ہی

قبلہ ماننے پر مجبور کرو، اس لیے اُن سب کی فکر چھوڑ واور اپنے قبلہ پر جمے رہو، کل قیامت کے دن یہ سب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو ان سب کو اپنی اپنی حقیقت اور انجام خوب معلوم ہو جائے گا۔

تم لوگ بس اپنے ربّ کو راضی کرنے کی فکر میں رہو اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

جہاں رہو "قبلہ رُخ" رہو!

فرمایا کہ عبادت کے لیے "عینِ قبلہ" ہونا ضروری نہیں، "سمتِ قبلہ" حاصل ہو جانا بھی کافی ہے، اس لیے اگر تم کہیں باہر بھی جاؤ تو بھی "وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ" تمہارا رُخ اور سمت، بیت اللہ ہی رہے۔ اعتراض کرنے والے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

حاصلِ کلام

ان سارے احکامات کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے پیچھے چلنے والے نہیں، ہمارا اپنا ایک تشخص ہے، اُمت بھی مستقل اور مستقل اُمت کا قبلہ بھی مستقل۔ ہماری اپنی ایک پہچان اور ہمارا اپنا ایک تشخص ہے۔ اس لیے مسلمانو! مسلمان کی شکل بھی یہودیوں سے مختلف، صورت بھی مختلف، لباس بھی، عبادت بھی، معاملات اور ثقافت وتمدن بھی مختلف ہے۔ خلط ملط نہ ہو جاؤ، آج ہمارے اعمال اور شکل وصورت دیکھ کر پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ شخص مشرک ہے یا موحد؟ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ ہمارے لباس غیر مسلموں والے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دُعائیں قبول ہوتی ہیں

کعبہ تعمیر کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے دو دعائیں مانگی تھیں، ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایک ایسی اُمت پیدا فرمایئے جو مکمل طور پر آپ کی فرماں بردار ہو، دوسرا یہ ہے کہ اسی اُمت میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں دُعائیں اس طرح قبول فرمائیں کہ اُمتِ محمدیہ کو "اُمتِ وَسط" اور معتدل اُمت بنا کر پیدا فرمایا اور بیت اللہ کو ہمیشہ کے لیے ان کا قبلہ بنا کر دنیا کی راہنمائی کا فریضہ انہیں سونپ دیا گیا۔

دوسری دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ نے جن خصوصیات کا حامل پیغمبر مانگا تھا، وہ خصوصیات یہ تھیں ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ'' (البقرۃ:۱۲۹) بعینہٖ یہی خصوصیات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر ذکر کردہ آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ نیز ان پیغمبرانہ فرائض سے یہ بھی ہے کہ پیغمبر ''قُرآن'' کی تلاوت کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کی تلاوت کرنا بھی براہِ راست نیکی اور شرف ہے، چاہے اس کا مطلب سمجھ نہ آئے، کیونکہ تعلیمِ قُرآن کا ذکر الگ فریضے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

بہرکیف! قرآن کی تعلیم ہو یا حکمت ودانائی کی باتیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن کا وہی مفہوم اور حکمت ودانائی وہی معتبر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی حکم کسی کو جتنا بھی خلافِ عقل اور خلافِ حکمت محسوس ہو، ہوتا رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور حکیمانہ کلام کے مقابلے میں کسی بھی فرد کی عقل اور حکمت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا موجودہ زمانے کے خودساختہ مفسرین کی طرح اپنے مطلب کا قُرآنی مفہوم نکالنا یا اپنی سوچ اور فہم وفکر کو دانائی اور حکمت سمجھ لینا ہرگز کافی نہیں۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

فرد کی اِصلاح کے قُرآنی اُصول

مذکورہ بالا آیت میں فرد کی اصلاح کا مضمون بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اکیلے آدمی کی اصلاح، تربیت اور اُس کی روحانی ترقی کے لیے پانچ اصول بیان فرمائے ہیں۔ فرد کی اصلاح کو ''تہذیبِ اخلاق'' کہتے ہیں، ان پانچ اُصولوں میں سے دو اُصول اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں بیان کیے:

۱۔ ہروقت اللہ کو یاد رکھو

فرمایا: ''فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ'' یہ فرد کی اصلاح کا پہلا درس ہے کہ اللہ کا ذکر کرو! تم اللہ کا ذکر کرو، اللہ تمہارا ذکر کریں گے، تم خلوت میں اسے یاد کرو، وہ جلوت میں تمہیں یاد کرے گا، تم مجلس میں اُسے یاد کرو، وہ اس مجلس میں یاد کریں گے جو اس سے بہتر مجلس ہے، اور وہ فرشتوں کی اور انبیاء کی ارواح کی مجلس ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کی موجودگی میں، اللہ اُن لوگوں کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ذِکر اللہ کی صورتیں

اللہ تعالیٰ کا ذِکر زبان کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور جسم کے ساتھ بھی، کبھی ذکر ہوتا ہے صرف زبان سے، جیسے ہم سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر پڑھتے ہیں اور اللہ اللہ کی تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اور ایک ذکر ہوتا ہے کہ پورا جسم اللہ کی طاعات میں لگ جائے، اسی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا استحضار اور خدا تعالیٰ کی یاد بھی ذکر اللہ کے حکم میں ہے۔

۲- ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنے کی عادت بنالو!

دوسرا سبق یہ بیان فرمایا کہ"وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝ "میرا شکر ادا کرو، ناشکری نہ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ
رٰجِعُوْنَ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۝ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ
شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۝

۳- آزمائشوں پر صبر کا مظاہرہ کرو

فرد کی اصلاح بارے تیسرا درس یہ دیا گیا کہ کتنے مشکل حالات ہی کیوں نہ پیش آجائیں، بڑی سے بڑی مصیبت، دُکھ اور پریشانی بھی آجائے، ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی اور صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اِستعانت کا غلط مطلب

کچھ لوگ سمجھے ہیں کہ صبر سے مدد طلب کرنی ہے، نماز سے مدد طلب کرنی ہے، لہٰذا غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جائز ہے، وہ درحقیقت آیت کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے مدد طلب کرو، لیکن مدد طلب کرنے کے دو(۲) ذرائع ہیں: ایک ذریعہ ہے صبر، اور دوسرا ذریعہ ہے نماز۔

صبر کا مطلب اور صابرین کی عظمت

صبر کے مفہوم میں درج ذیل سب امور شامل ہیں:

۱......صبر کا ایک معنی ہے کہ مشکلات آجائیں تو برداشت کرو۔ صدمے اور تکلیف کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو، البتہ اگر صدمہ یا دُکھ کی وجہ سے بے اختیار رونا آجائے تو وہ ممنوع نہیں، یہ تو انسانی فطرت ہے، البتہ عقلی اور ذہنی طور پر رَبّ کی رضا میں راضی رہے۔

۲......صبر کا دوسرا معنی ہے نیکیوں پر جمے رہو، چھوڑو نہیں، آج اگر تراویح پڑھی ہے اور روزہ رکھا ہے تو یہ تمہارا عمل پورا مہینہ رہے، آج اگر تم درسِ قرآن میں شریک ہو تو اسے اُدھورا نہ چھوڑ دینا، جو نیک عمل بھی شروع کرو، اُس پر جمے رہو۔

۳......تیسرا معنی ہے آج رمضان میں گناہوں سے بچے ہوئے ہو تو جن جن گناہوں سے آج بچے ہوئے ہو تو اُن سے ہمیشہ بچتے رہو۔ اس سے تمہاری ترقی ہوگی۔

یہ سب صورتیں "صبر" کے مفہوم میں داخل ہیں اور "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" اللہ تعالیٰ کی معیت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝

شہید کا مقام

سب سے اعلیٰ صبر ان لوگوں کا ہے جو اپنی جان، اللہ کی راہ میں قربان کرا دیتے ہیں، شہید ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کا یہ اتنا بڑا اعزاز ہے، کہ خبردار! باوجود یہ کہ شہید کی گردن کٹی ہے، اُس پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی ہے، اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں، پرخچے اڑ گئے ہیں، جسم کی بوٹیاں بوٹیاں ہو گئی ہیں، لیکن اللہ کے رستے میں یہ شہادت ایسا بلند مقام اور اعزاز رکھتی ہے کہ اس "شہید" کو (دوسرے مُردوں کی طرح) مردہ کہنے کی اجازت نہیں ہے "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ" میں ربّ خود کہہ رہا ہوں کہ انہیں مُردہ نہ کہو، درحقیقت یہ زندہ ہیں۔

یا اللہ! ان میں زندگی نظر تو نہیں آرہی! فرمایا: "وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝" تم نہیں جانتے، میں تو جانتا ہوں کہ یہ زندہ ہے، انہیں شعور ہے، تمہیں شعور نہیں، اس لیے قرآن کی اس نص کے مطابق شہداء موت کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، جسم زندہ ہوتے ہیں، چونکہ اللہ نے فرمایا کہ اسے مردہ نہ کہو جو قتل ہوا، قتل روح نہیں ہوئی بلکہ قتل جسم ہوا ہے اور وہ جسم زندہ ہے، لیکن تمہیں محسوس نہیں آئے گا اور اگر تم قبر بھی کھولو گے تو وہ تمہیں خاموش اور ساکن نظر آئے گا۔ ہاں اللہ اس کا جسم محفوظ رکھ لیتے ہیں اور روح کا جسم سے تعلق قائم کر کے زندہ فرما دیتے ہیں، لیکن ہمیں ان کی زندگی عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتی ہے، فرشتے موجود ہیں لیکن دوسرے عالم میں ہونے کی وجہ سے ہمیں نظر نہیں آتے، اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں ظاہر کر دیتے ہیں اور ان جسموں میں زندگی نظر بھی آجاتی ہے۔

ایک شہید کا حیرت انگیز واقعہ

ہمارے شجاع آباد میں ۱۹۷۷ء کی "تحریک نظامِ مصطفیٰ" میں نصیر الدین نامی ایک نوجوان جو "جمعیت طلبہ اسلام" کے صدر تھے، شہید ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول شجاع آباد کے سامنے ان کی قبر ہے، کبھی کبھی جا کر فاتحہ بھی پڑھ لیا کرو، تین مہینے کے بعد جا کر ان کی قبر کشائی ہوئی، میں عینی شاہد ہوں، میں اس وقت کم عمر تو تھا لیکن باشعور تھا، جبکہ میرے والدِ گرامی حضرت مولانا رشید احمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ اس عمل کے نگران تھے، تین مہینے بعد جب قبر کھولی گئی تو پوری میت اور اس کا کفن محفوظ تھا۔ اَبا جیؒ فرماتے تھے کہ شہید نے کُرتا پہنا ہوا تھا اور اس میں ایک روپے کا نوٹ جیب میں رہ گیا تھا، چونکہ شہید کو کپڑوں میں دفن کیا جاتا ہے، وہ بھی اسی طرح محفوظ تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ شہید زندہ ہیں، تمہیں شعور نہیں ہے۔

"حیاتِ انبیاء فی القبور" کا ثبوت

جب شہید اپنی قبور میں زندہ ہیں تو شہید تو امتی ہونے کی وجہ سے محض نوکر اور خادم ہے، نبی اور رسول تو مخدوم

اور سردار ہیں، جب شہید زندہ ہے تو دلالۃ النص سے ثابت ہوا کہ نبی بطریق اولیٰ زندہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، آپ کی حیات تو اعلیٰ، ارفع اور اکمل ہے۔ اس لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر جا کر سلام عرض کرو تو حضور خود سنتے اور جواب دیتے ہیں اور اگر دور سے پڑھو تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچایا جاتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

۴۔ مصائب پر صبر کی آسان تدبیر

تہذیبِ اخلاق اور فرد کی اصلاح کا چوتھا اُصول ''دُعا'' ہے، جو بھی آزمائش آجائے، بندہ کو دل سے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور کوئی بھی اپنی ملکیتی اشیاء کا بُرا نہیں چاہتا، اس لیے ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ ہمارے فائدے اور مصلحت ہی کے لیے ہوگا، اگر چہ ظاہری طور پر ہمیں تکلیف اور مصیبت پہنچ رہی ہے، فیصلہ خلافِ مصلحت بھی محسوس ہو رہا ہے، اپنی محبوب اشیاء اور محبوب عزیزوں سے جدائی بھی ہو رہی ہے، لیکن درحقیقت یہ جدائی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ عارضی ہے، ہم سب نے بھی لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا عزیز گیا ہے۔ اگر یہ اعتقاد دل میں پیدا ہو جائے تو اسی کا نام ''صبر'' ہے اور اسی صبر پر ان شاء اللہ اجر و ثواب بھی ملے گا۔ ایسے صبر کے باوجود اگر بے اختیار رونا آجائے اور آنسو نکل آئیں تو وہ شرعاً ممنوع نہیں، فطرت پر جبر نہیں کیا جاسکتا، البتہ اصل جو بات مطلوب ہے، وہ یہ کہ انسان عقلی طور سے ربّ کی رضا میں راضی رہے۔ (ملخص من آسان ترجمہ قرآن)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

۵۔ شعائر اللہ کی تعظیم

فرد کی اصلاح کا پانچواں قرآنی اصول ہے: ''اللہ کے شعائر کی تعظیم''، ''شعائر'' شعیرہ کی جمع ہے جس کا معنی علامت ہے، ''شعائر اللہ'' سے مراد وہ اعمال ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے، لہٰذا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی علامات قرار دیا ہے، اُن کی تعظیم کرو، مسجد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، کعبۃ اللہ، صفا و مروہ، قرآن وغیرہ، ان سب کی تعظیم کرو۔ یہ سب چیزیں ''شعائر اللہ'' میں سے ہیں۔ اس لیے فرمایا: ''إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ'' یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں ''فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ'' جب حج کرو یا عمرہ کرو تو ''صفا اور مروہ'' نامی دو پہاڑیوں کی سعی کرنی ہے۔

اِسلام میں تعصب روا نہیں

اس میں ایک پیغام ہے کہ اپنی شناخت میں بھی تعصب کا مظاہرہ نہ کرو، اعتدال اختیار کرو۔ چونکہ پہلے سے مضمون چلا آرہا ہے کہ اپنا تشخص اور اپنی پہچان برقرار رکھو، اس میں بھی بسا اوقات تعصب آجاتا ہے۔ اس لیے تعلیم دی گئی کہ متعصب نہ بنو، اعتدال رکھو۔

صفا مروہ دو پہاڑیاں ہیں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑ کر گئے تھے تو حضرت ہاجرہ، پانی کی تلاش میں ان دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں، اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند آئی اور اسے حج وعمرہ کا حصہ بنا دیا۔

اسلام سے پہلے مشرکین نے ان پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، ایک کا نام ''اسعاف'' اور دوسرے کا نام ''نائلہ'' تھا، اسلام آیا تو بت پرستی ختم ہوگئی اور یہ بت بھی ہٹا دیے گئے، اب بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ پہلے تو یہاں بت رکھے ہوتے تھے، لہٰذا یہاں ہم جائیں گے ہی نہیں، شاید جاہلیت کی نشانی کی وجہ سے یہاں دوڑنا بھی گناہ ہو! یہ ہوتا ہے اصل ایمان! کئی نسلوں سے شرک میں مبتلا لوگ، قرآن سن کر ایسے موحِد بنے کہ اب شرک کی جگہوں سے بھی نفرت ہوگئی، شرک سے نفرت جب تک نہ ہو تو آدمی مومن ہی نہیں بنتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صفا اور مروہ پر اگرچہ بت رکھے ہوتے تھے، لیکن صفا و مروہ تو مقدس جگہ ہے، ان بتوں کی وجہ سے اس جگہ کی عظمت میں فرق نہیں آیا، جیسے بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے لیکن بیت اللہ کی عظمت اور تقدس میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اب چونکہ بت ٹوٹ گئے، گرا دیے گئے اور ختم ہوگئے، اس لیے اب اطمینان سے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرو، اسے گناہ نہ سمجھو، اعتدال اختیار کرو۔ یہ تہذیب اخلاق کے پانچ سبق پورے ہوئے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

حق چھپانے والوں پر ''لعنت'' ہے

ان آیات میں اُن یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی اپنی کتب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بارے بشارتیں دیکھنے کے باوجود انہیں چھپاتے تھے اور اپنی عوام کے سامنے ''حق'' بیان نہیں کرتے تھے، فرمایا کہ حق کو نہ چھپاؤ، جنھوں نے حق کو چھپایا ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ معلوم ہوا کہ جس علم کا اظہار ضروری ہو، اُسے چھپانا شرعاً جرم اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

ہاں جو اَب تک حق چھپاتے رہے، اب توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرکے حقیقتِ حال کو کھول کھول کر اور واضح بیان کردیں تو اللہ ان کی توبہ کو ضرور قبول کرلیں گے۔ فرمایا کہ میں تو توبہ کرنے والوں کا قدردان ہوں اور بڑی رحمت والا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝

''کُفر'' پر مرنے والے ہمیشہ کی پھٹکار اور عذاب کے مستحق ہیں

فرمایا کہ جو لوگ زندگی بھر کُفر پر قائم رہے اور کُفر ہی پر انہیں موت آئی تو ایسے نافرمان لوگ، اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور دنیا بھر کے توحید پرست لوگوں کی لعنت کے حقدار ہیں۔ جہنم ان کا ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے، ہمیشہ کا اور بغیر رعایت دیا ہوا عذاب ان کا مقدر ہے۔

''مشکل کُشا'' صرف اللہ ہی ہے!

رکوع کے آخر میں فرمایا: ''وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝'' دیکھو! پھر توحید کے درس کو یاد رکھو کہ تمہارا معبود ایک، تمہارا مسجود ایک، تمہارا مشکل کُشا اور حاجت روا ایک، تمہارا بگڑی بنانے والا ایک اور تمہارے سجدوں کے لائق ایک، ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ'' بس ایک ہی اِلٰہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایک لطیف نکتہ

اب آگے ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا: ''الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝'' وہ تمہارا معبود رحمٰن و رحیم ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات کو چھوڑ کر ''صفتِ رحمٰن و رحیم'' اس لیے بیان کی گئی کہ جب رحمٰن کا تصور دل و دماغ میں آتا ہے تو یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اتنی بڑی ذات ہے کہ وہ آسمان و زمین اور کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ اتنا بڑا ہے، تو ہماری اس تک رسائی کیسے ممکن ہوگی؟ اللہ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، عظیم اپنی جگہ، وہ بڑا اپنی جگہ، وہ کائنات پر محیط اپنی جگہ، لیکن وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی ہے، اس کی رحمت سے تم دور نہیں ہو، اس تک پہنچنا کوئی ناممکن نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

''توحید'' کے تکوینی دلائل اور ''خاندان'' کی اِصلاح کے پانچ اُصول

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کے تکوینی دلائل بھی بیان فرمائے اور انہی کے ضمن میں ''تدبیرِ منزل'' یعنی خاندان کو سنبھالنے کے اُصول بھی بیان فرمائے ہیں۔ آدمی کی شادی ہوتی ہے، بچے پیدا ہوتے ہیں تو ایک

فیملی اور خاندان بن جاتا ہے، اب اس شخص نے گھر چلانا ہوتا ہے تو گھر کیسے چلائے؟ اللہ تعالیٰ نے گھر چلانے کا طریقہ (تدبیرِ منزل) بھی بتادیا کہ گھر کیسے چلاؤ! اس حوالے سے پانچ درس اور سبق دیے گئے۔

۱۔ روزی کے اَسباب اِختیار کرنا ”توکّل“ کے خلاف نہیں

شادی ہوجانے اور فیملی مل جانے کے بعد سب سے پہلے رزق کمانے اور روزی حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توحید کے دلائل کے ضمن میں کمانے کی طرف بھی اشارہ کیا اور رزق کے اسباب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان ان اسباب اور چیزوں سے تم اپنی روزی کما سکتے ہو۔

اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں سمجھ ہو تو کشتیاں اور بحری جہاز، تجارت کا ذریعہ ہیں اور تجارت روزی کا ذریعہ ہے، باربرداری روزی کا ذریعہ ہے، اللہ نے پانی دیا، اس پانی سے کھیتی باڑی کرو، پانی کے ساتھ اپنے رزق کے وسائل جمع کرو، یہ روزی کے حصول کا ذریعہ ہے، اللہ نے جانور پیدا فرمائے، یہ جانور بھی روزی کے حصول کا ذریعہ ہیں، ہواؤں کا رخ بدلنے سے بھی روزی کے ذرائع جنم لیتے ہیں، انسانوں نے ہوا سے بجلی پیدا کرلی، پرانے زمانے کے بحری جہاز اور موجودہ زمانے کا ہوائی جہاز اگر ہوا کے رُخ کے مطابق جارہا ہو تو سفر مختصر ہوتا ہے، اور اگر مخالف سمت میں ہو تو مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح اسٹیم آج کل رزق کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ان سب اسباب سے رزق تمہیں کون دے گا؟ اللہ!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝

اللہ کے ساتھ کسی کو ”شریک“ ہرگز نہ کرنا

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ رزق اللہ ہی دیتا ہے تو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، غیر اللہ سے روزی نہ مانگنا اور ساتھ ہی شرک پر اللہ نے ڈانٹ بھی پلادی کہ کچھ لوگ غیر اللہ کو خدا بنا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کی جاتی ہے، ایسے ہی ان کے سامنے رکوع کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں اور انہیں ایسے پکارتے ہیں، جیسے اللہ کو پکارا جاتا ہے، فرمایا ایسا نہ کرو ”وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ“ ایمان والوں کو تو صرف اللہ تعالیٰ سے محبت ہوا کرتی ہے، حالانکہ اگر دُنیا کے معاملات میں ہی یہ ظالم لوگ غور کرلیں تو انہیں سب معلوم ہوجائے کہ اصل طاقت اور اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اگر یہ لوگ پھر بھی نصیحت حاصل نہ کریں تو آخرت میں ان پر اللہ کی بڑی سخت پکڑ ہوگی۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝

قیامت میں سب باطل خدا اور اُمیدیں ”خاک“ میں مل جائیں گی

فرمایا کہ آج لوگ جنہیں بزعمِ خود اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے اور انہی کے احکامات کے مطابق شریعتِ خداوندی سے روگردانی کر کے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور یہی بزرگ، پیر اور مرشد ہماری سفارش کریں گے، کل قیامت کے دن یہی پیشوا اپنے اپنے متبعین سے لاتعلقی کا اظہار کر دیں گے۔ پھر یہ متبعین حسرت کریں گے کہ کاش ہمیں دُنیا میں جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم بھی ان جھوٹے خداؤں سے لاتعلقی کا اظہار کر کے حقیقی خدا کی پیروی کر سکیں، لیکن ظاہر ہے کہ اب مواقع ملنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے ابھی سے دُنیا میں ہی خبردار کیا جا رہا ہے کہ ان باطل اور من گھڑت پیشواؤں سے خود کو بچاؤ اور ربّ تعالیٰ کے راستے کی پیروی کرلو، ورنہ کل قیامت کے دن پچھتاوا مقدر ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَـكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿﴾

۲۔ معیشت کا اُصول

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ”تدبیرِ منزل“ کا دوسرا سبق دیا ہے اور وہ ہے ”خرچ کرنا“، آپ لوگ جانتے ہیں کہ معاشیات میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں: ۱۔کمانا کیسے ہے؟ ۲۔اور خرچ کیسے کرنا ہے؟ یعنی کمانے اور خرچ کرنے میں بیلنس کیسے رکھنا ہے؟ ان آیات میں اللہ نے خرچ کرنے کے اصول بیان فرمائے ہیں۔

فرمایا: ”يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَـكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿﴾“ کمانا بھی حلال ہے اور خرچ بھی حلال اور مباح موقع پر ہے، حرام پر نہیں، حلال کھانا ہے اور حرام سے بچنا ہے۔ حلال وہ ہے جس کے کھانے کی اللہ نے اجازت دی اور حرام وہ ہے جس کے کھانے کی اللہ نے اجازت نہیں دی، فرمایا حلال کھاؤ، نیز طیب کھاؤ۔

”طیبات“ سے کیا مُراد ہے؟

طَيِّبْ وہ ہے جسے کھانے کی اللہ نے اجازت دی اور وہ آپ کا اپنا اور پاکیزہ مال ہے، کسی اور کی ملکیت نہیں ہے، خنزیر کھانا حرام ہے اور بکری کھانا حلال ہے، پھر بکری اگر اپنی ہے تو طَيِّب ہے، لیکن اگر وہ بکری کسی اور کی ہے اور آپ اُسے شرعی طریقے سے ذبح کر کے بھی کھاؤ گے تو وہ طَيِّبْ نہیں، میرا ربّ کہتا ہے کھاؤ تو حلال اور طیب کھاؤ، حلال کھاؤ گے تو جسم سے نیکیاں سرزد ہوں گی اور اگر حرام کھاؤ گے تو جسم سے گناہ سرزد ہونگے، اولاد باغی ہوگی، بیوی نافرمان ہوگی۔ حلال کی اپنی برکتیں ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا، شیطان کے راستے میں پیسے بھی خرچ نہ کرو۔ جائز خرچ کرو، ناجائز خرچ نہ کرو، اللہ کے رزق کو برباد اور حرام نہ کرو۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾

شیطان کہاں خرچ کرواتا ہے؟ شیطان حکم دیتا ہے گناہ اور بے حیائی کا۔ آج لوگ مجروں اور فلموں پر کروڑوں روپے لگاتے ہیں، شراب کی مجلسوں پر لاکھوں خرچ ہوتے ہیں۔ یہ سب شیطانی اُمور ہیں۔

''سُوء'' اور ''فحشاء'' کا معنیٰ

ان گناہوں کی تفسیر میں درج ذیل اقوال ہیں جو سب درست ہیں:

۱......''سوء'' اس گناہ کو کہتے ہیں جس کا تعلق زبان سے ہو، ''فحشاء'' اس گناہ کو کہتے ہیں جس کا تعلق عمل سے ہو۔

۲......''سوء'' وہ گناہ جو آدمی چھپ کر کرے اور ''فحشاء'' وہ گناہ جو آدمی سب کے سامنے کرے۔

۳......بعض حضرات کے نزدیک ''سوء'' مطلق گناہ کو کہتے ہیں جبکہ ''فحشاء'' کبیرہ گناہ کو کہتے ہیں۔

یعنی شیطان تو تم سے اعلانیہ اور چھپ کر گناہ کروانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی نہ کرو، بلکہ اللہ کی مانو اور اس اکیلے اللہ کو ہی ہر حالت میں پکارو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْــٴًـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۝

باطل عقائد میں اپنے آباء کی پیروی کرنا ''جہالت'' ہے

فرمایا کہ جب ان لوگوں کو حق کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ اپنے آباء واجداد کے عقائد واعمال ہی کو اپنے لیے بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، یہ کتنی ناسمجھی کی بات ہے کہ اگر تمہارے آباء واجداد جہالت اور ناسمجھی کی زندگی گزار گئے تو تم بھی آنکھیں بند کر کے اور جانتے بوجھتے جہالت اختیار کرو گے!

معلوم ہوا کہ باطل عقیدوں اور اعمال میں اپنے آباء کی تقلید حرام ہے، البتہ درست اور صحیح اعمال وعقائد میں تقلید نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ'' (یوسف:۳۸)۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝

غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال

جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسی جانور سے مہذب گفتگو کرے جو ہانک پکار کے سوا کچھ سنتا ہی نہ ہو۔ جیسے اُس جانور کو کچھ سمجھ نہیں آتی، ایسے ہی اللہ کو چھوڑ کر جو کوئی کسی بت کو پکارے گا، کسی درخت کو پکارے گا، پانی، سورج اور چاند کو پکارے گا، کسی اور ہستی کو خدا کا مقام اور صفات دے گا تو انہوں نے بھی کوئی جواب

نہیں دینا، یہ کفار بھی بس ظاہری طور پر گفتگو سنتے ہیں، کام کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں، ”صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ“ ”یہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں، یہ کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝

دین فروشوں کا خطرناک انجام

یہود پیسے لے کر آیات خداوندی میں تحریف کر دیتے تھے، مسئلہ غلط بتاتے تھے، اپنی مرضی سے ”حلال وحرام“ کی تعیین کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں واضح فرمایا کہ جن جانوروں کو تم نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے، وہ تو اللہ نے حرام نہیں کیے، اور جن جانوروں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے (جن کا متن میں بھی ذکر ہے) تم اُنہیں حرام نہیں سمجھتے۔ اصل حرام وہی ہیں جنہیں تم حلال بنائے پھرتے ہو، یہ تمہاری دین فروشی ہے، تم پیسے لے کر شرعی احکام بدلتے اور دین بیچتے ہو، دین فروشوں کا انجام بڑا خطرناک ہے، جو لوگ دین فروش ہیں وہ اپنے پیٹ میں دولت نہیں، بلکہ آگ بھر رہے ہیں، ”اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ“ ”دُنیا میں تو پیٹ میں دوزخ کے انگارے بھر رہے ہیں، آخرت کا عالم یہ ہوگا کہ ”وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ“ ”قیامت کے دِن اللہ ان سے بات بھی نہیں کریں گے“ ”وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ“ ”اور اللہ ان کو پاک وصاف بھی نہیں کریں گے، ”وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝“ ”ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا ہے، یہ جہنم کا عذاب سہنے کے لیے کس قدر آمادہ اور تیار ہیں! جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کی مخالفت کرے گا، وہ ضد بازی اور مخالفت میں بہت آگے نکلنے والا ہوگا اور ایسے لوگ، بڑی دور کی بدبختی اور ضد بازی کا شکار ہوتے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

فضول مباحث کی بجائے ”مقصدِ اصلی“ کی طرف توجّہ مطلوب ہے

اس آیت میں اُن اہلِ کتاب کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ”قبلہ“ بدلنے کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا رکھا تھا اور

بحث ومباحثہ کا بازار گرم کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "تحویلِ قبلہ" کے جھگڑوں میں نہ رہو، اس بارے جتنا وضاحت ضروری تھی، بیان کردی گئی ہے۔ اب دین کے دوسرے مسائل پر توجہ دو، اصل مقصود کی طرف آؤ، ایمانی صفات اپنے اندر پیدا کرو "لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" صرف اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرلینا ہی نیکی نہیں ہے، اصل نیکی تو یہ ہے کہ لوگ دینی عقائد کو تسلیم کریں اور اُن خدائی احکامات کی اتباع کریں جو ایک ایک کرکے گنوائے گئے ہیں۔

اِسلامی عقائد کے بارے میں جامع آیت

مذکورہ بالا آیت قرآنِ کریم کی جامع آیت ہے، دین کے بنیادی احکامات اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں سمو دیے ہیں، پورا دین اسی آیت میں موجود ہے، اس لیے کہ دین نام ہے تین چیزوں کا:

۱: عقائد۔ ۲: اعمال۔ ۳: اخلاق۔

دین یہی مطالبہ کرتا ہے کہ انسان کے عقائد ٹھیک ہوں، اعمال ٹھیک ہوں اور اخلاق ٹھیک ہوں، اس آیت میں یہی تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی ہیں۔

عقائد کا بیان

سب سے پہلے عقائد بیان کیے گئے "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ" اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، مُوحّد بنو، "وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" قیامت پر ایمان لاؤ، "وَالْمَلٰٓئِكَةِ" فرشتوں پر ایمان لاؤ، "وَالْكِتٰبِ" قرآن اور ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ، "وَالنَّبِيّٖنَ" سارے انبیائے کرامؑ پر اور خاتم النّبیین حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔

اعمال کا تذکرہ

عقائد کے بعد اعمال کا ذکر کیا، کچھ اعمال کا تعلق حقوق العباد سے ہوتا ہے اور کچھ کا حقوق اللہ سے۔ سب سے پہلے "حقوق العباد" کا ذکر کیا کہ نیک اعمال کرو، اور وہ اعمال کیا ہیں؟ فرمایا: "وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ" اپنا محبوب اور پسندیدہ مال رشتہ داروں پر، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کروانے پر خرچ کرو۔

اس کے بعد "حقوق اللہ" سے متعلق فرمایا کہ "وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ" نمازیں قائم کرو، "وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ" اور اپنے اموال کی زکوٰۃ بھی ادا کیا کرو۔

اخلاق کا ذِکر

تیسری چیز ہے: "اخلاق"، اخلاق کے بارے یہ حکم بیان فرمایا کہ "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ" جب

کوئی وعدہ اور عہد کریں تو اس عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، آج کے معاشرے میں وعدہ خلافی ایک رواج اور وعدہ پورا کرنا ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے، ہر بندہ جھوٹا وعدہ کرتا ہے، وعدہ کے مطابق جو وقت دیا گیا ہوتا ہے، اس کی پابندی شاذ و نادر ہی کہیں دِکھائی دیتی ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی کو منافقت کی علامت بتایا ہے، اس لیے جو بھی جائز وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔

اس کے بعد ''اعمالِ باطنہ'' کی اصل روح بیان فرمائی کہ ''وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ'' ہر حالت میں ''صابر'' رہو، صبر کا معنی ہے اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور بُرائیوں سے روکنا، جسے یہ ملکہ حاصل ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو ہر اچھے اخلاق سے متصف اور ہر بُری عادت سے بچا سکتا ہے، نیز اسی ''صبر'' ہی سے دین کے مذکورہ بالا تمام شعبوں میں مدد لی جاسکتی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ ''صبر'' کو اپنی عادت بنالو، جسم میں تکلیف آجائے یا مال کی تنگی آجائے تو صبر کرو، کرونا آگیا بے صبرے نہ بنو، وباء آگئی بے صبرے نہ بنو، معاشی تنگی آگئی، ناشکرے نہ بنو بلکہ صبر کرو، ''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝'' فرمایا یہی صبر والے اور مذکورہ اوصاف کے حامل لوگ ہی سچے کہلانے کے اصل حق دار ہیں اور یہی لوگ ہی تقویٰ والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝

اِسلام کا ''فوجداری'' قانون

ان آیات سے سارے وہ احکام بیان ہو رہے ہیں، جن کا اختیار کرنا اور اسلامی خلافت میں نافذ ہونا ضروری ہے۔

''تدبیرِ منزل'' کا تیسرا درس

تدبیرِ منزل کا تیسرا درس ''فوجداری قانون'' ہے، جو جانوں کی حفاظت سے متعلق ہے۔ کسی سے لڑائی جھگڑا ہو جائے تو کیا احکامات ہیں، کوئی قتل ہو جائے تو معاملہ کیسے حل کرو گے؟ انہی معاملات کے بارے فرمایا کہ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ'' اگر کوئی کسی بے قصور کو جان بوجھ کر قتل کر دے اور اس کا قاتل ہونا ثابت ہو جائے تو بدلہ میں اس قاتل کو بھی قتل کر دو، اسی کا نام ''قصاص'' ہے، یعنی ''برابری کا بدلہ'' اور یہ فرض ہے، قاتل کی سزا ''سزائے موت'' ہے اور اسی میں معاشرے کی حیات ہے، اگر قاتل کو قتل نہیں کرو گے تو ملک میں بدامنی ہوگی اور اگر کسی ایک قاتل کو بھی حکومت کی طرف سے شرعی سزا مل گئی تو پورے ملک میں امن قائم ہو جائے گا کوئی بھی جرم کرتے ہوئے ہزار بار سوچے گا کہ اس جرم کے بدلے میرے ساتھ بھی یہی حشر ہوگا۔ یہی اصولی اور شرعی حکم ہے۔

قتل کی مجموعی طور پر پانچ قسمیں ہیں (قتلِ عمد، شبہ عمد، قتلِ خطاء، جاری مجرٰی خطا اور قتل بالسبب، تفصیل کُتبِ فقہ میں موجود ہے) ان میں سے صرف پہلی قسم "قتلِ عمد" میں قصاص ہوتا ہے۔ البتہ اگر مقتول کے وارث، قصاص کے بجائے خون بہا کے طور پر رقم لینا چاہیں تو انہیں اس کا شرعی طور پر حق حاصل ہے۔ ایسی صورت میں "قصاص" ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہوگا، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، حسبِ ضرورت کُتبِ فقہ سے مراجعت کی جا سکتی ہے۔

بہر کیف! "قصاص" کا یہ قانون، لوگوں کی جانوں کا محافظ ہے، جب تک شرعی احکام کا درست نفاذ نہیں ہوگا، کسی بھی معاشرے میں امن و امان قائم ہونا محال ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

چوتھا درس: "اسلام کا دِیوانی قانون"

تدبیرِ منزل کا چوتھا قانون، "دیوانی" قانون ہے جو لوگوں کے اموال کی حفاظت سے متعلق ہے، یہ آیت اُس دور میں نازل ہوئی جب ترکے میں سے وارثوں کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے، اُس زمانے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وصیت کر کے جاؤ کہ کس کو کتنا حصہ دیا جائے!

اس کے بعد سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے حصے خود متعین فرما دیے، اب وراثت متعین ہوگئی ہے، تاہم اگر کسی کا کوئی حق دینا ہو تو اس کی وصیت کرنا اب بھی ضروری ہے، نیز وارث کے علاوہ کسی کے لیے کُل مال کے تہائی حصہ کی حد تک وصیت کرنا اب بھی جائز ہے، مثلاً میرا تہائی مال فلاں فلاں کو یا مسجد یا مدرسہ میں دے دینا، یا میرے فلاں فلاں عزیزوں کو دے دینا۔ یہ جائز ہے۔ البتہ ایسا رشتہ دار جس کا وراثت میں حصہ بنتا ہو، اس کے لیے وصیت جائز نہیں۔ اس وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا یا کمی بیشی کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ وصیت میں ناانصافی سے کام لیا گیا ہے اور وہ وصیت کرنے والے کو سمجھا کر اس کی زندگی میں ہی اُس وصیت میں تبدیلی کرا دے تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

روزے کا مقصد اور اُس کے اَحکام

ان آیات میں "روزہ" کے بارے احکامات دیے گئے ہیں کہ روزے صرف اسی اُمّت پر ہی فرض نہیں بلکہ

پہلی اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے، روزہ کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے، اگر بیمار ہو اور فی الحال روزہ نہیں رکھ سکتے تو کوئی حرج نہیں، بعد میں قضا کرو، اگر کوئی شخص شرعی سفر کا مسافر ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے روزہ رکھنے میں دشواری ہے تو بعد میں قضا کرو۔

اسی طرح شروع شروع میں یہ سہولت بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود روزہ نہیں رکھتا بلکہ روزے کا فدیہ دے دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ" تاہم آیت نمبر ۱۸۵ میں یہ سہولت ختم کردی گئی اور واضح حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی اپنی زندگی میں رمضان کا مہینہ پائے، وہ روزہ ضرور رکھے، تاہم فدیہ کی سہولت اُن لوگوں کے لیے اب بھی باقی ہے جو مستقل بیمار رہتے ہیں، یا کوئی بالکل ضعیف اور انتہائی بوڑھا ہے کہ نہ تو فی الحال روزہ رکھنے کی طاقت ہے اور نہ ہی آئندہ روزہ رکھ سکنے کی کوئی امید ہے تو ایسا شخص، روزے کے بدلے فدیہ دے دے، ہر ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو نصف صاع (تقریباً پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت) ادا کیا جائے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

"تدبیرِ منزل" کا پانچواں درس: "اِشاعتِ تعلیم اور اصلاحِ معاملات"

تدبیرِ منزل کا پانچواں درس ہے "اشاعتِ تعلیم اور اصلاحِ معاملات" اپنے معاملات بھی درست کرو، بچوں کو تعلیم بھی دو۔ والدین کے فرائض میں سے ہے کہ اپنی اولاد کو درست تعلیم دیں اور اولاد کی تعلیم میں سب سے بہترین اور ضروری تعلیم، دِین اور قرآن کی تعلیم ہے، آپ حضرات بھی "درسِ قرآن" کے ذریعے سے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

یاد رکھیے! جو شخص بھی قرآن کی ایک آیت سیکھتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نوافل کی سو رکعت سے افضل ہے (ابن ماجہ، ص:۱۱۵، رحمانیہ)۔ نیز رمضان المبارک کی راتیں، اس کے دنوں سے زیادہ افضل ہیں، اسی بابرکت مہینے میں قرآن کا (آسمانِ دُنیا پر) نزول ہوا، لہٰذا ان مبارک راتوں میں بیٹھ کر اگر کوئی قرآن سیکھتا ہے، تو وہ بہت بڑا اجر کما رہا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز!

بہرکیف! تعلیم سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ" "قرآن تعلیم کا منبع ہے، اسی سے دنیا کی تعلیم بھی نکلتی ہے اور اسی سے دِین کی تعلیم بھی نکلتی ہے۔ تعلیم تو تعلیم ہے، ہر تعلیم کی اصل قرآن ہے، ریاضی بھی قرآن سے نکلتی ہے، تاریخ بھی، جغرافیہ بھی، سائنس کے علم کی بھی قرآن راہنمائی کرتا ہے اور میڈیکل بھی قرآن بتاتا ہے۔ اس لیے فرمایا تعلیم حاصل کرو اور روزہ کی حالت میں قرآنِ کریم کو سمجھو، پھر روزوں کی گنتی ۲۹ / ۳۰ دِن پوری کرو۔

فرمایا رمضان کے مہینہ میں قرآن اترا ہے۔ قرآنِ کریم لوگوں کے لیے ہدایت، کھلے دلائل اور حق و باطل میں امتیاز کا ذریعہ ہے۔ جو شخص رمضان کا مہینہ پائے، اس میں روزے رکھے۔ البتہ مریض اور مسافر روزے نہ رکھ سکیں تو بعد میں قضا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آسانی دی ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

جب بھی اپنے رَبّ کو پکاروگے، اسے اپنے قریب پاؤ گے

فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ صرف رمضان ہی میں ہماری دُعائیں سنتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں سنتے، ایسا نہیں ہے۔ تم پکارنے والے تو بنو! اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنی مخلوق کی دُعائیں سنتے ہیں، اس لیے مخلوق کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے رَبّ کی بات مانیں اور ایک اللہ پر ہی ایمان لائیں، تا کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

رمضان میں ازدواجی تعلقات سے متعلّق حکم

شروع شروع میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ افطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سو گیا تو اب رات کو بھی نہ تو اس کے لیے کھانا پینا جائز ہوتا اور نہ ہی اپنی بیوی سے لطف اندوز ہونے کی اجازت تھی۔ یہ ممانعت حضور علیہ السلام کے حکم سے تھی، چونکہ حضور علیہ السلام کی سنت و حدیث بھی حجت ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی جاتی رہی۔ بعض لوگوں سے اس حوالے سے کچھ کوتاہی سرزد ہوئی جس کی طرف اس آیت میں اشارہ بھی کیا گیا اور اس کوتاہی پر معافی دے کر آئندہ کے لیے یہ پابندی اُٹھالی گئی۔ فرمایا کہ میں نے اب یہ حکم واپس لے لیا، اب راتوں کو کھا پی بھی سکتے ہو اور بیویوں کے پاس بے تکلف جا سکتے ہو اور ان سے جائز طریقے اور جائز نیت سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ سحری کا وقت، صبحِ صادق کے طلوع تک رہتا ہے۔ اُس وقت تک کھا پی سکتے ہو، البتہ روزہ کی حالت میں اور اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے انتفاع شرعاً جائز نہیں۔ جو کوئی اس میں کوتاہی کرے گا تو وہ اپنے رَبّ کو خود جوابدہ ہوگا۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

مالِ حرام اور جھوٹے مقدمات سے پرہیز

روزے کی حالت میں بہت سی حلال اشیاء کے استعمال سے بھی منع کر دیا گیا تھا، یہ اس بات کی تربیت ہے کہ نفس، حلال چیزوں پر ہی اکتفاء کا عادی ہو جائے اور حرام چھوٹ جائے، لہٰذا فرمایا کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ نیز سحر و افطار کے لیے بھی حلال مال کا انتظام کرنا چاہیے، مالِ حرام کے ذریعے روزہ افطار کر کے روزے کو ضائع نہ کرو۔

اسی طرح کسی پر ناحق مقدمات کر کے اس کا مال کھانے کی کوشش ہرگز نہ کرو، یہ بہت بڑا گناہ ہے، تمہیں اللہ کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

اہلِ عرب کی ایک ''فضول رسم'' کی مذمت

شروع میں فرمایا کہ قمری ماہ کے نئے چاند کے ذریعے سے شرعی عبادات کے اوقات متعین ہوتے ہیں، اس لیے کہ بعض عبادات کی تاریخیں، چاند پر ہی موقوف ہوتی ہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ، روزہ، حج سبھی کا تعلق قمری ماہ سے ہے۔

اس کے بعد عربوں کی ایک جاہلانہ رسم کی تردید فرمائی کہ اہلِ عرب جب احرام باندھ لیتے تھے تو اپنے گھروں میں جانا ممنوع سمجھا کرتے تھے، اگر کسی کو ضرورت بھی ہوتی تو وہ عام دروازے سے جانے کے بجائے گھر کے پچھلے حصے سے گھر میں داخل ہوا کرتے تھے، اس آیت میں اس رسم کو فضول اور بے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا گھر کے پیچھے سے گھروں میں آنا کوئی نیکی نہیں، نیکی تو تقویٰ کا نام ہے، لہٰذا اگر گھر آنے کی ضرورت ہو تو دروازوں سے گھر آؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝ ...... تا ...... وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ڔ وَاَحْسِنُوْا ڔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝

''سیاستِ مدنیہ'' اور اس کے اہم اسباق

آدمی شروع میں اکیلا ہوتا ہے، جب اس کی شادی ہوتی ہے تو اس سے بہت سی فیملیاں بنتی ہیں، جن سے قوم وجود میں آتی ہے اور جب بہت سی قومیں ملتی ہیں تو ان سے ایک ''ریاست'' بنتی ہے۔

ریاست چلانے کا طریقہ

ریاست کے دو شعبے ہیں: ۱- ایک شعبہ ہے ملک بنانا، اور ۲- دوسرا شعبہ ہے ملک چلانا۔ ملک بنانے کے لیے جہاد کا حکم دیا گیا جبکہ ملک چلانے کے لیے بہت سارے احکام دیے گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملک حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرمایا کہ جہاد کرو اور جہاد میں گھبراؤ نہیں جو تم

سے لڑ رہے ہیں تم بھی ان سے لڑو، اگر وہ حدودِ حرم اور حرمت والے مہینوں میں تم سے جنگ کریں تو پھر تمہارے لیے بھی ان سے لڑنا جائز ہے۔ تاہم اتنی بات سب جانتے ہیں کہ جہاد اور دہشت گردی میں فرق ہے، دہشت گردی میں اندھا دھند لوگوں کو مارتے ہیں، جبکہ جہاد میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کی بڑی سخت شرائط ہیں جن کا یہاں موقع نہیں ہے، کُتبِ فقہ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

حُرمت کے مہینوں میں لڑائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ، عمرۃ القضاء کے لیے سات ہجری میں مکہ جا رہے تھے، سب نے احرام بھی باندھ رکھا تھا، خطرہ تھا کہ اگر مشرک ہم سے اس حالت میں لڑ پڑے تو ہم کیا کریں گے، کیونکہ احرام کی حالت میں لڑنا جائز نہیں۔ حرم میں لڑنا جائز نہیں پھر محترم مہینوں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں لڑنا جائز نہیں، یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا۔ اس آیت میں یہ وضاحت کر دی گئی کہ اپنی طرف سے تو جنگ شروع نہ کی جائے، لیکن اگر وہ ابتداء کرتے ہیں تو پھر تمہیں بھی لڑنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ انہوں نے تقدس پامال کیا، تم نے نہیں کیا۔ مسلمانوں کو ان کے دین اسلام سے روکنے کی ناپاک سازشیں اُنہوں نے کی ہیں، فتنہ، ظلم اور تشدد انہوں نے روا رکھا ہے جو ''قتل'' سے بھی زیادہ سنگین ہے، اس لیے فتنہ کی روک تھام کے لیے اگر قتل کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ وہ اگر ''حدودِ حرم'' میں تم سے قتال کریں تو تم بھی کرو، اگر تم جہاد میں خرچ کرنے میں بخل کرو گے تو اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارو گے۔ سورۂ بقرہ میں سات مرتبہ جہاد اور آٹھ مرتبہ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

حج اور جہاد میں مناسبت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج کا ذکر کیا۔ جہاد اور حج میں بھی ایک مناسبت ہے کہ حج میں بھی امیر ہے اور جہاد میں بھی امیر ہے۔ حج میں بھی امیر کی اطاعت لازم ہے اور جہاد میں بھی امیر کی اطاعت لازم ہے۔ حج میں بھی گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور جہاد میں بھی گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور حج پر جا کر جہاد میں کامیابی کی دعائیں بھی کی جاتی ہیں۔

حج میں رُکاوٹ پیش آجائے تو کیا کریں؟

فرمایا کہ اصل حکم تو یہ ہے کہ جو شخص بھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے افعال پورے نہ کرلے، احرام نہ کھولے۔ تاہم اگر کسی کو کوئی ایسی مجبوری پیش آ گئی کہ احرام باندھنے کے بعد مکہ پہنچنا ممکن ہی نہ رہے، جیسے کرونا کے ایام میں بہت سے لوگ جہازوں میں احرام کی حالت میں تھے، لیکن کرونا کی وجہ سے فلائٹیں کینسل ہو گئیں تو وہ واپس آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت کا حل بتایا کہ "قربانی" کر کے احرام کھولا جاسکتا ہے اور یہ قربانی حدودِ حرم میں ہو، تم حرم میں کسی کے ذمہ لگاؤ کہ وہ ایک قربانی تمہاری طرف سے کرلیں، جب وہ تمہاری طرف سے قربانی کرلیں تو اب تم سر منڈوالو اور احرام کھول کر حلال ہو جاؤ، تاہم بعد میں اس حج یا عمرہ کی قضا لازم ہو گی جس کا تم نے احرام باندھا تھا۔ اور اگر تم نے حج تمتع اور قران کا احرام باندھ رکھا تھا تو افعال کی تکمیل کے بعد، شکرانے کے طور پر جانور کی قربانی کرو، اگر کسی کے پاس یہ استطاعت نہ ہو تو دس روزے اس طرح رکھے کہ پہلے تین روزے ۹ رذی الحجہ تک پورے ہو جائیں، بقیہ روزے حج کے بعد رکھے جائیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۞ ..... تا ..... ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞

حج کے مہینے اور اِحرام کی پابندیاں

فرمایا کہ عمرہ تو پورے سال جب چاہے، کیا جاسکتا ہے، تاہم حج کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس کے اوقات اور مہینے مخصوص ہیں، شوال سے حج کے مہینے شروع ہوتے ہیں، لہٰذا شوال آنے کے بعد ہی حج کا احرام باندھنا چاہیے۔ نیز جب حج کا احرام باندھ لو تو پھر کسی سے کوئی فحش بات نہ کرو، گناہ کی باتیں (ممنوعاتِ حَرم) اور لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ کیونکہ یہ مقام ایسا ہے کہ یہاں اس قسم کے مواقع پیدا ہونے کا فطری امکان رہتا ہی ہے، انسان جتنا بھی بچ کر چلے، بھیڑ اور رش کی وجہ سے بات اونچی نیچی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، پھر گھر سے اتنا عرصہ دوری سے دل میں بُرے خیالات کا پیدا ہو جانا بھی محال نہیں، اس لیے خاص طور پر ان امور سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حج کی تفصیل اور منیٰ اور عرفات کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اپنی ضرورت کے اسباب لے کر جاؤ، وہاں کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ اور اگر تجارت کرنا چاہو تو یہ بھی جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ حج کے امور اس سے متاثر نہ ہوں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۞ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۞ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۞

حاجیوں کی اَقسام

زمانہ جاہلیت میں کچھ قبائل جب حج کے بنیادی ارکان سے فارغ ہوکر منیٰ آتے تو سارا دن اپنے آباؤ اجداد کے فضائل ومناقب بیان کرتے رہتے،شریعت نے اس جاہلانہ رسم کوختم کردیا کہ اپنے آباء کے بجائے خداتعالیٰ کو کثرت سے یادکیا کرو۔

نیز یہ لوگ چونکہ آخرت کے قائل ہی نہ تھے،اس لیے اگر اللہ تعالیٰ سے دُعائیں بھی مانگتے تو اپنی دنیوی امور کی تکمیل کے لیے دُعائیں مانگا کرتے تھے۔یہی صورتِ حال آج کل بھی پائی جاتی ہے کہ کچھ لوگ صرف دنیا کے لیے حج کرتے ہیں،حج پر جاکر بھی اللہ سے صرف دنیا ہی مانگی کہ یااللہ! روزی دے، بچہ کی ملازمت دے، بچے کا نیک رشتہ دے، نہ تو اپنی مغفرت مانگی اور نہ ہی جنّت اور آخرت مانگی۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی کہ ایک مؤمن کو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہیے۔یہی سچے حاجی ہیں، جو کہتے ہیں:''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝'' اے اللہ! دنیا بھی دے اور آخرت بھی دے۔لفظِ''حَسَنَةً'' تمام ظاہری وباطنی بھلائیوں اور خوبیوں کو شامل ہے اور یہ ایک ایسی جامع دُعا ہے جس میں انسان کے تمام دینی ودنیوی مقاصد آجاتے ہیں۔نیز یہ حاجی اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا بھی کرتے ہیں کہ''وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجیے! اس لیے اِن دوقسم کے حاجیوں میں سے تم سچے حاجی بننا،صرف دُنیا مانگنے پر اکتفا نہ کرنا۔

''نیک بیوی'' کے حصول کی دُعا

ہمارے شیخ حضرت اقدس حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

قرآنِ کریم میں مذکور یہ دُعا''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝'' پڑھنے سے ہر قسم کی اچھائی نصیب ہوتی ہے اور دُنیا وآخرت میں بھلائی کی ایک تفسیر خوبصورت بیوی بھی ہے، یہ تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔(قرطبی) لہٰذا اگر کوئی شخص مذکورہ دُعا پڑھے تو حق تعالیٰ اسے نیک اور خوبصورت بیوی عطا فرمائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۝

ایک فسادی منافق کا ذکر

جیسے حاجی دوقسم کے ہوتے ہیں، ایسے ہی لوگ بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، کچھ لوگ منافق ہیں اور کچھ مخلص مؤمن۔مذکورہ آیت میں ایک منافق کا ذکر کیا گیا ہے جس کا نام''اخنس بن شریق'' تھا، یہ مدینہ آیا، بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرنے

والا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آیا اور آ کر کہا کہ حضرت! اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس نے ہمیں آپ جیسا نبی دیا، آپ کی مجلس میں آتے ہیں تو مزہ آ جاتا ہے، حضرت آپ سے جب جدا ہوتے ہیں تو ہم ایسے تڑپتے ہیں جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے، اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں کرتا اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان کا اظہار کرتا تھا، فرمایا کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" اس کی باتیں آپ کو اچھی بھی لگتی ہیں، لیکن جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اُٹھا تو راستے میں مسلمانوں کے کھیتوں کو آگ لگا دی اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا، جیسا کہ آج کل گندم کی فصل تیار ہے تو بہت سے لوگ، حسد اور دشمنی میں آ کر لوگوں کی گندم کو آگ لگا دیتے ہیں یہ نفاق اور منافقت ہے، یہی کام منافق کرتے تھے، "وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ" اللہ نے فرمایا کہ یہ منافق اور فسادی ہے۔ سمجھانے کے باوجود یہ باز نہیں آئے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

کامل مومنین کا ذِکرِ خیر

فرمایا کہ اگر دُنیا میں کچھ لوگ منافق اور بدخواہ ہوتے ہیں تو کچھ لوگ مخلص مومن بھی ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی جانیں تک اسلام کی خاطر کھپا رکھی ہوتی ہیں، مفسرین کرامؒ نے اس ضمن میں بہت سارے صحابہ کرامؓ کے واقعات بیان کیے ہیں، مثلاً حضرت صُہیب رومیؓ جب ہجرت کرنے لگے تو مشرکین نے انہیں ہجرت سے روک لیا تو حضرتؓ اپنی سواری سے اُترے اور کُفّار کو للکار کہا کہ اے گروہِ قریش! تم خوب جانتے ہو کہ مجھ سے زیادہ تیر اندازی کا ماہر کوئی نہیں، اللہ کی قسم اگر تم لڑائی چاہتے ہو تو تب تک میرے قریب نہیں پہنچ پاؤ گے جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر باقی ہے اور میرے ہاتھ میں تلوار باقی ہے۔ اگر تمہیں خیر کا راستہ چاہیے تو مکہ میں فلاں جگہ میرا مال اور جائیداد موجود ہے، وہ سب لے لو اور مجھے اپنے نبی کی غلامی کے لیے مدینہ جانے دو۔ میں اپنی ساری دنیا قربان کرتا ہوں، فرمایا کہ تم بھی ایسے ہی مخلص بنو جیسا کہ صحابہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص تھے۔

انہی حضرات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے آپ کو بھی قربان کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

پکے ٹھکے مسلمان بنو!

بعض یہودی حضرات اسلام قبول کرنے کے باوجود کوشش کرتے تھے کہ شریعتِ موسویہ کے بعض احکام کی پاسداری بھی ہوتی رہے، مثلاً اونٹ شریعت موسوی میں حرام تھا اور اسلام نے بھی اس کے کھانے کو فرض قرار نہیں دیا، لہٰذا

اونٹ کھانا چھوڑ دیا، اونٹ کا دودھ بھی چھوڑ دیا، تاکہ دونوں شریعتوں پر عمل ہو سکے۔ اس لیے عمومی حکم بیان فرمایا کہ جب تم نے کھلے دِل سے اسلام قبول کر لیا تو اب صرف اسلامی احکامات پر عمل کرو، پچھلے مذہب کی رعایت میں وہ کام نہ کرو جس کا اسلام نے حکم نہیں دیا، مسلمان بنو تو پکے اور پورے مسلمان بنو، ادھورے مسلمان نہ بنو۔ شیطانی چالوں میں نہ آؤ۔ اگر بہک گئے تو اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝

''ایمان بالغیب'' ہی تو اصل آزمائش ہے

کفّار اور یہودِ مدینہ یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ اللہ ہمیں براہِ راست نظر آئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کا حکم دے تب ہم ایمان لائیں گے، اس آیت میں اسی کا جواب دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ خود سامنے آجائیں تو پھر ''آزمائش'' کیا باقی رہی! اصل قیمت اور آزمائش تو ''ایمان بالغیب'' کی ہے، دنیا اسی آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کرکے ''خالق'' تک رسائی حاصل کرے، ''غیب'' کی چیزیں تو قیامت کے روز ہی سب کے سامنے آئے گی اور ظاہر ہے کہ اُس دن ایمان معتبر نہیں ہوگا بلکہ وہ تو اعمال کی جزا اور سزا کا دن ہوگا۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝

مال و دولت کی فراوانی ''ربّ کی رضا'' کی دلیل ہرگز نہیں ہے

بنی اسرائیل اور یہودی اس لیے ناکام ہوئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتوں کی فراوانی کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھنے کی غلطی کر بیٹھے تھے، اس آیت میں اس باطل خیال کی تردید کی گئی کہ دنیا میں رزق کی فراوانی کسی کے ''حق'' پر ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، کافر کو بھی بے حساب رزق مہیا کیا جا سکتا ہے۔ شیطان نے ان کے گناہ ان کی نظر میں اچھے اور خوبصورت بنا دیے ہیں، اس لیے وہ اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے ہیں، حالانکہ قیامت کے دن اہلِ ایمان بہت ہی بلند مقامات پر ہوں گے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

بعثتِ اَنبیاءؑ کی وجہ اور پس منظر

شروع میں سب انسان حق مذہب کے قائل اور توحید کے علمبردار تھے، بعد میں طبائع کے اختلاف سے اغراض میں اختلاف ہوا جو رفتہ رفتہ اعمال اور عقائد کے اختلاف تک پھیل گیا اور حق و باطل میں التباس اور خلط ملط ہونے لگا، اسی حق کو واضح کرنے اور لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جن کی دعوت کے نتیجے میں کچھ لوگ راہِ راست پر آ گئے اور "مومن" کہلائے جب کہ بعض لوگ اپنی ضد بازی پر قائم رہے اور "کافر" ٹھہرے اور ہمیشہ ہمیشہ کی تباہی مول لی۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

"جنّت" چاہیے تو آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا

فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مفت میں جنّت چلے جاؤ گے! حالانکہ تم پر ابھی وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے والے لوگوں پر آئے تھے، انہوں نے دِین کے راستے میں بڑی شدید تکالیف برداشت کی تھیں، لہٰذا جیسے پہلے لوگوں پر دِین کی خاطر آزمائشیں آئی تھیں، تمہیں بھی یہ آزمائشیں برداشت کرنی پڑیں گی، بدنی تکلیفیں بھی آ سکتی ہیں اور مالی تکلیفیں بھی آ سکتی ہیں۔ "باساء" بدنی تکلیف اور "ضراء" مالی تنگی کو کہتے ہیں۔ اس لیے اے مسلمانو! تمہیں جو کفّار کی طرف سے تکلیفیں اور مصائب پہنچتے ہیں، ان پر صبر کرنا چاہیے، اصلی اور حتمی راحت تو اِن شاء اللہ! جنّت میں ملے گی اور وہ راحت تبھی حاصل ہو گی جب اس کے لیے کچھ مشقت اور محنت برداشت کرو گے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

صدقات کا بہترین مصرف

حضراتِ صحابہ کرامؓ اپنے معاملات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر سرانجام دیا کرتے تھے، بعض صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہﷺ! ہم اللہ کے رستے میں اگر خرچ کرنا چاہیں تو کہاں خرچ کریں اور کتنا خرچ کریں؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ خرچ کا بہترین مصرف، والدین، قریبی رشتہ دار، یتیم، مسکین اور مسافر لوگ ہیں، اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "کتنا" خرچ کریں تو اس کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں ہے، جتنا توفیق ہو خرچ کر سکتے ہو، تمہارے ہر ہر عملِ خیر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے بھی ہیں اور اس پر تمہیں اجر بھی دیں گے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ؕ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اپنی بقاء کے لیے جہاد کے بغیر کوئی چارہ نہیں

فرمایا کہ اگرچہ تمہیں طبعی طور پر یہ حکم مشکل اور گراں لگے لیکن جہاد تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا، یہ تم پر فرض کر دیا گیا ہے، کسی بھی چیز کے ظاہر کو مت دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، کسی حکم میں کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے، ایک بندہ کا کام یہ دیکھنا نہیں ہے۔ وہ بس اللہ کا حکم سمجھ کر اس کام کو کر گزرے، حقیقت جب سامنے آئے گی تب پتہ چلے گا کہ اللہ کا کوئی حکم بھی بندوں کی مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى
يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
ھَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مشرکین کا بے بنیاد پروپیگنڈا اور منہ توڑ خدائی جواب

ایک سفر کے موقع پر کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک ''عمرو بن امیہ ضمری'' قتل ہو گیا، اہل اسلام نے سمجھا کہ آج ۳۰ رجمادی الاخری ہے، جبکہ چاند نظر آچکا تھا اور یکم رجب ہو چکی تھی، اور رجب اَشہرِ حُرم میں سے ہے، اس پر مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ یہ لوگ کیسے مسلمان ہیں جو حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں رکھتے۔ اس آیت میں اس پروپیگنڈے کا جواب دیا گیا کہ اول تو یہ قتل ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا، جان بوجھ کر حرمت والے مہینے میں قتل نہیں کیا گیا۔ دوسرا یہ کہ تم لوگ جو صرف قتل ہونے پر اتنا واویلا مچا رہے ہو، کبھی اپنے افعال پر بھی تم نے غور کیا ہے کہ کیسے بڑے بڑے گناہوں کا تم نے ارتکاب کر رکھا ہے! تم لوگ نہ صرف مسجدِ حرام سے روکتے ہو بلکہ جو حرم کی عبادت کے اصل اہل ہیں، ان کی زندگی بھی تم نے اجیرن بنا کر رکھی ہے اور انہیں مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ کیا یہ کم ''فتنہ'' ہے!

کبھی بھی کُفّار کی باتوں میں مت آنا!

نیز یہ بھی فرمایا کہ کُفّار کبھی بھی تمہارے اسلام پر مطمئن نہیں ہوں گے اور ان کی پرزور کوشش ہوگی کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ خبردار! اگر تم ان کی باتوں میں آ کر اپنا حق مذہب چھوڑ بیٹھے تو اللہ تمہارے سب اعمال ضبط کر لے گا اور دنیا و آخرت کی رسوائی الگ ہوگی۔ جو لوگ ایمان لائے اور دینی اعمال پر ڈٹے رہے تو وہ بلاشبہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت غفور و رحیم ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

جوے اور شراب کا حکم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوے کا حکم بیان فرمایا، چونکہ عرب کے لوگ صدیوں سے شراب نوشی کے عادی تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت میں تدریج سے کام لیا، اس آیت میں صرف اتنا بتایا گیا کہ شراب نوشی کے نتیجے میں انسان سے ایسی حرکتیں صادر ہوجاتی ہیں جو شرعاً گناہ ہیں، اس میں اگرچہ کچھ جسمانی اور نفسیاتی فائدے بھی ہیں لیکن گناہ کے امکانات زیادہ ہیں۔ اسی طرح جوے میں بھی وقتی فائدے ہیں لیکن نقصانات زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آہستہ آہستہ شراب کو حرام کیا اور شراب اور جوے کی نفرت دلوں میں بٹھائی، بالآخر سورتِ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ ”يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝“ (المائدۃ:۹۰) یہ جوا اور شراب ناپاک اور شیطانی عمل ہے، صاف صاف حکم ہے کہ اس سے پرہیز کرو، یہ حرام ہے۔

اپنی ضروریات سے زائد مقدار ”صدقہ“ کرنا چاہیے

بعض صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے صدقہ کا ثواب سن کر اپنی تمام جمع پونجی صدقہ کردی اور گھر والے بھوکے رہ گئے، اس پر حکم دیا گیا کہ ”وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝“ صدقہ اتنا ہونا چاہیے کہ گھر والے محتاج نہ ہوجائیں، اس لیے اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات کی تکمیل کے بعد صدقہ دینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ خود محتاج رہ جاؤ۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

معاشرتی اور ازدواجی زندگی کے متعلق احکامات

فرمایا کہ مشرک عورت سے شادی نہ کرو اور مسلمان عورت بھی کسی مشرک مرد سے شادی نہ کرے۔ مشرک مرد کے بجائے کسی مومن غلام سے نکاح کرلینا بہتر ہے اور مشرکہ عورت کے بجائے مومنہ باندی سے نکاح کرلینا زیادہ بہتر ہے۔ مشرک یا مشرکہ رفیقِ حیات دوزخ کی جانب بلاتے ہیں، اس لیے بچنا ضروری ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ
فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اَیامِ حیض کے اَحکام

حیض کی حالت، ایک گندگی کی حالت ہے، ایسی حالت میں بیویوں کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں، جب پاک ہو جائیں تو شرعی طریقے کے مطابق اس سے نفع حاصل کیا جائے، یہی پاک صاف طبیعتوں کا طریقہ ہے اور اللہ ایسی ہی طبیعتوں کو پسند کرتا ہے۔ نیز بیوی سے انتفاع کا مقصد چونکہ صرف خواہش پرستی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کے اضافے کا ذریعہ ہے، اس لیے اس مقصد کے لیے صرف وہی راستہ استعمال کیا جائے جو شریعت نے اس کام کے لیے بنایا ہے، کسی اور ذریعہ سے اور خلافِ فطرت رستے سے جنسی لذت حاصل کرنا حرام ہے۔ البتہ جسم کے جس حصہ کو اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی افزائش کا ذریعہ بنایا ہے، اس تک پہنچنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج کی بات نہیں، البتہ ممنوع طریقے اور رستے استعمال کرنا شرعاً حرام ہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

قَسَم اُٹھانے کے بارے شرعی ہدایات

اللہ کا نام لے کر ایسی قسمیں نہ اٹھاؤ جو نیکی کے کاموں میں رکاوٹ بن جائیں۔ اگر خدانخواستہ کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر ایسی قسم اُٹھالی جائے تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔

نیز بھول کر جو تم قسم اٹھاتے ہو، جیسے بعض لوگوں کا ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا بلکہ تکیہ کلام کے طور پر وہ بات بات پر ''اللہ کی قسم'' وغیرہ جیسے قسمیہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، درحقیقت یہ ''لغو'' قسم ہے، اسی طرح بسا اوقات انسان کسی ماضی کی بات پر اپنے آپ کو سچا جان کر قسم کھاتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا تھا، یا میں نے یہ کام نہیں کیا تھا، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے تو یہ قسم بھی ''لغو'' ہی ہے، ایسی قسم اگرچہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں لیکن بات بات پر قسم کھانے کی عادت کوئی اچھی عادت نہیں ہے، اس سے بچنا چاہیے۔ البتہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے بارے جو قسم کھائی جائے تو وہ منعقد ہو جائے گی، اس کے خلاف کرنے پر قسم کا کفارہ بھی دینا ہوگا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

”ایلاء“ کے اَحکام

عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ بیوی سے ناراضگی کے اظہار کے طور پر قسم کھا لیتے تھے کہ بیوی کے قریب نہیں جائیں گے، اس سے بیوی کے نہ تو شرعی حقوق ادا ہوتے تھے اور نہ ہی وہ کسی اور جگہ شادی کر سکتی تھی، نتیجہ کے طور پر وہ بے چاری لٹکی رہتی تھی، ایسی قسم کو شریعت میں ”ایلاء“ کہتے ہیں۔

اس آیت نے واضح حکم بتا دیا کہ اگر کسی نے ایسی قسم کھالی تو اسے صرف چار ماہ کی مہلت ہے، اس دوران اگر اپنی قسم توڑ کر بیوی سے معمول کے ازدواجی تعلقات بحال کر لیے تو بہت اچھے! نکاح برقرار رہے گا، صرف قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ لیکن اگر کسی نے چار ماہ تک اپنی قسم نہ توڑی اور بیوی کے پاس نہ گیا تو ایسی صورت میں قطعی طلاق سمجھی جائے گی اور بیوی ایسے ظالم کے نکاح سے نکل جائے گی۔ نکاح خود بخود ختم سمجھا جائے گا۔ اس حکم سے شریعت نے ان مظلوم خواتین کے لیے بہت سہولت پیدا کر دی جو پہلے انہی قسموں کی وجہ سے زندگی بھر لٹکی رہتی تھیں، اب صرف چار ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ
يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

مطلقہ عورت کی عدّت کے اَحکام

قرآنِ پاک میں واضح کر دیا گیا کہ اگر میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہو گیا ہو یا خلوت پائی گئی ہو (تنہائی کا ایسا موقع جس میں ازدواجی تعلق قائم کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو) اس کے بعد اگر طلاق ہو جائے تو عورت تین ماہواریاں پوری ہونے تک عدت گزارے گی، اور اگر خاتون حاملہ بھی ہو تو پھر اس کی عدت، بچے کی پیدائش پر ختم ہوگی، اس لیے عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنا حمل چھپائے اور ظاہر نہ کرے۔ نیز طلاقِ رجعی کی صورت میں دورانِ عدت اگر باہمی معاملات سلجھ جائیں اور شوہر رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے، بلا وجہ میاں بیوی کے معاملات میں خرابیاں پیدا نہ کی جائیں۔ دونوں کے ایک دوسرے کے ذمہ حقوق اور فرائض ہیں، جیسے شوہر کے بیوی کے اوپر کچھ حقوق ہیں، ویسے بیوی کے بھی اپنے شوہر کے ذمہ حقوق و فرائض ہیں، انہیں پورا کیا جائے، تاہم زندگی کے سفر میں شوہر چونکہ امیر اور نگران ہے، اس لیے اسے ایک گونہ فوقیت حاصل ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا
اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ

مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

”طلاق“ ایسی دو کہ واپسی کا راستہ باقی رہے

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کبھی طلاق دینی بھی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو بار صاف الفاظ میں طلاق دی جائے تا کہ شوہر کے پاس عدت کے دوران رجوع کا حق باقی رہے، اگر عدت گزر بھی جائے تب بھی آپس میں نیا نکاح کیا جا سکتا ہے، تین طلاق دینے کو شریعت نے ناپسند کیا ہے۔

نیز قرآنِ پاک نے یہ بھی حکم دیا کہ ”فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ“ ایک یا دو طلاق کے بعد دوبارہ رجوع کر کے اکٹھے رہنے کا فیصلہ کیا جائے یا مستقل علیحدگی کا، دونوں صورتوں میں معاملات خوش اسلوبی سے حل کیے جائیں، جس طرح نکاح کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے پایا تھا، اسی طرح اتنا عرصہ اکٹھے رہنے کا کم سے کم اتنا پاس لحاظ تو ہو کہ اس معاملے کو عمدہ انداز سے ختم کیا جائے اور مطلقہ بیوی کو کچھ تحفے تحائف دے کر عزت سے رخصت کیا جائے، یہی شریعت کا حکم ہے۔ گالم گلوچ، مار پیٹ اور الزامات لگا کر تعلقات ختم کرنا، اچھے اور شریف لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔

”خلع“ کی تفصیل

اس کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ ”وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔـا“ عام حالات میں شوہر کے لیے حلال نہیں ہے کہ طلاق دینے کے بدلے میں عورت سے مہر یا کسی مال کا مطالبہ کرے، البتہ اگر ”اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ“ طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو، یعنی وہ عورت ہی شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور وہ خود ہی شوہر سے، شوہر کی زیادتی کے بغیر، طلاق کا مطالبہ کرے اور اس وجہ سے دونوں کو اندیشہ ہو کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشگواری کے ساتھ حقوقِ نکاح کو ادا کرنا مشکل ہے تو ایسی صورت میں جائز ہے کہ عورت اپنے مہر کو معاف کر دے یا اگر وصول کر لیا ہے تو کل یا اس کے کسی حصے کو واپس کر کے شوہر سے طلاق لے لے، یہ معاملہ باہمی رضامندی سے طے پانا ضروری ہے، اسی کو عربی میں ”خلع“ کہتے ہیں، شوہر کی رضامندی کے بغیر محض یک طرفہ مطالبہ پر ”خلع“ نہیں ہو سکتی۔

تین طلاقوں کی صورت میں حکم

اگر کسی شوہر نے شریعت کی دی ہوئی ان رعایتوں کا پاس نہیں کیا اور اپنی بیوی کو تین طلاق (اکٹھے یا الگ الگ) دے دیں تو گویا اس نے ایک نہیں، دو نہیں بلکہ تین فائر مارے ہیں اپنی بیوی کو، ظاہر ہے کہ تین فائر لگنے کے بعد بندہ کہاں بچتا ہے۔ لہٰذا جو بھی یہ حرکت کرے گا، وہ شرعاً گناہ گار ہو گا اور اپنی بیوی سے محروم ہو جائے گا، ”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ "قرآن نے کہا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد اب بیوی حلال نہیں ہے، اب ایسے نالائق اور نا قدرے شوہر کے ساتھ رہنے کے جتن کرنا بھی مناسب نہیں ہے، جو پہلے ہی تمہیں تین فائر مار چکا، دوبارہ اسی کے ساتھ کیوں رہنا؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے نا قدرے شخص سے آزادی دی ہے، شکر پڑھو اور عدت کے بعد کسی اور جگہ شادی کی سوچو۔ لیکن اگر کسی وجہ سے دوبارہ اسی شوہر ہی کے ساتھ رہنا منظور ہو تو اس کے لیے شریعت نے ایک راستہ بتایا ہے جسے عربی میں "حلالہ" کہا جاتا ہے۔ اس کے بغیر اپنے پہلے شوہر کے ساتھ بسنے کی کوئی صورت شرعاً جائز نہیں ہے۔ "حلالہ" کی اپنی تفصیلات اور کڑی شرائط ہیں جس کا ہمارے معاشرے میں لحاظ نہیں رکھا جاتا، حسبِ ضرورت اس کی تفصیلات کسی مستند مفتی سے سمجھی جاسکتی ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم

واضح رہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں خواہ ایک جملہ سے دی ہوں یا الگ الگ جملوں سے دی ہوں، تین طلاقیں شمار ہوں گی اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگی، جس میں رجوع نہیں ہوسکتا، اس پر جمہور صحابہ اور تابعین اور چاروں اماموں یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا اتفاق ہے۔ اور یہی قرآن وسنت کی تعلیمات سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی دلیل مندرجہ بالا آیت ہے، جبکہ کئی احادیث مبارکہ سے بھی یہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱...... عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي هٰذَا الْخَبَرِ قَالَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم۔ فَأَنْفَذَهٗ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم" (سنن أبي داود-۲/۲۲۲)

ترجمہ:- حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دے دیں تو آپ نے تینوں کو نافذ فرمایا۔

۲...... حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا قَالَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَمَرَنِي بِهٰذَا فَإِنْ طَلَّقْتَهَا (طَلَّقَهَا) ثَلَاثًا حَرُمَتْ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ (غَيْرَهٗ)۔ (صحيح البخاري-ص:۰۰)

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جب اس شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں تو فرماتے: اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوتیں (تو رجوع کرسکتا تھا) اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کا (رجعت کا) حکم دیا تھا، اور اگر تین طلاقیں دے دیں تو عورت حرام ہوجائے گی، یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

۳...... ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري

وأبو حنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه ومالك وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيد وآخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة وإنما تعلق به أهل البدع ومن لا يلتفت إليه لشذوذه عن الجماعة التي لا يجوز عليهم التواطؤ على تحريف الكتاب والسنة۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۲۰/۱۵)

ترجمہ:- جمہور تابعین علمائے کرام اوران کے بعد آنے والے حضرات، مثلاً امام اوزاعیؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ اوران کے متبعین، امام مالکؒ اوران کے متبعین، امام شافعیؒ اوران کے متبعین، امام احمد بن حنبلؒ اوران کے متبعین اوران کے علاوہ بہت سے نامور حضرات کا موقف یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کوتینوں طلاقیں دے دیں تو تین ہی سمجھی جائیں گی، اور یہ شخص گناہگار ہوگا۔

ان سب حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ (صحابہ کرام کے اجماع کے بعد) اس مسئلہ میں جو الگ رائے قائم کرے گا، وہ اہلِ سنّت والجماعت سے ہٹا ہوا اور متفرد ہوگا اور ایسے شخص کی رائے (اکابر حضرات فقہاء اور پیغمبر کے اداشناس اور متقی لوگوں کے مقابلے میں) قابلِ قبول ہی نہیں ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

گھر بسانے کی نیت سے ''رجوع'' کرو، ظلم کی نیت سے نہیں

زمانہ جاہلیت میں خواتین پر ظلم کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیتے، جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اس سے ''رجوع'' کر لیتے، وہ دوبارہ زوجیت میں آجاتی لیکن اس کے حقوق ادا نہ کرتے اور کچھ عرصہ بعد پھر طلاق دے دیتے اور عدت گزرنے سے پہلے پھر رجوع کر لیتے، یوں اس بیچاری کے نہ حقوق ادا ہوتے اور نہ ہی اس ظالم سے اسے رہائی ملتی اور وہ غریب زندگی بھر لٹکی رہتی، شریعت نے ان آیات میں اس ظالمانہ بلکہ جاہلانہ طریقے کو حرام قرار دیا ہے کہ نکاح اور طلاق کو کھیل مت بناؤ! شرعی حدود میں رہو اور شرعی احکامات کی پاسداری کرو۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

طلاقِ رجعی کی صورت میں ''رُجوع'' میں رُکاوٹ نہ پیدا کی جائے

فرمایا کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دی ہو اور اس دوران عدت بھی گزر جائے تو باہمی رضامندی سے دوبارہ نیا نکاح کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل جدائی میں بسا اوقات اپنی غلطیوں کا احساس بھی ہوجاتا ہے اور آئندہ کے لیے سُدھار پیدا ہونے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں، لہٰذا اگر شوہر نے تین طلاقیں نہ دے رکھی ہوں اور عدت گزر جانے کے باوجود وہ دونوں آپس میں پھر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوں تو خاندان والوں کو بھی چاہیے کہ اپنی ''خودساختہ انا اور غیرت'' کی آڑ نہ لیں بلکہ اسے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے دیں، ہاں یہ کیا جاسکتا ہے کہ دوبارہ نکاح کرنے سے پہلے فریقین کو سلیقے سے سمجھا دیا جائے کہ بھیا! اب ایسی حماقتیں مت کرنا جن کی وجہ سے پہلے بھی یہ رشتہ ٹوٹ چکا۔

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں ایک صحابی ''حضرت معقل ابن یسارؓ'' کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جن کی بہن کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی، جب عدت گزر گئی تو شوہر اپنے فعل پر پشیمان ہوا اور دوبارہ اس خاتون کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا، خاتون بھی اس شادی پر آمادہ تھی لیکن حضرت معقلؓ کو اپنے سابقہ بہنوئی کی طلاق والی حرکت پر فطری غصہ تھا، انہوں نے قسم کھائی کہ اب دوبارہ یہ شادی نہیں ہوگی، اس پر قرآنِ کریم کی تنبیہ نازل ہوئی کہ ''وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ'' (بخاری، ج:۲، ص:۱۳۴، رحمانیہ)۔ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو اور وہ اپنی عدّت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو، کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہوگئے ہوں۔

اس پر حضرت معقلؓ نے اپنی قسم کا کفّارہ ادا کیا اور خود جا کر اپنی بہن کا نکاح ان کے پہلے شوہر سے کرادیا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

''رضاعت'' کے اَحکامات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کا مسئلہ بیان فرمایا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ پلائیں، آج کل مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں، دیگر ملکوں میں تو اس مقصد کے لیے ملک بینک (Milk Bank) قائم ہوچکے ہیں جن میں

خواتین کا دودھ جمع کرلیا جاتا ہے اور جو خاتون اپنے بچے کو دودھ پلانا چاہے، وہاں سے دودھ خریدے اور اپنے بچے کو پلادے، کوئی نہیں پتہ کہ اس بچے نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے، اس سے "رضاعت" کے اتنے شرعی مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ بندہ سوچ ہی نہیں سکتا۔

اس لیے شریعت نے بڑا صاف ستھرا حکم دیا کہ مائیں اپنے بچوں کو خود دودھ پلائیں، دو سال مدّت رضاعت ہے، مجموعی مدّت اڑھائی سال ہے، کچھ عرصہ دودھ چھڑانے کے لیے بھی چاہیے، وہ چھ ماہ ہیں۔ دو سال کے بعد دودھ چھڑوانے کی ترتیب بنانی چاہیے (اگر کسی مصلحت کی وجہ سے پہلے بھی دودھ چھڑوا دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے) اور جو عورت دودھ پلا رہی ہے اس کا خرچہ بچے کے باپ کے ذمہ ہے۔ اگر نکاح باقی ہے تو ویسے بھی خرچہ شوہر کے ذمہ لازم ہے اور اگر نکاح ختم ہو چکا ہے تو جب تک عدّت باقی ہے، مطلقہ کا نفقہ شوہر دیتا رہے اور عدّت کے بعد بچے کے دودھ پلانے کے اخراجات بھی اسی کے ذمہ لازم ہیں۔ تاہم یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر ماں کسی معقول وجہ سے دودھ پلانے سے انکار کر دے تو اسے مجبور کرنا جائز نہیں لیکن اگر بچہ اپنی والدہ کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ لیتا ہو تو پھر ماں کے لیے دودھ پلانے سے انکار کرنا بھی ظلم ہے، شرعاً جائز نہیں ہے۔ اگر خرچ ادا کرنے کے لیے بچے کا والد زندہ نہ ہو تو اس کے ورثاء خرچہ ادا کریں گے، کیونکہ وہ خاتون انہی کی نسل اور انہی کے وارث کی خدمت کر رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

"بیوہ" کی عدّت

بیوہ خاتون اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش پر عدت پوری ہو جائے گی۔ عدت گزرنے کے بعد اگر وہ کہیں نکاح کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

عدّت کے دوران نکاح کا صاف پیغام دینا جائز نہیں

عدت کے دوران کسی عورت کو نکاح کا صاف پیغام بھجوانا یا اس سے نکاح کا معاہدہ کر لینا کہ عدت کے بعد مجھ ہی سے نکاح کرو گی، جائز نہیں، البتہ کوئی مناسب اشارہ دیا جا سکتا ہے جس سے عورت کو بات سمجھ آجائے کہ عدت کے بعد یہ شخص مجھ سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے، مثلاً کہ میں بھی کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہوں، وغیرہ۔ عدت کے دوران ایسے اشارے کنائے میں پیغام دینے میں حرج نہیں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى
الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

مطلقہ عورتوں کی اَقسام اور ان کے اَحکام

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ جن عورتوں کو طلاقیں ہوتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں:

۱۔رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی اور مہر بھی مقرر نہیں تھا، ایسی خواتین کو ایک جوڑا کپڑوں کا دینا تو واجب ہے، اس سے زائد حسبِ توفیق مزید تحفہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

۲۔رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی اور مہر بھی مقرر تھا تو ایسی صورت میں آدھا حق مہر دینا ہوگا۔

۳۔رخصتی کے بعد طلاق ہوئی اور حق مہر بھی مقرر ہو تو پورا حق مہر دینا ہوگا۔

۴۔رخصتی کے بعد طلاق ہوئی اور حق مہر مقرر نہیں تھا تو مہرِ مثل (عورت کے خاندان میں اس جیسی عورت کو جو مہر دیا جاتا ہو) ادا کیا جائے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ
اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہر حالت میں نماز کی پابندی کرو

ان آیات میں فرمایا گیا کہ نمازوں کا اہتمام کرو، خواہ حالتِ جنگ ہی کیوں نہ ہو، نماز قضاء نہ کرو، جنگ کے دوران جیسے بھی موقع ملے، چاہے سواری پر رہو یا زمین پر، نماز لازمی ادا کرو، خاص طور پر ''عصر'' کی نماز کا زیادہ اہتمام کرو، ایسا نہ ہو کہ کاروبار کی مشغولیت کی وجہ سے نماز ضائع کردو۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ
خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ
مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

''مُعْتَدَّۃُ الوفات'' سے متعلّق اَحکامات

زمانہ جاہلیت میں جس خاتون کا شوہر فوت ہوجاتا تھا تو اس کی عدت ایک سال ہوتی تھی، شریعت نے واضح کردیا کہ ایسی عورت کی عمومی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ نیز ''میراث'' کے احکام نازل ہونے سے پہلے پہلے چونکہ حکم تھا کہ اپنے

قریبی عزیزوں کے لیے وصیت کر جایا کریں، تو اسی وقت کے احکام کے مطابق یہاں یہ حکم دیا گیا کہ شوہر بھی جاتے جاتے اپنی بیوی کے ایک سال کے خرچہ کی وصیت کر کے جائے تا کہ اُسے بعد میں تنگی نہ ہو۔ بعد میں آیتِ میراث کی وجہ سے یہ حکم اب باقی نہیں رہا۔

نیز چار ماہ اور دس دن کی عدت تو شوہر کے گھر گزارنا عام حالات میں واجب ہے، اس کے بعد عورت با اختیار ہے، اپنے قریبی عزیزوں کے گھر جانا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔

نیز اس جملہ "وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ" میں فائدہ پہنچانا ایک عام لفظ ہے، مہر کی ادائیگی، نفقہ کی ادائیگی، خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں کپڑوں کے سوٹ اور حسبِ توفیق تحائف کی ادائیگی، سب اس میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جدائی بھی خوش گوار انداز میں ہو، دشمنی کے ماحول میں نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

"تقدیر" اور "تدبیر"

مذکورہ آیات میں جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر گزرے ہیں حضرت حزقیل علیہ السلام، جو بنی اسرائیل میں سے تھے، آپ علیہ السلام ایک جگہ سے گزرے تو وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ مرے پڑے تھے، اتنی تعداد میں اکٹھے کیوں مارے گئے؟ اس کی وجہ بعض تفسیروں میں لکھی ہے کہ:

۱۔ ان کے علاقے میں طاعون کی وبا آ گئی تھی، وبا پھیلنے کی صورت میں خدائی حکم یہ ہے کہ اس وبائی علاقے میں باہر سے لوگ اندر نہ آئیں اور اس وبائی علاقے کے لوگ، باہر نہ جائیں۔ لیکن ان لوگوں نے خدائی حکم کی خلاف ورزی کی اور علاقہ چھوڑ کر بھاگ نکلے کہ ہمیں طاعون نہ لگ جائے، جب وہ اپنی حفاظت کی جگہ پہنچے تو وہاں اللہ نے سب کو موت دے دی۔

۲۔ بعض تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ جہاد کے خدائی حکم سے ڈر کر بھاگے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو مار کر یہ دِکھا دیا کہ موت اور زندگی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو جنگ کے بغیر بھی موت دیدے اور چاہے تو حالتِ جنگ میں بھی زندہ بچا لے۔ لہٰذا موت سے بچنے کے لیے تدابیر، تقدیر کے مقابلہ میں نافع نہیں ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کر کے دِکھا دے۔ موت کے بعد زندگی دینے کی کئی مثالیں آگے آئیں گی۔ ان شاء اللہ!

بہر کیف! حضرت حزقیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن مُردوں سے خطاب کیا تو "ثُمَّ اَحْيَاهُمْ" اللہ نے ان

مُردوں کو پھر سے زندہ کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی نہ کرو! موت تو ویسے بھی آجاتی ہے، جیسے ان لوگوں کو آگئی تھی، لہٰذا ڈرو نہیں، جہاد کرو "وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ" اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو، خوف مت کھاؤ، یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب سنتے اور ہر بات کو خوب جانتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ۘ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

حضرت طالوت کی اِمارت اور جہاد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے تین سو سال کے بعد بنی اسرائیل میں ایک پیغمبر گزرے ہیں جن کا نام حضرت سموئیل علیہ السلام تھا، حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا کوئی متفقہ بادشاہ یا حاکم نہیں گزرا تھا، بس ہر قوم میں قاضی ہوا کرتے تھے، اسی وجہ سے مختلف بُت پرست قومیں ان پر وقتاً فوقتاً حملہ آور بھی ہوتی رہتی تھیں، اس لیے قوم نے اپنے پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام سے عرض کی کہ ہمارے لیے ایک متفقہ بادشاہ اور جرنیل مقرر فرمادیں تاکہ ہم ان کی سرپرستی میں جہاد کریں۔

حضرت سموئیلؑ نے فرمایا کہ میں جرنیل تو مقرر کر دوں گا، لیکن تم جہاد نہیں کرو گے، کہنے لگے: کیوں نہیں کریں گے؟ ہم مظلوم ہیں، ہمارے ملک پر قبضہ ہو گیا ہے، ہمیں چھڑوانا ہے، آپ جرنیل مقرر کریں ہم لڑیں گے۔ حضرت سموئیلؑ نے اللہ کے حکم سے ایک غریب آدمی، جن کا نام "طالوت" تھا، کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ بیچارے انتہائی غریب آدمی تھے، بعض تفاسیر کے مطابق بکریاں چرا کر گزارا کیا کرتے تھے جبکہ بعض کے مطابق آپ رنگریز تھے، کپڑے رنگا کرتے تھے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ
وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

قوم کے اُمراء کا فطری تکبّر، اَمیر کی اطاعت میں رُکاوٹ بنا

ظاہر ہے کہ جب ایک غریب آدمی کو بڑا عہدہ اور منصب ملے تو امیروں کو ہضم نہیں ہوا کرتا، اس لیے قوم کے رئیس لوگ کہنے لگے: "أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا" اس غریب کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا! "وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ" اس کے مقابلے میں بادشاہت کا حق ہمیں زیادہ حاصل ہے، ہمارے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہیں جب کہ

"وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ" اس بیچارے کے پاس تو مالی وسعت بھی نہیں، یہ تو فقیر آدمی ہے، اس کی تو اپنی سواری نہیں اور جیب میں پیسے نہیں، اس لیے ہمیں امیر اور قوم کا بادشاہ بنایا جائے۔

منصب کے اصل حق دار "اہلِ علم" ہوا کرتے ہیں

وقت کے نبی نے اپنی قوم کو سمجھایا، میاں! "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ" "اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا سردار منتخب کیا ہے "وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ" یہ صاحبِ علم بھی ہیں اور شجاع و بہادر بھی ہیں، امیر کی صفات اور اہلیت ان میں پائی جاتی ہے۔ گویا نقلی اور عقلی طور پر یہی سرداری کے اہل ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سردار کی نشانی بھی بتائی جاتی ہے

قوم کے سرداروں نے کہا کہ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ سردار ہیں تو اللہ ہمیں اس کی کوئی نشانی دیں! حضرت سموئیلؑ نے اللہ کے حکم سے قوم کو بتایا کہ ان کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہاری قوم کا وہ متبرک صندوق جس میں گزشتہ انبیاء کے تبرکات موجود تھے اور جو تم سے چھینا جا چکا ہے، اسے اللہ کے حکم سے اللہ کے فرشتے تمہارے پاس اٹھا کر واپس لائیں گے۔

تبرکات کا ثبوت اور حکم

نیک صالح حضرات سے متعلقہ اشیاء کا بابرکت ہونا شرعاً ثابت ہے، لیکن ان تبرکات کو مشکل کشاء اور حاجت روا نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تبرکات ثابت ہیں تبھی تو وہ صندوق لایا گیا جس میں وقت کے نبی کا کرتا، عصاء اور تورات کی تختیاں وغیرہ تھیں، اسی کو حقانیت کی نشانی بتایا گیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

بادشاہ کی سرپرستی میں جہاد اور حکم عدولی پر سزا

جب یہ صندوق والی نشانی پوری ہوگئی تو قوم نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا، طالوت جرنیل بن گئے تو اب جہاد کے

لیے انہوں نے اعلان کر دیا، ستر ہزار لوگ تیار ہو گئے۔ حضرت طالوت نے کہا کہ میں تمہارا امتحان لوں گا، پتہ چلے گا کہ کون سچا مجاہد ہے اور کون صرف نعرے لگانے والا ہے۔ آج کل مجاہد بھی دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ لڑنے مرنے والے اور کچھ صرف نعرے لگانے والے۔ فرمایا امتحان یہ ہے کہ ہم جس راستے سے گزریں گے تو وہاں ایک دریا (دریائے اردن) سے ہمارا گزر ہوگا، گرمی کا زمانہ ہے، تمہیں پیاس بھی لگی ہوئی ہوگی، لیکن ذہن میں رہے کہ تم نے نہر سے پانی نہیں پینا، اگر بہت ہی پیاس لگی ہو تو صرف ایک یا دو گھونٹ پینے کی اجازت ہے، جی بھر کر اور خوب سیراب ہو کر پانی پینے کی ہرگز اجازت نہیں۔

لیکن ہوا یہ کہ "فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ" اکثروں نے یہ سوچ کر پیٹ بھر کر پانی پی لیا کہ پانی پینے سے کیا ہونا ہے؟ جہاد ہی تو کرنا ہے، جب تک خوب کھایا پیا نہیں ہوگا تو جہاد کیسے کریں گے! یہ ان کی سوچ تھی لیکن ظاہر ہے کہ حکم کے مقابلے میں عقلی حکمتیں کام نہیں دیا کرتیں، امیر کی اطاعت میں اپنی خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں۔ بہر کیف! جن لوگوں نے حکم عدولی کی تھی، ان سب کو الگ کر دیا گیا کہ تم اب لڑنے کے قابل نہیں ہو، حقیقت میں بھی یہ لوگ لڑائی کے قابل نہیں رہے تھے، روایت کے مطابق بہت کم (تقریباً تین سو تیرہ) ایسے تھے جنہوں نے بادشاہ کی بات مانی تھی اور دریا کے پار عافیت سے پہنچے تھے۔

"جنگ لازم ہو تو لشکر نہیں دیکھے جاتے"

ان تین سو تیرہ افراد کا مقابلہ "جالوت" کی ایک لاکھ فوج سے تھا، جیسے بدر میں تین سو تیرہ صحابہ بغیر ہتھیاروں کے لڑے تھے، آٹھ تلواروں، دو گھوڑوں کے ساتھ ایک ہزار کے لشکر سے ٹکرا گئے تھے۔ اب ان حضرات کی بھی دو جماعتیں ہو گئیں، کچھ کامل الایمان تھے اور کچھ اکمل الایمان۔ جو کامل الایمان تھے وہ کہنے لگے: "قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ" تین سو تیرہ ہو کر ایک لاکھ سپاہ سے کیسے لڑیں گے! لیکن جن لوگوں کا ایمان پختہ اور اکمل تھا اور جنہیں اپنے ربّ سے ملنے کا پکا یقین تھا، وہ کہنے لگے: "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ" اللہ پر اپنا ایمان پختہ رکھو! اللہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو بڑی بڑی جماعتوں پر غلبہ دے دیتا ہے، ربّ چڑیوں سے باز مروا دیتا ہے، لوگ کہتے تھے کہ افغانستان کے طالبان، بھوکے پیاسے مولوی، جن کے پاس لباس مکمل نہیں، یہ لوگ دنیا کی سپر پاورز اور نیٹو (NATO) کا مقابلہ کریں گے؟ آج ساری دُنیا نے دیکھ لیا کہ "كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ" اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ آج بھی سچا ثابت ہوا ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْ
لَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ

دشمن فوج کے بڑے سردار کا نام ”جالوت“ تھا، بڑا طاقت ور پہلوان، اس نے بنی اسرائیل کو چیلنج کر رکھا تھا کہ ہے کوئی تم میں سے ایسا مائی کا لال جو مجھ سے مقابلہ کر سکے! کہتے ہیں کہ کسی میں اس کے سامنے آنے کی ہمت نہ تھی، بالآخر حضرت داؤد جو اس وقت کم عمر تھے، انہیں بڑی غیرت آئی اور اپنے بادشاہ طالوت سے اجازت لے کر ”جالوت“ کے مقابلے کے لیے میدان میں آئے، جالوت سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، حضرت داؤد نے بسم اللہ پڑھ کر اُسے کھینچ کے ایک پتھر مارا جو سیدھا اس کے دماغ میں گھس گیا، جالوت گر پڑا اور حضرت داؤد نے اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا۔ اس سے جالوت کے لشکر میں خوف پھیل گیا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ ان حضرات نے جنگ شروع کرتے وقت جو اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ ”رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝“ اے ہمارے ربّ! ہمیں صبر عطا فرما، اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہماری مدد بھی فرما، اللہ نے یہ دُعا قبول کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامے پر سیّدنا طالوت بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی میں اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد سے کر دیا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بھی بنا دیا اور نبوّت سے بھی سرفراز فرمایا، اور یہ پہلی بار ایسا ہوا کہ نبوّت اور بادشاہت ایک ذات میں جمع ہو گئیں۔

جہاد کی پہلی حکمت

آگے جہاد کی حکمت بیان کی ”وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝“ فرمایا جہاد نہ ہوتا تو ساری زمین میں فساد برپا ہوتا، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ”جہاد“ کے ذریعے اہلِ حق کو اپنا دفاع کرنے اور باطل قوتوں کو دبا کر رکھنے کا موقع عنایت فرما دیا ہے۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝

یہ ٹھیک ٹھیک واقعات ”نبی“ کے علاوہ اور کوئی بتا ہی نہیں سکتا

ان واقعات کا ٹھیک ٹھیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جاری ہونا آپ کی نبوت و رسالت کی واضح دلیل ہے۔ وحی کے علاوہ ان واقعات کے جاننے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور یہ واقعات ایسے درست اور پکے ٹھکے ہیں کہ پچھلی کتابوں میں کی گئی تحریفات کو بھی انہی واقعات کی روشنی میں پکڑا جا سکتا ہے۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی واضح دلیل ہے۔

پارہ نمبر ۳

یہ پارہ سورۂ بقرہ کے بقیہ حصے اور سورۂ آل عمران کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

تمہید و ربط

دوسرے پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی پہلی حکمت یہ بیان فرمائی کہ ”وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ“ یعنی ”جہاد“ فساد کو روکنے کا فطری ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ بعض مومنین اور صالحین کے ذریعے سے فاسقین اور کافرین کا راستہ روکتے ہیں، یہی جہاد کی حکمت ہے۔ بالکل ایسے جیسے سیّدنا طالوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جالوت کے مظالم کو روکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ اور دنیا کے استبدادی اور ظالمانہ نظام کو توڑا۔ حضراتِ خلفائے راشدینؓ کی برکت سے قیصر و کسریٰ کا ظالمانہ و جابرانہ نظام ٹوٹا، جہاد اس لیے مشروع کیا گیا تاکہ دُنیا سے فساد کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق نظام قائم کیا جائے۔

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات

تمہید کے طور پر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کو بیان کیا کہ بعض انبیاءؑ کو بعض انبیاءؑ پر مخصوص چیزوں میں اور جزوی فضیلت حاصل ہے، لیکن تمام انبیاء پر کلی اور دائمی فضیلت میرے اور آپ کے آقا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، اس لیے فرمایا: ”مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ“ کچھ نبی ایسے تھے جو ”کلیم اللہ“ تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام، ”وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ“ بعض انبیاء کو دوسرے تمام انبیاء پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے، یہ میرے اور آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ ”وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح معجزات سے نوازا اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے ان کی مدد فرمائی، ان کے معجزات کی تفصیل سورت آل عمران میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم درجوں میں کتنے بلند ہیں؟ ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: ”اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ“ ”میں روزِ محشر تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور مجھے کوئی فخر نہیں!

"وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ" "قیامت کے دِن حمد کا جھنڈا اور پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں!" "وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي" "سارے انبیائے کرام قیامت کے دِن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں ان سب کا قائد ہوں گا،" "وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ" "جب قیامت کے دِن زمین پھٹے گی تو سب سے پہلے میں اُٹھوں گا۔ (سنن الترمذی، ۵/۳۰۸)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ "وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ" "سب سے پہلے قیامت میں اللہ کے حضور میں سفارش کروں گا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۴/۱۷۸۲)

مسلم ہی میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ "وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ" "جنّت کے دروازے کو سب سے پہلے میں کھٹکھٹاؤں گا، جنّت کا دروازہ سب سے پہلے میرے لیے کھولا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۸۸)

جامع ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إذا كان يوم القيامة كنت إمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر" "روزِ محشر میں سب نبیوں کا امام وخطیب ہوں گا اور میں سب کی سفارش کروں گا، کوئی فخر نہیں۔ (سنن الترمذی: ۵/۵۸۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی خصوصیات سے نوازا گیا، محیرالعقول معجزات عطا کیے گئے، چاند آپ کے اشارے پر دو ٹکڑے ہوا، آپ کی جدائی میں کھجور کا تنا بچوں کی طرح رونے لگا، شجر و حجر آپ کو سلام کرتے تھے، آپ سے جانوروں نے کلام کیا، اور آپ کی نبوّت کی گواہی دی، آپ اُنگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے، آپ کے سر پر ختمِ نبوّت کا تاج رکھا گیا آپ کے لیے تیمّم جائز کیا گیا، آپ کے لیے غنیمت حلال کی گئی، وغیرہ ذٰلک۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہیں۔ اس لیے فرمایا: "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔"

"دُنیا" دارُالعمل ہے

فرمایا کہ "وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ" "اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو لوگوں کی آپس میں لڑائی نہ ہوتی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دنیا "دارالعمل اور دارالامتحان" ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ساری دنیا ہی کلمہ پڑھ لیتی، کسی کا کسی سے جھگڑا ہی نہ ہوتا، لیکن اس صورت میں جس مقصد کے لیے دنیا بنائی گئی ہے، وہ مقصد پورا نہ ہوتا، انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ کون خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی مان کر سیدھے راہ پر چلتا ہے اور کون شیطانی ہتھکنڈوں کا شکار بن کر باغی بنتا ہے، اس لیے قرآنِ پاک میں حق کے دلائل واضح کردیے گئے، اب جس کی مرضی ہدایت قبول کرے اور جس کی مرضی، دشمنی مول لے کر اپنا نقصان خود کرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

قیامت سے پہلے جو چاہے اعمال کرلو!

ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اس دُنیوی زندگی میں جتنے چاہو نیک اعمال کرلو، یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا، ذخیرۂ آخرت جتنا بنا سکتے ہو، بنالو، اللہ تعالیٰ کے حضور صرف اعمال کام آئیں گے، تعلقات اور لین دین سے کام ہرگز نہیں چلے گا۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

”آیت الکرسی“ کے فضائل

اس آیت کا نام ”آیت الکرسی“ ہے جو اجر اور فضلیت کے اعتبار سے قرآنِ مجید کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اس آیت کے بڑے فضائل ہیں:

۱۔عرش کے خزانوں میں سے ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”أعطیت آیة الکرسی من کنز تحت العرش ولم یؤتها نبی قبلی“ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال:۱/۵۶۸) مجھے عرش کے نیچے موجود خزانوں میں سے ”آیۃ الکرسی“ عطا کی گئی اور یہ ایسی آیت ہے جو مجھ سے پہلے کسی بھی پیغمبر کو نہیں ملی۔

۲۔قرآنی آیات کی سردار آیت

حدیث پاک میں ہے کہ ”البقرة فیها آیة سیدة آی القرآن“ سورتِ بقرہ میں ایک آیت ایسی ہے جو قرآنی آیات کی سردار ہے۔ (جامع الأحادیث:۱۱/۱۸۲)

۳۔شیطان سے حفاظت

فرمایا کہ ”لا تقرأ فی بیت وفیه شیطان إلا خرج منه آیة الکرسی“ جس گھر میں بھی آیت الکرسی پڑھی جائے، شیطان اُس گھر سے نکل جاتا ہے۔ (حوالہ بالا)

۴- ہر فرض کے بعد تلاوت کا عادی ''جنّتی'' ہے

حدیث میں آتا ہے کہ ''من قرأ آية الكرسي دبر كل صلاة مكتوبة لم يحل بينه وبين دخول الجنة إلا الموت'' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا، اس کے جنّت میں داخلے کے لیے صرف مرنے کی دیر ہے۔ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ۱/ ۵۶۹)

۵- آیت الکرسی کی پابندی کرنے والے کے لیے عظیم الشان اَجر

ایک روایت میں ہے کہ ''من قرأ آية الكرسي دبر كل صلاة مكتوبة كان الرب يتولى قبض روحه بيده وكان بمنزلة من قاتل عن أنبياء الله ورسله حتى يستشهد'' جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کو اپنا معمول بنالے، اللہ تعالیٰ اس کی روح کو ملک الموت کے ذریعے نہیں، بلکہ بذاتِ خود، اپنے دستِ مبارک سے قبض کریں گے اور اُسے اُن لوگوں کے برابر اجر و ثواب دیا جائے گا جو حضرات انبیاءؑ کی سرپرستی میں جہاد کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال: ۱/ ۵۶۹)

۶- حفاظت کا خدائی حصار

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ومن قرأها حين يأخذ مضجعه آمنه الله تعالى على داره ودار جاره ودويرات حوله'' جو شخص اپنے بستر پر لیٹے ہوئے، سوتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا، اللہ اس کے گھر کی حفاظت فرمائیں گے، اس کے پڑوسی کے گھر کی حفاظت فرمائیں گے اور اس کے ارد گرد کے تمام گھروں اور محلے کی حفاظت فرمائیں گے۔ (کنز العمال: ۱/ ۵۶۹)

آیت کی تفسیر

''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ'' یہ توحید کی آیت ہے اور سورتِ بقرہ میں یہ تیسری بار توحید کا ذکر ہے، توحید اللہ کو بہت پسند ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

''اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ'' وہ زندہ ہیں، قائم رکھنے والے بھی ہیں، قائم رہنے والے بھی ہیں، اسی نے آسمان کو تھاما ہوا ہے، اسی نے زمین کو تھاما ہوا ہے، اسی نے کائنات کو تھاما ہوا ہے اور قائم رکھا ہوا ہے۔

''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ'' اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ وہ اونگھتا ہے۔

''لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ'' آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے۔

''مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ'' روزِ محشر اس کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، کوئی اس کے سامنے دم نہیں بھرے گا۔

"یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" "اس کا علم بھی کامل ہے، وہ آگے اور پیچھے کا مکمل اور محیط علم رکھتا ہے۔

"وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ" "اس کے علم کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

"وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" "اس کی کرسی تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بھی بڑی ہے۔

"وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ" "وہ آسمان وزمین کی حفاظت کرتا ہے اور تھکتا بھی نہیں ہے، اور وہ بہت بلند مقام اور عظمت والا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

دین قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں!

آیت الکرسی کے نزول کے بعد حجت تام ہوگئی، اب توحید کا عقیدہ کھل چکا ہے، کسی پر جبر نہ کرو، بزورِ شمشیر اور گن پوائنٹ پر کسی کو کلمہ نہ پڑھاؤ۔ جس نے کلمہ پڑھنا ہے، وہ توحید کے ان دلائل کو دیکھ کر خود ہی اور دل سے کلمہ پڑھ لے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مدینہ میں یہودیوں کے اپنے تعلیمی ادارے تھے جن میں اوس اور خزرج (جو اُس وقت تک مشرک قبائل تھے) کے بچے بھی وہاں پڑھنے جایا کرتے تھے جس سے اُن کے ذہنوں میں یہودیت کی محبت اور عظمت بیٹھ گئی۔ ظاہر ہے کہ صحبت کا یقیناً اثر ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور مدینہ تشریف آوری کے بعد ان بچوں کے والدین تو مسلمان ہو گئے لیکن وہ بچے یہودی اداروں کی تربیت کی وجہ سے اکڑ گئے کہ ہم تو مسلمان نہیں ہوں گے، اس لیے تعلیمی اداروں کے انتخاب میں بھی خوب غور وفکر کا اہتمام لازم ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا بچہ کل کو ملحد، بے دین اور مرتد ہو کر آپ کے دین ودنیا کی رسوائی کا باعث بن جائے، العیاذ باللہ!

بہرکیف! جب بچوں نے انکار کیا تو ماں باپ انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کرنے لگے، انہیں مارنے اور پیٹنے لگے کہ کلمہ پڑھ لو، اللہ نے فرمایا: نہیں! نہیں! "لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" "ہدایت اور گمراہی کھل کر واضح ہو چکی ہے، لہٰذا اسلام قبول کرنے کے لیے کسی کو مجبور ہرگز نہ کیا جائے۔

"فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا" "جو بھی طاغوت سے انکاری ہو کر اللہ پر ایمان لائے گا تو وہ ایسا مضبوط کنڈا تھامنے والا ہو گا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ

ایمان وکُفر میں قطعاً کوئی جوڑ نہیں

ایمان والوں کا دوست خود ربّ العالمین ہے جب کہ کُفّار کے رکھوالے، شیاطین ہیں۔ ربّ اپنے بندوں کو کُفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی پُرنور فضاؤں میں لاتا ہے جبکہ شیاطین اپنے متبعین کو فطری نورِ ہدایت سے جھٹکا کر کُفر وشرک کی بدبودار اور اندھیری وادیوں میں دھکیلتے ہیں۔ ایمان وکُفر کی یہ جنگ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ علامہ محمد اقبالؒ نے بڑی خوبصورت منظر کشی کی ہے کہ:

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا اِمروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا، یہ پوری روئے ارض کا بادشاہ تھا، پوری دنیا ایک اسٹیٹ تھی اور اس کا اکیلا حاکم تھا" نمرود بن کنعان۔" بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ روئے ارض پر چار لوگ گزرے ہیں، جنھوں نے پوری روئے زمین پر حکومت کی، صرف چار۔ دو مسلمان تھے اور دو کافر تھے۔ جو دو مسلمان تھے، ان میں سے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، آپ کی حکومت بھی پوری روئے ارض پر تھی، اسی طرح حضرت ذوالقرنین کی حکومت بھی پوری زمین پر تھی، جبکہ دو کافروں میں سے ایک بُخْتِ نصر اور دوسرا یہ نمرود ہے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ ساری دُنیا کا بادشاہ جو ہوگا، وہ کتنی پاور اور طاقت والا ہوگا؟ یہ نمرود، اسی گھمنڈ میں آکر اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا مناظرہ اور جھگڑا ہوگیا، حضرت ابراہیمؑ کو اس نے بلایا کہ تم مجھے خدا نہیں مانتے، آپ نے فرمایا میں نہیں مانتا کیونکہ" رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ" میرا ربّ تو وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی۔ نمرود نے اس کا عجیب غیر معقول جواب دیا کہ" اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ" یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں، دماغ پر اقتدار کا نشہ تھا، جسے چاہوں، موت کے گھاٹ اتار دوں اور جسے چاہوں، مجرم ہونے کے باوجود معاف کر کے زندگی بخش دوں!

حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس بے وقوف اور موٹی عقل والے کو ایسے بات سمجھ میں نہیں آئے گی، کیونکہ گفتگو زندگی اور موت کے اسباب کے بارے میں نہیں بلکہ زندگی اور موت کی بذاتِ خود تخلیق پر ہو رہی تھی، اس لیے حضرت نے فوراً دوسری دلیل دی کہ" فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ" میرا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تُو خدا ہے تو کل سورج مغرب سے نکال کر دِکھا نا! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:" فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ" نمرود یہ دلیل سُن کر ہکا بکا

رہ گیا، لاجواب ہوگیا، اسے کوئی جواب ہی نہ آیا، کیوں؟ "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ" ایسے بے ڈھنگے، گناہ گار اور مشرک لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتے۔ توحید کا عقیدہ ثابت ہوگیا، اللہ کی وحدانیت ثابت ہوگئی۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ ۖ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کے دو مشاہدات

اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں جس میں اپنے دو خاص بندوں کو دنیا ہی میں اس بات کا مشاہدہ کرادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کیسے کرتے ہیں۔

ان میں سے پہلی مثال ایک ایسی بستی کی ہے جو اجڑی پڑی تھی، ویران تھی اور چھتیں بنیادوں کے بل گر کر مٹی میں ملی ہوئی تھیں، وہاں رہنے والے لوگ بھی سب مرے پڑے تھے۔ اس بستی سے ایک شخصیت کا گزر ہوا تو انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوبارہ کیسے زندہ فرمائیں گے!

اس شخصیت اور بستی کا تعارف

قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کون سی شخصیت تھی اور جس بستی سے ان کا گزر ہوا، اس بستی کا نام کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کا مقصد اس تعیین کے بغیر بھی واضح ہے۔ تاہم حضراتِ مفسرین کے ان شخصیت کی تعیین بارے میں تقریباً نو قول موجود ہیں، مشہور یہ ہے کہ یہ صاحب حضرت عزیر علیہ السلام تھے اور یہ بستی "بیت المقدس" کی تھی جنہیں بخت نصر نامی ظالم بادشاہ نے حملہ کر کے تباہ کر ڈالا تھا، مسجد اقصیٰ کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس کے اوپر لگا ہوا سونا، چاندی، جواہرات لوٹ کر لے گیا، پورا شہر تباہ و برباد کر دیا، بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔

اسی بستی پر حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر ہوا، دیکھا کہ شہر اجڑا پڑا ہے، جیسے آج کل (کرونا میں) شہر خالی ہیں تو اس وقت مسجد اقصیٰ بھی خالی تھی، بیت المقدس خالی تھا۔

اللہ کے مقرب بندے تھے (غالب یہ ہے کہ آپؑ نبی بھی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ان کا کلام ثابت ہے، نیز ایسے معجزات انبیاء ہی سے صادر ہوا کرتے ہیں۔ آسان ترجمہ قرآن:۱/۱۶۵) آپ نے اللہ سے مناجات کی کہ اے اللہ! مرے ہوئے ان لوگوں کو آپ دوبارہ کیسے زندہ کریں گے؟ مقصد شک کرنا نہیں بلکہ حیرت اور تعجب کا اظہار تھا۔

اللہ تعالیٰ کی منشاء ہوئی کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا مشاہدہ کرایا جائے، یہ صاحب وہاں کچھ دیر آرام کے لیے لیٹے تو نیند آگئی، کھانے پینے کا سامان بھی ساتھ رکھا تھا اور سواری کا گدھا بھی موجود تھا "فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ

عَامٍ '' اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک سو سال تک کے لیے موت دے دی، ''ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ'' پھر انہیں زندہ کر کے پوچھا کہ تم کتنا عرصہ اسی حالت میں رہے؟ حضرت عزیر علیہ السلام نے جواب دیا: ''لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ'' ایک دِن یا دِن کا کچھ حصہ! اللہ نے فرمایا: نہیں! ''بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ '' تم ایک سو سال تک اسی حالت میں رہے ہو۔

ایک شبہ کا اِزالہ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں حیات ہیں تو پھر حضرت عزیر علیہ السلام تو سو سال سوئے رہے، انہیں اتنا طویل عرصہ سونے کا کیوں نہ پتہ چلا؟ یہ فضول سی بات ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ان کی نبوت کے کوئی قطعی دلائل ہمارے پاس موجود نہیں، محض اندازے اور تخمینے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ ''میں نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں'' (سنن ابوداؤد: ۲/۳۹۴) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عزیرؑ کی جو موت تھی یہ وہ موت نہیں تھی جس کے بعد برزخ کے احوال شروع ہوتے ہیں، جس موت کے بعد پھر دنیا میں آنا ہو، اس موت کے بعد برزخ کے احوال شروع نہیں ہوتے، تاکہ ایمان بالغیب باقی رہے۔ (امام رازی)

اب دیکھو میں مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہوں، تمہیں بھی زندہ کیا ہے، ''فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ'' اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھو کہ تمہارا کھانا اور تمہارا مشروب سو سال تک ہم نے محفوظ رکھا ہے، ذائقہ بھی نہیں بدلا، خراب بھی نہیں ہوا۔

''حیاتِ انبیاءؑ'' پر اِستدلال

اس سے معلوم ہوا کہ جو رب، اللہ والوں کے کھانے اور مشروبات کو سو سال تک تبدیل اور خراب نہیں ہونے دیتا، وہ رَبّ اپنے بندوں اور نبیوں کو قبر میں مٹّی مٹّی نہیں کرتا: ''إن الله قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء '' نبیوں کے جسموں کو مٹّی نہیں کھایا کرتی، (سنن النسائی الکبریٰ: ۱/۵۱۹) شہیدوں کو بھی مٹی نہیں کھایا کرتی۔ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد کے مؤذِن اور قرآن کے قاری اگر باعمل ہوں تو انہیں بھی مٹّی نہیں کھایا کرتی۔

بہرکیف! حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا پینا تو صحیح سلامت تھا، اب اللہ نے فرمایا: ''وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ '' ذرا اپنے گدھے کو تو دیکھو، کہ گل سڑ کر کس حالت میں ہو چکا ہے! ''وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ '' ہم نے تمہیں اس لیے زندہ کیا تاکہ تم لوگوں کے لیے ایک مثال اور نشانی بن جاؤ کہ جو خدا ایک سو سال بعد زندگی دینے پر قادر ہے، وہی قیامت کے دِن بھی لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

گدھے کی دوبارہ زندگی کا عینی مشاہدہ کرایا گیا

فرمایا کہ ''وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ '' اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ جو مر کھپ کر راکھ

ہو چکا ہے، اس کی ہڈیاں کیسے دوبارہ جڑ رہی ہیں، یہ پسلی کی ہڈی جڑ گئی، یہ منہ کی ہڈی جڑ گئی، یہ بازوؤں کی ہڈیاں، یہ ٹانگوں کی ہڈیاں، ڈھانچہ بن گیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے گوشت چڑھ گیا، اور ایک مجسمہ بن گیا، پھر ایک فرشتہ آیا اس نے پھونک ماری تو گدھا زندہ ہو کر صحیح سالم کھڑا ہو گیا۔

جب یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ گئی تو وہ صاحب بے اختیار جوش میں آ کر بے اختیار کہنے لگے: "اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" "مجھے عینی مشاہدہ اور یقین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل اور بھرپور قدرت رکھتا ہے!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

اب اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کرنے پر ایک اور واقعہ پیش فرمایا، یہ وہ واقعات ہیں جن سے توحید کا عقیدہ پختہ ہوتا ہے اور قیامت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے خلیل تھے، پوچھا "رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ" اے میرے رَبّ! دل مانتا ہے کہ مردے زندہ ہوں گے، آپ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان ہے، ذرا آنکھوں سے بھی دکھا دیں کہ کیسے آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں! "قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ" "میرے خلیل! کیا آپ کو میری قدرت پر یقین نہیں ہے؟ ایمان و اطمینان نہیں ہے؟ "قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ" "یقین کامل ہے لیکن صرف قلبی تسلی اور اطمینان چاہتا ہوں کہ آنکھوں دیکھی بات کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور اس طرح لوگوں کو مطمئن کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ فرمایا: اچھا! ایسا کرو کہ "فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ" "چار پرندے لے آؤ اور انہیں اپنے سے اس طرح مانوس کر لو کہ وہ پرندے آپ کو پہچان لیں اور آپ انہیں اچھی طرح پہچان لیں، حضرت ابراہیمؑ نے حکم کی تعمیل کی اور چار پرندوں (مور، مرغا، کوا اور گدھ) کو اپنے آپ سے مانوس کر لیا۔

چار خاص پرندوں کا اِنتخاب کیوں کیا گیا؟

عارفین کہتے ہیں کہ پرندوں میں چار مخصوص پرندوں کا انتخاب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مور میں خودستائی بہت ہوتی ہے، یہ اپنے حسن پر ناز کرتا ہے، فخر اور غرور کرتا ہے۔ مرغ میں شہوت رانی ہے، کوے میں حرص ہوتا ہے جبکہ کرگس (گدھ) میں حرام خوری ہوتی ہے، پھر ان چاروں پرندوں کو ذبح کروا کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر کامل بندہ بننا ہے تو اپنے سے خودستائی بھی ذبح کر دو، شہوت کو بھی ذبح کر دو، حرص اور حرام خوری کو بھی ذبح کر دو، تب جا کر "انسان" کہلانے کے حق دار بنو گے۔

جب یہ چاروں پرندے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اچھی طرح مانوس ہو گئے تو حکم ملا کہ "ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا" "اب ان چاروں کو ذبح کرو! ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں خلط ملط کرو اور ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو" "ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ" "پھر ان پرندوں کو آواز دے کر ذرا بلا کر دیکھو! یہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا کہ ان کا قیمہ قیمہ کر کے مختلف پہاڑوں پر ڈال کر انہیں اپنے مخصوص انداز میں بلایا، ان چاروں پرندوں نے جو قیمہ قیمہ ہو گئے تھے، حضرت ابراہیمؑ کی آواز سُن بھی لی، باہمی قیمہ ہونے اور مختلف پہاڑوں پر اجزاء پھیلے ہونے کے باوجود وہ دوبارہ جسم بن کر زندہ بھی ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر دوڑے چلے آئے۔ فرمایا: میرے خلیل! دیکھ لو! جیسے یہ زندہ ہوئے ہیں، ایسے ہی میں قیامت کے دن سب مردوں کو زندہ کروں گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اِنفاق فی سبیل اللہ کی مثال

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا "معاشی نظام" پیش کیا کہ معاشرہ کے کمزور ترین افراد پر خرچ کرو، زکوٰۃ تو ہے ہی، زکوٰۃ کے علاوہ صدقات بھی دو، عطیات بھی دو، گفٹ اور ہدیے بھی دو اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو فرمایا اللہ تعالیٰ ایک کے بدلے تمہیں سات سو عطا کریں گے، "كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ" "جیسے مکی کا ایک دانہ زمین میں ڈالیں، اس ایک دانے سے سات خوشے نکلیں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں، اللہ تعالیٰ بعض اوقات سو سے بھی زیادہ دانے لگا دیتا ہے، ایک دانے کے بدلے تمہیں سات سو دانے مل گئے، بالکل ایسے ہی اللہ تمہیں اپنی رضا کے کاموں میں ایک پائی خرچ کرنے میں، ایک روپیہ خرچ کرنے پر سات سو یا سات سو سے بھی بڑھ کر عطا کرے گا، بس شرط یہ ہے کہ اخلاص موجود ہو، دکھاوا اور ریاکاری نہ ہو۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

قبولیتِ اِنفاق کی پانچ شرائط

اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیا گیا خرچ اُسی وقت مقبول ہوگا جب اس میں پانچ شرائط پائی جائیں گی، اگر یہ پانچ شرطیں نہ ہوئیں تو خرچ کرنا قبول نہیں ہوگا، وہ پانچ شرائط درج ذیل ہیں:

۱-اِحسان نہ جتلایا جائے

پہلی شرط ہے: ''ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا'' خرچ کر کے احسان نہ جتلایا کرو، باتیں نہ سنوایا نہ کرو، طعنے نہ دیا کرو ورنہ سارا عمل ضائع ہو جائے گا۔

۲-ستاؤ مت!

دوسری شرط ''وَّلَآ اَذًى'' ستایا نہ کرو، کسی کو پیسے دے کر اسے ستاؤ نہیں، اگر نہیں دینا چاہتے تو نرمی سے انکار کرو، سائل کے اصرار پر درگزر کرو، ستاستا کے اور باتیں سنا کر صدقہ نہ دو، ورنہ تمہارے سارے صدقات اور خیرات باطل ہو جائیں گے۔

۳-ایمان اور محض ربّ کی رضا مقصود ہو

تیسری شرط ہے ''يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ'' ایمان اور اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرو، دکھلاوے کے لیے نہ ہو، واہ واہ کے لیے نہ ہو، اپنی تعریفیں کروانے کے لیے نہ ہو، ورنہ قبول نہیں ہوگا۔

۴-خرچ کر کے پچھتاوا نہ ہو

چوتھی شرط ہے ''وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ'' خرچ کر کے جم جاؤ، پھر پچھتاوا اور افسوس نہ کرو، کچھ لوگ، راہِ خدا میں خرچ کی ترغیب سُن کر اللہ کی راہ میں خرچ تو کر بیٹھتے ہیں، پھر پچھتاتے پھرتے ہیں کہ او ہو یار غلطی ہوگئی، اتنا سارا دے دیا! اس پچھتاوے سے سارا اجر ضائع ہو گیا، اس لیے فرمایا کہ کُھلے دِل سے خرچ کرو اور پھر اس پر جم جاؤ، اس طرح تم خرچ کرو گے تو دنیا میں بھی نفع ہوگا اور آخرت میں بھی نفع ہوگا۔

۵-حلال اور پاکیزہ مال خرچ کرو

پانچویں شرط یہ ہے کہ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ'' اللہ کی راہ میں جو مال بھی خرچ کرو، وہ حلال اور پاکیزہ ہو، حرام مال سے صدقہ نہیں ہوتا، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ''وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ'' ایسا خراب اور گھٹیا مال اللہ کی راہ میں نہ دیا کرو جو اگر کوئی خود تمہیں دے تو تم لینا بھی پسند نہ کرو ''اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ'' البتہ چشم پوشی کرتے ہوئے لے لو تو الگ بات ہے، اگر ایسا مال خود نہیں لیتے تو اللہ کی راہ میں کیوں دیتے ہو؟

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

شیطان کی چالوں میں ہرگز نہ آنا

شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ، شیطان تمہیں خرچ کرنے سے روکتا ہے "اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ" یہ بڑی عجیب بات ہے، شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں یہ پیسے خرچ کر دیے تو فلاں فلاں کام کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ تیری فلاں فلاں ضروریات تو رہ جائیں گی وغیرہ وغیرہ، "وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ" وہ تم سے بے حیائیوں پر پیسے لگواتا ہے، کوئی بے حیائی کا کام آئے گا، وہاں شیطان کی طرف سے یہ وسوسہ نہیں آئے گا کہ اتنے پیسے جو میں لگا رہا ہوں، میرا کاروبار متاثر ہو جائے گا، فرمایا شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ، اور اللہ کے رستے میں مال خرچ کرو! اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ مال خرچ کرو گے تو اور ملے گا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا پروانہ بھی عطا کیا جائے گا۔

اہلِ علم اپنے علم کو پھیلانے میں وقت خرچ کریں

مال والے تو اللہ کے رستے میں اپنا مال خرچ کریں اور جو علم والے ہیں، وہ دین کی سربلندی کے لیے علمی خدمات سرانجام دیں کیونکہ "يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ" علم ہر ایک کو نہیں ملا کرتا، یہ تو خالص خدائی عطیہ ہے، جسے علم اور دانائی عطا ہوئی، اسے بڑی وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اللہ تمہاری نیتوں اور اَعمال کو خوب جانتا ہے!

فرمایا کہ تم جو بھی خرچ کرو یا منت مانو، اللہ اسے خوب جانتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ خیرات کرو یا نذر و نیاز، جو بھی دو، صرف اللہ کے نام پر دو، کسی اور کے نام پر نذر و نیاز شرعاً جائز نہیں ہے۔ نیز اخلاص کے ساتھ خرچ کرو۔

صدقہ خیرات اعلانیہ بھی جائز لیکن چپکے سے دینا افضل ہے

فرمایا: "اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" ان آیات میں صدقہ کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے کہ صدقہ خیرات اعلانیہ کرو تو بھی ٹھیک ہے، چھپ چھپ کر دو تو دوسرے کی عزتِ نفس بھی مجروح نہیں ہوگی اور تم بھی ریا کاری اور دکھلاوے کے گناہ سے بچ جاؤ گے، چپکے سے صدقات دینا زیادہ بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا

ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُم
بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

اے صحابہ! جو تمہارے رشتہ دار کافر ہیں۔ ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کیا کرو، ان کے اسلام لانے کا انتظار مت کرو کیونکہ "لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ" کفار کو راہِ راست پر لانے کی ذمہ داری آپ لوگوں پر نہیں، ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم اپنے حصے کا کام کیے جاؤ، تم جو بھی خرچ کرو گے اللہ تمہیں ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

تاہم امداد کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو خیر کے کاموں میں اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں ذرائع معاش اختیار کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا ان کی غیرت کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کی سفید پوشی اور ظاہری حالت نہ دیکھا کرو بلکہ ان کی حقیقی پریشانیاں دیکھ کر انہیں صدقات وخیرات کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کیا کرو۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

مَن گھڑت رِواج کی تردید

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا کوئی وقت بھی مقرر نہیں، دن کو بھی خرچ کرو، رات کو بھی خرچ کرو، چھپ کر بھی خرچ کرو اور اعلانیہ بھی خرچ کرو، شریعت نے کسی خاص وقت کا پابند نہیں کیا لیکن ہم مسلمانوں نے اس مقصد کے لیے ایام مخصوص کر رکھے ہیں، فوتگی پر تیسرے دِن سوئم ہوگا، ساتویں دِن فلاں رسم ہوگی، جمعرات کو یہ کریں گے اور چالیسویں دِن چالیسواں منائیں گے، برسی کریں گے، چاند کی گیارہ تاریخ کو دُودھ دیں گے، گیارہویں کریں گے۔

یہ سب ہمارے اپنے مقرر کردہ اوقات ہیں، شریعت اور دین کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ہر وقت ایصال ثواب کر سکتے ہو اور ہر کلمہ گو کو کر سکتے ہو، لہٰذا صرف شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کو نہیں، بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بزرگوں، بلکہ سب بزرگوں کو ایصال ثواب کرو، تیسرے دن کا انتظار نہ کرو، فوراً خرچ کرو، ساتویں اور چالیسویں دن کا انتظار نہ کرو بلکہ اگر آج جیب میں پیسے موجود ہیں تو اپنے عزیز کے ایصال ثواب کے لیے خرچ کر دو، اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح اور عمومی انداز میں بیان فرما دی ہے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا
إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانتَهَىٰ فَلَهُ مَا
سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

سود کی حُرمت

صدقات کے فضائل اور احکام بیان کرنے کے بعد اب صدقات کی "ضد" یعنی سود کے احکام بیان کیے جا رہے ہیں، کیونکہ صدقات "سخاوت" کی نشانی ہیں جب کہ سود خوری "بخل" اور مال کی محبت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سود نہ کھاؤ، سود خور جب قیامت میں اٹھے گا تو "لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" اُس آدمی کی طرح اٹھے گا جس کو جن اور آسیب چمٹ جائیں اور وہ پاگلوں کی طرح گرتا پھرتا ہے، سود خور کا بھی یہی انجام ہوتا ہے۔

اللہ کے حکم کے بعد حکمتوں کے چکّر میں نہ رہو!

جب اللہ تعالیٰ خود کہہ رہے ہیں کہ میں نے سود اور ربا کو حرام جب کہ تجارت کو حلال قرار دیا ہے تو بس! یہی کافی ہے، اپنی طرف سے تاویلات کر کے سود اور تجارتی نفع کو ایک جیسا کیوں بنانے کی فکر میں ہو! "فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ" اب جب تمہارے پاس نصیحت آگئی تو جو شخص اس نصیحت پر عمل کر کے سودی معاملات سے رُک جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا، پچھلے معاملات میں جو لین دین کیا جا چکا، وہ معاف ہے، لیکن جو پھر بھی اسی کام میں لگا رہے گا تو ایسے لوگ ہی پکے دوزخی ہیں۔

خدارا سود چھوڑ دو، سودی بینکنگ اور سودی بزنس چھوڑ دو، حلال کی طرف آ جاؤ، حرام معاملات سے پرہیز کرو! اپنی دُنیا و عاقبت خراب نہ کرو۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝

مال میں برکت چاہیے تو صدقات کی عادت بناؤ، سُود خوری کی نہیں!

فرمایا کہ سود گھٹتا ہے جبکہ صدقہ بڑھتا ہے، آپ بڑے بڑے بزنس مینوں اور صنعت کاروں کو دیکھ لیجیے کہ ان کے کاروبار عموماً بیٹھ جاتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ ان کی بنیاد سود پر ہوتی ہے، بظاہر لگتا ہے کہ سود سے مال میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن در حقیقت یا تو دنیا میں ایسا مال برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت کی تباہی تو یقینی ہے جب کہ صدقہ کی وجہ سے لگتا ہے کہ مال کم ہو گیا حالانکہ اس کی برکت سے یا تو دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ فراوانی عطا فرماتے ہیں ورنہ صدقہ و خیرات پر آخرت میں اجر و ثواب تو بہت زیادہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اپنے ایمان کا واسطہ! سود سے باز آجاؤ!

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود چھوڑ دو "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" اس کا ترجمہ میں اپنے ذوق کے مطابق یہ کیا کرتا ہوں کہ اے ایمان والو! تمہیں تمہارے ایمان کا واسطہ! سود چھوڑ دو!

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝

سود خوری اللہ و رسول کے خلاف اعلانِ جنگ ہے

اگر تم سود نہیں چھوڑتے تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف ایک بڑی جنگ کا اعلان ہے "بِحَرْبٍ" میں تنوین تعظیم کی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ ایک بڑی جنگ تمہاری شروع ہوگئی۔ اگر تم اس سود خوری سے توبہ تائب ہو گئے تو اپنا اصل مال وصول کر سکتے ہو، یہ تمہارا حق ہے، اضافی رقم یا نفع لینا جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۔۔۔۔اِلٰی۔۔۔۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝

آیتِ مداینہ

قرض کے اَحکام سے متعلق یہ قرآنِ کریم کی سب سے بڑی آیت ہے، پوری آیت ایک رکوع پر مشتمل ہے اور اس ایک آیت میں تقریباً سات احکام ہیں:

۱- پہلا حکم ہے: "فَاكْتُبُوْهُ" اُدھار لین دین کو لکھ لیا کرو اور جو کاتب ہوں، وہ بھی لکھنے سے انکار نہ کیا کریں۔

۲- دوسرا حکم ہے: "وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ" صاحبِ حق ہی مضمون لکھوائے۔

۳- تیسرا حکم ہے: "وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا" حساب لکھنے میں بد دیانتی نہ کی جائے۔

۴- چوتھا حکم ہے: "وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ" اس لین دین پر گواہ بھی بنا لیے جائیں، اور گواہی کا نصاب ہے، دو مرد ہوں، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

عورت کی گواہی

قرآنِ کریم کے مطابق عورت کی گواہی، مرد کی گواہی سے نصف اور آدھی ہے، یہ خدائی حکم ہے۔ اگر کسی کو اس پر کوئی تکلیف اور اعتراض ہے تو وہ اُس اللہ پر اعتراض کرے جس نے مرد کو بھی بنایا اور عورت کو بھی۔ یہ تو خالق کے فیصلے ہیں، مولویوں کی بنائی ہوئی باتیں تو نہیں ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم پوچھے گا تو اس کو ہم ضرور یہ کہیں گے کہ میاں فطری طور پر عورت کمزور ہے، یہ صنفِ نازک ہے، یہ دباؤ بھی جلدی قبول کرتی ہے اور لالچ میں بھی جلدی آتی ہے۔ انڈر پریشر بھی جلدی ہوتی ہے، شوہر کے پاس ہوتی ہے تو پریشر میں، ماں باپ کے خلاف باتیں کر رہی ہوتی ہے، ماں باپ کے پاس جاتی ہے تو وہاں جا کر

کہتی ہے کہ میرا شوہر ظالم ہے، اس لیے فرمایا کہ کیس کمزور نہ ہو، فیصلہ غلط نہ ہو، اس لیے یا تو دونوں گواہ مرد ہوں اور اگر ایک مرد ہو تو پھر اس کے ساتھ دو عورتیں مل کر گواہی دے سکتی ہیں تا کہ کسی وجہ سے اگر ایک دباؤ میں آئے یا واقعہ بھولنے لگے تو دوسری تو موجود ہوگی، ایک لالچ میں آئے گی تو دوسری تو ہوگی جو اسے حقیقت کی یاد دہانی کرا دے گی، یہ حکمت ہے۔

۵- پانچواں حکم ہے: ''وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا'' گواہوں کو جب گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو وہ آنے سے بلاوجہ انکار نہ کریں۔

۶- چھٹا حکم ہے: ''وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ'' اگر سفر میں ہو اور لکھنے کے وسائل نہ ہوں تو کوئی چیز گروی رکھ لو، آج کل بہت سارے بینکوں کا نظام ''رہن'' پر ہے، اس کی بھی مخصوص شرائط کے مطابق اجازت ہے۔ تفصیل کُتبِ فقہ میں مل جائے گی۔

۷- ساتواں حکم ہے کہ ''وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ'' جس شخص کو حقیقتِ واقعہ کا علم ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس کی صاف صاف گواہی دے، جان بوجھ کر گواہی چھپانے والا اللہ تعالیٰ کے یہاں مجرم ہے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

عقیدۂ توحید اور اَعمال کا حساب

اس آیت میں ''توحید'' کا عقیدہ بیان کیا گیا اور فرمایا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے، ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا کہ قیامت کے دن جس طرح تمہارے ظاہری اعمال کا حساب لیا جائے گا، اسی طرح تمہارے باطنی اعمال (تواضع، صبر، شکر، قناعت، سخاوت اور اعمالِ خبیثہ جیسے حسد، بغض، تکبر، کینہ، حبِ جاہ و مال وغیرہ) کا بھی تم سے حساب لیا جائے گا، اس لیے اپنے ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کی درستگی کی بھی فکر لازم ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

آخری دو آیات کے فضائل

سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیتیں بڑی فضیلت والی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ''الآیتان من آخر سورۃ البقرۃ من قرأھما فی لیلۃ کفتاہ'' (صحیح البخاری، ص: ۱۷۸) جو شخص سورت بقرہ کی یہ آخری دو آیات پڑھ لے گا، اس کو وہ کافی ہو جائیں

گی، کافی ہونے کا مطلب بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ ہے کہ یہ دو آیات، تہجد سے کافی ہو جائیں گی، تہجد جتنا ثواب ملے گا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیات ہر شر سے یا پورے قرآن کی تلاوت سے اپنے پڑھنے والے کو کفایت کریں گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ ”أعطيت خواتيم سورة البقرة من بيت كنز من تحت العرش لم يعطهن نبي قبلي“ (مسند احمد: ۵/ ۳۴۷/۲۷۴) مجھے اللہ کے عرش کے نیچے موجود خزانے سے یہ دونوں آیات عطا کی گئی ہیں اور میرے علاوہ آج تک کسی بھی پیغمبر کو یہ آیات عطا نہیں ہوئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ”إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ، أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا يُقْرَآنِ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ“ (سنن الترمذی: ۵/ ۱۶۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ان دونوں آیات کو ایک کتاب میں لکھا ہے اور یہ دونوں آیات اگر تین رات کسی گھر میں پڑھی جائیں تو شیطان اس گھر کے قریب بھی نہیں آئے گا۔

ان آیات کے آخر میں دُعا کی تلقین کی گئی ہے اور مسلمانوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

سورتِ بقرہ کے پہلے و آخری حصے میں ربط

سورت کے شروع میں ایمان کا بیان تھا کہ ”یومنون بالغیب“، سورت کے آخر میں ”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ“ سے بھی ایمان کا بیان ہے۔

مختصر تفسیر

فرمایا کہ ”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝“ اللہ کے پیغمبر اور سب ایمان والے، اللہ پر، کتابوں پر، رسولوں پر، سب پر ایمان لاتے ہیں، ایمان لانے میں تفریق نہیں کرتے، سب پر ان کا ایمان برابر ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی ہر بات کو سنا، اللہ کی ہر بات کو مانا، اور یہی مؤمن کی شان ہے کہ وہ اللہ کی ہر بات کو سنے، اور مانے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

کوتاہیوں کے اِزالے کا طریقہ

انسان تو بہر حال انسان ہی ہے، خلافت کی مسئولیت اور اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں، اس لیے فرمایا

کہ ساتھ ساتھ یہ دُعا بھی کیا کرو'' غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ '' ہمیں معاف کر دینا'' رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا '' اے اللہ! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو مواخذہ نہ کرنا، شریعت کے اُمور میں مواخذہ نہ کرنا'' رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا '' تکوینی طور پر ہم پر مشکلات اور ایسے سخت اعمال کا بوجھ مسلط نہ کر دینا جیسے پچھلی قوموں پر عائد کیے گئے تھے،'' رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ '' جو کام ہمارے بس میں نہ ہوں تشریعی طور پر ہمیں ان کا مکلّف نہ کرنا '' وَاعْفُ عَنَّا '' ہمیں معاف کرنا، '' وَاغْفِرْ لَنَا '' ہمیں بخش دینا، '' وَارْحَمْنَا '' ہم پر رحم کرنا، '' أَنتَ مَوْلَانَا '' آپ ہمارے سردار ہیں، '' فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ '' کافروں پر ہماری مدد فرما۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کا ذکر کرو، اور اسی سے اپنی عبادت و استعانت کا ناطہ جوڑو اور شرک نہ کرو، اسی سے صراط مستقیم طلب کرو، نیکوں میں شامل ہو جاؤ اور بدوں کی صحبت سے بچو۔ اہل ایمان کی جماعت کو اختیار کرو، کافر و منافق نہ بنو۔

۲۔ لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ۱: مؤمنین۔ ۲: کافرین۔ ۳: منافقین۔ اپنا محاسبہ کرو کہ ان میں سے کون سی جماعت میں ہو۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی وجہ سے اونچا مقام ملا، تم بھی علم حاصل کرو، شیطان تمہارا دشمن ہے، اس کے مکر وفریب سے بچ کر زندگی گزارو۔

۴۔ تم سے پہلے یہود و نصاریٰ کا زمانہ تھا وہ خود اپنے کرتوتوں کی وجہ سے گمراہ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے، لہٰذا تم ان کے راستے پر نہ چلو اور نہ ہی ان جیسی صفات کو اپناؤ، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

۵۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو تسلیم کر کے ادب سے ان کی اتباع بجالاؤ۔

۶۔ اہل اسلام اپنا الگ تشخص قائم کریں، دوسری اقوام کی نقالی ہرگز نہ کریں۔

۷۔ سب انبیائے کرام توحید کے داعی تھے، ان کی اسی دعوت کی اتباع کرو، خواہ مخواہ میں انہیں کسی مخصوص مذہب اور عقیدے سے منسلک کرنے کی ناکام کوشش مت کرو۔

۸۔ صحابہ کرام ہی معیارِ حق ہیں، ان کا احترام کرو، انہیں عادل مانو، ایمان و اعمال میں انہیں پیشوا سمجھو۔

۹۔ اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کے سہارے زندگی نہ گزارو، تم سب نے اپنے اپنے اعمال کا الگ الگ حساب دینا ہے۔

۱۰۔تحویل قبلہ سے متعلق تفصیلی گفتگو کے بعد فرمایا کہ "قبلہ" کی بحث ایسی نہیں، جسے تم لوگوں نے ایمان وکفر کا مسئلہ بنا رکھا ہے، اصل نیکی یہ ہے کہ انسان خدائی احکامات کی پابندی اور پیروی کرے۔ اسی ضمن میں قصاص، وصیت، روزہ، حج، انفاق فی سبیل اللہ اور عائلی مسائل (حیض، ایلاء طلاق اور عدت) کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۱۱۔اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب اور حضرت طالوت اور بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا۔

۱۲۔اللہ تعالیٰ نے حیات بعد الممات پر اپنی قدرت دکھانے کے لیے حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عملی مشاہدہ کرایا۔

۱۳۔انفاق فی سبیل اللہ اور کسب حلال کی ترغیب کے ساتھ کسب حرام (سود) سے بڑی سختی سے منع کیا گیا، اور سود خوری کو اعلان بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔

۱۴۔آخر میں دین وقرض سے متعلق احکام بیان کر کے عقیدہ توحید اور جامع دُعا پر سورت کا اختتام کیا گیا۔

تمت سورۃ البقرۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَان

ترتیبِ قرآنی: ۳ ترتیبِ نزولی: ۸۹

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں تیسرے (۳) جبکہ نزول کے اعتبار سے نواسی (۸۹) نمبر پر ہے۔ بیس (۲۰) رکوع اور دوسو (۲۰۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے ایک سے زائد نام ہیں:

۱۔ **آلِ عمران**: عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور آلِ عمران کا مطلب ہے "عمران کا خاندان" اس سورت میں حضرت عمران کے خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ آلِ عمران رکھا گیا ہے۔

۲۔ **الزھراء**: زہراء کا معنی روشن اور پر رونق ہے، حدیث مبارکہ میں سورۃ البقرۃ اور اس سورت کو "الزھراوین" یعنی دو روشن سورتیں قرار دیا گیا ہے، یہ اپنے پڑھنے والے کے لیے نور کا باعث ہوں گی، اسی لیے اس سورت کو "الزہراء" بھی کہتے ہیں۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں یہود کی اصلاح کا بیان تھا، اس سورت میں نصاریٰ کی اصلاح کا بیان ہے۔

۲۔ گزشتہ سورت کے آخر میں کُفّار کے خلاف مدد و نصرت کی دُعا کی گئی تھی، اس سورت میں مدد و نصرت کے نمونے ذکر کیے گئے ہیں۔

۳۔ گزشتہ سورت میں منہجِ خلافت کی مسئولیت کا بیان تھا، اس سورت میں اللہ رَبُّ العزّت نے اس خلافت پر قائم رہنے کے لیے گمراہیوں سے محفوظ رہنے کا حکم فرمایا ہے۔

سورت کے فضائل

۱۔حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا، ان کے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔'' (صحیح مسلم:۸۰۵)

۲۔حضرت ابوامامہ باہلی ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''قرآنِ کریم پڑھا کرو، یہ روزِ محشر اپنے ساتھیوں کی سفارش کرے گا، اور دو روشن سورتیں پڑھا کرو یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران، یہ دونوں روزِ قیامت اس طرح آئیں گی کہ گویا دو بادل، یا دو سائبان، یا دو صف بناتے پرندوں کی جماعتیں ہوں، اور اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑیں گی۔'' (صحیح مسلم:۸۰۴)

۳۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ:۱۶۳)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (آل عمران:۲)

(صحیح الترغیب والترہیب:۲/۱۳۰)

۴۔سیدنا بلال ؓ ایک دن صبح کی نماز کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا ہوا پایا، سیّدنا بلال ؓ نے استفسار کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ تو بخشے بخشائے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلال میں کیوں نہ روؤں، اللہ تعالیٰ نے اس شب مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں: ''اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝'' (آل عمران:۱۹۰) آخر سورت تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا: اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس نے ان کو پڑھا اور اس میں غور و فکر نہ کیا۔ (صحیح ابن حبان:۲/۳۸۷)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع دِین پر ثابت قدم رہنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا......غیر مسلم اقوام کے افکار و نظریات کے مقابلے میں کیسے اسلام پر ثابت قدم رہا جائے، تاکہ فکری لحاظ سے دوسروں کے اثرات مسلمانوں میں نہ آسکیں۔ یہ مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نجران کے نصاریٰ کے مابین مباحثہ کے ضمن میں سورت کے اول حصے میں بیان ہوا ہے۔

۲......اہلِ اسلام داخلی طور پر کیسے دین پر ثابت قدم رہیں، یعنی عملی طور پر بھی مضبوط ہوں۔ یہ مضمون غزوۂ احد کے واقعہ کے ضمن میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ آلِ عمران دو واقعات اور دو قسم کے مضامین کے گرد گھومتی ہے:

۱۔نجران کے عیسائیوں کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں بغرض مناظرہ آمد، اور ان کے شبہات کے جوابات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے کے دلائل۔

۲۔غزوۂ اُحد میں اہلِ اسلام کی شکست اور اس کے اسباب۔

غزوۂ اُحد کا ذکر سورت کے دوسرے حصے میں ہے، اس کی تفصیل اِن شاء اللہ! وہیں ذکر کی جائے گی۔ سورت کا پہلا نصف حصہ عیسائیوں سے مکالمہ اور ان کے شبہات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

عیسائیوں کی مدینہ آمد

''نجران'' عرب (یمن) کا ایک علاقہ ہے، یہاں کی اکثریتی آبادی عیسائی تھی، اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات کی وجہ سے یہاں کے عیسائیوں نے اپنے تحفظ کے لیے مدینہ منورہ کا رخ کیا، چنانچہ ساٹھ افراد پر مشتمل عیسائیوں کا اعلیٰ سطحی وفد مدینہ منورہ آیا۔ وفد میں مذہبی، سیاسی لیڈر اور بڑے بڑے پادری بھی تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف مقامات پر رہائش دینے کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے کہا کہ ہم سب اکٹھے رہنا چاہتے ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں ہی ٹھہرایا۔ اس وقت تک کوئی بڑا مہمان خانہ قائم نہ ہوا تھا۔ عیسائی مسجد میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت بھی کرتے رہے۔ ان کی آمد کا مقصد تو اپنے لیے سیاسی پناہ حاصل کرنا اور ٹیکس کے عوض تحفظ حاصل کرنا تھا، تاہم اس موقع پر ان کے پادری حارثہ بن علقمہ نے علمی مذاکرہ بھی شروع کر دیا۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسائیوں میں باہم دلچسپ مکالمہ

عیسائیوں کے پادری نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور شریک ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کسی سے تولد ہوئے ہیں؟ اس نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کھاتے پیتے بھی ہیں؟ اس نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کی ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے بطن میں رہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جتنا علم انہیں دیا تھا، وہ بس اتنا ہی جانتے تھے! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر موت آئے گی؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے

فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: ان پر تو موت وفنا آئے گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا باپ کا ہم شکل ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے کون سی مشابہت ہے؟ اس پر وہ لاجواب ہو گیا، اور کچھ شبہات پیش کیے، ان شبہات کے جوابات آئندہ آیات میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس واقعے کے ضمن میں عقائد کا بیان ہے۔

دوسرے حصے میں غزوۂ اُحد کے واقعہ کے ضمن میں احکام کا بیان ہے، جن میں حج کی فرضیت، جہاد کا حکم، سود کی حرمت، زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا وغیرہ سرفہرست ہیں۔

اس کے علاوہ سورت میں درج ذیل مضامین بیان ہوئے ہیں:

۲۔ اصلاح نصاریٰ اور اصول کامیابی برائے مؤمنین۔

۳۔ توحید ورسالت کے متعلق نصاریٰ کے شبہات اور اُن کے جوابات۔

۴۔ توحید، رسالت، جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ۔

۵۔ منہج خلافت پر قائم رہنے کے لیے زیغ وضلال سے حفاظت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

’’اِسمِ اَعظم‘‘ دو آیتوں میں ہے!

سورت کے آغاز میں حروف مقطعات مذکور ہیں، جن کی مکمل تفصیل سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے اپنی توحید کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبُّ العزّت کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حی اور ’’قیوم‘‘ ہے، ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہیں، قائم رہنے والے اور قائم رکھنے والے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں ان دو آیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں اسم اعظم مذکور ہے، ان دو آیات میں سے ایک سورۂ آل عمران کی دوسری آیت ہے، اسم اعظم سے مراد باری تعالیٰ کا وہ نام ہے جس کے ذریعہ کوئی بھی دُعا کی جائے تو وہ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔ وہ دو آیات درج ذیل ہیں:

۱۔ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۱۶۳)

۲۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ (آل عمران: ۲)

قرآنِ کریم کی حقّانیت

اس کے بعد قرآنِ کریم کی حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ پر قرآنِ کریم حق کے ساتھ بغیر کسی شک وشبہ کے نازل فرمایا ہے، اس کی صداقت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ اپنے سے پہلے کی کتب کی تصدیق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم نازل فرمایا، ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی، یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے ادوار میں ہدایت کا ذریعہ تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو فرقان بنا کر نازل فرمایا، یعنی قرآنِ کریم حق اور باطل میں فرق کر دینے والی کتاب ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور قرآنِ کریم کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے روزِ محشر سخت ترین عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہیں، انتقام لینے والے ہیں، وہ ضرور اپنے منکروں سے انتقام لیں گے۔

باری تعالیٰ کا علم بھی کامل ہے، زمین وآسمان میں کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، وہی پاک ذات ہے جو رحم مادر میں بچوں کی شکل وصورت وجنس کی تعیین کرتا ہے، اس کی قدرت بھی کامل ہے اور علم بھی، اور یہ دونوں صفات جس ہستی میں ہوں، وہی عبادت کے لائق ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت سی چیزیں مخفی بھی رہتی تھیں، اور وہ خلق کی قدرت بھی نہیں رکھتے تھے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

قرآنی آیات دو طرح کی ہیں

ان آیات میں نصاریٰ کے ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے، نصاریٰ نے ایک مرتبہ قرآن مجید کے بعض الفاظ پر اعتراض کیا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ یا کلمۃ اللہ ہونا مذکور ہے کہ ان الفاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا "اِلٰہ" ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کے اس شبہ کو رد فرما دیا۔ (معارف القرآن)

قرآنی آیات کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ محکم　　۲۔ متشابہ

"محکم" سے مراد وہ آیات ہیں جن کے الفاظ ومعانی متعین کرنے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا، ان کا مفہوم بالکل واضح ہے۔

''متشابہ'' سے مراد وہ آیات ہیں جن کی مراد کے تعیین میں دشواری پیش آتی ہے، ان کا یقینی معنی اللہ ربّ العزّت کو ہی معلوم ہے، البتہ ان دونوں قسم کی آیات پر ایمان لانا ضروری ہے، جبکہ عمل صرف ''محکم'' آیات پر ہی ضروری ہے، کیونکہ ''محکم'' آیات ''اُمّ الکتاب'' ہیں، یعنی ساری کتاب کا مرجع ومرکز یہی آیات ہیں، انہیں سے سارے مسائل پھوٹتے ہیں، پورا دِین انہیں آیات سے نکلتا ہے، ہدایت کا سرچشمہ یہی آیات ہیں۔ ''متشابہات'' کو سمجھنے کے لیے انہیں کو معیار بنایا جاتا ہے۔

''متشابہات'' کے معنی کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، ایسی آیات بطورِ امتحان نازل ہوئیں کہ حتمی معنی معلوم نہ ہونے کے باوجود بھی محض کلام خداوندی سمجھ کر کون ایمان لاتا ہے اور کون نہیں؟ اس لیے فرمایا: راسخین فی العلم یعنی اہل السنۃ والجماعۃ، جو قرآن وسنّت کی اسی تعبیر وتشریح کو صحیح سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام، سلف صالحین اور اجماعِ امت سے منقول ہو، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے، وہ اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ متشابہات کے بارے میں اپنے قصورِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو خدا کے سپرد کرتے ہیں کہ اس کا معنی صرف اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے ان کے معانی بیان نہیں کیے، مذکورہ کلمات ''کلمۃ اللہ، روح اللہ'' وغیرہ بھی متشابہات میں سے ہیں، ان سے احکام ثابت نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی ان کے معانی ہمیں معلوم ہیں، لہٰذا ہمارے لیے بھی ان کا معلوم کرنا ضروری نہیں۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہے اور اللہ نے کج فکری سے محفوظ رکھا ہے تو یہی عافیت کا راستہ ہے، جس کو اختیار کرنا کوئی مشکل نہیں، چنانچہ اسی پر قائم رہنے کے لیے اگلی آیت میں دعا کی تلقین فرمائی۔

ایمان پر ثابت قدمی کی دُعا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾

دُعا کا حاصل یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا، اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمانا، بے شک آپ سب سے بڑھ کر عطا فرمانے والے ہیں۔

یہ دُعا ہم سب کو مانگنی چاہیے، کیونکہ شیطان سے ہمارا واسطہ مرتے دم تک پڑتا ہے، کتنے لوگ ہوتے ہیں جو جوانی میں نیک ہوتے ہیں اور بڑھاپے میں بدعقیدہ ہوجاتے ہیں، بدعمل بن جاتے ہیں، کتنے لوگ ہوتے ہیں کہ ساری زندگی نیکی پر گزرتی ہے، مرتے دم ایسا گناہ کرتے ہیں کہ خاتمہ خراب ہوجاتا ہے، اسی سے بچنے کے لیے یہ دُعا تلقین فرمائی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾
كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ﴿١١﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٢﴾

کافروں کا انجام

ان آیات میں کفّار کا دنیوی واخروی انجام بیان فرمایا کہ جو لوگ باری تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، اور اپنے

مال و دولت اور اولاد پر غرور کرتے ہیں، ان کے مال و اولاد ان کے کسی کام نہیں آئیں گے، وہ سب جہنم کی آگ کا ایندھن ہوں گے، جیسے فرعونیوں کو اللہ رب العزت نے دنیا میں بھی تباہ کیا اور آخرت میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کریں گے، اسی طرح اللہ رب العزت ہر کافر اور انبیاء کو جھٹلانے والے کو عذاب میں مبتلا فرمائیں گے، انہیں دنیا میں بھی مغلوب فرمائیں گے اور آخرت میں بھی انہیں گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا، جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ مفسرین کے نزدیک مذکورہ بالا تنبیہات یہود مدینہ کے لیے ہیں۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

اہلِ علم کے لیے سامان عبرت

گزشتہ آیت میں کفار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے، اس آیت میں اس کی ایک مثال بیان فرمارہے ہیں اور وہ یہ کہ غزوۂ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے، ان کے پاس سات سو اونٹ اور کئی گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو تیرہ تھے، اور ان کے پاس کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، اور قدرت خداوندی کا نمونہ یہ تھا کہ دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو اپنا مقابل دوگنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل میں مسلمانوں کی کثرت کے خیال سے رعب پڑ گیا تھا، جبکہ مسلمان، کافروں کی دگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اللہ رب العزت نے مؤمنین کی مدد فرمائی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ واقعہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے سامان عبرت ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝

گمراہی کا ذریعہ بننے والی اشیاء

ان آیات میں اللہ رب العزت نے دنیا کی چھ چیزیں ذکر فرمائیں جن کی محبت عام طور پر انسان کو غفلت میں مبتلا اور اللہ سے دور کر دیتی ہے اور انسان گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ چھ اشیاء درج ذیل ہیں:

۱۔عورتیں۔ ۲۔اولاد۔ ۳۔سونے اور چاندی کے ڈھیر۔
۴۔عمدہ نسل کے گھوڑے۔ ۵۔چوپائے۔ ۶۔کھیتی۔

ان چیزوں کا تذکرہ فرما کر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت فطری طور پر انسان کے دل میں

ڈال دی گئی ہے، جس میں کئی حکمتیں ہیں، لیکن ان کی محبت میں اس قدر اندھا نہیں ہونا چاہیے کہ احکام شریعت کو فراموش کر بیٹھو، یہ سب دنیا کا چند روزہ سامان ہے، بہتر انجام تو اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے۔ اور وہ ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہاں انہیں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر باری تعالیٰ کی رضا کا پروانہ نصیب ہوگا، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان دنیا میں تقویٰ والی زندگی گزارے اور اپنے اندر متقین کے اوصاف پیدا کرے۔

متقین کے اوصاف

۱۔ متقین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رَبّ سے دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رَبّ ہم آپ پر ایمان لائے آپ ہمارے گناہ بخش دیجیے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجیے۔

۲۔ متقین صابر ہوتے ہیں، یعنی نیکی کے کام پر جمتے ہیں، گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اور تکالیف کو برداشت کرتے ہیں۔

۳۔ سچ بولتے ہیں۔

۴۔ اللہ ربّ العزّت اور احکام شریعت کی فرماں برداری کرتے ہیں۔

۵۔ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

۶۔ بوقتِ سحر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تہجد کی نماز ادا کرتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

''توحید'' پر تین بڑی گواہیاں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کو ثابت کرنے کے لیے تین عظیم الشان گواہیاں ذکر فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ، فرشتے اور علماء گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ انصاف کو قائم رکھنے والے ہیں، ان کا کوئی شریک نہیں، وہ غالب اور حکمتوں والے ہیں۔

پہلی گواہی خود اپنی ذات کی، اللہ ربّ العزّت کی گواہی سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی قدرت وصناعی کے تمام نمونے توحید کی واضح نشانیاں ہیں۔

دوسری گواہی فرشتوں کی ذکر کی گئی جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، وہ سب کچھ جان کر اور دیکھ کر گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تیسری گواہی اہل علم کی ہے۔ اہل علم سے مراد انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام ہیں۔ یہ آیت علمائے کرام کی فضیلت اور شان کو نمایاں کر رہی ہے کہ اس میں باری تعالیٰ نے ان کی گواہی کو اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

آیت ''شَهِدَ اللهُ......الخ'' کی فضیلت

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور مذکورہ بالا آیت ''شهد الله.....'' اور ''قل اللهم مالك الملك.....'' سے ''بغیر حساب'' تک پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرما دیں گے اور اسے جنّت میں جگہ دیں گے اور اس کی ستر ضروریات پوری فرمائیں گے، جن میں سے کم سے کم حاجت اس کی مغفرت ہے۔ (روح المعانی)

اہل علم نے ''شهد الله'' والی آیت کو ''آیت العز'' قرار دیا ہے۔ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کی تلاوت کرے گا اسے عزّت نصیب ہوگی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے، اسلام کے سوا کوئی بھی دین بارگاہِ خداوندی میں قبولیت نہیں پا سکتا، اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اپنائے تو اللہ ربّ العزّت اس کا جلد حساب لیں گے اور اسے اپنے اس عمل کا وبال معلوم ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہود کے جرائم کی فہرست ذکر کرنے کے ساتھ انہیں دعوت ایمان دی گئی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ
تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ؗ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

شانِ نزول

غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ کا ایک متحدہ محاذ مسلمانوں کے خلاف قائم ہوا اور انہوں نے مسلمانوں کو جڑ سے ختم کرنے کا عزم لیے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے عزائم کا پتہ چلا تو چونکہ ان کا لشکر مسلمانوں بلکہ مدینہ کی کل آبادی سے بھی کئی گنا بڑا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق مدینہ سے باہر دشمن کے راستے میں خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔

خوف اور فقر میں شاہی کی اطلاع

خندق کئی میل لمبی اور خاصی گہری اور چوڑی تھی، تاکہ دشمن اس کو عبور نہ کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کار

کرتے ہوئے چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق دس دس آدمیوں کے ذمہ لگادی، تمام صحابہ کرام تندہی سے اپنے کام میں لگ گئے تاکہ جلد از جلد خندق کی کھدائی مکمل کی جاسکے، عالم یہ تھا کہ بھوک کی شدت سے صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھ لیے تھے۔ اسی کھدائی کے دوران خندق کے ایک حصے میں ایک بڑی چٹان نکل آئی، جو کسی طور ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کی گئی تو آپ وہاں تشریف لائے اور کدال لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی تو چٹان کے ٹکڑے ہوگئے اور اس میں سے روشنی نکلی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حیرہ (ملک فارس) کے محلات وعمارات دکھائی گئی ہیں، پھر دوسری ضرب لگائی تو دوبارہ روشنی نکلی، آپ نے فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محلات وعمارات دکھائی گئی ہیں، پھر تیسری ضرب لگائی تو پھر روشنی برآمد ہوئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھائے گئے ہیں، اور فرمایا کہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ مجھے جبرائیل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ملکوں پر غالب آئے گی۔

منافقین کی پھبتیاں

منافقین نے جب یہ سنا تو ان کو استہزاء وتمسخر کا موقع ہاتھ لگ گیا، انہوں نے مسلمانوں کا مذاق اڑایا کہ دیکھو ان لوگوں کو جو حریف مقابل کے خوف سے خندق کھودنے میں اس طرح مشغول ہیں کہ ان کو اپنی ضروریات کا بھی ہوش نہیں، اپنی جانوں کی حفاظت مشکل ہورہی ہے، ایسی حالت میں بھی وہ ملک فارس، روم اور یمن کے خواب دیکھ رہے ہیں، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے جواب میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت مالک الملک ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں بادشاہت عطا فرماتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں بادشاہت چھین لیتے ہیں، عزت اور ذلت بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جسے چاہتے ہیں عزت سے نوازتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ذلیل ورسوا فرمادیتے ہیں، تمام بھلائیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ وہ رات سے دن اور دن سے رات نکالتا ہے، اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

تو جو رَبّ ان سب چیزوں پر قادر ہو، اس کے لیے مسلمانوں کو روم وفارس اور یمن کی بادشاہت عطا کرنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے ان تمام علاقوں اور ملکوں کو اپنے زیر نگیں کرلیا اور وہاں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیے۔

ادائیگیٔ قرض کا مجرب عمل

یہ آیت قرض کی ادائیگی کے لیے نہایت مجرب ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلقین فرمائی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک جمعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نماز

میں نہ دیکھا تو خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے معاذ! کیا بات ہے؟ آج میں نے تم کو نہیں دیکھا، عرض کیا یارسول اللہ! ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) قرض تھا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے نکلا، راستہ میں اس یہودی نے مجھ کو روک لیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ کیا میں تمہیں ایسی دُعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا فرمادیں گے، وہ دُعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ اِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ وَتَوَفَّنِيْ فِيْ عِبَادَتِكَ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِكَ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اللہ ربّ العزّت سے محبّت کا معیار!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور باری تعالیٰ کی محبوبیت کی تمنا رکھتے ہیں، اپنی محبت کا معیار بتایا ہے، اور وہ معیار اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یعنی اگر کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لیا جائے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہوجائے گا، جو شخص اپنے دعوی میں جتنا سچا ہوگا، اتنا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا زیادہ اہتمام کرے گا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو اپنے لیے مشعل راہ بنائے گا۔

اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تمہیں محبوب بنالیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیں گے، وہ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں۔

اے نبی! آپ فرمادیجیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم اس حکم سے روگردانی کروگے تو یاد رکھو اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ج اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ج وَاِنِّيْ

سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ
وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ
يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا
زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَھُوَ قَاۗىِٕمٌ
يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا
يَشَاۗءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا
وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝

حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران تھا، وہ بیت المقدس کے امام اور نیک صالح انسان تھے، حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اس وقت حالت حمل میں تھیں، انہوں نے منت مانی کہ اس حمل سے جو بھی اولاد پیدا ہوگی اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی، دنیا کے کسی کام میں نہیں لگاؤں گی، مگر جب حمل سے لڑکی پیدا ہوئی تو انہیں افسوس ہوا کیونکہ لڑکی تو بیت المقدس کی خدمت نہیں کر سکتی، پھر انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ یا اللہ میری بیٹی پیدا ہوئی ہے، اللہ خوب جانتے ہیں جو پیدا ہوئی، یہ لڑکی کوئی معمولی لڑکی نہیں، بلکہ بہت سے لڑکوں سے بہتر ہے۔ میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں، اور اسے اور اس کی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں، آپ اسے قبول فرما لیجیے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اخلاص کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام کو قبول فرما لیا، اور ان کو عجیب شان عطا فرمائی۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر بیت المقدس تشریف لائیں، اور وہاں کے مجاورین و عابدین جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، سے جا کر کہا کہ میں نے اس لڑکی کو اللہ ربّ العزّت کے لیے وقف کر دیا ہے، لہٰذا اس کو آپ رکھیے۔ چونکہ حضرت عمران مسجد کے امام تھے، اس لیے بیت المقدس کے مجاورین میں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں حضرت مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس بچی کی کفالت کا زیادہ حق ہے، مگر دیگر لوگ اس پر راضی نہیں ہوئے، بالآخر قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا، جس کی صورت یہ طے پائی کہ ہر شخص اپنا قلم پانی میں ڈالے، جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا بہہ جائے وہ

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کا مستحق ہوگا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام ہی کامیاب قرار پائے، چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت ان کو مل گئی۔ آپ نے ان کو مسجد سے ملحق ایک کمرے میں لا کر رکھا، جب کہیں جاتے، اس کو تالہ لگا دیتے، پھر آ کر کھول لیتے، اور ہر بار دیکھتے کہ کمرے میں بے موسم پھل اور کھانے پینے کی چیزیں موجود ہوتیں، ایک مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے آتی ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس وقت تک اولاد نہیں تھی، اور ان پر بڑھاپا آ چکا تھا، انہوں نے جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جو ربّ ان کو بے موسم پھل دے سکتا ہے وہ مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا فرما سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے میرے ربّ! مجھے نیک اولاد عطا فرما، بے شک آپ دُعا قبول کرنے والے ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی، اور فرشتوں کے ذریعہ انہیں اولاد کی خوشخبری سنا دی کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا ہوگا، جو اللہ ربّ العزّت کا برگزیدہ بندہ ہوگا، اللہ ربّ العزّت اسے دنیا میں سرداری اور نبوت عطا فرمائیں گے۔ آپ علیہ السلام نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے ربّ! میرا بیٹا کیسے ہوگا، میری تو عمر ڈھل چکی ہے اور میری بیوی بھی بانجھ ہے، اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ایسے ہی ہو جائے گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے کوئی نشانی تو عطا فرما دیجیے جس سے مجھے اولاد ہونے کا پتہ چل جائے، اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے سوائے اشاروں کے کوئی بات نہیں کر سکیں گے، ان دنوں میں ذکر اور تسبیح کی کثرت کیجیے گا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ
لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ
يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ
اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ
كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

حضرت مریم علیہا السلام پر باری تعالیٰ کے انعامات

جب حضرت مریم علیہا السلام جوان ہوگئیں تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ انہیں یہ

پیغام بھجوایا کہ آپ کو اللہ رَبّ العزّت نے منتخب فرمالیا ہے، اور آپ کو تمام ناپسندیدہ افعال و اخلاق سے پاک بنایا ہے اور اپنے زمانے کی تمام عورتوں پر آپ کو فضیلت دی ہے، لہٰذا آپ اپنے پروردگار کی اطاعت بجالاتی رہیں اور نماز ادا کرتی رہیں۔

یہ واقعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی دلیل ہے!

یہ واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم (اللہ تعالیٰ) نے آپ کو بتایا ہے، آپ تو اس وقت وہاں موجود نہ تھے، جب حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت پر اختلاف اور قرعہ اندازی ہو رہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اور آپ کو بذریعہ وحی یہ خبریں بتائی جاتی ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر جگہ موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی غیب دان ہے۔

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی کہ آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام عیسیٰ ہوگا، وہ دنیا میں بھی اللہ رَبّ العزّت کے یہاں باآبرو اور وجیہ ہوں گے اور آخرت میں بھی مقربین اور چنیدہ افراد میں سے ہوں گے، اس بچے سے خرقِ عادت امور بھی صادر ہوں گے مثلاً وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات چیت کرے گا اور بڑی عمر میں بھی، اور وہ پروردگارِ عالم کے نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

قُربِ قیامت میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل

یہ آیت قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ادھیڑ عمر میں بات کرنے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں میں اٹھائے گئے تھے اس وقت ان کی عمر تیس پینتیس سال کے درمیان تھی، ادھیڑ عمر کا زمانہ انہوں نے پایا ہی نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ادھیڑ عمر میں آسمان سے دوبارہ تشریف لائیں گے اور لوگوں سے بات چیت کریں گے۔ (معارف القرآن)

حضرت مریم علیہا السلام نے جب یہ بشارت سنی تو انہیں بہت حیرت اور تعجب ہوا، اور انہوں نے فرطِ حیرت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے ہی ہوگا، یہ اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کی نشانی ہے، وہ جب کسی کام کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو وہ صرف ''کن'' فرماتے ہیں اور وہ کام ہوجاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۞ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اِنعاماتِ رَبانی

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت انہیں کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دیں گے، کتاب وحکمت سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک قرآن وحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کا علم آپ کو نزول کے بعد دیا جائے گا۔ یہ بھی آپ کے نزول کی قرآنی دلیل ہے، کیونکہ کتاب سے مراد تورات تو ہے نہیں، اس کا ذکر مستقل کیا گیا ہے، کتاب سے مراد قرآنِ کریم لیا جائے گا اور حکمت، قرآنِ کریم میں عموماً سنت وحدیث پر بولا جاتا ہے۔

نیز باری تعالیٰ انہیں نبوت اور رسالت دے کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے اور انہیں متعدد معجزات عطا فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

۱۔مٹی سے پرندے کی شکل کا ایک مجسمہ بنا کر اس میں پھونک مارتے ہیں تو وہ زندہ ہو کر اڑنے لگتا ہے۔

۲۔مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔

۳۔مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔

۴۔لوگ جو کھانا کھاتے ہیں اور جو گھر میں ذخیرہ کرتے ہیں، ان سب کی خبر اللہ رَبّ العزّت انہیں فرما دیتے ہیں۔

ان سب معجزات کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ رَبّ العزّت مبعوث فرمائیں گے، آپ علیہ السلام تورات کی تصدیق کریں گے، اور بعض ایسی چیزیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام قرار دی گئی تھیں، انہیں اللہ رَبّ العزّت کے حکم سے حلال کر دیں گے، اور آپ بنی اسرائیل سے کہیں گے کہ اللہ رَبّ العزّت کے حکم کی مخالفت سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور اس اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رَبّ ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

بنی اسرائیل کا رویہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کو اللہ رَبّ العزّت کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے آپ پر

ایمان لانے سے انکار کردیا، آپ کو ایذاء پہنچانے کے درپے رہنے لگے اور آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے، جب آپ علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنے حواریوں (وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے تھے) سے فرمایا کہ کون حق اور سچ کی راہ میں میری مدد کرے گا، ان سب نے کہا کہ ہم آپ کی مدد کریں گے، ہم اللہ رَبّ العزّت پر ایمان لائے ہیں اور آپ اس بات کے گواہ رہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آپ کے فرمانبردار ہیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے ہمارے رَبّ! ہم آپ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لائے، آپ کے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کی، آپ ہمیں مؤمنین میں لکھ دیجیے۔ اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کافر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی مکر و تدبیر میں لگے رہے، جبکہ اللہ رَبّ العزّت نے ان کو بچانے کی تدبیر فرمائی، اور اللہ رَبّ العزّت کی ہی تدبیر سب پر غالب آئے گی، کیونکہ اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پروردگارِ عالم کے وعدے

گزشتہ آیات میں ذکر ہوا کہ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جان کے دشمن ہوگئے تھے اور آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے تھے، جبکہ دوسری طرف اللہ رَبّ العزّت کا ارادہ آپ علیہ السلام کو بچانے کا تھا، اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان ظالموں کے شر سے بچانے کے لیے چار وعدے فرمائے ہیں:

١...... پہلا وعدہ یہ ہے کہ آپ کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہیں ہوگی، بلکہ میں آپ کو پورا پورا لے لوں گا، یعنی اپنے پاس بلا لوں گا۔ بعض مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے کہ وقت مقررہ پر آپ کو موت دوں گا، ابھی یہودی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

٢...... دوسرا وعدہ جو دراصل پہلے وعدہ کا تکملہ ہے، یہ کہ میں آپ کو اپنے پاس آسمانوں میں اٹھا لوں گا۔ اس سے مراد روح اور جسم دونوں کو اٹھانا ہے، نہ کہ صرف روح کو، کیونکہ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام صرف روح کا نام نہیں، بلکہ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

٣...... تیسرا وعدہ یہ ہے کہ آپ کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کردوں گا۔

٤...... چوتھا وعدہ یہ ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی متبعین مسلمان ہیں۔

ان چاروں وعدوں کے بعد ارشاد فرمایا کہ بالآخر سب کو لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہے، اور میں قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ جو لوگ کفر کرتے ہیں، انہیں دنیا و آخرت میں رسوائی اور سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۞ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۞ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۞ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۞ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۞

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی سی ہے!

عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کا دھوکا اس سے لگا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اسی لیے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے، یعنی جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور ماں کے پیدا کیا گیا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہ نہیں ہیں، کیونکہ جس کی پیدائش ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

''آیتِ مباہلہ'' کا پس منظر

نجران کے عیسائی دلائل میں لاجواب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگے تو اس پر مذکورہ آیت مباہلہ نازل ہوئی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی اور خود بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لیے تشریف لے آئے، ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں، نبی سے مباہلہ کرنے میں ہماری ہلاکت ہے، اس لیے نجات کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو، چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ مقرر کر کے صلح کر دی، جس کو انہوں نے بھی منظور کر لیا۔ (معارف القرآن)

''مباہلہ'' کی تعریف

مباہلہ کا معنی عاجزی سے دُعا مانگنا ہے۔ مباہلہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی امر کے حق و باطل ہونے میں فریقین کا اختلاف ہو جائے اور دلائل سے اختلاف ختم نہ ہو تو دونوں فریق مل کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو، اس

پر اللہ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے اور جھوٹے پر قہر نازل ہو۔ مباہلہ صرف قطعی امور میں ہوتا ہے، یعنی عقائد اسلام میں، ظنی چیزوں میں مباہلہ درست نہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۞ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞

اہلِ کتاب کو دعوت و تبلیغ

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اہل کتاب کو دینِ حق کی طرف دعوت دینے کا ایک بہترین طریقہ تلقین فرمایا ہے جو دراصل تبلیغ اور دعوت کا اہم زریں اصول ہے، اور وہ یہ کہ اگر کسی ایسے شخص یا جماعت کو دعوت دینے کا ارادہ ہو جس کے عقائد ونظریات مختلف ہیں، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہے، اسی طرز کے مطابق اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اہل کتاب سے کہہ دیجیے کہ آؤ ہم جس جس نکتے پر باہم متفق ہیں یعنی توحید باری تعالیٰ، اس پر اکٹھے ہوجائیں، ہم اس بات پر متفق ہوجائیں کہ ہم اللہ ربّ العزّت کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، اور نہ ہی ایک سے زائد معبود بنا کر ان کی عبادت کریں گے۔ اور اگر تم ہمارے ساتھ اس بات پر بھی متفق نہیں ہوتے تو یاد رکھو ہم تو مسلمان ہی ہیں۔

اہلِ کتاب سے متعدّد شکوے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اہل کتاب سے متعدد شکوے فرمائے ہیں۔

۱- پہلا شکوہ یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ دونوں جماعتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے مذہب کا متبع قرار دیتے ہیں، یہودی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، جبکہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی ہیں، اللہ ربّ العزّت ان دونوں کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کیسے ہوسکتے ہیں، حالانکہ تورات اور انجیل دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی، اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے، بلکہ سچے مسلمان اور اللہ ربّ العزّت کے فرمانبردار تھے۔

۲- اہل کتاب سے ایک شکوہ یہ ہے کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

۳- ایک شکوہ یہ ہے کہ یہ جان بوجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ تورات وانجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کے بارے میں پڑھ چکے ہیں، اسی لیے ان کو آپ کا نبی ہونا معلوم ہے، اس کے باوجود یہ لوگ حق قبول نہیں کرتے۔

۴- چوتھا شکوہ یہ ہے کہ یہ حق اور باطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں، اور اس طرح کر کے حق کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کو خوب اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہ غلط ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اپنی روش پر ڈٹے رہتے ہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اہلِ کتاب کی ایک شاطرانہ چال

اہل کتاب (یہود) مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف تدبیریں اختیار کیا کرتے تھے، ان کی ایک تدبیر یہ تھی کہ انہوں نے باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ دن کے آغاز میں سب کے سامنے کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف کر لیں اور شام کو پھر سے کفر اختیار کر لیں، اس طرح کر کے وہ مسلمانوں کے دل میں شبہات پیدا کرنا چاہتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت اور اپنا فضل عطا فرماتا ہے، یہ اہل کتاب صرف حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، کیونکہ انہیں اس بات کی جلن ہے کہ مسلمانوں کو ان کی طرح شریعت اور آسمانی کتاب کیوں مل گئی، جبکہ شریعت اور کتاب کا ملنا اللہ ربّ العزّت کا فضل ہے اور باری تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنا فضل عطا فرماتے ہیں، کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اہلِ کتاب میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ ہیں

اس آیت میں اہل کتاب کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے پاس اگر سونے کا

ڈھیر بھی امانت رکھ دیا جائے تو وہ اس میں ایک پائی کی خیانت نہیں کرتے، بلکہ پورا کا پورا واپس کر دیتے ہیں، جبکہ بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر ایک دینار بھی امانت رکھوا دیا جائے تو اس میں بھی خیانت کرتے ہیں اور ٹال مٹول کر کے اسے ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں، جب تک کہ آپ مسلسل اس کے سر پر کھڑے ہو کر اس سے مطالبہ نہ کرو، وہ امانت لوٹانے پر راضی نہیں ہوتا۔ اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہماری شریعت میں غیر اہل کتاب کا مال ہتھیا لینے کی شرعاً گنجائش ہے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی تردید فرمائی کہ یہ لوگ اللہ ربّ العزّت پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ آیت میں امانتدار کی تعریف کی گئی۔

مفسرین کے مطابق اس آیت کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے پاس کسی نے بھاری بھر کم سونا امانت رکھا، پھر واپس مانگا تو انہوں نے فوراً واپس دے دیا۔ جبکہ خائن کی مذمت کی گئی۔ اس سے مراد یہودیوں کا نامور پادری فخاص بن عاذر ہے، اس کے پاس کسی نے ایک دینار امانت رکھوایا، واپسی کا مطالبہ کیا تو فخاص مکر گیا، اس غریب کے شور کرنے پر بدنامی کے ڈر سے رقم واپس کی۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

نجران کے عیسائیوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلط بیانی

نجران کے عیسائیوں نے دورانِ مکالمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ہمارے بڑوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ میری بندگی کرنا، مجھے ربّ سمجھنا، مذکورہ بالا آیات میں اس کی پرزور تردید کی گئی۔ فرمایا کسی بھی ایسے بشر کو یہ حق نہیں پہنچتا جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب، حکم اور نبوت سے سرفراز فرمایا ہو، وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بنو۔ اس سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں۔

انبیاء علیہم السلام "بشر" ہیں!

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بھی بشر اور انسان ہیں، وہ کسی کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیتے، بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ سب لوگ ربّ والے بن جائیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، توحید اختیار کریں، اس لیے کہ تم کتاب کے معلم اور کتاب کے پڑھنے والے ہو، یہ خطاب عیسائیوں کو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے نام رکھنا جس میں غیر اللہ کی بندگی ظاہر ہو نا جائز ہے، مثلاً عبدالنبی، عبدالرسول، علی بخش، پیراں دتہ وغیرہ۔ نبی یہ بھی حکم نہیں دیتے کہ تم فرشتوں اور بتوں کو ربّ بنا لو۔ یہ تو کافرانہ عمل ہے۔ نبی اسلام پر لاتے ہیں وہ کبھی بھی کفر کی تعلیم نہیں دے سکتے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا
مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا
نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی دلیل

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے تھے، اللہ رَبّ العزّت نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر تمہارے ہوتے ہوئے نبی آخر الزمان کی بعثت ہو جائے تو تم ان پر ایمان لانا اور ضرور ان کی مدد و نصرت کرنا، تمام انبیاء و رسل علیہم السلام نے یہ عہد کیا، اللہ رَبّ العزّت نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ ان سب نے اقرار کیا، تو اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اس عہد اور اقرار پر گواہ ہو جاؤ، میں بھی اس عہد و پیمان کا گواہ ہوں۔

اِسلامی تعلیمات کا خلاصہ

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ دین اسلام کے اظہار کے لیے فرما دیجیے کہ ہم اللہ رَبّ العزّت پر، اس کے نازل کردہ اس حکم پر جو ہماری طرف بھیجا گیا، اور اس حکم پر جو حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب ـ علیہم السلام ـ اور ان کی اولاد میں سے جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، سب پر نازل ہونے والے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ہم ان انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے متعلّق کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں، اور ہم اللہ رَبّ العزّت کی ہی اطاعت و فرمانبرداری بجالاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝

صرف ''اِسلامی طریقہ'' ہی قبول ہے!

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ اب سابقہ ادیان منسوخ ہو چکے، لہٰذا زندگی گزارنے کا صرف ایک ہی طریقہ قبول ہے اور وہ اسلام ہے۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور طریقے کو اختیار کرے گا، وہ طریقہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا، اور اسے آخرت میں خسارہ اُٹھانا پڑے گا۔ افسوس کہ آج امت مسلمہ بھی اسلام کو چھوڑ کر مغربی اور غیر اسلامی طرز اختیار کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک کی حکومتیں غیر اسلامی قانون سازیاں کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سب کو مسترد کر دیا۔

پارہ نمبر ۴

یہ پارہ سورۂ آل عمران کے بقیہ حصے اور سورۃ النساء کے ابتدائی حصہ پر مشتمل ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ
فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ
وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ
اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

نیکی کا کمال، پسندیدہ چیز کی قربانی

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس وقت تک نیکی کے کمال کو نہیں پاسکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ نہ کردو، اور تم جو بھی خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

مذکورہ آیت پر صحابہؓ کا جذبۂ عمل

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ شاگرد اور قرآن کے بلاواسطہ مخاطب تھے، اسی لیے وہ احکام قرآنی کی تعمیل کی بہت تگ و دو کرتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہر ایک صحابی نے اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں پر نظر ڈالی اور انہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

انصار مدینہ میں سب سے مالدار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، مسجد نبوی کے بالکل متصل ان کا باغ تھا، جس میں ایک کنواں ''بیر حاءَ'' کے نام سے موجود تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے، اور ''بیر حاءَ'' کا پانی پیتے تھے، آپ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابوطلحہ کا یہ باغ بڑا قیمتی، زرخیز اور ان کو بہت محبوب تھا، جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ''بیر حاءَ'' وقف کرنے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تو بہت منافع والا باغ ہے، مناسب یہ ہے کہ اس کو اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورے کو قبول فرماکر اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردیا۔ (معارف القرآن)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کنیز تھی، آپ نے اس کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا۔(معارف القرآن)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک گھوڑا لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں یہ گھوڑا اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں، آپ نے اس کو قبول فرمالیا اور ان سے گھوڑا لے کر انہی کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، اور انہیں ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے آپ کا صدقہ قبول فرمالیا ہے۔(معارف القرآن)

عیسائیوں کی طرف سے نبوّت کے متعلّق شبہات

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نجران کے نصاریٰ، جن کا تذکرہ سورت کے شروع میں ہو چکا ہے، کے چند شبہات بیان فرمائے، جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کیے تھے، اللہ رَبّ العزّت نے ان شبہات کی تردید فرمائی۔ان کے شبہات درج ذیل ہیں:

۱۔ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعۃً اللہ کے نبی ہیں تو اونٹ کیوں کھاتے ہیں؟ جبکہ حضرات انبیاء علیہم السلام علیہ السلام پر اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور یہ ہمیشہ سے حرام چلا آرہا ہے۔

۲۔ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ نبیوں کا قبلہ تو بیت المقدس ہے، آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

۳۔ان کا ایک اعتراض اور شبہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو پھر آپ کے ساتھیوں کو اُحد میں شکست کیوں ہوئی؟

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں سوالوں اور شبہات کا تفصیل سے جواب دیا۔

پہلے شبہ کا جواب

پہلے سوال کے جواب میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ اونٹ وغیرہ کی حرمت تمام ادوار میں رہی ہے، بالکل غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل پر تمام چیزیں حلال تھیں، سوائے اونٹ کے گوشت کے، اس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کسی خاص وجہ سے اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا، اور وہ بعد میں ان کی اولاد میں بھی حرام چلا آیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اونٹ کے گوشت کو ترک کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو عرق النساء کا مرض لاحق تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمادیں تو سب سے محبوب کھانا چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہو گئی اور سب سے محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا، تو آپ نے اس کو ترک فرمادیا۔ہماری شریعت میں اس قسم کی منت ماننا جائز نہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب

دوسرے شبہ کے جواب میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ دعویٰ کرنا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ بیت

المقدس تھا، درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا قبلہ اور کعبہ بیت اللہ ہے جو مکہ مکرمہ میں واقع ہے، نہایت بابرکت مقام ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے۔

''بیت اللہ'' کی تین خصوصیات

اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تین خصوصیات بیان فرمائیں:

۱- خانہ کعبہ میں ایسی بہت سی نشانیاں ہیں جو اس کے شرف پر دلالت کرتی ہیں، انہی نشانیوں میں سے ایک مقام ابراہیم ہے، جو کہ ایک پتھر ہے، جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیت اللہ کے قریب نصب فرما دیا، یہ آج بھی موجود ہے اور اس کے قریب نوافل پڑھنے کا حکم ہے۔

۲- بیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا یعنی مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے۔

۳- بیت اللہ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے تمام صاحب استطاعت اہل ایمان پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم اور واجب قرار دیا ہے۔ صاحب استطاعت ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس ضروریات اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک اہل وعیال کا بھی انتظام کر سکے۔ اگر عورت ہو تو اس کے لیے محرم کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا حصہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

یہود ونصاریٰ کی سازش

ایک یہودی شماس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، اس نے ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایک جگہ جمع دیکھا تو حسد سے بے چین ہو گیا، اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگ گیا، آخر یہ تدبیر کی کہ ایک شخص سے کہا کہ ان دونوں قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو جنگ عرصۂ دراز تک رہ چکی ہے اور اس کے متعلق فریقین کے ایک دوسرے کے خلاف فخریہ اشعار ہیں، وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیے جائیں، چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا، فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں تو تو میں میں ہونے لگی، یہاں تک کہ باہم ہاتھا پائی کی نوبت آنے لگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میرے ہوتے ہوئے اور مسلمان ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے! کیا تم کفر میں لوٹنا چاہتے ہو؟ سب متنبہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ شیطانی حرکت تھی، چنانچہ ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان اہل کتاب کی باتوں

میں آجاؤ گے تو یہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر سے کفر میں لوٹا دیں گے، اور تم کفر میں کیسے لوٹ سکتے ہو حالانکہ تم پر صبح وشام اللہ ربّ العزّت کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، لہٰذا ان جھگڑوں وغیرہ میں نہ پڑو اور مضبوطی کے ساتھ اللہ ربّ العزّت کے دین کو تھام لو، کیونکہ جو دین کو مضبوطی سے تھام لے اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت دے دی جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے اُصول

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو مضبوط اور ناقابلِ تسخیر بنانے کے دو اہم اصول بتلائے:

۱۔ تقویٰ: یعنی ان چیزوں سے بچنا جو اللہ ربّ العزّت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں۔

۲۔ باہمی اتحاد و اتفاق اور تفرقہ بازی و اختلافات سے بچنا۔

تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت سے اسی طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ ربّ العزّت کی اطاعت کی جائے، کوئی کام اس کی طاعت کے خلاف نہ ہو، اس کو ہمیشہ یاد رکھیں، کبھی نہ بھولیں، ہمیشہ شکر ادا کریں، کبھی ناشکری نہ کریں۔

اللہ کی رسّی کیا ہے؟

باہمی اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے نہایت بلیغ انداز اپنایا اور حکم فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے، اس میں مفسرین کرام نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے راجح اقوال دو ہیں:

۱۔ اللہ ربّ العزّت کی رسی سے مراد اللہ کا دین ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، کسی بھی حکم میں شریعت کی خلاف ورزی نہ کرو۔

۲۔ اس سے مراد کتاب اللہ ہے، یعنی اللہ کی کتاب اور قرآن کو مضبوطی سے تھامو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ساری اُمّت قرآنِ کریم کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگ جائے تو سارے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں اور تفرقہ بازی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

''باہمی محبّت'' اِنعامِ خداوندی

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے ایک انعام کا تذکرہ فرمایا کہ اس وقت کو یاد رکھو جب تم باہم دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، پھر اللہ ربّ العزّت نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی، جس کی وجہ سے تم

بھائی بھائی بن گئے اور باہم شیر و شکر ہو گئے، اس کے علاوہ تم اعتقادی طور پر اتنے گمراہ تھے کہ گویا جہنم کے دہانے پر کھڑے تھے، تمہارے سامنے صرف ہلاکت اور تباہی تھی، اللہ ربّ العزّت نے تمہیں ہدایت دی اور تمہیں جہنم کی آگ سے محفوظ فرما دیا۔ یہ اس پاک ذات کے انعام ہیں، اس کا شکر ادا کرو اور باہم تفرقہ نہ پھیلاؤ اور دین پر مضبوطی سے جم جاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞

فریضۂ تبلیغ!

ان آیات میں امت کی فلاح کو یقینی بنانے کے لیے ایک اور حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ جس طرح خود کو تقویٰ پر چلنے اور قرآن پاک کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے، اسی طرح دوسروں کی اصلاح کی کوشش اور فکر کرنا بھی ضروری ہے، اسی لیے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے، کفّار کو اسلام اور مسلمانوں کو نیک اعمال اپنانے کی دعوت دے، نیکی کی طرف بلائے اور برائی سے روکے، جو جماعت یہ صفات اپنائے گی، وہ حقیقی کامیابی سے سرفراز ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے فرقہ واریت اور تفرقہ بازی سے کام لیا اور آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنے کے بجائے اختلافات کو فروغ دینے لگے، ایسے لوگوں کے لیے قیامت میں بڑا عذاب ہوگا۔

روزِ محشر رُو سیاہی اور روشن چہرے

روزِ محشر کچھ لوگوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ سیاہ چہرے والوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کافرانہ طرز اختیار کیا، اس کفر کے سبب عذاب برداشت کرو، اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ رحمت خداوندی میں رہیں گے۔

سفید چہرے والے اہلِ سُنّت ہوں گے!

تفسیر درمنثور میں ہے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سفید چہرے والے اہل سنت ہوں گے اور سیاہ چہرے والے اہل بدعت ہوں گے۔ اہل بدعت دین میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کچھ لوگوں کو پانی دینا چاہیں گے، فرشتے روک دیں گے، اور کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے، انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا گھڑ لیا تھا، دین میں کمی بیشی کی تھی۔ آپ فرمائیں گے: "سُحْقًا سُحْقًا" دفع کرو، دفع کرو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ
اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝

اُمّتِ مسلمہ کا اِعزاز

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اس اُمّت کی ایک فضیلت اور اعزاز بیان فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی ذکر فرمائی ہے۔ اور وہ یہ اعزاز یہ ہے کہ یہ اُمّت سب سے بہترین اور افضل اُمّت ہے، اور یہ اعزاز ملنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اُمّت تین صفات سے متصف ہے:

۱۔ اللہ رَبّ العزّت پر ایمان۔

۲۔ امر بالمعروف۔

۳۔ نہی عن المنکر۔

اس کے بعد اہل ایمان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب تک تم دین پر کاربند ہو، تمہیں اہل کتاب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، محض زبانی طور پر برا بھلا کہہ کر تمہیں پریشان کریں گے، اور اگر وہ تم سے لڑائی اور قتال پر آمادہ ہوں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

یہودیوں کے جرائم اور ان کا انجام

اس کے بعد یہودیوں کے چند جرائم کا تذکرہ فرما کر ان کے انجام کو بیان فرمایا۔ یہودیوں کا ایک جرم یہ تھا کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور دوسرا بڑا جرم یہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے تھے، اور ان کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ وہ مسلسل باری تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا کرتے تھے۔

ان جرائم کی وجہ سے اللہ رَبّ العزّت نے انہیں یہ سزا دی کہ ان پر ذلت مسلط کردی گئی، وہ جہاں بھی رہیں گے، ذلیل وخوار اور پست ہو کر رہیں گے، وہ اللہ رَبّ العزّت کے غضب کے مستحق ہیں ہاں اگر کوئی ایسا سبب پایا گیا جو

اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے ہو مثلاً وہ کتابی نابالغ یا عورت ہو کیونکہ انہیں شریعت اسلامیہ میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح اگر صلح کا معاہدہ ہو تو بھی وہ مامون ہوں گے۔

اچھے اہلِ کتاب کی تعریف

گزشتہ آیات میں ان اہل کتاب کا تذکرہ فرمایا جو اللہ رَبّ العزّت کے غضب کے مستحق ہوئے اور دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی ان کا مقدر ٹھہری، ان آیات میں ان کے برعکس ایسے اہل کتاب کی توصیف کی گئی ہے جن کے اندر خیر غالب ہے، ان کی صفات ذکر کی گئی ہے اور ان کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ سارے اہل کتاب برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض ایسے بھی ہیں جو دین حق پر قائم ہیں، راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ رَبّ العزّت کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں، وہ اللہ رَبّ العزّت اور آخرت کے دِن پر پورا ایمان رکھتے ہیں، خود بھی نیکی پر کاربند رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں، نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں، یہ لوگ اللہ رَبّ العزّت کے نزدیک نیک اور صالح لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے جو جو نیکیاں کی ہیں، بارگاہِ خداوندی میں ان کی کوئی ناقدری نہیں کی جائے گی، بلکہ انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

ان آیات کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان جیسے چند دوسرے لوگ ہیں، جو اَصلاً یہودی تھے پھر مشرف با اسلام ہو گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

منافقین و کفّار سے دوستی

مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے، ان کے ساتھ اوس و خزرج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آتی تھی، انفرادی طور پر بھی ان قبیلوں کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے، اور قبائلی حیثیت سے بھی یہ اور یہود ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے، جب اوس اور خزرج کے قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ پرانے تعلقات نبھاتے رہے اور ان کے افراد اپنے پرانے یہودی دوستوں سے اسی محبت و خلوص کے ساتھ ملتے رہے، لیکن یہودیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو دشمنی تھی، اس کی بنا پر وہ کسی ایسے شخص

سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے جو مسلمان ہو گیا، انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آرہے تھے، مگر اب دل میں ان کے دشمن ہو چکے تھے، اور اس ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے، اور یہ کوشش کرتے کہ مسلمانوں کے اندرونی راز معلوم کر کے دشمنوں تک پہنچا دیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تلقین فرمائی کہ اپنے مسلمانوں کے علاوہ کسی کو گہرا اور رازدار دوست نہ بناؤ، کیونکہ جو بھی غیر مسلم ہیں وہ:

۱۔ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

۲۔ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں دین اور دنیا کے اعتبار سے مصیبت اور پریشانی لاحق ہو۔

۳۔ ان کے چہرے اور ان کی باتوں سے تمہارے لیے بغض وعداوت ظاہر ہوتا ہے۔

۴۔ ان کے دلوں میں جو بغض اور حسد پوشیدہ ہے، وہ ان کی علانیہ باتوں سے کہیں زیادہ ہے۔

۵۔ تم (مسلمان) تو ان سے محبت رکھتے ہو لیکن یہ تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے۔

۶۔ یہ جب تمہارے سامنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، لیکن جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔

۷۔ اگر مسلمانوں کو کوئی خوشخبری ملے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی بری حالت پیش آجائے تو اس پر یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

لہٰذا اے ایمان والو! ان کی محبت اور دوستی کا دم نہ بھرو، اور اگر تمہیں ان کی طرف سے نقصان کا اندیشہ ہو تو جان لو کہ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو گے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اللہ ربّ العزّت ان کے اعمال سے واقف ہے، وہ ضرور ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

غزوۂ اُحد کا پس منظر

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اسلام کے معرکۃ الآراء غزوہ احد کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس غزوہ کا کچھ پس منظر ذکر کر دیا جائے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر مشرکین مکہ اور مسلمان مجاہدین کے درمیان جنگ ہوئی جس میں کفار کے ستر نامور شخص مارے گئے، اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اس ذلت آمیز شکست سے مشرکین کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار

مارے گئے تھے ان کے اعزہ واقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی، اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لے لیں، چین سے نہیں بیٹھیں گے، اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ ان کا تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی مہم پر خرچ کیا جائے، سب نے اس بات کو منظور کرلیا، ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ دوسرے بہت سے قبائل بھی مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے، حتی کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ وقت آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں، تقریباً تین ہزار کا یہ لشکر اسلحہ سے لیس ہو کر اُحد پہاڑ کے قریب خیمہ زن ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا، اکثر حضرات نے مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کی رائے دی، چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا، جبکہ عبداللہ بن ابی نے مدینہ منورہ میں رہ کر لڑنے کا مشورہ دیا، تقریباً ایک ہزار لوگوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے، لیکن راستے میں عبداللہ بن ابی منافق تقریباً تین سو آدمیوں کو یہ کہتا ہوا واپس لے گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم آپ کے ساتھ لڑائی میں شرکت نہیں کرتے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو ترتیب دیا، صف آرائی اس طرح کی گئی کہ اُحد پہاڑ کو پشت کی جانب رکھا گیا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم (جھنڈا) تھمایا گیا، پشت کی طرف سے اندیشہ تھا کہ دشمن ادھر سے حملہ نہ کردے، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا دستہ وہاں مقرر کردیا گیا، اور انہیں ہدایات دی گئیں کہ وہ پیچھے کی جانب سے حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں، لڑنے والوں کی فتح وشکست سے کوئی سروکار نہ رکھیں، کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، ابتداء مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، یہاں تک کہ مقابل فوج میں ابتری پھیل گئی، مسلمان سمجھے کہ فتح ہوگئی، مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے، ادھر جن تیر اندازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کی جانب حفاظت کے لیے بٹھایا تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھی کرنے آنے لگے، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ جو ان کے امیر تھے، نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلایا، مگر چند آدمیوں کے علاوہ باقی سب چلے گئے، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب سے حملہ کردیا، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ہمت اور بہادری سے ان کا مقابلہ کیا، مگر مدافعت نہ کرسکے، دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہوئے، اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا، مسلمان دلجمعی سے لڑتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی ہو گئے، ستر مسلمان شہید ہوئے، کئی صحابہ کرام شدید زخمی ہوئے، اس شکست کے بعد مسلمان حد درجہ پریشان رہے، اور یہ عارضی شکست چند اسباب کا نتیجہ تھی، قرآن مجید نے ہر سبب کا تذکرہ فرما کر مسلمانوں کو آئندہ کے لیے محتاط رہنے کی تلقین فرمائی۔

ان آیات میں سب سے پہلے اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ اُحد کے آغاز کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے اور جنگ کے لیے مسلمانوں کو مختلف جگہوں پر تعینات کر رہے

تھے، اور اس وقت کو بھی یاد کیجیے جب تمہاری دو جماعتیں ہمت ہارنے ہی والی تھیں اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں، لیکن اللہ ربّ العزّت نے انہیں ثابت قدم رکھا، ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں، ان دونوں نے عبداللہ بن ابی کو واپس جاتے دیکھ کر کمزوری اور کم ہمتی محسوس کی، لیکن اللہ ربّ العزّت نے ان کی مدد فرمائی اور اس وسوسے کو دور کر دیا۔ اور یہ مدد اللہ ربّ العزّت نے پہلی مرتبہ نہیں فرمائی، بلکہ اس سے پہلے بھی ہر موقع پر اور خاص طور پر بدر کے موقع پر باری تعالیٰ نے آپ کی مدد و نصرت فرمائی تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور سامان جنگ بھی بہت قلیل مقدار میں تھا، اور آپ کو فتح و کامیابی سے ہمکنار فرمایا تھا، اور اس مدد و نصرت کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ ربّ العزّت نے کثیر تعداد میں فرشتے نازل فرمائے۔

غزوۂ بدر میں فرشتے نازل کیے جانے کا مقصد

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ
يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ
فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ بدر کے موقع پر فرشتے نازل کیے جانے کا تذکرہ فرمایا اور ان کو نازل کرنے کی حکمت اور مقصد بھی بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین سے فرما رہے تھے کہ اللہ ربّ العزّت تمہاری مدد و نصرت کے لیے تین ہزار فرشتے نازل فرمائیں گے، اور اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو اللہ ربّ العزّت پانچ ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد و نصرت فرمائیں گے۔ یہ فرشتے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تسلی اور ان کے دل کو تقویت مل جائے اور انہیں فتح کی خوشخبری سنائی جائے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

شانِ نزول

غزوۂ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا، اور آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ کلمات نکلے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بددُعا کے کلمات کہنے سے روک دیا، اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیجیے، وہ چاہے تو انہیں ہدایت سے نواز دے اور چاہے تو ہلاک کر دے، آپ ان کو بددُعائیں نہ دیجیے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

''سُود'' کی ممانعت

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے سود کی حرمت اور ممانعت کو بیان کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو سود کھانے سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اپنے اصل مال سے کئی گنا زیادہ سود مت کھاؤ۔ یہاں کئی گنا زیادہ سود کھانے سے ممانعت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اگر تھوڑا سا سود ہو تو وہ جائز ہے، بلکہ یہاں سود کی قباحت کو بیان کرنے کے لیے اس لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس آگ سے بچنے کی کوشش کرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے سلسلہ میں سود سے متعلق سب لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، کھلانے والے پر، گواہ بننے والے اور لکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی۔

وَسَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝

جنّت کا مستحق کون؟

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہلِ ایمان کو جنّت اور مغفرت پانے کا طریقہ بتایا ہے اور ان لوگوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو جنّت کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ باری تعالیٰ کی مغفرت اور عظیم الشان جنّت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو، جنّت اسے ہی ملے گی جو حقیقی معنی میں متقی ہوگا اور اس میں درج ذیل صفات پائی جائیں گی:

۱۔ جو تنگی اور فراخی دونوں صورتوں میں اللہ ربّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔

۲۔ جو غصّے پر قابو پانے والے ہوں۔

۳۔ جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

۴۔ ان کا ایک وصف یہ ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی یا گناہ ہوجائے تو فوراً اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرتے ہیں، باری تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں اور اس گناہ سے توبہ کرتے ہیں، گناہ پر جمتے نہیں ہیں۔

جن متقین میں یہ اوصاف پائی جائیں ان کی جزا یہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت ان کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور انہیں ایسی جنتیں عطا فرماتے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

حضرت علی ابن حُسین رضی اللہ عنہما کے عفو کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی ابن حسین رضی اللہ عنہما کے اوپر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی، یہ سنتے ہی خاندانِ نبوّت کے اس چشم و چراغ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، بالکل خاموش ہوگئے، پھر کنیز نے اس آیت کا دوسرا جملہ پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اس نے آیت کا تیسرا جملہ پڑھ دیا، جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے، آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ (معارف القرآن)

إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۚ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

مسلمانوں کو تسلی اور واقعہ اُحد کی حکمتیں

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تسلی دی کہ اگر تمہیں احد میں شکست کا سامنا کرنا پڑا، تمہارے ستر افراد شہید ہوگئے، اور کئی افراد زخمی ہوگئے، تو اس پر گھبراؤ نہیں، ایسی ہی صورتحال تمہارے مخالفین کو بھی تم سے پہلے بدر میں پہنچ چکی ہے، اور یہ شکست عارضی ہے، اگر تم تقویٰ پر جمے رہو گے تو تمہیں پھر سے فتح نصیب ہوگی۔

اس صورتحال اور عارضی شکست میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں، ایک تو تمہیں شہادت کے عظیم الشان مرتبے پر فائز کرنا تھا، اور دوسری حکمت یہ تھی کہ اللہ ربّ العزّت ایمان والوں کا امتحان لینا اور انہیں گناہوں سے پاک کرنا چاہتا تھا، اور ایک حکمت یہ بھی تھی کہ کفّار کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ اس فتح سے ان کی ہمت بڑھے گی اور وہ پھر مقابلہ پر آئیں گے، تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائیں گے اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝

صحابہ کرامؓ کو مشفقانہ تنبیہ

غزوۂ اُحد کی عارضی شکست کے وقت کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، تو صحابہ کرام کے اوسان خطا ہو گئے، اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ان میں سے ایک جماعت میدان جنگ سے پیچھے ہٹنے لگی، اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دین وعبادت اللہ تعالیٰ کے لیے اور جہاد اسی کے لیے ہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے، اگر بالفرض یہ خبر صحیح بھی ہوتی تو بہرحال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے، اگر مقتداء کا انتقال ہو جائے تو دین ختم نہیں ہو جاتا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی ہیں، خدا تو نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر آپ کی وفات ہو جائے یا آپ کو شہید کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ رَبُّ العزّت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھی ہوئی ہے، اس کی تاریخ، دن اور وقت متعین ہے، نہ اس سے پہلے کسی کو موت آسکتی ہے نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے، پھر کسی کی موت سے ایسے سراسیمہ ہو جانے کے کوئی معنی نہیں۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے اَسباب

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے فرمایا کہ ہم نے تو حسب وعدہ مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی تھی، لیکن ان کی اپنی ایک لغزش کی وجہ سے فتح ظاہری شکست میں تبدیل ہو گئی، یہ محض ایک امتحان اور ابتلاء تھا، لیکن اس شکست کے چند ظاہری اسباب بھی تھے، جو درج ذیل ہیں:

۱- رائے کی کمزوری۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دستہ درہ پر مقرر فرمایا تھا اور انہیں ہدایات فرمائی تھیں، اس میں بعض کو غلط فہمی ہو گئی اور وہ اپنی مقررہ جگہ چھوڑ بیٹھے، جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ اُلٹ گیا۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں باہمی اختلاف۔

۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے معافی کا اِعلان

ان تین وجوہات کی بنا پر جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی، اللہ رَبُّ العزّت نے ان صحابہ کو تنبیہ فرمائی اور

اس کے بعدان کی معافی کا بھی اعلان فرمادیا کہ ہم نے ان تمام صحابہ کوجن سے یہ لغزش ہوئی، معاف کردیا ہے، اس لیے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ غزوۂ احد کے واقعے کو بنیاد بنا کرصحابہ کرام پرسب وشتم کرے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

غزوۂ اُحد میں اللہ ربّ العزّت کی خاص رحمت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ احد والے واقعہ پر صحابہ کرام کے حزن وغم کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر اس غم کے ازالہ کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم میدان جنگ سے جارہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار کے باوجود تم پلٹ کر نہ آئے، پھر تمہیں اس بات پر شدید رنج وغم نے آلیا، پھر اللہ ربّ العزّت نے تمہارے غم کو دور کرنے کے لیے تم پر اونگھ مسلط کردی، جس کی وجہ سے سارا غم اور پریشانی دور ہوگئی، اور اللہ ربّ العزّت نے تمہیں ہمت اور طاقت عطا کردی۔

البتہ منافقین کو اللہ ربّ العزّت نے اس سکون اور چین سے محروم رکھا، انہیں اپنی جان کے لالے پڑے رہے، اور وہ اللہ ربّ العزّت کے بارے میں غلط غلط گمان کرنے لگے، اور کہنے لگے کہ ہم تو بے اختیار تھے، ہمیں زبردستی یہاں لایا گیا، اگر ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں مقتول نہ ہوتے، اللہ ربّ العزّت نے ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، وہ اگر چاہے تو تمہیں تمہارے گھروں میں بھی موت آسکتی ہے۔

غزوۂ اُحد میں لغزش پر صحابہ کرامؓ کو معافی دینے کا دوبارہ اعلان

آیت نمبر ۱۵۵ میں فرمایا کہ جو لوگ جنگ کے موقع پر پیچھے چلے گئے، ان کو شیطان نے ان کی بعض کوتاہیوں کی وجہ سے پھسلا دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرچکے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، حوصلہ والے ہیں۔

غزوۂ احد میں ان لغزشوں پر خدا تعالیٰ کی جانب سے معافی کے اعلان کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

کو مطعون کرنا، ان پر لوٹ مار کے الزامات لگانا، اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حق تلفی ہے۔ عام مسلمان کو بھی غلطی سے توبہ کر لینے کے بعد گناہ کا طعنہ دینا درست نہیں، صحابہ کرام کا تو مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ ۚ وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ ۪ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ وَشَاوِرۡہُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۚ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ﴿۱۵۹﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اخلاق اور داعی کے لیے صفات

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں اور غزوۂ اُحد میں ہونے والی غلطی کے سبب آپ کے دل میں تکدر پیدا ہونے کا جو اندیشہ تھا، اس کو دور کرنے کے لیے چند ہدایات بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! اللہ ربّ العزّت کی رحمت اور اس کے فضل کی وجہ سے آپ نرم خو طبیعت کے مالک ہیں، اسی وجہ سے آپ نے صحابہ کرام کی اس غلطی کے باوجود ان پر سختی نہیں فرمائی، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت زبان اور سخت طبع ہوتے تو جو اصلاح کا کام آپ کے سپرد تھا وہ ٹھیک طرح سے ادا نہ ہو پاتا، اور لوگ آپ کے قریب ہونے کے بجائے آپ سے دور ہو جاتے۔

اس سے دعوت و تبلیغ کرنے والوں کے لیے ایک نہایت اہم اصول معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کے کام سے وابستہ ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ صفات (نرمی، رحمت و شفقت اور عفو و درگزر، مشورہ اور ساتھیوں کے لیے استغفار) اپنے اندر پیدا کرے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی کہ آپ ان کو درگزر کر دیجیے، ان سے جو غلطی ہو گئی ہے اس کو معاف فرما دیں، اور ان کے لیے اللہ ربّ العزّت سے بھی مغفرت طلب کریں، ان کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ چھوڑیں، اور حسبِ سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی کر لیا کریں، تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے اور انہیں اطمینان ہو جائے کہ آپ ان سے راضی ہیں۔

وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللّٰہِ کَمَنۡۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاۡوٰىہُ جَہَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۶۲﴾ ہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ۚ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۶۴﴾

”مالِ غنیمت“ کی چوری کبیرہ گناہ ہے!

غزوۂ بدر میں مال غنیمت میں ایک چادر گم ہو گئی بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی

ہو، یہ کہنے والے اگر منافق تھے تو کوئی بعید بات نہیں، اور ممکن ہے کہ کوئی ناسمجھ مسلمان ہی ہو اور اس نے یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار ہوگا، یہ بات کردی ہو، اس پر مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت نازل ہوئی، اور اس میں اللہ ربّ العزّت نے یہ واضح فرمادیا کہ مالِ غنیمت میں چوری کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور نبی تو صغیرہ گناہ سے بھی پاک ہوتا ہے، اس لیے کسی نبی کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ اس نے مالِ غنیمت میں چوری کی ہوگی، سخت جسارت ہے۔

مالِ غنیمت کی چوری، عام چوری سے اس لیے زیادہ قبیح جرم ہے کہ غنیمت میں پورے لشکرِ اسلام کا حق ہوتا ہے، تو جس نے اس میں چوری کی، اس نے گویا سینکڑوں آدمیوں کا مال چرایا، یہی حکم مدرسہ اور مسجد یا کسی وقف ادارہ کے مال کا ہے، کیونکہ اس میں بھی کئی لوگوں کا مال مشترک ہوتا ہے، اور بسا اوقات ان میں سے کئی افراد نامعلوم ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کی تلافی بھی نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے ہمارے اکابر مدرسہ کے وقف مال میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جو کوئی خیانت کرتا ہے، روزِ حشر خیانت کا مال لے کر ربّ کے حضور پیش ہوگا جو بہت بڑی رُسوائی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اِحسانِ عظیم ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ فرماتے ہوئے اسے اپنا احسان قرار دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی بیان فرمائے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے مؤمنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمادیا ہے، جن کے فرائضِ منصبی میں چار کام شامل ہیں:

۱۔ اللہ ربّ العزّت کی آیات پڑھ کر سنانا۔

۲۔ صحابہ کرام کا تزکیہ نفس اور اصلاح کرنا۔

۳۔ مسلمانوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا اور سکھانا۔

۴۔ مسلمانوں کو اپنی سنّت کی تعلیم دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن مجید پڑھنا اور سمجھنا اُمّت کے لیے ضروری ہے، اسی طرح احادیث مبارکہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ دین پر عمل نہیں ہوسکتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''شہید'' کے فضائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت کی راہ میں شہید والوں کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

۱-پہلی فضیلت یہ ہے کہ شہید مرتا نہیں ہے، بلکہ حقیقی اور دائمی زندگی کا مالک بن جاتا ہے، اور ایک خاص قسم کی حیات اسے اللہ ربّ العزّت کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہے۔

۲-دوسری فضیلت یہ ہے کہ انہیں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے جنّت کا رزق دیا جاتا ہے۔

۳-تیسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اسے ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ خوش رہے گا۔

۴-چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اس کے وہ متعلقین جو دنیا میں رہ گئے، ان کے متعلق بھی یہ خوشخبری ہوتی ہے کہ اگر وہ نیک اعمال اور جہاد میں معروف رہے تو ان کو بھی یہی نعمتیں ملیں گی۔

۵-پانچویں فضیلت یہ ہے کہ انہیں کبھی کوئی خوف اور غم لاحق نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ خوش وخرم رہیں گے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝

غزوہ حمراء الاسد

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ احد سے متعلق ایک اور غزوہ کا ذکر فرمایا ہے جو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے۔ حمراء الاسد، مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کفّارِ مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے تو راستے میں پہنچ کر اس پر انہیں افسوس ہوا کہ ہم غالب آ جانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے، ہمیں چاہیے تھا کہ ایک ہلہ بول کر سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے، چنانچہ ان سب نے ایک بار پھر مدینہ منورہ لوٹنے کا ارادہ کر لیا، لیکن اللہ ربّ العزّت نے ان کے دل میں رعب ڈال دیا اور سیدھے مکہ مکرمہ چلے گئے، لیکن بعض مسافروں سے جو مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے، یہ کہہ گئے کہ تم جا کر کسی طرح مسلمانوں کے دل میں ہمارا رُعب جماؤ کہ وہ پھر لوٹ کر آ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو گئی، اور آپ نے صحابہ کرام میں اعلان کر دیا کہ مشرکین کے تعاقب میں جانا ہے، یہ اعلان سن کر تمام صحابہ کرام زخموں سے چور ہونے کے باوجود تیار ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمراء الاسد نامی مقام تک ان کا تعاقب کیا، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو نُعیم بن مسعود ملا، اس نے خبر دی کہ ابوسفیان نے اپنے ساتھ مزید لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا ہے، صحابہ کرام نے اس بات کو سن کر کوئی اثر نہ لیا بلکہ یک زبان ہو کر بولے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر ان صحابہ کرام کی توصیف فرمائی۔ (معارف القرآن)

ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے غزوۂ احد میں زخم کھانے اور مشقتیں برداشت کرنے کے باوجود اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا اور نیکی اور تقویٰ میں کمال پیدا کیا، ان کے لیے اللہ ربّ العزّت نے بڑا اجر تیار کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان سے دوسرے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف دشمنوں نے بڑا سامان اکٹھا کیا ہے، ان سے ڈرو اور جنگ کا ارادہ نہ کرو، تو اس خبر نے ان کا جوشِ ایمان مزید بڑھا دیا اور انہوں نے ان لوگوں کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے یک زبان ہو کر ہمت اور جذبے سے کہا: ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کہ ہمیں ہمارا اللہ کافی ہے، وہی بہترین کارساز ہے۔ اللہ ربّ العزّت کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، اس لیے باری تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمت اور فضل سے نوازا اور وہ اس حال میں وہاں سے لوٹے کہ انہیں کوئی تکلیف یا دشواری نہیں پہنچی۔ اللہ رب العزت نے انہیں تین نعمتیں عطا فرمائیں:

۱۔ کافروں کے دل میں رُعب و ہیبت ڈال دی، اور وہ لوگ بھاگ گئے، جس کی وجہ سے یہ لوگ قتل وقتال سے محفوظ رہے۔

۲۔ صحابہ کرام کو حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کا موقع ملا، اور اس مال سے خوب منافع حاصل ہوئے۔

۳۔ تیسری اور سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ان حضرات کو رضائے الٰہی کا پروانہ نصیب ہوا۔

مذکورہ آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس مشکل وقت میں وارد ہونے والے ورد ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کا ذکر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں اور جملہ انبیائے کرام علیہم السلام نے مشکلات میں یہی وظیفہ پڑھا: ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' (صحیح بخاری: ۴۵۶۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس جملہ کی خاصیات پر کتاب تحریر فرمائی ہے۔ ہمارے بزرگ ہر مشکل کے لیے یہ وظیفہ بتاتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

دو شبہات کے جواب

۱۔ ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے (جیسا کہ آج کل بعض مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے) کہ اگر کافر اللہ ربّ العزّت کے نزدیک

مبغوض ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک فرما دیتے اور ان پر اپنا عذاب نازل فرماتے، لیکن باری تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرماتے، بلکہ انہیں دولت و شہرت سے نوازتے ہیں، اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہمارا ان کافروں پر عذاب نہ اتارنا اور انہیں دنیوی نعمتیں فراہم کرتے جانا اس وجہ سے نہیں کہ میں ان سے راضی ہوں، بلکہ یہ ان کے لیے ڈھیل ہے، تاکہ وہ اپنی سرکشی اور گناہوں میں مزید بڑھتے چلے جائیں، ایک دن آئے گا جب ان کو ان کے گناہوں کی دردناک سزا ملے گی۔

۲۔ایک شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر مؤمنین اللہ ربّ العزّت کے پسندیدہ ہوتے اور اللہ ربّ العزّت ان سے راضی ہوتا تو ان پر مشکلات اور مصائب نہ آتیں، بلکہ وہ عیش و عشرت میں رہتے۔

اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مؤمنین پر دنیا میں سخت حالات اور مشکلات کا آنا اس وجہ سے نہیں کہ باری تعالیٰ ان سے ناراض ہے، بلکہ یہ حالات اور مصائب ابتلاء اور آزمائش کے لیے ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ربّ العزّت حقیقی مؤمن اور منافق کو واضح فرمادے، اور اس کے لیے اگرچہ باری تعالیٰ منافقین کے نام بھی گنوا سکتے تھے، لیکن بجائے اس کے اللہ ربّ العزّت نے امتحان کا عملی طریقہ کار اس لیے اختیار فرمایا کہ وہ غیب کی باتیں ہر کسی کے سامنے بیان نہیں فرماتے بلکہ مخصوص افراد یعنی انبیاء و رسل وغیرہ کو ہی غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔

بخل اور زکوٰۃ نہ دینے کا وبال

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے بخل کی مذمت اور اس کا وبال بیان فرمایا ہے۔ بخل سے مراد یہ ہے کہ جو چیز اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو، اس کو خرچ نہ کرے، اسی لیے بخل حرام ہے اور اس پر جہنّم کی وعید ہے۔ اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے بخل کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بخیل یہ نہ سمجھیں کہ بخل کرنا ان کے لیے بہتر ہے یا اس سے ان کا مال بچ جائے گا، حقیقت یہ ہے کہ بخل بذاتِ خود اور بخل کرنے والے کے لیے بہت بری بات ہے، اور جو لوگ بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس چیز کو جس کے دینے میں بخل کیا تھا، طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ ربّ العزّت نے کوئی مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور تیرا سرمایہ ہوں۔ (سنن صغریٰ بیہقی: ۱۲۱۱)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

یہود کی گستاخی اور اس کی سزا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زکوٰۃ وصدقات کے احکام بتائے اور آیت "من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا" نازل ہوئی، تو یہودی اللہ ربّ العزّت کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ومحتاج ہوگیا ہے، اور ہم مالدار ہیں، اسی لیے تو ہم سے مانگتا ہے (نعوذ باللہ)، اللہ ربّ العزّت نے ان کی اس گستاخی کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ گستاخیاں یہ لوگ کر رہے ہیں ہمارے فرشتے ان سب کو لکھ رہے ہیں، اور ان کا سارا ریکارڈ محفوظ ہو رہا ہے، ان کے جرائم کی فہرست بہت لمبی ہے، ان کا ایک بڑا جرم یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ انہیں قتل کرنے سے بھی باز نہ رہے، سو عنقریب ان کو ان کے جرائم کی دردناک سزا دی جائے گی اور انہیں جہنّم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کی ایمانی غیرت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لیے قرآنی شہادت

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے "بیت المدراس" تشریف لائے (یہ یہودیوں کا بڑا تعلیمی مرکز اور ادارہ تھا)، وہاں مجمع جمع تھا اور یہودیوں کا پیشوا فنحاص بھی موجود تھا، اس کے ساتھ یہودی عالم اشیع بھی موجود تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فنحاص کو دعوت ایمان دی، اور اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات تورات میں مذکور ہیں، یاد دلائیں۔ فنحاص نے کہا ہمیں اللہ ربّ العزّت کی ضرورت نہیں، اللہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) وہ ہماری جانب ایسے ہی عاجزی کر رہا ہے جیسے ہم اس کے ساتھ کرتے ہیں، لہٰذا ہم اس سے زیادہ غنی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ غنی ہوتا تو وہ ہم سے قرضے نہ مانگتا، وہ ہمیں سود سے منع نہ کرتا اور سود ہمیں ملتا، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے گستاخ کے چہرے پر تھپڑ رسید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے دشمن خدا! قسم بخدا!! اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اُڑا دیتا، جاؤ ہمارے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو، کر گزرو!

فنحاص نے اس کی شکایت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی اور کہا کہ آپ کے یار نے ہمارے ساتھ یوں زیادتی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں

نے فرمایا: اللہ کے اس دشمن نے بدترین گستاخی کی ہے جس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔ فنحاص اپنی گستاخی سے مکر گیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

یہود کا اللہ تعالیٰ پر بہتان اور جوابِ خداوندی

اس کے بعد یہود کا ایک بہتان ذکر فرمایا۔ یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے یہ حیلہ پیش کیا کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ صدقات کے مال کسی جگہ رکھ دیے جاتے تھے، اور آسمانی آگ ان کو آکر جلا دیتی تھی، یہی صدقات کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا، اس کو یہودیوں نے بہانہ بنایا اور کہنے لگے کہ اللہ ربّ العزّت نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس شخص پر ایمان نہ لائیں جس سے صدقات کو آگ لگنے والا یہ معجزہ ظاہر نہ ہو۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو جن انبیاء علیہم السلام نے یہ معجزہ دکھایا تھا، ان پر تو تم ایمان لاتے، مگر تم نے تو ان کی بھی تکذیب کی بلکہ ان میں سے بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔

تسلیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اے نبی! اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ غمگین نہ ہوں، کیونکہ آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء گزرے ہیں، ان سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے، انہیں بھی ان کی اُمتوں نے جھٹلایا اور انہیں تکالیف پہنچائیں، انہوں نے صبر کیا، لہٰذا آپ بھی صبر کیجیے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ
إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ
الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ
بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

عقل مند کون ہیں؟

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آسمان وزمین کی تخلیق اور رات اور دن کے مرتب نظام میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ عقل والے کون ہوتے ہیں؟ ان کی علامات اور نشانیاں باری تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہیں اور ان کے اوصاف بھی ذکر فرمائے ہیں۔

پہلا وصف

ان کا پہلا وصف یہ ہے کہ وہ ہر حال میں یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں، بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے، غرض ہر حال میں اللہ ربّ العزّت کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور باری تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں۔

دوسرا وصف

ان کا دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ آسمان وزمین اور پروردگارِ عالم کی دیگر صناعی میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس غور وفکر کے نتیجے میں انہیں باری تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اور وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے پروردگار! آپ نے یہ مخلوقات بلاوجہ پیدا نہیں فرمائیں۔ اسی معرفت کے نتیجے میں وہ اللہ ربّ العزّت کی عظمت کو پہچان کر اس سے دُعائیں کرتے ہیں، ان میں سے بعض دُعاؤں کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

نیک لوگوں کی دُعائیں

۱- ان کی پہلی دُعا یہ ہے کہ اے ہمارے ربّ ہمیں جہنم کے عذاب سے بچائیے۔

۲- ان کی دوسری دُعا یہ ہے کہ ہمیں آخرت کی رسوائی سے بچائیے، کیونکہ جن لوگوں کو آپ نے جہنم میں داخل کر دیا، گویا اس کو سارے جہان کے سامنے رُسوا کر دیا۔

۳- ہم نے آپ کی طرف سے آنے والے منادی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سنا اور اس پر ایمان لائے، تو آپ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجیے، اور ہمارے عیوب اور برائیوں کا کفّارہ فرما دیں اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت عطا فرما۔

۴- چوتھی دُعا یہ تھی کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ جنّت کی نعمتوں کا جو وعدہ ہم سے فرمایا تھا وہ ہمیں اس طرح عطا فرمایئے کہ قیامت میں کوئی رسوائی اور مواخذہ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعائیں قبول فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کسی عمل کرنے والے کا عمل

ضائع نہیں فرماتے، لہٰذا جو بھی نیک عمل کرے گا اللہ ربّ العزّت اس کو اس کا بدلہ اور اجر عطا فرمائیں گے، ان کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اور انہیں ایسی جنتیں عطا فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

کامیابی کے چار اہم اُصول

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے اہل ایمان صبر کرو، دشمن کے مقابلہ میں جمے رہو، دشمن کے مقابلہ میں تیار رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

مذکورہ بالا آیت سورۂ آل عمران کی آخری آیت ہے، اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر کامیابی کے چار اصول بیان فرمائے ہیں، یہی آیت پوری سورت آل عمران کا خلاصہ ہے۔

۱۔ **صبر**: صبر سے مراد دین پر جمے رہنا، گناہوں سے بچنا اور مصائب پر ثابت قدم رہنا ہے۔

۲۔ **مصابرہ**: اس سے مراد دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا اور زیادہ شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

۳۔ **مرابطہ**: دشمنانِ دین سے مقابلہ کے لیے ہر وقت خود کو تیار رکھنا، تاکہ دشمن اسلامی سرحد کی طرف رخ کرنے کی جرات نہ کرے۔ یا شیطان سے حفاظت کے لیے دین کے احکام پر عمل کرنا۔

۴۔ **تقویٰ**: ان تینوں کے ساتھ ہر آن، ہر لحہ اور ہر موقع پر اللہ ربّ العزّت سے ڈرنا۔

جس شخص یا جماعت کے اندر یہ چار صفات پیدا ہو جائیں وہ دنیا بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں عقیدہ کی پختگی اختیار کرنے اور توحید کو اپنانے کو حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ آیات محکمات پر عمل کرنے، اور آیات متشابہات کی ٹوہ اور تحقیق میں نہ پڑنے اور اس سلسلے میں راسخین فی العلم کی راہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ دُنیا کی محبت اور خواہشات نفسانیہ سے اپنے آپ کو بچاؤ، یہ ثابت قدمی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں۔

۴۔ مناقشہ و مباحثہ سے قبل متفقہ اور مشترک امور کا تعین کرو، تاکہ بات کسی نتیجہ تک پہنچ سکے۔

۵۔ اسلام اعتدال پسند دین ہے، اس لیے سب کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کے بجائے، اچھوں اور بروں کے بارے میں انصاف سے کام لو۔

۶۔قرآنِ کریم حق اور ثابت قدمی کا راستہ ہے۔

۷۔اگر ثابت قدمی مطلوب ہوتو قرآنِ کریم، دین دار طبقہ اور صالحین کی صحبت کو اختیار کرو، نیز اپنے آپ کو اختلاف سے بچاؤ۔

۸۔محض شخصیت پرست مت بنو، نظریاتی بنو، پختہ نظریات اپناؤ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مقتدیٰ شخصیات کی اتباع کرو۔

۹۔گناہوں اور معصیات سے بچو، بعض معاصی شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

۱۰۔اپنے امیر اور سپہ سالار کے حکم کی اطاعت کرو، کیونکہ ایک صاحب بصیرت سپہ سالار کے حکم کی مخالفت کا نتیجہ شکست کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔

۱۱۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُحد کے دن زخم پہنچنے کے واقعے کے ضمن میں، تمام دعوت کا کام کرنے والے افراد کو اس کٹھن راستے میں پہنچنے والی ہر طرح کی تکالیف اور قید و بند کی صعوبتوں پر صبر کی تلقین ہے۔

۱۲۔ہر مخلص حاکم، دانشور، راہنما اور سچے داعی کو اپنے ماتحت افراد سے اجتماعی کاموں میں مشورہ کر لینا چاہیے، اور ان کے اچھے مشورے کو قبول کرنا چاہیے۔

۱۳۔اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھو، کمزور نہ پڑو، نہ ہی غمگین رہو، اگر تم واقعی مومن ہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔

۱۴۔ہماری کوئی بھی تخلیق فضول نہیں ہے، خاص مقصد کے لیے ہے، اس لیے اپنے دل کے اندر دربارِ الٰہی میں جواب دہی کا احساس پیدا کر کے، اپنی زندگی کا حقیقی ہدف متعین کرو۔

۱۵۔خود بھی صبر کرو دوسروں کی بھی صبر میں معاونت کرو۔ ہر خطرہ کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھو۔

۱۶۔دشمن، لشکر کی شکل میں ہو یا فکر و نظر اور شبہات کی شکل میں ہو، ہر حال میں اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھو۔

تمت سورۃ آل عمران بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ النِّسَآء

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں چوتھے (۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے بیانوے (۹۲) نمبر پر ہے۔ چوبیس (۲۴) رکوع اور ایک سو چھہتر (۱۷۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔ سورۃ النساء: ''نساء'' عربی زبان میں ''امراۃ'' کی جمع ہے، عورتوں کو کہا جاتا ہے، چونکہ اس سورت میں عورتوں کے حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اسے سورۃ النساء کہتے ہیں۔

۲۔ سورۃ النساء الکبریٰ: اس سورت کو بڑی سورت النساء بھی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ الطلاق کو بھی سورت النساء کہا جاتا ہے، تو ان دونوں سورتوں میں فرق کرنے کے لیے اس سورت کو سورۃ النساء الکبریٰ (بڑی) کہہ دیا جاتا ہے اور سورۃ الطلاق کو سورت النساء الصغریٰ (چھوٹی) کہہ دیتے ہیں۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت کے آخر میں تقویٰ کا ذکر تھا، اس سورت کے آغاز میں تقویٰ کا ذکر ہے۔

۲۔ سورۂ بقرہ میں یہود کی اصلاح کا بیان تھا، سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کی اصلاح کا بیان تھا اور اس سورت میں اہلِ عرب کی اصلاح کا بیان ہے۔

سورت کی فضیلت

حدیث میں ہے کہ جس شخص نے ''سبع طوال'' (سات لمبی سورتیں) حاصل کرلیں وہ عالم ہے۔ ''سبع طوال'' درج ذیل ہیں:

۱-بقرہ۔ ۲-آل عمران۔ ۳-نساء۔ ۴-مائدہ۔
۵-انعام۔ ۶-اعراف۔ ۷-توبہ۔

(شعب الایمان بیہقی: ۲۱۹۱)

مرکزی موضوع

۱-اس سورت کا مرکزی موضوع، اسلامی ریاست کے مفلوک الحال طبقات کے لیے قرآنی دفعات بیان کرنا ہے۔

۲-سورت کا مرکزی موضوع، عدل اور رحمت کو اجاگر کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں احکام رعیت، یعنی عوام سے متعلق نظام مملکت کی دفعات بیان کی گئی ہیں۔

۲-سورت میں احکام سلطانی، یعنی وہ احکام جن میں خاص طور پر حکمرانوں کو مخاطب بنا کر عوام کے حقوق سے انہیں آگاہ کیا گیا ہے، ذکر کیے گئے ہیں۔

۳-سورت میں ازالہ شرک، یعنی شرک کی مذمت اور تردید کی گئی ہے اور توحید کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۴-سورت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لاحق ہونے والے بعض شبہات اور خدشات کے جوابات بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔

۵-معاشرے کی بنیاد گھرانہ ہوتا ہے۔ سورت میں مرحلہ وار خاندان کی بنیادوں کو بیان کیا گیا ہے۔

۶-معاشرے کو بے حیائی سے محفوظ رکھنے کے لیے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۷-بے حیائی کے اسباب منقطع کیے گئے ہیں۔

۸-بدکاروں کی اصلاح اور ان کے لیے توبہ کے دروازے کے کھلے ہونے کو بیان کیا ہے۔

۹-خواتین کے حقوق اور مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۰-رشتہ داروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا بیان ہے۔

۱۱-سب طبقات بالخصوص اقلیتوں اور کمزوروں کے ساتھ عدل کا بیان ہے۔

۱۲-عقائد کو غلو اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا
وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

’’تقویٰ‘‘ اور ’’صلہ رحمی‘‘ کا حکم

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے دو حکم ارشاد فرمائے ہیں: ایک تقویٰ کا اور دوسرا صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات خطبۂ نکاح میں پڑھا کرتے تھے، اسی لیے اس آیت کا خطبۂ نکاح میں پڑھنا مسنون ہے۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! اس پروردگار سے ڈرو، جس نے تم سب کو ایک ہی انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، اور انہی آدم علیہ السلام سے ان کی زوجہ اماں حوا علیہا السلام کو پیدا کیا گیا، پھر اس مقدس جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کی گئیں۔ تو چونکہ سب بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لیے سب میں اخوت و برادری کا ایک مضبوط رشتہ قدرتی طور پر قائم ہے، اس رشتے کا لحاظ رکھو، خاص طور پر جن لوگوں کے ساتھ تمہارا نسبی تعلق ہے اور جو تمہارے رشتہ دار کہلاتے ہیں، ان کے ساتھ خصوصی طور پر حسن سلوک کرو، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے سے بچو، اور اس اللہ ربّ العزّت کا خوف اور ڈر اپنے دل میں پیدا کرو، جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو۔

خواتین کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو

آیات میں خاص اسلوب کے ساتھ عدل کی ترغیب دی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو مرد سے پیدا کیا، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی کوکھ سے بنایا، جب خاتون مرد سے بنی ہے، تو اس کے ساتھ زیادتی کیوں؟ اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہونا چاہیے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ۝۴

اِسلامی ریاست کے مفلوک الحال طبقات کے لیے قرآنی دفعات

اس سورت میں حق تعالیٰ شانہ نے فلاحی اسلامی ریاست کے لئے چوبیس دفعات بیان فرمائی ہیں، ان چوبیس دفعات میں سے پندرہ دفعات عوام اور رعایا کے لئے اور نو دفعات اہلِ حکومت اور انتظامیہ کے لئے بیان کی گئی ہیں، عوام و رعایا کے لیے ذکر کردہ پندرہ دفعات کا آغاز مندرجہ بالا آیات سے ہو رہا ہے، ذیل میں ان دفعات کی، آیات قرآنیہ کی روشنی میں تفصیل درج کی جاتی ہے۔

دفعہ نمبر ۱:- یتیموں کی نگہبانی

یتیم بچوں کے متعلق ان کے وارثان اور اولیاء کو حکم ہے، کہ یہ بچے جب بالغ ہو کر سمجھدار ہو جائیں، تو ان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور اموال ان کو لوٹا دیے جائیں، یتیموں کے اچھے مال کو اپنے استعمال میں لا کر اپنا ردی مال تبادلے میں انہیں نہ دیا جائے اور نہ ہی یتیم کا مال ضائع کیا جائے، اور یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے والوں کے لئے تو سخت ترین وعیدیں ذکر کی گئی ہیں، یہ سب یتیم کے حقوق میں شامل ہے، یتیم کے مال میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق ان آیات کا نزول اس وقت ہوا، جب قبیلہ غطفان کے ایک شخص کے پاس یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا، یتیم نے بلوغ کے بعد اپنا مال چچا سے طلب کیا تو چچا نے یہ مال دینے سے انکار کر دیا، یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر درّ منثور)

یتیم سے متعلق اس سورت میں مزید بھی کئی ہدایات ارشاد فرمائی گئی ہیں، اور یوں یتیموں کے ساتھ عدل و رحمت اور شفقت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کیا گیا۔

دفعہ نمبر ۲:- یتیم لڑکی سے ناانصافی کے خدشے کے پیش نظر دیگر خواتین سے چار تک شادیوں کی مشروط اجازت

یتیم کے حقوق کے سلسلہ میں ایک اور ہدایت یہ فرمائی کہ اگر یتیم بچی جوان ہو گئی اور اس کا ولی (غیر محرم) مثلاً چچا زاد، خالہ زاد یا ماموں زاد وغیرہ اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں اور شادی میں یہ رغبت صرف اس بنیاد پر ہے کہ وہ مال میں اس کی شریک ہے، لیکن شادی کے بعد اس لڑکی کے حقوق کے سلسلہ میں ناانصافی کا اندیشہ ہے، تو اس صورت میں بجائے لالچ میں یتیم لڑکی سے شادی کرنے کے، کہیں اور حسب منشا ایک تو کیا دو، تین، چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ ایک سے زیادہ بیویوں سے انصاف کرنے کی امید ہو، ہاں اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ایک سے زائد بیویوں میں انصاف نہیں کر پائے گا، تو اس کے لیے لازم ہے کہ ایک ہی خاتون سے شادی کرے۔

اس آیت میں عدالت یعنی تقسیم وقت اور تقسیم نفقہ میں انصاف کی شرط پر ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے، چنانچہ آزاد مرد کے لئے چار تک اور غلام کے لئے دو شادیوں تک کی اجازت ہے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمومی قانون سے مستثنیٰ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس حوالے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے خصوصی حکم تھا۔

تعدُّدِ اَزواج کا حکم عورتوں کی بھلائی کے لیے ہی ہے!

تعدد ازواج کے اس شرعی حکم میں حقیقتاً خواتین ہی کی رعایت رکھی گئی ہے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ معاشرے میں

خواتین کی تعداد کا تناسب مردوں سے زیادہ ہے، اگر ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہ ہوتی تو معاشرے میں بہت سی خواتین زندگی بھر بے نکاح اور بے سہارا رہتیں، اس طرح وہ خواتین جو بیوہ ہو جاتی ہیں انہیں بھی کہیں اور نکاح کی اجازت نہ ہوتی، یوں خواتین کی ایک بڑی تعداد بے گھر و بے سہارا ہو جاتی، خواتین کے تحفظ کے لئے ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کو عدل ومساوات کے ساتھ مشروط کر دیا گیا، آج جو لوگ تعددِ ازواج کے خلاف لب کشائی کرتے ہیں وہ بتائیں کہ ایک سے زیادہ شادی ممنوع ہو جانے کی صورت میں خواتین کا مستقبل کیا ہوگا؟ اگر معاشرے میں ایک مرد صرف ایک ہی شادی کرے تو جو عورتیں بچ گئیں یا بیوہ ہو گئیں، کیا انہیں بے سہارا چھوڑ دیا جائے؟ ہرگز نہیں، شریعت کا ہر حکم حکمت سے لبریز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدّد شادیاں حکمت پر مبنی ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکاح وشادی کی چار تک تحدید نہیں رکھی گئی، بلکہ آپ کی مرضی پر یہ معاملہ موقوف رکھا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ شادیاں فرمائیں اور بیک وقت آپ کی خدمت اقدس میں نو بیویاں رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سے زیادہ نکاح کرنا، خدانخواستہ کسی نفسانی غرض کی وجہ سے نہ تھا اور نہ ہی آپ نے ایک سے زیادہ نکاح جوانی میں فرمائے، تعددِ ازواج تو آپ نے پچاس سال کی عمر کے بعد اختیار فرمایا، اس میں بہت سی حکمتیں تھیں، مثلاً مختلف قبائل میں نکاح کی برکت سے یہ قبائل اسلام دوست بن گئے، نیز مسلمانوں کی ان قبائل سے دشمنیاں دوستیوں میں تبدیل ہو گئیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی اُمت تک پہنچ جائے، تاکہ تربیت اولاد، حقوقِ اَزواج، حقوقِ اَصہار (سسرالی رشتہ داروں کے حقوق) خواتین کے مخصوص احکام، گھر کے معمولات، شب گزاری کی کیفیت، صلوٰۃ تہجد وغیرہ جیسے بیسیوں احکامات ازواجِ مطہرات امت تک پہنچا دیں، جیسا کہ آپ کی گھر سے باہر کی زندگی اُمت تک سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے پہنچا دی۔

دفعہ نمبر ۳:- اَدائیگی مہر کی تاکید

انفرادی زندگی سے خاندانی زندگی میں قدم رکھتے ہوئے سب سے پہلا مرحلہ نکاح کا ہوتا ہے، مرد وعورت کے درمیان ''نکاح'' عبادت کے ساتھ ساتھ ایک معاملہ بھی ہے، یہ معاملہ گواہوں کی موجودگی میں فریقین کے درمیان طے شدہ مہر (اُجرتِ نکاح) پر منعقد ہوتا ہے، نکاح ہوتے ہی خاوند کے ذمہ مہر لازم ہو جاتا ہے، سورت کی چوتھی آیت میں مہر کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے، خاص طور پر وہ لڑکیاں جو یتیم ہیں ان کے مہر کی ادائیگی کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ''مہر'' خوشدلی اور رضا ورغبت سے ادا کرنا چاہیے، مہر کی ادائیگی کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ بیوی مہر کا مطالبہ کرے تب اسے ادا کیا جائے، مطالبہ کرنے یا نہ کرنے دونوں صورتوں میں ادائیگی ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی بیوی مہر وصول کرنے کے بعد اپنی خوشی اور رغبت سے واپس ہدیہ کر دے تو یہ نہ صرف شوہر کے لئے جائز ہے، بلکہ اس کے لئے خوشگوار اور مزے دار رزق ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بیوی کو حق مہر معاف کرنے کا اختیار ہے، تاہم شوہر جبر کے ساتھ بیوی سے مہر معاف نہیں کروا سکتا۔ سختی، جبر و اکراہ اور خاندانی روایات کے طور پر معاف کرایا گیا مہر، کسی صورت بھی معاف نہیں ہوتا، اس لئے رضاء و رغبت کی یہی صورت بتائی گئی ہے کہ شوہر کی جانب سے مہر کی ادائیگی کر دی جائے، البتہ وہ تقاضے، مطالبے اور دباؤ کے بغیر خود خوش دِلی سے اپنے شوہر کو مہر ہدیہ کر دے تو سمجھا جائے گا کہ بیوی رضاء و رغبت سے مہر معاف کر رہی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۝

دفعہ نمبر ۴:- یتیم بچّوں کی پرورِش کا طریقۂ کار

ان آیات میں یتیم بچّوں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت کے لیے متعدد ہدایات دی گئی ہیں۔

الف:- یتیم بچّے کا مال و جائیداد اس کے ولی کے پاس امانت ہوتا ہے، کم سن اور کم سمجھ بچّے کو اس کا مال تھما دینا یقیناً مال و اسباب برباد کر دینے کے مترادف ہے، اس لئے حکم ہے کہ یتیم بچّے کے مال کی حفاظت کی جائے۔ یہ مال اللہ کی نعمت اور سرمایہ زندگی ہے۔ البتہ ان یتیموں کے لئے ان کے مال میں سے خورد و نوش اور لباس وغیرہ کا انتظام کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ یہ مال انہیں کا ہے، انہیں کو واپس کیا جائے گا، سپردگی کے وقت گواہ بنانے کا بھی حکم ہے، تاکہ بوقت ضرورت یتیم کا ولی اپنی براءت ثابت کر سکے۔

ب:- یتیموں کی متانت اور سمجھ داری کو بھی آزماتے رہنے کا حکم ہے، جب یہ محسوس ہو کہ بچہ سمجھ دار ہو کر نفع و نقصان کو سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے، تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے، کسی بھی یتیم کے سمجھدار ہونے کی صورت میں اس کی معاملہ شناسی جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ معمولی رقم دے کر خرید و فروخت کا کہا جائے، اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ کس قدر نفع و نقصان کو سمجھ پاتا ہے۔

ج:- یتیم کا ایسا مال جو اس کی ضرورت سے زائد ہو اسے بلاوجہ ضائع نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح اس کے مال کو بِلاضرورت محض اس لئے خرچ کرتے چلے جانا کہ اس کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے مال ختم کر دیا جائے، ناجائز ہے۔

د:- اگر یتیم کی پرورش کرنے والا فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس کے مال میں سے بقدر ضرورت اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ غنی اور مالدار ہے تو یتیم کا مال اپنے اوپر خرچ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾

دفعہ نمبر ۵:- خواتین اور بچوں کے ساتھ عدل اور رحمت کو روا رکھا جائے

زمانہ جاہلیت میں خواتین کو میراث میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور نہ ہی نابالغ بچوں کو مستحق میراث سمجھا جاتا تھا، رحمتِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے کہ خاوند فوت ہوا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں اور بیوہ بے سروسامان اور بے سہارا ہو گئیں، متوفی کے بھائی نے آکر پورے ترکے پر قبضہ جمالیا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ان آیات میں حکم دیا گیا کہ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کے متروکہ مال سے مردوں اور عورتوں سبھی کو حصہ دیا جائے، خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ، ہر ایک کا حصہ بھی مقرر ہو چکا، مقرر شدہ حصے میں سے ہر چھوٹے بڑے مرد و زن کو تھوڑے یا زیادہ متروکہ مال میں سے حصہ میراث دیا جائے، کسی کو محروم نہ رکھا جائے۔ جہاں تک حصوں کے تقرر کا تعلق ہے اس کی تفصیل کے لئے مستقل آیات کا نزول ہوا۔ ان آیات میں خواتین اور بچوں کے ساتھ عدل اور رحمت اختیار کرنے کا حکم ہے۔

غریب رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک کا حکم

وراثت کی تقسیم کے وقت اگر برادری اور خاندان کے ایسے لوگ بھی آجائیں جو نادار اور مفلس ہوں، لیکن متوفی کے شرعی وارث نہ ہوں، ظاہر ہے کہ انہیں وراثت سے باقاعدہ حصہ تو نہیں دیا جاسکتا اور ان کو خالی ہاتھ بھیج دینا بھی یقیناً بدسلوکی کے زمرے میں آتا ہے، اس لیے ایسے غریب اور مفلس عزیزوں کو حسنِ سلوک کے طور پر کچھ کھلا پلا کر یا تھوڑا بہت دے کر رخصت کر دیا جائے، ہاں اگر انہیں مالِ وراثت سے کسی وجہ سے نفع نہ پہنچایا جاسکے، مثلاً وہ مال یتیم بچوں کا ہے تو ظاہر ہے ان کی اجازت بھی بالغ ہونے سے پہلے معتبر نہیں، اس صورت میں انہیں معقول بات کہہ کر یعنی نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا جائے، مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ بھائی ہم مجبور ہیں، آپ کا وراثت میں حصہ نہیں بنتا اور نہ ہی میت نے آپ کے لیے وصیت کی ہے، اور ورثاء بھی نابالغ ہیں یا ورثاء اجازت نہیں دے رہے (اگر ورثاء بالغ ہوں) آپ معذرت قبول فرمائیں، الغرض ان سے حسنِ سلوک کیا جائے، بدسلوکی نہ کی جائے۔ گویا ان کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کا معاملہ کیا جائے۔

یتیموں کے حق کی تاکید

یتیم کے ولی اور وصی اور دیگر رشتہ داروں کو، نہایت ہی بلیغانہ انداز سے، یتیم کے حق کی رعایت رکھنے کی تاکید کی گئی اور احساس دلایا گیا کہ ایک دن تمہیں بھی مرنا ہے اور تمہارے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے، تم قطعاً پسند نہیں کرو گے کہ

تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد سے سختی یا ناانصافی برتی جائے تو تمہیں بھی چاہیے کہ دوسروں کی اولاد کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ روا رکھنا چاہو، اللہ سے ڈرو، یتیموں سے ترش اور سخت بات نہ کہو، بلکہ میٹھے اور اچھے بول بولو۔ ان کے شکستہ دلوں کو سہارا دو، ان کے دلوں کے توڑنے کا ذریعہ نہ بنو۔ یتیموں کے حقوق سے متعلق یہ اسلوب اختیار کر کے ان سے انصاف اور شفقت کرنے کی ترغیب دی گئی۔

یتیم کا مال کھانا، اَنگارے کھانا ہے!

جو کوئی یتیم کا مال بلا استحقاق کھا جاتا ہے، وہ اپنے پیٹ کو آتشِ جہنّم سے بھرتا ہے، اس کا انجام دوزخ کے انگاروں کے سوا اور کچھ نہیں، سو خیال کرو اور قطعاً یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، اسے کمزور اور بے سہارا جان کر، ظلم و جبر کے ذریعے اس کا مال و اسباب اور جائیداد کو ہڑپ نہ کر جاؤ۔ یتیم اگرچہ بظاہر بے سہارا ہے، لیکن اس کا سہارا سب سے مضبوط اور طاقتور ہے اور وہ سہارا خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں متعدد بار اور احادیث میں کثرت سے یتیم کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، قرآنِ کریم کی سورۃ الضحیٰ میں یتیموں پر سختی کرنے سے روکا گیا ہے۔

یتیم کا سہارا بننے والا جنّتی ہے!

حدیث مبارک میں ہے کہ جب یتیم روتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے دستِ قدرت پر اس کے آنسو لے لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس یتیم کو کس نے رُلا ڈالا؟ جس کے باپ کو میں نے مٹی تلے چھپا دیا، جو کوئی اسے خاموش کرائے گا میں اسے جنّت عطا کروں گا۔ (تفسیر کبیر: سورۃ الضحیٰ)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

دفعہ نمبر ۲:۔ ورثاء کے حصوں کی تعین

گزشتہ آیات میں میت کے قریبی رشتہ دار خواہ مرد ہوں یا عورتیں، کی وراثت کی جانب اشارہ کیا گیا تھا، ان آیات میں قریبی رشتہ داروں کی وراثت میں حصوں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ قرآنِ کریم نے جن رشتہ داروں کے حصص بیان کئے ہیں انہیں ''اصحاب فروض'' کہا جاتا ہے۔ اصحاب فروض کو متعین حصہ کی ادائیگی کے بعد اگر حصے باقی رہ جاتے ہوں تو

مزید رشتہ داروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔ ایسے قریبی رشتہ داروں کو "عصبات" کہا جاتا ہے۔ عصبات کی تفصیل احادیث میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ انکے حصص کی تفصیل بھی قرآنِ کریم سے مستنبط ہے۔

ضابطہ کے مطابق میّت کے مال میں سے سب سے پہلے میت کی تجہیز و تکفین (کفن دفن) پر خرچ کیا جائے گا۔ اس کے بعد بقیہ مال سے میّت کے ذمہ قرض کی ادائیگی کی جائے گی، قرض کی ادائیگی کے بعد میّت کی جانب سے اگر کسی کے لئے وصیت کی گئی ہے تو حسب وصیت اسے دیا جائے گا، لیکن اس کے لئے دو ہدایات ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔

۱۔ وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہ ہو، اگر ایک تہائی حصہ سے زائد کے بقدر کسی کے لئے وصیت کی ہو، مثلاً آدھے یا پورے ترکہ کے بارے میں وصیت کی ہو کہ فلاں شخص، مسجد یا مدرسہ وغیرہ کو دے دی جائے، تب بھی صرف ایک تہائی حصہ سے ہی اس شخص یا ادارہ کو دیا جائے گا۔

۲۔ وصیت کسی وارث کے حق میں نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ" بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی وارث کے لئے وصیت (درست) نہیں"۔ (جامع الترمذی: ۲۱۲۱)

آیت میں ذکر کے لحاظ سے اگرچہ وصیت پہلے اور قرض بعد میں ہے، تاہم ادائیگی کے لحاظ سے قرض مقدم ہے، غالباً آیت میں وصیت کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ اس بات کی تاکید ہے کہ وصیت کی تکمیل ضروری ہے، اگرچہ وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی گئی مطالبہ نہ کرے یا اسے وصیت کا سرے سے علم ہی نہ ہو تب بھی وصیت کی تکمیل ضروری ہے، جبکہ قرض دہندہ قرض کا مطالبہ کرنے والا ہوتا ہے اس لئے ادائیگیٔ قرض کا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن وصیت کے ترک ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، اسی حکمت کے پیشِ نظر وصیت کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔

حصّۂ اَولاد

اگر ماں باپ فوت ہو جائیں تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہی وراثت کی حق دار ہیں، البتہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کا حصہ لڑکے کے حصہ سے مقدم ہے، یہ قرآنی اُسلوب عورتوں کی وراثت کی تاکید کے لئے ہے، اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں خواتین کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اگر ورثاء میں صرف ایک لڑکی ہے تو حسبِ حکم قرآنی اسے ترکہ کا آدھا حصہ ملے گا، اگر ماں باپ کی وارث دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ان لڑکیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

لڑکی کے حصے پر اعتراض اور اس کا جواب

دورِ حاضر کا مغرب پرست طبقہ قرآنِ کریم کے قانون وراثت پر لب کشائی کرتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کے

حصوں میں تفاوت کو عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی قرار دیتا ہے۔ یہ طبقہ مرد وزن میں مساوات کا راگ الاپتے ہوئے، اس بات کا مدّعی ہے کہ عورت اور مرد کا حصہ برابر ہونا چاہیے تھا، عورت کو مرد سے آدھا حصّہ دینا عورت کی حق تلفی ہے۔

حقیقت میں قرآنِ کریم اور اسلام پر یہ اعتراض مکمل قانون وراثت سے جہالت کی وجہ سے ہے۔ قرآنِ کریم کے قانونِ وراثت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کے مختلف صورتوں میں مختلف حصے مقرر کئے گئے ہیں، بعض صورتوں میں خواتین اور مردوں کا حصہ برابر ہے، مثلاً بیٹا فوت ہوجائے اور اس کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ دونوں کو برابر چھٹا حصہ ملتا ہے، وغیرہ۔ بعض صورتوں میں خواتین کا حصہ مردوں کے حصہ سے بھی زیادہ ہے، مثلاً والد فوت ہوجائے اور اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو، اس کا حصہ کل مال کا آدھا ہے، جو مرد ورثاء سے زیادہ ہے۔ جبکہ چند صورتوں میں خواتین کا حصہ مردوں کے حصہ سے کم ہے۔ افسوس کہ ان متجددین کو قانون وراثت کی وہ جزئیات اور صورتیں نظر نہیں آتیں، جن میں خواتین کو مردوں سے بھی بڑھ کر حصہ دیا گیا ہے یا مردوں کے برابر حصہ دیا گیا ہے، صرف ایک صورت کو بنیاد بنا کر شور وغوغا برپا کرنا صرف اور صرف اسلام دشمنی ہی ہے۔ نیز اسلام نے کفالت کی ذمہ داری مردوں پر عائد کی ہے، کسبِ معاش بھی مردوں کے ذمہ ہے۔ خواتین پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ والدین کی وفات کے بعد غیر شادی شدہ بہنوں کی کفالت بھائیوں کے ذمہ ہے اور شادی شدہ بہنوں کی ان کے شوہروں کے ذمہ۔

بھائی کی ذمہ داریوں میں والدہ، بہنوں، دادا، دادی سب کی کفالت شامل ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بہن کی ذمہ داری بالکل نہیں، لیکن حصہ بھائی سے آدھا ہے، جبکہ بھائی کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، لیکن حصہ صرف نصف زائد ہے۔ حقیقت میں اس صورت میں بھی خواتین کی رعایت رکھی گئی ہے۔

حصّۂ والدین

آیاتِ میراث میں اولاد کے حصص کی تفصیل کے بعد والدین کے حصص کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ماں باپ کی وراثت کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر اولاد میں سے کوئی فوت ہوجائے اور متوفی کی اولاد بھی ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو وراثت میں چھٹا حصہ ملے گا۔

۲۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو ایک ثلث (ایک تہائی) اور باپ کو باقی وراثت یعنی دوثلث (دو تہائی) حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو، لیکن اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں، خواہ وہ بہن بھائی حقیقی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا، بھائی بہن کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو پھر ماں کو ایک ثلث اور باپ کو دوثلث ملیں گے۔

وضاحت

ورثاء کو جس قدر وراثت سے حصہ ملتا ہے، یہ سب قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال میں سے ملتا ہے، اس لئے حسب ضابطہ تجہیز و تکفین کے اخراجات، ادائیگی قرض اور ادائے وصیت کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ مذکورہ بالا حصص اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں، ان میں اپنی شخصی یا اجتماعی رائے سے تبدیلی کی ہرگز اجازت نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان حصوں کے مقرر کرنے کی حکمت خود ہی ارشاد فرمائی کہ تم نہیں جانتے کہ کس سے تمہیں کتنا نفع پہنچے گا، یہ اللہ ہی جانتے ہیں اس لئے ان حصوں میں دخل اندازی نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کو کافی سمجھو، انہیں کی پابندی کرو، اس میں تمام خیروں کی خیر بھی ہے اور وہ بڑا حکمت والا بھی ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

زوجین کی وراثت

اولاد اور ماں باپ کے حصوں کے بیان کے بعد زوجین (میاں بیوی) کی وراثت کی تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

۱۔ اگر بیوی فوت ہوجائے اور وہ لاولد ہو تو خاوند کو نصف جائیداد ملے گی۔

۲۔ اگر بیوی کا انتقال ہوجائے اور اس کی اولاد ہو خواہ ایک یا ایک سے زیادہ، لڑکا ہو یا لڑکی ہو، اسی خاوند سے ہو یا پہلے کسی اور خاوند سے، اس صورت میں شوہر کو ترکہ کا چوتھا حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔

۴۔ اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی اولاد بھی ہو، اسی بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، اگر بیویاں ایک سے زائد ہوں تو تمام کو مشترکہ طور پر ایک آٹھواں حصہ ملے گا، یہاں اس ضابطہ کی جانب ایک بار پھر متوجہ کردیا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال میں سے ہوگی۔

صرف ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ

آیت کے آخر میں کلالہ کی وراثت کو بیان کیا جارہا ہے، کلالہ اس میت کو کہا جاتا ہے جس کے والدین اور اولاد نہ ہوں، نیز امام ابو حنیفہؒ کی تفسیر کے مطابق اس کے اجداد یعنی دادا، دادی اور احفاد یعنی پوتا پوتی وغیرہ بھی نہ ہوں تو اس کے وارث

اگر ماں شریک ایک بہن یا ایک بھائی ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر ان بہن بھائیوں کی تعداد ایک سے زائد ہو تو ان سب کو ایک تہائی بطور وراثت کے ملے گا، جو کہ ان میں برابر تقسیم ہو گا۔ یہاں مرد و عورت کی وراثت برابر ہے۔ لیکن واضح رہے کہ بہن و بھائی کو وراثت باپ یا بیٹے کے ہوتے ہوئے نہیں ملتی۔ اگر باپ اور بیٹا نہ ہوں تو بہن بھائیوں کو وراثت مل سکتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ بہن بھائی حقیقی ہوں، یعنی ماں، باپ شریک ہوں۔

۲۔ بہن بھائی علاتی ہوں، یعنی صرف باپ شریک ہوں، ان دونوں قسموں کی وراثت کی تفصیل سورۃ النساء کے آخر میں بیان کی گئی ہے، ان صورتوں میں بہن بھائیوں کے حصہ میں تفاوت ہے۔

۳۔ بہن بھائی اخیافی ہوں یعنی صرف ماں شریک ہوں، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کا حکم بیان کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝

دفعہ نمبر ۷:۔ بدچلن بیوی

ابتدائے اسلام میں بدچلن اور بدکارہ خاتون کے لئے مذکورہ آیت میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایسی خاتون کی بدکرداری پر چار گواہ بنا لئے جائیں، سو اگر یہ چار گواہ عدالت میں خاتون کی بدکاری کی گواہی دیں تو اسے تادم مرگ گھر میں قید رکھا جائے، اس کے ساتھ ہی اسی آیت کے آخر میں اشارہ دے دیا گیا کہ بعد میں اس جرم کی دوسری سزا مقرر کی جائے گی، گویا کہ اس سزا کے وقتی سزا ہونے کا عندیہ دیا گیا۔

اس کے بعد سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں، جن میں زنا کے مرتکب مرد و زن کے لئے سو کوڑوں کی سزا کا اعلان کیا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں کے لئے راستہ پیدا فرما دیا اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ بدکار مرد و عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں، اور شادی شدہ بدکار مرد و زن کو سنگسار کر دیا جائے۔ (سنن ابی داؤد: ۴۴۱۵)

سورۂ نور کی مذکورہ بالا آیت درج ذیل ہے:

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (النور: ۲)

ترجمہ:۔ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور

یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دِین کے معاملے میں اُن پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے، اور یہ بھی چاہیے کہ مؤمنوں کا ایک مجمع اُن کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔

اسی طرح شادی شدہ بدکار مرد وعورت کی سزا کی آیت کی تلاوت، قرآنِ کریم میں کی جاتی تھی، بعد میں اس آیت کی تلاوت منسوخ فرما کر حکم کو باقی رکھا گیا، اس منسوخ التلاوت آیت کا مفہوم یوں ہے:

بوڑھی عورت اور بوڑھا مرد جب زنا کریں، تو انہیں سنگسار کریں، یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے، اور اللہ غالب حکمتوں والا ہے۔

چنانچہ اسی حکم پر عہدِ نبوت، عہدِ خلافت راشدہ اور تمام اسلامی ادوار میں عمل ہوتا رہا، غیر شادی شدہ زناکاروں کو سو کوڑے مارے جاتے اور شادی شدہ مرد وعورت کو سنگسار کرکے قتل کیا جاتا تھا۔ یہی زنا کی حتمی حد ہے۔ اور اللہ کی تجویز کردہ حدود میں ترمیم یا تبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں۔

ہم جنس پرستی کی سزا

آیت نمبر ۱۶ میں خلاف فطرت عمل (ہم جنس پرستی) کی سزا کی جانب اشارہ ہے، ایسی بدکرداری کی بس اتنی سزا بتائی گئی، ایسے دونوں بدکاروں کو اذیت دو، اس اذیت کے طریقے متعین نہیں کئے گئے، یہ قاضی یا فقہاء کی تجویز پر چھوڑ دیے گئے۔ چنانچہ بعض فقہاء نے اس عمل کی سزا پہاڑ سے نیچے گرا دینا، بعض نے دیوار کے نیچے کھڑا کرکے دیوار ڈھا دینا، بعض نے زندہ جلا دینا، بعض نے قتل کر دینا اور بعض نے اس کے علاوہ بھی تجویز فرمائی، صحیح یہ ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ حالات کے تقاضے کے تحت تھوڑی یا زیادہ سخت، سخت ترین یا ہلکی پھلکی جو سزا مناسب ہو دی جا سکتی ہے۔ ہاں! اگر یہ دونوں توبہ تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والے، رحم فرمانے والے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا
وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا
تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

دفعہ نمبر ۸:- خواتین سے متعلق رسومِ جاہلیت کا خاتمہ

مذکورہ آیات میں خواتین سے متعلق جاہلیت کی چند رسومات کی سختی سے تردید کی جارہی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں خواتین کے ساتھ مختلف انداز سے امتیازی اور ناروا سلوک رکھا جاتا تھا مثلاً:

۱۔شوہر کی وفات کے بعد اس کی منکوحہ کو بھی مالِ وراثت سمجھتے اور اس پر قابض ہو جاتے۔ بسا اوقات اس سے زبردستی نکاح بھی کر لیتے۔اس خاتون کو اپنی رضا و رغبت سے کہیں شادی بیاہ کی اجازت نہ دیتے، بلکہ کہیں اور بھی اس کی شادی کرتے تو اپنی مرضی سے کرتے۔اگر وہ مر جاتی تو اس کے مال پر زبردستی قابض ہو جاتے۔

۲۔خواتین کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک روا رکھا جاتا، انہیں مارا پیٹا جاتا، ان کی ضروریات کا بھی زیادہ خیال نہ رکھا جاتا۔

۳۔اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا، تو بلا وجہ پہلی بیوی پر تہمت لگا کر اور زیادتی کا ارتکاب کر کے اسے دیا ہوا حق مہر واپس لے لیتا۔

۴۔خواتین کو حق مہر کی ادائیگی میں کوتاہی روا رکھی جاتی۔

مذکورہ بالا آیات میں خواتین کے استحصال کو ممنوع قرار دے کر عائلی زندگی کا ایک بہترین معیار مقرر کیا گیا، اس سلسلہ میں چند ہدایات ارشاد فرمائی گئیں:

۱۔خواتین مالِ وراثت نہیں کہ ان کے مالک بن بیٹھو۔انہیں اپنے شوہروں کے وصال کے بعد مکمل آزادی حاصل ہے۔وہ عدت کی تکمیل کے بعد جہاں چاہیں نکاح کر سکتی ہیں۔انہیں ان کی ترجیح کے مطابق نکاح سے روکنے کا میت کے ورثاء کو قطعاً حق نہیں پہنچتا، نہ ہی اس کا حق مہر اور مال کسی کو ہڑپ کرنے کی اجازت ہے، خاتون کی وفات کی صورت میں اس کا ترکہ اس خاتون کے شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا، یہ ترکہ اس کے فوت شدہ شوہر کے رشتہ داروں کی ملکیت نہیں۔

۲۔میت کے ورثاء بیوہ کے دوسرے نکاح میں صرف اس وجہ سے رکاوٹ بنتے ہوں، تاکہ یہ عورت جاتے ہوئے شوہر کی وراثت و ترکہ سے حاصل شدہ مال واپس کر کے جائے، اس کے متعلق فرمایا یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔مال چھیننے کے لیے نکاح سے روک تھام درست نہیں۔وہ خاتون نکاح کرنے میں بھی خود مختار ہے اور شوہر کے ترکہ سے حاصل شدہ مال میں بھی خود مختار ہے، اِلّا یہ کہ وہ صریح بدچلنی کا ارتکاب کرے تو اس کا شوہر اپنی زندگی میں اس سے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۳۔خواتین کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسن معاشرت اختیار کرو، نرمی اور متانت اپناؤ، اگر تمہیں ان کی بعض عادات و خصائل ناپسند ہیں تو صبر کرو۔کیا بعید ہے کہ اس عورت میں اس کمزوری کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی ہوں، بسا اوقات خوبیاں کمزوریوں پر غالب آجاتی ہیں۔یہ بھی ممکن ہے کہ جو چیز تمہیں ناپسند ہے حق تعالیٰ نے اس میں منفعت رکھی ہو۔وہ منفعت دینی بھی ہو سکتی ہے اور دنیاوی بھی، اس لیے تمہیں تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صبر سے بیویوں کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، زمانہ جاہلیت کی طرح مار پیٹ اور گالم گلوچ سے احتراز کرنا چاہیے۔

۴۔بیوی کی تبدیلی کی صورت میں محض حق مہر کی واپسی کے لئے اپنی بیوی پر تہمت لگانا، اس پر بدچلنی کا داغ لگانا نہایت ہی قبیح حرکت ہے۔ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اس طرح بہتان لگا کر اور ظلم کا ارتکاب کر کے مال لینے سے بھلا تمہیں کیا فائدہ ہوگا، یہ جاہلیت کے رویے ہیں، ان کا ترک کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔

۵-خواتین کو مہر کی ادائیگی کرنا ان کا حق ہے، بالخصوص صحبت کی نوبت بھی آ چکی ہو تو اب یہ مہر ایک طرح سے معاوضہ بن چکا ہے۔ اس ملاپ کا عوض اس کے حق مہر کی ادائیگی ٹھہری۔ خاتون کے اس حق کو کسی صورت دبایا نہیں جا سکتا اِلّا یہ کہ وہ اپنی خوشی سے حق مہر واپس کر دے یا معاف کر دے۔ مہر صنف نازک کا حق اس لیے بھی ہے کہ وہ بوقت نکاح تم سے پختہ عہد اور میثاق لے چکی ہے، اس عہد و میثاق کے ذریعے تم ان خواتین سے نفع مند ہوتے ہو، بھلا اب کیونکر تم مہر دبا سکتے ہو؟

۶-باپ دادا کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں یا دادی سے بھی تم نکاح نہیں کر سکتے۔ یہ نہایت ہی بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس رسم بد کو بھی روا رکھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی سختی سے منع فرما دیا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ
وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ
الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۹:- ''محرمات'' کا بیان

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی حرمت کو بیان فرمایا ہے، مذکورہ آیات میں مزید تیرہ ایسی خواتین کا ذکر ہے، جن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، اور ایک خاتون کا ذکر اگلے پارے کی پہلی آیت میں ہے، یوں کل پندرہ خواتین ایسی ہیں جن سے نکاح کرنے کی شریعت اسلامیہ میں گنجائش نہیں ہے، خواہ وہ نکاح کے لیے راضی ہوں اور انہیں حق مہر ہی کیوں نہ دے دیا جائے۔ ان محرمات میں چند وہ ہیں جن سے نکاح نسب کی وجہ سے حرام ہے اور چند وہ خواتین ہیں جن سے رشتہ رضاعت کی وجہ سے اور بقیہ وہ ہیں جن سے رشتہ مصاہرت (سسرالی، دامادی) کی وجہ سے نکاح حرام ہے۔ ذیل میں ان کی مختصر فہرست ذکر کی جاتی ہے:

۱-ماں، اس میں نانی، پرنانی، دادی، پردادی سب شامل ہیں۔
۲-بیٹیاں، نواسیاں، نواسیوں کی اولاد، پوتیاں، پوتیوں کی اولاد سب سے نکاح حرام ہے۔
۳-بہنیں خواہ ماں شریک، باپ شریک یا حقیقی ہوں، سبھی حرام ہیں۔
۴-پھوپھیاں یعنی والد کی بہنیں خواہ ماں شریک، باپ شریک یا حقیقی ہوں۔
۵-خالائیں یعنی والدہ کی ہمہ قسم بہنیں۔
۶-بھتیجیاں اور ان کی اولاد بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔
۷-بھانجیاں اور ان کی بیٹیاں بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔

اس کے بعد ان خواتین کو بیان فرمایا، جن سے رضاعت یعنی دودھ پینے کی وجہ سے نکاح و بیاہ کرنا حرام ہے۔

۸- وہ خواتین جنھوں نے دودھ پلایا ہو۔

۹- دودھ شریک بہنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ضابطہ یہ بات ارشاد فرمائی: ''جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں، وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔'' (جامع الترمذی:۱۱۰۹)

اب وہ رشتے بیان کیے جارہے ہیں، جو دامادگی کی وجہ سے حرام ہیں۔

۱۰- بیویوں کی مائیں (ساس)، خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔

۱۱- تمہاری بیویوں کی پہلے گھر سے بیٹیاں، چونکہ عموماً یہ شوہر کی زیرِ تربیت ہوتی ہیں، اس لیے آیت میں انھی کو ذکر کیا گیا ہے، اگر وہ شوہر کی زیرِ تربیت نہ بھی ہوں تب بھی شوہر پر حرام ہیں۔

۱۲- حقیقی بیٹے کی بیوی یعنی بہو سے نکاح کرنا بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہے، ہاں اگر منہ بولا بیٹا ہو تو اس کی بیوہ سے بعد از طلاق یا وفاتِ زوج نکاح کرسکتے ہیں۔

۱۳- دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا، وہ بہنیں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔ اسی طرح ہر وہ دو خواتین جن میں سے ایک کو مرد فرض کریں تو دونوں کا باہم نکاح جائز نہ ہو، مثلاً پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی وغیرہ، ایسی دو خواتین کا بھی یہی حکم ہے کہ انھیں ایک وقت میں ایک آدمی کے نکاح میں نہیں رکھا جاسکتا۔

اگلے پارے کے آغاز میں جس خاتون کا ذکر ہے

۱۴- جو خواتین پہلے سے منکوحہ ہیں، ان کی کسی سے شادی یا نکاح ہو چکا ہے، تو جب تک یہ نکاح باقی رہے کسی اور مرد کے لیے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، اگر وہ مطلقہ یا بیوہ ہو کر اپنی عدت پوری کرلیں تو اب دوسری جگہ نکاح جائز ہے۔

''عدالتی خلع'' کا حکم

واضح رہے کہ ملک کے موجودہ عدالتی طریقہ کار میں جس طرح خلع اور تنسیخ سے عدالتیں نکاح ختم کر رہی ہیں، اس طریقہ کار میں خلع کے تقاضے پورے نہیں کیے جاتے، اسی لیے محققین علماء کے نزدیک عام حالات میں عدالتی خلع سے نکاح ختم نہیں ہوتا، نہ ہی ایسی خاتون کا شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسری جگہ نکاح حلال ہے، البتہ خاص حالات جن میں مفتیانِ کرام رخصت دیں، کا حکم الگ ہے۔

۱۵- گزشتہ رکوع کے آخر میں سوتیلی ماں سے نکاح کی حرمت کا بیان بھی گزر چکا ہے۔

یہ وہ پندرہ رشتے ہیں جن سے قطعی طور پر نکاح و بیاہ جائز نہیں۔

پارہ نمبر ۵

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ
اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۱۰:- شرائط اور مقاصدِ نکاح

آیت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے پہلے سے شادی شدہ خواتین سے نکاح کرنے کی حرمت بیان فرمائی ہے، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مذکورہ پندرہ رشتوں کے علاوہ جملہ مسلمان اور اہل کتاب خواتین کے ساتھ نکاح جائز ہے جس کی چند شرائط نمایاں ہیں، اسی طرح اسلامی معاشرہ میں نکاح کی غرض و مقصد بھی واضح کر دی گئی ہے۔ شرائط نکاح درج ذیل ہیں:

۱- "اَنْ تَبْتَغُوْا": نکاح کے لیے ضروری ہے کہ فریقین ایجاب وقبول کے الفاظ کہیں۔ ایک کہے میں نے نکاح کیا، دوسرا کہے میں نے قبول کیا۔ ایجاب وقبول کے بغیر محض ایک دوسرے کو پسند کر لینے سے نکاح نہیں ہوگا۔

۲- "بِاَمْوَالِكُمْ": طلب بھی مال کے بدلہ میں ہو، یعنی ایجاب وقبول کے ساتھ مہر کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ چنانچہ اگر نکاح مہر کا ذکر کیے بغیر بھی ہو جائے تب بھی مہر کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ اس صورت میں مہر مثل یعنی جو دلہن کے خاندان کی ہم عمر لڑکیوں کا طے ہوا تھا اتنا مہر ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہوگا، اِلّا یہ کہ خاتون اپنی رضا اور رغبت کے ساتھ بلا جبر و اکراہ اور خاندانی روایات کے دباؤ اور مطالبہ کے بغیر از خود شوہر کو حق المہر معاف کر دے تو وہ معاف کر سکتی ہے۔ اسی طرح اگر نکاح کے بعد رخصتی سے قبل زوجین میں خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو، اور خاتون کے کسی عمل کی وجہ سے نکاح فاسد ہو جائے تو اب حق مہر ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر زوجین میں نہ اجتماع ہوا اور نہ خلوت صحیحہ، اور شوہر نے طلاق دے دی تو نصف مہر (آدھا حق مہر) خاوند کے ذمہ لازم ہوگا۔ اگر نکاح کے بعد رخصتی نہ ہوئی ہو لیکن زوجین خلوت میں محض ایک دفعہ ہی باہم ملاقات کر چکے ہوں، ملاقات صحبت سے مانع نہ، ہو تب بھی شوہر کے ذمہ پورا حق مہر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۳- "مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" نکاح کی غرض گھر آباد کرنا ہے، یعنی خاندانی نظام کی بحالی و مضبوطی مقصود ہو، محض شہوت رانی اور خواہش کی تکمیل نہ ہو۔ گھر تب ہی آباد ہوتا ہے جب خاندانی نظم میں استحکام کی غرض سے نکاح ہو، اسی کی برکت سے اولاد کے ساتھ نسل انسانی بھی باقی رہتی ہے، رشتوں میں جوڑ اور خاندانوں میں اُلفتیں بھی برقرار رہتی ہیں، جبکہ محض شہوت رانی اور خواہش نفسانی کی تکمیل کی غرض سے نکاح نہ تو باہمی محبتیں استوار کرتا ہے اور نہ ہی اولاد کا ذریعہ ہے، بلکہ زندگی خود غرضی اور خواہش پرستی سے عبارت ہو جاتی ہے۔

۴- دیگر آیات سے چوتھی شرط بھی معلوم ہوتی ہے کہ مرد و عورت میں مخفی طور پر دوستی نہ ہو، بلکہ نکاح کا یہ تعلق گواہوں

کی موجودگی میں قائم ہو، چنانچہ نکاح کے لیے شرط ہے کہ ایجاب وقبول کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں کیا جائے۔ جبکہ احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ اعلانیہ نکاح کرو، مساجد میں منعقد کرو، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس نئے تعلق اور رشتہ داری کے گواہ بن جائیں اور مرد وزن پر کسی قسم کا الزام وتہمت نہ لگے۔

مہر کے سلسلے میں یہ بھی ہدایت دی گئی کہ مرد وزن دونوں باہمی رضامندی کے ساتھ مہر میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ خاوند اپنی رضا اور رغبت سے مقرر شدہ مہر سے زیادہ بھی اپنی منکوحہ کو دے سکتا ہے، اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا کہ خاتون طے شدہ مہر کا کل یا جزا اپنی رضا اور رغبت سے معاف بھی کر سکتی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

باندی سے نکاح کے اَحکام

جو شخص آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو، یعنی اس کے پاس معقول حق مہر یا نان ونفقے کا انتظام نہ ہو تو وہ کم مہر پر کسی مسلمان باندی کے ساتھ بھی نکاح کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ باندی اگر اپنے مولیٰ کی خدمت میں رہتی ہے تو خاوند کے ذمہ اس کا نان نفقہ نہیں ہوگا۔ نیز حق مہر بھی واجبی سا ہوگا۔ اگر مالک نے باندی اس کے شوہر کے حوالے کر دی، تب بھی اس کا خرچ آزاد خاتون سے تو بہت کم ہوگا۔ اس لیے مسلمان باندی سے بھی نکاح جائز ہے۔ ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کے لیے ترغیبی انداز اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا ایمان خوب معلوم ہے، آزاد اور غلام سبھی کے ایمان کو حق تعالیٰ جانتے ہیں، کیا بعید ہے کہ بعض باندیوں کا ایمان بعض آزاد خواتین سے زیادہ مضبوط ہو، جبکہ اصل کے لحاظ سے تم سب ایک ہو، ایک باپ کی اولاد ہو، ایک ہی دین کے پیروکار ہو، ایک ہی نبی کے اُمتی ہو، گویا کہ خونی اور دینی لحاظ سے ایک ہی خاندان ہو تو پھر باندیوں سے نکاح کرنے میں حرج کیا ہے؟ البتہ باندیوں سے نکاح ان کے مالکان کی اجازت سے کرو، نیز قاعدہ وقانون کے مطابق انہیں حق مہر بھی ادا کرو بشرطیکہ وہ خوشی سے قیدِ نکاح میں آئیں، مستی نکالنے والی اور خفیہ آشنائی رکھنے والی نہ ہوں۔ اس سے لزومِ مہر اور گواہوں کی موجودگی کے ضروری ہونے کی طرف بھی اشارہ فرما دیا۔

نوٹ:- اِجماعِ اُمّت سے یہ بات طے ہے کہ اب دُنیا سے غلامی ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا دنیا میں کوئی غلام یا باندی نہیں رہی۔

''زِنا'' کی سزا

اگر مرد و زن شادی شدہ ہو اور زنا کریں اور عدالت میں چار گواہوں کی گواہی سے جرم ثابت ہو جائے یا عدالت میں چار مرتبہ اقرارِ جرم کیا گیا ہو تو از روئے سنت و اجماعِ امت اس جرم کی سزا سنگسار کرنا ہے، جبکہ غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سزا کے طور پر سو کوڑے سورۂ نور میں بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ آیات میں شادی شدہ غلام و باندی کی سزا کا ذکر ہے کہ اگر وہ زنا کریں تو ان کی سزا آزاد کی سزا کا نصف (آدھا) ہے، یعنی پچاس کوڑے۔

باندیوں سے نکاح کا حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اندیشہ رکھیں کہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ سو اگر یہ اندیشہ نہ ہو اور قوت برداشت پیدا ہو جائے تو باندیوں سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے، تاہم قوت برداشت اور حوصلہ کے ہوتے ہوئے بھی باندیوں سے نکاح کر لیا جائے تو اگرچہ بہتر نہیں مگر حرام بھی نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۱۱:- حرام مال اور ناحق قتل سے اِجتناب کی تاکید

سورۃ النساء میں اب تک تین طرح کے ناجائز مال کھانے سے روکا جا چکا ہے۔

۱- یتیم کا مال۔

۲- بیوی کی اجازت و طیبِ خاطر کے بغیر اس کا حق مہر۔

۳- ورثاء کی وراثت۔

اب عمومی حرام خوری کی حرمت کا بیان ہے۔ جس میں سب لوگوں کے لیے عدل اور رحمت کا پہلو بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ تم مسلمان ایک دوسرے کا مال کسی بھی ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ مثلاً غصب، چھینا جھپٹی، چوری ڈکیتی، رشوت ستانی، امانت میں خیانت، بغیر کوئی کام کیے اُجرت و معاوضہ وغیرہ، یہ سب ناجائز ذرائع آمدنی ہیں، یہ تم پر حرام ہیں۔ ہاں! اگر دوسرے کا مال بطور تجارت اور خرید و فروخت کے حاصل کرو تو یہ حلال ہے۔

ایک حکم یہ بھی دیا: ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ اہلِ علم نے اس کی ایک تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی کا ناحق مال کھا کر یا گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ دراصل گناہ خود ہلاکت ہے اور باعثِ ہلاکت بھی ہے، لہٰذا کسی کا ناحق مال کھانا اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔

اس جملہ کی دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، یعنی نہ تو ایک دوسرے کے مال سے تعرض کرو

اور نہ ہی ایک دوسرے کی جانوں سے تعرض کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں، یہ اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ اس نے تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کے تحفظ کا قانون اپنے پسندیدہ دین کا حصہ بنا کر نازل فرمایا، ان اسلامی قوانین میں تمہارے لیے نفع ہی نفع ہے اور تم سب کی بہبود انہی قوانین میں ہے۔

تیسری تفسیر اس جملے کی بعض مفسرین نے یوں کی ہے کہ اپنی جانوں کو قتل نہ کرو یعنی خودکشی نہ کرو، ظاہر ہے کہ خودکشی بھی اسلامی شریعت میں حرام اور باعث عذاب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر انسان کی جان حق تعالیٰ کی جانب سے امانت ہے، کوئی انسان اپنی جان کا مالک نہیں بلکہ انسانی جان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کے پاس یہ جان امانت ہے، اس امانت میں خیانت حرام ہے، چنانچہ احادیث میں خودکشی پر سخت وعیدیں مذکور ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

خودکشی کی سنگینی

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے لوہے کی کسی چیز سے خودکشی کی روزِ محشر اسے جہنم میں اس طرح لایا جائے گا کہ وہ مسلسل اسی آلے کے ساتھ اپنے پیٹ پر ضربیں لگا رہا ہوگا اور اسی حالت میں عرصہ دراز تک دوزخ میں رہے گا۔ اور جس کسی نے زہر خوری کے ساتھ خودکشی کی اسے جہنم میں اس حال میں لایا جائے گا کہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ زہر خوری کرتا ہوگا، ایسے ہی عرصہ دراز تک دوزخ میں رہے گا۔ جس کسی نے اپنے آپ کو رسّی کے ساتھ باندھ کر خودکشی کی، روزِ محشر رسّی کے ساتھ بندھا ہوا دوزخ میں لایا جائے گا اور عرصہ دراز تک ایسے ہی دوزخ میں رہے گا۔ (جامع الترمذی: ۲۰۰۲)

۲۔ حضرت جندب بن عبداللہ البجلیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص کو زخم تھا، اس نے چھری لے کر اس زخم کو کاٹ ڈالا جس سے خون جاری ہوا اور بند نہ ہوا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہوگئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنے نفس کو عذاب دینے میں مجھ سے پہل کر لی لہٰذا میں نے اس پر جنّت حرام کر دی۔ (بخاری و مسلم بحوالہ ابن کثیر)

اگر کوئی شخص ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوا، مثلاً اس نے ظالمانہ طریقے سے کسی کا مال ہڑپ کیا یا ظلماً کسی کو قتل کیا تو ایسے ظالم شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالم کو دوزخ میں ڈالنا حق تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ اس کو دوزخ میں جلانے میں نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی یہ امر مشکل ہے۔ اس لیے سب مسلمان گناہوں سے اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کریں۔ جو شخص ظلم، قتل اور ناحق مال کھانے جیسے بڑے جرائم سے بچ گیا تو حق تعالیٰ شانہ اس کے چھوٹے گناہ بھی معاف فرما دیں گے اور ایسے شخص کو جنّت کا داخلہ نصیب فرما دیں گے۔

”صغیرہ“ اور ”کبیرہ“ گناہ کی تعریف

علامہ محمود آلوسیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں کبیرہ گناہ کی تعریف یوں نقل فرمائی: ”ہر وہ گناہ جس پر

شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا اس گناہ پر وعید وارد ہو یا لعنت کی گئی ہو یا اس گناہ کی خرابی مذکورہ بالا گناہوں جیسی ہو یا ان سے بھی زیادہ ہو ایسے تمام گناہ کبیرہ ہیں اور جو گناہ ایسے نہ ہوں وہ صغیرہ ہیں۔"

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ۝

دفعہ نمبر ۱۲:- خدائی عطا کردہ کمالات میں آرزوؤں کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے مردوزن میں سے جس جنس کو جو فضیلت، شرف، کمال اور خصوصیت عطا کی ہے، سبھی اسی پر راضی اور خوش رہیں۔ ایک دوسرے کی فضیلت وخصوصیت کو حرص کی نظر سے نہ دیکھیں۔ مرد حضرات خواتین کو حق تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ امور کے حصول اور خواتین مردوں کو عطا کیے گئے کمال وشرف کے حصول کی طمع و آرزو اور حرص وہوس قطعاً نہ رکھیں۔ جس کو جو ملا اسی پر قناعت اور کفایت کرے۔ نہ تو اپنی جنس بدلنے کی کوشش کریں، جیسا کہ دورِ حاضر میں بہت سی خواتین آپریشن اور مصنوعی طریقے سے مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں...... اور بہت سے مرد ایسی ہی تدبیروں سے خاتون بن جانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ سخت گناہ اور منع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی جانب سے دیے گئے حقوق میں ایک دوسرے پر حسد رکھنا یا دوسرے کے حق کو سلب کرنے کی کوشش کرنا (مثلاً خواتین کا شہادت ومیراث میں اپنے آپ کو مردوں کے مساوی قرار دینے کے مطالبات کرنا، سب خدائی بغاوت اور ایک دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ زنی ہے) باعث بغض وحسد ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ مرد وزن کا اپنا اپنا حصہ ہے، مرد اپنے اعمال کا اجر پائیں گے جبکہ خواتین اپنے اعمال کا صلہ پائیں گی۔ اجر تو سبھی کو برابر ملنا ہے۔ ہاں اللہ سے اپنے اعمال کے معاوضے میں زیادہ سے زیادہ ثواب وانعام کے طالب رہیں۔ اللہ کو سب معلوم ہے کہ کون کتنے اجر کا حق دار ہے اور کون کس فضیلت کا اہل ہے۔ ہر ایک کی جبلت وفطرت کے مطابق اس کے احکام ہیں۔ لہٰذا مردوں کا وراثت میں بعض صورتوں میں خواتین سے زیادہ حق دار ہونا سب حکمتِ الٰہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت دونوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں، ہر کسی کا والدین، قریبی رشتہ داروں اور جن سے معاہدہ ہوا، ان سب کے چھوڑے ہوئے مال میں حصہ ہے، اس حصہ کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے ہدایت فرمائی کہ وہ پورا پورا ادا کر دو۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہیں کہ کون کس کو حق دے رہا ہے اور کون محروم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا بھی علم ہے کہ کس وارث کا کتنا حصہ ہونا چاہیے۔

ابتدائے اسلام میں مسلمان خال خال تھے، زیادہ تر ان کے عزیز واقارب غیر مسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ دو بھائی ایک دوسرے کے مال کے وارث بھی ہوا کرتے تھے۔ بعد میں جب

ان کے قریبی رشتہ دار بھی مسلمان ہو گئے تو ان کا وراثت میں حصہ مقرر کر دیا گیا اور باہم معاہدے سے بنائے گئے بھائی اور منہ بولے بھائیوں کا میراث میں حصہ ختم کر دیا گیا۔ ہاں ان کے ساتھ حسن سلوک اور بوقت وفات ان کے لیے کچھ مال کی وصیت کرنا جائز رہا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ
قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ
بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

دفعہ نمبر ۱۳:- مرد حضرات کی خواتین پر فوقیت اور اس کے اسباب

مردوں اور عورتوں میں سے فطرتاً اور خلقتاً مرد کا درجہ عورت سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اللہ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم اور نگران بنایا۔ اس فوقیت اور فضیلت کی وجہ سے ان دونوں صنفوں کے احکام بھی کچھ مختلف کر دیے گئے۔ لہٰذا خواتین کا یہ مطالبہ کرنا کہ ہمیں حقوق میں مردوں کے مساوی قرار دیا جائے، سراسر قرآنی احکام سے روگردانی، جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ حق تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر جو نگرانی اور فوقیت کا درجہ دیا اس کے دو سبب ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خود مردوں کو عطا فرمائی۔ گویا یہ فضیلت وہبی اور خداداد ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا، اور نہ ہی اس کی حکمت پر اعتراض روا ہے۔ فیصلہ خداوندی پر خوش و خرم رہنا اور رضا و رغبت سے قبول کر کے سرِ تسلیم خم کر لینا ہی مسلمانی ہے۔

۲۔ مردوں کو عورتوں پر دوسری فضیلت کسبی ہے۔ اس لیے کہ مرد خواتین پر خرچ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے حق مہر ادا کر کے اہل خانہ کی خوراک، لباس، سکونت اور ضروریات کی کفالت کریں۔ وہ کما کے لائیں اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کریں۔ چونکہ عورتیں مردوں کی دست نگر ہوتی ہیں، اس لحاظ سے بھی مردوں کو فضیلت حاصل ہے۔ سو خواتین خاوندوں کی جائز امور میں اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ نیک عورتیں مردوں کی تابعداری کرتی ہیں۔ اللہ کے حکم کے مطابق خاوند کی عدم موجودگی میں بھی خاوند کی عزت اور مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ اپنے نفس و جان میں شوہر کے علاوہ کسی کا حق نہیں جانتیں۔ شوہر کے مال کو برباد کرنے کے بجائے اس کو اپنے پاس امانت سمجھتی ہیں۔ آیت کے آخر میں نیک بیوی کی یہی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں: اطاعت و فرمانبرداری اور جان و مال میں امانت کی پاسداری۔

دفعہ نمبر ۱۴:- اِصلاحِ اَزواج کا مرحلہ وار طریق

اگر کسی شوہر کو اپنی اہلیہ کی جانب سے بدتمیزی، نافرمانی، نفرت و بغض یا بدزبانی کا معاملہ درپیش ہو تو حتی الامکان

اہل خانہ کی اصلاح کی تدبیر کرنی چاہیے۔ چنانچہ شوہر درج ذیل تین مرحلہ وار طریقوں سے اپنی بیوی کی اصلاح کی کوشش کرسکتا ہے:

۱۔ خاوند اپنی بیوی کو حکمت وبصیرت سے سمجھائے بجھائے، اسے اپنا گھر بسانے کی ترغیب دے۔ خاوند کی نافرمانی کی وعیدیں بیان کرے، نیز اللہ ربّ العزّت کے عذاب اور مستقبل کے خطرات سے ڈرائے۔ الغرض پہلے مرحلے میں زبانی کلامی تفہیم سے کام لے۔ بہت سی خواتین افہام وتفہیم اور وعظ ونصیحت سے اپنی اصلاح کر لیتی ہیں اور یہی خاوند کا مقصد ہے۔

۲۔ اگر وعظ ونصیحت، تفہیم وترغیب، خوف خدا اور عذاب آخرت کی باتیں کارگر نہ ہوں بلکہ خاوند کے ساتھ ناروا سلوک اور نافرمانی برقرار رہے تو زبانی تفہیم کے بعد عملاً شوہر اپنی بیوی کو احساس دلائے۔ اس کی صورت یہ اختیار کرے کہ اپنی اہلیہ سے اپنی خواب گاہ جدا کرلے۔ اپنا رخ پھیر کر بیوی کو اس کی غلطی کا احساس دلائے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ترک کلام بھی کرسکتا ہے تاکہ اس عارضی فرقت سے دائمی فرقت کے خطرے کا احساس بیدار ہو۔

۳۔ وعظ ونصیحت، ترک کلام اور بستر کی علیحدگی سے بھی کام نہ چلے اور زوجہ اپنی روش بدلنے پر تیار نہ ہو تو خاوند شرعی حدود وقیود میں مار پیٹ کے ذریعے بھی اصلاح کی کوشش کرسکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے دو شرائط احادیث سے ثابت ہیں۔

الف:۔ ہلکی پھلکی مار ہو جس سے نہ تو زخم کا نشان ظاہر ہو اور نہ ہی ہڈی ٹوٹے۔

ب:۔ چہرے پر مار پیٹ نہ کی جائے۔ کیونکہ متعدد احادیث میں چہرے پر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔

اگر مذکورہ بالا اصلاح کے تین طریقوں میں سے کسی ایک سے اصلاح ہو جائے اور خاتون اپنے اندر تبدیلی لے آئے تو اب خاوند اس کے ساتھ اپنا رویہ درست کرے اور بلاوجہ بہانہ سازی کر کے طلاق نہ دے، بلکہ گھر بسانے کی سعی کرے۔ اگر کوئی خاوند پھر بھی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی روا رکھتا ہے، بلاوجہ مار پیٹ کرتا ہے، بلاقصور ڈانٹ ڈپٹ اور بغیر کسی مقصد کے ترش روئی اختیار کرتا ہے، الغرض کسی بھی طور پر صنفِ نازک کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو اسے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حق تعالیٰ بلند وبالا، غالب اور سب سے بڑے ہیں۔ جو ظالم سے خوب انتقام لینے والے ہیں۔ بیوی کی بے بسی کے سبب سے چڑھائی کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے محض بے بس اور عاجز جانے، اللہ سے ڈرے اور زیادتی نہ کرے۔

دفعہ نمبر ۱۵:۔ زوجین کی جانب سے قصور کی صورت میں اصلاح کا طریقہ

مذکورہ بالا دفعہ میں بیوی کی جانب سے کوتاہی کی صورت میں بیوی کی اصلاح کے طریق کار مذکور تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گھر نہ بسنے میں میاں بیوی دونوں کا قصور ہوتا ہے، زوجین باہمی اعتماد سے محروم ہوتے ہیں، ہر فریق دوسرے کا حق تلف کرنے کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے، ایسی صورت میں گھریلو نظام کی بقاء وحفاظت کا طریقہ درج ذیل ہے:

زوجین کی جانب سے باہمی لڑائی جھگڑے کی صورت میں حاکم وقت یا زوجین کے اولیاء کو چاہیے کہ وہ فریقین میں

صلح کی کوشش کریں۔ اگر یہ کاوش ثمر آور ہو تو بہتر، ورنہ خاتون کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک سمجھدار، نیک اور معاملہ شناس شخص جبکہ مرد کے قریبی تعلق داروں میں سے بھی ایک ایسی ہی صفات کا حامل شخص ثالث بنایا جائے۔ گویا ایک ثالث لڑکی کی جانب سے اور ایک لڑکے کی جانب سے مقرر ہو۔ یہ فریقین کا موقف سنیں، قصوروار کو متنبہ کریں اور اسے زیادتی سے روکیں۔ یہ دونوں ثالث خلوص دل سے صلح کی کوشش کریں۔ اگر یہ دونوں صلح کو مناسب جانیں اور زوجین میں مصالحت کروادیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کا گھر بسانے پر قادر ہیں۔ اگر وہ دونوں ثالث اس نتیجے پر پہنچیں کہ فریقین میں نباہ اور گزارہ نہیں ہو سکے گا اور باہمی جدائی ضروری ہے تو اس جوڑے میں طلاق کا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ روایات میں موجود ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو ایک جوڑے میں اختلاف ہو جانے پر ثالث مقرر فرما کر یہ ہدایت دی کہ اگر آپ صلح کرواسکیں تو جانبین میں صلح کروادیں اور اگر جدائی مناسب جانیں تو فریقین میں جدائی کروادیں۔ (تفسیر دُرِّ منثور)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

شانِ نزول

شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کر رکھی تھی، جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنادیا گیا، ان سے نماز میں "قل یآ ایھا الکافرون" کی تلاوت میں نشے کی وجہ سے سخت غلطی ہو گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں تنبیہ کردی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔ (معارف القرآن)

"شراب" کی تدریجی ممانعت کا دوسرا درجہ

شراب نوشی عرب کی پرانی عادت تھی، اور پوری قوم اس عادت میں مبتلا تھی، سوائے چند لوگوں کے جن کی طبیعت کو ہی اللہ ربّ العزّت نے ایسا سلیم بنادیا تھا کہ وہ اس خبیث چیز کے پاس کبھی نہیں گئے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوّت سے پہلے بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، چونکہ ایسی چیز کو چھڑانا جس کی عادت اور لت لگ چکی ہو، نہایت دشوار ہوتا ہے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے تدریجی طور پر آہستہ آہستہ ذہن سازی کر کے مختلف مرحلوں میں شراب کو حرام فرمایا، پہلے مرحلے میں اللہ ربّ العزّت نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ شراب میں کچھ منافع بھی ہیں اور نقصان بھی، البتہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ شراب کا نہ پینا بہتر ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں حرمت شراب کا دوسرا مرحلہ ہے، جس میں نماز کے اوقات میں شراب پینے کی ممانعت کردی گئی۔

تیمّم کا طریقہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے طہارت کے کچھ احکام ذکر فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جنابت کی حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ پہلے غسل کیا جائے پھر نماز ادا کی جائے۔ اور اگر کسی وجہ مثلاً بیماری یا سفر کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، یعنی پانی کے استعمال کی صورت میں بیماری کے بڑھنے کا اندیشہ ہو یا سفر میں کوئی ایسا مقام آجائے جہاں پانی کا ملنا دشوار ہو، تو اس صورت میں اللہ ربّ العزّت نے وضو اور غسل کے متبادل کے طور پر پاک مٹی سے تیمّم کا حکم فرمایا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیر لیے جائیں، دوسری مرتبہ مٹی پر ہاتھ مار کر بازوؤں پر پھیر لیے جائیں، تیمّم مکمل ہوگیا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۝ وَاللَّهُ
أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ
وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۚ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا
قَلِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا
فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن
يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

شرعی اَحکام میں تحریف یہودانہ رَوِش ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہودیوں سے شکوہ کیا اور مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ یہودیوں والے اعمال ہرگز اختیار نہ کرنا۔ یہود کی مذمت کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جنہیں اللہ ربّ العزّت نے کتاب عطا فرمائی ہے، وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے کُفر اختیار کرکے گمراہی کو گلے لگا رہے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کی ایک بری عادت کا تذکرہ فرمایا کہ یہود اللہ ربّ العزّت کی آیات اور تورات میں تحریف کرتے ہیں، یعنی تورات میں ذکر کردہ شرعی احکامات کو بدل دیتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سن لی، لیکن دل میں کہتے کہ ہم اس پر عمل نہیں کریں گے، اسی طرح دورانِ گفتگو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ "اِسْمَعْ" ہماری بات سنیے، لیکن ساتھ ہی دل میں کہتے کہ آپ کو کوئی خوشی اور مسرت کی بات نہ سنائی جائے۔ اور ان باتوں سے ان کا مقصد دینِ اسلام کا مذاق اڑانا اور (نعوذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی کوشش کرنا تھا، اسی لیے زبان موڑ کر بات کرتے تھے۔

اللہ ربّ العزّت ان کے ہر عمل سے واقف ہے، اور یہ جو باتیں کر رہے ہیں، انہیں بھی اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں، اس لیے انہیں چاہیے کہ سیدھی بات کریں، ورنہ ان کو دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر اللہ ربّ العزّت نے انہیں ایمان لانے کی دعوت دی اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل کتاب! اس قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، ایسا نہ ہو کہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرح تمہاری شکلیں بھی اللہ ربّ العزّت مسخ فرما دیں اور تمہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جائے، اور تم پر ایسی ہی لعنت فرما دیں، جیسے ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پر فرمائی تھی (جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے)۔

''شرک'' ناقابلِ معافی جرم!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے شرک کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت شرک کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے سوا جتنے بھی گناہ ہیں، خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، ان میں سے جس کو چاہیں گے معاف فرما دیں گے، لیکن مشرک کی کبھی معافی نہیں ہوگی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۞

یہودیوں کا مسلمانوں کے خلاف منصوبہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرما جانے کے بعد مدینہ منورہ میں اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا، مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی یہ روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، اور وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مختلف تدبیریں کیا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ یہود کا سردار کعب بن اشرف اپنے ساتھ ستر یہودی لے کر مکہ مکرمہ گیا اور مکہ مکرمہ والوں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر اکسایا اور انہیں اپنے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ اہل مکہ نے اس سے کہا کہ تم ایک دھوکا دینے والی قوم ہو، ہمیں تم پر یقین نہیں ہے، اگر تم واقعۃً اپنی بات میں سچے ہو تو ہمارے بتوں کو سجدہ کرو۔ کعب بن اشرف نے باوجود اس کے کہ بت پرستی یہودی مذہب میں بھی حرام تھی، لیکن اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اس نے بتوں کو سجدہ کیا، اس کے بعد اہل مکہ نے ان یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا، اسی دوران ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تم اہل علم ہو، تم ہمیں بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، کعب بن اشرف نے ان کی خوشنودی کے لیے کہا کہ تم حق پر ہو۔ اس پر اللہ ربّ العزّت نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان اہل کتاب کو دیکھیے جو جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں، اور کافروں کو اہل ایمان کے مقابلے میں ہدایت اور حق پر قرار دیتے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے ان سب پر لعنت فرمائی ہے، اور جس پر اللہ ربّ العزّت لعنت فرماتے ہیں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

"جِبْت" اور "طاغوت" کا معنیٰ

"جِبْت" کا لفظ پورے قرآن پاک میں صرف ایک اسی جگہ استعمال ہوا ہے، البتہ "طاغوت" کا لفظ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔ عام مفسرین جِبْت کا معنی بت اور طاغوت کا معنی شیطان کرتے ہیں، لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ یہودی بتوں اور شیطان کے پجاری ہیں، جیسا کہ ان آیات کے شانِ نزول میں بیان ہوا کہ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے اسلام دشمنی کی بنا پر مشرکین مکہ کے کہنے پر بتوں کو بھی سجدہ کیا۔ امام ابن ہشامؒ فرماتے ہیں: "الجبت عند العرب ما عُبِدَ من دون الله" یعنی اہل عرب کے نزدیک ہر وہ چیز جبت ہے، جس کی اللہ ربّ العزّت کے سوا عبادت کی جائے، "والطاغوت کل ما اضل من الحق" اور "طاغوت" ہر وہ چیز ہے جو راہ حق سے گمراہ کردے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا ۝

حکمرانوں سے متعلق قرآنی دفعات

یہاں سے احکام سلطانی یعنی ان احکام اور دفعات کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، جن میں خاص طور پر حکمرانوں کو مخاطب بنا کر عوام کے حقوق سے آگاہ کیا گیا ہے، اس سورت میں ایسی نو دفعات ہیں جنہیں اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا جائے گا، مذکورہ آیات میں ان احکام میں سے پہلا حکم ذکر کیا گیا ہے۔

دفعہ نمبر ا:- تقرّریوں میں اہلیت (میرٹ) پیش نظر رکھنے کی تاکید

اس دفعہ کا حاصل یہ ہے کہ اصحابِ اختیار واقتدار، مناصب اور عہدوں پر تقرریوں میں اہلیت ولیاقت کو پیش نظر رکھیں۔ ہر پوسٹ پر تقرری قابلیت کی بنیاد پر ہو۔ اس لیے کہ منصب وعہدہ ایک امانت ہے۔ اور امانت کی سپردگی اس کے اہل کو ضروری ہے۔ اسی طرح مقدمات وتنازعات میں بھی عدل وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ فیصلے میں اونچ نیچ یا رشوت ستانی اور ناجائز سفارش کا عنصر بالکل نہ ہو۔

"رشوت" اور "بدعنوانی" سے بچو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ کے یہودیوں میں رشوت ستانی اور بے انصافی کا مرض عام تھا۔ اس لیے بطور خاص مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ یہودیوں کی طرح تم اپنے نظام کو کجی کی جانب مائل نہ کرو، بلکہ عدل اور معیار کو برقرار رکھو۔ اس آیت کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کے

کلید بردار عثمان بن طلحہ سے چابی طلب فرمائی۔ انہوں نے اول تو دینے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زبردستی چابی وصول کی اور کعبۃ اللہ کھول کر اندر تشریف لے گئے۔ آپ جب باہر تشریف لائے تو آپ کے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے کعبہ کی کلید برداری کا منصب طلب کیا۔ جبکہ پہلے یہ منصب عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا جو اب مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ کو طلب فرما کر چابی ان کے حوالے کی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ چابی اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس رہے گی۔ چنانچہ کعبۃ اللہ کی چابی حضرت عثمان بن طلحہؓ کے خاندان میں ہی چلی آتی رہی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس حکم کے ساتھ ہی عوام الناس کو بھی پابند کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) اور اپنے حکمرانوں اور اپنے علماء کی اطاعت کیا کریں۔ ان کے احکام کو دل و جان سے قبول کریں۔ حکمرانوں کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد ذکر کر کے اس امر کی جانب اشارہ فرمایا کہ حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے احکام کے خلاف کوئی حکم جاری نہ کریں۔ اگر حکمران اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے خلاف حکم جاری کریں تو نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت ضروری نہیں، بلکہ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا یہ حکم فوری واپس لے لیں تاکہ حق تعالیٰ کی معصیت لازم نہ آئے۔ اس لیے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی حکم میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس حکم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب پھیر دو۔ ان سے جو راہنمائی ملے اسے قبول کر کے عمل پیرا ہو جاؤ، اہل ایمان کے لیے یہی بہتر اور اچھے انجام کا ذریعہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى
الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۝ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ
بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ
مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ
إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

جو حضور ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں، حضرت عمرؓ کا اس کے حق میں یہ فیصلہ ہے!

بشر نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا کہ چل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، ان سے فیصلہ کرائیں، مگر بشر منافق نے اس کو قبول نہ کیا، بلکہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس جانے اور اس سے فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کی، چونکہ اس جھگڑے میں یہودی حق پر تھا، اس لیے اسے یقین تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق اور

انصاف کا فیصلہ کریں گے۔ بہرحال کچھ دیر کی بحث کے بعد دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے پر راضی ہوگئے، مقدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، آپ نے معاملہ کی تحقیق فرمائی اور یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا، بشر اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا، اس لیے اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ شروع کر دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے معاملہ میں سخت ہیں، اس لیے اسے گمان تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے حق میں فیصلہ فرمائیں گے، یہودی نے اس کو قبول کرلیا، دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، یہودی نے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس مقدمے کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں، مگر یہ اس پر مطمئن نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر سے تصدیق چاہی، تو اس نے اقرار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو میں آتا ہوں، گھر میں تشریف لے گئے اور ایک تلوار لے کر آئے، اور اس منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو، اس کا یہی فیصلہ ہے۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔(معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں پچھلی کتابوں پر بھی ایمان لایا تھا اور اس قرآن پر بھی ایمان رکھتا ہوں، حالانکہ فیصلہ کرانے کے لیے وہ ایک سرکش انسان کے پاس جانے کی ضد کرتا ہے، جبکہ انہیں اس سے روکا گیا ہے، اگر اس کے دل میں واقعی ایمان ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے حاضر ہوتا، کیونکہ نبی تو بھیجا ہی اسی لیے جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس کے احکام کو مانا جائے۔ لیکن اس کا حال تو یہ ہے کہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ آؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کراتے ہیں تو یہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگ جاتا ہے۔ لہٰذا انہیں جو مصیبت پہنچی ہے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہونے کی) وہ ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچی ہے، اور اللہ ربّ العزّت ان کے دل میں چھپے نفاق سے خوب واقف ہیں۔ اگر یہ لوگ جھوٹی قسمیں اور باطل تاویلات کرنے کے بجائے اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر خود بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی مغفرت کی دُعا کرتے تو اللہ ربّ العزّت ان کی توبہ قبول فرما لیتے۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مغفرت پانے کی صورت یہ ذکر فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مغفرت کی دُعا کی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لیے دُعا فرمائیں، تو اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جس طرح آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (معارف القرآن) یعنی روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے استغفار کی درخواست کر سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ

أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يٰلَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

دفعہ نمبر ۲:- احتیاط و ہوشیاری سے جہاد کرنے کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے احکام سلطانی سے متعلق دوسری دفعہ کو بیان فرمایا ہے، اس دفعہ میں حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو جہاد سے متعلق بطور خاص حکم دیا کہ دشمنوں سے احتیاط برتی جائے۔ ان سے لڑتے وقت اسلحہ، آلات حرب وضرب، عقل ودانش، فہم وفراست، فوجی تربیت اور ہمہ قسم حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں۔ تاکہ دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچائے اور کامیابی یقینی ہو۔ چنانچہ اس احتیاط وحزم کے ساتھ جہاد کرو، خواہ بصورت جماعت ولشکر جہاد کے لیے جاؤ یا انفرادی طور پر جاؤ۔ سبھی جاؤ یا چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں جاؤ۔ ہاں تم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو جہاد سے پیچھے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے اظہار اسلام تو کرتے ہیں، لیکن دل سے ایمان نہیں لائے۔ یہ خود بھی جہاد سے جی چراتے ہیں اور دوسروں کو بھی عملاً جہاد سے روکتے ہیں۔ مسلمانوں کو مصیبت وتکلیف میں مبتلا دیکھ کر کہتے ہیں: اللہ کا مجھ پر بڑا احسان عظیم ہوا کہ میں اس معرکے میں شریک نہ تھا، ورنہ میں بھی تکلیف زدہ اور مبتلائے مصیبت ہوجاتا۔ اور اگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل وکامیابی نصیب ہو تو کہتا ہے: اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی کھلی کامیابی نصیب ہوتی۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنا، جنگ وجہاد کی تیاری کرنا، کسی بھی چیز کے لیے اسباب کا حاصل کرنا یا احتیاط و پرہیز کرنا خلاف توکل نہیں۔ بلکہ عین توکل ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی اسباب کے ساتھ توکل اختیار فرمایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ'' اونٹ کا پاؤں باندھ ڈالو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ الگ چیز ہے کہ اسباب واحتیاط سے تقدیر نہیں بدلتی۔ حق تعالیٰ نے جو چیز لکھی ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گی۔ قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو بھی واضح فرمایا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (التوبۃ:۵۱)

کہہ دو کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے، ہمیں اس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی، وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اسباب واحتیاط کے ساتھ سکون قلب اور ایک گونہ اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں اسباب واحتیاط اختیار کرنے یا نہ کرنے پر قضا لکھی ہوتی ہے۔ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد امام وقت کو اختیار ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں جہاد کے لیے روانہ کرے یا بڑی جماعتیں۔ انفرادی تشکیل پر کسی کو روانہ کرے یا اجتماعی تشکیل پر سب ہی کو خروج کا حکم دے۔ حسب موقع وضرورت احکام دیے جاسکتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے بعض مقامات پر سب مسلمانوں کو جہاد کے لیے نکلنے کا جو حکم آیا، بعض مفسرین کے نزدیک وہ اس آیت سے منسوخ ہوگیا۔ اب ضرورت اور حالات کے مطابق اہل

ایمان کو امیر وقت جو مناسب حکم دے وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار: کتاب الجہاد، ۶/ ۲۰۴ مکتبہ رشیدیہ)

منافقین کے متعلق یہ حقیقت طشت از بام کر دی گئی کہ یہ لوگ جہاد سے جی چراتے ہیں اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے پر، اپنے محفوظ رہنے کی خوشیاں مناتے ہیں اور مسلمانوں کو راحت پہنچے پر پشیمان ہوتے ہیں۔ آیت میں منافقین کو مسلمانوں میں ظاہر کے اعتبار سے شریک کر کے خطاب کیا گیا۔ چونکہ ظاہری طور پر وہ کلمہ گو تھے، اس لیے "مِنکُم" "تم میں سے فرمایا گیا۔ یہ خطاب ایمان کے اعتبار سے نہیں بلکہ ظاہری طور پر اسلام کے اعلان کی وجہ سے ہے۔

آیت میں مصیبت و تکلیف سے مراد میدان جہاد میں اہل اسلام کو حاصل ہونے والی موت شہادت، زخم یا ظاہری شکست ہے۔ ایسے موقع پر منافقین اپنی عدم موجودگی پر خوش و شادمان ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: اگر ہم شریک جہاد ہوتے تو ہم بھی اسی طرح دُکھ اٹھاتے۔ اسی طرح "فضل" سے مراد مال غنیمت کا حصول، کامیابی اور خدائی نصرت ہے۔ مسلمان جب بھی جنگ میں کامیاب و کامران ہو کر مال غنیمت اور فتح مندی حاصل کرتے ہیں تو انہیں یہ آرزو ہوتی ہے کہ کاش! ہم بھی اس معرکے میں شریک ہو کر مستفید ہوتے۔ الغرض دو رُخی پالیسی پر گامزن ہو کر بزدل رہتے ہیں۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

دفعہ نمبر ۳:- جہاد کی ضرورت و اہمیت

مذکورہ بالا تین آیات میں حکم جہاد، تقاضائے جہاد اور مقام و مرتبہ جہاد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اوّل الذکر امر کا نہایت ہی بلیغ پیرائے میں ذکر فرمایا کہ "اگرچہ منافقین جہاد سے جی چراتے ہیں لیکن مسلمان راہ خدا میں لڑ مریں" مسلمان تو اپنی حیات و دُنیا سبھی کچھ آخرت کے بدلے فروخت کر چکے ہیں۔ انہوں نے تو حق تعالیٰ سے آخرت و جنت خرید کر بدلے میں سب کچھ دینے کا عہد و پیماں کیا ہے۔ لہٰذا اہل ایمان اپنے اسی عقد و عہد کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دیں۔ رہی فتح و شکست مسلمان کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اسے جہاد میں فتح ہو تب بھی حق تعالیٰ کی جانب سے اجر و غنیمت نصیب ہوگی۔ اجر سے تو آخرت میں نوازا جائے گا اور غنیمت سے دنیا میں بہرور ہوگا۔ اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہوا تو بھی مجاہد اجر عظیم کا مستحق تو بہر حال ہے۔ مسلمان کے لیے ہار تو ہے نہیں، وہ ہمیشہ فتح مند ہے اور اس کا اجر بھی اجر عظیم ہے۔

ثانی الذکر امر مقتضی جہاد کا بیان ہے۔ وہ یہ کہ اہل ایمان کو قتال و جہاد کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ قتال و جہاد

فی سبیل اللہ کا بہت بڑا تقاضا سامنے ہے۔ اور وہ ہے لاچار، کمزور، کلمہ گو مرد و زن اور کم سن بچوں کی گرفتاری، غیر مسلموں کی قید و بند کی صعوبتیں، جبکہ یہ لاچار دُہائیاں دے رہے ہیں اور دست بہ دُعا ہیں کہ انہیں آزادی نصیب ہو۔ مکہ مکرّمہ جو ابھی تک مشرکین کے قبضے میں تھا، میں کچھ کمزور مسلمان، خواتین اور بچے مشرکین کی قید میں تھے، وہ شب و روز یہ دُعائیں کرتے ''اے ہمارے ربّ! ہمیں اس شہر سے نجات عطا فرما کہ جس کے والی و حاکم اور لوگ ظالم و جابر ہیں، اور ہمیں اپنی جانب سے ولی و نصیر عطا کر۔''

حبر الأمت مفسر قرآن حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں اور میری والدہ محترمہ انہیں لوگوں میں شامل تھے، جو کُفّار کی قید میں گرفتار تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ اینکہ آخر تم ایسے دہائی دینے والے مجبوروں، مقہوروں اور مظلوموں کی رہائی کے لیے قتال کیوں نہیں کرتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کی غیر مسلموں کے ہاتھوں گرفتاری اور قید پر فرضیت جہاد کی تاکید میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بالخصوص جب کلمہ گو مسلمان خاتون کُفّار کی قید میں ہو تو اہلِ ایمان پر اس کی رہائی و آزادی فرض ہو جاتی ہے۔

فتاویٰ سراجیہ اور عالمگیری میں مرقوم ہے: ''اِمْرَأَۃٌ سُبِیَتْ فِی الْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلٰی اَھْلِ الْمَغْرِبِ اَنْ یُّخَلِّصُوْھَا'' یعنی اگر کوئی خاتون مشرق میں گرفتار ہو جائے تو اہلِ مغرب پر اس خاتون کو رہا کرانا واجب ہو جاتا ہے۔

ثالث الذکر امر، مرتبہ جہاد اور فضائل مجاہدین ہے۔ اس کے ساتھ ہی جہاد میں جس امر کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، اسے بھی متعین کر دیا گیا کہ اہلِ ایمان تو اللہ کی راہ میں ہی جہاد کرتے ہیں۔ ان کا مرنا، جینا راہِ خدا میں ہوتا ہے۔ وہ ربّ کی خوشنودی کے لیے اپنی جان ہتھیلی پہ لیے پھر رہے ہیں۔ ان کا مطمحِ نظر جاگیر، دولت، عزت، شہرت، داد و تحسین کا حصول اور ناجائز رعب جمانا نہیں۔ نہ ہی ان کے پیشِ نظر حکومتوں کا حصول ہے۔ وہ تو صرف حکمِ الٰہی کے تحت ہی اس کے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ ان کی جنگ و جدل راہِ حق سے اعراض کرنے والوں سے ہے اور حق تعالیٰ کی خاطر نہ ذاتی عداوت، نہ نفسی انتقام، بس بغض فی اللہ کا اظہار اور حُبّ فی اللہ پر عمل ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ جبکہ غیر مسلم و کُفّار راہِ طاغوت میں لڑتے ہیں۔ ان کی پیشِ نظر طاغوت و شیطان کی خوشنودی اور طاغوتی نظام کی مضبوطی ہے۔ یہ مجاہد و محارب میں واضح فرق ہے۔ حضرات مفسرین نے طاغوت کی متعدد تفاسیر فرمائی ہیں:

۱۔ طاغوت بت کو کہتے ہیں۔

۲۔ طاغوت شیطان ہی کا نام ہے۔

۳۔ اللہ کے سوا جس کسی کی بھی پوجا کی جائے وہ طاغوت ہے۔

خلاصہ سب تفاسیر کا ایک ہی ہے کہ طاغوت سے مراد باطل ہے۔ اہلِ کُفر باطل کے لیے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے ان دوستوں سے لڑو بھڑو۔ شیطان کے مکر و فریب کمزور ہیں، جو کبھی غالب نہیں آسکتے۔ باطل بھی ایک دن ختم ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ لہٰذا تم مردانگی کے ساتھ باطل کا مقابلہ کرو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ
لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝
اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَاۤءِ الْقَوْمِ لَا
يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝

شانِ نزول

مکہ میں ہجرت کرنے سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستایا کرتے تھے، مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور رخصت مانگتے کہ ہم کفّار سے قتال کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو منع فرماتے کہ مجھے قتال کا حکم نہیں ہے، بلکہ صبر اور درگزر کرنے کا حکم ہے، نیز فرماتے کہ جو احکام تمہیں دیے جا چکے ہیں یعنی نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے، اس پر عمل کرتے رہو، اس بات کو مسلمانوں نے قبول کر لیا، پھر ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو جہاد کا حکم ہوا تو ان کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ ہماری درخواست قبول ہوئی، لیکن بعض کچے مسلمان کافروں کے ساتھ قتال کرنے سے ایسے ڈرنے لگے، جیسا کہ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے، یا اس سے بھی زیادہ، اور آرزو کرنے لگے کہ کاش کچھ دن اور قتال کا حکم نہ آتا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

جہاد سے ہی موت نہیں آتی!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان حضرات کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم موت سے ڈر کر جہاد سے جی کیوں چُراتے ہو، موت سے تو تم کسی بھی حالت میں نہیں بچ سکتے، تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ لے گی، خواہ تم اپنے گھر میں اپنے بستر میں یا کسی مضبوط قلعہ میں بند ہی کیوں نہ ہو، موت کا راستہ کوئی نہیں روک سکتا، تو جب موت سے فرار ممکن ہی نہیں تو اس سے ڈرنے اور جہاد سے جی چُرانے کا کیا فائدہ؟

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے منافقین کی ایک بُری عادت کو ذکر فرما کر انہیں تنبیہ فرمائی ہے۔ منافقین کی عادت تھی کہ اگر انہیں کوئی فتح یا کامیابی ملتی تو کہتے کہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ملی ہے، اور اگر کبھی کوئی تکلیف یا پریشانی پیش آتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو طعنے دیتے ہوئے کہتے کہ یہ تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس طرزِ عمل کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو جو بھی حالت درپیش ہو، خواہ کوئی کامیابی ہو یا پریشانی، سب اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ لوگ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ
الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

بغیر تحقیق بات اُڑا دینا منافقین کا وطیرہ ہے!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین کے ایک اور قبیح طرزِ عمل کو بیان فرما کر اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ منافقین کی عادت تھی کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کر دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، تو وہ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے، جب دروازے پر پہنچے تو آپ نے سنا کہ مسجد کے اندر لوگوں میں بھی یہی ذکر ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اس خبر کی تحقیق کرنی چاہیے، چنانچہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازے میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ ان منافقین کو جب کوئی خوشی یا پریشانی کی خبر ملتی ہے تو یہ بغیر تحقیق کے اسے آگے پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ ان کو چاہیے کہ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحب رائے و اختیار لوگوں کو پہنچاتے، تاکہ وہ اس کی تحقیق کرتے اور اس میں غور و فکر کر کے اس کی صحیح حقیقت معلوم کرتے۔ اگر اللہ ربّ العزّت کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے اکثر شیطان کی پیروی میں لگے ہوتے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَن
يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ
أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا
مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ
صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ
اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَتَجِدُونَ
آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّ مَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ
وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا
لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝

دفعہ نمبر ۴:-منافقین کے متعلّق خصوصی ہدایات

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے احکام سلطانی کی دفعات میں سے چوتھی دفعہ بیان فرمائی ہے، جس کا تعلق منافقین کے ساتھ ہے اور اس دفعہ میں منافقین سے متعلّق خصوصی احکام دیے گئے ہیں۔

منافق کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ جو شخص دل سے ایمان نہ لایا ہو، محض زبانی اظہارِ ایمان کر کے حصول مفادات چاہتا ہو، لیکن یہاں منافقین کے مفہوم میں مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ وہ غیر مسلم بھی شامل ہیں، جو دل وجان سے کُفر کرتے تھے مگر مسلمانوں کے حملوں سے بچاؤ اور اپنی جان بخشی کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے میل جول رکھتے تھے۔ ایسے منافقین اور کُفّار کے بارے میں اہل ایمان کی دو جماعتیں ہو گئیں تھیں۔ ایک جماعت کا کہنا یہ تھا کہ ایسے لوگوں سے میل جول رکھا جائے۔ اُس جماعت کے پیش نظر ایسے غیر مسلموں کی ہدایت کی امید اور اصلاح کی توقع تھی۔ جبکہ دوسری جماعت کا موقف یہ تھا کہ ان لوگوں سے بالکل میل جول بند کر دینا چاہیے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں برتنی چاہیے۔ بعض مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ ان آیات کا نزول ان منافقین کے بارے میں ہوا جو غزوہ احد میں شرکت کے لیے چلے لیکن راستے سے واپس ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں اختلاف کرنے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس اختلاف کرنے پر اہل ایمان کو تنبیہ بھی فرمائی کہ ان منافقین و کافرین کو اپنا خیر خواہ اور حمایتی مت سمجھو اور نہ ہی ان کے ایمان کی توقع رکھو۔ یہ تو الٹا تمہاری گمراہی کے درپے ہیں۔ ان کی بدعملیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ شخص کو بھلا تم کیسے ہدایت دے سکتے ہو؟ ایسے لوگوں کو تو جہاں پاؤ قتل کرو۔ نہ ہی انہیں اپنا دوست بناؤ اور نہ ہی ان کی کسی قسم کی مدد کرو۔ ہاں ان میں جو لوگ صحیح طور پر اسلام قبول کر لیں اور ہجرتِ مدینہ (جو اُس وقت قبولِ اسلام کے لیے فرض کا درجہ رکھتی تھی) کو اختیار کر لیں تو پھر وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان پر دست درازی نہ کرو، بصورت دیگر ان سے کوئی رعایت نہ ہوگی۔ البتہ دو قسم کے لوگوں سے تم تعرض نہ کرو:

۱- وہ منافق جو ایسے غیر مسلموں کے ہاں رہائش پذیر ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے، وہ تمہارے عہد و پیمان میں ہونے کی وجہ سے امن میں ہیں، ایسے منافقوں کو سر دست قتل نہ کرو، کیونکہ یہ بھی بالواسطہ تمہاری پناہ میں آ گئے۔

۲- ایسے لوگ جو نہ تو تم سے دست و گریبان ہونا چاہتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ غیر جانبدار ہو کر تم سے صلح چاہتے ہیں اور اس صلح پر وہ قائم بھی ہیں تو انہیں بھی قتل نہ کرو، بلکہ ان کی صلح جوئی کو اللہ تعالیٰ کا احسان جانو کہ اس نے تمہیں ان لوگوں سے بچا لیا۔ اگر رَبّ چاہتا تو یہ بھی تم پر مسلط ہو جاتے۔ لہٰذا ان کی صلح سے فائدہ اٹھاؤ۔

مذکورہ بالا دو جماعتوں کے علاوہ ایک اور جماعت بھی ہے جو تم سے صلح کا عہد و پیمان کرتے ہیں، لیکن جب اپنی قوم کا پلڑا بھاری دیکھتے ہیں تو عہد و میثاق کو توڑ کر اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کوئی رعایت نہ دو، بلکہ انہیں جہاں پاؤ، قتل کرو۔ ان لوگوں نے عہد شکنی سے خود ہی اپنے خلاف حجت قائم کر دی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۵:۔قتل کی مختلف صورتیں اور احکام

احکام سلطانی میں سے پانچویں دفعہ کو بیان کیا جا رہا ہے، جس میں قتل سے متعلق چند ہدایات دی گئی ہیں۔

پہلی ہدایت: کسی مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، قتل ناحق کبیرہ گناہ ہے، البتہ اگر غلطی اور چوک کی وجہ سے نادانستہ طور پر کسی سے کوئی بے گناہ شخص قتل ہو جائے تو اس کے ذمہ شرعی طور پر دو چیزیں لازم ہیں:

۱۔کفارہ: قتل کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کیا جائے اور اگر غلام دستیاب نہ ہوں (جیسے آج کل نہیں ہیں) تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے جائیں۔

۲۔مقتول کے ورثاء کو دیت کی ادائیگی: دیت اگر نقدی کی شکل میں دی جائے تو تیس کلو، چھ سو اٹھارہ گرام چاندی یا چار کلو تین سو چوہتر گرام سونا دینا لازم ہیں، اور اگر دیت میں اونٹ دیے جائیں تو سو اونٹ دینا لازم ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں درج ہے۔ اگر مقتول کا کوئی وارث یا تمام ورثاء دیت معاف کرنا چاہیں تو انہیں اس کا اختیار ہے۔

واضح رہے کہ کفارہ، قاتل کو خود ادا کرنا پڑتا ہے، جبکہ دیت قاتل کے عاقلہ (اہل نصرت یعنی خاندان وغیرہ) پر آتی ہے۔

دوسری ہدایت: اگر مقتول (جو غلطی یا چوک کی وجہ سے قتل ہوا ہے) حربی ہو اور دار الحرب میں ہی رہتا ہو، لیکن مؤمن ہو، تو اس صورت میں صرف کفارہ یعنی ایک غلام آزاد کرنا واجب ہوگا۔

تیسری ہدایت: اگر مقتول (جو غلطی یا چوک کی بنا پر قتل ہوا) ذمی یا مستامن ہو، یعنی ویزہ لے کر ہمارے ملک میں آیا ہو، تو اس صورت میں دیت بھی لازم ہوگی، جو اس مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی، اور کفارہ ادا کرنا بھی لازم ہوگا۔

قتلِ ناحق کی سنگینی

مندرجہ بالا آیات میں سے آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے قتل عمد یعنی اگر کسی نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا ہو، کی اخروی سزا بیان فرمائی ہے کہ ایسا شخص جو کسی مؤمن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کرے تو وہ اللہ ربّ العزّت کے غضب اور لعنت کا مستحق ہوگا اور قیامت میں اس کا ٹھکانا جہنّم ہوگا، جہاں وہ عرصہ دراز تک رہے گا، اور اگر کوئی شخص مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنّم کی آگ میں جلے گا۔

واضح رہے کہ قتل عمد کی دنیوی سزا کا ذکر یہاں نہیں ہے، بلکہ وہ سورۃ البقرہ میں ذکر کی جا چکی ہے، اور وہ سزا قصاص ہے، یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے والے شخص کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

دفعہ نمبر ۶:۔ جس کے مسلمان ہونے کا اِحتمال ہو، اسے قتل کرنا جائز نہیں

گزشتہ آیات میں مؤمن کو قتل کرنے سے سختی سے منع کیا گیا تھا، اس آیت میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے مؤمن کے لیے اس کا ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا اقرار کرنا کافی ہے، جو شخص اسلام کا اظہار کرے اس کو قتل کرنا کسی بھی صورت درست نہیں ہے۔ اس آیت کے پس منظر میں متعدد واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا، جن میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب وہ موقع پر پہنچے تو سب لوگ بھاگ گئے، صرف ایک شخص رہ گیا، جس کے پاس بہت مال تھا، اس نے صحابہ کرام کے سامنے کلمہ پڑھ لیا، مگر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر کہ دل سے نہیں کہا، بلکہ اپنی جان و مال بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے، اس کو قتل کر دیا، جب یہ لوگ مدینہ منوہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو بلا کر سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب کلمہ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہوگا تو تم کیا جواب دو گے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ جب کہیں سفر میں ہو تو اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو، اور کسی ایسے شخص کو جو تمہیں سلام کرے، یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو، تم بھی تو قبول اسلام سے پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ رَبّ العزّت نے تم پر احسان کیا، تمہیں اسلام کی توفیق دی اور کفّار کے نرغے سے نجات دی، لہٰذا آئندہ ایسا کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیا کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

دفعہ نمبر ۷:-خاص حالات میں ہجرت کی ترغیب

مذکورہ بالا آیت میں مکہ مکرمہ کے کلمہ گو باسیوں کو جانب مدینہ ہجرت کی ترغیب اور حکم دیا جارہا ہے۔ یاد رہے کہ فتح مکہ سے قبل اہل اسلام کے لیے مدینہ منورہ ہجرت کرنا فرض تھا۔ تارک ہجرت کا اسلام قبول نہ تھا، کیونکہ ایک طرف تو مکہ وگرد ونواح میں رہ کر احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ تھا۔ دوسری جانب جمعیت کا استحکام اور اہل اسلام کی قوت کا اجتماع بھی ضروری تھا۔ اس بنا پر ہجرت لازم قرار دے دی گئی تھی۔ اسی لیے آیت میں تارکین ہجرت کو ظالم یعنی گناہگار قرار دے دیا گیا۔

قرآنی اصطلاح میں ہر گناہ ظلم اور گناہگار ظالم کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ ہر گناہ درحقیقت اپنے ساتھ ہی زیادتی ہے، گویا گناہگار اپنے اوپر ہی ظلم کرتا ہے۔ ایسے لوگ جنہوں نے ہجرت نہ کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا بوقت موت ان سے فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ وہ جواباً کہتے ہیں کہ ہم کمزور اور ضعیف تھے، ہجرت کی قوت نہ رکھتے تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرتے؟ یہی لوگ دوزخی ہیں اور دوزخ برا انجام ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ آج بھی اگر کسی علاقے میں سکونت پذیر ہو کر احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا ممکن نہ ہو تو ایسے علاقے کو خیر باد کہہ کر، کسی بھی ایسے علاقے کی جانب ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے، جہاں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل کیا جاسکے۔ ہجرت کبھی تو دارالکفر سے دارالاسلام کی جانب ہوتی ہے، جیسے عہد نبوت کی ابتدا میں مکہ دارالکفر تھا اور مدینہ دارالاسلام بن گیا، چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی۔ کبھی ہجرت دارالفساد سے دارالامن کی جانب ہوا کرتی ہے، جیسے صحابہ کرام نے مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

ترک ہجرت کی مذکورہ بالا وعید ان مسلمانوں کے لیے ہے، جو قدرت کے باوجود تارک ہجرت ہوں۔ البتہ جو لوگ معذور ومجبور ہوں یا کمزور وناتواں ہوں یا ایسی خواتین اور چھوٹے بچے جو ہجرت کی تدبیر نہ کرسکیں اور راستے سے واقف نہ ہوں یا دوسرے ملک میں ویزے وغیرہ کے مسائل ہوں، تو ایسے لوگوں کو ہجرت کے حکم سے معافی اور استثنیٰ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف و درگزر فرمانے والے ہیں۔

آخر ہجرت میں کیا رُکاوٹ ہے؟

آیت نمبر ۱۰۰ میں ہجرت کے لیے تین موانع کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ عموماً تین قسم کے خدشات کی وجہ سے ہجرت کو ترک کیا جاتا ہے:

۱- جہاں ہجرت کر کے جائیں گے، کیا معلوم وہاں سکونت ملے یا نہ ملے؟

۲- نئی جگہ اور مقام پر روزگار کا کیا ہوگا؟

۳۔ خدانخواستہ سفر ہجرت میں موت واقع ہو جائے تو گھر سے بھی گئے اور ہجرت کی تکمیل بھی نہ ہوئی۔ کہیں اجر سے محروم تو نہیں ہو گئے؟

''سفر وسیلۂ ظفر''

حق تعالیٰ نے ان تینوں موانع اور رکاوٹوں کا ازالہ فرمایا ہے۔ پہلی رکاوٹ کے بارے میں فرمایا جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے زمین میں جگہ وٹھکانہ بھی عطا ہوگا اور سکونت و رہائش بھی۔ دوسرے خطرے کا ازالہ ''سعۃ'' کے لفظ سے فرمایا کہ ہجرت کرنے والے کو حق تعالیٰ کی جانب سے وسعت و رزق بھی عطا ہوگا۔ تیسرے خطرے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض راستے میں کسی کی موت واقع ہو گئی تو اگرچہ ہجرت کا عمل مکمل نہ ہو، تاہم اسے حق تعالیٰ پورے عمل ہجرت کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اور ساتھ مغفرت و رحمت سے بھی نوازیں گے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج وعمرہ اور جہاد پر جانے والے ایسے عازمین، جن کی راستے میں موت واقع ہو جائے، ان کے لیے بھی حج وعمرہ اور جہاد کا پورا پورا اجر ملنے کا اعلان فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ ہجرت مدینہ کا حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لا ھجرۃ بعد الفتح'' یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۲۸)

گناہوں سے ہجرت اب بھی ضروری ہے!

ہجرت ظاہرہ یعنی ترک وطن کا حکم تو اب بوقت ضرورت ہوگا۔ البتہ ہجرت باطنہ یعنی ترک ذنوب (گناہوں کو چھوڑنا) کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغ انداز میں یوں بیان فرمایا ہے: ''المھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ'' یعنی مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۷/ ۴۹۹) ظاہر ہے کہ یہ حکم ہر مسلمان کے لیے ہر زمانہ میں ہر مقام پر قائم ہے۔ خلاصہ کلام اینکہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **ہجرتِ ظاہرہ**: دین واسلام کی خاطر ترک وطن کرنا۔

۲۔ **ہجرتِ باطنہ**: گناہ اور اللہ کی نافرمانی کو ترک کرنا۔

پہلا حکم بوقت ضرورت ہے، یعنی جب کسی مقام پر رہتے ہوئے شریعت پر عمل کرنا ممکن نہ ہو یا جان وایمان کا خطرہ ہو تب وطن چھوڑنا ہوگا، جبکہ دوسرا حکم ہر مسلمان مرد وزن کے لیے ہمہ وقت ہے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ

وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم
مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ فَإِذَا قَضَيْتُمُ
الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۝ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا
تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

دفعہ نمبر ۸:- سفر اور خوف کی نماز کے اَحکام

اس دفعہ میں اللہ ربّ العزّت نے حالت سفر اور حالت خوف یعنی جنگ وغیرہ کی حالت میں نماز پڑھنے کے احکام ذکر فرمائے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- سفر سے متعلّق احکامِ صلوٰۃ کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ سفر جو تین منزل ہو یعنی اڑتالیس میل یا تقریباً ۷۸ کلومیٹر کا ہو، اس سفر میں اپنے شہر سے نکلتے ہی سفر کے آغاز سے واپس شہر آنے تک ظہر، عصر اور عشاء کی نماز بجائے چار رکعتوں کے دو رکعت فرض رہ جاتی ہے، اس تخفیف کو قصر کہا جاتا ہے، ایسے ہی اگر مذکورہ بالا مسافت پر کسی مقام میں پندرہ روز سے کم قیام کی نیت ہو تب بھی نماز میں یہ رعایت حاصل ہوتی ہے۔ ہر چند کہ یہ تخفیف و رعایت سفر کی مشقتوں اور صعوبتوں کی وجہ سے مرحمت فرمائی گئی تاہم اب یہ مشقت و صعوبت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہمہ قسم زمینی، فضائی، بحری سفروں میں حاصل ہوگی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفری رعایتی نماز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدیہ اور گفٹ قرار دے کر اللہ تعالیٰ کے ہدیے کو قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ نماز کی اس تخفیف میں سنتیں نفل کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اگر سفر جاری ہو تو سنتیں ترک کی جا سکتی ہیں لیکن اگر سفر میں کہیں اقامت ہو تو فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق سنتیں ادا کر لینی چاہئیں۔

۲- حالت خوف میں نماز سے متعلّق قانون شریعت یہ ہے کہ حالت جہاد وغیرہ میں اگر غیر معمولی حالات ہوں اور دشمن کا خوف زیادہ ہو جائے، ایک جماعت کے ساتھ اجتماعی طور پر نماز ادا کرنے میں دشمن کے حملہ کر دینے کا خوف ہو تو اس حالت میں بھی نماز ترک نہ کی جائے، بلکہ معمول کے طریقہ سے ہٹ کر مذکورہ بالا آیات اور احادیث نبویہ میں بتائے گئے طریقے سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لی جائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی صورتحال غزوۃ ذات الرقاع میں پیش آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صلوٰۃ الخوف پڑھائی، اس نماز کی تفصیل کتب احادیث وفقہ میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی جانب جہاد کے لیے تشریف لے گئے، اس جہاد کے دوران نماز کا وقت ہوا تو ہم دشمن کے سامنے آ کر صف آراء ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرمایا، ایک جماعت کو (نصف نماز) پڑھائی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل رہی، پہلی

جماعت نصف نماز ادا کرنے کے بعد دشمن کے مقابل چلی گئی اور دوسری جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی نصف نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا، یہ لوگ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی نماز کی تکمیل کی اور دشمن کے مقابل چلے گئے، دوسری جماعت نے آ کر اپنی نماز پوری کی۔ (صحیح البخاری:۱/ ۲۰۰، ابواب صلاۃ الخوف۔ مکتبہ رحمانیہ)

مذکورہ بالا طریقہ کی جانب ہی آیت مذکورہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ علمائے اُمّت کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ صلوٰۃ الخوف اب بھی مشروع ہے۔ اور خوف کی حالت میں امیر لشکر یا اس کا قائم مقام امام اس طرح نماز پڑھائے، اس طریقہ کے مطابق جماعت کے ساتھ سب شرکاء کی نماز بھی ہو جائیگی اور دشمن کو حملہ کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

حالت جہاد میں اہل اسلام کو خصوصی طور پر ذکر خداوندی کا بھی حکم دیا گیا، اس سلسلہ میں یہاں بھی ہدایت کی گئی کہ نماز سے فراغت پانے کے بعد بھی ہر حال میں یادِ خداوندی کا فریضہ سرانجام دیتے رہو۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے کسی حال میں ذکر اللہ سے غفلت نہ برتو۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿﴾
وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن
كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ
الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿﴾

دفعہ نمبر ۹:- شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کیجیے

اس دفعہ میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر چند خصوصی احکام عطا فرمائے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے آپ پر قرآنِ کریم اس لیے نازل کیا تا کہ آپ اللہ کے دیے ہوئے علم و بصیرت سے لوگوں کے باہمی تنازعات میں فیصلے فرمائیں اور کسی بھی دغاباز کی طرف سے آپ دفاع نہ فرمائیں اور اگر ایسی کوئی صورت پیدا ہو گئی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔ خیانت کرنے والوں کی جانب سے آپ مت جھگڑیے، بلاشبہ اللہ خائن گناہگاروں کو پسند نہیں فرماتے۔

ان آیات کا نزول ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک عمر رسیدہ صحابی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے ہاں رات کو چوری ہو گئی، چور آٹے کا تھیلہ اور اسلحہ لے گیا۔ آٹا مدینہ منورہ میں ناپید تھا۔ اس صحابیؓ کے عمر کے تقاضے کی وجہ سے آٹا باہر سے منگوایا گیا تھا۔ چور ''بشیر'' نامی ایک منافق تھا جو بظاہر کلمہ گو تھا۔ آٹے کے تھیلے میں سے آٹا راستہ میں گرتا گیا، منافق نے یہ آٹا اور اسلحہ ایک یہودی کے پاس رات کو ہی امانت رکھوا دیے، صبح ہوئی تو حضرت رفاعہ

رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے کو اطلاع دی، وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موقر صحابی ہیں، چنانچہ جب گھر ادیکھا گیا تو "بشیر" کے گھر تک جا پہنچا، لیکن تلاشی میں سامان نہ ملا، پوچھ گچھ پر منافق نے یہودی کا نام لے لیا اور سامان بھی یہودی کے گھر سے برآمد ہوا۔ اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال ہونے لگا کہ چور یہودی ہی ہے، دوسری جانب "بشیر" نامی منافق کے قبیلہ "بنوابیرق" کے لوگوں نے حرم نبوی میں آکر اپنے فرد "بشیر" کی حمایت کی کہ "بشیر" بے قصور، جبکہ یہودی قصوروار ہے، لہٰذا سزا یہودی کو دی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان بشیر کی بے گناہی اور یہودی کے مجرم ہونے کی طرف ہوگیا تھا، ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نتیجہ تک نہ پہنچے تھے کہ مذکورہ بالا آیات کا نزول ہوا جن میں ایک طرف تو "بشیر" نامی منافق کا پردہ چاک کر دیا گیا اور یہودی کو بے گناہ قرار دینے کی جانب اشارہ ہوا، دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ آپ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ علم ودانش سے فیصلہ فرمایا کریں، محض ظاہر اور عوامی رائے عامہ سے فیصلہ نہ کریں! اور نہ ہی کسی خائن کا دفاع کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی "بنوابیرق" کو تنبیہ کی گئی کہ محض قبائلی اور خاندانی اشتراک کی وجہ سے کسی کا دفاع کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی ایسے شخص (جو خیانت کا مرتکب ہوا ہے) کی وکالت کرنا روا ہے۔ چنانچہ "بشیر" نامی چور پردہ چاک ہونے کے بعد سزا کے خوف سے مدینہ منورہ سے راہ فرار اختیار کر کے مکہ مکرمہ چلا گیا اور دل کے کفر کو زبان پہ لا کر اعلانِ ارتداد کیا اور وہیں حالتِ کفر میں مر گیا۔

مذکورہ بالا آیات سے چند مسائل معلوم ہوئے:

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام اولی الامر کو پابند بنایا گیا ہے کہ لوگوں کے باہمی تنازعات اور جھگڑوں میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں، سنت وشریعت کا یہ فیصلہ دراصل قرآن ہی کا فیصلہ ہوگا اور نزولِ قرآن کی غرض اصلی یہ بھی ہے کہ قرآنی اصول وضوابط اور سنت وشریعت کے مطابق نجی، انفرادی، اجتماعی، عدالتی، معاشی اور معاشرتی معاملات چلائے جائیں۔

۲۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم کے ساتھ ایک خاص علم بھی عطاء فرمایا تھا، جسے سنّت وحدیث یا وحی غیر متلو سے تعبیر کرتے ہیں، یہ حقیقت "بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ" سے معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص علوم عطا کیے گئے تھے، بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اولین وآخرین کے علم سے زیادہ اور کامل ہے، بایں ہمہ غیب دان ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے، اگر کوئی دیگر شخصیت "عالم الغیب" ہوتی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اس موقع پر "بشیر" (جو ظاہری طور پر مسلمان تھا) کی جانب قطعی طور پر نہ ہوتا۔

۴۔ جس شخص کے متعلق یقین ہو کہ وہ مقدمہ میں ناحق ہے، اس کی حمایت ووکالت جائز نہیں، اس ناجائز حمایت کے ساتھ ملزم کو دنیا میں فائدہ پہنچانے والا شخص آخرت میں خود مجرم بن کر عذابِ خداوندی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا، غلط جانتے ہوئے ملزم کو نفع پہنچانا اپنے لیے عذاب آخرت لینے کے مترادف ہوگا۔

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝

سرگوشیوں سے متعلق ہدایت

مذکورہ بالا آیات کا تعلق گزشتہ آیات میں مذکور واقعہ سے ہے کہ ایک منافق نے چوری کے جرم کا ارتکاب کیا اور ایک غیر مسلم کو ناجائز پھنسانے کی کوشش کی، نیز اپنی چرب لسانی، قوم وقبیلہ کے زور سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متاثر کرنے کی کوشش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی جانب سے فوراً تنبیہ ہوا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اس سارے عمل میں مجرم کی سرگوشیوں کا دخل تھا، نیز منافقین کی عام عادت تھی، وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشیاں کرنے کی کوشش کرتے، آپس میں بھی کانا پھوسی کرتے اور دوسروں کو تشکیک وتشویش میں مبتلا کرتے۔ منافقین کی ان باہمی سرگوشیوں میں لوگوں کی غیبت، عیب جوئی، ناجائز شکایات شامل ہوتیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرکے اپنا اعتماد لوگوں میں ظاہر کرتے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس عمل کی مذمت فرمائی کہ ان باہمی سرگوشیوں کے ذریعے باتوں کو بلاوجہ چھپانے میں کوئی بھلائی نہیں۔ سچی باتیں چھپائی نہیں جاتیں، انہیں تو کھولا اور بیان کیا جاتا ہے، البتہ چھپانے کی تو درج ذیل اشیاء ہیں:

۱۔ صدقہ وخیرات کی بات قابل اخفاء ہے، تاکہ ضرورت مند کو شرمندگی اور ندامت نہ ہو، اس کی عزت نفس و خودداری کو متاثر کئے بغیر اس کی ضرورت کو پورا کردیا جائے۔

۲۔ کسی ناواقف وناداں کو غلطی سے بچائے تو خاموشی کے ساتھ، تاکہ اسے کسی قسم کی ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ ایسے شخص کو شرمندگی سے بچانے کیلئے صحیح صورت حال سے آگاہ کردے، صحیح راہنمائی کرے یا غلطی کی درستی کرادے۔

۳۔ باہم متحارب ومتنازع فریقوں میں صلح کرانے کے لئے انہیں قریب لانے اور ان کی نفرتوں کو محبتوں میں بدلنے کے لئے فریقین سے الگ الگ خفیہ طور پر بات کرنا، انہیں سمجھانا بجھانا، ان کی نفرتوں کے خاتمے کے لئے توریہ تک کرنا جائز ہے، یہ سب امور اخفاء وپوشیدگی کے ساتھ سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور جو شخص رضائے الٰہی کے لیے سرانجام دے گا، اسے حق تعالیٰ اجر عظیم سے نوازیں گے، بشرطیکہ ان اعمال میں ریاکاری، شہرت یا دنیوی غرض کو دخل نہ ہو۔

دین کے اہم مآخذ

امر حق کے واضح ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کوئی معنی نہیں رکھتی، جو شخص حق کھل جانے کے بعد اس معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے متفقہ راستے کو چھوڑ کر اپنی نئی راہ

اپنائے، اسے اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ گمراہ فرماتے ہیں، بلکہ اسے دوزخ میں ڈالتے ہیں، اس کا مقام و مستقر نہایت ہی بُرا ہوتا ہے۔ آیت نمبر ۱۱۵ سے دین کے چار اصولوں میں سے دو اصول واضح ہوئے:

۱- سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۲- اِجماعِ اُمّت۔

اُمّت کے علماء کا جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق ہو جائے تو وہ امرِ حکمِ شرعی بن جاتا ہے، اس آیت کی رو سے اجماع سے روگردانی سُنّت سے روگردانی کی طرح راہِ جہنّم اور ضلالت ہے۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ“ بے شک اللہ ربّ العزّت میری اُمّت - یا فرمایا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمّت - کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور اللہ ربّ العزّت کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے، اور جو کوئی الگ ہوا وہ الگ ہوا جہنّم کی طرف۔“ (جامع ترمذی: ۲۱۶۷)

فائدہ: - دین کے دیگر دو اُصولوں میں کتاب اللہ اور قیاسِ شرعی شامل ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا۝ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۝ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا۝

”شرک“ کی معافی نہیں ہو سکتی!

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ربّ العزّت شرک کے جرم کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، (اسی میں کُفر بھی شامل ہے کہ اس کی بھی معافی نہیں ہے) اس کے علاوہ جس جرم اور گناہ کو چاہیں گے، معاف فرما دیں گے۔

شیطان کا طریقِ واردات

اس کے بعد مشرکین کے شرکیہ افعال کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ ربّ العزّت کو چھوڑ کر چند زنانہ چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور شیطان کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ ربّ العزّت نے شیطان کو راندہ درگاہ بنا دیا ہے اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، اس کی دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب پروردگارِ عالم نے اسے راندہ درگاہ کرنے کا فیصلہ سنایا تو بجائے معافی مانگنے کے اس نے کہا کہ میں ضرور آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا اور ان میں سے بعض کو اپنی اطاعت پر لگاؤں گا، انہیں آرزوئیں دلاؤں گا، جس سے ان کے دلوں میں گناہ کا ڈر ختم ہو جائے گا اور وہ بے خوف ہو کر گناہوں پر جری ہو جائیں گے، اور میں انہیں شرکیہ اعمال کرنے کی تعلیم دوں گا، جس سے

وہ بتوں کے نام پر جانوروں کے کان تراشا کریں گے اور اللہ رَبّ العزّت کی بنائی ہوئی صورتیں بگاڑا کریں گے، جیسا کہ آج کل اس کا مشاہدہ عام ہے، مردوں کا داڑھی منڈوانا، عورتوں کا ابرو ترشوانا، بدن گدوانا وغیرہ اسی میں شامل ہے۔ اللہ رَبّ العزّت نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو اللہ رَبّ العزّت کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت کرے گا، ان سب کا ٹھکانا جہنّم ہے، جس سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔

اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور شیطان کی اطاعت کرنے کے بجائے اللہ رَبّ العزّت کے احکام کی پاسداری کرتے رہے، انہیں اللہ رَبّ العزّت ایسی جنّتیں اور باغات عطا فرمائیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ رَبّ العزّت کا ان سے وعدہ ہے اور اللہ رَبّ العزّت سے زیادہ بات کا سچا اور وعدے کا پکا بھلا کون ہو سکتا ہے؟

ان آیات میں شرک کرنے کو شیطان کی پوجا کرنا بتایا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مادہ جنس کی پوجا کرتے ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ مشرکین کے عقیدہ کے مطابق نعوذ باللہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور یہ فرشتوں کی پوجا کو روا سمجھتے تھے، اور دوسرا اس وجہ سے کہ ان کے نظریات کے مطابق ان کے مشہور بت لات، منات اور عزّیٰ مؤنث تھے، اس لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ مؤنث کی پوجا کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اولاد، وہی تنہا مستحق عبادت ہے۔

شیطان کا طریق واردات گمراہ کرنا اور لوگوں کو جھوٹی امیدیں اور آرزوئیں دلانا ہے، جیسے آج کل لوگ خواہ مخواہ کی آرزوؤں میں ہوتے ہیں، مثلاً ہمیں روزِ محشر فلاں نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ رحیم ہے، گناہوں سے کچھ نہیں ہوتا وغیرہ، اس کے علاوہ شرکیہ رسمیں مثلاً جانوروں کے کان کاٹنا، کسی شخصیت کے نام پر بھی شیطانی عمل ہے، آج کل بہت سے لوگ درباروں پر ملنگ بن کر کان چھدوا کر کانوں میں رنگ، ہاتھوں میں کڑے پہنے ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی میں شامل ہیں۔ اسی طرح لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ شکل تبدیل کروانا بھی شیطانی واردات ہے، اس میں مردوں کا عورتوں کی شکل اختیار کرنا عورتوں کا مردوں کی شکل اختیار کرنا، جنس تبدیل کرنا وغیرہ سب شامل ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا
تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى
بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا
يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝

اِشکالات کے جوابات

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ہدایات ذکر فرمائی تھیں، جب وہ ہدایات نازل ہوئیں اور عورتوں کو میراث میں حصہ دار قرار دیا تو بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ احکام عارضی نوعیت کے ہیں اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے، لیکن جب یہ حکم منسوخ نہیں ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، اسی طرح یتیم بچیوں کے حقوق سن کر لوگ یتیم بچیوں سے شادی کرنے سے ڈرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ احکام عارضی نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق سوال پوچھتے ہیں، آپ ان سے فرما دیجیے کہ اللہ ربّ العزّت اور اس کا نازل کردہ قرآن تمہیں عورتوں کے متعلق ہدایات دیتے ہیں (جو کہ اس سورت کے آغاز میں گزر چکی ہیں)، جن عورتوں کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، ان کے بارے میں بھی اللہ ربّ العزّت تمہیں حسن سلوک کرنے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔
زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی یتیم لڑکی اپنے چچازاد کی سرپرستی میں ہوتی اور وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی زیادہ ہوتا، تو وہ چچازاد اس کے بالغ ہونے پر خود اس سے نکاح کر لیتا تاکہ اس کے مال پر قبضہ کر سکے، لیکن اسے مہر اتنا نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہیے، اور اگر وہ لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتا اور نہ کسی اور سے اس کا نکاح کرتا تھا تاکہ اس کا مال ہاتھ سے نہ چلا جائے، اسی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

میاں بیوی میں اختلاف کا حل

۲۔سورت میں پہلے بھی میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں اس کا حل نکالنے اور خاندان کے بڑوں کو معاملہ سلجھانے کی تلقین کی گئی تھی، اب یہاں اسی سلسلہ میں ایک مزید ہدایت دی جا رہی ہے، ارشاد فرمایا کہ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو، تو انہیں چاہیے کہ باہمی اتفاق کی کوئی بھی صورت اپنا کر صلح کر لیں۔ اور اس کے لیے اگر ان میں سے کسی کو اپنے کسی حق سے دستبردار ہونا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً بیوی شوہر سے کہے کہ میں اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کروں گی، آپ مجھے اپنے نکاح سے نہ نکالیں، ایسی صورت میں خاوند کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیونکہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص ان ہدایات پر عمل کر کے بیوی سے نباہ کی کوشش کرے اور اللہ ربّ العزّت سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو یہ اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

البتہ اگر مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود نباہ کی کوئی صورت سامنے نہ آئے، تو ایسی صورت میں اس رشتہ کو ان دونوں پر تھوپے رکھنا ان کی زندگی کو اجیرن بنا سکتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں طلاق اور علیحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے،

اور اگر یہ جدائی اور علیحدگی خوش اسلوبی سے عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے ایسے راستے پیدا فرما دیتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ (حاشیہ آسان ترجمہ قرآن)

غیر اختیاری چیزوں پر مؤاخذہ نہیں ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک سے زائد شادیوں کی اجازت اس وقت ہے کہ جب تمام بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی اور کسر نہ رہے، اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں ان بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں انصاف نہیں کر سکے گا تو اس کے لیے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت نہیں ہے۔

اس آیت میں اسی حکم سے متعلق مزید تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ حکم بیویوں کے ظاہری حقوق کے متعلق تھا، جہاں تک رہا کسی ایک بیوی سے قلبی تعلق، محبت اور لگاؤ کا دوسری بیویوں سے زیادہ ہونا! تو اس کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے، انسان اگر چاہے بھی کہ تمام بیویوں سے ایک جیسی محبت رکھے تو یہ اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ مؤاخذہ ان چیزوں پر ہوتا ہے جو انسان کے اختیار میں ہوں، غیر اختیاری چیزوں پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بیویوں کے ظاہری حقوق میں کسی قسم کی کمی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک بیوی سے قلبی تعلق زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسری بیویوں کو یکسر فراموش کر دے، ایسا کرنا شریعت کے احکام کے خلاف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اختیاری چیزوں میں بیویوں میں انصاف فرماتے اور غیر اختیاری چیز یعنی محبت کے متعلق یوں دُعا فرماتے: ''اللھم ھذا قسمی فیما املک ولا تؤاخذنی فیما لا املک'' یا اللہ! یہ میری اختیاری معاملات میں تقسیم ہے، آپ مجھ سے غیر اختیاری معاملہ میں مؤاخذہ نہ فرمایئے۔ (سنن ابوداؤد: ٢١٣٦) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ''من احب الناس الیک؟'' سب لوگوں میں آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عائشہ!'' پھر سوال کیا گیا کہ مردوں میں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا والد، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ (سنن ترمذی: ٣٨٣٦)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

گواہی دینے میں انصاف سے کام لو!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہلِ ایمان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ عدل و انصاف پر قائم رہو اور ہمیشہ سچی گواہی دو، اور جو چیزیں سچی گواہی یا عدل و انصاف قائم کرنے میں رکاوٹ ہو سکتی ہیں، ان کو خاطر میں نہ لاؤ، لہٰذا اگرچہ

گواہی تمہارے اپنے خلاف، ماں باپ یا رشتہ داروں کے خلاف ہی دینی پڑے، اس میں غلط بیانی اور دروغ گوئی سے کام نہ لو، اسی طرح گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہیے، یا یہ غریب ہے اس کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کو ان دونوں کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، اور باوجود اس تعلق کے باری تعالیٰ عدل وانصاف کا حکم دے رہے ہیں تو تمہیں بھی اسی کا پاس رکھنا چاہیے۔ اگر تم گواہی کے معاملہ میں ان ہدایات پر عمل نہیں کروگے تو اللہ رَبّ العزّت تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے، وہ خود تم سے حساب لیں گے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝

عزّتوں کا مالک صرف اللہ رَبّ العزّت کی ذات ہے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے منافقین کے چند غلط اعمال ذکر فرما کر انہیں تنبیہ فرمائی ہے اور ان اعمال کا وبال اور انجام ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ منافقین کا دوغلا پن یہ ہے کہ وہ بظاہر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود قلبی تعلق اور دوستی مؤمنین کو چھوڑ کر کفّار کے ساتھ لگاتے ہیں، اور اس سے ان کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ جس طرح ان کفّار ومشرکین کو دنیوی طور پر شان وشوکت حاصل ہے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ رہ کر عزت اور شوکت مل جائے گی، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس لغو خیال کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں جن کے پاس خود عزت نہیں، عزتوں کا مالک تو اللہ رَبّ العزّت کی ذات والا صفات ہے، سو اگر کوئی عزت کا طالب ہے تو اسے پروردگارِ عالم سے رجوع کرنا چاہیے، اس پاک ذات کو ناراض کر کے اس کے دشمنوں سے عزت کی امید رکھنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۤ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

منافقین کی علامات

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے منافقین کے چند اعمال اور ان کی علامات بیان فرمائی ہیں، تاکہ اہلِ ایمان ان اعمال سے اجتناب کرنے کی کوشش کریں، وہ علامات درج ذیل ہیں:

۱-منافقین اللہ تعالیٰ سے فریب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی فریب نہیں کر سکتا، دھوکا بے خبر کو دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں۔ اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں، ان کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں جبکہ دل میں کُفر پال رکھا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ فریب کو اپنے ساتھ فریب قرار دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکا دہی کی سزا ضرور دیں گے، وہ غافل نہ رہیں۔

۲-منافقین نماز سستی اور غفلت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، کیونکہ ان کے دل میں ایمان ہی نہیں ہے، جس کی وجہ سے نماز کی قدر و منزلت سے بھی ان کے دل خالی ہیں، جس کی وجہ سے وہ یا تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھیں تو سستی سے وقت گزار کر پڑھتے ہیں، یہ منافقین کا طرزِ عمل ہے، مسلمانوں کو اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً بیماری یا نیند کی وجہ سے نماز رہ جائے تو اس کا حکم الگ ہے۔

۳-منافقین ریاکار ہوتے ہیں، یا تو نماز پڑھتے ہی نہیں، اور اگر پڑھیں بھی تو سستی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھتے ہیں، اللہ ربّ العزّت کی رضا مقصود نہیں ہوتی، انہیں نمازوں میں آتے ہیں جن میں مسلمان ان کو دیکھیں، عشاء اور فجر میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے، اس لیے یہ غائب رہتے ہیں، یہ دو نمازیں ان پر بہت بھاری ہیں۔

۴-منافقین کے دل اللہ ربّ العزّت کی یاد سے خالی ہوتے ہیں، اور ان کی زبانیں بھی ذکرِ خداوندی سے محروم ہوتی ہیں۔

۵-منافق کبھی مسلمانوں کے پاس آتے ہیں، کبھی کافروں کے پاس جاتے ہیں، وہ نہ ادھر کے نہ اُدھر کے، دونوں کے درمیان آوارہ جانور کی طرح مذبذب رہتے ہیں، ادھر بھی بنائے رکھنی، اُدھر کو بھی لگائے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استعداد کی خرابی کی وجہ سے راہِ راست سے ان کو بہکا دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ بے راہ کر دیں، اس کو راہِ راست پر لانے کا کوئی طریقہ کارآمد نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم ایسے کافروں سے دوستیاں نہ لگاؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ ان سے دوستی کر کے اپنے مجرم ہونے پر حجت قائم کر لو جس کے نتیجے میں تمہارا انجام بھی وہی ہو جو ان کا ہوگا۔ ان کا انجام تو یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے، اور کوئی ان کی شنوائی کرنے والا نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ اسی زندگی میں توبہ کر لیں اور اپنے عقیدے اور اعمال کی اصلاح کر لیں اور اللہ ربّ العزّت کی دی ہوئی شریعت کو مضبوطی سے تھام لیں اور اخلاص کے ساتھ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہو جائیں تو اللہ ربّ العزّت انہیں بھی اہلِ ایمان کے ساتھ شامل فرمالیں گے، اور انہیں بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے، اگر یہ ایمان لے آئیں اور حق شناس بندے بن کر باری تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کریں تو اللہ ربّ العزّت انہیں عذاب دے کر کیا کریں گے، اللہ ربّ العزّت تو بہت قدردان ہیں۔

پارہ نمبر ٦

یہ پارہ سورۂ نساء کے بقیہ حصے اور سورۂ مائدہ کے بیشتر حصے پر مشتمل ہے

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

کسی کی پردہ دری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ترغیب وترہیب کے انداز میں دنیا سے ظلم وجور مٹانے کا قانون ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی کو کسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اس کا افشاء نہیں کرنا چاہیے، بری بات کا زبان پر لانا بھی برا ہے، البتہ مظلوم مستثنیٰ ہے، اگر کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو تو اسے اس بات کی اجازت ہے کہ حاکم یا قاضی کے پاس ظلم کی شکایت کرے، عدالت میں چارہ جوئی کرے، البتہ اگر مظلوم عفو ودرگزر سے کام لے تو وہ رحمت الٰہی کا مستحق ہوگا۔

میڈیا کا منفی کردار

افسوس کہ آج فحاشی، عریانی، بدکاری، قتل وسفاکیت اور ہر قسم کی برائیوں کو ذرائع ابلاغ پر مرچ مصالحے لگا کر پیش کیا جاتا ہے اور ویڈیوز اپ لوڈ کی جاتی ہیں، دوسروں کو بلیک میل کیا جاتا ہے، مغربی خوشنودی کے لیے دیندار طبقے کی کمزوریوں کو اچھالا جاتا ہے، یہ سب منفی کردار ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ البتہ مظلوم کی دادرسی کے لیے متعلقہ فورم اور اداروں کے سامنے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو بیان کر سکتا ہے، مثلاً تھانہ، عدالت وغیرہ، لیکن برائی کی تشہیر مناسب نہیں ہے۔

اس قانون کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ منافقوں کے نام مشہور نہ کریں، کسی کی برملا برائی کرنے میں اندیشہ ہے کہ وہ بگڑ جائے، بے باک ہو کر کھلا مخالف بن جائے، اس لیے عام پیرایہ میں نصیحت کرنی چاہیے، یا تنہائی میں نصیحت کی جائے، اس میں اصلاح کی زیادہ امید ہے۔

رسولوں پر ایمان لائے بغیر نجات ناممکن!

پھر فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانے مگر اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے، یا بعض رسولوں کو مانے بعض کو نہ مانے وہ اللہ کے نزدیک مومن نہیں، بلکہ کھلا کافر ہے، جس کی نجاتِ آخرت کی کوئی راہ نہیں۔

دورِ حاضر کے بعض متجددین، بعض قرآنی آیات کا غلط مطلب لیتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ نجات کے لیے توحید

اور قیامت پر ایمان لانا کافی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کوئی ضروری نہیں، اسی بنیاد پر ان کے نزدیک یہودی، عیسائی، سکھ وغیرہ اگر ایمان باللہ اور ایمان بالقیامت رکھتے ہوں تو وہ بھی جنتی ہوں گے، مذکورہ آیت نے اس نظریہ کی تردید کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور رسولوں کو نہیں مانتے وہ پکے کافر ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۞ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۞

یہودیوں کا بے جا مطالبہ اور ان کے جرائم کی فہرست

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ایک مطالبہ ذکر فرمایا۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ یہودیوں کے کچھ سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تھی، اسی طرح کی ایک کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان سے لائیں، تو ہم ایمان لائیں گے، ان کا مطالبہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے، بلکہ وہ ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ حال سے آگاہ فرمایا اور آپ کو تسلی دی کہ یہ اس قوم کا وطیرہ ہے کہ یہ اللہ ربّ العزّت کے رسولوں کو ستاتی ہی رہتی ہے، ان کے آباؤ اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ ربّ العزّت کی ذات کو کھلم کھلا دکھایا جائے، ان کی اس گستاخی پر آسمان سے بجلی آئی اور ان سب کو ہلاک کر دیا، ان کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور باری تعالیٰ کی مدد و نصرت کے نمونے دیکھنے کے باوجود بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی عبادت کرنے لگ گئے تھے، اس سب کے باوجود ہم نے عفو و درگزر سے کام لیا، اسی طرح ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ان لوگوں نے تورات کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا، جس پر ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا، ان کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب شہر کے دروازے میں داخل ہوں تو نہایت عاجزی سے داخل ہونا، ہم نے انہیں یہ بھی حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار نہ کرنا، انہوں نے ہمارے ان سارے احکام کی خلاف ورزی کی، ہمارے عہد کو توڑ ڈالا، ان کے جرائم کی فہرست بہت لمبی ہے، یہ عادی مجرم ہیں، اس لیے آپ ان کے ان بے جا مطالبات سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۞ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

یہودیوں کے مزید جرائم اور ان کا وبال

گزشتہ آیات میں یہود کے بے جا مطالبات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ان کے جرائم کو ذکر فرمایا، ان آیات میں ان کے مزید جرائم اور ان کا وبال اور نتیجہ ذکر فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کے عہد توڑنے، اللہ ربّ العزّت کی آیات کا انکار کرنے، انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے، حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان لگانے اور اس جیسے دیگر جرائم کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے ان سے قبولِ حق اور ایمان لانے کی صلاحیت اور استعداد سلب کر لی، اس وجہ سے اب ان کی بڑی تعداد ایمان نہیں لا سکے گی، بلکہ ہمیشہ کی گمراہی ان کا مقدر رہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ناکام یہودی سازش

ان کے جرائم کی فہرست گنواتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ کیا، اور وہ آج تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا سولی چڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے، بلکہ انہیں مغالطہ لگ گیا، اور اس مغالطہ میں انہوں نے اپنے ہی ایک آدمی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں!

یہودیوں کو یہ مغالطہ کیوں پیش آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کا ارادہ کیا تو انہیں گرفتار کرنے کے لیے گھر پر دھاوا بول دیا، سب سے پہلے ''طیطلانوس'' یا ''شمعون'' نامی شخص گھر میں گھسا، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھا لیا اور اس شخص کی صورت حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے، تو اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر پکڑ لیا، اور جوش، جنون اور جذبات میں اسے قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا، پھر پریشان ہو کر کہنے لگے کہ اگر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے، اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے، اسی وجہ سے ان میں اختلاف ہو گیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا یا نہیں، جو لوگ قتل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے، اور آج تک اسی شش و پنج میں مبتلا ہیں۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ لوگ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر سکے اور نہ انہیں سولی چڑھا سکے، بلکہ ان پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا، یہ اس بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس سوائے اپنے گمان

پر عمل کرنے کے اور کوئی ٹھوس علمی دلیل نہیں ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل ہی نہیں کیا، یہی یقینی اور حتمی بات ہے، اللہ رَبّ العزّت نے انہیں آسمان پر اٹھالیا، اور اللہ رَبّ العزّت غالب ہے، حکمت والا ہے۔

اہم تنبیہ!

بعض لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی طور پر اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں، اور ''رفع'' سے مراد رفع جسمانی کے بجائے رفع روحانی یا بلندی درجات لیتے ہیں، یاد رکھیے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی بمع روحانی ہوا ہے نہ کہ صرف روحانی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے اور سولی پر چڑھائے جانے کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کی حفاظت کی اور انہیں اٹھالیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع جسمانی تھا، کیونکہ قتل ہونا اور سولی پر چڑھایا جانا ایسے افعال ہیں جن کا ورود جسم پر ہوتا ہے، نہ کہ روح پر، تو جس چیز کو قتل ہونے اور سولی پر چڑھائے جانے سے بچایا گیا، ظاہر ہے اسی کو آسمان پر اٹھایا گیا ہوگا، اور روح کو نہ کوئی قتل کرسکتا ہے اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رفع جسمانی تھا۔

مسلمانوں کا عقیدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب اتارے جانے پر بکثرت احادیث موجود ہیں، جو تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں، اسی بنا پر مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح مع الجسد آسمان پر اٹھایا گیا ہے، اور وہ قرب قیامت میں آسمان سے اتریں گے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی قرآنی دلیل

اس کے بعد پھر ضمناً یہ ذکر کیا کہ قرب قیامت میں جب دجال ظاہر ہوگا، تو حضرت عیسیٰؑ آسمانوں سے زمین پر اتریں گے، اور اس کو قتل کریں گے، اس وقت یہود و نصاریٰ دونوں کو یقین آجائے گا، کہ وہ قتل نہیں کیے گئے، نہ ہی سولی پر چڑھائے گئے تھے، بلکہ آسمان پر زندہ اٹھالیے گئے تھے، اس لیے فرمایا: ''وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ'' اس میں پیشین گوئی ہے کہ ہر یہودی اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لائے گا، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے تک تمام یہودی آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے اور اس وقت ہر یہودی اور عیسائی ان پر ایمان لائے گا۔

پھر فرمایا: قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود و نصاریٰ دونوں کے خلاف مدعی ہوں گے، یہودیوں کے خلاف ان کی عداوت و عناد میں غلو کی بنا پر اور عیسائیوں کے خلاف ان کی محبت میں غلو اور انہیں خدا کا بیٹا قرار دینے کی وجہ سے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

یہود کے پانچ جرائم اور ان کی سزا

ان دو آیات میں نہایت جامعیت کے ساتھ یہود کے پانچ جرائم اور ان کا دنیوی واخروی وبال اور انجام بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ **ظلم**: یہودیوں کا پہلا جرم "ظلم" ہے، ظلم سے مراد کفر اور دیگر کبیرہ گناہ ہیں، جو یہودیوں میں عام تھے۔

۲۔ **لوگوں کو ایمان لانے سے روکنا**: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودی لوگوں کو ایمان لانے اور حق قبول کرنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتے تھے، اور اس کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیا کرتے تھے۔

۳۔ **سود کھانا**: یہود بڑی سود خور قوم ہے، نزول قرآن کے وقت بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی حال ہے، حالانکہ سود خوری کی حرمت تورات میں بھی موجود تھی، اس کے باوجود انہوں نے سود خوری سے اجتناب نہ کیا۔

۴۔ **لوگوں کا مال ناحق کھانا**: سود خوری کے علاوہ یہودی دیگر ناجائز ذرائع سے بھی لوگوں کا مال ہڑپ جاتے تھے، مثلاً رشوت لینا، پیسوں کے بدلے جھوٹی گواہی دینا اور جادو ٹونے کے ذریعہ پیسے بٹورنا وغیرہ ان میں عام تھا۔

۵۔ **نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا**: یہود کی اکثریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائی، حالانکہ وہ آپ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے۔

ان جرائم کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انہیں دنیا میں یہ سزا دی کہ ان پر بہت سی حلال اور پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں، اور ان کا اخروی انجام یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ
قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ
اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

یہودیوں کے مطالبے کا جواب

گزشتہ رکوع کے آغاز میں یہودیوں کا ایک احمقانہ سوال ذکر کر کے اس کا جواب دیا گیا تھا، ان آیات میں اسی

سوال کا ایک دوسرے انداز سے جواب دیا جا رہا ہے، کہ تم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے یہ شرط لگاتے ہو کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لاکر دکھائیں، تو بتاؤ کہ جن انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے، ان کو تو تم بھی نبی مانتے ہو، حالانکہ ان پر اسی طرح وحی نازل ہوتی رہی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ان کو تو نبی تسلیم کرتے ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے ہو۔ وحی اترنے کے ایک سے زائد طریقے ہیں:

ا۔ایک صورت یہ ہے کہ اللہ کتاب اتار دیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری۔

۲۔ایک صورت یہ ہے کہ فرشتہ اللہ ربّ العزّت کا پیغام لے کر آئے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترا۔

۳۔ایک صورت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت بغیر فرشتے کے واسطہ کے دل میں بات اتار دیں۔

ان میں سے جو بھی طریقہ ہو مقصد تو اللہ کا پیغام پہنچنا ہے، اور وہ جس طرح پہلی صورت سے پورا ہوتا ہے، اسی طرح باقی طریقوں سے بھی پورا ہو جاتا ہے، اس لیے تمہارا یہ اعتراض بے جا ہے۔

جن انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے، ان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام شامل ہیں۔ ان سب انبیاء علیہم السلام کو اللہ ربّ العزّت نے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے اور ان کے پاس توحید پر ایمان نہ لانے کا کوئی بہانہ نہ رہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے اور گمراہی پر ہی ڈٹا رہے، تو ایسے لوگوں کو اللہ ربّ العزّت ہدایت نہیں فرماتے اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب تیار کیا گیا ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ؕ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

عیسائیوں کے جرائم

اب تک یہودیوں کے نقائص کا ذکر تھا، اب عیسائیوں کے نقائص کا بیان ہے۔ یہودی انبیاء علیہم السلام کے گستاخ تھے، کیونکہ ان میں حب مال اور حب جاہ کا غلبہ تھا۔ یہ حقیقت ہے جب آدمی پر دنیا کی محبت کا غلبہ ہو جائے، اور وہ زر پرست اور دولت کا پجاری بن جائے تو اس کی طبیعت میں توہین اور گستاخی غالب آجاتی ہے۔ یہودیوں کی طبیعتوں میں توہین اور گستاخیوں کا غلبہ تھا۔ جبکہ عیسائی ان کے برعکس تھے، ان میں غلو تھا۔ وہ احترام نبی میں حد سے آگے بڑھ گئے اور اعتدال کو

چھوڑ دیا، انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کا ادب کرتے کرتے ان کو خدا اور معبود بنالیا۔ یہ تو عقیدہ میں غلو تھا اور عمل میں غلو یہ کہ عبادت کرتے کرتے راہب بن گئے، اور جنگلوں میں رہائش اختیار کرلی، اور اللہ ربّ العزّت کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا۔ اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے انہیں اسی غلو سے منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل کتاب! دین میں غلو یعنی حد سے تجاوز نہ کرو، جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے انہیں حرام سمجھو اور جن کو حلال قرار دیا ہے انہیں حلال جانو، اور اللہ ربّ العزّت پر جھوٹ نہ باندھو بلکہ سچ بولو، اور وہ سچ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں، بلکہ وہ پاک بی بی سیدہ مریم علیہا السلام کے صاحبزادے ہیں، اللہ ربّ العزّت کے رسول ہیں، اللہ ربّ العزّت کے کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے ہیں، اسی لیے انہیں کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ ان کی پیدائش میں باپ کا دخل نہیں تھا، بلکہ محض اللہ ربّ العزّت کے ارادے اور اس کی قدرت سے آپ کی پیدائش ہوئی ہے، اس لیے آپ کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اکیلے ہی معبود برحق ہیں، وہ اولاد سے پاک ہیں، آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے، وہی ہر ایک کا کارساز ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا اور جزء قرار دیتے ہو، یہ تو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو خود اپنے آپ کو اللہ ربّ العزّت کا بندہ قرار دیتے تھے، انہیں خود کو خدا کا بندہ کہلانے میں کوئی عار نہیں تھی، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کو اس بات سے کوئی عار ہے، اس لیے کہ اللہ ربّ العزّت کا بندہ ہونا اور اس کی عبادت کرنا تو نہایت عزت کا مقام ہے، سو جو لوگ خود کو خدا کا بندہ کہلواتے ہیں، اللہ ربّ العزّت پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، انہیں اللہ ربّ العزّت ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے، البتہ جو لوگ خود کو اللہ ربّ العزّت کا بندہ کہلوانے میں عار محسوس کرتے ہیں، اور تکبّر کرتے ہیں، انہوں نے بھی ہمارے پاس ہی آنا ہے، اور ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

بُرہانِ خداوندی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے تمام انسانیت کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے برہان (دلیل) بھی آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح نور بھی نازل کیا ہے۔ اس برہان اور نور سے کیا مراد ہے؟ راجح قول کے مطابق برہان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور نور سے مراد قرآنِ کریم ہے۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے اور اس کے احکامات اور اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لے تو اللہ ربّ العزّت اسے اپنی رحمت یعنی جنّت میں داخل فرمائیں گے اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۚ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ
وَهُوَ يَرِثُهَاۤ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوۤا إِخْوَةً رِّجَالًا
وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

”کلالہ“ کی میراث کے اَحکام

۳۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے میراث سے متعلق احکام ذکر فرمائے تھے، اب اسی کا تتمہ سورت کے اختتام پر ذکر کیا جارہا ہے، جس میں کلالہ کی میراث کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔

کلالہ کی تعریف پہلے بھی گزر چکی ہے، کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے نہ والدین ہوں اور نہ اولاد۔ اس کے ترکہ کی تقسیم سے متعلق درج ذیل احکام دیے گئے ہیں:

۱۔ اگر صرف ایک سگی بہن یا علاتی (باپ شریک) بہن ہو تو، وہ ترکہ کے نصف کی حقدار ہوگی، باقی نصف عصبہ رشتے دار (چچا، چچازاد بھائی) وغیرہ کو ملے گا۔ اور اگر یہ عصبہ رشتہ دار موجود نہ ہوں تو باقی آدھا بھی بہن کے حصے میں آئے گا۔

۲۔ اگر عورت کلالہ ہو، یعنی اس کے والدین اور اولاد نہ ہو، صرف بھائی ہوں، خواہ ایک ہو یا زیادہ تو وہ اس کے پورے ترکہ کے وارث ہوں گے۔

۳۔ اگر کلالہ مرد کی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو یہ دونوں بہنیں کل ترکہ کے دو تہائی حصے کی حقدار ہیں،، باقی ایک تہائی ترکہ عصبہ رشتے دار (چچا، چچازاد بھائی وغیرہ) کا ہوگا۔ اگر کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو یہ باقی تہائی بھی بہنوں ہی کو ملے گا۔

۴۔ اگر کلالہ مرد یا عورت کے بھائی اور بہن دونوں ہوں تو ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کا حصہ عورت کے مقابلے میں دگنا ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے یہ مسائل اس لیے بیان کیے، تا کہ تم احکام الٰہی اچھی طرح سمجھ جاؤ، کوئی غلطی کر کے گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے تقویٰ کا درس دیتے ہوئے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا۔

۲۔ سورت میں معاشرے کے کمزور طبقات یعنی عورتیں، بچوں اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔

۳۔ معاشرتی احکام یعنی نکاح، وراثت، وصیت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔

۴۔ ایک فرد کے لیے کون سی خواتین سے نکاح کرنا حلال ہے اور کن سے حرام ہے، اس کی وضاحت ذکر کی گئی ہے۔

۵۔ حکمرانوں سے متعلق احکام کے بارے میں متعدد دفعات ذکر کر کے راہنمائی فرمائی گئی ہے۔

۶۔ شرک کی مذمت اور توحید کا اثبات کیا گیا ہے۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی، کفّار کے اعتراضات و شبہات کے جوابات بھی مذکور ہیں۔

۸۔ ایک سے زائد نکاح کرنے کی شرائط اور شادی کے بعد ہونے والے اختلافات کے حل کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔

۹۔ سفر اور خوف کی حالت میں نماز کے احکام اور قتل خطاء کی صورت میں دیت وغیرہ کی تفصیل اس سورت میں دی گئی ہے۔

۱۰۔ یہود و نصاریٰ کی مختلف عادات و رسومات بد کا تذکرہ کر کے ان کی تردید کی گئی ہے اور مسلمانوں کو وہ عادات اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔

تمت سورة النساء بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمَآئِدَة

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔قرآنی ترتیب کے لحاظ سے پانچویں (۵) اور نزول کے اعتبار سے ایک سو بارہ (۱۱۲) نمبر پر ہے۔سولہ (۱۶) رکوع اور ایک سو بیس (۱۲۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

''مائدہ'' عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔سورت میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ دُعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسمانی غذاؤں سے بھرا ہوا ایک دسترخوان نازل فرمائے۔اس واقعہ کی مناسبت سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں مختلف معاہدے مثلاً نکاح اور مہر کے معاہدے، وصیت، امانت، وکالت اور اجارہ وغیرہ ذکر کیے گئے تھے،اس سورت میں ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع معاہدات کی پاسداری ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں کھانے، پینے، شکار اور ذبح سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔سورت میں عائلی قوانین واحکام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔قسموں اور ان کے کفّارے کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔عدالتی احکام اور گواہوں سے متعلق امور پر رہنمائی کی گئی ہے۔

۵۔مسلمانوں کا دیگر مذاہب بالخصوص اہل کتاب کے ساتھ میل جول رکھنے کی حدود ذکر کی گئی ہیں۔

۶۔اس سورت میں شریعت کے پانچ مقصودی امور کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

۱......دین کی حفاظت۔ ۲......جان کی حفاظت۔

۳......عقل کی حفاظت، مثلاً شراب کی قربت سے عقل کی حفاظت وغیرہ۔

۴......عزّت کی حفاظت۔ ۵......مال کی حفاظت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا
الْهَدْىَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ
فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى
الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

معاہدات کی پاسداری

سورت کی پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر حکم فرمایا کہ اے اہل ایمان! اپنے معاہدوں کو پورا کیا کرو۔ اس میں تمام اقسام کے معاہدات شامل ہیں، خواہ وہ بندوں اور اللہ ربّ العزّت کے درمیان ہوں یا بندوں کے آپس میں معاہدات ہوں۔

معاہدات کی اقسام

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ معاہدات کی جتنی قسمیں ہیں، وہ سب اس آیت کریمہ میں داخل ہیں۔ پھر فرمایا کہ ابتدائی طور پر معاہدات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔وہ معاہدہ جو انسان کا رب العالمین کے ساتھ ہے، مثلاً: ایمان، طاعت کا عہد یا حلال وحرام کی پابندی کا عہد۔

۲۔وہ معاہدہ جو ایک انسان کا خود اپنے نفس کے ساتھ ہو، جیسے: کسی چیز کی منت اپنے ذمہ مان لے یا قسم اٹھا کر کوئی چیز اپنے ذمہ لازم کرلے۔

۳۔وہ معاہدہ جو ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ ہو یا ایک جماعت و تنظیم کا دوسری جماعت و تنظیم کے ساتھ ہو یا حکومتوں کے عالمی معاہدات ہوں۔ ان تمام معاہدات میں جو جائز شرطیں باہم طے کی جائیں، ان کی پابندی ہر فریق پر لازم ہے۔ معاہدات میں جائز شرط کی قید اس لیے لگائی کہ خلاف شرع شرائط پر معاہدے کرنا اور اسے قبول کرنا ناجائز ہے۔

حلال وحرام چیزوں کے اَحکام

ایفائے عہد کی تلقین کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حلال وحرام اور جائز وناجائز کے احکام ذکر فرمائے ہیں، اس سلسلہ میں پہلا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے لیے پالتو جانور حلال کردیے ہیں، پالتو جانوروں سے مراد اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ ہیں، ان کا تفصیلی ذکر سورۃ الانعام میں کیا جائے گا، اوران کے علاوہ بھی دیگر کچھ جانور جو وحشی ہیں، حلال قرار دیے گئے ہیں، جیسے ہرن، بقر وحشی وغیرہ۔ البتہ کچھ جانور جن کی کچھ تفصیل سورۃ الانعام میں ذکر کی جائے گی، حرام قرار دیے گئے ہیں، ان میں مردار جانور، خنزیر، وغیرہ اور وہ جانور جن کے اندر نجاست کا عنصر ہے، یا وہ جانور جو کچلیوں سے شکار کرتے ہیں، وہ سب حرام ہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ جو جانور حلال ہیں، ان کو بھی حالت احرام میں شکار کرنا جائز نہیں ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایک اور خصوصی حکم ارشاد فرمایا کہ شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو۔ شعائر، شعیرۃ کی جمع ہے، جس کے معنی ہے علامت، شعائر اللہ یا شعائر اسلام سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اسلام کی نشانیاں اوران سے وابستگی مسلمان ہونے کی علامات سمجھی جاتی ہیں، جیسے: کعبہ، مسجد نبوی، تمام مساجد، قرآنِ کریم، نماز، اذان، حج، ختنہ وغیرہ، ان سب کی بے حرمتی کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسی طرح مقدس اور محترم مہینوں کی بے حرمتی سے بھی منع کیا گیا۔ مقدس مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں باہمی جنگ کرنا شرعاً حرام تھا، یہ کل چار مہینے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ اسی طرح حرم مکہ میں قربان ہونے والے جانور، خصوصاً وہ جانور جن کے گلے میں قلادہ (ہار) ڈالا گیا ہے، اور وہ لوگ جو حج کے لیے مسجد حرام کی طرف روانہ ہوں، ان کی بے حرمتی اوران کے ساتھ بدسلوکی سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

باہمی مدد ونصرت کا قرآنی معیار

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایک دوسرے کی مدد ونصرت کرنے کے لیے ایک معیار مقرر فرمایا ہے اوراس پر عمل کرنے کی تلقین اوراس کی خلاف ورزی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد ونصرت کے لیے نیکی اور تقویٰ کو معیار بناؤ، یعنی ان کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرو جن میں شریعت اسلامیہ کے کسی حکم پر زد نہ پڑتی ہو، ظلم اور گناہ کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ
فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

متعدّد حرام کردہ چیزوں کی تفصیل

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے حرام چیزوں کو مختصراً ذکر فرمایا، جو درج ذیل ہیں:

۱۔''المیتۃ'': مردار جانور، یعنی وہ جانور جو ذبح کیے بغیر اپنی طبعی موت مرجائے یا غیر شرعی طور پر ذبح کیا جائے۔

۲۔''الدم'': ذبح کے وقت رگوں سے نکلنے اور بہنے والا خون۔

۳۔''لحم الخنزیر'': آیت میں خنزیر کے گوشت کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن باتفاق مفسرین اس سے مراد خنزیر کا پورا جسم ہے، جس میں چربی اور پٹھے، اس کے بال اور ہڈیاں وغیرہ شامل ہیں، اس کے کسی جزء سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔

۴۔''ما اهل لغیر اللہ بہ'': وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر مختص کر دیا گیا ہو یا ذبح کے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، یہ بھی حرام اور کھلا شرک ہے۔ یہی حکم ہے کھانے پینے اور پہننے کی ہر اس چیز کا جو غیر اللہ کے نام پر بطور نیاز دی گئی ہو۔

۵۔''المنخنقۃ'': وہ جانور جو دم گھٹ جانے یا گلا دبانے کی وجہ سے مرجائے۔

۶۔''الموقوذۃ'': وہ جانور جو کسی چوٹ کی وجہ سے مرجائے۔

۷۔''المتردیۃ'': وہ جانور جو کسی پہاڑ، ٹیلہ یا بلند عمارت یا کنویں میں گر کر مرجائے، وہ بھی حرام ہے۔

۸۔''النطیحۃ'': وہ جانور کسی ٹکر، تصادم اور حادثہ میں مرجائے یا کسی دوسرے جانور کی سینگ اور ٹکر سے مرجائے۔

۹۔''ما اکل السبع'': وہ جانور جس کو کسی درندے نے پھاڑ دیا ہو اور وہ مر گیا ہو۔ البتہ اگر ان چاروں صورتوں (جانور کا دم گھٹ گیا ہو، چوٹ لگی ہو، بلندی سے گرا ہو یا کسی ٹکر اور تصادم کی وجہ سے گر گیا ہو) اور جانور کے مرنے سے پہلے اس کو شرعی طور پر ذبح کر لیا گیا، اور ذبح کرنے والا مسلمان یا صحیح العقیدہ اہلِ کتاب ہو تو وہ حلال ہو جائے گا۔

۱۰۔''ما ذبح علی النصب'': وہ جانور جو کسی بت، پیر یا ولی کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے خاص مقام پر ذبح کیا جائے، وہ بھی حرام اور شرک ہے، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو۔

۱۱۔''ان تستقسموا بالازلام'': وہ گوشت بھی حرام ہے جو جوئے کے تیروں کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں اور دونوں حرام ہیں:

۱......جاہلیت کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترکہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف تیروں پر حصے لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر ہر شریک ایک تیر نکالتا تھا، جس کے نام جو تیر نکل آتا، اس کو گوشت میں سے اتنے حصے دیے جاتے تھے جو اس تیر پر لکھے ہوتے تھے، اور جس کے ہاتھ میں ایسا تیر آتا جس پر کوئی حصہ لکھا ہوا نہ ہوتا، اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا، یہ جوا اور سٹہ بازی تھی، اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔

۲......زمانہ جاہلیت میں کعبہ کے مجاور کے پاس ایک سے زائد تیر ہوتے تھے، جن کے ذریعہ قسمت آزمائی اور فال لی جاتی تھی، ان میں سے ایک تیر پر ''نعم'' ایک پر ''لا'' لکھا ہوتا اور ایک تیر پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ جب کسی شخص کو اپنی قسمت یا مستقبل کے کسی کام سے متعلق تردد ہوتا تو وہ ان تیروں کے ذریعہ فیصلہ کرتا، اگر وہ تیر نکلتا جس پر ''نعم'' لکھا ہوتو وہ کام کر گزرتا تھا، اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر ''لا'' لکھا ہوا تھا تو اس کام سے باز رہتا اور اگر خالی تیر نکلتا تو فال اور قرعہ دوبارہ نکالا جاتا۔ چونکہ یہ صورت توہم پرستی اور مشرکانہ عقیدے پر مبنی تھی، اس لیے اسلام نے اسے حرام قرار دے کر اس کا خاتمہ فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ جوگیوں اور نام نہاد عاملوں کے پاس جانا اور ان سے قسمتوں کے حال معلوم کرنا گناہ اور حرام ہے، بلکہ کفر کا اندیشہ ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، اور اس طرح غیر اللہ کو عالم الغیب یقین کیا جاتا ہے۔

آج کل بھی طرح طرح کے فال نکالے جاتے ہیں، یہ سب غیر شرعی ہیں، کسی بھی کام میں تردد کے خاتمہ کے لیے شریعت نے استخارہ اور مشورہ کا طریقہ دیا ہے۔

تکمیلِ دین

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو بہت بڑی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آج کے دن کفّار تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہو چکے ہیں، اس لیے اب تم ان کا کوئی خوف نہ رکھو، صرف میرا خوف رکھو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، یعنی نزول قرآن سے جو مقصود تھا (انسانوں کو جامع دین اور شریعت دینا) وہ پورا ہو گیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے منتخب کر لیا ہے۔ اب قیامت تک یہی دین رہے گا۔

یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ (۹ ذی الحج) کے دن نازل ہوئی، جبکہ مکہ اور تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا، پورے جزیرۃ العرب پر اسلامی قانون نافذ تھا۔ اس سے پہلے تو کفّار مکہ اور عرب کے دیگر مشرکین یہ منصوبے بنایا کرتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو جڑ سے ختم کر دیا جائے، کیونکہ مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ مالی و دنیوی لحاظ سے نسبتاً کمزور بھی تھے، لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر جب مسلمانوں کا عظیم الشان جم غفیر مکہ مکرمہ پہنچا تو سارے عرب میں ان کی دھاک بیٹھ گئی اور کفّار و مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے۔

اَحکام کی آخری آیت

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا'' یہ آیت تقریباً قرآن کی آخری آیت ہے، اس کے بعد اَحکام سے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، البتہ ترغیب و ترہیب سے متعلق چند آیات اس کے بعد بھی نازل ہوئی ہیں۔

حرام جانوروں سے متعلّق ایک اِستثنا

آیت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ان جانوروں سے متعلّق جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ انہیں اللہ ربّ العزّت نے حرام قرار دیا ہے، ان سے ایک خاص صورت کو مستثنٰی قرار دیا ہے، اور وہ یہ کہ اگر کوئی شخص بھوک کی شدت سے بیتاب ہوجائے اور اسے ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو ایسی حالت میں اگر وہ محض اپنی جان بچانے کی خاطر ان حرام جانوروں میں سے کچھ کھالے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ اس کی نیت پیٹ بھرنے اور لذت حاصل کرنے کی نہ ہو، بلکہ صرف اتنا کھائے کہ اس کی جان بچ جائے۔ (معارف القرآن)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

پاکیزہ اور حلال چیزیں

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جن کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے، اس آیت میں ان جانوروں کا تذکرہ ہے جو حلال ہیں۔ نیز ان آیات میں شکاری کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے کا حکم اور اس کی شرائط بھی ذکر کی گئی ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ شکاری کتے اور باز وغیرہ کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لیے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ کُتّا، یا باز، سکھایا اور سدھایا ہوا ہو۔

شکاری جانور کی تعلیم کا اُصول

سکھانے اور سدھانے کا اصول یہ ہے کہ جب کتے کو شکار کے لیے چھوڑا جائے، تو وہ شکار پکڑ کر لے آئے، خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے اصول یہ ہے کہ جب اس کو واپس بلایا جائے تو وہ فوراً آجائے، اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جارہا ہو۔

۲۔ اپنے ارادے سے کتے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑا جائے، یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کرلے۔

۳۔شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگے، بلکہ تمہارے پاس لے آئے۔

۴۔جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑا جائے تو "بسم اللہ" پڑھ کر چھوڑا جائے۔

اگر یہ چاروں شرطیں پوری ہوں اور جانور دَم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے، ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں تو بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا۔ بعض شکاریوں میں کوتاہی پائی جاتی ہے کہ وہ جانور یا تیر سے شکار کرتے ہوئے جواز کی شرائط کا خیال نہیں کرتے، ان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بس شکار ہاتھ سے نہ جائے، اس لیے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، حکم شرعی میں کوتاہی نہ کرو، اللہ جلد حساب لینے والے ہیں، حساب کا دن دور نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

حلال وحرام کا معیار حکمِ اِلٰہی ہے

اگلی آیت میں اللہ رَبُّ العزّت نے اعلان فرمادیا کہ آج ہم نے تم پر تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردیں، اب کوئی انہیں حرام نہیں کرسکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی مرضی سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کرتے تھے، تو آج بھی کسی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دے یا حرام کردہ چیزوں کو حلال کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت شرک فعلی ہے جو نا قابلِ معافی جرم ہے۔

شرک کی اَقسام

شرک دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔شرک اعتقادی: اللہ کے سوا کسی اور کو مشکل کشاء، حاجت روا اور معبود سمجھنا، یا اس کی کسی صفت میں دوسروں کو شریک سمجھنا۔

۲۔شرک فعلی: اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام، یا حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا۔

شرک کی یہ دونوں قسمیں حرام اور نا قابلِ معافی جرم ہیں۔

"اہلِ کتاب" کون ہیں؟ اور ان کے ذبیحے کا حکم

اس کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم بیان فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔

قرآن وسنّت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، جو تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہوں، اور اپنے دین پر قائم ہوں۔ جو لوگ نام کے عیسائی اور یہودی ہوں، لیکن عقیدہ کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوّت ووحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں، وہ ملحد ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہے، اگرچہ خاندانی نسبت کی بنا پر وہ یہودی یا نصرانی کہلاتے ہوں، آج بیشتر یہودی اور عیسائی اپنے دین پر قائم نہیں، بلکہ دہریے اور منکر خدا بن چکے ہیں، ایسے لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کی تفصیل

اہل کتاب کے ذبائح سے متعلّق حکم بیان کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان کی خواتین سے نکاح کرنے کے حکم کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے مسلمان عورتوں سے نکاح کرنا تو درست ہے ہی، اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح کرنا درست ہے۔ البتہ اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے کے متعلّق تھوڑی تفصیل سمجھ لیجیے:

۱۔ جو عورتیں مذہبی اعتبار سے واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، لیکن عفت وعصمت اور پاک دامنی کا ان کے ہاں لحاظ نہ ہو، تو ایسی عورتوں سے کسی مسلمان مرد کا نکاح بہتر نہیں ہے۔

۲۔ جو عورتیں واقعی اہل کتاب ہوں، اور ان کے بارے میں پاکدامن ہونے کا گمان ہو، لیکن وہ مسلمانوں کا ملک نہ ہو، بلکہ غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہو، ایسی جگہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں: "یکرہ نساء اھل الحرب من الکتابیات۔" (احکام القرآن ۱/ ۳۲)

۳۔ موجودہ حالات میں مسلم ملکوں میں بھی ایسی عورتوں سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں، چنانچہ علامی شامیؒ فرماتے ہیں: "یفید کراھۃ التنزیہ فی غیر الحربیۃ" (ردالمحتار: ۳/ ۴۵) ایسی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے اولاد اور نسل کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

جمہور صحابہ وتابعین عیسائی اور یہودی عورتوں کے ساتھ فی نفسہ نکاح حلال سمجھنے کے باوجود متعدد مفاسد کی بنا پر ایسی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے۔ سیّدنا حذیفہ بن یمانؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا، سیّدنا فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا، جس میں فرمایا کہ: میں آپ کو قسم دیتا ہوں، میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کردو، مجھے خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں گے، اور اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن وجمال کی وجہ سے، مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں گے، مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی؟ (معارف القرآن)

حاصل یہ کہ قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کے لحاظ سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے اجتناب کریں۔

۴۔ مسلمان عورتوں کا کسی بھی غیر مسلم مرد بشمول اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

نوٹ:- مفتیان کرام کے نزدیک شیعہ سنی کا بھی باہم نکاح جائز نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

''وضو'' اور ''غسل'' کا حکم

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے طہارت سے متعلق چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے وضو کے بارے میں حکم ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! جب بھی تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کر لیا کرو، اور وضو میں چار احکام بجا لانا فرض ہے: ۱۔منہ دھونا۔ ۲۔کہنیوں تک ہاتھ دھونا۔ ۳۔سر کا مسح کرنا۔ ۴۔ٹخنوں تک پاؤں دھونا۔ یہ چار احکام وضو کے فرائض ہیں، ان کا بجالانا وضو کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب انسان حدث اصغر کی حالت ہو، اگر انسان حدث اکبر یعنی جنابت کی حالت میں ہو تو وہ صرف وضو کرنے سے پاک نہ ہوگا، بلکہ اس کے لیے مکمل بدن کو پاک کرنا اور اچھی طرح غسل کرنا ضروری ہے۔

حکمِ تیمّم

چونکہ بسا اوقات انسان کسی ایسے مقام میں ہوتا ہے جہاں پانی دستیاب نہ ہو، یا انسان ایسی بیماری کی حالت میں ہو کہ پانی اس کے لیے نقصان دہ ہو، تو ایسی صورت میں وضو کے متبادل کے طور پر اللہ ربّ العزّت نے تیمم کا حکم مرحمت فرمایا ہے۔ ''تیمم'' سے مراد یہ ہے کہ پاک مٹی پہ ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور دوسری مرتبہ ہاتھ مٹی پر مار کر کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔ اس طرح کرنے سے بھی انسان شریعت کی نگاہ میں پاک قرار دیا جائے گا۔

ان احکام سے مقصد انسان کی پاکی اور صفائی کا خیال رکھنا ہے، اور چونکہ تمام احکام شرعیہ میں سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے، اسی طرح طہارت کے احکام میں بھی شریعت نے بہت لچک رکھی ہے، چنانچہ پانی دستیاب نہ ہونے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی صورت میں مٹی سے طہارت حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۝

عدل و انصاف کی بالادستی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو ہر حال میں عدل و انصاف قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! تم اللہ ربّ العزّت کی خوشنودی کے لیے احکام کی پوری پابندی کرنے والے اور گواہی دینے

کے موقع پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اور کسی گروہ کی دشمنی تمہیں انصاف کا دامن چھوڑنے پر مجبور نہ کرے، ہر حال میں عدل سے کام لو، کیونکہ عدل ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تقویٰ باری تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

عدل و انصاف کی راہ میں عام طور پر دو رکاوٹیں ہوتی ہیں:

۱۔ اپنی یا اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف داری۔

۲۔ کسی شخص کی دشمنی اور عداوت، مذکورہ آیت میں عدل و انصاف سے متعلق عمومی حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عدل و انصاف کی راہ میں حائل ہونے والی دوسری رکاوٹ کا خاص طور پر ذکر کیا کہ کسی فریق کی دشمنی تمہیں عدل و انصاف کا دامن چھوڑنے پر مجبور نہ کرے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯

یہود کی عہد شکنی اور اس کے بُرے ثمرات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل سے لیے ایک میثاق اور عہد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پوری بنی اسرائیل قوم جو بارہ خاندانوں پر مشتمل تھی، ان کے ہر خاندان میں سے ایک سردار منتخب کیا گیا اور ہر سردار نے اپنے خاندان کی جانب سے اس میثاق پر عملدر آمد کرنے کی ذمہ داری لی۔ اللہ ربّ العزّت نے انہیں ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے ان عہد و میثاق کی پابندی کی تو میری مدد و نصرت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی، اور جو اس میثاق کو توڑے گا وہ راہِ حق سے دُور ہو جائے گا۔ اس کے بعد میثاق کی درج ذیل دفعات ذکر فرمائی گئی:

۱۔ نماز کا اہتمام۔

۲۔ زکوٰۃ کی ادائیگی۔

۳-انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔

۴-انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تعاون اور ان کی مدد ونصرت۔

۵-اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا، یعنی زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ کرنا۔

ان دفعات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے اس میثاق اور معاہدہ پر عمل کیا تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور تمہیں جنّت عطا کی جائے گی جس میں دائمی راحت وعافیت ہوگی۔لیکن اگر کسی نے کفر اور سرکشی اختیار کی اور اس میثاق پر عمل نہ کیا تو وہ اپنے ہاتھوں تباہی کے گڑھے میں جا گرے گا۔

اس ترغیب اور ترہیب کے باوجود بنی اسرائیل نے اس عہد کا پاس نہ رکھا اور اس کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا فرمادیا، ان پر لعنت کی گئی، اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا جس کی وجہ سے ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوگئی، اور ان پر حق بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ تورات میں تبدیلی اور تحریف کرنے لگے اور احکام شریعت میں خیانت کا ارتکاب کرنے لگے۔

نصاریٰ کی عہد شکنی اور نتیجہ!

یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کے احوال بھی بتلائے گئے، کہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر قائم رہنے کا وعدہ لیا گیا تھا، لیکن انہوں نے بھی اللہ ربّ العزّت کے عہد کو توڑ دیا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بغض وعداوت ڈال دی، اور ان کی آپس میں دشمنیاں پیدا ہوگئیں، پھر قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کے وبال کا پتہ چل جائے گا۔

نجات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں ہے!

لہٰذا اے اہلِ کتاب! اگر تم جہنّم سے نجات چاہتے ہو اور آخرت کی رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ جو تمہیں تورات کے ایسے بہت سے احکام بتاتے ہیں جن کو تم چھپاتے ہو اور تمہاری غلطیوں پر درگزر کرتے ہیں، اللہ ربّ العزّت نے تمہارے پاس اپنے نبی کو بھیجا ہے اور ان پر قرآن جیسی مقدس کتاب نازل کی ہے، جو لوگوں کو کفر اور گناہوں کی تاریکی سے ایمان اور اعمال صالحہ کی روشنی فراہم کرتی ہے۔اس پر ایمان لاؤ۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر بشر تھے؟

کچھ لوگ آیت "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" پڑھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کر دیتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں، (العیاذ باللہ) بشر نہیں، حالانکہ آپ کی بشریت مشاہدہ بھی ہے اور قرآنِ کریم کا ارشاد بھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریشی ہاشمی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب حضرت آدم

علیہ السلام تک موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، پھوپھیاں، بیٹیاں، نواسے، ازواج مطہرات وغیرہ سب تھے، اگر آپ بشر نہیں تو یہ سب کیسے ہیں؟

قرآنِ کریم نے بھی "هل كنت الا بشرا رسولا" اور "قل انما انا بشر" وغیرہ ذکر فرما کر آپ کی بشریت کی صراحت فرمادی۔

رہی بات کہ اس آیت میں نور و کتاب سے کیا مراد ہے؟ اس کی دو تفسیریں ہیں:

۱۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں "نور" اور "کتاب مبین" سے مراد قرآنِ کریم ہے، دونوں میں عطف تفسیری ہے، "نور" کی تفسیر کتاب سے کی گئی ہے، وجہ یہ ہے کہ اگلی آیت میں "يهدى به" کی ضمیر مفرد کی ہے، جو قرآن و کتاب کی طرف راجع ہے۔ اگر نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب سے مراد قرآن لیا جائے تو ضمیر تثنیہ کی ذکر کی جانی چاہیے تھی۔ قرآنِ کریم نے دوسرے مقامات پر صراحت سے نور بول کر قرآن مراد لیا ہے۔ مثلاً: "انزلنا اليكم نورا مبينا" "ہم نے تمہاری طرف واضح نور اتارا، ظاہر ہے کہ اتارا تو قرآن گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تولد ہوئے ہیں۔

۲۔ نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن نور سے مراد آپ کی وصف ہے نہ کہ ذات، یعنی ذات کے لحاظ سے آپ بشر ہیں، لیکن وصف کے لحاظ سے نور، چنانچہ تفسیر خازن میں ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کو نور کہا ہے کیونکہ آپ کے ذریعہ ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَقَالَتِ الْيَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

عیسائیوں کے ایک غلط عقیدے کی تردید

عیسائیوں کا ایک فرقہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس طرح خدا اور معبود ہو سکتے ہیں، حالانکہ اگر اللہ ربّ العزّت انہیں اور ان کی والدہ کو وفات دینا چاہیں، تو وہ نہ خود کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنی والدہ کو، حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان موجود تمام مخلوقات کا اکیلا مالک صرف اللہ ربّ العزّت ہے، تو جو ذات ہر چیز کی مالک ہو وہی معبود کہلانے کے حق دار ہے۔

اللہ کے محبوب ہونے کا دعویٰ!

یہود و نصاریٰ اپنی تمام اعتقادی، عملی اور اخلاقی خرابیوں کے باوجود یہ دعوی کرتے تھے کہ ہم اللہ ربّ العزّت کے

پیارے اور محبوب ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم واقعۃً اللہ ربّ العزّت کو محبوب ہو تو وہ تمہیں تمہارے گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم ایک عام انسان ہو، اللہ ربّ العزّت کی مرضی کہ وہ جسے چاہے عذاب دے، جسے چاہے معاف کر دے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

یہود کی ایک اور عہد شکنی اور خطرناک نتیجہ!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہود کی ایک اور عہد شکنی کو ذکر فرما کر اس کا انجام بیان فرمایا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام میں فلسطین کا علاقہ تھا، فرعون نے مصر میں ان کو غلام بنا رکھا تھا، جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین اور شام پر ایک کافر قوم کا قبضہ تھا، جو عمالقہ کہلاتی تھی، لہٰذا اس حکم کا لازمی تقاضا تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر قوم عمالقہ سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ جہاد میں فتح تمہاری ہی ہوگی، اللہ ربّ العزّت نے یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے، جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتہ چلا کہ قوم عمالقہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں، دراصل یہ لوگ قوم عاد کی نسل سے تھے، بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک اور ہیبت ناک قدوقامت کے لوگ تھے، بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے کہ "جب تک یہ قوم یہاں موجود ہے، ہم اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے، آپ اور آپ کا پروردگار جا کر لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں" یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے، اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے، صرف دو اشخاص حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت کالب ہر مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو، اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تم ہی غالب رہو گے، لیکن قوم نے ان

کی ایک نہ سنی، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے اللہ! آپ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادیجیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی اور اس عہد شکنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگئے اور سزا کے طور پر انہیں صحرائے سینا (وادیٔ تیہ) میں چالیس سال تک محصور کردیا، اسی میں بھٹکتے رہے، نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے مصر لوٹ جانے کا، یہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہوا۔ ایک نسل مکمل ختم ہوگئی، اگلی نسل آئی اور ان کے نبی حضرت یوشع علیہ السلام بنے، انہوں نے جاکر جہاد کیا اور علاقہ فتح کیا تب جاکر ان کو اس عذاب سے نجات ملی۔

وادیٔ سینا کو "تیہ" کہنے کی وجہ

وادیٔ سینا کو "تیہ" اس لیے کہتے ہیں، قرآنِ کریم نے بنی اسرائیل کے لیے فرمایا: "یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ" کہ یہ اس زمین میں میں بھٹکتے پھریں گے، جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے، تو عربی میں کہتے ہیں "تاہ فلان"۔ اسی سے اس وادی کا نام تیہ پڑگیا۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ
قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ
اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۝ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى
بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ
وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ
بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝

ہابیل اور قابیل کا قصہ!

ان آیات میں ظلم اور حسد کا انجام ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماکر یہود اور ان جیسے باغیوں اور حاسدوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ ان دو بیٹوں سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہابیل اور قابیل ہیں۔

ان کے واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ یہ دونوں بھائی تھے، قابیل بڑا اور ہابیل چھوٹا تھا۔ جب حضرت آدم وحوّا

علیہا السلام اس دنیا میں آباد کیے گئے، تو اس وقت سب سے بڑی ضرورت نسل انسانی کی افزائش تھی، جس کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی کہ حضرت حوا علیہا السلام کو مسلسل جڑواں اولاد ہوتی، جن میں سے ایک لڑکا ہوتا اور ایک لڑکی، حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں حکم یہ تھا کہ ایک ہی بطن سے پیدا ہونے والے بھائی بہن ایک دوسرے کے لیے حرام تھے، دوسرے بطن کی اولاد سے ان کا نکاح ہوتا تھا، چنانچہ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام ''اقلیماء'' تھا اور وہ زیادہ خوبصورت تھی، ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی اور بہن کا نام ''لیلوا'' تھا، وہ اتنی خوبصورت نہیں تھی، جس کی وجہ سے قابیل اپنی ہی جڑواں بہن سے نکاح کرنے پر مصر تھا، حضرت آدم نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا، پھر حضرت آدمؑ نے ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نذر پیش کرنے کی تلقین کی کہ جس کی نذر قبول ہو جائے گی، اس کا نکاح اس خوبصورت لڑکی سے ہوگا، ہابیل کے پاس مویشی تھے، اس نے ایک فربہ مینڈھا پیش کیا، قابیل کے پاس کھیتی تھی، اس نے پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا، ہابیل کی قربانی پر دستور کے مطابق آسمانی آگ اتری، جو قبولیت کی علامت تھی، قابیل کی قربانی پر آگ نہیں اتری، مگر اس کے باوجود قابیل نے نہ مانا اور قتل کی دھمکیاں دینے لگا، اس دھمکی کے جواب میں، ہابیل نے کہا کہ وہ پھر بھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا، تو اب اس کی ہمت بڑھ گئی، اور آخر کار اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

چونکہ یہ روئے ارض پر پہلا قتل تھا، اس لیے قابیل کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہابیل کی لاش کے ساتھ کیا کرے؟ اللہ ربّ العزّت نے ایک کوّے کے ذریعے اسے تعلیم دی کہ ایک کوّا دوسرے کوّے کو دفن کرنے کے لئے زمین کھودنے لگا، اس سے مفہوم ہوا کہ یوں زمین میں قبر بنائی جائے اور اس میں ہابیل کو دفنا دیا جائے۔

آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شروع ہی سے مردہ کو زمین میں دفن کرنے کا طریقہ رہا ہے، نہ کہ لاش کو جلانے کا، مردے کو زمین میں دفن کرنے میں مردے کا احترام بھی ہے اور ماحولیاتی آلودگی سے حفاظت بھی۔ جلانے میں انسان کی بے حرمتی ہے۔

اِنسانی جان کی قدر و منزلت

ہابیل و قابیل کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قتل ناحق کی مذمت اور انسانی جان کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس نے ناحق کسی ایک انسان کو قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کی جان بچائی تو اس نے سب کی جان بچائی۔

اصل چیز انسانی زندگی کا احترام اور اس کی اہمیت کا احساس ہے، اگر کوئی شخص اس جذبہ و احساس سے عاری ہو کر ایک شخص کا قتل کر بیٹھے، تو وہ اپنے بے جا مقاصد کے لیے بہت سے انسانوں کا قتل بھی کر سکتا ہے، اور جو انسانی زندگی کی اہمیت و حرمت کو سمجھتا ہے، وہ ایک گروہ کی جان بچانے کی بھی کوشش کرے گا اور ایک شخص کی بھی، اسی کو قرآن کریم نے اس بلیغ اور مؤثر فقرہ میں بیان کیا ہے۔

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْٓا أَوْ يُصَلَّبُوْٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ڈاکوؤں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کی سزا بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی جماعت یا جتھا اجتماعی قوت کے ساتھ ڈکیتیاں کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور حکومت کے قانون کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں تو ان کی سزا میں درج ذیل تفصیل ہے:

۱۔ اگر ڈکیتی کے دوران دارالاسلام کے کسی شہری کو قتل کریں، مگر مال نہ لوٹیں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔

۲۔ اگر کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں سولی چڑھا دیا جائے۔

۳۔ اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے، کسی کو قتل نہیں کیا تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں۔

۴۔ اور اگر انہوں نے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ ہی مال لوٹ سکے، بلکہ پہلے ہی گرفتار ہو گئے تو ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو جلا وطن کر دیا جائے یا قید میں ڈال دیا جائے۔ یہ ان لوگوں کی دنیوی سزا اور رسوائی ہے، اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر عذاب ہوگا۔

البتہ اگر یہ ڈاکو حکومت کے گھیرے میں آنے اور گرفتار ہونے سے پہلے پہلے اگر توبہ کر لیں اور رہزنی سے باز آجائیں تو ان سے حد (سزا) معاف ہو جائے گی اور اللہ ربّ العزّت بھی ان کے جرم کو معاف فرما دیں گے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا إِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

”وسیلہ“ کے اَحکام

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے:

۱۔ تقویٰ اختیار کرو۔

۲۔ اللہ ربّ العزّت کا قرب تلاش کرو۔ ”وسیلہ“ کا معنی ہے: ”قرب حاصل کرنے کا ذریعہ“ اور اللہ ربّ العزّت کا قرب ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، اسی لیے انہیں ”وسیلہ“ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر ہمارے عُرف میں معروف ”وسیلہ“ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ہر چند کہ اس معروف وسیلے کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں، تاہم مسئلے کی وضاحت عرض کی جا رہی ہے۔

''وسیلہ'' کی دو صورتیں ہیں

۱۔توسل بالاعمال: اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ ربّ العزّت سے دُعا کرنا، اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

۲۔توسل بالذات: کسی کی شخصیت کا واسطہ دے کر اللہ ربّ العزّت سے دُعا کرنا، اس کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے:

۱۔توسل کی ایک صورت لوگوں میں یہ رائج ہے کہ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے بجائے بزرگوں سے منظور کرانے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کی رسائی خدا تعالیٰ کے دربار میں نہیں ہوسکتی،اس لیے ہمیں جو درخواست کرنی ہے،اللہ کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں اور جو کچھ مانگنا ہے ان سے مانگیں،اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرادیں پوری کرنے کی قدرت دے رکھی ہے۔یہ وسیلہ خالصتاً شرک اور گمراہی ہے۔

۲۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر جا کر اللہ پاک کے دربار میں دُعا کی درخواست کرنا،جائز ہے۔ فقہائے احناف نے قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر استشفاع کو جائز قرار دیا ہے۔اسے شرک قرار دینا غلط ہے،البتہ صاحبِ قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا شرک ہے،اس کی شرعاً بالکل اجازت نہیں ہے۔

۳۔وسیلے کی ایک صورت یہ ہے کہ مانگے تو اللہ تعالیٰ سے لیکن اولیاء اللہ سے اپنے تعلق کا واسطہ دے کر دُعا کرے، مثلاً یوں کہے:

''اے اللہ! جتنی رحمت آپ کی اس بندہ پر متوجہ ہوتی ہے،اور جتنا قرب اس کو آپ کا حاصل ہے،اس کی برکت اور وسیلہ سے مجھ کو فلاں چیز عطا فرما، کیونکہ اس شخص سے آپ کا خاص تعلق ہے،اور مجھے اس سے محبت ہے۔'' وسیلے کی یہ صورت بھی جائز ہے۔

واضح رہے کہ وسیلہ سے دُعا مانگنا صرف جائز اور مباح ہے،فرض، واجب یا سنّت نہیں ہے۔ ہمارے جملہ سلاسل میں اس طرح دُعا مانگی جاتی ہے، علمائے دیوبند کا یہ متفقہ نظریہ ہے، ''المہند علی المفند'' میں بھی اسے جائز کہا گیا ہے۔ علامہ آلوسیؒ اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح المعانی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''لا اری باسًا فی التوسل الی اللہ تعالی بجاہ النبی حیًا ومیتًا''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب آپ کی زندگی اور بعد از وفات توسل اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔(روح المعانی:۱۲۸/۶) حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں وسیلہ بالذات کا جائز ہونا تحریر فرمایا ہے۔(معارف القرآن:ج ۳ص ۱۲۸)

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

چور کی سزا

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے چوری کرنے والے مرد و عورت کی سزا بیان فرمائی ہے۔ چونکہ چوری کرنے والے ریاست اور شہریوں کے امن و تحفظ کے لیے خطرہ بنتے ہیں، اس لیے ان کو ایسی سزا دینا ضروری ہے جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں، چنانچہ فرمایا کہ چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو، البتہ اگر کوئی مرد و عورت چوری کرنے کے بعد اپنے اس برے فعل سے توبہ کرلے اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کرلے تو اللہ ربّ العزّت اس کے یہ گناہ معاف فرمادیں گے اور آخرت میں اس سے مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے، البتہ دنیا میں اس پر چوری کی حد جاری ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

خیبر کے یہودی اشرافیہ کی مستیاں

خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا، دونوں شادی شدہ تھے، تورات کی مقرر کردہ سزا کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کرنا لازم تھا، مگر یہ دونوں کسی بڑے خاندان کے تھے، اس لیے یہودیوں نے اپنی عادت کے مطابق یہ چاہا کہ ان کی سزا میں نرمی کی جائے، ان کی عادت تھی کہ اگر کوئی مالدار یا طاقتور شخص کوئی جرم کرتا تو اسے معمولی سی سزا دے کر یا ویسے ہی چھوڑ دیتے، اور اگر کوئی غریب کسی جرم میں پکڑا جاتا تو اسے سخت سزائیں دیتے، بہرحال انہوں نے سوچا کہ ہماری شریعت میں تو اس کی سزا بہت سخت ہے، جبکہ اسلام میں بہت آسانیاں دی گئی ہیں، اس لیے اس معاملہ کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کروالیا جائے، چنانچہ انہوں نے بنی قریظہ کے لوگوں کو اپنا یہ پیغام پہنچادیا اور ان دونوں مجرموں کو بھی ساتھ بھیج دیا، اور ان کا منشا یہی تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہلکی سزا جاری کریں تو مان لیا جائے ورنہ انکار کردیا جائے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم بتاؤ کہ تورات میں اس جرم کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے جھوٹ بول دیا کہ ہمارے ہاں سزا یہ ہے کہ ان کو کوڑے مار کر منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر بازار میں گھمایا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی سزا تورات میں سنگسار کرنا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا: تورات لاؤ! تورات

لائی گئی، یہودیوں کے بڑے عالم عبداللہ بن صوریا کو بلایا گیا، اس نے پڑھنا شروع کیا، رجم کی آیت چھوڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کی چوری پکڑی اور فرمایا کہ اس نے درمیان کی آیت چھوڑ دی ہے، عبداللہ بن صوریا کو مجبوراً وہ آیت پڑھنی پڑی، اس میں سنگسار کرنے کا حکم تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تورات کے حکم کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اے نبی! جو لوگ کفر میں آگے بڑھتے ہیں، آپ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں، خواہ وہ منافقین ہوں یا یہود، یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں، یہ اپنے مذہبی پیشواؤں کے ایسے اندھے متبع ہیں کہ احکام تورات کی کھلی خلاف ورزی دیکھنے کے باوجود ان کی پیروی کرتے رہتے ہیں اور ان کی جھوٹی بیان کی ہوئی کہانیاں سنتے رہتے ہیں۔ ان کا دوسرا بڑا جرم یہ ہے کہ آپ کے پاس کسی دینی معاملہ کا حکم معلوم کرنے نہیں آتے بلکہ یہ دوسرے یہودیوں کے لیے جاسوسی کرنے آتے ہیں۔ اسی طرح ان کا ایک بڑا جرم یہ ہے کہ یہ تورات میں تحریف کرتے ہیں اور اس کے الفاظ ومعانی میں رد وبدل کر دیتے ہیں، اور رشوت کی صورت میں حرام کھاتے ہیں، لہٰذا اے نبی! اگر یہ آپ کے پاس فیصلہ کروانے آئیں تو آپ کو مکمل اختیار ہے، اگر چاہیں تو فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو انکار فرما دیں، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اگر انہیں واقعی فیصلہ کرانا ہوتا تو یہ تورات سے فیصلہ کر لیتے۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ
وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ
النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ
قِصَاصٌ ۗ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَفَّيْنَا
عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ
الْحَقِّ ۗ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ
اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۗ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ
الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۗ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

تین کتابیں......تین ادوار

دنیا میں تین باقاعدہ مذاہب موجود ہیں:

۱۔ یہودیت: اس کی آسمانی کتاب تورات تھی۔

۲۔ عیسائیت: اس کی آسمانی کتاب انجیل تھی۔

۳۔ اسلام: اس کی آسمانی کتاب قرآنِ کریم ہے۔

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ان تینوں کتابوں کے ادوار کا تذکرہ فرمایا ہے اور ہر دور میں کتاب اللہ کی اتباع اور اس کی افادیت کو واضح فرمایا ہے۔

پہلا دور

پہلا دور تورات کا ہے۔ تورات بہت عظیم الشان کتاب تھی، اللہ رَبّ العزّت نے قرآنِ کریم میں جا بجا تورات کی اعلیٰ صفات کو ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا، نیز فرمایا کہ ہزاروں سالوں تک انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام اسی تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے، اللہ رَبّ العزّت نے تورات کی حفاظت کا ذمہ انبیاء علیہم السلام اور علمائے کرام کو عطا فرمایا تھا، وہ کتاب اللہ کی حفاظت کا اقرار بھی کرتے تھے، انہیں حکم تھا کہ فیصلوں کے سلسلہ میں مخلوق سے نہ ڈرا کریں بلکہ اللہ رَبّ العزّت کا ڈر اپنے دل میں رکھا کریں، اور اللہ رَبّ العزّت کی آیات کو دنیا کے معمولی عوض کے بدلے میں فروخت نہ کریں، جو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، یعنی کتاب اللہ کے احکام پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ کافر ہیں۔

فوجداری سزائیں

اسی تورات میں اللہ رَبّ العزّت نے قصاص کا حکم بھی نازل فرمایا تھا جو شریعت اسلامیہ میں بھی برقرار رکھا گیا، اس حکم کے تحت اللہ رَبّ العزّت نے یہ واضح فرما دیا کہ جس درجے کا جرم ہوگا، اتنے ہی درجہ سزا قصاص کے طور پر دی جائے گی، لہٰذا اگر کسی نے کسی کو جان سے مار دیا تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا، اگر کسی کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی آنکھ پھوڑی جائے گی، ایسے ہی کان کے بدلے میں کان، دانت کے بدلے میں دانت تلف کیا جائے گا، اور باقی زخموں میں بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

دوسرا دور

تورات کے بعد انجیل کا دور آیا۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی، اللہ رَبّ العزّت نے انجیل کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انجیل میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا، پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بھی تھی اور

تورات کے احکام کی تصدیق بھی تھی، انجیل کے نزول کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اہل کتاب کو حکم دیا کہ اب تم انجیل کے مطابق فیصلے کیا کرو، کیونکہ جو باری تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ نافرمان اور سرکش ہیں۔

تیسرا دور

تیسرا دور قرآنِ مجید کا ہے، جس کے متعلق ارشاد فرمایا: ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کی، یہ کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

''قرآن'' تورات وانجیل کا محافظ!

انجیل کے بعد قرآنِ کریم کا دور آ گیا۔ یہ مقدس کتاب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اللہ رَبّ العزّت نے قرآن کی صفات بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی جو تورات وانجیل کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے، یعنی قرآنِ کریم نے تورات و انجیل کے مضامین کو اپنے اندر سمو کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے، ورنہ یہودی اور عیسائی تو تحریف کر کے تورات کے احکام ختم کر چکے تھے۔

فیصلے قرآن کے مطابق کیجیے!

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اے نبی! آپ اس قرآن مقدس کے مطابق فیصلے کیا کیجیے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے، نہ ان کی باتوں میں آیئے، ہر رسول کو اللہ رَبّ العزّت نے مستقل شریعت دے کر مبعوث فرمایا ہے، اور ہر امت پر اپنے رسول کی شریعت کی اتباع ہی فرض تھی، اسی طرح اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو بھی مستقل شریعت عطا فرمائی ہے جس کی پیروی اس امت پر فرض ہے، اگرچہ بنیادی اور اصولی عقائد تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ایک جیسے تھے لیکن فروعی احکام ہر شریعت کے جدا جدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ اس قرآن کے مطابق فیصلے فرمایئے۔

خلافِ قرآن فیصلہ جاہلیت ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم کے مطابق فیصلے کرنے کی ہدایت فرمانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے یہود و منافقین کو تنبیہ فرمائی کہ وہ شہنشاہ مطلق کے حکم کو چھوڑ کر اپنی مرضی یا کسی اور کے حکم کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، جو در اصل جاہلیت کا فیصلہ ہے، یقین رکھنے والی قوم کے لیے اللہ رَبّ العزّت سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلاف شریعت فیصلے بھی جاہلیت کا حصہ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ

يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي
أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ
حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ
بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ
آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝

یہود ونصاریٰ کی دوستی سے بچو!

یہود ونصاریٰ کے کالے کرتوت بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے دوستی اور قلبی تعلق رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! یہود ونصاریٰ کے ساتھ دلی دوستی نہ کرو، یہ کبھی تمہارے دوست نہیں ہوسکتے، جو ان سے قلبی دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے شمار ہوگا، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ ترکِ موالات کا اعلان کردیا، البتہ جو منافقین تھے انہوں نے ان سے اپنا تعلق قطع نہیں کیا، اللہ ربّ العزّت نے ان کا شکوہ فرمایا کہ یہ روکنے کے باوجود یہودیوں سے دوستیاں رکھتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مشرکین و یہود کی سازش کامیاب ہوجائے اور مسلمان مغلوب ہوجائیں تو ہمارے لیے اس وقت مصیبت نہ ہو، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یہ منافقین اپنے اس عمل پر شرمسار ہوں گے۔

کسی کے مُرتد ہونے سے اِسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا!

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہوجائے اور اسلام کو چھوڑ بیٹھے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ سے متعلق پیشین گوئی

اللہ ربّ العزّت اس دین کی حفاظت کے لیے اس بات پر قادر ہے کہ ان مرتد ہوجانے والوں کے بدلے میں ایسی قوم کو اسلام لانے کی توفیق دے دے جو اللہ ربّ العزّت سے محبت رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتے ہوں گے، وہ مؤمنین کے لیے نرم اور کافروں کے مقابلے میں نہایت سخت ہوں گے، اللہ ربّ العزّت کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی کی ملامت کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔

جمہور مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ ان کے زمانہ خلافت میں مرتدین کا ایک فتنہ کھڑا ہوا تھا جس کی سرکوبی آپ نے نہایت دوراندیشی سے فرمائی۔

قلبی تعلق کن کے ساتھ رکھنا چاہیے؟

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہود ونصاریٰ کے ساتھ قلبی تعلق رکھنے سے منع فرمایا، آخری آیت میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کو گہری دوستی اور قلبی تعلق کن لوگوں سے رکھنا چاہیے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مؤمنین کا حقیقی دوست اللہ ربّ العزّت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور متقی پرہیزگار مؤمنین ہیں، جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور عاجزی کا پیکر ہوتے ہیں، یہی نیک لوگ اس لائق ہیں کہ ان سے دوستی رکھی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

کفّار اور دین کا مذاق اُڑانے والوں سے دوستی نہ رکھو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر اہل ایمان کو کفّار سے قلبی تعلق اور دلی لگاؤ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! ان لوگوں کو اپنا گہرا دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل اور تماشا بناتے ہیں، ان میں مشرکین و عام کفّار بھی شامل ہیں اور اہل کتاب بھی۔ ان کی بدبختی کا یہ عالم ہے کہ جب اذان کی آواز سنتے ہیں تو اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔

اذان کا مذاق اُڑانے والے کا عبرتناک انجام

مدینہ منورہ میں ایک عیسائی تھا، وہ جب اذان میں "اشهد ان محمدا رسول الله" کے الفاظ سنتا تو کہتا تھا کہ "احرق الله الكاذب" اللہ اس جھوٹے کو جلادے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کی اس گستاخی پر یہ سزادی کہ ایک رات کو جب یہ سورہا تھا، اس کا ملازم کسی کام سے آگ لے کر گھر میں آیا، اس کی چنگاری اڑکر کسی کپڑے پر گر پڑی اور رفتہ رفتہ بھڑک اٹھی، جس سے سب کے سب گھر والے جل کر راکھ ہوگئے۔ (معارف القرآن)

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

یہود کی اخلاقی زبوں حالی اور ان کے علماء کا حال

ان آیات میں یہود کی اخلاقی گراوٹ کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے علماء و مشائخ کے احوال بھی ذکر

فرمائے۔ یہود کی اخلاقی گراوٹ کا یہ حال تھا کہ وہ ان میں سے اکثر ظلم اور گناہ کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اسی طرح حرام کھانے میں بھی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے علماء و مشائخ کا حال یہ ہے کہ وہ ان کو جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے منع ہی نہیں کرتے۔ ان دونوں کا طرزِ عمل بہت برا ہے۔

علماء کا فریضہ

علماء کا فریضہ ہے کہ وہ عوام کو حرام کھانے، جھوٹ بولنے اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کریں، انہیں نیکی اور تقویٰ کی ترغیب دیں، جو علماء یہ فریضہ سرانجام نہیں دیتے، وہ یہود کے ان علماء و مشائخ کی طرح مجرم گردانے جاتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا بار بار ذِکر کیوں؟

عموماً ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ قرآنِ کریم نے بار بار یہود و نصاریٰ اور گمراہ اقوام کا ذکر کیوں کیا ہے؟ آج کل تو کہا جاتا ہے کہ دوسرے کا مسلک چھیڑو نہیں، اپنا مسلک چھوڑو نہیں۔ دراصل قرآنِ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کی تشکیل اور تاسیس کے لیے دو چیزوں کا اہتمام کیا ہے:

۱۔ اخلاقِ فاضلہ اُمّت میں پیدا کیے جائیں، تاکہ اُمّت اعلیٰ اوصاف کی حامل ہو۔

۲۔ اخلاقِ رذیلہ اور گندی خصلتوں سے اُمّت کو محفوظ رکھا جائے۔

پہلے مقصد کے لیے جملہ احکام نازل فرمائے، اور دوسرے مقصد کے لیے یہود و نصاریٰ اور گمراہ اقوام کی رذیل عادات کو ذکر فرما کر ان کی بھرپور تردید فرمائی، تاکہ یہ گندی خصلتیں اُمّت میں پیدا نہ ہوں اور اُمّت ان سے محفوظ رہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝

یہودیوں کی گستاخی

مدینہ کے یہود بہت مالدار اور صاحبِ وسعت تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دی، جسے انہوں نے ٹھکرا دیا، تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں تنبیہ کرنے کے لیے تنگ دستی مسلط فرما دی، اس پر ان ظالموں کی زبان سے باری تعالیٰ کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات

نکلنے لگے، نباش بن قیس نامی شخص نے کہا کہ لگتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں (نعوذ باللہ)، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہاتھ تو انہی کہنے والوں کے بندھیں گے اور ان پر لعنت ہوگی، جس کا اثر دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ تو ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں، اس کی سخاوت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن اس کا ہر فعل حکمت سے بھرپور ہوتا ہے، وہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہی خرچ فرماتے ہیں، جس پر مناسب سمجھتے ہیں وسعت فرماتے ہیں اور جس پر مناسب سمجھتے ہیں تنگدستی مسلط فرما دیتے ہیں۔ ان یہودیوں کا حال تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے نزول کے ساتھ ان کی سرکشی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ قرآنِ کریم بارش کی طرح ہے۔ گندی زمین پر بارش برسے تو اس سے گندگی میں اضافہ ہوتا ہے، اور اچھی زمین پر بارش سبزہ، پھل پھول اُگانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ہم نے ان میں بغض و عداوت تا قیامت ڈال دیا ہے، یہ جنگ بھڑکانے اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اللہ ربّ العزّت ان کی ہر چال ناکام فرما دیتے ہیں، کیونکہ وہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

ایمان کی برکات

اس کے بعد اہل کتاب کو ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ اہل کتاب اب بھی ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کرلیں تو ہم ان کے گناہ معاف فرما دیں گے اور انہیں نعمتوں سے بھرپور باغات اور جنتیں عطا فرمائیں گے۔ اسی طرح اگر یہ تورات، انجیل اور قرآن کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کریں، اور اس میں کوئی کمی کوتاہی نہ برتیں تو ہم ان پر رزق کے دروازے ایسے کھول دیں گے کہ ان پر اوپر سے بھی رزق برسے گا اور نیچے سے بھی رزق ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم فرضِ منصبی بیان فرمایا ہے اور اس ضمن میں آپ کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ پر جو کچھ آپ کے ربّ کی طرف سے نازل کیا جائے وہ سب کا سب بغیر کسی جھجک یا ڈر کے لوگوں تک پہنچا دیں، کوئی برا مانے یا خوش ہو، مخالفت کرے یا قبول کرے، اس سے آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے، آپ کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے، اور اس سلسلہ میں کسی کی مخالفت یا ملامت کی پرواہ نہ کیجیے اور نہ اس بات کا ڈر رکھیے کہ یہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں گے، آپ کی حفاظت کا ذمہ پروردگارِ عالم نے خود لیا ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے چند صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے عام طور پر ساتھ لگے رہتے تھے، اور سفر و حضر میں آپ کی حفاظت کرتے تھے، اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہرہ کو ختم فرما دیا۔ (معارف القرآن)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۞ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۞

عیسائیوں کے غلط عقائد

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے عیسائیوں کے مختلف فرقوں کے توحید کے متعلق غلط عقائد کو ذکر فرما کر ان کی تردید فرمائی۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ یعقوبیہ اس بات کا قائل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں، یعنی اللہ ربّ العزّت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ غلط عقیدہ اپنایا اور یہ کفریہ بات کہی ہے، وہ سب کافر ہو گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی تعلیم یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کی عبادت کی طرف بلاتے تھے اور انہیں صاف کہتے تھے کہ اللہ ربّ العزّت میرے بھی ربّ ہیں اور تمہارے بھی، نیز وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو اللہ ربّ العزّت کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا، اس پر اللہ نے جنّت حرام کر دی ہے اور جہنّم اس کا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کے ایک فرقہ جس کا نام "ملکائیہ" تھا، کی تردید فرمائی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ خدا تین ہیں، یعنی اللہ ربّ العزّت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام/حضرت جبرائیل علیہ السلام، اور یہ تینوں مل کر ایک ہیں، یہ عقیدہ جس طرح توحید کے خلاف ہے اسی طرح عقل کے بھی خلاف ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے، وہ بھی کافر ہیں، معبود ایک ہی ہے، اگر یہ اس شرکیہ و کفریہ دعوے سے باز نہ آئے تو ایسے کافروں کے لیے دردناک عذاب ہوگا، یہ لوگ توبہ کریں اور اللہ ربّ العزّت سے اس برے عقیدے سے معافی مانگیں۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت کی تردید ایک خاص انداز میں فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (خدا یا خدا کا جزء نہیں ہیں، بلکہ وہ) تو ایک رسول ہیں، جس طرح ان سے پہلے بہت سے رسول گزرے ہیں، اور ان کی والدہ بھی (خدا یا خدا کا جزء نہیں، بلکہ ایک) سچی اور ولی خاتون ہیں، یہ دونوں خدا نہیں تھے، ان کے خدا نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک سادہ سی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ دونوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام) کھانا کھایا کرتے تھے، جبکہ خدا کھانا کھانے سے پاک ہے، اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے کہ کیا تم خدائے قادرِ مطلق کو چھوڑ کر ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ اور آپ اہلِ کتاب سے بھی فرما دیجیے کہ غلو نہ کرو، یعنی حد سے تجاوز نہ کرو، اور صرف حق اور سچ بات کیا کرو، شرک سے باز آؤ، ورنہ تم بھی گمراہ لوگوں کے زمرے میں آجاؤ گے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا
يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ
كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (۰)
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

یہودیوں پر اللہ کی لعنت کا سبب

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کے انجام اور ان کی ہلاکت کے اسباب کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کے برے عقائد اور اعمال کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت کے متعدد انبیاء علیہم السلام نے ان پر لعنت فرمائی، جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس آیت میں موجود ہے، اس لعنت کا دنیوی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ان کی صورتیں مسخ ہو کر خنزیر اور بندر بن گئے۔

اس لعنت کے اسباب بیان کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ:

۱- یہ اللہ کی نافرمانی کرتے تھے۔

۲- حدود سے تجاوز کرتے تھے۔

۳- ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع نہیں کرتے تھے۔

یہ ان کے اسلاف کا حال تھا، ان کے اخلاف بعد والوں کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف ان سے گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور بہت برے اعمال کے مرتکب ہیں، اللہ ربّ العزّت ان سے ناراض ہیں اور یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

مسلمانوں کے سخت ترین دشمن کون ہیں؟

مندرجہ بالا آیات میں سے آخری آیت (جو اس پارے کی بھی آخری آیت ہے) میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن یہود اور مشرکین ہیں۔ جبکہ ان کی بنسبت عیسائی اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے کچھ نرم گوشہ رکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عیسائیوں میں بہت سے علم دوست صاحب علم حضرات، اور بہت سے دنیا سے کٹے ہوئے درویش موجود ہیں، اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

مسخ شدہ عیسائیت

واضح رہے کہ مذکورہ آیت میں عیسائیوں کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے، یہ آج کے عیسائیوں میں نہیں ہیں، اس لیے کہ یہ تین اوصاف آج کے عیسائیوں میں بالعموم نہیں پائے جاتے، آج کے عیسائی متکبر اور دُنیا پرست ہیں۔

آج ہمیں جن عیسائیوں سے واسطہ ہے، یہ حقیقت میں وہ عیسائی نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہیں، ان کی اکثریت تو فکر و عمل کے اعتبار سے یہود کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے، بے شمار ایسے ہیں، جو ملحد اور بے دین ہیں، صرف نام کے عیسائی ہیں، باقی جو بچے ہیں، وہ مسخ شدہ عیسائیت پر عمل پیرا ہیں، حقیقی نصرانیت کہیں بھی نہیں۔

پارہ نمبر ۷

یہ پارہ سورۃ المائدہ کے بقیہ حصے اور سورۃ الانعام کے اکثر حصے پر مشتمل ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

حقیقی نصاریٰ پر قرآن کی سحر انگیزی

گزشتہ پارے کے آخر میں یہ ذکر ہوا تھا کہ جو حقیقی نصاریٰ ہیں، ان میں چونکہ اہل علم اور تارک دنیا لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان میں تکبر بھی نہیں ہوتا، اسی لیے وہ یہود و مشرکین کی بنسبت مسلمانوں کے کچھ قریب ہوتے ہیں، ان آیات میں بھی انہی حقیقی نصاریٰ کی ایک اور حالت کا بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت کی جائے تو وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے اور بے اختیار ان کی آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں اور وہ حق کو پہچان کر اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ وصف بھی آج کے عیسائیوں میں موجود نہیں ہے!

یہ آیت حبشہ کے بعض نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی، جن میں حبشہ کا بادشاہ نجاشی وغیرہ شامل ہیں۔ مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی تھی، جس کا مختصر پس منظر درج ذیل ہے:

ہجرتِ حبشہ

مکہ والوں نے جب اہل اسلام پر ظلم کا بازار گرم کردیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت دی اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے۔ حبشہ افریقہ کا ایک ملک ہے، یہاں کے بادشاہوں کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا، پہلے مرحلہ میں گیارہ مرد پانچ عورتوں نے ہجرت کی، جن میں حضرت عثمانؓ اور ان کی اہلیہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیّدہ رقیہؓ بھی شامل تھیں، پھر اس کے بعد تقریباً ۸۲ مرد اور ۱۸ عورتوں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حبشہ کی طرف ہجرت کی، مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان حبشہ میں جا کر سکون سے رہ رہے ہیں تو انہیں بہت پریشانی ہوئی، انہوں نے ایک وفد تشکیل دیا، جو شاہِ حبشہ کے پاس پہنچا اور اس کو شکایت کی کہ ہمارے کچھ بھگوڑے اور مجرم اپنا مذہب چھوڑ کر آپ کی سلطنت میں پناہ گزین ہیں، ان کو ہمارے حوالے کردیں، جناب نجاشی نے یک طرفہ بات سن کر حوالگی سے انکار کردیا، اور صحابہ کرام کو بلوا بھیجا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت حضرت جعفر طیارؓ کو متکلم بنا کر پیش ہوئی، پھر حضرت جعفر طیارؓ نے بڑی فصیحانہ، بلیغانہ تقریر فرمائی اور سورتِ مریم کی تلاوت کی، تو جناب نجاشی کی آنکھوں سے آنسو چھم چھم بہنے لگے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور حبشہ والوں کو اس کا علم ہوگیا، تو حبشہ میں جو مسلمان گئے ہوئے تھے، وہ ہجرت کرکے مدینہ آگئے، نجاشی نے بھی ستر آدمیوں کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور بعد میں نجاشی خود بھی مسلمان ہوگئے، یہ ستر نومسلم تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن سنایا، قرآن سن کر ان کی آنکھوں سے آنسوں رواں دواں ہوگئے، اور روتے روتے کہنے لگے کہ ہم کیوں اللہ ربّ العزّت نے اور اس کے نازل کردہ دین پر ایمان نہیں لائیں گے، حالانکہ ہمیں بھی جنّت کی طلب اور آرزو ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے جنّت تیار کر رکھی ہے جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، جبکہ کفّار کے لیے جہنّم کا دردناک عذاب ہوگا۔

ان آیات سے بھی معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرکین مکہ آپ کے کھلے دشمن اور یہود آپ سے بغض وحسد اور عناد رکھنے والے تھے، جبکہ اس زمانہ کے عیسائیوں میں حق قبول کرنے استعداد زیادہ تھی، اس لیے کہ حق قبول کرنے سے تین چیزیں مانع ہوتی ہیں: ۱۔ جہالت۔ ۲۔ حُبِ دُنیا اور حُبِ جاہ۔ ۳۔ حسد وتکبّر، جبکہ عیسائیوں میں علم بھی تھا، جس کی شہادت "قسیسین" میں دی گئی، اور حُبِ دُنیا بغض وتکبّر سے بھی خالی تھے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مکاتیب کے بعد شاہانِ عالم میں سے مقوقس مصر، قیصر روم اور نجاشی حبش کا رویہ اہلِ اسلام کے ساتھ کس قدر بہتر تھا، لیکن اب

عیسائیوں میں نہ علم ہے اور نہ ہی وہ تارکِ دنیا ہیں بلکہ تکبّر اور حُبِّ دُنیا سے لبریز ہیں، لہٰذا آج کے عیسائیوں پر یہ آیات منطبق نہیں ہوتیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

حلت وحُرمت کا اِختیار صرف اللہ کو ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر وہی مضمون بیان فرمایا جو اس سورت کے آغاز میں ذکر کیا تھا، چنانچہ اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! اللہ ربّ العزّت کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو، اور جو پاکیزہ چیزیں اللہ ربّ العزّت نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ آیت میں حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

۱۔ رہبانیت کے طور پر حلال کو حرام نہ کرو، رہبانیت دراصل نیکی کے پیچھے اور غلو کا نام ہے، یہ عیسائیوں کا عام طریقہ تھا، اس سے اللہ ربّ العزّت نے منع فرمایا۔

۲۔ طیبات کے استعمال میں بے اعتدالی سے نکل کر لذات وشہوات میں منہمک نہ ہو جاؤ، یہ یہودیوں کا عام طریقہ تھا۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

قسم سے متعلّق شرعی اَحکام

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے قسم سے متعلّق شرعی احکام اور قسم کا کفارہ بیان فرمایا ہے۔

قسم کی اقسام

قسم تین طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ **یمین لغو:** اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ماضی کے کسی کام پر قسم اٹھالے اور وہ قسم میں خود کو سچا سمجھتا ہو جبکہ واقع میں وہ بات غلط ہو، مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں نے فلاں کام کیا تھا، اور اس کا خیال بھی یہی ہو کہ میں نے وہ کیا تھا، جبکہ درحقیقت کام نہ کیا ہو، تو اس طرح کی بھول چوک اور مغالطہ کی بنا پر قسم کھانے کو یمین لغو کہا جاتا ہے، بعض اہل علم کے نزدیک

بطور تکیہ کلام اٹھائی جانے والی قسم بھی یمین لغو شمار ہوتی ہے، ایسی قسم کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اس پر نہ دنیا میں مواخذہ ہے اور نہ ہی آخرت میں، یعنی ایسی قسم کا گناہ بھی نہیں ہے اور اس پر کفارہ بھی لازم نہیں ہوتا۔

۲۔**یمین غموس**: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ماضی کے کسی کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھالے، مثلاً کسی آدمی نے کوئی کام کیا ہو، اور جب اس سے پوچھا جائے تو وہ مکر جائے اور جھوٹی قسم اٹھادے کہ میں نے وہ کام نہیں کیا، اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔ اس طرح قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے اور دنیا وآخرت میں وبال کا باعث ہے، البتہ اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہوتا، توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے۔

۳۔**یمین منعقدہ**: سے مراد مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا ہے، مثلاً: اللہ کی قسم میں یہ کام کروں گا، اور پھر نہیں کیا، یا اللہ کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا اور پھر کرلیا، اس طرح کی قسم کھانے کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ قسم حرام اور ناجائز کام کی نہ اٹھائی ہو تو اس کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور بلاوجہ قسم کو توڑنا نہیں چاہیے، اور اگر یہ قسم کسی گناہ اور ناجائز کام پر اٹھائی گئی ہو مثلاً کوئی قسم اٹھالے کہ میں بیوی سے ساری زندگی نہیں بولوں گا، میں بیٹے سے ساری زندگی بات نہیں کروں گا، تو اس قسم کا توڑنا اور کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے کسی کام پر قسم اٹھائی، پھر معلوم ہوا کہ بہتری اس میں نہیں ہے، تو اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

قسم توڑنے کا کفارہ

اگر کسی شخص نے یمین منعقدہ اٹھائی اور وہ حانث ہوگیا یعنی وہ کام نہ کرسکا جس پر قسم اٹھائی تھی، تو اس پر کفارہ لازم ہے۔ کفارہ کی تفصیل مندرجہ بالا آیت میں ذکر کی گئی ہے جو درج ذیل ہے:

کفارہ تین کاموں میں سے کسی ایک سے ادا ہوسکتا ہے:

۱۔دس مسکینوں کو دو وقت اوسط درجے کا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔

۲۔دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے، کم از کم ایک چادر ناف سے نیچے تک ہو۔

۳۔غلام آزاد کردیا جائے۔

اگر کوئی شخص ان تینوں کاموں پر قادر نہ ہو، یعنی دس مسکینوں کو کھانا بھی نہ کھلا سکے، کپڑا بھی نہ دے سکے اور غلام بھی آزاد نہ کرسکے، جیسا کہ آج کل غلام نہیں پائے جاتے تو اس صورت میں قسم کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝

جوا اور شراب شیطانی اعمال اور ان کی حرمت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند شیطانی اعمال ذکر فرما کر ان سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر ناپاک اور شیطانی اعمال ہیں، ان سے بچو، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنیاں اور بغض پیدا کردے اور تمہیں نماز اور اللہ ربّ العزّت کے ذکر سے روک دے، اس لیے تم ان سب شیطانی اعمال سے باز آ ؤ اور صرف اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اگر تم ان کی اطاعت سے روگردانی کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔

شراب کی حرمت تدریجاً ہوئی ہے!

زمانہ جاہلیت میں عرب میں شراب بہت زیادہ پی جاتی تھی، شراب کے ساتھ عرب کا رشتہ اس قدر مضبوط تھا کہ وہ اپنے اشعار اور دیوانوں میں شراب کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے شراب کو یکلخت حرام قرار نہیں دیا، بلکہ تدریجی طور پر شراب کی نفرت ان کے ذہنوں میں بٹھائی اور مختلف مراحل میں شراب حرام کردی گئی۔ چنانچہ سب سے پہلے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ: ''قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا''، یعنی اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں کا گناہ بہت بڑا ہے اور اس میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد سورۂ نساء میں شراب کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت بیان فرمادی، اور اب اس سورت میں شراب کو واضح طور پر حرام قرار دے کر اس سے اجتناب کا حکم فرمادیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے مثال فرمانبرداری

پیغمبر اسلام نے صحابہ کرام کی ایسی ذہن سازی فرمائی اور ان میں ایسا اطاعت کا جذبہ پیدا کیا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے جس چیز کے رسیا تھے، اس کی حرمت کا حکم آنے کے بعد انہوں نے شراب کو ہاتھ تک لگانے سے گریز کیا، چشم فلک نے دیکھا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، مٹکے توڑ دیے گئے تھے، میخانے ویران ہوگئے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان کے دل میں شراب کی نفرت بٹھا کر انہیں عشق نبوی کے نشے سے مخمور کردیا۔

جوئے کے تیروں کی تفصیل اس سورت کے شروع میں گزر چکی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ

فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

حالتِ اِحرام میں شکار

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم شکار کے ذریعہ تمہارا امتحان لیں گے۔ یہودیوں سے بھی اللہ ربّ العزّت نے امتحان لیا تھا، لیکن انہوں نے اس میں حیلے شروع کر دیے اور اس میں ناکام ہو گئے۔ امتحان یہ ہے کہ تم پر حالت احرام میں شکار کرنا حرام قرار دیا جا رہا ہے، لیکن وہاں شکار تمہارے سامنے سے گزریں گے، تمہارے نیزوں کی حدود میں ہوں گے، لیکن تم نے انہیں پکڑنا ہے اور نہ شکار کرنا ہے، اور یہ امتحان اس لیے لیا جا رہا ہے تاکہ اللہ ربّ العزّت دنیا والوں کو دکھا دیں کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، اور جو اس امتحان میں ناکام ہوگا، اس کے لیے سزا مقرر ہے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حالت احرام میں شکار کرنے کی ممانعت بیان فرما دی اور واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا کہ اے اہل ایمان حالت احرام میں شکار نہ کرو۔

شکار کرنے کی جزا

حالت احرام میں شکار کی ممانعت ذکر کرنے کے بعد یہ ذکر فرمایا گیا کہ اگر کسی شخص نے حالت احرام میں شکار کر لیا تو اس کی کیا سزا ہے؟ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص حج یا عمرے کے احرام میں جان بوجھ کر یا بھول کر خشکی کا شکار مار ڈالے، تو اس کی جزا واجب ہے۔ اور جزاء یہ ہے کہ جہاں شکار کیا گیا ہے وہاں کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائی جائے اور یہ قیمت لگانے والے دو تجربہ کار اور دین دار آدمی ہوں۔ پھر شکار کرنے والے کو درج ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا اختیار ہے:

۱۔ شکار کی قیمت میں جو پالتو جانور آ سکتا ہو، اس کو "ہدی" بنا کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے اور اس کا گوشت غریبوں میں بانٹ دے۔

۲۔ اس قیمت کا گیہوں، غلہ وغیرہ خریدے اور صدقہ فطر کے بقدر ہر غریب کو دے، حرم ہی کے غریب کو دینا ضروری نہیں۔

۳۔ ہر فطرہ کے بدلے یعنی جتنے مسکینوں کا کھانا بنتا تھا اتنے دنوں کے روزے رکھے، یہ روزے بھی حرم میں رکھنا ضروری نہیں۔

حالتِ اِحرام میں بحری شکار حلال ہے!

پیچھے جو تفصیل گزری یہ سب خشکی کے شکار سے متعلق ہے۔ سمندری اور بحری شکار یعنی مچھلی وغیرہ پکڑنا حالت احرام میں بالکل جائز اور حلال ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

امن واطمینان کے چار ذرائع

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے چار چیزوں کو لوگوں کے قیام و بقاء اور امن واطمینان کا سبب بتایا ہے:

۱۔کعبہ۔ ۲۔حرمت والے مہینے۔ ۳۔ہدی۔ ۴۔قلائد۔

کعبہ سے مراد بیت اللہ ہے جو مسجد حرام میں واقع ہے، اللہ ربّ العزّت نے کعبہ کو پورے عالم انسانیت کے قیام و بقاء اور امن وسکون کا ذریعہ بنادیا ہے، روحانی طور پر بھی کعبہ ہمارے قیام و بقاء کا ذریعہ ہے، کعبہ سے ہماری عبادات وابستہ ہیں، نماز کے لیے کعبہ کی طرف رخ کرنا شرط قرار دیا گیا ہے، اگر کعبہ کی طرف رخ نہ کیا جائے تو نماز نہیں ہوتی، اسی طرح حج اور عمرہ جیسی عظیم عبادات بھی کعبہ سے وابستہ ہیں، تو کعبہ سے ہماری روحانی زندگی کا قیام اور بقاء وابستہ ہے۔

اسی طرح ہماری دنیوی زندگی کے لیے کعبہ امن وسکون اور قیام و بقاء کا باعث ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ازل سے کعبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد و مسکن بننے کے لیے منتخب کیا ہوا تھا، یہیں سے طلوع اسلام ہوا اور دنیا بھر کو عقائد، اخلاق اور علوم یہیں سے ملے، گویا یہ اسلام کا مرکز ہے، اسی کی برکت سے اسلام قائم رہے گا، کوئی بھی چیز مرکز کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، لہٰذا دنیا کعبہ کے احترام، حج، عمرہ اور طواف کے ساتھ قائم ہے، جب کعبہ کی آبادی اور خود کعبہ نہ رہے گا تو قیامت قائم ہوجائے گی۔ حدیث میں ہے کہ قربِ قیامت میں ایک سیاہ فام حبشی کعبہ کو گرادے گا، اس کا ایک ایک پتھر الگ کردے گا، اس کے بعد قیامت قائم ہوجائے گی۔ (صحیح بخاری:۹۶،۱۵۹۵)

کعبہ کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اشہر حرام یعنی حرمت والے مہینوں کا تذکرہ فرمایا، ان مہینوں میں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب شامل ہیں، ان کا تفصیلی تذکرہ سورۂ توبہ میں ذکر کیا جائے گا۔

اس کے بعد ہدی کا ذکر فرمایا۔ ہدی اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کی قربانی حرم شریف میں کی جائے، ایسے جانور جس شخص کے ساتھ ہوں، عام عرب کا معمول تھا کہ اس کو کچھ نہیں کہتے تھے، وہ امن وامان کے ساتھ سفر کرتا تھا۔

اس کے بعد قلائد کا ذکر فرمایا۔ قلائد، قلادہ کی جمع ہے، جو گلے کے ہار کو کہتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں عرب کی رسم تھی کہ جو شخص حج کے لیے نکلتا قربانی کے جانوروں کے گلے میں ہار ڈال دیتے تھے، جو اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ یہ جانور حرم میں قربان ہوں گے، بعض اوقات حج کے لیے جانے والے حضرات بھی اپنے گلے میں کوئی ہار بطور علامت کے ڈالا کرتے تھے تاکہ وہ راستے کے خطرات سے مامون ہوسکیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔـلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔـلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝ مَا

جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ
وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

بے جا سوال کرنے کی ممانعت

ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اہل ایمان کو بے جا سوالات اور فضول تحقیق کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے کسی سوال کی وجہ سے تم پر مشقت آپڑے، کیونکہ قرآنِ کریم نازل ہو رہا تھا، اگر کسی کے کسی ایسے سوال پر جس کو شریعت نے مبہم رکھا تھا، کوئی مشکل حکم آگیا، تو اس پر عمل کرنے میں مشکل اور دشواری ہو جائے گی۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی فرضیت کا اعلان فرمایا، تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھا، نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا ہمارے ذمہ ہر سال حج فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، انہوں نے پھر پوچھا، آپ نے دوسری مرتبہ بھی جواب نہ دیا، انہوں نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کے ساتھ تنبیہ فرمائی کہ اگر میں تمہارے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کے متعلق میں تمہیں کوئی حکم نہ دوں، ان کو اسی طرح رہنے دو، ان میں کھود کرید کر کے مزید سوالات نہ کرو، تم سے پہلے بعض امتیں اسی کثرتِ سوال کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں۔ تمہارے ذمہ بس یہ ہے کہ جس کام کا میں حکم دوں، اس کو پورا کرو، اور جس چیز سے روک دوں، اس کو چھوڑ دو۔ (معارف القرآن)

رُسومِ جاہلیت کی تردید

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایک بار پھر کفار کے ایک غلط طرزِ عمل کو ذکر فرما کر اس کی تردید فرمائی، کفارِ مکہ نے مختلف قسم کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- **بحیرہ**: اس جانور کو کہتے تھے جن کا دودھ مشرکین بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور کوئی ان کا دودھ اپنے کسی کام میں نہیں لاتا تھا۔

۲- **سائبہ**: وہ جانور جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اسے نہ کوئی ذبح کرتا تھا، نہ کوئی پکڑتا تھا، اور نہ باندھتا تھا۔

۳- **وصیلہ**: وہ اونٹنی جو دو دفعہ مسلسل مادہ بچہ جنے، درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴-حام: وہ نر اونٹ جو ایک خاص عدد میں جفتی کر چکا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

اللہ رَبّ العزّت نے ان چاروں کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے ان چاروں کو حرام نہیں قرار دیا، بلکہ یہ ان کفّار و مشرکین کی اپنی کارستانیاں ہیں، یہ اللہ رَبّ العزّت پر جھوٹ باندھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ بالکل بے عقل ہیں۔ آج کل بھی گلیوں میں آوارہ گائے پھر رہی ہوتی ہیں، جن سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا اور انہیں پیروں کے نام پر چھوڑا گیا ہوتا ہے، یہ بھی اسی قسم میں داخل ہیں۔ یہ سب شرکِ فعلی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ شَهَٰدَةُ بَيۡنِكُمۡ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلۡمَوۡتُ حِينَ ٱلۡوَصِيَّةِ ٱثۡنَانِ ذَوَا عَدۡلٖ مِّنكُمۡ أَوۡ
ءَاخَرَانِ مِنۡ غَيۡرِكُمۡ إِنۡ أَنتُمۡ ضَرَبۡتُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَأَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةُ ٱلۡمَوۡتِۚ تَحۡبِسُونَهُمَا مِنۢ بَعۡدِ
ٱلصَّلَوٰةِ فَيُقۡسِمَانِ بِٱللَّهِ إِنِ ٱرۡتَبۡتُمۡ لَا نَشۡتَرِي بِهِۦ ثَمَنٗا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبَىٰ وَلَا نَكۡتُمُ شَهَٰدَةَ ٱللَّهِ إِنَّآ إِذٗا
لَّمِنَ ٱلۡأٓثِمِينَ ۝ فَإِنۡ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسۡتَحَقَّآ إِثۡمٗا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ ٱلَّذِينَ ٱسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ
ٱلۡأَوۡلَيَٰنِ فَيُقۡسِمَانِ بِٱللَّهِ لَشَهَٰدَتُنَآ أَحَقُّ مِن شَهَٰدَتِهِمَا وَمَا ٱعۡتَدَيۡنَآ إِنَّآ إِذٗا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ
أَن يَأۡتُواْ بِٱلشَّهَٰدَةِ عَلَىٰ وَجۡهِهَآ أَوۡ يَخَافُوٓاْ أَن تُرَدَّ أَيۡمَٰنُۢ بَعۡدَ أَيۡمَٰنِهِمۡۗ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَٱسۡمَعُواْۗ وَٱللَّهُ لَا
يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلۡفَٰسِقِينَ ۝

غریب الدیار صحابی کی وفات اور پیالے کی چوری

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ "بدیل" نامی ایک شخص جو مسلمان تھا، دو رفقاء "تمیم اور عدی" کے ساتھ جو اس وقت عیسائی تھے، تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا، شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گیا، اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھ دی، اور اپنے دونوں ساتھیوں کو اطلاع نہ کی، جب مرض زیادہ بڑھا تو اس نے ان دونوں ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے ورثاء کو پہنچا دینا، انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالے کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع یا نقش و نگار تھا، اس میں سے نکال لیا، وارثوں کو سامان میں سے فہرست ملی تو انہوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا میّت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا اپنے علاج معالجہ میں کوئی خرچ کیا تھا، دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا، ورثاء نے چاندی کے پیالے سے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، اس پر یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، چونکہ ورثاء کے پاس گواہ نہیں تھے، جبکہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق مدّعی کے ذمہ گواہ لانا لازم ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں عیسائیوں سے قسم لی کہ ہم نے میّت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی، انہوں نے قسم کھالی، جس پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا، کچھ عرصہ بعد مکہ مکرمہ کے ایک سنار کے پاس وہ پیالہ پایا گیا، جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یہ پیالہ تمیم اور عدی سے خریدا ہے، اب یہ مقدمہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلا کر تحقیق کی، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ بدیل سے خرید لیا تھا، مگر چونکہ گواہ نہیں تھے، اس لیے اظہار نہیں کیا۔ میّت کے ورثاء نے ان کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چونکہ ان کے

پاس گواہ نہیں تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے ورثاء میں سے دو افراد سے قسم لی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ فرمادیا اور تمیم وعدی سے ہزار درہم وصول کیے گئے۔ (معارف القرآن)

اَحکامِ وصیت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے وصیت سے متعلّق چند احکام اور قوانین بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو وہ قابل وصیت امور کے بارے میں وصیت کر جائے اور اس کے لیے وصیت کے وقت دو عادل اور نیک افراد کو گواہ بنا دے، تا کہ کل کو اگر کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو ان کی گواہی کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔

شریعت اسلامیہ میں وصیت کا قانون اس لیے بنایا گیا ہے کہ قانون میراث کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں حصہ نہ پہنچ رہا ہو اور وہ مدد کے مستحق ہوں، مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی موجود ہے یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت زدہ ہے یا کوئی بھائی یا بہن یا کوئی دوسرا عزیز سہارے کا محتاج ہے تو وصیت کے ذریعہ اس شخص کی مدد کی جائے۔

اگرچہ وصیت کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں، لیکن بعض اوقات وصیت کرنا افضل و بہتر ہوتا ہے، وصیت کے لیے شریعت نے ایک خاص حد مقرر فرمائی ہے جس سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور وہ کل مال کی ایک تہائی ہے، اگر کسی شخص نے اپنے مال کی ایک تہائی کی وصیت کی تو ورثاء کے ذمہ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۚ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

قیامت کی ہولناکی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے مختلف مناظر ذکر فرما کر اس دن کی ہولناکی کو واضح فرمایا ہے۔ اس دن اللہ ربّ العزّت تمام انبیاء و رسل کو جمع کر کے ان سے سوال کریں گے کہ آپ کی امتوں نے آپ کو کیا جواب دیا تھا؟ انبیاء علیہم السلام اس وقت انتہائی خوف وخشیت اور ہیبت کی وجہ سے کلام نہ کر سکیں گے، سب کی زبانوں پر نفسی نفسی ہوگا، اس لیے وہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں کوئی علم نہیں، آپ ہی غیب جاننے والے ہیں، بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ ربّ العزّت کی رحمت متوجہ ہوگی تو انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے احوال بیان فرمائیں گے۔

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ ربّ العزّت کے اِحسانات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے چند مخصوص انعامات کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمائیں گے: اے عیسیٰ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے آپ پر اور آپ کی والدہ پر کی ہیں، مثلاً میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی امداد اور تائید فرمائی، ایک انعام یہ تھا کہ آپ نے گہوارے اور ماں کی گود میں بھی لوگوں سے کلام کیا اور ادھیڑ عمر میں بھی آپ لوگوں سے بات کریں گے (اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی طرف اشارہ ہے) اور ہم نے آپ کو کتاب وحکمت یعنی آسمانی کتابوں اور عقل وسمجھ کی باتوں کی اور خاص طور پر تورات وانجیل کی تعلیم دی، اور آپ کو مختلف معجزات عطا فرمائے، آپ مٹی سے پرندے کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو کر اڑنے لگ جاتا، آپ مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو ٹھیک کر دیتے ہیں، مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں، یہ سب درحقیقت میری قدرت ہے، اور میرا ایک انعام یہ بھی ہے کہ جب یہود آپ کو قتل کرنے کے درپے تھے تو ہم نے آپ کی حفاظت کی۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۞ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۞ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۞

آسمان سے دسترخوان کا نزول

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ایک مطالبہ کو ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ ربّ العزّت سے دُعا کریں کہ ہمارے لیے آسمان سے ایک سجا سجایا دسترخوان اتار دیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، ایسے مطالبے نہ کرو، انہوں نے کہا کہ ہم یہ مطالبہ اس لیے کر رہے ہیں تاکہ ہم اللہ ربّ العزّت کی نعمت کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو اور ہم آپ کی نبوت ورسالت کی مزید یقین کے ساتھ تصدیق کر سکیں، اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دُعا کی کہ اے اللہ ہمارے لیے آسمان سے دسترخوان نازل فرما، تاکہ وہ ہمارے لیے اور ہمارے بعد والوں کے لیے خوشی کا ذریعہ بن جائے اور آپ کی طرف سے یہ میری نبوت ورسالت کی علامت اور نشانی ہوگی۔ اللہ ربّ العزّت

نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کی دُعا قبول فرما کر آسمان سے دسترخوان اتار دوں گا، لیکن اگر اس کے بعد ان میں سے کسی نے کفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب ان کے علاوہ کسی کو نہیں ملے گا۔

اس کے بعد وہ دسترخوان نازل ہوا یا نہیں؟ قرآن پاک نے اس بارے میں کوئی صراحت نہیں کی، البتہ مفسرین کرام کے نزدیک وہ دسترخوان نازل ہوا تھا، اس میں روٹی اور گوشت تھا، اور انہیں حکم دیا گیا کہ اس میں سے کھاتے رہیں، مگر اگلے دن کے لیے بچا کر نہ رکھیں، ان لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور اگلے دن کے لیے بچا کر رکھ دیا، جس کی وجہ سے ان کی شکلیں مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بنا دیے گئے، اور تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔

''حواری'' سے کیا مُراد ہے؟

حواریین حواری کی جمع ہے، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے، ان کی تعداد تقریباً ستر یا اسی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

عدالتِ الٰہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے روزِ محشر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیے جانے والے سوال و جواب کو ذکر فرمایا ہے۔

اللہ ربّ العزّت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ تم لوگ مجھے اور میری والدہ کو خدا بنا لینا؟ اس سوال کا مقصد عیسائیوں کی سرزنش کرنا ہے کہ جس کو تم معبود مانتے ہو وہ خود تمہارے عقیدے کے خلاف اپنی عبدیت کا اظہار کریں گے اور تمہارے جھوٹے الزام سے خود کو بری کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمائیں گے کہ اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے، مجھ کو یہ بات جچتی ہی نہیں کہ میں وہ بات کروں جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اور اگر بالفرض میں نے یہ کہا ہوتا تو آپ کے علم میں ضرور ہوتا، کیونکہ آپ تو ہر چیز کو جاننے والے ہیں، میں نے تو انہیں آپ کے حکم کے مطابق صرف اتنا کہا تھا کہ اس اللہ ربّ العزّت کی عبادت اور بندگی کرو جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی، اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے تو جب تک

میں ان کے درمیان رہا میں ان کے حالات سے واقف تھا، جب آپ نے مجھے آسمانوں پر اٹھالیا، تو آپ ہی ان کے نگہبان تھے، لہٰذا آپ ہی ان کے احوال سے باخبر ہوں گے، کیونکہ آپ ہر چیز کا مکمل علم رکھتے ہیں۔ اگر آپ انہیں سزا دینا چاہیں تو آپ کو مکمل اختیار ہے، یہ آپ کے ہی بندے ہیں اور آپ ان کو معاف کردیں تو آپ غالب اور حکمتوں والے ہیں۔

سچوں کا بہترین انجام

اس مکالمہ اور گفتگو کے بعد اللہ ربّ العزّت ارشاد فرمائیں گے کہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچا ہونا فائدہ دے گا، ان لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ربّ العزّت کی خوشنودی کا پروانہ انہیں حاصل ہوگا، وہ اللہ ربّ العزّت سے راضی ہوں گے اور اللہ ربّ العزّت ان سے راضی ہوں گے، اور یہی حقیقی اور بڑی کامیابی ہے۔

سورت کی آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تمام زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب میں اللہ ربّ العزّت کی ہی بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔

سورت کا اجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے معاہدوں کی پاسداری کی تلقین فرمائی اور متعدد معاشرتی برائیوں سے منع فرمایا۔

۲۔سورت میں کھانے پینے اور حلال و حرام جانوروں سے متعلق احکام کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔سورت میں کفار و مشرکین کی متعدد باطل رسومات خاص طور پر بتوں کے نام چڑھاوے چڑھانے سے متعلق ان کی رسومات کی تردید فرمائی۔

۴۔سورت میں دین اسلام کی تکمیل کا مژدہ بھی سنایا گیا۔

۵۔اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کے متعلق احکام ذکر فرمائے۔

۶۔وضو کے فرائض اور تیمم کی رخصت کا ذکر بھی اس سورت میں موجود ہے۔

۷۔بنی اسرائیل کی متعدد عہد شکنیاں اور عجیب و غریب مطالبات کو ذکر کیا گیا ہے۔

۸۔ہابیل و قابیل کا واقعہ ذکر فرما کر انسانی جان کی قدر و منزلت اور قصاص سے متعلق احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۹۔ڈاکوؤں اور باغیوں کی سزا بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔قسموں کی اقسام اور ان کے کفارے کی تفصیل بھی اس سورت میں بیان کی گئی ہے۔

۱۱۔شراب کی حرمت اور دیگر اخلاقی برائیوں اور قانونی جرائم کی ممانعت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

تمت سورۃ المائدۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چھٹے (٦) جبکہ نزول کے اعتبار سے پچپن (٥٥) نمبر پر ہے۔ بیس (٢٠) رکوع اورایک سو پینسٹھ (١٦٥) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

"انعام" چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقائد کے حامل تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا اور دودھ حرام سمجھتے تھے، نیز ان پر سوار ہونے کو بھی ممنوع قرار دیتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، نیز اہل عرب کی بیشتر معیشت جانوروں سے قائم تھی۔ اس لیے اس سورت کا نام سورۂ انعام رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

١۔ گزشتہ سورت میں اجمالی طور پر شرک فعلی و اعتقادی کی نفی کی گئی تھی، اس سورت میں تفصیل کے ساتھ شرک فعلی و اعتقادی کی تردید کی گئی ہے۔

٢۔ گزشتہ سورت کا اختتام توحید پر ہے، اس سورت کا آغاز توحید سے ہے۔

سورت کے فضائل

١۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب سورۂ انعام نازل ہوئی، تو اس کے ساتھ بلند آواز سے تسبیح کرتی ہوئی فرشتوں کی ایک جماعت اتری جس سے زمین و آسمان کے کنارے بھر گئے، زمین ان فرشتوں کی وجہ سے ہلنے لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہا۔ (شعب الایمان: ٢٢١٠)

۲۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۃ الانعام کا نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبحان اللہ" کہا، پھر ارشاد فرمایا: اس سورت کے ساتھ اس قدر فرشتے زمین پر اترے کہ ان کی وجہ سے آسمان کا کنارہ بھر گیا۔(شعب الایمان:۲۲۰۸)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور شرک اعتقادی (نظریات میں شرک) اور شرک فعلی (اللہ کے نام پر کیے جانے والے افعال غیر اللہ کے نام پر کرنا، مثلاً جانوروں کا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا) کی تردید ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے تین طبقات کو خاص طور پر مخاطب فرمایا ہے:

۱.....ملحدین اور مادہ پرست۔

۲.....مشرکین اور بت پرست۔

۳.....گنہگار مؤمنین، نیز ان تینوں طبقات کے عقائد واعمال کی اصلاح کا سامان مہیا فرمایا ہے۔

۲۔اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے وجود کے اثبات، اپنی توحید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قیامت کے اثبات کے دلائل دو انداز میں پیش کیے ہیں:

۱.....اسلوب تقریر: اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کے اثبات، اپنی توحید اور اپنی قدرت وعظمت کے دلائل کو ایسے تسلیم شدہ اصولوں کی روشنی میں پیش فرمایا کہ ان کا انکار کوئی ایسا انسان کر ہی نہیں سکتا، جسے اللہ تعالیٰ نے قلب منیب اور عقل سلیم سے نوازا ہو۔

اس اسلوب میں پیش کی جانے والی آیات میں عموماً لفظ "ھو" آیا ہے، تا کہ سامع اور قاری کو خالق کی عظمت وقدرت کی خبر ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قاری اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ سورت میں اس اسلوب کے لیے اٹھائیس (۲۸) مرتبہ لفظ "ھو" استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً: "هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ" (الانعام:۲) اور "وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ" (الانعام:۳) وغیرہ۔

۲.....اسلوب تلقین: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال وجواب کی شکل میں ایسے دلائل مرحمت کرتا ہے جن سے مخالفین کے دلوں میں یہ بات گھر کر جاتی ہے کہ یہ بات اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے ہے، اور ان دلائل کا منکرین کے پاس کوئی جواب نہیں بن پاتا تو وہ شرمندگی اور لاچاری پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس اسلوب میں پیش کی جانے والی آیات کو عموماً لفظ "قل" سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس سورت میں اسلوب

تلقین کے بیان کے لیے بیالیس (۴۲) مرتبہ لفظ "قُلْ" لایا گیا ہے۔ مثلاً: "قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ" (الانعام:۱۱) اور "قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ" (الانعام:۱۲) وغیرہ۔

۳۔ سورت میں مشرکین سے بحث ومباحثہ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۔ سورت کے آخر میں دس ایسی نصیحتیں کی گئی ہیں، جن پر عمل کی صورت میں انسان حقیقی کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳

مشرکین کے غلط عقائد کی تردید اور توحید کے دلائل

یہ قرآن مجید کی دوسری سورت ہے، جس کے شروع میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ذکر کیا گیا ہے۔ ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کو ثابت کرنے کے لیے اپنی قدرت کاملہ کے چند نمونے بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت ہی وہ ذات ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، اسی نے مختلف قسم کے اندھیروں اور نور و روشنی کو پیدا فرمایا، اسی نے انسانوں کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر ایک مقررہ وقت پر اسے موت دے دے گا، اس کی قدرت بھی کامل ہے اور اس کا علم بھی کامل ہے، وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور تمہارے سارے اعمال سے واقف ہے، جو ذات ان سب صفات کی حامل ہو وہی معبودِ حقیقی کہلائے جانے کی حقدار ہے۔

ان آیات سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی، جو سرے سے وجودِ خداوندی یا توحید کے قائل نہیں یا قائل ہونے کے باوجود توحید کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے۔ مثلاً دہریہ جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں، نیز مجوس جو دو معبودوں کے قائل ہیں: یزدان اور اہرمن، یزدان کو خیر کا اور اہرمن کو شر اور برائی کا خالق سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک کروڑوں دیوتاؤں کو خدا کا شریک بناتے ہیں، عیسائی توحید کے قائل ہونے کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو اللہ ربّ العزّت کا شریک گردانتے ہیں، ان آیات میں ان سب کے باطل نظریات کو رد کر دیا گیا ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

مشرکینِ مکہ کے رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جاہلانہ اِعتراضات کے جوابات

مشرکینِ مکہ بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہلانہ مطالبے کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں تو آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا، جب تک آپ خود میرے سامنے آسمان پہ جا کر ایک کتاب لے کر نہ آئیں جس میں میرا نام لکھا ہو اور میں اس کتاب کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر نہ دیکھوں، اللہ رَبّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض ہم آپ پر ایسی کتاب اتار بھی دیں، جن میں ان کا نام لکھا ہو اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیں، تب بھی یہ آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی امیہ، نضر بن حارث اور نوفل بن خالد اکٹھے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ کیا کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے، جب تک ہمارے سامنے فرشتے آسمان سے اتر کر آپ کی رسالت کی تصدیق نہ کریں، اس کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان کے یہ من چاہے مطالبات دراصل ان کی ہلاکت کے پروانے ہیں، کیونکہ اگر ہم نے ان کی خواہش کے مطابق آسمان سے ان کے سامنے فرشتے اتار دیے اور اس کے باوجود یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو ان سب کو عمومی عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جائے گا، کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزے کا مطالبہ کرے اور پروردگارِ عالم کی طرف سے ان کو وہ معجزہ دے دیا جائے، پھر بھی وہ قوم اسلام قبول نہ کرے، تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

بالفرض اگر اللہ رَبّ العزّت ان کے مطالبے پر فرشتہ نازل کر بھی دیں، تو یہ لوگ فرشتہ کو اصلی شکل میں دیکھ ہی نہیں سکیں گے، اور اگر وہ انسانی شکل میں آئے گا تو اس صورت میں ان کو وہی اعتراض لاحق ہوگا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، اور یہ اسے بھی ایک انسان ہی سمجھیں گے۔

ان کے اعتراضات کے جواب دینے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ استہزاء و تمسخر اور ایذا رسانی کا معاملہ جو آپ کی قوم آپ کے ساتھ کر رہی ہے، یہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء اور رسول گزرے ہیں، ان سب کے ساتھ ان کی قوموں کا یہی رویہ رہا ہے، اور بالآخر ان سب کو عذاب کا شکار ہونا پڑا۔ لہٰذا آپ بھی ان کی ایذا رسانیوں پر تنگ دل نہ ہوں، صبر کیجیے، اگر یہ باز نہ آئیں تو ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو ان سے پہلے والی قوموں کا ہوا تھا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞

مالک و مختار اللہ ربّ العزّت ہی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے مزید دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے پوچھیے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کا مالک کون ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ آپ کہہ دیجیے کہ ان سب کا مالک اللہ ربّ العزّت ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا ہے، وہ ایک دن سب اولین و آخرین کو قیامت میں جمع فرمائیں گے۔ کیا اس کے سوا کوئی ذات ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہو یا جو سب کو کھلاتا ہو اور خود کھانے سے پاک ہو، یقیناً ایسا کوئی نہیں ہے، اس لیے سب کو صرف اسی پاک ذات کی عبادت کرنی چاہیے، مجھے بھی یہی حکم ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں کبھی شرک نہ کروں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ ربّ العزّت ہی مختارِ کل ہیں!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت کی مزید صفات اور اس کی توحید کے مزید دلائل بیان کیے گئے ہیں، اور اسلام کا ایک اہم بنیادی عقیدہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ ربّ العزّت ہی ہے، اگر وہ کسی کو کوئی تکلیف دے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کا معاملہ کرے تو اس بھلائی کو کوئی روک نہیں سکتا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اپنے سب بندوں پر غالب ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ تو جو ذات ہر چیز پر قادر ہو اور نفع و نقصان کی مالک ہو، وہی معبودِ حقیقی کہلائے جانے کی حق دار ہے۔

تعلق باللہ اور صبر کی برکات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا، کچھ دور چلنے کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ لڑکے! تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا، تم اللہ کو یاد رکھو گے تو اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے، تم امن و عافیت اور خوش عیشی کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے گا، جب تم کو سوال کرنا ہو تو صرف اللہ سے سوال کرو، اور مدد مانگنی ہو

تو صرف اللہ سے مدد مانگو، جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے، تقدیر کا قلم اس کو لکھ چکا ہے، اگر ساری مخلوقات مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نفع پہنچا دیں جو اللہ ربّ العزّت نے تمہارے نصیب میں نہیں لکھا، تو وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے، اور اگر وہ سب مل کر اس کی کوشش کریں کہ تم کو ایسا نقصان پہنچا دیں، جو تمہاری قسمت میں نہیں ہے تو وہ ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے، اگر تم کر سکتے ہو کہ یقین کے ساتھ صبر پر عمل کرو تو ایسا ضرور کر لو، اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کرو، کیونکہ اپنی خلاف طبیعت چیز پر صبر کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ (شعب الایمان: ۷/۲/۲)

توحیدِ خداوندی پر سب سے بڑی شہادت

ایک مرتبہ مشرکین مکہ کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ جو "رسول اللہ" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیونکہ ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، حالانکہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے اس کی مکمل تحقیق کی ہے۔ اس پر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اللہ ربّ العزّت سے بڑھ کر کس کی گواہی معتبر ہوگی جس کے قبضہ میں کل جہان ہے، وہی اللہ میرا گواہ ہے، اسی نے مجھ پر یہ قرآن نازل فرمایا ہے کہ میں اس کے ذریعہ تمہیں اور ان سب کو خبردار کرتا رہوں جن کے پاس قیامت تک یہ قرآن پہنچے گا۔ اتنی بڑی گواہی کے آجانے کے باوجود تم اب بھی یہی گواہی دیتے رہو گے کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا دوسرے معبود بھی ہیں، اگر ایسا ہے تو تم اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہو، میں تو ایسی گواہی نہیں دے سکتا، میرا اعلان تو یہ ہے کہ معبود ایک ہی ہے، اور جن چیزوں کو تم اس پاک پروردگار کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

اہلِ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بخوبی جانتے ہیں!

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی یعنی یہود و نصاریٰ، وہ قرائن و شواہد اور تورات و انجیل کی پیشین گوئیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت پر ایسا یقین رکھتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کے بیٹے ہونے پر یقین ہوتا ہے، لیکن ضد، حسد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہ لا کر اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال رہے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

روزِ محشر جھوٹے خداؤں کی بے وفائی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کے جھوٹے معبودوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قیامت

کے دن ہم سب مشرکین اور ان کے بنائے ہوئے معبودوں کو جمع کریں گے، پھر ہم ان سے یہ سوال کریں گے کہ جن معبودوں کو تم ہمارا شریک ٹھہراتے تھے اور اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے، آج وہ کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے؟ ان مشرکین کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوگا، سو وہ جھوٹ بولتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ ربّ العزّت کی قسم! ہم تو مشرک نہیں تھے۔ ذرا دیکھیں یہ اپنے اوپر کیسے جھوٹ بولیں گے، تب سب جھوٹ اور افتراء ان سے دور ہو جائے گا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ
وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى
اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ
اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ
ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

دُنیا کی حقیقت اور منکرینِ قیامت کا انجام

ان آیات میں اللہ اب العزت نے پہلے منکرین قیامت کے انجام کو بیان فرمایا کہ جو لوگ قیامت اور ملاقاتِ خداوندی کے منکر ہیں وہ درحقیقت خسارے میں ہیں، انہیں اپنے اس خسارے کا اندازہ اس وقت ہوگا جب اچانک قیامت آجائے گی، اس وقت یہ دنیا میں کیے گئے کرتوتوں پر افسوس کریں گے، لیکن اس وقت کا افسوس اور شرمندگی ان کے کسی کام نہیں آئے گی، اس دن اپنی پشتوں پر اپنے گناہوں کا وزن اٹھا کر لائیں گے۔

منکرین قیامت کا انجام ذکر کرنے کے بعد باری تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے، اس لیے اس کے ساتھ دل نہ لگائیں، آخرت کی طرف متوجہ رہیں، حقیقی زندگی آخرت کی ہی زندگی ہے، اسے بہتر بنانے کی کوشش کریں، اور آخرت اسی کے لیے بہتر ہوگی جو دنیا کی زندگی میں تقویٰ اختیار کرے اور اپنے رَبّ کے احکامات پر دل سے عمل کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! ہم جانتے ہیں کہ آپ کی ہر طرح کوشش اور دعوت کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے، الٹا تمسخر اور استہزاء کرتے ہیں، اور ان کی یہ باتیں آپ کو تکلیف پہنچاتی ہیں، آپ تسلی رکھیے، آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا، ان کی قوموں نے بھی ان کا مذاق

اڑایا، انہیں تکالیف پہنچائیں، لیکن انہوں نے صبر کیا، آپ بھی صبر کیجیے، انجام کار آپ ہی کامیاب وکامران ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ درحقیقت یہ کافر آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، البتہ ہم اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جسے آپ لے کر آئے ہیں۔ (معارف القرآن)

فرمائشی معجزات کیوں نہیں دیے جاتے؟

مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب وغریب معجزات کے مطالبے کیا کرتے تھے، جس سے ان کا مقصد محض تمسخر اور استہزاء کرنا تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے ان کی ان فرمائشوں کو پورا نہ فرمایا، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بہت شفیق اور نرم دل تھے، اس لیے آپ کے دل میں یہ خواہش ابھرتی تھی کہ اگر ان مشرکین کو ان کے من چاہے معجزات دکھا دیے جائیں تو شاید یہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو ان منکرین کا اعراض اور ایمان لانے سے انکار گراں گزرتا ہے، اور اس لیے آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کر دیے جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کر دیجیے، اگر آپ کو یہ قدرت ہو کہ زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر چڑھ جائیں اور وہاں سے ان کو فرمائشی معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیں، ہم ان کے سامنے ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہیں کریں گے، کیونکہ ایسا معجزہ ظاہر کرنا ہماری مصلحت کے خلاف ہے، پوری انسانیت کا ایمان لے آنا ہماری منشاء ہے ہی نہیں، وگرنہ ہم خود اپنے امر تکوینی کے ساتھ سب کو مسلمان کر دیتے، کسی میں کفر کی مجال ہی نہ رہتی، لیکن چونکہ یہ خود اپنا بھلا نہیں چاہتے اس لیے اللہ ربّ العزّت بھی ان کو ہدایت نہیں دیتے۔ سو اللہ کی منشاء اور اس کی سنت کے خلاف کسی کام کے ہونے کی توقع کرنا نامناسب ہے، آپ ناسمجھ نہ بنیں، ہر کوئی حق قبول نہیں کیا کرتا، صرف وہی لوگ حق قبول کرتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے سننے سمجھنے کی صلاحیت دی ہو، جبکہ جو کانوں کے بہرے اور آنکھوں کے اندھے اور دل کے مردے ہوں وہ کہاں حق قبول کرتے ہیں، سو آپ ان مردوں یعنی کافروں کی فکر چھوڑ دیجیے، انہیں اللہ ربّ العزّت روزِ محشر جمع کریں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝

پرندوں اور چوپایوں کا بھی حساب ہوگا!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن صرف انسانوں کو ہی جمع نہیں کیا جائے گا، بلکہ زمین میں چلنے (اور پانی میں تیرنے) والا ہر جانور اور ہوا میں اڑتے ہر پرندے کو بھی قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا، نیز اللہ تعالیٰ زمین کی جملہ بری اور بحری مخلوقات کو خوب جانتے ہیں، ان سب مخلوقات کو باری تعالیٰ قیامت میں زندہ کریں

گے، اور میدان محشر میں جمع کیا جائے گا اور ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت کے عدل و انصاف کا یہ عالم ہوگا کہ دنیا میں اگر کسی سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو ٹکر ماری ہوگی تو قیامت میں اس کا بدلہ اس سے لیا جائے گا، اور جب ان سب کے حقوق اور مظالم کے بدلے مکمل ہو جائیں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ سب مٹی ہو جاؤ، اور تمام جانور اسی وقت مٹی کا ڈھیر ہو جائیں گے، اس وقت کافر کہے گا: کاش میں بھی مٹی ہو جاتا اور جہنم کے عذاب سے بچ جاتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم
بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ
فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ
دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

”بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ!“

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے گزشتہ امتوں کا تذکرہ فرما کر اس امت کو تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے رسول دوسری امتوں کی طرف بھیجے اور دو طرح سے ان کا امتحان لیا، پہلے انہیں کچھ بدنی اور مالی تکلیفیں دیں تا کہ وہ ان سے گھبرا کر اللہ ربّ العزّت کی طرف لوٹ آئیں اور اپنی سابقہ روش سے توبہ کر لیں، لیکن وہ اس امتحان میں ناکام ہو گئے، ان کے دل اس قدر سخت ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان تکالیف اور مصیبتوں میں بھی اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع نہ کیا، بارگاہِ خداوندی میں نہ گڑگڑائے، شیطان نے ان کی بداعمالیاں ان کے سامنے خوبصورت کر کے پیش کیں تو وہ اسی میں مگن ہو گئے، پھر ہم نے انہیں دوسری طرح آزمایا کہ ان پر دنیوی عیش و راحت اور مال، اولاد اور رزق کے دروازے کھول دیے کہ شاید وہ ان نعمتوں کو دیکھ کر اپنے پروردگار کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس پر ایمان لے آئیں، لیکن بجائے اپنے ربّ کو پہچاننے کے وہ ان عیش و عشرت کی چیزوں میں ایسا کھو گئے کہ اپنے ربّ کے سارے احکامات بھلا بیٹھے اور اس مال و دولت پر اترانے لگے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے انہیں اپنی گرفت میں لیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس سے یہ سبق دیا گیا کہ اگر کبھی مشکل حالات پیش آئیں تو اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور اس سے مدد مانگنی چاہیے اور اگر اللہ ربّ العزّت خوشحالی عطا فرمائے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تکبر و غرور سے بچنا چاہیے۔

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ
إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝

”عالم الغیب“ اور ”مختارِ کُل“ صرف اللہ رَبّ العزّت کی ذات ہے

مشرکین مکہ دعوت حق کو ٹھکرانے کے لیے مختلف حیلے وبہانے تلاش کیا کرتے تھے، اور طرح طرح کے مطالبات کرتے تھے، کبھی کہتے: اگر آپ واقعی نبی ہیں تو مال ودولت کے دہانے ہم پر کھول دیجیے! کبھی کہتے اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آئندہ پیش آنے والی غیب کی باتیں ہمیں بتائیں۔ کبھی اعتراض کرتے ہوئے کہتے آپ کیسے نبی ہوسکتے ہیں؟ آپ تو کھاتے پیتے، بازار میں چلتے اور بشری حوائج رکھتے ہیں۔

اللہ رَبّ العزّت نے ان کے مذکورہ بالا اعتراضات اور جاہلانہ مطالبات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے سارے خزانے اور مال ودولت میرے ہاتھ میں ہیں، میں تو ایک رسول ہوں، اس کا پیغام لے کر تم تک پہنچاتا ہوں، کائنات کے خزانوں کا واحد مالک صرف اللہ رَبّ العزّت کی ذات ہے، وہ جسے چاہتا ہے ان خزانوں میں سے عطا فرماتا ہے۔ اور تم جو یہ مطالبہ کرتے ہو کہ میں تمہیں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات بتاؤں تو میں نے کب یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں ہر غیب کی چیز جانتا ہوں، اللہ رَبّ العزّت نے مجھے غیب کی بے شمار باتیں ضرور بتائی ہیں لیکن غیب کی تمام باتوں کا علم اللہ رَبّ العزّت نے کسی کو نہیں دیا، عالم الغیب صرف اسی کی ذات ہے، اسی طرح تم جو یہ کہتے ہو کہ مجھ میں انسانی صفات ہیں، تو میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں فرشتہ ہوں، نبی بھی انسان ہوتے ہیں، انہیں بھی بشری ضروریات اور تقاضے پیش آتے ہیں، البتہ ان کا مقام ومرتبہ عام انسانوں سے بہت بلند ہوتا ہے، ان کے پاس اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے وحی آتی ہے، وہ اس کے نمائندے ہوتے ہیں، اور میں بھی اسی کی اتباع کرتا ہوں، جو اللہ رَبّ العزّت میری طرف وحی فرماتے ہیں۔ لہٰذا ان فضول سولات وجوابات میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ان تعلیمات میں غور وفکر کرو جو باری تعالیٰ نے تمہارے لیے نازل فرمائی ہیں، اور جذبات وعناد کو چھوڑ کر حقیقت کو دیکھو تاکہ تمہارا شمار اندھوں میں نہ رہے، تم بینا بن جاؤ، کیونکہ اندھا اور بینا برابر نہیں ہوسکتے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا
مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

غرباء اور طلبۂ دِین کو ہرگز حقیر نہ جانیے!

ایک مرتبہ مشرکین کے سرداروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ کے اردگرد رہنے والے غریب مسلمان اور صفہ کے مدرسے کے طلبہ کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے،، لہٰذا یا تو آپ انہیں ہٹا دیجیے یا ہمارے لیے الگ وقت مقرر کردیجیے، جس میں ہمارے سوا کوئی نہ ہو، تو ہم آپ کی بات سنیں گے، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور ہدایت دی گئی کہ آپ کے طلبہ اور صحابہ جو صبح شام اپنے رَبّ کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کی جستجو میں رہتے ہیں، ان کو ہرگز الگ نہ کیجیے۔ سورۂ کہف میں ایسے غرباء اور

طلبہ کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ“ (الکہف:۲۸) یعنی اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح وشام اپنے ربّ کو اس لیے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے نہ ہٹنے پائیں۔

اور رہی بات ان کفّار کی تو یہ لوگ خواہ ایمان لائیں یا نہ لائیں، آپ ان کی پرواہ نہ کیجیے، کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں، اس لیے اگر آپ ان غریب صحابہ کرام کو ہٹائیں گے تو یہ سخت ناانصافی ہوگی۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٥٩ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٦٠ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝٦١ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝٦٢

معبودِ برحق کے اوصاف اور دلائلِ توحید

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی چند صفات کمال کو بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔ کسی بھی شخصیت کے معبود ہونے کے لیے اس میں تین صفات کا ہونا ازحد ضروری ہے:

۱۔ کمال علم: یعنی اس کا علم ہر لحاظ سے کامل ہو تاکہ وہ کسی مخلوق کو نظر انداز نہ کر سکے۔

۲۔ کمال قدرت: یعنی اس کی قدرت بھی ہر لحاظ سے مکمل ہو تاکہ وہ مخلوق کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

۳۔ کمال رحمت: تاکہ اپنی رحمت کے ساتھ مخلوق کے تقاضے پورے کرے۔

اور یہ تین صفات سوائے اللہ ربّ العزّت کی ذات کے اور کسی میں نہیں پائی جاتیں، اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے، اور اس کی رحمت بھی کامل ہے۔ اس کے علم کا کمال یہ ہے کہ سارے غیب کے خزانے اسی کے پاس ہیں، وہ جسے چاہتا ہے ان خزانوں میں سے عطا فرما دیتا ہے، اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، خشکی اور تری کی ساری مخلوقات اس کے احاطۂ علم میں ہیں، کائنات کے درختوں کا کوئی پتہ اس کے علم کے بغیر نہیں گرتا، زمین کی گہرائی اور اندھیروں میں موجود دانے بھی اس کے علم میں ہیں، غرض کائنات میں موجود ہر خشک وتر، جاندار و بے جان چیز سے وہ پاک پروردگار واقف ہے۔

اور اس کی قدرت کا کمال یہ ہے کہ وہ تمہیں رات کو سلاتا ہے اور تمہاری روحوں کو ایک حد تک قبض کر لیتا ہے، پھر صبح کو تمہیں جگا کر اٹھا دیتا ہے، پھر جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس سب سے واقف ہے اور ایک دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر

جاتا ہے، پھر وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا، وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے، دنیا کی ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اس کی قدرت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر دیے ہیں، فرشتوں کی جماعتیں انسان اور انسانی اعضاء کی حفاظت پر مامور ہیں، اور جب کسی بندہ کی عمر کا مقررہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہی حفاظت کرنے والے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں، پھر اسے پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں حاضر کیا جاتا ہے جو احکم الحاکمین ہیں اور سارے اختیارات صرف اسی کے پاس ہیں، وہ اس کا حساب لیں گے اور اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا عطا فرمائیں گے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝

مشرکین کی مطلب پرستی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان کرتے ہوئے کفّار و مشرکین کے دوغلہ پن کو بھی واضح فرمایا ہے۔ ابتدائے اسلام میں عام طور پر اونٹوں اور گھوڑوں یا سمندر میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کیا جاتا تھا، اس زمانہ میں سفر کے خطرات بھی بہت زیادہ تھے، بری سفر میں ڈاکوؤں اور جان و مال کا اندیشہ رہتا تھا اور بحری سفر میں طوفان اور ڈوب جانے کا ڈر رہتا تھا، ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین کو اپنے انعام یاد کروا کر ان کی مطلب پرستی بیان فرمائی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان سے سوال کریں کہ بری اور سمندری سفر میں جب بھی وہ کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے سارے بتوں کو چھوڑ کر نہایت عاجزی و انکساری سے گڑگڑا کر صرف اللہ رَبّ العزّت کو پکارتے ہیں اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمیں اس مصیبت سے سوائے اللہ کے کوئی نہیں بچا سکتا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں بچا لیا تو ہم اس کے شکر گزار بندے بن جائیں گے، لیکن جب اللہ رَبّ العزّت ان کی پکار سن کر انہیں اس پریشانی اور مصیبت سے نجات عطا فرماتے ہیں، تو یہ اپنے سارے وعدے فراموش کر کے پھر سے اپنی پرانی روش پر چلنے لگتے ہیں اور شرک کرنے لگتے ہیں۔

عذابِ الٰہی کی تین صورتیں

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے دوسرے رخ کو بیان فرمایا کہ جس طرح اللہ رَبّ العزّت ہر قسم کی تکلیف و پریشانی اور مصیبت کو دور کر سکتا ہے، اسی طرح جب وہ کسی کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب دے سکتا ہے، چنانچہ ان آیات میں تین قسم کے عذاب ذکر کیے گئے ہیں:

۱۔عذاب اوپر سے آئے: جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے اتنا پانی برسا کہ اس نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی، اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسے جس سے پوری قوم ہلاک ہوگئی۔

۲۔عذاب نیچے سے آئے: جیسے فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق کر دیا گیا، قارون کو اس کے خزانوں کے ساتھ ہی زمین میں دھنسا دیا گیا۔

۳۔لوگوں میں گروہ بندی اور مختلف پارٹیاں بن جائیں، اور ان کے درمیان جنگ وجدل اور خون ریزی ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے عذاب بن جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ باہمی انتشار اور امت کا افتراق بھی عذاب خداوندی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے اس امت سے پہلے دو عذاب اٹھا لیے گئے ہیں، تاہم تیسرا عذاب باقی ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

اہلِ باطل کی مجلسوں میں شرکت کی ممانعت

ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے تمام مسلمانوں کو ایک اہم ہدایت دی گئی ہے اور وہ یہ کہ جو لوگ قرآن وحدیث اور دین اسلام پر نکتہ چینی میں مشغول ہوں، ان کے ساتھ مسلمانوں کو نشست و برخاست نہیں رکھنی چاہیے، کہیں وہ بھی ان کے زمرہ میں شامل ہو کر عذاب کے مستحق نہ ہو جائیں۔ مؤمن کی غیرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر علیحدہ ہو جائے، اور کبھی بھول جائے تو یاد آنے پر فوراً اٹھ کھڑا ہو، اسی میں عاقبت کی درستگی اور دین کی سلامتی ہے، اور ان عیب نکالنے اور نکتہ چینی کرنے والوں کو تنبیہ اور عملی نصیحت بھی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ان کی مجلس میں جانے کی ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہو جائیں گے کیونکہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں اور ان کا مشغلہ یہی ہے، اس پر اللہ رَبُّ العزّت نے اس کے بعد والی آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ احتیاط رکھنے والے ہیں، اگر وہ اپنے کام سے مسجد حرام میں جائیں تو ان مشرکین کے افعال کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ یہ ان کے ذمہ ہے کہ انہیں حق بات پہنچا دیں شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر لیں۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓي اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰي ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

غیر اللہ کو پکارنے والوں کے لیے عجیب مثال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے تلقینی اسلوب اختیار کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجیے کہ کیا اللہ کو چھوڑ کر ہم ایسی چیزوں کی عبادت کریں اور انہیں مشکلات میں پکاریں جو نفع ونقصان کی ذرا بھی مالک نہیں، یہ تو واضح شرک اور گمراہی ہے، اللہ ربّ العزّت نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے، اب ہم گمراہی کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال تو اس مسافر کی سی ہے، جس کو جنگل و بیابان میں شیاطین وجنات نے قافلہ سے کاٹ کر الگ کر دیا ہو، وہ چار سو حیران وسرگرداں پھرتا ہو، اس کے رفقاء اسے اپنی جانب بلاتے ہوں مگر وہ حیرت و پریشانی کی وجہ سے نہ سمجھتا ہو، ایسے ہی ہم سب سفرِ آخرت کے مسافر ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے قافلہ کے شریک ہیں، اب اگر ہم شرک اختیار کرلیں تو گویا شیطان ہمیں قافلہ سے بہکا کر لے گیا ہے، جبکہ مؤمن تو کبھی ایسا نہیں کرسکتا، وہ ہدایت خداوندی پر قائم رہتا ہے اور اللہ ربّ العزّت کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس لیے ہم سے شرک کی ذرا بھی امید نہ رکھو۔

مزید فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے یہ بھی فرما دیجیے کہ ہدایت صرف اللہ ربّ العزّت کے بتائے ہوئے راستے میں ہی ہے، اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے فرمانبردار رہیں، نماز قائم کریں اور تقویٰ اختیار کریں، ایک دن ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۚ إِنِّي أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ
إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَأٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
هٰذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ الْأٰفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ
يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَآ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ أَفَلَتْ
قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ
الْمُشْرِكِينَ ۝ وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَآجُّوٓنِّي فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِٓ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ
رَبِّي شَيْئًا ۚ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ
أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۚ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اندازِ تفہیم

اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرکین عرب کو خطاب اور بت پرستی کو چھوڑ کر صرف خدا پرستی کی دعوت کا بیان تھا، ان آیات میں دعوت حق کی تائید ایک خاص انداز میں فرمائی، جو طبعی طور پر اہل عرب کے لیے دل نشین ہو سکتی ہے، وہ یوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب کے جدامجد ہیں، سارا عرب ان کی تعظیم پر ہمیشہ متفق چلا آیا ہے، ان

آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مناظرے کا ذکر کیا گیا ہے، جو انہوں نے بت پرستی اور نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے ساتھ کیا تھا اور پھر سب کو توحید حق کا سبق دیا تھا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بنالیا ہے، یہ تو واضح گمراہی ہے۔ آیت کے مطابق آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہے، بعض حضرات کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ جبکہ لقب آزر تھا، یہ نمرود کے دربار میں کسی اہم وزارت پر فائز تھا، اور بتوں کی پوجا کرتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا، پھر اللہ ربّ العزّت نے انہیں آسمان وزمین کے عجائبات دکھائے تاکہ ان کا یقین پختہ ہوجائے، اس کے بعد قوم سے نہایت احسن انداز میں مکالمہ فرمایا اور ان کے جھوٹے معبودوں کا عجز ان پر واضح فرمادیا۔

ہوا یوں کہ ایک رات جب تاریکی چھا گئی اور ستارے روشن ہوگئے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر ایک روشن ستارہ پر پڑی، آپ نے اپنی قوم کو سنانے کے لیے کہا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ ستارہ میرا ربّ ہے، جب کچھ دیر بعد وہ ستارہ غروب ہوگیا تو قوم پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا خدا نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر یہ خدا ہوتا تو غروب نہ ہوتا اور نہ ڈوبتا، بھلا خدا بھی ڈوبا کرتے ہیں، قوم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔

اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اپنایا اور ارشاد فرمایا کہ (تمہارے عقائد کے مطابق) یہ میرا ربّ ہے، مگر کچھ دیر بعد جب چاند غروب ہوگیا تو فرمایا کہ اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ عطا فرماتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہ ہوجاتا اور بھٹک گیا ہوتا، لیکن مجھے میرے پروردگار نے شرک اور گمراہی سے بچالیا۔

اس کے بعد ایک روز سورج کو آب وتاب کے ساتھ چمکتے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا ربّ ہے، اور یہ تو سب سے بڑا بھی ہے، پورے جہان کو روشن کیے ہوئے ہے، چاند بھی اسی سے روشنی حاصل کرتا ہے، مگر جب سورج اپنے وقت پر شام کو غروب ہوگیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات اور افعال سے بری ہوں، یہ ستارے، چاند اور سورج وغیرہ سب مخلوقات ہیں، اور جو مخلوق ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا، اگر کوئی معبود کہلائے جانے کے حقدار ہے تو وہ اس پاک پروردگار کی ذات والا صفات ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا، جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اسی لیے میں تمہارے ان سب خود تراشیدہ بتوں اور جھوٹے خداؤں سے رخ پھیر کر اسی خدائے وحدہ لاشریک کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد آپ مسلسل اپنی قوم کو سمجھاتے رہے، انہیں شرک اور بت پرستی سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہے، لیکن قوم آپ کی مخالفت پر اتر آئی، آپ کو دھمکیاں دی گئیں، لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی اور دعوت توحید کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ
وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ
وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ
اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ
بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ
اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

”توحید“ تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ عقیدہ ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم کے مناظرہ میں واضح فتح پائی اور ان کو لاجواب کر دیا، یہ ہمارا ہی انعام تھا کہ ان کو صحیح نظریہ عطا کیا اور اس کے واضح دلائل عطا فرمائے، اور اسی نظریہ اور عقیدہ کی بدولت ان کے مقام و مرتبہ کو بہت بلند کر دیا، یہی وجہ ہے کہ یہودی، عیسائی، مسلمان اور دیگر مذاہب والے سب ان کے تقدس کے قائل ہیں اور ان کی تعظیم کرتے چلے آئے ہیں، اور یہ نظریہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نہیں تھا، بلکہ اللہ ربّ العزّت نے ان سے پہلے اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے، ان سب کا بھی عقیدہ اور نظریہ توحید کا تھا، انہوں نے سب سے پہلے اسی عقیدے کی تبلیغ کی ہے، یہ بنیادی عقیدہ ہے، جس کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے، چنانچہ اس ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ تقریباً سترہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا جن میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام شامل ہیں۔ ان سب انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا کہ یہ سب ہدایت یافتہ، نیک صالح اور صراطِ مستقیم پر تھے اور ان سب کو اللہ ربّ العزّت نے اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور قبول فرمایا ہے۔ ان سب کو اللہ ربّ العزّت نے کتاب اور وحی کا اعلیٰ شرف عطا فرمایا، انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا، یہ سب چنیدہ شخصیات ہیں، اور ان سب نے عقیدہ توحید کا ہی پرچار کیا اور لوگوں کو شرک سے منع کرتے رہے، کیونکہ شرک ایسا جرم ہے کہ اگر بالفرض والحال ان چنیدہ شخصیات میں سے بھی کوئی اس جرم کا ارتکاب کر لیتا تو باری تعالیٰ اس کے سارے اعمال اکارت فرما دیتے، اس لیے توحید پر آؤ اور شرک کی جملہ صورتوں سے باز رہنے کی کوشش کرو۔

قرآنِ کریم میں انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی

دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، ایک حدیث مبارکہ میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ منقول ہے، لیکن قرآنِ کریم میں صرف پچیس انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی ذکر کیے گئے ہیں، جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ ان پچیس میں سے اٹھارہ نام اس مقام پر اکٹھے وارد ہوئے ہیں۔ قرآنِ کریم میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام
۲۔ حضرت ادریس علیہ السلام
۳۔ حضرت نوح علیہ السلام
۴۔ حضرت ہود علیہ السلام
۵۔ حضرت صالح علیہ السلام
۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
۷۔ حضرت اسحاق علیہ السلام
۸۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام
۹۔ حضرت لوط علیہ السلام
۱۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام
۱۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام
۱۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام
۱۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام
۱۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
۱۵۔ حضرت ہارون علیہ السلام
۱۶۔ حضرت یونس علیہ السلام
۱۷۔ حضرت داؤد علیہ السلام
۱۸۔ حضرت سلیمان علیہ السلام
۱۹۔ حضرت الیاس علیہ السلام
۲۰۔ حضرت الیسع علیہ السلام
۲۱۔ حضرت زکریا علیہ السلام
۲۲۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام
۲۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
۲۴۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام
۲۵۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ
مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ
وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۞ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ
يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ۞ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ
مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ
تَسْتَكْبِرُوْنَ ۞ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۞

کُفّار کے ایک جاہلانہ اِعتراض کا جواب

بعض کُفّار و مشرکین اور یہود یہ کہتے تھے کہ اللہ رَبّ العزّت نے کبھی کسی بشر پر کوئی کتاب نازل ہی نہیں فرمائی، یہ کتابوں اور رسولوں کا معاملہ (نعوذ باللہ) بالکل من گھڑت ہے، اس کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ بے ہودہ بات کی ہے، انہوں نے درحقیقت باری تعالیٰ کو کما حقہٗ نہیں پہچانا، اور اس کی ایسی قدر نہیں کی جیسے قدر کرنے کا حق تھا، آپ ان سے ذرا پوچھیے کہ اگر اللہ رَبّ العزّت نے کبھی کسی بشر پر کوئی کتاب نہیں بھیجی تو یہ بتاؤ کہ یہ تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جسے تم بھی مانتے ہو، کس نے نازل کی ہے؟ اور تمہارا تو حال یہ ہے کہ تم نے اس تورات کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، کچھ حصوں کو ظاہر کرتے ہو اور کچھ حصے جو تمہارے مفادات کے خلاف ہیں، انہیں چھپا لیتے ہو، تو جس ذات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے، اسی ذات نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمایا، یہ قرآن ان سب چیزوں کی تصدیق کرتا ہے جو تورات و انجیل میں نازل ہوئیں، اور اس کے نزول کی غرض اہل مکہ اور دنیا بھر کے لوگوں کو شفقت سے سمجھانا ہے، چنانچہ جن کے دل میں ایمان ہوتا ہے وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ سو اگر تم اب بھی ایمان نہیں لاتے اور اپنے اسی جھوٹے دعوی پر ڈٹے رہتے ہو کہ اللہ رَبّ العزّت نے کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی تو تمہارا یہ کہنا باری تعالیٰ پر افتراء ہے، اور باری تعالیٰ پر افترا باندھنے والے سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے؟

ظالموں کو مرتے ہی عذابِ قبر شروع ہو جائے گا

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر یہ ظالم آپ کی بات نہیں مانتے اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو آپ فکر مت کیجیے، یہ عنقریب اپنا انجام خود دیکھ لیں گے، جب یہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے سختی کے ساتھ ان کی روحیں قبض کر رہے ہوں گے، اور انہیں کہیں گے کہ آج مرنے کے ساتھ ہی تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ پھر جب قیامت کے دن باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو تمہیں عذاب سے بچانے والا اور تمہاری سفارش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا، اس دن تمہارے سارے جھوٹے معبود ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔

مفسرین کرام نے اس آیت کو عذابِ قبر کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، کیونکہ اس میں موت کے وقت فرشتوں کی سختی کا ذکر ہے اور فرشتوں کا یہ مقولہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آج تمہیں ذلت والے عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا، جس سے مراد موت کے فوراً بعد کا عذاب ہے، کیونکہ قیامت کے احوال اگلی آیت میں مستقل طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ''اثبات عذاب قبر'' کا باب قائم فرمایا ہے۔ نیز موت سے قبل شروع ہونے والا یہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے، تو مرنے کے بعد بھی عذاب و ثواب جسد و روح دونوں پر ہی ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ

تُؤْفَكُونَ ۝ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يَعْلَمُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ
يَفْقَهُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ
مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلُوا
لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ۝

''توحید'' کے واضح دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت ہی وہ ذات ہے جو دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس سے ہری بھری کونپل نکالتے ہیں اور اسے ایک تناور درخت بنا دیتے ہیں، وہی زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا فرماتے ہیں (جیسے مردہ انڈے سے زندہ چوزہ اور زندہ مرغی سے مردہ انڈہ وغیرہ) وہی ذات ہے جو اندھیروں کو پھاڑ کر اس سے روشن صبح طلوع فرماتے ہیں، اسی پاک ذات نے رات کو سکون اور آرام کا ذریعہ بنایا ہے، سورج اور چاند کا مرتب نظام اسی پروردگارِ عالم کی صناعی کا نمونہ ہے، جو صدیوں سے بنا کسی تعطل اور خرابی کے اپنے طے کردہ مدار میں گردش میں ہے، اور ان کی یہ گردش دن اور رات، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے حساب میں معاون ثابت ہوتی ہے، اسی پاک ذات نے اندھیری رات میں ستارے روشن فرمائے، جو ایک طرف آسمان کے لیے خوبصورتی اور حفاظت کا باعث ہیں تو دوسری طرف انہی ستاروں سے انسان اپنے بحری اور بری سفروں میں راستوں کی تعیین میں مدد لیتا ہے، اسی پاک ذات نے انسان کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا، اور اس کو دنیا میں ٹھکانا عطا فرمایا، پھر آخرت میں اس کے لیے ہمیشہ رہنے والے گھر تیار کر رکھے ہیں۔

یہی اللہ ہے جو آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے انواع واقسام کے پھل، پھول اور مختلف قسم کی نباتات اگاتا ہے، انگور، انار، زیتون اور دیگر ملتے جلتے اور ایک دوسرے سے مختلف غرض ہر قسم کے پھل اس پاک پروردگار کی قدرت کی نشانیاں اور اسی کی نعمتیں ہیں، ان سب نعمتوں میں ایمان والوں کے لیے واضح نشانیاں اور توحید کے واضح دلائل ہیں۔

مشرکین کی کم علمی

قدرتِ باری تعالیٰ کے نمونے بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین سے شکوہ کیا کہ میں نے ان کو ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں، جن کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میرا شکر ادا کرتے اور مجھ پر ایمان لاتے، لیکن بجائے شکر کرنے کے انہوں نے ناشکری کی اور کفر و شرک کرنے لگے، اور انہوں نے جہالت کی وجہ سے یہ عقیدہ رکھا کہ (نعوذ باللہ) جنات کے

سرداروں کی بیٹیاں اللہ ربّ العزّت کی بیویاں ہیں اور فرشتے اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس باطل عقیدے کی تردید کی اور ارشاد فرمایا کہ وہ ذات تمہاری ان خرافات سے بالکل پاک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کی کوئی بیوی اور اولاد ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

آخرت میں دیدارِ الٰہی برحق ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوقات جنات، انسان، فرشتے اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ ربّ العزّت کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کرلیں، جبکہ اللہ ربّ العزّت تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان سب کا احاطہ فرماتے ہیں۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ کیا انسان کو اللہ ربّ العزّت کی زیارت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں تمام علمائے اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس دنیا میں تو باری تعالیٰ کا دیدار اور زیارت نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اپنا دیدار نصیب فرمادیجیے تو باری تعالیٰ کی جانب سے جواب ارشاد ہوا تھا کہ آپ مجھ نہیں دیکھ سکتے، البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا خود قرآنِ کریم اور صحیح وقوی احادیث سے ثابت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ'' (القیامۃ: ۲۲، ۲۳)، یعنی قیامت کے دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے ربّ کی جانب دیکھ رہے ہوں گے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات چاندنی رات میں تشریف فرماتھے، صحابہ کرام کا مجمع اردگرد موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا کہ آخرت میں تم اپنے ربّ کو اسی طرح واضح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ (صحیح بخاری: ۵۷۳)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اہلِ جنت، جنّت میں داخل ہوجائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنّت میں مل چکی ہیں، ان سے زائد اور کچھ چاہیے تو بتاؤ کہ وہ بھی ہم دے دیں، جنّتی عرض کریں گے کہ یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنّت میں داخل فرمایا، اس سے زیادہ ہم کیا چاہیں گے؟ اس وقت باری تعالیٰ حجاب اٹھادیں گے اور سب کو اللہ ربّ العزّت کی زیارت ہوگی، جو جنّت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۱۶۳)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ
لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ
وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾

مشرکین کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب مرض الوفات میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں بھی کرتے رہتے تھے، ان کو یہ فکر ہوئی کہ ابوطالب کی وفات کے بعد اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کریں تو یہ ہماری عزت اور شرافت کے خلاف ہوگا کیونکہ لوگ کہیں گے کہ ابوطالب کے سامنے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے، ان کی موت کے بعد اکیلا پا کر قتل کر دیا، اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم مل کر خود ابوطالب سے ہی اس کے متعلق کوئی لائحہ عمل طے کر لیں۔ چنانچہ چند قریشی سردار جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف میں مبتلا کیا ہوا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں تو ہم اس پر صلح کر لیں گے کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں۔ جناب ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور ان کے سامنے قریش کے سرداروں کی بات رکھی، آپ نے انہیں کلمہ پڑھنے کی دعوت دی، جس پر وہ بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آ جائیں ورنہ ہم آپ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس ذات کو بھی جس کے رسول ہونے کا دعویٰ آپ کرتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرما دیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر آپ ان کے جھوٹے معبودوں کو برا بھلا کہیں گے تو وہ آپ کے سچے معبود کو برا کہنے لگیں گے۔ یہی حکم تمام دین کے داعیوں کے لیے ہے کہ وہ احسن انداز میں دین کا پیغام ہر ایک تک پہنچائیں، لیکن کسی کے جھوٹے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے اجتناب کریں۔

مشرکین کی جھوٹی قسمیں

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کی ایک اور بری عادت کو بیان فرمایا، مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نت نئے معجزات دکھانے کی فرمائش کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عہد لیا تو انہوں نے قسمیں کھا لیں، اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی دُعا کے مطابق اللہ ربّ العزّت پہاڑ کو سونے کا

بنا تو دیں گے، لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان سب پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر دُعا کرنے کا ارادہ ترک فرما دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کافر مطلوبہ معجزہ کے پورا ہونے پر ایمان لانے کی پرزور قسمیں کھاتے ہیں، آپ ان سے فرما دیجیے کہ معجزات دکھانا میرے اختیار میں نہیں، اللہ ربّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے، اور اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں کہ ان فرمائشی معجزات دکھا دیے جانے کے باوجود بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ اسی طرح اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں گے۔ اس لیے ان کے فرمائشی معجزات دکھانے کی دُعا کرنا بے سود ہے۔

پارہ نمبر ۸

یہ پارہ سورۃ الانعام کے بقیہ حصے اور سورۃ الاعراف کے کچھ حصے پر مشتمل ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۞ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۞

مشرکین کے اعتراض کا جواب

مشرکین بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے کر آئیں جو آپ کی رسالت کی تصدیق کریں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کے سامنے فرشتے اتار بھی دیں اور اس کے علاوہ ان کو مزید نشانیاں بھی دکھا دیں، مثلاً مردے زندہ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور اس کے علاوہ کائنات کی ساری نشانیوں کو ان کے سامنے کر دیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ ان مطالبات سے ان کی غرض ایمان لانا ہے ہی نہیں، یہ صرف تمسخر اور مذاق کے لیے یہ مطالبات کرتے ہیں، اس لیے یہ معجزات اور نشانیاں ان کے سامنے ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہر نبی کے دشمن رہے ہیں!

اس کے بعد باری تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ کفار و مشرکین آپ کو تکالیف پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں، یہ صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ ہر نبی کے بہت سے دشمن ہوتے آئے ہیں جو انسانوں میں سے بھی تھے اور جنات میں سے بھی، جو ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتیں سنا کر دھوکے میں رکھتے اور انہیں کفر پر مصر رکھنے کی کوشش کرتے رہتے، اگر اللہ ربّ العزّت چاہتے تو ان کو ان سب کاموں سے روک سکتے تھے، کیونکہ باری تعالیٰ کی مشیت کے خلاف کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، لیکن بعض حکمتوں کی وجہ سے باری تعالیٰ نے انہیں

ڈھیل دی، اور یہ سلسلہ ابھی تک چلا آرہا ہے، لہٰذا آپ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، اور ان کی پرواہ نہ کیجیے، ہم خود ایک متعین وقت پر انہیں ان کے انجام سے دوچار کریں گے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝

کفّار کا عجیب اعتراض اور اس کا جواب، نیز ''شرکِ فعلی'' کی تردید

مشرکین مکہ مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں شکوک میں مبتلا کرنے کے لیے بسا اوقات ان سے عجیب سوالات کیا کرتے تھے، انہی میں سے ایک سوال اور اعتراض یہ تھا کہ تم اس جانور کو تو کھاتے ہو جسے اپنے ہاتھ سے مارتے ہو، لیکن اس جانور کو نہیں کھاتے جسے اللہ ربّ العزّت نے مارا ہو، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ ربّ العزّت کے مارے ہوئے جانور کو بطریق اولیٰ کھاتے، لیکن تم ایسا نہیں کرتے، مسلمانوں نے یہ اعتراض اور اشکال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی مرضی وہ جس جانور کو حلال قرار دے اور جسے حرام کرے، مسلمان کے ذمہ اللہ ربّ العزّت کے احکام کی پاسداری ہے، چاہے اسے ان احکام کی علت اور حکمت سمجھ میں نہ آئے۔ تو جب اللہ ربّ العزّت نے اس جانور کو حلال قرار دیا ہے جسے باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو اور اس پر اللہ ربّ العزّت کا نام بھی لیا گیا ہو، کیونکہ ذبح کرنے سے ان کے اندر کا خون اور غلاظتیں نکل جاتی ہیں جس سے وہ پاک ہوجاتا ہے اور باری تعالیٰ کا نام لینے سے اس میں برکت آجاتی ہے، جبکہ جو جانور اپنی طبعی موت مرجائے یا جس پر پروردگارِ عالم کا نام نہ لیا گیا ہو، اسے حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ذبح نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر کی نجاستیں اس کے اندر ہی رہ جاتی ہیں اور وہ ناپاک رہتا ہے اور باری تعالیٰ کا نام نہ لینے سے اس میں برکت بھی نہیں آتی، اسی لیے مؤمن اور مسلمان اس حکم کی پاسداری میں انہی جانوروں کو کھاتا ہے جو حلال ہیں اور ان سے دور رہتا ہے جو حرام ہوں۔ یہی توحید فعلی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دینا اور حلال اشیاء کو حرام قرار دینا شرکِ فعلی ہے۔ البتہ اضطراری حالت کے احکام الگ ہیں، اور حرام جانوروں کی تفصیل سورہ مائدہ میں گزر چکی ہے۔ سو ان کفّار و مشرکین کے اعتراضات چونکہ محض وسوسے اور شبہات پیدا کرنے کے لیے ہیں، اس لیے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ
مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ۝

مومن وکافر کی مثال

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مؤمن اور کافر کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ مؤمن کی مثال زندہ شخص کی سی ہے جسے ہم نے نور یعنی ایمان عطا کیا، اور وہ اس ایمان کی روشنی میں چلتا پھرتا ہے، جبکہ کافر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیروں میں بھٹک رہا ہے اور ان اندھیروں سے نکل ہی نہیں پاتا، یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، بھلا زندہ اور مردہ اور روشنی اور اندھیرا کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ کچھ آیات بعد پھر فرمایا کہ جس شخص کو اللہ رَبّ العزّت ایمان کی دولت سے نوازتے ہیں، اس کے سینے کو اللہ تعالیٰ کھول دیتے ہیں، اسے انشراح واطمینان قلب عطا فرماتے ہیں، جبکہ جس شخص کو اللہ رَبّ العزّت گمراہ کردیں اس پر اللہ رَبّ العزّت سینہ کی تنگی کا عذاب مسلط فرما دیتے ہیں، اور اس کے لیے اسلام قبول کرنا ایسی مصیبت لگتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھنا چاہتا ہو اور اس سے چڑھا نہ جاتا ہو، بلکہ دم گھٹنے لگے۔

اِعجازِ قرآنی

بلندی پر چڑھتے ہوئے سینہ تنگ ہونے کی مثال اعجاز قرآنی کی معرکۃ الآراء مثال شمار ہوتی ہے، اس لیے کہ طب جدید کی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی وجہ سے دم گھٹنے لگتا ہے، سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے، چودہ صدیاں قبل اس سائنسی حقیقت کی طرف اشارہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ قرآن کسی انسان کا نہیں، بلکہ رَبّ العالمین کا کلام ہے۔

وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ۝ لَهُمْ دَارُ ٱلسَّلَٰمِ عِندَ رَبِّهِمْ ۖ وَهُوَ
وَلِيُّهُم بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ۝

سلامتی کا گھر

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اور شریعت اسلام جو آپ کو دی گئی ہے، یہ صراط مستقیم ہے اور آپ کے رَبّ کا راستہ ہے، جو لوگ اس راستہ پر چلیں گے ان کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے سلامتی کا گھر تیار کر رکھا ہے، یعنی ان کے لیے جنّت تیار کی گئی ہے، دارالسلام جنّت کا ایک نام ہے، جس کا معنی سلامتی کا گھر ہے، جنّت کو دارالسلام اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں امن وسلامتی ہوگی، ہر تکلیف و پریشانی سے وہاں سلامتی ہوگی، باری تعالیٰ اور فرشتوں کی جانب سے انہیں مسلسل سلام کیا جائے گا، نیز باری تعالیٰ کا ایک نام "سلام" ہے، اور دارالسلام کا مطلب اللہ کا گھر ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ
قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ
لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝

مجرمین کا اِعترافِ جرم

میدان محشر میں تمام انسانوں اور جنات کو جمع کر کے ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم جو کفر کی راہ پر گامزن ہوئے اور پروردگارِ عالم کی نافرمانی کرتے رہے، اس کا کیا سبب ہے، کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں پہنچے جو میری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی حاضری اور حساب سے ڈراتے تھے؟ تو وہ سب اپنے گناہوں اور دنیا میں کیے گئے جرموں کا اعتراف کریں گے، اس کے بعد ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا دی جائے گی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء و رسل کا بھیجا جانا دراصل باری تعالیٰ کے عدل و انصاف کی دلیل ہے، باری تعالیٰ کسی بھی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں فرماتے جب تک کہ ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اپنا پیغام نہ بھجوادیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ
لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ
لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا
فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ
وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً
فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

مشرکین کی رُسومِ باطلہ اور ''شرکِ فعلی'' کی تردید

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کی چند بری رسوم کا تذکرہ فرما کر ان کی تردید فرمائی، نیز مشرکین اپنی جانب سے جو چیزیں حرام کر کے فعلی شرک کا ارتکاب کرتے تھے، اس کی تردید فرمائی۔

پہلی رسم

مشرکین مکہ کی عادت یہ تھی کہ کھیتی اور باغات، نیز تجارتوں سے جو کچھ پیداوار ہوتی تھی، اس میں سے ایک حصہ اللہ

کے لیے اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے نکالا کرتے تھے، مگر اللہ ربّ العزّت کے حصے کی بنسبت غیر اللہ کے حصے کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور ان کا زیادہ خیال کرتے تھے، اگر کبھی بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ کے حصہ میں پڑ جاتی تو اس کو حساب پورا کرنے کے لیے اس میں سے نکال لیتے تھے، لیکن اگر کبھی اللہ کے حصے میں سے کوئی چیز بتوں کے حصے میں چلی جاتی تو اس کو وہیں رہنے دیتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی اس رسم کو ختم کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل بہت برا ہے۔

دوسری رسم

یہ تھی کہ وہ جانوروں میں بھی یہی معاملہ کرتے تھے، یعنی بعض جانور اللہ کے لیے رکھتے تھے اور بعض بتوں کے لیے، پھر اگر بتوں والے جانوروں میں سے کچھ جانور اللہ ربّ العزّت کے لیے مخصوص کردہ حصے میں چلے جاتے تو انہیں وہاں سے واپس کرتے، اور اگر اللہ رب العزت والے حصے میں سے کوئی جانور بتوں والے حصے میں چلا جاتا تو اسے وہیں رہنے دیتے تھے۔

تیسری رسم

اگر کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تھی تو اسے باعث عار سمجھا جاتا تھا، اور اس بچی کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔

چوتھی رسم

کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کر دیتے اور کہتے کہ ان کی پیداوار صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں۔

پانچویں رسم

اسی طرح وہ جانوروں میں سے بھی بعض جانور بتوں کے لیے وقف کر کے ان کو مردوں کے لیے خاص کر لیتے تھے۔

چھٹی رسم

جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، ان پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے۔

ساتویں رسم

بعض جانور ایسے تھے جن پر کسی موقع میں بھی اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ دودھ نکالنے کے وقت، نہ سوار ہوتے وقت اور نہ ذبح کرتے وقت۔

آٹھویں رسم

جن جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اگر ان کو ذبح کرتے وقت ان کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلتا تو اس کو بھی ذبح کر لیتے لیکن اس کے گوشت کو صرف مردوں کے لیے حلال سمجھتے تھے، اور عورتوں کے لیے اس کا گوشت حرام قرار دیا جاتا تھا، اور اگر اس جانور کے پیٹ سے مردہ بچہ پیدا ہوتا تو اسے سب کے لیے حلال سمجھتے تھے۔

اللہ ربّ العزّت نے یہ سب رسمیں ذکر کرنے کے بعد خلاصہ کے طور پر ان سب کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے ان باطل رسموں کو اپنایا، اپنی اولاد کو قتل کیا، اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا وہ سب پرلے درجے کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ سب خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝

باغات اور فصلوں میں "عشر" لازم ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی چند نعمتیں گنوا کر اور نباتات اور جانوروں کی مختلف قسمیں ذکر فرما کر یہ بتایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں ہیں، نیز ان کو غیر اللہ کے نام وقف کرنے پر تنبیہ فرمائی اور باری تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے مختلف قسم کے باغات اگائے، بعض باغات بیلدار ہیں، جیسے انگور وغیرہ، اور بعض ایسے ہیں جو زمین پر بچھے رہتے ہیں یا تنادار درخت ہیں، اسی طرح کھجور کے درخت اور فصلیں اور کھیت بھی اسی پاک پروردگار کی صناعی کے نمونے ہیں، اسی طرح زیتون، انار اور دیگر پھل بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں، یہ سب پھل اور فصلیں وغیرہ اس نے انسان کے فائدہ کے لیے اگائی ہیں، اسی لیے ارشاد فرمایا کہ جب ان کا پھل تیار ہو جائے اور پک جائے تو ان کو کھاؤ، اور اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرو۔

شکر جس طرح زبان اور دل سے ادا کیا جاتا ہے اسی طرح عمل سے بھی شکر کا اظہار کرنا بسا اوقات لازم اور ضروری ہوتا ہے، چنانچہ یہاں بھی عملی شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا جس کی صورت یہ ارشاد فرمائی کہ جس دن کھیتی کی کٹائی اور باغات سے پھلوں کو اتارا جائے، اس دن اس کھیتی اور باغات کی پیداوار میں سے اللہ ربّ العزّت کا حصہ اور اس کا حق ادا کرو، جسے اصطلاح میں عشر کہتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں بھی عشر ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عشر کے لیے پیداوار کی کسی خاص مقدار کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ زمین سے جتنی بھی پیداوار نکلے خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، اس پر عشر لازم ہے۔

''عشر'' کی تعریف

عشر، عربی میں دسویں حصے کو کہتے ہیں۔ فقہاء کرام کی اصطلاح میں عشر زمینی پیداوار کے اس مخصوص حصے کا نام ہے جسے پیداوار سے نکال کر مستحقین زکوٰۃ کو دینا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ مخصوص حصہ بعض صورتوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں بیسواں حصہ، جس کی تفصیل احادیث مبارکہ میں ذکر کی گئی ہے۔

کون سی صورتوں میں ''عشر'' (دسواں حصّہ) اور کون سی صورتوں میں ''نصف عشر'' (بیسواں حصّہ) واجب ہوگا؟

حدیث مبارکہ میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق بارانی زمینوں (وہ زمین جس میں آبپاشی پر کوئی خرچہ نہیں ہوتا) میں پیداوار کا دسواں حصہ لازم ہوگا، اور جو زمینیں کنوؤں، ٹیوب ویل وغیرہ (جس میں آبپاشی پر خرچہ آتا ہو) سے سیراب کی جاتی ہوں، ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔

اور اگر کوئی زمین بارش اور ٹیوب ویل وغیرہ دونوں طرح کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس میں اکثر پانی کا اعتبار ہوگا، اگر بارانی پانی کا استعمال زیادہ ہو تو دسواں حصہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی زیادہ دیا جاتا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہوگا۔

جانوروں کے فوائد

باغات اور کھیتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے جانوروں کا تذکرہ فرمایا اور ان کے فوائد ذکر فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ بعض جانور چھوٹے اور پست قد کے ہوتے ہیں، جیسے بھیڑ، بکری اور دنبہ وغیرہ، جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دودھ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور بعض جانور دراز اور اونچے قد کے ہوتے ہیں، جیسے: گائے بھینس اور اونٹ وغیرہ، یہ دودھ دینے اور باربرداری کے کام آتے ہیں۔ تو جن جانوروں کو اللہ رَبّ العزّت نے حلال قرار دیا ہے، انہیں کھاؤ، اور اپنی طرف سے کسی حلال جانور کو حرام قرار دے کر شیطان کے راستہ پر مت چلو اور اس کی پیروی نہ کرو، کیونکہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

آٹھ قسم کے پالتو جانور

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ان جانوروں کا تذکرہ فرمایا جو حلال اور پالتو ہیں، اور جن کی قربانی بھی کی جاسکتی ہے، اور وہ آٹھ قسم کے ہیں: بھیڑ (دنبہ) میں سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ)، اور بکری میں دو قسم (نر اور مادہ)، اسی طرح اونٹ میں دو قسم (نر اور مادہ) اور گائے (بھینس) میں دو قسم (نر اور مادہ)، یہ سب کے سب اللہ رَبّ العزّت نے حلال قرار دیے ہیں۔ اب اگر مشرکین ان کو حرام قرار دیتے ہیں تو ان سے کہہ دیجیے کہ تمہارے پاس ان جانوروں کی حرمت کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نر حرام کیے یا مادہ یا مادہ کے پیٹ میں موجود بچہ؟ کیا اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے سامنے ان جانوروں کو حرام قرار دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اور کسی رسول اور نبی کو بھی تم نہیں مانتے، اس سے معلوم ہوا کہ تم جو ان جانوروں کو حرام قرار دیتے ہو، اس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، سو یہ اللہ رَبّ العزّت پر بہتان ہے، اور اللہ پر بہتان لگانے والے سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ سن لو! اللہ رَبّ العزّت ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

حرام غذائی اشیاء

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین کے اس عمل اور بری رسم کی تردید فرمائی تھی کہ وہ حلال جانوروں کو حرام قرار دیتے تھے، ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ان غذائی اشیاء کا تذکرہ فرمایا جن کو خود اللہ رَبّ العزّت نے حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے فرمادیجیے کہ اللہ رَبّ العزّت نے مجھے جو وحی فرمائی ہے، اس میں صرف درج ذیل غذائی اشیاء حرام قرار دی گئی ہیں:

۱۔ مردار (وہ جانور جو اپنی طبعی موت مرگیا ہو)۔

۲۔ ذبح کے وقت نکلنے والا خون۔

۳۔ خنزیر۔

۴۔ غیر اللہ کے لیے نامزد یا ذبح کردہ جانور۔

یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے اور پہننے کی وہ اشیاء جو غیر اللہ کے نام پر دی گئی ہوں، سب حرام ہیں۔ البتہ اگر کسی شخص کو اتنی شدید بھوک ہو کہ کچھ نہ کھانے سے ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اس کے پاس کھانے کے لیے کوئی حلال

چیز موجود نہ ہو تو محض اپنی جان بچانے کے لیے مذکورہ بالا حرام چیزوں میں سے اتنی مقدار کھانے کی گنجائش ہے جس سے اس کی جان بچ سکے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہود پر اللہ ربّ العزّت نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بطور سزا کے دو مزید چیزیں بھی حرام قرار دی تھیں:

۱۔ ہر کھر والا جانور۔

۲۔ گائے اور بکری کی چربی۔

البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا ان کی انتڑیوں پر لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو، اس کا کھانا حلال تھا۔ یہ دو چیزیں اُمّتِ محمدیہ پر حرام نہیں ہیں۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ
إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ
يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿﴾

مشرکین کے نظریے کی تردید

مشرکین کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے، اور نہ ہم کسی جانور کو حرام ٹھہراتے، معلوم ہوا کہ ہم کچھ کر رہے ہیں، وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس طرح مختلف شبہات کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی منکرین نے اسی طرح تکذیب کی تھی، مگر ان کا انجام سب کے سامنے ہے، اللہ ربّ العزّت کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا اور وہ سب صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے، اس لیے ان کو چاہیے کہ ان سابقہ قوموں کے انجام سے سبق لیں ورنہ ان کا انجام بھی عبرتناک ہوگا۔

اس کے بعد ان کفار و مشرکین کو دوسرا جواب دیتے ہوئے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اپنے اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو، اور یہ بات یقینی ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، یہ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا اے نبی! آپ ان لوگوں کے شبہات کی پرواہ نہ کیجیے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم
مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ
اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ
فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ
مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝

عقائد واعمال سے متعلق دس اَحکام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے عقائد و اعمال سے متعلق دس احکام ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جن پر تمام آسمانی شریعتیں متفق ہیں، اور تمام ادیان ان پر عمل کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ ان پر عمل کرنا انسان کی سعادت اور دُنیا و آخرت کی عزت و کرامت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ وہ اعمال یہ ہیں:

۱۔ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

۲۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، انہیں کسی قسم کی ایذا اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

۳۔ اولاد کو فقر یا ننگ و عار کے خوف سے قتل نہ کیا جائے۔

۴۔ ہر قسم کی بے حیائی سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، خواہ خفیہ بے حیائی ہو یا علانیہ طور پر۔

۵۔ کسی انسان کو ناحق قتل نہ کیا جائے۔

۶۔ یتیم کے مال میں ناحق تصرف نہ کیا جائے۔

۷۔ ناپ تول میں کمی نہ کی جائے۔

۸۔ گواہی اور فیصلہ وغیرہ میں ناانصافی نہ کی جائے، بلکہ عدل وانصاف سے کام لیا جائے، خواہ کوئی اپنا ہو یا پرایا۔

۹۔ اللہ ربّ العزّت کے ساتھ کیے گئے عہد کو ہر حال میں پورا کیا جائے۔

۱۰۔ اللہ ربّ العزّت کے سیدھے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے اختیار نہ کیے جائیں، بلکہ صراطِ مستقیم کی اتباع کی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصیت نامہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے، ان میں وہ وصیت موجود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کے حکم سے امت کو دی ہے۔ (معارف القرآن)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝

نزولِ قرآن کی حکمتیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم کی حقانیت کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے نزول کی حکمتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن بہت بابرکت کتاب ہے، جسے ہم نے نازل کیا ہے، اس کی اتباع کیجیے اور اس پر عمل کر کے تقویٰ اختیار کیجیے تاکہ آپ پر رحم کیا جائے۔

اس کو نازل کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ کفّار اور مشرکین یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم سے پہلے والی امتوں (یہود و نصاریٰ) پر تو کتابیں نازل کی گئی تھیں، ہم تو ان کے پڑھنے سے قاصر رہے، اس لیے ہم کو توحید اور دیگر عقائد کی خبر نہ ہو سکی۔ اسی طرح قرآن نازل کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کفّار و مشرکین یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ان سابقہ امتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے اور ان سے زیادہ ہمارے عقائد و اعمال درست ہوتے۔ اب جبکہ یہ کتاب نازل کی جا چکی ہے تو ان کفّار پر اتمامِ حجت ہو چکا ہے، لہٰذا اب اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝

ابھی وقت ہے توبہ کر لو!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار و مشرکین سے شکوہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات دیکھ چکے ہو، حق اور صداقت کی راہیں تمہارے سامنے واضح ہو چکی ہیں اور خدا کی حجت تم پر تمام ہو چکی ہے، اب ایمان لانے میں کسی چیز کا انتظار ہے؟ کیا تمہیں اس بات کا انتظار ہے کہ موت کے فرشتے تمہارے پاس پہنچ جائیں، یا میدانِ محشر کا انتظار کر رہے ہو، یا اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ قیامت کی بڑی نشانیاں دیکھ لو، قیامت کی بڑی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے، قربِ قیامت میں سورج مغرب سے طلوع کرے گا، اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ حالانکہ ان تینوں صورتوں میں لایا جانے والا ایمان بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے، اسی لیے یہاں ایمان وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو، جب پردہ ہٹ جائے گا اور دوسرے جہان کے احوال منکشف ہونا

شروع ہو جائیں گے تب ایمان لانا معتبر نہیں ہوگا۔ لہٰذا ابھی بھی وقت ہے ایمان لے آؤ اور توبہ کرلو اور اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بچالو۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مرنا جینا صرف خدا کے لیے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کا ذکر فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا مرنا سب اللہ ربّ العزّت کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے توحید کا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں اسی پاک ذات کا فرمانبردار اور پیروی کرنے والا ہوں۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ولید بن مغیرہ کی بات کا جواب ارشاد فرمایا۔ ولید بن مغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے کہتا تھا کہ اگر تم لوگ ہمارے دین میں واپس آجاؤ تو تمہارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھالیں گے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ میں باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو ربّ، مشکل کشا اور حاجت روا کیسے مان سکتا ہوں، حالانکہ اللہ ربّ العزّت صرف میرا ہی نہیں بلکہ کائنات کے ذرّے ذرّے کا ربّ ہے۔ اور قیامت میں کوئی کسی کے گناہوں یا اعمال کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ہر شخص اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہوگا۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ایک جامع نصیحت ارشاد فرمائی ہے کہ ہم نے تمھیں دنیا میں تم سے پہلے والی اُمتوں کا جانشین اور قائم مقام بنا کر بھیجا ہے، اور تم سب کے حالات مختلف رکھے ہیں، کوئی مالدار ہے تو کوئی مفلس، کوئی عزّت دار ہے تو کوئی عزت کا محتاج، یہ درجات اور حالات کا تفاوت تمہاری آزمائش کے لیے ہے، تاکہ مؤمن و کافر اور نیک و بد میں فرق اور امتیاز ہو جائے۔ اگر تم نیک اعمال اختیار کرو گے تو تمہارے لیے پروردگارِ عالم کی خاص رحمت اور مغفرت ہوگی اور اگر تم برے اعمال اور کُفر کو اختیار کرو گے تو تمہارے لیے سخت ترین عذاب تیار ہوگا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں جا بجا اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے نمونے ذکر فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔

۲- سورت میں کُفّار کے مختلف اعتراضات اور شبہات کو ذکر فرما کر ان کے جوابات بیان کیے گئے ہیں۔

۳-سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور شرک کی مذمت کا نمونہ بیان کیا گیا ہے۔

۴-قرآنِ کریم کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت بھی ثابت کی گئی ہے۔

۵-سورت میں مختلف انبیاء علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶-قیامت کے احوال اور مختلف مناظر بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۷-باغات اور کھیتوں سے حاصل ہونے والی پیداوار میں عشر کے وجوب کا حکم بھی اسی سورت میں مذکور ہے۔

۸-سورت میں مویشیوں اور چوپایوں سے متعلق کفار کی غلط رسوم کو ذکر فرما کر ان کی تردید کی گئی ہے۔

۹-سورت میں حلال پالتو جانوروں اور حرام غذائی اشیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۰-سورت میں عقائد و اعمال سے متعلق باری تعالیٰ کے دس احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس وصیتیں ذکر کی گئی ہیں۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة الانعام بعون الله سبحانه وتعالى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ساتویں (۷) جبکہ نزول کے اعتبار سے انتالیس (۳۹) نمبر پر ہے، چوبیس (۲۴) رکوع اور دو سو چھ (۲۰۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اعراف کا لفظی معنی بلندی ہے، اصطلاح میں یہ اس جگہ کا نام ہے جو جنّت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، جن لوگوں کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوں گے، ان کو کچھ عرصہ کے لیے یہاں رکھا جائے گا، پھر ان کے ایمان کی وجہ سے بالآخر انہیں جنّت میں داخل کر دیا جائے گا۔ چونکہ اس سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والے لوگوں کا تفصیلی بیان آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۃ اعراف رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، سابقہ امتوں کی ہلاکت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا تھا، اس سورت میں ان تینوں امور کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع حضرات انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کی روشنی میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان اور اعمال صالحہ کی ترغیب، عمل کی صورت میں جنّت کی بشارت اور کفر کی صورت میں عذاب کی وعید سنا کر خبردار کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت شیطان کی مخاصمت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲- اہل جنّت اور اہل جہنّم کے باہمی مکالمہ کا بیان ہے۔

۳- گزشتہ امتوں اور ان کے انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

۴- گزشتہ امتوں کی ہلاکت کے اسباب بھی ذکر کیے گئے ہیں، جن میں سرفہرست تکبّر اور حق سے اعراض ہے۔

۵- سورت میں ابلیس کے اسلحہ کا ذکر کیا گیا ہے جس سے وہ اہل ایمان پر وار کرتا ہے، اور اس کا سب سے اہم اور مضبوط اسلحہ بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہے۔

۶- واقعہ سبت کے ضمن میں بنی اسرائیل کے تین گروہوں کا تذکرہ کیا گیا، جن میں سے ایک گروہ ان مؤمنین کا تھا جنہوں نے خود بھی اللہ ربّ العزّت کے حکم کی اطاعت گزاری کی اور دوسروں کو بھی اس سے روکا، دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے کھلم کھلا احکام باری تعالیٰ کی مخالفت کی اور تیسرا گروہ ان مؤمنین کا تھا جنہوں نے خود اللہ ربّ العزّت کا حکم مانا لیکن دوسروں کو احکام الٰہی کی مخالفت سے نہ روکا، ان تینوں کے انجام کو ذکر فرمایا تا کہ عبرت اور نصیحت حاصل کی جا سکے۔

۷- سورت میں اس عہد کا بھی ذکر ہے جو اللہ ربّ العزّت نے تمام انسانوں سے ان کی تخلیق سے پہلے ہی عالم ارواح میں لیا تھا، اور سورت میں تین مقامات پر اس عہد کی خلاف ورزی پر تنبیہ فرمائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵
فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

کھل کر تبلیغِ دین کیجیے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب قرآن مجید نازل کی ہے، تا کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو اللہ رب العزت کے احکام کی تبلیغ فرمائیں، انہیں نجات کا حقیقی راستہ دکھائیں، اور اس تبلیغ میں آپ کسی قسم کا ڈر اور خوف یا پریشانی اپنے دل میں نہ آنے دیں، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے، اس لیے بلاخوف احکام شریعت کی تبلیغ فرمائیں اور چونکہ آپ کے ذمہ صرف ان احکام کا پہنچا دینا ہے، منوانا آپ کے ذمہ نہیں، اس لیے اگر کوئی ایمان نہ لائے تو آپ پریشان اور کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ خود اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، جیسے ان سے پہلے بہت سی قوموں کے پاس انبیاء و رسل آئے، لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی تو اللہ ربّ العزّت کے عذاب اور غضب کا شکار ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح یہ بھی اگر اپنی روش سے باز نہ آئے اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے تو انہیں بھی عذاب الٰہی کا شکار ہونا پڑے گا۔

اس کے ساتھ نسل انسانی کو خطاب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو، غیر اللہ کی اتباع نہ کرو، لیکن یہ نصیحت کم ہی لوگ حاصل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سی آبادیاں دوپہر کو اور بہت سی رات کو عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوگئیں، اور وہ یہی کہتے رہے کہ افسوس ہم ظالم تھے۔

پھر قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت ان سے پوچھیں گے کہ ہم نے تمہارے پاس جو رسول اور کتابیں بھیجی تھیں، تم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، اسی طرح رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا کہ جو پیغام اور احکام دے کر ہم نے آپ کو بھیجا تھا وہ آپ نے اپنی امتوں کو پہنچا دیے یا نہیں؟ یوں اس دن حق بالکل واضح اور ظاہر ہو جائے گا اور کافر رسوا اور ذلیل ہوں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ
طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى
يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ
لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝
قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

تخلیقِ آدم علیہ السلام اور شیطان کی دشمنی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور شیطان کی عداوت و دشمنی اور اس کے حسد کو بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی تو فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، ان سب نے باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ ربّ العزّت نے اس سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے تمہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا، تو تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اس نے تکبّر اور غرور کرتے ہوئے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنا ہے، آگ کی طبیعت میں بلندی ہے جبکہ مٹی کی طبیعت میں پستی ہے، لہٰذا آگ مٹی سے بہتر اور میں آدم سے بہتر اور افضل ہوں، اور اعلیٰ و افضل اپنے سے کم تر کو سجدہ نہیں کیا کرتا، اس لیے میں نے سجدہ نہیں کیا۔

شیطان کی دھمکی اور جوابِ خداوندی

اس تکبّر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ ربّ العزّت نے اسے ہمیشہ کے لیے مردود اور راندۂ درگاہ کر دیا، اور اسے حکم دیا کہ آسمانوں سے ذلیل ہو کر دفع ہو جا، اس نے عین اس وقت جب اس پر عتاب ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ مجھے قیامت تک ڈھیل دے دیجیے، اللہ ربّ العزّت نے جواب میں کہا: جا! تجھے میں نے ڈھیل دے دی۔ جب اسے ڈھیل مل گئی تو اللہ ربّ العزّت سے کہا کہ میں آپ کے بندوں کو قیامت تک سیدھی راہ سے ہٹاتا رہوں گا، ان کے آگے سے، پیچھے سے

دائیں سے بائیں سے ان کو گمراہ کروں گا، اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جس نے بھی تیری اتباع کی، میں ان سب کو جہنّم میں جھونک دوں گا۔

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾
فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ
الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا
بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا
رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ
اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ
فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾

شیطان کی چال

شیطان کے دھتکارے جانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حوّا علیہا السلام کو جنّت میں ٹھہرایا، اور ان سے فرمایا کہ جنّت میں کھاؤ پیو اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو، لیکن فلاں درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم خسارے میں ہو جاؤ گے، شیطان چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے راندۂ درگارہ ہوا تھا، اس لیے اس کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے بغض اور حسد پنپ رہا تھا، جس کا اظہار اس نے پروردگارِ عالم کے سامنے بھی کر دیا تھا، اس نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے دیکھا تو حسد کے مارے گھلنے لگا اور دل ہی دل میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنّت سے نکالنے کی ترکیبیں سوچنے لگا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع فرمایا تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل لازمی کھانا چاہیے، کیونکہ جو اس کا پھل کھاتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے یا وہ فرشتہ بن جاتا ہے، اور قسمیں کھا کر انہیں اپنی دیانتداری اور ایمانداری کا یقین دلایا، حضرت آدم علیہ السلام اس کے وسوسہ میں آ گئے کہ اس درخت کے کھانے سے تا ابد اللہ تعالیٰ کی عبادت نصیب ہوگی، وہ درخت کھا بیٹھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا کے کپڑے اُتر گئے اور عریانی آ گئی، حضرت آدم و حوّا علیہما السلام نے فوراً جنّت کے درختوں کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنا شروع کر دیا۔

”عریانی“ شیطان کا ہتھیار

اس سے معلوم ہوا کہ عریانی و فحاشی شیطان کا روزِ اول سے ہتھیار ہے، جب شیطان نے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام سے دشمنی کی تو ان سے ایسا عمل کروایا جس سے وہ دونوں عریاں ہو گئے، اور آج بھی شیطان عریانی و فحاشی کے ذریعہ اولادِ آدم کو گمراہی کی تاریکیوں میں دھکیل رہا ہے۔

''توبہ'' سُنّتِ انبیاءؑ ہے!

جب حضرت آدم علیہ السلام سے جنّت کا لباس اتر گیا تو آپ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، ادھر سے اللہ رَبُّ العزّت نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ کیا ہم نے آپ کو اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی تسلیم کی اور نہایت عاجزی و انکساری سے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی اے رَبّ یقیناً ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب اگر آپ ہمیں معاف نہیں فرمائیں گے تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اللہ رَبُّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اب تم زمین رہو گے، وہاں تمہاری اولاد ہوگی، وہیں زندگی گزارو، وہیں تمہیں مرنا ہے اور ایک دِن پھر زندہ کر کے قبروں سے نکال لیے جاؤ گے۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوا کہ جس طرح آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو انہوں نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر کے بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کیا اور اپنی غلطی کی معافی طلب کی، اسی طرح اگر ان کی اولاد میں سے کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ رَبُّ العزّت کی طرف رجوع کرے اور اپنی غلطی تسلیم کر کے باری تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہو، کیونکہ غلطی پر ڈٹ جانا شیطان کا شیوہ ہے جبکہ معافی مانگ لینا آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ
عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''لباس'' اللہ رَبُّ العزّت کی عظیم نعمت ہے!

گزشتہ آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے شیطان کی دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اس نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے ایسا عمل کرایا جس سے ان کا لباس اتر گیا اور وہ پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے، ان آیات میں باری تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ لباس درحقیقت پروردگارِ عالم کی عظیم نعمت ہے، اور یہ خطاب صرف مسلمانوں کو نہیں، بلکہ تمام انسانوں کو ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، لیکن افسوس کہ آج بعض اقوامِ عالم انسانوں کو برہنہ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے دو طرح کے لباس کا ذکر فرمایا، ایک ظاہری لباس اور دوسرا باطنی لباس۔

''ظاہری لباس''

''ظاہری لباس'' وہ ہے جس سے انسان کا بدن اور اس کے قابلِ شرم اعضاء چھپ جائیں، اسی طرح وہ لباس جسے انسان زیب و زینت اور سردی گرمی سے حفاظت کے لیے استعمال کرتا ہے۔

''باطنی لباس''

اور ''باطنی لباس'' سے مراد ''تقویٰ کا لباس'' ہے، یعنی خوفِ خدا اور اعمالِ صالحہ کا لباس، جو انسان کے اخلاقی عیوب اور کمزوریوں کو ڈھانپتا ہے اور انہیں آخرت کی دائمی تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے، جیسے ظاہری لباس دنیوی تکالیف دھوپ، گرمی اور سردی وغیرہ سے انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

شیطان سے خبردار رہو!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر تمام اولادِ آدم کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی کہ ہر کام میں شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی کوشش کرنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کسی فتنہ اور آزمائش میں مبتلا کر دے، جیسا کہ تمہارے ماں باپ حضرت آدم و حوّا علیہما السلام کو اس نے جنّت سے نکلوا دیا تھا، اور ان کا لباس اتروا کر ان کے ستر کھولنے کا سبب بن گیا تھا، وہ تمہارا پرانا دشمن ہے، اس سے ہر وقت ہوشیار رہنا، کیونکہ یہ ایسا دشمن ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی تو تمہیں دیکھتے ہیں، لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، اس لیے تم پر ان کا مکروفریب چل جانے کے امکانات زیادہ ہیں۔ البتہ جو لوگ اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرنے والے ہوں، وہ شیطانی جال سے محفوظ رہتے ہیں۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

مشرکین کی عریانی پر مشتمل جاہلانہ رسم کی تردید

زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ قریش کے سوا کوئی شخص بیت اللہ کا طواف اپنے کپڑوں میں نہیں کر سکتا تھا، بلکہ یہ ضروری تھا کہ یا وہ کسی قریشی سے اس کا لباس عاریت کے طور پر مانگے یا پھر ننگا طواف کرے، اور ظاہر ہے کہ قریش سارے عرب کے لوگوں کو کپڑے نہیں دے سکتے تھے، اس لیے اکثر لوگ ننگے ہی طواف کرتے تھے، مرد بھی عورتیں بھی، اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کیے ہیں، انہی کپڑوں میں بیت اللہ کے گرد طواف کرنا خلافِ ادب ہے، صرف قریش کا قبیلہ حرم کے خادم ہونے کی وجہ سے اس قانون سے مستثنیٰ تھے، ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی بیہودہ رسم کی تردید فرمائی ہے۔

فرمایا کہ جب یہ مشرکین کوئی فحش کام (مثلاً ننگا طواف وغیرہ) کرتے تھے تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہتے

تھے کہ ہمارے باپ دادا یونہی کرتے آئے ہیں، اور اللہ ربّ العزّت پر بہتان باندھتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے کہ ہم ننگے طواف کریں۔اس کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی فحش کام کا حکم نہیں فرماتے، کیونکہ ایسا حکم دینا حکمت اور باری تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے، اللہ ربّ العزّت تو ہمیشہ انصاف اور اعتدال کا حکم فرماتے ہیں، اور ایسے اعمال کا حکم فرماتے ہیں جو افراط وتفریط سے خالی ہوں، جبکہ ننگا طواف کرنے کا حکم کسی طور شان باری تعالیٰ کے لائق نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ ربّ العزّت کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن کی ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

نماز کے وقت زینت اختیار کرو!

اس کے بعد پھر تمام اولاد آدم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو، اور خوب کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو، کیونکہ اللہ ربّ العزّت حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، اس آیت میں مسجد میں حاضری اور نماز کے وقت لباس زیب تن کرنے کا حکم دیا گیا، جس سے مشرکین کی اس باطل رسم کی بھی تردید ہوگئی جس کے تحت وہ ننگے طواف کیا کرتے تھے، اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، نیز چونکہ اس آیت میں لباس کو زینت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لیے اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نماز میں اپنی وسعت کے مطابق اچھا اور صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

انبیاء علیہم السلام کی پیروی کا حکم

چوتھی مرتبہ تمام بنی آدم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے بنی آدم! تمہارے پاس میرے رسول آتے رہیں گے جو تمہیں میرے احکام بیان کریں گے، اگر تم ان کی اتباع کرو گے اور اپنے عقائد و اعمال درست کر لو گے تو آخرت میں تمہارے لیے نہ کوئی پریشانی ہوگی اور نہ تم غمگین ہو گے، لیکن اگر تم نے ان انبیاء ورسل کی تکذیب کی اور ان احکام کو جھوٹا سمجھا تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

کفّار کے لیے ''جنّت'' حرام اور پستی مقدّر

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے منکرین و مجرمین اور مومنین و متقین کے اخروی انجام اور ان کے عذاب و ثواب کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبّر کرتے ہوئے حق قبول کرنے سے انکار کر دیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ اس وقت تک جنّت میں جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے، یعنی جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا محال اور ناممکن ہے اسی طرح ان کافروں کا جنّت میں جانا بھی ناممکن اور محال ہے۔

آسمان کے دروازے نہ کھولے جانے کے مختلف مطلب ہو سکتے ہیں، اس سے مراد یہ بھی ہے کہ ان کی دُعائیں قبول نہیں کی جائیں گی، نیز ان کے اعمال اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ تک نہیں چڑھتے، اسی طرح اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ کافر کا جب موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کی روح کو ایک بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اس میں سے اتنی سخت بدبو پھیلتی ہے، اگر زمین پر منکشف ہو جائے تو ساری دنیا بدبو سے ہلاک ہو جائے، پھر فرشتے اسے لے کر اوپر چلتے ہیں، راستے میں فرشتوں کی جو بھی جماعت ملتی ہے، وہ پریشان ہو کر پوچھتے ہیں، یہ کس خبیث کی روح ہے؟ بالآخر فرشتے اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، مگر آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے، اس کا نامہ اعمال سجّین (جہاں نافرمانوں اور جہنمیوں کے اعمال نامے رکھے جاتے ہیں) میں رکھ دیا جائے، یہ حکم ہوتے ہی روح نہایت حقارت کے ساتھ سجّین میں پھینک دی جاتی ہے، پھر قیامت کے دن وہ جہنّم کا ایندھن بنے گا۔ اعاذنا اللہ! (معارف القرآن)

ان کے مقابلے میں اہل ایمان جنّت میں جائیں گے، اللہ ربّ العزّت جنت میں ان جنتیوں کی دنیا میں قائم باہمی رنجشوں کو بھی ختم کر دیں گے اور جنّتی جنّت میں اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۝ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۝ وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِیْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۟ لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا

يَعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ۝ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ
لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ الَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ
وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ۝

جنتیوں اور جہنمیوں کا باہمی مکالمہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل جنّت اور جہنّم کا مکالمہ بیان فرمایا، جب جنّتی اور جہنمی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے تو اہل جنّت، جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ ہمارے ربّ نے ہم سے جن نعمتوں اور راحتوں کا وعدہ کیا تھا، ہم نے تو ان کو بالکل سچا اور پورا پایا تم بتاؤ کہ تمہیں جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ تمہارے سامنے آ گیا یا نہیں، وہ اقرار کریں گے کہ بے شک ہم نے اس عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر ایک فرشتہ اعلان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہے ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کے راستے سے روکتے تھے اور آخرت کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے گا۔

''اَصحابُ الاعراف''

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوں گے، انہیں جہنّم میں تو نہیں بھیجا جائے گا لیکن ابتدائی طور پر ان کے لیے جنّت کا فیصلہ بھی نہیں ہوگا بلکہ کچھ عرصہ اعراف میں انتظار کرنے کے بعد بالآخر رحمت خداوندی سے یہ لوگ بھی جنّت میں داخل ہو جائیں گے، ایسے لوگ ''اہل اَعراف'' کہلاتے ہیں۔

اعراف دراصل جنّت اور جہنّم کے درمیان ایک آڑ اور اونچی دیوار ہے، جہاں نہ جنّت جیسی راحت ہوگی اور نہ جہنّم جیسا عذاب۔ اہل اعراف اس مقام پر جنّت اور دوزخ دونوں طرف کے حالات کو دیکھ رہے ہوں گے اور دونوں طرف رہنے والوں سے سوال و جواب کریں گے۔ جب یہ لوگ جنتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں سلام کریں گے اور دل میں جنّت کے حصول کی امید رکھیں گے، اور جب جہنمیوں کو دیکھیں گے تو اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کریں گے کہ آپ نے ہمیں جہنّم اور اس کے عذاب سے بچا لیا۔

اس کے بعد ان کی نظر جہنّم میں چند ان لوگوں پر پڑے گی جنہیں یہ دنیا میں جانتے ہوں گے، تو یہ انہیں مخاطب کر کے کہیں گے کہ دنیا میں جس مال و دولت اور جماعت و گروہ پر تمہیں بھروسہ تھا اور جن کی وجہ سے تم تکبّر اور غرور میں مبتلا تھے، وہ سب کہاں گیا، آج کچھ بھی تمہارے کام نہ آسکا۔ کافر اس سے تلملا کر رہ جائیں گے۔

دوزخیوں کی اہلِ جنّت سے کھانے اور پانی کی بھیک

دوزخی جب جہنم کی ہولناک گرمی اور بھوک پیاس سے پریشان ہوجائیں گے، تو جنتیوں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے، کہ ہمیں کچھ کھانے اور پینے کو دو، لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ سوال رائیگاں جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اہلِ جنّت جواب میں کہیں گے کہ اللہ ربّ العزّت نے جنّت کی نعمتیں کافروں پر حرام فرمادی ہیں، جنھوں نے دنیا میں اللہ ربّ العزّت کے احکام کو پس پشت ڈالا، ان کا مذاق اڑایا اور آخرت کو بالکل بھول گئے، سو آج تم بھی بھلا دیے جاؤ گے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

''مشکل کُشا'' ایک اللہ ہی ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان کر کے انسان کو غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ جو ذات اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور اس کا نظام چلانے پر قادر ہے اس کے لیے انسانوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت وہ ذات ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا، پھر عرش پر مستوی ہوگیا (اس کی کیفیت صرف اللہ ربّ العزّت ہی جانتے ہیں)، رات اور دن کا نظام، سورج، چاند اور ستاروں کی گردش سب اسی کے حکم سے قائم ہے، ان سب کی پیدائش اور تخلیق بھی اسی ذات پاک نے کی ہے اور ان کا نظام بھی وہی پاک ذات سنبھالے ہوئے ہے۔ اسی لیے صرف اسی کو پکارو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اس کے پکارنے میں آداب کو بھی ملحوظ خاطر رکھو، اور باری تعالیٰ کو پکارنے کے آداب میں یہ شامل ہے کہ اسے عاجزی وانکساری اور آہستگی سے پکارا جائے۔ کیونکہ آہستہ آواز میں دُعا کرنا ہی پسندیدہ ہے۔

اسی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، یعنی نہ ظاہری طور پر اس میں کوئی فساد اور دہشت گردی پھیلاؤ اور نہ باطنی طور پر اپنے گناہوں اور شرک وغیرہ کے ذریعہ اس میں فساد اور خرابی پھیلاؤ۔ ایک اللہ کو پکارو، اور صرف اسی سے امید رکھو کیونکہ اللہ ربّ العزّت کی رحمت نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ۝

چھ انبیاءؑ کے واقعات

اللہ رَبّ العزّت نے اس سورت میں چھ انبیائے کرام یعنی سیّدنا نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے اختصار کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

انبیاءؑ کے قصص بیان کرنے کی حکمت

ان قصوں میں مختلف حکمتیں اور عبرتیں پوشیدہ ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔حق و باطل کی لڑائی میں حق کا غالب آنا اور باطل کا مغلوب ہونا۔

۲۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کی ایذاؤں پر تسلی۔

۳۔متکبروں کا عبرتناک انجام اور نیکوکاروں کا اچھا انجام۔

۴۔ظالموں کو تنبیہ کہ بالآخر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل کر رہتی ہے۔

۵۔انسانوں کے لیے عبرت و نصیحت کا سامان۔

۶۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچائی کی دلیل پیش کرنا کہ اُمّی ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے گمشدہ اوراق حقائق کے مطابق پیش فرماتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

سب سے پہلا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے۔ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا، حضرت نوح علیہ السلام کا نام بعض مفسرین نے عبدالغفار بتایا ہے، بعض نے عبدالجبار۔ آپ دنیا میں پہلے رسول تھے اور دوسرے ہزار کے پہلے نبی تھے، آپ حضرت ادریس علیہ السلام کے پڑپوتے تھے، علامہ بیضاویؒ کے مطابق آپ کی کل عمر ساڑھے چودہ سو سال تھی، طوفان نوح کے بعد بھی اڑھائی سو سال زندہ رہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سارے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اس لیے آپ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں، جو شرک توڑنے کے لیے آئے، اللہ نے ان کو لمبی عمر دی تھی، ساڑھے نو سو سال انہوں نے تبلیغ کی۔ یہ اتنا روتے تھے کہ ان کا نام ہی نوح (رونے والا) پڑ گیا، آپ پہلے اولوالعزم پیغمبر اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقل و خرد، حلم و بردباری جیسی صفات سے نواز رکھا تھا، مشکلات میں نہایت صابر تھے، دوراندیش اور سمجھدار شخصیت کے

مالک تھے۔ آپ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے پوری قوم خدا کی توحید اور صحیح مذہبی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی، حقیقی خدا کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی، غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار بن چکا تھا۔

آغازِ ”شرک“

ان کی قوم میں شرک یوں شروع ہوا کہ ان کی قوم کے پانچ بزرگ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جب فوت ہوئے، تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ یہ اللہ والے تھے، تم ان کی صورتیں اور مورتیاں بنا لو تا کہ انہیں دیکھ کر تمہیں ان کی باتیں یاد رہیں، چنانچہ ان کے مجسمے بنائے گئے اور یہ لوگ ان کے پاس جمع ہو جاتے اور انہیں دیکھ کر ان کی باتیں یاد کر لیتے، ایک نسل گزر گئی، کسی نے شرک نہ کیا، اگلی نسل آئی تو شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تمہارے آباؤ اجداد انہی کو پوجا کرتے تھے، تو انہوں نے ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی، اور یوں بنی نوع آدم میں شرک اور بت پرستی کا آغاز ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو تبلیغ

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بت پرستی میں مبتلا دیکھا تو انہیں توحید کی طرف بلایا، حق کا پیغام پہنچایا، انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا، لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، اور پیٹھ پھیر لی، اس کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام انہیں سمجھاتے رہے، ان کے رویے کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے، اسلوب بدل بدل کر وعظ و نصیحت کرتے رہے، عرصہ دراز تک ہر طرح سے جتن کیے، دن کو دعوت، رات کو دعوت، خفیہ دعوت، اعلانیہ دعوت، عمومی طور پر، خصوصی طور پر، غرض دعوت کے سارے طریقے اختیار فرمائے، اور مسلسل ساڑھے نو سو سال ان کو تبلیغ کرتے رہے، لیکن چند ہی خوش قسمت ایمان لائے، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی، باقیوں نے آپ کو گمراہ قرار دے کر آپ کا مذاق اڑایا، آپ کی رسالت کا انکار کیا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور سینوں پر تالے پڑ چکے ہیں، تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اور بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے، جس پر اللہ تعالیٰ نے پانی کا عذاب مسلط کر کے انہیں ہلاک کر دیا، اور اپنے نبی سمیت متبعین حق کو کشتی کے ذریعے بچا لیا۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي
رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن
رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ
بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ
فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي

فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۷۱

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۷۲

قومِ عاد کا قصہ

ان آیات میں حضرت ہودؑ کی قوم کا ذکر کیا، جن کا نام قوم عاد تھا، یہ حضرت نوحؑ کے پوتے ارم کی اولاد تھے، اس قوم کے نسب میں یہ اتفاقی بات ہے کہ یہ حضرت نوح کے بیٹے سام کی نسل سے تھے، عاد ان کے قبیلہ کے دادا کا نام تھا، پھر قبیلہ کا نام رکھ دیا گیا، ان کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ بعض نے دوسری طرح بھی نسب بیان کیا ہے۔ تفسیر صاوی کے مطابق حضرت نوح اور حضرت ہود کے درمیان آٹھ سو سال کا فاصلہ تھا۔

قوم عاد کا ٹھکانہ یمن وعمان کے درمیان واقع علاقہ ''احقاف'' تھا، اللہ کریم نے انہیں بے بہا نعمتوں اور بے شمار احسانات سے نواز رکھا تھا، انہیں میٹھے اور شیریں پانی کے چشمے عطا کیے تھے، جن سے یہ لوگ اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے اور طرح طرح کے باغ لگاتے۔ بلند و بالا محلات کے مالک تھے، جن کی مضبوطی اور تزئین دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ بڑے کڑیل اور صحت مند تھے۔ طاقتور اتنے کہ ہاتھ سے پکڑ کر درخت نکال پھینکتے۔ الغرض! انہیں وہ نعمتیں میسّر تھیں، جو روئے زمین پر شاید ہی کسی قوم نے دیکھی ہوں، لیکن انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ انہیں یہ سب نعمتیں کس ذات نے عطا فرمائی ہیں، ان کی فکر اس قدر بانجھ ہو گئی تھی کہ انہوں نے بت بنا کر ان کے سامنے پیشانیاں رگڑنا شروع کر دی تھیں، زمین پر فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔

اللہ کریم نے ایسے میں ان طاقتوروں کی ہدایت اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ایک ذی شان رسول بھیجا، اور حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث کیا۔

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام حسب ونسب میں اعلیٰ وارفع، عادات وخصائل میں پوری قوم سے بلند تر، حلم وبردباری میں سب سے آگے، وسعت نظری اور کشادہ دلی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام نے علم حق بلند کیا، قوم کو سمجھاتے اور تبلیغ کرتے رہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف اسی کی عبادت کرو، اسی نے تمہیں زمین میں اقتدار بخشا ہے، اسی پر ایمان لاؤ اور حق سے اعراض نہ کرو، غرور وتکبر چھوڑ دو، زمین میں فتنہ وفساد مت پھیلاؤ، ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو قوم نوح کا ہوا مگر قوم دھمکیوں پر اتر آئی، سرکشی اور ہٹ دھرمی کرنے لگی، مذاق اڑایا اور حضرت ہود علیہ السلام کو بے وقوف کہنے لگے۔

عذابِ خداوندی

جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ ربّ العزّت نے ان پر تین سال تک بارش روک دی، جس سے یہ

قحط و مصیبت میں مبتلاء ہو گئے، چنانچہ انہوں نے اس مصیبت سے نکلنے کے لیے ستر افراد پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا، جو مکہ مکرمہ جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا مانگے، اس وفد میں ایک ایسا شخص بھی تھا، جو حضرت ہود علیہ السلام پر حقیقتاً ایمان رکھتا تھا۔ یہ وفد مکہ مکرمہ پہنچا۔

قوم کی بجائے رُجوعِ خداوندی کے عیش پرستی

ان دنوں قوم عمالقہ کا ایک شخص بکر بن معاویہ مکہ مکرمہ کا سردار تھا، قوم عاد اس کا ننھیال تھا، یہ مکہ سے باہر اس کے مہمان بن گئے، ایک ماہ تک شراب پیتے رہے، اور دو گانے والی لڑکیوں سے گانے سنتے رہے، میزبان بھی ان سے تنگ آ گیا، پیچھے قوم ہلاک ہو رہی تھی، بھوک سے بچے بلک رہے تھے، اور یہ عیاشیوں میں مصروف تھے، میزبان انہیں کہتے ہوئے شرماتا تھا، اس نے شعر بنا کر گانے والیوں کو سکھائے، یہ ان کے سامنے پڑھو اور انہیں شرم دلاؤ، شعر سن کر انہیں احساس ہوا، تب مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا، جب مکہ مکرمہ پہنچے تو اس مومن شخص نے انہیں تبلیغ کی کہ تمہارے معبود (جو تین بت تھے: ۱- صدا، ۲- صمود، ۳- ھباء) کام نہ آئے، حضرت ہود پر ایمان لے آؤ تب رحمت آئے گی، لیکن وہ سب اس کے مخالف ہو گئے، پھر انہوں نے حرم میں جا کر دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے بادل بھیجے، سفید، سرخ اور سیاہ، اور آسمان سے آواز آئی کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے: کالے بادل میں زیادہ بارش اور پانی ہوگا، اس لیے اسی کا انتخاب کر لیا، آسمان سے آواز آئی کہ تم نے راکھ چن لی، اب تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا، چنانچہ قوم پر سیاہ بادل آئے جسے دیکھ کر یہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب بارش برسے گی، لیکن درحقیقت وہ عذاب تھا، چنانچہ تیز و تند ہوا چلی، بعض روایات میں ہے کہ ہوا کے فرشتے نے انگوٹھی کے برابر ہوا کا سوراخ کھول دیا، جب ہوا قریب آنے لگی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ اور جانور ہوا میں اڑ رہے ہیں، تو یہ بھاگ کر گھروں میں گھسے، لیکن ہوا کے زور سے دروازے بھی ٹوٹ گئے، اور بالآخر یہ سب ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ریت کے ٹیلے ہوا کے ذریعے ان پر منتقل کر دیے، بعض روایات میں ہے، ریت کے نیچے سے ان کے رونے کی آواز آتی تھی، سات دن بعد ہوا کا رخ بدلا اور ریت ہٹ گئی، انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا، حضرت ہود اور آپ کے متبعین ایک حویلی میں تھے، انہیں یہ ہوا خوش گوار بن کر لگتی۔ (تلخیص تفسیر خازن)

جو شرکاء وفد کے ساتھ مکہ مکرمہ دُعا کے لیے آئے تھے وہ سب بھی ہلاک ہو گئے، سوائے اس ایک مؤمن کے جس نے قوم کو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے کی تبلیغ کی تھی، اسے اللہ ربّ العزّت نے عذاب اور ہلاکت سے محفوظ رکھا۔ یوں آٹھ دن اور سات راتوں تک آندھی نے ان کی آبادی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا، تنومند اور قوی ہیکل انسان جو اپنی جسمانی قوتوں کے گھمنڈ میں سرکش تھے، ایسے بے حس و حرکت پڑے تھے، جیسے آندھی سے تناور درخت بے جان ہو کر گر جاتا ہے۔ جبکہ حضرت ہود اور ان کے مخلص پیروکار خدا کی رحمت و نعمت میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ حال ہی میں آثار قدیمہ والوں نے کھدائی کے دوران ان کے دراز قد مجسمے برآمد کیے، جو قرآنِ کریم کی تائید بھی ہے اور نشانِ عبرت بھی۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝

قومِ ثمود کا واقعہ

تیسرا قصہ قوم ثمود کا ذکر کیا، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام یعنی قوم عاد اور قوم ثمود میں ایک صدی کا فاصلہ تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی عمر مبارک دوسواسی سال تھی۔ قوم ثمود کا نسب ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ یہ حجر کی بستیوں میں رہتے تھے، یہ خطہ سعودیہ میں خیبر سے آگے ہے، جو شام اور حجاز کے درمیان ہے۔ حضور علیہ السلام کا تبوک جاتے ہوئے حجر کی بستوں سے گزر ہوا، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: یہاں سے روتے ہوئے گزرو، ان بستیوں میں روتے ہوئے داخل ہو، کہیں تمہیں بھی عذاب نہ آلے، کچھ صحابہ نے پینے کے لیے یہاں سے پانی لے لیا تھا، آپ نے فرمایا: یہ پانی انڈیل دو، کچھ صحابہ نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا، آپ نے فرمایا: یہ آٹا بکریوں کو کھلا دو، مقصد یہ تھا کہ یہ عذاب یافتہ مقام ہے، جہاں عذاب کے اثرات ہیں، ان سے پرہیز کیا جائے۔

قومِ ثمود نے اس سرزمین کو خوب آباد کیا، نہریں نکالیں، باغات لگائے، محلات تعمیر کیے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹیکنالوجی سے نوازا تھا، پہاڑ کھود کر گھر اور کوٹھیاں بناتے تھے، عیش و آرام کے سب اسباب میسر تھے، ناز و نعم کے سب ذرائع مہیا تھے، لیکن انہوں نے کبھی تشکر و امتنان کی راہ اختیار نہ کی، اللہ کے فضل و احسان پر شکر گزاری کے بجائے زمین میں فتنہ و فساد کو ہوا دی، حق و صواب سے اعراض کیا، معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش شروع کر دی، اور انہیں خدا کا شریک بنا ڈالا، اور اس زعم باطل میں گرفتار ہو گئے کہ دنیا کی یہ نعمتیں ابدی ہیں، اور وہ ہمیشہ عیش و عشرت کرتے رہیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا، جو ان سب میں افضل تھے، حلم میں اوسع و ارفع، عقل و دانش میں سب سے آگے اور فائق تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں توحید باری تعالیٰ کی تلقین

کی، عبادت خداوندی کی دعوت دی، لیکن بہرے کان کیا سنیں؟ غافل دل کیا سمجھیں؟ اندھی آنکھیں کیا دیکھیں؟ ان بدنصیبوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا، اور ان کی نصیحت کو استہزاء میں اڑا دیا۔ اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے: ہم تو آپ کو عقلمند اور سمجھدار سمجھتے تھے، لیکن آپ تو بے تکی باتیں کر رہے ہیں، ہمیں اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں اور آج تک ہم خود ان کی عبادت کر رہے ہیں، ہم ہرگز ان کی پرستش نہیں چھوڑ سکتے۔

فرمائشی معجزہ

حضرت صالح علیہ السلام نے حق کی مخالفت کے برے انجام سے انہیں ڈرایا، اور مسلسل انہیں تبلیغ کرتے رہے، لیکن سوائے قوم کے چند غریب لوگوں کے جو آپ پر ایمان لے آئے، باقی سب لوگ تکبر میں مبتلا ہو گئے، محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہے، اور الٹا الزام تراشیوں پر اتر آئے، چند سرکشوں نے قوم کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام کو بے بس کرنے کی نیت سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ پر تب ایمان لائیں گے جب اس پتھر اور چٹان سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکلے، اور وہ آپ کے نبی ہونے کی گواہی دے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، پھر ہم ایمان لائیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا کی جس سے چٹان پھٹی، اونٹنی نکلی اور اس اونٹنی کے بارے میں اللہ نے فرمایا ''ناقۃ اللہ'' یعنی یہ میری نشانیوں میں سے ایک ہے، جسے اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے، اللہ کی اونٹنی نکلی اور اس نے گواہی بھی دے دی کہ حضرت صالح علیہ السلام اللہ رَبّ العزّت کے رسول ہیں، لیکن قوم پھر بھی نہ مانی، حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: یہ اونٹنی اللہ کی نشانی ہے، اسے تنگ نہ کرنا، یہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے، ایک دن کنویں سے پانی پینے کی باری اس کی ہوگی، اور دوسرے دن تمہاری ہوگی۔ یاد رکھو! اونٹنی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی یا اسے قتل کرنے کے درپے ہوئے، تو سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

''ناقۃ اللہ'' کی توہین اور انجام

قوم نے اونٹنی کو اپنے لیے خطرہ سمجھا، ایک مالدار عورت عنیزہ نے ''قدار بن سالف'' کو اپنی جوان خوبرو بیٹی نکاح میں دینے کا اس شرط پر وعدہ کیا کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر دیں۔ قدار نے اپنے ساتھ چند بدمعاشوں کو لیا اور اس اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب خبر ہوئی، تو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ اونٹنی کو تکلیف نہ دینا، لیکن تم نے اتنی بڑی جسارت کی، اب تین دن تک گھروں میں زندگی کے لطف اٹھا لو، تین دن کے بعد عذاب آ جائے گا، تمہیں اپنے کیے کا انجام بد بھگتنا ہوگا، یہ اللہ کا وعدہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔ قوم نے اسے مذاق سمجھا، بالآخر اللہ کا عذاب آ گیا، رات کے وقت ''ایک ہیبت ناک آواز'' نے ہر اس شخص کو اسی حالت میں ہلاک

کر دیا، جس حالت میں وہ تھا۔ قرآنِ کریم نے اس ہلاکت آفریں آواز کی مختلف اوصاف کے اعتبار سے مختلف تعبیرات ارشاد فرمائیں، چنانچہ کسی مقام پر "صاعقۃ" (کڑک دار بجلی) فرمایا، کہیں "رجفۃ" (زلزلہ ڈال دینے والی شئے) کہا، بعض جگہ "طاغیہ" (دہشت ناک) کا لفظ استعمال کیا اور کہیں "صیحۃ" (چیخ) کے لفظ سے تذکرہ کیا۔ ان سب تعبیرات اور الفاظ سے مقصد عذابِ الٰہی کی ہولناکی سمجھانا ہے۔

ایک طرف قومِ ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے سچے متبعین کو اپنی حفاظت میں لے کر عذاب سے محفوظ رکھا۔ اس لیے ہمیشہ اللہ سے ڈرو، ٹیکنالوجی پر ناز نہ کرو، بلکہ اللہ ربّ العزّت کے آگے جھک جاؤ۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۝

قومِ لُوط کا عبرتناک انجام

سیّدنا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے شام آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سدوم کی بستیوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا، یہاں کے لوگ نہایت ہی برے اور غلیظ اعمال میں مبتلا تھے، فسق و فجور کے گرویدہ اور برے چال چلن کے مالک تھے، ڈاکہ زنی اور چوری ان کا معمول تھا، راہ گیروں کی تاک میں رہتے، اگر کوئی مسافر ہاتھ لگ جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا چھین لیتے، ان کے دل جرم کے خوگر تھے، انہوں نے ایسی قباحتوں کا ارتکاب شروع کر دیا تھا، جن کا ان سے پہلے کسی نے سوچا تک نہیں تھا، ہم جنس پرستی کے عادی تھے، عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوانی جذبات کی تسکین کرتے تھے، اور اس برائی میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ اس برائی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، ہر سو یہی بدمعاشی، ہر طرف یہی گناہ تھا، شیطان نے شہوات کو ان کے دلوں میں اس قدر محبوب اور پسندیدہ بنا دیا تھا کہ زندگی کی ساری تگ و دو کا محور شہوت رانی اور ہوس پرستی ہو کر رہ گئی تھی۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف بھیجا کہ وہ اس قوم کو عبادت خداوندی کی طرف دعوت دیں، اور انہیں ان جرائم کے ارتکاب سے روکیں، حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق انہیں ان کی بے حیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی، اور شرافت و پاکیزگی کی زندگی کی رغبت دلائی، حسنِ خطابت، لطافت اور نرمی کے ساتھ جو ممکن طریقے سمجھانے کے ہو سکتے تھے، ان کو سمجھایا، موعظت و نصیحت کی اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج و ثمرات بتا کر عبرت دلائی، مگر ان بدبختوں پر کوئی اثر نہ پڑا، الٹا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ "ان کو اپنے شہر سے نکال دو،

یہ بہت ہی پاک لوگ ہیں"، یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے خاندان پر طنز کرتے اور ان کا استہزاء کرتے ہوئے کہتے تھے "بڑے پاکباز ہیں، ان کا ہماری بستی میں کیا کام؟" غرض! گناہ سے باز نہ آئے، بلکہ گناہ اور برائی کی اس پر فریب دنیا میں بہت آگے بڑھ گئے، انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو چیلنج کیا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں۔

حضرت لُوط علیہ السلام کی بے بسی اور دُعا

حضرت لوط علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دست سوال دراز کیا کہ خدایا! ان نافرمانوں کے مقابلے میں میری مدد فرما اور ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب الیم نازل کر، بغاوت اور فسق و فجور کی انہیں دردناک سزا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا سُن لی اور اس التجا کو قبول فرمالیا۔ ظالموں کی اس بستی میں اپنے فرشتوں کو بھیجا تا کہ وہ ان بدبختوں کو عذاب میں مبتلا کریں، اور انہیں اپنے کیے کی سزا دیں، یہ فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں مسافر سمجھا، اس لیے وہ ان کی خاطر مدارات میں لگ گئے، لیکن انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا اور کھانے سے انکار کردیا۔ ابراہیم علیہ السلام پریشان ہوگئے کہ کہیں کوئی دشمن تو نہیں، لیکن فرشتوں نے آپ کو تسلی دی، اور کہا: پریشان نہ ہوں۔ وہ فرشتے آپ کے ساتھ کچھ وقت اور ٹھہرے اور ایک سعادت مند بچے کی انہیں بشارت دی۔

فرشتوں کی آمد اور قوم کی ہوس پرستی کی اِنتہا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہوکر یہ فرشتے سدوم پہنچے، اور حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے، یہ اپنی شکل وصورت میں حسین وخوبصورت اور عمر میں نوجوان لڑکوں کی شکل وصورت میں تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے کہ اگر میری قوم کو ان مہمانوں کے بارے میں پتہ چل گیا کہ یہ بہت خوبصورت ہیں، تو وہ دوڑے چلے آئیں گے اور میں نہ تو خود انہیں روکنے کی سکت رکھتا ہوں اور نہ ہی میری برادری یہاں ہے جو انہیں اس زیادتی سے باز رکھ سکے۔

ابھی اسی کشمکش میں تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو کہ کافرہ اور اپنی قوم کی ہمنوا تھی، نے قوم کو اطلاع کردی، خبر کیا مشہور ہوئی، سب لوگ فوراً آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے، اور مطالبہ کرنے لگے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کردیجیے، آپ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور فرمایا: کیا تم میں کوئی بھی سلیم الفطرت انسان نہیں ہے کہ وہ انسانیت اور حق کو سمجھے، نیز فرمایا کہ اگر تم نے اپنی شہوت پوری کرنی ہی ہے تو ان عورتوں سے خلوت کرلو جنہیں اللہ ربّ العزّت نے تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے، اپنی اس بری عادت سے باز آجاؤ ورنہ سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، لیکن بے وقوف اور فاجر و بدمعاش لوگوں پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوتا، انہوں نے آپ کی ایک نہ سنی، اور

آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ اے لوط (علیہ السلام)! آپ جانتے ہیں کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار اور رغبت نہیں ہے، ہم جو چاہتے ہیں تو اس سے خوب واقف ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام سخت مضطرب اور پریشان تھے، فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے حزن وملال کو دیکھا تو انہیں تسلی دی، اور انہیں بتایا کہ آپ ہماری ظاہری صورتوں کو دیکھ کر گھبرائیے نہیں، ہم عذاب کے فرشتے ہیں، اور خدا کا قانون ان کے حق میں اٹل ہے، اب عذاب ان کے سروں سے ٹلنے والا نہیں، آپ اور آپ کا خاندان عذاب سے محفوظ رہے گا، مگر آپ کی بیوی کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اسے وہی سزا بھگتنا پڑے گی، جو پوری قوم کا مقدر بن چکی ہے، کیونکہ وہ ان کی ہم خیال ہے۔ لہٰذا آپ اپنے متبعین کو لے کر رات کو ہی یہاں سے نکل جائیے، اور پیچھے مڑ کر ہرگز نہ دیکھیے گا، صبح ہوتے ہی ان پر عذاب آجائے گا۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے اہل وعیال اور متبعین کو لے کر گھر سے نکلے اور سدوم کو چھوڑ کر چل دیے، آپ علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی رفاقت سے انکار کر دیا اور انہی بستی والوں میں رہنے کو ترجیح دی، جب بستی بہت پیچھے رہ گئی اور رات بھی ڈھل گئی اور صبح صادق کا وقت قریب آیا تو عذاب خداوندی کا نزول شروع ہو گیا۔

۱۔ سب سے پہلے ایک ہیبت ناک چیخ نے اہل سدوم کو تہ وبالا کر دیا۔

۲۔ پھر آبادی کو آسمان تک لے جا کر الٹ دیا گیا۔

۳۔ اوپر سے پتھروں کی بارش نے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ آبادی ویرانے میں بدل گئی، زمین سطح سمندر سے بہت نیچے چلی گئی، ان کے کفران کی سرکشی اور بے حیائی کے باعث نیست ونابود ہو گئے۔ یقیناً ایسی بدکار قوم اور بدمعاشی کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس قوم پر پانچ قسم کے عذاب آئے:

۱۔ اندھے ہو گئے۔

۲۔ زلزلہ آیا۔

۳۔ فرشتہ ان کی بستیوں کو آسمان تک لے گیا اور زمین پر دے مارا۔

۴۔ پتھروں کی بارش ہوئی۔

۵۔ زمین سطح سمندر سے بہت نیچے چلی گئی۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

حضرت شعیب علیہ السلام کا قصہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مدین میں ہوئی تھی، مدین دراصل اس قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے ''مدین'' کی نسل سے تھا، ''مدین'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ قطورا کے بطن سے پیدا ہوا، اس لیے انہیں بنی قطورا بھی کہا جاتا ہے۔ مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسماعیل کے پہلو ہی میں حجاز میں آباد ہو گیا تھا، یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ اور جس جگہ یہ قبیلہ آباد تھا اسے بھی مدین کہا جانے لگا، حضرت شعیب علیہ السلام بھی چونکہ اسی نسل اور قبیلہ سے تھے، اس لیے آپ کی بعثت کے بعد یہ ''قوم شعیب'' کہلائی۔ راجح قول کے مطابق مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے، جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافیائی حیثیت سے ''اصحاب ایکہ'' (جنگل والے) کے لقب سے مشہور ہوا۔

اہلِ مدین کے بھیانک جرائم

بہرحال! اہل مدین کا تعلق ایک عرب قوم سے تھا، یہ لوگ ارض معان میں سکونت پذیر تھے، یہ علاقہ اطراف شام میں واقع ہے، یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کے منکر تھے، شرک وبت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے۔ پیشے کے لحاظ سے تاجر تھے، اخلاقی لحاظ سے اس قدر گر چکے تھے کہ لوگوں کو ردی چیزیں بیچتے، جب لوگوں سے چیزیں خریدتے تو ڈنڈی مارتے اور چیزیں زیادہ ہتھیا لیتے، اور جب لوگوں کو دینے کی باری آتی تو ناپ تول میں کمی کر دیتے، کم ناپنا اور کم تولنا، کرپشن، بددیانتی اور خیانت کی عادت پڑ چکی تھی، سرمایہ دار خیانت کرتے، غریب چوریاں، ڈکیتیاں کرتے تھے۔ اپنی ان بداعمالیوں میں اس قدر بدمست اور سرشار تھے کہ اپنی بداعمالیوں کو معصیت وگناہ سمجھنے اور ان کا احساس وفکر کرنے کے بجائے، اپنی ان برائیوں اور اعمال بد کو باعث فخر سمجھتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی ہدایت کے لیے خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا،

آپ نے لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں سمجھایا کہ وہ کاروبار میں عدل وانصاف سے کام لیں، انہیں خبردار کیا کہ ظلم اور خیانت کا انجام بہت برا ہے، نیز انہیں یہ بھی سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس قدر نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، تم خالی ہاتھ تھے، اس نے تمہاری جھولیاں بھر دیں، تم فقیر تھے، مالک الملک نے تمہیں غنی کر دیا، لہٰذا صرف اسی اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، ناپ تول میں کمی کر کے خیانت نہ کرو، معاملات میں کھوٹ اور کرپشن سے بچو، حق کو قبول کرو اور باطل سے باز آجاؤ، خدا کی زمین میں فتنہ وفساد نہ مچاؤ، اگر تم میں ایمان ویقین کی صداقت موجود ہے، تو سمجھ لو کہ یہی فلاح وکامیابی کی راہ ہے۔ یاد رکھو! اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی پیروی نہ کی، تو تمہیں اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قوم نے آپ کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی، مذاق اڑانے لگے، حتّٰی کہ ان بدبختوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے ان خداؤں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤاجداد عبادت کیا کرتے تھے، اور کسی ان دیکھے خدا کی عبادت شروع کریں؟ کیا ہم تمہارے کہنے پر خرید وفروخت کے ان طریقوں کو چھوڑ دیں، جن کی وجہ سے ہماری دولت میں فراوانی ہوئی ہے؟ اے شعیب! تم تو بہت عقل مند تھے، تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو، ذرا وسعت نظری سے کام لو، ہم تو تمہیں اتنا تنگ نظر نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کے رویہ کو دیکھ کر پھر انہیں نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی اور پیار ومحبت کے لہجے میں انہیں بتایا کہ میں کوئی غیر نہیں، میرے اور تمہارے درمیان کئی مضبوط رشتے ہیں، پھر اس راہنمائی پر میں کوئی صلہ اور بدلہ بھی تو نہیں مانگ رہا، میرا مقصد فقط اصلاح اور صراطِ مستقیم کی نشان دہی اور عذابِ الٰہی سے بچانا ہے۔

قوم کی ہٹ دھرمی اور تباہی

آپ علیہ السلام انہیں دن رات سمجھاتے رہے، ہر ممکن کوشش کی کہ قوم راہ راست پر آجائے لیکن بدقسمت قوم نے ہمیشہ مذاق اڑایا، حق سے روگرداں رہے، اور دُنیا کمانے میں محور ہے۔ جب ان کی نافرمانی اور سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ ربّ العزّت نے ان پر تین قسم کے عذابات نازل فرمائے۔

۱-رجفہ (زلزلہ)۔ ۲-صیحہ (چیخ)۔ ۳-ظلہ (آگ کی بارش)۔

جب وہ اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے، تو اچانک ہولناک زلزلہ آیا، ابھی اس کی ہولناکی ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے زبردست چیخ کی آواز آئی اور شعلوں اور شراروں کی بارش برسنے لگی، یہ لوگ مارے خوف کے بھاگنے لگے، لیکن جاتے تو کہاں جاتے، اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب جاری رہا، یہاں تک کہ ان سب کا خاتمہ ہو گیا اور سب نیست ونابود ہو گئے۔ صبح دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کل کے سرکش اور مغرور آج گھٹنوں کے بل اوندھے جھلسے ہوئے پڑے ہیں۔

پارہ نمبر ۹

یہ پارہ سورۃ الاعراف کے بقیہ حصے اور سورۃ الانفال کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ
لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا
اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ
تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن
قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾
الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ
وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٣﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کی قسم کا رویہ اور انجام

ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے کا بقیہ حصہ ذکر کیا گیا ہے جس کو تفصیل سے گزشتہ سطور میں درج کیا جاچکا ہے، ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی بداعتقادی اور معاشرتی برائیوں کو چھوڑنے کی نصیحت فرمائی اور انہیں اللہ ربّ العزّت اور شریعت کا پیغام سنایا تو بجائے اپنی اصلاح کرنے کے وہ آپ علیہ السلام کی دشمن ہوگئی اور دھمکیاں دیتے ہوئے کہنے لگے کہ اے شعیب! اگر آپ اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم آپ اور آپ کے متبعین کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا یہ کہ تم ہمارے باپ دادا کے دین کو قبول کرلو۔ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی اس دھمکی کو کسی خاطر میں نہ لائے اور ان کے دین میں شمولیت سے صاف انکار فرمادیا، اور اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! آپ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرمادیجیے، بلاشبہ آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے حضرت شعیب علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور زلزلہ کے ذریعہ اس پوری قوم کو ہلاک کردیا۔ بعض آیات میں دیگر عذابات کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا جاچکا، اس لیے تطبیق یہ ہے کہ ان پر مذکورہ بالا تمام عذابات آئے تھے۔

درسِ عبرت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے بطورِ عبرت درس حاصل کرنے کے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی انہیں اللہ ربّ العزّت نے ایسے نیست و نابود کردیا کہ ان کا نام ونشان تک مٹ گیا، جن مکانات میں وہ آرام وعیش کی زندگی گزارتے تھے وہ عذاب کے بعد ایسے ہوگئے کہ گویا کبھی ان میں کوئی رہا ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

انبیاء کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔لہٰذا اس اُمّت کو بھی چاہیے کہ ان قصوں سے عبرت حاصل کریں اور اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو مضبوطی سے تھام لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ گزشتہ قوموں کی طرح انہیں بھی ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝

عذابِ خداوندی سے متعلق خدائی ضابطہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں ہمارا ایک قانون اور ضابطہ رہا ہے کہ ہم ان کی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے رہے، پھر جن لوگوں نے ان انبیاء علیہم السلام کی اطاعت نہیں کی، ان کو دنیا کی مصائب و تکالیف مثلاً قحط سالی، معاشی تنگی اور بدحالی وغیرہ میں مبتلا کر دیا، اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کریں، کیونکہ انسان کو فطری طور پر مصیبت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے۔لیکن اگر وہ مصیبت اور تکالیف کے وقت بھی اللہ ربّ العزّت کو یاد نہ کریں تو ہم انہیں مال و دولت اور صحت و سلامتی جیسی نعمتیں دے کر آزماتے ہیں، تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ آیا وہ ان نعمتوں پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان نعمتوں پر بھی باری تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نعمتیں اور تکالیف تو زمانے کا چلن اور دستور ہے، کبھی راحت اور کبھی تکلیف تو آتی رہتی ہے، جب ان دونوں امتحانوں میں وہ ناکام ہو جاتے ہیں تو اللہ ربّ العزّت انہیں پکڑ لیتے ہیں اور ان پر اپنا عذاب نازل فرما دیتے ہیں۔

برکتیں کیسے حاصل کی جا سکتی ہیں؟

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے برکتوں اور راحتوں کے حصول کا نسخہ بیان فرمایا کہ اگر دنیا والے برکتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں دو کام کرنے چاہئیں: ۱۔ایمان لے آئیں۔ ۲۔تقویٰ اختیار کریں۔ جو لوگ یہ دو کام کر لیں ان کے لیے ہم آسمان سے بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں اور زمین سے بھی برکتیں عطا فرماتے ہیں۔لیکن افسوس کہ عام طور پر لوگ یہ دو کام کرنے کے بجائے ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، اس لیے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ حَقِیْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ

یہاں سے اللہ رَبّ العزّت نے خیر وشر کے معرکہ کا معروف قصہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اب تک اس سورۂ اعراف میں (حضرت آدمؑ کی تخلیق کے واقعہ کے علاوہ) پانچ انبیاء علیہم السلام کے حالات وقصص بیان ہوئے،، یہ چھٹے نبی ہیں جن کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ جس نبی کا تذکرہ اور قصہ اور احوال مذکور ہیں، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو تفصیل سے بیان کرنے کی وجوہات

اس واقعے کو تفصیلی طور پر ذکر کرنے کی دووجوہ ہیں:

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے حالات اور امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ایک جیسے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے حالات اور بنی اسرائیل کے حالات ایک جیسے ہیں، جس طرح دو جوتوں میں ایک جوتا دوسرے کے سائز کا ہوتا ہے، ان دونوں امتوں کے احوال بھی بالکل ایک جیسے ہیں۔ تو چونکہ دونوں کے احوال یکساں ہیں، اس لیے اس اُمت کی راہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کثرت کے ساتھ کیا گیا کہ تم عبرت حاصل کرو، تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو، ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا اور تمہیں بھی اسی طرح ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جس طرح بنی اسرائیل کو کرنا پڑا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نام لیوا مدینہ منورہ میں کثرت سے موجود تھے، جنہیں ہم یہودی کہتے ہیں، اس لیے بنی اسرائیل کا کثرت سے تذکرہ کرکے انہیں دعوت ایمان دی گئی۔

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آٹھ احوال پر مشتمل ہے۔

پہلا حال

فرعون سے مقابلہ

سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون کی طرف ان کو نبی بنا کر بھیجے جانے کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے کہ ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کی طرف حضرت موسیٰؑ کو نبی بنا کر بھیجا، فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب ہے، مصر کا ہر بادشاہ فرعون کہلاتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا وہ بہت طاقتور اور ظالم تھا، اپنے آپ کو "رَبِّ اعلیٰ" کہلواتا تھا، اور بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم ڈھایا کرتا تھا، اللہ رَبّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پاس نبی بنا کر بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے، اسے اللہ ربّ العزّت کا پیغام سنایا، اور اسے کہا کہ میں پروردگارِ عالم کی جانب سے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھے اللہ ربّ العزّت نے معجزات عطا فرمائے ہیں، اس لیے تم حق کو قبول کرو اور بنی اسرائیل پر ظلم سے باز آ ؤ اور انہیں میرے ساتھ بھیج دو، تاکہ میں ان کو لے کر اپنے آبائی وطن شام چلا جاؤں اور ہم حضرت ابراہیم اور اسحاق ویعقوب اور یوسف علیہم السلام کے وطن میں جا کر زندگی گزاریں۔

بنی اسرائیل کا اصل مسکن

بنی اسرائیل اصل میں شام کے تھے، کیونکہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے، جو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں، اور ان کا وطن شام ہے، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دور میں بھائیوں کی وجہ سے مصر پہنچے جس کا تفصیلی ذکر سورۂ یوسف میں آئے گا، پھر انہوں نے اپنے والدین، بھائیوں اور پوری قوم کو مصر بلالیا، یوں بنی اسرائیل مصر پہنچے، جہاں وقت گزرنے کے ساتھ انہیں غلام بنالیا گیا اور وہ ایک مظلوم طبقہ بن کر رہ گئے۔

فرعون کا مطالبہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو حق کا راستہ دکھایا اور اسے بنی اسرائیل پر ظلم سے باز رہنے کی تلقین کی تو فرعون نے آپ سے کہا کہ اگر آپ واقعی معجزہ لائے ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مطالبہ کے جواب میں اپنی لاٹھی زمین پر پھینکی جو اژدھا بن گئی، پھر آپ نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو وہ روشن ہو گیا۔ یہ دونوں معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق ہونے کے واضح دلائل تھے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ وَجَاۗءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ
تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۗءُوْ
بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى
الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ

لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝ وَمَا تَنقِمُ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِآيَاتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَتْنَا ۚ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اِلزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو واضح معجزات دیکھنے کے بعد فرعون لاجواب ہوگیا، اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس نے دربار میں موجود وزراء کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگادیا کہ یہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے یہ سب جادو ہے، جو ہر جادوگر کرسکتا ہے، اور یہ اپنے جادو کے زور پر تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، اس پر تمام وزراء نے اس کی تائید کی، پھر فرعون نے ان سے مشورہ طلب کیا کہ اب ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کابینہ نے مشورہ دیا کہ ان کو تھوڑی مہلت دے دیں، اور اس دوران ملک کے اطراف میں اعلانات کروادیے جائیں اور تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کرلیا جائے، جو جادو کے ذریعہ ان کا مقابلہ کریں۔

فرعون کے دربار میں جادوگروں کی حاضری

چنانچہ فرعونی حکم کے مطابق پورے ملک میں منادی کروادی گئی، جس کے نتیجے میں ملک کے اطراف سے بہت سے جادوگر فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے، فرعون نے انہیں سارے معاملہ کی خبر دی، تو انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آگئے تو ہمیں اس کی کوئی اُجرت اور انعام بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں انعام بھی ملے گا اور مزید یہ بھی صلہ ہوگا کہ تم سب ہمارے مقربین اور خاص لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی جگہ اور وقت کا تعین کرایا گیا، چنانچہ ایک کھلا میدان اور عید کے دن سورج بلند ہونے کے بعد کا وقت اس کام کے لیے تجویز ہوا۔

معرکۂ حق و باطل

جب مقررہ دن اور وقت آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگر متعین میدان میں جمع ہوئے، فرعون اور اس کی کابینہ اور مصر کی عوام بھی حق و باطل کا یہ معرکہ دیکھنے کے لیے آئے، مقابلہ کے آغاز میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ پہلے آپ اپنا کمال دکھائیں گے یا ہم پہلے اپنا جادو دکھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تم اپنا جادو دکھاؤ، اس پر ان جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں ڈالیں اور لوگوں کی نظر بندی کردی، جس کی وجہ سے ان دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ اس موقع پر اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اب آپ اپنا عصا ڈال دیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق اپنا عصا میدان میں ڈالا تو وہ گرتے ہی ایک بڑا سانپ بن کر ان تمام سانپوں کو نگلنے لگا جو جادوگروں نے جادو سے ظاہر کیے تھے۔ یوں حق ظاہر اور غالب ہوگیا اور جادوگروں کا سحر اور جھوٹ ثابت ہوا، اور وہ سب ہار کر خوب رسوا ہوئے۔

شکاری خود شکار ہو گئے!

جب جادوگروں نے عصائے موسوی کو اپنی لاٹھیاں اور رسیاں نگلتے ہوئے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں، بلکہ حقیقت اور معجزہ ہے، اور اس معجزہ کو دیکھ کر ان پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ مجبور ہو کر بے اختیار سجدے میں گر گئے، اور فرعون اور اس کے لشکر کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم اس ذات پر ایمان لائے جو تمام جہانوں اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کا ربّ ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو ”ربّ العالمین“ کہتا تھا، تو اس کو بتا دیا کہ ہم تیری خدائی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ربّ کے ماننے والے ہیں۔

فرعون کی دھمکی

فرعون نے جب دیکھا کہ جن جادوگروں کو ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے جمع کیا تھا، انہوں نے نہ صرف ہار مان لی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لے آئے، جن کو دیکھ کر ایک بڑی تعداد بھی مسلمان ہو گئی، تو وہ سخت پریشان ہوا، اور غصے کے عالم میں جادوگروں پر یہ الزام عائد کیا کہ تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خفیہ سازش کر کے یہ کام کیا ہے تاکہ اپنے ملک اور ملت کو نقصان پہنچا سکو، اور تم نے میری اجازت کے بغیر اسلام قبول کیا ہے تاکہ ہمارے اقتدار کو ختم کر سکوں اور مصر پر تم غالب آ سکو، اس لیے اب تمہیں اپنے اس عمل کا انجام معلوم ہو جائے گا، میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا اور تمہیں نشانِ عبرت بنا دوں گا۔

حکمران، اصلاح کی تحریک کو اِقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ و تبلیغ اور ان کی اصلاحی فکر کو اپنے اقتدار کے خلاف خطرہ قرار دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کے خلاف اقدامات پر اتر آیا۔ یہی کچھ اب بھی ہو رہا ہے۔ جب بھی کسی ملک میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی بات کرے، اسے سیاسی تحریک قرار دے کر حکمران اپنے لیے خطرہ قرار دیتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فساد اور دہشت گردی کا الزام بھی جڑ دیا تھا، آج بھی دین کا کام کرنے والوں کو فسادی، دہشت گرد اور نہ جانے کیا کیا القاب دے کر ان کے خلاف اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ دینی مدارس کو دہشت گردی کے مراکز اور علمائے کرام کو فسادی اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے، یہ سب فرعونی سوچ کا نتیجہ ہے۔

اہلِ ایمان کا جواب

فرعون کی اس دھمکی کا جادوگروں پر کوئی اثر نہ ہوا، کیونکہ اسلام اور ایمان ایسی قوت ہے کہ جب وہ کسی دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان ساری دنیا اور اس کے وسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، چنانچہ انہوں نے فرعون کے جواب میں

کہا کہ اگر تو ہمیں قتل بھی کر دے تب بھی ہم اپنے اس دین سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، ایک نہ ایک دن تو ہمیں اپنے ربّ کے پاس لوٹ کر ہی جانا ہے، اس لیے تم نے جو کرنا ہے کر گزرو۔ پھر انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کامل صبر عطا فرما اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دیجیے گا اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمایئے گا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

دوسرا حال

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دہشت گردی کا اِلزام

جب فرعون نے جادوگروں کو سخت سزا دینے کا اعلان کیا تو اس کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا کہ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر ہمارے ملک میں ایسے ہی فساد کرتے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ تم فکر مت کرو، ہم ان کے آئندہ پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیں گے، اور جو لڑکی پیدا ہوگی اسے زندہ چھوڑ دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی قوم کچھ عرصہ میں مردوں سے خالی ہو کر صرف عورتیں رہ جائیں گی، جو ہماری خدمت گار باندیاں بن کر رہیں گی۔ اور یوں ہم ان پر غالب رہیں گے۔ بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کے لیے یہ ظالمانہ قانون دوسری مرتبہ نافذ کیا گیا، پہلی مرتبہ یہ قانون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے دنوں میں نافذ کیا گیا تھا، دونوں مرتبہ ہی بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو نصیحت

بنی اسرائیل کو جب فرعون کے ان عزائم کا پتہ چلا تو وہ سخت پریشان ہوئے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رجوع کیا تو آپ علیہ السلام نے انہیں دو چیزوں کی تلقین فرمائی: ۱۔ اللہ ربّ العزّت سے مدد طلب کرو۔ ۲۔ ہمت اور صبر سے کام لو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان دونوں چیزوں پر عمل کرو گے تو ایک دن ضرور تم ان پر غالب آجاؤ گے، زمین ساری اللہ ربّ العزّت کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کا مالک اور وارث بنائے گا، اور یہ بات واضح اور متعین ہے کہ اچھا انجام متقی اور پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے۔ قوم نے عرض کیا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں اسی طرح ایذاء دی گئی اور ہمیں ستایا گیا، اب آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں ستایا جا رہا ہے اور ہم پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا

کہ فکر مت کرو، اگر تم نے ہماری نصیحت کو مانا اور صبر اور ہمت سے کام لیا، تو وہ وقت دور نہیں جب تمہارا دشمن ہلاک اور برباد ہو جائے گا اور اس ملک پر تمہارا قبضہ اور راج ہوگا۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا
لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا
يَعْلَمُونَ ۝ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ
الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ۝
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۖ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ
لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ
كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي
إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝

تیسرا حال

قومِ فرعون عذابِ اِلٰہی کی زد میں!

جب فرعون اور اس کی قوم کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں مسلسل تکبر، استہزا، سرکشی، انکار اور ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا، تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں یکے بعد دیگرے مختلف عذابوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیا، چنانچہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو قحط سالی میں مبتلا کر دیا، بارشیں رک گئیں، پھلوں کی پیداوار کم ہوگئی، تقریباً سات سال تک مسلسل ان پر قحط سالی کا عذاب رہا۔ اس کے باوجود فرعون اور اس کی قوم نے کوئی نصیحت اور عبرت حاصل نہ کی بلکہ وہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت اور نحوست حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ہے، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ سب اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہے، اس میں کسی نحوست کا کوئی دخل نہیں، یہ سب تمہاری خام خیالی اور جہالت ہے۔ لیکن فرعون اور اس کی قوم نے تمام معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا آپ کتنی ہی نشانیاں اور معجزات لے کر آجائیں، ہم کبھی آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

قومِ فرعون پر مختلف قسم کے عذاب

جب فرعون کی قوم پر اللہ ربّ العزّت نے قحط سالی مسلط فرمائی اور ان کی زمینوں اور باغوں میں پیداوار بہت کم ہوگئی تو وہ بہت پریشان ہوگئے اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قحط دور ہونے کے لیے دُعا کروائی، اللہ ربّ العزّت نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے قحط دور فرما دیا، اس کے بعد بجائے ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے کے وہ دوبارہ اپنی سرکشی پر اتر آئے، اور نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگے کہ وہ قحط حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے تھا اور اب ہماری وجہ سے قحط دور ہو گیا۔ اس پر اللہ رَبّ العزّت نے ان پر یکے بعد دیگرے پانچ قسم کے عذاب نازل فرمائے، جن میں سے ہر عذاب ایک متعین مدت تک رہا، پھر اللہ رَبّ العزّت اسے ہٹا کر فرعون کی قوم کو مہلت دیتے، پھر جب وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آتے تو ان پر دوسرا عذاب مسلط فرما دیتے۔ وہ عذاب درج ذیل تھے:

۱۔طوفان۔ ۲۔ٹڈی دل۔ ۳۔گھن کا کیڑا۔ ۴۔مینڈک۔ ۵۔خون

پہلا عذاب: طوفان

طوفان سے مراد پانی کا طوفان ہے، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے سب گھروں اور زمینوں کو پانی سے بھر دیا، نہ کہیں بیٹھنے اور لیٹنے کی جگہ رہی اور نہ زمین میں کچھ کاشت کرنے کی، گھروں میں اتنا پانی بھر گیا کہ آرام کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی، اس صورتحال سے وہ شدید پریشان ہوئے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ اپنے پروردگار سے دُعا کیجیے کہ یہ عذاب ہم سے دور فرما دیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ طوفان دور ہو گیا، اس کے بعد وہ اپنی سرکشی کی طرف دوبارہ لوٹ گئے، اور اپنے سارے عہد و پیمان اور وعدے بھول گئے۔

دوسرا عذاب: ٹڈی دَل

تب اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسری قسم کا عذاب یعنی ٹڈی دل بھیج دیا۔ مفسرین کے بقول اس قدر ٹڈی کے غول تھے کہ جب پرواز کرتے تو سورج کی روشنی زمین سے رک جاتی۔ یہ خدائی لشکر فرعونیوں کی فصلوں، باغات اور سبزہ کو چاٹ گیا۔ یہ لوگ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت وساجت اور دفع بلاء کے لیے جھوٹے وعدوں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے یہ عذاب ٹل گیا۔ لیکن حسب سابق ایمان و آزادی بنی اسرائیل کے پختہ عہد و میثاق سے مکر گئے۔

تیسرا عذاب: کیڑے وغیرہ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے غلوں پر کیڑے (گھن) جانوروں پر چیچڑیاں اور انسانوں پر جوؤں کو مسلط کروایا، جس کی وجہ سے ان کے غلے بھی متاثر ہو گئے اور ان کے جانور و مویشی اور خود بھی نہایت پریشان ہوئے، چنانچہ ایک بار پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کے وعدے کرنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ عذاب دور ہو گیا، تو حسب معمول اپنے عہدوں سے مکر گئے اور اپنی سرکشی کی روش پر ڈٹ گئے۔

چوتھا عذاب: مینڈک

پھر اللہ رَبّ العزّت نے ان پر مینڈکوں کا عذاب مسلط فرما دیا، ان کے گھروں میں اتنی کثرت سے مینڈک پیدا

ہو گئے کہ جہاں بیٹھتے تو ان کے گلے تک مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا، سونے کے لیے لیٹتے تو سارا بدن ان سے دب جاتا، پکتی ہوئی ہنڈیا میں، رکھے ہوئے کھانے اور آٹے وغیرہ میں مینڈک بھر جاتے، اس صورتحال سے پریشان ہو کر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف آئے اور دوبارہ پختہ وعدوں کے ساتھ معاہدہ کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمائی، جس سے عذاب دور ہو گیا لیکن انہوں نے اپنی روش نہ بدلی اور ایک بار پھر سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

پانچواں عذاب: خون

اس بار اللہ ربّ العزّت نے ان پر خون کا عذاب مسلط فرمایا، ان کے ہر کھانے اور پینے کی چیز خون بن گئی، کنویں سے، تالاب سے، جہاں کہیں سے پانی نکالتے وہ خون بن جاتا، کھانے کے لیے بیٹھتے تو کھانے کی چیزیں خون بن جاتیں، اس بار پھر یہ عذاب سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور دُعا کی درخواست کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمادی، عذاب ٹل گیا، لیکن انہوں نے اس بار بھی اپنی روش نہ بدلی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت نہ چھوڑی۔

چھٹا عذاب اور باغیوں کا آخری انجام: طاعون

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان پر طاعون کی وبا مسلط فرمادی، جس میں ان کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔

''کرونا'' بھی ''طاعون'' کی طرح ہے!

ان دنوں دنیا بھر میں کرونا وائرس کا عذاب پھیلا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا بند ہو گئی ہے۔ ہر طرف لاک ڈاؤن ہے، لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے ہیں، ہزاروں لوگ لقمہ اجل بنتے جا رہے ہیں، یہ بھی ایک طرح کا طاعون ہے، طاعون بھی متعدی مرض ہوتا ہے اور کرونا وائرس بھی متعدی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی قوم میں بے حیائی عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس قوم میں طاعون اور دیگر متعدی امراض پھیلا دیتے ہیں۔

عجیب اتفاق ہے کہ ہمارے ہاں بھی کرونا کے بعد ٹڈی دل سے فصلوں کی تباہی ہوئی ہے اور بنی اسرائیل میں بھی طاعون اور ٹڈی دل کے عذاب دونوں آئے تھے۔

بہرحال جب ان پر طاعون کا عذاب آیا تو اس وقت پھر ان لوگوں نے فریاد کی، اور دُعا کرنے پر عذاب ہٹ گیا، لیکن پھر بدستور ان لوگوں نے وعدہ خلافی کی اور اپنی سرکشی سے باز نہ آئے، تو بالآخر اللہ ربّ العزّت نے ان سب کو دریائے قلزم میں غرق فرمادیا، فرعون اپنے لاؤلشکر سمیت دریائے قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا، اور یوں اللہ ربّ العزّت نے ان ظالموں کو ان کے انجام سے دوچار فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کو ان کے مظالم سے نجات دے کر انہیں ملک شام اور مصر کی بادشاہت عطا فرمادی۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا

كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ
اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

چوتھا حال

بنی اسرائیل کا جاہلانہ مطالبہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کی کامیابی اور فتح کے بعد ان کی جہالت اور ان کی سرکشی کو بیان فرمایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فرعون سے نجات حاصل کرنے اور سمندر پار کر کے بنی اسرائیل جب شام کی سرزمین پر پہنچے تو ایک بستی سے گزر ہوا، جہاں کچھ لوگ مختلف بتوں مثلاً گائے وغیرہ کی عبادت میں مبتلا تھے، بنی اسرائیل کو ان کا طریقہ پسند آنے لگا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ جیسے اس قوم کے مختلف معبود ہیں، آپ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے اس جاہلانہ مطالبہ پر سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جن کے طریقہ کو تم نے پسند کیا ان کے اعمال سب ضائع اور برباد جائیں گے، یہ باطل کے پیروکار ہیں، تمہیں ان جیسا بننے کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ کیا میں اللہ کے علاوہ تمہارے لیے کسی کو معبود بنا دوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دینِ حق دے کر تمام جہان والوں پر برتری اور فضیلت بخشی ہے، تمہیں فرعون کے مظالم سے نجات عطا فرمائی ہے، پھر بھی تم دوسرا خدا چاہتے ہو؟ یہ تو ظلم عظیم ہے، اس سے توبہ کرو۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ
اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ
رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا
تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ
يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

پانچواں حال

دستورِ زندگی کے لیے تورات کا تحفہ

فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل کو چین اور سکون کا سانس لینا نصیب ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب چونکہ ہم امن وسکون کی زندگی گزار رہے ہیں، اس لیے اگر اب ہمیں کوئی کتاب اور شریعت ملے تو ہم بے فکری کے ساتھ اس پر عمل کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی، اللہ ربّ العزّت نے دُعا قبول فرمائی اور آپ پر اپنا کلام نازل کرنے کا وعدہ فرمالیا، لیکن اس کے لیے یہ شرط لگائی گئی کہ تیس راتیں کوہ طور پر اعتکاف اور ذکر میں گزاریں، بعد میں دس راتوں کا مزید اضافہ کردیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق کوہ طور پر جا کر اعتکاف کرنے کا ارادہ فرمالیا، اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا تاکہ وہ آپ کی عدم موجودگی میں قوم کو سنبھالیں اور تمام فرائض سرانجام دیں، اس کے بعد آپ کوہ طور کی جانب گامزن ہوگئے۔

دیدارِ باری تعالیٰ کی خواہش

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پہنچے تو وہاں آپ کو اللہ ربّ العزّت سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، پروردگارِ عالم نے آپ علیہ السلام سے بہت سی لطف وعنایات کی باتیں فرمائیں، اس پر آپ علیہ السلام کے دل میں دیدار باری تعالیٰ کا شوق پیدا ہوا اور آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرضی پیش کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ سکوں، اللہ ربّ العزّت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری آنکھیں (اس دنیا میں) میرے جمال کی تاب نہیں لاسکتیں، البتہ آپ کی تسلی کے لیے یہ تجویز ہے کہ آپ اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہیے، ہم اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں، اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو آپ بھی دیکھ سکیں گے، پھر اللہ ربّ العزّت نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! بے شک آپ کی ذات پاک ہے، اور میں اپنی اس خواہش کے اظہار پر معذرت کرتا ہوں۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور انہیں حکم فرمایا کہ اس پر خود بھی عمل کریں اور اپنی قوم کو بھی حکم دیں کہ ان احکام پر عمل پیرا ہوں۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ
سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا
رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ
اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝

چھٹا حال

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں سامری کی چال

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہ طور تشریف لے گئے تو چونکہ ابتدائی طور پر اللہ ربّ العزّت نے تیس دن رات کے اعتکاف کا حکم فرمایا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ میں تیس دن بعد لوٹوں گا، پھر وہاں باری تعالیٰ نے دس دن کی مدت مزید بڑھا دی، تو بنی اسرائیل جس کی طبیعت میں ہی جلد بازی تھی، انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں، اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر ان کی قوم کے ایک شخص جس کا نام سامری تھا، نے پوری قوم سے ان کے زیورات حاصل کیے، اور ان زیورات سے ایک بچھڑے کا مجسمہ بنا دیا، اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کے نیچے کی مٹی جو اس نے پہلے سے جمع کر رکھی تھی، اور اس مٹی میں باری تعالیٰ نے زندگی کی خاصیت رکھی تھی، وہ اس نے اس مجسمہ میں ڈال دی، جس سے اس مجسمہ میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کے اندر سے گائے کی سی آواز نکلنے لگی۔

جب بنی اسرائیل نے یہ حیرت انگیز چیز دیکھی تو وہ بہت حیران ہوئے، سامری کہنے لگا کہ دراصل یہی تمہارا خدا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی ہے، اور وہ بھول کر کوہ طور چلے گئے ہیں، قوم نے اس کی بات مان لی اور اس بچھڑے کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا، لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی اور گائے کی پرستش میں لگی رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کی پرستش میں مبتلا دیکھا تو آپ کو بے حد دکھ ہوا اور غصہ میں آ کر پہلے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم نے نہایت گھٹیا حرکت کی ہے اور اپنے پروردگار کا حکم اور اس کی کتاب آنے سے جلد بازی کی، اور گمراہی اختیار کر لی۔ اس کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور تورات کی تختیاں ایک طرف رکھ کر ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے کہ تم نے ان کو بت پرستی اور شرک سے کیوں نہ روکا، حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے ان کو بہت روکا، لیکن انہوں نے میری بات کا کوئی اثر نہ لیا، بلکہ یہ تو مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے، میرا عذر قبول فرمالیں، اور میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے میرے دشمن خوش ہوں۔ اس وضاحت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ دور ہوا اور انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دیجیے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما دیجیے، آپ سب رحمت کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

وَاخْتَارَ مُوسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ
قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ
تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی
الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ
یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ساتواں حال

بنی اسرائیل کی بدگمانی اور ہلاکت

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے تورات کی تختیاں پیش کیں تو قوم نے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، ممکن ہے کہ آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں، ہم تو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم خود اللہ ربّ العزّت سے نہ سن لیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے دُعا کی تو اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اس قوم کے منتخب آدمیوں کو آپ کوہ طور پر لے آئیں تو ہم ان کو بھی اپنا کلام سنادیں گے جس سے ان کو یقین آجائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور کوہ طور پر لے گئے، وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا، مگر بجائے تسلیم کرنے اور ایمان لانے کے کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کرلیں کہ آواز اللہ ربّ العزّت کی ہے یا کسی اور کی، ہم تو تب یقین کریں گے جب اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلیں، اس پر اللہ ربّ العزّت کا غضب نازل ہوا اور اچانک زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی گری، جس سے یہ سب ہلاک ہوگئے۔

بنی اسرائیل کی دوبارہ زندگی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس صورتحال سے سخت پریشان ہوئے کہ اب اپنی قوم کو جاکر کیا جواب دیں گے؟ وہ تو یہ الزام لگائیں گے کہ میں نے ان کو کہیں لے جاکر قتل کروادیا ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کی آزمائش ہے جس کے ذریعہ آپ بعض لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں اور بعض کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں، اور میں جانتا ہوں کہ آپ کا مقصد ان کو ہلاک کرنا نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ مقصد ہوتا تو اس سے پہلے بہت سے واقعات تھے جن میں یہ ہلاک کیے جاسکتے تھے اور آپ چاہتے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک فرمادیتے، لیکن آپ نے یہ نہیں چاہا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ہم سب کو چند بے وقوفوں کی وجہ سے ہلاک کردیں۔ اے میرے ربّ آپ ہمارے دستگیر ہیں، ہمیں معاف فرمادیجیے اور ہم پر اپنا رحم وکرم فرمایئے، آپ سب سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے آپ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور وہ سب لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ

اے موسیٰ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، میرا غضب اور عذاب صرف اسی پر ہوتا ہے جو سزا کے مستحق ہوتے ہیں اور جن پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہوں، جبکہ میری رحمت عام ہے، گنہگار اور متقین سب کو پہنچ رہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نُورانی اوصاف

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صفات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں۔ ''اُمّی'' اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اُمّی ہونا بظاہر تو عیب سمجھا جاتا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف اور آپ کے کمالات کے ساتھ آپ کا اُمّی ہونا آپ کے لیے بڑی خوبی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی واضح دلیل ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی اسی طرح موجود ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کا حکم دیں گے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بری باتوں سے روکیں گے۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ چیزوں کو حلال کریں گے۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گندی چیزوں کو حرام کریں گے۔

۷۔ اہل کتاب کی خود ساختہ پابندیوں اور ان مشکل احکام سے ان کو آزاد کرائیں گے جو ان پر بطور سزا لازم کر دیے گئے تھے۔ مثلاً کپڑا ناپاک ہو جائے تو پانی سے دھونا ان کے لیے کافی نہیں تھا بلکہ نجاست والی جگہ کو کاٹنا ضروری تھا، مالِ غنیمت ان کے لیے حلال نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اس کو جلا دیتی تھی۔

''کامیابی'' اِتباعِ رسول میں ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، آپ کی تعظیم کریں، آپ کی مدد و نصرت کریں اور قرآنِ کریم کی اتباع کریں، وہ لوگ حقیقی طور پر کامیاب ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور عالمگیر نبی ہیں

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوّت کی عمومیت کو بیان فرمایا کہ آپ تمام انسانیت کے لیے نبی بن کر تشریف لائے، آپ عالمگیر رسول اور نبی ہیں، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے نبی! آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں تم سب انسانوں کی جانب اس اللہ ربّ العزّت کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے قبضے میں آسمان و زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندگی اور موت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، سو اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو اس پاک پروردگار اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، یہی حقیقی کامیابی کا راستہ ہے۔

اہل علم نے اس آیت کو ختمِ نبوّت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ چونکہ اس آیت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب زمانوں اور سب لوگوں کے لیے ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

آٹھواں حال

بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار اور اِنعاماتِ خداوندی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل پر اپنے چند احسانات اور ان کی نالائقی اور سرکشی کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کا حکم دیا تو انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اور آپ کا ربّ جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے انہیں بطور سزا کے عرصۂ دراز تک میدان تیہ میں سرگرداں رکھا، لیکن اس عرصہ میں بھی ان پر اپنے انعامات اور احسانات میں کوئی کمی نہیں آنے دی، چنانچہ جب انہیں بشری ضروریات یعنی کھانے، پینے اور چھت وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تو اللہ رب العزت نے غیر عادی طریقے سے ان کی ضروریات کی تکمیل فرمائی۔

پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پتھر پر اپنا عصا ماریں، انہوں نے ایسا کیا تو پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، ہر قبیلہ کو ایک ایک چشمہ سپرد کر دیا گیا۔ کھانے کے لیے آسمان سے من وسلوٰی کا نزول ہوا اور چھت کے لیے بادلوں کا مسلسل سایہ کر دیا گیا، اور انہیں کہہ دیا گیا کہ خدا کا عطا کردہ پاکیزہ رزق استعمال کرو، لیکن انہوں نے نافرمانیوں کے ذریعہ اپنے ساتھ زیادتی اور ظلم کا سامان پیدا کیا۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ
سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ
مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ
بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝

''اَصحابِ سبت'' کا واقعہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اصحاب سبت کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بحرِ قلزم کے کنارے پر ایک بستی تھی، اس بستی کے لوگوں اور یہودیوں کو یہ حکم تھا کہ ہفتے کے دن اللہ کا ذکر اور عبادت کریں، نیز ہفتے کے دِن شکار کرنا ممنوع قرار دیا گیا، لیکن ان کا امتحان یوں ہوا کہ ہفتہ کے دِن مچھلیاں دریا کے بالکل اوپر سطح پر آجاتیں جبکہ باقی دِنوں میں کوئی مچھلی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی، اس صورتحال سے وہ پریشان ہوئے، کچھ عرصہ تو اس حکم پر عمل کرتے رہے، پھر انہوں نے حیلے اختیار کرنا شروع کر دیے، اس طرح کہ انہوں نے سمندر کے کنارے بڑے بڑے حوض بنائے اور انہیں نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا، ہفتے کے دن جب مچھلیاں کثرت سے سطحِ آب پر نمودار ہوتیں تو سمندر کا پانی نالیوں کے ذریعے ان حوضوں میں چھوڑ دیتے،، جس کے ساتھ بہت سی مچھلیاں بھی بہہ کر حوضوں میں جمع ہو جاتیں، اس کے بعد حوض کے دہانے پر بند لگا دیتے تا کہ مچھلیاں واپس سمندر میں نہ چلی جائیں، پھر جب اگلا دن اتوار آتا تو ان مچھلیوں کو بہ آسانی حوضوں سے پکڑ لیتے۔

تین گروہ

جب ان لوگوں نے یہ مکاری اور حیلہ شروع کیا تو بنی اسرائیل تین حصوں میں بٹ گئے:

۱۔ ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے یہ حیلہ عملی طور پر اختیار کیا اور باری تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالا۔

۲۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے ان حیلہ کرنے والوں کو اس کام سے روکا اور احکام خداوندی کی پاسداری کی تلقین کی۔

۳۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو ان حیلہ کرنے والوں کی حرکت کو دل سے برا تو سمجھتے، مگر زبان سے ان کی اصلاح، اور ان کو اس برے عمل سے روکنے کا فریضہ سرانجام نہ دیتے تھے۔

تینوں گروہوں کا انجام

جب یہ حیلہ کرنے والے لوگ اپنی مکاریوں سے باز نہ آئے اور مسلسل اللہ ربّ العزّت کے حکم کی خلاف ورزی

کرتے رہے تو اللہ ربّ العزّت نے پہلے گروہ کو جو اصل مجرم تھے سخت عذاب میں جکڑ لیا، اور وہ عذاب یہ تھا کہ ان سب کی شکلیں بدل کر انہیں بندر بنا دیا۔ اور جو لوگ ان کو اس فعلِ بد سے روکتے تھے اور اس مکاری وحیلہ جوئی سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے، انہیں اللہ ربّ العزّت نے عذاب سے بچا لیا۔ البتہ تیسرے گروہ سے متعلق قرآن میں کوئی صراحت نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی محفوظ رہے، البتہ ان کا عمل قابلِ تقلید نہیں، عزیمت یہ ہے کہ آخر تک اصلاح کی کوشش جاری رکھی جائے۔

غلط فہمی کا اِزالہ

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے حیلہ سازوں کی سزا یہ بیان فرمائی کہ انہیں بندر بنا دیا گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ان کی طبیعت مسخ کی گئی تھی، حقیقتاً انہیں بندر نہیں بنایا گیا تھا، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، قرآن کے الفاظ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حقیقتاً بندر بنا دیا گیا تھا، اس میں کسی تاویل یا تحریف کی ضرورت نہیں ہے۔ مقام حیرت ہے کہ اگر ڈارون کا نظریہ اپنانے والا کوئی شخص کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا، تو اسے دنیا مان لیتی ہے، لیکن جب پروردگارِ عالم اپنے کلام میں ارشاد فرمائیں کہ انسان تنزلی کر کے بندر بن گیا تو نام نہاد دانشور تاویل کرنے لگتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

’’عہدِ الست‘‘ کی تحقیق

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اس عظیم الشان عہد و پیمان کو بیان فرمایا ہے جو پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں سے اس وقت لیا تھا جب وہ اس جہان میں آئے بھی نہ تھے، اس عہد کو ’’عہدِ الست‘‘ کہا جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا فرمائی، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی، اور ان تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سامنے پھیلا دیا، انہیں اپنی معرفت اور پہچان کروائی، ان کی فطرت میں توحید کا عقیدہ رکھا، تا کہ جب بھی وہ دنیا میں آئیں تو ان کے اندر اللہ کی معرفت اور توحید وحق شناسی کا مادہ اور صلاحیت پہلے سے موجود ہو، پھر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں، اور اقرار کرتے ہیں، اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا ہے کہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کرو کہ ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا، یا تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے باپ دادا مشرک تھے اور ہم چونکہ ان کے بعد آئے اور انہیں بت پرستی کرتے ہوئے پایا، اس لیے ہم نے بھی لاعلمی میں وہی اختیار کر لیا جو ہمارے بڑے کیا کرتے

تھے۔ ان بے وزن اعذار کو روکنے کے لیے اللہ ربّ العزّت نے عالم ارواح میں تمام انسانوں سے یہ عہد لیا، تاکہ ان کے دلوں میں ایمان کی ایسی بنیاد قائم ہوجائے کہ اگر وہ ذرا بھی غور وفکر سے کام لیں تو اللہ ربّ العزّت کی ربوبیت کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

سوال:- ظاہر ہے کہ اس دنیا میں آنے کے بعد یہ عہد تو کسی کو یاد بھی نہیں رہا تو پھر اس عہد کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب:- یاد رہنا ضروری نہیں، اثر کا موجود ہونا کافی ہے۔ بہت ساری باتیں انسان سیکھتا اور پڑھتا ہے، جن کی تفصیلات وہ بھول جاتا ہے، مگر اس کی استعداد باقی رہتی ہے، جو پڑھنے اور سیکھنے کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پہچان انسان کی فطرت میں موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ مشکل وقت میں انسان اللہ ربّ العزّت کو ہی پکارتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے لاشعور میں اللہ ربّ العزّت کا تصور موجود ہے، پھر جب پروردگارِ عالم کے سچے کلام میں اس کی خبر دی گئی، مخبرِ صادق خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی اطلاع دی، تو اس خبر کی سچائی میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ بایں ہمہ بعض قدسی نفوس کو یہ عہد یاد بھی رہا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے یہ عہد یاد ہے، اسی طرح حضرت ذُوالنون مصریؒ بھی فرماتے تھے کہ مجھے یہ عہد اچھی طرح یاد ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ۝

”بے عمل عالم“، ”بدعمل مُرشد“ کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کے ایک بڑے عالم اور مشہور مقتدا کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو اپنے علم ومعرفت کے باوجود گمراہی کی اتاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا، قرآنِ کریم میں اس شخص کا نام مذکور نہیں ہے، مفسرین کرامؒ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد ایسے لوگوں کے واقعات بیان فرمائے ہیں جو اپنے علم ومعرفت کے باوجود گمراہی کی تاریکی میں ڈوب گئے، ان میں سے زیادہ مشہور اور قابلِ اعتماد واقعہ بلعم بن باعوراء کا ہے، جو ملکِ شام میں بیت المقدس کے قریب کنعان کا رہنے والا تھا، اللہ ربّ العزّت نے اسے آیاتِ الٰہی کا علم عطا فرمایا تھا، اور درویش، صاحبِ کرامت، مستجاب الدعوات اور اسمِ اعظم جاننے والا شخص تھا۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو قومِ جبارین سے جہاد کرنے کا حکم ملا اور جبارین نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لشکر لے کر پہنچنے ہی والے ہیں تو وہ سب جمع ہوکر بلعم بن باعوراء کے پاس آئے اور کہا کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددُعا کردیجیے اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وقت کے نبی ہیں، ان کے

ساتھ اللہ رب العزت کے فرشتے ہیں، میں ان کے خلاف بددُعا کیسے کرسکتا ہوں، اگر میں نے ایسا کیا تو میرا دین اور دنیا دونوں تباہ ہوجائیں گے۔ ان لوگوں نے بہت اصرار کیا اور ایک بڑی رقم اور سونا چاندی وغیرہ پیش کیا، اس پر اس کی بیوی نے مشورہ دیا کہ یہ رشوت قبول کرلیں اور ان کا کام کردیں، اس وقت بیوی کی رضاجوئی اور مال کی محبت نے اس کو اندھا کردیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خلاف بددُعا کرنا شروع کردی۔

خاصانِ خدا کی مخالفت کا نتیجہ

اس وقت قدرتِ الٰہیہ کا عجیب کرشمہ ظاہر ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددُعا کے لیے جو بھی کلمات منہ سے نکالنا چاہتا، وہ اپنی قوم جبارین کے لیے نکلتے، اس پر وہ لوگ چلا اٹھے کہ تم کیا کررہے ہو؟ تم تو ہمارے ہی خلاف بددُعا کر رہے ہو، اس نے کہا کہ میرے بس میں کچھ نہیں ہے، یہ سب میرے اختیار سے باہر ہے، اس کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے اسے یہ سزا دی کہ اس کی زبان باہر نکل کر سینے پر لٹک گئی۔ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میری تو دنیا اور آخرت تباہ ہوگئی، اب میری دُعا کسی کام کی نہیں، البتہ میں تمھیں ایک چال بتاتا ہوں جس کے ذریعہ تم بنی اسرائیل پر غالب آسکتے ہو۔ وہ یہ کہ اپنی حسین لڑکیوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور انہیں یہ تاکید کردو کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو اپنی جانب آنے سے نہ روکیں، اگر ان میں سے کسی ایک بھی بدکاری کرلی تو وہ کامیاب نہیں ہوسکیں گے اور تم غالب آجاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی اسرائیل کے ایک سردار کو ایک عورت بھاگئی، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لایا اور کہنے لگا: یہ مجھ پر حرام ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خیمہ میں لے جاکر زنا کیا، اس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب مسلط ہوا، جس سے ایک روز میں ستر ہزار اسرائیلی مرگئے، یہاں تک کہ ایک شخص نے اس جوڑے کو جس نے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا، قتل کر کے سولی پر ٹانک دیا اور اللہ رَبُّ العزّت سے دُعا کی کہ ہم نے آپ کے نافرمان کا یہ حشر کیا، آپ ہمیں معاف فرمادیجیے، اس پر طاعون ختم ہوگیا۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبُّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کو اس شخص کے بارے میں بتائیں جسے ہم نے اپنی آیات کا علم دیا تھا، پھر وہ اس علم سے پیچھے ہٹ گیا اور شیطان کے چنگل میں آکر گمراہی کی راہ اختیار کرلی، سو اس کی مثال کتے کی سی ہے، اس پر وزن رکھو تو بھی ہانپتا ہے اور نہ رکھو تو بھی، اور یہی مثال ان سب لوگوں کی ہے جو اللہ رَبُّ العزّت کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

جانوروں سے بدتر لوگ

اس آیت میں اللہ رَبُّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جنات اور انسانوں میں سے جو لوگ اپنے دل و دماغ، آنکھ اور

کان کا صحیح استعمال کر کے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ان صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھا کر ایمان سے محروم رہتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے جہنّم کو بھر دیا ہے۔ یہ لوگ عقل و دماغ کو دین کے لیے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے دیوانوں کی طرح ہیں، آیات الٰہی کو صحیح نہ سننے کی وجہ سے بہروں کی طرح ہیں، بصیرت سے محروم ہونے کی وجہ سے درحقیقت اندھے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

''قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور!''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک شبہ کا جواب دیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہیں ان کے پاس دولت، ٹیکنالوجی، اسباب اور وسائل زیادہ ہیں، تعیش و آرام کے ذرائع وافر ہیں، جبکہ اس کے برعکس مسلمان جو حق پر ہیں، دنیوی مال واسباب سے محروم کیوں ہیں؟

بقول علامہ اقبالؒ:

یہ شکایت نہیں، ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بے چارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اللہ ربّ العزّت نے جواب دیا کہ جو لوگ ہماری آیات جھٹلاتے ہیں، انہیں اچانک اور دفعۃً ہلاک نہ کرنے کی وجہ محض ہماری رحمت اور حکمت ہے، یہ دنیا اور اس کی آسائشیں درحقیقت ان کے لیے ڈھیل ہیں، اس لیے ان کی ظاہری دولت یا مقام و مرتبہ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، کیونکہ باری تعالیٰ انہیں آہستہ آہستہ تدریجاً پکڑتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور ایک وقت آتا ہے کہ پروردگارِ عالم انہیں ان کے انجام سے دوچار کر دیتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ٻ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

قیامت برحق ہے

اسلامی تعلیمات کا تمام تر دار و مدار تین بنیادی عقائد پر ہے:

۱۔ توحید۔ ۲۔ رسالت۔ ۳۔ آخرت۔

مکی سورتوں میں خاص طور پر عقائد پر زور دیا جاتا ہے، لیکن پیغمبر جب دیکھتا ہے کہ اس کی قوم سنجیدگی سے اللہ کے دین کی دعوت پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں تو پھر وہ کبھی انہیں اس انجام سے ڈراتا ہے، جس انجام سے قوم عاد وثمود جیسی معذب قومیں دوچار ہوئیں اور کبھی قیامت کی ہولناکیوں کو ان کے سامنے ذکر کرتا ہے، مقصود ان سب باتوں سے یہ ہوتا ہے کہ ان کے مخاطب اپنی زندگی کے طرز پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت اور آخرت پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے اور بار بار لوگوں کو اس سے ڈراتے تھے۔

مشرکینِ مکہ بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت کی بار بار یاددہانی کے نتیجہ میں اپنے انجام کے بارے میں فکر مند ہوتے، انہوں نے اسے بھی ایک مذاق بنالیا۔ کہنے لگے: جس قیامت کے آنے کا آپ بار بار تذکرہ کرتے ہیں اگر اس کا آنا ایسا ہی یقینی ہے تو معلوم تو ہونا چاہیے کہ وہ کب آئے گی اور یہ سوالات تحقیق کے لیے نہیں بلکہ تمسخر اڑانے کے لیے کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار عالم کے حکم سے نہایت سنجیدگی سے اس کا جواب دیا کہ قیامت کے آنے کے وقت کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے، اس کا علم تو صرف میرے رَبّ کے پاس ہے، میں تو تمہیں اس کے آنے کی یقینی خبر دے رہا ہوں اور یہ یقین تمہارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ قیامت یقیناً آئے گی، تمہارا کام اس کے وقت کا کھوج لگانا نہیں، بلکہ اس کی تیاری کرنا ہے، لیکن وہ بار بار آپ سے وقت ہی کے بارے میں استفسار کرتے تھے اور اس طرح پلٹ پلٹ کر پوچھتے تھے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے سوا کوئی کام نہیں کہ وہ قیامت کی ہی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لیے دو دفعہ اس بات کو دہرایا گیا کہ تم اصل حقیقت کو جاننے اور میری حیثیت پہچاننے کی کوشش کرو۔

اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ تمہارے لیے جواب وہی کا ایک دن مقرر کر دیا گیا ہے، وہ جب بھی آئے تمہیں اس سے یقیناً سابقہ پڑے گا اور میرا فرض یہ ہے کہ میں تمہیں ان صداقتوں سے آگاہ کروں، جنہیں اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے اور اپنے قول وعمل سے تمہارے اندر یقین کی قوت پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ تم قیامت کے وقت کی کھوج کرید میں لگے ہوئے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ جب آئے گی تو اس کا آنا اس قدر اچانک ہوگا کہ کوئی اپنے آپ کو بچانے کی تدبیر نہ کر سکے گا۔

”عالم الغیب“ اور ”مختارِ کُل“ صرف اللہ رَبّ العزّت کی ذات ہے!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا گیا کہ علم غیب یعنی تمام کائنات کے ذرّے ذرّے کا علم محیط صرف اللہ جل شانہ کی مخصوص صفت ہے، اس میں کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے، اسی طرح ہر نفع نقصان کا مالک ہونا بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت خاص ہے، اس میں کسی کو شریک ٹھہرانا بھی نامناسب ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، دوسروں کے نفع نقصان کا تو کیا ہی ذکر ہے۔ میں عالم الغیب بھی نہیں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لیے ضروری ہو، اگر مجھے علم

غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز ضرور حاصل کر لیتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے نہ چوکتا، اور ہر نقصان کی چیز سے ہمیشہ محفوظ ہی رہتا اور کبھی کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا، حالانکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت سے کام ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاصل کرنا چاہا مگر حاصل نہیں ہوئے اور بہت سی تکلیفیں اور مضرتیں ایسی ہیں، جن سے آپ نے بچنے کا ارادہ کیا، مگر وہ مضرت و تکلیف پہنچ گئی۔

الحاصل! انبیاء نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب، بلکہ ان کو علم و قدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے، جتنا من جانب اللہ ان کو عطا کیا جائے، ہاں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو حصہ علم کا ان کو عطا ہوتا ہے، وہ ساری مخلوق سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، خصوصاً ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کو جتنا علم دیا گیا تھا، وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا، اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں، جن کی سچائی کا ہر عام و خاص نے مشاہدہ کیا، اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا، مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہا جاتا، بلکہ انباء الغیب کہا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اولادِ آدم کی ناشکری

ان آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ کے ایک نمونے کو ذکر فرما کر توحید کو ثابت فرمایا اور اسی ضمن میں انسانوں کی ناشکری اور شرک کی مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ ابتداء میں حضرت آدم و اماں حوا علیہما السلام کا ذکر فرما کر پھر ان کی ذریت کا ذکر فرمایا کہ اللہ رب العزت ہی کی شان ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو ایک آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور انہی سے ان کی اہلیہ حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، جس کا مقصد یہ تھا کہ انہیں اپنی رفیقہ حیات کے ذریعہ سکون حاصل ہو۔

باری تعالیٰ کی اس قدرت کاملہ کے نمونے کے اظہار کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد اللہ رب العزت کی شکر گزار ہوتی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتی، لیکن غافل انسانوں نے اس کے برعکس یہ طرزِ عمل اپنایا کہ جب نر و مادہ کے باہمی اختلاط سے حمل قرار پاتا ہے، تو شروع شروع میں جب تک حمل کا بوجھ زیادہ نہیں ہوتا، عورت

چلتی پھرتی رہتی ہے، پھر جب پیٹ بھاری ہونا شروع ہو جاتا ہے تو میاں بیوی کو فکر لاحق ہونا شروع ہوتی ہے اور اسی فکر کے عالم میں وہ اللہ ربّ العزّت سے دُعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں صحیح سالم بچّہ عنایت فرمایئے، ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ مگر جب تمنّا بر آتی ہے اور اللہ ربّ العزّت انہیں صحیح سالم اور تندرست بچّہ عطا فرما دیتے ہیں تو بجائے شکر کرنے کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ بچّہ فلاں بت، مورتی، پیر و مرشد، ولی یا بزرگ نے دیا ہے، کبھی اس بچّے کی پیدائش پر ان کے نام کی نذر و نیاز دینے لگ جاتے ہیں، بچّے کو ان کے پاس یا ان کے مزار پر لے جا کر اس کا ماتھا ٹیکتے ہیں، اور کبھی بچّے کا نام رکھنے میں مشرکانہ انداز اختیار کرتے ہیں مثلاً: "پیراں دتہ، نبی بخش، ولی بخش" وغیرہ نام رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ سب جاہلانہ اور مشرکانہ طریقے ہیں، جن سے مکمل طور پر اجتناب کرنا لازم ہے۔

شرک کی مذمّت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے شرک کی مذمت بیان فرمائی کہ تم جن کو اللہ ربّ العزّت کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی پیدائش میں بھی دوسروں کے محتاج ہیں، چہ جائیکہ وہ کسی اور کو پیدا کریں، اسی طرح اگر ان پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ خود اپنا دفاع تک نہیں کر سکتے، دوسروں کی کیا خاک مدد کریں گے۔ وہ تمہاری پکار تک نہیں سن سکتے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ تو ایسے کمزور اور عاجز کو معبود ماننا اور پروردگارِ عالم کا شریک ٹھہرانا کہاں کی دانشمندی ہے؟

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اَخلاقِ کریمانہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین حکم دیے جو ہر داعی کے لیے واجب الاتباع ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر کو عادت بنالیں، لوگ ناشائستہ حرکت کریں تو ان کو معاف کر دیں، لوگ بداخلاقی سے پیش آئیں تو آپ ان کا جواب اخلاق سے دیں۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نادانوں کی نادانی اور جہالت کی طرف دھیان نہ دیں، ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر ان سے نہ الجھیں، انہیں نرمی سے حق بات بتائیں لیکن اگر وہ الجھنا چاہیں تو آپ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔

ان تین احکام کو ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی وقت بشری تقاضے سے کسی کی نامعقول حرکت پر غصہ آجائے اور شیطان اثر انداز ہونے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ ربّ العزّت کی پناہ میں آجائیں، اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۝

آدابِ قرآن

اس سورت کی ابتدا میں بھی باری تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی عظمت کو بیان فرمایا تھا، اور اب اس کے اختتام میں بھی قرآنِ کریم کے آداب کو بیان فرما کر اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

گویا قرآنِ کریم ان لوگوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے، جو قرآنِ کریم کے ادب و احترام کو پہچانیں، اور اس پر عمل کریں۔ اور قرآنِ کریم کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب قرآنِ کریم پڑھا جائے، تو سننے والے توجہ سے کان لگا کر سنیں، اور خاموش رہیں، کیونکہ قرآنِ کریم کی رحمت سے فائدہ حاصل کرنا مذکورہ آداب بجالانے پر موقوف ہے، اگر کوئی ان آداب کی خلاف ورزی کر کے قرآن کی بے ادبی کا مرتکب ہوا، تو وہ رحمت کے بجائے قہر و غضب کا مستحق ہوگا۔

فاتحہ خلف الامام

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝" اصل میں نماز کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، اُمّت کے سب سے بڑے مفسر حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس آیتِ کریمہ کو نماز کے متعلق قرار دیا، یعنی جب نماز میں امام قرآنِ کریم پڑھے تو خوب توجہ سے سنا جائے اور کان لگائے جائیں، کئی احادیث مبارکہ میں بھی یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے، اس لیے امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورتِ فاتحہ یا کوئی اور سورت نہیں پڑھنی چاہیے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

دُنیا کے بگاڑ کا سبب

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسان کو غفلت سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے غفلت سے بچاؤ کے طریقے بھی بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے بگاڑ کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان اس بات سے غافل ہو جاتا ہے کہ اللہ میرا ربّ ہے اور میں اس کا بندہ ہوں، اس غفلت سے وہ نتائج پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں، جس سے ظلم کا دروازہ کھلتا ہے اور حقوق و فرائض کی پامالی وجود میں آتی ہے اور انسان بڑھتے بڑھتے گمراہی کی تمام منزلوں سے گزر جاتا ہے۔

حل اور علاج

اس غفلت کو دور کرنے اور انسان کی اصلاح کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت سے اس کا تعلق

جوڑ دیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان قرآنِ کریم سے اپنا تعلق پیدا کرے، اسے غور سے سنے، سمجھے، اور غفلت سے نکلنے کے لیے اللہ کی یاد کو اپنا وظیفہ بنالے، ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان واقعی انسان بن جائے گا اور اس کا سفر اس کی حقیقی منزل کی طرف شروع ہوجائے گا۔

''ذِکراللہ'' کے آداب

چنانچہ سورت کے آخر میں ذکر کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں:

۱-پہلا ادب ذکر کے طریقے سے متعلق ہے، اس بارے میں مذکورہ آیت سے ذکر اللہ کے تین طریقے حاصل ہوئے:

''ذِکراللہ'' کرنے کے تین طریقے

۱......بغیر زبان کی حرکت کے صرف دل میں اللہ ربّ العزّت کی ذات وصفات کا دھیان اور خیال رکھے، جس کو ذکرِ قلبی کہا جاتا ہے۔

۲......دوسرا یہ کہ دل میں دھیان رکھنے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی ذکر کیا جائے، مگر آواز بلند نہ ہو، جس کو دوسرے آدمی سن سکیں۔

۳......تیسرا طریقہ ذکر جہری کا ہے کہ استحضار قلب اور دھیان کے ساتھ زبان کی حرکت بھی ہو اور آواز بھی قدرے بلند ہو۔مگر اس تیسرے طریقہ کے لیے ادب یہ ہے کہ آواز زیادہ بلند نہ کرے، بلکہ اعتدال کے ساتھ متوسط حد تک رہے۔جیسا کہ قرآنِ کریم کی ایک اور آیت ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا'' (الإسراء:۱۱۰) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی قرات میں نہ زیادہ جہر کیا کریں اور نہ بالکل اخفا، بلکہ جہر اور اخفا کے درمیان کی کیفیت رکھا کریں۔

''ذِکر'' کا افضل طریقہ

سب سے افضل اور بہتر صورت یہی ہے کہ جو ذکر کر رہا ہے، اس کے مفہوم کو سمجھ کر دل میں بھی اس کا پورا استحضار اور دھیان ہو اور زبان سے بھی ادا کرے، کیونکہ اس صورت میں قلب کے ساتھ زبان بھی ذکر میں شریک ہوجاتی ہے۔

بلند آواز سے ''ذِکر'' کرنے کی شرائط

البتہ آواز سے تلاوت وذکر میں چند شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

۱-اس میں نام ونمود اور ریا کا اندیشہ نہ ہو۔

۲-آواز سے دوسرے لوگوں کو حرج یا تکلیف نہ ہو۔

لہٰذا جہاں نام ونمود اور ریا کا یا دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل کا اندیشہ ہو، تو آہستہ ہی تلاوت وذکر کرنا افضل ہے۔

''ذِکر'' جہری افضل ہے یا سرّی؟

ذکر جہری اور ذکر سری میں سے کون سا افضل ہے، اس میں علمائے کرام کی آراء مختلف ہیں، راجح قول یہ ہے کہ مختلف اشخاص اور حالات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوجاتا ہے، بعض لوگوں کے لیے جہر بہتر ہوتا ہے اور بعض کے لیے اخفاء، نیز بعض اوقات جہر بہتر ہوتا ہے اور بعض وقت آہستہ آواز میں ذکر کرنا بہتر ہوتا ہے۔

''ذِکر'' کے دیگر آداب

ذکر کا ایک ادب ذکر کیا جاچکا۔ ذکر کا دوسرا ادب یہ ہے کہ:

۲......عاجزی اور تضرّع کے ساتھ ذِکر کیا جائے۔

۳......ذِکر کا تیسرا ادب یہ ہے کہ ذِکر و تلاوت کے وقت انسان پر خشیت طاری ہو۔

مقرّبینِ پروردگار کا حال

سورت کی آخری آیت میں لوگوں کی عبرت و نصیحت کے لیے مقربین بارگاہِ الٰہی کا ایک مخصوص حال بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبّر نہیں کرتے، بلکہ اپنے آپ کو عاجز اور محتاج سمجھ کر ہمیشہ اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ہر وقت تسبیح و تہلیل کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

''سجدۂ تلاوت'' کا حکم

قرآنِ کریم میں کل چودہ ایسی آیات ہیں جنہیں ''آیاتِ سجدہ'' کہا جاتا ہے، اور ان کا حکم یہ ہے کہ جو شخص ان آیات کو پڑھے یا سنے وہ سجدہ کرے۔ سورۂ اعراف کی آخری آیت چونکہ قرآنِ کریم کی پہلی آیتِ سجدہ ہے، لہٰذا یہاں سجدہ کرنا لازم ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم کی حقانیت کو بیان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ببانگ دہل تبلیغ دین کرنے اور اس سلسلہ میں کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لانے کا حکم فرمایا ہے۔

۲۔سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرما کر شیطان کی دشمنی کو واضح کیا گیا ہے اور انسانوں کو اس سے خبردار رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔سورت میں اہل ایمان کو لباس سے متعلّق ہدایات دینے کے ساتھ ساتھ کفّار کی فحش رسومات کی تردید کی گئی ہے۔

۴۔سورت میں جنتیوں اور جہنمیوں کا باہمی مکالمہ اور اصحاب الاعراف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۵۔سورت میں چھ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔

۶-سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نورانی صفات بیان کی گئی ہیں۔

۷-سورت میں عہد الست کو بیان کیا گیا ہے۔

۸-بےعمل عالم اور بدعمل مرشد کا انجام بیان کرنے کے لیے بنی اسرائیل کے ایک معروف عالم و پیر کا واقعہ بیان فرمایا۔

۹-کفار کے شبہات کے جوابات ذکر کیے گئے، خاص طور پر قیامت سے متعلق ان کے سوالات کے جواب بیان کیے گئے ہیں۔

۱۰-سورت میں قرآنِ کریم اور ذکر باری تعالیٰ کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة الاعراف بعون الله سبحانه وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْفَال

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں آٹھویں (۸) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے اٹھاسی (۸۸) نمبر پر ہے، دس (۱۰) رکوع اور پچھتر (۷۵) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱- انفال: نفل کی جمع ہے، اس کا معنی ہے غنیمت کا مال، اس سورت کی پہلی آیت میں انفال یعنی مالِ غنیمت کے احکام کے بارے میں مسلمانوں کے سوال اور اس کے جواب کا ذکر ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "سورۂ انفال" رکھا گیا۔

۲- القتال: اس سورت میں جنگ اور قتال کے احکام ذکر کیے گئے ہیں، اسی لیے اس سورت کو "سورۂ قتال" بھی کہا جاتا ہے۔

ما قبل سے ربط

گزشتہ سورت میں متعدد رسولوں اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے تھے، اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مدد و نصرت کے مادی، دنیوی اور روحانی قوانین وضوابط کو بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں معرکۂ جنگ اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت راہِ فرار اختیار کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔

۲- اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔

۳- سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دل کی زندگی اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے قائم ہے۔

۴- سورت میں قومی اور ملی رازوں کو فاش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۵- تقویٰ کے ثمرات وفوائد بیان کیے گئے ہیں۔

۶- نصرت باری تعالیٰ کے اسباب بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْــَٔلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗۤ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۚۖ ② الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یُنْفِقُوْنَ ؕ ③ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَہُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۚ ④

غزوۂ بدر کے مختصر احوال

چونکہ اس سورت میں غزوۂ بدر کے حالات وواقعات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کو سمجھنے کے لیے مختصراً غزوۂ بدر کے حالات سمجھنا ضروری ہے۔

مکہ مکرمہ کے تیرہ سال مسلمانوں نے مظلومیت کی زندگی گزاری، اس وقت تک جہاد کی اجازت نہیں ملی تھی، جب کفّار کے مظالم حد سے زیادہ ہوگئے تو اللہ ربّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت عطا فرمادی، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد باقاعدہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوششیں فرمائیں، اسی دوران اللہ ربّ العزّت نے جہاد کی اجازت بھی مرحمت فرمادی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت وبصیرت سے اس موقع پر نہایت دوراندیشانہ فیصلے فرمائے، آپ نے مدینہ کے قرب وجوار کے قبائل کے ساتھ گفت وشنید شروع کی، تاکہ انہیں حلیف یا کم از کم غیر جانبدار بنادیا جائے، وہ جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیں یا کم از کم دشمن کا ساتھ نہ دیں، اور غیر جانبدار رہیں، اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ۔ جو آپ کے سخت حریف اور دشمن تھے، اور انہیں اپنی دولت پر ناز تھا۔ کو معاشی طور پر کمزور کرنے کے لیے قریش کے گزرنے والے تجارتی قافلوں پر حملوں کے لیے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے، جنھیں اہل مغازی نے غزوۂ بواط اور غزوۂ ذوالعشیرہ سے تعبیر کیا ہے، جن کا صحیح بخاری میں بھی ذکر ہے۔

ابتدائے رمضان المبارک سن دو ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان مکہ سے تجارت کا جو بڑا

قافلہ لے کر شام گئے تھے، اب وہ قافلہ واپس آرہا ہے۔ اس قافلے کا مقصد محض تجارت نہیں تھا، بلکہ درحقیقت مسلمانوں پر حملہ کرنے اور ان کا استیصال کرنے کا قریش نے جو فیصلہ کیا تھا، اس کے لیے مصارف جنگ پورا کرنے کی تدبیر تھی۔ اس قافلے میں تقریباً پچاس ہزار دینار (کئی ملین روپے) کا مال تجارت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے خدشات کو محسوس کرتے ہوئے، ان کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ فرمایا، تاکہ معاشی طور پر ان کی کمر ٹوٹ جائے، اور مسلمان معاشی طور پر مضبوط ہو جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ساتھ اس قافلہ پر حملے کے لیے نکلے، جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی، چونکہ یہ باقاعدہ کوئی مہم نہیں تھی اور نہ ہی جنگ کا اعلان ہوا تھا، اس لیے سامان حرب کی تیاری کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔

دوسری طرف جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی محتاط تھے، وہ مختلف ذرائع سے اردگرد کی خبریں معلوم کرنے کی جستجو کررہا تھا، انہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے فوراً اپنا ایک آدمی مکہ بھیج دیا، جس نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم دستور کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس کی ناک چیر دی، کجاوے کو الٹ کر رکھ دیا، اپنی قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا، اے قریش کے لوگو! اپنے تجارتی قافلے کی خبر لو، تمہارا مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم اسے حاصل کر سکو گے، مدد! مدد!

مکہ میں خبر پہنچتے ہی ہلچل مچ گئی، ابوجہل نے فوراً لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کیا، ایک ہزار کا لشکر جن میں چھ سو زرہ پوش تھے، اکٹھا ہو کر فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ادھر جناب ابوسفیان نے غیر معروف راستہ اختیار کیا اور خطرے کی زد سے نکل گئے، سرداران قریش کو پیغام بھیجا، کہ اب تمہارے آگے جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ قافلہ بخیریت مکہ پہنچنے والا ہے، لیکن قریش کے طاغوت اکبر ابوجہل نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور نہایت کبر و غرور سے کہا: جب تک ہم بدر میں جا کر تین دن رہ کر، شراب پی کر، پکنک نہیں منالیں گے، واپس نہیں جائیں گے، چنانچہ وہ اپنے لشکر سمیت بدر کے میدان میں آگیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابوجہل کے لشکر کا پتہ چلا، تو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خاص تیاری کے تشریف لائے تھے، مسلمانوں کے مکمل لشکر میں ستر اونٹ، صرف دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور چھ زرہیں تھیں، جبکہ مشرکین کے لشکر میں دو سو گھوڑے، ایک ہزار اونٹ، دو سو زرہیں اور تلواریں تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کیا تو صحابہ ؓ نے جاں نثاری کا مظاہرہ کیا، اور عرض کیا کہ آپ ہمیں جو کہیں گے ہم کریں گے، مہاجرین اور انصار نے اپنے جذبات کا پُرجوش اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر پہنچے۔ اس سے آگے کے احوال وقتاً فوقتاً سورت میں ذکر کیے جائیں گے۔

سورت کا شانِ نزول

بدر میں جنگ ہوئی، تو اس میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، کفار کے ستر بڑے بڑے سردار قتل ہوئے، ابوجہل مارا گیا، عتبہ و شیبہ مارا گیا، اور ستر کافر گرفتار ہو گئے، اور بہت ساری غنیمت بھی ملی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں

مسلمانوں میں کچھ اختلاف ہو گیا۔ ہوا یوں کہ جنگ کے اختتام پر جب دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ رہا تھا تو مسلمان لشکر کے تین حصے ہو گئے:

۱۔ کچھ لوگوں نے دشمن کی شکست کے بعد دشمن کا تعاقب کیا، تا کہ دشمن واپس نہ آ سکے۔

۲۔ کچھ لوگ کُفار کا چھوڑا ہوا مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

۳۔ کچھ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پہرہ دیتے رہے، کہ کسی طرف چھپا ہوا دشمن آپ پر حملہ نہ کر دے۔

جب جنگ ختم ہوئی، سارے اکٹھے ہوئے، تو غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے، اس لیے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں، جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، کیونکہ ہم ہی نے دشمن کو پسپا کیا اور تمہیں موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کر لو۔ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرے داری میں مصروف تھے، انہوں نے کہا ہم چاہتے تو ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا، ہم اس میں مشغول رہے، اس لیے ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتاری۔ (معارف القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

”مالِ غنیمت“ کا اِستحقاق

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کے اسی مال غنیمت کے بارے میں ہوئے اختلاف کو ذکر فرما کر اس کا جواب بیان فرمایا۔ ارشاد باری ہے کہ اے نبی! یہ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے اور سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، اللہ کی مدد سے اور اللہ کے نبی کی دُعاؤں سے تمہیں جنگ میں فتح نصیب ہوئی ہے، اس لیے جو بھی غنیمت ملی ہے اسے صرف اللہ ربّ العزّت کا فضل و احسان اور اس کے نبی کی برکت گردانو، اور ان اختلافات سے بچو، کیونکہ حقیقی مؤمن دنیا کی ان فانی چیزوں پر جھگڑا نہیں کیا کرتے۔

یہاں مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کچھ نہیں فرمایا گیا، اس کی وضاحت آگے چل کر یعنی دسویں پارے کے آغاز میں فرمائی گئی، یہاں مقصود چونکہ سوچ اور تصورات کی اصلاح ہے، اس لیے بات کو یہیں تک محدود رکھا گیا، البتہ چونکہ مسلمانوں کا مال غنیمت پر اختلاف کرنا اور پھر دلوں کا اس سے متاثر ہونا، مسلمانوں کی شان کے لائق نہیں اس لیے ایسی

ہدایات دینا ضروری تھا، جس سے آئندہ اس قسم کے اختلافات پیدا نہ ہونے پائیں، اور اگر پیدا ہوتو اس کے برے اثرات دلوں تک نہ پہنچیں۔

تین ہدایات

چنانچہ تین ہدایات عطا فرمائی گئیں:

۱۔**تقویٰ**: پہلی ہدایت تقویٰ اختیار کرنے کی فرمائی گئی۔ تقویٰ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے، جس میں نیکی کی طرف میلان اور برائی سے نفرت بڑھ جاتی ہے، اس سے ایک مومن کے دلی احساسات اتنے مصفّٰی ہوجاتے ہیں کہ اللہ کی رضا کی طلب اس کی زندگی بن جاتی ہے، اور اللہ کی نافرمانی اسے موت محسوس ہونے لگتی ہے۔

۲۔**باہمی تعلقات کی درستگی اور معاملات کی صفائی**: مسلمان چونکہ آخری امت ہیں، اس لیے پوری دنیا کی اصلاح کا فریضہ مسلم امہ کو سپرد کیا گیا ہے، جو بلاشبہ ایک مشکل کام ہے، اس راہ پر قدم قدم پر مشکلات سے واسطہ پڑنے کا اندیشہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس امت کے افراد میں باہمی محبت ومودت ہو، کیونکہ اگر اس امت کے افراد میں باہمی محبت ومودت نہیں ہوگی اور آپس کے تعلقات میں اخلاص اور گہرائی نہیں ہوگی تو یہ دشمن کے مقابلے میں کبھی سیسہ پلائی دیوار نہیں بن سکتے۔ اس لیے پہلے ہی معرکے میں باہمی تعلقات میں ہلکی سی خراش دیکھ کر پروردگار نے اس کے مستقل ازالے کے لیے یہ ہدایت نازل فرمائی کہ باہم تعلقات درست کرو۔

۳۔**اطاعت خدا اور رسول**: زندگی کے تمام معاملات میں خوش اسلوبی، بندوں کے اللہ سے تعلقات میں گہرائی اور خوش اسلوبی، صرف ایک ہی صورت سے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے، اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے، کہ زندگی کا کوئی معاملہ ہو، عبادت سے متعلق ہو یا معاملات سے متعلق، جنگ کے بارے میں ہو یا مال غنیمت سے متعلق، تمہیں اللہ ورسول سے ہی صحیح راہنمائی ملے گی، اس لیے ہر دم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دم بھرتے رہو۔

حقیقی مومنین کی صفات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سچے مومنین کی پانچ صفات کو بیان فرمایا:

۱۔**خشیت باری تعالیٰ**: مومنین کے سامنے جب اللہ کا نام آتا ہے، تو ان کے دل دہل اٹھتے ہیں، دلوں میں کپکپی طاری ہوجاتی ہے، اللہ کی کبریائی، اس کی قدرتوں کی عظمت، اس کی جلالت قدر کا تصور کر کے دل پگھلنے لگتا ہے، کبھی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں، کبھی دل کے احساسات آہوں کی صورت میں ڈھل جاتے ہیں۔ جب بھی کوئی معاملہ ان کے سامنے آتا ہے، تو وہ فوراً سوچنے لگتے ہیں کہ اس سے متعلق ہمارے اللہ کا حکم کیا ہے؟

۲۔**ایمان میں ترقی**: مومنین کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جائیں، تو وہ ان آیات کو سن کر لپکتے ہوئے

ان کی طرف بڑھتے ہیں، اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا پیغام ہمارے نام آیا ہے، جس کے نتیجے میں ان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

۳۔**اللہ پر توکل:** مومنین اپنے ربّ پر مکمل بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔

۴۔**نماز کی حفاظت:** مومنین نمازوں کی مکمل پاسداری کرتے ہیں اور انہیں بروقت صحیح طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

۵۔**انفاق فی سبیل اللہ:** مومنین اپنے مال کے ذریعے اللہ کے بندوں پر احسان کرتے ہیں، اپنا مال غریبوں پر خرچ کر کے اللہ کے سامنے سرخرو ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

حقیقی مؤمنین کے لیے انعام خداوندی

جو لوگ ان صفات سے متصف ہیں، یہی درحقیقت پکے مومن ہیں، ان کے لیے تین قسم کے انعامات ہیں:

۱۔درجات عالیہ۔

۲۔مغفرت۔

۳۔عمدہ رزق۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ
اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ
وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

جہادی تربیت

پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کو بدر کے موقع پر جہاد کے لیے اقدام ناپسند تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ سے نکلتے ہوئے صرف ایک لشکر پر حملے کا ارادہ تھا، نہ جنگ کا ارادہ تھا نہ کوئی تیاری، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فرمان کے ذریعے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا تو ناپسند کرنے والے بھی ساتھ ہوگئے، ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد کے لیے نکلنا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نکالنا تھا، جو آپ کی ذات سے ظاہر ہوا، اور یہ جہاد کے لیے آپ کو نکالنا تربیت کے تقاضے سے تھا، کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم ومقہور مسلمانوں کے لیے فتح یابی اور مغرور وظالم کفّار کے لیے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔

مسلمانوں کی خواہش کے برعکس فیصلہ خداوندی اور اس کے ثمرات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ بدر سے متعلق فرمایا کہ اللہ کا تم سے وعدہ تھا کہ دو جماعتوں (ابوسفیان کا

قافلہ اور ابوجہل کا لشکر) میں سے ایک جماعت پر فتح دوں گا، اللہ ربّ العزّت اگرچہ علیم وخبیر ذات ہیں، لیکن اس کے باوجود کسی ایک جماعت کی تعیین اس لیے نہ کی تاکہ تمہارا امتحان ہو کہ آسان کام کو پسند کرتے ہو یا مشکل کو۔ اور تم میں سے بعض یہ چاہتے تھے کہ ابوجہل کی لڑنے والی، جنگجو جماعت سے مقابلہ نہ ہو، تجارتی قافلے پر قبضہ ہو جائے، لیکن اللہ چاہتے تھے کہ اسلام کا اصل مقصد حاصل ہو یعنی حق ثابت ہو جائے، کُفر کی جڑ کٹ جائے، ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ مسلح فوج سے مقابلہ اور اس پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ اور غلبہ ہو۔ چنانچہ اس جنگ کے ذریعہ اسلام کی شاندار فتح ہوئی اور کُفر پر کاری ضرب پڑ گئی۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

سب منگتے، ربّ داتا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب دیکھا کہ ہماری تعداد صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں، جبکہ مقابلہ پر تقریباً ایک ہزار کا مسلح لشکر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور مسلسل آہ وزاری کے ساتھ دُعا میں مصروف رہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے دُعا قبول فرمائی اور مدد ونصرت کا وعدہ فرمالیا، اسی بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے، جب تم اپنے ربّ سے مدد طلب کر رہے تھے، اور اللہ سے گڑگڑا کر دُعا کر رہے تھے اے اللہ! ہماری مدد فرما تو اللہ ربّ العزّت نے تمہاری دُعا کو قبول فرمالیا اور فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں جو یکے بعد دیگرے قطار کی شکل میں آئیں گے اور اس جنگ میں تمہاری مدد کریں گے۔

"بدر" میں فرشتوں کا نزول

غزوۂ بدر میں اللہ ربّ العزّت نے فرشتوں کی جو جماعت مدد کے لیے بھیجی تھی، ان کی تعداد اس آیت میں ایک ہزار جبکہ سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی طور پر ایک ہزار فرشتے بھیجے گئے تھے، پھر مسلمانوں کو خبر ملی کہ مشرکین کو کمک ملنے والی ہے، جس سے مسلمانوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہوا، اس پر

اللہ ربّ العزّت نے تین ہزار فرشتوں کی کمک مسلمانوں کو عطا فرمائی، اور پانچ ہزار فرشتوں کا وعدہ اس صورت میں تھا کہ اگر مشرکین نے یکبارگی حملہ کیا تو اللہ ربّ العزّت پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائیں گے۔

''بدر'' میں اللہ کی مدد و نصرت کا عجیب واقعہ

مسلمان جب بدر میں پہنچے تو دیکھا کہ کافروں کا لشکر پہلے ہی آ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا ہے جو اونچائی پر ہے اور پانی کے قریب ہے، چنانچہ مسلمانوں کو وادی کے نچلے حصے میں جگہ ملی جو بالکل ریتلی زمین تھی، اس میں پاؤں دھنس رہے تھے، پینے اور وضو کرنے کے لیے پانی دستیاب نہیں تھا، اس صورتحال سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت پریشان ہوئے، اسی حالت میں اللہ ربّ العزّت کی جانب سے پہلی مدد یہ ہوئی کہ اللہ نے بارش برسادی، جس کی وجہ سے کچی اور ریتلی زمین جم گئی، اور مسلمانوں نے پانی کے تالاب بنا کر پانی جمع کر لیا، گرد بھی ختم ہوگئی اور صحابہ کرام نے غسل بھی کر لیا، سب صحابہ تازہ دم ہوگئے۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے سب پر نیند مسلط فرمادی، جس سے ان کی ساری تھکاوٹ دور ہوگئی، اور مسلمان جم کر میدان جنگ میں لڑے۔

''بدر'' میں فرشتوں کی ذمہ داری

جب اللہ ربّ العزّت نے بدر میں مسلمانوں کی مدد و نصرت کے لیے فرشتے نازل فرمائے تو انہیں خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، ان کے دلوں کو مضبوط کرو، میں کفّار کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور ان پر مسلمانوں کی دھاک بٹھادوں گا، سو تم ان کی گردنوں اور ان کے پوروں پر مارو۔ یہ کفّار کے کفر اور اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول کی مخالفت کی سزا ہے، اور آخرت میں بھی انہیں جہنّم کی آگ کا ایندھن بننا پڑے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا
مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ فَلَمْ
تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً
حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ
الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ
اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

میدانِ جہاد سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے!

پہلی دو آیات میں اللہ ربّ العزّت نے جہاد کا ایک قانون بیان فرمایا ہے کہ جب اہل ایمان کی کافروں سے مڈبھیڑ اور لڑائی ہو تو ثابت قدمی اختیار کرنی چاہیے اور جم کر مقابلہ کرنا چاہیے، اور بزدلی یا موت کے ڈر سے میدان جنگ سے ہرگز

نہیں بھاگنا چاہیے، کیونکہ میدان جنگ سے بھاگنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے، جو بھی شخص یا فوج میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کرے گی وہ اللہ ربّ العزّت کے غضب کی سزاوار ہوگی۔ البتہ دوصورتوں میں استثناء ہے:

۱۔ ایسی پسپائی جو کسی جنگی چال چلنے کے لیے یا پینترا بدلنے کے لیے ہو اس کی اجازت ہے۔

۲۔ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لیے وقتی طور پر پیچھے ہٹیں تا کہ مجاہدین کی مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں۔

ان دوصورتوں کے علاوہ کسی بھی صورت میں میدان جنگ چھوڑ کر جانا جائز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تیرے تمام ساتھی قتل ہو جائیں تب بھی میدان جنگ سے نہ بھاگنا۔

”بدر“ میں معجزاتِ نبوی کا ظہور

اس جنگی قانون کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر غزوۂ بدر کا تذکرہ فرمایا اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اس غزوہ میں اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کے باوجود اپنی فتح کو اپنا ذاتی کارنامہ نہ سمجھیں، بلکہ اس ذاتِ پاک کا شکر ادا کریں، جس کی مدد و نصرت سے انہیں یہ فتح حاصل ہوئی۔ اسی غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ظاہر ہوا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مکہ کے مشرکین کا بڑا لشکر اپنی کثرت اور قوت پر فخر کرتا ہوا متکبرانہ انداز میں سامنے آرہا ہے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ یا اللہ! یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر و تکبّر کرتے ہوئے آرہے ہیں آپ نے فتح کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما، اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نازل فرمایا، انہوں نے آکر عرض کیا کہ آپ ایک مٹھی خاک لے کر دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیں، آپ نے ایسا ہی کیا، اور ایک یا تین مٹھی بھر کر ان کی جانب پھینک دی، قدرت خداوندی نے اس مٹھی کو معجزانہ طور پر اس طرح پھیلا دیا کہ مخالف لشکر کا کوئی آدمی باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اور چہرے پر یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں، جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ (معارف القرآن)

ابوجہل کی دُعا

قریش مکہ جب مسلمانوں کے استیصال کے لیے مکہ سے نکل رہے تھے، تو لشکر کے سب سے زیادہ فتنہ پرور آدمی ابوجہل نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر دُعا کی تھی، اے اللہ! دونوں لشکروں میں سے جو اعلیٰ و افضل اور ہدایت پر ہے، اسے فتح عطا فرما دیجیے، اور جو قرابتوں کو توڑنے والا اور قطع رحمی کرنے والا ہے، اسے آپ کچل دیجیے، جب جنگ ختم ہوئی اور نتیجہ سامنے آیا اور کفّار کے بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے، ستر افراد قید ہوئے تو اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ”تم نے ہم سے فیصلہ مانگا تھا، ہم نے فیصلہ دے دیا“، جو قرابتوں کو توڑنے والے تھے وہ ہار گئے، جو اللہ کی ماننے

والے اور ہدایت پر تھے وہ کامیاب ہو گئے۔ اس لیے تمہیں اب اپنی دُعا کے مطابق اس فیصلے کو قبول کر لینا چاہیے اور میرے نبی کے ہاتھ پر ایمان لے آنا چاہیے، یہی تمہارے لیے بہتر ہے، لیکن اگر تم اپنی سرکشی سے اب بھی باز نہیں آتے اور خدائی فیصلہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہو تو پھر یاد رکھو! تمہاری سرکشی تمہیں لے ڈوبے گی، اگر تم اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹو گے، تو ہم بھی اپنی سنت کی طرف لوٹیں گے، اور تمہارا سر کچل دیں گے، تمہاری قوت اور کثرت تمہارے کسی کام نہیں آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو چند ہدایات فرمائی ہیں جو عمومی زندگی میں بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور حالت جنگ میں ان کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔

۱۔ پہلی ہدایت یہ فرمائی کہ مسلمان اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم پکڑیں، شریعت کے کسی بھی حکم سے سرمو انحراف نہ کریں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سن کر دل سے ان کی تصدیق کریں اور ان پر عمل کریں، گویا دل وجان سے احکام شریعت کی اطاعت میں مصروف رہیں۔ کُفّار ومنافقین کی طرح صرف زبانی دعووں پر اکتفاء نہ کریں۔ کیونکہ ایسے کُفّار اور منافقین جو حق بات کو غور وفکر کے ساتھ نہیں سنتے اور اسے قبول نہیں کرتے، اللہ ربّ العزّت کے نزدیک جانوروں اور چوپایوں سے بھی بدتر ہیں۔

۲۔ دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں کسی کام کے لیے بلائیں (خصوصاً ایمان وجہاد کے لیے) تو فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہو اور آپ کی بات مانو، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو بھی حکم دیتے ہیں اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ سب احکام تمہارے ہی فائدہ کے لیے دیے جاتے ہیں۔ یہ احکام تمہارے دلوں کی حیات اور تمہارے ایمان کی روحانی زندگی کا ذریعہ ہیں۔

۳۔ تیسری ہدایت یہ دی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اور نہ ہی اپنی امانتوں میں کوئی خیانت کرو۔ یہ ہدایت اگر چہ عام ہے، لیکن اس کا نزول ایک خاص واقعہ کے لیے ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ تھا، جس نے مشرکین کے بہکاوے میں آ کر مسلمانوں سے معاہدہ توڑ ڈالا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے اس شرط پر مصالحت ہوئی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ فریقین کے لیے قبول ہوگا۔ انہوں نے کہا مشورہ کے لیے ہمارے پاس حضرت ابولبابہ کو بھیجو، یہ تشریف لے گئے۔ چونکہ ان کے مال اور بچے انہیں کے قبیلہ میں رہتے تھے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا مشورہ ہے؟ تو انہوں نے گردن پر ہاتھ پھیرا کہ تم قتل کر دیے جاؤ گے، مال و اولاد کی محبت میں یہ کام کر تو گزرے، مگر فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے تو اللہ کے نبی کے راز کی خیانت کر دی، تو چپکے سے وہاں سے آئے اور اپنے آپ کو مسجدِ نبوی میں ایک ستون سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی اسی طرح بندھا رہوں گا، اس حالت پر کئی دن گزر گئے، کھانے پینے کے قریب نہ جاتے تھے، جس کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی، تقریباً سات دن کے بعد اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرمالی۔ بعض حضرات نے ان کو خوشخبری سنائی اور کھولنا چاہا مگر انہوں نے کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے نہ کھولیں گے، میں یہاں سے نہیں ہلوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھول دیا۔ (معارف القرآن)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

''تقویٰ'' کے ثمرات

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے تقویٰ کے ثمرات بیان کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اے اہل ایمان اگر تم اللہ ربّ العزّت کی اطاعت و محبت کو سب چیزوں پر مقدم رکھو اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ ربّ العزّت تمہیں تین چیزیں عطا فرمائیں گے:

۱۔ اللہ ربّ العزّت تمہاری مدد و نصرت فرمائیں گے، (آیت میں اس کے لیے لفظ ''فرقان'' استعمال کیا گیا ہے، جس کا معنی دو چیزوں میں فرق کرنے کا ہے، چونکہ اللہ ربّ العزّت کی مدد سے اہل حق، اہل باطل پر غالب ہوتے ہیں جس سے حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے، اس لیے اسے بھی فرقان کہہ دیا جاتا ہے)۔

۲- اللہ ربّ العزّت تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے۔

۳- اللہ ربّ العزّت تمہاری مغفرت فرمادیں گے۔

مشرکین کا بھیانک منصوبہ اور اس کی ناکامی

تقویٰ کے ثمرات بیان کرنے کے اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے اور آپ کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے ایک بھیانک منصوبے کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے وقت مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے سے ہٹانے اور اسلامی دعوت کو فنا کرنے کے لیے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا، سب قبائل کے سردار دار الندوہ میں جمع ہوئے، اور مشورہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) راستے سے ہٹانے کے لیے کیا لائحہ عمل طے کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ آپ کو جلاوطن کردیا جائے، کسی نے گرفتاری کا مشورہ دیا، ابوجہل نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ عرب کے تمام قبائل میں سے ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی لیا جائے، وہ سب مل کر یکبارگی آپ پر حملہ کر کے قتل کردیں، چونکہ قاتلین تمام قبائل عرب میں سے ہوں گے تو بنو ہاشم سب سے لڑ نہیں سکیں گے اور وہ چاروناچار دیت پر رضامند ہوجائیں گے، جو سب قبائل مل کر ادا کردیں گے۔ اس منصوبے میں شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں موجود رہا، اس نے بھی ابوجہل کی بات کی تائید کی، چنانچہ سب نے اسی رائے پر عمل کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے منصوبے سے آگاہ فرمادیا اور حکم فرمادیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں بلکہ مکہ سے ہجرت فرماجائیں، ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجوانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کرلیا، جب رات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سلادیا، اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے، اور وہ مٹی ان محاصرہ کرنے والوں کے سروں پر ڈال دی، اللہ ربّ العزّت نے ان کی نظروں پر پردہ ڈال دیا، جس سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات ہی رات غار ثور میں چلے گئے، تین راتیں غار ثور میں رہنے کے بعد ہجرت فرما کر مدینہ میں آگئے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کیجیے جب کفّار آپ کے بارے میں مختلف تدبیریں کررہے تھے کہ آپ کو قید کریں، قتل کریں یا جلاوطن کردیں، اور دوسری طرف اللہ ربّ العزّت اپنی تدبیر فرما رہے تھے، اور یقیناً اللہ ربّ العزّت سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں، جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے۔

وجودِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اِستغفار عذاب سے مانع ہیں!

مشرکین مکہ کا سردار ابوجہل اپنی قوم کو کفر پر جمے رہنے کے لیے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کرتا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہی (دین اسلام) حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے، اسی طرح جب

ابوجہل بدر کے لیے مکہ سے نکل رہا تھا، اس وقت بھی اس نے یہی دُعا کی، اللہ ربّ العزّت نے اس کا جواب دیتے ہوئے اپنی ایک سنّت اور قانون کو بیان فرمایا، کہ اجتماعی عذاب نہ آنے کے دو اسباب ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں موجودگی عذاب سے مانع ہے، کیونکہ باری تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب تک اللہ کا رسول اپنی قوم میں موجود ہوتا ہے، اس وقت تک باری تعالیٰ عذاب نازل نہیں فرماتے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم استغفار کرتی رہے اور اللہ ربّ العزّت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہے تب تک ان پر عذاب نازل نہیں ہوتا، اور مکہ مکرمہ میں بہت سے کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکے تھے اور مکہ میں رہ گئے تھے وہ استغفار کیا کرتے تھے، نیز مشرکین مکہ بھی مشرک اور کافر ہونے کے باوجود اپنے طواف وغیرہ میں ''غفرانک، غفرانک'' کہا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ استغفار اگرچہ آخرت میں کسی کام نہ آئے گا، مگر دنیا میں اس کا یہ نفع ان کو مل گیا کہ دنیا میں عذاب سے بچ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرتے، کفار و مشرکین اگر کوئی نیک عمل کرتے ہیں، تو اس کا بدلہ ان کو اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

کفّار باز آجائیں تو معافی مل سکتی ہے!

ان آیات میں میں اللہ تعالیٰ نے کفّار و مشرکین کے تمام تر کرتوتوں کے باوجود اپنے پیارے رسول کی زبان سے یہ اعلان کروایا کہ اگر یہ لوگ اپنے رویے کو بدل لیں، اسلام کی مخالفت سے باز آجائیں، اللہ کے گھر کو جس طرح اللہ والوں پر ممنوع قرار دے رکھا ہے، اس سے توبہ کرلیں، اور اسلام کی آغوش میں آجائیں، تو اب تک جتنے بڑے بڑے جرائم کر چکے ہیں، اس کے بارے میں ان سے بالکل نہیں پوچھا جائے گا، ان کی چھوٹی بڑی غلطیاں معاف کردی جائیں گی، لیکن اگر انہوں نے اللہ کی دعوت استغفار کو قبول نہ کیا، کفر سے نکل کر اسلام کی آغوش میں نہ آئے، اپنے اندھے پن پر اصرار جاری رکھا، تو پھر یاد رکھو! اس سے پہلے لوگوں کے ساتھ اللہ کی جو سنت رہی ہے، وہ گزر چکی ہے، اللہ کے جس قانون عدل سے سابقہ امتیں دوچار ہو چکی ہیں، ان کی تاریخ تمہارے سامنے ہے، تم قوم عاد، قوم ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کے کھنڈرات سے تجارتی اسفار میں گزرتے رہتے ہو، ان کے تمام علاقے اللہ کے عذاب کی منہ بولتی تصویر ہیں، جس بدترین صورتحال سے وہ قومیں دوچار ہوئی تھیں، اسی صورتحال سے تم بھی دوچار ہو سکتے ہو۔

اگر کفّار باز نہ آئیں

پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر یہ کفریہ طاقتیں اپنا رویہ بدلنے کو تیار نہیں تو ان سے اس وقت تک جہاد کرو، جب تک

کہ کفر و شرک اور ان مظالم کا مکمل سد باب نہ ہو جائے جو کفّار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوا کرتی تھیں، اور اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔ اس جہاد و قتال کے نتیجے میں اگر یہ کفّار اپنے ظلم و جور سے باز آجائیں تو اللہ ربّ العزّت ان کے اعمال سے واقف ہے وہ ان کے اعمال کے مطابق ان سے معاملہ فرمائیں گے، اور اگر کفّار اپنی روش سے باز نہ آئیں اور اپنی ضد و عناد پر قائم رہیں تو مسلمانوں کے لیے وہی حکم ہے جو پہلے ذکر ہوا کہ ان سے جہاد اور قتال جاری رکھے، اور اس بات کا قطعی خوف نہ کریں کہ ہمارے پاس لشکر یا سامان حرب کم ہے، اس لیے ہم مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت تمہارا مولیٰ اور کارساز ہے، اور اس سے بہتر نہ کوئی مولیٰ ہے اور نہ کوئی سازگار و مددگار۔ جس نے اللہ ربّ العزّت کا دامن پکڑ لیا، دنیا و آخرت کی سب سے بڑی قوت اس کے ہاتھ میں آگئی۔ بقول شخصے:

کیا غم ہے اگر ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

پارہ نمبر ۱۰

یہ پارہ سورۂ انفال کے بقیہ حصے اور سورۂ توبہ کے اکثر حصہ پر مشتمل ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''مالِ غنیمت'' کے احکام

سورت کے آغاز میں یہ بات گزر چکی ہے کہ غزوۂ بدر میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ سورت نازل فرما کر ابتداء انہیں یہ تربیت دی کہ دنیا کی عارضی مال و متاع کے بارے میں اختلاف کرنے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور تقویٰ اختیار کرنا بہتر ہے، اب اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مالِ غنیمت کے مصارف اور اس کے احکام بیان فرما دیے ہیں، تاکہ آئندہ کے لیے کسی اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔

''غنیمت'' کیا ہے؟

غنیمت دراصل اس مال کو کہتے ہیں، جو کفّار کے ساتھ باقاعدہ جہاد اور لڑائی کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہو، اور اگر کوئی مال غیر مسلموں سے بغیر جنگ اور لڑائی کے حاصل ہو جائے تو اسے مالِ فئی کہتے ہیں۔ یہاں مالِ غنیمت کا ذکر ہے، جبکہ مالِ فئی کے احکام سورۂ حشر میں ذکر کیے گئے ہیں۔

گزشتہ اقوام پر مالِ غنیمت کا استعمال حرام تھا، آسمان سے آگ آتی تھی جو مالِ غنیمت کو جلا کر راکھ کر دیا کرتی تھی، اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت حلال فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اُحِلَّتْ لِی الْغَنَائِم'' میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں۔ (صحیح بخاری:۴۳۸)

تقسیمِ غنیمت کے اُصول

تقسیمِ غنیمت کا اصول بیان کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ غنیمت کے مال کے پانچ حصے کیے جائیں گے، اس میں سے ۱/۵ حصہ اللہ ربّ العزّت کے لیے، (ذاتِ باری تعالیٰ کا ذکر تبرک اور برکت کے طور پر ہے، نیز اس میں بھی اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مالِ غنیمت درحقیقت اللہ ربّ العزّت کی ہی ملکیت ہے، اور اسی کے حکم سے مندرجہ ذیل مصارف میں اس کو خرچ کیا جائے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات اور ذاتی مصارف کے لیے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریبی رشتہ داروں کے لیے، یتیموں کے لیے، مساکین کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے، یعنی کُل مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ان مذکورہ مصارف میں خرچ ہوگا، اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ اور گھڑسوار کے لیے دو حصے ہوں گے، ایک حصہ اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا ہوگا۔

موجودہ دور میں خمس کا حکم

جمہور ائمہ کے نزدیک مالِ غنیمت کے خمس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ رکھا گیا تھا وہ آپ کے منصب نبوّت ورسالت کی بنا پر تھا، آپ کی وفات کے بعد یہ حصہ خود بخود ختم ہوگیا کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں۔

جہاں تک تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا، تو وہ اگر غریب اور فقراء ہوں تو ان کا حق خمس میں دیگر مصارف یعنی یتیم، مسکین اور مسافر سے مقدم ہے، کیونکہ ان کی امداد زکوٰۃ وصدقات سے نہیں ہوسکتی، جبکہ یتیم و مسکین وغیرہ کی امداد زکوٰۃ وصدقات وغیرہ سے بھی کی جاسکتی ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں میں سے جو مالدار اور غنی ہوں، ان کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان کا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم ہوگیا، اب انہیں مالِ غنیمت کے خمس سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے۔ (معارف القرآن)

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي
الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي
الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا
وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

غزوۂ بدر میں کامیابی کے اسباب اور نصرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب بیان کرتے ہوئے اپنی مدد ونصرت کے نمونے بیان فرمائے، جن کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح یقینی بن سکی۔ وگرنہ بادی النظر اور اسباب کی دنیا کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں اور کُفّار کے لشکر میں کوئی تناسب ہی نہیں تھا، مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ جبکہ دشمن فوج تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں تھی، مسلمان فوج بے سروسامان جبکہ کُفّار کا لشکر آلاتِ جنگ وسامانِ حرب سے لیس تھا، مسلمان جنگ میں جس مقام پر موجود تھے وہ جنگی نقطۂ نظر سے بالکل غیر موزوں جگہ تھی، زمین ریتلی تھی، پانی دستیاب نہیں تھا، جبکہ کُفّار کا لشکر جس جگہ پر فروکش تھا وہ زمین مضبوط تھی اور پانی پر ان کا قبضہ تھا، ان سب پہلوؤں کو دیکھا جائے تو یہ جنگ بظاہر یکطرفہ (one sided) دکھائی دیتی تھی، اسی وجہ سے اللہ رَبّ العزّت نے ان آیات میں فرمایا کہ اگر دنیا کی عام جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تیاری سے لڑی جاتی تو یہ جنگ کبھی ہوتی ہی نہیں۔ لیکن اللہ رَبّ العزّت کی یہ مرضی تھی کہ اس مٹھی بھر لشکر سے کُفر یہ طاقت کو عبرتناک انجام سے دوچار کرائے، تاکہ دشمن پر اسلام کی دھاک بیٹھ سکے اور دنیا میں اسلام کو غلبہ نصیب ہو اور حق اور باطل کھل کر ہر ایک کے سامنے آسکے، اس لیے یہ جنگ ہوئی اور اللہ رَبّ العزّت نے اس میں اپنے دین والوں کی مدد ونصرت فرمائی جس کی وجہ سے انہوں نے اس غزوہ میں دشمن کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

میدان جنگ کا نقشہ بیان کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان میدان جنگ کے اس جانب تھے جو مدینہ منورہ کو قریب تھا، اور کافر ان کے بالکل سامنے اس جانب تھے جو مدینہ سے دور تھا، جبکہ ابوسفیان کا قافلہ جس کی وجہ سے اس جہاد کی نوبت آئی وہ بھی کُفّار کے لشکر کے قریب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے دور سمندر کے کنارے چل رہا تھا۔ مسلمان جس جگہ موجود تھے وہ چونکہ ریتلی زمین تھی، جس میں چلنا بھی مشکل تھا اور پانی بھی دور تھا (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا) پھر اللہ رَبّ العزّت نے بارش برسائی، جس سے وہ ریتلی زمین سخت ہوگئی، مسلمانوں نے پانی کو اپنے پاس ذخیرہ بھی کر لیا، جس سے ان کے حوصلے بلند ہوگئے اور وہ بالکل تازہ دم ہو کر جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔

اس کے علاوہ اس غزوہ میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک اور معجزہ اور کرشمہ ظاہر فرمایا، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو کُفّار کی تعداد بہت کم کر کے دکھائی گئی تاکہ مسلمانوں میں اختلاف اور کمزوری نہ پیدا ہو، اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ان کی تعداد بہت کم دکھائی گئی، آپ نے سب مسلمانوں کو بتادیا جس سے ان کے حوصلے بلند ہوگئے، اور دوسری مرتبہ عین میدان جنگ میں جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو مسلمانوں کو کُفّار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی۔

اسی طرح کُفّار کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم کر کے دکھائی گئی، جس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ مشرکین کے دلوں پر مسلمانوں کا رُعب پہلے ہی نہ چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ

اللہ ربّ العزّت کا جو فیصلہ ہے وہ پایۂ تکمیل تک پہنچے، اور مسلمان بے سروسامانی کے باوجود فتح یاب ہو جائیں تاکہ اسلام کی حقانیت سب پر واضح ہو جائے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۝

جہاد میں فتح و نصرت کے قوانین اور قرآنی ہدایات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں کامیابی اور مدد و نصرت کے حصول کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں۔ جو ذیل میں درج ہیں:

۱۔ **ثابت قدمی:** پہلا اصول یہ ہے کہ جب جنگ کی نوبت آئے اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو ہمت اور حوصلہ سے کام لے کر ثابت قدم رہا جائے۔

۲۔ **ذکر اللہ:** دوسرا اصول یہ ہے کہ جنگ کی تیاری کے دنوں میں اور اسی طرح میدان جنگ کے لمحات میں مجاہد کا دل اللہ ربّ العزّت سے ایک لحظہ بھی غافل نہ ہو اور اس کی زبان پروردگار عالم کے ذکر سے تر رہے۔ اللہ ربّ العزّت کا ذکر مؤمن کا اصل ہتھیار اور قوت ہے، اس لیے جنگ کے پرخطر میدان میں بھی ذکر باری تعالیٰ کا مکمل اہتمام کرنا چاہیے تاکہ اس کی برکت سے کامیابی نصیب ہو۔

۳۔ **اطاعت خدا اور رسول:** جہاد میں کامیابی اور اللہ ربّ العزّت کی مدد و نصرت حاصل کرنے کا تیسرا اصول یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول کی ہر حال میں اطاعت کی جائے، احکامِ شریعت کی پابندی کی جائے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کی مدد و نصرت اس کی اطاعت کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۴۔ **باہمی اختلاف اور جھگڑے سے پرہیز:** چوتھا اصول یہ ہے کہ باہمی اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے مکمل اجتناب کیا جائے، یک جان اور باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہا جائے، کیونکہ لڑائی جھگڑے انسان کا رعب ختم کرنے کا باعث بنتے ہیں اور ان جھگڑوں سے وہ فریق دشمن کی نظر میں کمزور ہو جاتا ہے۔

۵۔ **صبر:** پانچواں اصول یہ ہے کہ دشمن سے مقابلے کے وقت اگر مشکل وقت آجائے تو اس پر صبر کیا جائے، صبر سے اللہ ربّ العزّت کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور جسے اللہ ربّ العزّت کی معیت اور اس کا ساتھ نصیب ہو جائے اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

۶۔ **فخر و غرور اور تکبر سے اجتناب:** چھٹا اصول یہ ہے کہ اپنی قوت اور کثرت پر ناز اور غرور سے مکمل اجتناب کیا

جائے، اور نہ ہی ریاء اور دکھاوے کے پیشِ نظر کوئی کام کیا جائے، بلکہ ہر کام میں صدقِ دل اور اخلاص کو پیشِ نظر رکھا جائے، اس سے اللہ ربّ العزّت کی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ
فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَإِمَّا
تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝

عہد شکنی کرنے والوں کے بارے میں حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار کی مذمت کرنے کے بعد ان یہودیوں کا تذکرہ فرمایا جو عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تھے اور ان کی سزا بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک کافر اس کی تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ بدترین ہیں، یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ ربّ العزّت کے عطا کردہ شعور سے کام نہ لیا اور ایمان نہ لائے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ میں موجود یہودیوں کا تذکرہ فرمایا، مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبائل (بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع) آباد تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب تو ہوئے، لیکن ساتھ ہی حسد کی آگ میں جلنے لگے، جس کی وجہ سے اسلام کی دشمنی ان کے دلوں میں پنپتی رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مسلمانوں کے دونوں گروہوں (مہاجرین و انصار) کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ اس کے بعد یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا، جس کا سب سے اہم جزء یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کے لیے واجب التعمیل ہوگا، اور دوسرا اہم جزء یہ تھا کہ مدینہ کے یہود مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کی کوئی مدد نہیں کریں گے، لیکن ان یہودیوں نے عہد شکنی کی، اور غزوۂ بدر کے وقت مشرکین مکہ کو اسلحہ اور سامان جنگ فراہم کیے، پھر غزوۂ اُحد کے بعد ان کا سردار خود سفر کر کے مکہ مکرّمہ پہنچا، اور ان کے ساتھ ساز باز کر کے انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا، اس آیت میں ان کی اس بار بار کی عہد شکنی کو ذکر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قلع قمع کرنے کا حکم فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپ سے عہد کر کے پھر اس معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں اور انہیں آخرت کا کوئی ڈر ہی نہیں، ایسے لوگ اگر کسی جنگ میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قابو میں آ جائیں تو ان کو ایسی سخت دردناک سزا دیں جو دوسروں کے لیے عبرت بن ہو جائے۔

اسی طرح اگر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اس قوم کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو تو آپ ان سے کیا گیا معاہدہ ختم کر سکتے ہیں، لیکن باقاعدہ طور پر معاہدہ ختم کرنے سے پہلے ان کے خلاف کوئی اقدام اٹھانا درست نہیں، بلکہ صحیح

صورت یہ ہے کہ ان کو اطمینان اور فرصت کی حالت میں آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدد یانتی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے، اس لیے ہم وہ معاہدہ ختم کرتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

کُفّار سے مقابلے کی بھرپور تیاری کرو

ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ان کُفّار کا تذکرہ فرمایا جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے، اس لیے بچ گئے یا شریک ہونے کے بعد بھاگ نکلے، اس لیے جان بچ گئی، ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ یوں نہ سمجھیں کہ ہم بچ نکلے، کیونکہ غزوۂ بدر کُفّار کے لیے ایک عذابِ الٰہی تھا، اور اس کی پکڑ سے بچنا کسی کے بس میں نہیں۔

اس کے بعد دفاعِ اسلام اور کُفّار سے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم فرمایا کہ جہاد میں اللہ پر توکّل کرنے کے ساتھ ظاہری اسباب بھی اختیار کرو اور جتنا ممکن ہو جنگ کی تیاری کرو، ہر قسم کی طاقت اور قوت اختیار کرو، ہر دور اور زمانے کے مطابق نت نیا اور جدید اسلحہ، سواریاں، اور اس کے علاوہ ہر وہ چیز جس کے زور پر جنگ جیتی جاسکتی ہے، جیسے آج کے دور میں میڈیا کی طاقت ہے، اسی طرح ٹینک، راکٹ، میزائل، ہیلی کاپٹر، جنگی جہاز، بحری جہاز، آبدوزیں، بم، اور ایٹم بم وغیرہ دورِ حاضر میں جنگ کی ضرورت ہیں، اس لیے ان کی تیاری مسلمانوں کے دینی فرائض میں شامل ہے اور ان میں کوتاہی جرم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں ہمیشہ اس تیاری کا اہتمام فرمایا، حالانکہ آپ اللہ کے نبی تھے، فرشتے آپ کے ہمرکاب رہتے تھے۔ آپ کی دُعاؤں سے اللہ کی تائید ونصرت میسّر ہوتی تھی، با ایں ہمہ اپنی استطاعت کے مطابق نئے نئے آلات کی فراہمی کی بھی کوشش فرماتے تھے۔

جنگی تیاری کا مقصد

مسلمانوں کو جنگی تیاری کا حکم دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اس کا مقصد اور مصلحت بھی بیان فرمادی کہ اس تیاری سے مقصد محض قتل وقتال نہیں، بلکہ دشمن اور کُفّار ومشرکین کو زیر کرنا اور انہیں مرعوب رکھنا بھی ہے، اور یہ مقصد جس طرح جنگی آلات سے حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح زبان وقلم اور میڈیا کے ذریعہ بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لیے ہر طرح کی تیاری سے مسلم اُمہ کو ہر وقت لیس رہنا چاہیے۔

مالی جہاد

جنگی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی بھی ترغیب دی، کیونکہ جنگ میں جس طرح فوج اور اسلحہ اپنا کردار ادا کرتے ہیں، اسی طرح مال کا بھی اپنا ایک کردار ہے، فوج اخراجات پورے کیے بغیر تیار نہیں ہو سکتی، اسلحہ کی تیاری یا خریداری سراسر مالی قوت پر منحصر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنی جانوں کے ساتھ ساتھ اپنے مال خرچ کرنے کا بھی حکم فرمایا، البتہ ساتھ ہی ایک مژدہ بھی سنایا کہ اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ ہم اگر راہ خدا میں مال خرچ کریں گے تو اپنا پیٹ کیسے پالیں گے، تو یہ جان لو کہ تم جو کچھ اللہ کے راستے میں دو گے، وہ پورے کا پورا تمہیں لوٹا دیا جائے گا، بلکہ تمہارے خرچ کردہ مال سے زیادہ ہی تمہیں دنیا اور آخرت میں دیا جائے گا۔

کفار سے صلح

جسمانی اور مالی جہاد کا حکم دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے صلح سے متعلق احکام بیان فرمائے ہیں کہ اگر کہیں ایسا موقع آئے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو صلح کی پیش کش کریں تو مسلمانوں کو بھی صلح کر لینی چاہیے، کیونکہ جہاد سے مقصد خون ریزی قطعاً نہیں ہے، اسلام خون ریزی کو پسند نہیں کرتا، خون ریزی تو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے مجبوراً اختیار کی جاتی ہے، جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اگر بغیر جنگ اور بغیر خون ریزی وقتل و غارت گری کے اعلاء کلمۃ اللہ ہو جائے تو جنگ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صلح کر لینی چاہیے۔

باقی اگر صلح کی صورت میں یہ خدشہ دل میں پیدا ہوا کہ یہ لوگ صلح کر کے ہمیں دھوکا دیں گے، تو اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت آپ کا اور مسلمانوں کا کارساز ہے، وہی ان کو دھوکے کا انجام دکھائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿66﴾

جہاد کی ترغیب اور "ایک دو کے تناسب" سے جنگ کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے جہاد کی ترغیب اور ایک اہم جنگی قانون بیان فرمایا ہے کہ اے نبی! آپ ان مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجیے، انہیں قتال پر ابھاریے، انہیں اللہ ربّ العزّت کے وعدے یاد دلا کر ہر طرح کے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کیجیے، ان میں کوٹ کوٹ کر جہاد کا جذبہ بھر دیجیے، تاکہ جب بھی جہاد کا موقع اور حکم ہو، ان میں سے کوئی پیچھے نہ ہٹے، بلکہ آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار اور پُرعزم ہو۔

اس کے بعد یہ جنگی قانون بیان فرمایا کہ اہل ایمان کو کس حد تک اپنے حریف اور دشمن کے مقابلے پر جمنا فرض اور اس سے ہٹنا گناہ ہے، کیونکہ گزشتہ سطور میں یہ ذکر کیا جاچکا کہ میدان جہاد سے فرار کبیرہ گناہ اور ناجائز ہے، لیکن بسا اوقات دشمن کے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے، (اگر چہ یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی مدد مسلمانوں کے ساتھ ہوتی ہے جس کی برکت سے ان کے چھوٹے لشکر بھی دشمنوں کے بڑے لشکروں کو شکست دے دیتے ہیں) تو کیا ایسی صورت میں بھی میدان میں ڈٹے رہنا ضروری ہے یا اس صورت میں کوئی اور حکمت عملی اختیار کی جا سکتی ہے، اس بارے میں پہلے یہ حکم فرمایا کہ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے والے ہوں تو وہ دوسو دشمنوں پر غالب آجائیں گے، اور اگر ایسے سو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو ایک ہزار کے لشکر پر غالب آجائیں گے، اس میں ایک تو اس بات کی خوشخبری سنائی گئی کہ اگر مسلمانوں کا لشکر تعداد میں کم بھی ہو لیکن ثابت قدم رہے تو اللہ ربّ العزّت انہیں فتح نصیب فرمائیں گے، لیکن اسی میں اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ مسلمانوں کو اپنے سے دس گنا بڑے لشکر کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔

ایک عرصہ تک یہ حکم رہا، لیکن اس حکم کی وجہ سے دشواری پیدا ہونے لگی، کیونکہ خود سے دس گنا بڑے لشکر سے جنگ کرنا بلاشبہ ایک نہایت دشوار حکم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ عرصہ بعد اس حکم کو منسوخ فرما کر دوسرا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہاری ذمہ داریوں میں کمی فرمادی ہے، اب ہم تمہیں حکم دیتے ہیں، اگر تمہاری تعداد ایک سو ہوگی تو اسے دوسو کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا ہوگا، اگر تم ایک ہزار ہو تو تمہیں دو ہزار سے بے ساختہ ٹکرانا ہوگا، یعنی اپنے سے دو گنا بڑے لشکر کے مقابلہ میں راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں، اگر مخالف لشکر مسلمانوں کے لشکر کے دو گنا سے بھی زیادہ ہو تو پھر مسلمانوں کو کوئی دوسری حکمت عملی اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ یہی آخری حکم اور معیار ہے۔

اس حکم سے یہ سبق ملا کہ حق و باطل کی کشمکش یا قوموں کے تصادم میں خوف زدگی ہمیشہ تباہی کی طرف لے جاتی ہے، ایسی احتیاط جو بزدلی کو بھی شرما دے، وہ تاریخ کا حلیہ بگاڑ دیتی ہے، عزت کی زندگی کا راستہ خطرات سے گزرتا ہے، آزادی اور سرفرازی کے نخلستان اس سرزمین پر لہلہاتے ہیں، جو شہیدوں کے خون سے سیراب ہوتی ہے، جو قوم حب دنیا میں مبتلا ہو کر یا موت سے ڈر کر خون دینے میں کوتاہی کرتی ہے، وہ پھر ندامت کے آنسوؤں سے اپنی تاریخ لکھتی ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

بدر کے قیدیوں کا معاملہ

غزوۂ بدر میں ستر مشرکین گرفتار ہوئے، اللہ ربّ العزّت نے ان قیدیوں سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو

اختیار دیے تھے، ایک یہ کہ ان قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں، اور دوسرا یہ کہ ان سے فدیہ (کچھ مال) لے کر انہیں چھوڑ دیں، لیکن اس صورت میں یہ بھی اشارہ فرمایا کہ اگر آپ دوسری صورت اختیار کریں گے تو اگلے سال مسلمانوں کے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے جتنے قیدی مال لے کر چھوڑے جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا۔ بعض صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے، نے کہا کہ ان سے فدیہ لے کر آزاد کردیا جائے، کیونکہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض یا سب آئندہ کسی وقت اسلام قبول کرلیں، اور اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ مسلمانوں چونکہ اس وقت تنگدستی کا شکار تھے تو ان کی تنگ دستی بھی دور ہوجائے گی، اور رہا آئندہ سال ستر مسلمانوں کی شہادت کا معاملہ تو وہ مسلمانوں کے لیے سعادت ہے، اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ جبکہ دوسری طرف بعض صحابہ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے، نے اس رائے سے اختلاف کیا، اور ان سب قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، بلکہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہر قیدی کو اس کے قریبی رشتہ دار کے حوالے کیا جائے اور وہ اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے تھے، اس لیے آپ کی طبیعت پر رحمت وشفقت کا غلبہ تھا، اور یہ بھی امید تھی کہ شاید یہ لوگ آئندہ مسلمان ہوجائیں، اس لیے آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ اور اس جماعت کی رائے پر عمل کیا جو فدیہ لینے کے حق میں تھے، اور ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا، جبکہ اللہ ربّ العزّت کی منشا وہ تھی جو حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا تھا۔

اس پر عتاب آمیز وحی نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑنے کا مشورہ دیا وہ مناسب نہ تھا، کیونکہ کسی بھی نبی کی شایانِ شان یہ بات نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں، جب تک کہ دشمن کی شوکت کو خاک میں نہ ملادے، کیونکہ جہاد کا مقصد فساد کا خاتمہ کرنا ہے، اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے، جب کُفّار کی شوکت ٹوٹ جائے، اس سے پہلے دشمن کے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا مناسب نہیں۔

اور ساتھ یہ تنبیہ فرمائی کہ اگر اللہ ربّ العزّت پہلے سے لکھ نہ چکے ہوتے تو اس فیصلہ پر تمہیں سزا دی جاتی، لیکن چونکہ اللہ ربّ العزّت نے پہلے ہی طے فرمادیا تھا کہ اس امت کے لیے مالِ غنیمت حلال کیا جائے گا، اس لیے مسلمانوں کی اس خطا پر عذاب نازل نہیں کیا گیا، لہٰذا اب تم وہ غنیمت استعمال کرسکتے ہو جو تمہیں غزوۂ بدر سے حاصل ہوئی ہے، وہ تمہارے لیے حلال اور طیب ہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذابِ الٰہی بالکل سامنے آچکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے روک دیا، اگر عذاب آجاتا تو سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کوئی اس سے نہ بچتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ

مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ
مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

مسلمان ہونے والے قیدیوں کے فدیے کے بارے میں حکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ طلب کیا، تو کچھ قیدیوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں، جن میں حضرت عباسؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی شامل تھے، ان لوگوں کا معاملہ زیرِ غور تھا کہ ان سے فدیہ لیا جائے، یا ویسے ہی چھوڑ دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے دلوں میں واقعی ایمان ہے تو ابھی فدیہ دے دو، اللہ تمہیں اس سے بہتر اور زیادہ رزق دے گا اور تمہیں معاف بھی کر دے گا۔

چنانچہ حضرت عباسؓ سے یہ کہا گیا کہ اپنا فدیہ ادا کرو، تو انہوں نے عرض کیا کہ جو کچھ سونا میرے پاس تھا مسلمانوں نے میری گرفتاری کے وقت مجھ سے لے لیا، فدیہ کی رقم اس سے کاٹ لی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ مال کُفر کی مدد کے لیے لائے تھے، آپ کی گرفتاری کے ساتھ ہی وہ مال بھی مالِ غنیمت بن گیا، اب وہ مال مسلمانوں کا ہے، آپ کا اس پر کوئی حق نہیں، مزید یہ فرمایا کہ اپنے گرفتار بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی دو، کہنے لگے: اگر آپ اتنا مالی بار مجھ پر ڈالیں گے تو مجھے واپس جا کر قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، کیونکہ میں اس کے بعد بالکل فقیر ہو جاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ سے چلتے وقت جو مال اپنی بیوی ام الفضل کو دیا تھا وہ مال بھی تو آپ کا ہے، حضرت عباسؓ نے حیران ہو کر کہا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیونکہ وہ مال تو میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا، کوئی تیسرا آدمی دیکھنے والا نہ تھا، آپ نے فرمایا: مجھے میرے ربّ نے تفصیل بتائی ہے، یہ واقعہ ان کے قبولِ اسلام کا ذریعہ بن گیا۔

اس طرح ان مسلمان ہونے والے قیدیوں سے متعلق یہ کھٹک لوگوں کے دل میں تھی کہ شاید یہ لوگ مکہ پہنچ کر اسلام سے پھر جائیں اور ہمیں نقصان پہنچائیں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کا ارادہ کر لیں تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ انہیں پر اس کا وبال پڑے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ
اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ

مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ہجرت کے اَحکام اور چار قسم کے مسلمان

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت سے متعلق چند احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسلمانوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔وہ مسلمان جو آپ پر ہجرت سے پہلے ایمان لائے، پھر انہوں نے ہجرت کی، مال وجان سے جہاد کیا، صحابہ میں ان کا درجہ سب سے اونچا ہے۔

۲۔ وہ مسلمان جن کو ہجرت کی ضرورت تو پیش نہیں آئی لیکن انہوں نے مہاجرین کو پناہ دی، انہیں انصار کہا جاتا ہے، اگرچہ مہاجرین کی طرح انہیں دین کے لیے آزمائشوں سے نہیں گزرنا پڑا، لیکن انہوں نے اپنی پوری دنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دی اور ایثار وقربانی کی ایسی نظیر پیش کی کہ تاریخ انسانیت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ان دونوں فریقوں کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ انصار ومہاجر ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں، دشمنوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کے لیے جان نثار کرنے والے ہیں۔

۳۔جو لوگ ایمان تو لائے لیکن بلا عذر ہجرت نہیں کی، ان سے مسلمانوں کا دوستانہ تعلق نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ اسلام کی تائید وتقویت میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہے، البتہ اگر وہ ہجرت کر جائیں، تو ان کا حکم عام مسلمانوں کی طرح ہوگا۔

۴۔جو لوگ ایمان تو لائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی، بلکہ بعد میں ہجرت کی اور جہاد میں شریک ہوئے"وہ بھی تم لوگوں ہی میں ہیں" یعنی وہ بھی مذکورہ بالا پہلی شق میں داخل ہو جائیں گے اگرچہ ان کا درجہ مہاجرین اولین سے کم ہے۔

شبہ کا اِزالہ

ان آیات میں کئی جگہ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے لیے اپنے وطن اور عزیز واقارب کو چھوڑا، اور جنہوں نے ان کو رہنے کے لیے جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے ولی اور دوست ہیں، اس دوستی اور ولایت کے لفظ سے شبہ ہوسکتا تھا کہ رشتۂ ایمان کی بنا پر یہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے آخری آیت میں یہ فرما کر وضاحت فرمادی کہ "وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ" یعنی میراث کی بنیاد صرف خاندانی رشتہ ہے، خاندانی رشتے داری کی بنیاد پر لوگوں کو ایک دوسرے سے میراث ملے گی، جس کی تفصیل کتاب اللہ میں موجود ہے۔

فائدہ ۱:- واضح رہے کہ "اُولُوا الْاَرْحَامِ" میں وہ تمام رشتے دار شامل ہیں، جنہیں درجہ بہ درجہ ترکہ ملے گا، اس سے "ذوی الارحام" کی فقہی اصطلاح مرادنہیں، یہ اصطلاح بعد میں مقرر کی گئی۔

فائدہ ۲:- ابتدائے اسلام میں مواخات اسلامی کی بنا پر انصار ومہاجر مسلمان ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رشتہ داروں کی وراثت کا حکم آ گیا۔ اخوت اسلامی کی بنا پر میراث کا جو نظام قائم کیا گیا تھا، وہ ایک عبوری نظام تھا، اگر ہمیشہ اسی کو باقی رکھا جاتا تو بڑی دشواری پیش آتی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے ایک اختلاف کو حل فرمایا، اور تقویٰ وباہمی اتحاد واتفاق کا حکم فرمایا۔

۲- سورت میں غزوۂ بدر کے تفصیلی احوال ذکر کیے گئے ہیں، اور اس ضمن میں اللہ ربّ العزّت کی مدد ونصرت کے متعدد نمونے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۳- سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند معجزات کا بیان ہے۔

۴- سورت میں کفّارِ مکہ کے اعتراضات وشبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۵- مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقۂ کار اور اس کے مصارف بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۶- دشمنوں سے قتال کے لیے ہر دم تیار رہنے اور اس کے لیے آلات وغیرہ کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔

۷- مہاجرین وانصار کی فضائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۸- جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔

۹- غزوۂ بدر میں قید ہونے والے قیدیوں سے متعلق احکام دیے گئے ہیں۔

۱۰- وراثت کا شرعی قانون اور اصل بیان کیا گیا ہے۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة الانفال بعون الله سبحانه وتعالى

الحمد لله رب العالمين



نقوش قرآن
نقوش اسلام
نقوش علم
مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد:24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 2

سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: 24)

بھلا کیوں یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 2

سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انہی کے تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 2

سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

نام کتاب: نقوشِ قرآن جلد 2

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زُبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

اشاعتِ اوّل: شعبان 1443ھ

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، ملتان، پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ، پُرانا ملتان روڈ، شجاع آباد، ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 0322-6102570, 061-4396067,

0300-4396067, 0301-6361990,

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے، قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ دُرستگی ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

اللهم

صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم

انك حميد مجيد

رائے گرامی شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی شجاع آبادی حفظہ اللہ کو باری تعالیٰ نے بڑی توفیق سے نوازا ہے۔ قرآن کریم کی خدمت سے بھی انکو حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ ہر سال مدارس کی چھٹیوں میں وہ دورۂ تفسیر کراتے رہے ہیں، اور تراویح میں مقتدیوں کو تلاوت کی گئی آیات کا خلاصہ بھی بیان فرماتے رہے ہیں۔ اب یہ خلاصہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ اسمیں قرآن کریم کی تمام سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان اور عام فہم مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔ بندہ نے اسکی ورق گردانی کے دوران متعدد جگہوں کو دیکھا، تو نظر آیا کہ ماشاءاللہ نہایت دلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ان آیات کا مفہوم، انکا پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قرآن کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ انکے لئے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسکو نافعِ خلائق بنائیں، اور یہ فاضل مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۶ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ

وارد حال دفتر وفاق المدارس العربیہ

ملتان

اجمالی فہرست

محمد رسول الله

اللهم صل على محمد النبي الأمي
وعلى آله وسلم تسليما

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قرآنِ کریم حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی جانب آخری پیغام اور زندگی گزارنے کا بہترین دستور ہے، دُنیا و آخرت کی جملہ فوز و فلاح اسی سے وابستہ ہیں۔ قرآنِ کریم ہی آئین و قانون، دستور و منشور، علم و عمل، موعظت و ہدایت، شفا اور سکون ہے۔ عقیدہ و فکر سے لے کر عمل و آداب اور حُسنِ معاشرت تک سبھی کچھ قرآنِ کریم میں ہے۔ اسی سے عبادات، معاملات، اخلاق و آداب، انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی وابستہ ہے۔ نظامِ مملکت، نظامِ عدل، نظامِ معیشت، نظامِ معاشرت، نظامِ اُسرۃ (خاندانی نظام)، قوموں کا عروج و زوال، تاریخِ عالم، انسانیت کا ماضی، حال اور مستقبل، دُنیا، برزخ، آخرت، حیوانات، نباتات، جمادات، نُوری، خاکی، ناری، جنّت، جہنّم، خوفِ خدا، تقویٰ، پرہیزگاری، انبیاء و رُسل علیہم السلام کے حالات، صالحین و ابرار، سیئین و فجار، اسبابِ ترقّی اور اَسبابِ تنزّلی وغیرہ کے تذکرے بھی اسی میں موجود ہیں۔

قرآنِ کریم وحیِٔ الٰہی بھی ہے اور کلامِ الٰہی بھی۔ یہ حق تعالیٰ کی شانِ جلال اور شانِ جمال کا مظہر ہے۔ بصورتِ قرآن، اللہ تعالیٰ بندوں سے ہم کلام بھی ہے اور تنبیہ و تسلی کناں بھی۔ قرآن ذِکر، فکر، لذّت آشنائی، معرفتِ اِلٰہی، حقوق العباد، باعثِ رحم انسانیت اور اِطمینانِ قلب ہے، تبھی تو حق تعالیٰ نے جا بجا اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے، وابستہ ہونے، عمل کرنے اور اس کتاب کو اَپنانے کا حکم دیا۔ اسی کے ساتھ عزّتوں اور علم و عمل کے نُور کو وابستہ کیا، جبکہ اس سے اِنحراف کی صورت میں ذِلتیں اور جہالت کے اندھیرے مقدّر فرمائے۔ اسی سے علم کے موتی اور عمل کے سانچے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی سے مفلوک الحال طبقات کی ڈھارس اور خوش حال لوگوں کی خوش حالی جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے اس کا حق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، سمجھا جائے، اس کی گہرائیوں میں اُترا جائے، عمل کیا جائے، اپنایا جائے، اس وفادار کلام سے دوستی کر کے قبر و حشر میں اسی کی رفاقت حاصل کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم کے ساتھ حریص تھے، ہر مَرد و زَن نے قرآنِ کریم کو اَپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ اِشتغال بالقرآن تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب گھروں کو لوٹ کر آتے تو ان کی اَزاوج و اَولاد ان سے یہ سوال کرتی کہ آج وحی کا کون سا حصّہ اُترا ہے؟ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی قصہ "صحیح بخاری" میں مذکور ہے:

آپ نے ایک انصاری صحابی سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ جب کسی وجہ سے وہ انصاری خدمتِ نبوی میں

نہ جاسکتا تو حضرت عمرؓ اس دِن حاضرِ خدمت ہوتے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضری سے معذور ہوتے تو انصاری دوست مجلسِ رسول میں حاضر ہوتے اور پھر دونوں ایک دوسرے کو اس دِن اُترنے والا قرآنِ کریم کا حصہ سکھاتے۔ (صحیح بخاری:۵۱۹۱)

اسی قرآنِ کریم کو سُن کر عتبہ بن ربیعہ جیسا متعصب کافر کا دِل بھی اسلام کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ لیکن ابوجہل اس کے اسلام کے راستے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔ سیّدنا اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ پر قرآنِ کریم کی تلاوت سُن کر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول مبارک تھا کہ وہ قرآنِ کریم سے راہنمائی کے حصول کے لیے میدانِ جہاد میں آیاتِ جہاد بالخصوص سورتِ انفال کی تلاوت کرتے، کاروبار میں آیاتِ تجارت، عبادت میں آیاتِ خشوع وخضوع، عدالتوں میں آیاتِ عدل وانصاف، موعظت میں آیاتِ خوف ورجاء، اور اسی طرح ہر موقع پر اس کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرماتے، ان کا عمومی مزاج گھروں میں تلاوتِ قرآنِ کریم اور تفکر وتدبر قرآنِ کریم کا تھا۔

رات بھر میں ختمِ قرآنِ کریم ان کا محبوب مشغلہ ہوتا۔ قرآنِ کریم سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی زندگیاں مبارک ہوگئیں۔ اس زمانے کا عمومی ماحول خیر وبرکت کا تھا، وہ حضرات ایک دوسرے سے ملاقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی مقدار کا سوال کرتے۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا، اہلِ ایمان کا قرآنِ کریم سے تعلق بھی کمزور ہوتا گیا، جس کی وجہ سے آج نہ تو عمل بالقرآن رہا اور نہ ہی مسلمانوں کی عزّت وعظمت باقی رہی!

اہلِ سلام کو اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے پھر سے اِنفرادی واِجتماعی طور پر قرآنِ کریم کو اَپنانا ہوگا، اپنے اِنفرادی وجود سے لے کر اپنی ریاست تک کو قرآنِ کریم کی برکات سے آراستہ کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم سے صحیح معنوں میں استفادہ تبھی ممکن ہے، جب اسے خوب سمجھا جائے، اس میں تدبر کیا جائے، اس کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کی جائے۔

''نقوشِ قُرآن'' اسی اہم مقصد کی جانب ایک قدم ہے۔ یہ کتاب نہ تو باقاعدہ تفسیر ہے، اور نہ ہی نکات سے لبریز کوئی علمی تحقیق، بلکہ عوام الناس میں بیان کیے گئے دُروس کا مجموعہ ہے۔ ۴۲-۱۴۴۱ھ بمطابق 2020-21ء کرونا کی صورتِ حال اور اپنی علالت کی وجہ سے مسلسل دوسال رمضان المبارک میں گھر میں قیام کا موقع ملا تو اسی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے مسجد الرشید، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد میں عوام الناس کے سامنے، رمضان المبارک کی راتوں میں روزانہ کی تلاوت کی گئی منزل کا خلاصہ بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی زِید شرفہٗ اور ان کے رُفقاء نے حد درجہ محنت کرتے ہوئے ان دُروس کی نہ صرف ریکارڈنگ کروائی، بلکہ آن لائن نشر بھی کیا۔ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ میں کرونا کی وجہ سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ موقوف تھا، اَحباب کو ریکارڈنگ سے کاغذ پر منتقل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جامعہ کے بعض طلبہ واساتذۂ کرام نے یہ کام شروع کیا۔ اس تحریری کام کا ایک حصہ مولانا مفتی محمد عامر شعیب زِید مجدہٗ، اور دوسرا حصہ حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زِید مجدہٗ نے دیکھنا شروع کیا۔ یہ حضرات تحریر کو دُرست کرتے، عناوین دیتے اور حوالہ وغیرہ کی تخریج کر کے عاجز کو پیش کرتے، عاجز

نظر ثانی کرتا۔ یوں رفتہ رفتہ کام جاری رہا۔ عیدالاضحیٰ ۱۴۴۱ھ کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا تو کام میں تعطل آ گیا۔ شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ سے جامعہ کے فاضل مولانا مفتی محمد ہارون خان سلّمہٗ کی صرف اسی کام کے لیے تقرّری کی گئی۔ انہوں نے ماشاء اللہ آخری حصے کا بقیہ کام مکمل کیا، اور عاجز نے اسے حرف بہ حرف دیکھا، اور مناسب ترامیم و اضافے کیے۔ پہلے حصے پر بھی دوبارہ کام شروع کیا گیا تا کہ دونوں حصوں میں موافقت پیدا ہو جائے۔ یہ کام بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شروع میں کتاب ایک جلد میں لانے کا خیال تھا، لیکن بڑھتے ہوئے صفحات کے ساتھ خیال ہوا کہ دو جلدوں میں کتاب کی طباعت کرائی جائے۔ لیکن جب کام مکمل ہوا تو اندازہ ہوا کہ کتاب تین جلدوں میں طبع کی جائے تو مناسب ہوگا۔

چنانچہ کتاب کی پہلی جلد "سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال"

دوسری جلد "سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص"

اور تیسری جلد "سورۃ العنکبوت تا آخرِ قرآنِ کریم" طبع کی جا رہی ہے۔

"نقوشِ قرآن" عام آدمی کو پیش نظر رکھ کر مرتّب کی گئی ہے۔ کتاب کا اُسلوب سادہ لیکن علمی رکھا گیا ہے۔ ہر سورت کا نمبر، ضروری تعارف، فضائل اور سابقہ سورت کے ساتھ ربط ذکر کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ سورت کا مرکزی خیال اور عمومی مضامین چند سطروں میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں کہ چند منٹوں میں سورت کا اجمالی خلاصہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اجمالی خلاصہ کے بعد تفصیلی خلاصہ آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ بالاستیعاب تو مذکور نہیں، تاہم سورت کی بیشتر اور اہم و مقصودی مضامین پر مشتمل آیات اور ان کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ آیات کے شانِ نزول، فضائل، عبر و حِکم، قصصِ قرآنیہ، علمی لطائف، بعض تحقیقی مباحث وغیرہ بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر سورت کے آخر میں سورت سے حاصل ہونے والے "اہم دُروس" کے عنوان سے پوری سورت کے اہم مضامین کو ایک بار پھر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اِن شاء اللہ! عوام الناس کے ساتھ علمائے کرام و مدرّسین عظام کے لیے بھی دُروسِ قرآن میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں یہ کتاب قبول اور عوام الناس کے لیے نافع ہو۔ حق تعالیٰ عاجز اور عاجز کے رُفقاء کے لیے اس خدمت کو باعثِ عمل، باعثِ نجات اور آخرت کا ذخیرہ فرمائیں۔

والسلام

زُبیر احمد صدیقی عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدیر ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" شجاع آباد

۹ ر رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

بمطابق 11 فروری 2022ء

لا إله إلا الله محمد رسول الله

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں نویں (۹) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو تیرہ (۱۱۳) نمبر پر ہے، سولہ (۱۶) رکوع اور ایک سو انتیس (۱۲۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں:

۱۔ **توبہ**: اس سورت میں ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے جنھوں نے تبوک کی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، اسی لیے اسے سورۂ توبہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ **براءت**: اس سورت کے شروع میں مشرکین سے براءت اور بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے، اسی وجہ سے اسے سورۂ براءت بھی کہتے ہیں۔

۳۔ **فاضحہ**: رسوا کرنے والی، یہ نام اس لیے ہے کہ اس میں منافقین کے نفاق سے پردہ چاک کیا گیا ہے اور ان کی دسیسہ کاری کا بھانڈا پھوڑا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کی گزشتہ سورت کے مضامین سے اس قدر گہرا ربط ہے کہ بعض مفسرین کرام ان دونوں سورتوں کو ایک ہی مانتے ہیں، اسی وجہ سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ مضامین کا ربط اس طرح ہے کہ گزشتہ سورت میں قتال وجہاد کے احکام مذکور تھے، اس سورت میں بھی وہی مضامین ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکین سے براءت اور ہر ایک کو توبہ کی تلقین ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے تعلق کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے، جس کے چھے درجات ہیں:

۱......کفار و مشرکین اور ان کے اعتقادات سے قلبی طور پر براءت کی جائے۔

۲......ان کے ساتھ کیے گئے معاہدے مکمل کیے جائیں۔

۳......انہیں دینِ حق کی طرف دعوت دی جائے۔

۴......ان میں سے جو حق کے خلاف سرگرم ہوں اور لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کے دین سے روکتے ہوں، ان سے قتال کیا جائے۔

۵......اگر قتال کے دوران ان میں سے کوئی امان مانگے تو اسے امان دی جائے۔

۶......اگر وہ لڑائی چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہنا چاہیں تو ان سے قتال نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ وہ اپنے کفر پر برقرار رہوں۔

۲- اس سورت میں جہاد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور جہاد میں شمولیت کی ترغیب دی گئی ہے، نیز جہاد سے جی چرانے والوں کو تنبیہ بھی کی گئی ہے۔

۳- سورت میں نفاق اور منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

۴- زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

۵- خلافت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اللہ ربّ العزّت سے سودا کرنے کا بھی ذکر ہے۔

۶- یہ سورت غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں کے لیے بطورِ تنبیہ نازل ہوئی ہے، اس میں منافقین اور مؤمنین کو الگ الگ انداز سے تنبیہ کی گئی ہے۔

سورۂ توبہ سے پہلے ''بسم اللہ'' کیوں نہیں؟

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دیگر سورتوں کے برعکس اس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی، حالانکہ قرآنِ کریم کی اس سورت کے علاوہ ہر سورت سے پہلے بسم اللہ مرقوم ہے اور بسم اللہ کا لکھا جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہاں سے نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ کیا ہے؟ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

قرآنِ کریم ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں، تھوڑا تھوڑا نازل ہوا، ایک ہی سورت کی آیات مختلف اوقات میں نازل ہوتی رہیں، جبرئیل امین وحیِ ربانی لے کر آتے تو ساتھ ہی یہ حکمِ الٰہی بھی لاتے تھے، کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے، اسی کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھنے والوں سے لکھوا دیتے تھے۔ اسی طرح جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی، تو بسم اللہ نازل ہوتی تھی، جس سے سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہو گئی اور دوسری سورت شروع ہوئی، قرآن پاک کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوتا رہا، لیکن سورت توبہ کے شروع میں دیگر سورتوں کی

طرح بسم اللہ نازل نہیں ہوئی، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی لکھنے والوں کو یہاں بسم اللہ لکھنے کی ہدایت فرمائی، اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تو یہ دیکھ کر کہ مضامین کے اعتبار سے سورۃ توبہ کی سورۃ انفال سے مناسبت ہے، اور دورِ نبوی میں یہ دونوں سورتیں ''قرینتین'' (ملی ہوئی) کہلاتی تھیں، اس لیے دونوں کو ساتھ ملا یا گیا۔ سورۃ انفال کو پہلے رکھا گیا، سورۃ توبہ کو بعد میں کیونکہ نزول کے اعتبار سے سورۃ انفال مدنی زندگی کے آغاز میں غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی، اور سورۃ توبہ مدنی زندگی کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی تھی۔

حاصل کلام یہ کہ قرآنِ کریم کی جمع وترتیب کی ایک ایک بات اللہ کے حکم کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق وجود میں آئی، اور اسی طرح بعد کی نسلوں کو قرآنِ کریم محفوظ صورت میں ملا ہے۔ البتہ جب ہم ان دونوں سورتوں کے مضامین پر نظر ڈالتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں سورتوں میں مضمون کے لحاظ سے نہایت گہرا اتصال بھی ہے اور مقصد وغایت کے اعتبار سے فی الجملہ انفصال بھی۔ ایک سورت کا رخ بالکلیہ مسلمانوں، اور دوسری سورت کا رخ اصلاً مشرکین، اہل کتاب اور منافقین کی طرف ہے۔ ایک کی نوعیت تیاری کی ہے، دوسری کی نوعیت اعلان جنگ کی۔ اشتراک وانفصال کے ان دونوں پہلوؤں کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے تقاضا یہ تھا کہ یہ سورت گزشتہ سورت سے بالکل الگ بھی نہ ہو، لیکن فی الجملہ نمایاں اور ممتاز بھی رہے۔ بسم اللہ نہ لکھے جانے سے یہ دونوں پہلو بیک وقت جمع ہو گئے۔

کیا سورۂ توبہ کے آغاز میں ''بسم اللہ'' پڑھی جاسکتی ہے؟

حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا آرہا ہو، اور سورۃ توبہ شروع کرے وہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھے، لیکن جو شخص اسی سورت کی ابتدا سے تلاوت شروع کرے یا درمیان سورت سے تلاوت کا آغاز کرے، اسے چاہیے کہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔ عوام کا یہ سمجھنا کہ سورۃ توبہ کی تلاوت میں کسی حال میں ''بسم اللہ'' پڑھنا جائز نہیں، غلط ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝١ فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ
وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ
يَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَكۡبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ فَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ
فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝٣ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ
الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡــًٔا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى
مُدَّتِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝٤ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُـرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ
وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ۚ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝٥

مشرکینِ عرب سے براءت کے اِعلانات

سورۂ توبہ کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین عرب سے کیے گئے تمام معاہدات کو ختم اور کالعدم کرنے کا اعلان فرمایا ہے اور اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو چند احکام دیے ہیں، جن کا پس منظر یہ ہے کہ ۶ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے، مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، پھر حدیبیہ کے مقام پر ان سے دس سال تک کے لیے صلح ہوگئی، اس صلح کے نتیجہ میں قبیلہ خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بنا اور قبیلہ بنی بکر قریش کا، ۷ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے مطابق عمرہ ادا فرمایا، اس کے بعد پانچ یا چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا، قریشِ مکہ نے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبیلہ بنی بکر کا ساتھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی عہد شکنی کا علم ہوا تو قریشِ مکہ کے خلاف جنگ کی خفیہ طور پر تیاری شروع کر دی۔ قریشِ مکہ نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیج کر معاہدہ کی تجدید کے لیے کوشش کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی تجدید سے انکار کر دیا، بالآخر آٹھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جانب پیش قدمی کی اور مکہ فتح ہوگیا۔

فتحِ مکہ کے موقع پر کُفّار کی چار اقسام

جب مکہ فتح ہو چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے دی گئی ہدایات کے تحت یہ فیصلہ کر لیا کہ جزیرۃ العرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے، اور آئندہ کے لیے کسی عرب قبیلہ (خواہ مشرک ہو یا اہل کتاب) سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، البتہ پہلے جن قبائل کے ساتھ معاہدات ہو چکے تھے یا بعض وہ جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوا، ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے ان آیات میں ہدایات نازل فرما دیں، چنانچہ اس موقع پر چار قسم کے کُفّار و مشرکین موجود تھے، ہر ایک کے لیے الگ حکم بیان فرمایا:

۱۔ پہلی قسم ان مشرکین کی تھی، جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ کیا تھا، لیکن انہوں نے بدعہدی کی اور معاہدہ توڑ دیا، چونکہ یہ مزید مہلت اور کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے، اس لیے ان کو مزید مہلت تو نہیں دی گئی، لیکن چونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا، جو خود حرمت والے مہینے میں شمار ہوتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے، اس میں جنگ کرنا جائز نہ تھا، اس لیے ان کو بھی محرم کے آخر تک مہلت مل گئی، انہیں کے بارے میں آیت نمبر پانچ میں فرمایا گیا کہ حرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد یا تو یہ مسلمان ہو جائیں، یا جزیرۂ عرب سے نکل جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی اور انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

۲۔ دوسری قسم ان مشرکین کی تھی، جن کے ساتھ کسی خاص مدت کے لیے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا اور انہوں نے کوئی بدعہدی بھی نہیں کی تھی، ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نمبر چار میں یہ حکم دیا گیا کہ ان کے معاہدے

کی جتنی مدت باقی ہے، اس کو پورا کیا جائے، اس پوری مدت میں ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، مثلاً: قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلے بنوضمرہ اور بنومدلج کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی معاہدہ تھا، ان کی طرف سے کوئی بدعہدی بھی سامنے نہیں آئی تھی، ان کے معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں اس وقت نو ماہ باقی تھے، چنانچہ ان کو نو ماہ کی مہلت دی گئی۔

۳- تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا لیکن اس کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔

۴- چوتھی قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

ان دونوں (تیسری اور چوتھی قسم) کا ایک ہی حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایسے مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی، ان چار ماہ میں اگر وہ اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اگر جزیرۂ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اس کا انتظام کرلیں، اگر یہ دونوں کام نہ کرسکیں تو ان کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔

مشرکین عرب سے متعلق ان احکامات اور اعلانات دستبرداری سے متعلق ایک مزید حکم یہ دیا گیا کہ ان احکامات پر عمل کرنے سے پہلے تمام عرب میں ان کا اعلان کروادیا جائے، خاص طور پر حج کے موقع پر چونکہ دور دور سے لوگ اور تمام قبائل عرب حاضر ہوتے ہیں، اس لیے اس موقع پر ان اعلانات کی تشہیر کا خاص اہتمام کیا جائے، چنانچہ ۹ ہجری کے ایام حج میں منیٰ و عرفات کے عام اجتماعات میں ان احکامات کا اعلان اور تشہیر کی گئی۔

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۞ كَيۡفَ وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً‌ ؕ يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ‌ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ‌ ۞ اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً‌ ؕ وَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ‏ ۞ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۞

مشرکین کی عہد شکنی کے اسباب

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ان مشرکین کی جنہوں نے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تھا، عہد شکنی کے اسباب بیان فرمائے ہیں کہ ان لوگوں کی صلح اور معاہدہ پر تو اعتبار ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی ایسی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، جہاں کہیں کوئی موقع نظر آتا ہے وہاں نہ وہ قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور اور نہ کسی معاہدہ کا پاس، بس مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، ان کے معاہدوں کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ زبانی طور پر تو یہ آپ سے صلح کا معاہدہ کرکے آپ کو خوش کرتے ہیں جبکہ دل ہی دل میں اس معاہدہ کے خلاف کرنے کا

موقع ڈھونڈتے ہیں۔ انہوں نے اللہ رَبّ العزّت کے احکام اور اس کے دین کے بدلے میں فانی اور عارضی دنیا کو ترجیح دی ہے، یہ لوگ نہایت سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود اگر یہ اسلام لے آئیں اور صدقِ دل سے توبہ کر کے کُفر اور شرک کو چھوڑ دیں اور نماز پڑھنے لگیں زکوٰۃ دینے لگیں تو اس صورت میں یہ تمہارے دینی بھائی ہوجائیں گے اور ان کے پچھلے سارے گناہ اللہ رَبّ العزّت معاف فرمادیں گے، اور ان سے قتال و جہاد روک لیا جائے گا، ورنہ ان کی بدعہدی اور ایذا رسانیوں کی وجہ سے ان سے قتال کیا جائے گا۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝

”جہاد“ کُفّار کی رُسوائی اور مسلمانوں کا امتحان ہے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے جہاد کی علت اور وجہ بیان فرمائی کہ جہاد کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جہاد کا حکم نازل کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے کُفّار کے لیے عذاب کی ایک شکل ہے۔ پچھلی قوموں پر عذاب یوں آتا تھا کہ وہ خنزیر بن جاتے، بندر بن جاتے اور کسی پر پتھر برستے، جس سے وہ ہلاک ہوجاتے۔ اس اُمّتِ محمدیہ پر اس قسم کے عذاب نہیں آئیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ منکرین کو اس طرح عذاب دیں گے کہ ان پر مسلمانوں کو مسلط فرمادیں گے، جو ان سے قتال کریں گے، جس سے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے جہاد میں قتل ہوکر رسوا ہوں گے، اور مسلمان فتح یاب ہوکر خوش ہوجائیں گے۔

جہاد کے حکم کا دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا امتحان ہے کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کے دیگر احکام کی طرح اس حکم پر بھی عمل کرتے ہیں یا اس سے جی چراتے ہیں، اسی لیے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ایسے چھوڑ دیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ (راہ خدا میں) جہاد کرنے والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق نہیں رکھا، ظاہر نہیں فرمائیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائیں گے کہ کون وفادار اور فرمانبردار ہے اور کون احکام شرعیہ سے جی چراتا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ

وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ؀

مشرکین کو مساجد اور حرم کی تعمیر کا کوئی حق نہیں

مشرکینِ مکہ کو بڑا زعم تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں، ہم نے کعبہ اور مسجد حرام کی تعمیر کی ہے، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ مشرکین کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کی مساجد (جس میں مسجد حرام بھی شامل ہے) کی تعمیر کریں، اس کے متولی اور منتظم بنیں، کیونکہ مسجد ایک اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہے، جبکہ شرک اور کفر توحید باری تعالیٰ کی ضد ہیں اور یہ لوگ خود اپنے کفر کے اقراری ہیں، اس لیے مساجد کی تعمیر اور ان کا انتظام سنبھالنے کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اگر انہوں نے یہ نیکی کی بھی ہے، تو چونکہ ہر نیکی کی قبولیت کے لیے اولین شرط ایمان ہے، جس سے یہ محروم ہیں، اس لیے اللہ رَبّ العزّت نے ان کی یہ نیکی برباد کر دی ہے، اور آخرت میں بھی یہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

مساجد بنانا اور آباد کرنا اہلِ ایمان کا حق ہے

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ مسجدِ حرام اور اسی طرح دیگر مساجد بنانے کا حق، ان کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری اور ان کو آباد رکھنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اَحکامِ الٰہی کے پابند ہوں، اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرتے ہوں، یعنی دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرتے ہوں اور کسی کے ڈر سے اللہ رَبّ العزّت کے کسی حکم کو ترک نہ کرتے ہوں، یہی مسجدیں بنائیں، یہی مسجدوں کے متولی بنیں، کیونکہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مساجد کی تعمیر اور اس کی آبادی صرف نیک مسلمان کا کام ہے، لہٰذا جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور ذکر اللہ یا علم دین کے لیے مسجد میں آتا جاتا ہے، اس کے یہ اعمال اس کے کامل مؤمن ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۳)

ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں!

بہت سے مشرکین مکہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس پر فخر کیا کرتے تھے، کہ ہم مسجدِ حرام کی آبادی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" جس کا حاصل یہ ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنا،

اگر ایمان کے بغیر ہے تو اس عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ ایمان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، سب سے افضل عمل اللہ پر ایمان لانا ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، ایمان و جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر کسی بھی عمل سے یہ لوگ مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسے ظالم لوگ جب تک اپنی کج فکری کا علاج نہیں کرتے، اس وقت تک اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

مسلمانوں کی عزت اللہ و رسول کی محبت اور جہاد کے ساتھ وابستہ ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کی محبت کی وجہ سے لوگ جہاد اور ہجرت سے گریز کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو تم انہیں رفیق مت بناؤ یعنی ان کے تعلق کو اللہ اور اس کے رسول سے تعلق پر ترجیح نہ دو، اسی طرح تمام دُنیوی تعلقات اور دُنیوی ساز و سامان جن کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے، ان سب کو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے سامنے ہیچ جانو، کیونکہ اگر تمہارے باپ، تمہاری اولادیں، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے قبیلے اور تمہارا کمایا ہوا مال اور تمہاری وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ ہے، تمہارے پسندیدہ محل، بنگلے اور کوٹھیاں تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول سے اور جہاد سے زیادہ پسندیدہ ہیں، تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو، کیونکہ اللہ رَبُّ العزت ایسے ظالموں اور گنہگاروں کو ہدایت نہیں دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے نبی کا حکم اور اللہ کی راہ میں جہاد اور ہجرت سب سے مقدم ہیں، انہیں کے ساتھ ہی مسلمانوں کی عزت وابستہ ہے۔ ماں باپ، مال و اسباب، کاروبار، بزنس و تجارت وغیرہ ان سب کا مقام و مرتبہ بعد میں ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

غزوۂ حنین

ان آیات میں غزوہ حنین کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ پہنچے، رمضان المبارک سن آٹھ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، مکہ فتح ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا رمضان مکہ میں رہے۔ شوال المکرم کے آغاز میں آپ کو پتہ چلا کہ قبیلہ ہوازن اور بنو ثقیف جو عرب کے بہادر اور جنگجو قبیلے تھے، حنین کے مقام

پر لشکر جمع کر رہے ہیں، نیز مکہ مکرمہ اور حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، ان کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں، راجح قول یہ ہے کہ ان کی تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خطرناک عزائم کی خبر ملی تو آپ نے ان کے مقابلے کے لیے حنین جانے کا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اسید کو امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے چھوڑا، بارہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر آپ نے ان کی طرف پیش قدمی فرمائی، جن میں دس ہزار لوگ مدینہ سے آئے ہوئے انصار و مہاجرین تھے جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ساتھ آئے تھے، اور دو ہزار مکہ کے طلقاء شامل ہوئے، طلقاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح نئے نئے ساتھ جڑے تھے، ان میں سے کچھ تو مسلم تھے، اور کچھ ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں چل پڑے۔ تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار چل پڑا، مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں اتنی بڑا لشکر مقابلہ کے لیے نکلا تھا، اور سامانِ جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا، اسی وجہ سے بعض مسلمانوں کی زبان پر بے ساختہ یہ لفظ آیا "لن نُغلَبَ الیومَ بقلة" یعنی آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم شکست نہیں کھائیں گے، آج تو مقابلے کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگ جائے گا۔

بڑائی کا بول اور اہلِ ایمان کا اِمتحان

اللہ ربّ العزّت کو یہ جملہ پسند نہ آیا، کیونکہ اس جملہ میں اللہ ربّ العزّت سے نظر ہٹ کر اسباب پر جم گئی تھی، اور پروردگارِ عالم کو یہ چیز ناپسند ہے کہ کوئی اپنی طاقت پر بھروسہ کرے، اسی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے مسلمانوں کو اس جملے کا سبق اس طرح دیا کہ جب مسلمانوں کا لشکر حنین میں گھاٹیوں سے گزر رہا تھا، تو قبیلہ ہوازن کے لوگوں نے جو جنگ کے بڑے تجربہ کار اور ماہر تیرانداز تھے، اور انہوں نے اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں، پوشیدہ جگہوں، اور دروں میں چھپایا ہوا تھا، اچانک حملہ کردیا، ہر طرف سے تیر برسنا شروع ہوگئے، مسلمانوں پر اچانک حملہ ہوا تو سنبھل نہ سکے، پاؤں اکھڑ گئے، بھگدڑ مچ گئی، گرد و غبار کی وجہ سے کوئی اِدھر بھاگ رہا تھا تو کوئی اُدھر، صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار شجاعت و بہادری اور استقلال و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے، آپ پیچھے ہٹنے کے بجائے مسلسل آگے بڑھ رہے تھے، آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو یا ایک سو تھی، جمے رہے۔ حضرت عباس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث انہوں نے آپ کے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور آپ لوگوں سے فرمارہے تھے "الیَّ عبادَ اللہ الیَّ عبادَ اللہ" اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ اور آپ یہ رجزیہ کلمات پڑھ رہے تھے: "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" میں اللہ کا نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

پھر حضرت عباس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آواز دی "یا أصحابَ الشجرَةِ" درخت کے نیچے نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنے والو! "یا معشرَ الأنصارِ" او جان کی بازی لگانے کا عہد کرنے والا گروہ انصار! آجاؤ، رسول اللہ یہاں ہیں۔ جب یہ آواز پہنچی تو سب واپس آگئے، اور پھر جم کر لڑے، بڑی دلیری کے ساتھ دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، مسلمانوں کو فتح ہوئی، کفّار کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال چھوڑ کر بھاگا، اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، باقی پوری قوم بھی بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، ان کا سارا مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں حاصل ہوئی۔ (معارف القرآن)

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

> اللہ ربّ العزّت نے کئی مقامات پر تمہاری مدد کی، حنین کے دن بھی تمہاری مدد کی، جب تم اپنی تعداد کی کثرت کی وجہ سے غرور میں آ گئے، اور تم نے اللہ ربّ العزّت کو چھوڑ کر اپنی تعداد پر بھروسا کیا تو وہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی، اور تمہارے قدم ایسے اکھڑے کہ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود تمہیں تنگ لگنے لگی، اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، پوری فوج تتر بتر ہو چکی تھی، پھر اللہ ربّ العزّت نے تمہیں حوصلہ دیا، تم پر سکینت اور اطمینان نازل فرمایا، اور آسمان سے فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد فرمائی اور کفّار کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

مشرکین کو مسجدِ حرام کے قریب نہ بھٹکنے دو

ان آیات میں ایک مرتبہ پھر جزیرۃ العرب کو مرکزِ اسلام بنانے کا اعلان ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ مشرکین معنوی اور رُوحانی طور پر پلید اور نجس ہیں، یعنی ان کا عقیدہ گندہ ہے اور وہ ظاہری نجاستوں سے بچنے کا بھی عموماً خیال نہیں کرتے، لہٰذا آج کے بعد کوئی مشرک مسجدِ حرام کے قریب بھی نہیں آئے گا، یعنی آج (نو ہجری) کے بعد کوئی کافر اور مشرک حج یا عمرہ کرنے نہیں آئے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت کی رو سے کسی کافر یا مشرک کے لیے مسجدِ حرام میں حج یا عمرہ کے لیے داخل ہونا جائز نہیں، البتہ کسی وقتی ضرورت کے تحت مسلمان حاکم کی اجازت سے بقدرِ ضرورت جا سکتا ہے۔

جب مسجدِ حرام میں کفّار و مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تو مسلمانوں کو معاشی مسئلہ درپیش ہوا، کیونکہ مکہ مکرمہ میں اپنی کوئی پیداوار نہیں، اہل مکہ کا سارا انحصار تجارت پر تھا، جس کی ایک بڑی صورت موسم حج میں آنے والے قافلوں کے ساتھ لین دین کرنا تھا، اب ان کے داخلہ پر پابندی کے بعد معاشی طور پر کمزوری کا خدشہ لاحق ہو گیا، اس کے

جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، اور نہ ہی تنگدستی کا خوف کرو، کیونکہ معاش کا سارا نظام اللہ رَبّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ تمہیں ان سب کفار سے مستغنی کردیں گے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے، اس کے بعد مکہ والوں نے کبھی تنگ دستی نہیں دیکھی۔

اہلِ کتاب سے ''جہاد'' کا حکم اور اس کی حد

کفار و مشرکین سے جہاد کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی چار وجوہات بیان فرمائیں:

۱- پہلی وجہ یہ کہ وہ اللہ رَبّ العزّت پر ایمان نہیں رکھتے، یعنی جس طرح کا ایمان مطلوب ہے کہ اس میں ذرا بھی شرک کی آمیزش نہ ہو وہ ایسا ایمان نہیں رکھتے۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

۳- تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے۔

۴- چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔

ان چار وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اہل کتاب سے جہاد اور قتال کریں، اور اس کی حد یہ بیان فرمائی کہ ان سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں جب تک وہ ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول نہ کرلیں۔ جزیہ سے مراد وہ رقم ہے جو اسلامی حکومت کفار سے قتل کی سزا کے بدلہ میں لیتی ہے۔ (معارف القرآن)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اہلِ کتاب کے کفریہ عقائد و افعال

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا تھا کہ اہل کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، ان آیات میں اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ان کا کفریہ عقیدہ تو یہ ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور عیسائی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ گردانتے ہیں، جو کہ واضح شرک ہے، اس میں اشارہ فرمایا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کو بھی عرب سے نکال دیں، جزیرۃ العرب میں نہ رہنے دیں۔ بعض مفسرین کرام نے اہلِ کتاب کے مذکورہ بالا عقیدہ فاسدہ کو ان سے جہاد کی علت قرار دیا ہے۔

اور ان کے کفریہ اعمال یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے علماء اور عبادت گزار بندوں کو اپنا رَبّ بنا رکھا ہے، یعنی وہ اپنے علماء اور راہبوں کی ایسے اطاعت کرتے تھے، جیسی اطاعت صرف اللہ رَبّ العزّت کا حق ہے، وہ ان کی ہر بات مانتے تھے چاہے ان کی بات اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کے بالکل خلاف ہو، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنا رَبّ بنالیا ہے۔ ان کی دوسری گمراہی یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ دین حق کو مٹانے اور ختم کرنے کی کوششوں میں بھی مصروف رہتے ہیں، حالانکہ دین حق کو مٹانا اور ختم کرنا ان کے بس میں نہیں، اللہ رَبّ العزّت یہ طے فرما چکے ہیں کہ وہ اپنے دِین کو مکمل اور پورا ہی فرمائیں گے، خواہ کافر لوگ کتنے ہی تلملائیں۔

نُورِ خدا ہے کُفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی دِین فروشی اور تارکینِ زکوٰۃ کا انجام

یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے اکثر ایسے تھے جو ناحق اور باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے، مثلاً لوگوں سے پیسے لے کر تورات کے حکم کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، یا پیسے لے کر احکامات الٰہی کو چھپاتے تھے، اور ان کا دوسرا بڑا جرم یہ تھا کہ وہ صرف خود گمراہ نہیں تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ رَبّ العزّت کے راستے سے روکتے تھے۔

یہود و نصاریٰ میں یہ بیماری (ناحق مال جمع کرنا) چونکہ مال اور دنیا کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی، اس لیے اللہ رَبّ العزّت نے اس کے فوراً بعد مال کی محبت میں غلو کا انجام بیان فرمایا کہ جو لوگ اس بیماری (مال کی محبت میں غلو) میں مبتلا ہو جائیں اور وہ سونے اور چاندی کو جمع کرنے لگ جائیں اور صاحب نصاب ہونے کے باوجود اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں خرچ نہ کریں یعنی زکوٰۃ ادا نہ کریں تو ایسے لوگوں کو اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے دردناک عذاب کی خوشخبری ہے۔ اور وہ عذاب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کو جہنّم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، اور جب وہ مکمل گرم ہو کر دہکنے لگیں گے تو اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھ پر داغ دیے جائیں گے، اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہ خزانہ اور مال و دولت ہے جسے تم نے ناجائز طور پر جمع کیا تھا، یا جائز مال میں سے اللہ رَبّ العزّت کا حق ادا نہیں کیا تھا تو آج یہ مال و دولت تمہارے لیے وبالِ جان ہو گئی ہے۔

فائدہ:- اس آیت میں تین جگہوں پر داغنے کا حکم ہے۔ پیشانی پر، پہلو پر اور پشت پر۔ مفسرین اس کی وجہ یہ لکھتے

ہیں کہ جب کوئی ضرورت مند کسی مال دار کے پاس آتا ہے تو جس نے نہ دینا ہو، سب سے پہلے اس کے ماتھے پر شکن آتی ہے، تیوری چڑھاتا ہے، پھر جب غریب اصرار کرتا ہے تو یہ منہ پھیر لیتا ہے، جس سے اس کا پہلو سائل کی طرف ہوتا ہے، پھر جب وہ غریب مزید اصرار کرتا ہے تو یہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے، اب اس کی پشت سائل کی طرف ہوتی ہے، اس لیے پیشانی، پہلو اور پشت پر داغ دیے جانے کا حکم فرمایا۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

کُفّار کا قمری کلینڈر کے ساتھ کھلواڑ

ان آیات میں کُفّار و مشرکین کی گمراہی و بداعمالی اور ان کی ایک جاہلانہ رسم بد کو بیان فرمایا، جسے وہ "نسیء" کہا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے، ان میں سے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ زمانہ قدیم سے ان چار مہینوں کا احترام چلا آرہا تھا، عرب میں بھی ان چار ماہ میں جنگیں رک جاتی تھیں، لوگ مامون ہو جاتے تھے اور قافلے بھی آتے جاتے تھے، جنگجو معاشرہ میں اس کی ضرورت بھی تھی، کہ کچھ ایام اور دن ایسے ہونے چاہئیں جن میں امن ہو، تاکہ نظام حیات چل سکے، تو ان چار ماہ میں جنگیں رُک جاتی تھیں، لیکن مشرکینِ مکہ ایک گڑبڑ کرتے تھے اور وہ یہ کہ بسا اوقات اَشہرِ حرم کے کسی مہینے میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے شہرِ حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اس سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً: اس دفعہ جو محرم ہے وہ صفر بن گیا ہے اور جو صفر ہے وہ محرم۔ سال بھر چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے، لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعیین کا لحاظ نہ کرتے، جس مہینہ کو چاہتے ذی الحجہ کہہ دیتے اور جس کو چاہتے رمضان کہہ دیتے، جس کو چاہتے مقدم کر دیتے اور جس کو چاہتے مؤخر کر دیتے، یوں مہینے آگے پیچھے کر دیتے تھے اور طرح طرح کی تاویلیں کرکے اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرتے۔ اسی طرح کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ اگر لڑتے لڑتے سال کے دس مہینے گزر جاتے اور صرف دو مہینے ہی رہ جاتے، تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا لیا کرتے تھے اور کہتے کہ اس سال، چودہ مہینوں کا سال ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا کہ کون سا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کون سا ذی الحجہ یا رجب کا؟ اس سے حج جیسی عبادت میں بھی تقدم و تاخر ہو جاتا۔

ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے سال نو ہجری میں حج نہیں فرمایا، بلکہ

دس ہجری میں حج فرمایا، اس کی ایک وجہ مفسرین نے مہینوں کی ترتیب کا الٹ پلٹ ہونا لکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہجری میں جب حج فرمایا تو قدرتی طور پر حج ہزار گردشوں کے بعد اپنے اصلی ایام تک پہنچ چکا تھا، اصل مہینہ بھی ذی الحجہ کا تھا، اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: "ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض" زمانہ پھر پھرا کر اپنی اسی اصلی ہیئت پر آ گیا ہے، جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن "نسیء" کی رسم کے خاتمے کا اعلان فرمایا۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہی مضمون ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک آسمان و زمین کی تخلیق کے وقت سے سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں سے چار (اشہرِ حرم) خصوصی ادب و احترام کے ہیں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا)، ان مہینوں کے احترام میں کوئی کمی نہ چھوڑو، اور ان میں کوئی تبدیلی نہ کرو، کیونکہ مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کافروں کا عمل ہے، جس سے ان کی گمراہی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ
اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ
وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

غزوۂ تبوک کے احوال

ان آیات میں غزوہ تبوک کا بیان ہے، جو ماہ رجب سن ۹ ہجری میں پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اطلاع ملی کہ ہرقل روم نے شام میں بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، اور اپنے ہراول دستوں کو مشہور مقام "بلقاء" تک پھیلا دیا ہے، پوری فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے اس کے کہ وہ مدینہ پر حملہ کرے، ہم خود ہی پہلے کیوں نہ ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ صحابہ کرام کو جنگ کی تیاری کا حکم فرماتے تو یہ نہ بتاتے کہ کہاں

جاتا ہے، معاملہ خفیہ رکھتے ،لیکن غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے معاملہ راز میں نہ رکھا، اس لیے کہ رُومیوں کا لشکر بہت زیادہ فاصلے پر تھا، راستے کی تکالیف کا اندازہ کیے بغیر چل پڑنا مناسب نہ تھا، دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، موسم سخت گرم تھا اور فصل اور پھل بھی پکے ہوئے تھے جو صحابہ کرام کا اہم ذریعہ معاش تھا۔ مقابلہ بھی ایسی سلطنت سے تھا، جسے اپنے وقت کی سپر پاور ہونے کا دعویٰ تھا۔

صحابہ کرامؓ کا جذبۂ اِنفاق

طویل مسافت، سخت گرم موسم، زمانہ قحط اور گرانی، فقر و فاقہ اور بے سرو سامانی کے ایسے نازک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے چندہ بھی مانگا۔ سب سے پہلے صدیق اکبرؓ نے گھر کا سارا سامان لاکر آپ کے سامنے پیش کردیا، جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، حضرت فاروق اعظمؓ نے نصف مال پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دوسو اوقیہ چاندی لاکر پیش خدمت کی، عاصم بن عدیؓ نے ستر وسق کھجوریں (تقریباً پونے چار ٹن) پیش کیں، سیّدنا عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبوی میں پیش کیے، آپ نہایت مسرور ہوئے، بار بار ان کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا۔ اکثر صحابہ کرام نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی، مگر پھر بھی سواریاں اور زادِراہ کم پڑ گیا، کیونکہ اس جہاد کے موقع پر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی، کئی صحابہ ایسے تھے جن کے پاس سواریاں نہیں تھیں اور وہ بے چارے پریشان تھے کہ ہمیں بھی سواریاں ملیں اور ہم بھی جہاد میں جائیں۔

منافقین کے بہانے

آخر کار جنگ کے لیے لشکر کی تیاری مکمل ہوگئی، آپ تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ منوّرہ میں اپنا قائم مقام بنایا، یہ مہم چونکہ بہت دشوار تھی، طویل فاصلے والی تھی، بعض مسلمانوں نے سستی کی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اکثر منافقین تو شروع ہی سے ساتھ نہیں دیتے تھے، پھر جانے والوں میں سے بہت سوں کی ہمتیں جواب دے گئیں، اور وہ مختلف حیلے اور بہانے بنا بنا کر واپس لوٹ گئے، اس طرح منافقوں کا پول کھل گیا۔ اللہ نے منافقین کو بے نقاب کردیا، ان کی ایک ایک جماعت جس نے بہانہ بنایا ان کا تذکرہ کیا اور ان کے جھوٹ، دجل و فریب اور دھوکوں کو اللہ نے کھول دیا، جو مؤمن مخلص نہ جاسکے، اللہ نے انہیں بھی سخت تنبیہ کی، لیکن ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان کے لیے اعلان توبہ آیا۔

کافروں کی مرعوبیت

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا، رومی اسلامی لشکر سے خوف زدہ ہوگئے تھے، اس لیے مقابلے پر نہ آئے، اس طرح تبوک کے مقام پر جنگ نہ ہوسکی، لیکن دشمن مرعوب ہوگئے، آس پاس کے قبائل نے حاضر ہوکر سر تسلیم خم کیا۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے خیریت کے ساتھ تشریف لے آئے۔ جب مدینہ پہنچے تو یہ سارے حالات منکشف کیے گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

ترکِ جہاد پر تنبیہ

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اس جہاد میں بغیر کسی صحیح عذر کے محض اپنی سستی اور کاہلی کی بنا پر شریک نہیں ہوئے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

> اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ رَبّ العزّت کے راستے میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین سے لگ جاتے ہو، (جہاد میں نہیں جاتے) کیا تمہیں آخرت کے بدلے میں دُنیا کی زندگی عزیز ہے؟ حالانکہ دُنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں بالکل تھوڑی اور فانی ہے۔ لہٰذا اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیں گے اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئیں گے (جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گی) اور تم جہاد میں نہ جا کر اللہ یا اللہ کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، صرف اپنا نقصان کرو گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر اللہ رَبّ العزّت کی مدد

ترکِ جہاد پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ بیان فرما کر یہ بتا دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کو کسی کی نصرت اور مدد کی ضرورت نہیں ہے، اللہ رَبّ العزّت خود ہی آپ کی براہِ راست غیب سے مدد فرما سکتے ہیں، جیسے ہجرت کے موقع پر اللہ رَبّ العزّت نے اپنے نبی کی مدد فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں پناہ گزین تھے، دشمنوں کے پیادے اور سوار آپ دونوں کے تعاقب میں تھے، جن میں سے بعض اس غار کے دہانے تک پہنچ چکے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پریشان تھے کہ دشمن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں، لیکن اس موقع پر اللہ رَبّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ "لا تحزن ان اللہ معنا" آپ غمگین نہ ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ رَبّ العزّت نے آپ کی مدد و نصرت فرمائی، دشمن ناکام و نامراد لوٹا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اور کچھ عرصہ میں اسلام کو پوری دنیا میں غلبہ حاصل ہو گیا۔ تو جو رَبّ ہجرت کے موقع پر اپنے نبی کی حفاظت اور مدد کر سکتا ہے وہ دوسرے اوقات میں بھی آپ کی حفاظت پر قادر ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالات

ان آیات میں سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوری اُمّت کو ہجرت کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدمِ نصرت پر تنبیہ کی گئی ہے۔ آیت میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو "صاحب" یعنی صحابی کہا گیا ہے، یہ

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے کہ انہیں خود اللہ تعالیٰ نے صحابی اور صاحب کہا، نیز سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فکر مندی اور اضطراب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کو بیان فرمایا۔ آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ'' میں داخل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی قرار دیا گیا ہے۔

دعوتِ جہاد

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے تمام اہلِ ایمان کو جہاد میں شمولیت کی دعوت دی اور جہاد میں سستی کی وجہ سے شریک نہ ہونے والوں کے عذر کو نامناسب قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو تم جس حال میں بھی ہو، جہاد میں لازمی نکلو، اور اپنی جان و مال کے ذریعہ اللہ ربّ العزّت کے راستے میں جہاد کرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

منافقین کی ایک جماعت کا ذکر

اور جو لوگ جہاد میں اس عذر کی بنا پر شریک نہیں ہوئے کہ سفر لمبا اور مسافت بہت زیادہ تھی، تو ان کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں، وہ اگرچہ قسمیں کھا کر اپنا یقین دلائیں لیکن اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تبوک میں نہ جانے والے منافقین کی چار جماعتوں کا الگ الگ ذکر فرمایا، یہاں پہلی جماعت کا ذکر ہے، یہ وہ جماعت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک سے واپسی پر قسمیں کھانے لگی کہ قسم بخدا ہم جانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، ورنہ ہم ضرور اس جنگ میں آپ کے ہم رکاب ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دروغ گوئی کو ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹ بول کر اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں، اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝

محبوبانہ تنبیہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان منافقین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت حاصل کر لی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے انہیں اجازت تو دے دی لیکن اللہ ربّ العزّت کو یہ پسند نہ آیا، اس لیے نہایت لطیف پیرائے اور محبت بھرے انداز میں آپ کو تنبیہ فرمائی، لیکن محبت بھرا انداز ملاحظہ کیجیے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرمادیا، کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی، اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ جانے کیا کیفیت طاری ہوتی۔ چنانچہ فرمایا: اللہ نے آپ کو معاف فرمایا، آپ نے ان کو کیوں رخصت دی کہ انہیں عدم شمولیت کا بہانہ مل گیا، آپ کو منافقین کو رخصت دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی، اگر آپ انہیں اجازت دینے سے پہلے ذرا تحقیق کر لیتے تو آپ کو سچے اور جھوٹے کی پہچان ہو جاتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ منافقین کسی حالت میں بھی جہاد میں شریک ہونے پر آمادہ نہیں تھے، مگر آپ کی طرف سے اجازت، ان کی عدم شرکت کا معقول بہانہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزائم اور باطنی کیفیات کو جانتا ہے، یہ لوگ بہانوں کی تلاش میں تھے، جو انہیں میسّر آ گئے، اور انہوں نے اپنے آپ کو کسی حد تک الزام سے بَری کر لیا۔

اہلِ ایمان کا ایمانی جذبہ

یہ تو منافقوں کی حالت ہے کہ حیلے بہانے سے جہاد سے گریز کرتے ہیں، مگر ایمان والوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہاد سے جی نہیں چراتے، اور کبھی بھی ایسے موقع پر بہانے بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رُخصت طلب نہیں کرتے، جن لوگوں کے دلوں میں نورِ ایمان راسخ ہو چکا ہے، وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ اللہ کا رسول تو سفر کی صعوبتیں برداشت کرے اور وہ پیچھے بیٹھے رہیں، اس لیے وہ ہمیشہ اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لیے تیار رہتے ہیں۔

منافقین کے لچر اَعذار

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حیلوں کو رد کر کے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے بعض نمایاں منافقوں کا حال خصوصی طور پر بیان کیا، کہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے مضحکہ خیز عذر پیش کر کے اپنے لیے استثناء حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً بنی سلمہ قبیلے کے سردار "جد ابن قیس" نام کا ایک منافق کہنے لگا: "یا رسول اللہ! میں دل کا بڑا کمزور ہوں، رُومیوں کی عورتیں گورے رنگ کی اور خوبصورت ہوتی ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں جہاد میں گیا تو انہیں دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ بے وقوف ایک موہوم فتنے کا بہانہ کر کے یقینی فتنہ یعنی اللہ ربّ العزّت کے رسول کی نافرمانی اور جہاد سے انکار کے گناہ میں مبتلا ہو چکا ہے۔

منافقین کا طرزِ عمل

اس کے بعد منافقین کی ایک اور کم ظرفی کو بیان فرمایا۔ یہ لوگ اگرچہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے رہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے بغض وحسد کے سوا کچھ نہیں، اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہو یا مال غنیمت ہاتھ آئے تو انہیں بہت ناگوار گزرتا ہے، اور اگر اس کے برعکس مسلمانوں کو کسی حادثے یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑے تو خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تمہارا کیا انجام ہوگا، اس لیے ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ سنبھال لیا تھا، اور اچھا کیا جو ہم مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے، ورنہ ہم بھی ان کے ساتھ مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

مصارفِ زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلے میں منافقین اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ زکوٰۃ وصدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زکوٰۃ کے مصارف متعین فرما دیے تاکہ انہیں یہ بات سمجھ آجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ اور صدقات اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق تقسیم فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔

زکوٰۃ کے کل آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں، اور ان کے شروع میں کلمۂ حصر ''انما'' ذکر کیا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں، تمام صدقات واجبہ صرف انہیں مصارف میں خرچ ہونے چاہئیں، اس کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے۔ پھر آیت کریمہ میں لام تملیک کا ہے، یعنی فقراء اور مساکین کو اس طرح مالک بنانا ضروری ہے کہ اس مال میں تمہارا تصرف ہر طرح سے منقطع اور ختم ہو جائے۔

اب ان مصارف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے، پہلا مصرف فقراء اور دوسرا مصرف مساکین ہیں۔

''فقیر''، ''مسکین'' سے مُراد

''فقیر'' اور ''مسکین'' اپنے اصل معنی کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، جبکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں، لیکن زکوٰۃ کے حکم میں فقیر اور مسکین دونوں یکساں ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال نہ ہو، اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

''عاملین'' سے مُراد

تیسرا مصرف عاملین ہیں، اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ، عشر وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، لہٰذا ان کا حق الخدمت ان کی محنت وعمل کے مطابق اسی مدِ زکوۃ سے دیا جائے گا۔

''مؤلفۃ القلوب''

چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں، جو تالیف قلب سے ماخوذ ہے۔ تالیف قلب کے معنی ہیں ''دل موہنا''۔ اس مصرف سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر ان کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جاسکتا ہو یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انہیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، ان کی سابقہ عداوت یا ان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی کفالت نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی ومددگار یا مطیع وفرماں بردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنالیا جائے، اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی مال خرچ کیا جاسکتا ہے، اگر ضرورت ہو تو زکوۃ کی مد میں سے بھی انہیں نوازا جاسکتا ہے، چاہے وہ فقیر ومسکین کے بجائے مالدار ورئیس ہی کیوں نہ ہوں۔

''مؤلفۃ القلوب'' کا مصرف اب بھی باقی ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کے زمانے سے یہ مد ساقط ہوگئی، اب مؤلفۃ القلوب کو کچھ دینا جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ فاسق مسلمانوں کو تالیف قلب کے لیے زکوۃ کی مد سے مال دیا جاسکتا ہے، مگر کافر کو نہیں۔ محققین کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مؤلفۃ القلوب میں کافر کبھی بھی داخل نہ تھے، نہ ہی کبھی اس مصرف کے تحت انہیں زکوۃ دی گئی، یہ مصرف صرف مسلمانوں کی تالیف قلب کے لیے تھا، اور جس طرح زکوۃ کے آٹھ مصارف میں سے اکثر مصارف میں فقر کی شرط ملحوظ ہے، اسی طرح اس میں بھی ہے اور یہ حکم پہلے کی طرح آج بھی منسوخ نہیں، چنانچہ اب بھی ایسے فقرائے مسلمین کو بالاتفاق زکوۃ دی جاسکتی ہے، جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔

''رقاب''

پانچواں مصرف ''غلاموں کی گردنیں چھڑانا'' ہے، یعنی غلاموں کی آزادی میں زکوۃ کا مال صرف کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کیا کہ اگر میں اتنی رقم ادا کردوں تو تم مجھے آزاد کردو، اسے

آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جائے۔ دوسرے یہ کہ خود زکوٰۃ کی مدد سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں، ان میں پہلی صورت کے جواز پر تو سب فقہا متفق ہیں، لیکن دوسری صورت میں اختلاف ہے۔

”قرض دار“

چھٹا مصرف ”قرض داروں کی معاونت ہے“ یعنی ایسے قرض دار جن کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکیں۔ مگر بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اُڑا کر اپنے آپ کو قرض داری میں مبتلا کیا ہو، اس کی مدد نہ کی جائے، تا کہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

”مجاہدین“ اور ”طلبہ کرام“

ساتواں مصرف ”فی سبیل اللہ“ یعنی اللہ کی راہ میں دینا ہے۔ اس سے خصوصیت کے ساتھ وہ اہلِ حاجت مراد ہیں، جو جہاد اور دینی تعلیم کے حصول میں لگے ہوئے ہوں۔ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں دو فائدے ہیں: ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے دینی خدمت میں اعانت۔

”مسافرین“

آٹھواں مصرف مسافرین ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اصلاً تو زکوٰۃ کے حق دار نہ ہوں، لیکن سفر کی حالت میں ضرورت مند ہو گئے ہوں، یہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، مگر اتنی ہی لیں جتنے سے کام چل جائے اور ضرورت پوری ہو جائے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

منافقین کی گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ان آیات میں ایک بار پھر منافقین اور ان کی ایک جماعت کی ایذا رسانیوں اور ان کے بیہودہ اعتراضات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر ایک کی بات سن لیا کرتے تھے، اس لیے منافقین آپ کے بارے میں کہتے تھے کہ آپ تو ”نرے کان ہیں“ یعنی آپ کو کانوں کا کچا قرار دیتے کہ آپ جو کچھ کسی سے سن لیں اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس بے ہودہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ہر ایک کو بات کرنے کا موقع دیتے اور کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنا پسند نہیں فرماتے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہر طرح کی باتوں کو قبول کر لیتے ہیں، وہ تو محض اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں، ورنہ ان کو تمہاری حقیقت کا بخوبی علم

ہے، یہ تو ان کی رحمت وشفقت ہے کہ وہ تمہارے منہ پر تمہاری تردید نہیں فرماتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراپا رحمت بنایا ہے، اس لیے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں اس رحمت سے حصہ ملے تو تمہیں اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، سچے مومن بن کر اپنے لیے رحمت خرید لو ورنہ توہینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عذاب الیم کے مستحق بن جاؤ گے۔

منافقین کی ایک بیماری یہ تھی کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اپنی بے گناہی اور معصومیت کا یقین دلاتے تھے، اور مسلمانوں کو خوش کرنا چاہتے تھے، جبکہ ان کے دل میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض ہی بھرا ہوتا تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ واقعی اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں تو صدق دل سے اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول پر ایمان لا کر ان کی اطاعت کریں، کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے اور دل سے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے تو اس بات سے آگاہ رہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے جہنّم کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

منافقین کی صفاتِ قبیحہ

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بعض اوصاف قبیحہ بیان کر کے عبرت کے لیے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا اور ان لوگوں کے انجام سے باخبر کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں، جو برے افعال ان کے مرد سرانجام دیتے ہیں ان افعال میں ان کی عورتیں بھی پیچھے نہیں رہتیں، وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں یعنی انتہائی درجے کے کنجوس ہیں، ضروری مواقع پر خرچ کرنے سے بھی کتراتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں، اسی لیے اللہ رَبّ العزّت نے منافق مردوں، عورتوں اور تمام کفار کے لیے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اٹل عذاب ہوگا۔

مزید فرمایا کہ یہ منافق گزشتہ امتوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے گزریں، مثلاً قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ ابراہیم، قومِ لوط اور اصحابِ مدین وغیرہ، یہ سب قومیں طاقت میں تم سے مضبوط تر اور مال و اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ رَبُّ العزّت نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور ان منافقین کے اعمال دنیا اور آخرت میں خسارہ برباد ہو گئے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اہلِ ایمان کی صفات

منافقین کے تذکرے کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے مومن مردوں اور عورتوں کا ذکر فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کی تلقین کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں، جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ اور انہی مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ رَبُّ العزّت نے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور انہیں رہائش کے لیے ایسے پاکیزہ مکانات ملیں گے جو سدا بہار باغات میں ہوں گے، ان سب نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت اللہ رَبُّ العزّت کی خوشنودی اور اس کی رضا ہے جو اہلِ جنّت کو نصیب ہو گی۔ درحقیقت یہی اصل اور بڑی کامیابی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ
بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ
اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

کفّار و منافقین سے جہاد میں سختی کا حکم

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و منافقین دونوں سے جہاد اور ان کے معاملہ میں شدت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ظاہری کفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن منافقین سے جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی طرف دعوت دیں، تاکہ وہ اپنے دعویٰ اسلام میں مخلص ہو جائیں۔ اور ان پر سختی کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر

احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے، زبان وکلام میں سختی کرنا مراد نہیں، کیونکہ یہ سنت انبیاء کے خلاف ہے کہ وہ کسی سے سخت کلامی اور سب وشتم کریں۔ (معارف القرآن)

منافقین کا دوغلا پن

منافقین کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کافرانہ باتیں کہتے رہتے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو وہ صاف انکار کردیتے اور قسم بھی کھالیتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی، اللہ تعالیٰ نے ان کی گستاخیوں کا پردہ چاک کیا، کہ اسلام لانے کے بعد بھی یہ منافق کفر کے مرتکب ہوئے ہیں، انہوں نے کفر کی بات کہی ہے۔ اگر یہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر یہ منہ موڑیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار۔

مفسرین کرام نے اس قسم کے متعدد واقعات ذکر فرمائے ہیں جن میں منافقین نے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اسلام کا مذاق اڑایا اور پھر انکار کرکے جھوٹی قسمیں کھالیں۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ کی موجودگی میں ایک انصاری اور ایک جہنی کا جھگڑا ہوگیا، اس پر ابنِ اُبیّ نے انصار سے کہا کہ اپنے بھائی کی مدد کیوں نہیں کرتے، قسم بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی مثال ایسے ہے "کتے کو پالو اور وہ پل کر تمہیں کاٹ لے" اور کہا کہ ہم مدینہ جا کر عزت دار لوگ ان ذلیلوں (مہاجر صحابہ کرامؓ) کو نکال دیں، ایک شخص نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ نے اس منافق سے دریافت کیا تو یہ جھوٹی قسمیں کھا کر مکر گیا۔ اس طرح کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

حرصِ مال کی وجہ سے ایمان سے محرومی

ثعلبہ بن ابی حاطب انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ ربّ العزّت سے میرے حق میں دولت مند ہوجانے کی دعا فرمادیجیے، آپ نے فرمایا: ثعلبہ تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے، اس زیادہ چیز سے اچھی ہے، جس کے حقوق ادا نہ کرسکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی، آپ نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ تو میرے نقش قدم پر چلے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے، مگر مجھے ایسی مالداری پسند نہیں، وہ شخص مسلسل اصرار کرتا رہا، اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھے مال دے گا تو میں پورے حقوق ادا کروں گا، بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مسلسل اصرار پر اس کے لیے دعا فرمادی، جس کی وجہ سے اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ کی جگہ اس کے لیے تنگ ہوگئی اور اسے شہر سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی

ضرورت پڑی، وہاں بھی اس کی بکریاں مسلسل بڑھتی رہیں جن میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعت کی نمازیں بھی چھوڑنے لگا، کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا نمائندہ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ اور ٹیکس تو ایک ہی چیز ہے، ایک دو دفعہ ان صحابہ کو ٹال کر بالآخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "ویح ثعلبة" "ثعلبہ پر سخت افسوس ہے، اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ کلمات کہے تو اس کے کچھ رشتہ دار بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے یہ بات اس تک پہنچا دی، اس پر وہ بادلِ نخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے، یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی، کیونکہ حضور کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لیے بڑی عار کی بات تھی، بدنامی کے ڈر سے سر پر خاک ڈالتا تھا، مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرما دیا، اور فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کی تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے انکار فرما دیا، بالآخر خلافت سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں ناکام و نامراد ہو کر مر گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں رزق و دولت عطا فرما دیں تو وہ صدقہ کرے گا اور صالح بن جائے گا، جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرما دیا تو بخیل ہو کر اطاعتِ خداوندی سے نکل گیا، جس کے انجام کی وجہ سے دل میں نفاق نے جنم لیا، یہ سب اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کا نتیجہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

نیکی کرنے والوں پر طعن اور اس کا انجام

ان آیات میں منافقین کی ایک اور قبیح حرکت کا ذکر ہے۔ غزوۂ تبوک کے سلسلے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چندے کی اپیل کی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ لیا، مگر جن کے دلوں میں نفاق تھا، انہوں نے صدقہ کرنے والوں کو مختلف قسم کے طعن کا نشانہ بنایا، جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر مال پیش کیا، ان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لوگ ریاکاری کر رہے ہیں، اور اپنا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور جس غریب آدمی نے مزدوری کر کے نصف صاع کھجوریں پیش کیں، اس کے متعلق کہنے لگے، یہ انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔ حالانکہ حضور کے صحابہ میں نہ تو ریاکاری تھی اور نہ ان کی نیت میں کوئی خرابی تھی، بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حسبِ توفیق خرچ کرتے تھے،

مگر منافقین ان پر طرح طرح سے طعن کرتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یہ بدطینت، بدخصلت، بداخلاق اور بدنیت منافق مخلص مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے ہیں، عنقریب اللہ ربّ العزّت انہیں ان کے مذاق کا بدلہ دردناک عذاب کی صورت میں ضرور دے گا۔ اسی سے یہ قانون بھی معلوم ہوگیا کہ نیکی کرنے والے آدمی کا مذاق نہیں اڑنا چاہیے، یہ منافقوں کا کام ہے، اس کے بجائے نیکی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

''منافق''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے بھی نہیں بخشا جائے گا!

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان منافقین کے لیے آپ استغفار کریں یا نہ کریں، برابر ہے، اور آپ چاہے کتنی ہی مرتبہ استغفار کریں، ان کے حق میں بالکل بے کار اور بے فائدہ ہے، خدا ان بدبخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عامی اخلاق اور منافق کی نمازِ جنازہ سے ممانعت

جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ کا انتقال ہوا، تو اس کے صاحبزادے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ اپنی قمیص عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہنا سکوں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قمیص انہیں عطا فرما دی، پھر انہوں نے آپ سے اس کا جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے وہ بھی قبول فرمالی، جب آپ جنازہ پڑھانے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اس منافق کی جنازہ پڑھا رہے ہیں حالانکہ اللہ رب العزت نے آپ کو ان کی نماز جنازہ سے منع فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں مغفرت کی دُعا کروں یا نہ کروں، مجھے منع تو نہیں فرمایا، اس لیے میں اس کے لیے دُعائے مغفرت کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا یہ تھی دوسروں کے حق میں میرا یہ طرزِ عمل نافع ہو جائے، دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں اس کی بداخلاقی، بدسلوکی اور ایذا رسانی کے باوجود میرے حسن اخلاق، مروّت اور میرے حلم کو دیکھیں گے، میرے حوصلہ، شفقت اور میرے کرم کو دیکھیں گے اسلام اور پیغمبر اسلام کے گرویدہ ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے حسن سلوک اور جنازہ پڑھانے کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ بن اُبَیّ کے قبیلے کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو گئے، انہوں نے جان لیا کہ اتنے کریمانہ اخلاق کا مالک ایک نبی ہی ہو سکتا ہے، جس نے اتنے خطرناک دشمن پر مہربانی فرمائی، جو ہمیشہ آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز جنازہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھانے سے منع فرمادیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾

حقیقی معذور جہاد سے مستثنیٰ ہیں!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مخلص مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو واقعتہً جہاد سے معذور تھے، اور انہیں جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ جہاد سے مستثنیٰ ہیں، ان پر جہاد میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں۔

۱۔ کمزور لوگ: عورتیں، بچے، بہت بوڑھے مرد، یا جسمانی طور پر معذور لنگڑے، اندھے وغیرہ۔

۲۔ مریض: جو جسمانی طور پر اتنے بیمار ہوں کہ جہاد کی مشقت برداشت نہ کر سکتے ہوں۔

۳۔ مفلس ونادار: یعنی وہ لوگ جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، یعنی مالی طور پر نادار لوگ ہیں جن کے پاس سواری نہیں ہے یا زادِ راہ میسر نہیں اور وہ جہاد کے سفر پر جانے سے قاصر ہیں۔ ایسے لوگوں کو جہاد میں شمولیت سے استثنیٰ حاصل ہے۔

مگر یہ استثنیٰ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے، اور وہ ہے ''اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' جب یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص ہوں، اسلام کے خلاف پروپیگنڈا نہ کریں، افواہیں نہ پھیلائیں، پوری طرح دین کی سربلندی کے خواہش مند ہوں۔

کچھ لوگ سواری طلب کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ جہاد میں شرکت نہ کر سکنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کہ وہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کے عظیم الشان عمل سے محروم ہو جائیں گے، ان نیک بخت لوگوں کے آنسو اللہ کے ہاں اس قدر قیمتی ثابت ہوئے کہ اللہ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کا ذکر قرآن پاک کی آیت کے طور پر کر دیا، جو ابدالآباد تک تلاوت ہوتی رہے گی اور فرمایا کہ ایسے بے سروسامان لوگوں پر کوئی الزام اور مؤاخذہ نہیں ہے۔

الزام اور مواخذہ ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہو کر آپ سے اجازت مانگتے ہیں، مالدار ہونے کے باوجود جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے، اور اس بات پر خوش ہیں کہ گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں اور انہیں جہاد کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑے، چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے دلوں پر مہر لگادی، جس کی وجہ سے وہ گناہ وثواب اور اس بات کی سمجھ سے ہی محروم ہو گئے کہ جہاد میں شریک نہ ہو کر کس قدر نقصان کا سودا کر رہے ہیں۔ جہاد سے گریز کرنے کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیں گے اور پھر یہ ذلیل وخوار ہوں گے۔

پارہ نمبر ۱۱

یہ پارہ سورۂ توبہ کے بقیہ حصے، سورۂ یونس اور سورۂ ہود کے آغاز پر مشتمل ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۝

جھوٹے عذر پیش کرنے والے منافقین کے بارے میں تین اَحکام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے اس بات کی اطلاع دی ہے کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو منافقین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر بہانے تراشیں گے اور اپنے آپ کو سچا اور معذور ظاہر کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیں گے، اس سلسلے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے پہلا حکم یہ ہے کہ آپ ان کی بات کا یقین نہ کیجیے گا اور انہیں صاف فرما دیجیے گا کہ جھوٹے عذر پیش نہ کرو، اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے سارے حالات اور خیالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اس لیے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے۔ البتہ اگر تم توبہ کر لو اور نفاق چھوڑ کر سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے، وگرنہ آخرت میں بھی تمہیں تمہارے نفاق کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو مطمئن کرنا چاہیں گے اور ان کا مقصد یہ ہوگا کہ آپ ان کی جہاد سے غیر حاضری کو نظر انداز کر دیں، تو ہمارا حکم یہ ہے کہ آپ ان کی یہ خواہش پوری کر دیں اور ان سے اعراض کریں، نہ ان کو فوری طور پر کوئی سزا دی جائے اور نہ ان سے وعدہ کیا جائے کہ ان کی معذرت قبول کر لی گئی ہے اور انہیں معاف کر دیا گیا ہے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو اور مسلمانوں کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن آپ ان کی یہ خواہش پوری نہ کیجیے گا اور ان سے ہرگز راضی نہ ہوں، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت بھی ایسے فاسق اور منافق لوگوں سے راضی نہیں ہوتے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

دیہاتیوں کے مختلف اَحوال

نزولِ قرآن کے زمانہ میں جس طرح شہروں میں منافق لوگ رہتے تھے، اسی طرح دیہاتوں میں بھی کچھ منافق آباد تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دیہاتی منافقین کے قبیح کارنامے بیان کرکے ان کی مذمت بیان فرمائی، البتہ چونکہ دیہات میں رہنے والے سارے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے، بلکہ جہاں دیہات میں نفاق وکفر میں مبتلا لوگ رہتے تھے، وہاں اچھے اور مخلص مسلمان بھی تھے، اللہ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کا انجام بھی ذکر فرمایا۔

پہلی حالت

فرمایا: ''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا'' جو دیہاتی منافق ہیں، وہ کفر اور منافقت میں شہر والوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں وہ سخت خو ہوتے ہیں، ان کی طبیعت اور زبان میں سختی ہوتی ہے، ادب وآداب سے بھی دور ہوتے ہیں، تعلیم اور شائستگی کی بھی کمی ہوتی ہے، ان کو علمی مجالس نصیب نہیں ہوتیں، اللہ کے ذکر کی مجالس سے عموماً محروم رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے اندر سختی، ترش روئی اور ان کی طبیعتوں کے اندر جہالت اور ناشائستگی غالب ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ''مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا'' جو دیہات میں رہتا ہے وہ طبیعت کا سخت ہو جاتا ہے۔ (سنن ترمذی:۲۲۵۶)

دوسری حالت

اور بعض بدو (دیہاتی) ایسے ہیں جن سے جب زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ حکومتی ٹیکس ہے، اسی لیے وہ مسلمانوں کے بارے میں اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی حادثہ انہیں پیش آئے اور یہ حوادثِ زمانہ کا شکار ہو جائیں، تاکہ انہیں اس قسم کے احکام سے آزادی مل جائے، جن پر عمل انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ مسلمانوں کا برا چاہتے ہیں، عنقریب خود ان پر برے حالات آنے والے ہیں، اور یہ اپنے اقوال وافعال کی بنا پر مزید ذلیل ورسوا ہوں گے۔

تیسری حالت

جس طرح ہر فرقے اور جماعت میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے، اسی طرح دیہات کے سارے لوگ بھی گنوار نہیں ہوتے بلکہ وہاں پر بھی بعض لوگ تہذیب یافتہ، عقلمند اور مخلص مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تعریف ومدح کے متعلق اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انہیں دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں، جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہیں، اسے اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ

سمجھتے ہیں، ہاں! یہ ان کے لیے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے، اللہ ربّ العزّت ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا، وہ بہت زیادہ بخشش کرنے والا اور ازحد مہربان ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ کا مقام ومرتبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کی تعریف فرمائی، اور انہیں بطور نمونہ پیش کیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صدق دل اور اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور انہوں نے دین اسلام کے فروغ کے لیے قربانیاں دیں، اور وہ دو جماعتیں ہیں۔ پہلی جماعت: ''وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار'' وہ مومن جو سابقین اولین ہیں، بہت پہلے مسلمان ہوئے، چاہے وہ مہاجر ہوں یا انصار، دوسری جماعت ''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَان'' ان لوگوں کی ہے جو ان سابقین اوّلین کے بعد مسلمان ہوئے اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ ربّ العزّت نے ان دونوں جماعتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں کامیاب ہیں ان کے لیے میری طرف سے رضاء کا تمغہ ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔ دوسرا انعام اور تمغہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

''سابقینِ اَوّلین'' کون ہیں؟

''سابقینِ اوّلین'' سے کون مراد ہیں؟ اس بارے میں علماء ومفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ سابقینِ اوّلین سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے دونوں قبلوں (بیت المقدس اور خانہ کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی یعنی قبلہ بیت المقدس کے منسوخ ہونے سے پہلے جو لوگ ایمان لائے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے، امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے، میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس جگہ سابقین اوّلین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ہجرت اور نصرت میں سابق واوّل ہیں، کیونکہ سابقین اوّلین کا لفظ مجمل ہے، جس میں یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز میں سابق واوّل ہیں؟ پھر ان کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ موصوف فرمایا، معلوم ہوا کہ صفت ہجرت اور صفت نصرت میں سبقت اور اولیت مراد ہے۔

''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ'' سے کون مراد ہیں؟

اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو سابقین اوّلین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے، خواہ وہ صحابہ ہوں، تابعین،

تبع تابعین یا ان سے بھی بعد، جو بھی مہاجرین وانصار کی پیروی کریں، خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں وہ سب جنّت کے مستحق ہیں، خدا ان سے خوش ہے، وہ خدا سے خوش ہیں۔

اِتباعِ صحابہ میں رضائے الٰہی ہے!

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کی اتباع وپیروی کے بغیر خدا کی رضا اور جنّت نہیں مل سکتی۔ اہلِ سنّت والجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور جماعتِ صحابہ کے طریقے پر چلتے ہیں، اس لیے انہیں ''اہلِ سنّت والجماعت'' کہا جاتا ہے۔

الغرض! اس آیت میں اللہ جل شانہ نے مہاجرین وانصار کی مدح فرمائی، انہیں جنّت کی خوش خبری دی، اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا، یہ وہ عظیم فائز المرامی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اس آیت نے تمام مہاجرین وانصار کا ایمان ثابت کرکے منکرینِ صحابہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور ان کے عقیدے کو خاک میں ملا دیا، اس لیے کہ آیت میں جس قدر وعدے ہیں، وہ سبقت ہجرت اور نصرت پر موقوف ہیں، ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ذکر نہیں۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

''عالم الغیب'' صرف اللہ ہے!

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مزید دو طرح کے منافقین کا ذکر فرمایا:

۱- ارد گرد دیہاتوں کے منافقین

۲- مدینہ منورہ میں رہنے والے ایسے منافقین جو نفاق کے پختہ ہیں، ان کے متعلق بطورِ خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔

یہ سورت قرآنِ کریم کی تقریباً آخری سورت ہے، جس کا نمبر ایک سو تیرہ (۱۱۳) ہے، اس میں بطورِ خاص اعلان کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب دان نہیں، اللہ ہی غیب دان ہیں۔

''عذابِ قبر'' حق ہے!

ایسے منافقین کے متعلق فرمایا انہیں دو مرتبہ عذاب دیا جائے گا، اہلِ علم نے دو مرتبہ سے مراد دنیا اور برزخ وقبر کا عذاب لیا ہے، کیونکہ آخرت کے عذاب کے متعلق تو الگ سے فرما دیا ''ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ'' کہ اس کے بعد تم بڑے عذاب کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''غزوۂ تبوک'' میں شریک نہ ہونے والے چند مخلص صحابہ کرامؓ کے اَحوال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان مخلص مؤمنین کا ذکر فرمایا ہے جو عذر نہ ہونے کے باوجود محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ تقریباً دس لوگ تھے۔ ان میں سے ایک جماعت سات افراد کی تھی جن میں ایک نام حضرت ابولبابہؓ کا بھی ہے۔ ان سب نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر منافقین کی طرح کوئی بہانہ نہیں بنایا، بلکہ اپنے آپ کو مجرم گردان کر اور قصوروار سمجھ کر مسجد نبوی میں چلے گئے اور مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور عہد کیا کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معاف کر کے خود ہمیں نہ کھولیں گے، ہم اسی طرح بندھے رہیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ میں انہیں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انہیں کھولنے کا حکم نہ دے دیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کی توبہ قبول فرمائی، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کو کھول دیا۔

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوئی تو ان حضرات نے شکرانہ کے طور پر اپنا سارا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ کرنے کے لیے پیش کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال قبول کرنے سے انکار فرما دیا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں ہے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے صدقہ قبول کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ صدقہ کرنے سے گناہوں کی ظلمت اور کدورت دور ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی اشارہ فرما دیا کہ سارا مال نہ لیا جائے بلکہ اس کا ایک حصہ لے لیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک تہائی مال کا صدقہ قبول فرما لیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ جب آپ ان سے صدقہ وصول کر لیں تو ان کے حق میں دُعائے خیر بھی فرما دیں۔

ان سات حضرات صحابہ کرامؓ جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دیا تھا، ان کی توبہ تو قبول ہو چکی، البتہ جو باقی تین صحابہ کرامؓ تھے جو سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں تھے اور ان کے پاس اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر بھی نہیں تھا، اور نہ ہی ان سات صحابہ کرام کی طرح مسجد میں اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ مسلمان ان کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں، ان سے سلام وکلام

بند کردیں، چنانچہ مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا، کچھ عرصہ یہ بائیکاٹ رہا، پھر اللہ ربّ العزّت نے ان کو بھی معاف فرما دیا۔اس کی مکمل تفصیل آگے آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

مذکورہ آیات کا پس منظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عامر تھا، یہ عیسائی ہو گیا تھا، اور تارک الدنیا ہو کر راہب بن گیا اور آبادیوں سے دور عبادت میں مشغول رہنے لگا۔قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ اس کے معتقد بن گئے، وہ اس کو ابو عامر راہب کہتے تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابو عامر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام پر اعتراضات کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اعتراضات کے جواب دیے، لیکن اس کو اطمینان نہ ہوا، اس نے کہا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب واقارب سے دُور ہو کر مسافرت میں مرے اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا، چنانچہ غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر جنگوں میں شریک رہا، بالآخر مایوس ہو کر شام بھاگ گیا، اور جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا۔

فتنہ وفساد کے لیے مسجد کا قیام

انہی سازشوں کی ایک کڑی یہ تھی کہ اس نے مدینہ کے منافقین کو جن کے ساتھ اس کی سازباز تھی، خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ روم کا بادشاہ مدینہ پر حملہ کر دے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہیے جو اس وقت اس کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ میں ہی ایک مکان بناؤ اور ظاہر یہ کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو، پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو، اور یہی مکان آپس کے مشورے اور میٹنگ وغیرہ کے بھی کام میں لایا کرو۔اس پر ان منافقین نے مدینہ میں ایک مسجد بنائی اور مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینے کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ ایک نماز پڑھوا دیں تا کہ سب مطمئن ہو جائیں، چنانچہ ان کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، کمزور اور بیمار لوگوں کو وہاں تک پہنچنے میں مشکل ہوتی ہے، اس لیے ہم نے ایک دوسری مسجد اس نیت سے بنائی ہے کہ ضعیف اور بیمار مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، آپ اس میں ایک نماز پڑھ لیں تا کہ برکت ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے، آپ نے وعدہ فرمایا کہ اس وقت تو سفر درپیش ہے، واپسی پر اس مسجد میں نماز پڑھ لیں

گے۔ جب آپ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو اللہ رَبّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر ان منافقین کی سازش کھول دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن میں عامر بن سکن اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہما وغیرہ بھی شامل تھے، کو حکم دیا کہ اس مسجد کو گرادو اور اس میں آگ لگادو، انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور وہ مسجد گرادی گئی۔ (معارف القرآن)

اس پس منظر کے بعد اب مذکورہ بالا آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان منافقین نے مسجد تین وجوہات کی بنا پر تعمیر کی، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔

۲۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس مسجد کے ذریعہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ جائیں۔

۳۔ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ اس مسجد کے ذریعہ یہ بھی چاہتے تھے کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کریں۔ لیکن وہ ظاہری طور پر قسمیں کھا کر اپنی نیک نیتی ظاہر کرنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسجد میں ہرگز تشریف نہ لے جائیں، نہ وہاں نماز پڑھیں۔

اِخلاص پر بنائی گئی مسجد (قباء) اور انصار کی مدح

منافقین کی بنائی گئی مسجد ضرار (جو در حقیقت مسجد نہیں تھی) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے اور وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ آپ کا نماز پڑھنا ایسی مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو اور اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہے اور اللہ رَبّ العزّت بھی ایسے پاک لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے وہ مسجد قباء ہے، بعض حضرات مسجد نبوی کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اللہ رَبّ العزّت کا مؤمنین سے سودا

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مسلمانوں سے کیے ایک سودا کا ذکر فرمایا۔ اکثر مفسرین کرام کے نزدیک یہ

آیات بیعت عقبہ کے شرکاء کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں انصار مدینہ سے لی گئی تھی، بیعت عقبہ تین مرتبہ ہوئی، پہلی مرتبہ میں چھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ واپس ہوئے، پھر مدینہ میں اسلام کا تذکرہ ہونے لگا، تو اگلے سال حج کے موقع پر بارہ حضرات اسی جگہ جمع ہوئے اور دوسری مرتبہ بیعت ہوئی، اب رفتہ رفتہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا، چنانچہ اگلے سال حج کے موقع پر تقریباً ستر مرد اور عورتیں اسی جگہ جمع ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اس بیعت میں اسلام کے اصولی عقائد و اعمال کے ساتھ کفار سے جہاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ لیا گیا، انہوں نے ان سب چیزوں کا وعدہ اور عہد کر لیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہم ان سب باتوں پر عمل کر لیں تو ہمیں کیا ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی، اس پر ان سب نے خوش ہو کر کہا کہ ہم اس سودے پر راضی ہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے مؤمنین سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں کہ جب اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں کوئی موقع آئے تو اس کے دین کی خاطر اپنی جان اور مال خرچ کرنے سے دریغ نہیں کریں گے، اور بدلے میں ان سے جنّت کا وعدہ فرمایا، جس کی نعمتیں لازوال اور ہمیشہ رہنے والی ہیں، یہ سودا مؤمنین کے لیے نہایت نفع کا سودا ہے، کیونکہ انہوں نے فانی چیز جان و مال دے کر ہمیشہ باقی رہنے والی چیز یعنی جنّت حاصل کر لی۔ یہ اللہ رَبّ العزّت کا سچا وعدہ ہے اور اللہ رَبّ العزّت اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ آیات اگرچہ بیعت عقبہ کے شرکاء کے متعلق نازل ہوئی ہیں، لیکن اس کے الفاظ عام ہیں، لہٰذا قیامت تک آنے والے مؤمنین اگر اللہ رَبّ العزّت سے یہ سودا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، ان کے لیے بھی یہی اجر و ثواب ہوگا۔

مؤمنین کی علامات و نشانیاں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی کچھ نشانیاں بیان کیں کہ مومن کون ہیں؟ چنانچہ درج ذیل نشانیاں اور اوصاف جن لوگوں میں پائی جائیں گی وہ حقیقی مؤمن کہلائے جانے کے حق دار ہیں:

۱- التائبون: جو اللہ رَبّ العزّت سے سچی توبہ کرنے والے ہوں۔

۲- العابدون: جو اخلاص کے ساتھ اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کرتے ہوں۔

۳- الحامدون: جو اللہ رَبّ العزّت کی حمد و ثناء اور اس کے ذکر سے اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہوں۔

۴- السائحون: جو اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ رَبّ العزّت کے لیے روزہ رکھتے ہوں۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد دین کا علم حاصل کرنے والے طلبہ ہیں۔

۵- الراکعون: جو اللہ رَبّ العزّت کے سامنے رکوع کرتے ہوں۔

۶- الساجدون: جو اپنی جبین اللہ رَبّ العزّت کے سامنے رکھتے ہوں۔

۷-آمرون بالمعروف: جو نیکی کا حکم کرتے ہوں۔

۸-الناھون عن المنکر: جو برائی سے روکتے ہوں۔

۹-الحافظون لحدود اللہ: جو اللہ ربّ العزّت کی قائم کردہ حدود اور احکام پر جمنے والے ہوں اور اس سے سرِ مو انحراف نہ کرتے ہوں۔

جن مؤمنین میں یہ سب صفات پائی جاتی ہیں وہ حقیقی مؤمن ہیں، اور ایسے مؤمنین کو اللہ ربّ العزّت ایسی نعمتوں کی خوشخبری سناتے ہیں جو کسی کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوں گی، یعنی جنّت کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابو طالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت کرتے رہے، اور اس معاملہ میں برادری کے کسی فرد کا کہنا نہیں مانا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح کلمہ پڑھ لیں اور ایمان لے آئیں تاکہ قیامت میں آپ ان کی شفاعت کر سکیں اور وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فکر تھی کہ اس وقت بھی کلمہ پڑھ لیں تو کام ہو جائے گا، چنانچہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، مگر ابو جہل وغیرہ مشرکین مکہ کے بڑے سردار پہلے سے وہاں موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ چچا کلمہ پڑھ لیں تو میں آپ کی شفاعت کروں گا، مگر ابو جہل بول اٹھا کہ کیا آپ عبدالمطلب کا دین چھوڑ دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اپنی بات دہراتے رہے مگر ابو جہل ہر مرتبہ ابو طالب کو یہی بات کہہ دیتا، بالآخر ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، اور اسی حالت میں وفات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا افسوس ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ میں ان کے لیے مسلسل استغفار کرتا رہوں گا جب تک اللہ ربّ العزّت مجھے منع نہ فرمادیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ ربّ العزّت نے آپ کو منع فرمادیا۔

اور ان آیات میں اس بات کا بھی جواب دے دیا جس سے مسلمانوں کو شبہ ہو سکتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے کافر والد کے لیے دُعائے مغفرت کی تھی، اس کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے اس وقت دُعا کی تھی جب تک انہیں یہ علم نہیں تھا کہ یہ آخر تک کُفر پر رہے گا اور کُفر پر ہی مرے گا، جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے بے تعلقی اختیار کر لی اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا
ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ
تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

غزوۂ تبوک میں بغیر عذر شریک نہ ہونے والے تین صحابہؓ کی توبہ کی قبولیت کا اعلان

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ تبوک میں بغیر عذر شریک نہ ہونے والے تین صحابہ کرام کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا، جن کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا، یہ تین حضرات حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت ہلال ابن امیہؓ اور حضرت مرارہ ابن ربیعؓ تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی راستے میں تھے اور غزوۂ تبوک سے واپس تشریف نہیں لائے تھے، میں اس سوچ میں تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے تو فلاں فلاں بہانے پیش کردوں گا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور لوگوں نے جا کر بہانے پیش کرنا شروع کر دیے تو میرے دل نے کہا کہ کعب! کوئی بہانہ نہ بنا، یہاں بہانہ چلنے والا بھی نہیں ہے، تو حضور کے سامنے بہانہ تراشے گا بھی، تو اللہ اپنے نبی کو بتا دے گا۔ لہٰذا جا کر سچی سچی بات کہہ دے، جو ہونا ہوگا ہو کر رہے گا، چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کوئی بہانہ نہیں بناتا مجھ سے غلطی ہوگئی، میرا ارادہ حاضری کا تھا اور روایات میں آتا ہے کہ ان کے پاس ایک نہیں دو گھوڑے تھے اور ارادہ یہی تھا کہ آج یہ کام نمٹا لوں، شام کو چلا جاؤں گا، پھر سوچا کہ شام کو فلاں کام نمٹا لوں، صبح چلا جاؤں گا۔ اسی میں صبح شام گزرتے رہے اور میں رہ گیا، اب میرے بارے میں اللہ کا جو فیصلہ ہو مجھے قبول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم بھی اللہ کے فیصلہ کا انتظار کریں گے، ابھی تم جاؤ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرما دیا کہ ان سے بول چال بند کر دو۔ اسی طرح حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایسے ہی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی یہی فیصلہ فرمایا ہے، چنانچہ مسلمانوں نے ان تینوں حضرات کا سوشل بائیکاٹ کر دیا، اور ان سے بول چال بند کر دی، اس صورتحال پر کافی دن گزر گئے، باقی دو صحابہ ذرا کمزور دل کے تھے، وہ گھروں میں بیٹھ گئے اور گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ذرا مضبوط دل کا تھا، میں مسجد آ جاتا، چپکے سے نماز پڑھتا، آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور پھر غور سے دیکھتا کہ حضور کے لب جواب کے لیے ہلے ہیں یا نہیں۔ اسی اثناء میں میرا ایک اور امتحان آ گیا وہ یہ کہ میں بازار میں اکیلا پھر رہا تھا، تو ایک شخص مجھے ملا، اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک رقعہ دیا، جب میں نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کا صاحب آپ سے ناراض ہو گیا ہے، آپ مت گھبرائیں، ہمارے پاس غسان چلے آئیں، ہم آپ کا خوب اکرام کریں گے، اور آپ کو پناہ دیں گے۔ جب میں نے یہ خط پڑھا تو دل میں سوچا کہ یہ ایک اور امتحان ہے، چنانچہ اس خط کو پھاڑ

دیا۔ کچھ دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بیویوں سے بھی دور رہنے کا حکم دے دیا، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے بیوی کو اسی وقت میکے بھیج دیا۔ اسی طرح پچاس دن مکمل ہو گئے، کہ ایک صبح اللہ رَبّ العزت نے یہ آیات نازل فرمادیں، اور ہماری توبہ قبول فرمالی لوگ دوڑے کہ جاکر ہمیں خوشخبری دیں، مجھے ایک شخص نے یہ خوشخبری سنائی، میں نے خوشی میں اپنا کرتہ اتار کر اسے ہدیہ کردیا، پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو سب سے پہلے حضرت ابوطلحہؓ نے کھڑے ہو کر مجھے مصافحہ کیا اور استقبال کیا۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! اس مال نے مجھے جہاد سے روکا، اس لیے اب میں سارا مال اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، پھر میں نے آدھے مال کی پیشکش کی، آپ نے انکار فرمایا، پھر میں نے تہائی مال کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا۔ (معارف القرآن)

آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین وانصار صحابہ کو غزوۂ تبوک میں بلا عذر عدم شرکت کے گناہ سے محفوظ فرمادیا، اور وہ اس افلاس اور تنگدستی کے عالم میں اتنی دور جہاد کے لیے حاضر ہو گئے، اسی طرح ان تین لوگوں کی توبہ بھی اللہ رَبّ العزّت نے قبول فرمالی جو اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کا معاملہ اللہ رَبّ العزّت نے ملتوی چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچ گئی کہ انہیں زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ لگنے لگی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب اللہ کی پکڑ سے ہمیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی، سوائے اسی کے دربار کے، سو وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے اپنی لغزش کی معافی مانگی تو اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾

دینی تعلیم اور جہاد دونوں ضروری ہیں!

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اہل ایمان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر کبھی جہاد کی ضرورت پیش آئے اور کوئی لشکر بھیجنا پڑے تو سارے مسلمانوں کو نہیں جانا چاہیے، بلکہ ایک جماعت جو اس وقت کی ضرورت کو کافی ہو وہ جہاد میں مشغول رہے، بشرطیکہ اس موقع پر جہاد فرض عین نہ ہو، فرض کفایہ ہو، (جہاد کب فرض عین ہوتا ہے اور کب فرض کفایہ، اس کی تفصیل علماء سے دریافت فرمالیں) کیونکہ اگر سارے مسلمان جہاد پر چلے جائیں تو نظام زندگی معطل ہو کر رہ جائے گا اور دین و دنیا کے مختلف متعدد اُمور میں خلل پیدا ہوگا، جن میں سے ایک اہم کام جس کا اس آیت میں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ دینی تعلیم ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں اور باقی لوگ علم دین حاصل کرنے میں لگیں، پھر یہ علم دین حاصل کرنے والے دوسرے مسلمانوں اور ان جہاد میں جانے والے لوگوں کو علم دین سکھائیں، یوں یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے اسی طرح دین کا تفصیلی علم، قرآن وسنّت کے معارف و مسائل اور ان سے نکلے ہوئے احکام و شرائع کی تفصیلات کا جاننا بھی فرض کفایہ ہے۔ اس لیے ایک جماعت جہاد میں مصروف رہے تو

دوسری جماعت طلب علم میں لگی رہے، کیونکہ اگر خدانخواستہ جہاد نہ رہا تو ہماری جغرافیائی سرحدیں ختم ہوجائیں گی اور اگر علم نہ رہا تو ہماری نظریاتی سرحدیں ختم ہوجائیں گی۔

نوٹ:- اتنا علم دین حاصل کرنا جس سے ایک مسلمان اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی دین کے مطابق گزار سکے، اور جس کے بغیر نہ فرائض ادا ہوسکیں اور نہ حرام سے بچا جاسکے، ہر ایک پر لازم اور فرض ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرما کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفّار کی روگردانی پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی جنس میں سے ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جنس کے اعتبار سے بشر اور انسان ہی ہیں لیکن عام انسانوں جیسے نہیں، بلکہ آپ انسانیت کے لیے شرف اور عزت کا ذریعہ ہیں، پوری کائنات کے انسان آپ پر قربان ہوں، اور آپ اس قدر شفیق اور نرم دل ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وہ بات گراں گزرتی ہے جس سے مسلمانوں کو ضرر اور تکلیف پہنچے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ممکن کوشش یہی رہی کہ کسی طرح انسانیت کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو، اور یہ خواہش آپ کی تمام انسانوں کے لیے ہے، اور مؤمنین پر تو آپ کی شفقت اور مہربانی کی کوئی حد ہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لانے والوں پر حد درجہ مہربان ہیں۔ اس لیے ایسے مہربان اور شفیق پیغمبر کی اطاعت نہ کرنا سخت محرومی کی بات ہے اور اگر کوئی اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو قبول نہ کرے تو اے نبی! اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

مذکورہ کلمات کی فضیلت

حدیث مبارکہ ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ کلمات "حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝" سات بار پڑھ لے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر غم سے کافی ہوجائیں گے (اس کے تمام کام آسان فرما دیں گے)۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۸۳)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبُّ العزّت نے کفّار و مشرکین سے کیے تمام معاہدے ختم کر کے جزیرۂ عرب کو شرک سے پاک کرنے کا اعلان فرمایا۔

۲-سورت میں مساجد کی تعمیر اور اس کے آباد کرنے کے حقیقی حق داروں کا ذکر فرمایا۔
۳-سورت میں غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ ربّ العزّت کی نصرت و مدد کا نمونہ بیان کیا گیا۔
۴-زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں۔
۵-منافقین کے اوصاف اور ان کی مکاریوں کا اس سورت میں بہت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔
۶-سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا جنازہ پڑھانے اور ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنے سے منع فرمایا گیا۔
۷-صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل ایمان کی تعریف اور مدح بیان کی گئی۔
۸-غزوۂ تبوک اور اس میں شرکت نہ کرنے والوں کے احوال کا تفصیلی ذکر کیا گیا۔
۹-علم دین کی فضیلت اور ضرورت بیان کی گئی۔
۱۰-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کے اوصاف جلیلہ و جمیلہ کا ذکر کیا گیا۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة توبة بعون الله سبحانه وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ یُوْنُس

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں دسویں، اور نزول کے اعتبار سے اکاون (۵۱) نمبر پر ہے، گیارہ رُکوع اور ایک سونو (۱۰۹) آیات پر مشتمل ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ سورت بھی سبع طوال میں سے ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ واحد ایسی قوم تھی جس کے سارے افراد عذاب کے آثار دیکھ لینے کے بعد ایمان لے آئے اور ان سے عذاب ٹل گیا، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ یونس رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں توحید و رسالت اور آخرت کے منکرین سے جہاد کا تذکرہ تھا، اس سورت میں انہیں دلائل و براہین سے قائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ سورۂ توبہ میں جہاد کا بیان تھا، اس سورت میں مقصدِ جہاد یعنی توحید کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ رَبُّ العزّت کی قضا اور تقدیر پر ایمان لانے کا بیان" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں اللہ رَبُّ العزّت کی قدرت کے ایسے دلائل ذکر کیے گئے ہیں جو انسانی فطرت کو توحید خداوندی کی پہچان عطا کرتے ہیں۔

۲۔ انسانی زندگی کے ایسے واقعات و تجربات بیان فرمائے جن سے انسانوں کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے اور اس کے ضمن میں انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

۳۔ گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے انجام کو ذکر فرما کر موجودہ لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ
الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ
یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ
مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝٤ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝٥
اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝٦ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا
یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ
النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ
اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝١٠

اللہ ربّ العزّت کا مشرکین سے شکوہ!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کے ایک بے جا اعتراض کو ذکر فرما کر ان سے شکوہ کیا ہے، کفار اور مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے جو رسول یا پیغمبر آئے وہ انسان نہیں ہونا چاہیے بلکہ کوئی فرشتہ ہونا چاہیے، اللہ ربّ العزّت نے اسی کو بیان فرمایا کہ ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ایک انسان پر وحی کی کہ لوگوں کو ڈرائیں اور اہل ایمان کو خوشخبری دے دیں کہ ان کے لیے اللہ ربّ العزّت کی طرف سے بہترین اجر ہے، حالانکہ اس سے زیادہ قابل تعجب بات ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہنا ہے۔ کیونکہ انسانوں کے پاس کسی انسان کو ہی نبی بنا کر بھیجنا عقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

''قدم صدق'' کی حضرات مفسرین کرام نے مختلف تفسیریں کی ہیں:

۱۔ جزاء اور بدلہ ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی

۳۔ روزِ محشر ثابت قدم رہنا

قدرتِ خداوندی کے چند نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا، وہی اس پوری کائنات اور پورے عالم کا نظام سنبھالے ہوئے ہے، اس کی عظمت بے بہا ہے، اور اس کا جلال بے مثل، کسی نبی اور رسول کو بھی اس کی بارگاہ میں سفارش کرنے کی بذاتِ خود کوئی مجال نہیں جب تک کہ باری تعالیٰ خود ان کو سفارش کرنے کی اجازت نہ دے دیں، اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، یہ ایک حقیقت ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، اور جو اسے جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس بات میں غور کرلے کہ اللہ ربّ العزّت ہی نے سب کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا، وہ سب کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اسی پاک ذات نے سورج اور چاند بنائے، سورج کی تابناکی اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والی روشنی اور چاند کی ٹھنڈی روشنی اسی پاک ذات کی صناعی کی دلیل ہیں، اسی ذات نے چاند اور سورج کی منزلیں اور دونوں کی رفتار کے لیے خاص حدود مقرر کردی ہیں تاکہ اس کے ذریعہ دنوں اور سالوں کا حساب رکھا جاسکے۔ رات اور دن کا مرتب نظام بھی اس کی قدرت کی ایک دلیل ہے، رات آرام کا جبکہ دن کام اور معاش کا ذریعہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک میں انسانوں کا نفع اور فائدہ رکھا گیا ہے۔

یہ سب نشانیاں چیخ چیخ کر اس پاک ذات کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہیں جو اس پوری کائنات اور اس کے اس جامع اور مرتب نظام کا چلانے والا ہے، لہٰذا ہر ایک کو چاہیے کہ ان نشانیوں میں غور و فکر کرکے اس خالق کو پہچانے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالائے۔

کُفّار اور مؤمنین کا اُخروی انجام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفّار اور اہلِ ایمان کے اخروی انجام کو بیان فرمایا اور دنیا میں ان کفّار اور اہلِ ایمان کی حالت کو بھی ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہیں ان کی دُنیوی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھلا کر صرف دنیا کی زندگی میں خوش ہوگئے اور دنیا میں ایسے مطمئن ہوکر رہتے ہیں کہ گویا یہاں سے کہیں جانا ہی نہیں، ہمیشہ یہیں رہنا ہے، اور ہماری آیات سے مسلسل غفلت میں پڑے رہتے ہیں، تو جن لوگوں کی دُنیوی حالت یہ ہو، ان کا اخروی انجام یہ ہوگا کہ وہ جہنّم کا ایندھن بنیں گے جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

ان کے برعکس اہلِ ایمان دنیا میں اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اس لیے انہیں آخرت میں اللہ ربّ العزّت جنّت عطا فرمائیں گے، جو راحتوں اور نعمتوں کا مقام ہے، یہ جنتی وہاں پہنچ کر ہر دم اللہ ربّ العزّت کی تسبیح کرتے رہیں گے، وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اور اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں گے۔ جنّت میں حمد ہوگی لیکن بلا مشقت، جیسے دنیا میں بغیر کسی مشقت کے سانس لیا جاتا ہے ایسے ہی جنّت میں حمد بھی بغیر مشقت کی جائے گی۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَھُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾

اِنسان کی دورُخی اور باری تعالیٰ کا کرم

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے انسان کی دورخی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے احسان اور کرم کو بیان فرمایا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کفّار کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب ابھی بلالو، اللہ رَبّ العزّت نے اس کا جواب دیا کہ اگرچہ اللہ رَبّ العزّت جلد عذاب دینے پر قادر ہے، لیکن یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہارے تقاضے کے باوجود تم پر عذاب نازل نہیں فرماتا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرے تو تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

اس میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج یا غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو یا اپنے مال اور اولاد کو بددُعا دے بیٹھتے ہیں، اللہ رَبّ العزّت اپنے فضل وکرم سے ان بددُعاؤں کو قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے، لیکن بسا اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی ہو سکتی ہے جس میں وہ بددُعا قبول ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس طرح کی بددُعاؤں سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہیے۔

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے انسان کی دورخی اور دورنگی کا شکوہ فرمایا کہ جب ان کو کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو اللہ رَبّ العزّت کو پکارنے لگتے ہیں، اور جب اللہ رَبّ العزّت اپنے فضل وکرم سے ان کی وہ تکلیف دور فرما دیں تو اس سے غافل ہو جاتے ہیں۔

مؤمن وکافر میں فرق

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن وکافر میں یہی فرق ہے مؤمن ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے جبکہ کافر محض تکلیف ومصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔

گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ

پھر اللہ رَبّ العزّت نے اجمالی طور پر گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ فرمایا کہ جب انہوں نے سرکشی اختیار کی اور اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کو پس پشت ڈالا تو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ہلاک فرما دیا۔ اور ان کی جگہ تمہیں دے دی، اب اگر تم بھی ان کی روش پر چلو گے اور باری تعالیٰ کے احکام کی مخالفت پر کمر بستہ رہو گے تو تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہوگا۔

کیا قرآنِ کریم بدلا جاسکتا ہے؟

کفّار یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور آپ کی تصنیف ہے، اسی لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ یہ قرآن تو ہمارے اعتقادات اور نظریات کے خلاف ہے، یہ ہمارے معبودوں کو غلط اور باطل قرار دیتا ہے، اس لیے آپ یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں جس میں یہ سب چیزیں نہ ہوں، یا کم از کم اسی میں ترمیم کر کے ان چیزوں کو نکال دیں۔ اللہ رَبّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس کا جواب دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ قرآن نہ میرا کلام ہے اور نہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل سکتا ہوں، میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع اور پابند ہوں، اگر میں اس میں ذرا بھی تبدیلی کروں تو سخت گناہ کا مرتکب ہوں گا، اس لیے میں ایسا نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ رَبّ العزّت کا کلام ہے، اگر وہ نہ چاہتا تو میں یہ تمہیں پڑھ کر نہ سنا سکتا، میں نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ تمہارے سامنے گزارا ہے، اس مدت میں تم نے کبھی مجھے کوئی شعر یا مقالہ لکھتے ہوئے نہیں سنا، اگر میں اپنی طرف سے ایسا کلام کہہ سکتا تو اس مدّت میں کچھ نہ کچھ تو کہا ہوتا، اور تم نے اس پورے عرصہ میں میری صداقت اور دیانت بھی دیکھی ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا، اس لیے اس بات پر یقین کرو کہ یہ باری تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی کا نازل کردہ ہے۔

مشرکین کے جاہلانہ عقیدے کی تردید

قرآنِ کریم سے متعلق مشرکین کے بے جا مطالبہ کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے توحید سے متعلق ان کے غلط عقیدہ کی تردید فرمائی اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ بھی فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ مشرکین ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچانے کی، نافع اور ضار تو صرف اللہ رَبّ العزّت کی ہی ذات اطہر ہے۔

ان مشرکین کا نظریہ تھا کہ ان کے (جھوٹے) خدا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، ان کا نظریہ یہ بھی تھا کہ چونکہ ہم گنہگار ہیں، ہماری اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہو سکتی، جبکہ ان بتوں کی کوئی بات اللہ رَبّ العزّت رد نہیں کرتے، لہٰذا ہماری ان کے آگے اور ان کی خدا کے آگے۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں ڈانٹ پلائی کہ کیا تم اللہ رَبّ العزّت کو خبر دے رہے ہو، وہ نہیں جانتا اور تم جانتے ہو؟ حالانکہ وہ ان کمزوریوں سے پاک ہے اور شرک سے منزہ ہے۔ ایک اور جگہ اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا: ”فلا تضربوا لله الامثال“ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو، ایک جگہ فرمایا: ”نحن اقرب اليه من حبل الوريد“ ”ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اِنسانیت کی تقسیم صرف ایک وجہ سے ہے!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد شروع میں ایک ہی اُمّت اور ایک ہی قوم تھی، سب توحید پرست تھے، شرک اور کُفر کا کہیں نام نہیں تھا، پھر لوگوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر توحید میں اختلاف کیا اور کُفر اور شرک اختیار کر کے مختلف قومیں اور مختلف گروہ بن گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کو باہم بانٹنے والی چیز صرف ایمان اور اسلام سے انحراف ہے، زبان اور وطن یا رنگ و نسل کی بنا پر انسانوں کو مختلف گروہ قرار دینا نامناسب ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۞ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞

توحید کی دلیل

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی توحید کی ایک دلیل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ کُفّار و مشرکین کے منافقانہ رویوں کی بھی بیخ کنی فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت وہ ذات ہے جو تمہیں خشکی اور دریا میں سیر کراتا ہے، یعنی سفر کرنے کے جتنے ذرائع ہیں مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور کشتیاں وغیرہ سب اللہ رَبّ العزّت نے عطا فرمائی ہیں، پھر سمندری سفر کے دوران بسا اوقات ہوا بالکل موافق ہوتی ہے اور سفر نہایت آرام سے گزرتا ہے، جس پر سب لوگ خوش ہو جاتے ہیں، اور اس خوشی میں اللہ رَبّ العزّت کو بھول جاتے ہیں، پھر اچانک مخالف ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے اور بڑی بڑی موجیں کشتی کی جانب اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو موت اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے، تو وہ سب صدقِ دل سے مکمل یقین اور اعتقاد کے ساتھ اللہ رَبّ العزّت کو پکارنے لگ جاتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ ہمیں اس مصیبت سے بچالیں تو ہم آپ کی توحید پر ایمان لے آئیں گے، لیکن جب اللہ رَبّ العزّت ان کی پکار سن کر انہیں اس مصیبت سے محفوظ کر لیتا ہے تو وہ پھر سے اپنی پرانی روش پر آ جاتے ہیں اور سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے قبولِ اسلام کا واقعہ

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرما دیا تھا، لیکن چار مرد اور دو عورتیں ایسے تھیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ جہاں بھی ملیں انہیں قتل کر دیا جائے، ان مردوں میں ایک ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی شامل تھا، اس کو جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلان کی خبر ملی تو وہ مکہ مکرمہ سے فرار ہو گیا اور دریا کے ذریعہ کسی

دوسرے مقام پر جانے کا ارادہ کیا، جب وہ کشتی میں سوار ہوا اور کچھ سفر گزر گیا تو اچانک دریا میں طوفان آ گیا، سب کشتی والے اللہ ربّ العزّت کو پکارنے لگے اور اس کو بھی کہا کہ اب صرف اللہ عزوجل کو پکارو، اس لیے کہ تمہارے معبود اس جگہ کچھ نہیں کر سکتے، اس پر عکرمہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر دریا میں مجھے اس کے علاوہ کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی اس کے علاوہ مجھے کوئی نہیں بچا سکتا، پھر اس نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے اللہ! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی تو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا، اللہ ربّ العزّت نے اس کی دُعا قبول فرمائی اور طوفان کو دور فرما دیا۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے شرف صحابیت حاصل کر لیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (سنن نسائی: ۴۰۷۸)

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ
وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا
لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا
يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ
الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

دُنیوی زندگی کی مثال

دُنیوی زندگی کی مثال اللہ ربّ العزّت کے نزدیک بارش کی طرح ہے، بارش برسے، اور زمین سے انسانوں اور جانوروں کے لیے نباتات اور چارہ وغیرہ خوب گھنا ہو کر نکلے، یہاں تک کہ جب وہ مکمل طور پر اپنے عروج کو پہنچ جائے اور زمین کے مالک یہ سمجھنے لگیں کہ ہم اب اپنی فصلوں سے کسی بھی وقت مستفید ہو سکتے ہیں، اور عین اس وقت اس پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے کوئی آفت آ پڑے جس سے اس کھیتی کا نام ونشان ختم ہو جائے، اسی طرح دُنیوی زندگی ہے کہ بچپن میں کمزوری سے شروع ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ جوانی تک پہنچتی ہے، جوانی سے عمر تجاوز کرتی ہے، اور زندگی سے خوب تجربہ اور لطف اندوزی حاصل ہو چکی ہوتی ہے، پھر اچانک ایک وقت آتا ہے جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے اور انسان کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔

اُخروی زندگی کے اَحوال

اس کے برعکس اخروی زندگی میں جب جنّت نصیب ہو تو وہ سلامتی کا گھر اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اس زندگی میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ کوئی رنج وغم، نہ بیماری کا خطرہ ہے اور نہ فنا ہونے کی فکر۔ اللہ ربّ العزّت اسی جنّت اور

سلامتی والے دار کی طرف ہر ایک کو بلاتا ہے اور جو لوگ اس کی پکار کو سن کر لبیک کہتے ہیں اور اس پکار کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے باری تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں، انہیں اللہ ربّ العزّت دارالسلام یعنی جنّت عطا فرما دیتے ہیں، جہاں انہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ بھی ملتا ہے اور بدلے سے کچھ زیادہ بھی، اس زیادتی سے مراد اللہ ربّ العزّت کی زیارت اور اس کا دیدار ہے جو اہلِ جنّت کو حاصل ہوگا۔

اس کے بالمقابل اہلِ جہنّم کو ان کی برائیوں کا برابر سرابر بدلہ ملے گا، ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اور کوئی شخص ان کو اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ
الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ
اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ
الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا
بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے چند دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان کفّار سے کہہ دیجیے کہ آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ آنکھوں اور کانوں میں بینائی اور سننے کی صلاحیت کس نے رکھی ہے؟ کون ہے جو مردہ سے زندہ کو پیدا کرتا ہے جیسے مٹّی سے نباتات، نطفہ سے انسان اور انڈے سے پرندہ وغیرہ، اور زندہ سے مردہ کون پیدا کرتا ہے جیسے انسان سے بے جان نطفہ، اور اس کائنات کے نظام کو کون چلا رہا ہے؟ کیا اللہ ربّ العزّت کی ذات کے علاوہ کوئی ہے جو ان تمام صفات کا مالک ہو؟ یقیناً نہیں! تو جب اس کے علاوہ ان کوئی خالق اور مالک نہیں ہے تو اسے چھوڑ کر کسی اور کو عبادت کا لائق کیوں سمجھتے ہو؟

پھر کفّار کے معبودانِ باطلہ کا عجز ظاہر کرنے اور ان کا غیر مستحق عبادت ہونے کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ

اے نبی! آپ ان سے ذرا پوچھیے کہ کیا تمہارے ان معبودوں میں سے جنہیں تم پروردگارِ عالم کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، کوئی ایسا ہے جس نے پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کیا ہو یا قیامت میں دوبارہ ان کو پیدا کرے گا؟ اور کیا تمہارے ان معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جس کے اختیار میں ہدایت دینا اور حق کا راستہ بتانا ہو، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیوں حق سے پھرے جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ان نظریات اور عقائد کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ تم صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہو، جن کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں سے ایک آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: ”وَمَا یَتَّبِعُ اَکۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا“ یعنی کفار گمان کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، یہاں گمان اور ظن ”اٹکل پچو“ کے معنی میں ہے، قطعیت کے معنی نہیں، بعض لوگ اس وجہ سے کہہ دیتے ہیں ہیں کہ احادیث ظنی ہیں، اس لیے وہ معتبر نہیں، یہ بات درست نہیں ہے، کئی احادیث متواتر ہیں، بعض لفظی طور پر اور بعض معنوی طور پر اور بعض طبقہ اور بعض توارث کے اعتبار سے قطعی اور متواتر ہیں، جو احادیث ظنی ہیں وہ بھی ”اٹکل پچو“ کے معنی میں نہیں، بلکہ انہیں ظنی قطعی کے مقابلہ میں کہا گیا ہے۔

حقّانیتِ قرآن کی واضح اور بے غبار دلیل اور کھلا چیلنج

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت فرمایا اور اس قرآن کو من گھڑت کہنے والوں کے شبہات اور اعتراضات کو نہایت بلیغ انداز میں رد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ باری تعالیٰ کا کلام ہے، اور اپنے سے پہلی والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ ربّ العزّت کے احکامات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ قرآن گھڑا ہوا ہے تو وہ اس قرآن جیسی کوئی ایک سورت بنا کر لے آئے، اور اس کام میں جس سے چاہے مدد لے لے۔ لیکن وہ کبھی اس قرآن جیسی ایک سورت لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بغیر کسی دلیل کے اس قرآن کو جھٹلاتے ہیں جیسے ان سے پہلی امتوں نے اپنی کتابوں کو جھٹلایا، ان کو دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا اور اس سے ڈرنا چاہیے کہ مبادا ان کا انجام بھی ان جیسا نہ ہو جائے۔

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـئُوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ
يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۞ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى
الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۞ وَيَوۡمَ
يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ‌ ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا
كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ۞ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيۡدٌ عَلٰى
مَا يَفۡعَلُوۡنَ ۞ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلٌ‌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوۡلُهُمۡ قُضِىَ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۞

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ
أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ
بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ۝ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ
تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝
وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝

کُفّار سے براءت کا اِعلان

گزشتہ آیات میں توحید باری تعالیٰ کے دلائل بیان کیے گئے، کُفّار کے معبودانِ باطلہ کا عجز ظاہر کیا گیا اور قرآن کی حقانیت کو ثابت کیا گیا، ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اے نبی! اگر ان سب واضح دلائل کے باوجود بھی یہ لوگ اپنی سابقہ روش سے باز نہ آئیں اور بدستور آپ کی تکذیب پر ڈٹے رہیں تو آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم اپنی روش برقرار رکھو، تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ مل جائے گا، مجھے میرے اعمال کا صلہ ملے گا، تم میرے اعمال کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جواب دہ نہیں ہوں۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

پھر باری تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے ایمان کی فکر چھوڑ دیجیے کیونکہ ان میں سے بعض اگرچہ ظاہری طور پر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں اور آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن دل میں ایمان کا ارادہ اور حق کی طلب نہیں ہے، اس لیے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے، وہ بہروں اور اندھوں کی طرح ہیں۔ اس لیے آپ ان کی پروا نہ کیجیے، وہ وقت آئے گا جب ہم ان سب کو اپنے سامنے جمع کریں گے، اس دن یہ سب سخت خسارے میں ہوں گے۔

قیامت کے متعلق کُفّار کے مطالبے کا جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کُفّار کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے اور قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ کرتے تو کُفّار استہزاء کرتے ہوئے کہتے کہ یہ قیامت کب آئے گی، اگر تم سچے ہو تو قیامت لے آؤ۔ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کو جواب دیا کہ:

”مختارِ کُل“ اور ”کارساز“ صرف اللہ ہے!

اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، سارا اختیار اللہ ربّ العزّت کا ہے، اسی لیے عذاب واقع کرنا اور قیامت لانا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے، جب اللہ ربّ العزّت کو منظور ہوگا قیامت آ جائے گی، اور حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا اور ہر اُمّت پر عذاب بھیجنے کا وقت اللہ ربّ العزّت کے ہاں مقرر ہے، جب وہ وقت آ جاتا ہے تو اس سے نہ ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکتا ہے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اور تم یہ بتاؤ کہ عذاب تو جب آئے

گا آجائے گا، تم عذاب مانگنے میں اتنی جلدی کیوں کر رہے ہو؟ یعنی عذاب تو سخت چیز اور پناہ مانگنے کی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی، تو تمہارا یوں عذاب مانگنے میں جلدی کرنا نری حماقت ہے، جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا تب تمہیں اس کی شدّت کا اندازہ ہوگا، اس وقت تم اس قیامت کی تصدیق کروگے، لیکن اس وقت کی تصدیق اور ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اس وقت تمہیں ہمیشہ کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۞

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم نجات کا ذریعہ ہیں!

مشرکین کی بدحالی اور آخرت میں ان پر طرح طرح کے عذابوں کے بیان کے بعد ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اس بدحالی اور گمراہی سے نکلنے اور آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے اور وہ اللہ رَبّ العزّت کی کتاب قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے پاس اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے ایک ایسی کتاب آچکی ہے جو تمہارے لیے موعظت ونصیحت بھی ہے اور تمہارے جسمانی وروحانی امراض کے لیے شفا بھی، تمہارے لیے ہدایت اور رہنمائی بھی ہے اور باعث رحمت بھی، لہٰذا اس کو لازم پکڑو، اس کے احکامات پر عمل کرو اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز آجاؤ۔

اسی طرح اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو تمہاری ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں، ان کی اتباع کرو اور ان دونوں نعمتوں پر خوش ہو کر اللہ رَبّ العزّت کا شکر ادا کرو۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کہ قرآنِ کریم شکوک وشبہات سے شفاء کا ذریعہ اور ہدایت ورحمت تو ہے ہی، قرآنِ کریم جسمانی امراض سے بھی شفاء کا ذریعہ ہے، چنانچہ اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۞ (الاسراء)

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ (فصلت:۴۴)

سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے سینے میں درد ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”شفاء لما فی الصدور“ (تفسیر درمنثور)

اسی طرح امام بیہقیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص کے حلق میں تکلیف تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآنِ کریم کی تلاوت کا حکم دیا۔ (تفسیر درمنثور)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور شہد دونوں شفاء ہیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشہور تھا کہ مریض کے پاس قرآنِ کریم پڑھا جائے تو اسے مرض میں خفت محسوس ہوتی ہے، میں حضرت حیثمہ کے پاس آیا وہ بیمار تھے، میں نے کہا کہ آج آپ کی طبیعت اچھی لگ رہی ہے، انہوں نے کہا کہ آج میرے پاس قرآن پڑھا گیا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ
فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي
كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۶۱﴾ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ
الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ
قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۵﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا
يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۶۶﴾

اللہ رَبّ العزّت کا ''علم'' ہر چیز کو محیط ہے!

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اپنے علم کی بے مثال وسعت کو بیان فرمایا کہ اے نبی! آپ جس کام اور جس حال میں بھی ہوتے ہیں یا قرآن پڑھتے ہیں، ہم اس سے واقف ہیں، اسی طرح تمام انسان جو بھی عمل کریں وہ ہماری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں، زمین وآسمان کا ایک ذرہ بھی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ ہر چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

''اولیاء اللہ'' کا اِنعام

اپنے علم کی وسعت بیان کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اولیاء اللہ کی پہچان اوڈنیا اور آخرت میں ان کے فضائل اور ان کے لیے بشارتوں کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ دنیا اور آخرت میں خوف اور غم سے محفوظ رہیں گے، دنیا کے غموں سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا والے دنیا کے افکار وآلام میں ہر وقت گھرے رہتے ہیں، ذرا سی تکلیف و پریشانی پر ان کی جان جانے لگتی ہے، ان افکار وآلام سے اولیاء اللہ محفوظ رہتے ہیں، کیونکہ ان پر ہر دم اللہ رَبّ العزّت کی خشیت اور اس کی عظمت کا احساس چھایا رہتا ہے جس کی وجہ سے دُنیا کی رنج وراحت ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

''اولیاء اللہ'' کون ہوتے ہیں؟

اولیاء اللہ کی پہچان اور ان کی تعریف کیا ہے؟ یہ بتانے کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے اپنے اولیاء کی دو صفات بیان فرمائی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱-ایمان کے پختہ ہوں۔ ۲-ان میں تقویٰ کی صفت موجود ہو، ان کے دل میں اللہ رَبّ العزّت کا ڈر موجود ہو، خشیت باری تعالیٰ سے ان کے دل آباد ہوں، وہ اللہ رَبّ العزّت کے احکام بجالاتے ہوں اور اس کے منع کردہ امور سے دور بھاگتے ہوں، یہی لوگ اس کے اولیاء کہلانے کے حقدار ہیں۔انہی لوگوں کو دنیا میں بھی اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی، آخرت کی خوشخبری سے مراد جنّت کی خوشخبری ہے اور دنیا کی خوشخبری سے مراد یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں گے اور اسے اچھا سمجھیں گے۔(معارف القرآن)

''اولیاء اللہ'' کی نشانیاں

مذکورہ آیت میں اولیاء اللہ کی دو علامات بیان کی گئی ہیں: ۱-ایمان ۲-تقویٰ۔

''تقویٰ'' کے مختلف درجات ہیں، اس لیے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کے اعتبار سے اولیاء اللہ کی درج ذیل نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

۱-شب بیداری کی وجہ سے چہرہ زرد ہو۔

۲-رونے کی کثرت کی وجہ سے آنکھوں کے اردگرد گڑھے پڑے ہوں۔

۳-بھوک وافلاس کی وجہ سے پیٹ گھسا ہوا ہو۔

سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اولیاء اللہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:

۴-جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کی باتوں پر غمگین نہ ہوں، اللہ رَبّ العزّت آپ کے ساتھ ہے، عزت اور ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ آپ کو عزت دے گا، زمین وآسمان کی ہر چیز کا مالک وہی ہے، اس لیے آپ تسلی رکھیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ
تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۝ فَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝ فَكَذَّبُوْهُ
فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا
كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ۝

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور کفار ومشرکین کو تنبیہ کرنے کے لیے کچھ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے تذکرے بطور نمونے ذِکر کیے جارہے ہیں جنہیں ان کی قوم نے جھٹلایا اور ان کی تکذیب کی، لیکن اللہ رَبُّ العزّت نے انہیں سرخرو فرمایا اور تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذِکر فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کو نوح علیہ السلام کا واقعہ پڑھ کر سنائیے، نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا تمہیں وعظ ونصیحت کرنا ناگوار لگتا ہے تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں، میں اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتا ہوں، تمہیں میرے ساتھ جو کرنا ہے وہ کر گزرو، میں اپنے اس کام سے باز نہیں آؤں گا جو اللہ رَبُّ العزّت نے میرے ذمہ لگایا ہے۔ اور میں اس تبلیغ اور وعظ ونصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا کیونکہ میرا معاوضہ اللہ رَبُّ العزّت کے ذمے ہے، اس پر اثر موعظت کے باوجود ان کی قوم ان کو جھٹلاتی رہی، جس کی وجہ سے اللہ رَبُّ العزّت نے ان پر اپنا عذاب مسلط فرمایا، ایک طوفان آیا جس میں وہ سب ڈوب کر ہلاک ہو گئے، صرف حضرت نوح علیہ السلام اور وہ چند لوگ بچ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، اور انہیں اللہ رَبُّ العزّت نے زمین میں آباد کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے مزید کئی رسولوں کو دُنیا میں مبعوث فرمایا، وہ اپنی قوموں کے پاس واضح معجزات اور نشانیاں لے کر آئے، لیکن ان کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے وہی سلوک کیا جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا شکار ہوئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝
فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ
اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا
الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ۝ فَلَمَّا جَآءَ
السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝
فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ
فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ۝ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّسْلِمِيْنَ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ

پھر اللہ رَبّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا۔ انہیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا گیا تھا، جب یہ اس کے پاس پہنچے اور اسے اللہ رَبّ العزّت کا پیغام سنایا تو انہوں نے تکبّر کرتے ہوئے باری تعالیٰ کے پیغام کو ماننے سے انکار کر دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزات دکھائے، جسے دیکھ کر بجائے حق قبول کرنے کے وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگاتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے باپ دادا کے طریقوں سے ہٹادیں اور اس لیے کہ آپ دونوں کو دنیا میں سرداری اور ریاست مل جائے، لہٰذا ہم کبھی تمہاری اطاعت نہیں کریں گے۔

اس کے بعد فرعون نے اپنے سرداروں اور کابینہ کے اراکین سے کہا کہ میرے پاس ملک کے طول وعرض سے تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو، جب وہ آگئے تو انہیں موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ پر آمادہ کیا اور انہیں بھاری انعامات کی پیشکش کی، چنانچہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ پر رضامند ہوگئے، جب مقابلہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو، انہوں نے رسیاں زمین پر ڈال دیں جو سانپ بن کر زمین پر دوڑنا شروع ہوگئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے، اور جادو حق کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹھہر سکتا، بلکہ اللہ رَبّ العزّت اسے ختم کر دیتے ہیں اور حق کا بول بالا فرماتے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ ایک بڑا اژدھا بن کر ان سب رسیوں کو جو سانپوں کی شکل میں لگ رہی تھیں کو نگل گیا اور یوں حق واضح ہوگیا اور جادو اور کفر ناکام اور نامراد ہوگیا۔

''جادو ٹونے'' کا بہترین علاج!

بہت سے علمائے کرام نے سورۂ یونس کی آیت نمبر ۸۱ اور ۸۲ کو سحر اور جادو کے توڑ کا ذریعہ بتایا ہے، نیز اس آیت کے روزانہ تین مرتبہ پڑھنے سے آدمی جادو سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل عمل مجرب ہے، عاجز نے بہت سے لوگوں کو یہ عمل بتایا اور وہ ٹھیک ہوگئے۔

۱۔درودِ ابراہیمی (۳مرتبہ)	۲۔سورۂ فاتحہ (۳مرتبہ)
۳۔آیت الکرسی (۳مرتبہ)	۴۔سورۂ کافرون (۳مرتبہ)
۵۔سورۂ اخلاص (۳مرتبہ)	۶۔سورۂ فلق (۳مرتبہ)
۷۔سورۂ ناس (۳مرتبہ)	۸۔درج ذیل آیت (۷مرتبہ)

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝

بنی اسرائیل کا فرعون سے خوف اور باری تعالیٰ سے دُعا

یہ واضح اور صریح معجزہ دیکھنے کے باوجود ان کی قوم میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے، وہ بھی فرعون اور اپنے دیگر حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو ہمارے ایمان کا علم نہ ہوجائے اور وہ ہمیں تکلیف نہ پہنچائیں، کیونکہ فرعون اپنے دور کا بہت طاقتور اور ظالم حکمران تھا، وہ اپنے مخالفین کو بہت سخت سزائیں دیا کرتا تھا، ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا تھا، اس وجہ سے لوگ اس سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لوگ فرعون سے خوفزدہ ہیں تو آپ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم سچے دل سے اللہ ربّ العزّت پر ایمان رکھتے ہو تو خوف نہ کرو، اللہ ربّ العزّت پر توکل اور بھروسہ رکھو، وہ سب ٹھیک کردے گا، قوم نے جواب دیا کہ ہم اللہ ربّ العزّت پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں اور اس سے دُعا بھی کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے لیے تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقے ان کافروں سے نجات عطا فرما۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کے لیے مصر میں نئے گھر بنوائیں جن کا رخ قبلہ کی جانب ہو اور نماز کے اوقات میں تم سب اپنے انہی گھروں میں نماز ادا کرتے رہو، عبادت خانوں میں حاضری سردست ان مخصوص حالات کی وجہ سے معاف ہے، اور انہیں خوشخبری سنا دیجیے کہ بہت جلد یہ مصیبت ختم ہوجائے گی۔

فائدہ:- گزشتہ تمام اُمتوں کے لیے حکم یہ تھا کہ ان کی نماز اور عبادت اپنے گھروں میں ادا نہیں ہوتی تھی بلکہ انہیں عبادت خانہ میں جاکر عبادت کرنی ہوتی تھی، بنی اسرائیل بھی اسی حکم کے پابند تھے، لیکن فرعون چونکہ ان پر ظلم کرتا تھا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا تھا، اس لیے ان مخصوص حالات کی وجہ سے عارضی طور پر ان کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنی عبادت گھروں میں ادا کرسکتے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ کو اللہ ربّ العزّت نے یہ خصوصی سہولت عطا فرمائی ہے کہ وہ تمام روئے ارض پر جس جگہ چاہیں نماز ادا کرسکتے ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیات بیان فرماتے ہوئے ایک خصوصیت یہ ذکر فرمائی کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری:۳۳۵)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِىْٓ

إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو بددُعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی اصلاح سے بالکل مایوس ہو گئے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایمان نہیں لائے گا اور حق کی مخالفت پر کمر بستہ رہے گا تو آپ نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے پروردگار! آپ نے فرعون اور اس کی قوم کو دنیا کی زیب وزینت کا ساز وسامان بہت عطا فرمایا ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے گمراہ کرتے ہیں، اس لیے آپ ان کے اموال کی صورت بدل کر مسخ اور بے کار فرمادیں، اور ان کے دلوں کو مزید سخت کردیں تاکہ وہ دردناک عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اطلاع بھی فرمادی کہ ہم نے آپ دونوں کی دُعا قبول کر لی ہے، اب آپ اپنے منصبی فرائض سرانجام دینے میں مشغول رہیں اور جاہلوں کی پیروی نہ کریں۔

اس بددُعا کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کے تمام زیورات اور نقد سکے اور باغوں کھیتوں کی سب پیداوار پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ (معارف القرآن)

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی قوم کو لے کر یہاں سے ہجرت کر جائیں، آپ نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا اور مصر سے نکل گئے، فرعون کو جب علم ہوا تو وہ اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چلا، راستے میں ایک دریا پڑتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے اس دریا پر اپنا عصا مارا، جس سے دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ساری قوم پار ہو گئی، اتنے میں فرعون بھی وہاں پہنچ چکا تھا، اس نے بھی اپنے لشکر کو دریا میں اتار دیا، جب سارا لشکر دریا کے درمیان پہنچا تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے دریا جاری ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت دریا کی موجوں کی نذر ہو کر ڈوب گیا۔

جب فرعون ڈوبنے والا تھا تو اس وقت اس نے اللہ ربّ العزّت پر ایمان لانے کا اعلان کیا اور کہنے لگا کہ میں بنی اسرائیل کے معبود پر ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لیکن اللہ ربّ العزّت نے اس کے اس ایمان کو رد فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اب تم مسلمان ہوتے ہو، اب ایمان اور اسلام کا وقت گزر چکا، جب زندگی تھی اور قوت اور طاقت تھی تب زمین میں فساد کرتے رہے اور اللہ ربّ العزّت کی مخلوق کو ستاتے رہے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے رہے، تمہارا یہ ایمان اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کے وقت کا ایمان لانا اور اس وقت توبہ کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے۔ حدیث پاک میں

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے رہتے ہیں جب تک غرغرۂ موت کا وقت نہ آجائے۔ (مستدرک حاکم: ۷۶۶۳) غرغرہ موت سے مراد وہ وقت ہے جب نزع کے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں۔ اس وقت دنیا کی زندگی ختم ہو کر آخرت کے احکام شروع ہو جاتے ہیں، اس لیے اس وقت کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔

فرعون کی لاش محفوظ رہے گی!

فرعون کی ہلاکت کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس کی لاش کو پانی سے نکال دیں گے تا کہ تمہارا بدن بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے جب دریا پار کر لیا تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرعون کی ہلاکت کی خبر سنائی تو وہ لوگ فرعون سے اس قدر مرعوب تھے کہ انہیں اس خبر پر یقین نہ آیا اور کہنے لگے کہ فرعون ہلاک نہیں ہوا۔ اللہ ربّ العزّت نے دریا کی ایک موج کے ذریعہ فرعون کی مردہ لاش کو ساحل پر ڈال دیا، جس کو سب نے دیکھا اور اس کے ہلاک ہونے کا یقین آیا، اور اس کی لاش سب کے لیے نمونۂ عبرت بن گئی۔ مشہور ہے کہ فرعون کی لاش آج بھی قاہرہ، مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

بنی اسرائیل پر خدا کے اِنعامات اور ان کی ہٹ دھرمی

فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کو عروج عطا فرمایا، انہیں اچھا ٹھکانہ دیا گیا، ملک مصر کی بادشاہت اور حکومت ان کو مل گئی، اس کے علاوہ اردن اور فلسطین کی مقدس زمین بھی ان کو مل گئی، انہیں پاکیزہ اور حلال رزق عطا فرمایا اور دنیا کی تمام لذائذ اور راحتیں انہیں نصیب کر دیں، لیکن افسوس کہ انہوں نے اقتدار پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اس کی اطاعت سے پھر گئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، حالانکہ ان یہود کو اپنی کتابوں کے ذریعہ پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم تھا، اس کے باوجود آپ کی بعثت کے بعد آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ ایمان لائے اور باقیوں نے انکار کر دیا، اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہم ان کے اس اختلاف کا قیامت کے روز فیصلہ فرما دیں گے، حق اور باطل واضح ہو جائے گا، اہلِ حق جنّت میں جائیں گے جبکہ اہلِ باطل جہنّم کا ایندھن بنیں گے۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایک حیرت انگیز واقعہ ذکر فرما کر دوسری امتوں سے شکوہ فرمایا کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ گزشتہ قومیں جنہوں نے ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ ایسے وقت میں ایمان لے آتیں کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا یعنی موت کے وقت یا عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے اپنی سرکشی سے باز آجاتیں، سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ انہوں نے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا دیکھا تو فوراً توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، جس کی وجہ سے ہم نے ان سے رسوا کرنے والا عذاب ہٹا لیا۔

ان کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو اللہ ربّ العزّت نے عراق میں موصل کے مشہور مقامِ نینوئی میں مبعوث فرمایا تھا، ان کی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی، انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں آگاہ کر دو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آنے والا ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے قوم میں اس کا اعلان کر دیا، اور رات کو بستی سے چلے گئے، صبح ہوئی تو عذابِ الٰہی ایک سیاہ دھوئیں اور بادلوں کی شکل میں ان کے سروں پر منڈلانے لگا، یہ دیکھ کر ان سب کو یقین ہو گیا کہ ہم ہلاک ہونے والے ہیں، یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے چلے گئے کہ ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں اور توبہ کر لیں، مگر حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا، تو خود ہی اخلاص کے ساتھ توبہ اور استغفار میں لگ گئے اور بستی سے نکل کر ایک میدان میں آ گئے، عورتیں بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کر دیے گئے تھے، ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز و زاری کے ساتھ توبہ کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ و بکا سے گونجنے لگا، باری تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب ان سے ہٹا دیا۔

تفاسیر میں مذکور ہے عذاب کو دیکھ کر قوم نے سچے دل سے توبہ کی، گڑگڑا کر روتے رہے، ان کے رونے کی وجہ سے بے حد شور بپا ہوا، ایک دوسرے پر کیے گئے مظالم کا مداوا کیا، ایک دوسرے کے حقوق ادا کیے، حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی جگہ سے پتھر اکھاڑا تھا، تو اسے اس مقام پر واپس جا کر رکھا، اور عذاب کے ازالے کے لیے درج ذیل دعائیں پڑھتے رہے:

دفعِ عذاب کی دُعائیں

۱- یاحی حین لاحی محیی الموتی ویاحی لا الٰہ الا انت۔

۲- اللھم ان ذنوبنا قد عظمت وجلت وانت اعظم منھا واجل افعل بنا ما انت اھلہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ۔

اے اللہ! ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں، لیکن تو ان سے زیادہ بڑا اور جلال والا ہے، ہمارے ساتھ وہ معاملہ کر جو تیری شان کے لائق ہے وہ معاملہ نہ کر جو ہماری حالت کے لائق ہے۔

یکم ذی الحجہ سے دس محرم تک یہ دُعائیں مانگتے رہے، اس سے عذاب ٹل گیا۔ (روح البیان)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ دنیا کا عذاب سامنے آنے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہوسکتی ہے، البتہ آخرت کے احوال شروع ہوجانے سے توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کا ربّ چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے ایسا نہ چاہا، اس لیے سب ایمان نہیں لائے، آپ کسی کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کرسکتے، ہدایت دینا اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کفر کی گندگیوں میں مبتلا رہنے دیتا ہے۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓى اِلَیْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝

دِینِ اسلام کی حقیقت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دین اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم میرے دین کے بارے میں شک اور تردد میں ہو تو میں تمہیں اس کی حقیقت بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں صرف اللہ ربّ العزّت کی عبادت کرتا ہوں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اسی اللہ ربّ العزّت کے احکامات کی پیروی کرتا ہوں، اور اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں، اور یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو اس دین کی طرف ہی متوجہ رکھوں اور دوسرے سب باطل طریقوں سے منہ پھیرلوں، اس نے مجھے شرک کرنے سے اور ان باطل معبودوں کو پکارنے سے منع فرمایا ہے جو نہ کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نقصان پہنچانے پر، اور اگر میں نے ایسا کیا تو میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوجاؤں گا۔

اور میرا اس بات پر یقین ہے کہ اگر اللہ ربّ العزّت کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو اس کو کوئی ہٹانے اور دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ کسی کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے دین حق بھیج دیا ہے، لہٰذا اب جو کوئی حق کو قبول کرکے راہِ راست پر آنا چاہے تو اس میں اس کا نفع ہے، اور جو کوئی گمراہی کو اختیار کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، میں کسی کے کسی عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ ہی مجھ سے کسی کے عمل کی بازپرس ہوگی۔

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ آپ صرف وحی کی اتباع کرتے رہیے، اور کفار و مشرکین کی ایذاؤں پر صبر کیجیے، عنقریب اللہ رَبّ العزّت ان کا فیصلہ فرمادیں گے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔
۲۔سورت میں کفار کے باطل اور غلط نظریات اور عقائد کو ذکر کر کے ان کی تردید کی گئی ہے۔
۳۔مختلف انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کا تذکرہ فرما کر کفار و مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔
۴۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا کفار کی طرف سے ملنے والی ایذاؤں اور تکالیف و مصائب پر صبر کی تلقین اور تسلی دی گئی ہے۔
۵۔اولیاء اللہ کی تعریف، ان کی پہچان اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں ملنے والے انعامات کی خوشخبری اس سورت میں سنائی گئی ہے۔
۶۔سورت میں آخرت کے احوال اور اہل ایمان و کفار کا اخروی انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ یونس بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ هُوْد

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں گیارہویں اور نزول کے اعتبار سے باون (۵۲) نمبر پر ہے، دس رکوع اور ایک سوتیئس (۱۲۳) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ جتنی طوالت سے بیان ہوا ہے، کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوا، اور سورت میں ان کا نام پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ ہود رکھا گیا ہے۔

فائدہ:- یہاں قرآن کریم نے یکے بعد دیگرے تین سورتوں کے نام حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ موسوم فرمائے ہیں: ۱-یونس، ۲-ہود، ۳-یوسف، ان تینوں سورتوں میں واقعہ کے آخر میں ذکر کی گئی آیات پوری سورت کا پیغام ہوتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں انبیاء علیہم السلام کے اجمالی تذکرے کیے گئے تھے، اس سورت میں ان کے تفصیلی احوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سات انبیاء علیہم السلام کے قصے مذکور ہیں:

۱-حضرت نوح علیہ السلام ۲-حضرت ہود علیہ السلام ۳-حضرت صالح علیہ السلام
۴-حضرت ابراہیم علیہ السلام ۵-حضرت لوط علیہ السلام ۶-حضرت شعیب علیہ السلام
۷-حضرت موسیٰ علیہ السلام

سورت کی فضیلت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، عم یتساءلون اور سورۂ تکویر نے بوڑھا کر دیا۔ (سنن ترمذی: ۳۲۹۷)

اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۲ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا "فاستقم کما امرت ومن تاب معك"
آپ اور آپ کے متبعین ہمارے حکم کے مطابق استقامت اور ثابت قدمی اختیار کریں، یہ حکم شاق اور دشوار تھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استقامت ہو، اسی حکم کی وجہ سے آپ کی کمر ٹوٹنے لگی، اس حکم نے آپ کو بوڑھا کر دیا۔

مرکزی موضوع

سورت میں استقامت اختیار کرنے اور اعتدال پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں حضرت نوح علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مختلف انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر فرما کر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ایک رہا ہے، سب انبیاء کرام علیہم السلام نے توحید کی ہی دعوت دی ہے۔

۲۔ سورت میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قوموں کے ساتھ حالات کو ذکر کیا گیا ہے کہ کیسے ان کو اپنی قوم سے تکالیف اور مصائب پہنچیں اور انبیاء کرام علیہم السلام نے ان پر صبر و استقامت سے کام لیا۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے پیغام اور دعوت کی سچائی کو اس سورت میں ثابت کیا گیا ہے۔

۴۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کی اُمّت کو استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز حد سے تجاوز نہ کرنے اور ظالموں کی جانب میلان نہ کر کے اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے، گویا کہ تین احکام بیان کیے گئے:

۱۔ استقامت　　　۲۔ سرکشی اختیار نہ کرنا، حد سے تجاوز نہ کرنا

۳۔ دشمنوں کی جانب میلان نہ کرنا

یہی تین چیزیں کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

پارہ نمبر ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ
وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝

اِسلام کے بنیادی عقائد

سورت کی ان ابتدائی آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان فرمایا ہے، ان میں توحید کا بھی ذکر ہے، اور رسالت کا بھی، قیامت کا بیان بھی ہے اور حقانیت قرآن بھی، سب سے پہلے قرآن کی حقانیت کو بیان فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات بالکل واضح اور درست ہیں، ان میں کسی غلطی کا احتمال نہیں ہے، اور اس میں تمام آیات کو کھول کھول کر اور مختلف اوقات میں نازل کیا گیا ہے تاکہ ان کو یاد کرنا بھی آسان ہو اور ان پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائے۔

اس کے بعد توحید کو بیان فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کسی کی عبادت اور پرستش نہ کی جائے، عبادت کے لائق صرف وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کا حقدار اور لائق نہیں ہے۔

توحید کے بعد رسالت کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ سارے جہان کے لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرف اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، یعنی جو لوگ نافرمانی اور اپنے نفس کی خواہشات کی اتباع میں مصروف رہتے ہیں ان کو اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور نیکی اختیار کرنے والوں کو آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری سناتا ہوں۔

منافقین کا ''نفاق'' اور ''کفر'' اللہ ربّ العزّت سے چُھپا ہوا نہیں

منافقین اپنے دل میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عداوت اور بغض وعناد رکھتے تھے، اور اپنی مخالفت اور حسد کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کی اصلیت کسی کو معلوم نہ ہوسکے، اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں یہ حقیقت واضح فرمادی کہ ان کے اس طرح اپنے حسد اور بغض پر پردہ ڈالنے سے وہ چھپ نہیں سکتے، اللہ ربّ العزّت تو دلوں کے پوشیدہ رازوں کو بھی جانتے ہیں، باری تعالیٰ پر ان منافقین کا بغض اور عناد بھی واضح ہے اور وہ انہیں اس کا انجام بھی دکھائیں گے۔

ایک تفسیر کے مطابق آیت نمبر ۵ ''اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ'' ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی جو حیا وشرم میں مبالغہ سے کام لیتے اور قضاء حاجت کے وقت بھی سینے موڑ کر شرم گاہ کو چھپانے کی کوشش کرتے، ان سے فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔

اللہ ربّ العزّت ہی رازِق ہیں!

اللہ ربّ العزّت کا ایک عظیم احسان یہ ہے کہ اس نے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لے لی ہے، نہ صرف انسان کی بلکہ رُوئے ارض پر بسنے والے ہر جاندار کی، وہ جہاں کہیں بھی ہو اس کی روزی اللہ ربّ العزّت اس کے پاس پہنچاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچے اور وہاں آگ کے بجائے تجلیات الٰہی سامنے آئیں اور ان کو نبوّت ورسالت سے سرفراز کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ میں اپنی زوجہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں، اس کا خیال کون رکھے گا، اللہ ربّ العزّت نے انہیں حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی چٹان پر اپنا عصا ماریں، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، تو وہ چٹان پھٹ گئی، اس کے اندر سے ایک دوسرا پتھر برآمد ہوا، حکم ہوا کہ اس پر بھی عصا ماریں، ایسا کیا تو وہ پتھر پھٹا اور اندر سے تیسرا پتھر برآمد ہوا، اس پر بھی عصا مارنے کا حکم ہوا تو وہ پتھر پھٹا، اس کے اندر ایک کیڑا تھا جس کے منہ میں ہرا پتہ تھا۔ (معارف القرآن)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگل گیا، ہم نے ایک پرندہ دیکھا جو اونچی اونچی آواز میں چلا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ پرندہ اللہ تعالیٰ سے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے بینائی لے لی، مجھے اندھا پیدا کیا، مجھے بھوک لگی ہے، مجھے رزق عطا فرما، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس پرندہ کو دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک ٹڈی اڑتے ہوئے آئی اور اس کے منہ میں داخل ہو گئی، اس نے اسے چبا لیا، پھر پرندہ نے شور کیا اور چلانے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انس! جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ "الحمد للہ الذی لم ینس عن ذکرہ" یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اسے یاد رکھنا نہیں بھولتا۔

پھر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کا علم بھی کامل ہے، وہ ہر ایک کے عارضی اور مستقل ٹھکانے سے واقف ہے، ہر چیز اس کے پاس ایک واضح کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔ اس نے آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا، دو دن میں زمین بنائی گئی، دو دن میں زمین کے پہاڑ، دریا، درخت اور جانداروں کی غذا کا سامان بنایا گیا اور دو دن میں سات آسمان بنائے گئے، ان کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ ربّ العزّت کا عرش پانی پر تھا، اور یہ سب چیزیں اللہ رب العزت نے اس لیے پیدا فرمائیں تاکہ وہ ہمارا امتحان لے سکیں اور ہمیں جانچ سکیں کہ کون اچھا عمل کرنے والا ہے اور کون اپنے نفس کی خواہشات پر عمل پیرا ہو کر اللہ ربّ العزّت کے احکامات سے منہ موڑتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۚ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ⑫ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ
فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬ فَاِلَّمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭

اِنسانوں کی عمومی عادت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کی فطری اور طبعی مزاج کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے، اور اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان فطری طور پر غیر مستقل مزاج اور عجلت پسند ہے، ارشاد فرمایا کہ اگر ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ بہت جلد ہمت ہار جاتا ہے، ناامید اور ناشاکر بن جاتا ہے،، اور اگر اس کی تکلیف کو دور فرما کر کوئی نعمت عطا کر دیں تو اترانے لگتا ہے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے، یعنی اللہ ربّ العزّت کی ذات پر نظر نہیں رکھتا، نعمت ملنے پر اس کا شکر نہیں کرتا اور تکلیف پہنچنے پر صبر نہیں کرتا، ایسے لوگ دنیا میں بھی پریشان رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کا انجام خراب ہوگا، اس کے برعکس جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں اور نیک اعمال میں معروف رہتے ہیں، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ دنیا میں بھی صبر کی برکت سے ان تکالیف و پریشانیوں سے محفوظ رہتے ہیں اور نیک اعمال کی وجہ سے آخرت میں بھی ان کے لیے نعمتیں اور بڑا اجر ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کفّار کو چیلنج

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار کی طرف سے ملنے والی تکالیف اور اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے آپ کو تسلی دی۔ کفّار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے کے لیے من چاہی فرمائشیں کیا کرتے تھے، کبھی کہتے تھے کہ اس قرآن میں ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا گیا ہے، لہٰذا اس کی جگہ دوسرا قرآن لے آئیں یا کم از کم اسی میں ترمیم فرما دیں، کبھی کہتے کہ ہم آپ کی تصدیق تب کریں گے جب آپ پر کوئی بڑا خزانہ اترے یا کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہو اور وہ آپ کی تصدیق کرے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ان بے جا فرمائشوں سے بہت تنگ دل ہوئے تو اللہ ربّ العزّت نے آپ کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان کے کہنے پر تنگ دل ہونا چھوڑ دیں، آپ کو تو اللہ ربّ العزّت نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ اپنا کام کرتے رہیے اور ان کی باتوں کی پروا نہ کیجیے۔

حقّانیتِ قرآن پر چیلنج

مزید فرمایا کہ اگر ان کافروں کو معجزہ کی طلب ہے تو قرآن کی صورت میں ان کے پاس ایک بے نظیر معجزہ آچکا ہے، جس کو یہ جھٹلا نہیں سکتے، اور اگر یہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر قرآن کو من گھڑت اور جھوٹا کہیں اور یہ دعویٰ کریں کہ محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے خود بنایا ہے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر دکھا دو، اور اس کام میں دنیا کے سب لوگوں سے مدد بھی حاصل کر لو، تب بھی اس جیسی کوئی سورت نہیں بنا سکو گے، تو جب اس جیسی سورت بنانے سے عاجز آ جاؤ تو یہ حقیقت تسلیم کر لینا کہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل کردہ ہے، کسی انسان کا کلام نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی انسان کا کلام ہوتا تو دوسرے انسان بھی اس جیسا کلام بنا سکتے۔

پہلے قرآن جیسی دس سورتیں پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا، اس کے بعد ایک سورت پیش کرنے کا بھی چیلنج کیا گیا کہ اگر قرآن اللہ ربّ العزّت کا کلام نہیں ہے تو تم بھی کم از کم قرآن جیسی ایک سورت تو پیش کر دو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝

کُفّار و مشرکین کو تنبیہ

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار و مشرکین کو قرآنِ کریم جیسی کتاب لانے کا چیلنج دیا تھا، ان آیات میں انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآنِ کریم جیسی کتاب اور اس کی سورتوں جیسی کوئی سورت پیش نہیں کر سکتے تو پھر دو ہی راستے ہیں: ۱- دُنیا، ۲- آخرت، جو شخص صرف دُنیا کی زندگی اور زینت کا طالب ہے، اسے صرف دولت، شہرت، اولاد اور تعیش مطلوب ہے، آخرت اس کا مطمحِ نظر نہیں، تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی مطلوب چیزیں تو دے دیں گے لیکن آخرت میں ان کو سوائے دوزخ کے اور کچھ بھی نہیں ملے گا، رہی دنیا میں کی گئی نیکیاں مثلاً صلہ رحمی، سخاوت، حسنِ اخلاق، یہ ساری نیکیاں ایمان اور اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں برباد ہو جائیں گی، آخرت میں ان کا کوئی نفع نہیں ہوگا۔

مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے!

پھر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کیا منکرِ قرآن ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو قرآن پر قائم ہو، اور قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتا ہو، یعنی یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، پہلے کا ٹھکانا جہنّم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، جبکہ مومن اللہ ربّ العزّت کے فضل و کرم سے جنّت کی نعمتوں میں ہوگا۔

کچھ آیات کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مؤمن اور کافر کے فرق کو ایک اور مثال سے واضح فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ" کہ یہ دونوں فریق (مؤمن اور کافر) برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ مؤمن دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے جبکہ کافر اندھے اور بہرے کی طرح ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌۙ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ
یَوْمٍ اَلِیْمٍ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ
هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ
كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۝
وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ
وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۝ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ وَلَاۤ اَقُوْلُ
لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ
یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا
فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَاۤ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِیْنَ۝ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫
وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ؕ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ۝۠

حضرت نوح علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ

یہاں سے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ شروع کیا جارہا ہے، جن میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، بلکہ قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا سب سے تفصیلی تذکرہ سورۂ ہود میں ہی کیا گیا ہے، جتنی تفصیل سورۃ ہود میں ذکر کی گئی اتنی سورۂ نوح میں بھی نہیں کی گئی، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی اس سورت کے موضوع کے ساتھ گہری مناسبت ہے، سورت کا اہم موضوع استقامت فی الدین یعنی دین پر جمے رہنا ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک قوم کے مقابلہ میں دین پر جمے رہے، اس قصے سے مقصود جہاں دین کے لیے استقامت کو بیان کرنا ہے، وہاں یہ بھی بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو، اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی مشکلات میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نوسو سال تک دعوت ایمان دی لیکن قوم نے ان کی بات نہ مانی اور اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہی، انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر کئی شبہات اور اعتراضات کیے، جن کا حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا، ان آیات میں ان کا ذکر ہے۔

قوم کے حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراضات

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو قوم نے ان پر تین اعتراضات کیے:

۱- پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ تو ہمارے جیسے انسان اور آدمی ہیں، ہماری طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے ہیں، آپ نبی کیسے ہوسکتے ہیں؟ یعنی ان کے خیال میں کوئی بشر نبی اور رسول نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے فرشتے کا آنا ضروری ہے۔

۲- دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ پر ایمان لانے والے سب حقیر اور ذلیل قسم کے لوگ ہیں، کوئی بڑا آدمی ان میں شامل نہیں ہے، اگر آپ کی بات حق اور صحیح ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اس کو قبول کرتے، اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان کے برابر سمجھا جائے گا، نمازوں وغیرہ میں ان کے برابر کھڑا ہونا پڑے گا جو ہمارے لیے ممکن نہیں، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ان غریبوں کو خود سے دور کر دیں۔

۳- اور تیسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، آپ بھی ہم جیسے ہی ہیں، اس لیے ہمیں چھوڑ کر آپ کو نبوّت کیسے مل سکتی ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ان آیات میں دیا اور پہلے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول کا بشر اور انسان ہونا نبوّت یا رسالت کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ ربّ العزّت کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اس سے نواز دے، اور وہ جسے نبوّت اور رسالت عطا فرماتے ہیں انہیں اپنی طرف سے کوئی واضح دلیل بھی عطا فرماتے ہیں، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی عطا فرمائی، لیکن تمہاری ضد اور عناد کی وجہ سے تمہاری آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نبی کی نظر کسی کے مال پر نہیں ہوتی، وہ کسی سے اپنی خدمت کا معاوضہ نہیں لیتا، اس کا معاوضہ اور اجر تو اللہ کے ذمہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی نظر میں امیر اور غریب برابر ہوتے ہیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم جو ایمان قبول کرنے کے لیے یہ شرط پیش کر رہے ہو کہ میں غریبوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو یہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ اگرچہ غریب ہیں لیکن اللہ ربّ العزّت کے نزدیک ان کی بہت قدر اور منزلت ہے، اگر میں تمہاری خوشنودی کے لیے ان کو نکال دوں تو اللہ ربّ العزّت کی ناراضگی سے مجھے کون بچائے گا، اس لیے مجھ سے ایسی جاہلانہ خواہشات کو پورا کرنے کی امید نہ رکھو۔

اور تیسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، یعنی میں مختارِ کل ہوں، نہ میں نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں عالم الغیب ہوں، نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے، میں تو انسان ہوں لیکن مجھ پر اللہ ربّ العزّت کا خصوصی فضل و احسان ہے کہ اس نے مجھے نبوّت سے نوازا، میں اس کا نبی اور رسول ہوں، یہی میری فضیلت ہے۔

قوم کی ہٹ دھرمی اور عذاب کا مطالبہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے سارے اعتراضات کے جواب دے دیے تو انہیں چاہیے تھا کہ آپ کی بات تسلیم کرتے اور حق کی راہ پر آجاتے، لیکن انہوں نے اپنی روش نہ چھوڑی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفر اور عناد پر ہی ڈٹے رہے، بلکہ حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ نے ہم سے بہت بحث و مباحثہ اور جھگڑا کر لیا، اس سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا، اس لیے اب آپ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ لے آئیں، تا کہ ہم پر آپ کی بات کی سچائی

واضح ہوجائے، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں، اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جب چاہے گا تم پر عذاب بھیج دے گا، میں نے تمہیں بہت نصیحت کی لیکن تمہارے نصیب میں نصیحت قبول کرنا ہے ہی نہیں، جسے اللہ ہدایت نہ دینا چاہے اس کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ
بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ
مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ
یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ
كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ وَقَالَ
ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫
وَنَادٰی نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ
یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ
الْمُغْرَقِیْنَ ۝ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی
الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ
وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۗ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ
عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤی
اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ
اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

قومِ نوح پر عذاب

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر طرح سے ایمان کی دعوت دے دی، انہیں عذاب سے بھی ڈرایا، اور اس کے باوجود انہوں نے راہ حق کو اختیار نہ کیا تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اب اس قوم کا غم نہ کریں، ان میں سے جن کو ایمان لانا تھا وہ لاچکے، اب باقی کوئی اور شخص ایمان نہیں لائے گا، تو جس عذاب کا وعدہ آپ نے ان سے کیا تھا، اس عذاب کے نازل کرنے کا وقت آن پہنچا ہے، ہم ان پر پانی کے طوفان کا عذاب بھیجنے والے ہیں، اس لیے آپ ایک کشتی تیار کریں جس میں آپ کے اہل وعیال اور جتنے مسلمان ہیں سب اپنی ضرورت کی چیزوں کے ساتھ سوار ہوسکیں، اور عذاب کے وقت نجات پاسکیں، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق کشتی

بنانا شروع کردی، قوم کے لوگوں نے جب آپ کو کشتی بناتے ہوئے دیکھا تو آپ کا مذاق اڑانے لگے، کہ پہلے نبی بنے اب نجار (بڑھئی) بن گئے، پانی کا تو نام ونشان نہیں، کشتی کیسے بنا رہے ہو؟ آپ ان کی باتوں کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں لگے رہے، اور کشتی مکمل فرمالی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کیسی تھی؟

محققین کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی تین سو ہاتھ (۵۵۰ فٹ) لمبی پچاس ہاتھ (تقریباً ۹۰ فٹ) چوڑی اور تیس ہاتھ (۵۵ فٹ) بلند تھی۔ اور ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ ایک منزل پر جانور رتھے، دوسری پر سامان اور تیسری پر انسان سوار ہوئے۔ کشتی ساگوان کی لکڑی سے بنائی گئی تھی، جب کشتی مکمل ہوئی تو اللہ رَبّ العزت کے حکم سے طوفان کا آغاز ہوگیا، اور تنوروں سے پانی ابلنے لگا، تو اللہ رَبّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کشتی میں ہر جوڑے والے جانوروں کا ایک ایک جوڑا بھی سوار کر لیجیے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور تمام اہل ایمان جن کی تعداد تقریباً اسی تھی، سوار ہو گئے، تو اللہ رَبّ العزّت کے حکم اور اس کے نام کے ساتھ کشتی چل پڑی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹے سے مکالمہ

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے، سام، حام، یافث اور کنعان، ان میں سے پہلے تینوں بیٹے اور آپ علیہ السلام کے باقی سب اہل وعیال (بیوی کے علاوہ) کشتی میں سوار ہو گئے، مگر آپ کا چوتھا بیٹا کنعان سوار ہونے سے رہ گیا تو آپ علیہ السلام نے پدری شفقت سے اس کو پکارا اور کہا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں آجاؤ، کافروں کے ساتھ نہ رہو ورنہ غرق ہو جاؤ گے، یہ بیٹا درحقیقت کافر تھا، تو اس بیٹے نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ آپ فکر نہ کریں میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا، آپ علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ آج کوئی اونچی عمارت یا پہاڑ کسی کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، ابھی یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ ایک موج آئی اور بیٹے کو بہا کر لے گئی۔

طوفان کا اختتام اور حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا

جب پوری قومِ نوح ہلاک اور تباہ ہوگئی تو اللہ رَبّ العزّت نے طوفان ختم فرما دیا اور زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل لے، آسمان کو حکم دیا کہ اب برسنا بند کر دے، اس طرح زمین سے نکلا ہوا پانی پھر زمین میں چلا گیا، اور آسمان سے برسا پانی دریاؤں اور نہروں کی شکل اختیار کر گیا تاکہ اس سے انسانیت فائدہ اٹھا سکے۔ جب زمین خشک ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، جو عراق میں آرمینیہ کی سرحد پر واقع ہے، بعض مفسرین کرام کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، تقریباً چھ مہینے تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی، جب بیت اللہ کے مقام پر پہنچی تو سات مرتبہ طواف کیا، اور دس محرم کو طوفان کے ختم ہونے پر جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور کشتی میں سوار سب اہل ایمان نے اس دن روزہ رکھا۔ (معارف القرآن)

پیچھے ذکر کیا جا چکا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا کنعان جو کافر تھا، موجوں کی نذر ہو گیا، جب وہ ڈوب رہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے اہل کو طوفان سے بچائیں گے اور بلاشبہ آپ کا وعدہ حق اور صحیح ہے، میرے بیٹے کو طوفان سے بچا لیجیے، اللہ رَبّ العزّت نے جواب دیا کہ یہ بیٹا آپ کے اہل میں داخل نہیں ہے، یہاں اہل سے مراد اہل دین اور اہل ولایت ہے، یعنی کنعان آپ کے دین اور آپ کی ولایت سے خارج ہے، کیونکہ اس کا عمل اور عقیدہ اچھا نہیں، اس لیے آپ کو نہیں چاہیے کہ اس حقیقت حال سے بے خبر رہ کر مجھ سے کوئی سوال کریں، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی اس لغزش کی معافی چاہی، جس پر اللہ رَبّ العزّت نے انہیں معاف فرما دیا اور حکم دیا کہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے زمین پر اتر جائیے اور کوئی فکر نہ کیجیے، کیونکہ آپ کے ساتھ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہوں گی، چنانچہ آپ علیہ السلام اور باقی اہل ایمان کشتی سے اترے اور نئے سرے سے زندگی بسر کرنا شروع کی، اور آج دنیا کی ساری آبادی حضرت نوح علیہ السلام کی ہی اولاد میں سے ہے، اس لیے آپ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

قصہ نوح علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی دلیل ہے!

پھر اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں جن سے آپ اور آپ کی قوم واقف نہیں تھی، ہم نے آپ کو اس کی اطلاع دی، یہ آپ کی نبوّت کی علامت ہے۔ اس لیے اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ فکر نہ کیجیے، انجام کار کامیابی آپ کو ہی ملے گی۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ
لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝
قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ
اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۚ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ
دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا
هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۚ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۚ
وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ۚ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا
نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

قومِ عاد کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ہود رکھا گیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ ربّ العزّت نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا تھا، یہ قوم اپنے ڈیل ڈول، جسامت اور اپنی قوت اور بہادری کے لحاظ سے پوری دنیا میں سب سے ممتاز سمجھی جاتی تھی، مگر افسوس کہ یہ قوم اپنے عقل وشعور کو کام میں نہ لاسکی اور بتوں کی پوجا شروع کردی، حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو پیغام حق سنایا، اسلام کی دعوت دی اور انہیں وعظ ونصیحت فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم شرک چھوڑ کر ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ جانو، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کسی کو معبود ماننا جھوٹ اور افترا ہے، اس سے باز آجاؤ، میں تمہاری ہی بھلائی کے لیے تمہیں سمجھا رہا ہوں اور میں اس دعوت اور وعظ ونصیحت پر تم سے کسی معاوضہ کا بھی مطالبہ نہیں کرتا، نہ مجھے تم سے کوئی مادی فائدہ مطلوب ہے، اس لیے توبہ کرو اور گزشتہ زندگی میں جتنے گناہ ہوچکے ہیں اللہ ربّ العزّت سے ان کی مغفرت مانگو اور اگلی زندگی میں ان گناہوں کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرلو، اگر تم نے ایسا کرلیا تو تمہیں آخرت کی دائمی کامیابی بھی نصیب ہوگی اور دنیا میں بھی فوائد حاصل ہوں گے، تمہاری قحط سالی دور ہوجائے گی، بارشیں اتریں گی، تمہارے رزق میں وسعت ہوگی اور تمہاری طاقت اور قوت بڑھ جائے گی۔

قوم کا جاہلانہ جواب اور باری تعالیٰ کی پکڑ

حضرت ہود علیہ السلام کی ان مخلصانہ دعوت پر ان کی قوم نے اپنی جاہلانہ روش سے جواب دیا کہ آپ ہمارے پاس کوئی واضح دلیل اور معجزہ تو لائے نہیں، صرف زبانی بات ہے، اس لیے ہم آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے اور آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے آپ (نعوذ باللہ) کو ہمارے معبودوں نے کسی مرض میں مبتلا کردیا ہے، اس لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کا خطاب

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو سن لو! میں اللہ کو بھی گواہ بناتا ہوں اور تمہیں بھی کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سارے معبودوں سے بیزار ہوں، تم اور تمہارے جھوٹے معبود مل کر میرے خلاف جو کرسکتے ہو کرلو اور میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو، میں اپنے ربّ پر بھروسہ کرتا ہوں، جو ہر چیز کا ربّ ہے، اس کی اجازت اور مشیت کے بغیر کوئی کسی کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور تم اگر اسی طرح حق سے اعراض کروگے تو تم پر اللہ ربّ العزّت کا غضب اور عذاب نازل ہوگا جس سے تم سب ہلاک ہوجاؤ گے۔

قوم نے آپ کی نصیحت اور عذاب کی وعید پر کان نہ دھرا اور اپنی سرکشی پر قائم رہی تو اللہ ربّ العزّت نے ہوا کے

طوفان کی صورت میں اپنا عذاب نازل فرمایا، جس نے مکانات اور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا، آدمی اور جانور ہوا میں اڑ کر آسمانی فضا تک جاتے اور وہاں سے اوندھے گرتے تھے، آسمان کی طرف سے انسانوں کی چیخ وپکار سنائی دیتی تھی، یہاں تک کے یہ بے مثال قوت رکھنے والی قوم پوری کی پوری ہلاک ہوگئی، اور دنیا میں بھی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری ان کے ساتھ رہی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے، جبکہ اہل ایمان اور پیغمبر خدا جس طرح دنیا میں سرفراز ہوئے، اسی طرح آخرت میں بھی اللہ ربّ العزّت ان کو خصوصی انعام واکرام سے نوازیں گے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَ
يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا
تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ
فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝
فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ
ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝

قومِ ثمود کا تذکرہ

قوم ثمود کی طرف اللہ ربّ العزّت نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور انہیں کہا کہ صرف اللہ ربّ العزّت کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی بخشی، اس لیے اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کرو اور اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرو۔ قوم نے آپ کی وعظ ونصیحت سن کر آپ کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ پہلے ہمیں آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ آپ ہماری قوم کے لیے بڑے مصلح اور رہنما ثابت ہوں گے، لیکن اب جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اس میں ہمیں تردد ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اللہ ربّ العزّت نے واضح اور روشن دلائل دے کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی خاص رحمت فرمائی ہے، جبکہ تم مجھے خسارے کی طرف بلا رہے ہو۔ قوم نے یہ سن کر ان سے کہا کہ ہم آپ کا نبی برحق ہونا اس وقت تسلیم کریں گے جبکہ ہمارے سامنے اس پہاڑ کی چٹان سے اونٹنی نکل آئے، حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی اور ان کا منہ مانگا معجزہ اللہ ربّ العزّت نے ظاہر فرمادیا، پہاڑ کی چٹان پھٹی اور اس میں سے اُونٹنی برآمد ہوگئی، اللہ ربّ العزّت نے حکم دیا کہ اس اُونٹنی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، ورنہ تم پر عذاب آئے گا، مگر وہ اس پر بھی قائم نہ رہے، اور اُونٹنی کو مار ڈالا، اس پر

اللہ رَبّ العزّت نے انہیں پکڑا اور ابتدائی طور پر انہیں تین دن کی مہلت دی گئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ چوتھے روز تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا، چنانچہ حسب وعدہ چوتھے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سخت آواز میں ایک چیخ ماری، جس سے ان کے کلیجے اور دل پھٹ گئے اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اہل ایمان کو اللہ رَبّ العزّت نے سرخرو فرمایا اور کفار کو عبرت کا نشان بنا دیا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ
اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝
وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ
وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ
الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ
اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ
عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرشتوں کو ان کے پاس اولاد کی بشارت دینے کے لیے بھیجا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی زوجہ حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہیں تھی اور ان کو اولاد کی تمنا تھی مگر دونوں کا بڑھاپا تھا، بظاہر کوئی امید بھی نہیں تھی، اللہ رَبّ العزّت نے فرشتوں کے ذریعہ خوشخبری بھیجی، جب یہ فرشتے آپ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو چونکہ وہ انسانی شکل میں تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو عام مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کر دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے دنیا میں مہمان نوازی کی رسم جاری فرمائی، ان کا معمول یہ تھا کہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے بلکہ ہر کھانے کے وقت تلاش کرتے تھے کہ کوئی مہمان مل جائے تو اس کے ساتھ کھائیں، بہرحال آپ علیہ السلام نے ان کے سامنے بھونا ہوا گوشت لا کر رکھا، مگر چونکہ وہ فرشتے تھے اور کھانے پینے سے پاک تھے، اس لیے کھانا سامنے ہونے کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے، ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں، فرشتوں نے ان کا یہ اندیشہ بھانپ لیا، اس لیے انہوں نے بتا دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں، آپ خوف نہ کریں، ہم آپ کو اولاد کی خوشخبری سنانے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ پردے کے پیچھے سے یہ گفتگو سن رہی تھیں، جب انہوں نے اولاد کی خوشخبری سنی تو ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں بڑھیا ہو کر اولاد جنوں گی؟ جبکہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، فرشتوں نے جواب دیا کہ آپ اللہ رَبّ العزّت کے حکم پر تعجب کرتی ہیں جس کی قدرت میں سب کچھ ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا کہ یہ اللہ کے فرشتے ہیں، اور اولاد کی خوشخبری سن کر دل میں خوشی بھی پیدا ہوئی اور ڈر اور خوف بالکل ختم ہو گیا تو فرشتوں سے حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں بحث و مباحثہ کرنے لگے کہ تم اس قوم کو کیسے ہلاک کرو گے، اس میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں، وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم الطبع اور رقیق القلب تھے، فرشتوں نے اللہ ربّ العزّت کا حکم سنا کر انہیں عرض کی کہ اس معاملہ کو چھوڑ دیجیے، اس بارے میں اللہ ربّ العزّت کا حکم آچکا ہے، اس لیے ان پر ہر حال میں عذاب نازل کیا جائے گا، جو کسی بھی صورت ٹل نہیں سکتا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ
اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا
نُرِیْدُ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ
مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ۝

حضرت لُوط علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کافر ہونے کے علاوہ ایک ایسی بے حیائی اور بدکاری میں مبتلا تھی جو اس سے پہلے دنیا میں کبھی نہیں پائی گئی تھی، اور وہ بُرائی ہم جنس پرستی کی تھی، جس کا وبال عام بدکاری سے کئی درجہ زیادہ ہے۔ تو جب یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی تو چونکہ یہ بہت حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں تھے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے بھی انہیں انسان اور مہمان سمجھا اور وہ سخت فکر اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ اگر ان مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کی جائے تو یہ نبی کی شان کے خلاف ہے اور اگر ان کو مہمان بنایا جائے تو قوم کی خباثت کا اندیشہ ہے، اسی پریشانی کے عالم میں کہنے لگے کہ آج تو سخت مصیبت کا دن ہے، بہر حال آپ علیہ السلام نے ان کو مہمان بنا لیا، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو کہ کافرہ تھی، اس نے قوم کے اوباش لوگوں کو خبر کر دی کہ آج ہمارے گھر میں بہت خوبصورت مہمان آئے ہیں، قوم نے جب یہ سنا تو دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے، اور آپ کے مکان پر چڑھ دوڑے، اور مطالبہ کیا کہ یہ مہمان ہمارے حوالے کر دیے جائیں، حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی مدافعت مشکل ہے تو ان کو شر سے باز رکھنے کے لیے فرمایا کہ اگر تم اس شر اور فساد سے باز آجاؤ تو میں اپنی لڑکیوں کو تمہارے سرداروں کے نکاح میں دے دوں گا، اس زمانہ میں مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے جائز تھا، بعض مفسرین کے نزدیک ان لڑکیوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی

بیٹیاں نہیں بلکہ پوری قوم کی لڑکیاں مراد ہیں، کیونکہ پیغمبر اپنی قوم کے لیے باپ کی مثل ہوتا ہے اور پوری اُمّت اس کی روحانی اولاد ہوتی ہے، اس تفسیر کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنی خبیث عادت سے باز آؤ، شرافت کے ساتھ قوم کی لڑکیوں سے نکاح کرو، اللہ ربّ العزّت سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے متعلق رسوا نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی ایک بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ قوم پر اس دل سوز وعظ کا کوئی اثر نہیں ہوا، اور سب نے جواب میں کہا کہ ہمیں آپ کی لڑکیوں کی کوئی ضرورت نہیں، ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے۔ اس وقت ہر طرح سے عاجز آ کر حضرت لوط علیہ السلام کہنے لگے کہ کاش مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں اس قوم کا خود مقابلہ کرسکتا یا پھر کوئی جماعت اور گروہ ہوتا جو مجھے ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دلادے۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی یہ پریشانی دیکھ کر بات کھول دی اور کہا کہ گھبرایئے مت، ہم اللہ ربّ العزّت کے فرشتے ہیں، ان کے قابو میں آنے والے نہیں، ان پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں، اس لیے آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری حصہ میں یہاں سے نکل جایئے، لیکن آپ کی بیوی چونکہ کافروں کی ہمدرد اور ان سے تعلق رکھنے والی ہے، اس لیے وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی، اور سب اہل ایمان کو یہ ہدایت کردیجیے کہ ان میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، صبح ہوتے ہی ان پر عذاب آجائے گا، حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اور بھی جلد عذاب آئے، اس پر فرشتوں نے کہا کہ صبح بھی تو قریب ہی ہے، بس ہوا چاہتی ہے۔

جب صبح ہوئی تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر ان کے تمام شہروں کے نیچے لے جا کر سب کو اوپر اٹھالیا، اور اتنا اوپر اٹھایا کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں اور جانوروں کی آوازیں سنیں، اس کے بعد ان سب کو اوندھا کر کے پلٹ دیا گیا، اور اوپر سے پتھروں کی بارش کردی گئی، ہر پتھر پر اس شخص کا نام درج تھا جس کو وہ پتھر لگنا تھا، یوں وہ پوری قوم ہلاک ہوگئی۔ اس قوم پر عذابوں کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ
وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ
اَنْ نَّفْعَلَ فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ
مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ
يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا

لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ
عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا
جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا گیا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کو اہلِ مدین کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، اہل مدین میں کفر اور شرک کے علاوہ ایک بڑا عیب اور گناہ ناپ تول میں کمی کرنے کا بھی تھا۔

خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کی پُرسوز تقریر

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ سمجھو، اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، بلکہ انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ فائدہ ہی ہے کیونکہ ناپ تول پورا کرنے سے تمہارے کاروبار میں برکت ہوگی، لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی اور اپنی اسی روش پر ڈٹے رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کا عذاب تم پہ نہ آن پڑے۔ یہ عذاب آخرت میں بھی ہوسکتا ہے اور دنیا میں بھی، دنیا کے عذاب سے مراد خوشحالی کا ختم ہوجانا، قحط میں مبتلا ہوجانا اور مہنگائی کا آجانا وغیرہ ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قحط اور روزگار کی تنگی اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۹)

حضرت شعیب علیہ السلام کی اس پرخلوص وعظ ونصیحت کو سن کر قوم نے وہی جواب دیا جو جاہل قومیں اپنے انبیاء اور پیغمبروں اور مصلحین کو دیا کرتی ہیں، یعنی انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑایا، اور کہنے لگے کہ کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں، کیا ہم اپنے مال بھی آپ کی مرضی کے مطابق خرچ کیا کریں، اور کیا ہم اپنے معاملات بھی آپ سے پوچھ پوچھ کر کیا کریں کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ آپ اپنے آپ کو بہت نیک اور عبادت گزار سمجھتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا دوبارہ خطاب

حضرت شعیب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم مجھے اللہ رَبّ العزّت نے میری بات کے حق ہونے پر واضح دلیل دی ہے، اور بہترین رزق بھی عطا فرمایا ہے، یعنی ظاہری رزق جس پر معاش کا مدار ہے اور باطنی فہم وفراست بھی عطا

فرمائی ہے، اس لیے میں تمہاری طرح گمراہی اور ظلم کو اختیار نہیں کر سکتا، اور میرا عمل تمہارے سامنے ہے، میں جس چیز سے تمہیں روکتا اور منع کرتا ہوں، خود بھی اس سے باز رہتا ہوں، میرا عمل میرے قول کے خلاف نہیں ہے، اور اس ساری وعظ و نصیحت سے میرا مقصد صرف اصلاح کرنا ہے، میں جو بھی کرتا ہوں اللہ رَبُّ العزّت کی توفیق سے کرتا ہوں ورنہ میرے بس میں کچھ نہیں تھا، میرا اللہ رَبُّ العزّت کی ذات پر بھروسہ ہے، میں ہر کام میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم ذرا سوچ لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے تم پر کوئی ایسا عذاب آن پڑے جیسا تم سے پہلے قوم نوح، قوم عاد یا قوم ثمود پر آچکا ہے، اور لوط علیہ السلام کی قوم کا عبرتناک انجام تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں، ان سب سے عبرت حاصل کرو اور اپنی ضد وعناد سے باز آجاؤ۔

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب

یہ سب سن کر قوم مزید اشتعال میں آ گئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ کے خاندان کی حمایت آپ کو حاصل نہ ہوتی تو ہم آپ کو سنگسار کر دیتے، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ تمہیں میرے خاندان کا تو خوف ہے مگر اللہ رَبُّ العزّت کا کوئی خوف نہیں، حالانکہ اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ بہرحال اگر تم اپنی ضد اور عناد سے باز نہیں آتے تو عنقریب تم پر اللہ رَبُّ العزّت کی جانب سے سخت عذاب آئے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ رَبُّ العزّت کے حکم سے حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل ایمان بستی سے نکل کر چلے گئے، کُفّار پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری، جس کی سخت ہیبت ناک آواز سے سارے ہلاک ہوگئے، اور یوں ان کو بھی نشان عبرت بنا دیا گیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ
بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً
وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا
ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ
اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنی واضح نشانیاں یعنی معجزات اور تورات دے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے گئے، اسے تبلیغ کی اور ظلم وستم کرنے سے باز آنے کی تلقین کی، لیکن اس نے آپ کی بات نہ مانی اور اس کی قوم بھی اسی کی پیروی کرتی رہی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر اللہ رَبُّ العزّت نے اسے اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر کے ہلاک کر دیا، اور ان کے

اخروی انجام کو بیان کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کل قیامت کو فرعون اپنی قوم کے آگے آگے چل رہا ہوگا، پھر ان سب کو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا، اور یوں دنیا اور آخرت میں لعنت اور اللہ کی رحمت سے دوری ان پر مسلط کر دی جائے گی۔

اِثباتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ یہ سب قصے غیب کی باتیں ہیں جنہیں ہم نے آپ سے بیان کیا، یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ اس وقت موجود نہیں تھے جب یہ قومیں ہلاک ہوئیں اور آپ پڑھے لکھے بھی نہیں تھے کہ کہیں سے مطالعہ کر کے ان باتوں کا علم حاصل کر لیا ہو، اس کے باوجود آپ کا ان سب واقعات کو بالکل درست اور ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو ان واقعات کی خبر اور اطلاع اللہ ربّ العزّت نے دی ہے۔

نوٹ:- انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں وحی فرماتے ہیں، ان کے لیے "اَنباء الغیب" ثابت ہے، لیکن وہ "غیب دان" یا "عالم الغیب" نہیں ہوتے، قرآنِ کریم نے پہلی بات کو ثابت کیا اور آگے غیب دان ہونے کی نفی کی۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اللہ ربّ العزّت کی خاص ہدایات اور سورت کا مقصد

مختلف انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کا مفصل تذکرہ کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو چند خاص ہدایات فرمائی ہیں، جن میں سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ آپ اور آپ کے متبعین اہلِ ایمان دین کے راستے پر اسی طرح مستقیم اور قائم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کیجیے، کیونکہ وہ تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہے، اور نہ ہی ظالموں کی طرف میلان اختیار کیجیے۔

اِستقامت کیا ہے؟

اس پہلی ہدایت میں اللہ ربّ العزّت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا ہے، استقامت بظاہر ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن درحقیقت یہ ایک بہت وسیع مفہوم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے تمام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسبِ معاش اور اس کی آمد و خرچ کے تمام مصارف میں اللہ ربّ العزّت کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے، ان میں سے کسی بھی

چیز میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔غرض استقامت ایک ایسا لفظ ہے جو دین کے تمام اجزاء وارکان اوران پر صحیح عمل کو شامل ہے۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا (سنن ترمذی:۳۲۹۷)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ ہود کی یہی آیت جس میں استقامت کا حکم ہے، آپ کے بڑھاپے اور ریش مبارک کے بالوں میں سفیدی اتر آنے کا سبب ہے۔(معارف القرآن)

کُفّار سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟

دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ ظالموں یعنی کُفّار ومشرکین کی جانب ذرا بھی میلان نہ رکھو، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ان کے ساتھ تمہیں بھی جہنم کی آگ لگ جائے۔اس جھکاؤ اور میلان سے کیا مراد ہے؟ اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کافروں سے دوستی نہ رکھو اور ان کا کہنا نہ مانو، بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ظالموں کے اعمال اور افعال کو پسند نہ کرو، بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کُفّار کے بُرے اعمال پر سکوت یا رضامندی کا اظہار نہ کرو، بعض کے نزدیک ان کی صحبت میں بیٹھنے سے منع کرنا مراد ہے، ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں، یہ سب مراد ہو سکتے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ کُفّار اور اہل معصیت وبدعت کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے، بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑ جائے۔(معارف القرآن)

اسی کے ساتھ حد سے تجاوز نہ کرنے کا حکم ہے، جو مجموعی طور پر تیسری ہدایت ہے، یہ دوسری اور تیسری ہدایت یعنی ''لا تطغوا'' اور ''لا ترکنوا'' اعتدال کا درس دے رہی ہیں، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''سبحان الذی جعل اعتدال الدین بین الآیتین وھی: لا تطغوا و: لا ترکنوا'' یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے دو آیات میں دین میں اعتدال کو بیان فرمادیا، وہ دو آیات یہی ہیں۔

نماز اور صبر کی تلقین

چوتھی ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری اُمت کو نماز قائم کرنے کی کی گئی ہے، اس سے مراد فرض نمازیں ہیں، اور اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کو تمام آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ ربّ العزّت آپ کے گناہوں کو مٹادے گا، کیونکہ باری تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ نیک کاموں کی برکت سے گناہوں اور بُرے کاموں کو مٹادیتے ہیں۔اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کرنا شرط اور ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ'' کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان

دوسرے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں جو ان کے درمیان صادر ہوں، بشرطیکہ یہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچا رہا ہو۔ (صحیح مسلم:۱/۲۰۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہوجائے تو اس کے بعد کوئی نیک کام کرو تاکہ وہ اس کو مٹا دے۔ (سنن ترمذی:۱۹۸۷)

پانچویں ہدایت صبر کرنے سے متعلق ہے کہ آپ صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ رہیے، دین کی اشاعت وتبلیغ میں پہنچنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو برداشت کیجیے اور اپنے کام میں لگے رہیے، اپنے نفس کو بھی قابو میں رکھیے، نیکی کے کام کرتے رہیے اور برائی سے خود سے بچایئے، انجام کار بھلائی آپ کو ملے گی، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات، حقانیت قرآن اور اپنی توحید کے مضمون کو ذکر فرمایا، اور اس ضمن میں اپنی قدرت اور اپنے علم کے کمال کو بھی بیان فرمایا۔

۲۔سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کو قرآن کے معارضہ اور مقابلہ کا چیلنج دیا گیا ہے۔

۳۔سورت میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے تفصیلی واقعات اور قصص ذکر کیے گئے ہیں، تاکہ ان میں غور وفکر کرکے حق کو قبول کرنے کی ہمت پیدا ہوسکے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو تسلی اور پیغامِ استقامت مل سکے۔

۴۔سورت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پوری اُمت کو چند خاص ہدایات دی گئی ہیں۔

۵۔سورت کے آخر میں کفار کو ان کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

تمت سورۃ ھود بعون اللہ سبحانہ وتعالی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ یُوْسُف

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے بارہ جبکہ نزول کے اعتبار سے ترپن (۵۳) نمبر پر ہے، بارہ رُکوع اور ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات پر مشتمل ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی واحد سورت ہے جو ایک طویل قصہ پر مشتمل ہے، سیّدنا یوسف علیہ السلام کا ابتدا سے انتہا تک مکمل قصہ اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قصہ کو اللہ ربّ العزّت نے ''احسن القصص'' قرار دیا ہے۔ اس قصے میں زندگی کے مختلف طبقات کے لیے رہنمائی موجود ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے ذِکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ یوسف رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں مختلف انبیاءِ کرام علیہم السلام کے قصے اور واقعات ذِکر کیے گئے تھے، اس سورت میں ''احسن القصص'' (سب سے اچھا قصہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے) بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ نزول کے اعتبار سے سورۂ یوسف، سورۂ ہود کے بعد نازل ہوئی، اس لیے قرآنی ترتیب میں بھی اسے سورۂ ہود کے بعد ذِکر کیا گیا۔

۳۔ گزشتہ سورت بھی ایک نبی کے نام پر تھی، یہ سورت بھی ایک نبی کے نام پر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''صبر کا انجام'' بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو ثابت کرنا۔

۲-حسد کا انجام۔

۳-عفت اور پاک دامنی کا صلہ۔

۴-جھوٹ کا انجام۔

۵-خوابوں کی تعبیر کا علم اللہ ربّ العزّت کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں۔

۶-علم کی فضیلت۔

۷-نا اُمیدی اور اللہ ربّ العزّت کی رحمت سے مایوسی کی مذمّت۔

۸-مشکلات اور مصائب ہمیشہ سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اہلِ حق پر آتی رہی ہیں۔

۹-معاف کر دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، نیز یہ کہ معاف کر دینا صلحاء کا طریقہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے انسان واقف نہیں ہوتا، انسانی سوچ وفکر قدرت کے فیصلوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے، اس قصہ میں ہر حصہ کا ظاہر اس کے باطن سے سراسر جدا اور مختلف ہے، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹے سے محبت کا ظاہر خوبصورت جبکہ باطن بھائیوں کی عداوت اور کنویں میں پھینکنا ہے، بھائیوں کے حسد کا ظاہر بہت بُرا لیکن باطن اور نتیجہ عزیزِ مصر کے خوشحال گھرانہ میں پہنچ جانا ہے جو بہت ہی عمدہ ہے، عزیزِ مصر کے گھرانے میں پہنچنے کا نتیجہ جیل جانا ہے، اور جیل کا نتیجہ عزیزِ مصر اور پھر مصر کا بادشاہ بن جانا ہے۔ اس قصے سے درس ملتا ہے کہ جیسے بھی حالات آجائیں آدمی کو صبر کرنا چاہیے، اللہ کی تدبیر خطروں سے اوجھل ہوتی ہے جو بُرے سے بُرے حالات کا اچھا نتیجہ ہوتی ہے، انسانی زندگی میں اچھے حالات بھی آتے ہیں اور بُرے بھی، بُرے حالات پر صبر کیا جائے اور اچھے حالات پر شکر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ
الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۳ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ
يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ
عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ
وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

شانِ نزول

ایک مرتبہ یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کے لیے آپ سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں بتایئے کہ آلِ یعقوب ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا، ان کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے یہ پورا قصہ نازل فرما دیا۔ (معارف القرآن)

واقعے کا آغاز

سورت کے آغاز میں ہی اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم آپ کے لیے سب سے اچھا اور بہترین قصہ بیان کرتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔

قصہ کا آغاز حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک خواب سے ہوتا ہے جو انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا، اور اس خواب کا تذکرہ انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی کیا، انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کررہے ہیں، ان گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی، اور سورج اور چاند سے مراد ان کے ماں باپ تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کا یہ خواب سنا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ بیٹا! تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، ایسا نہ ہو کہ وہ یہ خواب سن کر حسد کی وجہ سے تمہیں ہلاک کرنے کی کوئی منصوبہ بندی نہ کرلیں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ دنیا کے جاہ و مال کی خاطر انسان کو ایسے کاموں میں مبتلا کردیتا ہے۔

خواب کی حقیقت اور اَقسام

خواب دراصل نیند کے وقت انسان کی قوت خیال کے ذریعہ نظر آنے والی صورتوں کا نام ہے، اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔نفسانی خواب

کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں انسان جو صورتیں وغیرہ دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں نظر آجاتی ہیں۔

۲۔شیطانی خواب

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات خوش کرنے یا ڈرانے کے لیے اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔

۳۔رحمانی خواب

جبکہ کبھی اللہ رَبّ العزّت اپنے بندہ کو خواب میں کسی بات پر متنبہ کرنے کے لیے یا خوشخبری دینے کے لیے کچھ چیزیں دکھادیتے ہیں، ان میں سے پہلی دو صورتیں بالکل باطل ہیں، ان کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور ان کی کوئی تعبیر ہوسکتی ہے، جبکہ تیسری قسم صحیح اور حق ہے، اور وہ اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے ایک طرح کا الہام ہے جو باری تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے کسی شخص کو عطا فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن)

انبیاء علیہم السلام کے خواب ایسے ہی ہوتے ہیں، اس لیے ان کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے احتمال رہتے ہیں، اس لیے وہ کسی کے لیے حجت اور دلیل نہیں ہوتے۔ البتہ سچے خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے جس سے رہنمائی مقصود ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر پروردگارِ عالم کے اِنعامات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے کچھ انعامات کا وعدہ فرمایا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱-پہلا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے انعامات واحسانات کے لیے منتخب فرمالیں گے، اس وعدہ کی تکمیل مصر میں حکومت اور عزّت ودولت ملنے پر ہوئی۔

۲-دوسرا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھادیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ خوابوں کی تعبیر ایک مستقل فن ہے جو اللہ ربّ العزّت کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں، ہر شخص اس کا اہل نہیں۔

۳-تیسرا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری فرمادیں گے جیسا کہ آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر فرمائی، اس سے مراد یہ کہ اللہ ربّ العزّت آپ کو نبوّت عطا فرمائیں گے، جیسا کہ آپ کے باپ دادا کو عطا فرمائی۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ۝ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

قصۂ یوسف علیہ السلام کا پہلا جزء

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا باقاعدہ آغاز فرمایا ہے، اور اس سے پہلے اس بات پر متنبہ فرمادیا کہ اس قصہ کو محض ایک قصہ نہ سمجھیں، بلکہ اس میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے، ان میں سے دس بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے تھے جن کا نام "لیا بنت لیان" تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا، ان کے بطن سے دو بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی صرف بنیامین تھے، جبکہ باقی دس بھائی باپ شریک تھے۔ (معارف القرآن)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتے ہیں، اور انہیں اتنا پیار دیتے ہیں جو ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں دیتے، اس لیے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد ہوا، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کے بھائی بنیامین سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں، گھر کا کام کاج سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہمارے والد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے تھا، مگر انہوں نے ناانصافی کی ہے، لہٰذا اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا کسی ایسی دور دراز جگہ پھینک آؤ جہاں سے وہ واپس نہ آسکے۔ یہ مشورہ چل رہا تھا کہ ان میں سے سب سے بڑے بھائی (جس کا نام یہودا تھا) نے رائے دی کہ یوسف کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو کسی ایسے کنویں میں ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے اور جب کوئی مسافروں کا قافلہ اس کنویں پر آئے تو وہ اس کو اٹھا کر لے جائیں، اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا۔ سب بھائیوں کو یہ رائے پسند آئی اور انہوں نے اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ وہ سب بھائی اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور آکر عرض کی کہ اَبّا جان! کیا بات ہے کہ آپ کو یوسف کے بارے میں، ہم پر اطمینان اور اعتبار نہیں ہے، حالانکہ ہم اس کے پورے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں، آپ کل اس کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بھیج دیں تاکہ وہ بھی تفریح کر سکے، ہم اس کی دل و جان سے حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی اس درخواست پر فرمایا کہ میں دو وجوہات کی بنا پر اسے تمہارے ساتھ بھیجنا پسند نہیں کرتا، ایک تو یہ کہ میں اس کی جدائی میں غمگین ہوتا ہوں، اور دوسرا یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگل میں تم اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ بھائیوں نے ان کا یہ جواب سن کر عرض کیا کہ ابا جان! ہم دس لوگوں کی جماعت اس کی حفاظت کے لیے موجود ہے، اگر ہم سب کے ہوتے ہوئے اس کو بھیڑیا کھا جائے تو یہ ہمارے نکمے ہونے کی دلیل ہوگی، اور پھر ہم سے کسی کام کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ بہرحال حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں بادلِ نخواستہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی، مگر اس سے پہلے ان سے باقاعدہ وعدہ اور عہد لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے، بھائیوں نے ان سے یہ عہد و پیمان کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے۔

یہاں سے نکل کر یہ سب بھائی جنگل میں گئے، اور سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیں گے، چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ڈول میں بٹھایا اور کنویں میں لٹکا دیا، جب کنویں کے نصف تک پہنچے تو اس کی رسی کاٹ دی، اللہ ربّ العزّت نے اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے آپ کو بحفاظت کنویں کی تہہ تک پہنچا دیا، جہاں ایک چٹان رکھی ہوئی تھی، آپ علیہ السلام اس پر تشریف فرما ہو گئے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی بھیجی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے خوشخبری سنائی کہ ہم آپ کو یہاں سے نجات دیں گے اور ایک دن آئے گا جب یہ بھائی تمہارے سامنے پیش ہوں گے اور آپ انہیں ان کے کرتوتوں پر تنبیہ فرمائیں گے۔

بھائیوں کا مکر اور والد کی خدمت میں حاضری

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر شام کے وقت سب بھائی گھر لوٹے اور روتے روتے اپنے والد کے پاس پہنچے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا؟ یوسف کہاں ہے؟ تو ان بھائیوں نے کہا کہ ہم نے آپس میں دوڑ لگائی تھی اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا، اسی دوران اس کو بھیڑیا کھا گیا، اور ہم اگرچہ سچے ہیں لیکن ہمیں علم ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گے، اس لیے ہم ثبوت کے طور پر یوسف کا کرتہ لائے ہیں، اسے دیکھ لیجیے، اس پر اس کا خون بھی لگا ہوا ہے، مگر اللہ ربّ العزّت کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کرتے پر جانور کا خون لگانے کے ساتھ اس کو پھاڑنا بھول گئے، جس سے ان کا جھوٹ ظاہر ہو گیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ صحیح سالم دیکھ کر فرمایا کہ یہ بھیڑیا کیسا عقل مند تھا جس نے یوسف کو اس طرح کھایا کہ کرتہ کہیں سے نہیں پھٹا، مجھے علم ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، بلکہ تم نے اپنی طرف سے یہ کہانی گھڑی ہے، اب میرے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اللہ ربّ العزّت ہی میری مدد کرنے والا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے کیسے باہر آئے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں تین دن گزر گئے، بعض حضرات کے نزدیک ان کا بھائی یہودا دوسرے بھائیوں سے چھپ چھپ کر روزانہ ان کے لیے کھانا پانی لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا تھا، بہر حال جب تین دن گزر گئے تو ایک قافلہ جو ملک شام سے مصر جا رہا تھا، راستہ بھول کر اس غیر آباد علاقہ اور جنگل میں پہنچ گیا، جنگل میں پہنچ کر انہوں نے پانی لانے والے شخص کو کنویں کی تلاش میں بھیجا، وہ شخص چلتے چلتے اس کنویں کی جانب آ نکلا، کنویں پر پہنچ کر اس نے ڈول لٹکایا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کی رسی پکڑ لی، اس شخص نے جب ڈول اوپر کھینچا تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے حسین وجمیل اور کم سن بچے کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا: "یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ" ارے خوشخبری سنو! یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا

ہے، اور آپ کو لے کر قافلہ میں چلا آیا، دوسری طرف جب یہودا کھانا لے کر کنویں پہنچا اور آپ کو وہاں نہ پایا تو واپس جا کر بھائیوں کو اطلاع دی، سب بھائی جمع ہو کر وہاں پہنچے، تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام قافلہ والوں کے پاس ہیں۔

اَرزاں بکے یوسفؑ!

برادران یوسف ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے، بھاگ کر یہاں آیا ہے، قافلہ والوں نے جب یہ سنا تو ڈر گئے کہ ہم پر چوری کی تہمت لگ جائے گی، اس لیے انہوں نے بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے کی بات چیت کی، بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے نہایت ہی کم قیمت پر آپ کو بیچ ڈالا، کیونکہ ان کا اصل مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کو والد سے جدا کرنا تھا، مال کمانا نہیں، اس لیے تھوڑے سے دراہم میں معاملہ کر لیا۔ بعض مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ بیس درہم کے بدلہ میں سودا ہوا اور ہر بھائی نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لیے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا
لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا
عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ
قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ
قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ
كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر آمد

قافلے والے حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر مصر آ گئے، اور وہاں لے جا کر بازار میں ان کو فروخت کرنے کا اعلان کر دیا، لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کر دیں، یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر سونا اور اسی کی برابر مشک اور ریشمی قیمتی کپڑے بطور قیمت طے ہوئے۔ لیکن اللہ ربّ العزّت نے یہ دولت عزیز مصر کے مقدر میں رکھی تھی، اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

عزیز مصر کون تھا؟

مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شخص جس نے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا، وہ مصر کا وزیر خزانہ تھا، جس

کا نام قطفیر یا اطفیر تھا، اور عزیز مصر کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا تھا، جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تو آپ کو گھر لے گیا، اور گھر لے جا کر اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ آپ کو اچھا ٹھکانا دے، عام غلاموں کی طرح نہ رکھے اور آپ کی ضروریات کا خوب خیال رکھے۔ شاید ہمیں اس بچہ سے کوئی نفع پہنچے یا شاید ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ اس طرح اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو ٹھکانا عطا فرمایا۔

اِقتدار کی اَمانت کی سپردگی کے لیے پہلی شرط کا اِمتحان

چونکہ مستقبل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار و منصب دیا جانا تھا، اور کسی کو منصب دینے کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں: ۱-دیانت　　۲-اہلیت

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دیانت ظاہر کرنے کے لیے یوں امتحان لیا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچے تو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں علم وحکمت اور نبوّت عطا فرمادی، اسی عرصہ میں آپ علیہ السلام پر ایک کڑی آزمائش آئی جس میں اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو سرخرو فرمایا۔ ہوا یوں کہ آپ علیہ السلام جس گھر میں رہتے تھے یعنی عزیز مصر کے گھر میں، اس کی مالکن اور عزیز مصر کی بیوی آپ پر فدا ہوگئی، اور آپ سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے آپ کو بہلانے پھسلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کر دیے اور انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے اللہ رَبّ العزّت کو یاد کیا اور اس سے پناہ مانگی، اس کے بعد حکمت کے ساتھ خود زلیخا کو نصیحت کی کہ وہ بھی خدا سے ڈرے اور اپنے ارادے سے باز آجائے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے شوہر عزیز مصر نے میری پرورش کی اور مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، وہ میرا محسن ہے، اگر میں اس کے حرم پر دست اندازی کروں تو یہ بڑا ظلم ہے اور ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے، اور آپ نے اسے یہ سبق دیا کہ جب میں تمہارے شوہر کی چند روزہ پرورش کا اتنا حق پہچانتا ہوں تو تمہیں مجھ سے زیادہ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس ایمان افروز نصیحت کے باوجود زلیخا اپنے عزم پر ڈٹی رہی اور مسلسل حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلانے پھسلانے میں مصروف رہی، اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی غیر اختیاری وسوسہ اور میلان پیدا ہونے لگا، لیکن اللہ رَبّ العزّت نے فوراً ہی اپنی برھان اور حجت آپ کے سامنے کردی، جس سے وہ غیر اختیاری خیال اور وسوسہ بھی دل سے نکل گیا۔

برھانِ رَبّ کیا چیز تھی؟

گزشتہ آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جب زلیخا مسلسل حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلا پھسلا کر گناہ کی طرف مائل کر رہی تھی، تو حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو غیر اختیاری وسوسہ اور خیال آیا تھا اس کو دور کرنے

کے لیے اللہ رب العزت نے فوراً اپنی برہان ان کے سامنے کردی، یہ برہان کیا چیز تھی، اس میں حضرات مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح ان کے سامنے کردی تھی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے ان کو متنبہ کررہے ہیں۔

۲۔بعض فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر چھت کی طرف گئی تو اس میں یہ آیت قرآن لکھی ہوئی تھی "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا" یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور (معاشرہ کے لیے) بہت بُرا راستہ ہے۔

۳۔بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زلیخا کے مکان میں ایک بُت تھا، اس نے اس بُت پر پردہ ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے، اس کے سامنے گناہ کی جرأت نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا معبود اس سے زیادہ حیا کا مستحق ہے، اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا۔

بہرحال بے غبار تفسیر یہ ہے کہ جتنی بات قرآنِ کریم نے بتائی ہے صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے، یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے ان کا وسوسہ جاتا رہا، اب وہ مندرجہ بالا چیزوں میں سے یا ان کے علاوہ کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے۔

زُلیخا کا بہتان اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں بچّے کی گواہی

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ برہانِ رَبّ دیکھا جس کا پیچھے ذکر ہوچکا تو آپ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور دروازے کی طرف دوڑے، عزیزِ مصر کی بیوی آپ کو پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی، تاکہ پیچھے سے آپ کا کُرتا پکڑ کر آپ کو باہر جانے سے روکا جائے، مگر آپ نہ رکے تو کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا، مگر حضرت یوسف علیہ السلام باہر نکل آئے، بعض تاریخی روایات میں ہے کہ دروازہ پر تالا لگا ہوا تھا، جب آپ دروازے کے قریب پہنچے تو تالا خود بخود کھل گیا۔ بہرحال جب یہ دونوں دروازے سے باہر آئے تو دیکھا کہ عزیزِ مصر سامنے کھڑے ہیں، ان کی بیوی ڈر گئی اور الزام اور تہمت سے بچنے کے لیے کہنے لگی کہ جو شخص آپ کی بیوی کے ساتھ بُرے کام کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا کوئی دوسری جسمانی سزا دی جائے، حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اسے یوں تہمت لگاتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہی ہے، یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لیے مجھے بہلا پھسلا رہی تھی، عزیزِ مصر کے لیے اس کا فیصلہ بہت دشوار تھا کہ ان میں سے کس کو سچا سمجھے اور کس کو جھوٹا، کوئی گواہ وغیرہ موقع پر موجود نہیں تھے، مگر اللہ رَبّ العزّت نے جس طرح آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا تھا، اسی طرح آپ کو رُسوائی سے بچانے کا بھی معجزانہ طور پر انتظام فرمادیا اور ایک چھوٹے بچے کو جو گھر میں گہوارہ کے اندر پڑا تھا، قوتِ گویائی عطا فرمائی، اس نے نہایت عاقلانہ انداز میں بات کی اور کہا کہ یوسف

علیہ السلام کے کُرتے کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زلیخا سچی، اور حضرت یوسف علیہ السلام جھوٹے ہو سکتے ہیں، اور اگر کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو اس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے اور زلیخا ان کو روکنا چاہتی تھی اور اسی کشمکش میں کُرتا پھٹ گیا، یہ بات چونکہ بالکل عام فہم اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی تھی، اس لیے اس پر عمل کیا گیا، جب کُرتے کو دیکھا گیا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا، تو عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا علم ہو گیا، چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ سب تمہارا ہی مکر و فریب ہے، جس میں تم نے ان کو پھنسانے کی کوشش کی ہے، تم اپنی غلطی کی معافی مانگو، اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس واقعہ کو نظر انداز کر دیں، اور کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کریں تاکہ رسوائی نہ ہو۔

یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار اور امانت کو واضح کر دیا، یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کردار کی کوئی خیانت نہیں کی، جو سب سے خطرناک خیانت ہوا کرتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے مبرا ہیں۔

گہوارے میں بولنے والے بچے

اللہ ربّ العزّت نے چار بچوں کو بچپن میں ہی بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔

۱- ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جنہوں نے اپنی والدہ کی پاک دامنی کی تصدیق فرمائی۔

۲- دوسرا بچہ بنی اسرائیل کا تھا، جس نے ایک بزرگ جن کا نام جریج تھا، ان پر لگی تہمت کے رَدّ میں اور اس بزرگ کی براءت کے لیے گواہی دی۔

۳- تیسری بچی فرعون کی بیٹی کے بال سنوارنے والی عورت کی تھی، ایک مرتبہ اس عورت کے ہاتھ سے کنگھی گری تو اس نے ”بسم اللہ“ پڑھ کر اٹھالی، فرعون کی بیٹی نے اپنے والد فرعون کو اطلاع کر دی، فرعون نے اس کو اور اس کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک ایک کر کے اس کے سب بچوں کو قتل کر دیا گیا، جب اس کو قتل کرنے کی باری آئی تو اس کی گود میں موجود شیر خوار بچے نے کہا کہ امّی جان! صبر کیجیے، آپ ہی حق پر ہیں۔

۴- اور چوتھا چھوٹا بچہ یہی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی۔ (مستدرک حاکم: ۳۸۳۵)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۡ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا

تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

شہر کی خواتین میں واقعے کا چرچا

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تو اس واقعہ کی تشہیر سے منع کر دیا تھا، لیکن کسی طرح دیگر وزراء کی خواتین تک یہ بات پہنچ گئی، تو انہوں نے زلیخا کو بہت ملامت کی اور کہنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے اور اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے اسے بہلاتی پھسلاتی ہے، یہ تو نہایت گری ہوئی حرکت ہے کہ غلام پر فدا ہو گئی۔ جب زلیخا تک ان کی یہ باتیں پہنچیں تو اس نے ایک تدبیر کی جس سے وہ ان عورتوں کی ملامت سے بچ سکے۔

اپنی مجبوری بتانے کے لیے زُلیخا کی تدبیر

زلیخا نے ان عورتوں کو کھانے کی ایک دعوت پر بلایا، اور ان کے لیے بہترین مسند اور تکیوں سے مجلس آراستہ کی، جب وہ آ گئیں تو ان کے سامنے مختلف قسم کے کھانے اور پھل پیش کیے جن میں سے بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں، اس لیے ہر ایک کو ایک ایک تیز چاقو بھی دے دیا، یہ سب کرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ذرا باہر آ جاؤ، حضرت یوسف علیہ السلام کو چونکہ اس کے اس مکر و فریب کا علم نہیں تھا، اس لیے باہر تشریف لے آئے، جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو آپ کی خوبصورتی اور حسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں، اور مدہوشی کے عالم میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے، اور بے ساختہ ان کی زبانوں سے نکلا کہ یہ شخص ہرگز انسان نہیں ہو سکتا، یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے، ایسا نورانی چہرہ کسی فرشتہ کا ہی ہو سکتا ہے۔

جب زلیخا نے انہیں اس طرح حیران ہوتے دیکھا تو کہنے لگی کہ دیکھ لو، یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھے برا بھلا کہتی تھیں، اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی، مگر یہ پاک صاف رہا اور آئندہ اگر یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو جیل جائے گا اور بے عزت بھی ہو گا۔ اس وقت باقی عورتوں نے بھی اس کی تائید کی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگیں کہ یہ عورت تمہاری محسن ہے اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ عورتیں بھی اس کی موافقت اور تائید کر رہی ہیں، تو اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ اے پروردگار! یہ عورتیں مجھے جس کام کی طرف دعوت دے رہی ہیں، اس سے مجھے جیل خانہ زیادہ محبوب ہے، اگر آپ ہی ان کے مکر کو مجھ سے دور نہ کریں تو ممکن ہے کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں، اللہ ربّ العزّت نے آپ کی دُعا قبول فرمالی اور ان عورتوں کے مکر و فریب اور داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا، اور

ہوا یوں کہ عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور تقویٰ وطہارت اور آپ کی پاکدامنی کا یقین تھا، لیکن چونکہ شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے سوچا کہ آپ کو کچھ عرصہ کے لیے جیل میں بند کر دیا جائے، تا کہ لوگوں کی زبانوں سے اس کا یہ چرچا ختم ہو جائے، چنانچہ انہوں نے آپ کو جیل خانہ بھیج دیا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝

قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید ہو کر جیل بھیجے گئے تو آپ کے ساتھ دو مجرم قیدی اور بھی داخل ہوئے، ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی (شراب پلانے والا) تھا اور دوسرا باورچی، ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے وغیرہ میں زہر دینے کی کوشش کی تھی، مقدمہ زیر تحقیق تھا، اس لیے دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں اپنے پیغمبرانہ اخلاق اور رحمت وشفقت کی وجہ سے سب قیدیوں کی خبر گیری کرتے تھے، جو بیمار ہوتا اس کی عیادت کرتے، جس کو غمگین یا پریشان دیکھتے اس کو تسلی دیتے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام دینے کی فکر کرتے اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، ان کے یہ احوال دیکھ کر جیل کے سب قیدی آپ کی بزرگی کے معتقد ہو گئے، جیل کا افسر بھی متاثر ہوا، اس نے کہا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں آپ کو چھوڑ دیتا، اب اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

یہ دو قیدی جو آپ کے ساتھ جیل گئے تھے، ایک روز انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ہمیں نیک اور صالح بزرگ معلوم ہوتے ہیں، اس لیے آپ سے ہم اپنے خواب کی تعبیر پوچھنا چاہتے ہیں، ساقی نے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں انگور سے شراب نکال رہا ہوں اور باورچی نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا کوئی ٹوکرا ہے، اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، آپ ہمیں ان دونوں خوابوں کی تعبیر بتلا دیجیے۔

قیدیوں کو وعظ و نصیحت اور تبلیغ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے تبلیغ اور دعوت دین کا فریضہ سرانجام دیا اور ان کے دلوں میں اپنا مزید اعتماد پیدا کرنے کے لیے اپنے ایک معجزہ کا ذکر فرمایا کہ تمہارے لیے جو کھانا تمہارے گھروں سے یا کسی دوسری جگہ سے آتا ہے، اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کتنا اور کس وقت آئے گا، اور وہ ٹھیک اسی طرح نکلتا ہے، اور یہ مجھے میرا رب بذریعہ وحی بتاتا ہے، یہ کہانت اور نجوم کی طرح کوئی شعبدہ بازی نہیں ہے، اس لیے یقین کر لو کہ میں اللہ ربّ العزّت کا نبی ہوں، اس کے بعد کُفر اور کافروں سے اپنی براءت کا اعلان فرمایا کہ میں ان لوگوں سے بری اور بیزار ہوں جو اللہ ربّ العزّت پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں انبیاء علیہم السلام کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میرے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں، ہمارے لیے کسی طرح یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو خدائی صفات میں شریک سمجھیں، پھر ان قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ انسان بہت سے خداؤں کا ماننے والا ہو، یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف ایک اللہ ربّ العزّت کا بندہ بنے، جس کا قہر اور قوت سب پر غالب ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن بتوں کی تم اور تمہارے آباؤ اجداد عبادت کرتے چلے آرہے ہو یہ تو صرف نام کے خدا ہیں، جو تم نے خود گھڑ لیے ہیں، نہ ان کے اندر خود کوئی ایسی قابلیت ہے جن کی بدولت انہیں عبادت کے قابل سمجھا جائے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کا حکم دیا ہے، بلکہ اس نے تو یہی حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کے سوا کسی کے پاس حکومت کا حق نہیں، یہی سیدھا اور سچا دین ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

ملزموں کے خوابوں کی تعبیر

اس وعظ و نصیحت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ تم میں سے ایک (ساقی) تو رہا ہو جائے گا اور پھر اپنی ملازمت پر برقرار رہ کر بادشاہ کو شراب پلائے گا، اور دوسرے (باورچی) پر جرم ثابت ہو کر اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں متعین کر کے نہیں بتایا تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جو تمہارے خوابوں کی تعبیر میں نے بتائی ہے یہ محض اٹکل اور تخمینہ سے نہیں بلکہ یہ خدائی فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے جب انہیں یہ خوابوں کی تعبیر بتائی تو دونوں نے کہا کہ ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا، محض بات بنائی تھی، اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے خواب دیکھا یا نہیں، اب ہوگا یوں ہی جیسا میں نے بتایا ہے، مقصد یہ ہے کہ جھوٹا خواب بنانے کے گناہ کا جو ارتکاب تم نے کیا تھا اب اس کی سزا وہی ہے جو تعبیر خواب میں بیان ہوئی۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ رہا ہوگا، فرمایا کہ جب تم آزاد ہو کر جیل سے باہر جاؤ اور شاہی دربار میں رسائی ہو تو اپنے بادشاہ سے میرا بھی ذکر کر دینا کہ وہ بے گناہ قید میں

پڑا ہوا ہے، مگر اس شخص کو آزاد ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات یاد نہ رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آزادی کو مزید دیر لگ گئی، اور اس واقعہ کے بعد چند سال مزید قید میں رہے، بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آپ سات سال تک مزید قید میں رہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا
الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ
بِعٰلِمِیْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ یُوْسُفُ اَیُّهَا
الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ
اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا
قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝
ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۝

بادشاہِ مصر کا خواب، حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر اور اِقتدار کی دوسری شرط کی تکمیل

حضرت یوسف علیہ السلام ابھی جیل میں ہی تھے کہ ایک رات مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بہت پریشان ہوگیا، خواب یہ تھا کہ سات تندرست اور موٹے بیل ہیں جن کو دوسرے سات کمزور اور لاغر بیل کھا رہے ہیں، اسی طرح سات خوشے گندم کے سرسبز ہرے بھرے ہیں اور سات خشک ہیں، اس نے اپنی مملکت کے تعبیر کا علم رکھنے والے حضرات اور کاہنوں کا جمع کر کے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی، وہ خواب کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا، سب نے یہ جواب دے دیا کہ یہ خواب صرف پریشان کن خیالات کا مجموعہ ہے، ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے، کوئی صحیح خواب ہوتا تو ہم تعبیر بیان کردیتے، اس واقعہ کو دیکھ کر اس رہا شدہ قیدی کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی وہ بات یاد آگئی، اور اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں آپ کو اس خواب کی تعبیر پوچھ کر بتا سکتا ہوں، پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کمالات، اور خواب کی تعبیر بتانے میں مہارت اور مظلوم ہو کر قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کیا، اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی اجازت دی جائے، بادشاہ نے اس کا انتظام کردیا، وہ شخص حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی حاضری کا مقصد بیان کر کے بادشاہ کا خواب آپ کو سنایا، اور عرض کیا کہ اگر آپ اس خواب کی تعبیر بتادیں گے تو ممکن ہے کہ میں ان لوگوں کو جا کر یہ تعبیر بتاؤں اور اس طرح وہ آپ کے فضل وکمال سے واقف ہوجائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب سن کر اسے تعبیر بتادی کہ سات موٹے بیلوں اور سات ہرے بھرے خوشوں سے مراد خوشحالی کے سات سال ہیں، جن میں پیداوار حسبِ دستور خوب ہوگی، اور سات کمزور بیلوں اور سات خشک خوشوں

سے مراد یہ ہے کہ پہلے سات سال کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے، جس میں وہ سب غلہ وغیرہ جو ذخیرہ کر کے رکھا گیا ہوگا وہ خرچ ہو جائے گا۔

بادشاہ کے خواب میں تو صرف اتنا ہی تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہوں گے اور پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ قحط کے سال کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگا، اس کا علم اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرما دیا تھا، تا کہ ان لوگوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا فضل وکمال اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اس کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی بلکہ ایک ہمدردانہ اور حکیمانہ مشورہ بھی دیا، جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قابلیت اور اقتدار کی صلاحیت ظاہر ہوگئی، وہ یہ کہ پہلے سات سال میں جو زیادہ پیداوار ہو اس کو گندم کے خوشوں میں ہی رہنے دیا جائے، تا کہ گندم کو پرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے، کیونکہ تجربہ ہے کہ جب تک غلہ خوشہ میں ہو اسے کیڑا نہیں لگتا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور عفت و پاک دامنی کا اعلان

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قاصد کو خواب کی تعبیر بتا دی اور مستقبل کے لیے ایک تدبیر بھی ذکر فرما دی تو وہ شخص خوشی خوشی بادشاہ کے پاس لوٹا اور اسے خبر دی، بادشاہ نہ صرف اس تعبیر سے مطمئن ہو گیا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فضل وکمال کا معتقد ہو گیا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو فوراً جیل خانہ سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے، جس پر بادشاہ کا کوئی قاصد یہ پیغام لے کر جیل خانہ پہنچا، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب قاصد بادشاہ کا پیغام لے کر آپ کے پاس آتا تو آپ فوراً تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دیتے، کیونکہ ایک طویل عرصہ قید میں رہ کر انسان عاجز آجاتا ہے، لیکن اللہ ربّ العزّت اپنے رسولوں کو جو بلند مقام عطا فرماتے ہیں، اس کو دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے، اس لیے آپ علیہ السلام نے اس قاصد کو یہ جواب دیا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، کیا اس واقعہ میں وہ (بادشاہ) مجھے قصوروار سمجھتے ہیں یا نہیں؟ میرا پروردگار تو ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

جب قاصد آپ علیہ السلام کا پیغام لے کر بادشاہ کے پاس واپس آیا تو بادشاہ نے ان عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے اور عزیز مصر کی بیوی کو بلایا اور ان سے سوال کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ

ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی بُرائی نظر نہیں آئی، اس موقع پر عزیزِ مصر کی بیوی نے بھی اپنے جرم کا اقرار کرلیا اور کہنے لگی کہ اب تو حق بات واضح ہوگئی ہے، سو میں بھی یہ بات بتا دیتی ہوں کہ میں نے خود ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی، اور یقیناً وہ سچے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا فوری رہائی قبول نہ کرنے کی وجوہات

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس عمل اور رہائی میں تاخیر کرنے کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی یہ کہ عزیزِ مصر کو یقین ہوجائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ یہ جان لیں کہ اللہ ربّ العزّت خیانت کرنے والوں کے فریب اور مکر کو چلنے نہیں دیتے، اور فرمایا کہ ان تحقیقات کروانے سے میرا مقصد اپنا تقویٰ اور پاک بازی جتلانا نہیں تھا۔

پارہ نمبر ۱۳

یہ پارہ سورۂ یوسف کے بقیہ حصے، سورۂ رعد اور سورۂ ابراہیم پر مشتمل ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہی مل گئی

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید ارشاد فرمایا کہ انسان کا نفس تو ہر آن اسے گناہوں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے، میں اگر اس موقع پر گناہ سے بچ گیا تو یہ میرا کوئی ذاتی کمال نہیں، بلکہ اللہ ربّ العزّت کا فضل و کرم ہے۔ جب ساری تحقیقات مکمل ہوگئیں، اور سچ کھل کر سامنے آگیا اور زلیخا اور دوسری عورتوں نے سب کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لایا جائے، تاکہ میں ان کو اپنا مشیرِ خاص بنالوں، اس حکم کے مطابق آپ علیہ السلام کو اعزاز کے ساتھ جیل خانہ سے دربار میں لایا گیا، آپ علیہ السلام نے بادشاہ سے ملاقات فرمائی، باہمی گفتگو سے بادشاہ کو آپ کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ ہوگیا تو بادشاہ نے کہا کہ آپ آج سے ہمارے نزدیک بڑے معزز اور معتمدِ خاص ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے بادشاہ سے اس کے خواب کے متعلق گفتگو فرمائی اور آنے والے سالوں کے بارے میں انتظام و انصرام سے متعلق کئی مفید مشورے دیے، بادشاہ ان مشوروں سے بہت خوش ہوا مگر کہنے لگا کہ اس عظیم منصوبہ کا انتظام کون

کرے گا، اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے آپ ملک کے خزانوں پر نگران مقرر فرمادیں، کیونکہ میں ان کی حفاظت بھی بخوبی کرسکتا ہوں اور خرچ کرنے کے مواقع اور مقدار سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ آپ کو شاہی مہمان کے طور پر رکھا اور اس کے بعد وزارت خزانہ سمیت سارے امور مملکت آپ کے سپرد کردیے۔

حرام سے اِحتراز کی برکت سے حلال نصیب ہوا!

بعض مفسرین کرامؒ نے فرمایا کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو بادشاہِ مصر نے اس کی شادی حضرت یوسف علیہ السلام سے کرادی، یوں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دنیا میں عزت اور شان وشوکت کے ساتھ مملکت بھی عطا فرمائی اور آخرت کا اجر تو یقیناً اس سے بہتر ہوگا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ
بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ
عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ
رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا
مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ
عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ
رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۚ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۚ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ
بَعِيْرٍ ۚ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ
بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ
وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۚ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ
وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۚ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۚ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

برادرانِ یوسف کی حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضری

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہت مل گئی، تو آپ کے ابتدائی سات سالوں میں خوب بارشیں ہوئیں، پیداوار بہت زیادہ حاصل ہوئی، اور پورے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ رہا، اس کے بعد شدید قحط کا زمانہ شروع ہوگیا، جو سات سال تک جاری رہا، حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ پہلے ہی اس قحط اور اس کی مدت سے واقف تھے، اس لیے آپ نے پہلے سے ہی تمام پیداوار کو نہایت احتیاط سے ذخیرہ کرلیا اور مصر کی عوام کو ان کی ضروریات کے لیے کچھ مقدار دے دی، جب قحط شدید ہوگیا اور مصر کے اطراف میں دور دور تک کے علاقے اس قحط کی زد میں آگئے تو مصر کے اطراف اور دور ونزدیک

سے لوگ غلے کے حصول کے لیے مصر آنے لگے، آپ علیہ السلام نے اس وقت حکمت عملی سے غلّہ فروخت کرنا شروع کر دیا، اور ایک شخص کو ایک اُونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہیں دیتے تھے، اور یہ سارا کام اپنی نگرانی میں کراتے تھے۔

اس قحط سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا علاقہ کنعان اور آپ کا گھرانہ بھی متاثر ہوا، آپ کے خاندان نے جب یہ خبر سنی کہ مصر کا بادشاہ نیک اور صالح آدمی ہے اور وہ ہر ایک کو قیمتاً غلّہ دے دیتا ہے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے کہا کہ تم بھی جاؤ اور مصر سے غلّہ لے کر آؤ، چنانچہ ان کے سب صاحبزادگان سوائے بنیامین کے مصر روانہ ہوئے، جب مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ چونکہ اس وقت شاہی لباس میں تخت پر فروکش تھے، جبکہ بھائیوں نے آپ کو بچپن میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا تھا، اس لیے وہ آپ کو نہ پہچان سکے مگر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو فوراً پہچان گئے، اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ انہیں شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرائیں اور ضابطہ کے مطابق غلّہ دے دیں۔

آئندہ اکیلے نہ آیئے!

جب انہیں غلّہ دے دیا گیا اور انہوں نے واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اگلی بار جب آؤ تو اپنے سوتیلے باپ شریک بھائی کو بھی لے کر آنا، تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس طرح پورا پورا غلّہ دیتا ہوں اور کیسی مہمان نوازی کرتا ہوں، اور اگر تم اپنے اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میں تم میں سے کسی کو بھی غلّہ نہیں دوں گا، کیونکہ میں سمجھوں گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ اس کے بعد اپنے خدام کو خفیہ طور پر حکم دیا کہ انہوں نے غلّہ کی جو قیمت ادا کی تھی، وہ ان کے سامان میں چھپا کر رکھ دیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب یہ سب بھائی غلّہ لے کر گھر واپس آئے تو مصر کے معاملہ کا تذکرہ والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کرتے ہوئے عرض کیا کہ عزیزِ مصر نے آئندہ کے لیے ہمیں غلّہ دینے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر جائیں، بصورت دیگر ہمیں غلّہ نہیں ملے گا، اس لیے آپ اگلی دفعہ بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ ہمیں غلّہ مل سکے، ہم اس کی دل و جان سے حفاظت کریں گے اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسے ہی اطمینان کروں جیسے یوسف کے بارے میں کیا تھا، لیکن خیر یہ حقیقت ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی مشیت و ارادہ کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ باتیں چل رہی تھیں کہ اس دوران انہوں نے اپنا سامان کھولا اور دیکھا کہ ان کی وہ پونجی جو غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کی گئی تھی، وہ بھی سامان کے اندر موجود ہے، تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ ابا جان ہمیں ہماری پونجی بھی واپس کر دی گئی ہے، اس لیے ہمیں ضرور دوسری بار اپنے بھائی کو ساتھ لے کر جانا چاہیے تا کہ مزید غلّہ لا سکیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے، میں بنیامین کو تمہارے سامنے بھیجنے پر تیار ہوں لیکن پہلے تم مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم اور عہد و پیمان دو کہ تم اس کو ضرور

اپنے ساتھ واپس لاؤ گے، الا یہ کہ تم سب ہی گھیرے میں آ جاؤ تو الگ بات ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ انسان ظاہری طور پر جتنی قوت اور قدرت رکھتا ہو، پھر بھی وہ اللہ ربّ العزّت کے سامنے عاجز ہے۔ بیٹوں نے ان سے عہد و پیمان کر لیا اور اپنی حفاظت کی مکمل یقین دہانی کرا دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو بنیامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو نصیحت

جب دوسری مرتبہ برادرانِ یوسف غلے کے حصول کے لیے مصر روانہ ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں ایک خاص نصیحت فرمائی کہ اب تم گیارہ بھائی وہاں جا رہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ شہر کی حدود کے پاس پہنچ کر الگ الگ ہو جانا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اس نصیحت کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ سب نوجوان صحت مند، قد آور اور صاحب جمال و صاحب وجاہت تھے، ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ سب ایک ہی باپ کی اولاد تو کسی کی نظر بد لگ جائے جس سے ان کو تکلیف پہنچے یا کسی کو ان سے حسد ہو جائے اور وہ انہیں تکلیف پہنچائیں۔ اور اس نصیحت کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی بیان فرما دی کہ میں نے جو تمہیں نصیحت کی ہے یہ محض ایک تدبیر ہے، جو اللہ ربّ العزّت کی تقدیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لیے اس تدبیر کے باوجود اللہ ربّ العزّت کی ذات پر ہی بھروسہ اور اعتماد رکھنا چاہیے۔ سب بیٹوں نے ان کی نصیحت کو پلے سے باندھ لیا اور اس پر عمل کرتے ہوئے مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہوئے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ فَلَمَّا
جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۝ قَالُوْا
وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝
قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ۝ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ
كٰذِبِيْنَ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ
وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۝ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ
مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ۝
قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ
نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ۝

برادرانِ یوسف کی مصر میں دوسری مرتبہ چھوٹے بھائی کے ہمراہ آمد

حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ سارے بھائی جب دوسری مرتبہ مصر پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے، اور آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ وعدہ کے مطابق بنیامین کو ساتھ لائے ہیں، تو آپ نے اپنے حقیقی بھائی

بنیامین کوتو اپنے ساتھ ٹھہرایا، اور جب تنہائی کا موقع آیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی پر یہ راز فاش کر دیا اور بتا دیا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں، للہٰذا تم پریشان نہ ہو اور کوئی فکر نہ کرو۔

غلے کے حصول کے بعد واپسی اور "بنیامین" کا عجیب معاملہ

اس کے بعد آپ نے انہیں غلّہ دینے کا حکم فرمایا، جب ہر ایک کو ضابطہ کے مطابق غلّہ دے دیا گیا تو اس وقت بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لیے آپ علیہ السلام نے یہ حیلہ اور تدبیر اختیار کی کہ اس کے غلہ میں ایک شاہی برتن چھپا دیا گیا جو بہت قیمتی تھا اور خاص حیثیت رکھتا تھا۔ جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دیر بعد یہ منادی کروا دی گئی کہ بادشاہ کا فلاں برتن چوری ہو گیا ہے، بعض سپاہیوں کو قافلہ کے پیچھے دوڑایا گیا جنہوں نے انہیں قریب ہی روک لیا اور انہیں کہا کہ اے قافلے والو تم چور ہو، برادران یوسف علیہ السلام نے سپاہیوں سے پوچھا کہ ہم نے کیا چُرایا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کا ایک خاص برتن گم ہو گیا ہے، اور جو شخص اس کو کہیں سے برآمد کرے گا اس کو ایک اونٹ بھر غلّہ انعام میں ملے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں، برادران یوسف نے یہ سن کر جواب دیا کہ ہم نہ چور ہیں اور نہ فسادی، ہم یہاں کوئی فساد کرنے نہیں آئے تھے، اس لیے ہم پر چوری کا الزام بے بنیاد ہے، شاہی ملازمین نے کہا کہ اگر تمہارا جھوٹ ثابت ہو جائے تو بتاؤ چور کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ہم سے چوری شدہ مال برآمد ہو تو ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے مال سے وہ برآمد ہوا ہے وہ شخص اس شخص کا غلام بن کر رہے گا جس کا مال اس نے چرایا ہے۔ چنانچہ ان سپاہیوں نے ان کے سامان کی تلاشی شروع کر دی، اور اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی تاکہ ان کو شک نہ ہو جائے، اور آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا تو اس میں سے وہ برتن برآمد ہو گیا، اس وقت سب بھائیوں کی گردنیں شرم سے جھک گئیں اور انہوں نے بنیامین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اللہ رَبّ العزّت فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے اپنے بھائی کو روکنے کی تدبیر کی، کیونکہ مصر کے قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے، مصر کا قانون یہ تھا کہ چور کو مار پیٹ کی سزا دے کر اور چوری کردہ مال سے دوگنی قیمت وصول کر کے چھوڑ دیا جائے، اس لیے انہوں نے برادرانِ یوسف سے ان کا ہی قانون دریافت کر کے اس پر عمل کر لیا۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام پر اِلزام اور عاجزانہ درخواست

جب برادران یوسف کے سامنے بنیامین کے سامان سے چوری کا برتن برآمد ہوا تو وہ کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کر لی تو یہ کچھ زیادہ تعجب کی بات نہیں، اس کا ایک بھائی تھا اس نے بھی اسی طرح اس سے پہلے چوری کی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کے الزام میں درحقیقت ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن میں ان کی پرورش ان کی پھوپھی نے کی، جنہیں آپ سے بے حد محبت تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھیں، جب آپ علیہ السلام کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارادہ

ہوا کہ آپ کو اپنے ساتھ رکھیں، پھوپھی سے کہا تو انہوں نے عذر کیا، پھر زیادہ اصرار پر مجبور ہو کر یوسف علیہ السلام کو ان کے والد کے حوالے تو کر دیا مگر ایک تدبیر ان کو واپس لینے کی یہ کر دی کہ پھوپھی کے پاس ایک پٹکا تھا، جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف سے ان کو پہنچا تھا، وہ پٹکا پھوپھی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمر پر ان کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا، اور پھر کہنے لگیں کہ میرا پٹکا چوری ہو گیا ہے، جب تلاشی لی گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا، اور قانون شریعت کے مطابق انہوں نے آپ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیا، اور جب تک زندہ رہیں آپ انہی کی تربیت میں رہے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشامد کی اور عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں، اس کی جدائی ان سے برداشت نہیں ہو گی، اس لیے آپ اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی کو گرفتار کر لیں، ہم نے پہلے بھی آپ کو بہت احسان کرنے والا پایا ہے، اس لیے اب بھی احسان فرما دیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ بات تو میرے اختیار میں نہیں کہ جس کو چاہوں گرفتار کر لوں، ہم تو مجبور ہیں اس بات پر کہ جس سے چوری کا مال برآمد ہوا ہے اسے ہی گرفتار کریں، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ
وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ
حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى
تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا
بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا
فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ
عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا
بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

برادرانِ یوسف کا باہمی مشورہ

جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کر دیا، ان میں

سے سب سے بڑے بھائی (یہودا یا روبیل، یہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا) نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ابا جان نے ہم سے بنیامین کے واپس لانے کا پختہ عہد لیا تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہم پہلے بھی یوسف کے معاملہ میں انہیں تکلیف پہنچا چکے ہیں، اس لیے اب میں تو اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک ابا جان خود مجھے واپس آنے کا حکم نہ دیں یا اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے مجھے یہاں سے نکلنے کا حکم نہ ہو جائے، تم سب لوگ ابا جان کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ آپ کے صاحبزادہ نے چوری کی ہے، اور چوری کا مال ہماری آنکھوں کے سامنے اس کے سامان سے برآمد ہوا ہے، اور اگر آپ کو ہماری بات پر اطمینان نہ ہو تو قافلہ والوں سے تصدیق اور تحقیق کر لیجیے۔ چنانچہ باقی سب بھائی بڑے بھائی کو چھوڑ کر وطن واپس روانہ ہو گئے، اور گھر پہنچ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو سارا ماجرا سنایا، اور انہیں یقین دلانے کے لیے عرض کیا کہ آپ ہماری باتوں کی تصدیق قافلے والوں سے کر سکتے ہیں، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل ان کی باتوں پر مطمئن نہیں ہوا، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے، مگر میں اب بھی صبر کرتا ہوں، کیونکہ میرے لیے صبر ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت سے فریاد شروع کر دی اور فرمایا کہ مجھے یوسف کی وجہ سے سخت غم اور رنج لاحق ہے، اور اس رنج و غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں، یعنی ان کی بینائی جاتی رہی، آپ کے بیٹوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو کہنے لگے کہ قسم بخدا آپ یوسف کو یوں یاد یاد کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے، آپ علیہ السلام نے بیٹوں کی یہ بات سن کر فرمایا کہ میں نے تو تم سے کوئی شکایت یا شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی اپنے دکھ درد کا اظہار تمہارے سامنے کیا ہے، میں تو اللہ رَبّ العزّت کے سامنے روتا ہوں اور اسی سے فریاد کرتا ہوں، اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور کبھی مایوس نہ ہونا، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کی رحمت سے صرف کافر مایوس ہوا کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف کی مصر میں تیسری مرتبہ آمد

برادرانِ یوسف نے اپنے والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تیسری مرتبہ مصر کا سفر کیا، کیونکہ بنیامین کا تو وہاں ہونا معلوم تھا اس لیے پہلی کوشش ان کی خلاصی اور چھٹکارے کی کرنا تھی، حضرت یوسف علیہ السلام کا اگرچہ مصر میں ہونا معلوم نہیں تھا مگر ان کی تلاش کا بھی مصر سے آغاز کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا، اور غلے کی ضرورت بھی تھی، اس لیے انہوں نے مصر کا رخ کیا، جب مصر پہنچے اور عزیز مصر سے ملے تو ان سے اپنی محتاجی اور بے کسی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے، ہمارا سب کچھ قحط کی نذر ہو چکا ہے اور اب ہمارے پاس غلہ خریدنے کے لیے پیسے بھی نہیں ہیں، ہم آپ کے پاس کچھ نکمی اور بے قیمت چیزیں لے کر آئے ہیں، آپ کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے کہ آپ ان کو قبول فرما کر ہمیں غلہ عنایت فرما دیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں سے گھر کے یہ حالات سنے اور ان کی شکستہ حالت دیکھی تو طبعی طور پر

حقیقت حال ظاہر کر دینے پر مجبور ہو گئے اور اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے جو اظہار حال پر پابندی تھی وہ بھی ختم ہو گئی تو آپ نے بھائیوں پر اپنے راز کو ظاہر کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کے سامنے اپنا تعارف

فرمایا کہ کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا؟ برادران یوسف نے جب یہ سوال سنا تو سوچ میں پڑ گئے کہ عزیز مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا واسطہ، پھر انہوں نے غور و فکر کیا تو کچھ علامات سے آپ کو پہچان لیا اور مزید تحقیق کے لیے آپ سے پوچھا: ''ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ'' کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے، اللہ رَبّ العزّت نے ہم پر اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرمایا ہے، اب چونکہ برادران یوسف کے پاس اپنی غلطی اور جرم کے اقرار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: واقعی، اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو ہم سب پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی ہے اور ہم نے جو کچھ کیا تھا، وہ ہماری غلطی تھی، آپ ہمیں معاف فرما دیجیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا برادران کو معاف کرنے کا اِعلان

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی اس معذرت کے جواب میں اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق جواب دیا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اور نہ میں تم سے ان مظالم کا انتقام لوں گا، اللہ رَبّ العزّت بھی تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دیں۔ پھر فرمایا کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو والد صاحب کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی، اور وہ یہاں تشریف لا سکیں گے، اور انہیں اور باقی سب گھر والوں کو لے کر میرے پاس آؤ تا کہ ہم سب باہم ملیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ
الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ
قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ
نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ رَبِّ قَدْ
اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

پیراہنِ یوسفؑ کی خوشبو

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کو معاف فرما کر انہیں حکم دیا کہ تمام گھر والوں کو لے کر جلد واپس مصر آئیں اور میرا کرتا لے جا کر والد صاحب کی آنکھوں پر ڈال دیں تاکہ ان کی بینائی واپس آجائے، تو بھائی خوشی خوشی گھر کی جانب روانہ ہوئے، ابھی مصر سے نکلے ہی تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے کہا کہ اگر تم مجھے بے وقوف نہ سمجھو تو میں تمہیں بتلا دوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے، حالانکہ مصر سے کنعان کے درمیان تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اتنی دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی، جب لوگوں نے آپ کے منہ سے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ آپ تو اپنے اسی پرانے خیال میں مبتلا ہیں کہ یوسف زندہ ہیں، یہ صرف آپ کا وہم ہے۔

جب یہ قافلہ کنعان پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈالی گئی تو ان کی بینائی فوراً واپس آگئی، اس وقت آپ علیہ السلام نے ان حاضرین مجلس سے کہا کہ کیا میں نہ کہتا تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور ایک دن دوبارہ ملیں گے، مجھے خدا نے وہ علم عطا فرمایا ہے جس سے تم محروم ہو۔ اس موقع پر تمام بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگی اور ان کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کریں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی حامی بھر لی اور ارشاد فرمایا کہ میں بہت جلد تمہارے لیے دُعا کروں گا، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں اہتمام کے ساتھ دُعا کریں کیونکہ اس وقت دُعا خصوصیت سے قبول کی جاتی ہے۔

خاندانِ یوسف علیہ السلام کی مصر آمد

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی تو بیٹوں نے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغام سنایا، اور انہیں اور تمام خاندان والوں کو مصر چلنے کی دعوت دی، چنانچہ سب نے مصر جانے کی تیاری کی اور بہتر (۷۲) یا ترانوے (۹۳) افراد مرد وعورت پر مشتمل قافلہ مصر کی جانب روانہ ہوگیا۔ جب یہ قافلہ مصر پہنچنے کے قریب ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام اور ملک مصر کے لوگ استقبال کے لیے شہر سے باہر تشریف لائے اور چار ہزار سپاہیوں نے آپ کے خاندان کو سلامی پیش کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر

جب یہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اپنے ساتھ شاہی تخت پر بٹھایا، اس وقت والدین اور تمام بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں اپنا بچپن کا خواب یاد آگیا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے اس خواب کی تعبیر اور تکمیل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا

جب سارے مصائب ٹل گئے اور ساری پریشانیاں زائل ہو گئیں تو حضرت یوسف علیہ السلام اللہ ربّ العزّت کی حمد وثناء اور اس سے دُعا کرنے میں مصروف اور مشغول ہو گئے اور آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ اے پروردگار! آپ نے ہی مجھ کو سلطنت عطا فرمائی، مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا، اے زمین وآسمان کے خالق آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں، میری عرض ہے کہ مجھے اس حال میں دنیا سے اٹھایئے گا کہ میں آپ کا فرمانبردار رہوں اور مجھے میری وفات کے بعد نیک لوگوں میں شامل رکھیے گا۔

حُسنِ خاتمہ اور حُسنِ انجام کی دُعا

سیّدنا یوسف علیہ السلام کی یہ دُعا "فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۝" یعنی اے زمین وآسمان کے خالق، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے اسلام کی حالت میں موت عطا فرما اور وفات کے بعد نیک لوگوں میں شامل فرما، حسن خاتمہ اور حسن انجام کی دُعا ہے۔ یہی دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمائی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

مشرکینِ مکہ سے شکوہ اور تنبیہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی تکمیل کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ سے شکوہ کیا ہے اور تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ آسمان وزمین میں پھیلی قدرت کی ان گنت نشانیوں کا روز مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے باوجود یہ ان میں غور وفکر نہیں کرتے اور مسلسل حق سے اعراض اور غفلت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، کیا یہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ جس طرح گزشتہ قوموں پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے عذاب آئے، ویسا عذاب ان پر نہ آپڑے، کیا انہیں قیامت کا ڈر نہیں ہے کہ وہ اچانک آجائے اور انہوں نے اس کے لیے کوئی تیاری بھی نہ کی ہو۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم مانو یا نہ مانو، میرا تو یہی طریقہ ہے کہ میں لوگوں کو بصیرت اور یقین کے ساتھ اللہ رَبّ العزّت کی طرف دعوت دیتا رہوں، اور میں تمہاری طرح اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا۔

مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب

مشرکینِ مکہ یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ اللہ رَبّ العزّت کا رسول فرشتہ ہونا چاہیے، کوئی انسان نہیں، اس کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، ہمیشہ سے اللہ رَبّ العزّت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ انسانوں کے لیے انسان کو ہی رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجتے ہیں، البتہ عام انسانوں اور ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ان پر اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے وحی آتی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ حق کو تسلیم کریں اور فضول شبہات اور اعتراضات کی وجہ سے حق سے روگردانی نہ کریں، اور گزشتہ قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں جنھوں نے حق سے منہ پھیرا تو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے قرآن کی حقانیت کو بیان فرمایا۔

۲- سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ اور آپ کی زندگی کے واقعات کو ایک خاص ترتیب سے ذکر کیا گیا، جس میں تمام ضروری تفاصیل کے ساتھ ساتھ عبرت اور نصیحت کی کافی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۳- سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اِثبات بھی کیا گیا ہے۔

۴- مشرکین سے شکوہ اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے۔

۵- مشرکین کے اِعتراض و شبہ کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ یوسف بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الرَّعْد

سورت کا تعارف

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، قرآنی ترتیب میں تیرہویں جبکہ نزول کے اعتبار سے چھیانوے (۹۶) نمبر پر ہے، چھ رُکوع اور تینتالیس (۴۳) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں ذکر کی گئی ہیں، جن میں بادلوں کی گرج چمک بھی شامل ہے، جسے عربی میں رعد کہا جاتا ہے، اسی مناسبت سے سورت کا نام سورۂ رعد رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے اجمالی طور پر اپنی قدرت کی نشانیوں کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس سورت میں ان نشانیوں کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''حق کی قوت اور اس کے غلبے کا بیان'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں ذکر فرما کر ان میں غور وفکر کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ فرما کر ان سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔عقل کو استعمال کرنے اور کام میں لانے کی تلقین کی گئی ہے۔

۴۔اللہ رَبّ العزّت کے نبیوں اور رسولوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے ضابطہ کا بیان ہے کہ انہیں ازواج واولاد دی جاتی ہے، تاکہ خدائی احکام کی ادائیگی میں وہ بعد والوں کے لیے پیشوا بنیں۔

۵۔سورت میں حق کے غلبے کو بیان کرنے کے لیے مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

۶- باطل متعدد شکلیں اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نافرمانی کرنے والوں کی شکل، جھوٹ بولنے والے فاجر کی شکل، ظالم اور زیادتی کرنے والے کی شکل، کمزور کا حق غصب کرنے والے کی شکل، لہٰذا لوگ ظاہر سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ باطن پر نظر رکھیں۔ باطل ظاہر ہی ہوتا ہے اور حق چھپا ہوا ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۚ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١ اَللّٰهُ
الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝٢ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ
فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٣ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٤
وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ
الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٥ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧

''اَحادیثِ رسول'' بھی ''وحیِ اِلٰہی'' ہیں

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی حقانیت اور احادیث مبارکہ کی حجیت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ آیات جو آپ پر نازل کی گئی ہیں، یہ اللہ ربّ العزّت کا کلام ہیں، اور اس کے علاوہ بھی جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے، وہ بھی حق ہے، اس سے مراد احادیث نبویہ ہیں، معلوم ہوا کہ احادیث نبویہ بھی اللہ ربّ العزّت کی وحی ہی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے، لہٰذا جس طرح قرآنِ کریم ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے، اسی طرح احادیثِ نبویہ بھی ہمارے لیے حجت اور دلیل ہیں۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے وجود اور اپنی توحید کے دلائل بیان فرمائے اور زمین و آسمان میں پھیلی قدرت کی نشانیاں ذِکر فرما کر ان میں غور وفکر کی دعوت دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت ہی وہ ذات ہے جس نے اتنے بڑے اور عظیم الشان آسمان کو بغیر کسی ستون کے قائم فرمایا اور سورج اور چاند کا ایک مرتب نظام بنا دیا، ان میں سے ہر ایک معین رفتار اور متعین مدار میں چلتا ہے، ہزاروں سال گزر گئے نہ کبھی ان کے رفتار میں کمی بیشی ہوتی ہے اور نہ اپنے مدار

سے باہر آتے ہیں، یہ سب اللہ ربّ العزّت کی تدبیر کا نتیجہ ہے، اسی پاک ذات نے زمین کو پھیلایا، اس میں بڑے بڑے پہاڑ گاڑے اور نہریں چلائیں، پھر زمین سے طرح طرح کے پھل نکالے، اور ہر ایک پھل دو دو قسم کے پیدا فرمائے، چھوٹے بڑے، کھٹے میٹھے وغیرہ، رات اور دن کا مرتب نظام بنایا، دن کی روشنی کے بعد رات کا اندھیرا وہی ربّ لے کر آتا ہے۔

اور یہ بھی اسی پاک ذات کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے ایک جیسی زمین کی خاصیتیں مختلف رکھی ہیں، کوئی زمین نرم ہے تو کوئی سخت، کوئی بنجر ہے تو کوئی آباد، کوئی کھیتی اور باغات کے قابل ہے تو کوئی شورزدہ، پھر ان مختلف خاصیات والی زمینوں سے اس رب نے کئی طرح کے باغات پیدا فرمادیے، کہیں انگور کے باغات ہیں تو کہیں کھجور کے، اور کھجور کے باغات بھی مختلف قسم کے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کے ایک تنے سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعض میں ایک ہی تنا رہتا ہے، حالانکہ ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اس کے باوجود ان سب کے رنگوں کا مختلف ہونا، ذائقہ کا مختلف ہونا اور خاصیتوں کا مختلف ہونا اس پاک ذات کی قدرت کی بے مثال نشانیاں ہیں، ان میں غور وفکر کر کے کوئی بھی شخص اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ جو ذات اتنی قدرتوں کی مالک ہے وہی سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔

کفّار کے اِعتراضات کے جوابات

پہلا اِعتراض

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے چند اعتراضات اور شبہات کا جواب ارشاد فرمایا ہے، ان کا ایک اعتراض یہ تھا کہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور خلافِ عقل سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ جب ایک شخص مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائے تو وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ کہنا کہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے، نہایت تعجب اور بے عقلی کی بات ہے، کیونکہ ابھی گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی کئی بڑی اور عظیم الشان نشانیوں کا ذکر ہوا ہے تو جو رب ان سب نشانیوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور ان سب کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے تو وہ ایک انسان کو موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر کیسے قادر نہیں ہوگا؟

اس لیے ان کا یہ انکار اللہ ربّ العزّت کی قدرت کا انکار ہے جس کی سزا یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا اِعتراض

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعۃً اللہ ربّ العزّت کے نبی ہیں تو نبی کی مخالفت پر جو عذاب کی وعیدیں ہمیں سنائی جاتی ہیں وہ عذاب کیوں نہیں آتا، اس کا جواب اللہ ربّ العزّت نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگرچہ

اللہ رَبّ العزّت تم پر فوراً عذاب بھیجنے پر بھی قادر ہے جیسے اس نے تم سے پہلے والی امتوں پر عذاب بھیجے، لیکن یہ محض اس کا فضل وکرم ہے کہ وہ تمہاری چاہت کے باوجود تم پر عذاب نازل نہیں کر رہا، بلکہ تمہیں مسلسل توبہ کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دیے جاتا ہے، اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ رَبّ العزّت کی طرف رجوع کیا جائے اور اس کے احکامات کو بجالایا جائے۔

تیسرا اعتراض

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ہم کھلی آنکھوں دیکھ چکے ہیں، لیکن جن خاص معجزات کا ہم نے مطالبہ کیا ہے وہ آپ کیوں لے کر نہیں آتے؟ اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ معجزہ ظاہر کرنا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ براہ راست اللہ رَبّ العزّت کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے، سو جب اللہ رَبّ العزّت چاہیں گے وہ معجزہ ظاہر فرما دیں گے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو صرف اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے اس کے بندوں کو ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں، معجزہ ظاہر کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ
وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ
حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿١١﴾
هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿١٢﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ
خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿١٣﴾

توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں ایک بار پھر اللہ رَبّ العزّت نے اپنی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت کا علم ہر لحاظ سے کامل ہے، وہ عورت کے پیٹ میں موجود حمل کی جنس سے بھی واقف ہوتا ہے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی، حسین ہے یا بدشکل، نیک ہے یا بد، اور اس حمل میں جو کمی بیشی ہوتی ہے یعنی کبھی ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، کبھی بچہ جلدی پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی دیر سے، اس سب کا علم بھی اللہ رَبّ العزّت کو پہلے سے ہوتا ہے۔ وہ عالم الغیب ہے، ڈھکی چھپی اور ظاہر تمام چیزوں کا اسے علم ہے، ذات وصفات کے لحاظ سے بلند وبالا ہے۔ اس کے سامنے آہستہ آواز میں کلام کرنے والا اور بلند آواز میں کلام کرنے والا دونوں برابر ہیں، وہ دونوں کے کلام کو یکساں طور پر سنتا اور جانتا ہے، اسی طرح وہ

شخص جو رات کی اندھیری میں چھپا ہوا ہے اور جو شخص دن کے اجالے میں کھلے راستے پر چل رہا ہے، دونوں اس کے علم اور قدرت میں برابر ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے ہر انسان کے ساتھ فرشتوں کی کچھ جماعتیں مقرر فرمائی ہیں جن کے ذمہ یہ کام سپرد کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی شیاطین اور دوسرے خطرات سے حفاظت کریں، ان فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں، حدیث مبارکہ میں ہے کہ فرشتوں کی دو جماعتیں حفاظت کے لیے مقرر ہیں، ایک رات کے لیے اور دوسری دن کے لیے، یہ دونوں جماعتیں صبح اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتی ہیں، صبح کی نماز کے بعد رات کے محافظ رخصت ہو جاتے ہیں، دن کے محافظ کام سنبھال لیتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد یہ رخصت ہو جاتے ہیں، رات کے فرشتے ڈیوٹی پر آجاتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۵۵۵)

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اگر انسان سے یہ حفاظت خداوندی کا حصار ہٹا لیا جائے تو جنات ان کی زندگی وبال کر دیں، لیکن یہ حفاظتی پہرے اسی وقت تک کام کرتے ہیں جب تک تقدیر الٰہی ان کی حفاظت کی اجازت دیتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ہی کسی بندہ کو مبتلا کرنا چاہیں تو یہ حفاظتی پہرا ہٹ جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

مصائب کب آتے ہیں؟

اللہ ربّ العزّت کسی بھی انسان یا معاشرہ پر کوئی انفرادی یا اجتماعی تکلیف اور پریشانی تب تک نہیں بھیجتے جب تک وہ قوم یا فرد خود اپنے اعمال کو برائی اور فساد میں تبدیل نہ کر لے، اور جب وہ اپنے حالات کو سرکشی اور نافرمانی میں بدل دیتے ہیں تو اللہ ربّ العزّت بھی انہیں امن و عافیت سے نکال کر تنگیوں اور پریشانیوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔

قدرتِ خداوندی کی چند مزید نشانیاں

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر اپنی قدرت کی چند نشانیاں ذکر فرما کر انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی ذات پاک ہی ہے جو تمہیں یہ بجلی کی کڑک اور چمک وغیرہ دکھاتی ہے، اور وہی ہے جو بڑے بڑے بھاری بادلوں کو سمندر سے اُٹھا کر فضا میں بکھیر دیتی ہے اور پھر جہاں چاہتی ہے اپنے فضل و کرم سے بارش برسا دیتی ہے، اور جہاں چاہتی ہے زمین پر بجلی گرا دیتی ہے، اور رعد اور دیگر فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

''رَعد'' کیا ہے؟

''رعد'' عرف عام میں بادل کی آواز کو کہا جاتا ہے جو بادلوں کے باہمی ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے، چونکہ اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن عام لوگ یہ تسبیح سمجھ نہیں سکتے، تو یہ بادل بھی اللہ ربّ العزّت کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ رعد اس فرشتہ کا نام ہے جو بارش برسانے پر مقرر ہے، اور وہ فرشتہ تسبیح کرتا ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا
وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ
خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ
مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

شرک کے بطلان پر عقلی دلیل

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے شرک کے بطلان کو واضح کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی گفار سے سوال کیا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا جن معبودوں کو تم پوجتے ہو کیا ان کے اختیار میں کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچانا ہے، کیا وہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں یا اگر کوئی ان کی عبادت نہ کرے تو کیا وہ اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، یا کیا ان معبودانِ باطلہ کی اللہ ربّ العزّت کی تخلیق جیسی کوئی تخلیق ہے، کیا انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ان کے پیچھے بھاگنا کہاں کی دانش مندی ہے، وہ بت اور مورتیاں تو خود اپنے وجود میں بھی دوسروں کی محتاج ہیں تو وہ کسی کو کیا نفع پہنچا سکتی ہیں، جبکہ اللہ ربّ العزّت ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، سو وہی عبادت کے اصل لائق ہے۔

حق اور باطل کی خوبصورت مثال

دوسری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے حق اور باطل کو دو بہت خوبصورت مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جیسے آسمان سے بارش ہو، جس کی وجہ سے زمین میں نالے بہنے لگیں، پھر سیلاب خس وخاشاک بہاتا ہوا لے آئے جو پانی کی سطح پر تیر رہا ہو، اور وہ چیزیں جنہیں آگ میں رکھ کر زیورات یا برتن وغیرہ بنانے کے لیے تپایا جاتا ہے، ان پر بھی میل کچیل آجاتا ہے، تو ان دونوں مثالوں میں ایک تو کارآمد چیز ہے اور دوسری بے کار، اور عارضی طور پر وہ بے کار چیز یعنی میل کچیل اور خس وخاشاک، اس کارآمد چیز کے اوپر نظر آتی ہے، لیکن بالآخر وہ پھینک دیے جاتے ہیں اور اصلی چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح باطل اگرچہ کچھ روز حق پر غالب نظر آتا ہے، لیکن آخر کار وہ ختم اور مغلوب ہو جاتا ہے جبکہ حق باقی اور ثابت رہتا ہے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ
بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ
سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ
وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ
وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝

جنّت میں لے جانے والے اعمال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حق کو قبول کرنے والے اور اللہ ربّ العزّت کے احکام پر عمل کرنے والے اور کافر و مشرک کبھی برابر نہیں ہو سکتے، راہِ حق پر گامزن افراد کا اخروی انجام جنّت ہے جبکہ کفّار و مشرکین کو جہنّم کی آگ میں جلنا ہوگا۔ اس کے بعد ان دونوں فریقوں کے چند اعمال بیان کیے گئے ہیں جو درحقیقت ان کے انجام اور آخری ٹھکانے تک لے جانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ اہلِ حق کے اعمال بیان کرتے ہوئے پہلا عمل اور ان کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ عہد کے پکے ہوتے ہیں، یعنی اللہ ربّ العزّت سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو بھی پورا کرتے ہیں اور بندوں سے کیے گئے معاہدوں کو بھی پورا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور کبھی ان معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۲۔ دوسری صفت یہ ذکر کی گئی کہ وہ لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں، اور جن رشتوں اور تعلقات کو اللہ ربّ العزّت نے جوڑنے کا حکم فرمایا ہے انہیں جوڑتے ہیں، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، ان کے حقوق پورے کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ان کے دل اللہ ربّ العزّت کے خوف اور ڈر سے لبریز ہیں، جس کی وجہ سے وہ اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی فعل اور عمل ایسا نہ ہو جو اللہ ربّ العزّت کے ناراضی کا سبب بن جائے۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ یہ لوگ روزِ محشر اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیشی اور حساب و کتاب سے ڈرتے ہیں کہ مبادا ہمارا حساب خراب نہ نکل آئے، اس لیے وہ حتی الامکان گناہوں سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں، صبر سے مراد تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا بھی ہے اور گناہوں سے باز آنا اور نیکیوں پر جمنا بھی، ان کا سب پر عمل ہوتا ہے۔

۶۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ یہ نماز قائم کرتے ہیں، اور اسے پورے خشوع و خضوع اور مکمل آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

۷۔ ساتویں صفت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے دیے ہوئے رزق میں سے اعلانیہ اور پوشیدہ دونوں طرح اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس سے مراد زکوٰۃ بھی ہے اور نفلی صدقات بھی، زکوٰۃ کا اعلانیہ ادا کرنا بہتر ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب اور تلقین ہو، اور نفلی صدقات کو پوشیدہ طور پر ادا کرنا افضل و بہتر ہے۔ (معارف القرآن)

۸۔ آٹھویں صفت یہ ہے کہ یہ لوگ برائی کا بدلہ بھلائی اور اچھائی سے دیتے ہیں، برائی کے بدلہ میں برائی سے کام نہیں لیتے، اور ظلم کو عفو و درگزر سے رفع کرتے ہیں۔

انجامِ کار

یہ آٹھ صفات بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کی اخروی جزا یہ بیان فرمائی کہ آخرت کی کامیابی انہی لوگوں کا مقدر بنے گی، وہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں قیام پذیر ہوں گے، اور ان کے آباؤ اجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو لوگ ایمان والے اور نیک اعمال کرنے والے ہوں گے، وہ بھی جنت میں ان کے ساتھ ہوں گے، جہاں فرشتے ان کو ہر دروازے سے داخل ہو کر سلام کریں گے۔

جہنّم میں لے جانے والے اعمال

جنّت میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کرنے کے بعد ان اعمال کا تذکرہ فرمایا جو جہنّم میں داخلے کا سبب بنتے ہیں:

۱- پہلا عمل یہ ہے کہ وہ اللہ ربّ العزّت سے کیا ہوا عہد توڑ دیتے ہیں، یعنی ازل میں اللہ ربّ العزّت کی ربوبیت اور وحدانیت کا جو عہد تمام روحوں سے لیا گیا تھا اسے انہوں نے توڑ ڈالا۔

۲- ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ ان تعلقات اور رشتہ داریوں کو توڑتے ہیں جن کو قائم رکھنے کا اللہ ربّ العزّت نے حکم دیا ہے، یعنی صلہ رحمی کرنے کے بجائے قطع تعلقی کرتا ہے، حالانکہ اللہ ربّ العزّت نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳- ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ یہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یعنی ان کے اعمال و افعال دوسرے لوگوں کے لیے تکلیف اور ایذاء کا سبب بنتے ہیں، لڑائی جھگڑے اور قتل و قتال کے بازار گرم کرتے ہیں۔

تو جن لوگوں میں یہ صفات ہوں گی، ان پر اللہ ربّ العزّت کی لعنت ہوتی ہے، وہ اس کی رحمت سے دور ہوتے ہیں، اور آخرت میں ان کے لیے برا ٹھکانا یعنی جہنّم کی آگ ہوگی۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ
يَاْيْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا
قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۟

شانِ نزول

ایک مرتبہ کفارِ مکہ کے سرداران جن میں ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی شامل تھے، بیت اللہ کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے، اور عبداللہ بن امیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اس نے کہا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی قوم اور ہم سب آپ کو رسول تسلیم کرلیں اور آپ کی پیروی کریں تو ہمارے چند مطالبات ہیں، اپنے قرآن کے ذریعہ ان کو پورا کردیجیے تو ہم سب اسلام قبول کرلیں گے۔ ایک مطالبہ یہ ہے کہ مکہ کے اردگرد جو پہاڑ موجود ہیں انہیں دور ہٹا دیجیے تاکہ مکہ کی زمین کشادہ

ہوجائے، دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے ہوا کو مسخر فرما کر بڑے بڑے فاصلوں کو مختصر کردیا تھا، اسی طرح ہمارے لیے بھی شام اور یمن کے سفر آسان کرادیں، تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے لیے ہمارے دادا "قصی" کو زندہ کردیجیے تاکہ ہم ان سے یہ پوچھ سکیں کہ آپ کا دین سچا ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے یہ تینوں مطالبات پورے کردیے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ رَبّ العزّت نے ان کے مطالبات کا جواب دیا، اس موقع پر صحابہ کرامؓ کی خواہش تھی کہ ان کے یہ مطالبات پورے کردیے جائیں تاکہ سب اہل مکہ مسلمان ہوجائیں اور اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو، اللہ رَبّ العزّت نے ان کی اس خواہش کا بھی جواب دیا۔ (معارف القرآن)

اللہ رَبّ العزّت نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر قرآن کے ذریعہ ان کے یہ تینوں مطالبات پورے کردیے جائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ یہ ان مطالبات سے پہلے ان سے بڑے بڑے معجزات کا مشاہدہ کرچکے ہیں، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا، بے جان کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا، معراج کی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی اور پھر آسمانوں کا سفر وغیرہ، تو جب یہ اتنے بڑے معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے تو اب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

پھر صحابہ کرامؓ کی خواہش کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کیا اہل ایمان ابھی بھی ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے، حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام انسانوں کو ہدایت عطا فرمادیتے، مگر حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ہر شخص کا اپنا اختیار باقی رہے، اور وہ اپنے اختیار سے اپنے لیے اسلام یا کفر میں سے کسی ایک کو منتخب کرے۔

پھر فرمایا کہ یہ کافر اس کے مستحق ہیں کہ ان پر دنیا میں مسلسل آفات اور مصائب آئیں، جیسا کہ اہل مکہ پر کبھی قحط کی مصیبت آئی تو کبھی اسلامی غزوات میں قتل اور قید ہونے کی مصیبت، اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ رَبّ العزّت کا وعدہ پورا نہ ہوجائے، یعنی مکہ فتح نہ ہوجائے، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کا وعدہ کبھی ٹل نہیں سکتا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ اَفَمَنْ
هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۚ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۚ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۚ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ حالات جو آپ کو درپیش ہیں یہ صرف آپ کو ہی پیش نہیں آئے، آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی طرح کے حالات کا سامنا تھا، ان کے ساتھ بھی ان کی

قوموں نے استہزاء وتمسخر کیا، اور بالآخر ہم نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا اور وہ عبرت کا نشان بن گئے، اسی طرح آپ کے دشمنوں کو بھی ہم ایک مقرر وقت پر ہلاک کریں گے۔

مشرکین کی جہالت کا نمونہ

اس کے بعد مشرکین کی جہالت اور بے عقلی کو اللہ ربّ العزّت نے واضح فرمایا کہ یہ اتنے بے وقوف ہیں کہ بے جان اور بے شعور پتھر کے بتوں کو اس پاک ذات کے برابر قرار دیتے ہیں جو ہر نفس کے اعمال سے واقف ہے، اور ہر کسی کے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے، یہ تو نری حماقت اور بے عقلی ہے، اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کی اس جہالت کو ان کی نظر میں مزین کر رکھا ہے اور وہ اس کو بڑا کمال اور کامیابی سمجھتے ہیں۔ ان کو اپنی اس بے وقوفی کا انجام جلد معلوم ہو جائے گا، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے دنیا میں بھی عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی جنگوں میں قتل ہونا، قید ہونا یا مصائب وتکالیف کا آنا، اور آخرت کا عذاب تو نہایت ہی سخت ہوگا۔

جنّت کیسی ہوگی؟

کفّار کے انجام کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مومنین اور متقین کے اخروی انجام کو بیان فرمایا کہ انہیں آخرت میں جنّت نصیب ہوگی، پھر اس جنّت کے اوصاف اور حالات بیان فرمائے کہ وہ جنّت کیسی ہوگی؟ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ جنّت ایسی ہوگی کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اس کے پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

کفّار کے اعتراضات کا جواب

کفّار ومشرکین کا عام خیال یہ تھا کہ کوئی انسان اور بشر نبی ورسول نہیں ہوسکتا، بلکہ نبی کے لیے کسی فرشتہ کا ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا جو شخص کنبہ واولاد والا ہو وہ نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے پہلے بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، ان سب کی ازواج اور اولاد تھی، اس لیے اسے نبوّت یا رسالت کے خلاف سمجھنا ہرگز درست نہیں۔

اسی طرح کفّار کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مطالبہ رہتا تھا کہ اس قرآن میں چونکہ ہمارے معبودوں کی برائی ہے اس لیے آپ اس کی جگہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا کم از کم اسی میں ترمیم کردیں، نیز وہ من چاہے معجزات کا مطالبہ بھی کیا کرتے تھے، اس کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ وحی الٰہی میں تبدیلی کرسکے، یہ صرف اللہ ربّ العزّت کے اختیار میں ہے، وہی اپنی قدرت سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹادیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، اسی طرح کوئی نبی بھی اپنے اختیار سے معجزہ ظاہر نہیں کرسکتا، بلکہ جب اللہ ربّ العزّت چاہیں جس طرح کا معجزہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرمادیں۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ سے جو بھی وعدے فرمائے ہیں، وہ سب پورے ہوں گے، آپ ان کی فکر میں مت رہیے کہ وہ کب پورے ہوں گے، ممکن ہے آپ کی زندگی میں ہوجائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہو، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم ان کفّار کا گھیرا تنگ کررہے ہیں، اور ان کے اطراف کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آتی جارہی ہیں، ایک دن آئے گا جب اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب ہوجائے گا۔ اور اگر یہ کافر آپ کو تب بھی رسول تسلیم نہ کریں تو آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، بلکہ ان سے کہہ دیجیے کہ میری نبوّت کا میرا ربّ اور اہل کتاب کے منصف علماء گواہ ہیں۔

سورت کا اجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن وحدیث کی حقانیت بیان فرمائی۔

۲۔ سورت میں جابجا اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں ذکر فرماکر توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانے کی ترغیب و تلقین کی گئی ہے۔

۳۔ سورت میں کفّار کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۴۔ مؤمنین اور کفّار ومشرکین کے اخروی انجام کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ جنّت کے حالات اور اس کی نعمتوں کا بیان بھی موجود ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جابجا تسلی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الرعد بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ اِبْرٰهِیْم

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چودہ (۱۴) اور نزول کے اعتبار سے بہتر (۷۲) نمبر پر ہے، سات رُکوع اور باون (۵۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

عرب کے مشرکین اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے، اس سورت میں آپ علیہ السلام کی وہ دُعا ذکر کی گئی ہے جس میں آپ علیہ السلام نے شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے ہوئے اپنی اور اپنے بیٹوں کے بت پرستی سے محفوظ رہنے کا ذکر فرمایا، اسی وجہ سے سورت کا نام سورۂ ابراہیم رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑانے والوں اور ان کے ساتھ استہزا کرنے والوں کے انجام کا اجمالی بیان تھا، اس سورت میں ان کا نسبتاً تفصیلی ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''تمام انبیاء علیہم السلام عقائد میں متفق تھے'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت کی ہے۔

۲۔انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داریوں اور ان کے دعوت دینے کا انداز اور طریقہ بیان کیا ہے۔

۳۔انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

۴۔سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیطان انسان کے مقابلہ میں کمزور ہے، اور اس کا مکر اور تدبیر وسوسے سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۵-سورت میں اچھے اور بُرے کلمات کی نفس انسانی پر تاثیر کو ذکر کیا گیا ہے۔
۶-اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کو ذکر کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔
۷-کُفر اور ظلم کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ ۝۱ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝۲
الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ
فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷

قرآن کی حقّانیت کا بیان

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نزولِ قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن کی حقانیت کو بیان فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا ہے، اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو کُفر و شرک اور معاصی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور اعمال صالحہ کے نور اور روشنی میں لے آئیں، اور وہ نور در حقیقت اللہ رَبّ العزّت کا راستہ ہے جس پر گامزن ہونے والا نہ بھٹکتا ہے اور نہ اسے منزل تک پہنچنے میں کوئی ناکامی ہوتی ہے۔ مگر جو بدنصیب قرآن ہی کے منکر ہو جائیں تو وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو عذاب میں ڈال دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔

کُفّار کی تین بُری خصلتیں

کُفّار کو عذاب اور ہلاکت کی وعید سنانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے کُفّار کی تین بُری خصلتیں بیان فرمائی ہیں:
۱-پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو آخرت کی بنسبت زیادہ پسند کرتے ہیں اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، اسی لیے دُنیا کے نفع کے لیے آخرت کا نقصان گوارا کر لیتے ہیں۔

۲-ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ یہ خود تو اندھیروں میں رہنے کو پسند کرتے ہی ہیں، دوسروں کو بھی روشنی کے راستے یعنی اللہ ربّ العزّت کی راہ سے روکتے ہیں۔

۳-اوران کی تیسری خصلت یہ ہے کہ یہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کو اللہ ربّ العزّت کے راستے اور دین میں کوئی کمی اور کجی نظر آئے تو اس پر اعتراض کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی گمراہی میں بہت دور جا پہنچے ہیں اور ان کا اب راہِ راست پر آنا مشکل ہے۔

ہر نبی اپنی قوم کا ہم زبان ہوتا ہے!

کفّارِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی ہیں اور قرآن بھی عربی زبان میں ہے، اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ یہ آپ نے خود اپنی طرف سے بنالیا ہو، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ (تمہارا یہ شبہ بالکل لغو ہے) کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب اپنی اپنی قوم کے ہم زبان تھے، اور یہ تو اللہ ربّ العزّت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہر قوم میں انہی کی زبان کا پیغمبر مبعوث فرمایا، تا کہ وہ انہیں انہی کی زبان میں اللہ ربّ العزّت کے احکامات بیان کر سکیں اور ان کی قوم کے لیے ان کی بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو وعظ و نصیحت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ ہم نے انہیں بھی واضح آیات اور معجزات دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا اور انہیں تلقین کی تھی کہ اپنی قوم کو اللہ ربّ العزّت کے راستے پر لے کر آئیں اور انہیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی جانب لے آئیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق اپنی قوم کو وعظ و نصیحت فرمائی کہ اے میری قوم! تم اللہ ربّ العزّت کا احسان یاد کرو کہ اس نے تمہیں فرعون کے ظلم وستم سے نجات دی اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لے آؤ، کیونکہ میرے ربّ کا وعدہ ہے کہ جو شکر کرے گا میں اس کی نعمتوں میں اضافہ کردوں گا اور جو ناشکری کرے گا تو اس کے لیے میرا عذاب بھی سخت ہوگا۔

نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے نعمت جس کام کے لیے دی ہو اسے اسی کام میں صرف کیا جائے، اور اپنے اعمال و افعال کو اللہ ربّ العزّت کی رضا کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے، اور زبان، اعضاء و جوارح اور دِل سے اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کیا جائے۔ جبکہ نعمتوں کی ناشکری یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے احسان کو دِل سے نہ مانے، اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کے کاموں میں صرف کیا جائے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ ۭ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ

شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ
وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی واشگاف دعوت اور عزم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے گزشتہ قوموں کا تذکرہ فرما کر ان کا اپنے انبیاء علیہم السلام سے رویہ بیان فرمایا ہے اور کفارِ مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ کیا تمہارے پاس ان قوموں کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے اس دنیا میں گزری ہیں، یعنی قومِ نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد کے لوگ، ان کے پاس بھی اللہ کے رسول آئے تھے، لیکن انہوں نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور ان کے پیغام کو جھٹلایا، انبیاء علیہم السلام نے ان کے اشکالات کے جوابات دیے اور ان کے شک کو دور کرنے کی کوشش کی، اور انہیں فرمایا کہ تمہارا اللہ ربّ العزّت کی ذات کے بارے میں شک کرنا ہرگز درست نہیں، وہ زمین و آسمان کا خالق ہے، اور وہ تو اتنی کریم ذات ہے کہ تمہیں خود دعوت دے رہا ہے کہ میرے راستے پر آؤ میں تمہارے سارے گناہوں کو بخش دوں گا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان انبیاء علیہم السلام کی بات نہ مانی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات کیسے مان لیں، تم تو ہم جیسے انسان ہو، اور تم صرف یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے طریقوں سے روک دو، اور اگر تم واقعی پیغمبر اور رسول ہو تو کوئی واضح معجزہ دکھاؤ، ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ یہ بات درست ہے کہ ہم بشر اور انسان ہیں، لیکن ہم میں اور تم میں یہ فرق ہے کہ ہمیں اللہ ربّ العزّت نے اپنے خاص فضل و کرم سے منتخب فرمایا ہے اور ہمیں نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، اس لیے ہمیں اپنے جیسا نہ سمجھو، اور جہاں تک تعلق ہے تمہارے اس مطالبہ کا کہ ہم کوئی معجزہ دکھائیں تو یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے، اللہ ربّ العزّت کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے گا تو ہمارے ہاتھ پر معجزہ ظاہر فرما دے گا، سو اب بھی اگر تم ایمان نہیں لاتے اور ہماری مخالفت پر کمربستہ رہتے ہو تو ہمیں تمہاری اس مخالفت سے کوئی ڈر نہیں، ہم اللہ ربّ العزّت پر بھروسہ کرتے ہیں، وہی ہمارا کارساز ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ۝
وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۝ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا
يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ۝

گزشتہ قوموں کی انبیاء علیہم السلام کو دھمکی

جب انبیاء ورُسل نے ان کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دے دیا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے غلط عقیدے سے باز آجاتے اور حق کو قبول کر لیتے، لیکن وہ لوگ اپنی ضد پر ڈٹے رہے اور اپنی سرکشی میں مزید بڑھ گئے، اور انبیاء علیہم السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ یا تو تم ہمارے عقیدے کو اختیار کر لو ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی دھمکیوں کے جواب میں اپنے رسولوں کو تسلی دینے کے لیے ان پر وحی نازل فرمائی اور انہیں ارشاد فرمایا کہ یہ تمہیں کیا نکالیں گے، ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں ان کی جگہ آباد کر دیں گے۔ اور میرا یہ وعدہ ہر اس شخص کے لیے ہے جس کے دل میں میرا ڈر ہو اور وہ میرے سامنے پیشی سے ڈرتا ہو۔ چنانچہ وہ کفّار دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت میں جہنم کے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

کفّار کے اعمال راکھ جیسے ہیں!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے اعمال کی حیثیت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے دنیا میں جو بھی نیک اعمال کیے ہیں وہ راکھ کی طرح ہیں، جسے تیز آندھی اور ہوا اڑا کر لے جائے اور اس کا نام ونشان بھی مٹ جائے، اسی طرح ان کے اعمال بھی آخرت میں بالکل بے حیثیت ہوں گے، کیونکہ اعمال کی قبولیت اور ذخیرۂ آخرت ہونے کے لیے اوّلین شرط ایمان ہے، جو ان میں نہیں پائی جاتی۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۝ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۝

روزِ قیامت شیطان کا اظہارِ براءت

قیامت کے دن جب اللہ ربّ العزّت تمام مخلوقات کا فیصلہ فرما دیں گے اور اہلِ جنّت، جنّت میں اور اہلِ جہنم، جہنم

میں بھیج دیے جائیں گے تو تمام جہنمی شیطان کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ تو نے ہمیں گمراہ کردیا اور ہمیں اس عذاب میں مبتلا کرادیا، تو شیطان ان کی بات سن کر جواب میں کہے گا کہ مجھے ملامت نہ کرو، میں نے تم سے جھوٹے وعدے کیے تھے، جبکہ اللہ ربّ العزّت نے تم سے سچے وعدے کیے تھے، اور یہ بات واضح اور ظاہر تھی کہ اللہ ربّ العزّت کے وعدے سچے اور میرے وعدے جھوٹے تھے، اس کے باوجود تم نے میرے وعدوں کو صحیح سمجھا اور میرے پیچھے چلتے رہے، میں نے تمہیں اپنی پیروی پر مجبور نہیں کیا، نہ میرا تم پر کوئی زور ہے، میں نے تو صرف تمہیں اپنی طرف بلایا تھا، تم نے اپنے اختیار سے میری بات مانی، لہٰذا مجھے ملامت مت کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو، اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں آج تمہاری مدد کروں اور تمہیں اس عذاب سے نجات دلاؤں تو یہ ممکن نہیں، نہ تم میری مدد کر سکتے ہو اور نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، بلکہ میں تو تمہارے شرک سے بھی بیزار اور بری ہوں اور تمہارے اس فعل کو غلط سمجھتا ہوں۔

''کلمۂ توحید'' اور ''کلمۂ کفر'' کی خوبصورت مثال

اللہ ربّ العزّت نے کلمۂ توحید یعنی ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' اور کلمات کفر کی بہت خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمۂ توحید کی مثال اس پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑیں زمین میں بہت گہری اور مضبوط ہوں اور اس کی شاخیں نہایت بلند ہوں گویا آسمان کو چھو رہی ہیں، اور اس کا پھل ہر وقت اور ہر حال میں دستیاب ہو۔

یہ درخت کون سا ہے؟ اس بارے میں مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق یہ کھجور کا درخت ہے، اس کی جڑیں مضبوط اور گہری ہوتی ہیں، اس کا تنا نہایت قد آور ہوتا ہے اور اس کا پھل ہر وقت اور ہر موسم میں دستیاب ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کوئی شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کھجور کا گودا لے کر آیا، اس وقت آپ علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت بھی ہے جو مؤمن کے مشابہ ہے، اس درخت کے پتے کسی موسم میں نہیں جھڑتے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن اس مجلس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے اکابر صحابہؓ موجود تھے، ان کو خاموش دیکھ کر مجھے بولنے کی ہمت نہ ہوئی، پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۶۹۸)

اس کے برعکس کلمات کفر کی مثال اس درخت سی ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر گہری نہیں ہوتیں، اس لیے اسے آسانی سے زمین سے اکھیڑا جاسکتا ہے، مفسرین کرامؒ کے نزدیک اس درخت سے مراد حنظل کا درخت ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ شجرۂ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت اور شجرۂ خبیثہ سے مراد حنظل

کا درخت ہے۔ (سنن ترمذی:۳۱۱۹) معلوم ہوا کہ ذِکر پر مشتمل کلمات قائم اور نافع ہیں، جبکہ گندی باتیں ختم ہونے والی اور نقصان دہ ہیں۔

کلمہ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کو قبر میں بھی کلمہ یاد رہے گا

جو شخص دنیا میں کلمہ طیبہ پر ایمان لایا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا، اسے اللہ ربّ العزّت دنیا میں بھی اسی کلمہ پر قائم رکھتے ہیں اور اسے کلمہ پر ہی موت آتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں بھی اسے کلمہ یاد رہے گا۔

حدیث پاک ہے کہ جب مؤمن سے قبر میں سوال کیا جائے گا تو اس وقت بھی اللہ ربّ العزّت کی مدد اور فضل سے وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی گواہی دے گا، اور پھر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے اس فرمان "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ" کا یہی مطلب ہے۔ (صحیح بخاری:۴۶۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں عذاب وثواب کا ہونا حق اور ثابت ہے۔

مذکورہ آیت کو حدیث مبارکہ میں عذاب وثواب قبر سے متعلق قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ عذابِ قبر بھی قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے کہ اللہ ربّ العزّت ہی وہ ذات ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، آسمان سے بارش برسائی، زمین سے غلّہ اور پھل اُگائے، کشتیوں اور جہازوں کو مسخر فرمایا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے دریاؤں میں چلتے پھریں، سورج اور چاند کو اور رات اور دِن کے مرتب نظام کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، اور تمہیں ہر وہ چیز دی جس کا تم نے اس پاک ذات سے سوال کیا، اور تم پر اپنی اتنی نعمتیں برسائیں کہ تم اگر انہیں گننا اور شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، ان سب نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا اور اس پر ایمان لاکر اس کے احکامات کی پیروی میں مصروف ہوجاتا لیکن اس نے اس پاک ذات کا انکار کیا اور اس کے نعمتوں کی ناشکری کی، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى
اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ
لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُنیا و آخرت کی بہتری کی دُعائیں

چونکہ مشرکین مکہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے، اور اپنے آپ کو آپ علیہ السلام سے منسوب کیا کرتے تھے، اسی لیے اللہ ربّ العزّت نے مذکورہ بالا آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان مشرکین کے جدِ امجد جن کی طرف یہ خود کو منسوب کرتے ہیں، کا عقیدہ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کا تھا، یہی عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

پہلی اور دوسری دُعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دُعا یہ ذکر کی گئی کہ اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنا دیجیے اور دوسری دُعا یہ کہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت اور بت پرستی سے محفوظ رکھیے، کیونکہ اس بُت پرستی نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، سو میری اولاد میں سے جو میری اتباع کرے یعنی ایمان اور نیک اعمال سرانجام دیتا رہے تو وہ میرے متعلقین میں سے ہے، لیکن جس نے میری نافرمانی کی تو اس کا فیصلہ آپ (اللہ ربّ العزّت) کے ذمہ ہے، آپ اس کے ساتھ جو معاملہ فرمائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کُفّار و مشرکین مکہ کا اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے خود کو ابراہیمی کہنا ہرگز درست نہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلقین میں خود کو شمار کروانے کے لیے توحید اور اعمالِ صالحہ کا ہونا اوّلین شرط ہے۔

تیسری دُعا

آپ علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی کہ اے پروردگار! میں نے اپنے اہل و عیال کو ایک ایسے ویرانہ میں ٹھہرا دیا ہے جس میں کوئی کھیتی وغیرہ بھی نہیں ہو سکتی، اور یہ مقام آپ کے عظمت والے گھر کے قریب ہے، اس لیے آپ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما دیں تاکہ وہاں آبادی ہو سکے اور ان کو پھل عطا فرمائے تاکہ یہ لوگ شکر گزار رہوں۔

چوتھی دُعا

میں آپ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے علم کو بیان فرمایا کہ اے پروردگار! آپ ہمارے ہر حال سے واقف ہیں، ہمارے ظاہری حالات سے بھی اور ہماری قلبی حالت اور کیفیت سے بھی آگاہ ہیں، کوئی چیز آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اور آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے بڑھاپے کی حالت میں اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسی اولاد عطا فرمائی، بے شک آپ دُعائیں سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔

پانچویں دُعا

اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا اور نماز کی پابندی کرنے والا بنا دیجیے، اور میری دُعا قبول فرمائیے۔

چھٹی دُعا

اے میرے پروردگار! میری اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی مغفرت فرما، اس دن جبکہ محشر میں سب اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

قیامت کے دِن مجرمین کے اَحوال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کفّار و مشرکین کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ظالم اور مجرم لوگ اللہ ربّ العزّت کی ڈھیل سے بے فکر نہ ہو جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ کو ان کے جرائم کی خبر نہیں، ان کے

ہر عمل سے اللہ ربّ العزّت واقف ہیں، لیکن کسی حکمت اور مصلحت کے تحت وہ انہیں ڈھیل دیے جارہے ہیں۔ اور جب اللہ ربّ العزّت انہیں پکڑیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، خوف اور حیرت کی وجہ سے سر اُوپر اُٹھائے ہوئے سرپٹ بھاگ رہے ہوں گے، ان کی پلکیں جھپکنا بھول جائیں گی، ان کے دل میں ہول اٹھیں گے۔

لہٰذا اے پیغمبر! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ اپنی قوم کے ان مجرموں کو اس دن کی سنگینی سے آگاہ فرمایئے اور انہیں ڈرایئے اس دن سے جس دن یہ عذاب کی شدت دیکھ کر پکار اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کچھ اور مہلت عطا فرمادیجیے تاکہ ہم آپ کے رسولوں کی اتباع کرسکیں، لیکن ان کی درخواست مسترد کردی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ تم نے اس سے پہلے بھی قسمیں کھائی تھیں لیکن ان کا انجام تم نے دیکھ لیا، اور تمہاری نصیحت کے لیے دنیا میں تم سے پہلے ہلاک شدہ قومیں ہی کافی تھیں جن کے گھروں میں تم چلتے پھرتے رہے ہو لیکن اس کے باوجود اس سے عبرت حاصل نہیں کی، اور حق کو مٹانے کے لیے مکر اور تدبیریں کرتے رہتے ہو، حالانکہ اللہ ربّ العزّت کی تدبیر ہی ہمیشہ غالب رہتی ہے۔

سو اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو تمہیں قیامت کے دن زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا، اور تمہیں تارکول کا لباس پہنایا جائے گا جو آگ فوراً پکڑ لیتا ہے، اور تمہارے چہروں تک آگ چڑھ آئے گی، اس لیے باز آجاؤ اور اس قرآن سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ ربّ العزّت کی توحید کا اقرار کرلو، یہی حقیقی کامیابی ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں قرآنِ کریم کی حقانیت اور نزولِ قرآن کا مقصد بیان فرمایا گیا ہے۔
۲۔ سورت میں جا بجا کفار و مشرکین کو تنبیہ اور حق قبول کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے۔
۳۔ گزشتہ اقوام کا تذکرہ کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔
۴۔ قیامت کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔
۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعائیں ذِکر کی گئی ہیں۔

تمت سورۃ ابراھیم بعون اللہ سبحانہ وتعالٰی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْحِجْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں پندرہ جبکہ نزول کے اعتبار سے چوّن (۵۴) نمبر پر نازل ہوئی، چھ رکوع اور ننانوے (۹۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

''حجر'' قومِ ثمود کی بستیوں کو کہا جاتا تھا، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر اسّی (۸۰) میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ حجر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں کفار و مجرمین کا اُخروی انجام بیان کیا گیا تھا کہ وہ جہنم کی آگ میں جلس رہے ہوں گے، اس سورت کے آغاز میں انہی مجرمین کی حسرت بیان کی گئی ہے کہ کاش وہ دُنیا میں مسلمان ہو جاتے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اور وہی اسے اغیار کی سازشوں اور دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھیں گے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کئی چیزوں کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے:

۱۔اپنی کتاب (قرآن مجید) کی حفاظت۔

۲۔آسمانوں کی حفاظت۔

۳۔زمین کی تہ میں پوشیدہ خزانوں اور معدنیات کی حفاظت۔

۴۔بارش کے پانی کو زمین میں جذب فرما کر اس کی حفاظت۔

۵- حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی حفاظت۔

۶- حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کی حفاظت۔

۷- حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہما السلام کی حفاظت۔

۸- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

پارہ نمبر ۱۴

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ

الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨

کُفّار کی حسرت

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی حقانیت بیان فرمانے کے بعد کُفّار اور مشرکین کی حسرت بیان فرمائی ہے کہ جب کافر قیامت میں اللہ ربّ العزّت کے عذاب اور جہنّم کی ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے اور مؤمنین کو اللہ ربّ العزّت کے انعامات اور جنّت حاصل کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل میں حسرت ہوگی کہ کاش! ہم بھی دُنیا میں ایمان لے آتے اور اسلام قبول کر لیتے تو آج ہمارا یہ انجام نہ ہوتا، لیکن اس وقت کی حسرت انہیں کچھ کام نہیں آئے گی، کیونکہ جب دُنیا میں انہیں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین نے دین کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے ان کی تکذیب کی اور دُنیا میں صرف کھانے پینے اور عیش کرنے میں لگے رہے اور آخرت کو بالکل فراموش کر دیا تھا، تو اس دن جب ان کی ہلاکت بالکل سامنے موجود ہوگی، اس وقت ان کی یہ حسرت و افسوس ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔

کُفّار کے جاہلانہ اِعتراض کا جواب

کُفّار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مجنون اور دیوانہ ہونے کا الزام لگایا، اور کہنے لگے کہ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور پروردگارِ عالم کے فرستادہ اور پیغمبر ہو تو ہمارے سامنے فرشتے ظاہر کرو، جو آپ کی سچائی کی گواہی دیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم فرشتوں کو اتارنے پر قادر تو ہیں لیکن ہم انہیں صرف اسی وقت

اُتارتے ہیں جب کسی نبی پر وحی نازل کرنی ہو یا کسی قوم پر عذاب نازل کرنا ہو، تو اگر ہم نے فرشتے اُتارے اور اس کے باوجود تم ایمان نہ لائے تو تمہیں ایک لمحہ کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی بلکہ آناً فاناً ہلاک کر دیے جاؤ گے۔

حفاظتِ قرآن کا اِعلان

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج نزولِ قرآن کو چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے اور دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود بھی قرآن کے ایک نقطے اور ایک زیر و زبر میں بھی فرق نہیں آسکا، ہر زمانہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان جوان، بوڑھے، لڑکے اور لڑکیاں اور بچے ایسے موجود رہتے ہیں جن کے سینوں میں مکمل قرآن پاک محفوظ ہوتا ہے۔

مامون کے دربار کا ایک دِلچسپ واقعہ

مامون الرشید اپنے دربار میں علمی مباحثے منعقد کروایا کرتا تھا، جس میں ہر اہلِ علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مباحثے میں ایک یہودی بھی آگیا، جو شکل و صورت اور لباس سے کوئی باحیثیت شخص لگتا تھا، اور جب اس نے گفتگو کی تو وہ بھی فصیح و بلیغ تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون الرشید نے اسے بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون الرشید نے (امتحان لینے کی غرض سے) اسے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے بہت اچھا سلوک کریں گے، اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی، یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال بعد یہ شخص مسلمان ہو کر آیا اور اسی مجلس میں فقہِ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اسے بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو گزشتہ سال یہاں آئے تھے، اس نے جواب دیا کہ ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان کیسے ہوگئے؟ اس نے کہا کہ میں یہاں سے لوٹا تو میں نے جملہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط آدمی ہوں، اور کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، میں نے امتحان لینے کے لیے تورات کے تین نسخے لکھے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ لکھ کر عیسائیوں کے پاس لے گیا، وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت سے یہ نسخے مجھ سے خرید لیے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کے ساتھ لکھے اور ان میں کمی بیشی کی، ان کو لے کر جب فروخت کرنے نکلا تو جس کے پاس گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا، اس سے میں نے یہ سبق حاصل کیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ رَبّ العزّت نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا
نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ
بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾

قدرتِ خداوندی کے واضح دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرما کر بنی نوع انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ ان نشانیوں میں غور و فکر کر کے کوئی بھی اس رب کی توحید کو پا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کیے جن سے آسمان کو زینت بخشی ہے، ستاروں کی تخلیق کے کئی مقاصد ہیں، جن میں سے دو مقاصد ان آیات میں ذکر کیے گئے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلا مقصد یہ ہے کہ اس سے آسمان دنیا کو زینت اور خوبصورتی بخشی جائے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان ستاروں کے ذریعہ آسمان کی حفاظت کا کام لیا جائے، تاکہ کوئی شیطان اور جن وغیرہ آسمان تک رسائی نہ حاصل کر سکے، اور اگر کوئی شیطان کبھی فرشتوں کی بات چوری چھپے سن کر بھاگے تو اس کے پیچھے شہاب ثاقب یعنی ایک روشن ستارہ لگا دیا جاتا ہے جو اس کو ہلاک کر کے دم لیتا ہے۔

اس کے علاوہ ستاروں کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے سفر میں راستوں کی تعیین کی جا سکے، جیسا کہ آج بھی سفر اور خاص طور پر سمندری سفر میں راستے کی تعیین کے لیے ستاروں سے کام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تین مقاصد کے علاوہ اگر کسی نے ستاروں سے کوئی اور مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس نے اپنے آپ کو تھکایا، حدیث پاک میں یہ مضمون تفصیل سے موجود ہے۔ اس لیے ستاروں سے قسمت کا پتا لگانا، حالات سے آگاہی وغیرہ سب ناجائز خبریں ہیں، حدیث مبارک میں ہے کہ جو نجومی کے پاس گیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں۔(سنن مسلم:۲۲۳۹)

اس کے علاوہ اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے جسے پروردگارِ عالم نے پھیلا دیا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ نصب کر دیے، اور اس میں سے پھل پھول اور بوٹے اگائے، انسانوں کی معیشت کے اسباب کو اس زمین سے منسلک کر دیا، اور جانوروں کی خوراک کا بھی ذریعہ بنا دیا۔ اسی طرح ہوائیں بھی اس پاک پروردگار کی قدرت کی نشانی ہے جو بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہے پھر ان بادلوں سے بارش برستی ہے جسے انسان اور جانور پیتے بھی ہیں اور باقی ماندہ زمین میں جمع ہو جاتا ہے، یہ سب اس خلاق عالم کی صناعی اور کاریگری ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور

موت ہے، اور وہی سب کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ تو جو پروردگار یہ سب کام کرنے پر قادر ہے، وہی حقیقی رَبّ اور معبود کہلانے کا حق دار ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۶ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝۲۷ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۸ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝۲۹ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝۳۱ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝۳۲ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۳ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝۳۴ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳۵ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۳۶ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۳۷ اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۳۸ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝۴۰ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ۝۴۱ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝۴۲ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۴۳ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝۴۴

تخلیقِ آدم علیہ السلام کا واقعہ

واقعے کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے انسان اور جنات کا مادّہ تخلیق بیان فرمایا ہے کہ انسان کو سڑے ہوئے گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو انسان کی تخلیق سے پہلے آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنات کی تخلیق انسان کی تخلیق سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ یہاں بسا کرتے تھے، اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرما کر انسان کی فضیلت اور شیطان کی انسان سے حسد اور عداوت کو بیان فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، اور جب میں اس کو پیدا کر لوں اور اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا، چنانچہ تمام فرشتے اللہ رَبّ العزّت کے حکم کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونک دیے جانے کے بعد ان کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ اس وقت ابلیس نے تکبّر کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ رَبّ العزّت نے علم ہونے کے باوجود اس سے پوچھا کہ تم نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ چونکہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، اس لیے میں ان سے افضل ہوں، اور جو افضل ہو وہ اپنے سے کم تر اور کم مرتبہ والے کو سجدہ نہیں کیا کرتا، اللہ رَبّ العزّت کے اس کا یہ عمل اور تکبّر پسند نہ آیا چنانچہ اسے راندۂ درگاہ بنا دیا اور حکم دیا کہ یہاں سے دفع ہو جا، اب قیامت تک کے لیے تجھ پر پھٹکار اور لعنت ہو گی، ابلیس نے یہ سن کر بجائے معذرت کرنے کے اللہ رَبّ العزّت سے مہلت مانگی اور عرض کیا کہ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دے دیں، تاکہ میں ان

(آدم علیہ السلام) سے اور ان کی اولاد سے بدلہ لے سکوں اور جس طرح آپ نے مجھے راندۂ درگار کردیا ہے، اسی طرح میں ان انسانوں کو دُنیا کی رنگینیوں میں مبتلا کرکے آپ کے راستہ سے گمراہ کردوں، اللہ ربّ العزّت نے اسے مہلت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی اثر نہیں ہوسکے گا، صرف چند گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ ہی تیری اتباع اور پیروی کریں گے، اور جو ایسا کرے گا ان سب کے لیے جہنّم تیار کی گئی ہے، جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے گناہگاروں کا ایک ٹولہ گزر کر جہنّم میں جا گرے گا۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَٰمٍ ءَامِنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَٰنًا عَلَىٰ
سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝ نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝ وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَٰهِيمَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا
سَلَٰمًا قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ۝ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَٰمٍ عَلِيمٍ ۝ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰٓ أَن
مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنَٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَٰنِطِينَ ۝ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ
رَبِّهِۦٓ إِلَّا الضَّآلُّونَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوٓا إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ إِلَّآ ءَالَ
لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا امْرَأَتَهُۥ قَدَّرْنَآ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَٰبِرِينَ ۝

متقین کا اِنعام واِکرام

شیطان کی پیروی کرنے والوں کے انجام کو بیان کرنے کے بعد ان آیات میں متقین اور پرہیزگاروں کے اُخروی انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخرت میں باغات اور چشموں میں ہوں گے، جہاں فرشتے ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے اور ان پر سلام بھیجتے ہوں گے، وہ امن اور سلامتی کے ساتھ وہاں رہیں گے، اور اگر دنیا میں کسی طبعی تقاضے کی وجہ سے ان کے دل میں کسی دوسرے جنتی کے لیے کینہ ہوا تو وہ ان کے دل سے نکال دیا جائے گا، اور سب بھائیوں کی طرح الفت اور محبت سے رہیں گے، وہاں ان کو ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ انہیں کبھی وہاں سے نکالا جائے گا، وہ ہمیشہ ان جنتوں اور نعمتوں میں رہیں گے۔

حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گریہ اور اِرشاد

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھی ہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مجاہدانہ کارناموں سے خوش ہوکر فرمایا تھا: ''فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي'' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ جملہ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمایا تھا، یہ کمال کا اعزاز ہے۔ جنگِ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں یہودی النسل سبائیوں نے جنگ کروادی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے، اس جنگ میں آپ کو شہید کردیا گیا، اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،

ان کے متعلق بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا ہو وہ طلحہ کو دیکھ لے، یہ بھی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے، ٣٦ھ میں جنگ جمل میں شہید ہو گئے، ان کی نعش پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اتنے روئے کہ داڑھی تر ہو گئی اور ارشاد فرمایا: میں اور آپ ان میں سے ہوں گے جن کے متعلق اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا: ”وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا۔“ (ارشاد الساری: ج ٨ ص ١٤)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ

متقین کے اخروی انجام کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور چونکہ ان کی ہلاکت جن فرشتوں کے ذریعے ہوئی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھی اولاد کی خوشخبری سنانے آئے تھے، اس لیے پہلے ان کا قصہ ذکر کیا گیا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ بھی سنا دیجیے، ہوا یوں کہ چند فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، آپ علیہ السلام انہیں نہ پہچان سکے، اسی لیے آپ نے انہیں عام مہمان سمجھا، تو چونکہ آپ علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے، اسی لیے فوراً ان کے لیے ایک بچھڑا ذبح کیا اور ان کے سامنے پیش کر دیا، مگر چونکہ وہ فرشتے تھے اس لیے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ لوگ مخالف نہ ہوں، فرشتوں نے جب آپ کے ڈر کو محسوس کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ خوف نہ کیجیے، ہم اللہ ربّ العزّت کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور آپ کو ایک فرزند کی خوشخبری سنانے آئے ہیں جو بڑا عالم ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں، اب مجھے یہ خوشخبری کیسے سنا رہے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ یہ اللہ ربّ العزّت کا طے کردہ امر ہے، اس لیے آپ ناامید نہ ہوں یعنی اپنے بڑھاپے کی فکر نہ کیجیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے میں کیسے ناامید ہو سکتا ہوں، ناامیدی تو گمراہ لوگوں کا کام ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ خوشخبری سنانے کے علاوہ بھی تمہارے بھیجے جانے کا کوئی اور مقصد ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے اور ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، ہم ان سب کو ہلاک کر دیں گے لیکن حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو اس عذاب سے بچا لیا جائے گا، البتہ ان کی بیوی چونکہ اپنی قوم کی طرفدار ہے اس لیے وہ بھی عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہو گی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ اَهْلُ
الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ
نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

قومِ لُوط کی ہلاکت کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنا کر وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، تو چونکہ وہ انسانی شکل میں تھے اس لیے حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کو نہ پہچان سکے، اور ان کے آنے سے پریشان ہو گئے کہ شاید اب میری قوم ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے، فرشتوں نے آپ کو پریشان دیکھ کر حقیقتِ حال سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ ہم اللہ ربّ العزّت کے بھیجے گئے فرشتے ہیں تاکہ آپ کی قوم پر عذاب نازل کر سکیں، اس لیے آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں اور متبعین کو لے کر یہاں سے چلے جایئے اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، صبح ہوتے ہی ان پر عذاب نازل کر دیا جائے گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی یعنی یہ سب ہلاک اور برباد ہو جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی چونکہ اپنی قوم سے ملی ہوئی تھی، اس لیے اس نے کسی کے ذریعہ قوم والوں کو ان مہمانوں کے آنے کی اطلاع کر دی شہر والوں کو جب پتا چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حسین لڑکے آئے ہیں تو وہ بُرے ارادے سے ان کے گھر پہنچے، حضرت لوط علیہ السلام کو اس وقت تک ان مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم نہیں تھا، اس لیے آپ نے پریشانی کے عالم میں اپنی قوم سے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں، ان کو پریشان کر کے مجھے عام لوگوں میں رسوا نہ کرو، اور خدا کا خوف کرو، لیکن قوم نہ مانی، اور اپنی مستی میں غرق رہی، اتنے میں صبح کے آثار دکھائی دینے لگے، جیسے ہی صبح ہوئی ایک تیز آواز گونجی، اس کے بعد اللہ ربّ العزّت کے حکم سے ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا، اور اوپر سے پتھروں کی بارش برسائی گئی، یوں یہ قوم ہلاک اور برباد ہو گئی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان تباہ شدہ بستیوں کا محل وقوع بیان فرما کر کُفّار و مشرکین کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل بصیرت کے لیے اللہ ربّ العزّت کی بڑی نشانیاں پوشیدہ ہیں، اور یہ بستیاں ایک آباد راستہ پر واقع ہیں، اس سے مراد عرب سے شام جانے والا راستہ ہے، جہاں اردن کے علاقہ میں یہ بستیاں موجود ہیں۔

''اصحاب الایکہ'' کون تھے؟

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اصحاب الأیکہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ لوگ بھی ظالم اور گنہگار تھے، اس لیے ہم نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔

''اَیکہ'' دراصل گھنے جنگل کو کہتے ہیں، اور اصحاب الایکہ سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے، کیونکہ وہ

مدین میں رہتی تھی اور مدین کے قریب ہی ایک گھنا جنگل موجود تھا، جس کی وجہ سے انہیں اصحاب الایکہ کہا جاتا ہے۔ اس قوم میں کفر و شرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرنے جیسے بُرائی بھی موجود تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تنبیہ کی اور ان افعالِ بد سے باز آنے کا حکم فرمایا، لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی، اور اپنے بُرے عقائد اور افعال پر ڈٹے رہے، جس کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے انہیں ہلاک کر دیا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۙ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۙ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۙ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۚ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔـلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

”اَصحابِ حجر“ کون تھے؟

قومِ لوط اور اہلِ مدین کی ہلاکت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اصحاب حجر کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

”حجر“ دراصل ایک وادی کا نام ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود آباد تھی، اسی لیے ان کو اَصحابِ حجر بھی کہا جاتا ہے، یہ اپنے دور میں ٹیکنالوجی کے بہت ماہر مانے جاتے تھے، اور پتھروں کو تراش کر ان میں گھر بنایا کرتے تھے، ان کے پاس اللہ ربّ العزّت نے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، لیکن انہوں نے ان کی اطاعت نہ کی اور اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہے، اور حضرت صالح علیہ السلام نے معجزہ کے طور پر انہیں پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دی تھی، جس کو ان لوگوں نے اپنی بدبختی سے قتل کر دیا، جس پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر عذاب آیا اور یہ سب ہلاک ہو گئے۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت

اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے انعام و اکرام کو دیکھیے کہ ہم نے آپ کو سات ایسی آیات عطا فرمائیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور جن کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ انہیں قرآن عظیم کہا جا سکتا ہے، مفسرین کرامؒ کے نزدیک اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جسے ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے، اور یہ اپنے مضامین کے لحاظ سے پورے قرآنِ کریم کا خلاصہ ہے، اس لیے اسے قرآن عظیم اور اُمّ القرآن بھی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے مزید ارشاد فرمایا کہ آپ ان کافروں کی شرارتوں اور ان کی طرف سے ملنے والی تکالیف کی طرف التفات نہ کیجیے، اور نہ چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیے جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں، کیونکہ وہ سب زائل ہو جائیں گی، آپ مؤمنین کی طرف متوجہ رہیے اور ان کی اصلاح کی فکر کرتے رہیے۔ البتہ کفّار کو تنبیہ اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھیے اور انہیں ہمارے عذاب سے ڈراتے رہیے، اور جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے علی الاعلان پہنچا دیجیے اور اگر یہ نہ مانیں تو ان کی ذرا پروا نہ کیجیے، ان مذاق اڑانے والوں اور استہزاء کرنے والوں کے لیے ہم کافی ہیں، اور اگر ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحمید کرتے رہیے اور نماز ادا کرتے رہیں اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہیے۔ (معارف القرآن)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں قرآن کی حقانیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن کفّار کی حسرت کو بیان فرمایا۔

۲۔سورت میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی چند نشانیاں بیان فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان توحید کو پاسکے۔

۳۔سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اور آدم علیہ السلام کی فضیلت اور شیطان کی انسان سے عداوت کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۔سورت میں مختلف ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ فرما کر ان سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۵۔سورت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الحجر بعون اللہ سبحانہ وتعالی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ النَّحْلِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں سولہ (۱۶)، جبکہ نزول کے اعتبار سے ستر (۷۰) نمبر پر ہے، سولہ (۱۶) رُکوع اور ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

۱۔نحل: ''نحل'' عربی زبان میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا بھی ذکر فرمایا ہے، اسی مناسبت سے سورت کا نام سورۂ نحل رکھا گیا ہے۔

۲۔نِعَم: ''نعم'' نعمت کی جمع ہے، چونکہ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی بہت سی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ نعم بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمائے تھے، اس سورت میں بڑی تعداد میں قدرت باری تعالیٰ کے نمونے اور اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کا تذکرہ کرکے اس کی رُبوبیت اور اُلوہیت کو ثابت کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کی دُنیوی اور اخروی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲۔سورت میں کفّار کے ایمان نہ لانے کی وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔

۳۔سورت میں کچھ احکامِ شریعت (ہجرت، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ) کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

۴- مؤمنین اور اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ يُنَزِّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۤءُ
مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ
وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۞ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۞ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞

وقوعِ قیامت کی اطلاع اور کفّار کو تنبیہ

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے کفّار کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس عذاب اور قیامت کو یہ کفّار ہر وقت مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں، وہ قیامت عنقریب واقع ہو جائے گی، اس لیے تم جلد بازی نہ کرو، بلکہ اس کفر اور شرک سے باز آ جاؤ جس میں تم مبتلا ہو۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے تاکہ ان میں غور و فکر کر کے توحید کو سمجھا جا سکے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، اور انسان کو ایک ناپاک پانی کے قطرہ سے پیدا فرمایا، پھر جب اس کو جوانی اور طاقت مل گئی تو وہ خود ہی اپنے خالق اور مالک پروردگار کی ذات و صفات میں جھگڑنے اور بحث کرنے لگا۔ اسی طرح جانوروں اور چوپاؤں کو بھی اللہ رَبّ العزّت نے پیدا فرمایا، جن کی تخلیق کا بڑا مقصد انسانوں کو نفع پہنچانا ہے، اور انسانوں کو ان چوپاؤں سے مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں، انسان ان کی اون سے اپنے کپڑے اور پوشاکیں تیار کرتا ہے، اور ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو اپنی خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہے، ان کے دودھ کو استعمال کرتا ہے۔ نیز وہ جانور انسانوں کی شان و شوکت کے اظہار کے بھی کام آتے ہیں، اور ان کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ بھاری سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، بعض جانور مثلاً گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ سواری اور باربرداری کے ہی کام آتے ہیں۔

قرآن میں جدید ایجادات کا ذکر

ان سب جانوروں اور چوپایوں کے تذکرہ کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت ایسی

چیزیں بھی پیدا فرمائے گا جنہیں تم نہیں جانتے، اس جملے میں وہ سب ایجادات شامل ہیں جن کا پرانے زمانہ میں کوئی تصور نہیں تھا لیکن آج ایجاد ہو چکی ہیں مثلاً بسیں، کاریں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز وغیرہ، اور وہ سب بھی جو آئندہ کبھی ایجاد ہوں گی، کیونکہ ہر چیز کا حقیقی خالق اللہ ربّ العزّت کی ہی ذات ہے، انسان تو محض اللہ ربّ العزّت کی پیدا کی ہوئی دھاتوں میں اللہ ربّ العزّت کی دی گئی عقل اور فہم کے ذریعہ جوڑ توڑ کر کے ان کے مختلف پرزے بناتا ہے اور ان میں اللہ ربّ العزّت کی بخشی ہوئی ہوا، پانی یا آگ سے کرنٹ پیدا کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ
وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝١٢ وَمَا
ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝١٣ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٤ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٥ۙ
وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝١٦ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝١٧ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا
تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٨ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝١٩ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا
يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝٢٠ۭ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٢١ۧ اِلٰــهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٢٢

پروردگارِ عالم کی چند مزید نعمتیں

اللہ ربّ العزّت کا اپنے بندوں پر ایک انعام یہ ہے کہ اس نے ان کے فائدہ کے لیے آسمان سے پانی برسایا، جس سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ پانی انسان کے پینے کے کام آتا ہے، اور اس پانی سے مختلف قسم کے درخت اور پودے پیدا ہوتے ہیں، جو انسان کے بھی استعمال میں آتے ہیں اور جانوروں کے بھی، اسی پانی سے کھیتی اور باغات بھی پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ رات، دن اور سورج و چاند کی گردش کا مرتب نظام اور جگمگاتے ستارے بھی اس کی قدرت کی بڑی نشانی ہیں، جس میں انسان کے نفع اور فائدہ کی بہت سی چیزیں پوشیدہ ہیں، زمین کی تہ میں موجود معدنیات اور مختلف رنگوں کے پہاڑ اس کی عظمت اور قدرت کے گن گاتے ہیں، اسی پاک ذات نے سمندروں اور دریاؤں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا، اور اس میں بڑی بڑی کشتیاں چلا دیں، جن پر انسان دور دراز کے سفر طے کرتا ہے، سمندر اور دریا سے مچھلی کی صورت میں تازہ گوشت حاصل کرتا ہے اور سمندر سے کئی قیمتی پتھر اور جواہرات بھی نکلتے ہیں جس سے انسان متعدد منافع حاصل کرتا ہے۔ یہ سب اس پاک ذات کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے علاوہ بھی اس کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کو شمار کرنا

اور گننا کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے، اس کے باوجود انسان خاص طور پر مشرک اور کافر انسان اس پاک پروردگار کا شکر ادا نہیں کرتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ جو ذات ان سب چیزوں کی پیدا کرنے والی ہو، وہ اور پتھر کی بے جان مورتیاں کیسے برابر ہو سکتی ہیں؟ جن کو نہ کسی بات کا شعور ہے اور نہ ہی ادراک، وہ تو مردوں کی طرح خود محتاج ہیں، اگر وہ ذرا بھی غور وفکر کریں تو یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اتنی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی اس پاک ذات کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے دل ہی پتھر ہو چکے ہیں اور حق قبول کرنے سے محروم ہو چکے ہیں۔

نوٹ:- آیت نمبر ۲۱ تا ۲۵ میں مشرکین کے جھوٹے خداؤں یعنی بتوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ وہ بت خالق نہیں، بلکہ مخلوق ہیں، اس آیت کا انبیاء علیہم السلام کی قبورِ مطہرہ سے کوئی تعلق نہیں۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

کفّار کی دُنیا اور آخرت میں رُسوائی

اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد کافروں کے انجام کا ذکر فرمایا جو ان نعمتوں کے باوجود حق تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اور انہیں ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں کی ہلاکت اور تباہی کے بارے میں آگاہ کر کے تنبیہ فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی انبیاء علیہم السلام کے خلاف بڑی تدبیریں اور چالیں چلیں، لیکن اللہ ربّ العزّت نے ان کی تمام تدبیروں اور چالوں کو ناکام فرما دیا، اس کے بعد ان پر دنیا میں بھی دردناک عذاب آیا جس سے وہ نشانِ عبرت بن کر رہ گئے، اور آخرت میں بھی اللہ ربّ العزّت انہیں ذلیل و رسوا کریں گے، اور انہیں جہنّم کی آگ میں جھونک دیں گے، جہاں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔

مؤمنین کا دُنیوی واُخروی اَجر واِنعام

اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں اللہ ربّ العزّت کے نازل کردہ قرآن پر ایمان لائے اور اس کے احکامات پر عمل کیا ان کے لیے دُنیا میں بھی بھلائیاں ہیں اور آخرت کا اجر تو کہیں زیادہ ہوگا، وہاں وہ متقین ایسی جنتوں میں رہائش پذیر ہوں گے، جن کے درختوں اور عمارتوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اور جس چیز کو ان کا جی چاہے گا وہ ان کو ملے گی، اور موت کے وقت بھی جو فرشتے ان کی روح قبض کریں گے وہ انہیں سلام کہہ رہے ہوں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ
شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ
رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ
فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ
مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا
عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

۱- کُفّار کا پہلا اِعتراض: ’’اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے‘‘

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار کے دو شبہات ذِکر فرما کر ان کے جواب ارشاد فرمائے ہیں۔ کفار کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا کُفر اور شرک ناپسند ہوتا تو ہم شرک کیوں کرتے؟ ہمارا شرک کرنا اس کی رضا کی علامت ہے ورنہ وہ ہمیں شرک نہ کرنے دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کو ہمارا یہ فعل ناپسند نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کُفّار کا یہ اعتراض اور شبہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ان سے پہلے والی قوموں نے بھی ایسے ہی اعتراض کیے تھے، حالانکہ یہ اعتراض بدیہی طور پر غلط ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے اس دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ انسان کو بالکل مجبور نہیں بنایا بلکہ اسے ایک حد تک بااختیار بنایا ہے اور اسی اختیار پر قیامت کے دن جزا اور سزا دی جائے گی، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے اس اعتراض سے ذرا بھی غمگین نہ ہوں، آپ کے اور آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچانا ہے، ان سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔

۲- کُفّار کا دوسرا اِعتراض: ’’مَر کر کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟‘‘

کُفّار کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور جو شخص مر جاتا ہے وہ دوبارہ کبھی زندہ نہیں ہوگا، اس

کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ بات سراسر غلط ہے، اللہ رَبّ العزّت ضرور سب کو زندہ کرے گا، اور زندہ کرنے کے بعد ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ یعنی جزا اور سزا دے گا، اور یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، کیونکہ جب وہ پاک ذات کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو اسے صرف ''کن'' کہنا ہی کافی ہوتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ تو جس ذات کی قدرت اتنی کامل ہو اس کے لیے کسی بے جان چیز کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہوگا؟

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

''ہجرت'' کی فضیلت اور اَجر

''ہجرت'' کا معنی ہے: ''اپنا وطن چھوڑنا''، اگر کسی جگہ مسلمانوں کو اپنے اسلامی عقائد اور عبادات پر عمل کرنے میں دشواری کا سامنا ہو تو وہاں کے مسلمانوں کو کسی ایسی جگہ کی طرف ہجرت کرنی چاہیے جہاں ان کے لیے اسلامی احکام کو برقرار رکھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو، چونکہ اپنا وطن چھوڑ کر کسی دوسرے دیس جا بسنا نہایت مشکل کام ہے، اس لیے جو شخص محض اسلام کی خاطر اپنا گھر اور وطن چھوڑے اس کا اللہ رَبّ العزّت کے نزدیک بڑا مقام ہے، اللہ رَبّ العزّت نے ان آیات میں اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں انہیں دنیا میں بھی اللہ رَبّ العزّت اچھا ٹھکانہ عطا فرماتے ہیں اور آخرت کے بے حساب اجر و ثواب کا بھی کوئی حساب نہیں ہے۔

کُفّار کا اِعتراض: ''نبی بشر نہیں ہو سکتا''

کُفّار و مشرکین مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر اور انسان ہیں، اس لیے آپ اللہ کے رسول نہیں ہو سکتے، کیونکہ کوئی بشر اور انسان نبی یا رسول نہیں ہو سکتا، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی جتنے انبیاء و رُسل دُنیا میں بھیجے وہ سب کے سب بشر ہی تھے، لیکن چونکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، اور اللہ رَبّ العزّت انہیں معجزات اور کتابیں بھی عطا فرماتے ہیں، اس لیے ان کا درجہ عام انسانوں سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے، کوئی عام بشر ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر کُفّار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات پر یقین نہیں کہ پہلے انبیاء بھی بشر تھے تو اہلِ علم سے پوچھ لو جن کو ان انبیاء کے حالات کا علم ہے، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انبیائے سابقین علیہم السلام بھی بشر ہی تھے۔

اَئمۂ اَربعہ کی تقلید واجب ہے!

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک اہم ضابطہ بیان فرمایا کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور ان نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتائے ہوئے کے مطابق عمل کریں، اسی کا نام "تقلید" ہے، یہ قرآن کا واضح حکم ہے اور عقل کے بھی عین مطابق ہے، اُمّتِ محمدیہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک بغیر کسی اختلاف کے اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے کہ جن حضرات کو اللہ رَبّ العزّت نے شریعت کے اصول وضوابط سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص احکام کو قیاس کر کے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، اور جنھیں عربی زبان وعربی محاورات، نیز قرآن وسنّت سے متعلق تمام علوم کا معیاری علم اور تقویٰ کا خاص مقام حاصل تھا، مختلف اور مجتہد فیہ مسائل میں ان حضرات کی تقلید کی گئی اور ان کی تحقیق پر اعتماد کیا گیا، اور یہی طریقہ درست اور حق کے زیادہ قریب ہے۔

فائدہ:- مذکورہ بالا سطور میں تقلید کے بارے میں نہایت مختصر خلاصہ تحریر کیا گیا ہے، جو صاحب اس بارے میں مفصل تحقیق پڑھنے کے خواہش مند ہوں وہ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا رسالہ "تقلید کی شرعی حیثیت" کا مطالعہ فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ اَحادیث حُجّت ہیں

انہی آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآنِ کریم نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو کھول کر واضح فرمادیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی بیانِ قرآن اور تفسیر وتشریحِ قرآنِ کریم کے لیے ہوئی، لہٰذا جو کچھ آپ نے بیان فرمایا وہ سب بھی حجت اور قرآنِ کریم کی تفسیر وضاحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قرآنِ کریم کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم اجمال اور حدیث اس کی شرح ہے، قرآنِ کریم صامت اور خاموش ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ ناطق یعنی بولنے والے قرآن ہیں۔ اہل اسلام کا احادیث کی حجیت پر اتفاق واجماع ہے۔

کُفّار کو تنبیہ

کُفّار کے اعتراض کا جواب دینے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اپنی اسی روش پر برقرار رہے اور کُفر وشرک کو نہ چھوڑا تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں ہی اللہ رَبّ العزّت تم پر عذاب نازل فرمادے، اور تمہیں زمین میں دھنسادے یا کسی ایسے موقع سے تم پر عذاب نازل کردے جہاں تمہیں گمان بھی نہ ہو، جیسے غزوۂ بدر میں بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان پر چلتے پھرتے کوئی آفت نازل ہوجائے، یا کوئی ایسی بیماری آپڑے جو ان کو آہستہ آہستہ ہلاکت کے منہ میں دھکیل دے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کے آئے ہوئے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا
يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ
مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ
مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

کفّار سے اللہ ربّ العزّت کا شکوہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار سے شکوہ کیا ہے کہ تمہیں جو بھی نعمتیں ملی ہیں وہ سب اللہ ربّ العزّت کی ہی عطا کردہ ہیں، اور اگر کوئی تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بھی اللہ ربّ العزّت کی ہی طرف سے ہے، اور تم بھی تکلیف کے وقت اسے ہی پکارتے ہو، لیکن جب اللہ ربّ العزّت تمہاری پکار پر اس تکلیف کو دور فرمادیں تو تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہو اور کہتے ہو کہ فلاں بت نے ہم سے تکلیف دور کی، یہ طریقہ نہایت ناشکری اور نمک حرامی والا ہے، اس سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔

ایک مشرکانہ فعل یہ بھی ہے کہ یہ اللہ رب العزت کے دیے گئے رزق میں سے غیر اللہ اور معبودانِ باطلہ کا حصہ رکھتے ہیں، مثلاً بتوں کے نام پر جانور قربان کرنا یا چڑھاوے چڑھانا وغیرہ، جس کے بارے میں ان سے قیامت کے روز اللہ ربّ العزّت ضرور باز پرس فرمائیں گے۔ غیر اللہ کے نام پر نیاز دینا یا جانور ذبح کرنا شرک فعلی ہے، قرآنِ کریم نے شرکِ قولی کے ساتھ شرکِ فعلی کی بھی تردید کی ہے۔

نیز ان کے شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مشرکین اللہ ربّ العزّت کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اگر ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملے تو اس قدر ناراض اور پریشان رہتے ہیں کہ ان کا چہرہ بے رونق اور سیاہ لگتا ہے، اور دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے، اور بیٹی کی پیدائش کو عار سمجھ کر لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس بیٹی کو اپنے پاس رکھ کر ذلت برداشت کروں یا اس کو زندہ مٹی میں دفن کردوں۔ مقامِ افسوس ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے ہیں (حالانکہ حقیقتاً وہ باعثِ عار نہیں ہے)، اسے اللہ ربّ العزّت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت ان کی اس بکواس سے بالکل پاک ہے۔

"بیٹیاں" رحمت اور مغفرت کا ذریعہ ہیں!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیٹی کا پیدا ہونا ہرگز عار یا ذلت کی بات نہیں، ایسا سمجھنا ہرگز جائز نہیں، یہ کفّار کا طرزِ عمل ہے، اسی لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ بیٹی کی پیدائش پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ کفّار کے اس عمل کی تردید ہوسکے، ایک

حدیث میں ہے کہ وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہو۔ (کنز العمال: ۴۶۰۴۶) ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کی بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ اور پردہ بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری: ۵۹۹۵)

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ
فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی عقلی دلیل

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ایک بار پھر اپنی قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت آسمان سے بارش کی صورت میں پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے خشک اور بنجر زمین کو سرسبز اور آباد کر دیتے ہیں، تو جو رَبّ مُردہ اور خشک زمین کو دوبارہ زندہ اور آباد کرنے پر قادر ہے وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر کیوں نہیں ہو سکتا؟

جانور اور دُودھ اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز قدرت کے نمونے!

اسی طرح اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے چوپائے بھی ہیں، جن کے پیٹ میں اللہ رَبّ العزّت گوبر اور خون جیسی ناپاک چیزوں کے درمیان سے پاک اور خالص دودھ پیدا فرما دیتے ہیں جو پینے میں نہایت خوشگوار ہوتا ہے، یہ دودھ اللہ رَبّ العزّت کی بڑی نعمت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ" یعنی اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت عطا فرما اور آئندہ اس سے اچھا کھانا نصیب فرما، اور فرمایا کہ جب دودھ پیو تو یہ کہو کہ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ" کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرما اور اس میں اضافہ فرما۔ (سنن ابوداؤد: ۳۷۳۲) یہاں اس سے بہتر کا سوال اس لیے نہیں کیا گیا کہ انسانی غذا میں دُودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں ہے، اسی لیے قدرت نے ہر انسان وحیوان کی پہلی غذا دُودھ ہی بنائی ہے جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے۔ (معارف القرآن)

اسی طرح کھجور اور انگور وغیرہ جیسے پھل بھی اس کی نعمتوں میں شامل ہیں جس سے لوگ اپنے فائدہ کی چیزیں حاصل کرتے ہیں، بعض لوگ ان پاکیزہ اور حلال پھلوں سے نشہ حاصل کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ انہیں عمدہ غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی، مدنی زندگی میں شراب قطعاً حرام کر دی گئی۔

''شہد کی مکھی'' عجائباتِ قدرت میں شامل ہے!

اس کے بعد باری تعالیٰ نے شہد کی مکھی کا ذِکر فرمایا، جس کے نام پر سورت ہے، اور ارشاد فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے شہد کی مکھی کو یہ شعور عطا فرمایا کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور بلند عمارتوں میں چھتے بنائے، چنانچہ ہم سب دیکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی عام طور پر درختوں اور بلند مقامات پر چھتے بناتی ہے۔ اسی طرح اللہ ربّ العزّت نے اسے یہ شعور بھی عطا فرمایا کہ وہ مختلف قسم کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوسے، جس کے نتیجہ میں اللہ رب العزت اس کے پیٹ میں شہد جیسا بابرکت اور نہایت پاکیزہ مشروب پیدا فرماتے ہیں جو مختلف رنگوں کا ہوتا ہے، اور اس میں کئی بیماریوں کی شفا ہے۔

شہد کی مکھی کا خاص طور پر ذِکر اس لیے کیا گیا ہے کہ شہد کی مکھی اپنی فہم و فراست اور عقل و شعور میں دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز ہوتی ہے، ان کا نظامِ زندگی انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے، تمام انتظام و انصرام ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو ان کی حکمران اور ملکہ ہوتی ہے، اور وہ اپنے قوانین کو نہایت مستحکم رکھتی ہے۔ اور ان کے قوانین وضوابط دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

''شہد کی مکھی'' کے محیر العقول کارنامے

شہد کی مکھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے۔ اس چھوٹی سی مکھی کے کارنامے ملاحظہ فرمائیں:

۱- مکھی اپنا چھتہ مسدس متساوی الاضلاع بناتی ہے، کسی بھی طرف سے کوئی کونا کم یا زیادہ نہیں ہوتا، ہر کونا ایسے برابر ہوتا ہے گویا پرکار کے ساتھ بنایا گیا ہو۔

۲- چھتے میں نہ تو کوئی خالی جگہ رہتی ہے، نہ ہی اس میں کہیں سے کوئی خلل نظر آتا ہے۔

۳- شہد کی مکھیوں کی ایک بڑی مکھی ملکہ اور بادشاہ ہوتی ہے، جس کا حکم چھتے کی تمام مکھیوں پر نافذ ہوتا ہے، اس ملکہ کا نام ''یعسوب'' ہے، تمام مکھیاں اس کی اطاعت کرتی ہیں۔

۴- ہر چھتے کے دروازوں کے اردگرد محافظ مکھیاں چھتے کی حفاظت پر معمور ہوتی ہیں، باہر کی کوئی مکھی چھتے میں داخل نہیں ہو سکتی، یہ محافظ دستہ چھتے کی حفاظت کرتا ہے۔

۵- یہ مکھیاں دور دراز علاقوں میں گھومتی ہیں، رس چوستی ہیں، پانی پیتی ہیں اور واپس اپنے چھتے میں باآسانی پہنچ جاتی ہیں، کبھی راستہ نہیں بھولتیں۔

۶- چھتہ موم اور پانی سے تیار کرتی ہیں۔

۷- مذکورہ آیت میں تین مقامات پر چھتے بنانے کا ذِکر ہے: ۱- پہاڑ، ۲- درخت، ۳- چھپر وغیرہ جن پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں (اس میں دیواریں اور چھتیں بھی شامل ہیں) شہد کی مکھی انھی مقامات پر ہی چھتہ بناتی ہیں، اگر مذکورہ بالا تین مقامات کے علاوہ کہیں اور چھتہ بنا بھی لیں تو شہد ضائع کر دیتی ہیں۔

۸-ملکہ دیگر مکھیوں میں اُمور تقسیم کر دیتی ہے۔ بعض چھتہ بنانے میں، بعض موم اور پانی لانے میں مصروف ہوتی ہیں، بعض انڈے دیتی ہیں اور بعض شہد تیار کرتی ہیں۔ (صاوی حاشیہ جلالین)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝٧٢ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝٧٣ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧٤ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٧٦

اہل وعیال بھی نعمتِ خداوندی ہیں!

اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہاری ہی جنس میں سے تمہارے جوڑے اور بیویاں بنائیں، تاکہ باہمی طور پر اُنس پیدا ہو اور نسل انسانی کی افزائش بھی برقرار رہے، پھر ان بیویوں سے اللہ ربّ العزّت نے اولاد اور اولاد کی اولاد کا سلسلہ جاری فرمایا، اور پھر ان کی بقاء کے لیے رزق کی ضروریات بھی اس پاک ذات نے اپنے فضل وکرم سے پیدا فرمادیں، اس سب کے باوجود اگر انسان اس پاک پروردگار کو چھوڑ کر بتوں کی طرف مائل ہو اور ایسی بے جان مورتیوں کی عبادت میں لگ جائے جو نہ ان کو رزق دے سکتی ہیں اور نہ کوئی نفع ونقصان، تو یہ انسان کی نری حماقت اور بے وقوفی ہے۔

شرک کے بطلان پر دو خوبصورت مثالیں

پہلی مثال:- اللہ ربّ العزّت نے آقا اور غلام کی مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ایسا ہے جس کو اللہ ربّ العزّت نے مال ودولت اور اقتدار عطا فرمایا ہے، اور وہ دن رات اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے، جبکہ دوسرا شخص ایک ایسا غلام ہے جس کے پاس کوئی اختیار نہیں، کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہیں؟ جب یہ دونوں ایک ہی جنس کے ہوتے ہوئے برابر نہیں ہیں تو کوئی مخلوق اللہ ربّ العزّت کے برابر کیسے ہوسکتی ہے؟

دوسری مثال:- اللہ ربّ العزّت نے دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی، جن میں سے ایک شخص ایسا ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف اور اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، اور خود بھی صاحب علم اور سیدھے راہ پر گامزن ہے، جبکہ دوسرا شخص ایسا ہے جو نہ خود اپنا کام کرسکتا ہے نہ کسی دوسرے کا کوئی کام درست کرسکتا ہے، اپنے مالک اور آقا پر بھی بوجھ ہے، اسے کہیں بھی بھیجا

جائے تو کبھی کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، تو اللہ ربّ العزّت جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اس کے ساتھ یہ لاچار و عاجز بُت کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ
لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

’’غیب کا علم‘‘ صرف اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کی چند مزید نشانیاں بیان فرمائی ہیں، مگر ان سے پہلے ارشاد فرمایا کہ آسمان و زمین میں صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہی عالم الغیب ہے، زمین و آسمان کی کوئی بھی بات اور معاملہ اس سے چھپا ہوا نہیں ہے، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور جب وہ چاہے گا تو قیامت پلک جھپکنے میں آجائے گی، اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل ہے۔

دراصل عقلی طور پر معبود کے لیے درج ذیل تین کمالات کا ہونا ضروری ہے:

۱۔علمِ کامل: تاکہ اپنی مخلوقات کی حاجت براری کر سکے۔

۲۔قدرتِ کاملہ: تاکہ مخلوقات کی مشکلات حل کر سکے۔

۳۔رحمتِ کاملہ: تاکہ رحمت کے ساتھ جملہ مخلوقات کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اس لیے قرآنِ کریم میں ان اوصاف کو جابجا بیان کیا گیا ہے۔ یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں موجود نہیں۔

اسی کی قدرت ہے کہ اس نے تمہیں ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اس نے تمہیں آنکھ، کان، اور دل دیے، اور جیتا جاگتا انسان بنا دیا، اور تمہیں شعور بخشا، تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو، اس پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرو۔

وہی پاک ذات ہے جس نے پرندوں کو اُڑنا سکھایا، وہی ان پرندوں کو ہوا میں تھامے رکھتا ہے، اگر اللہ نہ چاہتا تو کوئی انہیں اُڑا نہیں سکتا تھا، یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

''گھر'' بھی نعمتِ الٰہی ہیں!

اسی پروردگار نے تمہارے لیے حالتِ سفر اور حالتِ حضر میں گھر اور آرام کی جگہ عطا فرمائی، حضر میں تمہیں گھر دیے جن میں تم آرام سے رہ سکتے ہو، جن لوگوں کے گھر نہیں ہوتے وہ خانہ بدوش یا پارکوں اور فٹ پاتھوں پر زندگی گزارتے ہیں، اور سفر کے لیے جانوروں کی کھالوں کے بنے ہوئے خیمے عطا فرمائے جو وزن کے اعتبار سے ہلکے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے انہیں سفر میں لادنا اور ساتھ لے جانا آسان ہوتا ہے، اس کے علاوہ جانوروں کی اون اور ان کے بالوں سے تمہارے لیے کئی فائدہ کی چیزیں بنائیں، تم ان سے گرمی حاصل کرتے ہو، مختلف قسم کے لباس بناتے ہو، یہ سب اس کی نعمتیں ہیں۔

اسی نے تمہارے لیے سایہ دار چیزیں مثلاً درخت اور مکانات وغیرہ بنائے، پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہیں ایسے لباس بھی عطا کیے جو تمہیں گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتے ہیں اور ایسے لباس بھی جو حالتِ جنگ میں زخموں سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں جیسے زرہ، ڈھال اور بلٹ پروف جیکٹس وغیرہ، ان سب نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس پروردگارِ عالم کو پہچانو، اور اس کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا شکر بجالاؤ، جس کی صورت یہ ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے احکامات کی فرمانبرداری کرو۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ
ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا
هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ
يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ
شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

قیامت کے چند مناظر

ان آیات میں باری تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی اور اس کے چند احوال بیان فرمائے ہیں اور کفّار کی بے بسی کو بھی بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہم ہر اُمّت میں سے ایک ایک گواہ بلائیں گے جو اس اُمّت کا نبی ہوگا، اور وہ ان کے اعمال کی گواہی دیں گے، جس کے بعد ان کافروں کو نہ معذرت کرنے کی گنجائش ہوگی اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی، کیونکہ آخرت دار الجزا ہے، دار العمل نہیں، بلکہ فوراً عذاب میں جھونک دیے جائیں گے، اور وہ عذاب نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ کبھی اس سے نکل سکیں گے۔ اسی دوران مشرکین اپنے ان معبودوں کو جہنّم میں دیکھیں گے جنہیں وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے، تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے معبود بنے ہوئے تھے، ان کے معبود ان سے اظہار براءت کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس وقت مشرکین و کفّار اللہ ربّ العزّت کی اطاعت کا اقرار

کریں گے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ انہیں دوہرے عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا، کیونکہ وہ خود بھی کفر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے تھے۔

نیز اس دن جب ہر اُمت پر ان کا نبی گواہ ہوگا، اور اپنی اُمت کے اعمال کی گواہی دے گا، اس دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سب پر گواہی کے لیے بلایا جائے گا، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی ہے جو دین کی تمام باتوں کو بیان کرنے والی ہے، اور اسی قرآن نے گزشتہ قوموں اور ان کے انبیاء کے حالات و واقعات بھی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

احادیث میں تفصیل سے مذکور ہے کہ روزِ محشر گزشتہ اُمم اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کے خلاف استغاثہ دائر کریں گی کہ انہوں نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا تھا، یہ انبیاء علیہم السلام اپنی صفائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو بطور گواہ پیش کریں گے تب ان کی قومیں جھوٹی اور انبیاء علیہم السلام سچے ثابت ہوں گے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ
عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۚ
تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا
وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا
قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ
الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ
بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا
سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝

قرآن کی جامع ترین آیت

ان آیات میں سے پہلی آیت ''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝'' قرآنِ کریم کی جامع ترین آیت ہے، کیونکہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے تمام اسلامی

تعلیمات کو چند لفظوں میں بیان فرما دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین سے آج تک یہ دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ اور عیدین کے خطبات میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے تین چیزوں کا حکم عنایت فرمایا ہے اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے، جن تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، وہ عدل، احسان اور رشتہ داروں پر خرچ کرنا، جبکہ جن تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان میں فحش کام، ہر بُرا کام اور ظلم شامل ہیں۔

جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں عدل سرفہرست ہے، عدل سے مراد یہ ہے کہ تمام اخلاق حسنہ کی پابندی کی جائے اور تمام بُرے اعمال واخلاق سے اجتناب کیا جائے۔ جبکہ احسان سے مراد یہ ہے کہ خود اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اچھا ہو اور دوسرے کے ساتھ بھی اچھا سلوک اور معاملہ کیا جائے، بعض مفسرین کرام کے نزدیک عدل یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا دے دے، نہ کم ہو نہ زیادہ، جبکہ احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دے دیا جائے۔ تیسرا حکم اس آیت میں رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا ہے، اس میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی بھی شامل ہے اور ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون بھی۔

جبکہ جن تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان میں سرفہرست ''فحشاء'' ہے، یعنی ہر ایسا بُرا فعل اور قول جس کی بُرائی بالکل واضح ہو، ہر شخص اس کو بُرا سمجھے، اس میں گندی باتیں، گندے اعمال، بے حیائی، بدکرداری، عریانی وغیرہ شامل ہیں، جبکہ دوسری چیز ''منکر'' سے مراد ایسے تمام اقوال اور افعال ہیں جن کے حرام اور ناجائز ہونے کو شریعت نے بیان کیا ہو، اور تیسری چیز ''بغی'' یعنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اس سے مراد ظلم اور سرکشی ہے۔ (معارف القرآن)

عہد شکنی اور قسم توڑنے کی مذمت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عہد کو پورا کرنے کی تلقین اور عہد شکنی کی مذمت بیان فرمائی اور حکم دیا کہ جب تم کسی بات کا عہد کرلو اور وہ عہد ایسا ہو جو شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو تو اسے پورا کیا کرو، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے متعلق، اسی طرح اگر قسم کھائی ہو تو ان کو مت توڑو بلکہ ان کو پورا کرنے کی کوشش کرو، بشرطیکہ وہ قسم کسی خلاف شرع کام کی نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اسے بھی ہر حال میں نبھانے اور پورا کرنے کی کوشش کرو، ایسا نہ ہو کہ کسی دوسری قوم کا پلڑا بھاری دیکھتے ہوئے ان کی طرف جھک جاؤ اور ان سے معاہدہ توڑ دو، یہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک ہرگز پسندیدہ نہیں، نیز یہ حکم بھی دیا گیا کہ اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ مت بناؤ، فساد کا ذریعہ بنانے سے مراد قسموں کا توڑنا ہی ہے، کیونکہ ایسی قسم جس میں اللہ ربّ العزّت کا نام شامل کیا گیا ہو، اور اس میں کوئی ناجائز یا خلاف شرع بات بھی شامل نہ ہو تو اس کو پورا کرنا لازم اور بلا وجہ توڑنا درست نہیں۔ قسم میں اللہ تعالیٰ کے نام کی لاج رکھی جائے، اللہ ربّ العزّت کا نام لے کر اس کے تقدس کو ہرگز پامال نہ کیا جائے۔

قسم اور عہد سے متعلق ایک حکم یہ بھی دیا گیا کہ مال حاصل کرنے کی غرض سے کسی عہد یا قسم کو توڑنا بھی درست نہیں،

اس سے اللہ ربّ العزّت نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا کے عارضی اور فانی فائدہ کے عوض اپنے عہد کا سودا نہ کرو، کیونکہ دُنیا میں جو کچھ ہے وہ ختم ہونے والا ہے جبکہ اللہ رَبّ العزّت کے پاس جو ذخیرۂ آخرت ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور اللہ رَبّ العزّت عہد کا پاس رکھنے والوں کو آخرت میں ضرور اجر سے نوازیں گے۔

تلاوتِ کلامِ پاک سے پہلے "تعوّذ" پڑھنا لازم ہے!

گزشتہ آیات میں قسم اور عہد کو پورا کرنے سے متعلق احکام بیان کیے گئے تھے، جن میں شیطان کے بہکانے کی وجہ سے غفلت ہوجاتی ہے تو اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، خاص طور پر تلاوت کلام سے پہلے شیطان سے پناہ مانگنے اور تعوذ پڑھنے کا اہتمام کرنا لازم قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جب آپ قرآن پاک پڑھیں تو اللہ رَبّ العزّت کی شیطان مردود سے پناہ طلب کیا کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شیطان اس شخص سے دور بھاگ جائے گا اور اس کی عبادت اور تلاوت میں کوئی خلل نہیں ڈال سکے گا، کیونکہ شیطان کا ان لوگوں پر تسلط نہیں ہوسکتا جو اللہ رَبّ العزّت کی پناہ میں ہوں اور اس پر بھروسہ کرتے ہوں، شیطان کا زور صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کی اتباع کرتے ہیں اور اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

آیات کا منسوخ ہونا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے!

ان آیات میں کفّار کے ایک شبہ اور اعتراض کو ذکر فرما کر اس کا جواب دیا گیا ہے، کفّار مکہ کا اعتراض یہ تھا کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ رَبّ العزّت کا کلام ہوتا تو اس میں آیات منسوخ نہ ہوتیں، یوں ایک آیت کچھ عرصہ برقرار رکھنے کے بعد اس آیت کو منسوخ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن من گھڑت ہے، اللہ ربّ العزّت کا نازل کردہ نہیں ہے۔ اللہ رَبّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب قرآنِ کریم کی کوئی آیت اللہ رَبّ العزّت تبدیل فرما دیتے ہیں یعنی اس کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دیتے ہیں، تو یہ کسی خاص مصلحت کے تحت کیا جاتا ہے جسے اللہ رَبّ العزّت ہی جانتے ہیں، اور لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔

اسی طرح کفّار کا ایک اعتراض یہ تھا کہ یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روم کا ایک شخص سکھاتا ہے جس کا نام بلعام یا مقیس تھا، وہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں خوب دھیان سے سنتا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار

اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتے، اور وہ شخص انجیل سے بھی واقف تھا، تو کفّار نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہی شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن سکھاتا ہے، اللہ ربّ العزّت نے اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا عقل کے ہی خلاف ہے، کیونکہ جس شخص کی طرف تم یہ بات منسوب کر رہے ہو اس کی زبان عجمی ہے جبکہ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے، تو کوئی عجمی شخص اس قدر فصیح و بلیغ کلام کیسے بنا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں وہ ہدایت سے محروم ہیں، اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۞ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞

شانِ نزول

صحابہ کرام کی ایک جماعت (جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین حضرت یاسر اور حضرت سمیہ، اور حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ شامل تھے) کو مشرکین نے گرفتار کر لیا اور کہا کہ کفر اختیار کر لیں ورنہ قتل کر دیے جائیں گے، حضرت یاسر اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما نے کفر اختیار کرنے سے انکار کر دیا، تو ان کفّار و مشرکین نے نہایت بے دردی سے ان دونوں کو شہید کر دیا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ان کو مخالف سمت میں دوڑایا گیا جس سے ان کے دو ٹکڑے ہو گئے، اسی طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی کفر اختیار کرنے سے انکار کر کے قتل کیے جانے کو قبول کر لیا، جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جان کے خوف سے زبانی کفر کا اقرار کر لیا مگر ان کا دل ایمان سے لبریز تھا، جب یہ دشمنوں سے رہائی پا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نہایت پریشانی کے عالم میں اس واقعہ کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ جب تم یہ کلمہ بول رہے تھے تو تمہارے دل کی کیا حالت تھی، انہوں نے عرض کیا کہ دل تو ایمان پر جما ہوا تھا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطمئن کیا کہ تم پر اس کا کوئی وبال نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد پھر اپنی رضامندی سے کفر اختیار کر لے تو وہ دنیا میں بھی اللہ ربّ العزّت کے غضب کا شکار ہوگا، کیونکہ اس نے دنیا کی عارضی زندگی کو آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دی، اور آخرت میں بھی خسارہ اٹھائے گا۔ ہاں اگر کسی کو کلمہ کفر بولنے پر ایسے مجبور کر دیا جائے کہ اس کے پاس انکار کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو اور اس کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہو تو اس کے لیے اپنی جان بچانے کی خاطر کلمہ کفر بولنے کی گنجائش ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

حلال چیزوں کو حرام سمجھنا بھی کُفّار کا عمل اور شرک ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے پہلے اپنی چند حرام کردہ چیزوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے مردار، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور ہر اس چیز کو جسے غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، حرام قرار دیا ہے، اس لیے ان چیزوں کا استعمال ہرگز جائز نہیں، ہاں اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں ہو یعنی بھوک اور فاقہ کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اس کے پاس کھانے کی کوئی حلال چیز دستیاب نہ ہو تو اس کے لیے اتنی مقدار میں یہ حرام چیزیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے جس سے اس کی جان بچ سکے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ جس طرح کُفّار و مشرکین نے اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کی ناشکری اس طرح بھی کی تھی کہ بہت سی حلال چیزوں کو اپنی طرف سے حرام قرار دے دیا اور بہت سی حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا، اس طرح تم نہ کرنا، کیونکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات کے پاس ہے، جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اپنی طرف سے ایسا کہنا دراصل اللہ ربّ العزّت پر جھوٹ باندھنا ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے اس سے مکمل اجتناب کرنا لازم ہے اور اگر اب تک کسی سے یہ عمل سرزد ہوا ہو تو وہ اللہ ربّ العزّت سے معافی مانگے، بے شک وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝

دعوت و تبلیغ کے راہنما اُصول

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے دعوتِ دین کے راہنما اصول بیان فرمائے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے ربّ کے راستے یعنی دین کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت

دیں، اور اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو اچھے طریقہ سے مباحثہ کیجیے، حکمت سے مراد یہ ہے کہ ایسے طریقہ سے دعوت دی جائے جس میں مخاطب کے احوال کی رعایت رکھی جاسکے اور مخاطب کے دل پر اثر انداز ہو، جبکہ نصیحت سے مراد یہ ہے کہ خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے، اور اچھے طریقے سے مباحثہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شدت اور سختی سے بات نہ کی جائے، مخاطب پر الزام تراشی نہ کی جائے وغیرہ۔ اور دعوت دے کر اس فکر میں نہ لگ جایئے کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا، یہ اللہ ربّ العزّت کے ذمہ ہے، وہ ہر ایک سے خوب واقف ہے۔

اسی طرح اگر کبھی دعوت کے دوران علمی بحث و مباحثہ سے بڑھ کر عملی جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آجائے تو اس صورت میں آپ کو اور آپ کے تمام متبعین کو بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے، اور صبر کرنے کا بھی اختیار ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینا ہو تو صرف اتنا ہی بدلہ لیا جائے جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، کوئی زیادتی نہ کی جائے، اور اگر صبر کو اختیار کرو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے، کیونکہ اس سے دیکھنے والوں پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس پر اجر ملے گا۔ اسی لیے ان کفّار اور دعوت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کی پرواہ نہ کیجیے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، اللہ ربّ العزّت یقیناً پرہیزگاروں اور نیک کرداروں والوں کے ساتھ ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت کی کئی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تا کہ اللہ ربّ العزّت کی توحید اور قیامت کو ثابت کیا جاسکے۔

۲۔ سورت میں کفّار و مشرکین اور اہلِ ایمان و تقویٰ کا دُنیوی و اخروی انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ سورت میں کفّار کے کئی شبہات و اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

۴۔ سورت میں چند نیک اعمال اختیار کرنے اور چند بُرے افعال سے اجتناب کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

۵۔ سورت میں دعوت و تبلیغ کے اُصول بیان کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ النحل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں سترہ (۱۷)، جبکہ نزول کے اعتبار سے پچاسویں (۵۰) نمبر پر ہے، بارہ (۱۲) رُکوع اور ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔ بنی اسرائیل: سورت کے شروع میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ بنی اسرائیل رکھا گیا ہے۔

۲۔ اسراء: ''اسراء'' معراج کے سفر کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا، چونکہ سورت کے آغاز میں ہی واقعۂ معراج ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ اسراء رکھا گیا ہے۔

سورت کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنے بستر پر نیند نہیں فرماتے تھے جب تک سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زُمر کی تلاوت نہ فرمالیتے۔ (سنن ترمذی: ۲۹۲۰)

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ رَبُّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا تھا، اس سورت میں اللہ رَبُّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کو بیان فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قرآنِ کریم کی قدر ومنزلت'' بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں نبوّت کی بنی اسرائیل سے عرب (بنی اسماعیل) میں منتقلی کو ذِکر کیا گیا ہے۔

۲-بنی اسرائیل کی اپنی کتاب میں تحریف کو بیان کیا گیا ہے۔

۳-سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے سارے احکام فطرت کے عین مطابق ہیں۔

۴-قرآن کے شفاء اور رحمت ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

۵-قرآنِ کریم اور اس کے تمام مضامین پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

پارہ نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

واقعۂ معراج

سورت کی اس ابتدائی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خصوصی اعزاز اور معجزہ کا ذِکر فرمایا ہے جسے ہم "معراج" سے جانتے ہیں، یعنی وہ رات جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقائم ہوش وحواس جسمانی ورُوحانی طور پر مسجدِ حرام سے بیت المقدس اور پھر بیت المقدس سے آسمانوں کی سیر کروائی گئی، اس سفر کے دو حصے تھے، پہلا حصہ مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک، اسے "اسراء" کہا جاتا ہے، مندرجہ بالا آیت میں سفر کے اسی حصہ کا ذِکر ہے، اور دوسرا حصہ مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں کا سفر، اسے "معراج" کہتے ہیں، اس کا ذِکر سورۂ نجم کے ابتداء میں ہے، جسے ان شاءاللہ! وہاں ذِکر کیا جائے گا۔

واقعۂ معراج کا اجمالی قصہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام وہاں آئے اور آپ کو وہاں سے لے جا کر زمزم کے کنویں کے پاس لٹایا اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے زمزم کے پانی سے دھویا، اور دوبارہ سی دیا، اس کے بعد آپ کے پاس براق نامی سواری لائی گئی، جو اس قدر تیز رفتار تھا کہ ایک ایک قدم اتنی دور رکھتا تھا جتنی دور اس کی نگاہ پہنچتی تھی، کچھ ہی دیر میں آپ بیت المقدس پہنچے، جہاں آپ نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لے کر آسمانوں کی طرف چلے، ایک ایک آسمان پر آپ کی ملاقات انبیائے سابقین علیہم السلام سے ہوتی رہی، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام،

دوسرے پر حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی، اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے، جہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام رک گئے، سدرۃ المنتہیٰ پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جو خانہ کعبہ کے عین محاذات میں آسمان میں واقع ہے، اور فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، (سورۂ طور میں اس کا ذکر کیا جائے گا) سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کا سفر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بغیر اکیلے طے فرمایا، آپ کو جنّت وجہنّم کے مناظر بھی دکھائے گئے، پھر آپ عرشِ معلیٰ پر تشریف لے گئے، جہاں آپ نے باری تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، بعض مفسرین کرام کے نزدیک آپ نے اللہ ربّ العزّت کا دیدار کیا جبکہ بعض مفسرین نے اس کا انکار کیا ہے۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے آپ پر وحی فرمائی اور پچاس نمازوں کا حکم دیا، جسے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے باری تعالیٰ کی خدمت میں عرض کرکے کمی کروائی اور بالآخر پانچ نمازوں کا تحفہ لے کر واپس تشریف لے آئے۔

واپسی میں پہلے آپ کو بیت المقدس اتارا گیا، جہاں آپ نے سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھی اور امامت کرائی، پھر وہاں سے براق کے ذریعہ مسجد حرام واپسی ہوئی، یہ سارا سفر رات کے کچھ عرصہ میں ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسجدِ اقصیٰ اور ملکِ شام کی برکات

اسی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مسجدِ اقصیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس کے اردگرد برکت رکھ دی ہے، اردگرد سے مراد ملک شام ہے، اور برکتوں سے مراد یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہی ہے، اور سرزمین شام کئی انبیاء کا مسکن ومدفن ہے، جبکہ دُنیوی طور پر اس سرزمین کی برکات یہ ہیں کہ اس کی زمین سرسبز ہے، اور اس میں عمدہ چشمے، نہریں اور باغات وغیرہ وافر تعداد میں ہیں۔ (معارف القرآن)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑨ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑩

بنی اِسرائیل کی دومرتبہ بربادی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کی بربادی کے دوواقعات عبرت اورنصیحت کے لیے ذِکرفرمائے ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے گناہوں اوراللہ ربّ العزّت کے احکامات کی مخالفت میں حد سے تجاوز کیا تو اللہ ربّ العزّت نے ان کے دشمنوں کوان پر مسلط کردیا جنھوں نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، پھر یہ کچھ سنبھل گئے، کچھ عرصہ بعد پھراپنی سابقہ روش پرلوٹ آئے اور بداعمالیوں میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے پھرانہیں ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے سزادلوائی۔

پہلا واقعہ

بنی اسرائیل کی بربادی کا پہلا واقعہ تب پیش آیا جب بخت نصر نامی بادشاہ نے ان پر غارت گری کی، شہر میں آگ لگادی، خون ریزی کی کوئی حد نہ رہی، مردوں کوقتل اور عورتوں اور بچوں کوقیدی بنالیا گیا، اور بیت المقدس کے سارے اموال اورسونے چاندی جواہرات کوگاڑیوں میں بھرکرلے گیا، اور تقریباً ستر یا سوسال تک ان کو بابل میں اپنا غلام بنائے رکھا، جہاں نہایت ذلت اورخواری کی حالت میں رہے، پھر ایران کے بادشاہ نے بابل فتح کیا تو اسے ان جلاوطن بنی اسرائیلیوں پر رحم آیا اوراس نے ان کوواپس شام پہنچادیا، اس وقت بنی اسرائیل اپنے بُرے اعمال اور معاصی سے توبہ کرچکے تھے۔

دوسرا واقعہ

جب بنی اسرائیل کودوبارہ امن وسکون نصیب ہوا تو انہوں نے پھر اللہ ربّ العزّت کے احکام سے بغاوت شروع کردی، گناہوں اورمعاصی میں شب وروز گزارنے لگے، جس پر اللہ ربّ العزّت نے انہیں ایک بار پھر ذلیل کیا اوررُوم کے بادشاہ نے ان پرحملہ کرکے انہیں تباہ وبرباد کردیا۔(معارف القرآن)

ان دونوں واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ایک ضابطہ بیان فرمایا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور سرکشی کی طرف لوٹو گے تو ہم پھراسی طرح کی سزااورعذاب تم پرلوٹادیں گے، یہ ضابطہ قیامت تک کے لیے ہے، اوراس کے اصل مخاطب وہ بنی اسرائیل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدمبارک میں موجود تھے، اس میں اشارہ کیا گیا کہ جس طرح پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت سے اوردوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت سے تم لوگ سزااورعذاب میں مبتلا ہوئے تھے اسی طرح اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مخالفت کا بھی یہی انجام ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان لوگوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوردین اسلام کی مخالفت کی تو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے اورجلاوطنی کے عذاب میں مبتلا ہوگئے۔(معارف القرآن)

قرآن سیدھی راہ دِکھاتا ہے!

بنی اسرائیل کی بربادی کے واقعات کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن کریم کے بارے میں ارشادفرمایا کہ قرآن

ہمیشہ ایسے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، قرآن نے اس کے لیے "اَقْوَم" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ایسے راستے کو کہتے ہیں جو منزل کے قریب بھی ہو، آسان بھی اور خطرات سے بھی خالی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں دیے گئے احکامات بھی ایسے ہی ہیں جو جنّت اور اللہ ربّ العزّت کی رضا تک جلد اور باآسانی پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن اس راستہ پر چلنے والوں اور نہ چلنے والوں کے انجام کو بھی بیان کرتا ہے کہ جو اس راستے پر چلے گا اور قرآن کے احکامات کی پاسداری کرے گا اسے بڑا اجر وثواب ملے گا، جبکہ جو ان احکامات سے روگردانی کرے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

رات ودِن کے مرتّب نظام کی حکمتیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ دن اور رات کے اس نظام میں بہت حکمتیں پوشیدہ ہیں، رات کی تاریکی کی حکمت تو یہاں بیان نہیں فرمائی، لیکن دوسری آیات میں اس کی یہ حکمت مذکور ہے کہ چونکہ تاریکی نیند اور آرام کے لیے مناسب ہے، اور رات بھی آرام ونیند کے لیے بنائی گئی ہے، اس لیے رات کو تاریک بنانا اللہ ربّ العزّت کا بڑا احسان ہے۔ جبکہ دن کو روشن کرنے کی دو حکمتیں اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں بیان فرمائی ہیں، پہلی یہ کہ دن کی روشنی میں انسان اپنی روزی تلاش کرسکتا ہے، اور دوسری یہ کہ دن اور رات کی آمد ورفت سے سالوں اور مہینوں کی تعداد معلوم کی جاتی ہے، اسی طرح دوسرے حسابات مثلاً ملازم کی روزانہ یا ماہانہ تنخواہ وغیرہ کا حساب اور معاملات کی میعاد وغیرہ مقرر کرنا نہایت آسان ہوگیا۔

نامۂ اَعمال گلے کا ہار ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انسان جس جگہ جس حال میں بھی رہے اس کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ رہتا ہے اور ہر دم ہر وقت اس کا عمل لکھا جاتا ہے، جب وہ مرتا ہے تو بند کرکے رکھ دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن ہر ایک کو اس کا یہ نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور ارشاد ہوگا کہ ہر کوئی اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لے اور خود ہی دل میں فیصلہ کرلے کہ وہ ثواب کا مستحق ہے یا عذاب کا۔ اسی لیے ہر شخص کو دنیا میں ہی آخرت کی تیاری کرنی چاہیے اور اللہ ربّ العزّت کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کو قبول کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن ثواب اور جنّت کا مستحق بن سکے، اور جہنّم کے عذاب سے بچ سکے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا

تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ
غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ
الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

والدین کو ''اُف'' تک نہ کہو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند معاشرتی آداب اور احکام بیان فرمائے ہیں، چند باتوں کا حکم فرمایا ہے اور چند چیزوں سے منع فرمایا ہے، سب سے پہلا حکم والدین کی فرمانبرداری اور اطاعت سے متعلق ہے، ارشاد فرمایا کہ تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور اگر والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں اور ان کی کوئی بات تمہیں ناگوار گزرے تو بھی انہیں مت جھڑکو، بلکہ انہیں اف تک نہ کہو، ان سے نرم لہجے میں بات کرو، اور ان کے لیے دعاؤں کا اہتمام کرو کہ اے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں مجھ پر شفقت کی، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی عبادت کے ساتھ ذکر فرما کر اللہ ربّ العزّت نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اس کی عبادت کے بعد سب سے اہم کام والدین کی اطاعت ہے، قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر والدین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے، اسی طرح اَحادیثِ مبارکہ میں بھی والدین کی اطاعت پر کافی زور دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنّت یا دوزخ ہیں (ان کی اطاعت وخدمت جنّت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضی دوزخ میں)۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو خدمت گار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب ملتا ہے، لوگوں نے پوچھا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ نظر کرے، آپ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی، اللہ تعالیٰ بڑا ہے، (اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی)۔ (شعب الایمان: ۷۸۵۶)

''فضول خرچ'' شیطان کے بھائی ہیں!

والدین کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قریبی رشتہ داروں، مساکین اور مسافروں پر مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور رشتہ داروں کے حقوق بیان فرمائے ہیں، اس میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا بھی شامل ہے، اور اگر وہ حاجتمند ہوں تو اپنی وسعت کے مطابق ان کی مالی مدد کرنا بھی، اس کے علاوہ غرباء ومساکین اور

مسافروں کی بھی مالی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ سفر میں بسااوقات انسان کے پاس مال ختم ہوجاتا ہے یا کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو اسے مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو ایسے مواقع میں انسان کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے، اور اگر کبھی انہیں دینے کی وسعت نہ ہو اور وہ مانگنے آجائیں تو انہیں روکھا جواب نہ دیا جائے بلکہ نرمی کے ساتھ معذرت کرلی جائے۔

البتہ گناہ کے کاموں میں، اور بے موقع بے محل خرچ کرنے سے مکمل طور پر گریز کرنا چاہیے، اس سے اللہ ربّ العزّت نے منع فرمایا ہے، اور ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

''تبذیر'' اور ''اِسراف'' میں فرق

فضول خرچی کو قرآن پاک میں دو الگ الگ لفظوں میں بیان کیا گیا ہے، ایک ''تبذیر'' اور دوسرا ''اسراف''، بعض حضرات کے نزدیک یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، جبکہ بعض مفسرین کرام ان دونوں میں فرق فرماتے ہیں، اور وہ یہ کہ گناہ یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہا جاتا ہے، اور جائز موقع میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہا جاتا ہے، ان دونوں سے اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں منع فرمایا ہے۔

مال خرچ کرنے میں اِعتدال سے کام لینا چاہیے!

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دینے کے بعد ایک نصیحت کی گئی کہ مال خرچ کرنے میں نہ بالکل بخل کرنا چاہیے کہ ہاتھ گردن سے باندھ لیے جائیں اور نہ اتنا کھل کر خرچ کرنا چاہیے کہ خود ہی محتاج اور فقیر بن جائے، بلکہ اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتہ کا سوال کرتی ہیں، اس وقت آپ علیہ السلام کے پاس سوائے اس کرتے کے جو آپ کے جسم مبارک پر تھا، اور کوئی کرتہ نہیں تھا، آپ نے اس لڑکے سے کہا کہ پھر کسی وقت آنا جب ہمارے پاس وسعت ہو، لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدن مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرمادیں، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کردیا، نماز کا وقت آیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی مگر آپ حسبِ عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی، بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ بغیر کرتے کے بیٹھے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــــُٔـوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ
وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝

کرنے اور نہ کرنے کے کام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند اعمال کا تذکرہ فرما کر ان سے منع فرمایا ہے، ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

۱-اولاد کا قتل: سب سے پہلا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی اولاد خاص طور پر اپنی بیٹیوں کو اس ڈر سے قتل کر دیتے تھے کہ ان کی تربیت و پرورش اور شادی بیاہ پر ہمارے اخراجات ہوں گے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی جہالت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم رزق کی فکر کیوں کرتے ہو؟ تمہیں بھی اللہ رزق دیتا ہے، انہیں بھی وہی دے گا۔

۲-زنا: دوسرا حکم زنا کی حرمت سے متعلق ارشاد فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یعنی ان اعمال سے بھی بچو جو زنا کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے بدنظری، عورتوں سے اختلاط وغیرہ، کیونکہ زنا بذات خود بھی بڑی بے حیائی ہے اور اس میں دوسرے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں، جیسے عداوت و دشمنی، فتنے، جھگڑے فساد وغیرہ۔

۳-قتل ناحق: تیسرا حکم قتل سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو، ہاں اگر کسی کو قتل کرنے کی کوئی شرعی وجہ (مثلاً قصاص یا شادی شدہ زانی کے لیے رجم یا مرتد ہونا) موجود ہو تو وہ الگ بات ہے، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ اور بہت بڑا جرم ہے، حدیث پاک میں ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک ساری دنیا کی تباہی اس سے ہلکی ہے کہ کسی مومن کو ناحق قتل کیا جائے۔ (سنن ترمذی:۱۳۹۵)

اسی لیے اللہ ربّ العزّت نے قتل کی صورت میں قصاص کا اختیار رکھا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے انسان کو ناحق قتل کر دیا تو مقتول کے ورثاء کو قاتل سے قصاص لینے کا مکمل حق حاصل ہے، وہ اگر چاہے تو عدالت کے ذریعے قاتل سے قصاص لے سکتا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ قصاص لینے میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، یعنی بغیر ثبوت کے کسی کو قاتل قرار دے کر اس سے قصاص نہ لیا جائے یا قاتل کے علاوہ اس کے دیگر خاندان والوں کو قصاص میں ہرگز قتل نہ کیا جائے۔

۴-یتیم کا مال ہڑپ کرنا: چوتھا حکم یتیموں کے مال کے بارے میں فرمایا کہ اگر کسی کی زیر کفالت کوئی یتیم بچہ ہو اور اس یتیم بچے کا مال و جائیداد بھی موجود ہو تو اس کی کفالت کرنے والے پر لازم ہے کہ اس کے مال میں کوئی خلاف شریعت

تصرف ہرگز نہ کرے، بلکہ ان کی اچھے انداز میں حفاظت کرے اور یتیموں کی ضروریات میں ہی خرچ کرے اور جب وہ یتیم جوان ہو جائے اور اپنے مال کی خود حفاظت کر سکے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دے۔

۵ - معاہدات کی پاسداری: پانچواں حکم اللہ ربّ العزّت نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے معاہدے مکمل کرو، خواہ وہ معاہدہ اللہ ربّ العزّت سے کیا ہو یا کسی دوسرے بندے سے، دونوں کی تکمیل اور پاسداری ہر حال میں ضروری اور لازمی ہے، کیونکہ قیامت کے دن جیسے دیگر فرائض اور اعمال کے بارے میں سوال ہوگا ایسے ہی ان معاہدوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

۶ - ناپ تول پورا کرنا: چھٹا حکم اللہ ربّ العزّت نے ناپ تول کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ناپ تول پورا کیا کرو، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو، قرآن پاک میں کئی مقامات پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ مذکور ہے، جن کی دیگر برائیوں کے ساتھ ایک بڑی برائی یہ تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔ اسی لیے ناپ تول میں مکمل احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر کوئی ملازم اپنا ذمیہ کام مکمل کر لے تو اس کی مزدوری مکمل طور پر بغیر ٹال مٹول کیے اس کے سپرد کر دی جائے، اس میں لیت ولعل سے کام نہ لیا جائے۔ اسی طرح ملازم بھی وقت اور کام میں کمی نہ کریں۔

۷ - بغیر تحقیق کے کسی بات پر عمل کرنا: ساتواں حکم اللہ ربّ العزّت نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس چیز کی انسان کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل نہ کیا جائے، بلکہ پہلے اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق اور دوسروں سے معلومات لی جائیں اور پھر اس پر عمل کیا جائے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت قیامت کے دن انسان سے اس کی آنکھ، کان اور دل کے بارے میں پوچھیں گے کہ ان کا درست استعمال کیا یا غلط؟ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

۸ - زمین میں اکڑ کر چلنا: آٹھواں حکم تکبّر سے ممانعت کے بارے میں ہے کہ زمین پر اکڑ کر اور اترا کر نہ چلو، یعنی ایسی چال نہ چلو جس سے تکبّر اور فخر و غرور ظاہر ہوتا ہو، کیونکہ انسان درحقیقت بہت کمزور اور عاجز ہے، اور تکبّر اس ذات کے مناسب ہے جس کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہوں، جس کی طاقت، اقتدار اور قدرت کامل ہو، اور وہ صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار، جو شخص مجھ سے ان کو چھیننا چاہے تو میں اس کو جہنّم میں داخل کر دوں گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۹۲)

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝

کائنات کی ہر چیز ''تسبیح'' کرتی ہے!

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اور ان دونوں میں موجود ساری مخلوقات اللہ رب العزت کی تسبیح کرتی ہیں، لیکن ہم ان کی تسبیح نہ ہی سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ بعض احادیثِ مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ منقول ہے کہ آپ کی مٹھی میں کنکروں کو تسبیح کرتے ہوئے صحابہ کرام نے سنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۵۷۹)

کُفّار کے اِیمان نہ لانے کی وجہ

اللہ رَبّ العزّت نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اپنی توحید کے دلائل، قرآن کی حقانیت اور وقوعِ قیامت کے دلائل بیان فرمائے، اس کے باوجود مشرکین مکہ نے حق قبول نہ کیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان آیات میں غور وفکر ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ الٹا ان کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب کبھی قرآن میں اللہ رَبّ العزّت کے اوصاف وکمالات کا ذِکر ہوتا تو یہ مشرکین پیٹھ پھیر کر چل دیتے تھے، جس کی وجہ سے انہیں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے ہی محروم کر دیا گیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تو ان کے دلوں پر حجاب آجاتا اور کانوں میں رکاوٹ آجاتی، جس سے وہ اسے سن کر سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۝ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۝ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا۝

''دعوت'' کا قرآنی اُسلوب

پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ میرے مسلمان بندوں سے کہہ دیجیے کہ اگر انہیں کبھی کُفّار کو کسی بات کا جواب دینا پڑے یا انہیں دین کی طرف دعوت دینی پڑے تو ایسے انداز میں جواب اور دعوت دیں جو بہتر ہو، بدزبانی اور سخت کلامی، گالی گلوچ اور تلخ گوئی سے مکمل اجتناب کریں، کیونکہ شیطان سخت بات کہلوا کر لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے، وہ تو انسان کا حقیقی دشمن ہے، اور دوسرا یہ کہ سخت کلامی سے دعوت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، آپ کا کام صرف احسن انداز میں پیغام پہنچانا ہے، منوانا نہیں، اللہ ربّ العزّت بہتر جانتے ہیں کہ کس کو ہدایت دینی ہے اور کس کو گمراہ رکھنا ہے۔

مشرکین کی مذمّت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ یہ جن معبودوں کو اللہ ربّ العزّت کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، ذرا ان کو اپنی کسی تکلیف اور مصیبت کے وقت پکار کر تو دیکھیں کہ کیا وہ ان کی پکار سنتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں اور نہ ان سے تکلیف دور کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ تو خود اللہ ربّ العزّت کے محتاج ہیں اور وہ خود بھی یہ جانتے ہیں، اسی لیے وہ اللہ ربّ العزّت کا قرب حاصل کرنے کے ذرائع ڈھونڈتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، تو جو خود کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے شرک سے باز آؤ، ورنہ دنیا اور آخرت میں ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر اللہ ربّ العزّت کی مشیت اور کسی مصلحت سے دنیا میں عذاب کا شکار نہ ہوئے تو آخرت کا عذاب ہر حال میں بھگتنا پڑے گا۔

فرمائشی معجزات کیوں نہیں دِکھائے جاتے؟

کُفّار و مشرکین مکہ اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے من چاہے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، کبھی کہتے آسمان سے کوئی فرشتہ آ کر آپ کی تصدیق کرے، کبھی کہتے آپ کے پاس خزانہ آئے، کبھی مطالبہ کرتے کہ مکہ کے اردگرد سے پہاڑوں کو ہٹا دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں ارشاد فرماتے کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں، وہ تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے ہوتا ہے، جب وہ چاہے گا معجزہ دکھا دے گا، ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان من چاہے اور فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی وجہ بیان فرمائی کہ ہم وہ معجزات صرف اس لیے نہیں دکھاتے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے من چاہے معجزات دیکھنے کے بعد انکار کیا اور اپنی روش پر ڈٹے رہے، جبکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ فرمائشی معجزہ دیکھنے کے بعد بھی اگر کوئی قوم ایمان نہ لائے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہم نے ان سے پہلے والی بستیوں اور قوموں کو ہلاک کر دیا، جیسے قوم ثمود کا واقعہ ان کے سامنے ہے، جنہیں اونٹنی کا معجزہ دکھایا گیا تھا، لیکن انہوں نے پھر بھی کُفر کیا تو

ہلاکت کا شکار ہوئے، تو جس طرح ان سے پہلے والی قوموں نے فرمائشی معجزات دیکھنے کے باوجود کفر کیا اسی طرح یہ بھی تکذیب کریں گے، جس کی وجہ سے ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے گی، جبکہ ہماری مصلحت و مشیت یہ ہے کہ فی الحال انہیں ہلاک نہ کیا جائے اسی وجہ سے ان کو فرمائشی معجزات نہیں دکھائے جاتے۔

اور اس بات کی دلیل کہ یہ بھی معجزات دیکھنے کے بعد ان کا انکار کریں گے یہ ہے کہ جب معراج کی رات آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ ربّ العزّت نے رات کے کچھ حصہ میں بیت المقدس اور پھر آسمانوں کی سیر کروائی، تو واپس آ کر جب آپ نے ان کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اس کو عقل کے خلاف سمجھ کر ماننے سے انکار کر دیا، اسی طرح جب آپ نے انہیں قرآن میں زقوم نامی درخت کے بارے میں خبر دی کہ جہنم کی آگ میں پایا جاتا ہے تو انہوں نے اس کو بھی خلاف عقل سمجھا اور اس کا انکار کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ معجزات کا انکار ان کی پرانی روش اور عادت ہے جس سے یہ کبھی باز نہیں آئیں گے، بلکہ جب بھی کوئی معجزہ آئے گا ان کی سرکشی اور طغیانی میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ
هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ
عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝

تخلیقِ آدم اور شیطان کی دشمنی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت شیطان کی عداوت اور دشمنی کو بیان فرمایا، جس سے مقصود بنی نوع انسان کو خبردار کرنا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، اسے دشمن ہی سمجھو، اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے باز آؤ، اس نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی بھی مخالفت کی اور جب اسے راندۂ درگاہ کیا گیا، تو اس نے ان کی اولاد سے بھی مخالفت کا عزم ظاہر کیا، اس لیے اس سے خبردار رہو۔

آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو وہ سب نے باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سجدہ میں گر پڑے، لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور اس انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، یعنی تکبر کیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل سمجھا، اللہ ربّ العزّت نے اس کے اس تکبر اور حکم عدولی پر اسے راندۂ درگاہ کر دیا، اس پر بجائے توبہ استغفار کرنے کے مزید تکبر میں آ کر کہنے لگا کہ اے پروردگار! آپ مجھے قیامت تک مہلت دے دیجیے، میں سوائے چند ایک کے ان کی باقی ساری اولاد کو گمراہ کر کے اپنے قابو میں کر لوں گا اور آپ سے دور کر دوں گا، اللہ ربّ العزّت

نے اسے مہلت دے دی اور فرمایا کہ اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت ان پر چڑھائی کر، ان کے مال و اولاد میں شریک ہو کر ان کو گمراہی کا ذریعہ بنا اور ان سے جھوٹے وعدے کر، اس سب کے نتیجے میں جو تیرے ساتھ ہو جائے گا ان سب کی سزا جہنم ہوگی، انہیں سخت عذاب میں جھونک دیا جائے گا، لیکن جو میرا مخلص عبادت گزار بندہ ہوگا، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور نہ وہ تیرے قابو میں آئیں گے، کیونکہ ان کے ساتھ میری مدد ہوگی۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿﴾

قیامت کے دِن ہر کسی کو نامۂ اعمال کے ساتھ بلایا جائے گا!

قیامت کے دن اللہ رَبّ العزّت ہر ایک کو اس کا نام لے کر نامۂ اعمال سمیت میدان حشر میں بلائیں گے، بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں امام سے مراد پیشوا اور مقتداء ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ہر ایک کو اس کے مقتدا اور پیشوا کے ساتھ حاضر کیا جائے گا، اس کے بعد نامۂ اعمال تقسیم ہوں گے، اور کسی کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور کسی کے بائیں ہاتھ میں، تو جس شخص کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ اپنا نامۂ اعمال خوشی سے پڑھیں گے، انہیں راحت ہی راحت ملے گی، ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، لیکن جو شخص دنیا میں راہِ حق کو دیکھنے سے اندھا رہا اور باطل کے اندھیروں میں گھرا رہا تو وہ آخرت میں بھی کامیابی کو دیکھنے سے اندھا رہے گا، اسے صرف ناکامی اور ذلت کا سامنا ہوگا۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿﴾ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿﴾ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿﴾

شانِ نزول

ایک مرتبہ قریشِ مکہ کے چند سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ واقعی ہماری طرف بھیجے گئے ہیں تو پھر اپنی مجلس سے ان غریب اور شکستہ حال لوگوں کو ہٹا دیجیے، ان کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لیے توہین کا باعث ہے، پھر ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے اور آپ کے اصحاب اور دوست ہو جائیں گے، ان کی اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خیال پیدا ہوا کہ ان کی بات پوری کر دیں شاید یہ مسلمان ہو جائیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبردار کر دیا گیا کہ آپ ہرگز ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ کریں، کیونکہ ان کی باتیں بھی فتنہ ہیں اور ان کی مصاحبت اور دوستی بھی فتنہ ہے، یہ تو آپ کو اللہ رَبّ العزّت کے احکامات اور اس کی وحی سے ہٹانا

چاہتے ہیں، لیکن آپ پر اللہ رَبُّ العزّت کا خاص فضل وکرم ہے کہ آپ کو ان کی سازشوں کی محفوظ رکھا، اگر اللہ رَبُّ العزّت آپ کی حفاظت نہ فرماتے اور بالفرض والمحال آپ ان کی باتوں میں آجاتے تو اس کا نقصان آپ کو اٹھانا پڑتا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ کفارِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے خفیہ تدبیریں کرنے لگے، اللہ رَبُّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر ان کو تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالیں گے تو پھر خود بھی مکہ میں چین سے نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ اللہ رَبُّ العزّت کا یہی ضابطہ پہلے سے چلا آرہا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اس کے وطن سے نکالتی ہے یا نکلنے پر مجبور کردیتی ہے تو پھر وہ قوم بھی وہاں باقی نہیں رہ پاتی، اس پر اللہ رَبُّ العزّت کا عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو اس کے ڈیڑھ سال بعد ہی بدر کے میدان میں اہلِ مکہ کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، ان کی قوت ٹوٹ گئی، پھر اسی طرح مختلف غزوات میں ذلت اٹھاتے بالآخر ہجرت کے آٹھویں سال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مکہ فتح فرمالیا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

پنج گانہ نماز کا حکم اور نمازِ فجر کی اہمیت

گزشتہ آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے دشمن کی سازشوں اور ان کے مکروفریب کا ذکر فرمایا تھا، ان آیات میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز کی پابندی کا حکم عطا فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دشمنوں کی سازشوں اور ان کے مکروفریب سے بچنے کا سب سے اہم ذریعہ نماز ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ سورج کے ڈھل جانے کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک اور فجر کے وقت نماز قائم کریں، پہلے جملے میں چار نمازیں آگئیں، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، اور فجر کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا۔

فجر کا ذکر الگ سے مستقل طور پر کرنے کی وجہ اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس کی ایک فضیلت خود اسی آیت میں مذکور ہے کہ فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتوں کی جماعتیں حاضر ہوتی ہیں۔

حدیثِ رسول کے بغیر نماز کے حکم پر عمل کرنا ناممکن!

اس آیت میں پنج وقتی نمازوں کا اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے، ان نمازوں کی تفصیل، ان کے رکعات کی تعداد، ان کا مکمل وقت وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بتائے ہیں، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرموادات اور آپ کے افعال کا مطالعہ نہ کیا جائے تب تک کوئی شخص نماز ادا ہی نہیں کرسکتا، اس لیے قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی لازم پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

''تہجد'' کی نماز

پنج وقتی فرض نمازوں کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نماز ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا، اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ یہ ایک اضافی مگر نفل نماز ہے۔

مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہجد فرض تھی یا اُمت کی طرح نفل، بعض حضرات اس کو فرض قرار دیتے ہیں اور بعض نفل، راجح قول یہی ہے کہ تہجد جس طرح باقی اُمت کے لیے نفل ہے اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی نفل ہے۔(معارف القرآن) اور اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے طلوع فجر یعنی صبح صادق تک ہے، بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں تہجد کی نماز پڑھی جائے لیکن اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ اس وقت آنکھ نہیں کھلے گی، تو وہ عشاء کی نماز کے بعد ہی سونے سے پہلے چند رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ لے۔

''مقامِ محمود''

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ محمود کا وعدہ کیا گیا ہے، اور یہ مقام تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اس مقام محمود سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ اس مقام محمود سے مراد شفاعتِ کبریٰ کا حق ہے، یعنی میدان محشر میں جب تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی اور پیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام عذر کردیں گے، اس وقت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت فرمائیں گے۔(صحیح بخاری: ۴۷۱۸)

ہجرتِ مدینہ کا حکم

گزشتہ رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار ومشرکین کی سازشوں کا ذکر فرما کر اس رکوع میں پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پنج گانہ نماز قائم کرنے اور تہجد گزاری کی تلقین فرمائی، اس کے بعد آپ کو دنیا میں ان کی تکالیف سے نجات دینے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی تلقین فرمائی اور اس کے بعد فتحِ مکہ کی خوشخبری بھی سنادی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے، پھر آپ کو مدینہ کی

طرف ہجرت کا حکم دیا گیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی، "قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا" "اس آیت میں داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینہ منورہ اور نکلنے کی جگہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! مدینہ منورہ میں میرا داخلہ خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے وہاں کوئی ناگوار صورت اور مشکل پیش نہ آئے، اور مکہ مکرمہ سے میرا نکلنا خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے اور گھر بار کی محبت میں دل نہ الجھا رہے۔ (معارف القرآن)

فائدہ:- چونکہ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا ہجرت جیسے عظیم کام کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی، اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ دُعا اہم مقاصد کے حصول میں معاون ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے تمام مقاصد کے شروع میں یاد رکھنی چاہیے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝

فتحِ مکہ کی بشارت

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فتحِ مکہ کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت موجود تھے، آپ یہی آیت "وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝" پڑھتے جاتے اور ایک ایک بت کے سینے میں اپنا عصا مارتے جاتے تھے جس سے الٹے زمین پر گر پڑتے تھے۔ (صحیح بخاری:۴۲۸۷)

"قرآن" باعثِ شفا ہے!

آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس کو ہم نے شفا اور رحمت بنا کر اتارا ہے، قرآنِ کریم جس طرح روحانی بیماریوں اور بُرے اخلاق سے انسان کو نجات دلاتا ہے، اسی طرح جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا کا ذریعہ بنتا ہے، متعدد احادیث مبارکہ میں قرآنِ کریم سے لوگوں کو صحت ملنے کے واقعات درج ہیں، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک مختصر لشکر کہیں روانہ فرمایا، اس کا گزر قبیلے سے ہوا، انہوں نے صحابہ کرام کی جماعت کی ضیافت نہیں کی (جو کہ عرب کے دستور کے مطابق معروف تھی)، جب صحابہ کرام کا لشکر وہاں سے روانہ ہوا تو اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، دوا دارو اور جھاڑ پھونک سے کچھ افاقہ نہ ہوا تو قبیلے کے لوگ دوڑے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے کہ آپ میں اگر کوئی جھاڑ پھونک جانتا ہے تو ہمارے سردار کو دم کر دے، صحابہ کرام نے کہا کہ اس شرط پر دم کریں گے کہ آپ ہمیں بکریوں کا ریوڑ دیں گے، قبیلہ والوں نے شرط منظور کر لی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جو اس لشکر میں موجود تھے انہوں نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو ان کا سردار ٹھیک ہو گیا، انہوں نے ۳۰ بکریاں ان کے حوالے کر دیں، بکریاں لینے کے بعد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں تردد ہوا کہ یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم انہیں اس وقت تک استعمال نہیں کریں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حکم نہ پوچھ لیں، چنانچہ مدینہ منورہ واپس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تفصیل عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کے عمل کو درست قرار دیا، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میرے لیے بھی اس ریوڑ میں حصہ نکالو۔ یعنی ان کے دل میں حلت کے حوالے سے جو تردد تھا اسے اس طرح ختم فرما دیا۔ (سنن ترمذی: ۲۰۶۳)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں بے جا سوالات کیا کرتے تھے، ان کو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ یہود علم والے ہیں، ان کو پچھلی کتابوں کا بھی علم ہے، ان سے کچھ سوالات پوچھ لیے جائیں جو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ سکیں، اور آپ کا امتحان لے سکیں، چنانچہ انہوں نے یہود کے پاس اپنے آدمی بھیجے، انہوں نے انہیں کچھ سوالات بتائے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو، تو قریش مکہ نے ان کے کہنے پر آپ سے روح کے متعلق سوال کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

''رُوح'' کیا ہے؟

قریش کے اس سوال کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے جو وحی نازل فرمائی اس میں روح سے متعلق صرف ضروری بات بتائی گئی جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے، روح کی مکمل حقیقت کا جواب نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انہیں بتا دیجیے کہ تم صرف اتنا سمجھ لو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے، یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو توالد وتناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، بلکہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے حکم ''کُن'' سے پیدا ہونے والی چیز ہے، اس سے زیادہ سمجھنا تمہارے بس میں نہیں، کیونکہ تمہیں بہت تھوڑا علم اور سمجھ دی گئی ہے۔ (معارف القرآن)

''عالمِ خلق'' اور ''عالمِ اَمر'' کی وضاحت

اس آیت میں روح کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ پروردگار عالم کے امر اور حکم سے ہے، یہ نہیں فرمایا کہ روح کو

اللہ رَبّ العزّت نے پیدا فرمایا ہے، اس کی کیا وجہ ہے اور خلق اور امر میں کیا فرق ہے، ذیل میں اس کی مختصر وضاحت ذکر کی جاتی ہے:

''خلق'' کا معنی ہے پیدا کرنا، جبکہ ''امر'' کا معنی حکم دینا اور تدبیر کرنا وغیرہ ہے، اللہ رَبّ العزّت نے قرآن مجید میں ''امر'' کا تذکرہ ''خلق'' کے ساتھ فرمایا ہے اور امر کو خلق کے مقابل ذکر فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''الا له الخلق والامر'' اس سے معلوم ہوا کہ پروردگار عالم کے نزدیک ''خلق'' اور ''امر'' دو الگ الگ چیزیں ہیں، خلق سے مراد کسی بھی چیز کو پیدا کرنا ہے جبکہ امر سے مراد اس کو سنبھالنا، اس کے انتظام و انصرام کو برقرار اور درست رکھنا ہے۔ جیسا کہ اللہ رَبّ العزّت نے آسمان وزمین کی تخلیق اور اس کے نظام کو چلانے اور سنبھالنے کا تذکرہ کرتے ہوئے ''خلق'' اور ''تدبیر امر'' کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے، اور عالم کا نظام سنبھالنے کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے کئی مقامات پر یہ ذکر فرمایا ہے کہ پروردگار عالم محض ''کن'' فرماتے ہیں اور وہ کام ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امر کا تعلق کلام سے ہے، جسے اردو میں حکم سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور کلام اللہ رَبّ العزّت کی ذاتی صفت ہے، جس کی نسبت اللہ رَبّ العزّت سے صادر و مصدور کی ہوتی ہے، خالق و مخلوق کی نہیں۔ اسی لیے اللہ رَبّ العزّت نے یہاں روح کو اپنا امر قرار دیا، اپنی مخلوق نہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے مقام پر ''ونفخت فیه من روحی'' میں روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب! (تفسیر عثمانی)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انسان کے پاس جتنا کچھ علم ہے وہ سب اللہ رَبّ العزّت کی عطا ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ اس علم پر اللہ رَبّ العزّت کا شکر ادا کرے، اور فضول ولایعنی تحقیقات میں وقت ضائع نہ کرے، کیونکہ اگر اس علم کی ناشکری کی تو اللہ رَبّ العزّت اس علم کو سلب کرنے پر بھی قادر ہیں، اور اگر اللہ رَبّ العزّت کسی کا علم سلب فرمالیں تو کوئی انسان اسے دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کا کھلا چیلنج

پھر اللہ رَبّ العزّت نے پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کر کے یہ چیلنج کیا کہ اگر تم قرآن کو اللہ رَبّ العزّت کا کلام نہیں مانتے بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود گھڑا ہوا کلام کہتے ہو تو تم سب مل کر اس جیسا قرآن بنا کر دکھا دو، اور صرف انسان ہی نہیں، بلکہ جنات کو بھی اس کام میں اپنے ساتھ ملا لو، پھر بھی تم اس قرآن جیسی کوئی سورت بلکہ کوئی ایک آیت بھی نہیں بنا سکو گے۔ لہٰذا یہ تسلیم کر لو کہ یہ قرآن اللہ رَبّ العزّت کا کلام ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًاۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًاۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًاۙ اَوْ
يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗؕ قُلْ
سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۠ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۝ قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

کُفّار کے بے جا مطالبات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے چند بے جا اور فضول سوالات اور فرمائشوں کا تذکرہ فرما کر ان کا جواب دیا ہے، کفّار یہ سمجھتے تھے کہ کوئی انسان اللہ ربّ العزّت کا نبی نہیں ہوسکتا، نبی ہونے کے لیے فرشتہ ہونا یا خدائی صفات کا حامل ہونا ضروری ہے، اسی لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فضول مطالبات کیا کرتے تھے، کبھی کہتے تھے کہ ہم تب تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے مکہ کی زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دیں، یا آپ ایسا کریں کہ اپنے لیے ایک کھجور اور انگور کا باغ اگائیں اور اس باغ کے بیچ میں نہریں جاری کردیں، یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں، یا آپ اللہ ربّ العزّت اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردیں اور وہ ہمیں آپ کی نبوّت اور رسالت کا یقین دلائیں، یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر ہو یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں، اور صرف آسمان پر چڑھنا کافی نہیں، بلکہ وہاں سے آپ ہمارے لیے ایک کتاب لے آئیں جس کو ہم بھی پڑھیں، اگر آپ یہ سب کام کردیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

”میں تو بشر و رسول ہوں!“

اللہ ربّ العزّت نے ان کے فضول اور بے جا مطالبات کے جواب میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ انہیں کہہ دیجیے کہ میں تو محض ایک انسان ہوں جس کو اللہ ربّ العزّت نے پیغمبری اور رسالت سے نوازا ہے، اس لیے تمہاری ان فرمائشوں کو پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں، بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کے اختیار میں ہے، وہی مختارِ کل ہے، اور اگر تمہارے ایمان لانے میں یہ بات رُکاوٹ ہے کہ میں انسان ہوں اور کوئی انسان رسول نہیں ہوسکتا اس لیے کسی فرشتہ کو رسول ہونا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ تو رسول بن کر تب آتا جب زمین پر بھی فرشتے رہ رہے ہوتے، لیکن چونکہ زمین پر انسان بستے ہیں، اس لیے رسول بھی انسان ہی آیا، کیونکہ رسول ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کی ہم جنس ہو جن کی طرف اسے بھیجا جارہا ہے، کیونکہ اگر وہ اس جنس کا نہیں ہوگا تو اس سے مناسبت نہیں ہو پائے گی، اور بغیر مناسبت کے ہدایت اور بھلائی کا کام نہیں کیا جاسکتا، اگر انسانوں کی طرف کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جاتا جس کو نہ بھوک لگتی، نہ پیاس، نہ جنسی خواہشات ہوتیں اور نہ گرمی سردی کا احساس، تو وہ انسانوں سے بھی ایسے ہی اعمال کی توقع رکھتا، ان کی کمزوری اور مجبوری کا احساس نہ کر پاتا۔ اس لیے انسان کا پیغمبر اور رسول بن کر آنا فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے انسانیت کے لیے انعام و احسان ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ

مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ
مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں نو معجزات عطا فرمائے تھے، ان معجزات کا ذکر نویں (۹) پارے میں تفصیل سے گزر چکا ہے، ان معجزات میں ۱-عصا، ۲-ید بیضا، ۳-زبان کی لکنت کا خاتمہ۔ ۴-دریا کو پھاڑ کر مختلف راستے بنانا۔ ۵-ٹڈی دَل کا عذاب۔ ۶-طوفان کا عذاب۔ ۷-جوؤں کا عذاب۔ ۸-مینڈکوں کا عذاب۔ ۹-خون کا عذاب، شامل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس آیت میں نو آیات سے مراد نو معجزات نہیں، بلکہ نو اَحکام ہیں، اور وہ اَحکام یہ ہیں: ۱-شرک نہ کرو۔ ۲-چوری نہ کرو۔ ۳-زنا نہ کرو۔ ۴-ناحق قتل نہ کرو۔ ۵-کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر قتل و سزا کے لیے پیش نہ کرو۔ ۶-جادو نہ کرو۔ ۷-سود نہ کھاؤ۔ ۸-پاک دامن عورت پر بدکاری کا بہتان نہ لگاؤ۔ ۹-میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔ (معارف القرآن و مشکوٰۃ المصابیح)

بہر حال ان معجزات یا احکام کے ساتھ اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا، آپ نے اسے دین حق کی دعوت دی، اللہ ربّ العزّت کی طرف بلایا، لیکن اس نے آپ کی گستاخی کی، آپ کو جادو زدہ کہا اور آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اپنی روش برقرار رکھو گے تو تمہاری ہلاکت اور تباہی کو کوئی نہیں روک سکے گا، لیکن فرعون نہ مانا، اس پر اللہ ربّ العزّت نے اسے اور اس کے تمام لشکر کو دریا میں غرق کر دیا، اور اس کی جگہ بنی اسرائیل کو حکمرانی اور شان و شوکت عطا کر دی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا
وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ
لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

شانِ نزول

ان آیات کا نزول چند واقعات کی بنا پر ہوا جو کہ ذیل میں درج ہیں:

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دُعا میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہہ کر پکارا تو مشرکین نے سمجھا کہ آپ دو خداؤں کو پکار رہے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو آپ ایک معبود کے سوا کسی اور کو پکارنے سے منع کرتے ہیں جبکہ خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں، اس پر اس آیت کا ابتدائی حصہ نازل ہوا۔

۲- جب مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بلند آواز سے تلاوت فرماتے تو مشرکین تمسخر اور استہزا

کرتے اور قرآن اور حضرت جبرائیل امین اور خود اللہ رَبّ العزّت کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے، اس کے جواب میں اسی آیت کا آخری حصہ نازل ہوا۔

۳- یہود ونصاریٰ اللہ رَبّ العزّت کے لیے اولاد مانتے تھے اور عرب بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے، ان کے جواب میں آخری آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ خواہ اللہ کہہ کر پکاریں خواہ رحمٰن کہہ کر، دونوں ٹھیک ہیں، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان سب ناموں سے اسے پکارا جا سکتا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ جہری نمازوں میں نہ تو بہت اونچی آواز سے پڑھیے کہ مشرکین سنیں اور خرافات بکنے لگیں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیے کہ نماز میں شریک مقتدی بھی نہ سن پائیں، بلکہ درمیانہ طریقہ اور لہجہ اختیار کیجیے۔

اور آپ یہ بھی اعلان کر دیجیے کہ اللہ رَبّ العزّت کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے اور تمام خوبیوں والا ہے۔ اس کی حمد وثنا کرتے رہیے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے واقعہ معراج اجمالی طور پر بیان کیا۔

۲- سورت میں بنی اسرائیل کی دو مرتبہ تباہی وبربادی کا ذکر ہے۔

۳- سورت میں کئی معاشرتی آداب اور احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۴- سورت میں کفّار کے کئی اعتراضات اور مطالبات کا جواب دیا گیا ہے۔

۵- حقّانیت قرآن اور اِثبات رسالت کے مضامین بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

تمت سورة بنی اسرائیل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْکَھْفِ

تعارف

یہ سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، اس میں ایک سودس آیات (۱۱۰) اور بارہ (۱۲) رکوع ہیں۔

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

''کہف'' عربی میں پہاڑی غار کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں اُن لوگوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو اپنا ایمان بچانے کے لیے ایک غار میں چھپ گئے تھے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''الکہف'' ہے۔

شانِ نزول

قُریشِ مکہ نے اپنے دو لوگوں (نضر بن حارث اور عُقبہ بن ابی مُعیط) کو مدینہ میں یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ ہمارے یہاں ایک شخص نبوّت کا مدعی ہے، تم توراۃ وانجیل کے عالم ہو، تم بتاؤ کہ تمہاری رائے اس نبی کے بارے کیا ہے؟ یہودی علماء نے انہیں تین سوالات بتائے کہ تم جا کر اس شخص سے یہ تین سوالات پوچھو!

اگر تو وہ ان سوالات کا صحیح جواب دے دیں، تب تو وہ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں، ورنہ ان کا پیغمبری کا دعویٰ غلط ہوگا۔ وہ تین سوالات یہ تھے: (۱) وہ نوجوان کون تھے اور ان کا قصہ کیا تھا جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل کر غار میں چھپ گئے تھے؟ (۲) وہ شخص کون تھا جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا؟ (۳) روح کی حقیقت کیا ہے؟

یہ قریشی واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں کو یہ سوالات بتائے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تینوں سوالات کیے۔ دو سوالات (غار والے کون تھے؟ اور مشرق ومغرب کا سفر کس نے کیا تھا؟) کے مفصل جوابات اسی سورت میں دیے گئے، جبکہ ''روح'' بارے سوال کا اجمالی جواب دینا ہی حکمت کا تقاضا تھا، اور وہ اجمالی جواب الگ سورت (سورت بنی اسرائیل) میں دیا گیا ہے۔

سورت کے فضائل

اس سورت کے مختلف فضائل کُتبِ احادیث میں وارد ہوئے ہیں:

۱-دجال کے فتنے سے حفاظت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ" (صحیح مسلم: ۱/۵۵۵)، یعنی جس شخص نے سورۃ الکہف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں، وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ کر دیا جائے گا۔

۲-دجال کے خلاف کاری ہتھیار

دوسری روایت میں ہے کہ جس شخص کا بھی "دجال" سے سامنا ہو، تو وہ اس کے سامنے سورۃ الکہف کی پہلی (دس) آیات پڑھ لے تو وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ "فمن أدركه منكم فليقرأ عليه فواتح سورة الكهف. (وفي رواية) فليقرأ عليه بفواتح سورة الكهف فإنها جوار كم من فتنته" (مشکاۃ المصابیح: ۳/۱۸۸)۔

۳-جمعہ کے دن تلاوت پر ہفتہ بھر نور

فرمایا: "من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة أضاء له النور ما بين الجمعتين. رواه البيهقي في الدعوات الكبير" (مشکاۃ المصابیح: ۱/۴۹۲) جو شخص جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرے گا تو اس کا پورا ہفتہ نورانی رہے گا، اگلے جمعہ تک وہ خدائی نور سے منوّر رہے گا۔

جمعہ کے دن اس سورت کی تلاوت کے اور بھی فضائل وارد ہوئے ہیں، اس لیے علمائے کرام اور بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ ہر جمعہ کو اس سورت کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "فتنوں سے بچاؤ" ہے۔ اس سورت میں چار طرح کی آزمائشیں اور فتنے بیان کر کے ان سے بچاؤ کی تدابیر ذکر کی گئی ہیں:

۱-"دین وایمان" کی وجہ سے آزمائش

اس ضمن میں اصحابِ کہف ہی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو اپنے دین وایمان اور توحید کی حفاظت کی خاطر ظالم بادشاہ کے ڈر سے شہر چھوڑ گئے اور غار میں جا کر پناہ لی۔

اس آزمائش سے نجات کیسے ممکن ہے؟

اس واقعے کے ساتھ ساتھ ایمان بچانے کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ نے بتادی کہ اگر اپنا ایمان بچانا ہے، تو نیک اور متقی لوگوں کی صحبت اختیار کرلو، نیک لوگوں کی صحبت سے نہ صرف ایمان کی حفاظت رہے گی، بلکہ آخرت کی یاد اور اللہ کے حضور پیشی کی فکر بھی ذہن میں تازہ ہوگی اور قرآن کی تلاوت اور اس میں غور وفکر سے توحید باری کا رسوخ فطرت کا حصہ بن جائے گا، ایمان کامل ہوجائے گا اور شرک وبدعت کی جہالتوں اور ضلالتوں سے نجاتِ کامل مل جائے گی۔ اللہ کی مدد تمہارے شاملِ حال ہوگی۔

۲۔ ''مال و دولت'' کا فتنہ

اسی سورت میں مال و دولت کے فتنہ کو ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص جسے اللہ تعالیٰ نے خوب خوب دولت سے نوازا تھا، وہ دو باغات کا مالک تھا، انگور اور کھجور کے بڑے گھنے باغات اور لہلہاتی فصلیں اس کی ملکیت تھیں، نوکر چاکر اور نرینہ اولاد بھی اسے خوب ملی تھی، لیکن اس شخص نے دولت کی اس ریل پیل اور انعامِ خداوندی کو اپنا استحقاق سمجھا اور خدا سے غافل رہا۔ نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام باغات، فصلوں اور مال وجاہ کو برباد کر دیا۔

''مال وجاہ'' کے فتنے کا علاج

اس فتنے کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ انسان، دنیا اور اپنی حقیقت کو ہر دم پیش نظر رکھے، اس حقیقت سے غافل نہ رہے، اس سے طبیعت میں عاجزی پیدا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال واسباب میری آزمائش کے لیے مجھے دیے ہیں۔ جب انسان میں آخرت کی فکر بیدار ہو جائے اور اپنی حقیقت کا صحیح ادراک ہو جائے، تو اس وقت وہ مال و دولت کے نشہ میں مست نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور ان اموال کو عطیۂ خداوندی سمجھ کر نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۳۔ ''علم'' کی وجہ سے آزمائش

یاد رکھیے کہ ''علم'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور جیسے اللہ کی ذات بلند و بالا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے، اس لیے علم کا لازمی تقاضا برتری اور اپنی بڑائی ہے۔ جس میں علم کی صفت بڑھ جائے، اگر وہ شخص دین دار اور پرہیزگار نہ ہو، تو اس میں عُجب، خود پسندی، علمی گھمنڈ اور تکبر پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ بیان فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم لوگ علم کے جتنے بھی بڑے مقام پر فائز ہو، تب بھی اسے حتمی اور آخری مقام نہ سمجھو، علم کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے سوال کے جواب میں چونکہ فرمایا تھا کہ اس وقت روئے زمین پر مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں (اور یہ حقیقت بھی تھی کہ پیغمبر سے بڑھ کر شرعی علوم کا کوئی جاننے والا نہیں ہوتا)، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش اور تربیت کے لیے انہیں علم کی ایک دوسری قسم (علوم تکوینی) سے روشناس کرانے کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی اختیار کرنے کا حکم دیا، واقعے کی مکمل تفصیل آگے آئے گی۔

''علمی بڑائی'' کا علاج

علمی ترفُّع اور بڑائی کا علاج تواضُع اور انکساری میں ہے کہ کبھی بھی اپنے علم کو اپنا ذاتی کمال مت سمجھو، اللہ تعالیٰ جب چاہے یہ نعمت تم سے سلب کر لے۔ اس عظیم نعمت کا شکرانہ یہ ہے کہ فطرت میں عاجزی پیدا کرو، علم پر کبھی ناز و غرور نہ کرو، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عنایتِ کاملہ سمجھو اور علم کے تقاضوں پر خوب خوب عمل کرو۔ ان شاء اللہ علمی فتنے میں مبتلا ہونے سے بچ جاؤ گے۔

گمراہی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے

دنیا میں جتنے لوگ بھی گمراہ ہوئے، ان کی غالب اکثریت ایسی تھی جو اپنے اپنے زمانے کے ذہین ترین لوگ سمجھے جاتے تھے۔ نری کتابیں انسان کی تربیت کرنے کے لیے اگر کافی ہوتیں، تو اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کبھی نہ بھیجتے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہی نے آ کر انسان کو ''انسان'' بنایا اور اس کی روحانی واخلاقی تربیت کر کے اسے اس ''علمی فتنے'' سے محفوظ فرمایا۔ ''علم'' کے ساتھ ساتھ ''تربیت اور تزکیہ'' انتہائی ضروری ہے، ورنہ ''مقرب'' سے ''ابلیسِ لعین'' بنتے وقت نہیں لگتا۔

آج بھی کتنے لوگ ایسے ہیں، جو محض کتابوں کے بل بوتے پر اپنے اپنے مسالک کی عمارت بنائے ہوئے ہیں اور دُنیا کو ''فرقہ اور مسلک پرستی'' سے بچانے کا درس دے کر خود ایک نئے ''فرقہ اور مسلک'' کی بنیاد رکھتے ہیں۔ کسی کامل استاد سے راہ نمائی لیے بغیر دُنیا کے اُمور میں انسان کامل نہیں بن سکتا، تو دینی معاملات میں متوارث فہم و ذوق سے محرومی اور کاملین کی سرپرستی کے بغیر انسان میں دینی ذوق، درست فہم اور معتدل مزاج کیسے پیدا ہو سکتا ہے!

۴۔ ''جاہ و سلطنت'' کا فتنہ اور اس کا علاج

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کوئی دُنیوی منصب اور عہدہ عطا کرتے ہیں، تو ان میں اکثریت اپنی حقیقت بھول جاتی ہے اور عہدے کے نشہ میں ڈاکو بن کر احکامِ خداوندی اور حقوق العباد کی پامالی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں حضرت ذوالقرنین کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا، جنھیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی عظیم بادشاہی سے نوازا تھا۔ اُس وقت کی ساری انسانی آبادی ان کے ماتحت تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس عظیم سلطنت کا غلط استعمال نہیں کیا، بلکہ مخلوقِ خداوندی کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ پیش پیش رہے اور اپنی رعایا کی ضرورتوں کا خیال رکھا۔

اس واقعے میں حکمرانوں کے لیے سبق ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مخلوقِ خُدا کی خوشی و راحت ملحوظ رکھیں اور آخرت میں اللہ کے حضور اس عہدے کے بارے جواب دہی کا تصوّر ذہن میں بٹھالیں، تو خود بخود معاملات درست ہو جائیں گے۔

''کرپشن'' کا اصل حل، آخرت میں جواب دہی کا اِحساس ہے!

آج دُنیا میں ہر طرف ''کرپشن'' کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی بدنام ہے۔ کبھی ''ڈان لیکس''، کبھی ''وِکی'' اور ''پنڈورا لیکس'' کے ذریعے معاشرے کے مختلف طبقات کی کرپشن اور کالے دھن کی تفصیلات سامنے آتی رہتی ہیں۔

یادرکھیں کہ آپ جتنے بھی نیب (National Accountability Bureau) جیسے ادارے بنالیں، اینٹی کرپشن بنالیں، جب تک حکمرانوں اورعوام میں اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس پیدا نہیں ہوگا، تب تک یہ سب ادارے اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکیں گے۔ جب انسان میں یہ شعور پیدا ہوجائے کہ مجھے اپنے ہر ہر عمل کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دینا ہے، تب انسان خودبخود ایسے کاموں سے بچتا ہے، جوکل قیامت کے دن اس کی رسوائی کا باعث بنیں۔ اس لیے کرپشن کا حل صرف ''خوفِ خداوندی'' ہے، باقی سب صرف اور صرف نعرے ہیں۔

سورت کے عمومی مضامین

اس سورت میں اصحابِ کہف کے تفصیلی واقعے کے علاوہ دنیا کی زندگی کے فانی ہونے کو دو مختلف واقعات سے سمجھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام و ابلیس لعین کے قصے کو مختصر ذکر کر کے یہ بات ذہنوں میں بٹھائی گئی ہے کہ ابلیس تمہارے اَبّا آدم کا دشمن ہے، وہ تمہارا مخلص کیسے ہوسکتا ہے! اس لیے اس کے فریب میں مت آؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھو۔ اسی ضمن میں جنّت اور جہنّم کے کچھ احوال بھی بیان کیے گئے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات اور علمِ تکوینی کے چند اَسرار کو کھولا گیا ہے تاکہ انسانوں کو یہ بات معلوم ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت لازمی ہوتی ہے۔ بسا اوقات انسان کسی واقعے کے ظاہر کو دیکھ کر غلط نتیجہ اخذ کر بیٹھتا ہے، جب کہ حقیقت میں اس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔

سورت کے آخر میں حضرت ذوالقرنین کے تین اسفار بیان کیے گئے اور یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے ''سَدِّ ذوالقرنین'' کا ذِکر کیا گیا۔ آخر رکوع میں مؤمنین اور کفّار کا باہمی تقابل کیا گیا اور توحیدِ باری کو تسلیم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ

قرآنِ پاک ہر لحاظ سے کامل کتاب ہے

فرمایا کہ ہم ہی نے اپنے بندے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی، یہ کتاب کسی انسان کی طرف سے نہیں سکھائی گئی اور یہ ایسی کامل و اکمل کتاب ہے کہ نہ تو اس میں کوئی لفظی اور تعبیر کی کمزوری ہے اور نہ ہی معنوی کمزوری اور اُسلوبِ دعوت کا کوئی نقص ہے۔ ''عِوَجًا'' کے معنی کمزوری، جھکاؤ اور کجی کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں کوئی کمی اور ہلکا پن نہیں رکھا۔ قرآنِ پاک لفظی اور معنوی ہر لحاظ سے ایک جامع اور اکمل کتاب ہے، اگر کسی کو اس میں کمی نظر آتی ہے، تو وہ اس کی اپنی فکر کا قصور ہے، قرآنِ پاک ان سب نقائص سے پاک کتاب ہے۔

قرآن، راہِ حق کا داعی ہے

فرمایا: ''قَيِّمًا''، ''قیم'' کے عربی میں دو معنی آتے ہیں:

۱۔ ٹھیک ٹھیک، بالکل سیدھی بات، جس میں کوئی کمی کوتاہی نہ ہو۔

۲۔ نگران اور محافظ۔

قرآنِ کریم کے لحاظ سے یہ دونوں معانی درست ہیں۔ قرآنِ پاک جیسے اپنے الفاظ و معانی کے لحاظ سے بالکل درست، برحق اور ٹھیک ٹھیک نازل ہوا ہے، اسی طرح یہ دوسروں کو بھی استقامت پر رکھنے والا اور ان کے مصالح کا نگران ہے۔ گویا یہ کلام خود بھی کامل ہے اور مخلوقِ خدا کو بھی کامل کرنے والا ہے۔

قرآن کے نزول کا بنیادی مقصد

قرآنِ پاک نازل کرنے کا مقصد کفار کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدوں سے باز آجائیں، ورنہ مارے جائیں گے۔ جب کہ مومنین کو تسلی اور خوشخبری دی جاتی ہے کہ دنیوی زندگی کے مصائب عارضی ہیں۔ ایمان اور اچھے اچھے اعمال کی بدولت اللہ تمھیں بہترین اجر سے نوازیں گے، تم جنت میں دائمی قیام کے مستحق ہو۔ اس لیے کفار کی طرف سے ملنے والی تکالیف اور ایمان کی وجہ سے آنے والی آزمائشوں پر صبر کرتے رہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

اللہ کے لیے اولاد ماننا، بدترین جرم ہے

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ماننے جیسا باطل عقیدہ ایسا تھا کہ جس کے مشرکین، یہودی اور عیسائی سب قائل تھے۔

مشرکین ''فرشتوں'' کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، جب کہ یہودی حضرت عُزَیرؑ کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ''ابن اللہ'' کہتے تھے۔ ان سب کے جرم کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: ''وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝'' قرآن ہم نے اس لیے نازل کیا، تاکہ یہ ان سب لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرائے، جو اللہ کے لیے اولاد کے قائل ہیں۔ اور یہ ایسا لغو دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہی ان کے آباء و اجداد کوئی دلیل رکھتے تھے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہو، جسے معاونت اور مدد کی ضرورت رہے۔ اللہ کو تو ''کُنْ'' کہنے کی بھی حاجت نہیں۔ ساری مخلوقات اسی کے تابع ہیں، اسے اولاد کی کیا ضرورت! اس لیے تمہارا یہ دعویٰ انتہائی بھیانک اور سنگین ہے، جو جھوٹ کے بدبودار پلندے کے سوا کچھ نہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفّار کی خاطر ہرگز فکر مند نہ ہوا کریں

ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان مشرکین کی خاطر خود کو کیوں کھپاتے ہیں! آپ کا کام صرف دعوتِ حق پہنچادینا ہے بس!! یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، اُن کا اپنا نصیب ہے۔ دنیا میں موجود تمام مخلوقات سے ہی دنیا کی خوبصورتی اور خوشنمائی ہے، جو دراصل ایک امتحان ہے کہ کون کون اسے خدائے واحد کی کاریگری سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور کون ہے، جو صرف اسی دنیا میں منہمک رہ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ایک دِن آئے گا کہ جب دنیا کا یہ سارا کارخانہ لپیٹ دیا جائے گا، زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ ۙ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝۹

واقعات بیان کرنے کا قرآنی اُسلوب

سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ قرآن درحقیقت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے، جس میں کوئی واقعہ اپنی تمام تفصیلات و جزئیات کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو۔ قرآن کسی واقعہ یا قصہ کے صرف وہی اجزا بیان کرتا ہے، جن کا انسانی ہدایات و تعلیمات سے تعلق ہو، البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ غالباً اس لیے تفصیل سے بیان کیا گیا کہ کسی کو یہ اعتراض کا موقع نہ ملے کہ قرآن تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے اُسلوب سے ہی ناواقف ہے۔

بہرکیف! اصحابِ کہف کے قصے کو لوگ چونکہ بہت عجیب خیال کرتے تھے کہ انسان اتنا لمبا عرصہ کیسے سو سکتا ہے! تو ان آیات میں اسی کی تردید فرمائی کہ قدرتِ خداوندی کے مقابلہ میں تو یہ کچھ بھی قابلِ تعجب نہیں۔

''اصحابِ کہف و رقیم'' کون تھے؟

''اصحابِ کہف'' کا یہ واقعہ صرف مسلمانوں ہی میں معروف نہیں، بلکہ عیسائیوں کے یہاں بھی یہ واقعہ (Seven Sleepers) یعنی ''سات سونے والے'' کے نام سے مشہور ہے۔

ان حضرات کو ''اصحابِ کہف'' تو اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک پہاڑی غار میں پناہ لی تھی، لیکن انہیں ''رقیم والے'' کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے حضراتِ مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک ''رقیم'' اس پہاڑ کا نام تھا، جہاں ان حضرات نے پناہ لی تھی۔

۲۔ بعض مفسرین کے مطابق ''رقیم'' اس وادی اور گاؤں کا نام تھا، جہاں یہ پہاڑ واقع تھا۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ''رقیم'' یہ ''مرقوم'' کے معنی میں ہے، بمعنی تحریر شدہ کتبہ جس پر ان حضرات کے نام درج تھے۔ یہ کتبہ کس نے بنوایا تھا؟ اس میں آراء مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک جب یہ لوگ بادشاہ کے خوف سے اپنا ایمان

بچانے کے لیے بھاگے تھے، تو بادشاہ نے ان سب کے نام ایک تختی پر تحریر کرا لیے تھے، تاکہ سرکاری ریکارڈ میں رہے کہ یہ لوگ ''اشتہاری مجرم'' ہیں اور جہاں ملیں، انہیں گرفتار کرلیا جائے۔ جب کہ دیگر بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان حضرات کے انتقال کے بعد غار کے دہانے پر ان سب کے نام ایک کتبہ پر بطور یادگار لکھوا دیے گئے تھے، اس لیے انہیں ''اصحاب الرقیم'' کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ غار کہاں واقع ہے؟

اس غار کی تعیین کے بارے میں سخت اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ بھی معقول ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں میں رَہبانیت غالب تھی۔ وہ لوگ شہروں میں رہنے کی بجائے عبادت کے لیے جنگلوں اور غاروں میں رہنے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ چند لوگ مل کر اپنا زادِ راہ جمع کرتے اور شہر سے دُور کسی پہاڑی غار میں عبادت کے لیے چلے جاتے اور وہیں غار میں اپنی زندگیاں گزار دیتے، اس دوران اُن کا وہاں انتقال ہو جانا ایک فطری بات تھی۔

اس لیے محققین کو جہاں جہاں غاروں میں کئی انسانی ڈھانچے ملے، انہیں وہاں شُبہ ہوا کہ کہیں یہی لوگ ہی ''اصحابِ کہف'' نہ ہوں! اسی بنا پر بعض مفسرین نے اپنی اپنی تحقیقات کے مطابق اس غار کے مقام کی نشاندہی کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ کوئی قطعی بات ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ نیز اس واقعہ کا سمجھنا بھی غار کے محلِ وقوع جاننے پر ہرگز موقوف نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس تفصیل میں نہیں پڑنا چاہیے۔

''اَصحابِ کہف'' کا تفصیلی واقعہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان حضرات کا تفصیلی واقعہ بیان کر دیا جائے، تاکہ پھر متعلقہ آیات کی تفسیر سمجھنے میں آسانی رہے۔

حضراتِ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی قوم کے سرداروں اور بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ شریعتِ عیسوی کا زمانہ تھا اور یہ لوگ جس قوم میں رہتے تھے، وہ ساری قوم مشرک اور بت پرست تھی، ایک دفعہ قوم اپنے کسی مذہبی اجتماع کے لیے شہر سے باہر نکلی، جہاں وہ بت پرستی کرتے اور بتوں کے لیے جانور ذبح کیا کرتے تھے، یہ نوجوان بھی اپنی قوم کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ان کے مقدر میں تھی، تو یکایک ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ ہماری قوم کا یہ طرزِ عمل ہرگز درست نہیں۔ عبادت تو صرف اسی رَبّ کی ہونی چاہیے، جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ اپنے ہی ہاتھوں خدا تراشنا اور ان کے سامنے جھکنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ ان میں سے ایک جوان چپکے سے نکلا اور اجتماع سے ہٹ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا، آہستہ آہستہ بقیہ نوجوان بھی یہی سوچ لے کر قوم سے الگ ہوئے اور اسی درخت کے نیچے آکر جمع ہوگئے۔

''توحید'' ہی ان سب کے اِکٹھا ہونے کی بنیاد بنی

اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو جانتے بھی نہ تھے، اللہ تعالیٰ ہی نے ایک سوچ کے حامل افراد کو ایک ساتھ جمع فرمادیا تھا۔ کچھ دیر گزری، تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھائیو! ہم سب مذہبی میلہ چھوڑ کر جو یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، اس کی کوئی وجہ تو ہوگی! بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہوجائیں۔ اس طرح جب سب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، تو سب ایک نکتے پر متفق نکلے کہ شرک کی بجائے ''توحید'' کو اپنانا چاہیے۔

اب ان حضرات نے اپنی الگ عبادت گاہ بنائی اور ربّ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔

بادشاہ کے سامنے حق گوئی وبے باکی

آہستہ آہستہ بات پھیل گئی اور اُس زمانے کے مشرک بادشاہ (جس کا نام تاریخی روایات میں دقیانوس آیا ہے) تک بھی بات پہنچی کہ چند لوگ اپنا الگ دین بنائے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں بلایا اور ان سے حقیقت پوچھی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حق گوئی کی ہمت عطا فرمائی اور انہوں نے بادشاہ کے سامنے صاف صاف کہہ دیا کہ عبادت تو صرف ''وحدہٗ لاشریک'' کی ہونی چاہیے۔ کسی اور کو ہم ''خدا'' اور لائق عبادت تسلیم نہیں کرتے۔

بادشاہ نے ان سے ''شاہی اعزازات'' واپس لے لیے اور چند دن کی مہلت دی کہ خوب اچھی طرح غور وفکر کرلو، اگر اپنے آباء کے دین کی طرف واپس نہ آئے تو قتل کردیے جاؤ گے۔

دِین بچانے کے لیے غار میں پناہ لی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چونکہ فیصلے طے تھے، اس لیے اس چندروزہ مہلت کو انہوں نے غنیمت سمجھا اور باہمی مشورہ سے شہر چھوڑ کر پہاڑی غار میں روپوش ہوگئے۔ ان کے ساتھ ان کا پالتو کُتا بھی تھا۔

تین صدیوں کی طویل وعجیب ترین نیند مسلط کردی گئی

یہ حضرات غار میں پہنچے ہی تھے کہ اللہ نے ان سب پر ایسی نیند مسلط کردی کہ دور سے دیکھنے پر لگتا کہ یہ جاگ رہے ہیں، نیند کی وجہ سے جسم میں ڈھیلا پن یا سانس میں بھی کوئی تبدیلی نہ تھی۔ یہ کیفیت شاید اس لیے باقی رکھی گئی کہ کوئی انہیں سویا ہوا سمجھ کر نقصان نہ پہنچادے۔ ان کا کُتا بھی غار کے دہانے پر چاق وچوبند بیٹھا تھا، حالانکہ درحقیقت سبھی پر نیند طاری کردی گئی تھی۔

نیند کا عرصہ

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ شمسی لحاظ سے ۳۰۰ سال۔ جبکہ قمری لحاظ سے ۳۰۹ سال۔ اسی حالت میں گزر گئے۔ اس تمام عرصہ میں روشنی بھی اس انداز میں اُن پڑتی رہی کہ ان کے جسموں کو براہِ راست دُھوپ بھی نہ لگے

اور ان کے جسم گلنے سڑنے سے بھی محفوظ رہیں۔ نیند میں اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بھی بدلواتے رہے، تاکہ ایک ہی سائیڈ پڑے پڑے جسم گل سڑ نہ جائے۔

تین صدیاں اسی حالت میں گزر گئیں، اس دوران وہ ظالم ومشرک بادشاہ مر کھپ گیا اور کئی نسلیں گزر گئیں۔ اب وہاں ایک موحد بادشاہ کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔

نیند طاری کرنا بھی ربّ کی حکمت تھی اور جگانا بھی حکمت!

جب اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہوئی کہ انہیں جگایا جائے اور دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوجائے کہ جو ربّ اتنا طویل عرصہ سلانے کے باوجود صحیح سلامت اور تندرست اُٹھانے پر قادر ہے تو وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نیند سے جگا دیا۔

سونے کی مدّت بارے باہمی سوال وجواب

جب ان کی آنکھ کھلی تو ان میں سے ایک صاحب نے پوچھا کہ ہمیں سوئے ہوئے کتنا عرصہ بیتا ہے؟ اُس زمانے میں گھڑیاں تو ہوتی نہیں تھیں، لامحالہ سورج یا چاند کو دیکھ کر ہی وقت کا اندازہ لگایا جاتا تھا، تو جب ان لوگوں نے سورج کو دیکھا تو اُس وقت شام ہونے لگی تھی اور جب یہ غار میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت صبح کا وقت تھا، اس لیے انہوں نے اندازہ لگا کر جواب دیا کہ ہمیں سوئے ہوئے پورا دِن یا دِن کا کچھ حصہ گزرا ہے۔

البتہ کچھ ساتھیوں کو احساس ہوا کہ اتنا تھوڑا وقت نہیں گزرا جتنا سمجھا جا رہا ہے، تاہم سب نے مل کر طے کیا کہ وقت کو چھوڑو، پہلے بھوک مٹانے کی کوئی صورت اختیار کی جائے۔ کمال یہ ہے کہ اتنا طویل عرصہ سونے کے درمیان کسی کو بھوک نہ لگی، لیکن جب بیدار ہوئے تو اس وقت بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔

ضروری خرچے کا اِنتظام توکّل کے ہرگز خلاف نہیں

یہ لوگ غار کی طرف آتے وقت کچھ روپیہ وغیرہ بھی اپنے ساتھ لیتے آئے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت کام آسکے۔ اس لیے علماء نے فرمایا کہ اپنی ضروریات کے لیے خرچ وغیرہ کا پیشگی انتظام کرکے رکھنا زُہد کے منافی نہیں ہے۔ توکّل کا مطلب ہی یہی ہے کہ پہلے اپنی طرف سے مکمل اسباب اختیار کرلو، پھر اپنے اللہ پر بھروسہ کرو۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جانا کم ہمتوں کی نشانی ضرور ہے، متوکلین کی نشانی ہرگز نہیں۔

راز فاش ہوجانا

انہوں نے اپنے ایک ساتھی (روایات میں ان صاحب کا نام "تَمْلِیْخَا" آیا ہے) کو پیسے دے کر شہر بھیجا کہ کھانے پینے کا سامان لے آؤ، لیکن دھیان کرنا کہ شہر والے سارے دُشمن ہیں (انہیں تو معلوم نہ تھا کہ اتنا عرصہ بیت گیا، وہ تو

اب بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ ساری قوم مشرک اور بت پرست ہے اور ہمیں تلاش کر رہی ہوگی، اس لیے اس انداز سے جانا کہ کسی کو تمہاری اصلیت معلوم نہ ہو سکے اور کھانا بھی حلال اور پاکیزہ تلاش کرنا، مشرکین کا حرام ذبیحہ نہ خریدنا۔

اب یہ صاحب چھپتے چھپاتے مارکیٹ پہنچے اور وہاں سے سامان لیا، جب پیسے دینے کا وقت آیا، تو ان صاحب نے تین صدیاں پہلے کا سکہ نکال کر دُکان دار کو دیا، جو دُکان دار کے لیے بالکل غیر مانوس تھا۔

اُس نے اپنے ساتھی دُکان داروں کو وہ سکہ دِکھایا، سب نے مل کر یہی کہا کہ شاید اس شخص کو قدیم زمانے کا کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ لیکن یہ صاحب انکاری تھے کہ جی یہ تو میرے اپنے پیسے ہیں اور یہی سکہ ہی شہر میں رائج ہے۔

بادشاہ کے سامنے پیشی

دُکان داروں نے ان صاحب کو پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ اُس زمانے کا بادشاہ نیک صالح اور موحد تھا، (تاریخی روایات میں ان کا نام "بیدوسیس" آیا ہے) اور اُس زمانے میں عوام الناس مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے۔ بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا کہ کاش کسی طرح لوگوں کو یقین آ جائے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اس بادشاہ کو پُرانے سرکاری ریکارڈ سے یہ بات بھی معلوم تھی کہ کچھ موحد لوگ پرانے زمانے میں اپنا ایمان بچانے کی غرض سے شہر چھوڑ گئے تھے۔ ان کے نام بھی ریکارڈ میں موجود تھے۔

جب اُن صاحب نے اپنی آپ بیتی بادشاہ کو سنائی اور اپنا اور اپنے ساتھیوں کے نام بتائے، تو بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کسی زمانے میں رُوپوش ہو گئے تھے۔

اہلِ شہر کی غار کی طرف روانگی

بادشاہ ان سے مل کر بہت خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نشانی دکھا دی کہ جو اتنا عرصہ نیند دے کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، تو وہ حشرِ اَجساد اور مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے اپنے باقی ساتھیوں سے بھی ملوائیے، تا کہ ہم سب کو اچھی طرح یقین ہو جائے۔

اس طرح بادشاہ اور دیگر لوگ ان صاحب کی راہ نمائی میں غار تک پہنچے، وہاں پہنچ کر تملیخا نے کہا کہ آپ لوگ ذرا ٹھہریے، تا کہ میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دوں کہ باہر آئے ہوئے لوگ دشمن نہیں، بلکہ اپنے موحد ہیں۔ آپ لوگوں کو اچانک دیکھ کر کہیں وہ دشمن نہ سمجھ بیٹھیں۔

"اَصحابِ کہف" پر موت طاری کر دی گئی

وہ صاحب جب غار میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو سب حقیقت بتائی، تو وہ سب بڑے خوش ہوئے۔ بعض

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باہر نکل کر بادشاہ کا استقبال بھی کیا، جبکہ دیگر روایات بتاتی ہیں کہ ان کی بادشاہ سے ملاقات نہیں ہوسکی، بلکہ تملیخا کی گفتگو سننے کے بعد اُن سب پر موت طاری ہوگئی۔کوئی بھی غار سے پھر باہر نہیں آیا۔واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال!

بہر حال! اصحابِ کہف کو دوبارہ اُٹھانے کا جو مقصد تھا (حشرِ اَجساد پر قدرت ثابت کرنا) وہ پورا ہوا، جب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شہر والوں کو یقین آگیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو موت دے دی۔

''اَصحابِ کہف'' کی تعداد؟

اصحابِ کہف کی تعداد بارے لوگوں کے تین طرح کے نظریات تھے، کچھ اس بات کے قائل تھے یہ لوگ تعداد میں تین تھے اور چوتھا ان کا کتّا تھا۔کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ تعداد میں پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتّا تھا۔جب کہ بعض یہ کہتے تھے کہ اصحابِ کہف تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کتّا تھا۔قرآنی اسلوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے اسی تیسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

اسمائے گرامی

''معجم الاوسط للطبرانی'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں ان چند لوگوں میں سے ہوں جنہیں اصحاب کہف کی تعداد کا علم دیا گیا ہے، ان حضرات کے نام یہ تھے: ۱-مکسلمینا۔ ۲-تملیخا۔ ۳-مرطونس۔ ۴-بینونس۔ ۵-سرنوانیوس۔ ۶- کفاشطیطوس۔ ۷-ذرنونس۔ان کے کتّے کا نام روایات میں ''قطمیر'' آیا ہے۔

> قال ابن عباس: أنا من أولئك القليل مكسلمينا وتمليخا وهو المبعوث بالورق إلى المدينة ومرطولس ويثبونس ودرنونس و كفاشطيطوس ومنطنواسيسوس وهو الراعي والكلب اسمه قطمير۔ (المعجم الأوسط:٦/١٧٥) واللہ تعالیٰ اعلم!

''اَصحابِ کہف'' کا زمانہ؟

اس سلسلے کی تمام روایات سے اتنی بات تو تقریباً محقق ہوجاتی ہے کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے پیروکار تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔حضرت تھانویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرات جس بادشاہ کے ڈر سے غار میں رُوپوش ہوئے تھے، اُس بادشاہ کا زمانہ ۲۵۰ عیسوی ہے۔تین سو سال یہ لوگ غار میں سوئے رہے تو مجموعہ ۵۵۰ عیسوی ہوگیا، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۷۱ یا ۵۷۰ عیسوی میں ہوئی۔اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً ۲۰ سال پہلے ان حضرات کی بیداری کا واقعہ پیش آیا۔(معارف القرآن:۵/۵۵۸)

اصحابِ کہف کا واقعہ تفصیل سے آپ حضرات نے سُن اور سمجھ لیا ہے، اب آیات کی مختصر تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۞ فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۞ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ۞

واقعے کا اِجمالی بیان

جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے ہمارے رَبّ! ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرما اور ہماری اس پریشانی اور کیفیت میں ہمارے لیے بھلائی کا راستہ عنایت فرما دیجیے۔ ہم آپ ہی کی مدد کے محتاج ہیں۔ آپ ہی ہم پر خاص کرم فرما دیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا" ہم نے ان کے کانوں پر تھپکی دی، یہ عربی محاورہ ہے، جو پختہ اور خوابِ خرگوش کے لیے بولا جاتا ہے۔ ظاہر ہے جب تک کان سُن رہے ہوں، انسان کو پکی اور گہری نیند نہیں آتی۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے اُن کے کانوں کو بھی سُلا دیا، تاکہ وہ غار میں گہری نیند سوئے رہیں اور اِدھر اُدھر کی آوازوں پر ان کی آنکھ نہ کھلے۔ کئی سالوں تک ہم نے انہیں غار میں یونہی سلائے رکھا۔ سالوں کی تعداد آپ جان چکے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ: "ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا" پھر ہم نے اتنی طویل نیند کے بعد انہیں نیند سے جگایا، تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون سا گروہ سونے کی مدت زیادہ صحیح اور درست بیان کرتا ہے۔ یہ واقعہ کا اجمالی بیان ہے۔ اگلے رکوع سے اس واقعہ کا پسِ منظر اور تفصیل بیان کی گئی ہے۔

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ۞ وَّرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّـقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۞ هٰٓؤُلَۤاءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۞

"اَصحابِ کہف" کی کہانی

فرمایا کہ "نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَـقِّ" ہم ان کا ٹھیک ٹھیک واقعہ آپ کو سناتے ہیں، دُنیا میں اصحابِ کہف کے بارے جو باتیں ہمارے بیان کردہ اس واقعے کے خلاف ہوں، تو وہ خود بخود غلط ثابت ہو جائیں گی۔ "اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى" وہ کچھ (راجح تعداد میں سات) نوجوان تھے، جو اپنے زمانے کے حق مذہب کے مطابق اپنے رَبّ پر ایمان لائے تھے، تو ہم نے بھی ان کو ہدایت میں اور ترقّی دی۔ انہیں ایمان کے ساتھ عملِ صالح، ایمان پر ثابت قدمی اور مصائب پر صبر کی توفیق دی اور آخرت کی فکر ان کی طبیعتوں میں راسخ کر دی۔

وَّرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّـقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۞

بادشاہ کے سامنے جرأت کے ساتھ اعلانِ حق

جب مشرک بادشاہ کے سامنے گرفتار کر کے انہیں پیش کیا گیا اور بادشاہ نے ان سے ان کے عقیدے کے بارے پوچھا، تو موت وحیات کی اس کشمکش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توحید اور ایمانِ کامل پر ایسا جما دیا کہ انہوں نے بڑی جرأت و بے باکی سے بادشاہ کے سامنے حق کہہ دیا کہ "لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا" "ہم اللہ کے علاوہ نہ تو کسی کو معبود مانتے ہیں اور نہ مانیں گے۔ ہمارا خدا تو بس وہی ایک ہے جو زمین و آسمان اور ان میں موجود ساری مخلوقات کا خالق ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو خدا ماننے سے بڑی لغو بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝

زندہ رہو تو دلیل کے ساتھ اور مرو تو بھی دلیل پر

سمجھ دار شخص کا کوئی بھی فعل نقلی یا عقلی دلیل کے خلاف نہیں ہوتا۔ ان نوجوانوں نے بادشاہ کے سامنے بھی یہی بات کی کہ ہماری ساری قوم جو غیر اللہ کی عبادت کرتی ہے، کیا ان کے پاس ان اشیاء کے خدا اور قادر ہونے کی کوئی واضح دلیل موجود ہے! دِین میں دلیل چلتی ہے، آباء کی اندھی پیروی نہیں، لہٰذا اس سے بڑی اللہ پر جھوٹی تہمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ محض قوم اور اپنے آباء کی دیکھا دیکھی خدا کے ساتھ اوروں کو بھی عبادت میں شریک مان لیا جائے! ہم تو اس شرک سے بَری اور بے زار ہیں۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

جہاں دِین پر عمل ممکن نہ ہو تو ہجرت کرنا ہی سلف کی سُنّت ہے

بادشاہ نے انہیں چند دِن سوچنے کی مہلت دی تو ان حضرات نے اسی مہلت کو غنیمت سمجھ کر باہمی مشورہ کیا کہ جب ہم سب نے اپنی قوم کے عقیدوں اور خداؤں کو چھوڑ ہی دیا ہے اور اَب ان میں رہ کر دین کا کام صحیح طریقے سے ہونا مشکل ہے، تو بہتر ہے کہ کسی غار میں پناہ لیتے ہیں، اور ہم چونکہ اپنے رَبّ کی خاطر شہر چھوڑ رہے ہیں تو ہمارا رَبّ ہی ہم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور ہمارے اس معاملے میں آسانیاں پیدا فرمائے گا۔ یہ مشورہ کر کے یہ حضرات شہر سے چپکے سے نکل گئے اور باہمی مشورے سے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لے لی۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

غار میں اُن اصحاب کی جسمانی حفاظت کا خُدائی انتظام

فرمایا کہ جس غار میں وہ لوگ چھپنے کے لیے داخل ہوئے، وہ غار ایسی تھی کہ اُس میں سورج کی دُھوپ براہِ راست اندر نہیں آتی تھی، "وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ" چاہے وہ طلوع کا وقت ہو یا غروب کا وقت، اُس غار کا محلِ وقوع اور رُخ (غالباً شمالاً یا جنوباً) ایسا تھا کہ دُھوپ، غار کے قریب سے تو گزر جاتی، تاکہ دُھوپ کے اثرات اور فوائد ان کے جسموں کو حاصل ہوتے رہیں، لیکن ان کے جسموں پر براہِ راست دُھوپ نہیں پڑتی تھی کہ کہیں دُھوپ کی حرارت سے ان کے جسم اور لباس وغیرہ خراب نہ ہو جائیں۔ "وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ" اور وہ لوگ اُس غار کے کشادہ اور وسیع حصے میں سوئے ہوئے تھے، آپ جانتے ہیں کہ غاروں کے کچھ حصے کافی تنگ اور کچھ فراخ ہوتے ہیں، تو یہ سب لوگ غار کے کشادہ اور کھلے حصے میں تھے تاکہ ان تک ہوا بھی با آسانی پہنچتی رہے اور جگہ کی کشادگی کی وجہ سے ان کا دل بھی نہ گھبرائے۔ "ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ" یہ سب انتظامات اور اتنا طویل عرصہ کھائے پیے اور گلے سڑے بغیر سوئے رہنا محض اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ ظاہری اسباب کوئی نہیں، لیکن پھر بھی ان کے لیے راحت اور حفاظت کا سامان مہیا کر دیا، "مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ" اللہ جسے ہدایت دے دے، بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، "وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا" اور جسے اللہ (اُس کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے) گمراہ کر دے، تو اسے دُنیا جہان کے لوگ مل کر بھی راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

"اَصحابِ کہف" کی نیند کی منظر کشی

اس آیت میں عام لوگوں کو خطاب کیا گیا کہ اُن لوگوں پر غار میں اگرچہ نیند مسلط کر دی گئی تھی، لیکن نیند کے آثار اور علامتیں اُن پر ہرگز طاری نہیں ہوئی تھیں۔ اگر کوئی انہیں اس حالت میں دیکھ لیتا تو وہ یہی سمجھتا کہ یہ لوگ لیٹے ہوئے جاگ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا یہ غیر معمولی انتظام فرمایا تھا کہ ان کے جسموں پر نیند کے آثار معلوم نہیں ہوتے تھے تاکہ کوئی انہیں سوتا سمجھ کر نقصان نہ پہنچا دے۔ "وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ" اور پھر ان کا سونا بھی ایک کروٹ پر نہیں تھا، ہم انہیں وقتاً فوقتاً کروٹیں بھی دِلواتے تھے تاکہ ان کے جسم ایک ہی انداز میں پڑے پڑے گل نہ جائیں۔

اہل اللہ کی صحبت کسی حال میں بھی بے فائدہ نہیں ہوتی

یہ لوگ چونکہ مال دار گھرانوں کے افراد تھے تو ممکن ہے کہ جانوروں کی حفاظت وغیرہ کی خاطر کُتا بھی پال رکھا ہو، جو کہ شرعاً جائز ہے، جب یہ لوگ شہر سے نکلے تو کتے کا ساتھ ہو جانا کوئی بعید نہیں، کیونکہ کتے کی وفاداری معروف ہی ہے۔

بہر کیف! ایک کتّا بھی ان کے ساتھ ہولیا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی حفاظت کا انتظام فرمایا، اسی طرح اُن کے کتّے کو بھی موسمی تغیرات اور اثرات سے محفوظ رکھا، فرمایا کہ: "وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ" اُن کا کتّا غار کی دہلیز اور چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے گویا ایسے چاق وچوبند بیٹھا تھا، جیسے غار کی نگرانی اور حفاظت کر رہا ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی صحبت کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ ایک کتّے کو یہ اعزاز بخش سکتے ہیں کہ اُس کا ذکر قرآنِ مجید میں کر دیں، تو جو اِنسان اللہ والوں سے محبت کرتا ہے، وہ اِنعامِ خداوندی سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے!

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

پسرِ نوح با بداں نشست
خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اختیار کی تو اس کی وجہ سے اُس سے نبوّت کا خاندان چھوٹ گیا، اصحابِ کہف کے کتے نے چند روز نیکوں (اولیاء اللہ) کی صحبت اختیار کی تو آدمی (اعزاز والا) بن گیا۔

نیند میں بھی رُعب وجلال طاری تھا

اللہ تعالیٰ نے نیند میں بھی ان حضرات پر رُعب اور جلال کی ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ "لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا" اگر تم اُنہیں اس حالت میں جھانک کر دیکھ لیتے تو ان کی دہشت اور رُعب کی وجہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔ ممکن ہے کہ یہ رُعب کی کیفیت بھی اس لیے ہو کہ کوئی شخص یا جانوران کے قریب نہ آ سکے اور ان کے اجسام اور سامان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۞ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۞

"اصحابِ کہف" کو صحیح سلامت جگانا بھی قُدرت کی نشانی ہے

فرمایا کہ جیسے طویل عرصہ ہم نے اُنہیں بالکل محفوظ سلائے رکھا تھا، اسی طرح اب ہمیں یہ منظور ہوا کہ انہیں جگایا جائے تا کہ "لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ" یہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں اور انہیں بھی کچھ اندازہ ہو سکے کہ ہم کتنا عرصہ

اسی طرح سوتے رہے! پھران کے درمیان جو سوال و جواب ہوئے آپ ان کے بارے میں پہلے سُن چکے ہیں کہ سونے کی حقیقی مدت کو اللہ پر چھوڑ دو، پہلے حلال اور پاکیزہ کھانے کا کوئی انتظام کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بھیجا کہ چپکے سے مارکیٹ جاؤ اور خیال کرنا کہ کسی کو تمہاری بھنک بھی نہ پڑے، اگر انہیں ہمارے بارے معلوم ہو گیا تو ''یَرْجُمُوْكُمْ اَوْ یُعِیْدُوْكُمْ فِیْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا'' وہ لوگ ہم سب کو سنگسار کر دیں گے (ممکن ہے کہ مذہب بدلنے کی سزا اُن کے زمانے میں یہی ہو) یا زبردستی تمہیں اپنے شرکیہ عقائد اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ پہلی صورت میں جانی اور دوسری صورت میں ایمانی نقصان یقینی ہے، اس لیے اپنے آپ کو دونوں نقصانوں سے محفوظ رکھنا ہے تو اپنی شناخت خُفیہ رکھنا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا ۚ اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

تدبیر پر تقدیر غالب ہو کر ہی رہتی ہے

اِدھر اِن حضرات نے اپنے ساتھی کو احتیاطی تدابیر اپنانے کی تاکید کے ساتھ شہر بھیجا، اُدھر اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی کہ شہر والوں پر اِن لوگوں کی حقیقت منکشف ہو جائے اور ظاہر ہے کہ تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود تقدیر غالب ہو کر ہی رہتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہوا اور پُرانے زمانے کا سکہ دوکاندار کو دینے کی وجہ سے اس شخص کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور یوں ان کی حقیقت سب کے سامنے واضح ہو گئی۔ تفصیل سے آپ یہ واقعہ سُن چکے ہیں۔

''اصحابِ کہف'' کا راز فاش کرنا بے مقصد نہیں تھا

اصحابِ کہف کو شہر والوں کے سامنے دوبارہ لانے کا مقصد یہ تھا ''لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا'' جو لوگ پہلے سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، انہیں اس واقعے سے ''عین الیقین'' حاصل ہو جائے اور جو لوگ قیامت کے قائل نہیں ہیں، اُنہیں بھی ان حضرات کو دیکھ کر قیامت کا یقین آ جائے اور وہ اپنے اعمال و عقائد کی اصلاح کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ ان کے تفصیلی واقعے میں سُن چکے ہیں۔

اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اولیاء کی قبور کے پاس مساجد بنا دینا جائز ہے

بادشاہ اور اہلِ شہر جب تملیخا کی راہ نمائی میں ان کے غار تک پہنچے اور اللہ نے سب غار والوں پر موت طاری کر دی تو

شہر والوں نے سوچا کہ ان کے غار کے قریب کوئی یادگار بنانی چاہیے، دُنیا اب بھی کسی خاص شخصیت یا واقعہ کی یادگار بناتی ہے جیسا کہ لاہور میں ''قراردادِ لاہور'' کی یاد میں ''مینارِ پاکستان'' بنایا گیا تا کہ وہ آزادی کی اس قرارداد کی یاد دلاتا رہے۔

یہ بھی اللہ کی قدرت ہے کہ جو جوان اپنا دین وایمان بچانے کے لیے شہر سے نکل بھاگے تھے، آج انہیں وہ عزت ملی کہ شہر کے لوگ ان کی یاد میں کوئی عمارت بنانے کا مشورہ کرنے لگے۔ بہر حال! شہر والوں کا مشورہ ہوا کہ یہ لوگ قدرت کی ایک بڑی عظیم نشانی تھے، لہٰذا ان کی ایک یادگار بنانی چاہیے۔ لیکن وہ یادگار (Monument) کیا ہونی چاہیے؟ اس میں آراء مختلف تھیں، کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ کوئی عام سی تعمیر کر دی جائے، لیکن بادشاہ اور غالب اکثریت کی رائے یہ تھی کہ یہاں مسجد بنا دی جائے، تا کہ یادگار بھی رہے اور آئندہ بت پرستی کی حوصلہ شکنی بھی کرتی رہے کہ جو لوگ توحید کے قائل ہوتے ہیں، اللہ انہیں کیسے دنیا کے لیے مثال بنا دیتے ہیں!! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کی غار کے قریب مسجد بنا دی گئی۔

''رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ'' کی تفسیر میں دو احتمال

اس جملے کی تفسیر کے بارے حضراتِ مفسرین نے دو احتمالات بیان فرمائے ہیں اور دونوں ممکن ہیں:

۱- یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کہ ''اصحابِ کہف'' کی حقیقت بارے اللہ کو تم سب سے زیادہ علم ہے، اس لیے ان کے بارے میں فضول بحثیں اور بے فائدہ مجالس قائم کرنے سے اجتناب کرو۔

۲- یہ جملہ انہی لوگوں کا ہے جو اصحابِ کہف کی یادگار بنانے بارے باہم جھگڑ رہے تھے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب غار کے قریب ان حضرات کی یادگار بنانے کی رائے بنی تو ان حضرات نے سوچا کہ ان کے نسب، حالاتِ زندگی اور مذہب وغیرہ کے بارے معلومات بھی یادگار پر درج کر دی جائے، لیکن جب تین صدیاں پہلے کے ان لوگوں کے حالاتِ زندگی (سوائے ان کے ناموں کے) معلوم نہ ہو سکے، تو عاجز آ کر کہنے لگے: ''رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ'' ان کے حالات اللہ پر چھوڑو، بس یادگاری عمارت بنا دو۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ؀

''اصحابِ کہف'' کی تعداد میں اُلجھنے کی بجائے اُن کے قصے سے سبق حاصل کرو!

ان کی تعداد بارے مفصل گفتگو پہلے کی جا چکی ہے، ان آیات میں یہی درس دیا گیا ہے کہ اصحابِ کہف کی تعداد بارے مختلف گروہوں کے مختلف نظریات ہیں۔ ''فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا'' لہٰذا خواہ مخواہ کسی سے بحث ومباحثہ اور اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے واقعہ میں اصل سبق یہ ہے کہ کس طرح انہوں نے مشکل حالات میں حق پر ثابت قدمی دکھائی اور

اللہ تعالیٰ نے کیسے اُن کی مدد فرمائی۔ باقی رہی یہ بات کہ اُن کی درست تعداد کیا تھی؟ اس کے جاننے پر دین دنیا کا کوئی مسئلہ موقوف نہیں، اگر کوئی آپ سے اس سلسلے میں بات کرنا بھی چاہے تو سرسری طور پر اسے موقف بتا کر خاموشی اختیار کر لی جائے۔

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِیْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۝

''وحی'' یقینی علم کا قطعی ذریعہ ہے

اس کے ساتھ ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی تعلیم دی گئی کہ وحی کے ذریعے آپ کو اصحابِ کہف کی جتنی معلومات دے دی گئی ہیں، وہ کافی وافی اور شافی ہیں، اسی پر قناعت کیجیے، اس سے زیادہ کسی سے اس حوالے سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۝

اپنے اُمور کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے منسلک کیا کرو!

جب مشرکینِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح، اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارے سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک طرح سے وعدہ کر لیا تھا کہ ان کا جواب کل بتاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امید تھی کہ وحی کے ذریعے کل تک یہ سب حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیے جائیں گے، لیکن وعدہ کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''اِن شاء اللہ'' کہنا بھول گئے تھے، اسی لیے تقریباً پندرہ دن تک وحی کا سلسلہ رُکا رہا اور پھر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اُمت کو بھی یہ تعلیم دی گئی کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کا ارادہ ہو، تو اسے اللہ کی مشیت کے ساتھ لازماً منسلک کر دیا کرو، آئندہ کا حال کس کو معلوم ہے؟ اس لیے کوئی وعدہ یا معاملہ کرتے وقت ''ان شاء اللہ'' کا کلمہ ساتھ کہہ دیا کرو کہ اگر اللہ نے چاہا، تو یہ کام میں کل یا فلاں دن تک کر دوں گا۔ یہی مومن کا طریقہ ہے کہ وہ دل اور زبان دونوں سے اللہ پر بھروسا کرے۔

''اصحابِ کہف'' کا واقعہ پیغمبرانہ علوم کے مقابلے میں بے وُقعت ہے

اس واقعے کی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف کہہ دیا گیا کہ یہ واقعہ تمہاری نظروں میں کوئی حیثیت رکھتا ہو تو الگ بات ہے، لیکن پیغمبرانہ علوم و معرفت کے سمندر کے مقابلہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس واقعے کے بارے بارے میں پوچھنا کچھ تو وہ شخص بھی بتا سکتا ہے، جو تاریخِ عالَم سے واقفیت رکھتا ہو، یہ قصہ تو غیرِ نبی بھی بتا سکتا ہے'' وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا '' میرے ربّ نے تو مجھے اس سے بھی زیادہ عالیشان علوم عطا فرمائے ہیں، ایسے ایسے انبیاء کے تفصیلی واقعات جن کا زمانہ اصحابِ کہف سے زیادہ قدیم ہے، پھر میری نبوّت کے اثبات کے لیے سب سے قطعی دلیل خود

قرآنِ مجید ہے جس کی ایک آیت کی نظیر لانے سے بھی پوری دُنیا عاجز ہے۔اس لیے بلاوجہ کے سوالات چھوڑ دو اور میری نبوّت کو دل سے تسلیم کرلو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝

’’اصحابِ کہف‘‘ کے سونے کی مدّت اللہ تم سے بہتر جانتا ہے

جیسے لوگوں میں اصحابِ کہف کی حقیقی تعداد کے بارے اختلاف تھا، اسی طرح ان کے سونے کی اصل مدّت کے بارے بھی لوگوں کی آراء مختلف تھیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ وہ لوگ اپنی غار میں شمسی لحاظ سے ۳۰۰ سال سوئے رہے، جو کہ قمری لحاظ سے ۳۰۹ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ یہود ونصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا، اس لیے انہیں اُنہی کے جانے پہچانے اُسلوب میں بتایا گیا اور مسلمانوں میں قمری سال رائج تھے، تو انہیں انہی کے حساب سے کُل مدت بتائی گئی۔

اگر یہ لوگ حقیقت سننے کے باوجود اپنی بات پر اَڑے رہیں، تو انہیں صاف کہ دو: ’’اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا‘‘ اللہ کو زیادہ پتا ہے یا تمہیں زیادہ معلوم ہے؟ زمین وآسمان میں جس ذات سے بڑھ کر کوئی علم رکھنے والا نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی معاون ومددگار ہے تو ظاہر بات ہے کہ اُس کا علم تم سب سے زیادہ وسیع ہے، بلکہ تم اور تمہارا سب کچھ اسی ذات کی طرف سے عطا کردہ ہے۔لہٰذا اے پیغمبر! یہ بات کہہ کر بحث ختم کردو کہ بس جو اللہ تعالیٰ نے بتادیا، وہی مدّت درست اور حق ہے، باقی سب افسانے ہیں۔

’’قمری‘‘، ’’شمسی‘‘ دونوں تقویموں کا علم ہونا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے شمسی وقمری دونوں لحاظ سے ان کے سونے کی مجموعی مدت بیان فرمائی، اس میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ انسان کو دونوں تاریخوں سے واقفیت ہونا چاہیے۔ بحیثیتِ مسلمان ہمیں قمری تقویم سے اس لیے بھی واقفیت ضروری ہے کہ ہمارے کئی دینی معاملات (روزے، عیدین، حج وغیرہ) اسی تقویم پر موقوف ہیں۔ نیز دونوں تاریخیں بتانے سے بات میں کوئی ابہام اور کمزوری بھی باقی نہیں رہتی۔

’’اصحابِ کہف‘‘ کی تعداد تو صریح نہیں بتائی، لیکن سونے کی مدّت واضح کیوں بتائی؟

اس اُسلوب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی تعداد جاننے میں دین یا دُنیا کا کوئی مسئلہ موقوف نہیں، اس لیے اس کے پیچھے نہ پڑو، البتہ اتنا طویل عرصہ بغیر کسی غذا کے سونے اور صحیح سلامت اُٹھنے سے چونکہ قیامت اور حشرِ اَجساد پر اِستدلال ہوتا ہے، اس لیے سونے کی اصل مدّت واضح طور پر بیان فرمادی گئی۔

وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذِمہ صرف دِین پہنچا دینا ہے

مذکورہ آیت میں دین سے متعلق آزمائش کے علاج کا پہلا جزء تجویز فرمایا گیا ہے اور وہ ہے ’’قرآنِ کریم کی تلاوت اور دعوت‘‘ کُفارِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ اگر آپ قرآنی احکام میں کچھ نرمی پیدا کردیں اور ہمیں اپنے عقیدوں پر چھوڑ دیں، تو ہم آپ کی پیروی کرلیں گے۔ اسی طرف اشارہ کیا گیا کہ آپ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں، بلکہ یکسوئی سے دین کی دعوت ان تک پہنچادیا کریں۔ ایمان لائیں یا نہ لائیں، وہ ان کا نصیب۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں (یعنی اسلام کی نصرت اور دُشمنانِ اسلام کی رُسوائی) کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا، یہ وعدے پورے ہوکر رہیں گے۔ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کفار کی اس انداز میں دلجوئی کی جس سے احکامِ خداوندی کا ترک اور ابطال لازم آئے، تو یاد رکھیے! آپ بھی رَبّ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہونا ہی محال تھا، لیکن تاکیداً ایسا کہا گیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کے کلام میں تبدیلی کا کسی کو بھی اختیار نہیں۔ اگر بالفرض! پیغمبر بھی اپنی مرضی سے ایسا کرلے، تو اسے بھی اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی۔

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَکَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

کُفار کی دِل جوئی خاطر اپنے صحابہؓ سے دُوری اختیار کرنے کا سوچنا بھی مت!

دینی آزمائش کے علاج کا دوسرا جزء بیان کیا جارہا ہے یعنی صُحبتِ صالحین۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ بعض کُفار (عیینہ بن حصن فزاری اور اُمیہ بن خلف وغیرہ) کا مطالبہ تھا کہ ہم سردار لوگ ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بات سنیں تو اپنے نادار اور غریب صحابہ کو پہلے ہٹانا ہوگا، ہم غرباء اور فقراء کے ساتھ ایک مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے، لہٰذا یا تو ہمارے لیے الگ مجلس قائم کریں، یا پھر ان نادار لوگوں کو یہاں سے ہٹائیں، ہم تبھی آپ کی بات سنیں گے۔ (بعض مفسرین نے ان نادار صحابہ سے مُراد اصحابِ صُفّہ لیے ہیں)۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں کفار کے اس مشورے پر عمل کرنے سے نہ صرف سختی سے روکا گیا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ آپ ان اللہ والوں کے ساتھ خود کو گویا لازم کرلو، اپنے ہر معاملے میں انہیں سے مشورہ لو، چندروزہ کسمپرسی سے پریشان نہ ہوں، عنقریب اللہ فتوحات پیدا فرمادے گا۔ دین میں مال وجاہ کا کوئی امتیاز گوارا نہیں ہے۔ باقی اگر آپ کو یہ اُمید ہے کہ ان کُفار کے اسلام سے اسلام کو رونق نصیب ہوگی، تو واضح رہے کہ اسلام کی رونق مال ومتاع نہیں، بلکہ اخلاص اور اطاعت ہے، اگر یہ کیفیت غریب لوگوں میں بھی ہو، تب بھی اسلام کی رونق میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ اُن کفار کی مذمت بھی بیان فرمائی کہ ’’وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَکَانَ

أَمْرُهُ فُرُطًا'' ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل اور ان کے سب امور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہیں۔ یہ کیفیات اللہ کے قریب نہیں، بلکہ مزید دور کرنے والی ہیں، اس لیے انہی لوگوں میں رہو، جو اللہ کے نزدیک اور اس کی نصرت کے حق دار ہیں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ
سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

حق آنے کے بعد اپنے بُرے عقائد واعمال کے تم خود ذمہ دار ہو!

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے خبردار کیا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے برحق دین آچکا، اب مرضی تمہاری ہے کہ اللہ کی مانو یا اپنی خواہشات کے پیچھے چلو، ہمارا اس میں کوئی نفع یا نقصان نہیں۔ اگر کُفر اختیار کرو گے اور غلط راستے پر چلو گے تو جہنم کا ایندھن بنو گے، جس کی آگ کافر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور پانی مانگنے پر انہیں تیل کی تلچھٹ جیسا گرم ترین پانی پلایا جائے گا، جو ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کتنے بُرے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی اور کتنی بُری آرام گاہ (جہنم) میں انہیں داخل کیا جائے گا!

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي
مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ
مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

ایمان والے مزے میں ہوں گے

کُفّار کے احوال بتا کر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اہلِ ایمان کی بہترین حالت بھی بیان فرمائی تاکہ انسانوں کو رغبت ہو اور وہ کُفر چھوڑ کر اسلام کی دعوت قبول کرلیں۔ اس لیے فرمایا کہ اہلِ ایمان جو دنیا میں اچھے اچھے اعمال کیا کرتے تھے، ہم ان کی محنتوں کے ثمرے اور اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ جنتیں ان کی آرام گاہ ہوں گی، حسین وجمیل باغات ہوں گے، دودھ، شہد وغیرہ کی نہریں ہوں گی، اعلیٰ ترین اور ہمہ قسمی ریشم کا لباس ہوگا، سونے چاندی اور موتیوں کے زیورات انہیں پہنائے جائیں گے۔ اُونچی اُونچی مسندوں پر ایسے لوگ آرام فرما ہوں گے۔ کتنا ہی بہترین اجر ہے اور کتنی خوبصورت آرام گاہ انہیں ملی ہے!

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا
زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ۝ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ
لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن
تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ۝ قَالَ لَهُ
صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۝ لَّٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي
وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ

مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ
صَعِیْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی
مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ
یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا ۝

مال کا فتنہ اور ایک عبرت انگیز واقعہ

دو شخص تھے، جن میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا مومن، جو کافر تھا وہ دنیوی لحاظ سے بہت مالدار تھا، اس کے انگوروں کے کئی خوبصورت باغات تھے، جن کے کناروں پر کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے، باغ کے درمیان میں کھیتی اگائی ہوئی تھی، نہایت سرسبز وشاداب باغ تھے، نہریں جاری تھیں، اور ہر وقت ہر طرح کی پیداوار اور مال ودولت کی کثرت رہتی تھی، جبکہ مؤمن شخص غریب تھا، ایک دن اس کافر مالدار شخص نے اس مؤمن کے سامنے فخر اور غرور کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال ودولت میں کافی بڑھا ہوا ہوں، میرے پاس تجھ سے زیادہ مال ودولت ہے، اولاد ہے، نوکر چاکر ہیں، اور عزت وجاہ وحشم ہے، اس کے بعد وہ تکبر کرتے ہوئے اپنے باغ میں گیا اور وہاں کی سرسبزی وشادابی کو دیکھ کر غرور میں آکر کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے کہ میرا باغ اور اس کی یہ شادابی کبھی فنا ہوسکے، اور میرے خیال میں قیامت کبھی نہیں آئے گی، اور اگر بالفرض قیامت آئی بھی، اور میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا، تو مجھے وہاں اس سے بہتر عطا کیا جائے گا۔

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو کبھی نہ بھولو!

جب اس مؤمن شخص نے اس کی یہ متکبرانہ گفتگو سنی تو اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا کہ تجھے یہ کہنا ہرگز زیب نہیں دیتا، تو اپنے اس ربّ کی قدرت کا انکار کرتا ہے، جس نے تجھے مٹی اور نطفہ سے پیدا کیا، تجھے تو یہ چاہیے تھا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوتا تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا اور "ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کہتا، اور جہاں تک رہی تیری یہ بات کہ میں مال ودولت اور اولاد کے لحاظ سے تم سے کمتر ہوں، تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں، مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ وہ مجھے ان سے بہتر نعمتیں عطا فرمائے گا اور جس باغ پر تو یوں اِترا رہا ہے، اسے تباہ کرنا اللہ ربّ العزّت کے لیے کوئی مشکل نہیں، وہ اگر چاہے تو اس پر آسمان سے کوئی آفت اتار دے یا اس باغ کا پانی خشک کردے، جس سے تمہارا باغ سوکھ کر ویران ہوجائے گا، اس لیے آپ اس پاک پروردگار کی طرف رجوع کرو اور تکبر وکفر سے باز آؤ۔

مؤمن شخص کے اس وعظ ونصیحت کو سن کر بھی وہ شخص اپنی رَوِش سے باز نہ آیا اور کُفر وتکبّر پر ڈٹا رہا، چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے اس کے باغ اور تمام مال ودولت کو غارت فرما دیا، اور وہ اپنے مال کی بربادی پر کفِ افسوس ملتا رہ گیا، اور اس وقت اس نے آرزو کی کہ اے کاش میں نے اپنے ربّ کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا، افسوس کوئی بھی اس کے کام نہ آیا، مال

وجائیداد، اولاد اور نوکر چاکر سب ختم ہوگئے، اس سے ثابت ہوگیا کہ سارے اختیارات صرف اللہ ربّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ۞ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ۞ وَيَوۡمَ نُسَيِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَى الۡاَرۡضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرۡنٰهُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡهُمۡ اَحَدًا ۞ وَعُرِضُوۡا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ ۙ بَلۡ زَعَمۡتُمۡ اَلَّنۡ نَّجۡعَلَ لَكُمۡ مَّوۡعِدًا ۞ وَوُضِعَ الۡكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۞

دُنیا کی ناپائیداری کی ایک اور مثال اور حُبِ دُنیا کا علاج

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کی ایک عام اور سادہ سی مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے بارش کا پانی زمین میں جذب ہوتا ہے اور اس سے زمین میں ہریالی آجاتی ہے اور پودے وغیرہ لہلہانے لگتے ہیں، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ ہریالی ختم ہوجاتی ہے، اور پھول بوٹے خشک ہوکر چورا چورا ہوجاتے ہیں، جنہیں ہوا اُڑائے پھرتی ہے، یہی حال دُنیا کا ہے کہ آج تو ہری بھری اور بارونق نظر آتی ہے مگر ایک وقت آئے گا کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔ یہی فکر اور دنیا کی بے ثباتی پر یقین مال کے فتنہ کا علاج ہے۔

باقی رہنے والے صرف اعمال ہیں

دنیا اپنی تمام تر نعمتوں اور رونقوں کے ساتھ ختم ہوجائے گی، دنیا کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، مال اور اولاد بھی دنیا کی نعمت اور دنیوی رونق کا باعث ہیں، انہیں بھی ایک دن یہیں رہ جانا ہے، البتہ نیک اعمال کا ثواب اور اجر باقی رہنے والا ہے، ان کی وضاحت ایک حدیث مبارک میں کی گئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باقیات صالحات کو زیادہ سے زیادہ جمع کیا کرو، عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”سبحان اللہ لا الہ الا اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہنا، (شعب الایمان:۵۹۷) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ یعنی ”سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۹۵)

بعض مفسرین کرام کے نزدیک ان باقی رہنے والے اعمال میں پانچ وقتی نماز اور دوسرے تمام نیک اعمال بھی شامل ہیں۔ (معارف القرآن)

قیامت کی ہولناکی

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی اور اس کے چند مناظر بیان فرمائے کہ اس دن پہاڑ چلا دیے جائیں گے، اور زمین چٹیل میدان بنا دی جائے گی جس سے وہ مکمل طور پر ظاہر ہو جائے گی، اور اللہ رب العزت تمام اوّلین و آخرین کو جمع فرمائیں گے، سب اللہ رَبّ العزّت کے سامنے پیش ہوں گے، اور اس وقت ان کی حالت یہ ہوگی کہ خالی ہاتھ، ننگے پاؤں، ننگے بدن پیدل چلتے ہوئے باری تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، حدیث پاک میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا سب مرد و عورت ننگے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس روز ہر ایک کو ایسی فکر گھیرے ہوئے ہوگی کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا خیال ہی نہیں آئے گا، سب کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی ہوں گی۔ (صحیح بخاری: ۳۳۴۹) پھر اللہ رب العزت ہر ایک کو ان کا نامۂ اعمال پیش فرمائیں گے، جب کفار و مجرمین اس اعمال نامے کو دیکھیں گے تو افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ اس کتاب نے تو ہمارا کوئی عمل نہیں چھوڑا، ہمارے سارے کرتوت سامنے لا کر رکھ دیے، پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اِبلیس جنّات میں سے تھا!

ان آیات میں اللہ رب العزت نے نہایت اجمالی طور پر تخلیق آدم کے موقع پر شیطان کی عداوت اور بغض کو بیان کرنے کے ساتھ انسان کو اس کی پیروی کرنے سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب ہم نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے موقع پر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو وہ سب سجدہ میں گر پڑے لیکن ابلیس جو کہ جنات میں سے تھا، اس نے بغض و عناد کی وجہ سے سجدہ نہ کیا، اور اپنے رَبّ کے حکم کی نافرمانی کی، اور کھلم کھلا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے دشمنی کا اعلان کر دیا، کیا اب بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو اور اللہ رَبّ العزّت

کی فرمانبرداری چھوڑ کر شیطان کی اطاعت کرتے ہو، یہ تو سراسر بے وقوفی اور نری حماقت ہے۔ اس لیے اس کی پیروی چھوڑ کر اللہ ربّ العزّت کی طرف لوٹ آؤ، وگرنہ قیامت کے دن تمہارے یہ جھوٹے معبود تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور تمہیں جہنم کا عذاب جھیلنا پڑے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ
يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ
يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى
اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

سب سے بڑا ظالم کون؟

ان آیات میں اللہ رب العزت نے سب سے بڑے ظالم کی پہچان بیان فرمائی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس کے سامنے اللہ رب العزت کی آیات پڑھ کر اس کو نصیحت کی جائے اور حق کی طرف اسے بلایا جائے، لیکن وہ اس بلاوے کو ٹھکرا کر حق سے منہ موڑ لے، اور اپنے گناہوں کے نتیجہ کو بھول جائے، اور دن رات گناہوں میں غرق رہے جس کی وجہ سے اس کے دل میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لیے گمراہی اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پڑا رہ جائے، اس شخص سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے لیے ہمیشہ کی کامیابی کو چھوڑ کر دائمی خسارہ کو قبول کر لیا ہے۔

اور یہ بھی اس رب کا کرم اور احسان ہے کہ ان ظالموں کے اعمال اور معاصی سے باخبر ہونے کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا، بلکہ انہیں مہلت اور ڈھیل دیے رکھتا ہے کہ شاید ان کو ہوش آ جائے اور یہ راہِ حق قبول کر لیں تو ان کی مغفرت کر دی جائے، ورنہ ان کے اعمال تو اس قابل ہیں کہ ان پر فوری عذاب نازل ہو جائے اور یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں، لیکن قربان جائیں اس کے کرم پر کہ انہیں اپنی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھتا بھی ہے اس کے باوجود ان پر اپنی نعمتوں کے دروازے بند نہیں فرماتا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا
حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا
نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ
وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ
عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا
عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ

سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

''فتنۂ علم'' اور اس کا علاج

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کا پس منظر

اس واقعے کا پس منظر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ علم والا ہوں، یہ بات اگرچہ درست تھی کیونکہ نبی اپنے دور میں سب سے زیادہ علم والا ہوتا ہے، لیکن اللہ رب العزت کو آپ کا یہ جملہ پسند نہ آیا کیونکہ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو اللہ رب العزت کے سپرد کرتے اور یوں فرما دیتے کہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، اس لیے اللہ رَبّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین (وہ مقام جہاں دو دریا ملتے ہوں، ایسے مقامات دنیا میں ایک سے زائد ہیں، قرآن میں چونکہ اس کی تعیین نہیں کی گئی اس لیے متعین طور پر کوئی جگہ ذکر نہیں کی جاسکتی) میں رہتا ہے، اور وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ نے سوچا کہ مجھے ان سے استفادہ کرنا چاہیے، اس لیے آپ نے اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی مجھے ان کا پتا یا کوئی نشانی بتا دیں، اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لو، اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو، جس جگہ یہ مچھلی گم ہوجائے بس وہی جگہ ہمارے اس بندے کے ملنے کی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کے مطابق ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور مجمع البحرین کی طرف سفر کا آغاز کردیا۔ (معارف القرآن) آگے کا قصہ مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین کی طرف سفر کرنے لگے تو آپ نے اپنے ایک خادم کو بھی اپنے ساتھ لیا، یہ خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے، مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں ''فتی'' سے مراد یہی ہیں، دونوں حضرات نے سفر شروع کیا اور چلتے رہے، دورانِ سفر ایک جگہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سستانے کے لیے ایک پتھر کے پاس لیٹ گئے، اور آپ کو نیند آگئی، جبکہ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون جاگ رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ مچھلی اچانک حرکت میں آگئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی، اور جس راستہ سے وہ دریا میں گئی تھی وہاں اللہ رَبّ العزّت نے پانی کا بہاؤ روک دیا، اور ایک سرنگ سی بن گئی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون آپ کو یہ بات بتانا بھول گئے، اور اس جگہ سے روانہ ہوگئے، ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا، جب دوسرے روز کی صبح ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیقِ سفر سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، کیونکہ اس سفر میں کافی تھکاوٹ ہوگئی ہے، اس وقت حضرت یوشع بن نون کو مچھلی کا واقعہ یاد آگیا، تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری بات بتادی، اور عذر بھی پیش کردیا کہ مجھے شیطان نے وہ بات بھلا

دی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی تو ہماری منزلِ مقصود تھی، چنانچہ اسی وقت واپس روانہ ہوئے اور ٹھیک اسی راستہ سے لوٹے جس پر پہلے چلے تھے تا کہ وہ جگہ مل جائے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا خادم اس پتھر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے ہوئے لیٹا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس جنگل میں سلام کہاں سے آگیا، یہاں کے لوگ تو اس سے ناواقف ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، حضرت خضر علیہ السلام نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں، اور میں اس لیے آیا ہوں تا کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھا دیں جو اللہ ربّ العزّت نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے، کیونکہ ظاہری طور پر کچھ افعال آپ کو خلافِ شریعت نظر آئیں گے (جبکہ حقیقتاً وہ اللہ ربّ العزّت کا اَمر اور حکم ہوگا) اور آپ چونکہ نبی ہیں اس لیے خلافِ شریعت کاموں پر خاموش نہیں رہیں گے اور مجھ پر اعتراض کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان شاء اللہ! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن میری ایک شرط ہے کہ جب تک میں خود اپنے کسی عمل کی وجہ بیان نہ کروں، آپ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ شرط منظور کر لی اور یوں ان دونوں کا ساتھ شروع ہوگیا۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟

قرآن کریم میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام پیغمبر تھے یا نہیں؟ لیکن جمہور علمائے کرام کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے، مگر ان کے ذمہ اللہ ربّ العزّت نے کچھ تکوینی اُمور اور تکوینی خدمات لگائی تھیں، اور انہیں انہی کا علم دیا گیا تھا، تشریعی اُمور سے متعلق ان پر وحی نہیں نازل کی گئی۔ (معارف القرآن)

فَانْطَلَقَا ــ حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا۝۷۱

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۝۷۲ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا۝۷۳

فَانْطَلَقَا ــ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا۝۷۴

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی!

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی شرط مان لی کہ میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں تب تک نہیں پوچھوں گا جب تک آپ خود نہ بتا دیں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں اپنے ساتھ رکھنے پر آمادگی ظاہر کر دی، اس

کے بعد یہ دونوں حضرات کسی جگہ روانہ ہوئے، اور راستے میں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پڑی، چنانچہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے، جب کشتی میں بیٹھ گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑی مار کر کشتی کا ایک تختہ نکال دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو فوراً بول پڑے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا آپ اس کشتی والوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہلے ہی بتادیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے، اور میں نے شرط بھی لگائی تھی کہ آپ مجھ سے خود کچھ نہیں پوچھیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس لیے معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں بھول گیا تھا، آپ میری بھول چوک درگزر فرمادیجیے، حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی غلطی درگزر فرمادی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے بچّے کو قتل کردیا!

جب یہ دونوں حضرات کشتی سے اتر کر آگے چلے تو راستہ میں ایک کم سن نابالغ بچّہ ملا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچّے کو مار ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ آپ نے ایک بے گناہ بچّے کو قتل کردیا، یہ تو آپ نے بڑی بے جا حرکت کی، کیونکہ کشتی توڑنے میں تو صرف مال کا نقصان تھا، جبکہ یہاں تو ایک معصوم جان کا قتل کردیا گیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ چنانچہ انہوں نے آپ پر اعتراض کردیا۔

پارہ نمبر ۱۶

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۟ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

اجمالی تعارف

سولہواں پارہ، سورۂ کہف کے بقیہ حصے، اس کے بعد سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ پر مشتمل ہے۔

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا تفصیلی واقعہ

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ چل رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حصولِ علم کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں تھے، اور وہاں اس شرط پر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھا کہ جب تک میں خود نہ بتاؤں، آپ میرے کسی بھی کام پر نہیں بولیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام چل پڑے، جب کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے سب سے پہلے کشتی توڑی، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے، پھر معذرت کی، آگے جاکر حضرت خضر علیہ السلام نے بے گناہ بچّے کو قتل کردیا، موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے، اور فرمایا: ”لقد جئت

شیئا نکرا ’’آپ نے یہ غیر مناسب کام کیا کہ ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ’’قال الم اقل لك انك لن تستطیع معی صبرا ‘‘ کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہ دیا تھا کہ تم میرے علوم کے متحمل نہیں ہوسکو گے، صبر نہیں کرسکو گے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ایک موقع اور دے دیں، اب اگر میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ لے جایئے، مجھے ساتھی نہ بنایئے، بس اب میرے عذر کی انتہا ہوجائے گی۔ پھر چل پڑے، آگے ایک بستی میں گئے، غالباً یہ انطاکیہ کی بستی تھی (اب یہ جگہ، موجودہ ترکی کا ایک حصہ ہے)، اس بستی کے باسیوں نے ان دونوں نبیوں کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا، کسی نے بھی ان کو طلب کے باوجود کھانا نہ دیا، بشری تقاضا ہے بھوک تو لگتی ہے، اس کے بعد ایک جھکی ہوئی دیوار کو دیکھا، اور حضرت خضر علیہ السلام نے ہمت کر کے اس دیوار کو ٹھیک کر دیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہوں نے اشارہ کیا اور کراماتاً دیوار دُرست ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام بول پڑے، ارشاد فرمایا: ’’لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ‘‘انہوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا، آپ نے مفت میں ان کی دیوار بنا دی! بنانی ہی تھی تو ان سے مزدوری لے لیتے! مزدوری میں کھانا ہی لے لیتے! حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: بس! ’’هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ‘‘ تم ان علوم کے متحمل نہیں ہو، تمہارا علم شریعت کا ہے، جب کہ یہ علم تکوین کا ہے، تم تشریعیات کے ماہر ہو اور ہم تکوینیات کے ماہر ہیں، تو چونکہ تم ان کے متحمل نہیں ہو، لہٰذا اب تم ہم سے جدا ہوجاؤ گے، البتہ جو تین کام میں نے کیے، ان کے اسباب اور تاویل سنتے جاؤ۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں وقوع پذیر افعال کی تاویل اور حکمت

الف: کشتی کیوں توڑی؟

’’أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ ‘‘میں نے کرایہ نہ لینے والے لوگوں کی کشتی کا تختہ اس لیے توڑا تھا کہ آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر خوبصورت اور بے عیب کشتی چھین لیتا تھا، جب کہ ان غریبوں کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ البتہ مجھے چونکہ اللہ نے تکوینیات کا علم دیا ہے، لہٰذا مجھے علم تھا کہ اگر یہ کشتی بے عیب رہی تو چھن جائے گی، اس لیے میں نے کشتی داغدار کر کے غریبوں کی خیر خواہی کی، بدخواہی نہیں کی۔ احسان فراموشی کی بجائے احسان کا بدلہ، احسان سے دیا۔

ب: بچّے کو قتل کرنے کی حکمت کیا تھی؟

"وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًاۚ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا" "بچّے کو قتل کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے ماں باپ نیک تھے اور اللہ کے حکم سے مجھے پتا تھا کہ اس نے بڑے ہو کر کافر بننا ہے، مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ بڑا ہو کر یہ اپنے نیک والدین کو تکلیف پہنچائے گا اور بیٹے کی محبت میں اس کے والدین کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا، تو اس کے ماں باپ کی خیر خواہی میں کہ وہ ایمان پر رہیں، میں نے اس بچّے کو قتل کیا، اور ہمارا یہ بھی ارادہ ہوا (یعنی ہم نے اللہ پاک سے دُعا کی۔معارف القرآن) کہ "أن يبدلهما ربهما خيرمنه" کہ اس بچّے کے بدلے میں اللہ انہیں بہتر اولاد عطا کر دیں گے، عمدہ اور نیک اولاد عطا فرما دیں گے، اس لیے میں نے بچّے کو قتل کر دیا، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس بچّے کے بعد اللہ نے ان ماں باپ کو ایک بچّی دی، اس بچّی کا نکاح ایک نبی سے ہوا اور وہ بچّی ایک نبی کی ماں بنی، تو دو نبیوں سے اس کی نسبت ہوگئی، اور بعض نے تو فرمایا کہ ستر (۷۰) نبی اس کی نسل سے آئے۔ (روح المعانی)

تو اللہ کے نبی نے اگر ایک بچّے کو اللہ کے حکم سے قتل کیا، نبی کا معاملہ ہے نا، اور نبی کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے تو حضرت خضرؑ کے اس فعل کے پیچھے یقیناً اللہ کا حکم ہوگا، جب نبی نے اللہ کے حکم سے اس بچّے کو قتل کیا تو اللہ نے اس کے بدلے میں انہیں یہ بدلہ دیا۔

ج: دیوار دُرست کرنے کی وجہ؟

"وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا" رہا دیوار کا معاملہ سو وہ معاملہ بھی بڑا گہرا اور تکوینی معاملہ تھا، وہ معاملہ یہ تھا کہ مرنے والا نیک آدمی تھا، اللہ کا ولی تھا، فوت ہونے سے پہلے اس نے سونے کی ایک تختی اپنے چھوٹے بچّوں کے لیے جو اس وقت یتیم ہو رہے تھے، اس دیوار کے نیچے دبا دی تھی کہ جب یہ بڑے ہوں گے تو یہ سونے کی تختی اور خزانہ نکالیں گے اور خرچ کریں گے۔ دیوار کی حالت چونکہ خستہ تھی اس لیے میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ دیوار خدانخواستہ گر گئی تو کوئی ان بچّوں کا یہ خزانہ اور یہ تختی چُرا نہ لے، اس لیے یتیموں کی خیر خواہی میں ہم نے اس دیوار کو ٹھیک کر دیا۔

بندے کی نیکی کا فائدہ اس کی نسلوں کو بھی ہوتا ہے

اس نیک بندے کی خواہش اللہ تعالیٰ نے یوں پوری کی کہ اپنے نبیوں سے اس دیوار کی درستگی کرا کے حفاظت کا انتظام فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بندے کے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ پاک اس کی نسل، خاندان اور آس پاس کے مکانات کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ (تفسیر مظہری) نیز نیکی کا اثر نسلوں میں بھی باقی رہتا ہے۔

دیوار کے نیچے کون سا خزانہ تھا؟

کہتے ہیں کہ یہ ایک سونے کی تختی تھی اور اس پر چند چیزیں لکھی تھیں، سب سے پہلے تو اس تختی پر لکھا ہوا تھا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' اس کے بعد نصیحت کے درج ذیل قیمتی کلمات لکھے تھے:

۱- تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی غمگین رہتا ہے۔

۲- تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو رزّاق سمجھتا ہے اس کے باوجود ضرورت سے زائد مشقت اٹھاتا ہے اور فضول کوششوں میں لگا رہتا ہے۔

۳- تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی خوش وخرم رہتا ہے، ٹھٹھہ اور مذاق کرتا ہے۔

۴- تعجب ہے اس شخص پر جو قیامت پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی غفلت برتتا ہے۔

۵- تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کے انقلابات کو جانتا ہے پھر بھی مطمئن رہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس تختی پر یہ بھی لکھا تھا ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' یعنی حضور کی بعثت سے صدیوں پہلے اس تختی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی مہر ثبت تھی۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

یہ سب کام خدائی احکامات کے تابع تھے

اس قصے میں حضرت خضر علیہ السلام نے یہ وضاحت بھی فرمادی: ''وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ'' کہ یہ سارے کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیے بلکہ اللہ کے حکم سے کیے، یہی تعبیر ہے ان کاموں کی جن کا آپ تحمل نہ کر سکے۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام اب بھی حیات ہیں؟

حضرت خضر علیہ السلام اب بھی حیات ہیں یا نہیں؟ قرآن وسنّت میں اس بارے کوئی صراحت نہیں ہے۔ البتہ بعض روایات وآثار سے ان کی حیات اور بعض سے ان کی وفات بارے اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض حضرات کے کشف بھی منقول ہیں۔ تاہم چونکہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات یا انتقال سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں ہے، اس لیے اس بارے زیادہ بحث کی بھی حاجت نہیں اور نہ ہی کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے: تفسیر معارف القرآن، جلد: ۵، صفحہ: ۶۲۳ تا ۶۲۶ ملاحظہ فرمائیں)۔

علمِ شریعت وعلمِ تکوین

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ایسا علم جسے حاصل کیے بغیر نہ تو اللہ پاک کی مرضی معلوم ہو سکتی ہو اور نہ اس پر عمل کیے بغیر اللہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہو، اسے علمِ شریعت کہتے ہیں۔ انبیائے کرامؑ اسی علم کو پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور اس پر آخرت کی کامیابی کا مدار ہے۔

جب کہ دوسری طرف اس دنیا میں ہونے والے واقعات وحوادث کے پیچھے کارفرما وجوہات اور اسباب جاننے کا تعلق "علمِ تکوین" سے ہے۔ اس علم کے احکامات کا عوام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی تلاش کے درپے رہنے سے روحانی ترقی یا آخرت کی نجات موقوف ہے۔

ان تکوینی خدمات کے لیے عموماً فرشتے مقرر ہیں تاہم اللہ پاک نے انبیائے کرام میں سے بعض کو اس خدمت کے لیے متعین فرمایا ہے جن میں سے حضرت خضر بھی شامل ہیں۔ اور چونکہ حضرت خضر ان کاموں کو انجام دینے پر مامور تھے، اس لیے انہوں نے یہ کام کیے، لیکن اس کی وجہ سے نہ تو علمِ تکوینی کو علمِ شریعت پر فوقیت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی شخص کو باطنی مصلحت کی وجہ سے شریعت کے ظاہری احکام کی خلاف ورزی کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

ایک مغالطہ

بعض نام نہاد صوفی اس واقعے سے استدلال کرکے "علمِ ظاہر" اور "علمِ باطن" کا فرق کرتے ہیں اور اپنی خرافات اور خلافِ شریعت افعال کو "علمِ باطن" کا نام دے کر خدائی احکامات کی صریح خلاف ورزی کرتے اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ علمِ تکوین اور علمِ باطن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

علمِ تکوین: اس کائنات کے اندر پیش آنے والے واقعات کے حقیقی اسباب کا علم، علمِ تکوین ہے۔

علمِ باطن: نفسانی اخلاق کی اصلاح اور باطنی گندگیوں (مثلاً تکبر، حسد، حُبِ جاہ، حُبِ مال وغیرہ) کو دور کرکے اپنے ظاہر کو شرعی احکامات سے آراستہ کرنے کا نام "علمِ باطن" ہے۔ اور یہ کسی طور پر بھی شرعی احکامات کے خلاف نہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص، بزرگی اور تصوف کے لبادے میں خدائی احکامات کو توڑتا پھرے اور "علمِ باطن" کا دعویٰ کرکے اپنی بدعملی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے تو ایسے نام نہاد ملنگ کو "حزب الشیطان" تو کہا جاسکتا ہے "حزب اللہ" اور "اولیاء اللہ" میں سے ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا۔

فرقۂ باطنیہ

تاریخِ اسلام میں ایک فرقہ گزرا ہے، جسے "باطنیہ" اور "فاطمیہ" کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ بھی علمِ ظاہر اور باطن کا فرق بیان کرتا تھا۔ اس فرقے نے پوری شدت سے یہ دعویٰ کیا کہ ہر لفظ کے دو معنی اور مطلب ہوتے ہیں۔

ایک ظاہری مطلب جو صرف عوام کو سمجھ آتا ہے اور دوسرا حقیقی اور باطنی معنی جو صرف اہلِ اَسرار اور عقلاء کو سمجھ آسکتا ہے۔

اسی طرح قرآن وحدیث کے بھی کچھ ظواہر ہیں اور کچھ حقائق ہیں۔ جو شخص صرف ظاہری معنی میں گرفتار ہے، صرف وہی شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ جس کی رسائی اصل حقائق تک ہوجاتی ہے، وہ شریعت کی ظاہری پابندیوں سے آزاد ہوجاتا ہے۔

ان کی تحقیقات کے چند ''نادر'' نمونے!

اس ضابطے کو بنیاد بنا کر اس فرقے نے قرآن وسنت کی ایسی من مانی ''باطنی'' تشریح کی کہ الامان والحفیظ! مثلاً ''جنابت'' سے مراد راز افشاء کر دینا ہے۔ ''غسل'' سے مراد تجدید عہد ہے۔ ''طوفانِ نوح'' سے مراد علم کا طوفان ہے، جس میں اہلِ شہادت غرق کیے گئے۔ ''کعبہ'' خود نبی کی ذات ہے۔ ''جہنم'' علم ظاہر، اور ''جنت'' علم باطن کا نام ہے۔ ''طہارت'' سے مراد مذہبِ باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے براءت۔ ''صلوٰۃ'' سے مراد امامِ وقت کی طرف دعوت۔ ''آتشِ نمرود'' سے مراد نمرود کا غصہ ہے۔ ''یاجوج ماجوج'' سے مراد اہلِ ظاہر ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بعد کی صدیوں میں جن فرقوں نے بھی نبوّتِ محمدی کے خلاف بغاوت کرنا چاہی، انہوں نے باطنیت کے اسی حربہ کا سہارا لیا اور پورے اسلامی نظام کو مشکوک اور مجروح بنا دیا۔ ایران کی ''بہائیت'' اور ہندوستانی ''قادیانیت'' اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۱/ ۱۲۵ تا ۱۲۸)

مذکورہ واقعے کی حکمتیں

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے اس واقعے کو بیان کرنے میں درج ذیل حکمتیں ممکن ہیں:

۱۔ مشرکینِ مکہ چونکہ علمِ دین کے حصول کے لیے غریب اور مسکین صحابہؓ کے ساتھ بیٹھنے کو عار سمجھتے تھے، اس واقعے سے انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ مقربینِ خدا تعالیٰ، حصولِ علم کے لیے کس قدر مشقت وتکالیف کا تحمل کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا حصولِ علم میں عار ہرگز محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ یہ درس بھی مقصود ہے کہ علم کے دو چار ابواب پڑھ لینے، یا چند دُنیوی معلومات کے حصول سے اپنے آپ کو کامل نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہر ظاہر کے پس پردہ بہت سے حقائق ہیں۔ اللہ پاک کے علم کے وسعت ہی ان حقائق کا ادراک کر سکتی ہے۔

نیز دُنیا میں اہلِ حق کے ساتھ جو فقر، فاقہ اور مظلومیت کے احوال ہیں، یہ صرف ظاہر ہیں۔ ان کے پس پردہ حقائق، ثمرات اور اثرات کا ایک جہاں ہے جو نظروں سے اوجھل ہے۔ اس لیے ان ظاہری مشکلات سے مایوس ہونے کے بجائے ان کے نسلوں تک جاری بہترین نتائج کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ (تبیان الفرقان ملخصاً)

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِى ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُۥ فِى ٱلْأَرْضِ وَءَاتَيْنَٰهُ مِن كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

آپ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کے بارے میں، آپ فرما دیجیے کہ میں پڑھ کر تمہیں سناتا ہوں کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ تھا۔

''ذُوالقرنین'' کا واقعہ

مشرکینِ مکہ نے تین سوالات کیے تھے: ۱۔رُوح کیا ہے؟ ۲۔اَصحابِ کہف کا کیا قصہ ہے؟ ۳۔ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ اور وہ کون سا بادشاہ تھا جس نے پوری رُوئے اَرض کا سفر کیا تھا؟

''رُوح'' والے سوال کا جواب سورۂ بنی اسرائیل میں دیا گیا۔ پھر ''اَصحابِ کہف'' کا واقعہ اسی سورت میں مذکورہ ہوا، اور اب آخر میں ''ذُوالقرنین'' کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔

''ذُوالقرنین'' کا مختصر تعارف

ذوالقرنین ایک نیک اور صالح بادشاہ تھے، قرنین، ''قرن'' کا تثنیہ ہے، قرن کا ایک معنی ''سینگ'' آتا ہے، یا تو ان کو ذوالقرنین اس لیے کہتے تھے کہ ان کی دو زلفیں تھیں، یا اس لیے کہتے تھے کہ قرن کا ایک معنی ہے ''کونہ'' تو انہوں نے زمین کے دو کونوں کا سفر کیا، مشرق کا بھی سفر کیا اور مغرب کا بھی سفر کیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابتدا میں ان کی دو سلطنتیں تھیں، ایک کُردستان اور ایک عراق کی طرف۔ ذوالقرنین نے ان دونوں کے درمیانی علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنتوں کو ایک کر دیا۔ واللہ اعلم!

ذُوالقرنین کا زَمانہ

کہتے ہیں کہ ذوالقرنین جن کا یہاں قرآن میں ذکر ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر ہیں، اب اندازہ لگا لیں کتنے ہزار سال پہلے کی بات ہے، اور حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر تھے۔ یہ نیک دل اور صالح بادشاہ تھے۔

چار عظیم بادشاہ

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے ارض پر چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہیں عالمگیر حکومت ملی، پوری دنیا پر انہوں نے حکومت کی، ان میں سے دو مومن تھے اور دو کافر، جو دو مومن تھے ان میں ایک یہ ذوالقرنین اور دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، اور جو دو کافر تھے ان میں سے ایک نمرود اور دوسرا بخت نصر تھا۔

کیا سکندرِ اعظم "Alexander the Great" ہی ذُوالقرنین ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین صدیاں پہلے ایک شخص گزرا ہے جسے سکندر یونانی، سکندر رومی اور سکندر مقدونی وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور یونانی فلسفی ''ارسطو'' اس کا استاد بھی تھا اور وزیر بھی۔

بعض لوگوں نے اسے قرآنی ذوالقرنین سمجھ لیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ سکندر یونانی ایک آتش پرست اور مشرک شخص تھا جب کہ حضرت ذوالقرنین بالاتفاق نیک صالح اور مومن تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حج بھی کیا تھا۔ (تفصیل کے لیے معارف القرآن جلد ۵ ملاحظہ فرمائیے)۔

بہرکیف! حضرت ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے معجزاتی طور پر، کراماتی طور پر ہر طرح کے مال و اسباب سے نوازا تھا، اس زمانے میں انہیں ہر طرح کے وسائل میسر تھے، اور قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کو اللہ نے کوئی ٹیکنالوجی بھی عطا کی تھی، کیونکہ ان کے بڑے بڑے کام ہیں، ذرائع سفر بھی انہیں میسر تھے، کیوں کہ انہوں نے روئے ارض کا سفر کیا۔

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝

تین عظیم سفر

ذوالقرنین نے تین سفر کیے، پہلا سفر مغرب کی طرف تھا، دوسرا سفر مشرق کی جانب تھا، جب کہ تیسرے سفر کی جہت اگرچہ قرآن نے بیان نہیں فرمائی تاہم آبادی چونکہ شمال کی طرف زیادہ ہے، اس لیے بھی اور تاریخی شہادتوں کی وجہ سے بھی مفسرین کے نزدیک یہ سفر شمال کی طرف ہوا تھا۔ واللہ اعلم!

پہلا سفر: مغربی سمت

پوری زمین کے حکمران تھے تو خیال آیا کہ چل کے دیکھیں تو سہی اپنی سلطنت کو کہ ہماری سلطنت میں لوگ کس طرح زندگی گزار رہے ہیں، سلطنت کیسی ہے؟ مغرب کی طرف چلتے گئے، چلتے گئے، یہاں تک کہ آبادی کے آخری حصے تک جا پہنچے، وہاں تک پہنچے کہ سامنے یوں لگ رہا تھا کہ سورج کیچڑ میں غروب ہو رہا ہے، جیسے آپ سمندر میں سفر کریں تو یوں لگتا ہے جیسے سورج سمندر سے طلوع ہو رہا ہے، اور سمندر میں غروب ہو رہا ہے، تو چونکہ وہ زمین کا آخری کونہ تھا، اس کے آگے کیچڑ تھا اور پھر سمندر تھا، اسی لیے یوں لگا کہ سورج کیچڑ میں غروب ہو رہا ہے۔

یہاں ایک قوم آباد تھی جو کافر تھی، اس قوم کے بارے میں اللہ پاک نے ذوالقرنین کو یہ اختیار دیا کہ: ''قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝'' یعنی یا تو انہیں ان کے کفر پر سزا دیں یا پھر احسان کا معاملہ فرمائیں۔ حضرت ذوالقرنین نے ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا اور فرمایا: ''قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝'' ہم پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیں گے۔ اگر ایمان لائیں گے تو ان کے ساتھ اچھائی کریں گے اور اگر کفر پر جمے رہے انہیں سزا دی جائے گی، جو ظلم کرے گا، کفر کرے گا اس کے لیے سخت عذاب، اور جو ایمان لائے گا اس کے لیے اچھی جزا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝

دوسرا سفر: مشرقی سمت

پھر ذوالقرنین نے مال واسباب ساتھ لیا اور مشرق کی طرف سفر شروع کیا، جب مشرق کی طرف بالکل آخری کنارے پر پہنچے تو وہاں ایک ایسی قوم ملی جو بالکل بے پردہ تھی، اب بعض نے اس کا معنی یہ لیا ہے کہ ان کے گھر نہیں تھے، بلکہ وہ جنگلوں میں کھلے آسمان تلے رہتے تھے، وحشی قسم کے لوگ تھے، اور بعض نے معنی کیا کہ وہ بے لباس تھے، ستر پوشی کا اہتمام نہیں کرتے تھے، کپڑے نہیں پہنتے تھے، چیتھڑوں سے ستر کو ڈھانپا تو ڈھانپ لیا، نہ ڈھانپا تو نہ ڈھانپا، اس قوم سے ذوالقرنین نے کیا معاملہ کیا؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا، بظاہر جو مغرب میں بسنے والی قوم سے کیا تھا وہی ان سے بھی کیا ہوگا (کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں قومیں کافر تھیں)۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا
يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا
وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ
الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ
قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ
جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ
جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

تیسرا سفر: شمالی سمت

پھر سامانِ سفر ساتھ لیا اور سفر شروع کر دیا، اب یہ سفر کس جانب تھا، قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا، "حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝" سفر کرتے کرتے دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسے مقام تک پہنچے، جہاں ایسی قوم آباد تھی جو نہ صرف زبان نہیں سمجھتی تھی بلکہ وحشیانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے سمجھ بوجھ سے بھی عاری تھی۔

قوم کی عاجزانہ درخواست اور حضرت ذُوالقرنین کی رحم دلی

بہر کیف! شاید کسی مترجم کے ذریعے اس قوم نے حضرت ذوالقرنین سے ایک درخواست کی: "قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝" یہاں (گھاٹی کے دوسری طرف) ایک قوم رہتی ہے جسے یاجوج ماجوج کہتے ہیں، وہ اس سرزمین میں فساد کرتی ہے، ہم آپ کو پیسے دیتے ہیں،

خدا کے لیے آپ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی آڑ اور رُکاوٹ بنا دیجیے، کیونکہ یہ آ کر ہمارے کھیتوں کو، ہمارے سامانِ خورد ونوش کو اور ہمارے پانیوں کو چاٹ جاتے ہیں، انہوں نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے، آپ ان کو دوسری طرف بند کر دیں۔

"قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا" حضرت ذوالقرنین نے ان سے فرمایا کہ مجھے اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مجھے تمہارے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، لیکن تمہیں افرادی قوت دینی ہوگی! وہ اس کے لیے تیار ہو گئے۔

محیر العقول کارنامہ

قابلِ غور بات ہے کہ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے کیا کمال انجینئرنگ دکھائی حضرت ذوالقرنین نے! یہ قوم جہاں رہتی تھی وہاں دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک درہ تھا، پہاڑ بہت اونچے تھے، پہاڑوں کو پاٹ کر یہ آ نہیں سکتے تھے، دَرّے سے آتے تھے، تو اب ان کو اس پار روکنے کے لیے یہ انجینئرنگ اختیار کی گئی کہ اس پہاڑی دَرّے کو بند کر دیا جائے، اب درّے کو کیسے بند کیا جائے، اتنا بڑا درّہ ہے، تو حضرت ذوالقرنین نے ان سے فرمایا: "اٰتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اٰتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا" میرے پاس لوہے کے تختے لے آؤ، وہ تختے لے آئے، پھر اس پورے درّے پر لوہے کے تختے بچھا دیے اور درّہ بند کرنے کے لیے اینٹ پتھر کی جگہ لوہے کی ان چادروں کا استعمال کیا گیا۔ پھر فرمایا کہ اس پر آگ جلا دو، آگ جلائی گئی اور ان تختوں کو اتنا گرم کیا گیا کہ وہ تپ کر آگ کی طرح سرخ ہو گئے، اب فرمایا کہ تانبا لے آؤ، تانبا لایا گیا، اس کو پگھلا کر ان تختوں پر ڈال دیا، تو یہ تانبا، اِن لوہے کے تختوں کے درمیانی خلا اور سوراخوں میں جم گیا اور ان کو مضبوط جوڑ دیا، یوں ایک بہت مضبوط دیوار قائم ہو گئی جسے "سدِّ ذوالقرنین" کہا جاتا ہے۔

دیوار کی تکمیل پر حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ اس دیوار کو یاجوج ماجوج نہیں توڑ سکیں گے "فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا" نہ اس کو پار کر سکیں گے اور نہ اس میں سوراخ کر سکیں گے، "قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۖ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا" فرمایا یہ میرے رَبّ کی رحمت ہے، میرے رَبّ کی عطا ہے، لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور میرے رَبّ کا وعدہ پورا ہوگا۔

"یاجوج ماجوج" کون ہیں؟

یاجوج ماجوج کے بارے میں اتنی بات طے ہے کہ یہ عام انسانوں کی طرح انسان ہیں۔ جمہور محدثین ومؤرخین کے نزدیک یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے "یافث" کی اولاد میں سے خونخوار اور جنگجو قبائل ہیں۔ (معارف القرآن)

بعض مفسرین نے دُنیا کی بعض جنگجو قوموں کو اسی نسل میں سے بھی قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض تخمینہ ہے۔ حتمی علم اللہ پاک کو حاصل ہے۔ اس لیے کسی خاص قوم کو اس کا یقینی مصداق قرار دینا مشکل ہے۔

ان کی تعداد کتنی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کیے۔ ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصے میں باقی ساری دنیا کے انسان ہیں۔'' (مستدرک حاکم بحوالہ معارف القرآن جلد: ۵ صفحہ: ۶۴۳) اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کی تعداد ساری نسلِ انسانی سے بہت ہی زیادہ ہے۔ (ان کے بارے میں تفصیلی کلام کے لیے تفسیر معارف القرآن جلد ۵، صفحہ ۶۳۸ تا ۶۴۸ ملاحظہ فرمائیں)

''یاجوج ماجوج'' کب نکلیں گے؟

اس کے بارے میں یہ جان لیں کہ قُربِ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت، یاجوج ماجوج کا خروج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انہیں اس درّے کے پیچھے تک محدود کر رکھا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے قتل ہوجانے کے بعد نکلے گی۔

مسندِ احمد، سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی میں ہے کہ یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے رہتے ہیں، قریب ہوتا ہے کہ یہ آہنی دیوار ختم ہوجائے لیکن یہ لوگ یہ کہہ کر واپس چلے جاتے ہیں کہ اس بقیہ حصہ کو کل ختم کردیں گے، صبح جب واپس آتے ہیں تو منجانب اللہ یہ دیوار پھر سے ویسے ہی ٹھیک اور مضبوط بنی ہوئی ہوتی ہے۔ درشتگی کا یہ سلسلہ تب تک چلتا رہے گا جب تک اللہ پاک کی منشا ان کو بند رکھنے کی ہوگی۔ اللہ پاک نے ان کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیا کہ یہ دن رات، اس دیوار کی کھدائی کرتے رہیں یا نکلنے کا کوئی اور راستہ تلاش کریں۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے (یہ کب ہوگا؟ قُربِ قیامت میں یا اس سے پہلے؟ کوئی صراحت نہیں ہے۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ ان کا عالمگیر حملہ، نزولِ عیسیٰ کے بعد ہی ہوگا) تو اُس دن شام کو واپس جاتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ''ان شاء اللہ! کل ہم اس دیوار کو پار کرلیں گے۔'' تو اگلے دن وہ اس دیوار کو اسی حالت میں پائیں گے جیسا وہ چھوڑ گئے تھے، اُس دن دیوار درست نہیں ہوگی۔ یاجوج ماجوج دیوار توڑ دیں گے اور باہر نکل آئیں گے، اور اتنی تعداد میں ہوں گے کہ پوری روئے ارض پر چیونٹیوں کی طرح پھیل جائیں گے، وسائل ختم کردیں گے، پانی کی ندیوں کی ندیاں خالی کردیں گے، ان کی قتل و غارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کرسکے گا۔ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے محفوظ قلعوں اور پناہ گاہوں میں چھپ جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر اللہ کے حکم سے کوہِ طور پر چڑھ جائیں گے۔ بالآخر اہل ایمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لیے بددعا کریں گے، ان کی بددعا سے ان کو کوئی وبائی بیماری لاحق ہوگی جس سے یہ سب کے سب مرجائیں گے، زمین پر ایک بالشت برابر بھی جگہ ان کی لاشوں سے خالی نہ ہوگی۔ پھر اللہ پاک، اونٹ کی گردنوں جیسی گردن والے بڑے بڑے پرندے بھیجیں گے جو ان کو اٹھا کرلے جائے گی، پھر خوب بارش ہوگی جس سے

پوری زمین ڈھل کر بالکل صاف ہوجائے گی، پھر اللہ کی طرف سے برکتوں کا نزول ہوگا، انار اتنا بڑا ہوگا کہ لوگ اس کے چھلکے کو چھتری کے طور پر استعمال کریں گے۔ ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہوجائے گا، ایک بکری کے دودھ سے ایک گھرانہ سیر ہوجائے گا، اتنی زیادہ برکت ہوگی۔ (مسلم شریف بحوالہ معارف القرآن)

سدِّ ذُوالقرنین

حضرت ذوالقرنین کی تعمیر کردہ یہ دیوار کہاں ہے؟ اور یاجوج ماجوج کون سی قوم ہے؟ اس بارے جاننا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی قرآنی آیات کا سمجھنا اس پر موقوف ہے۔ مختلف حضرات نے اپنی اپنی تحقیقات بیان کی ہیں جو صرف اندازے ہی ہیں۔ یقینی علم اللہ پاک کو ہے۔

اِعتراض

بعض لوگ ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے، ایسی کوئی دیوار موجود ہی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو اب تک مخفی نہ رہتی۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ سائنسی معراج کے باوجود دنیا کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اب تک دریافت نہیں ہوئی، اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اَب بھی دریافت ہورہی ہیں آج بھی بہت سے جنگل، جزیرے ایسے ہیں جن کی حقیقتوں کا علم نہیں ہوسکا ہے۔ آسٹریلیا کے سمندر میں ایک دیوار ہے جو تقریباً بارہ سو میل لمبی اور ایک ہزار ہاتھ چوڑی ہے وہ ابھی سو، ڈیڑھ سو سال پہلے دریافت ہوئی، ابھی بھی ایک جزیرہ ایسا ہے (امریکی ریاست فلوریڈا کے قریب، اسے ''برمودا ٹرائی اینگل'' یعنی مثلث تکون کہا جاتا ہے) جہاں کوئی بھی چیز جائے تو وہ گم ہوجاتی ہے، اس علاقے میں کئی ہوائی اور بحری جہاز گم ہوگئے ہیں، پچھلے سالوں میں ملائشیا کا ایک جہاز گم ہوا تھا، جس پر ایک تجزیہ یہی تھا کہ وہ اس جزیرے میں چلا گیا ہے، ابھی تک نہیں ملا، یہ جزیرہ ابھی تک ایک راز ہے۔ کسی کو یقینی علم نہیں کہ وہاں کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دجال وہاں ہو، کیونکہ دجال کسی جزیرے میں چھپا بیٹھا ہے۔ بہرحال! ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر یہ دعویٰ کرنا درست نہیں۔ ابھی بھی کائنات میں بہت سے سربستہ راز موجود ہیں۔

۲۔ یہ دیوار چونکہ دو پہاڑوں کے برابر بنائی گئی تھی، اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑوں کے باہم مل جانے کی وجہ سے اب یہ دیوار بھی ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کرچکی ہو، یہ عین ممکن ہے۔

بہرحال! اتنی بات یقینی ہے کہ وہ دیوار بنائی گئی تھی۔ باقی وہ دیوار تا قیامت باقی رہے گی یا نہیں؟ اس بارے کوئی نصِ قطعی موجود نہیں ہے۔ دونوں طرف احتمالات موجود ہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج نکلیں گے اور ان کا یہ انجام ہوگا۔ ان کا قصہ یہاں تمام ہوا۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا عِبَادِىۡ مِنۡ دُوۡنِىۡۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَـنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا ۝ قُلۡ هَلۡ نُـنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ۝ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ۝

''سلطنت کا فتنہ'' اور اس کا علاج

سورت کے آخری رکوع میں سلطنت کے فتنے کا علاج، فکرِ آخرت اور اخلاص کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ کے وعدۂ قیامت کا ذکر تھا، اسی مناسبت سے اس رکوع میں قیامت کے کچھ احوال بیان فرمائے جا رہے ہیں۔

''اَفَحَسِبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا عِبَادِىۡ مِنۡ دُوۡنِىۡۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ'' کفار و مشرکین نے دنیا میں مشکلات کے حل کے لیے مختلف کارساز، مددگار اور مشکل کشا بنا رکھے ہیں۔ روزِ محشر جب مشکل حالات درپیش ہوں گے تو ان کے سارے مزعومہ معبود اور خدا بے کار ثابت ہوں گے۔ ابھی ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہ غیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے ہیں جب کہ یہ ان کے ذرہ بھر بھی کام نہ آسکیں گے۔ ''اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَهَـنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا ۝'' ان کے لیے جہنم کی مہمانی تیار ہوگی۔

قُلۡ هَلۡ نُـنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ۝ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ۝

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا!

اس کے بعد خسارہ اور نفع مند طبقات کا بیان فرمایا کہ سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے جن کی تمام محنت و کاوش دنیا کی زندگی میں ہی ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ دولت، شہرت، منصب اور ڈگریوں کے بل بوتے پر وہ کامیاب ہیں۔ یہ تو آخرت میں معلوم ہوگا کہ یہ ساری کاوشیں برباد ہوگئیں۔

اصحابِ اقتدار کو بھی ان آیات کی روشنی میں اپنی آخرت کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور اپنے فیصلوں میں آخرت کو ضرور مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ ان شاء اللہ! اس فتنے سے بچ جائیں گے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝

رحمتِ خداوندی سے محروم لوگ

یہ لوگ کفار ہوں گے۔ ان کے اعمال کا رتی برابر بھی وزن نہ ہوگا۔ اعمال کے ترازو میں ان کے اعمال بے وزن ہوں گے، کیونکہ اعمال میں وزن تبھی آئے گا جب ایمان ہوگا۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝

اللہ کے مہمان

دوسری طرف جو اہلِ ایمان ہوں گے، ان کی محنت وکاوش اور اعمالِ صالحہ انہیں نفع دیں گے اور وہ کامیاب ہوکر جنّت کے محلات میں ہوں گے۔

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝

کلماتِ خداوندی کی وسعت پر عجیب مثال

آخر میں توحیدِ خداوندی اور رسالتِ نبوی کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات پر مبنی کلمات کو اگر تحریر میں لایا جائے تو اس کے لیے اگر تمام سمندروں کو سیاہی اور تمام درختوں کو کاٹ کر قلمیں بنالی جائیں تب بھی اللہ پاک کے کلماتِ کمالات ختم نہیں ہوں گے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

دلیلِ نبوّت

سورت کے آخر میں فرمایا: "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ..... الخ" یعنی یہ سارے واقعات میری نبوّت کی دلیل ہیں، میں تمہارے منہ مانگے مطالبات پورے نہیں کرسکتا کیونکہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں، تمہارا ہم جنس ہوں۔ تم بھی انسان ہو اور میں بھی انسان ہوں۔ ہاں! تمہارے اور میرے درمیان نبوّت اور وحی کا فرق ہے۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا مطلب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح مقام ومرتبہ رکھتے ہیں، حاشا وکلاّ! ہرگز نہیں! عام انسانوں اور آپ میں فرق "يُوحَىٰ إِلَيَّ" سے کردیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم انسانوں میں سے انسان ہیں لیکن شرف وکمال اور فرق مراتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!" کے حقیقی مصداق ہیں۔ اس کو یوں سمجھا جائے کہ:

محمد بشر لا کالبشر

کالیاقوت حجر لا کالحجر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ "توحید خداوندی اور آخرت کی تیاری" ہے۔ لہٰذا سبھی لوگ نیک اعمال کریں اور شرک سے اجتناب کریں۔ یہی اس پوری سورت کا جوہر ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

سورہ الکہف سے درج ذیل اُمور مستفاد ہوئے:

۱- ایمان کو لاحق بے شمار خطرات میں سے چند خطرات کا تذکرہ کر کے اُن سے حفاظت کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے۔

۲- اصحابِ کہف کے واقعے کے ضمن میں "ایمان پر استقامت اور اس کی برکات" بیان کی گئی ہیں۔

۳- دُنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی بقاء کا بیان کیا گیا ہے۔

۴- حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ بیان کر کے یہ سبق دیا گیا کہ اگر علم حاصل ہو جائے تو فطرت میں عاجزی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اور علم کی مزید سے مزید تر تلاش وجستجو کی کوشش کی جائے۔

۵- حضرت ذوالقرنین کے دُنیوی اسفار اور ان کی خداترسی کو بیان کیا گیا ہے۔

۶- آخری رکوع میں بتایا گیا ہے کہ ایک خدا کے پجاری بنو، جس کی عبادت اُصحابِ کہف نے کی تھی، جس کی عبادت کی طرف اُصحابِ کہف نے بلایا تھا۔ "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ" اگر اللہ سے ملاقات پر یقین ہے تو نیک اعمال کر کے اس سے ملاقات کرنے جاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لاؤ، اللہ کو خوش کر کے اس سے ملنے جاؤ، شرک کر کے نہ جاؤ۔

تمت هذه السورة بعون الله سبحانه وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ مَرۡیَم

سورت کا تعارف

یہ سورۂ مریم ہے، جو مکی ہے اور نزول کے اعتبار سے چوالیسویں (۴۴) نمبر پر ہے، جب کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب میں اُنیسویں (۱۹) نمبر پر ہے۔ چھ رکوع اور اٹھانوے آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ مریم رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

آپ اچھی طرح جان چکے کہ سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف اور حضرت ذوالقرنین کی کرامتوں کو بیان کیا، اب اس سورت میں حضرت مریم، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی کرامات اور معجزات کو بیان کر رہے ہیں، اسی طرح دونوں سورتوں میں توحید کا مضمون مشترک ہے۔ اس سورت میں اللہ نے مشرکین اور عیسائیوں کے مختلف شبہات نقل کر کے ان کے جوابات بھی دیے ہیں۔

سورت کا مرکزی موضوع

اس سورت کا اہم اور مرکزی موضوع ''اولاد تک دین پہنچانے کی اہمیت'' ہے۔ ہر مسلمان، اپنی اولاد تک دینی وراثت منتقل کرنے کی کوشش کرے، علماء کوشش کریں کہ ان کی اولاد عالم ہو، اور باعمل مسلمان کوشش کرے کہ اس کی اولاد بھی عالم ہو، ورنہ کم از کم باعمل ضرور ہو، آپ کی دینی وراثت آپ کی نسلوں میں منتقل ہوتی چلی جائے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام نے اپنی یہ وراثت اپنی نسلوں میں منتقل فرمائی۔

عمومی مضامین

اس مرکزی موضوع کو یہاں کئی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔

پہلی مثال

دین کی وراثت، اولاد میں منتقل کرنے کا پہلا نمونہ ہے "حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا" انہوں نے اللہ سے دُعا کی کہ یا اللہ! مجھے بیٹا دے۔ یہ بیٹا کیوں مانگا؟ اس لیے نہیں مانگا کہ وہ بڑھاپے میں سہارا یا ناموری کا باعث بنے، بلکہ صرف اس لیے بیٹا مانگا کہ وہ میری دینی وراثت کا جانشین ہو۔ "يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ" یعنی وہ میرے خاص علوم کا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کے متوارث علوم کا بھی وارث ہو۔ (گویا علومِ سابقہ وموجودہ سب کا جامع ہو) اور ظاہر ہے کہ انبیاء کی وراثت، مال و دولت نہیں ہوتی، انبیاء کی وراثت دین ہوتی ہے۔

دوسری مثال

اللہ پاک نے اس سورت میں دوسرا نمونہ پیش کیا حضرت مریم علیہا السلام کا، ان کی والدہ نے منّت مانی تھی:
"اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ" کہ میرے پیٹ میں جو بچّہ ہے وہ میں تیرے دین کے لیے وقف کرتی ہوں، حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ نے بیٹی ہونے کے باوجود ان کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ اسی کی برکت سے اللہ پاک نے ان کے بطن سے حضرت عیسٰی علیہ السلام جیسے پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔

بیٹیوں کو بھی دینی تعلیم دینا ضروری ہے

غور کا مقام ہے کہ ایک ماں نے اپنی پیدا ہونے والی یتیم بچّی کے لیے کوشش کی کہ وہ دین پر قائم رہے۔ معلوم ہوا کہ صرف لڑکوں کو ہی دینی تعلیم دینا کافی نہیں ہے۔ بچیوں اور لڑکیوں کو بھی دین سکھانا ضروری ہے۔ خواتین ہی سے پورے خاندان کی تربیت ہوتی ہے۔

تیسری مثال

پھر اس کے مخالف اور Opposite نمونہ بھی پیش کیا کہ اولاد کو دین داری سے روکنے اور دین میں ان کی مخالفت کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ پہلی دو مثالوں سے برعکس مثال اس لیے پیش کی تا کہ دینی تربیت کی اہمیت معلوم ہو سکے، کیونکہ "وبضدها تتبين الاشياء" اپنی ضدوں سے ہی چیزوں کی حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں۔

تیسری مثال ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد کی۔ حضرت ابراہیمؑ کا والد کافر تھا، اس نے بھرپور کوشش کی کہ اپنے بیٹے میں اپنی جہالت اور بے دینی کو منتقل کرے، بیٹے کو بھی بت پرست بنا دے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ دین پر ڈٹ جانے کا اللہ پاک نے انہیں انعام یہ دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) بھی نبی ہوئے جن سے بنی اسرائیل کے تمام انبیاء (کم و بیش چار ہزار انبیاء) کا سلسلہ چلا۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہمارے آقا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دینی وارث بنے۔

چوتھی مثال

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام، دینی وراثت پہنچانے کے لیے بہت حریص تھے، انہوں نے دین پہنچانے کے لیے اپنے اردگرد والوں کو بھی نصیحت فرمائی، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور دوسروں کو نصیحت کی۔

پانچویں مثال:- ایسی نیک اولاد کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو اپنے صالح آباء کے دین اور پیغمبری میں نسل در نسل وارث بنی۔

اسی طرح اس سورت میں اللہ پاک کے لیے اولاد کی ضرورت نہ ہونے اور اولاد سے پاک ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ پاک خالق ہے۔ اسے اولاد و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١

حروفِ مقطعات

یہ آیت پانچ حروف پر مشتمل ہے۔ میں نے سورت بقرۃ کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ یہ جو سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں، یہ یک حرفی بھی ہیں، دو حرفی بھی۔ سہ حرفی بھی ہیں، چہار حرفی بھی اور پنج حرفی بھی ہیں، ان کی مراد اللہ جانتے ہیں۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝٩ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١

"ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢": پہلا نمونہ حضرت زکریا علیہ السلام کا بیان فرمایا۔ "اپنے رَبّ کی رحمت دیکھو زکریا علیہ السلام پر کیسے آئی!"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا

"اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣": جب زکریاؑ نے چپکے چپکے اپنے رَبّ کو پکارا۔ کب پکارا؟ سورت آلِ عمران کی تفسیر

میں (''هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ'' کے ضمن میں) اس کا تذکرہ ہو چکا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت زکریاؑ نے دیکھا کہ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل اور میوے پڑے ہیں تو ان کے دل میں بھی اس خواہش نے انگڑائی لی کہ جو ربّ، مریم کو بے موسم پھل دے سکتا ہے وہ مجھ زکریا کو بھی بڑھاپے میں (بے موقع) اولاد دے سکتا ہے۔ اس لیے دُعا کی: ''قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا'' کہ بھلے میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں، بڑھاپے کی وجہ سے سر سفید ہو گیا، ''وَلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا۝'' لیکن اے میرے ربّ! میں تجھے پکار کر محروم نہیں رہا ہوں۔

''وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا۝'' مجھے اپنے موالیوں (قریبی رشتہ داروں) سے خطرہ ہے کہ وہ میرے بعد دین کی کماحقہٗ خدمت نہیں کریں گے، اس لیے ایسا وارث چاہتا ہوں جو میرے اس دینی سلسلے کا علم بردار بنے۔ میری بیوی اگرچہ بانجھ ہے لیکن میں اس کے باوجود آپ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے نیک بچہ عطا فرما، ولی عطا فرما۔ ''يَّرِثُنِیۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا۝'' جو میرا اور یعقوب علیہ السلام کی آل کا وارث ہو، اور اے میرے ربّ! اسے اپنا پسندیدہ بھی بنائیے۔ یعنی وہ دین کا عالم بھی ہو اور دین پر عامل بھی ہو۔ کیونکہ انبیاء کی میراث صرف دین اور علم ہوتی ہے۔ دنیوی میراث نہیں ہوتی۔

دُعا کے آداب

اس سے معلوم ہوا کہ دُعا میں اصل ''اخفاء'' ہے۔ چپکے چپکے اپنے ربّ سے دعا کرنی چاہیے۔ اسی طرح دُعا کے وقت اللہ پاک کے سامنے اپنی عاجزی، بے بسی اور محتاجی کا اظہار دُعا کی قبولیت کا باعث ہے۔ نیز جیسے بھی حالات پیش آجائیں، دُعا کرتے وقت اپنے ربّ پر ہمیشہ پختہ یقین رکھا جائے۔

دُعا قبول ہوئی

''يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسۡمُهٗ يَحۡيٰى ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا۝'' جواب آیا کہ اے زکریا! ہم نے آپ کی دُعا قبول کر لی۔ آپ کو ایک بچّے کی مبارک ہو! ''اسۡمُهٗ يَحۡيٰى ۙ'' اس کا نام بھی ہم رکھ رہے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہوگا، اور یہ ایسا نیا نام ہے کہ ''لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِيًّا۝'' ہم نے یحییٰ نام اس سے پہلے کسی کا نہیں رکھا۔ سبحان اللہ! اس بچّے کی بھی اللہ نے تعریف کی۔

فطری حیرانگی

حضرت زکریاؑ کو جب بچّے کی خوشخبری ملی تو فوراً کہا: ''قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ'' اللہ میاں یہ تو بتائیں کہ بچہ ہوگا کیسے؟ ''وَّكَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا'' بیوی بانجھ ہے، بچے جننے کے قابل نہیں ہے۔ ''وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡكِبَرِ عِتِيًّا۝'' اور میں بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ بچّہ جننے کے سب ظاہری اسباب ختم ہو چکے۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝

رَبّ نے کہا: "كَذٰلِكَ ۚ" بچہ ہو ہی جائے گا، میرے حکم سے ہوگا، "قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ" تیرا ربّ کہتا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے، پہلے بھی تو میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے۔

قلبی تسکین کے لیے نشانی

"قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ۚ" حضرت زکریاؑ نے پوچھا: اللہ میاں! آپ کے وعدے پر تو کامل یقین ہے۔ تاہم وعدے کی تکمیل یعنی حمل ٹھہرنے کی کوئی نشانی عنایت فرما دیجیے تاکہ تسلی رہے؟ فرمایا: "قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝" نشانی یہ ہے کہ تین راتیں تم کسی سے بات نہیں کر سکو گے۔ یعنی حمل ٹھہرنے کی نشانی یہ ہوگی کہ ذکر اللہ کے لیے تو زبان چلے گی، لیکن لوگوں سے گفتگو پر قدرت نہیں ہوگی۔

"فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝" پس جب حضرت زکریاؑ محراب سے یعنی اپنی عبادت کے مخصوص کمرے سے باہر نکلے اور اپنی قوم کو اشارہ سے کہا کہ آپ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں (ممکن ہے کہ قوم کو یہ تذکیر حسبِ سابق ہو یا بچے کی نعمت ملنے کی خوشی میں معمول سے ہٹ کر ہو۔ واللہ اعلم)

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۚ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خاص اوصاف

اب بچہ اللہ نے عطا فرمایا۔ پھر (جب حضرت یحییٰ سنِ شعور کو پہنچے تو) اللہ پاک نے یحییٰ سے خطاب فرمایا: "يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۚ" اے یحییٰ! مضبوطی سے کتاب (اس وقت "توراۃ" ہی کتابِ شریعت تھی) کو تھام لو، بچپن سے اللہ نے انہیں نبوت عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰ کی طبیعت میں بہت رقت تھی، روتے رہتے تھے، پاکیزگی تھی، متقی تھے۔

"وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ" والدین کے فرمانبردار تھے۔ "وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا" مخلوق کے ساتھ سخت نہیں تھے۔ "عَصِيًّا ۝" خالق کے نافرمان نہیں تھے۔

اعلیٰ ترین اعزاز

"وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝" اللہ نے فرمایا: کیا ہی خوب ہمارا بندہ تھا! ہماری طرف

سے یحییٰ کی ولادت پر، یحییٰ کی موت پر، اور قیامت کے دن یحییٰ کے دوبارہ اٹھنے پر رحمتیں ہی رحمتیں اور سلامتیاں ہی سلامتیاں نازل ہوں۔ کتنا بڑا اعزاز ہے!

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

حضرت مریمؑ کا تفصیلی قصہ اور اس کی حکمت

حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کا قصہ بطورِ تمہید تھا۔ اصل مقصد حضرت مریمؑ کا قصہ بیان کرنا ہے۔

عیسائی لوگ چونکہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو خدا مانتے اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے اسی عقیدے کے بُطلان کے لیے حضرت مریم کے حمل اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش والے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

حضرت مریم کی پیدائش

حضرت مریم کی والدہ نے بھی ان کے والد کی دینی وراثت کو آگے منتقل کرنے کے لیے دُعا کی، حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت ہوگئی، ان کی ولادت کا قصہ سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے، پھر وہ جلدی جلدی جوان ہوگئیں، "وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ" (آلِ عمران: ۳۷) جتنا عام بچہ ایک مہینے میں نشوونما پاتا ہے، حضرت مریم علیہا السلام ایک دن میں اتنی نشوونما پاتی تھیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫": یہ حمل سے پہلے کی کیفیت ہے۔ جب حضرت مریمؑ جوان ہوگئیں تو ایک دن وہ گھر میں تنہا تھیں کہ "فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا" ہم نے اپنا فرشتہ بھیجا۔ مراد جبرائیلؑ ہیں۔ "فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝" وہ انسانی شکل میں ان کے پاس تشریف لے آئے۔ بی بی مریمؑ نے جب ایک اجنبی مرد کو اپنے قریب دیکھا تو ڈر گئیں، فوراً کہا: "قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝" میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اگر تو تقویٰ والا اور خدا خوفی رکھنے والا انسان ہے۔ انہوں نے فرمایا گھبرائیں نہیں، "اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝" میں تو فرشتہ ہوں، انسان نہیں ہوں، مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ آپ کو ایک نیک بچہ عطا کروں (یعنی بچہ عطا کرنے کا ذریعہ بنوں، بچہ تو اللہ ہی نے دینا ہے) انہوں نے حیرت سے

پوچھا: ”اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۝“ کہ مجھے بچّہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا، میری تو شادی ہی نہیں ہوئی، فرمایا کہ اللہ کے حکم سے ہوگا، جبرائیلؑ نے بی بی مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری تو خدا تعالیٰ کے حکم سے حمل ہو گیا، اور جب ولادت کا وقت قریب ہوا تو حضرت مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنے گھر سے الگ ہو کر دور چلی جاؤ۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۝

فطری پریشانی اور اس کی وجوہات

”فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۝“ جب حمل ٹھہرا اور زچگی کا وقت آیا تو دور چلی گئیں، اور اللہ کے حکم سے کھجور کے ایک تنے کے نیچے چلی گئیں، وہاں ولادت کے وقت میں سخت پریشان ہیں۔ ”قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۝“ کاش میں پہلے ہی مر چکی ہوتی اور لوگ مجھے بھول بھال چکے ہوتے۔

اس پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ:

۱۔ اس مشکل وقت میں کوئی انسان مدد کے لیے موجود نہ تھا۔

۲۔ تکلیف کی شدت تھی۔

۳۔ لوگوں کے سامنے جواب دہی کا خوف تھا۔

خدائی تسلیاں

اللہ نے فرمایا: ”فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۝“ میری مریم غم نہ کر، ہم نے تیرے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے اور تیرے اوپر کھجور کے درخت پر پھل بھی لگا دیے ہیں۔ (کیونکہ ایسے موقع پر غذا اور پانی کی ضرورت رہتی ہے) ”وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ“ تنے کو حرکت دو، ”تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۝“ تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔

”فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ“ پس کھجوریں کھاؤ، کہتے ہیں کہ زچگی میں کھجور کھانا مفید ہوتا ہے، اور پانی پیو اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرو۔ یہ سب بی بی مریم کی کرامت تھی کہ پانی بھی جاری ہوا اور کھجور پر پھل بھی پک گئے۔

قوم کو کیا بتایا جائے؟

اب مسئلہ یہ تھا کہ لوگوں کو بچّے کے بارے کیا بتائیں گی؟ تو اس کا حل ارشاد ہوا کہ: ”فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا“

اگر آج تمہیں کوئی انسان بھی دیکھے تو اسے کہ دینا: "فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا" میں نے منّت مانی ہے کہ میرا آج چپ کا روزہ ہے، "فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا" آج میں نے کسی سے بات نہیں کرنی۔ سابقہ شریعتوں میں صبح سے شام تک کسی سے کلام نہ کرنا بھی ایک عبادت تھی، ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہوگئی۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَـيْـــًٔا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

قوم کے چبھتے ہوئے سوالات

جب بچے کی ولادت ہوگئی تو (بعض مفسرین کے مطابق، نفاس ختم ہونے کے بعد) کپڑے میں لپیٹ کر قوم کے پاس لے آئیں، اب جب قوم نے ان کو اس حالت میں دیکھا، ایک کنواری لڑکی کے پاس بچہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ اے مریم یہ تو تُو بہت فضول کام کر کے آئی ہے، "يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا" اے ہارون کی بہن! (اس سے معروف پیغمبر حضرت ہارونؑ مراد نہیں ہیں بلکہ یا تو اس نام کے حضرت مریمؑ کے سگے بھائی تھے یا پھر حضرت ہارونؑ کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے یہ نسبت کی گئی۔ معارف القرآن) نہ تیرا باپ بُرا تھا نہ تیری ماں بدچلن تھی، کتنے شریف والدین کی بیٹی ہو! شادی تیری ہوئی نہیں، یہ کیا تُو نے ظلم کر دیا؟ تمہارے والدین تو بہت نیک تھے! تم نے یہ کیا حرکت کر دی؟

صالحین کی اولاد کو تقویٰ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے

قوم کی اس تنقید سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی اولاد سے اگر کوئی ظاہری غلطی سرزد ہو جائے تو عوام کی نظر میں اس کی برائی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے عظیم اسلاف کی تربیت پر حرف آتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں کی اولاد کو اعمالِ صالحہ کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔

"فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ" حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ مجھ سے نہ پوچھو کہ یہ میں نے کیا کیا! آنے والے اس بچے سے پوچھو کہ یہ کیسے آیا؟ "قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا" قوم نے کہا کہ ہم پنگھوڑے میں لیٹے ہوئے بچّے سے کیسے بات کریں؟ ابھی حضرت مریم علیہا السلام خاموش ہی تھیں کہ بچہ بول پڑا: "قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ"۔

بچّے کا قوم سے عجیب و غریب خطاب اور عقیدۂ تثلیث کی تردید

کہتے ہیں کہ آپ ماں کا دودھ پی رہے تھے، دودھ چھوڑ کر بائیں کروٹ پر سہارا لے کر متوجہ ہوئے، آسمان کی

طرف شہادت والی اُنگلی اُٹھائی اور تقریر فرمائی، پہلا جملہ ہی یہ فرمایا کہ اگرچہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوئی ہے، لیکن میں خدا نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں، مجھے کوئی ابن اللہ نہ کہے، اللہ کا بیٹا نہ کہے "اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا" اس نے مجھے کتاب دی ہے، مجھے نبی بنایا اور برکت والا بنایا (یعنی اپنے وقت پر مجھے کتاب ہدایت اور نبوّت عطا کر دی جائے گی) اس سے والدہ پر لگا الزام بھی صاف کر دیا کہ مجھے نبوّت ملنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ میری پیدائش میں گناہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا، "وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا" مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا، جب تک میں زندہ رہوں گا، ان پر عامل رہوں گا۔ معلوم ہوتا ہے پچھلی شریعتوں میں بھی نماز اور زکوٰۃ فرض تھی، "وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ" میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ" کیونکہ ان کے والد بھی تھے اور والدہ بھی، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں تھا، صرف والدہ تھی اس لیے ان کا ذکر فرمایا، "وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا" مجھے اللہ نے سخت اور شقی نہیں بنایا۔ "وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا" مجھ پر، میری ولادت پر، میری موت پر، قیامت کے دِن میرے دوبارہ اٹھائے جانے پر سلام ہو۔

اس بلیغ تقریر سے حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت بارے عیسائیوں اور یہود کے سب باطل نظریات زمین بوس ہو جاتے ہیں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت بارے قُرآنی فیصلہ

اللہ فرماتے ہیں: "ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ" یہ ہے عیسیٰ ابن مریم! یہ ہے حضرت عیسیٰ کی ولادت، شخصیت اور حقیقت! اور یہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات! نہ تو وہ خدا تھے، (جیسا کہ عیسائی اس کے قائل ہیں)، اور نہ ہی بدچلنی کا نتیجہ تھے (جیسا کہ یہود کا دعویٰ تھا)، بلکہ وہ اللہ پاک کے نیک صالح اور مقبول بندے تھے۔

نجاشی کے دربار کا واقعہ

حبشہ (ایتھوپیا) کے بادشاہ، نجاشی کے دربار میں مشرکینِ مکہ نے یہ شکایت کی کہ مسلمان، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارے درست عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس پر نجاشی نے حضرت جعفرؓ طیار سے سوال کیا کہ آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے نجاشی کے دربار میں ان کے سامنے یہی آیات تلاوت کیں اور جب اس آیت پر پہنچے "ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝" تو نظریں اُٹھا کر نجاشی کو دیکھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ جناب نجاشی رو رہے ہیں، آنکھوں سے چھم چھم آنسو برس رہے ہیں، پھر انہوں نے ایک تنکا اُٹھایا اور تنکا اُٹھا کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ اس سے زیادہ تھے اور نہ اس سے کم۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ: "مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ" اللہ اولاد نہیں بنایا کرتا، اللہ اولاد سے پاک ہے، اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو بس کُن! کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔

"وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ" حضرت عیسیٰ کے خطاب کا آخری جزء توحید سے متعلق ہے کہ بلاشبہ اللہ ہی میرا ربّ بھی ہے اور تمہارا ربّ بھی ہے، اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے، چنانچہ فرمایا: "وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ" یہ بھی وراثت دین کا ایک اور نمونہ پیش کیا، یہ ایک معکوس نمونہ ہے، "اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ" اپنے باپ سے کہا: اے ابا جان! باپ مشرک تھا، پھر بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہی ہمارے دین کی بھی تعلیمات ہیں کہ والدین سے ادب واحترام اور تعظیم سے پیش آؤ، چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں! "لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝" آپ کیوں پوجا کرتے ہیں ان بتوں کی جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں؟ "يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝" ابا جان! میرے پاس نبوت آگئی ہے، میرے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، آپ میری اتباع کریں میں آپ کو صراط مستقیم دکھاؤں گا۔ ابا جان! شیطان کی اتباع نہ کریں، ابا جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ پر اللہ کا عذاب نہ آجائے اور آپ شیطان کے دوست نہ بن جاؤ۔ "يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝" اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے "رحمٰن" کا انتخاب فرمایا۔ اس میں بھی باپ کے ساتھ نرمی اور حق قبول کرنے کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت رحمت والے ہیں۔

باپ کا جواب

باپ نے کہا: "قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ" تو میرے خدا سے بیزار ہے؟ "لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝" میرے خداؤں کی تکذیب سے باز آجا! ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا اور تجھے الگ کر دوں گا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝

مشرکین سے عملی علیحدگی ضروری ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ'' اچھا جی! السلام علیکم! میرا اور آپ کا آج سے تعلق ختم! ''سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝'' لیکن میں آپ کے لیے اپنے رَبّ سے استغفار کروں گا، وہ بہت شفیق ہے۔ لیکن بعد میں اللہ نے استغفار کرنے سے بھی منع فرمادیا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝

دین کی خاطر قربانی دینے کا انعام

جب ابراہیمؑ نے صرف اللہ پاک کی خاطر اپنے باپ اور اس کے دین سے بے زاری اختیار کی تو اس عظیم قربانی کے بدلے اللہ پاک نے ابراہیمؑ کی نسلوں میں بھی دینی وراثت جاری کی۔ اللہ نے فرمایا: ''وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝'' ہم نے ان کو اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا اور دونوں کو نبوّت بخشی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝

واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا: ''وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝'' کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر کرو، وہ بھی چنے ہوئے تھے، رسول و نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تفصیل کے ساتھ آرہے ہیں، میں اس کی وجوہات پہلے بیان کرچکا ہوں، یہاں انہیں نبوّت ملنے کے واقعے کا مختصر ذکر ہے۔ اگلی سورت، سورۂ طٰہٰ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آرہا ہے کہ اللہ نے ان کو طور پر دائیں جانب سے پکارا، اور انہیں نبوّت عطا کی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوّت عطا کی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ

پھر اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا، ان کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ کہتے ہیں

کہ کسی سے وعدہ کر لیتے تھے تو تین تین دن تک اور بسا اوقات ایک ایک ماہ تک انتظار کیا کرتے تھے، وعدہ تھا کہ فلاں جگہ آپ سے ملوں گا تو جب تک بندہ نہ آجاتا آپ وہیں رہتے، وہاں سے نہ ہٹتے۔ وعدہ کے اتنے سچے تھے۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

ان کی تعلیمات

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ ارشادِ باری ہے کہ "وہ اپنے گھر والوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے ربّ کے پسندیدہ تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ

اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر فرمایا "وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ۚ" یہ حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان میں تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی خصوصیات

سب سے پہلے قلم انہوں نے ایجاد کیا، اسی طرح کپڑا ابنانے کا طریقہ، جنگی آلات، شکار کے آلات وغیرہ بھی انہی کی ایجادات میں سے ہیں۔ آپ تکوینی نبی تھے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا۔

ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھی صدیق اور نبی تھے، ہم نے ان کو اپنے قُرب کا خاص مقام عطا کیا تھا۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۖ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۖ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ ۖ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩

اِنعام یافتہ شخصیات کی اِجمالی فہرست

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (مثلاً حضرت ادریسؑ) اور یہ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا (بعد کے تمام انبیاء اس میں شامل ہیں) حضرت ابراہیم کی اولاد (حضرت اسماعیلؑ) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (بنی اسرائیل کے تمام انبیاء اس میں داخل ہیں) میں سے ہیں، یہ سب چنے ہوئے تھے، عاجزی اور تواضع والے تھے، عظمت کے باوجود متکبر نہ تھے، کیونکہ "إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ" جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو "خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩" زمین پر گر جاتے تھے، سجدہ بھی کرتے تھے اور روتے بھی تھے، یہ سب اللہ کے سامنے رونے دھونے والے تھے، عاجزی والے تھے، اسی میں ہم سب کی بھی کامیابی ہے۔

ان انبیاء کے اِجمالی تذکرہ میں حکمت یہ ہے کہ ان کے ماننے والے جانشین، مسلمان ان سب انبیاء کا احترام کرتے ہیں اور سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کے بھی نبی ہیں۔

سجدۂ تلاوت کے احکام

آیتِ سجدہ سننے کی وجہ سے آپ سب پر بھی سجدہ واجب ہوگیا۔ قرآنِ کریم کی ایسی چودہ آیات ہیں جن کی عربی میں تلاوت کرنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے، نماز میں تلاوت کرو تو فوراً سجدہ کرلو، نماز کے باہر تلاوت کرو تو اگر موقع ہو تو فوراً سجدہ کرلو ورنہ بعد میں کرلو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان جب آیتِ سجدہ پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان چیخ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا تھا لیکن میں نے سجدہ نہ کیا، ابنِ آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کرلیا۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝

نااہل گدی نشین

فرمایا کہ ان اہل اللہ اور نیک صالح حضرات (جو ہر وقت رَبّ کے حضور عبادت اور گریہ زاری میں معروف رہتے تھے) کے جانشین ایسے نااہل لوگ بن گئے جنھوں نے خواہشات کی پیروی کی اور نمازوں کو ضائع کردیا۔

نماز دین کا اہم ستون ہے، جب نمازیں ضائع ہوتی ہیں تو انسان اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔

ایسے نالائق گدی نشینوں کے لیے حضرت اقبالؒ نے خوب فرمایا ہے:

میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

نماز ضائع کرنے کا مطلب

نماز ضائع کرنے کا مطلب جیسے نماز نہ پڑھنا ہے، ویسے ہی بے وقت پڑھنا، بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونا اور آداب کی رعایت کیے بغیر نماز پڑھنا بھی اس میں شامل ہے۔

جنّت میں داخلے کے لیے ایمان اور عملِ صالح ضروری ہے

''اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝'' فرمایا کہ توبہ کا دروازہ ان بے عمل جانشینوں کے لیے بھی کُھلا ہوا ہے۔ یہ لوگ اگر توبہ کرکے اعمالِ صالحہ اختیار کرلیں تو اپنے آباء و اجداد کی طرح جنّت میں داخل ہوں گے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝

حیات بعد الممات پر شُبہ اور اس کا شافی جواب

اللہ پاک نے مشرکین کا ایک شبہ نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے: ''وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝'' انسان کہتا ہے کیا جب میں مر جاؤں گا تو دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا! کیونکہ مرنے کے بعد تو مٹی مٹی ہوگئے، ریزہ ریزہ ہوگئے، ہڈیاں گل گئیں، چمڑے ختم ہوگئے، گوشت ختم ہوگئے، بعض اوقات مٹی بھی اُڑ جاتی ہے، کسی کو مچھلی کھا گئی، مچھلی کو انسان کھا گئے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کو درندوں نے کھالیا، پھر وہ درندے بھی مر گئے اور ان کو دوسرے درندوں نے کھالیا، پرندوں نے کھایا، پرندے بھی مر گئے، مٹی میں مل گئے، ان کی مٹی بھی اُڑ گئی، وہ خاک چھوٹے چھوٹے ذرّات کی شکل میں نہ جانے کہاں کہاں پھیل گئی! تو نہ ہم باقی رہے اور نہ ہی ہمارے اجزاء، ہم کیسے اُٹھیں گے!

اللہ نے جواب دیا: ''اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝'' کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ تم اپنی پیدائش سے پہلے کچھ بھی تو نہیں تھے، تمہارا کوئی وجود نہ تھا، پھر بھی ہم نے تمہیں پیدا کیا، تو جب تم کچھ بھی نہیں تھے تب بھی ہم نے تمہیں بغیر کسی نمونے کے پیدا کیا، تو اب جب کچھ اپنا وجود اور ڈھانچہ رکھتے ہو تو ہمارے لیے اس نمونے کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے! ایک جگہ ارشاد ہے: ''وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ'' وہ پہلی بار تمہیں پیدا کر کے تھک نہیں گیا: ''اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى'' کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ تمہیں دوبارہ پیدا کر دے!

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝

اَحوالِ آخرت کا کچھ تذکرہ

یہاں سے اللہ پاک نے آخرت کے چند احوال بیان فرمائے۔ فرمایا کہ: تیرے ربّ کی قسم! ہم ان سب کو ضرور جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی جمع کریں گے اور ہم ان سب کو گروہوں کی شکل میں اپنے سامنے لائیں گے۔ پھر ان میں سے سرکشوں کو جہنّم اور متّبعین کو جنّت میں ابدی ٹھکانا دیا جائے گا۔

سب نے پُلِ صراط سے گزرنا ہے

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

فرمایا کہ ہمیں خوب علم ہے کہ کون کون گھٹنوں کے بَل جہنّم میں ڈالا جائے گا۔ تم سب نے پُلِ صراط کے ذریعے جہنّم سے گزرنا ہے۔ اہلِ ایمان و تقویٰ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پُلِ صراط سے گزر جائیں گے۔

جیسے جیسے اعمال ہوں گے، ویسے ویسے گزرنے کی رفتار ہوگی۔ جب کہ کفّار اور گناہ گاروں کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ العیاذ باللہ!

عاص بن وائل کی تردید

اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿ؕ﴾ اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ﴿ۙ﴾
کَلَّا ؕ سَنَکۡتُبُ مَا یَقُوۡلُ وَ نَمُدُّ لَہٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ﴿ۙ﴾ وَّ نَرِثُہٗ مَا یَقُوۡلُ وَ یَاۡتِیۡنَا فَرۡدًا ﴿﴾

اس رکوع کے آخر میں ایک قیامت کے منکر کا قصہ بیان کیا، ایک صحابی رسول تھے حضرت خبابؓ، یہ لوہار تھے، ان سے ایک کافر عاص بن وائل نے کچھ کام کروایا، لوہے کے آلات ٹھیک کروائے، جب حضرت خبابؓ نے پیسے مانگے تو اس نے کہا: ''تب تک پیسے نہیں دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے مرتد نہ ہو جائے۔'' حضرت خبابؓ نے جواب دیا: ''او عاص! تُو مر جائے اور مر کر پھر زندہ کیا جائے میں تب بھی تیری بات نہیں مانوں گا۔'' عاص نے کہا: ''اچھا اگر ایسا ہے تو میں مرنے کے بعد جب دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا، تو تم بھی اس وقت مجھ سے اپنے پیسے وصول کر لینا'' گویا عاص نے قیامت اور موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کا مذاق اُڑایا۔

اللہ نے فرمایا: اس متکبر اور بدبخت کو دیکھو! ''اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿ؕ﴾'' کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے کفر کیا، اور کہا کہ میں مال اور اولاد دیا جاؤں گا، ''اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ﴿ۙ﴾'' کیا اس نے غیب میں جھانکا ہے یا اللہ کا اس سے کوئی وعدہ ہے کہ یہ جب اُٹھے گا تو اسے مال اور اولاد دیا جائے گا؟ ''کَلَّا ؕ سَنَکۡتُبُ مَا یَقُوۡلُ وَ نَمُدُّ لَہٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ﴿ۙ﴾'' ہرگز نہیں جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم وہ لکھ رہے ہیں اور ہم اس کے لیے عذاب کھینچ کر لائیں گے۔ ''وَّ نَرِثُہٗ مَا یَقُوۡلُ وَ یَاۡتِیۡنَا فَرۡدًا ﴿﴾'' اور ہم اس کی کہی ہوئی بات کا اس کو وارث بنائیں گے اور یہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ﴿ؕ﴾ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡئًا اِدًّا ﴿ۙ﴾ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ
وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ﴿ۙ﴾ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿ۚ﴾ وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿ؕ﴾

خدائی اولاد کا دعویٰ اور اس کی سنگینی

ان آیات میں اللہ پاک نے خاص طور سے ان مشرکین کے جرم کی شدت کو بیان کیا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ ''تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ ہَدًّا ﴿ۙ﴾'' یہ ایسا جرم اور گستاخی ہے کہ اس کی شدت سے آسمان پھٹ جائیں، زمین پھٹ جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ ''اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ﴿ۚ﴾'' یہ رحمٰن کے لیے اولاد کے دعوے دار ہیں۔ ''وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿ؕ﴾'' حالانکہ اللہ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کی اولاد ہو، اس لیے

کہ ساری دُنیا اللہ کی عبد ہے، عبد اور اولاد میں بہت فرق ہے۔ خالق ہونا الگ بات ہے، والد ہونا الگ بات ہے۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ اللہ ان سے نمٹ لے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿﴾

محبوبیت حاصل کرنے کا آسان ترین نسخہ

آج کل ہر بندے کی فطری خواہش رہتی ہے کہ لوگ مجھ سے محبت کریں، میری عزت ہو، میں عزیز بن جاؤں۔ فرمایا اس کا نسخہ آسان ہے: ''ایمان لے آؤ اور عمل صالح کرلو!'' اللہ پاک لوگوں کے دلوں میں نیک اعمال کرنے والے مؤمنین کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ ان نیک لوگوں سے خود اللہ بھی محبت کرتے ہیں، جبرائیل بھی محبت کرتے ہیں، فرشتے بھی محبت کرتے ہیں، اس کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ زمین والو! فلاں شخص سے اللہ، جبرائیل اور فرشتے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ اس کے بعد زمین والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ سبحان اللہ!

آیت کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ جو لوگ ایمان لا کر اعمالِ صالحہ اختیار کرتے ہیں، ان سے اللہ پاک محبت کرتے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اعمالِ صالحہ میں مشغول رہ کر اپنے محبوب (اللہ پاک) کو راضی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کتنے نیک لوگ ایسے ہیں کہ اجنبی بھی انہیں دیکھ کے ان سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

حضرت سفیانِ ثوریؒ کا قصہ

ایک بزرگ تھے جو محدث بھی تھے، ان کا نام تھا سفیان ثوری، ایک بلبل ان سے مانوس تھا، یہ فوت ہو گئے تو وہ بلبل ان کے جنازے کے ساتھ جا رہا تھا، گویا کہ وہ رو رہا تھا، تدفین کر کے آئے تو وہ بلبل ان کی قبر پر بیٹھ گیا، تین دن کے بعد جا کر دیکھا تو بلبل ان کی قبر پر مرا پڑا تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی محبوبیت

امام احمد بن حنبلؒ کا جنازہ اٹھا تو لوگوں کی محبت دیکھو! بیس تیس لاکھ لوگ جنازے میں شریک تھے، بعض نے کہا کہ ستر لاکھ لوگ جنازے میں شریک تھے، اس وقت موبائل فون بھی نہیں تھے تب بھی اتنا بڑا مجمع اکٹھے ہو گیا، اللہ والوں کے جنازے کتنے بڑے ہوتے ہیں! لوگ بڑی بڑی مسافتیں اور اخراجات کر کے جنازوں میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسویؒ کا واقعہ

یہ قریب ہی کی بات ہے، ہمارے بزرگ، مناظرِ اسلام حضرت علامہ عبدالستار تونسویؒ فوت ہوئے، ہمارے یہاں

اکثر تشریف لاتے تھے۔ حضرت تونسویؒ کے داماد نے مجھے بتایا جو ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ حضرتؒ کے گھر ایک "مور" تھا۔ جس دِن حضرت فوت ہوئے تو وہ مور بالکل خاموش اپنے ڈربے میں بیٹھا رہا، بلکہ موت کے وقت وہ خوب چلّایا اور چیخا پھر خاموش ہوگیا، اور اگلے دِن صبح دیکھا تو وہ مور مرا پڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ اللہ پاک، انسان تو انسان، جانوروں کے دلوں میں بھی اپنے نیک لوگوں کی محبّت ڈال دیتے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

اس سورۃ کی تعلیمات یہ ہیں کہ دینِ خداوندی سب سے بڑی دولت ہے اور اولاد کی سب سے بڑی خیر خواہی ان کی دینی تعلیم وتربیت ہے۔ یہی حضرات انبیائے کرامؑ کی سیرت ہے۔ انبیاءؑ نے اولاد بھی اسی لیے مانگی۔ حضرت زکریا، مریم، حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب اور حضرت اسحاق ۔علیہم السلام۔ نے اپنی اپنی اولادوں میں دین منتقل فرمایا۔

وہی اولاد اپنے بڑوں کی صحیح جانشین ہے جو دین پر قائم رہے۔ بے دین اور بے نمازی اولاد اپنے نیک آباء کی ہرگز جانشین نہیں بن سکتی اور نہ ہی اللہ کے عذاب سے اُنہیں اُن کے باپ دادے بچا پائیں گے۔

لہٰذا توحید اور قیامت کے عقیدے پر جمنا اور اسے زیغ وضلال سے صاف ستھرا رکھنا، اپنی اولاد میں ان دینی عقائد اور تعلیمات کو منتقل کرنا اور ہر وقت اللہ کی ناراضگی سے ڈرتے رہنا بہت ضروری ہے۔

تمت سورۃ مریم بعون اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ طٰهٰ

سورت کا تعارف

یہ سورۃ ''طٰہٰ'' ہے جو تقریباً آدھے پارے پر مشتمل ہے اور مکی ہے۔ موجودہ ترتیب کے اعتبار سے یہ بیسویں (۲۰) نمبر پر ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے پینتالیسویں (۴۵) نمبر پر ہے، اس سورت کے آٹھ رکوع ہیں۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

اس سورۃ کے دو نام معروف ہیں:

۱۔ طٰہٰ: کیونکہ اس سورت کی ابتداء انہی حروفِ مقطعات سے ہو رہی ہے۔

۲۔ موسیٰ/کلیم: کیونکہ دوسری سورتوں کی نسبت، اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ تذکرہ کیا گیا ہے، نیز اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ پاک کی گفتگو کا ذکر بھی ہے۔ (معارف القرآن، تدبر القرآن)

ماقبل سے ربط

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی سورت کی طرح کچھ چیزیں مشترک بیان کی ہیں، مثلاً پچھلی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر مذکور تھا جب کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ کا واقعہ تفصیلی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پچھلی سورت میں توحید اور قرآنِ مجید کی صداقت کا بیان تھا، اس سورت میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔ نیز اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی طرف دعوت دی اور قرآنِ کریم کو جرأت کے ساتھ بیان کرنے کا حکم دیا۔

سورت کے فضائل

یہ سورت بڑی فضیلت والی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنت میں جنتی سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کریں گے۔ ہمارے آقا جناب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

إن الله تبارك وتعالى قرأ (طه) و (يس) قبل أن يخلق السماوات والأرض بألف عام۔ (وفي بعض الروايات: "بألفين"۔ كذا في كنز العمال)

ترجمہ:- اللہ ربّ العزّت نے آسمان وزمین کی پیدائش سے ایک ہزار (بعض روایات میں دو ہزار) سال پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ کی خود تلاوت فرمائی۔

کیا عجیب منظر ہوگا! حق تعالیٰ نے فرشتوں کی موجودگی میں یہ تلاوت فرمائی تھی۔ جب فرشتوں نے یہ تلاوت سنی،
"فلما سمعت الملائکة القرآن قالت طوبیٰ لأمة ینزل ھذا علیھا وطوبیٰ لأجواف تحمل ھذا وطوبیٰ لألسنة تتکلم بھذا"
خوش نصیب ہے وہ اُمّت جس پر یہ سورتیں نازل ہوں گی! مبارک ہیں وہ سینے جو ان سورتوں کو اپنے اندر محفوظ کریں گے! مبارک ہیں وہ زُبانیں جو اِن سورتوں کی تلاوت کریں گی! (مشکاۃ المصابیح: بیروت، ۱/ ۴۸۶) اسی سورت کی تلاوت سُن کر ہی حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تھے۔

سورت کا مرکزی موضوع

اس سورۂ مبارکہ کا مرکزی اور اصل موضوع یہ ہے کہ "اسلام سراسر خوش بختی اور سعادت ہے" جو لوگ اسلام اور طاعتِ باری کے مخالف رہتے ہیں، بدبختی اور شقاوت اُنہی کا مقدر بنتی ہے۔

سورت کے عمومی مضامین

۱- اس سورت کے مضامین میں سے ایک، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ ہے (گزشتہ سورت میں یہ واقعہ اِجمالاً مذکور تھا) اُن کی مشکلات کا بیان ہے، ان کے مقابلے میں آنے والے جادوگروں کے ایمان اور پھر اس پر استقامت کا بیان ہے۔

۲- اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور اُمّاں حوّا کا واقعہ بیان فرما کر یہ سمجھایا کہ جو اللہ کا فرمانبردار ہے وہ سعادت مند ہے اور جو نافرمان ہے وہ شقی ہے۔

۳- اس سورت میں بطورِ خاص توحید کا بیان بھی ہے اور تبلیغِ قرآن کے لیے "تشجیع" یعنی طبیعتوں کو اُبھارا گیا ہے۔

۴- نیز سورت کے اختتام پر اللہ نے اطمینانِ قلب اور سعادت کے کچھ اہم اسباب بھی بیان فرمائے ہیں۔

۵- سورت کی ابتدا میں "مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝" سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قُرآن سے جُڑے رہنا "سعادت مندی" ہے، جب کہ سورت کے آخر میں "وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡكًا" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ پاک سے اعراض کرنا "شقاوت اور بدبختی" ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

طٰهٰ ۝ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝

"طٰهٰ" یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ "مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝" ہم نے قرآن اس لیے آپ پر نہیں اُتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

آیت کا پس منظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں پوری پوری رات تہجد پڑھتے تھے، پاؤں سوج جاتے تھے، ٹانگوں پر وَرم آ جاتا تھا۔ سارا سارا دن اسی فکر میں گزرتا تھا کہ کسی طرح مشرکین، راہِ راست پر آ جائیں۔ مشرکین نے بھی مذاق اُڑانا شروع کر دیا کہ یہ کیسا دین انہوں نے اپنے لیے منتخب کیا ہے جس میں مشقت ہی مشقت ہے! اللہ رَبّ العزّت نے اس پر فرمایا کہ میرے حبیب! ہم نے یہ قرآن اس لیے نہیں اُتارا کہ آپ کو مشقت میں ڈال دیں، بلکہ: ''اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝'' ہم نے تو یہ قرآن اس لیے اُتارا ہے کہ جو اللہ سے ڈرے، اس کے لیے نصیحت ہو۔ ''تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝'' آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے رَبّ نے اس کو اُتارا ہے۔

اس کے بعد حضور کو حکم ہوا کہ آپ رات کا ایک حصّہ آرام فرمایا کریں اور ایک حصے میں تہجد پڑھا کریں، چنانچہ آپ رات کے شروع حصے میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصے میں تہجد ادا فرماتے تھے۔

نکتہ:- سورت کی ابتدا میں قرآن کے ذِکر ''مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝'' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے جُڑے رہنا سعادت ہے اور سورت کی انتہا میں ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' سے اشارہ ہے کہ قرآنِ کریم سے اعراض کرنا، شقاوت اور بدبختی کی دلیل ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ
اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ
هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ
فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت ملنے کی روئیداد

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت ملنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں، پچھلی سورت میں اس واقعہ کا اِجمالی بیان تھا، اس سورت میں تفصیلی بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آگے (سورۃ القصص میں) مزید تفصیل سے بھی آئے گا کہ ان کے ہاتھوں سے ایک (قبطی) شخص غیر ارادی طور پر قتل ہو گیا، اس کو مکا مارا جس سے وہ مرگیا، اس پر فرعون نے آپ کو قتل کرنے اور گرفتار کرنے کا حکم دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہو گئی تو حضرت موسیٰؑ اللہ کے حکم سے مصر چھوڑ کر مدین کی جانب ہجرت کر گئے۔ وہاں مدین میں (حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے) آپ کی شادی ہو گئی، آٹھ یا دس سال آپ وہاں رہے۔ وہاں سے اپنی بیوی کے ہمراہ واپس آ رہے تھے اور بیوی بھی حمل سے تھی، بچے کی ولادت

کا وقت قریب تھا، رات کا سفر تھا، سردی کا زمانہ تھا۔ ایک جگہ دور سے آگ کا الاؤ دیکھا تو اندازہ ہوا کہ شاید وہاں کچھ مسافر لوگ موجود ہوں۔ ان سے راستہ پوچھنے اور آگ لینے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔

جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ آگ نہیں ہے، دراصل وہ اللہ تعالیٰ کا جلال تھا، اللہ تعالیٰ کا جمال تھا، آپ جیسے جیسے آگ لینے کی کوشش کرتے، آگ پیچھے ہو جاتی، اسی موقع پر اللہ ربّ العزّت نے آپ کو نبوّت عطا کر دی، یہاں مدین سے مصر واپسی کے دوران نبوّت ملنے والے واقعے کا ذکر ہے۔

گھر والوں سے کہا ''اُمْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی'' ''تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے، سردی کا موسم تھا میں تمہارے لیے آگ لے کر آتا ہوں اور اگر کوئی بندہ مل گیا تو درست راستہ بھی معلوم ہو جائے گا۔'' ''فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ'' ''جب وہاں پہنچے تو آواز آئی'' ''اے موسیٰ! میں تمہارا ربّ تم سے مخاطب ہوں!'' چاروں طرف سے آواز آ رہی تھی، سمت کا کوئی تعین نہیں ہو رہا تھا۔ پھر اللہ پاک نے فرمایا: ''فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی'' ''موسیٰ! جوتے اُتار دو، آپ مقدس وادی (طُوًی) میں آ گئے ہیں۔

مقدّس مقامات پر حاضری کے آداب

اسی لیے حکم ہے کہ مسجد آؤ تو جوتے اتار کر آؤ، حرم میں آؤ تو جوتے اتار کر آؤ، مقدّس مقامات میں جوتے اُتار کر آیا کرو۔ ان مقامات کا ادب یہی ہے کہ ان میں ننگے پاؤں آیا جائے۔

''وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی'' ''میں نے آپ کو نبی بنا لیا ہے لہٰذا اب آپ وحی سنیے۔'' ''اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ'' ''بیشک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

نماز کی اہمیت

اس وحی میں توحید کے عقیدہ کے بعد پہلا حکم نماز قائم کرنے کا دیا گیا ہے۔ سب شریعتوں میں نماز کی بہت اہمیت رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من نام عن صلاۃ أو نسیها فلیصلها إذا ذکرها'' (مشکاۃ المصابیح: ۴/۵۵۹، بترقیم الشاملة آلیا) جو شخص سونے یا بھول جانے کی وجہ سے وقت پر نماز کی ادائیگی نہ کر سکے تو جب اُسے یاد آئے، وہ نماز ادا کر لے۔

''اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی'' ''قیامت بھی آنے والی ہے جس میں ہر بندے کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اللہ پاک نے دعوت و تبلیغ کے حکم سے پہلے ایک معجزہ عطا کیا، پوچھا: ''وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی'' ''موسیٰ! ہاتھ میں کیا ہے؟ اللہ کو خوب معلوم تھا کہ کیا ہے؟ صرف حضرت موسیٰؑ کو متوجہ کرنا تھا کہ دیکھ لو تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اور ہم اسے کیا رُوپ دینے والے ہیں!'' ''قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ'' ''عرض کی: ڈنڈا ہے۔'' ''اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا'' ''سہارا لیتا

ہوں، ”وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ“ اپنی بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں، ”وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝“ اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

خواب میں حضرت موسیٰؑ اور شیخ احمد سرہندیؒ کی ملاقات

اس پر ایک لطیفہ یاد آیا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ جو برصغیر کے بہت بڑے مجددؒ گزرے ہیں، ہندوستان میں ”سرہند“ نامی علاقہ ہے جہاں حضرت کا مزار ہے، انہیں خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی، موسیٰ علیہ السلام سے تعارف ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِن سے نام پوچھا تو انہوں نے جواب میں اپنا پورا نسب نامہ بیان کردیا کہ میرا نام احمد بن فلاں بن فلاں ...... الخ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ سے صرف نام پوچھا تھا، نسب تو نہیں پوچھا تھا! تو حضرت سرہندیؒ نے جواب دیا کہ آپ سے بھی تو اللہ نے صرف یہی پوچھا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو جواب میں اتنا کہنا کافی تھا کہ ”هِیَ عَصَایَ“ یہ ڈنڈا ہے، لیکن آپ نے جواب میں کیا فرمایا؟ ”اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝“ اسی لیے میں نے بھی آپ کو اتنا لمبا جواب دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مسکرادیے۔

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝
وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰى ۝ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝

اس کے بعد اللہ نے آپ کو معجزہ دیا، آپ نے عصا پھینکا، تو وہ اژدھا بن گیا، اللہ نے فرمایا: ”وَلَا تَخَفْ“ ڈریے نہیں! ”سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝“ ہم اسے پھر سے عصا بنادیں گے۔ اس کے بعد ”ید بیضاء“ کا معجزہ عطا کیا۔

فرعون کو تبلیغ کا حکم

”اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝“ فرمایا کہ اب جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو، وہ سرکش ہو چکا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ وَاجْعَلْ لِّیْ
وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ۝ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ۝ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ
كَثِیْرًا ۝ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ۝

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ اہم دُعائیں

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچ دُعائیں مانگیں، جو ہم سب کو بھی اللہ پاک سے مانگنی چاہئیں:

پہلی دُعا: ”رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝“ اے اللہ میرا سینہ کھول دیجیے، مجھے شرح صدر اور بلند حوصلہ نصیب فرما۔

دوسری دُعا: ”وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۝“ اور میرا کام آسان فرما دیجیے۔

تیسری دُعا: "وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝" "میری زبان کی گرہ کھول دیجیے، زُبان میں لکنت تھی، "يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝" تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اُنہیں بات سمجھانے میں دِقت نہ ہو۔

چوتھی دُعا: "وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝" "میرے گھرانے میں سے میرا وزیر بنا دیجیے "هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝" "یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے، اس کے ساتھ مجھے مضبوط کر دیجیے۔

پانچویں دُعا: "وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝" "اس کو میرے کام میں شریک کر دیجیے۔

علمی لطیفہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

أنها خرجت فيما كانت تعتمر، فنزلت ببعض الأعراب فسمعت رجلا يَقُوْلُ: أي أخ كَانَ في الدُّنْيَا أنفع لأخيه قالوا: والله إنا أدري قَالَ: مَا ندري قَالَ: فقلت: في نفسي في حفه لا يستثنى إنه ليعم أي أخ في الدُّنْيَا كَانَ أنفع لأخيه قَالَ: موسى حين سأل لأخيه النبوة فقلت: صدق والله قلت: وفي هَذَا قَالَ: الله تَعَالَى في الثناء عَلَى موسى عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔

انہوں نے ایک بدوی سے سُنا جو اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کون سا بھائی ہے جو دنیا میں اپنے بھائی کے لیے زیادہ نفع مند ثابت ہوا؟ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ اس بدو نے جواب دیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کے لیے نبوت مانگی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تُو نے سچ کہا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم)

ذِمہ کام میں پیش آنے والی مشکلات کا اظہار جائز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اساتذہ یا بڑوں کی طرف سے کسی کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے اور اُسے یہ اندیشہ ہو کہ اس کام میں کچھ مسائل پیش آسکتے ہیں تو اُسے چاہیے کہ اپنے بڑوں کے سامنے بے دھڑک اُن مسائل کا تذکرہ کر دے اور ساتھ میں اُن کی دوری کے لیے دیانت دارانہ تجاویز دینا بھی جائز ہے۔ یہ ادب کے خلاف نہیں ہے۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝

سب دُعائیں قبول ہوئیں

فرمایا: ''قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَكَ یٰمُوۡسٰی'' اے موسیٰ! تیری دعائیں قبول ہو گئیں۔ پھر فرمایا: ''وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓی'' ہم نے آپ پر ایک اور احسان بھی کیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی پیدائش اور اللہ پاک کی مہربانیاں

''اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّكَ مَا یُوۡحٰۤی'' جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت فرعون اور اس کی فوج، بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر رہی تھی، ہزاروں بچے ماردیے، کہتے ہیں کہ فرعون نے بارہ ہزار (۱۲,۰۰۰) اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار (۷۰,۰۰۰) بچے ماردیے تا کہ ان میں سے کوئی ایسا لڑکا پیدا نہ ہو جو میرا تخت، مجھ سے چھین لے (کیونکہ فرعون کو کسی نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائے گا) حضرت موسیٰؑ جب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ بہت پریشان ہوئیں کہ کہیں فرعون کے لوگوں کو لڑکے کی پیدائش کا علم نہ ہو جائے اور وہ آکر میرے لختِ جگر کو قتل نہ کر دیں۔ اللہ نے ان کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو، آگے میں جانوں اور میرا کام۔

''اَنِ اقۡذِفِیۡهِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡهِ فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِهِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلۡقَیۡتُ عَلَیۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّیۡ ۚ۬ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ'' اس کو صندوق میں ڈالو اور پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو، دریا اس کو ساحل پہ لے جائے گا۔ چنانچہ صندوق کو دریا بُرد کیا، اب یہاں یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ اگر کسی کو صندوق میں بند کر دیا جائے تو آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے اسکی موت ہو جاتی ہے، لیکن موسیٰ علیہ السلام صندوق کی قبر اور دریا کی موجوں میں بھی زندہ رہے۔

برزخی حیات پر استدلال

بھائیو! بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھا دیتے ہیں کہ وہ اپنے نبی کو صندوق کی قبر اور دریا کی موجوں میں زندہ رکھنے پر قادر ہے، تو اس سے ثابت ہوا کہ جو اللہ بندے کو صندوق کی قبر اور دریا کی موجوں میں زندہ رکھ سکتا ہے وہی اللہ انسان کو مرنے کے بعد اس زمین والی قبر میں بھی زندہ رکھنے پر قادر ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے لیے صندوق والی قبر میں زندگی کی شہادت اللہ پاک نے دی اور زمین والی قبر میں زندگی کی شہادت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَرَرۡتُ عَلٰی مُوۡسٰی لَیۡلَةَ اُسۡرِیَ بِیۡ عِنۡدَ الۡکَثِیۡبِ الۡاَحۡمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیۡ فِیۡ قَبۡرِهٖ'' (صحیح مسلم: ۴/۱۸۴۵) یعنی میں، معراج والی رات، موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا، سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر ہے، تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ ہی کے بارے میں دکھایا گیا کہ وہ قبر میں زندہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

فرعون کے دربار میں

بہرکیف! اللہ پاک کے حکم سے صندوق کو دریا میں ڈالا گیا۔ جس وقت وہ ساحل پہ پہنچا تو اسے فرعون کے درباریوں نے اٹھالیا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے اس صندوق میں موجود بچے کو دیکھا۔ اللہ فرماتے ہیں:

"وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ" یعنی میں نے تم میں (موسیٰؑ میں) محبوبیت کی ایسی شان پیدا کردی تھی کہ جو انہیں دیکھتا، آپ سے محبت کرنے لگ جاتا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں حلاوت اور مٹھاس سے اس قدر لبریز تھیں کہ جو شخص بھی انہیں دیکھتا، ان سے محبت کرنے لگ جاتا۔ (آئدبہ القرآن:۱۰۹)

حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا کہ اس بچے کو قتل نہیں کرنا، قتل کرنے کو اور بچے بہت ہیں، ایک لڑکے کے بچ جانے سے کوئی قیامت نہیں آتی، میں اس بچے کو قتل نہیں کرنے دوں گی۔

اِذْ تَمْشِىْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی پریشانی

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ممتا جوش مار رہی تھی، انہیں رہ رہ کر یہی خیال ستا رہا تھا کہ پتہ نہیں میرا بچہ زندہ بھی ہے یا دریائی جانوروں کی خوراک بن چکا؟ حفاظت کا کیا گیا خدائی وعدہ پریشانی میں یاد نہ رہا تھا۔ اسی پریشانی میں اپنی بیٹی (موسیٰ کی بہن) کو بھیجا کہ جاؤ اور بھائی کی کوئی خیر خبر لے آؤ!

دوسری طرف حکومت کی طرف سے شہر بھر میں منادی کروادی گئی کہ ملکہ کے بچے کے لیے دائیہ ضرورت ہے، چنانچہ شہر بھر سے کئی دائیاں لائی گئیں، لیکن بچہ کسی کا دودھ پینے کو تیار نہیں تھا، اتنے میں موسیٰ علیہ السلام کی بہن وہاں پہنچی۔

ممتا کی آغوش میں واپسی

اس نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً کہا: "هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ" ٹھہرو ٹھہرو! میں تمہیں ایک گھرانہ بتاتی ہوں، امید ہے کہ بچہ دودھ بھی پی لے گا اور وہ محبت سے اس کی پرورش بھی کریں گے۔ اس نے اپنی والدہ کا نام پیش کیا، آپ کی والدہ کو بلوایا گیا، انہوں نے جب بچے کو اپنے سینے سے لگایا تو بچہ فوراً دودھ پینے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرمایا کہ میں تو گھربار والی عورت ہوں، میں بادشاہ کے محل میں نہیں رہ سکتی، اگر بچہ میرے حوالے کردو تو میں اس کو اپنے گھر لے جاؤں گی اور دودھ پلاتی رہوں گی، جب یہ بڑا ہو جائے گا تو واپس کردوں گی۔

اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہمارا انعام تھا "فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ " ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس واپس بھیج دیا، تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، وہ غمگین نہ ہو۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝

قبطی اور اِسرائیلی کی لڑائی

پھر ایک اور واقعہ ذکر کیا: "ہوا کچھ یوں کہ فرعون کی برادری کا ایک بندہ اور ایک بنی اسرائیل کا بندہ آپس میں لڑ رہے تھے، اس بنی اسرائیلی نے آپ سے اس فرعونی کی شکایت کی کہ یہ مجھے تنگ کرتا ہے مجھے مارتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو ایک مُکّا مار دیا، مُکّا لگتے ہی وہ بندہ مر گیا، عام طور پر مُکّے سے کون مرتا ہے، بس اس کی یہی لکھی ہوئی تھی، سو وہ مر گیا۔ اگر چہ یہ بالکل غیر ارادی عمل تھا تاہم قتلِ خطا ہو گیا تھا، اس لیے حضرت موسیٰؑ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

اگلے دِن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی (جس کی کل حضرت موسیٰؑ نے مدد کی تھی) کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا، اس نے پھر آپؑ کو مدد کے لیے پکارا تو آپؑ نے اُسے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو خود جھگڑالو بندہ ہے۔ کل اُس سے لڑ رہا تھا آج پھر اِس سے لڑ رہا ہے، تاہم پھر بھی حضرت موسیٰ اس لڑائی کو ختم کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن اُس اسرائیلی نے حضرت موسیٰؑ کے اس کلام اور انداز سے یہ سمجھا کہ شاید آج میری خیر نہیں! اسی وجہ سے اس نے کل والا راز فاش کر دیا اور کہنے لگا "کل ایک بندے کو قتل کیا اور آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟" حضرت موسیٰ کے ڈر سے وہ بھاگا اور جا کر مخبری کر دی کہ کل جو لاش ملی تھی، اس کا قاتل کوئی اور نہیں موسیٰ ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے مدیَن کی طرف روانگی

فرعون نے فیصلہ کیا کہ موسیٰ کو پکڑ کر قصاصاً قتل کروا دیا جائے، فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ کا خیر خواہ ایک شخص تھا، اس نے فوراً آپؑ کو اس فیصلے کی اطلاع اِن الفاظ میں کی: "اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ " (القصص: ۲۰) قوم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس لیے آپ یہاں سے نکل جائیں۔ چنانچہ آپؑ وہاں سے نکلے اور "مدین" تشریف لے گئے۔

"مدین" میں شادی اور گھرانہ نصیب ہوا۔ کچھ سال مدیَن میں رہے، پھر آپ واپس آئے تو اللہ پاک نے نبوّت عطا فرما دی اور فرعون کے پاس دعوت کے لیے بھیجا۔ آپ وہاں گئے، فرعون سے مکالمہ اور بات چیت ہوئی جس کا اس رکوع میں ذکر ہے۔ یہ قصہ یہاں ختم ہوا۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کرتے کرتے درمیان میں عقیدۂ توحید کا بیان ہے کہ ہم نے تمہیں اِسی زمین سے پیدا کیا اور ہم تمہیں اِسی زمین میں لوٹائیں گے۔ پھر ہم تمہیں دوبارہ اسی زمین سے اٹھائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس مٹی سے آدمی کا خمیر لیا جاتا ہے وہیں اس کی قبر بنتی ہے اور وہیں سے وہ اٹھایا جائے گا۔

زمین سے پیدا کیے جانے کا مطلب

حضراتِ مفسرین نے انسان کو ''مٹی'' سے پیدا کرنے کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

پہلا مطلب: تمام انسانوں کے والد ''حضرت آدمؑ'' کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی، تو اصل کی تخلیق چونکہ نسل کی تخلیق ہے، اس لیے یوں فرمادیا گیا کہ تمہاری ''اصل'' تخلیق مٹی ہی سے ہے۔

دوسرا مطلب: عام انسانوں کی تخلیق میں اگرچہ اس کے والدین کے نطفے کا دخل ہوتا ہے تاہم نطفے کی بنیاد غذا اور خوراک ہے اور انسانی غذا (اناج، پھل وغیرہ) مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے گویا ''انسان'' مٹی سے ہی پیدا ہوا۔

قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۝

جادو اور معجزہ آمنے سامنے

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ایک بار پھر شروع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا جو مقابلہ ہوا تھا اس کو ذکر کیا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، کہ فرعون نے جادوگر بلوائے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کا چاشت کے وقت مقابلہ ہوا۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝

جادوگر مسلمان ہوگئے

جب مقابل ہوا تو جادوگر سمجھ گئے کہ موسیٰ درحقیقت جادوگر نہیں ہے۔ اس کے کارنامے کا کسی دنیوی فن سے تعلق ہی نہیں ہے۔ ان کی فطرت سلیم تھی، پیغمبرِ خدا کی تھوڑی دیر کی صحبت اور ایک معجزہ کا مشاہدہ کر کے حق تک پہنچ گئے، فوراً سجدہ میں گر گئے اور حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۝ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا

جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا
لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ
جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

فرعون کی بوکھلاہٹ

فرعون کی فطرت چونکہ مسخ ہو چکی تھی، اس لیے وہ یہ عظیم الشان معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا بلکہ یہ سب دیکھ کر اُلٹا بگڑ گیا، کہنے لگا کہ لگتا ہے تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو۔ موسیٰؑ تمہارا ہی سردار اور تم سب اس کے شاگرد ہو۔ میں تم سب جادوگروں کو قتل کر دوں گا، جادوگروں کو اللہ نے استقامت عطا فرمائی اور وہ ڈٹ گئے۔ کہنے لگے "تجھ سے جو ہو سکتا ہے، کر لے" ہم ایمان سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں تو اپنے رب پر مکمل بھروسہ ہے کہ تیری اذیتوں کے بدلے میں ہمیں جنّت نصیب فرمائے گا۔ ہم اللہ کے حضور "مجرم" نہیں بلکہ "مومن" بن کر ہی جانا چاہتے ہیں۔

بہرکیف! ان حضرات نے اذیت ناک شہادت تو قبول کر لی لیکن دین سے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ رضی اللہ عنہم وأرضاهم۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۥ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا
تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝

بنی اسرائیل کی ہجرت

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ راتوں رات اپنی قوم کو لے چلے "فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى" دریا میں خشک راستے بنائے، اور پکڑے جانے کا خوف نہ کرے، ڈر نہ کریں۔

فرعون کی ہلاکت

"فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ" اب فرعون بھی ان کے پیچھے چل پڑا، اور اس نے بھی ان بارہ راستوں پر لشکر دوڑا دیا لیکن اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو (بحرِ قلزم میں) غرق کر دیا۔ یہ واقعہ متعدد بار بیان ہو چکا ہے۔ "وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى۔"

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ
غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝

بنی اسرائیل پر خدائی اِنعامات

ان آیات میں اللہ پاک نے بنی اسرائیل پر اپنے اہم انعامات کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں فرعون سے نجات دی۔ ہم نے تمہارے راہ نما، حضرت موسیٰ کو نبوّت اور تورات سے نوازا اور تمہیں طرح طرح کے آسمانی کھانے عطا کیے۔ ان احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کے مطیع بن کر رہو، سرکشی اور نافرمانی مت کرو، ورنہ میرا غضب نازل ہوگا۔

عظیم بشارت

''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی'' فرمایا کہ جو شخص توبہ کر کے ایمان لے آئے اور اعمالِ صالحہ کرے اور پھر اسی پر دوام اختیار کرے تو میں اُسے بخش دیتا ہوں۔

فَرَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ۝

قوم کی گاؤ پرستی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال

حضرت موسیٰ تورات لینے گئے تو پیچھے سے قوم نے گاؤ پرستی شروع کر دی، بچھڑے کی پوجا پاٹ شروع کر دی، سامری (جس کا اصل نام ''موسیٰ بن ظفر'' تھا) نے قوم کو گمراہ کر کے شرک پر لگا دیا تھا۔ یہ واقعہ تفصیل سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس لوٹے تو اپنی قوم پر بہت ناراض ہوئے۔ کہا: ''یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا'' کیا تم سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں تمہیں کتابِ ہدایت عطا کروں گا؟ ''اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ'' یا اللہ کے اس وعدے کو اتنی دیر ہو گئی تھی کہ تم نے مایوس ہو کر اپنی طرف سے عبادت کا طریقہ مقرر کر لیا! تم نے کیوں اپنے اوپر اللہ کے غضب کو دعوت دی اور مجھ سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کی؟ معلوم ہوا کہ رسول کے احکامات کی خلاف ورزی، فتنہ میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ۝

بُت پرستی کا لغو عذر

قوم نے بت پرستی کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ سب ''سامری'' کی شرارت تھی، ہم اُسی کی باتوں میں آ گئے تھے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ سامری نے انہیں اس پر مجبور نہیں کیا تھا۔ خود ہی سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے تو اس فتنے سے بچ سکتے تھے۔ ان کا یہ عذر بے بنیاد اور لغو ہی تھا۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ
وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝

اِجتہادی طور پر رائے میں اختلاف ہو جانا مذموم نہیں

حضرت موسیٰ نے اس موقع پر اپنے بھائی ہارونؑ سے بھی ناراضگی کا اظہار کیا کہ آپ نے بت پرستی میں مبتلا اس جماعت کو سمجھایا کیوں نہیں؟ بت پرستی سے کیوں نہیں روکا؟ آپ ایسی جماعت سے جہاد کرتے ورنہ کم سے کم انہیں چھوڑ کر میرے پاس طور پر آجاتے!

حضرت ہارون علیہ السلام کا معقول جواب

حضرت ہارونؑ نے اپنا عذر بیان کیا کہ میں نے حتّی الامکان انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مقابلہ اس لیے نہیں کیا کہ یہ لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور بت پرستی سے متنفر ساتھی ان کی نسبت تھوڑے تھے۔ نیز انہیں چھوڑ کر اس لیے نہ آسکا کہ کہیں قوم میں تفرقہ بازی نہ ہو جائے اور خدانخواستہ میں اس انتشار کا باعث بن جاؤں جس سے آپ کو مزید پریشانی ہو، اس لیے آپ کی واپسی تک انتظار اور ڈھیل کو مناسب سمجھا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا
وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝

”سامری“ سے پوچھ گچھ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ یہ کیا تو نے حرکت کی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی تھی جسے قوم نہ دیکھ سکی، میں نے جبرائیل کی سواری کے نشانِ قدم کی مٹّی اٹھالی تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام چونکہ روح الامین ہیں، اس لیے مجھے لگا کہ ان کے نقشِ قدم کی مٹّی جس چیز میں بھی ڈالی جائے گی، اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ (شیطان نے یہ بات اسے سکھائی تھی یا اُس نے خود اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ دونوں روایات ہیں۔ معارف:۶/ ۱۴۴) اسی وجہ سے میں نے وہ مٹّی، سونے چاندی سے بنے ہوئے بچھڑے میں ڈال دی۔ میرے دل کو ایسا ہی اچھا لگا تو میں نے کر دیا۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰـهِكَ الَّذِيْ
ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝

سامری کے لیے بددُعا

اس موقع پر حضرت موسیٰؑ نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور جلا کر اس کی راکھ خاک میں ملا دی، اور سامری (جو اس فتنے

کا ماسٹر مائنڈ تھا) کے لیے آپ نے عذاب کا اعلان کیا، فرمایا کہ "فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ" (طٰہٰ:۹۷) دفع ہو جا تیرے لیے یہی عذاب ہے کہ تو ساری زندگی لوگوں کو یہی کہتا پھرے گا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ جو اسے ہاتھ لگاتا تھا، وہ بیمار ہو جاتا تھا، وبائی بیماری میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ یہ حضرت موسیٰؑ کا تفصیلی واقعہ ہوا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۝

قیامت کی ہولناکیوں کا مختصر تذکرہ

ان آیات سے قیامت کا کچھ تذکرہ شروع کیا گیا ہے، فرمایا کہ: "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا" یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا ہوگا؟ بتادو کہ تیرا ربّ اِن سب کو اُڑا دے گا۔ "فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا" اِن کو چٹیل میدان بنا دے گا اور زمین بالکل سیدھی ہو جائے گی "لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا" اس طرح قیامت قائم ہوگی۔ خدائی مرضی کے بغیر کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ گندے لوگ پریشان ہوں گے جب کہ نیک صالح مؤمنین ایسی ہولناکی میں بھی مطمئن ہوں گے۔

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت

آیت کے اس حصہ میں اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نصیحت فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا آپ اسے یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی ہونٹ ہلایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھول جائے۔ اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ آپ قرآن لینے میں جلدی نہ کیا کریں، اسے یاد کرانا ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ بس یہ دُعا کرتے رہا کریں کہ "رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا" یہ دُعا ہر لحاظ سے جامع ہے اور اس کی تعلیم ہمارے لیے بھی ہے۔

علم میں اضافہ مطلوب ہے

معلوم ہوا کہ علم ایسی چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کائنات کی سب سے زیادہ علم والی ہستی کو تلقین کی جا رہی ہے کہ اپنے رب سے علم میں اضافے کی دُعا مانگو۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعے میں اُمّت کے لیے سبق

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ ذکر کیا، یہ واقعہ بھی کئی بار گزر چکا ہے، اس قصے کو ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ۔ شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے۔ اس نے تمہارے ماں باپ (یعنی آدم وحوّا) سے بھی دشمنی نکالی تھی۔ اس لیے اپنے آپ کو شیطانی چالوں اور وسوسوں سے بچا کے رکھو۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

ذِکراللہ سے اِعراض کی سزا

اس رکوع کے آخر میں اللہ نے اپنے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا بیان کی: ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' جس نے میرے ذِکر سے اِعراض کیا ہم اس کی گزران اور معاشی حالت تنگ کردیں گے۔ ''وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى'' اور قیامت کے دِن اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔

اِعراض کا مطلب

اس بارے میں حضراتِ مفسرین کرامؒ کی آراء مختلف ہیں:

۱۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص قرآنی احکامات پر عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑے گا، اس کا انجام یہ ہوگا۔

۲۔ بعض نے اس کو اپنے عموم پر رکھا ہے، کہ جو بھی خدا کے ذکر سے اعراض کرے گا، اس کی گزران تنگ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اَعلم بالصواب!

معیشت تنگ ہونے کا مطلب

حضراتِ مفسرینؒ کے نزدیک اس کے دو مطلب ہیں:

۱۔ ایسے لوگوں سے قناعت کا وصف چھین لیا جائے گا اور یہ لوگ مال دار ہونے کے باوجود ہر وقت دنیا کی حرص میں مبتلا رہیں گے۔ ان لوگوں کو قلبی سکون نصیب نہیں ہوگا۔

۲۔ دُنیا میں اگرچہ یہ لوگ مالدار ہوں گے لیکن قبر اور برزخ میں ان کی زندگی، تنگ کردی جائے گی اور یہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (معارف القرآن جلد ۶، صفحہ ۱۹۰)

"قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا" وہ پوچھے گا کہ اے رَبّ! تُو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا، میں تو بینا تھا، تو اللہ کہیں گے کہ "قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی" (١٢٦) جس طرح ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں لیکن تُو نے اُنھیں بھلا دیا تھا، آج ہم بھی تجھ کو بھلا دیں گے۔

"وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ۝" اللہ فرماتے ہیں کہ یہی سزا ہے اس شخص کی جو حد سے تجاوز کرے، اور ہماری آیات پر ایمان نہ لائے، اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا ؕ لَا نَسْــَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ۝

جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانچ اَحکامات

ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ احکامات سے سرفراز فرمایا گیا ہے، ان میں اطمینانِ قلب کا سامان بھی ہے اور ساتھ میں تبلیغ کے لیے تشجیع اور ہمت افزائی بھی ہے کہ لوگوں کی باتوں کی پروا مت کیجیے۔

پہلا حکم: ملنے والے مصائب پر صبر

"فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ" لوگوں کی باتوں پر صبر کیجیے، مبلغ پر طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، فقرے کسے جاتے ہیں، ان باتوں کی طرف ہرگز توجہ مت دیجیے، صبر سے کام لیجیے۔

دوسرا حکم: پنج گانہ نمازوں کی پابندی

"وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ" اس آیت میں "سبح" سے مراد "صلِّ" ہے یعنی پانچ اوقات میں نماز ادا کیجیے۔ اوقات بھی خود اللہ پاک نے بیان فرما دیے ہیں۔

تیسرا حکم: دُنیوی مال ومتاع قابلِ توجہ ہی نہیں ہے

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖ" آپ ان دُشمنانِ خدا کی دُنیوی عیش وعشرت اور زیب وزینت کی طرف ہرگز توجہ مت دیجیے، یہ سب آزمائش اور عارضی رونق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ رزق ہی آپ کے لیے بہت بہتر ہے۔

چوتھا حکم: گھر والوں کو نماز کی تلقین

"وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ" اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کرتے رہا کرو۔

پانچواں حکم: نماز پر ثابت قدمی

"وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" خود بھی نماز پر ڈٹے رہو۔ آخری دم تک نماز پڑھتے رہو۔ "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" مرتے دم تک عبادت میں لگے رہو۔ خود بھی نماز پہ جمے رہو، ایسا نہ ہو کہ خود تو نماز کے عادی ہو لیکن نہ بیوی نماز پڑھ رہی ہے، نہ بچے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کو بھی نماز کا عادی بناؤ، ان کو بھی نماز کی تلقین کرتے رہو، نماز کا کہتے رہو۔

جو شخص اللہ کے کاموں میں لگ جائے، اس کے لیے رزق کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے

"لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا" ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے، یعنی ہم آپ کو یہ نہیں کہتے کہ میرے حبیب آپ اپنے اہل وعیال کے لیے رزق کمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش کیا تھا؟

نبوت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، تجارت بھی آپ نے نبوت سے پہلے فرمائی۔ نبوت کے بعد آپ کی ایک ہی ذمہ داری تھی اور وہ تھی "دین کی تبلیغ"، آپ کی کفالت اللہ کی طرف سے ہوتی تھی، حضور علیہ السلام کا گزر بسر حضرات صحابہ کرامؓ کے ہدایا پر تھا، بعد میں آپ کا گزر بسر مالِ فئی اور مالِ غنیمت کے حصوں پر ہوتا تھا۔ جس کی تفصیل "سورۂ انفال" میں آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ کوئی پیشہ اختیار کریں، بلکہ "نَحْنُ نَرْزُقُكَ" آپ کا رزق ہمارے ذمہ ہے۔ "وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ" اچھا انجام تو تقویٰ والوں کے لیے ہے۔ یہ اس پارے کے اہم مضامین ہوئے۔

سورت کا اِجمالی درس

حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم سے راہ نمائی حاصل کر کے اسبابِ سعادت اختیار کریں اور شقاوت سے بچیں۔

قرآنِ کریم اور رسول کی اطاعت، سعادت مندی کی علامات ہیں۔ توحید ورسالت کی سعادت کو ڈنکے کی چوٹ پر بیان کریں۔ خود بھی سعادت پر قائم رہیں اور اپنی نسلوں کو بھی اسی پر قائم رکھیں۔

جو لوگ، اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت نہیں کرتے، وہ شقی اور بدبخت ہیں۔ ایسے شقیوں سے خود بھی بچیں اور اپنی نسلوں کو بھی ان کی پیروی سے بچا کے رکھنا دینی فریضہ ہے۔ کامیابی کا مدار، ایمان پر قائم رہنا ہے، دُنیوی مال ودولت کامیابی کی دلیل نہیں۔ اس لیے ایمان پر جمے رہیں۔ مالدار اشقیاء سے متأثر ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔

تمت سورة طه بفضل الله سبحانه وتعالى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ موجودہ ترتیب کے مطابق اس سورت کا اکیسواں (۲۱) نمبر ہے، جب کہ نزول کے لحاظ سے یہ اکہترویں (۷۱) نمبر پر ہے، سات رکوع اور ایک سو بارہ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت میں چونکہ کثرت سے انبیائے کرام کا تذکرہ ہے، اس لیے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

قرآن پاک کی ہر سورت کا پچھلی سورت سے اور ہر رکوع کا پچھلے رکوع سے ربط اور جوڑ ہوتا ہے۔ سورۂ انبیاء سے پہلے سورۂ طٰہٰ ہے، اور دونوں میں کئی اعتبار سے ربط اور جوڑ ہے، جن میں سے اہم یہ ہے کہ سورۂ طٰہٰ میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ''میں معبود برحق اور وحدہ لاشریک ہوں''، جب کہ اس سورت میں اللہ نے بیان فرمایا: ''وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه...الخ'' کہ صرف موسیٰ کی بات نہیں، ہم نے ہر نبی کو یہی وحی کی کہ ''میں ہی معبودِ برحق ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' لہٰذا ہر نبی کا یہی پیغام رہا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔

مرکزی موضوع

اس سورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمیت تمام انبیاء کا اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ''رحمت'' ہونا بتایا گیا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں چند مضامین بطورِ خاص بیان فرمائے گئے ہیں:

۱- ایک یہ ہے کہ قیامت قریب آچکی ہے، لیکن لوگ قیامت اور اس کی تیاری سے غافل ہیں۔

۲-اس سورت میں اللہ پاک نے کفّار اور نہ ماننے والوں کو تنبیہ کی ہے کہ تم ذرا پیچھے مڑ کر اپنے سے پہلے والے اُن لوگوں کو دیکھو، جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور ہمارے احکامات کو نہیں مانا! دیکھو کہ ہم نے انہیں کیسے تباہ و برباد کر دیا، کہیں تم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چل کر ہلاکت میں نہ پڑ جانا۔

۳-اس سورت میں گزشتہ چند اُمتوں کے احوال بیان فرمائے گئے ہیں۔

۴-قیامت کے احوال اللہ نے اس سورت میں بیان کیے ہیں۔

۵-اللہ پاک نے اپنی قدرت کے کچھ نمونے پیش کر کے لوگوں کو اپنا قادرِ مطلق اور واحد ہونا سمجھایا ہے۔

اہمیت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سورت کہف، مریم، طٰہٰ اور سورت الانبیاء نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں اور میری قدیم دولت ہیں، جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ معارف القرآن)

پارہ نمبر ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

قیامت قریب آچکی

لوگوں کے حساب و کتاب کا وقت قریب آچکا ہے، لیکن وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اعراض کر رہے ہیں۔ اسے اگنور کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے اعراض کرنے سے قیامت ٹلے گی نہیں، حساب و کتاب ٹلے گا نہیں۔ آگے اللہ پاک ذکر فرمائیں گے کہ قیامت میں لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے، ایک ایک نیکی اور ایک ایک بدی تولی جائے گی، اعمال کی کیفیت اور مقدار پر ہی جنّت اور جہنّم کا فیصلہ ہوگا، تو فرمایا کہ قیامت کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔

عالمِ برزخ بھی اِک قیامت ہے

چھوٹی قیامت تو مرتے ہی قائم ہو جاتی ہے، چھوٹے چھوٹے سوال تو قبر میں ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ میدانِ کارزار بھی زیادہ دور نہیں ہے، یعنی اگر اس کی ہولناکی کو دیکھا جائے، تو قیامت کے آنے میں بہت زیادہ وقت نہیں رہا۔

مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③

کفّار کی غفلت

اللہ پاک فرماتے ہیں: "مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ" ان کے پاس جب بھی

ان کے رَبّ کی طرف سے کوئی نئی نصیحت (قرآن یا حدیث کی شکل میں) آتی ہے، یہ اس کا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ اس کو کھیل بنا لیتے ہیں۔ "وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا" آپس میں یہ ایک دوسرے کو چھپ چھپ کر کہتے ہیں: "هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہ یہ جو اپنے آپ کو نبی اور رسول کہتا ہے یہ تو ہم جیسا ہی انسان اور عام بندہ ہے، کوئی فرشتہ تو ہے نہیں کہ ہم اس کی بات مان لیں۔ نبی تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا۔ "أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ" قرآنِ کریم کی حلاوت اور تاثیر کا تو کافر لوگ انکار نہیں کر سکتے تھے، بس اس سے توجہ ہٹانے کی یہی صورت نکالی کہ اسے سحر اور جادو کہہ دیں اور لوگوں سے کہتے پھریں کہ جب یہ جادو ہے تو ایسا کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

تمہاری سب حرکات ہمارے علم میں ہیں

اللہ پاک نے فرمایا: "يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" کہ تم جو چھپ چھپ کر باتیں کرتے ہو، اللہ سب جانتا ہے، تمہاری چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے، وہ سب سنتا ہے۔

مشرکین کی ذہنی پستی

"بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ" دراصل قرآن کے بلیغ انداز کو سن کر مشرکینِ مکہ حواس باختہ ہو چکے تھے، کسی ایک بات پر ٹھہرتے ہی نہیں تھے، کبھی کہتے کہ یہ قرآن جادو ہے، اور کبھی کہتے کہ یہ ملی جلی باتیں ہیں، "أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ" ہیں، خواب کی باتیں ہیں، کبھی کہتے کہ یہ تو حضور نے خود گھڑ لی ہیں، اور کبھی کہتے کہ یہ تو شعر و شاعری کی باتیں ہیں، شاعرانہ تخیل ہے، سجع بندی کی گئی ہے، پھر کہتے تھے کہ کوئی نشانی لے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

تکذیب کا انجام

"مَا آمَنَتْ قَبْلَهُم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ" فرمایا کہ پچھلی اُمتوں نے بھی اپنے نبیوں کو جھٹلایا، وہ ہلاک ہوئے، اب یہ لوگ فیصلہ خود کر لیں کہ نبی کی تکذیب کر کے ہلاک ہونا چاہتے ہیں یا ایمان لانا چاہتے ہیں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

کیا انبیائے کرام علیہم السلام ''بشر'' نہیں ہوتے؟

مشرکینِ مکہ کا یہ کہنا کہ یہ (محمد ﷺ) ہماری طرح انسان ہی ہے۔ نبی تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا! تو اللہ نے فرمایا: ''وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ'' کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے سب انسان ہی تھے اور مرد تھے، اگر تمہیں نہیں پتہ اور جاننا چاہتے ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔ ''وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَمَا كَانُوا۟ خَٰلِدِينَ'' اور ہم نے جتنے نبی بھیجے وہ کوئی ایسے اجساد نہیں تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جو ہمیشہ رہنے والا ہو، سارے انبیاء پر موت آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کی اس سوچ کی بھرپور تردید فرمائی۔

وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَآءَ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَٰعِبِينَ ﴿۱۶﴾ لَوْ أَرَدْنَآ أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّٱتَّخَذْنَٰهُ مِن لَّدُنَّآ إِن كُنَّا فَٰعِلِينَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِٱلْحَقِّ عَلَى ٱلْبَٰطِلِ فَيَدْمَغُهُۥ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ ٱلْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

زمین وآسمان کی تخلیق عبث اور بے کار نہیں

فرمایا: ''وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَآءَ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَٰعِبِينَ'' ہم نے آسمان اور زمین کو فضول پیدا نہیں کیا، یہ زمین کا اتنا بڑا نظام، آسمان کا اتنا بڑا نظام، ان کے درمیان کی مخلوق، یہ کوئی کھیل نہیں ہے، جس طرح زمین وآسمان اور اس کی تمام مخلوقات کی تخلیق عینِ حکمت اور مصالح پر مبنی ہے، اسی طرح جن بستیوں کو ہلاک کیا گیا، ان کی تباہی بھی حکمت پر مبنی تھی۔ یہ دنیا دار العمل ہے، کل کو تمہارا حساب ہونا ہے، اسی آزمائش اور امتحان کے لیے ہم نے یہ کائنات بنائی ہے، اس کو کھیل تماشا نہ سمجھو، اور جو ذات اتنا بڑا نظام چلاتی ہو وہ اس لائق ہے کہ اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

اتنے عظیم کام، کھیل تماشے کے لیے نہیں ہوتے!

فرمایا: ''لَوْ أَرَدْنَآ أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّٱتَّخَذْنَٰهُ مِن لَّدُنَّآ إِن كُنَّا فَٰعِلِينَ'' کہ اگر ہم نے اس دُنیا و مافیہا کو کھیل تماشا کے طور پر ہی بنانا ہوتا تو ہمیں اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی! اس مشغلے کے لیے ہم کچھ اور بھی کر سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ عظیم کاریگری محض تماشا نہیں، بلکہ توحیدِ باری کی طرف دعوتِ فکر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''بَلْ نَقْذِفُ بِٱلْحَقِّ عَلَى ٱلْبَٰطِلِ فَيَدْمَغُهُۥ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ ٱلْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ'' یہ دُنیا میدانِ کارزار ہے، یہاں حق و باطل کی جنگ ہے، اور ہم حق کو (یعنی توحید کو جو اِن عظیم مصنوعات سے نمایاں ہوتی ہے) باطل کی کھوپڑی میں مارتے ہیں جس سے باطل چلا جاتا ہے (شرک کی بالکل گنجائش ہی نہیں رہتی) جھوٹ چلا جاتا ہے، کفر، حق کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا، شکست کھا جاتا ہے۔ لیکن تم ان دلائل کے باوجود شرک اور جھوٹ پر ڈٹے ہوئے ہو، اس لیے تمہارے لیے ہلاکت اور بڑی خرابی ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝

اللہ پاک ہی سب جہانوں کا اکیلا مالک اور معبود ہے

فرمایا کہ اس کی توحید اور اس کی عظمت کا اس بات سے اندازہ لگا لو کہ وہ آسمان اور زمین اور اس ساری کائنات کا اکیلا مالک ہے، اور اللہ کے فرشتے بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت میں سستی نہیں کرتے، فرشتے دِن رات اللہ کی تسبیح کرتے کرتے تھکتے نہیں ہیں، جو ذات اِن صفات کی حامل ہو، حقیقت میں وہی اِلٰہ ہوا کرتی ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝

اللہ کی وحدانیت پر عقلی دلیل

توحید باری پر اللہ پاک نے ایک بہترین اور عقلی دلیل دی، جو دلوں کو اپیل کرتی ہے، فرمایا: ''لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا'' کہ اگر معبود ایک نہ ہوتا، بلکہ ایک سے زائد ہوتے، جیسے اِن مشرکین کا نظریہ ہے، بعض مشرک کہتے ہیں کہ معبود تین ہیں، بعض کہتے ہیں دس ہیں، بعض کہتے ہیں سو (۱۰۰) ہیں، مشرکین مکہ تو ۳۶۰ معبودوں کو مانتے تھے، ہندوستان کے بت پرست ہندو، کروڑوں معبودوں کو پوجتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ کوئی عقل کی بات کرو، اگر ایک سے زائد خدا ہوتے، تو پھر یہ دنیا قائم نہ رہ سکتی، یہ دنیا تباہ و برباد ہو جاتی، اس لیے کہ فرض کریں اگر صرف دو ہی خدا ہوں، تو اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے عقلی طور پر تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱- یہ بتائیں کہ اس دنیا کا جو نظام ہے، وہ دونوں مل کر، ایک دوسرے کے مشورے سے چلاتے ہیں یا دونوں میں سے ہر ایک الگ الگ چلاتا ہے؟ اگر دونوں ایک دوسرے کے مشورے سے چلاتے ہیں تو معنی یہ ہوا کہ دونوں کمزور ہیں، دونوں بے اختیار ہیں، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے مشورے کے پابند ہو گئے! معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی خود مختار نہیں، بلکہ دونوں ناقص اور محتاج ہیں، حالانکہ خدا تو کسی کا محتاج ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مشورے سے چلانے والی بات تو خدائی اختیار کے خلاف ہے۔

۲- اور اگر ان میں سے ایک خدا اس سارے نظام کو چلا رہا ہے، اپنی مرضی کے فیصلے کرتا ہے، دوسرے کے احکامات چلنے نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا مغلوب اور بے بس ہو گیا۔ حالانکہ بے بس اور مجبور، خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے ایک سے زائد خداؤں کی بات لغو ہوئی۔

۳- اور اگر دونوں خدا برابر کی طاقت اور پاور رکھتے ہوں اور دونوں مستقل طور پر کائنات کا نظام چلا رہے ہوں تو کائنات کی کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی، اس لیے کہ ان دونوں میں اختلاف رائے تو ضرور ہوگا، کیونکہ ہر ذی شعور میں اختلاف

رائے ہوتا ہے، باپ بیٹے میں، میاں بیوی میں، استاد شاگرد میں اختلاف رائے ہوتا ہے، تو جب مخلوقات میں اختلاف رائے ہوتا ہے تو خالق میں تو بطریق اولی ہوگا، تو جب خالق میں اختلاف رائے ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک خدا کی منشا ہوگی کہ زمین پر بارش برسنی چاہیے، جب کہ دوسرے خدا کی منشا ہوگی کہ زمین پر شدید دھوپ ہونی چاہیے، تو اب ایک کا حکم ہوگا بارش کا اور دوسرے کا حکم ہوگا دھوپ کا۔ ایک چاہے گا کہ اس وقت رات ہو جب کہ دوسرا اپنی مختاری برقرار رکھنے کے لیے اس وقت دن کا آرڈر کرے گا، تو دنیوی نظام ہی فاسد ہو جائے گا، کوئی چیز معرضِ وجود میں ہی نہیں آسکے گی (اگر دونوں باہمی مشورے اور اتفاق سے کام کرنا چاہیں تو اس کی خرابی ہم شق نمبر ایک میں بیان کر چکے) ایک ملک میں دو وزیر اعظم نہیں رہ سکتے، ایک گھر میں دو سربراہ نہیں رہ سکتے، ورنہ گھر اور ملک کا نظام نہیں چل سکتا، اداروں کا سربراہ ایک ہی ہوتا ہے، قوتِ حاکمہ اور فیصلے کا اختیار ایک کے پاس ہوتا ہے، تو دنیا کا نظام چلانے کے لیے ایک سے زیادہ خدا کیسے ہو گئے! ایک سے زیادہ مشکل کشا کیسے ہو گئے! ایک سے زیادہ حاجت روا کیسے ہو گئے! ایک سے زیادہ بگڑی بنانے والے کیسے ہو گئے! ایک سے زیادہ پکاریں سننے والے کیسے ہو گئے! اسی لیے فرمایا کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو کائنات فاسد ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ ہر قسمی شریک سے پاک ہے

"فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" اے اللہ! تو پاک ہے ان تمام الزامات سے جو یہ مخلوق تجھ پر لگا رہی ہے کہ تیرے شریک ہیں۔

ساری مخلوق اللہ کو جواب دہ ہے

"لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ" وہ جو کچھ کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا اور مخلوق جو کچھ کرے وہ ان سے پوچھتا ہے۔ جب عظمت وقوت میں اس کا کوئی ثانی نہیں تو معبودیت میں اس کا کوئی شریک کیسے ہو سکتا ہے!

سارے انبیاء توحید کی دعوت دیتے آئے ہیں

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ" کہ ہم نے آپ سے پہلے آنے والے ہر نبی پر یہ وحی بھیجی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو، یعنی اللہ کی عبادت کرو، اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ عقیدہ توحید تمام انبیاء کا اجماعی، مشترکہ، متفقہ، عقیدہ ہے، ہر نبی کو یہ عقیدہ ملا، ہر نبی پر یہ وحی آئی، ہر نبی کو رب نے یہ حکم دیا کہ میری مخلوق کو بتا دو، اپنی اُمتوں کو بتا دو کہ معبود میں اکیلا ہوں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

توحید کا بنیادی مقصد صرف اسی ایک کی عبادت ہے

معبود اسی لیے ہوتا ہے کہ صرف اس کو معبود جانو ہی نہیں، بلکہ معبود مانو بھی سہی، اس کی عبادت بھی کرو۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں، حالانکہ نماز ایک نہیں پڑھتے، روزہ ایک نہیں رکھتے، بس کہتے رہتے ہیں کہ ہم موحد ہیں۔

ارے بھائی! تیرے ایسے موحد ہونے کا کیا فائدہ؟ توحید کی غرض تو عبادت ہے، اللہ نے فرمایا: ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' کہ انسانوں اور جنات کو پیدا کرنے کی غرض ہی یہی ہے کہ وہ میری عبادت کریں، توحید کا مقصد عبادت ہے کہ میری اور صرف میری ہی عبادت کرو۔

توحید پر ایک اور دلیل

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ۝

اے کافرو! کیا تم آسمان اور زمین کی تاریخ میں غور نہیں کرتے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ آسمان پہلے بند تھا، زمین بند تھی، ہم نے اُن دونوں کو اپنی قدرت سے کھول دیا۔

آسمان وزمین کے بند ہونے کا مطلب

اس کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں۔ راجح یہ ہے کہ ان دونوں کے مسامات بند تھے۔ نہ آسمان سے کوئی بارش ہوتی تھی اور نہ زمین پر کوئی نباتات اُگتی تھیں۔ جب اللہ پاک نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو زمین وآسمان کو کھول دیا، ''فَفَتَقْنٰهُمَا'' ہم نے آسمان کے مسام کھول کر مینہ برسا دیا، ہم نے زمین کے مسام کھول کر پھل، پھول، سبزہ اور درخت اُگا دیے۔ (معارف القرآن: جلد ۶، صفحہ ۱۸۱)

ہر جاندار کی تخلیق اور بقاء میں ''پانی'' کا دخل ہے!

''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ'' ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کر دیا۔ ہر چیز کی حیات کا ذریعہ پانی ہے، مجھے اور آپ کو پانی نہ ملے تو ہم مر جائیں، درختوں کو پانی نہ ملے تو درخت خشک ہو جائیں، کھیتوں کو پانی نہ ملے تو کھیت سوکھ جائیں، جانوروں کو پانی نہ ملے تو جانور مر جائیں، تو ہر چیز کی حیات کا ذریعہ پانی ہے، یہ پانی آسمان سے آیا ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے۔

باطنی حیات کا مدار چشمۂ الٰہی ہے

قرآن، دیگر آسمانی صحف اور کتب بھی آسمان سے آئے ہیں جنہوں نے تمہارے دلوں کو زندہ کیا ہے۔ آسمان سے آنے میں یہ دونوں مشترک ہیں، اس لیے قرآن نے بھی ان دونوں کو بہت سی جگہوں پر اکٹھے ذکر کیا ہے، جس طرح آسمان سے آنے والا پانی بالکل صاف اور شفاف ہوتا ہے اس میں کوئی آلودگی نہیں ہوتی، اسی طرح آسمان سے آنے والا کلام بھی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالکل پاک وصاف ہے۔ نیز جس طرح آسمانی پانی سے ہر چیز کی ظاہری حیات وابستہ

ہے، اسی طرح آسمانی تعلیمات سے ہر چیز کی باطنی حیات متعلق ہے۔ اس کے بغیر باطن مُرجھا جاتے ہیں اور کفر وشرک کا چٹیل میدان بن جاتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝

سب تمہارے لیے......تم ہمارے لیے

فرمایا: "وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ" دیکھو زمین میں ہم نے پہاڑ رکھ دیے تا کہ یہ توازن میں رہے اور تمہیں لے کر دب نہ جائے۔ "وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ" ہم نے اس میں کشادہ راہیں، سڑکیں اور روڈ بنادیے، تا کہ تم راہ پاسکو، سفر کرسکو۔ "وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا" آسمان کو ہم نے محفوظ چھت بنادیا جو گرنے اور ٹوٹنے سے محفوظ ہے، اور جب تک اللہ کی منشا ہوگی، یہ قائم رہے گا۔ "وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ" لوگ پھر بھی ان نشانیوں میں غور نہیں کرتے۔ اپنے خالق کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے!

دِن، رات، سورج اور چاند سب کا خالق اللہ ہے

"وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ" اسی اللہ نے دِن اور رات، سورج اور چاند کو پیدا فرمایا، یہ سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں، لہٰذا سمجھو کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔

مشرکینِ مکہ کی بے ہودہ خواہش اور اس کے دو جوابات

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝

کافر کہتے تھے کہ یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک زندہ ہے تب تک رونق ہے، یہ جب چلا جائے گا تو یہ ساری رونق ختم ہوجائے گی، جو لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں یہ سب چلے جائیں گے، یہ جو نیا دین پھیل رہا ہے یہ بھی ختم ہوجائے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ اس خواہش سے تمہارا کیا مقصد ہے؟

۱۔ اگر مقصد یہ ہے کہ حضور پر موت آنا ان کی نبوّت کے منافی ہے تو جن انبیاء اور رسولوں کو تم بھی تسلیم کرتے ہو، کیا اُن پر موت نہیں آئی! موت تو کوئی عیب نہیں ہے، موت تو سب پر آنی ہے، "ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد" ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ نہیں رکھا، آپ بھی بشر ہیں لہٰذا آپ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، نبی آئے، چلے گئے، اللہ نے ایک جگہ فرمایا: "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سارے ہی چلے گئے، اور انہیں (حضرت عیسیٰؑ کو) بھی خلد نہیں ہے، وہ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، وہ زمین پر آئیں گے، اپنی ڈیوٹی پوری کریں گے، انہیں بھی موت آئے گی اور وہ حضور کے ساتھ روضہ اطہر میں دفن ہوں گے۔ لہٰذا انتقال کرجانا نبوّت اور پیغمبری کے منافی نہیں ہے۔

۲-اور اگر یہ مشرک سوچ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر انہیں خوشی منانے کا موقع ملے گا، جیسا کہ بعض گھٹیا لوگ، دوسروں کی موت پر خوش ہوتے ہیں تو یاد رکھو! ''افائن مت فهم الخالدون'' میرے حبیب! اگر آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے؟ ان سب نے بھی تو مرنا ہی ہے۔ پھر کسی کی موت پر خوش ہونے کا کیا مطلب! لہٰذا اے کافرو! اِن کی موت کی تمنا کرنے کے بجائے ان کی اتباع کرو، حیاتِ جاودانی نصیب ہوگی۔

موت برحق ہے

''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'' ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر زندہ جاندار نے موت کی خاص تکلیف محسوس کرنی ہے۔

ہر تکلیف وراحت میں انسان کا امتحان ہوتا ہے

''وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ'' تمہیں ہم دنیا میں شر یعنی تکلیف دے کر بھی آزماتے ہیں۔ خلافِ طبیعت امور بھی آزمائش ہوتے ہیں، جیسے کبھی بیمار ہوتے ہو، کبھی تنگدستی ہوتی ہے، کبھی مصائب آجاتے ہیں، کبھی پریشانیاں آجاتی ہیں، کبھی غم آجاتے ہیں، یہ سب ہماری طرف سے آزمائش ہوتی ہے۔

کبھی ہم خیر دے کر آزماتے ہیں، سب کام طبیعت کے موافق ہو رہے ہوتے ہیں، خوشحالی آجاتی ہے، دولت آجاتی ہے، جوانی ہوتی ہے، صحت ہوتی ہے، خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں، فرمایا کہ یہ سب خوشیاں اور تکالیف ہماری آزمائشیں ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون خلافِ طبع امور پر صابر اور موافقِ طبع امور پر شاکر رہتا ہے۔ تم سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

کُفّار کا تمسخر اور اس کا جواب

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝

یہ کافر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہ ہیں وہ صاحب جو تمہارے خداؤں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے! حالانکہ یہ لوگ خود، رحمٰن (اللہ پاک) کے ذکر پر انکار اور کفر کرتے ہیں۔ دراصل انہی کی اپنی حالت ہی قابلِ استہزاء ہے۔ یہ لوگ اُلٹا آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

دینی شعائر کا مذاق اُڑانا کفر ہے

اللہ نے حضور کو تسلی دی کہ میرے نبی آپ ان کے مذاق اڑانے پر غمگین نہ ہوا کریں ''وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ'' آپ سے پہلے بھی انبیاء کا مذاق اُڑایا گیا، ہر نبی کا ان کی اُمت نے مذاق اُڑایا، صرف نبیوں کا نہیں، نبیوں کے

جانشینوں کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے، دین داروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور یہ مذاق اڑانا کُفر کی علامات میں سے ہے، انبیاء اور دین کا مذاق اُڑانا کُفر ہے۔

لوگ اذان کا مذاق اڑاتے ہیں، موذن کا مذاق اڑاتے ہیں، مسجد کے نمازی کا مذاق اڑاتے ہیں، داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں، خواتین کے پردے کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ نئی بات نہیں ہے، تاریخ گواہ ہے کہ یہ باطل والے اور شیطان کو خوش کرنے والے اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اُڑاتے آئے ہیں، لیکن انجام کیا ہوا ایسے لوگوں کا؟ اللہ فرماتے ہیں: ''فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ'' ''مذاق اُڑانے والوں کو اللہ کا عذاب گھیر لیا کرتا ہے، لہٰذا اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو انبیاء کا مذاق نہ اڑاؤ۔

وحدانیت پر ایک اور اِستدلال

''قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ'' ''میرے نبی! ان سے پوچھئے کہ کون ہے جو دِن رات، رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کر رہا ہے! کوئی بھی نہیں ہے۔ دُنیا میں جو تم عذاب سے محفوظ ہو تو یہ بھی اللہ رحمان کی مہربانی ہے۔ ورنہ کسی ''لات ومنات'' اور پیر فقیر کی یہ جرأت نہیں ہے کہ اللہ پاک کے مقابل آسکے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ تم اس کے احسان مند ہوتے اور توحید کے قائل ہو جاتے۔ لیکن تم تو پھر بھی اللہ سے اعراض کرتے ہو۔

اعمال کا وزن برحق ہے

''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ'' ''دن قیامت کا ہوگا، اعمال کے ترازو قائم ہوں گے، جس میں تمہارے اعمال تلیں گے، ایک پلڑا اتنا بڑا ہوگا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس پلڑے میں سمو سکتے ہیں، اللہ کے عرش کے نیچے یہ ترازو اور میزان ہوں گے، اللہ نیکیاں بھی اس میں ڈالیں گے اور گناہ بھی اس میں ڈالیں گے، پھر اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا، اس دِن سب کو ایک ایک نیکی کی ضرورت ہوگی، ایک آدمی کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہوگی لیکن دنیا کا کوئی آدمی اس کو وہ نیکی دینے کو تیار نہیں ہوگا، کہتے ہیں کہ اللہ فرمائیں گے کہ جا! اور کسی سے ایک نیکی لے آ، وہ بھائی کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ ایک نیکی دے دو، وہ کہے گا کہ نہیں نہیں، مجھے خود ضرورت ہے، باپ سے پوچھے گا، ماں سے کہے گا، حتیٰ کہ بیوی سے پوچھے گا، لیکن کوئی اسے ایک نیکی دینے کو تیار نہیں ہوگا، ''يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ'' ''(عبس) آدمی اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں سے بھی بھاگے گا، ہر آدمی کو اپنی پڑی ہوئی ہوگی۔ تو فرمایا کہ اعمال کے یہ ترازو لگیں گے، ''فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا'' ''کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، ''وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ'' کہ اگر کسی کی رائی کے دانہ کے برابر کوئی نیکی ہوئی تو اللہ اس کو لائیں گے، اور اگر برائی

لائے گا تو اللہ اسے بھی ترازو میں ڈالیں گے، سارے چھوٹے بڑے اور اچھے بُرے اعمال کا وزن ہوگا۔ اور ہم (اللہ تعالیٰ) ہی حساب کے لیے کافی ہے۔ ایسا انصاف کا حساب ہوگا کہ پھر کسی حساب کتاب کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

سترہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی دعوت کا مختصر تذکرہ

اس کے بعد اب سترہ انبیاء کا تذکرہ فرما رہے ہیں، اس سورت کو ''سورۃ الانبیاء'' بھی اسی لیے جاتا ہے کہ اس میں کثرت سے انبیاء کا تذکرہ ہے، ہر نبی کی دعوت اللہ کی توحید کی تھی، ہر نبی کی دعوت اللہ کی اطاعت کی تھی، ہر نبی کی دعوت گناہ چھوڑنے کی تھی، ہر نبی کی دعوت نیکیاں کرنے کی تھی، لہٰذا انبیاء کی ان دعوتوں پر لبیک کہو۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تعلیمات

''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ'' فرمایا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ہم نے توراۃ دی تھی، جو حق اور باطل میں فرق کر رہی تھی، دِلوں کو روشنی بھی دے رہی تھی اور متقین کے لیے نصیحت کی فراہمی کا کام بھی کر رہی تھی۔ توراۃ کی بھی یہی تعلیمات تھیں، جو قرآن پاک کی ہیں۔

سب انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی

ہر نبی کا پیغام ایک رہا ہے، اصول میں سارے انبیاء ایک ہیں، شریعتیں جدا جدا ہیں، یعنی عقائد سب کے متفق اور ایک جیسے ہیں، فروعی احکام جدا جدا ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے انبیاء باپ کی طرف سے بھائی بھائی ہیں، جبکہ مائیں جدا جدا ہیں، اس کا کیا مطلب ہوا، یہی کہ عقائد تو سب کے ایک ہیں، احکام اور شریعتیں جدا جدا ہیں۔ تو یہی دعوت توراۃ کی تھی، یہی دعوت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ
اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ
وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝

فرمایا: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ'' ہم نے اپنے خلیل، ابراہیم علیہ السلام کو رشد عطا کیا تھا، اور ہم انہیں خوب جانتے تھے، بچپن سے ہی ہم نے اپنے ابراہیم کو صلاحیتیں دی تھیں، ہدایت دی تھی، وہ بچپن میں بہت سمجھ داری والی باتیں کرتے تھے، بڑے بڑوں کو لا جواب کر دیتے تھے۔

سمجھ داری کا اِک نمونہ اور قوم سے سوال

اسی سمجھ داری کا ایک نمونہ پیش فرمایا: ''اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ'' وہ بچپن میں کہا کرتے تھے کہ ابا جان، چچا جان، ماموں جان اور میری برادری والو! یہ جو تم نے مورتیاں بنائی ہوئی ہیں اور ان کے سامنے اعتکاف کر کے بیٹھے ہوئے ہو یہ کیا ہیں! یہ کوئی نفع نقصان دیتے ہیں آپ لوگوں کو! کیا یہ بولتے ہیں، کیا یہ سنتے ہیں! قرآن نے پکار پکار کر لوگوں سے شرک چھڑوایا ہے۔

ایک جگہ فرمایا: ''اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ٘ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ٘ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ٘ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا'' (الاعراف:۱۹۵) تم نے جو معبود بنا رکھے ہیں کیا ان کے کوئی پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہوں؟ کیا ان کے کوئی ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑتے ہوں؟ کیا ان کے کوئی کان ہیں جن سے یہ سنتے ہوں؟ کیا ان کی کوئی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھتے ہوں؟ اللہ کے بندو! یہ کچھ بھی نہیں ہیں، بے بس اور عاجز ہیں۔

قوم کا لغو جواب

ابراہیم علیہ السلام نے یہی بات کی تھی، لیکن جواب کیا آیا؟ وہی جو جاہل لوگ کہا کرتے ہیں، کوئی دلیل تو ان کے پاس ہوتی نہیں۔ قوم نے کہا: ''وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ'' ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا، اسی لیے ان کی عبادت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اس جواب کی تردید

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' کہ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد بھی غلطی کرتے آئے ہیں، تم سب گناہ کرتے آئے ہو۔

قوم کا تعجب

کہنے لگے: ''اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ'' کیا تم واقعی سیریس ہو یا بس ویسے گپ شپ لگا رہے ہو!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقت کُشا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو ان کو سمجھایا: ''بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ'' یہ مورتیاں رَبّ نہیں ہیں۔ ہمارا رَبّ تو وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور میں گواہی دیتا ہوں اور اس دعویٰ پر دلیل بھی رکھتا ہوں کہ ہمارا رَبّ وہی ہے، یہ مورتیاں نہیں ہیں۔

بتوں کی بے بسی پر کاری وار

لیکن قوم کو یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ دعوت نہیں مانی، کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، حضرت ابراہیمؑ

نے ان کے سامنے بتوں کی کمزوری ثابت کرنے کے لیے کہا: ''وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۝'' کوئی میلہ تھا، قوم اس میلے میں چلی گئی، آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ، جب تم واپس آؤ گے تو میں تمہارے ان خداؤں کے ساتھ تدبیر کروں گا، ان کی گت بناؤں گا۔ تب تمہیں ان کی بے بسی کا اندازہ ہوگا۔

''فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۝'' قوم نے اسے مذاق سمجھا اور مطمئن ہو کر میلے وغیرہ پر چلی گئی، پیچھے یہ سب خدا (بت) اکیلے تھے، حضرت ابراہیمؑ نے کلہاڑا اٹھایا اور ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، لیکن ان میں سے جو بڑا خدا تھا اس کو چھوڑ دیا اور اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دیا تا کہ قوم کے لوگ واپس آ کر اس بڑے خدا سے پوچھ سکیں کہ او بڑے بابا جی! یہ چھوٹے بابوں کو کیا ہوا؟ کس نے انہیں مارا؟

قوم جب واپس آئی اور بت کدے میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارے بت ٹوٹے اور بکھرے پڑے ہیں، کسی کا ہاتھ یہاں پڑا ہے، کسی کا پاؤں وہاں پڑا ہے، کسی کا سر اُترا ہوا ہے، کسی کے دو ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں تو کسی کے چار ٹکڑے، جب یہ منظر دیکھا تو دہل گئے اور ایک شور مچ گیا، کہنے لگے کہ آج تو بہت منحوس دِن ہے، کچھ نہ رہا ہمارے خداؤں کا۔ ''قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝'' جس نے بھی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کیا وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

دُرگت بنانے والے کی تلاش

لیکن آخر وہ ہے کون؟ ذرا ایجنسیاں اس کے پیچھے لگاؤ، سی آئی ڈی کے ذمہ تحقیقات لگاؤ، مختلف ایجنسیز اس شخص کو ڈھونڈنے لگ گئیں، بالآخر ایجنسیوں کی رپورٹ آ گئی: ''قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۝'' انہوں نے کہا کہ ایک نوجوان ہے جو پہلے سے ہمارے خداؤں کی بُرائیاں کرتا رہتا ہے، اس کا نام ابراہیم ہے، رپورٹ ہمراہ لف ہے اور یہ دہشت گرد محسوس ہوتا ہے، حق والوں کو شروع سے لوگ دہشت گرد کہتے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشی اور تفتیش

''قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۝'' کہا کہ گرفتار کرو اس کو اور لوگوں کے سامنے پیش کرو تا کہ سب کو پتہ چلے کہ ان کا قومی مجرم کون ہے؟ ''قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ۝'' انہوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم! کیا یہ سب آپ نے کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مُسکِت جواب

آپ نے جواب دیا: ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۝'' بہت پتے کی بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ یہ جو بڑا کھڑا ہے اسی نے کیا ہوگا، اسی کے کندھے پر کلہاڑا ابھی ہے، تم ان سے پوچھو اگر یہ بولتے ہیں، یہ تو تمہارے خدا ہیں، تمہارے مشکل کشا ہیں، تمہارے حاجت روا ہیں، تمہاری پکار اور تمہاری دعاؤں کا جواب دیتے ہیں، تو یہ بولتے تو ہوں گے ناں، لہٰذا انہیں سے پوچھ لو کہ ان کا قاتل کون ہے؟ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کس نے کیے ہیں؟

بات تو سچ ہے مگر...... بات ہے رُسوائی کی

"فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ" حضرت ابراہیمؑ کے اس عجیب جواب پر وہ دل ہی دل میں کہنے لگے کہ واقعی یار! بات تو پتے کی ہے، ہم ہی بے وقوف ہیں، یہ بت بولتے تو ہیں نہیں اور ہم ان کو خدا سمجھے جا رہے ہیں۔

بے بسی کا اعتراف

"ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ" پھر سر جھکا کر کہنے لگے کہ اے ابراہیم! آپ کو پتہ تو ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ان سے پوچھنا بے کار ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان سے یہی کہلوانا چاہتے تھے، یہ مناظرانہ انداز تھا، آج کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مناظروں سے دنیا کو کیا ملا؟ مناظروں کو فضول کی ذہنی ورزش سمجھتے ہیں۔ ارے میاں! اگر یہ مناظر نہ ہوتے تو یہ دنیا کہیں کی کہیں ہوتی۔ یہ ان اہلِ علم لوگوں کا احسان ہے کہ انہوں نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیا ہے، البتہ مناظرے میں حکمتِ عملی ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بلیغ خطاب

"قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" "افسوس ہے کہ تم لوگ ان کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان دے سکتے ہیں، جو نہ سمجھتے ہیں اور نہ بولتے ہیں۔

دلیل کا جواب طاقت سے

جب جاہل کے پاس دلیل کا جواب نہ ہو تو وہ مقابلے پر اُتر آتا ہے۔ یہی کام ان لوگوں نے کیا: "قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ" کہنے لگے کہ اس کو جلا دو آگ میں اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ تو انہوں نے "خدا بچاؤ تحریک" کا آغاز کیا۔

آگ میں ڈالنے کی سزا تجویز ہوئی

اس مقصد کے لیے ایک بھٹی (آگ کا الاؤ) تیار کیا گیا۔ بعض تاریخی روایات میں ہے کہ اس کے لیے سارے شہر کے لوگوں نے مل کر ایک ماہ تک لکڑیاں اکٹھی کیں، پھر سات دِن تک آگ جلا کر بھڑکاتے رہے، آسمان تک اس کے شعلے پہنچ رہے تھے، اوپر سے کوئی پرندہ گزر نہیں سکتا تھا، کوئی قریب نہیں جا سکتا تھا۔ (معارف القرآن ۶/ ۲۰۲)

اب انہوں نے سوچا کہ اب ابراہیم کو آگ میں ڈالیں کیسے؟ تو شیطان نے ان کو ایک تدبیر سکھائی اور کہا کہ منجنیق (جو توپ کی ابتدائی شکل جیسی چیز تھی اس) میں ان کو ایک پتھر کے ساتھ باندھ کر آگ کی طرف فائر کرو، تو یہ آگ میں جا گریں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

فرشتوں کی چیخیں نکل گئی تھیں کہ یا اللہ وہ تیرا خلیل آگ میں ڈالا جا رہا ہے! فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے اور آکر عرض کی کہ ابراہیم! ہمارے لائق کوئی حکم! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کس نے بھیجا ہے؟ اللہ نے بھیجا ہے؟ عرض کی کہ نہیں ہم خود آئے ہیں۔ فرمایا پھر میں جانوں میرا اللہ جانے! اسی کو خلیل کہتے ہیں کہ بیچ میں فرشتوں کا واسطہ بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں جانوں اور میرا خدا جانے! تم جاؤ۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار کی۔

آگ کا گلزار ہو جانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جونہی آگ میں گرے، ادھر سے اللہ کا حکم آگیا "قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝" ہم نے کہا اے آگ! تو ہمارے ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ "وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝" انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ایک تدبیر کرنی چاہی، اللہ نے ان کو خسارہ میں ڈال دیا، اور بری طرح ناکام کر دیا، آگ ٹھنڈی ہو گئی، رسیاں جل گئیں۔

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں سات دِن رہے۔ آپؑ مزے سے فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کے سب سے بہترین لمحات وہ تھے جو میں نے آگ میں گزارے۔

"خلیل اللہ" لقب کی وجہ

بخاری شریف کی شرح "ارشاد الساری" مؤلف کی طرف نسبت کرتے ہوئے جس کو شرح قسطلانی بھی کہا جاتا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ایک بار بہت شدید قحط آگیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے آگئے تھے، ان کا ایک دوست عراق میں رہتا تھا، بہت سیٹھ تھا، پیسوں والا تھا، تو کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان سے رابطہ کریں تاکہ وہ کچھ غلہ دے دے، لوگوں کا فائدہ ہو جائے گا، ابراہیم علیہ السلام نے اونٹ بھیج دیے، اور دوست کو پیغام بھجوایا کہ غلہ بھجواؤ، دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے، دوست نے کہا کہ ابراہیم نے اگر خود کھانا ہوتا تو میں ضرور دیتا، اتنا مہنگا غلہ ہے، قحط کا زمانہ ہے، وہ تو جناب مہمان نواز آدمی ہے، وہ غلہ مجھ سے منگوا رہا ہے تو وہ ساری بستی اور شہر کو بلوا کر مفت بانٹ دے گا، اور میرے پاس سب کے لیے نہیں، چنانچہ خالی بھیج دیا۔ پتہ نہیں کتنے اونٹ تھے جو خالی آئے، تو راستے میں ایک شخص نے کہا کہ میاں خالی ہاتھ جا رہے ہیں لوگ مذاق اڑائیں گے، کیونکہ سب منتظر ہیں کہ ابھی ابراہیم کا غلہ آئے گا اور سب کی دعوت ہوگی، تو بوریوں میں کم از کم ریت ہی بھر لو، تو لوگوں کو نظر آئے گا کہ کوئی چیز آ رہی ہے، تو بوریوں میں ریت بھر کر اونٹوں پر لاد کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے، ادھر لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم کے دوست نے ابراہیم کے لیے غلہ بھجوایا ہے، ان بوروں کو جب کھولا گیا تو وہ بورے سارے کے سارے گندم سے بھرے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے دوست نے میرے لیے نہیں بھیجا یہ میرے خلیل نے میرے لیے بھیجا ہے۔ تب سے ان کا لقب ''خلیل اللہ'' مشہور ہو گیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۝

ان کے ذکر کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار تھے اللہ نے ان کی قوم کو بھی ہلاک کیا، اور ان کو نجات دی۔ تفصیلی واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ آگے بھی ذکر ہو رہا ہے۔

اللہ کی طرف سے نیک صالح اولاد کا اِنعام

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ۝

ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ان سب کو نیک بنایا۔ ''وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۝'' اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا، جو ہمارے امر سے لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے، اور ہم نے ان سب پر نیکیوں کی وحی کی، ہم نے ان سب پر وحی کی کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، یہ سب ہماری عبادت کرتے تھے۔

قومِ لُوط کا اِجمالی تذکرہ

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ۝ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝

لوطؑ کو بھی ہم نے علم دیا، حکمت دی، نجات دی، ان کی بستی کے بارے میں فرمایا ''تعمل الخبائث'' وہ بُرے کام کرتی تھی، اغلام بازی کرتی تھی، ہم جنس پرستی کرتے تھے، اس لیے قوم تباہ کر دی گئی، جب کہ لوطؑ (اور ان کے متبعین) کو ہم نے اپنی رحمت میں لے لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مختصر ذِکر

''وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۝ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝'' مشکلات میں نوحؑ نے بھی ہمیں پکارا، ''نادیٰ'' کا معنی ہے پکارنا، اسی سے ''نادِ علی'' ہے، یہ ''نادِ علی'' شرک ہے، اس کا مطلب ہے مشکل میں علی کو پکار، اللہ فرماتے ہیں کہ نوح نے مجھے پکارا تو ہم نے ان کی دُعا کو قبول کیا، ان کو اور ان کے اہل و عیال کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی، اتنی بڑی گھبراہٹ کہ چھ ماہ تک طوفان رہا، اتنے بڑے طوفان سے ہم نے نوحؑ اور اس کے متبعین کو نجات دی، اور وہ قوم جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا انہیں ہم نے غرق کر دیا۔

خوش نصیب باپ بیٹے (حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام) کا تذکرہ

"وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ" داؤد علیہ السلام بھی خلیفۃ اللہ فی الارض تھے، انہیں بھی اللہ نے حکومت اور بادشاہی عطا کی تھی۔ان کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو تو اللہ نے بہت بڑا ملک عطا کیا تھا(اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے)داؤد بھی فیصلے کرتے تھے اور سلیمان علیہ السلام بھی فیصلے کرتے تھے۔

باپ بیٹے کے دو عظیم الشان فیصلے

داؤد علیہ السلام کے پاس ایک کیس آیا، ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ جو چرواہا ہے اس نے رات کے اندھیرے میں اپنی بکریاں میرے کھیت میں چھوڑ دیں، جس سے میرا سارا کھیت اجڑ گیا، کچھ کھیتی کھا گئی ہیں اور کچھ کھیتی کو روند ڈالا ہے۔لہٰذا مجھے انصاف دیا جائے! حضرت داؤد علیہ السلام نے گواہوں کی روشنی میں مدعی کو سچا پایا، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ چرواہے کی بکریوں نے اس شخص کے کھیت کا نقصان کیا ہے، لہٰذا چرواہا اس نقصان کی تلافی کرے اور ہرجانہ ادا کرے۔ (اور بظاہر ان سب بکریوں کی قیمت، اس ضائع شدہ کھیتی کی قیمت کے برابر ہوگی، اس لیے) چرواہا اپنی سب بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ قانوناً و شرعاً ہر لحاظ سے درست تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اس فیصلے کا علم ہوا تو فرمایا: اگر اس مقدمے کا فیصلہ میں کرتا تو وہ فریقین کے لیے زیادہ مفید ہوتا۔داؤد علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ تو سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا کہ ابا جان! آپ کچھ عرصہ کے لئے چرواہے کی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دیں، تا کہ وہ ان کا دودھ پیتا رہے۔اور کھیت والے کی زمین، چرواہے کو دے دیں تا کہ وہ کھیت کو پانی لگائے، اس کی دیکھ بھال کرے اور کھیتی تیار کرے، جب فصل تیار ہو جائے اور اُسی حالت میں آجائے جس حالت میں بکریوں نے اس کا نقصان کیا تھا تو کھیتی، کھیت والے کو دلوا دیں اور بکریاں بکریوں والے کو۔کتنا خوبصورت اور جانبین کی رعایت رکھنے والا فیصلہ ہے! حضرت داؤدؑ نے اسی فیصلے کو پسند فرمایا۔"وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ" فرمایا کہ ہم اس فیصلے کے وقت موجود تھے جب داؤد نے فیصلہ کیا تھا۔

فیصلے دونوں درست تھے، البتہ صلح زیادہ پسندیدہ ہے

"فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ" ہم نے سلیمان کو زیادہ سمجھ عطا کی تھی، بعض چیزیں خداداد ہوتی ہیں، اور بعض چیزیں عبادات پر، طاعات پر اللہ کی طرف سے ملتی ہیں، وہ کتابوں میں نہیں ملتیں، وہ پڑھنے سے نہیں ملتی، اللہ فرماتے ہیں یہ ہماری سلیمانؑ پر خصوصی عنایت تھی۔"وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" اور ہم نے ان دونوں کو حکمت بھی عطا کی تھی اور علم بھی دیا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کردہ معجزات

"وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ" "ہم نے داؤد علیہ السلام کو ایک معجزہ بھی دیا تھا، وہ بڑے خوش الحان تھے، داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو پرندے رُک جاتے تھے، اور جب آپ تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، یہ کہتے تھے سبحان اللہ! تو پہاڑ سے آواز آتی تھی سبحان اللہ! اور سارے پرندے ان کے ساتھ مل کر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے تھے۔

"وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ" "فرمایا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو ایک معجزہ یہ بھی عطا کیا کہ ان کو لباس کی صنعت عطا کی، کون سا لباس؟ لوہے کا لباس جو تمہیں جنگوں میں بچاتا ہے، وہ بلٹ پروف جیکٹس کی طرح، تلواروں سے بچانے والی جیکٹس تیار کرتے تھے، اللہ نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا جس کی وجہ سے اپنے ہاتھ سے چیزیں بنا لیتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعاماتِ خداوندی

"وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ" "اور ان کے بیٹے سلیمانؑ کے لیے ہم نے تند و تیز ہواؤں کو مسخر کر دیا تھا، ہوائیں ان کے حکم پر چلتی تھیں اور ان کا تخت اڑا کر لے جاتی تھیں، مُلکِ شام کی طرف، ہمیں ہر چیز کا علم ہے۔ یہ ہوائی جہاز تو ابھی تقریباً سو، ڈیڑھ سو سال قبل ہی ایجاد ہوئے ہوں گے، سلیمان علیہ السلام کے پاس آج سے ہزاروں سال پہلے ایک تخت تھا، اس پر بیٹھتے، ضرورت کی چیزیں رکھتے اور ہوا کو حکم دیتے، ہوا اس کو اپنے دوش پر اٹھاتی اور جہاں سلیمان علیہ السلام حکم فرماتے وہاں لے جاتی، اگر وہ حکم فرماتے تو ہوا تیز چلتی، وہ کہتے تو آہستہ چلتی، گویا کہ ریموٹ کنٹرول تخت تھا، اور ریموٹ بھی سلیمان علیہ السلام کا ارادہ تھا، سائنسدانوں سے کہو کہ بنا کر دکھائیں ایسی تخلیق! سلیمان علیہ السلام اس پر بیٹھ کر کبھی یمن سے شام، شام سے یمن، سفر فرماتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ صبح سے شام تک یہ تخت، دو ماہ کی مسافت طے کر لیتا تھا۔ مہینوں کی مسافت تھی جس پہ وہ تخت کبھی آ رہا ہے، تو کبھی جا رہا ہے۔

"وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ" "دوسرا معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ہم نے شیاطین اور جنات ان کے تابع کر دیے تھے، وہ ان سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ جب مسجد اقصیٰ بنائی تو حضرت سلیمانؑ لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے اور شیاطین و جنات سے فرمایا کہ سب مل کر کام کرو! جنات مستری مزدوروں والا کام کرتے تھے، کبھی حکم فرماتے کہ سمندروں سے ہیرے جواہرات لے آؤ، تو جنات لے کر آتے۔ فرمایا کہ یہ ساری چیزیں ہم نے ان کو دی تھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

"وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" "ہمارے ایک نبی جنابِ ایوب علیہ السلام بھی

تھے، (سارے نبی توحید پرست اور توحید کے مبلغ تھے، اور ان کے سب معجزے ہماری قدرت کی نشانیاں تھیں) حضرت ایوب علیہ السلام زمیندار نبی تھے۔ اتنے بڑے زمیندار تھے کہ ان کے پاس تین ہزار اونٹ اور دو ہزار بیل تھے۔ اس زمانے میں بیلوں کے ساتھ ہل چلایا جاتا تھا۔ جب دو ہزار جوڑے بیلوں کے ہل چلانے کے لیے ہوں گے تو اندازہ لگایے کہ رقبہ کتنا ہوگا! پھر باغات، کھیتیاں اور بیوی کی دولت اللہ نے دی، بچے، بیٹے، پوتے، نواسے، پوتیاں، نواسیاں سب اللہ نے دیں۔

اللہ کی طرف سے آزمائش پر پیغمبرانہ صبر

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایک بیٹے نے سارے خاندان کی دعوت کی، دعوت کے دوران گھر کی چھت گرگئی اور سارے کے سارے دَب کر شہید ہوگئے۔ صرف حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ باہر تھے، وہ بچ گئے۔

بہر کیف! اتنی بات یقینی ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے ان پر سخت آزمائش آئی تھی، جس کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہوگئے۔ اہل وعیال سب غائب ہوگئے (سب فوت ہوگئے یا کسی اور وجہ سے دور ہوگئے۔ واللہ اعلم) لوگوں نے کھیت اُجاڑ ڈالے، قبضے کر لیے، اب صرف ایک بیوی ہے اور بیمار شوہر، جسمانی بیماری بھی ایسی سخت کہ جس کو دیکھ کر لوگ گھبرا جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، یہ بات غلط ہے، اللہ اپنے نبی کو کسی ایسی بیماری میں کبھی مبتلا نہیں فرماتے کہ جس سے لوگ گھن کریں، نبی کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔

کبھی رَبّ دے کر آزماتا ہے، تو کبھی رَبّ لے کر آزماتا ہے، تو رَبّ نے اب لے کر آزمایا، لیکن حضرت ایوب علیہ السلام پہلے شاکر تھے اور اَب صابر ثابت ہوئے، ''صبرِ ایوبی'' ضرب المثل بن گئی، آپ نے صبر کیا، اور اللہ سے دُعا کرتے رہے، مانگتے رہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام صرف ''اللہ مدد'' کے قائل تھے

اللہ نے فرمایا: ''وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ'' ایوب نے بھی اپنے رَبّ کو پکارا، اللہ کو پکارا، یہ نادِ رَبّ ہے۔ بہر حال ایوب علیہ السلام نے اللہ کو پکارا کہ اے میرے رَبّ! مجھے تکلیف پہنچی ہے، بیشک تو ہی رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، تیری رحمت کا محتاج ہوں، رَبّ نے یہ دُعا قبول فرمائی۔

اپنا ایک واقعہ

آدمی جب بیمار ہو تو حضرت ایوبؑ کی اس دُعا کو پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ میں جب بیمار تھا اور ہسپتال میں داخل تھا تو ڈائیلیسز کے دوران میری ٹانگ کی رگ پھٹ گئی تھی اور خون کے فوارے بہنا شروع ہوگئے تھے، اب وہ دو دو تین تین لوگ، کاٹن رکھ کر خون کو دبا رہے تھے، اس رات میں نشتر میں تھا، یہ تقریباً ۱۹۹۶ کی بات ہے، مجھے ڈاکٹروں نے سختی سے منع کیا کہ ساری رات ٹانگ نہیں ہلانی، آدمی کی فطرت ہے کہ جس چیز پر پابندی ہو، اسی چیز کو کرنے کا جی چاہتا

ہے، میں ساری رات یہی سوچتا رہا کہ ٹانگ بھی نہیں ہلا سکتا، میرے پاس جو بچے خدمت کر رہے تھے ان میں سے ایک بچے کو میں نے کہا کہ قرآن کا یہی رکوع پڑھو، وہ پڑھتا رہا اور مجھے مزہ آتا رہا، میں بھی ساتھ ساتھ پڑھتا رہا: ''اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ''۔

قرآن کہتا ہے: ''فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۝'' کہ ہم نے ان سے تکلیف دور کی اور ان کو اور ان کی اہلیہ کو اپنی رحمت دی۔ روایات میں ہے کہ اللہ پاک نے ان کا مال و دولت بھی انہیں واپس عطا فرمایا اور اولاد بھی۔ نیز اولاد کے برابر مزید اولاد بھی عطا فرمائی، (تفصیل کے لیے معارف القرآن:۶/ ۲۱۷ ملاحظہ فرمائیں)۔

حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذُوالکفل علیہم السلام کی تعریف

فرمایا: ''وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۝''

اسماعیل علیہ السلام، ادریس علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام یہ سب صبر کرنے والے تھے۔

کیا حضرت ذُوالکفل نبی تھے؟

ذوالکفل کی نبوّت میں اختلاف ہے۔ امام ابنِ کثیرؒ نے فرمایا کہ ان کے نامِ نامی کو دو معروف پیغمبروں کے ساتھ ذکر کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی نبی ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ نبی نہیں، بلکہ نیک صالح اور ولی آدمی تھے۔

ان کا عجیب واقعہ

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یسع علیہ السلام (جو معروف نبی تھے اور ذوالکفل انہی کے اُمتی تھے) جب ضعیف ہو گئے تو انہوں نے چاہا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے اصحاب کو جمع فرمایا اور پوچھا: تم میں سے کون ہے جس میں یہ تین خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے ہوں: جو ان اوصاف کا حامل ہوگا، وہی میرا خلیفہ ہوگا۔

۱۔ جو کبھی غصہ نہ کرتا ہو۔

۲۔ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو۔

۳۔ رات کو ہمیشہ عبادت کرتا ہو۔

حضرت ذوالکفل (جو اس محفل میں غیر معروف تھے) نے ہاتھ کھڑا کیا کہ مجھ میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں۔ پھر کسی روز حضرت یسعؑ نے اپنا سوال دہرایا تو حضرت ذوالکفل نے پھر وہی جواب دیا۔ تو حضرت یسعؑ نے انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ شیطان سے یہ برداشت نہ ہوا کہ ذوالکفل میں یہ صفات باقی رہیں۔ اس لیے اس نے پہلے تو اپنے چیلوں کو اس کام میں لگایا۔ جب وہ ناکام ہو گئے تو خود سامنے آگیا۔ اس نے حضرت ذوالکفل کے معمولات کا بغور مشاہدہ کیا۔ دیکھا کہ یہ

ساری رات عبادت کرتے ہیں، اور دِن میں روزہ رکھتے ہیں اور لوگوں کے فیصلے کرتے ہیں اور بھی معمولات پورے کرتے ہیں جس میں دوپہر کا قیلولہ بھی شامل تھا، تو اسے اندازہ ہو گیا کہ اگر ان کا دوپہر کا آرام کسی طرح ضائع کر دیا جائے تو رات کی عبادت ان کے لیے مشکل ہو جائے گی۔

ایک دِن دوپہر کو جب حضرت ذوالکفل قیلولہ فرما رہے تھے تو شیطان، انسانی شکل میں آیا اور آ کر زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا، اور دہائی دینے لگا کہ فلاں شخص نے میرے حق پر قبضہ کر لیا ہے، مجھے میرا حق نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو میرے فیصلے کے اوقات میں لے آنا، ابھی تو قیلولے کا وقت ہے، لیکن وہ عدالت کے اوقات میں نہ آیا، اس نے کیا آنا تھا (اس کا مقصد تو قیلولہ خراب کرنا تھا) اگلی رات پھر عبادت میں گزر گئی، دِن کام کاج میں گزر گیا، دوپہر ہوئی آپ آرام کے لیے لیٹے، ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس نے پھر آ کر دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا، حضرت ذوالکفل اٹھ گئے، پھر نیند خراب ہو گئی، اڑتالیس گھنٹے ہو چکے تھے، آ کر اس سے پوچھا کہ تم عدالتی اوقات میں کیوں نہیں آئے تھے؟ اس نے کہا کہ دراصل اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارا حق دیتا ہوں، اس لیے عدالت آنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ لیکن اب پھر مکر گیا اور حق نہیں دیتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو ظہر کے بعد لے آنا، لیکن وہ پھر بھی نہ آیا، اب تیسرا دِن ہوا تو تین دِن کی تھکاوٹ تھی، نیند کا غلبہ تھا لہٰذا آپ نے سونے سے پہلے باہر دربان کھڑا کر دیا کہ کسی کو آنے مت دینا اور دروازہ مت بجانا، اب شیطان نے جب باہر دربان دیکھے تو روشندان سے کود کر اندر آ گیا، اور اندر سے دروازہ بجایا۔ آپ صورتِ حال دیکھ کر پہچان گئے، پوچھا کہ کیا تو شیطان ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں شیطان ہوں، آپ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے آپ کے یہ اوصاف برداشت نہیں ہیں۔ اللہ نے آپ کو ان اوصاف پر قائم بھی رکھا اور بعد میں نبوّت بھی عطا کی۔ (معارف القرآن: ۶/ ۲۱۸، ۲۱۹)

ذُوالکفل کا خطاب

اسی واقعے کی وجہ سے آپ کو "ذوالکفل" کا خطاب دیا گیا، کیونکہ ذوالکفل کا مطلب ہے اپنے عہد اور وعدے کو پورا کرنے والا شخص۔ چونکہ آپ نے اپنے وعدے کی پاس داری کی تھی، اس لیے ذوالکفل مشہور ہوئے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن)

مچھلی والے نبی

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

اور مچھلی والے نبی کو بھی یاد کرو، یعنی یونس علیہ السلام، جب وہ غصہ ہو کر جا رہے تھے، "فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ" ان کو شاید یہ گمان ہوا ہو کہ ہم ان پر قادر نہیں ہیں، وہ چونکہ غصہ ہو کر جا رہے تھے، اس لیے ان کے فعل سے ایسا سمجھا گیا۔ ورنہ نبی سے ایسے اعتقاد کا تصوّر بعید ہے۔ یہ قصہ پہلے بیان ہو چکا۔ مختصر یہ کہ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ایمان لے آؤ،

ورنہ تین دِن بعد عذاب آ جائے گا، قوم ایمان نہ لائی، آپ چلے گئے، آپ گئے تو عذاب کے آثار شروع ہو گئے، قوم نے آپ کو ڈھونڈا، لیکن آپ ملے نہیں، تو قوم گھروں سے باہر نکلی، چیخی، چلائی، رو دھو کر اللہ سے معافیاں مانگیں، عذاب ٹل گیا، یونس علیہ السلام کو پتہ چلا کہ قوم ابھی تک زندہ ہے، ان پر عذاب نہیں آیا۔ علم غیب تو نہیں تھا نا! اگر نبی عالم الغیب ہوتے تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ قوم ایمان لا چکی ہے، عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ حضرت یونسؑ نے سوچا کہ اب اگر میں قوم کے پاس واپس گیا تو وہ کہیں گے کہ یونس نے ہم سے عذاب کا جھوٹ بولا تھا، وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔ چنانچہ آپ کشتی میں بیٹھ کر چلے گئے، کشتی بھنور میں پھنس گئی، تو آپ کو دریا میں ڈال دیا گیا، مچھلی نے آپ کو پیٹ میں لے لیا۔

ہر مشکل میں اللہ ہی کو پکارنا انبیاء کا شیوہ رہا ہے

"فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ" اس مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں یونسؑ نے اللہ کو پکارا کہ یا اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، تو پاک ہے، میں گناہگار تھا۔ یہ آیت کریمہ ہے، اس کے ورد سے مشکلات ٹل جاتی ہیں۔ "فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ" اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم ایسے ہی نجات دیا کرتے ہیں۔

یہ دُعا ہر زمانے میں، ہر شخص کے ہر مقصد کے لیے مقبول ہے

اللہ پاک نے فرمایا: "وَكَذٰلِكَ نُـــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ" جس طرح ہم نے یونسؑ کو اس کی مصیبت سے نجات دی، اسی طرح جو مؤمن بھی صدق و اخلاص سے ہماری طرف متوجہ ہوگا اور ہم سے پناہ مانگے گا، ہم اسے بھی نجات عطا کریں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو مسلمان بھی "دعائے یونس" کے ذریعے اپنے کسی خاص مقصد کے لیے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائیں گے۔ حدیث کی عبارت درج ذیل ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوة ذي النون إذ دعا وهو في بطن الحوت: لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين، فإنه لم يدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله له۔

(سنن الترمذي: ۵/۲۹، من الشاملة)

حضرت زکریا علیہ السلام کا اِجمالی تذکرہ

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَــيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ

حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا، یہ قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں گزر چکا ہے، انہوں نے بھی اللہ کو پکارا: "اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ" کہ اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑنا، آپ بہتر وارث بنانے والے ہیں، اللہ نے ان کی دُعا قبول کی اور یحییٰ جیسا بیٹا عطا کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کی گواہی

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝

پھر اللہ نے فرمایا کہ مریم علیہا السلام کو بھی یاد کرلو، اپنے کردار کی حفاظت کرنے والی پاک دامن خاتون تھیں۔

قرآن نے ان کی پاکدامنی کی تعریف کی، فرمایا کہ ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے۔

سب انبیاء اور آسمانی کُتب، توحید کی داعی رہی ہیں

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ۝

فرمایا کہ یہ تمہاری اُمّت ایک ہی اُمّت ہے، تم سب کا ایک ہی طریقہ ہے جس میں کسی نبی اور شریعت میں اختلاف نہیں رہا۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ میں ہی تمہارا ربّ ہوں، تم میری ہی عبادت کرو، سب نبیوں کا عقیدہ ایک تھا۔

قیامت کی ایک نشانی

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۝

یاجوج ماجوج کا ذکر ہم سورۂ کہف میں کر چکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”رحمۃ للعالمین“ ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝

ویسے تو سارے نبی رحمت ہیں، لیکن میرے اور آپ کے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، اور یہ قرآن کا بہت عجیب اسلوب ہے۔ اللہ نے اپنے متعلق فرمایا: ”الحمد للہ رب العلمین“ میں پوری کائنات کا ربّ ہوں اور پوری کائنات کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہوں۔ جب کہ اپنے آخری نبی کے بارے میں فرمایا: ”وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝“ میرے نبی کی رحمت تمام جہانوں کے لیے ہے، زمین، آسمان، نباتات، جمادات، انسان، جن، حتّٰی کہ حشرات الارض، زمین کے اندر کی، زمین کے اوپر کی، زمین کے نیچے کی، آسمانوں کے اوپر کی، فضائی، سمندری، بری، بحری، تمام مخلوقات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت بن کر آئے۔

توحید کا اعلان، علی الاعلان ہونا چاہیے

رسالت کے تذکرہ کے بعد پھر توحید کا مسئلہ بیان کیا:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۝

اے میرے نبی! اب آپ اپنی رسالت والی نطق سے، لسانِ نبوت سے اعلان کردیں کہ "اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ" تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" "اب میری رسالت اور میرے ربّ کی توحید کو مانتے ہو یا نہیں؟

"فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ" "اگر نہیں مانتے تو پھر تمہارا اور میرا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اللہ جانتا ہے کہ عذاب قریب ہے یا دور ہے، اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں قیامت کے حق ہونے اور لوگوں کی غفلت کو بیان کیا گیا ہے۔

۲- سورت میں گزشتہ اقوام کا تذکرہ فرما کر کفار و مشرکینِ مکہ اور بعد میں آنے والے انسانوں کو ان سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

۳- سورت میں کئی انبیاء علیہم السلام کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

۴- سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الأنبیاء بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْحَجّ

سورت کا تعارف

یہ سورت قرآنی ترتیب کے اعتبار سے بائیسویں (۲۲) نمبر پر ہے، نزول کے اعتبار سے ایک سو تین (۱۰۳) نمبر پر ہے، اس کی اٹھتر (۷۸) آیات ہیں اور دس رُکوع ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ آیاتِ مکیہ اور آیاتِ مدنیہ سے مخلوط سورت ہے تاہم عام طور پر اسے "مدنی" لکھا جاتا ہے۔

وجہِ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں "حج" کا بطور خاص ذکر کیا ہے، اس لیے سورت کا نام بھی سورۂ حج ہے۔ اس سورت میں اللہ پاک نے حج کی دعوت کا ذکر کیا ہے، حج کے احکام، منافع اور آداب کو تفصیل سے بیان فرمایا، کیونکہ حج کے ذریعہ انسانوں کے کردار کی تعمیر ہوتی ہے، عقیدہ بنتا ہے، عمل بنتا ہے، ڈسپلن آتا ہے، حج کی وجہ سے انسان کو اپنے اوپر ضبط اور کنٹرول ہوتا ہے، جب آدمی حج پہ جاتا ہے تو بہت سی پابندیاں اپنی ذات پر قبول کر لیتا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

سورۂ انبیاء میں اللہ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر فرما کر یہ بتا دیا کہ میں وحدہ لاشریک لہ ہوں، اور سورۂ حج میں اللہ نے شرک کی نفی کی۔

خصوصیات

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی کچھ آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور کچھ مدینہ میں، کچھ دن کو نازل ہوئیں تو کچھ آیات رات میں، کچھ آیات سفر کے دوران ناز ہوئیں تو کچھ آیات حضر میں اُتری ہیں۔

نیز اس سورت میں دو آیاتِ سجدہ ہیں، ان میں سے حضراتِ احنافؒ کے نزدیک ایک جبکہ حضراتِ شوافع کے یہاں دونوں سجدے واجب ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اُمت کی تعمیر و ترقی میں حج کا کردار بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

حج کے علاوہ اس سورت میں اللہ پاک نے تقویٰ کا حکم دیا، توحید کے دلائل دیے اور اس سورت میں بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نیز اس میں شعائرِ اسلام اور عبادات کے تحفظ کے لیے جہاد کی اجازت، حق کی تکذیب کرنے والوں کی ہلاکت کے نمونے، ہجرت کی فضیلت اور فوائد کے بیان کے ساتھ ساتھ مثالوں کے ذریعے کفار پر حجت بھی قائم کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

مرنے سے پہلے موت کی تیاری کرلو!

لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو، خوفِ خدا پیدا کرو، کیونکہ کل کو قیامت آنی ہے اور قیامت بہت ہولناک چیز ہے، اس کا زلزلہ بھی بہت بڑی چیز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک بار فرمایا کہ کل قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنّم میں چلے جائیں، تو اس وقت خوف کا عالم یہ ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ عورتوں کا حمل خوف کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔ صحابہ کرام ؓ یہ سنتے ہی ڈر گئے اور ان کے دل دہل گئے، عرض کی یا رسول اللہ! پھر ہمارا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی کہ یہ نوسو ننانوے تم میں سے نہیں ہوں گے بلکہ یہ یاجوج ماجوج ہوں گے۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۲۰۱)

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

قیامت کی ہولناکی کا نقشہ

قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس دن کے خوف سے دودھ پلانے والی ماں اپنے بچّے کو پھینک دے گی، حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا، لوگ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن ایسے لگ رہے ہوں گے جیسے نشہ میں ہوں، درحقیقت اللہ کے عذاب کا خوف ہی اس قدر ہوگا کہ لوگ حواس کھو بیٹھیں گے۔ لہٰذا اس دن کی ہولناکی سے نجات کے لیے حصولِ تقویٰ بہت ضروری ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

اپنی تخلیق میں غور کرو!

فرمایا: ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ '' اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے بارے میں شک ہے تو ذرا اپنی خلقت پر غور کرو!

تخلیق کے مختلف مراحل

''فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ '' ہم نے تمہارے ابا آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اور تمہارے لیے بھی تمہاری خوراک مٹی سے بنائی اور ''ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ '' خوراک سے نطفہ بنایا، پھر نطفہ ماں کے پیٹ میں جاتا ہے، اور تقریباً چالیس دِن تک نطفہ رہتا ہے، ''ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ '' پھر گاڑھا خون بن جاتا ہے، ''ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ '' پھر وہ بوٹی بن جاتی ہے، پھر فرشتہ اللہ سے پوچھتا ہے کہ ''مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ '' یا اللہ! اسے کامل پیدا کرنا ہے یا اسے گرا دینا ہے، جیسے حمل ساقط ہوتے ہیں، تو اگر حمل ساقط کرنا ہو تو حدیث میں آتا ہے کہ وہ خون بن کر نکل جاتا ہے، اور اگر مکمل کرنا ہو تو اللہ فرماتے ہیں کہ ''مُخَلَّقَةٍ '' ہوگا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بچے کو صحیح سالم اور تندرست پیدا کرنا مقصود ہو تو وہ ''مُخَلَّقَةٍ '' اور جسے ناقص اور معذور پیدا کرنا مقصود ہو تو وہ ''وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ '' کہلاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پھر فرشتہ پوچھتا ہے کہ اس کا رزق کتنا ہوگا؟ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا؟ یہ سب باتیں لکھ لی جاتی ہیں، پھر تم پیدا ہو جاتے ہو، ''وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى '' ایک وقت تک تو تم ماں کے پیٹ میں رہتے ہو ''ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا '' پھر پیدا ہوتے ہو تو کمزور، ہر جسمانی قوت کمزور ہوتی ہے۔ ''ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ '' پھر تمہیں رفتہ رفتہ طاقت اور جوانی آتی ہے، ''وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى '' پھر کچھ تو جوانی میں ہی مر جاتے ہیں، اور ''وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا '' تم میں سے بعض اس عمر تک پہنچتے ہیں جس عمر میں انسان دوسروں کا محتاج ہو کر حافظہ کھو بیٹھتا ہے، اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے، فرمایا کہ جیسے ضعیف آئے تھے ویسے ہی ضعیف گئے۔

تمہاری طرح کائنات کو بھی بقاء نہیں ہے

جیسے تم نے تدریجاً تدریجاً وقت گزارا، پہلے ماں کے پیٹ میں نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں، پھر ہڈیوں پہ گوشت، پھر روح، پھر کامل بچّہ، پھر پیدائش، پھر جوان، پھر بوڑھا، پھر بالکل بوڑھا، ایسے ہی اس کائنات کے بھی مدارج ہیں، جیسے تم مر جاتے ہو ایسے ہی یہ کائنات بھی فنا ہو جائے گی اور قیامت آ جائے گی۔

یہ ذہن میں رہے کہ قیامت کے دو اجزاء ہیں ۱- کائنات کا فنا ہونا۔ ۲- مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا۔ پہلے جزء کی عقلی دلیل بیان کر دی گئی ہے، اب مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے: ''وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا

عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ '' کہ زمین ویران وخراب ہو کر مُردہ ہو چکی ہوتی ہے، لیکن جب اس پر بارش برستی ہے تو وہ زمین زندہ ہو کر سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ جیسے رب، مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، ایسے ہی مُردہ جسموں کو بھی دوبارہ زندہ کر دے گا، بلاشبہ وہ اس پر پوری طرح قادر ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

ایمان پر پختگی اور استقامت مطلوب ہے

فرمایا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ'' لوگ اللہ کی عبادت ایسے کرتے ہیں جیسے کنارے پہ کھڑے ہوں، یعنی متردد ہو کر رب کی عبادت کرتے ہیں، اگر کوئی بھلائی اور اچھائی آجائے تو یہ دین ٹھیک ہے، اور اگر تکلیف آجائے تو فاسق وفاجر، گنہگار اور بعض لوگ کافر بن جاتے ہیں۔ یہی حالت بعض مسلمانوں میں بھی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی گھر کے دروازے پر کھڑا ہو، اچھائی آئے گی تو نکل جاؤں گا، برائی آئے گی تو گھر میں گھس جاؤں گا۔ فرمایا کہ یوں تردد کے ساتھ اللہ کی عبادت نہ کرو، جو شخص مرتد ہو گیا ''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ'' اس کی دنیا بھی برباد ہو گئی اور اس کی آخرت بھی برباد ہو گئی۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

بتوں اور بت پرستی کی حقیقت

فرمایا: ''يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ'' کافر لوگ، اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اس قدر بے بس ہیں کہ نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ ان کو پکار رہے ہیں جن سے نقصان تو مل سکتا ہے نفع نہیں مل سکتا۔ ''لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ'' ایسا آقا بھی بے کار اور ایسا دوست بھی!

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

اہلِ ایمان کے لیے بشارتیں

فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ'' اہلِ ایمان کا ٹھکانا جنت ہے جہاں وہ مزے سے رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

قیامت والے دِن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا

فرمایا کہ یہ جو آج دنیا میں مختلف مذاہب آپس میں دست و گریباں ہیں اور ہر کوئی اپنی حقانیت کا دعویدار ہے، کل قیامت میں اللہ ان سب کا فیصلہ فرمائیں گے۔

فیصلہ کیا ہوگا؟

اس فیصلے کی وضاحت قرآنِ پاک میں بار بار کی جاچکی ہے کہ توحید پرستوں اور مؤمنین کے لیے لازوال راحتیں اور عالیشان ٹھکانے ہوں گے جب کہ کفّار اور توحید کے منکرین کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ﴿١٨﴾

تمام مخلوقات اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں

فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانی اور زمینی جتنی مخلوقات ہیں، وہ سب اپنی اپنی حالت کے مناسب اللہ کے سامنے عاجز رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے مؤمن انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ البتہ بہت سے انسان، کافر اور عبادت سے منحرف بھی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کی مہر لگ چکی ہے۔

نیز یوں تو ساری کائنات ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے، لیکن بطورِ خاص ان مخلوقات کے سجدہ ریز ہونے کا ذکر کیا جنہیں مشرکین نے خدا بنایا ہوا تھا۔ اس سے ان مخلوقات کی عاجزی خوب ظاہر ہوگئی ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۖ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾

مؤمنین و کفّار کے درمیان فیصلے کے چند پیشگی مناظر

فرمایا: "هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِي رَبِّهِمْ" کہ یہ دو فریق ہیں (جنسِ مؤمن اور دوسرا جنسِ کافر) جنہوں نے اپنے ربّ کے بارے میں باہم (اعتقاداً) بحث و مباحثہ اور اختلاف کیا۔

کُفّار کے بارے فیصلہ

قیامت میں اس اختلاف کا فیصلہ اس طرح ہوگا کہ "فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ" ان کُفّار کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے جائیں گے۔ (آگ ان کے پورے جسم کو اس طرح گھیرے میں لیے ہوئے ہوگی جیسے لباس ہوتا ہے)۔

سورۃ ابراہیم میں فرمایا: "سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ" (ابراہیم:۵۰) کپڑے گندھک کے تیار شدہ ہیں، گندھک میں بدبو بھی ہوتی ہے اور آگ بھی جلدی پکڑتی ہے۔ جب کہ یہاں فرمایا کہ آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ "يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ" سر کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا جو جلا کر راکھ کردے گا اور زبردستی منہ میں گرم پانی اُنڈیلا جائے گا، "يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ" اس سے جو کچھ پیٹ میں ہوگا، نکل جائے گا، چمڑے بھی جل جائیں گے۔ "وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۝" لوہے کے گرز اور ہتھوڑے ہوں گے۔ جن سے ان کی پٹائی ہوگی، جب بھی یہ اس جہنّم سے نکلنا چاہیں گے، انہیں دوبارہ اس جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا۔ بار بار ان کے چمڑے بدلے جائیں گے تاکہ عذاب کی شدت کو محسوس کرسکیں۔

مؤمنین کے بارے فیصلہ

"اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ" دوسری طرف مؤمنین اور موحدین کا انجام یہ ہوگا کہ وہ اللہ کے فضل سے جنّت میں جائیں گے جہاں نہریں چل رہی ہوں گی۔ ان کو اللہ تعالیٰ زیب و زینت سے نوازیں گے، انہیں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے، ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔ "وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ" بہترین باتوں کی اللہ نے انہیں توفیق دی، اور اللہ نے انہیں صراطِ مستقیم عطا کیا۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ کی تعمیر کا تذکرہ

طوفانِ نوح میں کعبہ گر گیا تھا، اس کے نشان بھی مٹ گئے تھے۔ اللہ نے جب دوبارہ بیت اللہ کو آباد کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابراہیمؑ کو بتادیا کہ فلاں جگہ کعبہ کی بنیادیں موجود ہیں۔ انہیں بنیادوں پر بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کرو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان کروایا کہ "اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا"

میرے ساتھ شرک نہ کرنا، ظاہر ہے کہ ابراہیمؑ تو بُت شکن تھے، شرک کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے مراد یہ ہے کہ ان کی زبانی عوام الناس کو یہ تنبیہ کی گئی کہ جب خلیل اللہ کو یہ حکم دیا جارہا ہے تو دوسروں کو تو زیادہ اہتمام کرکے شرک کی نحوست سے بچنا چاہیے اور اللہ کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ سمجھنا چاہیے۔

نیز حکم دیا کہ ''وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ'' کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے، قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے شرک سے بھی صاف رکھیے اور گند خرابے سے بھی صاف رکھیے، ظاہری اور باطنی صفائی کا اہتمام کیجیے، شرک نجاست ہے، اللہ نے فرمایا ''انما المشرکون نجس'' مشرک نجس ہیں، لہٰذا میرے گھر میں بت پرستی نہ آنے دینا۔

حج کا عالمگیر اعلان!

اس کے بعد اللہ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا: ''وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ'' میرے گھر کی آبادی کے لیے حج کا اعلان کرو! آپؑ نے عرض کی یا اللہ! میں تو یہاں میدان میں کھڑا ہوں، میری آواز کون سنے گا؟ اللہ نے فرمایا کہ اعلان کرنا تمہارا کام ہے اور آواز پہنچانا میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک روایت کے مطابق جبل ابی قبیس اور دوسری روایت کے مطابق مقام ابراہیم والی جگہ پر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ لوگو! حج کے لیے بیت اللہ کی طرف آؤ! اللہ نے آپ کی آواز سب جگہ پہنچائی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت جس جس نے عالمِ موجودات اور عالمِ ارواح میں اس دعوت پر لبیک کہا اللہ نے اس کے مقدر میں حج لکھ دیا۔ (معارف القرآن: ۶/ ۲۵۶)

علماء فرماتے ہیں کہ اس موقع پر جس نے ایک بار لبیک کہا، وہ ایک بار حج کرے گا، جس نے دو بار کہا، وہ دو بار حج کرے گا، اور جس نے تین بار کہا، وہ تین بار کرے گا، الغرض جس نے جتنی بار کہا، اتنی بار حج کی توفیق دی جائے گی۔

پھر فرمایا: ''يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ'' کہ آپ اعلان کرو، لوگ پیدل بھی آئیں گے اور سواریوں پر دور دراز سے بھی آئیں گے۔

نکتہ:- اس آیت میں سواریوں پر آنے والوں سے پیدل حج کرنے والوں کا ذکر پہلے کرکے اشارہ فرمایا کہ دولت مند اپنی دولت کی وجہ سے نہ اترائیں، حج میں غریب وامیر دونوں شریک ہیں بلکہ بعض وجوہ سے پیدل والوں کا ثواب زیادہ ہے۔

حج میں بے شمار دینی و دُنیوی فوائد مضمر ہیں

فرمایا: ''لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ'' یعنی جو لوگ دُور دراز سے آئیں گے، وہ اپنے ہی نفع (دینی و دُنیوی) کے لیے آئیں گے۔

سب سے معروف دُنیوی نفع یہ ہے کہ شادی بیاہ کی رسموں پر خرچ کرکے تو لوگوں کو کنگال ہوتے دیکھا گیا ہے لیکن

ایک ایک پائی جوڑ کر حج و عمرہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو ان مبارک اسفار میں خرچ کرنے سے فقیر ہو گیا ہو بلکہ حدیث میں ہے کہ حج کے بعد عمرہ کرنے سے فقر اور گناہ دونوں دور ہوتے ہیں۔

جب کہ دوسری طرف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته أمه" (صحیح البخاری: ۲۷۴) جو بندہ شرعی احکامات کے مطابق حج کر کے آتا ہے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف لوٹتا ہے جیسے نوزائیدہ بچہ، گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔

"وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ" "اور اللہ کو یاد کریں گے معلوم دنوں میں، خاص جو حج کے دن ہیں ان میں اہتمام سے ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح ایامِ تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ اور اللہ نے جو جانور دیے ہیں ان کے بارے میں فرمایا: "فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ" کہ اس میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ۔

حج کی قربانی کے احکام

حج میں دو طرح کی قربانیاں ہوتی ہیں:

دمِ شکر

ایک تو وہ ہوتی ہے جو عمرہ اور حج کو جمع کرنے کی ہوتی ہے، جسے دمِ تمتع اور دمِ قران کہتے ہیں۔ یعنی جب کوئی ایک سفر میں حج بھی کرے اور عمرہ بھی، یہ شکرانے کی قربانی ہوتی ہے، اس قربانی میں سے خود بھی کھا سکتے ہو اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہو۔

دمِ جنایت

ایک قربانی وہ ہوتی ہے جو کسی کوتاہی کی تلافی کے طور پر دی جاتی ہے، مثلاً کوئی واجب چھوٹ گیا یا فرض میں کوتاہی ہو گئی، یہ دونوں قسم کی قربانیاں حرم میں ہی کرنی ہوتی ہیں، لیکن اس دوسری قسم کی قربانی سے آدمی خود نہیں کھا سکتا، بلکہ یہ قربانی کھائے گا تو صرف حرم کا فقیر کھائے گا۔

قربانی کے بعد

"ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ" "اِحرام کی پابندیاں چونکہ سخت ہوتی ہیں، بال، ناخن تراشنا اور خوشبو لگانا ممنوع ہوتا ہے، اس لیے فرمایا کہ جب تم نے حج کے افعال ادا کر لیے اور دس ذی الحجہ کو قربانی بھی کر لی تو اب اپنی جسمانی میل کچیل دور کر کے صاف ستھرے ہو جاؤ۔

"۱۰ ذی الحجہ" میں چار اہم کام

اس دن چار کام کرنے ہوتے ہیں، "رمی، نحر، حلق اور طواف" جن کو آسانی کے لیے "رنحط" سے تعبیر کرتے ہیں

(اس میں اشارے کے طور پر ہر کام کا پہلا حرف لے لیا گیا ہے) تو جب ان میں سے پہلے تین کام کر چکو تو غسل کرو، اپنے جسم سے میل کچیل اور مٹی کا گرد و غبار دور کرو اور منتیں بھی پوری کرو۔ لیکن منتیں اللہ کے لیے ہوں، طواف، قربانیاں اور نیازیں بھی اللہ کے لیے ہوں۔ یہاں طواف سے مُراد "طوافِ زیارۃ" ہے، جو حج کا اہم رُکن ہے، اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔

پالتو جانور، حالتِ اِحرام میں بھی حلال ہیں

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝

تمہارے لیے جانور حلال کر دیے گئے ہیں سوائے چند جانوروں کے جو تمہیں بتا دیے گئے ہیں، یعنی مردار جانور حرام، دَمِ مسفوح حرام، خنزیر حرام اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور حرام، ان کے علاوہ بھی کچھ جانور ہیں جن کا تذکرہ سورۂ مائدہ میں ہو چکا ہے، یہ سب حرام ہیں، ان کے علاوہ باقی حلال ہیں، لیکن تم شرک اور بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹ سے بھی بچو۔

قُربانی کا حکم ہر اُمّت کے لیے ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

ہر اُمّت اللہ کے نام پر جانور کی قربانی دیتی آئی ہے، تمہاری بھی ایک قربانی ہے، اللہ نے چونکہ تمہیں جانور دیے ہیں اس لیے جانور ذبح کرو لیکن اللہ کے نام پر ذبح کرو، کیونکہ "فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا" تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو اسی کے سامنے جھک جاؤ اور اسی کی فرمانبرداری کرو! فرمایا: "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ" جو ربّ کے سامنے جھک جائے گا، عاجزی کرے گا، میرے نبی آپ اس کو خوش خبری سنا دیں۔

"مَنْسَكٌ" کی وضاحت

عربی زبان میں "منسک" تین معانی میں بولا جاتا ہے: ۱-قربانی ۲-افعالِ حج ۳-مطلقاً عبادت۔

اس آیت میں تینوں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ قربانی ہو، افعالِ حج ہوں یا عبادات، یہ صرف اُمّتِ محمدیہ پر لازم نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلی اُمّتیں بھی یہ فرائض سرانجام دیتی آئی ہیں۔ (معارف القرآن: ۶/۲۶۶)

خوش بخت لوگ

"الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝"

اللہ کے سامنے جھکنے والے کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر، اللہ کے ذکر کے وقت، عظمت کی وجہ سے ہیبت طاری ہوجاتی ہے۔ جو مصیبت پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

قربانی میں دینی ودُنیوی فوائد موجود ہیں

اونٹ (اور گائے وغیرہ) کے بارے فرمایا کہ سب اللہ کے دین کی یادگار ہیں اور تمہارے لیے ان میں دینی (ثواب) اور دُنیوی (خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا وغیرہ) فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اُونٹ ذبح کرنے کا طریقہ

"فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ" اس میں اللہ پاک نے اونٹ کی قربانی کا طریقہ بتایا کہ عام جانوروں کو تو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے لیکن اونٹ کے ذبح میں آسانی اور بہتری اسی میں ہے کہ اسے قبلہ رخ کھڑا کر کے (اس کا اگلا دایاں یا بایاں پاؤں باندھ کر) اس کی گردن پہ چھری ماری جائے۔ اس سے خون اور روح نکلنے میں آسانی رہتی ہے۔ جب اونٹ زمین پر گر جائے (اور ٹھنڈا ہوجائے) تو اَب اس سے تم بھی کھاؤ اور فقیروں کو (چاہے وہ زبان سے سوال کریں یا چپکے چپکے بیٹھ کے دیکھتے رہیں) بھی کھلانا چاہو تو کھلا سکتے ہو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

قربانی وہی مقبول ہے جو خالص ربّ کی رضا کے لیے ہو

فرمایا کہ ان قربانیوں میں بھی تم اخلاص کو مدنظر رکھو "لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا" تمہارے ان قربانی کے جانوروں کا خون اللہ کے پاس نہیں پہنچتا نہ ہی گوشت اور کھال پہنچتی ہے "وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" اللہ کے پاس تو تمہارے دل کا اخلاص پہنچتا ہے۔ دکھلاوے کے لیے قربانی نہ کرو، گوشت کھانے کی نیت سے قربانی نہ کرو، اللہ کی رضا کی نیت سے قربانی کرو، "كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ" دیکھو اللہ نے بڑے بڑے جانور تمہارے تابع بنا دیے تا کہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو، یہ مضمون یہاں مکمل ہوا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

حج اور جہاد میں مناسبت

حج کے احکام کے بعد جہاد کے ذکر سے درحقیقت حج کا جہاد سے تعلق ظاہر کرنا مقصد ہے۔

جہاد میں سفر، امیر کی اطاعت اور لشکر کی صورت میں آمد و رفت ہوتی ہے، یہ سب چیزیں حج میں بھی ہوتی ہیں، حج میں مجاہدین کے لیے دعائیں بھی ہوتی ہیں اور جہاد کے لیے مشورہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

نیز حج کا قیامت سے بھی تعلق ہے کہ جس طرح قیامت میں سب لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے، حج میں بھی سب لوگ، میدانِ منیٰ، مزدلفہ اور میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ جیسے قیامت میں سب لوگ ایک آواز پر اُٹھ کھڑے ہوں گے، حج میں بھی ہزار تھکن کے باوجود ایک اذان پر سارے حاجی صُبح کے وقت اُٹھ جاتے ہیں۔

کُفّار سے قتال کی اجازت مل گئی

اصل میں یہ سورت ایسی ہے کہ مکہ میں اس کے نزول کی ابتداء ہوئی اور اس کا کچھ حصہ ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی نازل ہوا۔ مکہ میں مسلمان پٹتے رہے، ظلم سہتے رہے، لیکن جہاد کی اجازت نہیں تھی، لڑنے کی اجازت نہیں تھی، مدینہ میں آئے تو وہاں یہ آیات نازل ہوئیں کہ اب تمہیں جہاد کی اجازت ہے اور ساتھ میں جہاد کی حکمت بھی بیان کی، فرمایا: ''أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ'' کہ اب تک تم سے لڑائی کی جاتی رہی، تم مظلوم ہو، اللہ تمہاری مدد پر قادر ہے، تمہیں بلاوجہ گھروں سے نکالا گیا، لہٰذا اب تم جہاد کرو۔

قتال کی حکمت

''وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝'' فرمایا کہ جہاد کا حکم کوئی نیا حکم نہیں ہے۔ پچھلی اُمتوں کو بھی یہ احکام دیے گئے تھے۔ اگر یہ حکم نہ دیا جاتا تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہیں تھی۔ سب عبادت خانے ڈھا دیے جاتے، کیونکہ قوموں کا یہ عام رویہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کرنا چاہتی ہیں، ان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، تو اگر تم جہاد نہیں کرو گے اور اپنا دفاع نہیں کرسکو گے، تمہارے مخالف لوگ، عبادت خانے بھی گرا دیں گے، یہودیوں کے دور میں ان کے عبادت خانے گرا دیے جاتے اگر جہاد نہ ہوتا، عیسائیوں کے دور میں ان کے عبادت خانے گرا دیے جاتے اگر جہاد نہ ہوتا، اور آج مسجدیں گرادی جاتیں اگر مزاحمت نہ ہوتی اور جہاد نہ ہوتا۔ اسی مزاحمت کی وجہ سے یہ عبادت گاہیں بچی ہوئی ہیں، لہٰذا تمہیں جہاد کی اجازت ہے۔ جہاد کے نتیجے میں حکومت ملتی ہے۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

غلبہ کا بنیادی مقصد اِعلائے کلمۃ اللہ ہے

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

اللہ پاک جب اپنے نیک بندوں کو غلبہ اور سلطنت سے نوازتے ہیں تو وہ حضرات نماز قائم کرتے ہیں، بے نمازی نہیں ہوتے، زکوٰۃ دیتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مدد بھی انہی اوصاف کے حامل اہلِ ایمان کو نصیب ہوا کرتی ہے۔

غلبہ کی یہ نشانیاں اللہ پاک نے خلفائے راشدین ؓ کے پاکیزہ ادوار میں پوری کر کے دکھادیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ کے ادوارِ حکومت میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ یہی دینی نظام قائم تھا۔

بادشاہوں کے لیے نصیحت

اس آیت میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ پاک، سلطنت عطا فرمادیں کہ وہ اپنی حدودِ سلطنت میں یہ سب کام سرانجام دیں جو خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں سرانجام دیے تھے۔ (معارف: ۶/ ۲۷۱)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو جھٹلانے والے تباہ ہو گئے

جن قوموں نے اللہ کو نہیں مانا، پیغمبروں کی دعوت کو تسلیم نہیں کیا، وہ قومیں تباہ و برباد ہو گئیں، قومِ ثمود ہے، قومِ عاد ہے، ابراہیم علیہ السلام کی قوم ہے، لوط علیہ السلام کی قوم ہے، قومِ مدین ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نہ ماننے والے ہیں۔

”دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!“

یہ سب اپنے اپنے دور کے سیکولر اور لبرل لوگ شمار ہوتے تھے لیکن دلوں پر چونکہ الحاد اور کفر و شرک کا زنگ چڑھا ہوا تھا، اس لیے حق اور باطل میں فرق نہ سمجھ سکے۔ حرفِ غلط کی طرح مٹا دیے گئے۔ ان کی بستیاں اور آبادیاں ویران پڑی ہیں، ان کے مکانات اور بنگلے بھی اُجڑ گئے ہیں۔ ذرا گھوم پھر کر ان کا انجام تو دیکھ لو!

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی میں نجات ہے

فرمایا: ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌۚ '' اے لوگو! میں پوری کائنات کے لیے کھلا ڈرانے والا، خبردار کرنے والا ہوں، شفقت و پیار سے سمجھانے والا ہوں۔ لہٰذا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مان کر، نیک اعمال کے ذریعے اللہ کو راضی کرلے گا، وہ کامیاب ہوجائے گا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک راستے کی مخالفت کرنے والے ناکام ہوجائیں گے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

شیطان نے ہر موقع پر ٹانگ اَڑائی ہے.........منہ کی کھائی ہے

''وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ'' ایک اہم بات ارشاد فرمائی کہ ہم نے جب بھی کوئی رسول اور نبی بھیجا، اُس نے جب بھی تلاوت کی، شیطان نے اس کی تلاوت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے (اور کفّار انہی شبہات اور وسوسوں کو پیش کرکے انبیاء کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ معارف ۶/ ۲۷۶)۔

''فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ'' اللہ شیطان کے وسوسوں کو دور کرکے اپنی آیات اور اپنے فیصلے کو پختہ کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، شیطان کی سازشیں ناکام ہی ہوتی ہیں۔

''رسول'' اور ''نبی'' میں مشہور فرق

رسول اور نبی میں فرق بارے اقوال مختلف ہیں۔ راجح یہ ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جسے مستقل کتاب اور شریعت دی جائے۔ جب کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس وحی آتی ہو، چاہے اسے مستقل کتاب دی جائے یا پہلی شریعت کی تبلیغ کے لیے مامور ہو۔ معلوم ہوا کہ ہر رسول، لازماً نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کے لیے رسول ہونا ضروری نہیں۔ (معارف القرآن: ۶/ ۲۷۷)

شیطانی وساوس کے چند نمونے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی آیت تلاوت کی: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ'' (المائدۃ: ۳) جو حلال جانور قدرتی موت مرجائے، اسے کھانا حلال نہیں ہوتا۔ شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ دیکھو جی! خدا کی ماری ہوئی نہیں کھاتے، اپنی ماری ہوئی (اپنے ہاتھ سے ذبح کی ہوئی) کھاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں آتا ہے: ''اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ'' (الانبیاء: ۹۸) ''جن جھوٹے خداؤں کی تم عبادت کرتے ہو، تم بھی اور وہ بھی، سب جہنم کا ایندھن

ہیں۔اب شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تو عبادت کی جاتی ہے تو کیا نعوذ باللہ وہ بھی جہنم کا ایندھن ہیں؟ یہ وسوسہ اللہ نے دور کر دیا، قرآن میں اس کا جواب آ گیا، تو فرمایا کہ ہم اپنی آیات کو پختہ کرتے ہیں اور شیطانی وساوس کو دور کر دیتے ہیں۔

اللہ کی خاطر ہجرت کرنے والوں کے لیے ثواب ہی ثواب ہے

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا'' کہ جن لوگوں نے ہماری راہ میں ہجرت کی، پھر وہ شہید ہو گئے یا طبعی انتقال کر گئے تو: ''لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' ہم انہیں بہترین رزق دیں گے، اور ہم بہترین رزق دینے والے ہیں۔ہم انہیں بہترین ٹھکانے عطا کریں گے جہاں یہ سب ہنسی خوشی رہیں گے۔

اللہ ہی قادرِ مطلق ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝

فرمایا کہ اللہ نے پوری زمین تمہارے نفع کے لیے بنائی ہے، کشتیاں دریاؤں میں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں، اللہ نے آسمان کو گرنے سے روکا ہوا ہے، وہی تمہیں زندہ کرتا ہے وہی تمہیں مارتا ہے، پھر وہی تمہیں کل قیامت کے دن زندہ کرے گا۔یہ سب ہماری وحدانیت کے دلائل ہیں، لہٰذا ہمیں وحدہ لاشریک مانو۔صرف میری ہی عبادت کرو!

تسخیر کا مطلب

مسخر کرنے کا بے غبار مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اگرچہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں لیکن یہ سب انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔انسان ان سب چیزوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بے دھڑک استعمال کر سکتا ہے۔(معارف:۶/۲۸۱)

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

سب شریعتوں کے اُصول ایک ہیں

فرمایا: ہر نبی کو ہم نے بندگی کا ایک طریقہ دیا تھا جس پر وہ چلتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو الگ الگ شریعت دی

ہے جن میں جزوی طور پر احکامات مختلف ہوتے ہیں۔ نیز ایک شریعت کا اتباع اُس اُمت پر اس وقت تک لازم ہوتا ہے جب تک اللہ کی طرف سے کوئی دوسری شریعت نہ آجائے۔ جب دوسری شریعت آجائے تو اب سابقہ شریعت کا اتباع درست نہیں رہتا بلکہ اسی نئی شریعت کا اتباع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اگر اس نئی شریعت کا کوئی حکم سابقہ شریعت کے حکم کے برعکس ہے تو سابقہ حکم کو ہی منسوخ سمجھا جائے گا۔

لہٰذا مشرکین اگر یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت محمدیہ کے احکامات، ان کے آبائی مذہب کے خلاف ہیں اور اسی لیے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرتے ہیں تو وہ سن لیں کہ پچھلی کسی کتاب کا نئی شریعت سے مقابلہ کرنا اور پچھلی شریعت کی وجہ سے نئی شریعت سے جھگڑا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اصول، عقائد اور نظریہ تو سب انبیاءؑ کا ایک تھا، لیکن بندگی کا طریقہ سب کا الگ الگ رہا، لہٰذا کوئی ہمارے نبی سے اس بارے میں نہ جھگڑے۔ البتہ اگر یہ لوگ پھر بھی گڑبڑ کرتے رہیں تو ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۞

اس سے بڑھ کر بے بسی کیا ہوسکتی ہے؟

ان آیات میں اللہ پاک نے شرک اور مشرک کی ایک مثال پیش کی، فرمایا غیر اللہ کو ماننے والو ایک مثال سن لو، "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ" اے ساری دنیا کے لوگو! ہند، سندھ کے لوگو! چین و جاپان کے لوگو! عرب و عجم کے لوگو! ایک مثال سن لو! "اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" "جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو،" "لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ" اللہ نے تو اتنا بڑا جہان بنا دیا، انہوں نے تو ایک مکھی تک نہیں بنائی، اللہ نے تو اتنا بڑا آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، کہکشاں، بر و بحر اور یہ کائنات بنائی، اور جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو انہوں نے تو ایک مکھی بلکہ ایک مچھر بھی نہیں بنایا، اور ان کے عجز و بے بسی کا عالم یہ ہے کہ سارے مل کر مکھی بھی نہیں بنا سکتے، امریکا، یورپ، سارے مل کر بھی مکھی نہیں بنا سکتے۔ "وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ" "مکھی بنانا تو بڑی بات ہے، تم روز ان بتوں کے سامنے چڑھاوے چڑھاتے ہو، مٹھائی اور پھل وغیرہ رکھتے ہو۔ اگر کوئی مکھی ان کی مٹھائی وغیرہ لے جائے تو ان سے تو اتنا بھی نہیں ہوسکتا کہ مکھی سے اپنی چیز چھڑوالیں، تمہاری مدد کیا خاک کرسکیں گے!" "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ" "یہ جھوٹا پکارنے والا بھی کمزور اور اس کا جھوٹا خدا بھی کمزور۔ طاقتور بنو، طاقتور کو پکارو، اللہ کو پکارو، تمہیں بھی اللہ قدرت دے دیں گے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞

حق تو یہ ہے کہ حق ادا، نہ ہوا

ہائے افسوس! انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق تھا، اللہ کی تعظیم تو یہ تھی کہ صرف اسی کی عبادت کی

جاتی، ان لوگوں نے شرک کرکے دوسروں کو خدائی عہدیدار بنادیا۔ حالانکہ اللہ بڑے طاقتور ہیں، غالب ہیں۔ عبادت خالص اللہ پاک کا حق تھا لیکن لوگوں نے ناشکری کی۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، پیمبری کے لیے منتخب کرلیتا ہے

فرمایا: "اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ" کہ ہم نے فرشتوں میں سے بھی رسول بنائے یعنی انبیائے کرام تک پیغام الٰہی پہنچانے والا بنا کر بھیجا، اور انسانوں میں سے بھی ہم نے جس کو چاہا، عوام تک دعوت پہنچانے کے لیے اپنا نبی اور رسول بنادیا۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کسے اپنا قاصد بنانا ہے۔ بشریت یا ملکیت اس کے منافی نہیں ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

خدائی اَحکامات کی تعمیل میں جان کھپا دیا کرو

فرمایا کہ "وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" دین کے لیے خوب محنت کرو، جہاد کرو، اس جہاد میں یہ بھی شامل ہے کہ کافروں سے لڑو، یہ بھی شامل ہے کہ شیطان سے لڑو، یہ بھی شامل ہے کہ اپنے نفس سے لڑو، بس شرط یہ ہے کہ خالص رَبّ کی رضا کے لیے ہو، دکھلاوا، شہرت یا مال و دولت کی طلب ہرگز نہ ہو۔

یہ ہمارا نفس اور شیطان بھی ہمارے دشمن ہیں، یہ ہمیں گناہوں پہ لگاتے ہیں۔ لہٰذا اس نفس اور شیطان سے لڑو، ان کو دباؤ، اس نفس اور شیطان سے زندگی بھر کی لڑائی ہے:

نفس سے ہے لڑائی عمر بھی کی
کبھی تُو دبا دے، کبھی وہ دبا دے!

نفسانی خواہشات کو دَبانا، جہادِ اَکبر ہے

حضراتِ صحابہ کرامؓ ایک غزوہ سے فارغ ہوکر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قدمتم من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر قالوا وما الجهاد الأكبر قال مجاهدة العبد لهواه ويروى من حديث سعد بن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم" (جامع العلوم والحکم، ص:۱۹۶) "یعنی تم سب چھوٹے جہاد سے فارغ ہوکر اب بڑے جہاد کی طرف جا رہے ہو!

صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا ''اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد'' اس جہاد کے لیے اللہ والوں کی صحبت بہت ضروری ہے، اللہ والوں کی صحبت سے انسان نفس اور شیطان کو ہرانا، ان کو پچھاڑنا، اور خواہشات پر قابو پانا سکتا ہے۔

اُمّتِ محمدیہ، اللہ کی منتخب اُمت ہے

''هُوَ اجْتَبٰىكُمْ '' ''تم اللہ کے چنے ہوئے ہو'' ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' ''تمہارے دین میں اس نے کوئی مشکلیں نہیں رکھیں، تمہارا دین آسان ہے۔

دین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب

حضراتِ مفسرینؒ نے اس کے چار مطلب بیان فرمائے ہیں اور یہ سب درست ہیں:

۱-دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں جو توبہ سے معاف نہ ہوسکے۔ حالانکہ پچھلی اُمتوں میں بعض گناہ ایسے تھے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے تھے۔ پچھلی اُمتوں کی تو توبہ ہی آسانی سے قبول نہیں ہوتی تھی، تمہاری توبہ تو فوری قبول ہوجاتی ہے۔

۲-اس دین میں ایسے سخت احکامات نہیں ہیں جو بنی اسرائیل پر لازم کیے گئے تھے۔ ان کے لیے مالِ غنیمت استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی، تمہارے لیے اس کی اجازت ہے۔ تمہارا دین بڑا آسان ہے۔

۳-اس دین میں کوئی حکم ایسا نہیں جو بذاتِ خود ناقابلِ برداشت ہو۔ باقی تھوڑی بہت محنت مشقت تو دین کے ہر کام میں برداشت کرنی پڑتی ہے۔

۴-یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ منتخب اُمت ہونے کی وجہ سے دین کی راہ میں بڑی سے بڑی مشقت اٹھانا بھی آسان اور لذیذ ہوجائے۔ جب دل میں ایمانی حلاوت پیدا ہوجائے تو مشقت میں بھی راحت ملنے لگتی ہے اور سب بھاری کام، ہلکے پھلکے محسوس ہونے لگ جاتے ہیں۔ (معارف القرآن ۶/ ۲۸۹، ۲۹۰)

تم ملّتِ ابراہیمی پر ہو!

''مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ'' ''تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہو'' ''هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا'' اُسی نے قرآن نازل ہونے سے پہلے ہی اہلِ ایمان کا نام ''مسلمان'' رکھا ہے۔ اس سے مراد وہ جماعت المسلمین نہیں ہے، بلکہ مسلمان مراد ہے، کچھ لوگوں نے ایک فرقہ بنایا اور اس کا نام رکھ دیا ''جماعت المسلمین'' اور کہنے لگے کہ ہمارا نام تو قرآن میں ہے، ہم تو قرآن والے ہیں، عجیب انداز سے لوگوں نے فرقے بنائے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ اب تک کی ساری اُمت گمراہ اور کافر تھی بس ہم مسلمان ہیں، ہم جماعت المسلمین ہیں۔ تو اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

مختلف تعارفی نسبتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہوتا

یاد رکھیے کہ ہم ''مسلمان'' ہیں غیر مسلموں کے مقابلے میں۔ ہم ''اہلِ سنّت والجماعت'' ہیں دوسرے فرقوں کے

مقابلے میں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہم پاکستانی ہیں دوسرے ممالک والوں کے مقابلے میں اور ہم پنجاب والے ہیں دوسرے صوبے والوں کے مقابلہ میں، اور ہم ملتان والے ہیں باقی اضلاع کے مقابلہ میں۔ اب اگر ہم اپنے نام کے ساتھ "شجاع آبادی" لکھیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم پاکستانی یا پنجابی نہیں رہے۔

بعض لوگوں کی طرف سے ڈالا جانے والا وسوسہ

ہم جب اپنے آپ کو سنی یا حنفی یا دیوبندی کہتے ہیں تو بعض لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو بھائی! اللہ کہتا ہے کہ مسلمان بنو! یہ حنفی اور دیوبندی بن گیا؟ کبھی کبھی یہ وسوسہ بھی ڈالا جاتا ہے کہ محمدی بنو! حنفی یا شافعی یا دیوبندی نہ بنو! حالانکہ یہ تو ایسی ہی احمقانہ بات ہے جیسے کوئی کراچی میں رہنے والا اپنے آپ کو "کراچوی" کہے تو اس پر کوئی اعتراض کرے کہ یہ اپنے آپ کو پاکستانی نہیں کہ رہا، کراچوی کہ رہا ہے، دونوں میں کوئی تضاد تو نہیں ہے، ایسے وسوسوں کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے، جلدی پریشان نہیں ہوجانا چاہیے۔ ہمارا جو مذہب ہے الحمدللہ وہ بھی سچا ہے اور ہمارا جو مسلک ہے، الحمدللہ وہ بھی سچا ہے، ہم اعتدال والے لوگ ہیں۔

یہ اُمّت بھی گواہ...اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہ

"لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" فرمایا کہ قیامت کے دن حضور تم پر گواہ ہوں گے۔ اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ پاک کے احکامات اس اُمت تک پہنچا دیے تھے۔ اُمتِ محمد یہ اس کا اقرار کرے گی۔ لیکن جب دوسرے انبیائے کرام اپنی اپنی اُمتوں تک دعوت پہنچانے کی بات کریں گے تو ان کی اُمتیں مکر جائیں گی کہ ہم تک دعوت پہنچی ہی نہ تھی۔ اس وقت اُمتِ محمد یہ اُن انبیاءؑ کی تائید کرے گی کہ ہمارے صادق ومصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ ہر نبی نے اپنی اُمت تک دین کا پیغام پہنچایا تھا۔ اس لیے تم سب جھوٹے ہو اور تمہارے پیغمبر سچ کہتے ہیں۔ ہم سب ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۶/۲۹۱)

فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾

خدائی اَحکامات کی پابندی کرو

جب اللہ پاک نے تم پر اتنے عظیم احسانات فرمائے ہیں تو تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ اللہ کے احکامات کی پوری پابندی کرو! "فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ" نماز قائم کرو، صرف پڑھو نہیں، بلکہ مکمل خشوع خضوع کے ساتھ نماز کے مکمل حقوق ادا کرو! "وَآتُوا الزَّكَاةَ" زکوٰۃ دو۔

صرف نماز اور زکوٰۃ کے ذکر کی وجہ

بدنی عبادات میں سے سب سے اہم عبادت "نماز" اور مالی عبادات میں سے سب سے اہم "زکوٰۃ" ہے۔ اس لیے صرف اہم عبادتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ بھی شرعی احکام کی پابندی مراد ہے۔

اللہ سے تعلق مضبوط بناؤ

فرمایا: ''وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ'' اور اللہ سے تعلق مضبوط کرو۔ مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھو، اسی سے دُعائیں اور حاجات مانگو اور قرآن وسنت کے احکامات پر جم کر عمل کرو! کیونکہ ''هُوَ مَوْلٰىكُمْ'' وہی اللہ تمہارا مولیٰ ہے، ''فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' اور اللہ بہترین مولیٰ اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں قیامت کا اثبات اور اس کے وقوع کے وقت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا ہے۔
۲۔انسان کی تخلیق کے مراحل کو ذکر کیا گیا ہے۔
۳۔حج سے متعلق اَحکام ذکر کیے گئے ہیں۔
۴۔قربانی سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔
۵۔اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے نمونے ذکر فرما کر اس کی توحید کی جانب لوگوں کو دعوت دی گئی ہے۔

تم الجزء السابع عشر بعونِ الله تعالىٰ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

سورت کا تعارف

یہ سورت ''المومنون'' ہے، یہ سورت مدنی ہے، جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ قرآنی ترتیب کے اعتبار سے یہ تیئیس (۲۳) نمبر پر ہے، جب کہ نزول کی ترتیب کے اعتبار سے چوہتر (۷۴) نمبر پر ہے، اس کے چھ رُکوع اور ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کے دو نام معروف ہیں:

۱- اَلْمُؤْمِنُوْن: کیونکہ اس سورت میں مؤمنین کے اوصاف کا ذکر ہے، مومنین کی نشانیوں کا ذکر ہے، مومنین کی خوبیوں کا ذکر ہے۔ اس سورت میں اللہ نے مضمون بھی یہی بیان کیا کہ مومنین کی اوصاف کیا ہیں اور کافروں کا انجام کیا ہے۔

۲- قَدْ اَفْلَحَ: کیونکہ اس سورت کی ابتداء اسی جملہ سے ہوئی ہے۔ (اَتدبر القرآن: ۱۱۷)

ماقبل سے ربط

سورۂ حج میں اللہ پاک نے اُن اسباب کو بیان فرمایا ہے، جو تقویٰ کے حصول میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، اس سورت میں بھی انہی اسباب کا بیان ہے۔ گزشتہ سورت میں بھی توحید کا بیان تھا اس سورت میں بھی توحید کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مؤمنین اور کفار کی صفات اور ان کے انجام کا موازنہ کرنا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت کے چند اہم مضامین یہ ہیں:

۱- مومنین کے اوصاف کا بیان۔

۲- مومنین کی جزا اور بدلے کا بیان۔

۳-اہلِ ایمان کی نسل در نسل تاریخ کا بیان۔
۴-مشرکینِ مکہ اور کفار کے خلاف دلائل قائم کیے گئے ہیں۔
۵-مؤمنین اور کافرین دونوں کے انجام کا تذکرہ۔

پارہ نمبر ۱۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۝

کامل مؤمن کے سات اہم اوصاف

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝

بلاشبہ مومن کامیاب ہو گئے۔ مومن کون ہوتے ہیں؟ ان آیات میں مؤمنین کے اہم اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

فلاح کا جامع مفہوم

فلاح کا مطلب ہے "ہر مراد پوری ہو اور ہر تکلیف دور ہو" ظاہر ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کی خواہش کر ہی نہیں سکتا۔ نیز یہ بھی یقینی ہے کہ ایسی کامل فلاح، جنت میں ہی حاصل ہو گی، تاہم دنیا میں بھی اللہ پاک اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرما دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں انہی "فلاح یافتہ" طبقے کی چند نشانیوں کو بیان فرما کر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ آخرت کی فلاح تو انہی کا مقدر بنے گی ہی، دنیا میں بھی جس قدر فلاح ممکن ہو، انہی کو حاصل ہو گی۔ کیونکہ جو شخص تمام وقتی تکالیف کے باوجود اِن قرآنی اوصاف پر جما رہے، اللہ پاک اس کی تکالیف جلد دور فرماتے ہیں۔ ساری دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور نیک نام انہی کا باقی رہتا ہے۔ (معارف القرآن ملخصا: ۶/ ۲۹۴، ۲۹۵)

ان آیات کا شانِ نزول

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو ہم خدائی حکم سننے کے لیے ٹھہر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم التحیات کی شکل میں بیٹھ کر یہ دُعا مانگنے لگے: "اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا وأکرمنا ولا تھنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علینا وأرضنا وارض عنا۔ ثم قال: لقد أنزلت علیّ عشر آیات من أقامھن دخل

الجنۃ ثم قرأ: قد أفلح المؤمنون الذين هم فی صلاتہم خاشعون " یااللہ! ہمیں زیادہ دے، کمی نہ فرما۔ ہماری عزت میں اضافہ فرما، اہانت نہ فرما۔ ہمیں عطا فرما، محروم نہ فرما۔ ہمیں غلبہ عطا فرما، مغلوب نہ فرما۔ ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کردے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر دس آیات ایسی اُتری ہیں کہ جو ان پر پورا پورا عمل کرلے، جنت میں جائے گا۔ اس کے بعد اس سورت کی پہلی دس آیات تلاوت فرمائیں۔ (سنن النسائی الکبری: وفیہ نوع نکارۃ. واللہ اعلم، ۱/۴۵۰)

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

پہلا وصف: نماز میں ہر لحاظ سے اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں

"اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝" اہلِ ایمان وہ ہیں، جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں۔ خشوع کا معنی ہے: ڈرنا، سکون اختیار کرنا، یعنی جو نماز میں اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور ٹھہر کر سکون سے نماز ادا کرتے ہیں، دل میں خوفِ خدا ہے، احکم الحاکمین کے دربار میں پیشی کا تصور ہے۔ دل اور اعضا ہر لحاظ سے اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔ نہ دل میں غیر اللہ کا خیال ہے اور نہ ہی جسمانی اعضا اِدھر اُدھر مصروف ہوں۔ آنکھیں جھکی ہوئی ہیں، طبیعت میں سکون ہے، حرکتیں بند ہیں، یہ ہے خشوع وخضوع۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

دوسرا وصف: گناہ تو گناہ، فضول اور لایعنی کاموں سے بھی بچتے ہیں

دوسرا وصف یہ ہے: "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝" لغو سے اعراض کرتے ہیں، بے ہودہ باتوں اور کاموں سے اعراض کرتے ہیں، ان کے پاس بے ہودگی کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا، وہ تو ہمہ وقت علم وعمل اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں، وہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

تیسرا وصف: مال اور دِل، دونوں کو پاک رکھتے ہیں

فرمایا: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝" وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، یعنی گناہوں سے بچ کر خود کو بھی صاف رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرکے مال کو بھی صاف کرتے ہیں، زکوٰۃ سے مال پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" (التوبۃ: ۱۰۳) "میرے نبی ان سے صدقات اور زکوٰۃ لیجیے اور ان کو پاک کیجیے، ان کے دلوں اور مالوں کا تزکیہ کیجیے۔ زکوٰۃ جس طرح دینے والے کے دل اور مال کے تزکیہ کا ذریعہ ہے، اسی طرح زکوٰۃ لینے والے کے مال اور دل کے تزکیہ کا بھی باعث ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

چوتھا وصف: اُجلے کردار کے مالک ہیں

کامل مؤمن کی چوتھی نشانی ہے: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝" وہ عفیف اور پاکدامن ہیں۔ اپنے کردار کے دھنی ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت فرماتے ہیں، ان کی جنسی ضروریات، صرف جائز ذرائع (بیوی یا اپنی مملوکہ لونڈی) تک محدود رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ حرام ذرائع سے بچتے ہیں۔

"فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝" فرمایا کہ جو شخص نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مذکورہ بالا دو ذرائع (بیوی یا اپنی مملوکہ لونڈی) کے علاوہ کوئی اور ذریعہ ڈھونڈتا ہے، وہ زیادتی کرتا ہے، حد سے تجاوز کرتا ہے، بدمعاشی کرتا ہے۔

اہلِ علم فرماتے ہیں کہ "متعہ" بھی اسی میں شامل ہے کیونکہ وہ بھی نکاح نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

پانچواں اور چھٹا وصف: امانت دار اور عہد کے پابند ہیں

ان کا پانچواں وصف اور نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا پاس رکھتے ہیں، وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے، جو زبان دیتے ہیں، اس کو نبھاتے ہیں، جو عہد کرتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں۔

امانت کا مفہوم

اس آیت میں لفظِ "امانت" کو جمع لایا گیا ہے تاکہ ہر قسمی امانت کو یہ لفظ شامل ہو جائے، خواہ اُن امانتوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ سب امانتوں کی حفاظت کرنا اور ان میں کسی قسم کی خیانت نہ کرنا ہی کامل مؤمن کی شان ہے۔ (معارف القرآن ملخصا: ۶/۲۹۸)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

ساتواں وصف: نمازوں کی پابندی کرتے ہیں

"وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝" وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں، ایسا نہیں کرتے کہ رمضان آیا تو پڑھ لی اور رمضان گیا تو چھوڑ دی، یا جب دل کیا تو پڑھ لی ورنہ چھوڑ دی، بلکہ نمازوں کی پوری حفاظت اور پابندی کرتے ہیں اور انہیں اُن کے مستحب اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

علمی نکتہ

مؤمنِ کامل کے ان سات اوصاف کی ابتدا بھی نماز سے ہوئی ہے (اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝) اور انتہا بھی

نماز پر ہوتی ہے (وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر نماز کو اس کے مکمل آداب کے ساتھ پابندی سے ادا کیا جائے تو باقی اوصاف خود بخود انسان میں پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ واللہ اعلم

(معارف القرآن: ۶/۲۹۹)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

جنّت الفردوس کا انعام

جن لوگوں میں یہ نشانیاں پائی جائیں گی، وہ کامیاب ہیں اور ان کی کامیابی کی شکل یہ ہے کہ وہ جنّت الفردوس کے وارث ہیں۔ قرآن کریم میں صرف دو مقام پر جنّت الفردوس کا ذکر ہے، ایک سورۃ کہف میں اور ایک یہاں سورۃ مومنون میں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اِنسانی تخلیق کے سات مراحل

ان آیات میں اللہ پاک نے انسانی تخلیق کے مختلف ادوار کا ذکر فرمایا ہے۔ کئی سورتوں میں یہ مضمون بار بار آیا ہے اور اس سے مقصد، اللہ کی توحید اور قیامت کا اثبات ہے۔ یہ مضمون انسان کو اپنی اصلیت یاد دلا کر، موت، قبر، حشر اور آخرت کی یاد اور تیاری کی فکر دلاتا ہے۔

تخلیق کا پہلا مرحلہ

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾" "ہم نے انسان کو چُنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی ابتدائی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ پھر بعد میں ایک انسان کا نطفہ ہی، دوسرے انسان کی تخلیق کا باعث بنا۔

دوسرا مرحلہ

"ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾" پھر (ہم نے اس مٹی سے غذا، خوراک اور تمہارے کھانے پینے کی چیزیں پیدا کیں، پھر اس غذا اور خوراک سے) ہم نے نطفہ پیدا کیا اور وہ نطفہ، محفوظ مقام (رحم مادر) میں جا کر ٹھہرا۔

بقیہ پانچ مراحل

"ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً" چالیس دِن تک یہ نطفے کی شکل میں رہا، اس کے بعد وہ نطفہ، جما ہوا خون بن گیا۔ "فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً" پھر یہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا، "فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا" اس کے بعد وہ ہڈیاں بن گئیں، "فَكَسَوْنَا

الْعِظٰمَ لَحْمًا ‘‘ پھر چالیس دن بعد ہڈیوں پر گوشت چڑھ گیا‘‘ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ’’ پھر ہم نے اسے دوسری زندگی عطا کردی، یعنی پہلے سارے مراحل، ایک بے جان جسم میں طے پا رہے تھے۔ اب عالمِ ارواح سے روح لا کر اس میں ڈال دی گئی تو اب یہ بے جان سے جان دار اور زندہ انسان بن گیا۔

نکتہ

چار مہینے، یعنی تین چلے گزرنے کے بعد ربّ، بچّے میں روح پھونک دیتے ہیں، یہ جو تبلیغ والے تین چلے لگواتے ہیں، اس کی بھی حکمت ہے، کیونکہ ماں کے پیٹ میں تین چلّے گزرنے کے بعد جان آتی ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں تین چلّے لگانے کے بعد ایمان میں جان آتی ہے، وہاں جان میں جان آتی ہے، یہاں ایمان میں جان آتی ہے۔

پھر فرمایا کہ دیکھو! منی کے ناپاک قطروں سے بن کر تو کتنا خوبصورت انسان بن گیا: ’’ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ‘‘

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

’’زندگی، موت کے آنے کی خبر دیتی ہے!‘‘

’’ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ‘‘ دُنیا میں آنے کے بعد اب تمہیں موت بھی آئے گی۔ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا ’’ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ‘‘ پھر قیامت کے دِن تم زندہ کر کے اُٹھائے جاؤ گے، تا کہ تمہارے اعمال کا حساب کر کے اصلی ٹھکانے (جنّت یا جہنّم) تک تمہیں پہنچا دیا جائے۔ فرمایا کہ یہ تمہاری تخلیق، تمہاری پیدائش، پھر موت اور بعد میں دوبارہ زندگی، یہ سب جس طرح اللہ کی کامل قدرت کی نشانی اور اس کی توحید کی دلیل ہے، اسی طرح قیامت کی حقّانیت کی دلیل بھی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآىِٕقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

توحیدِ باری اور اِنسان پر خدائی احسانات کا مختصر تذکرہ

’’ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآىِٕقَ ‘‘ ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنا دیے۔ ’’طریقۃ‘‘ کا لفظ، عربی میں دو معنٰی کے لیے آتا ہے اور یہاں دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ ایک معنٰی ہے ’’طبقہ‘‘ یعنی ہم نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے۔ دوسرا معنٰی ہے ’’راستہ‘‘ مطلب یہ ہوگا کہ یہ ساتوں آسمان، فرشتوں کی گزرگاہیں ہیں۔ (معارف:۶/۳۰۵) ’’ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ‘‘ اور ہم انسان کو پیدا کر کے غافل بھی نہیں ہو گئے بلکہ اس کی آسائش اور غذا کا سامان بھی ہم نے مہیا کیا۔

آب رسانی کا عجیب وغریب نظام

"وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ" بادلوں سے ہم نے پانی برسایا، ایک خاص مقدار کے ساتھ۔ ہم بادلوں سے پانی ایک خاص مقدار سے بہاتے ہیں، یہ نہیں کہ بادلوں کا سارا پانی ایک ہی بار زمین پر گرادیں، جس سے تمہارے مکان گرجائیں، فصلیں اور باغات تباہ ہوجائیں، سیلاب آجائے۔ اس لیے پانی ایک مقدار کے ساتھ اتارتے ہیں، تاکہ انسانی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

پانی کی حفاظت اللہ کی مہربانی ہے

"فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ﴿ۖ﴾" اس بلیغ جملے میں پانی کی حفاظت کا سارا نظام بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اللہ پاک، روز کی ضرورت کا پانی روز برسادیا کرتے تو انسان کا نظامِ زندگی ہی متاثر ہوجاتا۔ اور اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اب بارش اتنے عرصہ بعد ہوگی، لہٰذا تم ابھی سے پانی کا ذخیرہ جمع کرلو! تب بھی انسان کے لیے اس قدر ذخیرہ جمع کرنا اور اُسے سڑنے سے بچانا ممکن نہ تھا۔ اس کا نظامِ قدرت نے یہ کیا کہ پانی کا بہت بڑا حصہ، برف کی شکل میں اتنے بلند وبالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر محفوظ فرمادیا جہاں تک نہ تو آلودگی اور گردوغبار کی رسائی ہے اور نہ ہی گلنے سڑنے اور ناپاک ہونے کا کوئی امکان۔ پھر یہ برف کا پانی، آہستہ آہستہ رِس کر زیرِ زمین پھیلی قدرتی پائپ لائنوں کے ذریعے زمین کے گوشے گوشے تک پہنچ جاتا ہے۔ کسی جگہ قدرتی چشموں، ندی نالوں اور نہروں کے ذریعے تازہ بتازہ جاری پانی سے انسانوں اور جانوروں کو سیراب کیا جاتا ہے تو کہیں ضرورت کے وقت کنویں اور زیرِ زمین بور کرکے باآسانی پانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب اللہ پاک کی کمال مہربانی ہے۔

پانی تک رسائی بھی اللہ کا خاص کرم ہے

فرمایا: "وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾" اگر ہم چاہیں تو یہ پانی واپس لے جائیں، کیونکہ پانی کی طبعی خاصیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ زمین کی گہرائی میں اُترتا چلا جاتا جہاں تک تمہاری رسائی ہی ممکن نہ ہوسکے۔ یہ خاص ہمارا کرم ہے کہ ہم نے پانی کو تھوڑی سی گہرائی میں رکھ دیا ہے اور تم بور کرکے آسانی سے حاصل کرلیتے ہو۔ اگر ہم پانی بہت نیچے لے جائیں تو تم قحط میں مبتلا ہوجاؤ۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

پانی سے پیدا شدہ پیداوار کا تذکرہ

فرمایا: "فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ" ہم اس پانی سے باغات اگاتے ہیں، "مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ" کہیں کھجوروں کے باغات، کہیں انگوروں کے باغات، "لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾" اس میں تمہارے لیے بکثرت (تازہ) میوے ہیں اور انہی میں سے (خشک کرکے بطورِ غذا) تم کھاتے ہو، "وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ

لِّلْاٰكِلِيْنَ۝ ''زیتون کا درخت (جو طورِ سیناء میں بکثرت اُگتا ہے) اسی پانی سے اُگتا ہے، جس میں سے تیل نکلتا ہے جو مالش اور چراغ جلانے کے کام بھی آتا ہے اور کھانے میں سالن کا کام بھی دیتا ہے۔ اس میں روٹی ڈبو کر کھائی جاسکتی ہے۔

جانور بھی عطیۂ خداوندی ہیں

''وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝'' جانوروں میں بھی تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ان کے پیٹ سے ہم دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں، ''وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ'' ان جانوروں میں تمہارے لیے بڑے بڑے منافع ہیں، ان کے جسم کے ایک ایک حصے پر بے شمار انسانی صنعتیں قائم ہیں۔ جانور کی کھال، ہڈی، آنتیں، بال اور دیگر اجزاء سے انسان اپنی ضرورت کے کتنے سامان تیار کرتا اور بیچتا ہے۔ ان کا دودھ تم پیتے ہو، ان کے چمڑوں سے تم لباس تیار کرتے ہو، ان کی اون اور بالوں سے تم گرم لباس اور شالیں بناتے ہو، اور ان جانوروں پر اور اسی طرح کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو، یہ ہماری نعمتیں ہیں۔ ان سب نعمتوں کے ساتھ ساتھ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان میں حلال جانوروں کا گوشت انسان کی بہترین غذا بھی ہے: ''وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝''

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۝

اِنسان کی رُوحانی تربیت کے لیے کیے گئے انتظام کا ذِکر

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ'' ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

''شرک'' کی اِبتدا قومِ نوح سے ہوئی

حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جن کی قوم بگڑی تھی، مشرک بن گئی تھی، ''وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر'' کی پوجا کرنے والی تھی، اس لیے قرآن نے جا بجا اس قوم اور نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا، نوح علیہ السلام نے ان کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا ''اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ'' اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تقویٰ اختیار کرو، لیکن قوم نہ مانی۔

''توحید'' کی دعوت پر قوم کا جواب

''فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿﴾ ''ہرقوم نے نبی کی نبوّت پر اعتراض کیا، نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی کیا کہ یہ ایک عام سا انسان ہے، شاید یہ نبوّت کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی فوقیت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یعنی یہ محض عزت ورتبے کا طالب ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو اس کام کے لیے فرشتے بھیج دیتا۔ انسان کو نبی بنانے کی کیا ضرورت تھی! ''اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ '' ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ یہ مجنون ہے جو سارے زمانے کے برعکس بات کرتا ہے کہ معبود صرف ایک ہی ہے اور میں اس کا بھیجا ہوا رسول ہوں، لہٰذا اسی ایک اللہ کی عبادت کرو۔ یہ مجنونانہ باتیں ہیں۔ مجنون لوگ جلدی گزر جاتے ہیں، لہٰذا اس کے مرنے تک انتظار کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔

قوم سے مایوس ہو کر پیغمبر کی دُعا

ساڑھے نوصدیوں کی طویل دعوت کے بعد بھی جب قوم (بحیثیت مجموعی) سیدھے رستے پر نہ آئی اور نبی کو ستانے کا سلسلہ جاری رکھا تو مایوس ہو کر نوح علیہ السلام نے اللہ سے دُعا کی: ''قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ '' اے میرے ربّ! یہ جو مجھے جھٹلا رہے ہیں، ان پر میری مدد فرما۔

دُعا قبول ہوئی

اللہ نے فرمایا: ''اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا '' کہ اے نوح! میری نگرانی میں کشتی تیار کر۔ کشتی تیار ہوگئی، ''فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ '' پھر جب ہمارا حکم (عذاب کا وقت) آپہنچے، جس کی نشانی یہ ہے کہ زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے تو اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں (جو انسان کے لیے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے) کے جوڑے میں سے دو دو عدد سوار کر دو اور اپنے اہل یعنی ایمان والوں کو بھی، لیکن جن پر میرے عذاب کا فیصلہ ہے ان کو سوار نہ کیجیے اور نہ ہی ان کافروں سے متعلق کوئی سفارش کیجیے، ان کا غرق ہونا طے ہو چکا ہے۔

تنور کا مطلب

روٹی پکانے والی خاص جگہ کو بھی تنور کہا جاتا ہے اور ساری زمین پر بھی تنور کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہم نے تفسیر میں دوسرا معنیٰ مراد لیا ہے۔ پہلا معنیٰ بھی درست ہے۔ نیز بعض حضرات نے مخصوص جگہ کے تنور سے پانی نکلنے کو بھی عذاب کی علامت قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف:۶/ ۳۱۰)

عذاب سے نجات پر شکرانہ ادا کریں

''فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾ '' جب کشتی میں

سوار ہو جاؤ تو یہ دُعا کرنا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝" "یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہمیں ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی، (یہ واقعہ تفصیل سے پہلے بیان ہو چکا ہے)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ۝ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا
مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۝ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ۝
هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ۝ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا
رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۝ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ
لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝

قومِ عاد و ثمود کا واقعہ

ترتیب کے لحاظ سے نوح علیہ السلام کے بعد قومِ عاد آئی، لیکن اس رکوع میں جس عذاب کا ذکر ہے، وہ عذاب "صیحہ" ہے۔ اگر اس کا اصطلاحی معنیٰ "چیخ" مراد ہو تو چونکہ یہ عذاب قومِ ثمود پر آیا تھا، اس لیے بعض حضرات کے نزدیک ان آیات میں قومِ ثمود کا تذکرہ ہے۔ اور اگر "صیحہ" کو مطلق عذاب کے معنیٰ میں لیا جائے تو یہ "قومِ عاد" کے ساتھ بھی لگ سکتا ہے۔ قرآن نے کسی قوم کی تخصیص نہیں کی۔ قرائن کی وجہ سے ہم نے پہلے مصداق کو لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمایا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا تو ان کی قوم نے انکار کر دیا۔ ان کا بھی یہی اشکال تھا کہ نبی تو بشر نہیں ہو سکتا، تم کیسے نبی ہو، جو کھاتے بھی ہو پیتے بھی ہو اور تمہیں بشری تقاضے بھی ہوتے ہیں؟ نیز اُنہوں نے قیامت کا بھی انکار کر دیا اور اپنے نبی کی بے حرمتی کی، جس پر حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے خلاف اللہ سے مدد کی دُعا کی جس کے نتیجے میں قوم پر چیخ اور زلزلے کا عذاب آیا، جس سے وہ کوڑا کرکٹ کی طرح ہو گئے، جیسے کوڑا دان میں کوڑا کرکٹ پڑا ہوتا ہے ویسے ہی یہ پڑے ہوئے تھے۔ سو خدا کی مار ہے کافر قوموں پر، (تفصیلی واقعات پہلے بیان ہو چکے ہیں، اعادے کی حاجت نہیں)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا
لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝

تکذیب کرنے والی قومیں...... قصۂ پارینہ بنا دی گئیں

پھر ان کے بعد اللہ نے دوسری قوموں کو پیدا کیا اور مسلسل رسول بھیجے، جب بھی کوئی رسول آیا تو ان کی قوم نے ان

کی تکذیب کی، جس پر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں قصہ پارینہ بنا دیا "فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۝" جو قوم اللہ پر ایمان نہیں لاتی وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتی ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۝

سلسلۂ نبوّت حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچتا ہے

چلتے چلتے نبوّت کا سلسلہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تک پہنچا۔ وہ بھی معجزات لے کر فرعون کے پاس آئے، لیکن قوموں کا تکبّر، ان کی محرومی کا سب سے بڑا سبب بن جاتا ہے۔ فرعون نے بھی وہی کیا، اور اپنے آپ کو بلند بنا کر پیش کیا اور کہا کہ ہم تو خود ان کی قوم کے حاکم ہیں، یہ سب ہمارے تابع اور محکوم ہیں۔ ہم اپنے محکوموں کے تابع کیسے ہو سکتے ہیں! جب دُنیوی شاہی ہماری ہے تو دینی شاہی میں ہم کسی کی پیروی کیسے کریں؟ اس تکذیب پر فرعون اور اس کی قوم ہلاک کر دی گئی۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۝

مریمؑ اور ابنِ مریمؑ ہماری نشانی تھے

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ اور اس کی والدہ کو نشانی بنایا "وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۝" ہم نے ان کو اونچی جگہ میں جو غلات اور پھلوں کی وجہ سے رہائش کے قابل اور چشمے کی وجہ سے شاداب جگہ تھی، وہاں ٹھہرایا۔

"ربوة" کا مفہوم و مصداق

"ربوة" عربی میں اونچی جگہ کو کہتے ہیں، مفسرین کے نزدیک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں پیدا ہوئے تھے وہ اونچی جگہ تھی، جہاں اللہ نے بی بی مریمؑ کے لیے نیچے پانی کا چشمہ جاری کر دیا تھا اور اوپر کھجور تھی تو اس ربوہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش والا ٹیلہ ہے۔

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ حضرت عیسیٰ کے خلاف ہو گیا تھا: کیونکہ اسے ایک نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ بچہ تمہیں نقصان پہنچائے گا، وہ بادشاہ آپ کے خلاف منصوبے بنانے لگا جس کی وجہ سے حضرت مریمؑ آپ کو مصر لے آئیں۔

مصر چونکہ دریائی سطح سے اونچی جگہ ہے، اس لیے "ربوہ" سے "مصر" مراد ہے۔

قادیانیوں کی تلبیس

قادیانیوں نے اپنے ایک شہر کا نام "ربوہ" رکھا ہے۔ پہلے وہ کہتے تھے کہ ربوہ کشمیر میں ہے اور سری نگر کے قریب (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے (کیونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں) وہ جگہ

چونکہ اونچی ہے، اس لیے قرآن میں موجود "ربوہ" سے یہی جگہ مراد ہے۔ جب پاکستان بنا تو انہوں نے یہاں ایک شہر کا نام ربوہ رکھ دیا۔ حالانکہ ان کے ان شہروں کا قرآن میں موجود "ربوہ" سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی کاوشوں سے حکومتِ پنجاب نے اس نام نہاد "رَبْوَةٍ" کا نام تبدیل کر کے "چناب نگر" رکھ دیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝

تمام انبیاء کے لیے دو خاص ہدایات

۱۔ غذا حلال ہو۔ ۲۔ عملِ صالح کا اہتمام ہو۔

اللہ پاک نے ان آیات میں رسولوں کو خطاب کر کے ہمیں پیغام دیا ہے۔ فرمایا: "يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ" "اے رسولو! پاکیزہ اور حلال رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو، تم جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔

"حلال" اور "طیب" میں فرق

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون قرآن پاک میں کئی جگہ بیان کیا ہے کہ اے رسولو! حلال اور پاک کھاؤ، حلال عام ہے اور حلال میں سے پاک خاص ہے، حلال سے مراد تو وہ ہے جس کو اللہ نے حلال کیا ہے، اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حلال ہونے کے ساتھ اپنی ذاتی ملکیت ہو، غیر کی نہ ہو۔ مثلاً گندم کی روٹی ہے، اسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے لیکن اگر کوئی چوری کر کے روٹی کھائے تو اس نے حلال چیز تو کھائی لیکن طیّب نہیں کھائی۔ بکری بھی حلال ہے لیکن اگر پڑوسی کی پکڑ کر کھاؤ گے تو بکری حلال تو ہوگی لیکن طیّب نہیں ہوگی، اس لیے فرمایا کہ رسولو! حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔

رزقِ حلال کا نیک اعمال کی توفیق میں اثر ہوتا ہے

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب غذا حلال ہوتی ہے تو خود بخود نیک اعمال کی توفیق ہونے لگ جاتی ہے۔ نیک اعمال میں رزقِ حلال اور طیب کا دخل ہے، جو چیز بوؤ گے وہی چیز کاٹو گے، جو کھیتی کاشت کرو گے وہی نکلے گی، رزق حلال ہوگا بیوی فرمانبردار ہوگی، رزق حلال ہوگا تو اولاد نیک ہوگی، رزق حلال ہوگا تو نمازی اور شکر گزار رہے گا، رزق حلال ہوگا تو زکوٰۃ دے گا، رزق حلال ہوگا تو ذکرُ اللہ کرے گا، رزق حلال ہوگا تو حرام سے بچے گا۔ اگر رزق حرام ہوگا تو یہ بات جان لو کہ حرام چیز، حرام ہی لاتی ہے اور حلال چیز حلال کو کھینچ کر لاتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر نیک اعمال کرنے ہیں تو اپنا رزق حلال رکھو، باقی تم حلال کھاتے ہو یا حرام کھاتے ہو یا جو بھی کرتے ہو، اللہ سب جانتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝

نیکی کر کے بھی اللہ سے ڈرتے رہنا، صالحین کی نشانی ہے

فرمایا کہ اللہ کے نیک بندے جب کوئی عمل کرتے ہیں، تو ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں اور وہ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقات دیتے ہیں، اس کے باوجود اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل، اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں۔ (سنن الترمذی ت شاکر: ۵/ ۳۲۷)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۱۸)

جو مؤمن کامل ہوتا ہے وہ نماز پڑھتا ہے تو ڈرتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ قبول کرے گا یا نہیں، روزہ رکھتا ہے تو ڈرتا ہے کہ اللہ قبول کرے گا یا نہیں، زکوۃ دیتا ہے تو ڈرتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ میرا مال قبول کرتا ہے یا نہیں، نیکی کرتا ہے تو ڈرتا ہے کہ اللہ قبول کرے گا یا نہیں؟ اللہ فرماتے ہیں: "أُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۝" کہ یہی ایمان والے ہیں جو ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ۝

کفّار کی حالت

مؤمنین تو دین پر عمل کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، لیکن کافر لوگوں کے دل، دین کی طرف سے جہالت اور شک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کسی طرف سے بھی دین کی روشنی اُن دلوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر وہ اسی جہالت کے پردے پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ ساتھ ساتھ دوسرے اعمالِ خبیثہ بھی مسلسل کرتے رہتے ہیں۔

حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۝ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ۝

جب خدائی گرفت ہوتی ہے، تو سب حفاظتی اسباب بے کار ہو جاتے ہیں

فرمایا: "حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۝" ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہم جب نافرمان قوم پر عذاب مسلط کرتے ہیں، تو ہمارے عذاب سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ چاہے وہ مال دار ہوں یا غریب۔ لیکن اس آیت میں بطورِ خاص، مالدار اور خوش حال لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ، دنیوی مصائب سے بچنے کے لیے کچھ نا کچھ اسباب

کر کے رکھتے ہیں۔ مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کے اسباب، ان کے کسی کام نہیں آتے۔ غریب غُرباء تو کسی کھاتے میں نہ رہے۔ غرض جب ان سب پر ہماری گرفت ہوتی ہے تو وہ چلا اُٹھتے ہیں اور سب غرور و تکبر نکل جاتا ہے۔

کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

ہم کہتے ہیں "لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ" "آج چلاؤ مت! اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آخرت دار الجزاء ہے۔ اب ہر عمل کا بدلہ ملے گا۔ تم ہم سے بچ نہیں سکتے۔ "قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ" "دنیا میں تو تمہارا حال یہ تھا کہ جب تم پر میری آیات (انبیاءؑ کی زبان سے) سنائی جاتی تھیں، تو تم اس وقت اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے۔ "مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ" "تکبر کرتے تھے (قرآن کے بارے میں طرح طرح کی) باتیں بناتے تھے۔ دنیا میں جیسے کیا تھا، اب اس کی سزا بھی بھگتو!

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۝

کیا یہ پانچ چیزیں تمہارے ایمان لانے سے مانع تھیں؟

یہاں سے اللہ پاک نے پانچ چیزیں ایسی بیان فرمائی ہیں جو کسی درجہ میں مشرکین کے ایمان نہ لانے کا عذر بن سکتی تھیں۔ دو چیزیں قرآن سے متعلق ہیں اور تین چیزیں صاحبِ قرآن (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق۔

پھر اللہ پاک نے ہر ایک عذر کا صراحت سے رد فرمایا کہ ان میں سے کوئی عذر بھی درست نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایمان نہ لانے کی وجہ صرف تکبر اور ہٹ دھرمی ہے۔ باقی سب بہانے ہیں۔

قرآن کی تکذیب کے دو عذر

۱۔ "اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ" "کیا انہوں نے اس کلام (قرآن) میں غور و فکر نہیں کیا تا کہ اس کلام کا اعجاز اُن پر ظاہر ہو جاتا اور وہ ایمان لے آتے!

۲۔ "اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ" "یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ کوئی نئے احکامات ہیں جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئے تھے؟ حالانکہ خدائی احکامات تو ہمیشہ سے ہی حضرات انبیاءؑ کے ذریعے ان کی اُمتوں تک پہنچائے جاتے رہے ہیں۔ یہ احکامات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں، کوئی نئے احکامات نہیں ہیں۔ پھر نہ ماننے کا کیا بہانہ باقی ہے!

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے بہانے

۱۔ "اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ" "کیا یہ لوگ اپنے نبی کی تکذیب اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اپنے رسول (کی صداقت، دیانت اور امانت) سے واقف نہیں ہیں! یہ وجہ تب درست ہوتی جب نبی، ان کی قوم سے نہ ہوتا، بلکہ کہیں باہر سے آیا ہوتا اور یہ لوگ اس نبی کے نام، نسب اور حالات سے واقف نہ ہوتے، تو پھر بلاشبہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس کے حالات سے واقف نہیں ہیں، تو اسے نبی کیسے تسلیم کرلیں! حالانکہ یہاں یہ عذر بھی نہیں پایا جارہا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، قریش ہی کے اعلیٰ نسب ہیں۔ ساری جوانی انہیں کے سامنے گزری، آپ کی صداقت و دیانت پر سب قریش کا اتفاق تھا۔ اپنے نبی کو نہ پہنچاننے کی وجہ بھی یہاں نہیں چل سکتی۔

۲۔ "اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ" "کیا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پیغمبر کو (معاذ اللہ) مجنون سمجھتے ہیں! حالانکہ حقیقت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا، کامل العقل اور اعلیٰ بصیرت کا حامل ہونا واضح ہے۔ لہٰذا تکذیب کی یہ سب وجوہات باطل ہیں۔ رسالت کے انکار کی کوئی ایک عقلی یا طبعی وجہ بھی نہیں ہے۔

۳۔ "بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ" "انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ، حق سنتا ہی نہیں چاہتے، حق سے نفرت رکھتے ہیں۔ ان کی بڑی خواہش ہے کہ دین، ان کے خیالات کے تابع ہوجائے۔ ان کے اعتقادات پر زد نہ پڑے بلکہ قرآن ہی میں ترمیم کردی جائے۔ اگر حق، ان کی خواہشات کے تابع ہوجائے تو دنیا میں فساد مچ جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی سوچ کی خوب تصویر کشی کی ہے:

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم، بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

پیمبری کا دعویٰ کرکے ذاتی مفادات حاصل کرنے کا شبہ بھی غلط ہے

شاید یہ لوگ یہ سوچ کر ایمان نہ لاتے ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے رسمی پیروں کی طرح مال و دولت وصول کریں گے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کسی ذاتی مفادات کا شاخسانہ ہیں، تو یہ سوچ بھی درست نہیں۔ تیرے رب کی عطا سب سے بہتر ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ

دُنیوی مصائب پر بھی رجوع الی اللہ نہیں کرتے

فرمایا: ''وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ'' ''ہم نے اپنے نافرمانوں کو ایک عذاب میں مبتلا کیا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددُعا سے مکہ میں اس قدر شدید قحط آیا تھا کہ یہ لوگ، مُردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے) جس پر چاہیے تو تھا کہ یہ لوگ سرکشی سے رُک جاتے، اللہ کے حضور جھک جاتے، معافیاں مانگ لیتے، لیکن (قریش کے نمائندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر، عذاب ٹلنے کی دُعا کرنے کی التجا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے یہ عذاب دور ہوا) اس کے باوجود ''فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴿﴾'' یہ اپنے شرک و کُفر پر اسی طرح جمے رہے۔ اللہ کے حضور جھک کر عاجزی اختیار نہیں کی۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴿﴾

جب اصل گرفت ہوگی تب طبیعت ٹھیک ہوگی

فرمایا: ''حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ'' جب ہمارے سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھلے گا (دُنیا میں عذاب آئے یا نہ آئے، بعد الموت تو یقینی ہے) تو اس وقت ان کی اُمیدیں ٹوٹ جائیں گی اور بالکل حیرت زدہ سے ہو کر رہ جائیں گے۔

مَرنے سے پہلے اللہ کے راستے پر آجاؤ

اس لیے اللہ کے دروازے پہ آجاؤ، اس سے توبہ کرو، استغفار کرو، جو بھی تنگی آئے، اُسے اللہ کی طرف سے تنبیہ سمجھو، الارم سمجھو، اشارہ سمجھو کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے، جس پر ربّ کی طرف سے یہ اشارہ آیا ہے۔ بیماری آئے یا کوئی مالی نقصان ہو جائے تو اللہ کی طرف دوڑو اور معافی مانگو۔

بحیثیتِ مجموعی ہمارا طرزِ عمل

ہماری قوم کا عمومی طرزِ عمل یہ ہو گیا ہے کہ اگر ان پر کوئی بیماری یا کاروبار میں نقصان ہو تو اِدھر، اُدھر پیروں فقیروں کے پاس بھاگتے ہیں کہ حساب لگاؤ، کسی نے جادو کروایا ہے۔ ارے بھائی! تم پر شیطان نے جادو کروایا ہے، یہ تیرے گناہ ہیں، ان سے توبہ کرو، استغفار کرو! پیر صاحب نے اور مولوی صاحب نے تو الٹا تجھ سے پیسے لے لینے ہیں، اس سے ربّ نے راضی نہیں ہونا، یہ عذاب نہیں ٹلنا۔ یہ عذاب تبھی ٹلے گا جب تو اللہ سے معافی مانگے گا۔ اس لیے اپنی زندگی اور معمولات کا جائزہ لو کہ کس عمل میں کوتاہی ہو رہی ہے؟ کہاں خدائی حکم ٹوٹ رہے ہیں اور کہاں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوٹ رہے ہیں، اپنا طرزِ زندگی اسلامی کر لو، سب معاملات درست ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴿﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴿﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿﴾

قادرِ مطلق کی طرف لوٹ آؤ

فرمایا کہ اُس اللہ سے تعلق جوڑو جو معبودِ برحق ہے۔ ''اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ '' اس نے تمھیں کان جیسی نعمت دی ورنہ بہرے ہوتے، آنکھ جیسی نعمت دی ورنہ اندھے ہوتے، دل دیا، ورنہ حقیقی ادراک سے عاجز ہوتے۔ لیکن تم نے پھر بھی خدائی دعوت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ ''قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ '' بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

''وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ '' اس نے تمھیں زمین میں پھیلا دیا، تم نے بھی اُسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے۔

''وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ '' وہی جلاتا ہے مارتا ہے۔ ''وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ '' دن رات میں ادل بدل کرتا ہے، اور مشرک بھی یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے، اور وہ کہتے تھے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش کا رب اللہ ہے، پوری کائنات کا نظام چلانے والا اللہ ہے۔ پھر فرمایا: ''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ '' اِدھر اُدھر کیوں جاتے ہو۔ کیا تمھیں اتنی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ جو خدا، یہ سب نظام چلا رہا ہے، وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ تم پھر بھی انکار کرتے ہو!

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکارمِ اخلاق کی تربیت دی گئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ '' میرے حبیب! ان کافروں کے ساتھ اچھے انداز میں مدافعت کیجیے، لڑائی جھگڑا نہ کیجیے، ہمیں خوب پتا ہے جو یہ لوگ جھوٹی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ آپ ان کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے رہیے۔

یہ حکم، اگرچہ جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو گیا ہے تاہم پھر بھی، عینِ جہاد میں اس حُسنِ خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے ہیں کہ کن کن لوگوں پر تلوار نہیں اٹھانی اور دُشمن کی ذات سے ایسا ایسا سلوک نہیں کرنا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۝

شیطانی وساوِس اور اپنے نفس پر قابو پانے کی عجیب دُعا

ممکن ہے کہ کسی وقت شیطان غصہ دلا دے اور حُسنِ خلق پر عمل دشوار ہو جائے، اس لیے اللہ نے شیطانوں اور شریروں کے اثرات سے بچاؤ کی دُعا تلقین فرمائی: ''رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ۝ '' اے میرے رَبّ! میں شیطانی وسوسوں اور اُن کے اپنے قریب آنے سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے شیاطین سے بچانا۔ یہ دُعا سب کو پڑھنی چاہیے۔ شیطانی اور جناتی اثرات سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔

اس رکوع میں اللہ نے پہلے ان شیاطین کا ذکر فرمایا جو انسان تھے یعنی کافر، ان کے متعلق فرمایا کہ ان سے تم خود نمٹنا

"اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اب اُن شیاطین کا تذکرہ ہے جو جن ہیں، ان کے بارے میں فرمایا کہ ان سے تم خود نہیں نمٹ سکتے، ان سے بچاؤ کے لیے تمہیں اپنا آپ، اللہ کے سپرد کرنا پڑے گا، اللہ کی حفاظت میں آنا پڑے گا، لہٰذا اللہ سے پناہ مانگتے رہا کرو۔

رات کو نیند نہ آنے پر مسنون وظیفہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ جو معروف صحابی ہیں، انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ رات کو بے چینی سی رہتی تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی تو آپ نے انہیں ایک دُعا تلقین فرمائی جو اسی آیت سے ماخوذ ہے، فرمایا جب سونے لگو تو یہ پڑھا کرو "باسم الله أعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه ومن شر عباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون فقالها فذهب ذلك عنه" اس کے بعد ان سے بے چینی کی وہ کیفیت دور ہوگئی۔ (سنن النسائی الکبریٰ: ۶/ ۱۹۱)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۞ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۞

دُنیوی زندگی کو غنیمت جانو

"حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ" فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب سب کو موت آئے گی۔ تو جب کافر کو موت آئے گی تو وہ اللہ سے کہے گا رَبِّ ارْجِعُوْنِ مجھے ایک بار دنیا میں واپس بھیج دے۔ پھر اگر میں کفر کروں تو مجھے بیشک سزا دینا، ہر فاسق و فاجر، معصیت کار، گناہ گار، کافر مرنے کے بعد بھی آرزو کرے گا کہ ایک بار موقع دے دو! لیکن اللہ فرمائیں گے: "ما يبدل القول لدي" میرے قانون نہیں بدلتے، میرے ہاں سے کوئی واپسی نہیں ہے۔

حضرت ربیع بن خُثیم رحمہ اللہ کی فکرِ آخرت

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے ایک شاگرد تھے "ربیع بن خُثیم" انہوں نے اپنے گھر میں قبر بنائی ہوئی تھی۔ جب کبھی طبیعت میں غفلت ہوتی تو اُس قبر میں جا کر لیٹ جاتے۔ اور جب کچھ دیر بعد وہاں سے اُٹھ کر واپس آتے تو کہتے: "یا ربیع قد أرجعت فاعمل الآن قبل أن لا ترجع" "اے ربیع! آج تو واپس آگیا ہے، لہٰذا نیک اعمال کر لے! اس سے پہلے کہ وہ دِن آجائے جس دِن تجھے اس قبر سے واپس کوئی نہیں آنے دے گا۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے انہوں نے ایسا کیا ہوا تھا۔

(إحياء علوم الدين ومعه تخريج الحافظ العراقي: ۳/ ۱۳۱)

واپس آنا بھی چاہیں گے تو نہیں آپائیں گے

فرمایا کہ کافر بھی یہی کہے گا: "لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ" مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں نیک اعمال کر کے آؤں۔ اللہ کہیں گے: "كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ" ہرگز نہیں، یہ ایک بات ہے جسے یہ لوگ کہیں گے، لیکن اب اس

کا کوئی فائدہ نہیں رہا۔ "وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝" اب مرنے سے لے کر قیامت تک کا جو عرصہ ہے یہ برزخ کا حصّہ ہے اور قانون یہ ہے کہ برزخ میں پہنچ کر واپس دُنیا میں کوئی نہیں لوٹتا۔

کچھ عالَمِ برزخ کے بارے میں

برزخ کا معنی "آڑ" یا "رکاوٹ" ہے۔ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک کے جہاں کو "عالَمِ برزخ" کہتے ہیں۔ اس عالَم کے احوال پوشیدہ رکھے گئے ہیں، باوجودیکہ مرنے کے بعد روح اور جسم پر احوال صادر ہوتے ہیں، قرآن وحدیث کی دسیوں نصوص اس پر شاہد ہیں، ایک مسلمان کا اس پر ایمان بھی ہے، لیکن عالَمِ برزخ میں ہونے کی وجہ سے ہمارے مشاہدے اور حواس میں نہیں آتے۔

مرنے کے بعد انسانی روح، انسانی جسم، مستقرِ ارواح اور زمینی قبر سب عالَمِ برزخ میں ہیں۔ عذاب وثوابِ قبر برحق ہے، تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اہل السنت والجماعت کا اس پر اجماع بھی ہے تاہم یہ معاملات ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ شہدائے کرام اور انبیائے کرام کی قبورِ مطہرہ میں حیات بھی برزخی ہے۔

برزخی کا معنی واضح کر دیا گیا کہ حیات تو روح کے تعلق یا تلبّس کے ساتھ جسم میں ہوتی ہے تاہم عالَمِ برزخ میں ہونے کی وجہ سے برزخی کہلاتی ہے۔

اس حیات کے بارے میں سلف کی تعبیر مختلف ہے۔ متقدمین میں سے بعض اسے "حیاتِ دُنیوی" کہتے ہیں جس کا معنی یہ مطلقاً نہیں کہ یہ حیات، عالَمِ دنیا میں ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ "یہ دُنیا والے جسم میں حیات ہے جو حقیقت میں برزخی ہے۔" بعض حضرات اسے "حیاتِ برزخی" سے تعبیر کرتے ہیں جس کا معنی عالَمِ برزخ کی حیات ہے۔ بعض اسے "اُخروی" کہتے ہیں کیونکہ "القبر اول منزل من منازل الآخر" مرنے کے بعد آخرت کا جہاں شروع ہو جاتا ہے، تو اس معنی میں "اُخروی" ہے۔

یہ صرف تعبیر کا فرق ہے، ورنہ اِن سب کا اتفاق ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے دُنیاوی جسم میں روح کے تعلق کے ساتھ عالَمِ برزخ میں حیات ہے۔

لہٰذا بعض حضرات کی طرف سے برزخ کا معنی "ارواح کا مستقر یا اوپر" کرنا غلط ہے، یہ کسی سے منقول نہیں ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝

میدانِ محشر میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا

"فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ" "جس دِن صور پھونکا جائے گا"، "فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝" اس دِن نہ رشتہ داری کام آئے گی اور نہ ایک دوسرے سے کوئی تعلق کام آسکے گا۔ سارے دُنیوی عہدے اور تعلقات، دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، صرف اپنے اپنے اعمال کام آئیں گے۔

مومنین وہاں بھی ایک دوسرے کے کام آئیں گے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کل نسب وصھر منقطع یوم القیامة الا نسبی وصھری'' یعنی قیامت میں سب نسبی اور زوجیت کے رشتے ختم ہو جائیں گے۔ (کوئی کسی کے کام نہ آئے گا) سوائے میرے نسب اور میری زوجیت کے رشتے کے، کوئی رشتہ داری کام نہیں آئے گی۔ (المعجم الأوسط: ۴/ ۲۵۷)

علماء فرماتے ہیں کہ اس نبوی نسب میں ساری اُمّت کے مسلمان بھی داخل ہیں (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کے باپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات، اُمّت کی مائیں ہیں) خلاصہ یہ کہ محشر میں رشتہ داری اور دوستیوں کا کام نہ آنا، صرف کُفّار کے ساتھ خاص ہوگا۔ مومنین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ایک دوسرے کی شفاعت اور مدد کریں گے۔ ان کے تعلقات وہاں بھی ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۳۵)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝

اعمال کے مطابق جنّت یا جہنّم کا فیصلہ ہوگا

فرمایا کہ اس دن اعمال تلیں گے، ''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝'' جس کا نیک اعمال والا ترازو بھاری ہوا وہ کامیاب ہوگیا، ''وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝'' اور جس کا ترازو ہلکا ہوا، وہ ناکام، یہی لوگ ہمیشہ کے لیے جہنّم میں رہیں گے۔

اس آیت میں صرف کامل مومنین اور کُفّار کا انجام ظاہر کیا گیا ہے

اس آیت میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ مومنین کاملین (جن کے گناہ یا تو ہوں گے نہیں یا توبہ کی وجہ سے صاف ہو چکے ہوں گے) کا پلڑہ بھاری ہوگا اور اُنہیں فلاح نصیب ہوگی جب کہ کُفّار کا پلڑہ ہلکا رہے گا جس کے نتیجے میں اُنہیں ہمیشہ کے لیے جہنّم میں رہنا پڑے گا۔

گناہ گار مومن کا انجام کیا ہوگا؟

باقی رہے وہ مومن جن کے نیکی کے پلڑے میں بھی اعمال ہوں گے اور گناہ کے پلڑے میں بھی اعمال ہوں گے، ان کے ذکر سے قرآنِ کریم میں عموماً سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔ البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مومن تین طرح کے ہوں گے:

۱۔ جس کی ایک نیکی بھی، اس کے گناہوں کی تعداد سے بڑھ گئی تو وہ جنّت میں جائے گا۔

۲۔جس کا ایک گناہ بھی اس کی نیکیوں کی تعداد سے زیادہ ہوگیا تو اسے تطہیر کے لیے جہنم ڈالا جائے گا۔ پھر پاک صاف کر کے وہ جنت میں جائے گا۔

۳۔جس شخص کی حسنات اور سیئات برابر سرابر ہوں گی، تو وہ تاحکمِ ثانی ''اعراف'' میں رہے گا۔ بالآخر اسے بھی جنت میں داخل جائے گا۔ (معارف القرآن:۶/۳۳۶)

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝

جہنم میں کُفّار کی حالت

فرمایا: ''تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ'' ''جہنم کے شعلے ان کے چہروں کو لپٹ کر جلا ڈالیں گے، جھلسا دیں گے،'' ''وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝'' ''جہنمی جہنم میں بدصورت بن جائیں گے۔'' ''کالح'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دونوں ہونٹ، اس کے دانتوں کو نہ چھپا سکیں۔ دانت کھلے ہوئے نظر آئیں۔ کہتے ہیں کہ جہنمیوں کا نیچے والا ہونٹ لٹک کر ٹھوڑی سے نیچے چلا جائے گا اور اوپر والا ہونٹ اُوپر کو سکڑ جائے گا، حتیٰ کہ چہرے کی کھال چل کر پیشانی سے اوپر چلی جائے گی، اور آدمی کی شکل بدصورت ہو جائے گی، دانت بڑے ہو جائیں گے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ فرمائے، آمین یا ربّ العالمین!

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۝

فضیلت والی دو آیات

یہ دو آیتیں، بہت فضیلت والی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا، جو سخت امراض میں مبتلا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے دونوں کانوں میں یہ دو آیات، سورت کے آخر تک پڑھیں تو وہ اسی وقت ٹھیک ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا پڑھا؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ میں نے یہ دو آیات تلاوت کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو، یہ دو آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (تفسیر المظہری:۶/۴۱۲)

کہتے ہیں کہ یہ دو آیات بیمار پر پڑھی جائیں، تو وہ شفایاب ہو جاتا ہے، بالخصوص وہ بیمار جو آسیب زدہ ہو، اس لیے جو ''منزل'' ہے جو ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا چھوٹا سا رسالہ ہے، جس میں وہ آیات جمع کر دی گئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیاطین دور بھاگ جاتے ہیں، ان میں سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ ہے، آیت الکرسی ہے، یہ آیات بھی ہیں، سورۂ صافات کی کچھ آیات بھی ہیں، ہر آدمی کو وہ ''منزل'' پڑھنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تم وہاں نماز نہیں پڑھتے، قرآن نہیں پڑھتے تو وہاں شیاطین بسیرا کر لیتے ہیں، تو ان کو بھگانے کے لیے خود بھی کچھ پڑھا کرو، صرف تعویذوں پر اکتفاء اور انحصار نہ کرو، سب

سے زیادہ جادو اور جنات کا اثر ان لوگوں پر ہوتا ہے جو پاک صاف نہیں رہتے، گناہوں کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں، غسل نہیں کرتے، حتیٰ کہ فرض غسل کی پروا بھی نہیں کرتے، انہیں شیاطین چمٹ جاتے ہیں، کیونکہ شیطان بھی نجاست پسند ہے، اس لیے اُسے نجاست والے لوگ پسند ہوتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۝

سورت کے آخر میں اللہ نے ایک اور دُعا تلقین فرمائی: ''رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۝'' میرے نبی! آپ یہ دُعا مانگا کریں: ''اے میرے رَبّ! مجھ کو بخش دے اور رحم فرما!''

اہم نکتہ

اس آیت میں ''اغْفِرْ وَارْحَمْ'' کا مفعول ذِکر نہیں ہے کہ کس گناہ کو بخش دے اور کس چیز کے ساتھ رحم کر! اس سے عموم کی طرف اشارہ ہے کہ دُعائے مغفرت (اغْفِرْ) ہر مضر چیز کے ازالے کو شامل ہے اور دُعائے رحمت (وَارْحَمْ) ہر محبوب چیز کے حصول کو شامل ہے۔ دونوں دُعاؤں میں عموم ہے۔ ہمیں بھی یہ دُعا وقتاً فوقتاً پڑھتے رہنا چاہیے۔ (التفسیر المظہری:٦/ ٤١٢)

سورت کا اِجمالی درس

١۔انسان کو ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ میرے اعمال اور اوصاف اُن مؤمنین کے مطابق ہیں یا نہیں جن کے اوصاف خود اللہ پاک نے بیان فرما کر اُن کی فلاح کی خبر دی ہے۔

٢۔نیز کبھی بھی اپنی ظاہری حالت اور نیکی کی توفیق پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ شیطانی وساوس اور اللہ پاک کی گرفت سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

٣۔اعمال میں اخلاص تبھی پیدا ہوتا ہے، جب وہ خالص رَبّ کی رضا کے لیے ہوں، دکھلاوے اور شہرت کے لیے نہ ہوں۔

٤۔سورت کی ابتدا (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) سے ہوئی تھی، جب کہ انتہا (لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ) پر کی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ فلاح یعنی مکمل کامیابی، مؤمنین ہی کا حصہ ہے، کفار اس سے محروم ہیں۔

٥۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو مستحضر رکھنا اور ہر وقت شکر کرتے رہنا چاہیے۔

٦۔فکرِ آخرت اور جہنم کی ہولناکیوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے، اپنی موت اور قبر کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔

تمت سورۃ المؤمنون بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ النُّوْر

سورت کا تعارف

یہ سورۃ ''النور'' ہے جو ہجرت کے بعد، مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورت، موجودہ ترتیب کے اعتبار سے چوبیس (۲۴) نمبر پر ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر، ایک سو دو (۱۰۲) ہے۔ اس سورۃ میں نو (۹) رُکوع اور چونسٹھ (۶۴) آیات ہیں۔

اب تک جتنی سورتیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے اکثر مکی سورتیں تھیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کو سورۃ ''النور'' اس لیے کہا گیا کہ:

۱- اس میں ''نور'' کا تذکرہ ہے۔

۲- اس سورت میں ایسے خدائی قوانین بیان کیے گئے ہیں، جن پر عمل کرنے سے آدمی کے معاملات، اخلاق اور گفتگو میں نورانیت آجاتی ہے، اسی وجہ سے اس سورت کو ''سورتِ نور'' کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت میں اللہ نے مؤمنین کی دنیوی واخروی فلاح کو جن اوصاف پر موقوف رکھا تھا، ان میں سے ایک اہم وصف ''شرم گاہوں کی حفاظت'' تھا جو ''عفت و پاک دامنی'' کے ابواب کا خلاصہ ہے۔ اس سورت میں ''عفت'' کے اہتمام کے لیے متعلقہ اُحکامات کو بیان کیا گیا ہے۔

نیز گزشتہ سورت میں اللہ پاک نے کامیابی کے قوانین بیان فرمائے ہیں، اس سورت میں بھی کامیابی کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔

سورت کی خاص فضیلت

یہ وہ سورت ہے جس میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے حبیب کی حبیبہ، سیّدہ، طیبہ طاہرہ، اُمّی عائشہ صدیقہؓ کی طہارت، براءت، عظمت، شان اور پاکیزگی کا علی الاعلان ذکر کیا ہے، جو تا قیامت تلاوت کیا جاتا رہے گا۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "پردہ پوشی اور پاکدامنی" ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر پردہ پوشی اور پاک دامنی کے قوانین بیان کیے ہیں۔معاشرے میں پاکدامنی کیسے برقرار رکھی جائے،عفت کیسے برقرار رکھی جائے،لوگوں کے عیوب کیسے پردہ میں رکھے جائیں،فحاشی اور عُریانی کے جرائم پر کنٹرول کیسے کیا جائے،یہ اس سورت کا موضوع اور مرکزی خیال ہے۔اسلام کا نظامِ عفت،اسلام کا نظامِ حیا،اسلام کا نظامِ تستر،اسلام کا نظامِ انسدادِ جرائم،انسدادِ فحاشی،یہ سارے قوانین اسی موضوع کے اردگرد ہی گھومتے ہیں۔

عمومی مضامین

اس سورت میں "اصلاحِ معاشرہ" کے ضمن میں درج ذیل مضامین بیان فرمائے گئے ہیں:

۱۔زنا کرنے والے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کی سزا کا بیان ہے۔

چونکہ ان دونوں طرح کے لوگوں سے معاشرے کو خطرہ ہوتا ہے،زانی معاشرے کو بگاڑ کے رکھ دیتا ہے،یہ ایک متعدی مرض ہے۔اسی طرح جب پاکدامن عورتوں پر تہمتیں لگیں گی،تو اس سے بھی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا۔اس لیے ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں سنائی گئی ہیں،تاکہ معاشرے سے ان قبیح جرائم کی بیخ کنی کی جاسکے۔

۲۔اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی (جھوٹے الزام اور تہمت سے) براءت بیان کی گئی ہے۔

۳۔فحاشی کو پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔

فحاشی سے بچانے والے اہم اسباب

قرآنی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل اسباب کو اختیار کرنے سے معاشرے کو فحاشی سے بچایا جاسکتا ہے۔مثلاً:

الف:"غضِ بصر" یعنی مرد ہو یا عورت،اپنی نظروں کی حفاظت کرے۔

ب:خواتین اپنے محارم کے علاوہ باقی سب سے پردے کا اہتمام کریں۔

ج:بچوں اور بچیوں کی جوان ہوتے ہی شادی کو،ترویج دی جائے۔

د:اجازت اور اطلاع دیے بغیر کسی کے گھر میں داخل نہ ہوں۔

ح:شیطان کی پیروی سے اپنے آپ کو بچا کے رکھیں۔

۴۔عبادات،نماز،روزہ وغیرہ معاشرہ کی اصلاح کے اہم ذرائع ہیں۔ان کا اہتمام کریں۔

۵۔مہمانی اور ضیافت کے آداب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

۶۔اللہ نے اس سورت میں "اِستخلاف فی الارض" کے اسباب بیان کیے ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ معاشرہ کے تقریباً گیارہ قوانین کو اس سورت میں بیان فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی اہمیت بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ فرمایا کہ یہ ایسی سورت ہے جس (کے الفاظ) کو ہم (ہی) نے نازل کیا اور اس (کے معانی یعنی اَحکام) کو ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے۔ اور ہم نے اس (سورت) میں (ان اَحکامات پر دَلالت کرنے کے لیے) صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں۔ واضح اَحکام اور قوانین بیان کردیے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور اس پر عمل کرو۔ اب ان قوانین کا آغاز فرمارہے ہیں:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

حدود اور تعزیرات میں بنیادی فرق

اَحکامات کی وضاحت سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ہم ''حدود اور تعزیرات'' کی تعریف اور اُن میں فرق ذہن نشین کرلیں تاکہ آئندہ مسائل سمجھنا آسان ہوجائے۔

''حدود'' کی تعریف

وہ سنگین جرائم جن کی سزا خود قرآنِ کریم اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔ انہیں متعین سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ یہ سزائیں کسی قاضی یا امیر کی رائے پر موقوف نہیں۔ قاضی یا حاکم وقت پر لازم ہے کہ اگر شرعی طریقہ کار کے مطابق یہ جرم ثابت ہوجائیں تو ان جرائم کے مرتکبین کو وہی سزا دیں جو نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہے۔

''تعزیرات'' کی تعریف

ان کے علاوہ باقی جرائم کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ قاضی یا امیر، مجرم کی حالت، جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعے پر نظر رکھتے ہوئے جس قدر سزا مناسب سمجھے (جس سے مجرم کی اصلاح ہوجائے اور دوبارہ یہ جرم نہ ہو) دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے۔

''حدودِ شرعیہ'' پانچ ہیں

حدود میں قصاص کے علاوہ درج ذیل چار جرائم شامل ہیں:

۱- چوری

۲- ڈکیتی

۳- کسی پاک دامن عورت پر بدکرداری کی تہمت لگانا۔
۴- شراب نوشی کرنا۔
۵- زنا کرنا۔

زِنا کا جرم، معاشرے کا سب سے سخت جرم ہے

یہ سب جرائم اپنی اپنی جگہ بڑے سخت، خرابیوں کے مجموعے اور معاشرے کے امن کو برباد کردینے والے ہیں۔ لیکن ان سب میں زنا کے نتائج جس طرح نظامِ انسانی کو برباد کرتے ہیں، شاید کسی اور جرم کے نتائج اس قدر سخت نہیں۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا سب سے بڑا ذریعہ "زنا" ہے۔

جس قوم میں یہ وبا پھیل جائے، وہاں آبروریزی کے نتیجے میں لڑائی اور قتل وقتال کے واقعات پیش آنا سب کے مشاہدے میں ہے۔ انتقام کا یہ جوش نسلوں تک چلتا ہے اور خاندانوں کو برباد کرکے رکھ دیتا ہے۔

نسب کی حفاظت، دین کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ زنا کی وجہ سے لوگوں کے نسب تک محفوظ نہیں رہتے۔ نیز دُنیا میں فساد کا بیشتر سبب "زن، زر اور زمین" ہی ہوتی ہے۔

اس لیے جو قانون، عورت کو صحیح معنٰی میں تحفظ دے سکے، وہی قانون ہی امنِ عالم کا ضامن ہے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے اسلام نے زنا کی سزا، سارے جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت رکھی ہے تاکہ معاشرے کی یہ بنیادیں کھوکھلی نہ ہوں اور لوگوں کی عزتیں محفوظ رہیں۔ فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

قانون نمبر ۱- غیر شادی شدہ زِنا کار کی سزا

زِنا کرنے والی عورت اور زِنا کرنے والے مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں، یا نکاح ہوا ہو لیکن بیوی کے ساتھ ابھی خلوت نہ ہوئی ہو تو ان) کی سزا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) کوڑے لگاؤ۔

سزا، جرم ثابت ہونے کے بعد ہی دی جائے گی

شرعاً جرم تبھی ثابت ہوتا ہے جب ۱- مجرم خود اپنے جرم کا اعتراف کرلے ۲- یا پھر مخصوص گواہوں کے ذریعے عدالت میں اس کا مجرم ہونا ثابت ہوجائے۔

یہی ضابطہ زِنا میں بھی جاری ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ زنا کی سزا بہت سخت ہے، اس لیے اس کے ثبوت کا طریقہ کار بھی بڑا سخت رکھا گیا ہے تاکہ محض شبہات کی وجہ سے کسی کو اس جرم کا مرتکب نہ سمجھ لیا جائے۔

لہٰذا اگر مجرم خود آکر چار دفعہ زِنا کا اعتراف کرلے یا چار صالح مرد، اس بات کی گواہی دیں ہم نے انہیں اپنی

آنکھوں سے عین زنا میں مشغول دیکھا ہے، صرف دیکھنے سننے کی بات نہیں بلکہ اس طرح دیکھا ہے جیسے "كالميل فی المكحلة" (اس کی مکمل تفصیل فقہ کی کُتب میں موجود ہے) اور یہ گواہ جرح کے بعد اپنی گواہی میں سچے ثابت ہوں تو اس وقت مجرم پر شرعی سزا جاری کی جائے گی۔

شادی شدہ زنا کار کی سزا بھی منصوص ہے

اور اگر زنا کرنے والا مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور (مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق) زنا ثابت ہو جائے تو اس کی سزا، "رجم" (سنگساری) ہے۔ یہ سزا بھی درحقیقت سنّتِ متواترہ سے ثابت اور کتاب اللہ کے احکامات کی طرح قطعی ہے۔ حضرات خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی سنگساری کی سزا تھی، بعد کے ادوار میں بھی یہ سزا رائج رہی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فراست

اب کچھ لوگ جو حدیث کے منکر ہیں، کہتے ہیں کہ رجم کی سزا، قرآن میں نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی فراست کو سلام ہے کہ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مستقبل میں شاید کچھ ایسے کم نصیب لوگ آئیں گے جو اس سزا کو شرعی تسلیم کرنے سے انکاری ہو جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا:

إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ قَرَأْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا، فَرَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ وَإِنَّ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ، أَوِ الِاعْتِرَافُ۔ (صحیح مسلم: ۳/۱۳۱۷)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کچھ کتاب اللہ میں نازل ہوا اس میں آیتِ رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا، یاد کیا اور سمجھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور ہم نے (بھی) آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے خطرہ ہے کہ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ اس طرح وہ ایک نازل شُدہ دینی فریضہ چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اُس شخص پر جو شادی شدہ ہو، مرد ہو یا عورت، جب کہ (اس کے جرم پر) شرعی شہادت، اعتراف یا حمل پایا جائے۔

دوسری روایت میں ہے:

رجم رسول الله صلى الله عليه و سلم ورجم ابو بكر ورجمت ولولا أني أكره أن أزيد في كتاب الله لكتبته في المصحف۔ الخ (الترمذی: ۴/۳۸)

ترجمہ:-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، صدیق اکبرؓ نے، اور میں نے (اپنے اپنے زمانے میں) رجم کیا۔
اگر مجھے کتاب اللہ میں اضافے کا خوف نہ ہوتا تو میں خود کتاب اللہ ہی میں اس کی وضاحت کر دیتا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سورۃ النور کی مذکورہ آیت کی جو تفسیر، نبی کریم سے سنی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو (۱۰۰) کوڑے لگانے کے حکم کو غیر شادی شدہ کے ساتھ مخصوص فرمایا اور شادی شدہ کے لیے رجم کا حکم دیا۔ اس مجموعی تفسیر اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کو حضرت عمرؓ نے ''کتاب اللہ'' اور ''آیت کتاب اللہ'' سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہی تفصیل کتاب اللہ کے حکم میں ہے اور سورۃ النور کی انہی تشریحات کو حضرت عمرؓ نے قرآنِ پاک میں حواشی کے طور پر لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ (معارف:۶/ ۳۴۶، ۳۴۷)

نوٹ

بعض روایات میں ایک مستقل آیت: ''الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ'' کے الفاظ ملتے ہیں لیکن وہ روایات استنادی لحاظ سے اس قدر مضبوط نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے کلام اللہ میں اس کا اضافہ کیا جاسکے۔ حضراتِ فقہاء کرامؒ نے بھی اسے مثال کے طور پر ہی بیان فرمایا ہے ورنہ اس کا قرآنی آیت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (معارف:۶/ ۳۴۷) تاہم اس سے حضرت عمر فاروقؓ کے مذکورہ بالا فرمان کی تائید ضرور ہو جاتی ہے۔

وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ②

دینی فریضے کی ادائیگی میں مجرم پر نرمی کرنا ہرگز جائز نہیں

فرمایا: ''وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ'' ان سزاؤں کے نفاذ میں نرمی نہ دکھاؤ کیونکہ اگر نرمی کی گئی تو معاشرہ بگڑ جائے گا۔ مجرموں پر رحم کھانے کا مطلب، ساری مخلوق کے ساتھ بے رحمی ہی ہے۔ اس لیے ان سے نرمی کا مظاہرہ بالکل نہ کرو، اگر واقعی تم مومن ہو اور اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

ایسے مجرم کو سرِ عام سزا دی جائے

''وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ'' سب کے سامنے سزا دی جائے۔ مسلمان اکٹھے ہوں اور وہ ان مجرموں کو پٹتا اور مرتا دیکھیں تاکہ آئندہ اس سنگین جرم کے ارتکاب کی کوئی جرأت نہ کر سکے۔

یہ سزا کون دے گا؟

چلتے چلتے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ زنا کی سزا (غیر شادی شدہ کو ۱۰۰ کوڑے مارنا اور شادی شدہ کو رجم کرنا) ایک

"حدِ شرعی" ہے اور حد جاری کرنے کا اختیار صرف اور صرف حاکمِ وقت یا اس کے مقرر کردہ قاضی اور جج کو حاصل ہے۔ کسی جرگے اور پنچایت کو ایسی سزا دینے کا ہرگز حق نہیں ہے۔

پنچایت کو یہ سزا جاری کرنے کا ہرگز حق نہیں

یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے بعض علاقوں میں اگر نامحرم لڑکا لڑکی گھر سے بھاگ جائیں تو انہیں "کاروکاری" قرار دے کر محض اس شبہ میں قتل کر دیا جاتا ہے کہ شاید انہوں نے زنا کیا ہو۔

نیز "ونی" کے نام پر مالی جرمانے اور متاثرہ فریق کو مجرم کے گھرانے کی لڑکیاں عوض میں دینے جیسے غیر شرعی، جاہلانہ بلکہ ظالمانہ فیصلے کیے جاتے ہیں اور یہ سب فیصلے پنچایت اور جرگہ کرتا ہے۔ حالانکہ آپ جان چکے کہ زنا ثابت ہونے کے شرعی طریقے کیا ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مجرم کی سزا میں کیا فرق ہے؟

افسوس ہے کہ "غیرت" کے نام پر ایسے "بے غیرتی" والے فیصلے ہوتے ہیں جن میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کو محض شک کی وجہ سے ایک جیسی سزا دی جاتی ہے اور فیصلے بھی وہ کرتے ہیں جنہیں شرعاً ایسے فیصلوں کا اختیار ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جرگہ کی شرعی حیثیت "حَکَم" کی ہے اور حَکَم کو "حدود وقصاص" کے فیصلے کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ "تعزیراً" کسی کو قتل کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں جو بھی لڑکے یا لڑکی کو قتل کرے گا یا قتل میں معاون ہوگا، وہ سب قاتل اور شرعاً وقانوناً مجرم شمار ہوں گے۔

ایسی جاہلانہ رسوم کی حوصلہ شکنی لازم ہے۔ البتہ پنچایت میں ایسے مناسب تادیبی فیصلے ضرور کیے جا سکتے ہیں جن سے ایسے اقدامات کی روک تھام ہو اور آئندہ کوئی یہ جرأت نہ کر سکے۔ تاہم یہ فیصلے بھی ان کے شرعی وقانونی اختیار کی حد تک ہی نافذ ہوں گے۔ اگر جرم کے قوی ثبوت موجود ہوں تب بھی عدالت سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ حدود اللہ میں خود سے فیصل بننا شرعاً جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

ہمارے معاشرے کی حالت

جبکہ ہمارے یہاں معاملہ اس کے بالکل اُلٹ ہے، اب اعلانیہ بے حیائی کروائی جارہی ہے، سائن بورڈ لگائے جارہے ہیں، ٹی وی پہ ڈرامے اور فلمیں لائی جارہی ہیں اور اعلانیہ بدکاریوں کی ترغیب دی جارہی ہے۔ پوری اسلامی ثقافت کو تبدیل کیا جارہا ہے۔ ایسے ایسے معاشرتی پہلو دکھائے جارہے ہیں جن سے خواتین میں بے چینی اور بے اعتباری کی فضاء بڑھتی جارہی ہے۔ کورٹ میرج کا رجحان انہی ڈراموں اور فلموں کی عطا ہے۔ اس طرح معاشرے سے جرائم کم نہیں ہوں گے بلکہ مزید بڑھیں گے جن کے نتائج کسی بھی سمجھدار شخص سے مخفی نہیں ہیں۔

اَلزَّانِىۡ لَا يَنۡكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوۡ مُشۡرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنۡكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِكٌ‌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰ لِكَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝

قانون نمبر ۲-زِنا کے اخلاقی نقصانات

اس آیت میں کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ عمومی مشاہدہ اور تجربہ بیان کیا جارہا ہے کہ زنا ایسی گندی چیز اور ایک اخلاقی زہر ہے جس سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے۔ اسے اچھے، بُرے، حلال وحرام کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ بس شہوت رسانی اور بُرائی ہی کے طریقے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ جو عورت بھی پسند آئے، اولاً اسے زنا کاری کی طرف راغب کرتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں مجبوراً نکاح پر راضی ہوتا ہے۔ چاہے وہ لڑکی مسلم ہو یا مشرکہ، اسے اس سے کچھ مطلب ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کا مقصد صرف زنا کاری ہی ہے۔ چاہے اس کے لیے کسی مشرکہ سے بامرِ مجبوری نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے (جو درحقیقت زنا ہی ہے) نکاح کر کے عفیف اور پاک دامن رہنا اس کا مقصد ہی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کی رغبت بھی اُسی خبیث النفس کی طرف ہی ہوگی جو اس معاملے میں اس کا ہم مزاج ہو۔

حرام کام کی عار دِلانا مقصود ہے

بعض مفسرین کے نزدیک اللہ پاک نے عار دلانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جو لڑکا یا لڑکی، زنا کے عادی ہوں اور اپنے اس فعل سے توبہ بھی نہ کریں تو اب وہ دونوں اس قابل ہی نہیں ہیں کہ کسی پاک دامن سے نکاح کریں، انہیں آپس میں نکاح کرنا چاہیے، زانی کو زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرنا چاہیے، کیونکہ یہ دونوں غدار ہیں بے وفا ہیں، مشرک بھی بے غیرت ہے جو خدا کی کھا کر دوسروں کے گُن گاتا ہے اور یہ زانی بھی بے غیرت ہے جو حلال رستہ اختیار کرنے کے بجائے حرام کاری کرتا ہے، اپنے حق کو چھوڑ کر دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ اس لیے عار دلانے کے لیے فرمایا کہ ان بے غیرتوں کو آپس ہی میں نکاح کرنا چاہیے، زانی لڑکا، زانیہ یا مشرکہ لڑکی سے اور زانیہ لڑکی، زانی یا مشرک لڑکے سے شادی کرے۔ پاک دامن سے نکاح کے یہ لائق ہی نہیں رہے۔

نوٹ

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ زانی مرد یا زانیہ عورت کی شادی کسی پاکدامن عورت یا مرد سے شرعاً جائز ہی نہیں ہے! ایسا نہیں ہے۔ ان لوگوں کا پاک دامن مرد وعورت سے نکاح شرعاً درست ہے۔ عار دلانا الگ بات ہے۔ نکاح کا جائز ہونا الگ ہے۔ جمہور حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی موقف ہے۔

زِنا کرنا بھی حرام ہے اور قدرت کے باوجود کسی کو زِنا سے نہ روکنا بھی حرام ہے

"وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝" "خود زِنا کرنا یا (شادی کے بعد اپنے شریکِ حیات کے) فعلِ زِنا پر راضی رہنا اور اختیار کے باوجود اُسے منع نہ کرنا "دیوثیت" ہے، جو شرعاً حرام ہے۔ (معارف، ملخصاً: ۶/ ۳۵۲)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا

لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

قانون نمبر ۳- حدِّ قذف

زِنا کی سزا چونکہ شریعت نے سب سے سخت رکھی ہے، اس لیے انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس معاملہ میں ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے تا کہ بغیر کسی شرعی ثبوت کے کوئی کسی پر زنا کا الزام لگانے کی جرأت نہ کرے۔

اس لیے فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً'' جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں انہیں چاہیے کہ چار گواہ لے آئیں، کسی کی عزّت پر کیچڑ اُچھالنا آسان بات ہے کیا! اپنے دعوے پر چار گواہ لے کر آؤ! اور اگر چار گواہ پیش نہیں کرو گے تو اس کی سزا یہ ہے کہ مدعی کو ہی اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں، یہی حکم عورت کے لیے بھی ہے جو کسی پاکدامن مرد پر تہمت لگائے۔ اس خاتون سے بھی چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر گواہ پیش کر نہ سکی تو اس پر ''حدِ قذف'' جاری کی جائے گی۔

اسلام نے پاک دامن لوگوں کا کتنا دفاع کیا ہے! اسلام کا اصول ہے کہ مجرم کو چھوڑنا نہیں ہے اور بے گناہ کو چھیڑنا نہیں ہے۔ اگر تم نے کسی کو خود جرم میں مبتلا دیکھا ہے لیکن تمہارے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو درگزر کرو، اگر چار گواہ نہ ہونے کے باوجود تم اس پر الزام لگا رہے ہو جبکہ تمہیں یہ معلوم بھی ہے کہ چار گواہ لازم ہیں تو گویا تم اس کو جان بوجھ کر بدنام کر رہے ہو، اور جو دوسروں کو بدنام کرے گا وہ خود سزا بھگتے گا۔ لہٰذا انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ، اور آئندہ کے لیے ان کی گواہی بھی کبھی قبول نہیں کی جائے گی، اور یہ فاسق و فاجر رہیں گے، ہاں اگر یہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو فسق اور گناہ تو معاف ہو جائے گا لیکن گواہی کبھی بھی معتبر نہیں ہوگی۔

تُہمت لگانے والے کو سزا دینے کی حکمت

اس سزا کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی پر زنا کا الزام کوئی شخص تبھی لگانے کی جرأت کرے گا جب اُس نے اس فعلِ خبیث کو اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھا بھی ہو اور اُسے یقین بھی ہو کہ میرے ساتھ تین اور لوگوں نے بھی مجرموں کو بعینہ جرم میں مبتلا دیکھ لیا ہے اور وہ میرے ساتھ عدالت میں اس بات کی گواہی بھی دیں گے۔ بصورتِ دیگر یہ شخص اپنے آپ کو سزا سے بچانے کی کوشش کرے گا اور نصاب کم ہونے کی وجہ سے عدالت میں گواہی کے لیے پیش نہیں ہوگا۔

غیر محرَم جوڑے کو قابلِ اعتراض حالت میں دیکھنے پر گواہی کا طریقہ؟

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ مذکورہ شرطیں (چار عاقل بالغ اور چشم دید مسلمان مرد، مخصوص طریقے سے عدالت میں زنا کی گواہی دیں) اس وقت ضروری ہیں جب عین زنا کی حالت میں دیکھنے کا دعویٰ کیا جائے۔ لیکن اگر کسی نامحرم جوڑے کو

قابلِ اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے دیکھا ہو لیکن اس کے پاس مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق گواہ نہ ہوں تو پھر "صریح زنا" کے الفاظ سے گواہی نہ دے بلکہ بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے: کیونکہ نامحرم مردو عورت کا ایسا اختلاط بھی شرعاً قابلِ سزا جرم ہے۔ جرم ثابت ہونے پر حاکمِ وقت، ایسے لوگوں کو تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

قانون نمبر ۴- "لِعان" سے متعلق تفصیلی اَحکامات

سابقہ معاملہ عمومی تھا یعنی کوئی مرد یا عورت کسی مرد یا عورت پر الزام لگائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس آیت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی، یا بیوی اپنے شوہر پر یہ الزام لگائے تو اس کا کیا کیا جائے گا!

شانِ نزول

جب "حدِ قذف" کے احکامات نازل ہوئے اور چار گواہوں کی گواہی شرط قرار دے دی گئی تو بعض صحابہ کرام ؓ نے سوال کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار گواہ لائے ورنہ ہم اس پر حد قذف جاری کریں گے۔ عرض کیا یارسول اللہ! کیا کوئی شخص یہ گوارا کرسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو پہلے دوسرے لوگوں کو بلا کر دکھائے! جب تک لوگ جمع ہوں گے، وہ بندہ بھاگ جائے گا۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

بات تو واقعی معقول تھی کہ اس کے ساتھ تو جو حادثہ ہوا سو ہوا، اب کیا وہ دوسرے لوگوں کو بھی پکڑ پکڑ کر لائے اور دکھائے کہ یہ میری بیوی ہے جو فلاں کے ساتھ منہ کالا کررہی ہے۔ آؤ تمہیں دکھاؤں! اسی طرح بیوی اپنے شوہر کے بارے میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لائے اور دکھائے کہ چار لوگو! دیکھ لو میرا شوہر منہ کالا کررہا ہے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس تو یہی حکم ہے۔ کیونکہ اس وقت تک "حدِ قذف" ہی کے بارے اَحکامات نازل ہوئے تھے اور اُس تفصیل کے مطابق واقعی حکم یہی تھا کہ چار گواہ لائے جائیں۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ دو مختلف لوگوں نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کی بدکرداری کی شکایت کی کہ ہم نے بچشمِ خود اُسے غیر کے ساتھ زنا میں مشغول دیکھا ہے اور ہم باخدا اپنے دعوے میں سچے ہیں! اس پر اللہ پاک نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

''لِعان'' کا مطلب

''لِعان'' یا ''ملاعنت'' کا معنیٰ ''ایک دوسرے پر لعنت اور خدائی غضب کی بددُعا کرنا ہے۔'' شریعت میں میاں بیوی کو چند مخصوص قسمیں دینے کو ''لِعان'' کہا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا یہ کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ جب کہ بیوی اس الزام کو جھٹلا دے اور شوہر پر ''تہمت کی سزا'' جاری کرنے کا مطالبہ کرے۔ یا پھر بیوی اپنے شوہر پر یہی الزام دے اور شوہر اس کی تکذیب کر کے بیوی پر سزا جاری کرانے کا مطالبہ کرے جب کہ چار گواہ کسی کے پاس نہ ہوں، تو ان سے کہا جائے گا کہ پانچ پانچ قسمیں اٹھاؤ، اس کو لعان کہتے ہیں۔

''لعان'' کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی پر تہمت لگائے تو اس کو چار دفعہ یہ قسم اٹھانی ہوگی: ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝'' ''اللہ کی قسم میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں، میری بیوی ایسی ہے، اللہ کی قسم میں سچا ہوں، میری بیوی ایسی ہے۔ پانچویں دفعہ میں یہ قسم دے گا: ''وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝'' ''اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو''۔

جب شوہر یعنی ایک فریق نے قسمیں اٹھالیں تو اب فریق ثانی یعنی بیوی سے کہا جائے گا کہ یا تو تم اپنا جرم تسلیم کر لو یا پھر تم بھی اسی طرح قسمیں دو! اگر وہ جرم تسلیم کر لیتی ہے تو اس پر ''حدِ زِنا'' جاری کی جائے گی ورنہ اُس سے بھی مخصوص الفاظ سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم دے دیتی ہے تو لعان مکمل ہو جائے گا۔

بیوی کے قسم کھانے کا طریقہ یہ ہے: ''اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝'' کہ وہ چار بار یہ قسم اٹھائے گی کہ اللہ کی قسم! میرا شوہر جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار قسم اٹھائے گی: ''وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝'' مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میرا شوہر میرے بارے میں سچ بول رہا ہے۔

جب دونوں فریق اس طریقے پر قسمیں اٹھالیں گے تو اس کے بعد قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا کہ اب تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ قاضی طلاق بائن واقع کر دے گا۔

اگر کوئی ایک فریق بھی قسم دینے سے انکار کر دیتا ہے تو اُسے مجبور کیا جائے گا کہ یا تو اپنے آپ کو اس الزام میں سچا ثابت کرو اور مخصوص الفاظ میں قسمیں دو، یا پھر جھوٹی تہمت لگانے کا اعتراف کرو۔ اگر جھوٹا ہونے کا اعتراف کر لے تو اس پر ''حدِ قذف'' جاری کی جائے گی۔

اَحکامِ لعان میں فطری جذبات کی رعایت کی گئی ہے

اللہ فرماتے ہیں: ''وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ'' کہ یہ جو میں نے قانون دیا ہے یہ میرا

فضل اور میری رحمت ہے، کیونکہ اس میں انسان کے فطری جذبات کی مکمل رعایت کی گئی ہے۔ اگر یہ احکام نازل نہ ہوتے تو لوگ بڑی مشقت میں پڑ جاتے کہ اگر اکیلے گواہی دیتے ہیں تو حدِ قذف لگتی ہے، اگر گواہ جمع کرتے ہیں تو غیرت کے خلاف ہے اور اگر چپ رہتے ہیں تو بے غیرتی ہے۔ جائیں تو جائیں کہاں! اس لیے اللہ پاک نے فرمایا کہ میں نے ان احکامات کے ذریعہ تم لوگوں کو آسان رستہ دیا ہے۔ وگرنہ تم لوگ بڑی مصیبت کا شکار ہو جاتے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا
اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ
وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بُہتان لگنے کا تفصیلی واقعہ

اس رکوع میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تفصیلی واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ حضور علیہ السلام سنہ ۶ ہجری میں غزوہ مُریسیع (غزوہ بنی المُصطلق) میں تشریف لے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ واپسی میں ایک جگہ قافلہ رُکا۔ کچھ کچھ وقفہ سے بشری تقاضوں اور نمازوں کے لیے قافلے رُکا کرتے تھے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ اعلان ہوا کہ اپنی اپنی حاجات سے فارغ ہو جائیں، کچھ دیر میں روانگی ہے۔

اُمّی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کے گر گیا۔ آپؓ یہ ہار، اپنی بڑی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے اس سفر کے لیے مانگ لائی تھیں (جیسا کہ خواتین میں یہ رواج ہے کہ ضرورت کے وقت قریبی خواتین سے زیور وغیرہ مانگ لیا جاتا ہے) تو ہار وہاں کھو گیا۔

اُمّی عائشہؓ کو ہار ڈھونڈنے میں کچھ وقت لگا۔ اِدھر قافلے کی روانگی کا اعلان ہو گیا، جو صحابہ اُمّی عائشہؓ کا کجاوہ اُٹھانے پر مامور تھے، انہوں نے کجاوہ اُٹھا کر اُونٹ پر لاد دیا۔ چونکہ کجاوے کے چاروں طرف پردہ تھا (پردے کے اَحکامات نازل ہو چکے تھے) اور اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا بالکل ہلکی پھلکی تھیں، اس لیے اُن صحابہ کرامؓ کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا کجاوہ میں ہیں یا نہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بھی یہی سمجھا کہ اُمّی عائشہؓ، کجاوے میں ہیں۔ قافلہ روانہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ ان کو پتا ہوتا کہ کجاوے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں ہیں۔ حضرت علی بھی ساتھ تھے، کسی کو بھی پتا نہیں چلا اور قافلہ اگلی منزل کے لیے کوچ کر گیا۔

اُمّی عائشہؓ جب واپس قافلے کی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے۔ فرماتی ہیں کہ مجھے یقین تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ میں کجاوے میں نہیں ہوں تو آپ ضرور واپس یہیں تشریف لائیں گے، اس لیے میں نے چادر لی اور وہیں لیٹ گئی، کہیں اِدھر اُدھر نہیں گئی۔ رات کا آخری پہر تھا۔ قلبی اطمینان حاصل تھا، کچھ دیر بعد آنکھ لگ گئی۔

ایک صحابی تھے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے لیے مقرر

فرمایا ہوا تھا کہ تم قافلے کے پیچھے رہنا، قافلہ روانہ ہونے کے بعد اس جگہ پہنچنا تاکہ قافلے والوں میں سے کسی کی کوئی چیز یا سامان رہ گیا ہو تو اسے اٹھا کر لیتے آنا، یہ ان کی ڈیوٹی تھی۔

صبح کے قریب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اُس جگہ پہنچے تو دیکھا کوئی بندہ لیٹا ہوا ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو حضرت عایشہ صدیقہؓ کو آرام میں پایا (انہوں نے اَمّی عائشہ کو پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا ہوا تھا اس لیے پہچان گئے) اس پر افسوس کی وجہ سے بے ساختہ اُن کی زُبان سے نکلا "انا للہ وانا الیہ راجعون!" اس جملے سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے جلدی سے پردہ کر لیا۔ فرماتی ہیں کہ اس جملے کے سوا میں نے اُن کے منہ سے اور کوئی لفظ نہیں سنا۔ باحیا صحابی تھے، نظریں جھکا لیں، اُونٹ بٹھا دیا، میں اُونٹ پر بیٹھ گئی، انہوں نے اُونٹ کی مہار پکڑ لی، اور مدینے کی جانب چل پڑے۔

جب مدینے پہنچے تو رئیس المنافقین "عبداللہ بن اُبَی" اور کچھ دیگر منافقین نے جب دیکھا کہ صفوان، اَمّی عائشہ کو لے کر آ رہے ہیں تو انہوں نے اَمّی عائشہ کے خلاف بکواس بازی شروع کر دی، اَمّی عائشہ پر تہمت لگا دی۔ بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں میں آ گئے، حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ اور خواتین میں سے حضرت حمنہؓ اُن میں شامل تھیں۔

سفر سے واپسی کے بعد حضرت عائشہؓ چونکہ اپنے گھر کے کاموں میں مشغول ہو گئیں اور کچھ طبیعت بھی ناساز رہی، اس لیے کئی دن تک تو انہیں خبر ہی نہ ہو سکی کہ اُن کے بارے کیسی باتیں مشہور کی جا رہی ہیں! تاہم یہ بات ضرور نوٹ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لطف وکرم دیکھنے کو نہیں ملتا تھا جو ہمیشہ سے میسر تھا، بس گھر تشریف لاتے، خیر خیریت پوچھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ اس کی پریشانی ضرور تھی لیکن وجہ معلوم نہ تھی۔

فرماتی ہیں کہ ایک دِن میں قضائے حاجت کے لیے جا رہی تھی، اس وقت مدینہ میں واش روم نہیں بنے تھے، حضرت اُمِّ مسطحؓ (حضرت مسطحؓ کی والدہ) ساتھ تھی۔ واپسی پر اُن کا پاؤں اپنی چادر میں اُلجھا تو حضرت اُمِّ مسطحؓ گر پڑیں۔ بے ساختہ اُن کی زُبان سے بددُعائیہ کلمہ نکلا: "تعس مسطح!" (مسطح ہلاک ہو!) ماں کی زُبان سے اپنے بیٹے کے لیے بددُعا سُن کر حضرت عائشہؓ کو عجیب لگا، اس لیے کہا: "أتسبين رجلًا شهد بدرًا" "تم اپنے اُس نیک بیٹے کو بددُعا دے رہی ہو جو بدر کی جنگ میں شریک رہا! بہت بُری بات ہے۔

اُمِّ مسطحؓ نے تعجب سے پوچھا کہ بیٹی! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ "مسطح" آپ کے بارے کیا کہتا پھر رہا ہے! میرے پوچھنے پر انہوں نے مجھے پوری بات بتا دی۔

اَمّی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ باتیں سُن کر تو میرا مرض مزید بڑھ گیا۔ گھر واپسی پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر میکے آ گئی (مقصد یہ تھا کہ والدین سے معاملے کی تحقیق ہو جائے گی)۔

گھر آ کر اپنی والدہ سے حقیقت معلوم کی تو انہوں نے تسلی دی کہ فکر نہ کرو! یہ معاملہ خود بخود صاف ہو جائے گا۔ دُشمن لوگ سازشیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن مجھے کسی طور چین نہ آیا۔ ساری رات روتی رہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری پریشانی

اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خبر کی وجہ سے سخت پریشان تھے، تب تک اس معاملے سے متعلق کوئی وحی بھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ حقیقت کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت بارے قریبی حضرات سے مشورہ

اب حضور علیہ السلام نے مختلف لوگوں سے مشورہ فرمایا کہ مجھے اس حوالے سے کیا کرنا چاہیے! حضرت اسامہؓ نے صاف عرض کیا کہ ہمیں تو حضرت عائشہؓ کے بارے کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ آپ ان افواہوں کی ہرگز پرواہ مت کریں۔

آپ نے حضرت عمرؓ سے رائے طلب کی تو انہوں نے عجیب سوال کیا: ''آپ نے عائشہ سے شادی اپنی پسند سے کی تھی یا یہ اللہ کا حکم تھا؟'' آپ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم تھا! حضرت عمرؓ نے عرض کی ''کہ جب عائشہ ہے ہی رَبّ کا انتخاب، تو یہ سب باتیں واضح جھوٹ ہیں، یہ ہو ہی نہیں ہوسکتا کہ عائشہ، اللہ کا انتخاب ہو اور اس میں کوئی عیب ہو، مَیں نہیں مانتا!''

آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علی! تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علی نے (آپ کو اس غم سے بچانے کے لیے) عرض کی کہ یارسول اللہ! کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اگر عائشہؓ کی طرف سے فطری طور پر کوئی بات دل میں آگئی ہے تو آپ کو عورتوں کی کمی تھوڑی ہے! ویسے یہ پریشانی اس طرح بھی ختم ہوسکتی ہے کہ آپ، عائشہؓ کی خادمہ، بریرہؓ سے حالات کی تحقیق کر لیجیے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے پوچھا کہ تم بتاؤ! انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! عائشہ تو بھولی بھالی لڑکی ہے، بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھتی ہے تو خود سو جاتی ہے اور بکری آٹا کھا جاتی ہے۔ اس قدر سادہ طبیعت لڑکی ہے۔ اسے ان باتوں کا کیا پتا!

اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگلا دن اور رات بھی روتے ہوئے گزری۔ میرے والدین میری حالت دیکھ کر بہت کُڑھتے تھے کہ کہیں دُکھ کی وجہ سے مجھے کچھ ہو نہ جائے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف آوری

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے والدین کے گھر تشریف لائے۔ ایک ماہ ہوگیا تھا اس واقعے کو، میرے والدین بھی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر خطبہ پڑھا اور مجھے فرمایا:

يا عائشة! إنه بلغني عنك كذا و كذا فإن كنت بريئة فسيبرئك الله وإن كنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبي إليه فإن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه۔ (صحیح البخاری، ص:۲۵۶)

ترجمہ:- عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں یہ یہ باتیں پہنچی ہیں، اگر تم بری ہو تو اللہ تمہیں ضرور بری کردیں گے۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ استغفار کرلو، اللہ پاک معاف فرمادیں گے۔

اُمّی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام سُن کے میرا رونا تھم گیا، میرے آنسو رُک گئے، میں نے پہلے اپنے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں، والدین نے جواب سے معذوری ظاہر کی کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں!

ہمارے ہاں تو رواج ہے نا کہ بیٹی جھوٹی بھی ہو تب بھی ماں لڑنے کو تیار ہو جاتی ہے، باپ لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اولاد بڑی کمزوری ہے، اچھے اچھے دیندار لوگوں کو دیکھا کہ وہ اولاد کی خاطر پٹڑی سے اتر جاتے ہیں، حق سچ کو چھوڑ دیتے ہیں، اولاد کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کی غلطی ماننے کو لوگ تیار نہیں ہوتے۔ لیکن یہاں معاملہ صدیقؓ کا تھا۔ خاموش رہے اور بیٹی کو خود اپنی صفائی بیان کرنے کا موقع دیا۔

فرماتی ہیں کہ مجبوراً مجھے ہی بولنا پڑا، میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی، قرآن بھی زیادہ پڑھا ہوا نہیں تھا، اس وقت میں نے جواب دیا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عجیب وغریب خطبہ

إني والله! لقد علمت لقد سمعتم هذا الحديث حتى استقر في أنفسكم وصدقتم به فلئن قلت لكم: إني بريئة! لا تصدقوني! (لا تصدقوني) ولئن اعترفت لكم بأمر -والله يعلم أني منه بريئة- لتصدقني. فوالله! لا أجد لي ولكم مثلا إلا أبا يوسف حين قال: (فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون). (صحيح البخاري، ص:۲۵٦)

ترجمہ:- بخدا میں جانتی ہوں کہ آپ نے اس بات کو سُنا ہے اور یہ بات آپ کے دل میں بیٹھ چکی ہے، اور آپ نے (عملاً) اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اگر مَیں آپ سے یہ کہوں کہ مَیں اس گناہ سے بَری ہوں -اور اللہ جانتا ہے کہ میں بَری ہوں- تو آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اور اگر میں آپ کے سامنے تسلیم کرلوں کہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے -حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں- تو آپ میری بات مان لیں گے۔ واللہ! اب میں اپنے اور آپ کے معاملے بارے وہی کہتی ہوں جو یوسف کے باپ نے کہا تھا: ''فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون'' میں بھی یہی کہتی ہوں۔

فرماتی تھیں کہ غم کی شدت کی وجہ سے مجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھول گیا تھا۔

بہرحال! میں اتنا جواب دے کر الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اللہ میری براءت سے ضرور باخبر فرمائیں گے، لیکن یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے معاملے میں قرآن کی آیات نازل ہوں گی جو ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہیں گی۔

آسمانوں سے براءت نازل ہوتی ہے

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے اور سب گھر والے بھی وہیں بیٹھے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام وحی

لے کر آ گئے، آپ پر جب وحی آتی تھی تو سخت سردیوں میں بھی آپ کو پسینہ آ جاتا تھا، آپ پر وہی کیفیت طاری ہوئی، جب یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھے اور سب سے پہلے یہ فرمایا: "ابشری یا عائشۃ! أما اللہ فقد برأك" عائشہ تجھے مبارک ہو، اللہ نے تیری براءت آسمان سے اُتار دی۔ اس موقع پر یہ دس آیات نازل ہوئیں۔

جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خوشخبری سنائی تو حضرت عائشہ کی والدہ نے کہا کہ عائشہ! اُٹھ اور حضور کا شکر یہ ادا کر! اُمّی عائشہ نے فرمایا: "واللہ! لا أقوم إليه فإني (وإني) لا أحمد إلا اللہ عز وجل" نہ میں اس معاملے میں اللہ کے علاوہ کسی کا احسان مانتی ہوں اور نہ کسی کے لیے کھڑی ہوں گی۔ میں تو اپنے اللہ کا شکر یہ ادا کروں گی جس نے میری براءت کا اظہار فرمایا۔ (صحیح البخاری، ص: ۲۵۷)

طبعی دُکھ کا اِظہار بیوی کا حق ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی، اپنے متقی اور بزرگ شوہر سے طبعاً ناراضگی یا غم کا اظہار کرے تو یہ اُس کا حق ہے۔ شوہر اسے اپنی بے ادبی یا گستاخی ہرگز نہ سمجھے۔ یہ ناز و محبت بھرے تعلق کی دلیل ہے۔ شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ بیوی کے طبعی غم کے اظہار کو دل پر نہ لے، بلکہ اپنی بیوی کی اشک شوئی کرے۔

تہمت لگانے والوں پر "حدِّ قذف" جاری کی گئی

براءت نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمتیں لگانے والوں پر حد قذف جاری فرمائی، اس کے بعد مؤمنین نے توبہ کر لی، البتہ منافقین اپنی رَوِش پر قائم رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت کا منکر کافر ہے

علمائے اُمّت کا اجماع ہے کہ قرآن کی صفائی آ جانے کے بعد اگر کوئی شخص اُمّی عائشہؓ صدیقہ کے کردار اور طہارت پر کیچڑ اُچھالنے کی ناپاک جسارت کرے، وہ شخص قرآن کا منکر ہے، بلا شبہ کافر ہے، پکا ٹھکا کافر ہے، سکہ بند کافر ہے، اس کے کُفر میں کوئی شک نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خصوصی فضائل و کمالات

حُسنِ اتفاق سے یہ مقام، وفاتِ سیّدہ عائشہؓ کے روز ہی آ گیا، اسی مناسبت سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی چند خصوصیات ذِکر کی جا رہی ہیں جو صرف انہی کا خاصہ ہیں۔ کسی اور زوجہ محترمہ کو یہ نصیب نہیں ہوئیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں فرمایا۔ باقی جتنی عورتوں سے آپ نے شادی کی تھی وہ یا تو مطلقہ تھیں یا بیوہ تھیں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک ریشمی رومال میں (بعض

روایات کے مطابق اپنی ہتھیلی میں) ان کی تصویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور آ کر عرض کی: "ھذہ زوجتك فی الدنیا والآخرۃ" یہ عائشہ ہے جو آپ کی دُنیا اور آخرت کی بیوی ہے۔

۳- ان کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بستر پر لیٹے ہوتے تھے تب بھی وحی نازل ہوتی تھی، قرآن آجاتا تھا۔ کسی اور زوجہ محترمہ کو یہ سعادت حاصل نہیں۔

۴- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے آخری ایام، ان کے گھر میں گزارے تھے۔

۵- حضور علیہ السلام کا جب وصال ہوا تو آپ کا سرامی عائشہ کی گود میں ان کی تھوڑی اور سینے کے درمیان رکھا ہوا تھا، اَمّی عائشہ خود فرماتی ہیں: "وان رأسه لبین نحری وسحری۔" (صحیح البخاری، جلد اوّل، ص: ۲۵، الشاملۃ)

۶- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں حضرت عائشہؓ کی چبائی ہوئی مسواک کو بغیر دھوئے استعمال فرمایا۔

۷- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین، حضرت عائشہؓ کے حُجرے میں ہوئی جو جنّت کا ٹکڑا ہے۔

۸- آپؓ صدیقہ بنت صدیق اور خلیفۃ الرسول کی بیٹی ہیں۔

رُکوع کی مختصر تفسیر

"اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ" فرمایا: جو لوگ تہمت لے کر آئے وہ تمہیں میں سے کچھ لوگ تھے، اکثریت اُن میں سے منافقین کی تھی جنھوں نے ظاہری لبادہ اسلام ہی کا اوڑھا ہوا تھا۔ "لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ" ان کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اللہ نے تمہاری صفائی قرآن میں بیان کردی ہے، اب قیامت کی صبح تک منبر و محراب میں، اسٹیجوں پر، گھروں میں، خلوت و جلوت میں، اَمّی عائشہ کی عفت و پاکیزگی کے چرچے ہوتے رہیں گے۔

"لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ" جس نے اس بہتان میں جتنا حصہ لیا، اُتنا ہی اُس نے گناہ اپنے سر لیا۔ "وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪" جو اس سارے پروپیگنڈے کا مرکزی کردار تھا اس کو تو بڑا عذاب دیا جائے گا، اس کے علاوہ جس نے جتنا کردار ادا کیا اس کو اتنی دنیا اور آخرت کی سزا دی جائے گی۔

"لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫" اللہ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ جب تم نے یہ باتیں سنی تھیں تو تم نے اپنے مسلمان بہن بھائی کے بارے نیک گمان کیوں نہ کیا! یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ یہ تو بہتان ہے! تم تحقیقات میں کیوں پڑ گئے؟

مسلمان بارے حُسنِ ظن رکھنا واجب ہے

معلوم ہوا کہ جب تک کسی دلیلِ شرعی سے کوئی عیب یا گناہ ثابت نہ ہو جائے، تب تک ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا لازم اور ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی طرح بلا کسی شرعی دلیل کے الزام لگانے والے کو جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

پھر یہ لوگ چار گواہ بھی نہیں لائے، جب یہ چار گواہ نہیں لائے تو ان کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیے تھی، یہ تو قانون کے اعتبار سے بھی جھوٹے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ أَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

یہ اُن مؤمنین سے خطاب ہے جو غلطی سے عبداللہ بن اُبَیّ کی سازش کے حصہ دار بن گئے تھے۔ فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا دُنیوی اور اُخروی فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم پر دنیا میں بھی عذاب آجاتا۔ لیکن اللہ نے تم پر فضل فرمایا کہ تمہیں اس تہمت سے سچی توبہ کی توفیق بخشی اور پھر توبہ کو قبول بھی فرمایا۔ اُخروی فضل یہ ہے کہ تم سے درگزر اور مغفرت کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔

بلا تحقیق بات پھیلا دینا بہت بڑا جرم ہے

إِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

تم لوگوں نے بلا دلیل بس سنی سنائی بات آگے چلتی کر دی اور تحقیق بھی نہ کی! یہ کوئی ہلکی بات نہیں بلکہ ایک مسلمان کی عزت و آبرو کا مسئلہ تھا۔ اس طرح بلا تحقیق بات پھیلا دینا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

تمہیں تو شروع میں ہی کہ دینا چاہیے تھا کہ ہم اس بارے میں لب کشائی نہیں کریں گے، اللہ پاک ہے، اور یہ تو بہتانِ عظیم ہے، نبی کی بیوی پاک ہے، صاف ہے، حضور کا حرم، محترم ہے۔

آج کے بعد ایسا سوچنا بھی مت

"يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾" اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو آج کے بعد ایسی حرکت نہ کرنا، اور نہ ہی کسی پر ایسے الزام لگانا۔

براءت نازل ہونے کے باوجود اپنی گندی سوچ پر ڈٹے رہنا ہلاکت کا ذریعہ ہے

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو لوگ ایمان والوں میں بے حیائی کو رواج دیتے ہیں، براءت نازل ہونے کے بعد بھی اپنی گندی سوچ سے باز نہیں آتے، انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، اور اللہ جانتے ہیں، تم نہیں جانتے کہ کون بے حیائی کو رواج دے رہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

شیطانی نقشِ قدم پر مت چلو!

فرمایا: ایمان والو! "لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ" "شیطان کے نقشِ قدم پہ نہ چلو، بے حیائی کو نہ پھیلاؤ، فحاشی کو رواج نہ دو، فحاشی کو ترویج نہ دو، جو شخص شیطان کی پیروی کرتا ہے تو شیطان اُسے ہمیشہ بے حیائی کے کاموں میں ہی لگا کے رکھے گا (واقعۂ اِفک کی مثال تمہارے سامنے ہے، کیسے کیسے الزامات لگائے گئے)۔

توبہ کی توفیق ملنا بھی اللہ کی عطا ہے

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ" یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق بھی دیتا ہے اور توبہ قبول بھی کرتا ہے۔ اگر اللہ کا خاص کرم اور رحمت نہ ہوتی تو یا تو وہ تمہیں توبہ کی توفیق ہی نہ دیتا (جیسے منافقین کو توفیق نہیں ہوئی) یا توبہ قبول ہی نہ کرتا اور تمہیں پاک صاف نہ کرتا۔ کیونکہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ یہ سب محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

صحابہؓ کی تربیت خود اللہ نے کی ہے

اُمّی عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں ایک طرح کی شرکت، حضرت مِسطح رضی اللہ عنہ کی بھی ثابت ہوئی تھی، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ خالہ زاد بھائی تھے، "فانه كان ابن خالة الصديق وكان مسكينًا لا مال له" (تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۱) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، ان کے ساتھ مالی تعاون کیا کرتے تھے، لیکن اس واقعے کے بعد طبعی رنج کی وجہ سے انہوں نے قسم اُٹھالی کہ آج کے بعد "مسطح" کی مدد نہیں کروں گا۔

ظاہر ہے کہ یہ مالی امداد حضرت صدیقِ اکبرؓ پر بہر صورت واجب بھی نہیں تھی، اس لیے امداد روک لینے میں کوئی گناہ بھی نہیں تھا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ چونکہ صحابہ کی جماعت کو دُنیا کا مثالی معاشرہ بنانے والے تھے، اس لیے اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم فرمائی کہ ایسی قسم اُٹھانا، آپ کے بلند مقام کے مناسب نہیں۔

اس لیے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اہلِ علم و فضل جنہیں اللہ نے دینی کمالات اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی وسعت عطا فرمائی ہے، اُن کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ رشتہ داروں کی امداد نہ کرنے کی قسم کھائیں۔

لوگوں سے درگزر کرو! اللہ تم سے درگزر فرمائیں گے

"وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا" ابوبکر معاف کردو، درگزر کردو، "اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ" کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ بھی تمہیں معاف کردے!

جب حضرت ابوبکر نے یہ آیت سنی تو فوراً کہا: "واللہ إنی لأحب أن یغفر اللہ لی" (بخاری، ص: ۳۹۲) بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کردے، چنانچہ آپ ؓ نے اپنی قسم توڑ دی اور حضرت مسطح ؓ کی امداد جاری فرمادی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اب کبھی یہ امداد بند نہیں ہوگی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

براءت کے نزول کے باوجود بدزبانی کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے

جن لوگوں نے حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائی اور براءت نازل ہونے کے باوجود توبہ نہیں کی اور تہمت کے چرچے میں لگے رہے، ایسے لوگوں کے کُفر میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ایسے لوگ دُنیا اور آخرت ہر لحاظ سے دُھتکارے ہوئے اور ملعون ہیں۔ جو شخص بھی قرآنی طہارت نازل ہونے کے باوجود اپنی اس غلیظ فطرت سے باز نہ آئے اور اس تہمت کو حق سمجھے یا اُس کا چرچا کرے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی جماعت یا گروہ سے ہو، اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور روئے زمین کی ہر چیز کی لعنت برستی ہے اور وہ بہ اِجماعِ اُمّت کافر ہے۔ قیامت کے دن خود ان کے اعضا ان کے جرائم کی گواہی دیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

پانچواں قانون: قانونِ اِستئذان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فواحش کی روک تھام اور عفت کے تحفظ کے لیے ایسے احکامات دیے ہیں جن پر عمل کرنے سے ایسے حالات ہی پیدا نہیں ہوتے جن سے بے حیائی کو راستہ ملے۔ انہی احکامات میں سے "استیذان" کے احکام بھی ہیں۔ بغیر اجازت کسی کے گھر آنا جانا بھی چونکہ بے پردگی کا سبب بنتا ہے جو بنیاد ہے مزید خرابیوں کی، اس لیے اللہ پاک نے بغیر اجازت، کسی کے گھر داخل ہونے یا جھانکنے سے منع فرمادیا۔

اجازت لینے کی حکمتیں

"استئذان" کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

۱- یہ بات سب جانتے ہیں کہ گھر اور رہائش گاہ کا حقیقی مقصد "سکون اور راحت" ہے، "وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا'' اور یہ راحت تبھی ممکن ہے جب انسان دوسروں کی مداخلت کے بغیر آزادی سے آرام اور کام کر سکے۔ اس لیے اجازت لینے کی ایک اہم مصلحت لوگوں کی اس گھریلو آزادی میں خلل ڈالنے سے بچنا ہے۔

۲۔ اجازت لے کر کسی کے گھر جانا، شائستہ بندے کی نشانی ہے، اس سے گھر والوں کو بھی راحت ملتی ہے اور وہ بھی شائستگی سے پیش آتے ہیں۔ بصورتِ دیگر لڑائی جھگڑے اور دلی آزردگی ہونا واضح ہے۔

۳۔ اسی طرح ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ بے پردگی سے تحفظ ہو، تا کہ شیطان دل میں کوئی مرض نہ پیدا کر دے اور بات ''بدنظری'' سے ہوتے ہوئے ''زنا'' یا ''اسبابِ زنا'' تک جا پہنچے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۸۶)

مکانات کی اقسام

مکانات کی عموماً چار قسمیں ہوتی ہیں:

۱۔ خاص اپنا رہائشی مکان جس میں غیر کے آنے کا کوئی احتمال نہیں۔ اس میں داخلے کے لیے چونکہ کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس لیے اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

۲۔ وہ مکان جس میں کوئی اور بھی ساتھ رہتا ہو (خواہ وہ اپنے محارم ہی کیوں نہ ہوں) یا اس میں کسی اور کے آنے کا احتمال ہو۔

۳۔ وہ مکان جس بارے یقینی بات معلوم نہ ہو کہ یہاں کوئی رہتا ہے یا نہیں! رہنے یا نہ رہنے دونوں کا احتمال ہو۔

۴۔ وہ مکان جو کسی خاص شخص کی رہائش کے لیے مخصوص نہ ہو بلکہ انتفاعِ عامہ کے لیے بنایا گیا ہو، جیسے مدرسہ، مسجد، ہسپتال وغیرہ۔ (معارف: ۶/ ۳۸۵)

مکانات کی دوسری قسم سے متعلق اَحکام

فرمایا: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا'' کسی کے گھر میں سلام کیے اور اجازت لیے بغیر مت داخل ہوا کرو! ''ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' اگرچہ ظاہری طور پر یہ بات تمھیں اپنی شان کے خلاف لگے، لیکن اسی میں تمھاری بہتری اور بھلائی ہے۔

تیسری قسم سے متعلق ہدایات

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰی لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ

اگر اُن گھروں میں تمھیں (ظاہری طور پر یہ) لگے کہ اُن میں کوئی نہیں ہے، تب بھی اُن گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں، کیونکہ کسی اور کے خالی گھر میں بلا اجازت گھس جانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

"وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝" "اگر اجازت طلب کرتے وقت تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ (ابھی ملاقات نہیں ہوسکتی، یا بندہ سویا ہوا ہے یا ابھی معروف ہے وغیرہ) تو (خوش دلی سے) واپس چلے جایا کرو! یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا اور بہتر ہے (بنسبت اس کے کہ وہیں جم کے کھڑے رہو اور اُن کی اذیت کا باعث بنو)۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود کوئی جواب نہ ملے۔ اللہ تمہارے سب اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے، اگر حکم کی خلاف ورزی کروگے تو سزا ملے گی۔

بہرکیف! یہ حکم تو اجازت لینے والے کو ہے، تاہم گھر کے افراد کو بھی چاہیے کہ ملاقاتی کو اذیت میں مبتلا نہ کریں اور شدید مجبوری کے بغیر ملاقات سے انکار نہ کیا کریں۔ مہمان کا اکرام کرنا اُس کا شرعی و اخلاقی حق ہے۔

مکانات کی چوتھی قسم

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝"

اگر کوئی گھر ایسا ہو جہاں کسی کی رہائش نہ ہو مثلاً کوئی مدرسہ ہے، مسجد ہے، مرکز ہے، خانقاہ ہے، جہاں کسی فیملی کی رہائش نہیں ہوتی، رفاہِ عامہ کے جو مکانات ہوں (جو کسی کے لیے مخصوص نہ ہوں اور اُن میں داخلے کی کوئی خاص شرط نہ ہو) اور وہاں تمہارا سامان وغیرہ ہو تو بلا اجازت اندر جاسکتے ہو، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ ایسے مکانات میں جانے کی عادۃً عام اجازت ہوتی ہی ہے۔ (استیذان کے تفصیلی مسائل کے لیے: معارف القرآن، جلد ۶، صفحہ ۳۸۴ تا ۳۹۵، ملاحظہ فرمائیے)۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

چھٹا اور ساتواں قانون: مرد و عورت دونوں کے لیے نگاہوں کی حفاظت لازم ہے

ان آیات میں عفت کا ایک اور قانون بیان فرما رہے ہیں۔ عفت کے لیے ضروری ہے کہ "زِنا" کے اسباب سے بچو! اور زِنا کا بنیادی سبب "بدنظری" ہے۔ مرد بھی اپنی نگاہوں کو شرعی حدود میں رکھیں اور عورتیں بھی۔

نگاہ محفوظ ہوتو کردار محفوظ رہتا ہے

فرمایا: ’’قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ‘‘ مؤمن مردو! اپنی نظروں کی حفاظت کرو۔ غیر محرم عورت کی طرف تو دیکھو بھی مت! اسی طرح کسی کے شرعی ستر کو بھی بغیر کسی شرعی ضرورت کے دیکھنا جائز نہیں۔

’’وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ‘‘ شہوت کا بنیادی سبب بدنظری اور اس کا آخری نتیجہ حرام کاری اور زنا ہے۔ قرآنِ پاک نے ابتدائی اور انتہائی نتیجے کو صراحتاً حرام قرار دیا ہے۔ درمیان کے جتنے مقدمات ہیں، وہ سب خود بخود اس میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح شہوت رسانی کی ہر ممنوع صورت سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنا ایک مؤمن کا شعار ہے، کیونکہ اگر نظریں محفوظ ہوں تو کردار محفوظ، نظر خراب تو کردار خراب، نظر خراب تو آدمی خراب، نظر خراب تو اعمال خراب۔ کہتے ہیں کہ جس کی نظر خراب ہے اس کی عبادت سے اللہ حلاوت اور لطف اُٹھا لیتے ہیں، اس کو عبادت میں کوئی چاشنی محسوس نہیں ہوتی۔

اس کے بعد عورتوں کو یہی حکم دیا: ’’وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ‘‘ جن چیزوں کو دیکھنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو خواتین بھی نہ دیکھیں، اپنے کردار اور اپنی نظروں کی حفاظت کریں۔ خواتین کو تاکید کے لیے الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ خواتین کے لیے پردے کے پیچھے سے بھی غیر محرم مرد کو سرسری نظر دیکھنا بھی خلافِ اولیٰ ہے، بُری نیت سے دیکھنا تو دور کی بات ہے!

عورت پر ’’ستر پوشی‘‘ کا اہتمام لازم ہے

’’وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ‘‘ فرمایا: عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنی زینت (یعنی مواضعِ زینت) کو کسی غیر کے سامنے ظاہر مت کرے۔ ’’اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ‘‘ البتہ کام کاج کے دوران جو اعضا عادۃً کھل جاتے ہیں (مثلاً ہاتھ کی ہتھیلیاں، پاؤں اور چہرہ (بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو) اور انہیں چھپانا مشکل ہوتا ہے تو ان اعضا کے کُھلا رہنے میں گناہ نہیں۔

مجبوری میں چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش تو ہے، دیکھنے کی گنجائش نہیں ہے!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے اصل حکم یہی ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی بھی چیز کو ظاہر نہ ہونے دے۔ حتّٰی الامکان اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں اور چہرہ وغیرہ کو بھی چھپا کر رکھے۔ تاہم کام کاج اور لین دین کے وقت بامرِ مجبوری اگر یہ اعضا کھل جائیں تو معاف ہے، گناہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ باقی جسم کو ڈھانپ کر رکھو، رشتہ داروں سے بھی ڈھانپ کر رکھو اور پبلک سے بھی ڈھانپ کر رکھو۔

یاد رکھو کہ یہ ’’چہرہ، ہاتھ اور پاؤں‘‘ ستر سے خارج ہیں، پردے سے خارج نہیں ہیں۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان ظاہری اعضا کو اللہ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے لہٰذا چہرے کا پردہ نہیں ہے، ارے بھائیو! اَمّی عائشہ رضی اللہ عنہا جب حضور کے ساتھ سفر میں تھیں تو پردے میں تھیں یا بے پردہ تھیں؟ پردے میں تھیں نا! اگر پردہ نہ ہوتا تو یہ مغالطہ ہی کیوں لگتا کہ عائشہؓ کجاوے میں موجود ہے یا نہیں!

نیز جب حضرت صفوانؓ آئے تو حدیث میں صراحت ہے کہ اُمّی عائشہؓ نے اُن سے پردہ کرلیا۔معلوم ہوا کہ چہرے کا بھی پردہ ہے، ہاں ستر سے یہ خارج ہے، کیونکہ ضرورت کی چیز ہے، اسے محارم کے سامنے کھول سکتی ہے۔

بہرکیف! اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ ''اگر عورتوں کے لیے بأمرِ مجبوری چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا جائز ہے تو مَردوں کے لیے بلاضرورت ان اعضا کو دیکھنا بھی جائز ہے'' یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے!

مَردوں کے لیے اصل حکم وہی ہے کہ اپنی نگاہیں پست رکھو! عورت کی اگر مجبوری ہے تو تمہاری تو کوئی مجبوری نہیں ہے، تم کیوں دیکھ رہے ہو؟

فتنے کا اندیشہ ہو تو چہرے کا چھپانا بھی واجب ہے

حضراتِ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر چہرے اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنے کا اندیشہ ہو (جیسا کہ موجودہ زمانے میں اس کا عام مشاہدہ ہے) تو اس وقت ان اعضا کو کھول کے رکھنا بھی جائز نہیں ہوگا۔حُسن کا مرکز، انسانی چہرہ ہے، اسی سے معاملات بگڑتے ہیں۔اس لیے غیر محرم کے سامنے عورت کا اپنے چہرے کو کُھلا رکھنا ممنوع ہے اور مَردوں کو بلاضرورت کسی غیر محرم خاتون کا چہرہ دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

سینے پر بھی چادر پھیلا کر رکھو!

''وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ'' ''اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈال کر رکھو! زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسے کرتی تھیں کہ سر پر اوڑھنی رکھ کر اس کے دونوں کنارے پشت پر ڈال لیتی تھیں جس سے سینہ، گلہ، گریبان وغیرہ کھلے رہتے تھے، سینے پر کوئی چادر نہیں ہوتی تھی، حالانکہ جو شہوت انگیز عضو ہے وہ تو اُبھرا ہوا سینہ ہے جو کہ کھلا ہوا ہے، اس لیے فرمایا کہ چادر سے اپنے سینے کو چھپا کر رکھو۔

سوشل میڈیا کا درست استعمال لازم ہے!

آج کل بے حیائی کا دور ہے، سوشل میڈیا پر بے حیائی اپنے پورے شباب پر ہے۔ایک کلک کے فاصلے پر دُنیا بھر کی گندگی آپ تک پہنچ جاتی ہے۔فحاشی اس حد تک گھروں میں داخل ہوگئی ہے کہ وقت سے پہلے بلوغت اور وقت سے پہلے بڑھاپا آنا شروع ہوجاتا ہے۔ذہنی اور جسمانی کمزوریاں مزید تحفے ہیں۔یہ سب اسی ''بدنظری'' کی نحوستیں ہیں۔

خدا کے لیے خود کو اور اپنی اولاد کو ''بدنظری'' سے بچاؤ! یہی بدنظری، آگے بڑھ کر بدکاری تک پہنچ جاتی ہے اور پھر لوگ روتے پھرتے ہیں کہ میری اولاد کا تو کسی سے ملنا ملانا نہیں تھا، پھر گھر سے بھاگ جانے جیسا واقعہ کیسے ہوگیا! بھائیو! اپنی اولاد کو زمانے بھر کی سہولیات ضرور دو، لیکن ساتھ میں کڑی نگرانی بھی جاری رکھو، ورنہ دُنیا میں تو جو ہو، سو ہو، قیامت کے دِن تم بھی برابر کے مجرم شمار ہوگے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ
الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ
زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

قانون نمبر ۸: پردے سے اِستثناء

اب یہاں سے اُن مردوں کا ذکر ہے فرمایا ہے جن کے سامنے عورت بغیر حجاب کے آ جاسکتی ہے، کیونکہ یہ وہ محارِم ہیں جن کی طبیعتیں اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ایسی بنائی ہیں کہ وہ ان عورتوں کی عصمتوں کے محافظ ہوتے ہیں، ان کی ذات سے فتنے کا احتمال نہیں ہوتا۔

نیز شوہر کے علاوہ بقیہ سب مردوں سے پردے کا استثناء ضرور ہے، شرعی ستر پوشی کا اہتمام ان سے بھی ضروری ہے۔

بارہ مرد ایسے ہیں جن سے عام حالات میں پردہ ضروری نہیں

ان مردوں میں سے آٹھ مرد محارِم میں سے ہیں اور بقیہ چار دوسرے لوگ ہیں۔

سب سے پہلے: ۱-شوہر کا ذکر کیا، کیونکہ شوہر کے سامنے تو بیوی کی کوئی چیز مخفی ہی نہیں ہے۔ ۲-خاتون کا باپ۔ اس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ ۳-شوہر کا باپ یعنی سسر، اس میں بھی اس کے دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ ۴-خاتون کے اپنے بیٹے، ان سے بھی پردہ نہیں۔ ۵-شوہر کے وہ بیٹے جو دوسری بیوی سے ہوں۔ ۶-خاتون کے اپنے بھائی، خواہ وہ سگے ہوں، باپ شریک ہوں یا ماں شریک، سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ عُرفی بھائی (خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، یا منہ بولا بھائی) اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ۷-بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) سے بھی پردہ نہیں ہے۔ یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر چھ میں بیان ہوئی۔ ۸-بہنوں کے بیٹوں یعنی بھانجوں سے بھی پردہ نہیں۔ نمبر چھ والی تفصیل یہاں بھی لاگو ہوگی۔ ۹-خواتین کے سامنے بھی وہ اعضا کھولے جاسکتے ہیں جو اپنے باپ بیٹے کے سامنے کھولنا جائز ہے۔ کسی شرعی ضرورت کے بغیر خواتین کے سامنے بھی شرعی ستر کھولنا جائز نہیں۔ ۱۰-جو تمہاری لونڈیاں ہیں، چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ البتہ غلام سے پردہ ضروری ہے، کیونکہ وہ نامحرَم ہے۔ ۱۱-اسی طرح وہ غافل اور بدحواس مرد جنہیں نہ تو عورتوں کی ذات سے کوئی رغبت اور دِلچسپی ہو، اور نہ اُن کے احوال اور حُسن و کمالات سے رغبت رکھتے ہوں کہ دوسروں کو بتاتے پھریں، گویا احمق اور مخبوط الحواس قسم کے مردوں سے بھی پردہ ضروری نہیں ہے۔ البتہ مخنث اور ہیجڑے مرد اور وہ مرد جو بہت بوڑھا ہو چکا ہو، یا جماع پر قادر نہ ہو، یہ لوگ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ حقیقت میں جماع پر قادر نہیں ہیں، لیکن عورتوں کے محاسن وصفات کی طرف رغبت فطری بات ہے، ایسے مردوں سے محتاط رہنا اور پردہ کرنا ضروری ہے۔

۱۲- وہ نابالغ بچے جنہیں عورتوں کے محاسن اور مرد وعورت کے تعلقات بارے کچھ معلوم نہ ہو، ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ البتہ وہ بچہ جو قریب البلوغ ہو اور ان اُمور میں دلچسپی لیتا ہو، یا باریکیاں سمجھتا ہو، اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ

مخفی زینت کا اِظہار بھی جائز نہیں

فرمایا کہ عورتیں جب چلیں تو زمین پر اتنے زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں جس سے زیور کی آواز نکلے یا ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے، بلکہ آہستہ اور آرام سے چلیں۔

خوشبو لگا کر اور کامدار برقعے پہن کر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں

جب کوئی خاتون خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلے گی اور اس کی خوشبو کسی مرد تک پہنچے گی تو یہ بھی مخفی زینت کا اظہار ہوگا جو شرعاً جائز نہیں۔ بعض روایات میں پھیلنے والی خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانے والی خاتون کو "زانیہ" تک فرمایا گیا ہے، کیونکہ خوشبو کی طرف لوگوں کو رغبت ہوگی اور لوگ اس کی طرف مائل ہوں گے جو زِنا کا بنیادی مقدمہ ہے۔ "والمرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا و كذا. يعني زانية" (سنن الترمذی: ۵/۱۰۶)

اسی طرح مزین رنگوں کے کامدار اور موتیوں والے برقعے اور چادریں پہن کر گھر سے باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ (معارف: ۶/۴۰۶) کیونکہ برقع کا مقصد پردہ ہے تاکہ لوگ اس خاتون کی طرف متوجہ نہ ہوں، جبکہ کامدار اور منقش برقعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث اور حجاب کے مقصد میں مخل ثابت ہوتے ہیں۔

اگر گھر سے باہر نکلنے کی کوئی شرعی وجہ ہو تب بھی ایسے سادہ لباس، سادہ شکل وصورت میں، خوشبو لگائے بغیر نکلنے کی اجازت ہے کہ کسی کی توجہ اور رغبت نہ ہو، اور خاتون کا پورا جسم ڈھیلے ڈھالے کپڑے میں لپٹا ہوا ہو۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اَحکامات پر عمل کرنے میں کمی کوتاہی ہو جائے تو فوراً توبہ کرو

مردوں اور عورت کو الگ الگ احکامات دینے کے بعد، اب سب سے اکٹھے خطاب ہے کہ شہوت نفسانی کا معاملہ بہت باریک ہے، ہر بندہ اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے، اگر خدانخواستہ ان احکامات میں کوتاہی ہوگئی ہو تو اللہ سے خوب ندامت کے ساتھ توبہ کرے اور آئندہ اس گناہ سے دور رہنے کا پختہ عزم کرے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

قانون نمبر ۹: معاشرے میں نکاح کو عام کیا جائے

شریعتِ اسلام چونکہ ایک معتدل شریعت ہے، اس لیے اگر ایک طرف بے حیائی اور شہوت رانی کے ناجائز طریقوں سے روکا گیا ہے تو ضروری تھا کہ فطری جذبات وخواہشات کی تکمیل کا جائز اور صحیح طریقہ بھی بتایا جائے، اس لیے اِن آیات میں نکاح کے احکامات بیان کیے جارہے ہیں۔

فرمایا: ''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ۭ'' نوجوان لڑکے لڑکیوں (خواہ آزاد ہوں یا غلام، بشرطیکہ شرعی حقوق ادا کرنے کے اہل ہوں) کی شادی کرو، یعنی اگر غیر شادی شدہ ہوں تو شادی کرو، اور اگر بیوی فوت ہوگئی یا شوہر فوت ہوگیا یا طلاق ہوگئی تو بھی ان کی شادیاں کرادو۔ اسی طرح اگر غلام یا باندیاں، نکاح کا تقاضا کریں تو آقاؤں پر لازم ہے کہ وہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ بنیں، اجازت دے دیا کریں۔

ظاہری مال ودولت کو نکاح کے لیے معیار نہ بناؤ

''اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝'' اگر فقر ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ شادی کے بعد گزارا کیسے ہوگا؟ تو فرمایا کہ اس کی پروا نہ کرو، اللہ تمہیں غنا عطا فرمادیں گے، شادی کے بعد اللہ رزق میں وسعت پیدا فرمائیں گے، رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے، شادی کے بغیر بھی فقیر کردے اور جسے چاہے شادی کے باوجود غنی اور مال دار کردے، اس لیے جو شخص اپنی عفت کے لیے، سنّت سمجھ کر نکاح کرتا ہے اور اللہ پر پورا بھروسا رکھتا ہے، اس کے لیے اللہ کی طرف سے مال داری کا وعدہ ہے۔

نیز اس آیت میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ رشتہ کرتے وقت مال داری کو بنیاد نہ بنایا کرو، اگر لڑکا صالح اور قابل ہے تو اللہ کے بھروسے پر رشتہ کردیا کرو، فی الحال غُربت کی وجہ سے رشتے سے انکار نہ کرو، کیونکہ اصل چیز صلاحیت ہے، مال تو آنے جانے والی چیز ہے۔ شادی کے بعد اِحساسِ ذمہ داری کی وجہ سے مشاہدہ یہ ہے کہ شوہر محنت زیادہ کرتا ہے۔ اسی محنت کی برکت سے اللہ پاک تونگری نصیب فرمادیتے ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

پاک دامن رہنے پر خدائی اِنعام کی اُمید ہے

فرمایا: جن لوگوں کے پاس فی الحال نکاح کی قدرت نہ ہو یا بیوی کے شرعی حقوق ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو وہ لوگ صبر کریں اور پاک دامنی کی زندگی گزاریں، پاکدامنی کی برکت سے اللہ پاک اپنے فضل سے اُنہیں اتنے مالی وسائل عطا فرمائیں گے کہ وہ نکاح پر قادر ہوجائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ

قانون نمبر ۱۰: قانونِ مکاتبت

فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا'' جو غلام یا باندی مکاتب بننا چاہے تو اسے مکاتب بنا دو!

''مکاتبت'' کا مطلب

''مکاتب'' کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی غلام یا باندی اپنے مالک کو یہ کہے کہ میں اتنی رقم آپ کو کما کر دیتا ہوں (جو رقم بھی باہمی رضامندی سے طے ہو جائے، کوئی حرج نہیں) آپ مجھے بدلہ میں آزاد کر دیں، تو اگر مالک یہ سمجھے کہ یہ واقعی اس لائق ہے کہ کما کر رقم دے سکتا ہے اور اس کی آزادی سے کوئی فتنہ فساد نہیں ہوگا، مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، معاشرے میں گڑبڑ بھی نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ اپنے مملوک کی اس خواہش کو پورا کرے اور اسے مکاتب بنا دیا کرے، یہ افضل اور باعثِ ثواب بھی ہے۔

''مکاتب'' کی رہائی میں تعاون کرنا مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے

ہمیں یہ حکم دیا گیا: ''وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ'' تمہیں جو اللہ نے مال دے رکھا ہے اس میں سے ان مکاتبوں کی مدد کرو، زکوٰۃ بھی اس مد میں دی جا سکتی ہے۔ یہ حکم عام مسلمانوں اور غلام کے آقاؤں سب کو ہے کہ مکاتب کے ساتھ مالی تعاون کرو اور اس کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرو تا کہ جلد از جلد وہ غلامی سے نجات پا سکے۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ شرعی حیثیت سے غلام ہیں، شریعت کا منشا یہ ہے کہ اُن کی آزادی کے زیادہ سے زیادہ راستے کھولے جائیں۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

لونڈیوں کو بھی غلط کاری سے بچا کر رکھو!

زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کرتے تھے، ان سے دھندہ کرواتے تھے کہ پیسے کما کر لائیں، اللہ نے فرمایا کہ خبردار آئندہ ایسے نہیں کرنا! جو ان سے یہ فعل کرائے گا، سخت گناہ گار اور عند اللہ مجرم شمار ہوگا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

پوری کائنات، خدائی نُور سے منوّر ہے

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کے نور کا ذکر کیا، اس کی مناسبت سے اس سورۃ کو "سورۃ نُور" کہا جاتا ہے۔

مناسبت

پچھلے رکوع میں اللہ پاک نے "غضِ بصر" کے اَحکامات بیان فرمائے ہیں، ان احکامات کے بعد "نُور" کے بارے آیات لانا دلیل ہے اس بات کی کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے اپنی نظروں کی حفاظت کرے گا، اللہ اُس کے دل کو اپنے خاص "نُور سے منوّر" فرمادیں گے۔ (تدبر القرآن، ص:۱۲۲)

فرمایا: "اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۔" پوری کائنات کی جو یہ رونق ہے، یہ اللہ کے نُور کی وجہ سے ہے، اللہ آسمان اور زمین اور کُل عالَم کی مخلوقات کے لیے منوّر (نورِ ہدایت دینے والے) ہیں۔

"نُور" کی عجیب تمثیل

مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰـرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ ۙ

عجیب وغریب تمثیل

"نُوۡرِهٖ" کی ضمیر بارے اقوال مختلف ہیں کہ اس کی نسبت "اللہ" کی طرف ہے یا "مؤمن" کے دل کی طرف؟ ہم نے اکثر مفسرین کی اتباع میں دوسرا مفہوم مرادلیا ہے۔

فرمایا اس نور کو ایک مثال سے سمجھو! ایک طاقچہ ہے، اس طاقچے میں ایک چراغ ہے جو شیشے میں بند ہے، شیشہ بھی ایسا صاف ستھرا اور چمکدار جیسے روشن ستارہ ہوتا ہے، اُس پر کوئی داغ اور دھبہ نظر نہیں آتا۔ اس چراغ کا جو تیل ہے وہ زیتون کے ایسے درخت کا ہے جو چٹیل میدان میں کھڑا ہے، "لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ" نہ شرقی جانب (کوئی آڑ) ہے اور نہ غربی جانب (کوئی سایہ) کہ اس پر ٹھیک طرح سے دھوپ نہ پڑتی ہو، آڑ اور روکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے صبح سے شام تک اُس پر خوب دھوپ پڑتی ہے اور ایسے درخت کا روغن بہت صاف شفاف ہوا کرتا ہے۔

"يَّكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ" اور وہ ایسا خالص اور چمکدار تیل ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی لگائی جائے تب بھی ایسے لگتا ہے جیسے یہ خود ابھی بھڑک اٹھے گا۔ "نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ ؕ" پھر اگر اس تیل کو آگ لگادی جائے تو "نُور علیٰ نُور" ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ تیل خود چمکدار تھا، اوپر سے اسے آگ لگادی گئی، پھر کیفیت بھی ایسی کہ چراغ، شیشے میں بند ہے اور شیشے کی چمک ودمک سے روشنی میں مزید اضافہ ہونا واضح ہے۔ پھر طاقچے میں رکھا ہونے کی وجہ سے چراغ کی روشنی اور چمک میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا گویا کہ کئی روشنیاں جمع ہوگئی ہیں، "نُور علیٰ نُور" ہے۔

مثال کی تطبیق

ایسے ہی انسان کا بدن طاقچہ ہے جس میں اس کا دل شیشے کی مانند ہے، فطری نُورِ ہدایت، جو ہر مؤمن کے دل میں ودیعت رکھا جاتا ہے، اس کی مثال روغن اور تیل کی ہے جس کا اپنا خاصہ بھی قبولِ حق ہے لیکن جب اس فطری نُورِ ہدایت کے ساتھ وحیِ الٰہی کا اتصال ہوجاتا ہے تو ایمان کی اور اللہ کی معرفت کی ایسی روشنی پھیلتی ہے کہ اس شخص کی پوری زندگی منور ہوجاتی ہے اور اس کے ذریعے کثیر لوگوں کو ہدایت کی روشنی ملتی ہے۔

نوٹ:-یہ بات ذہن میں رہے کہ فطری نُورِ ہدایت ہر شخص کو عطا کیا جاتا ہے: ''کل مولود یولد علی الفطرة'' (البخاری،ص:۲۰۷) تاہم چونکہ اس نُور سے فائدہ عموماً مومن ہی اُٹھاتا ہے، اس لیے مومن کے دل کو اس مثال کے لیے خاص کیا گیا ہے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

بڑی سے بڑی مصروفیت بھی ''ذِکراللہ'' سے غافل نہیں کرتی

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ''لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ'' ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذِکر سے، نماز سے، روزے سے، زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

''تجارت'' اور ''بیع'' کو اَلگ الگ ذِکر کرنے کا مقصد

تجارت کے مفہوم میں اگرچہ ''بیع'' بھی داخل ہے لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تجارت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے اور اس کے منافع وغیرہ مدّتوں بعد وصول ہوتے رہتے ہیں، جب کہ ''بیع'' یعنی کوئی چیز فروخت کرکے نفع کے ساتھ اس کی قیمت عموماً نقد وصول کرلی جاتی ہے، گویا یہ نقد نفع دینے والی تجارت ہے۔(معارف:۶/۴۲۹)

بہرکیف! ان مومنین کی یہ خاصیت ہے کہ کاروبار چاہے کچھ بھی ہو یہ اپنی نماز بروقت ادا کرتے ہیں، اللہ کے ذِکر اور نماز کے مقابلے میں وہ بڑے سے بڑے دنیوی فائدے کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اپنے معمولات پورے کرتے ہیں، وہ اپنی روزانہ کی تلاوت پوری کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں کرتے کہ میں پہلے گاہک کو سودا دے دوں، پھر نماز پڑھتا ہوں، یہ گاہک نمٹالوں، نماز بھی پڑھ لوں گا، اسی میں نماز رہ جاتی ہے۔ اس لیے تمام مشاغل کو ''فرع'' اور معمولاتِ دینیہ کو ''اصل'' بنایا جائے، کسی بڑے سے بڑے مشغلے کی وجہ سے دینی معمولات، قضا نہ ہونے پائیں۔

مومن اعمال پر نہیں، خدا پر بھروسا کرتا ہے

"يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ" یہ لوگ اتنے عبادت گزار ہونے کے باجود، ہر وقت آخرت کی فکر اور خوف میں ڈوبے رہتے ہیں، اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے بیٹھ جانے والے نہیں ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ پاک آخرت میں خوب نوازیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

کُفّار کی دو قسموں کے لیے الگ الگ مثال

یہاں سے کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں، کفار کی بنیادی طور پر دو قسمیں بنتی ہیں:

۱۔ بعض ایسے ہیں جو آخرت کی جزاء و سزا کے تو قائل ہیں لیکن اپنے بعض اعمال کو اپنے گمان کے مطابق نیکی اور ثواب کا باعث سمجھتے ہیں، اور ساری زندگی وہی اعمال کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اُن اعمال کا نہ تو اللہ نے حکم دیا اور نہ ہی پیغمبر نے انہیں ثواب اور خدائی قُرب کا باعث بتایا، اُنہوں نے خود سے ہی بعض اعمال کو ثواب سمجھ رکھا ہے اور اُن پر اللہ تعالیٰ سے انعام کی امید رکھتے ہیں۔

۲۔ بعض کُفّار ایسے ہیں جو آخرت اور قیامت کے قائل ہی نہیں ہیں۔

پہلی قسم کے کُفّار کی مثال

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

جو کافر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اعمال درست اور اجر کا باعث ہیں، نیکیاں بھی ہیں، اس کی مثال ایسے ہے جیسے "كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً" کوئی پیاسا، چٹیل میدان میں دور سے دیکھے تو چمکتی ہوئی ریت، اُسے پانی محسوس ہوتی ہے (حالانکہ وہ محض سراب ہوتا ہے) جب وہاں سفر کر کے پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ریت تھی، پانی تھا ہی نہیں، تو شدتِ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔

فرمایا کہ یہ کافر بھی سمجھ رہا ہے کہ اس کے پاس نیکیاں ہیں جو قیامت کے دن کام آئیں گی، حالانکہ "ایمان" کے بغیر، آخرت میں کوئی نیکی کام دینے والی نہیں۔ جب یہ کل قیامت کو اللہ کے پاس آئے گا تو جیسے اس پیاسے کو وہاں پانی نہیں

ملا، اسی طرح اس کافر کو اس کی کسی نیکی کا اجر نہیں ملے گا، جیسے وہ پیاسا مر گیا، اسی طرح یہ کافر بھی اپنی غلط توقع کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہوگا۔

دوسری قسم کے کافروں کی مثال

"اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ" جیسے ایک سمندر کے اندرونی اندھیرے ہوتے ہیں، سمندر کی گہرائی کی وجہ سے تہہ میں اندھیرا سا ہوتا ہے، پھر اسے ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا (اندھیرا مزید گہرا ہو گیا) اس کے اُوپر موج کی ایک اور تہہ بن گئی، مزید اس کے اُوپر گہرے بادل ہوں کہ ستارے وغیرہ کی بھی روشنی نظر نہ آنے پائے۔ اُوپر نیچے اتنے گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آتا۔

اسی طرح یہ کافر بھی چونکہ آخرت کے ہی منکر ہیں، انہوں نے آخرت کے لیے کوئی کام بھی نہیں کیا، اسی لیے ان کے پاس ظلمت ہی ظلمت ہے، کوئی نور اور روشنی بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثال میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اسی طرح یہ کفار بھی، کفر کے اندھیروں میں، گناہوں کے اندھیروں میں، معاصی کے اندھیروں میں، لہو و لعب کے اندھیروں میں، ہر طرف اندھیروں ہی اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

ہدایت، خالص اللہ کی عطا ہے

"وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝" جسے اللہ ہی نورِ ہدایت نہ دے، اسے کہاں سے نور اور روشنی میسر آسکتی ہے! یہ کفار بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ہدایت پر آنا ہی نہیں چاہتے، پیغمبر کی پیروی پر آمادہ ہی نہیں ہیں تو ہم نے بھی انہیں نورِ ایمان سے محروم کر دیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰۗفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"توحید" کے مُسکِت دلائل

ان آیات میں اللہ پاک نے اپنی توحید کے دلائل ذکر فرمائے کہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق میری تسبیح کرتی ہے، بادل

بھیجنا، ضرورت کی جگہوں پر بارش برسانا، اولے گرانا، بجلیوں کی چمک، دن اور رات کا نظام اور قسما قسمی جانداروں کی تخلیق سب میرے کارنامے ہیں اور میں ہی اس سب نظام کو اکیلے دیکھنے اور چلانے والا ہوں، کوئی بھی میرا شریک نہیں۔ نیک رستے کے خواہشمندوں کو سیدھے رستے کی طرف لاتا ہوں جب کہ سرکش لوگوں کو اُنہی کے حال پر چھوڑے رہتا ہوں۔ اس سب کے باوجود لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں، میری توحید کے قائل نہیں۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝

منافقین کی مطلب پرستی

اس کے بعد منافقین کا تذکرہ فرمایا کہ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے لیکن جب اس دعویٰ پر عمل کا وقت آتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ (جو ذرا وجاہت اور مال داری رکھتے ہیں) پھر جاتا ہے۔ انہوں نے جب دوسروں کا حق دینا ہوا اور وہ لوگ کہیں کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے چلتے ہیں تو یہ بھاگ جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے نہیں آتے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کا فیصلہ کریں گے اور ہمیں لوگوں کا حق دینا پڑے گا جو انہیں گوارا نہیں۔ اور اگر خود کسی سے اپنا حق وصول کرنا ہو تو فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرِ تسلیم خم کیے اور دوڑتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ ایسے ہی منافقین کے لیے یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

اس مطلبی رویے پر چند عقلی احتمالات

أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

منافقین کے اس مطلبی رویے اور اعراض کی چند عقلی وجوہات ہو سکتی ہیں

الف:- ان کے دلوں میں کفر چھپا ہوا ہو اور انہیں یقین ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں، اس لیے اعراض کرتے ہوں۔

ب:- یا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے میں شک ہو۔

ج:- انہیں ڈر ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں انصاف پر مبنی فیصلے نہیں ہوتے اور ہم پر ظلم اور زیادتی ہو گی۔

د:- یا خود ان کے دل میں چور ہے اور یہ خود ان مقدمات میں ظالم ہوتے ہیں، اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں دوسروں کا حق واپس نہ کرنا پڑ جائے۔

فرمایا کہ یہی آخری وجہ ہی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے یہودیوں سے فیصلہ کرانے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ یہ خود ظالم ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝

کامیابی کی چار شرطیں

اس آیت میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں کہ جو شخص ان چار چیزوں کی پابندی کرے گا، وہ دُنیا اور آخرت میں کامیاب رہے گا۔ وہ چار اُمور یہ ہیں:

۱۔ اللہ کی اطاعت: یعنی فرائض کی پابندی کرتا ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت: یعنی سُنّتِ نبوی کی پیروی کرے۔

۳۔ خشیت: یعنی گزشتہ زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت ہو، سابقہ غلطیوں پر توبہ کرے۔

۴۔ تقویٰ کی پابندی: مطلب آئندہ کے لیے تقویٰ اختیار کرے اور ہر قسم کی گناہوں سے دور رہے۔

ان چار اُمور کی پابندی کرنے والا دونوں جہانوں میں سُرخرو رہے گا۔ یہ خدائی وعدہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝

دین پر ثابت قدمی کے نتیجے میں تین خدائی انعامات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دین پر پوری طرح ثابت قدم رہیں گے اور اللہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی شرک نہیں کریں گے تو اُنہیں دُنیا میں تین طرح کے انعامات سے نوازا جائے گا:

۱۔ زمین کی خلافت اور حکومت عطا کروں گا، جیسے میں نے پہلے والے لوگوں کو خلافت دی تھی۔

۲۔ اللہ کے پسندیدہ دینِ اسلام کو غلبہ ملے گا۔

۳۔ مسلمانوں کو اس قدر قوت ملے گی کہ دُشمن کا خوف ختم ہو جائے گا۔

نیز یہ حکمران دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے دلوں میں میرا خوف ہوگا، وہ میری عبادت کرتے ہوں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

خلفائے راشدینؓ کی خلافت، عنداللہ مقبول ہے

اس وعدے کا پورا پورا ظہور حضراتِ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا کیونکہ اللہ پاک نے جن شرائط کی تکمیل

پر یہ وعدہ فرمایا تھا، وہ شرائط انہی حضرات میں سب سے زیادہ کامل و مکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی انہی نفوسِ قدسیہ کے عہد میں پورا ہوا۔ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو خلافت بھی دی، دین کو غلبہ بھی دیا اور دشمنوں سے امن بھی دیا۔ ان حضرات نے اللہ کی عبادت بھی کی اور شرک کے خلاف جہاد بھی کیا۔

بعد کے زمانوں میں بھی جو جو ایسے پختہ مسلمان، عادل اور نیک حاکم آتے رہے، انہیں ان کے اعمالِ صالحہ کے مطابق اس خدائی وعدے میں سے حصہ ملتا رہا ہے۔ قُربِ قیامت میں آخری خلیفہ امام مہدی (محمد بن عبداللہ) تشریف لاکر اسلامی حکومت قائم فرمائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞

قانون نمبر ۱۱: گھر کے اَفراد کے لیے بھی تین وقت ''استئذان'' ضروری ہے

یہاں سے پھر عفت کے قوانین ذکر فرمارہے ہیں۔ فرمایا کہ تین وقت ایسے ہیں کہ ان تین وقتوں میں گھر کے افراد بھی (ایک دوسرے کے کمروں میں) اجازت لے کر جائیں، نابالغ بچے اور غلام بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

وہ تین اوقات کون سے ہیں؟ فرمایا: ''مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ'' فجر کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد، کیونکہ ان تین اوقات میں عموماً آدمی آرام میں ہوتا ہے جس میں آدمی بے تکلف رہنا چاہتا ہے، اور تنہائی میں بسا اوقات اعضائے مستورہ کھل بھی جاتے ہیں، کبھی انسان کوئی ایسا مخصوص لباس بھی پہن لیتا ہے جسے لوگوں کے سامنے پہننا مناسب نہیں سمجھا جاتا، اس لیے ان تین اوقات میں بلا اجازت کسی کے پاس نہیں جانا چاہیے، اپنے مملوک لونڈیوں، نابالغ غلاموں (بالغ غلام، اجنبی اور نامحرم ہیں) اور نابالغ بچوں کو بھی سمجھادو کہ ان تین اوقات میں اجازت طلب کرکے آئیں۔

ان اوقات کے علاوہ گھر کے افراد کے لیے آنے جانے میں حرج نہیں اور نہ ہی اجازت لینے کی ضرورت ہے، کیونکہ ان اوقات کے علاوہ انسان عموماً کام کاج میں مشغول اور مکمل لباس میں ملبوس ہوتا ہے، بے پردگی کا امکان نہیں ہوتا۔

بالغ اور قریب البلوغ لڑکوں کے لیے تو ویسے بھی اجازت کے وہی اَحکام ہیں جو بڑوں کے لیے ہیں، وہ بھی ایسے ہی اجازت مانگ کر اندر جائیں جیسے بڑے اجازت مانگ کر اندر آتے ہیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

قانون نمبر ۱۲: بہت بوڑھی عورتوں کے لیے پردے کے اَحکام میں کچھ گنجائش ہے

فرمایا کہ وہ عورتیں جو اس قدر بوڑھی ہو چکی ہوں کہ نہ تو ان کی طرف کسی کی رغبت ہو اور نہ ہی وہ نکاح کے قابل ہوں، ان کے لیے سہولت ہے کہ جن اعضا کا چھپانا محرم سے ضروری نہیں، غیر محرم سے بھی وہ اعضا چھپانا اب ضروری اور لازم نہیں رہا۔ اُن کے سامنے پردے سے رہنا اب لازم نہیں رہا۔

بس شرط یہ ہے کہ بن سنور کر اور زیب و زینت کر کے نہ بیٹھے، تاہم اس رعایت کے باوجود اگر ایسی خواتین، غیر محرم سے بھی پردہ کریں اور چادر اوڑھ لیں تو یہ اُن کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًاؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةًؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

قانون نمبر ۱۳: ایک دوسرے کے گھروں سے کھانے پینے کے اَحکامات

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جن گھروں میں تمہاری بے تکلفی ہو اور تمہیں یقین ہو کہ ان گھروں میں بلا اجازت خود کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے پلانے سے گھر والے محسوس نہیں کریں گے بلکہ گہرے تعلق یا رشتے کی وجہ سے انہیں اس بات سے خوشی ہو گی تو ایسے گھروں میں بلا تکلف کھانا پینا اور دوسروں کو کھلانا پلانا جائز ہے۔ تمہارے لیے بھی کھانا جائز ہے اور ان ضرورتمندوں کے لیے بھی وہ کھانا، کھانا جائز ہے جنہیں تم اس گھر سے کھلا رہے ہو۔

لیکن جس زمانے یا جس مقام میں ایسا رواج نہ ہو یا مالک کی اجازت مشکوک ہو تو وہاں گھر والوں کی صریح اجازت کے بغیر اس قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کرنا اور اس قرآنی اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

وہ خاص گھر جہاں عُرفاً اس قدر بے تکلفی ہوتی ہے

فرمایا کہ اپنے گھروں (اولاد کے گھر بھی اسی میں شامل ہیں) سے بلا روک ٹوک کھانا کھا اور کھلا سکتے ہو، باپ، دادا کے گھر سے، ماں، نانی کے گھر سے، بھائیوں، بہنوں کے گھر سے، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے اور ان گھروں سے بلا تکلف کھا پی سکتے ہو جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں (تم ہی مالک اور مختار ہو)۔

اسی طرح اپنے بے تکلف دوستوں کے گھر میں بھی بغیر اجازت کھانا کھا اور کھلا سکتے ہو (اجازت کی شرط وہی ہے جو پہلے پیرایہ میں بیان کی گئی ہے) پھر خواہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ، دونوں طرح ٹھیک ہے، بس گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرلیا کرو! یہی ہمارے دین کی تعلیمات ہیں۔

نوٹ:- بلاتکلف کھانے پینے کا یہ حکم صرف انہیں مخصوص گھروں تک محدود نہیں بلکہ ہر اُس شخص کے گھر کھانے پینے کا یہی حکم ہے جس کے بارے میں آپ کو یقین ہو کہ اس کی طرف سے ہمارے کھانے پینے یا کھلانے پلانے کی دلی اجازت ہے اور اسے اس سے تکلیف نہیں بلکہ راحت ہی پہنچے گی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پیغمبری مجلس کے خصوصی آداب واَحکام

فرمایا کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ" ایمان والو! جب تم حضور کے پاس کسی دینی کام کے لیے جمع ہو، کسی اہم ضرورت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا ہو تو پہلی کوشش تو یہ کیا کرو کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے اُٹھ کر نہ جایا کرو بلکہ یکسوئی کے ساتھ مجلس میں بیٹھا کرو۔ اگر مجلس سے جانے کی ضرورت بھی ہو تو بغیر اجازت اُٹھ کر نہ جایا کرو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جایا کرو۔

"فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝" اگر مناسب ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت عطا فرمادیں گے اور اگر اجازت نہ ملے تو بیٹھے رہا کرو، چپکے سے کھسک جانا منافقین کا شیوہ ہے۔ نیز اے پیغمبر! جنہیں اجازت دی گئی ہو، ان کے لیے آپ استغفار بھی کریں کیونکہ ان کا کام چاہے جتنا بھی اہم ہو، بہرحال وہ ایک دنیوی کام ہے جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی کام کے لیے بلا رکھا تھا، ایک لحاظ سے ان حضرات نے دُنیا کو دین پر ترجیح دی یا انہوں نے اپنی رائے سے ایک غیر ضروری معاملے کو ضروری سمجھ لیا ہو جو بہرحال ایک اجتہادی خطا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دینے کے باوجود ان حضرات کے لیے استغفار کرنے کا حکم ہے۔ تاہم چونکہ ان صحابہ کی نیت درست تھی، اس لیے اللہ پاک اس اجازت لینے پر کوئی گرفت نہیں فرمائیں گے، اللہ بخشنے والے ہیں رحم کرنے والے ہیں۔

خصوصی مجالس کا یہ حکم ہے

یاد رہے کہ اجازت لینے کا یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مجالس کے لیے ہے جو کسی دینی ضرورت کے لیے بلائی

گئی ہوں، دیگر عمومی مجالس کے لیے یہ حکم نہیں ہے، کثرت سے واقعات ہیں کہ حضراتِ صحابہؓ، آپ کی عمومی مجالس سے اجازت لیے بغیر اپنی ضروریات کے لیے اُٹھ جایا کرتے تھے، ان پر کبھی نکیر نہیں فرمائی گئی۔

نوٹ:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ جب ان کے امیر انہیں کسی دینی ضرورت اور اجتماعی معاملے کے لیے جمع کریں تو وہ ان سے اجازت لیے بغیر اس مجلس سے نہ جائیں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بُلانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلانے کے اَحکام وآداب

اس آیتِ مبارکہ کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں درست ہیں۔

پہلی تفسیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو بُلائیں تو اسے عام بندے کے بُلانے جیسا ہرگز مت سمجھو (جس میں نہ آنے کا اختیار ہوتا ہے) اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بُلائیں تو فوراً لبیکو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو آنا فرض اور بغیر اجازت واپس جانا حرام ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بُلائیں اور تم نماز میں ہو تو نماز توڑ دینا ضروری ہے۔

دوسری تفسیر

جب تم اپنی کسی ضرورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مت لو، ادب کے ساتھ نام لو، "یا محمد!" کہ کر نہ بُلاؤ، بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ "یا نبی اللہ!" یا "یا رسول اللہ!" وغیرہ کہا کرو۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا، ادبی کلمات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسمی تکلیف سے بچانا مسلمانوں پر واجب ہے۔

"یا محمد" لکھنا تعظیم نہیں بلکہ بے ادبی ہے

عجیب بات ہے کہ آج کل لوگوں نے اپنے گھروں میں "یا اللہ- یا محمد" کے پوسٹر وغیرہ لکھوانے اور لگوانے کو تعظیم سمجھ رکھا ہے، حالانکہ اسی سے تو اللہ پاک نے منع فرمایا ہے کہ حضور کو ان کے نام سے نہ پکارو، جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، ادب کے ساتھ نام لو، "رسول اللہ" کہ کر نام لو، "رحمۃ للعالمین" یا "نبی اللہ" کہہ کر نام لو۔

بزرگوں اور اپنے سے بڑوں کو نام لے کر بُلانا بھی بے ادبی ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو ان کے نام کے ساتھ بُلانا بھی بے تعظیمی ہے۔ انہیں بھی تعظیمی لقب سے بُلانا چاہیے۔ (معارف:۶/۴۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، دونوں جہانوں میں رُسوائی کا سبب ہے

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿﴾" جو لوگ، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، خطرہ ہے کہ اُن پر دنیا میں کوئی آفت یا آخرت میں کوئی عذاب نہ آجائے، یہ بھی ممکن ہے کہ نافرمانی کی نحوست سے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿﴾

اللہ ہر چیز سے باخبر ہے

فرمایا: دُنیا جہاں کا مالک اللہ ہے اور اسے تمہارے سب اعمال کی خوب خبر ہے۔ قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔ اللہ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔معاشرے کو جرائم سے پاک رکھو اور ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو بے حیائی کا سبب بن سکے۔

مثلاً اپنی نگاہیں جُھکا کر رکھو، پردے کا اہتمام کرو، بلا اجازت دوسروں کے گھروں میں مت جاؤ، اپنے گھر والوں کی پرائیویسی کا بھی خیال رکھو وغیرہ۔

۲۔نیز اگر کسی بارے کوئی بات مشہور ہو جائے تو لوگوں پر درج ذیل کام کرنے لازم ہیں:

الف:۔اپنے مسلمان بھائیوں پر حُسنِ ظن کا مظاہرہ کریں، بدگمانی نہ کریں۔

ب:۔الزام لگانے والے کی تکذیب کریں اور اس سے دلیل اور ثبوت کا مطالبہ کریں۔

ج:۔جب تک بات کا ہر پہلو واضح نہ ہو جائے، تب تک کسی قسمی تبصرے سے باز رہیں۔

۳۔جس سے جرم (زنا، تہمت وغیرہ) ثابت ہو جائے، اُس کے ساتھ نرمی نہ کی جائے بلکہ اُسے (قاضی کے ذریعے) شرعی سزا دلوانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ معاشرے سے ایسے قبیح جرائم کا خاتمہ ہو اور کسی کو یہ گناہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔

۴۔اللہ اور اس کے رسول کے اَحکامات کی پاسداری کرو، ان سے سرِمُو اختلاف نہ کرو، نیز کوئی کام اور کلمہ ایسا نہ کہو جس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری ہو یا اُن کی بے ادبی کا شائبہ ہو۔

تمت سورۃ النور بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْفُرْقَان

سورت کا تعارف

یہ سورۃ ''الفرقان'' ہے، جو ہجرت سے پہلے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔قرآنی ترتیب میں پچیسویں (۲۵) نمبر پر ہے، جب کہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر بیالیس (۴۲) ہے، اس میں چھ رُکوع ہیں اور ستتر (۷۷) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قرآنِ پاک کا ایک صفاتی نام ''الفرقان'' بیان فرمایا ہے جس کا مطلب ہے ''فرق اور امتیاز کرنا''، قرآن چونکہ اپنی واضح تعلیمات کے ذریعے حق اور باطل میں فرق اور امتیاز بتاتا ہے، اس لیے اسے ''فرقان'' بھی کہا جاتا ہے۔اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''الفرقان'' ہے۔

نیز اس سورت میں مشرکین اور متقین کے خاص اوصاف اور احوال بتا کر ان میں واضح فرق کر دیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں توحید کے دلائل ذکر کیے گئے تھے، اس سورت کی ابتداء میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

''حق اور باطل کے درمیان تفریق'' ہی اس سورت کا مرکزی موضوع ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں قرآن کی صداقت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، قیامت اور احوالِ قیامت کا بیان، توحیدِ باری تعالیٰ کا اثبات اور مومنین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ مشرکین کے کچھ شبہات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ①

وہ ذات بہت بابرکت ہے جس نے اپنے خاص بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی ہے، تاکہ وہ (رسول) سارے جہاں والوں کو (ایمان نہ لانے کی صورت میں عذابِ الٰہی سے) ڈرائے۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۝

توحید کے دلائل

پھر اللہ نے توحید کے دلائل دیے "الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمان اور زمین کا ملک اللہ کا ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے ہر چیز کو اکیلے اور بغیر کسی سابقہ نمونے کے نہ صرف پیدا کیا بلکہ ہر چیز کے مقصد کے موافق اُس کے خواص، اجزاء اور جسمانی ساخت بھی بنائی ہے۔ زمین و آسمان کی ساری چیزیں محض مخلوق ہیں، خالق صرف ایک اللہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا۝ وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

مشرکینِ مکہ کے پانچ بنیادی اعتراضات

مکہ کے مشرک لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے دور رکھنے کے لیے قرآنِ پاک اور نبوتِ محمدی پر نت نئے اعتراض کیا کرتے تھے۔ یہاں سے اُن کے کچھ شبہات کو بیان کرکے اُن کا جواب دیا جا رہا ہے:

اعتراض نمبر ۱

جس کلام کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یہ اللہ کا کلام تھوڑی ہے! یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا خود ساختہ کلام ہے جو انہوں نے دوسرے لوگوں (وہ اہلِ کتاب جو ایمان لائے تھے یا ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے) کی مدد سے بنالیا ہے۔ اس کلام کی اللہ کی طرف نسبت غلط ہے۔ یہ ان کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔

کبھی یوں کہتے کہ یہ قرآن، پہلے والے لوگوں کے قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے جسے یہود و نصاریٰ سے سُن سُن کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمدہ انداز میں اپنے ساتھیوں کو لکھوا دیا ہے۔ پھر انہی لکھے ہوئے قصوں کو صبح شام سُن کر یاد کرتے رہتے ہیں اور پھر آکر ہمیں سناتے ہیں کہ اللہ پاک نے یہ "وحی" بھیجی ہے۔ معاذ اللہ!

جواب

فرمایا کہ یہ لوگ کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہیں! سب دلیلیں اور جوابات ایک طرف، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلام

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود یا کسی کی مدد سے بنالیا ہے تو تمہیں قیامت تک کھلا چیلنج ہے کہ تمام جن وانس کو اپنے ساتھ ملالو اور باہمی مشورے سے اس جیسا مکمل کلام تو کیا، اس جیسی ایک آیت ہی بنا کر لے آؤ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جان ومال تک کی بازی لگانے، دشمنی میں آخری حد تک جانے اور حد درجہ فصاحت وبلاغت رکھنے کے باوجود اُن لوگوں سے یہ چیلنج پورا نہ ہو سکا اور اس ناکامی کا وہ خود بھی اعتراف کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے ہی نہیں بلکہ خالقِ دو جہان کا کلام ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

اعتراض نمبر ۲

یہ مشرک کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رسول ہونا ہم کیسے تسلیم کرلیں! کیونکہ یہ تو عام انسان ہیں اور انسانوں کی طرح ہی کھاتے پیتے اور (ضروریات کے لیے) بازار آتے جاتے رہتے ہیں! حالانکہ رسول اور پیغمبر تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا جو اِن ضروریات سے مستغنی ہوتا اور اگر بالفرض رسول، خود فرشتہ نہ ہوتا تو کم سے کم اس کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ اِن کے ساتھ ضرور ہونا چاہیے تھا۔ یا کم سے کم ان کے پاس اتنا خزانہ اور باغات ہوتے کہ یہ اپنی ضروریات کے لیے بازار کا رُخ نہ کرتے۔

چونکہ نہ تو یہ خود فرشتہ ہیں اور نہ کوئی فرشتہ ساتھ ہے اور نہ ہی مال داری حاصل ہے تو ایسی باتیں تو وہی بندہ کرسکتا ہے جس پر جادو ہو گیا ہو اور وہ جادو کی وجہ سے ایسی بہکی بہکی باتیں (نبوّت کا دعویٰ) کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: ۱-ہم کسی انسان کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں جب تک اُس کے پاس مالداری نہ ہو۔
۲-یا پھر یہ خود فرشتہ ہو یا کوئی فرشتہ ان کا معاون ہو جو ان کے رسول ہونے کی تصدیق کردے!

جواب

اللہ پاک نے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ: ''اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝'' دیکھو یہ لوگ کیسی کیسی جاہلانہ باتیں کر رہے ہیں! یہ گمراہ خود ہیں، لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق پر ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝

یہ فقروفاقہ اِضطراری نہیں، اِختیاری ہے

فرمایا کہ یہ لوگ جو ہمارے حبیب کی رسالت اگر صرف اس وجہ سے تسلیم نہیں کررہے ہے کہ ''ان کے پاس مال ودولت

اور باغات وغیرہ نہیں ہیں" تو ہمارے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں ہے کہ ہم اپنے نبی کو مال و دولت کے خزانے دے دیں، خوب صورت باغات اور عالیشان محلات دے دیں (جو مشرکین کے مطالبے سے بھی بڑھ کر ہوں) یا پھر بڑی بڑی عالیشان سلطنتوں کا مالک بنا دیں (جیسا کہ حضرت یوسف، داؤد اور سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا بھی کی گئی ہیں) لیکن مخلوق کی مصلحت اور بے شمار حکمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انبیاءؑ کو اس جھنجھٹ سے دور ہی رکھا جائے، نیز وہ پاکباز نفوس بھی مال و دولت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے بلکہ فقر و فاقہ ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ فقر و فاقہ اختیاری ہے، اضطراری نہیں۔ انبیائے کرام کی اپنی خواہش بھی یہی ہے اور بے شمار مصلحتوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ورنہ اللہ کے لیے مال و دولت کے خزانے کھول دینا کچھ مشکل نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝

کوئی ایک نبی/رسول "فرشتہ" دکھا دو!

باقی جہاں تک اس باطل گمان کا تعلق ہے کہ "رسول تو انسان ہو ہی نہیں سکتا، وہ تو فرشتہ ہوتا ہے" تو اس شبہ کا جواب یہ دیا: "وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ" "جن انبیاء کو تم بھی نبی اور رسول مانتے ہو، وہ بھی تو انسان ہی تھے! سب کھانا کھاتے تھے، بازاروں میں آمد و رفت رکھتے تھے، کوئی مافوق الفطرت نہیں تھا، کوئی بشریت سے باہر نہیں تھا، کوئی فرشتہ نہیں تھا، کوئی نوری نہیں تھا، سارے بشر تھے سارے انسان تھے، ساری انسانی ضروریات ان کے ساتھ وابستہ تھیں۔ معلوم ہوا کہ انسان ہونا یا انسانی ضروریات کا وابستہ ہونا، منصبِ نبوّت و رسالت کے خلاف نہیں۔ کوئی ایک نبی و رسول ایسا ثابت کر دو جو اپنی جنس کے لحاظ سے انسان نہ ہو بلکہ فرشتہ ہو! لہٰذا یہ لغو اعتراض ہے۔

معاشی مساوات نہ ہونے میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے

فرمایا: "وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ" "اللہ تعالیٰ کو مکمل قدرت تھی کہ دُنیا میں سب کو یکساں مالدار، عالی مرتبہ اور صحت مند بنا دیتے، کسی کو کسی پر کوئی معاشی، مرتبی، جسمانی و ذہنی فوقیت نہ ہوتی۔ لیکن اس سے عالَم کا نظام بگڑ جاتا، اسی لیے اللہ پاک نے سب کو یکساں نہیں بنایا اور اسی میں ہر طبقے کے لیے آزمائش بھی ہے۔

حضراتِ مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہر آدمی کی حالت خود اس کے لیے بھی آزمائش ہے اور دوسروں کے لیے بھی آزمائش ہے، بیمار کے لیے بیماری آزمائش ہے اور صحت مند کے لیے صحت آزمائش ہے۔ بیمار کے لیے صبر اور صحت مند کے لیے صحت پر شکر کرنا لازم ہے۔ اسی طرح فقیر، دولت مند کے لیے آزمائش، رعایا، حاکم کے لیے آزمائش، تم سب ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا ظاہری فقر بھی اُمّت کے لیے آزمائش ہوتا ہے

اس لیے اللہ پاک نے اپنے انبیائے کرام کو دُنیا میں ایسی حالت پر رکھا ہے تا کہ اُمّت کے لیے آزمائش بن جائیں کہ کون ان کے بشری حالات اور غربت کو دیکھ کر ان کی تکذیب کرتا ہے اور کون ان کے نبوی کمالات میں غور کر کے ان کی تصدیق کرتا ہے۔

لہٰذا اے پیغمبر! ''اَتَصْبِرُوْنَ'' آپ کو ان کی باتوں پر صبر کرنا چاہیے ''وَکَانَ رَبُّکَ بَصِیْرًا'' تمہارا رب خوب دیکھ رہا ہے اور وقت آنے پر انہیں اس پر خوب سزا بھی دے گا، آپ کو ان کے فضول اعتراضات سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

پارہ نمبر ۱۹

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا کَبِیْرًا ﴿۲۱﴾

اعتراض نمبر ۳

مشرکین اور کُفّار، جن کا اللہ کی وحدانیت، حضور کی رسالت اور قیامت پر ایمان نہیں تھا، ان کا ایک شبہ یہ بھی تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے اور ہمیں اللہ نظر کیوں نہیں آتے! یا تو اللہ ہمیں نظر آئے اور ہمیں خود کہے کہ ''محمد'' میرا بھیجا ہوا ہے، یا پھر ہمارے پاس فرشتے آئیں جو آپ کی رسالت کی گواہی دیں!

جواب

اللہ نے اس کا جواب دیا کہ ''لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا'' تمہاری اس ڈھٹائی کی وجہ تمہارا تکبّر ہے جس کے سبب تم اللہ اور فرشتوں کے دیکھنے کا مطالبہ کر رہے ہو، یا اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ فرشتے یا خود حق تعالیٰ آ کر ان سے کلام کرے! ایسی جاہلانہ فرمائشیں تو وہی کر سکتا ہے جو آخرت کا بالکل منکر ہو۔

محرومی کے دو اَسباب

یاد رکھو کہ ہدایت سے محرومی کے دو اَسباب اللہ نے قرآن میں بار ہا ذکر فرمائے ہیں:

۱- ان میں سے ایک تکبّر ہے۔

۲- دوسرا سبب سرکشی ہے۔

اللہ نے تمام قوموں کے تذکرے میں اس بات کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے انبیاء کے پیغام کو نہ مانا جس کی وجہ ان کا تکبّر تھا ''فاستکبروا، لقد استکبروا'' وغیرہ الفاظ کے ذریعے اس کی وضاحت کی گئی، کہ انہوں نے تکبّر کیا، اپنے آپ کو بڑا

سمجھا جبکہ نبی کو حقیر سمجھا، اپنے آپ کو مقام والا سمجھا جبکہ نبی کو بے مقام سمجھا، داعی کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور خود کو بلندی کی نظر سے دیکھا۔ دوسرا اسبب سرکشی ہے۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝

فرمایا کہ فکر مت کرو! فرشتے دیکھنے کی تمہاری خواہش ضرور پوری کریں گے، تمہیں فرشتے ضرور دِکھائیں گے، لیکن وہ دِن (قیامت کا دِن) ان کے لیے کوئی خوشی اور برکت والا دِن نہیں ہوگا بلکہ جب یہ فرشتوں کو عذاب کے اسباب کے ساتھ آتا دیکھیں گے تو اس وقت گھبرا کر پناہ مانگیں گے لیکن اب پناہ نہیں ملے گی، تباہی ان کا مقدر بن چکی ہوگی۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝

کُفّار کے اعمال کو "ہوا" میں اُڑا دیا جائے گا

اور اس دِن اگر یہ کُفّار کچھ دنیوی نیکیاں لے کر بھی آئیں گے تو "فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝" ہم اسے اُڑتی ہوئی خاک کی طرح کردیں گے، ان کی ساری نیکیاں برباد ہوجائیں گی، کیونکہ آخرت میں ایمان کے بغیر کوئی نیکی کارآمد نہیں ہے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا۝ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۝

اُخروی اَحوال کی مختصر منظر کشی

جب حساب کتاب کا دِن ہوگا تو آسمان کُھل جائے گا، اس میں سے ایک بادل (اللہ پاک کی تجلی کے ساتھ) نیچے آئے گا جس کے ساتھ بکثرت فرشتے بھی ہوں گے، اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ مخلوقات کے اعمال کا حساب لیں گے (جو بعض روایات کے مطابق نصف النہار تک مکمل ہوجائے گا) کافر لوگ اس دِن سخت پریشانی میں ہوں گے (کیونکہ ان کا انجام جہنّم ہی ہے) جب کہ جنّت کے ٹکٹ ہولڈر لوگ، اُس دِن دوپہر کا آرام بھی عالیشان ٹھکانوں میں کریں گے (دوپہر کو ہی اپنی اپنی جنّت میں پہنچ جائیں گے) اور ان کی مستقل رہائش گاہیں تو ہوں گی ہی عالیشان!

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۝

غلط دوست دُنیا و آخرت کی رُسوائی کا باعث ہیں

اس دِن کافر اور ظالم لوگ افسوس کے ہاتھ ملیں گے، افسوس اور غصہ کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے، آدمی جب بہت زیادہ غصہ اور افسوس میں ہوتا ہے تو ہاتھ کاٹتا ہے، تو یہ بھی بہت زیادہ افسوس اور غصہ میں ہوں گے اور کہیں گے اے کاش! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تعلق بنا لیتا، اے کاش! میں حضور کی غلامی اختیار کرلیتا، اے کاش! میں حضور کا

فرمانبردار بن جاتا اور ائے کاش میری گندے لوگوں کے ساتھ دوستی نہ ہوتی، میں فلاں بد بخت کو یار نہ بناتا جس نے مجھے گمراہ کیا، حالانکہ میرے پاس حق آ چکا تھا، شیطان نے مجھے رُسوا کر دیا۔

سوچ سمجھ کر دوست بنانے چاہئیں

غلط سوسائٹی اور برے دوست آدمی کی گمراہی کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں، اور وہ دوست رکاوٹ بن جاتے ہیں، اسی لیے حضور نے فرمایا: "الرجل علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل" (ابوداؤد: ۴/۴۰۷) آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، جیسے دوست بناؤ گے ویسے چلو گے، اسی کے دین پر چلو گے۔ "فلینظر أحدکم من یخالل" تو دوست بناتے وقت دیکھ لیا کرو کہ کسے دوست بنا رہے ہو، اس کا عقیدہ ٹھیک ہے؟ اس کا کریکٹر اور کردار ٹھیک ہے؟ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے یا بد بخت اور بد کردار بندہ ہے؟ نمازی ہے یا بے نمازی ہے؟ شریف بچے، شریف لوگ شرابیوں کی سوسائٹی میں بیٹھ کر شرابی بن جاتے ہیں، چوروں اور ڈاکوؤں کی سوسائٹی میں جاتے ہیں تو چور اور ڈاکو بن جاتے ہیں، نیک نیک گھرانوں کے بچے اور آج کل کی نسل انہی غلط دوستیوں کی وجہ سے خراب ہو جاتی ہے۔

شانِ نزول

"عقبہ بن ابی معیط" ایک بڑا کافر تھا، اس کی عادت تھی کہ جب بھی سفر سے واپس آتا تو معززین مکہ کی دعوت کرتا تھا، ایسے ہی ایک موقع پر اس نے مکہ والوں کی دعوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا، آپ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر فرمایا کہ میں اس شرط پر کھانا کھاؤں گا کہ تم اسلام لے آؤ، اس نے کہا کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں، کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھانا تناول فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

عقبہ کے گہرے دوست "اُبَیّ بن خلف" کو جب "عقبہ" کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوا اور "عقبہ" سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تو مسلمان ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں میں نے اسلام قبول کر لیا ہے: کیونکہ قریش کے معزز فرد محمد نے کہا تھا اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے، تو میں کھانا نہیں کھاؤں گا، مجھے مہمان کو خالی واپس بھیجنا مناسب نہیں لگا، اسی لیے کلمہ پڑھ لیا۔

اس نے کہا کہ اچھا اگر تُو اَب اسلام کو نہیں چھوڑتا تو تیری میری دوستی ختم، اور اگر میرے ساتھ دوستی رکھنی ہے تو ابھی جا اور...... نعوذ باللہ...... نعوذ باللہ...... نعوذ باللہ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر تھوک کے آ اور اس دین سے اظہار براءت کر! تب جا کر میں تجھے سچا سمجھوں گا!

اس بد بخت نے ایسے ہی کیا، جس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ جو آج اپنے یار کی باتیں مان کر دینِ حق کو چھوڑ رہا ہے اور اتنی بڑی گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے، کل کو دونوں پچھتائیں گے، اور ایسا ہی ہوا! دونوں غزوہ بدر میں قتل ہوئے، دونوں یار جہنم رسید ہوئے، یہ تو دُنیوی رسوائی تھی، آخرت کی رسوائی بارے یہی آیت شاہد ہے کہ جب آخرت کے

عذاب کو دیکھے گا تو حسرت وندامت سے کہے گا کہ کاش میں ''اُبی بن خلف'' کو دوست نہ بناتا اور راہِ حق نہ چھوڑتا! پھر سوائے حسرت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اچھے دوست نصیب فرمائے۔ آمین

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا۝

''میری اُمّت قرآن چھوڑ بیٹھی ہے!''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شکایت اللہ نے ذکر فرمائی، حضور نے دُنیا میں یہ شکایت کی یا آخرت میں شکایت کریں گے، دونوں قول ہیں (اگلی آیت میں اللہ کی طرف سے تسلی دینا اس بات کا ظاہری قرینہ ہے کہ دُنیا میں شکایت کی جا چکی ہے۔ واللہ اعلم) اور وہ شکایت یہ ہوگی کہ اے میرے رَبّ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا، پیٹھ پیچھے ڈال دیا، میری اُمّت، میرا کلمہ پڑھنے والے اور میری اُمّت کہلانے والوں نے اس قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

قرآن کو عملاً ترک کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے

ظاہر یہی ہے کہ قرآن کو ''مہجور ومتروک'' کرنے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفّار ہی کا کام ہے، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ، قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتے وہ بھی اس میں شامل ہیں، اور جو اس قرآن پر عمل نہیں کرتے وہ بھی اس شکایت میں شامل ہیں۔ (معارف القرآن: ۶/ ۴۷۱)

''اور تم خوار ہوئے تارکِ قُرآں ہو کر!''

آج اُمّت کا حال سب کے سامنے ہے! اس پستی کا بنیادی سبب ہی قرآن اور قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دینا ہے، ورنہ آپ دیکھیں قرآن نے ہمیں کتنے شاندار، سونے سے قیمتی نصائح دیے، اَحکام دیے، عبرتیں بیان کیں، علوم کے خزانے عطا کیے، کتنے قیمتی قیمتی موتی فراہم کیے، قرآنی مجالس اور دروس سے ہمیں روحانی ترقی اور اللہ کی رحمت کے ساتھ ساتھ پتا نہیں کیا کیا موتی ملتے ہیں! اللہ ہم سب کو قرآن کریم کا حق ادا کرنے والا بنائے۔ آمین

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ‌ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيۡرًا۝

دِین کے کام میں آنے والی مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے

فرمایا: میرے نبی! اگر عقبہ بن اَبی معیط اور اُبَیّ بن خلف جیسے آپ کے دشمن ہیں جو قرآن کو نہیں مانتے تو آپ کو اس پر صبر کرنا چاہیے، یہ کوئی نئی بات نہیں جس پر پریشان ہوا جائے، ہر نبی کے لیے کچھ مجرم لوگ، دشمن بنتے آئے ہیں، وہ انبیاء بھی اس پر صبر کرتے رہے، لہٰذا آپ بھی تسلی رکھیں، اس پر گھبرائیں نہیں۔ ہدایت دینا بھی آپ کے رَبّ کا کام ہے اور مجرموں کے خلاف آپ کی مدد کرنا بھی آپ کے رَبّ کی ذمہ داری ہے، آپ اطمینان سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ عَلَيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً‌ ‌ۛۚ كَذٰلِكَ ‌ۛۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ‌ وَرَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِيۡلًا‏۝

مشرکین کا اعتراض نمبر ۴

کُفّارِ مکہ کے عامیانہ اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ "اگر قرآن خدائی کلام ہے تو اکٹھے کیوں نہیں نازل ہو جاتا! وقفے وقفے سے نازل ہونے کا مطلب یہی ہے کہ یہ خدائی کلام نہیں ہے بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا کلام بناتے رہتے ہیں" العیاذ باللہ!

جواب

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ کلام اس لیے تدریجاً نازل کیا کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں:

انہی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کُفّار کے نت نئے اعتراضات کے جواب میں جب تازہ کلام نازل ہوتا ہے تو جیسے یہ خدائی معیت کی دلیل بنتا ہے، ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ سلیم کے لیے تسلی اور اطمینان کا باعث بھی بنتا ہے۔

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝

یہ لوگ جیسا بھی سوال کریں، ہم اس کا زبردست اور بہترین جواب آپ کو بتا کر آپ کے لیے دِلی تقویت کا سامان کرتے ہیں۔ انہی وجوہات کی وجہ سے ہم نے تدریجاً کلام نازل کیا، ورنہ یکبارگی نازل کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ اگر پورا قرآن یکبارگی نازل ہو بھی جاتا تب بھی اِن لوگوں نے انکار کا اور کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی لینا تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء کے احوال بیان کیے جاتے ہیں

ان آیات میں زمانہ ماضی کے چند واقعات اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے تذکرے شروع فرما رہے ہیں، اور ان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان ہے کہ جیسے گزشتہ انبیائے کرام کی اللہ نے مدد فرمائی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب فرمایا، یہ سب آپ کے لیے بھی ہوگا اور آپ کے دشمن عنقریب مغلوب ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوئیے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ

ان واقعات میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هَارُوْنَ وَزِيْرًا" "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی اور ان کے بھائی ہارونؑ کو ان کا وزیر بنایا۔

پھر ہم نے ان سے کہا: "فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝" دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جو ہماری آیات کو (جو پچھلے انبیاء کے توسط سے ان تک پہنچی ہیں یا توحید کے عقلی دلائل کا انکار مراد

ہے۔معارف) جھٹلا رہے ہیں، لیکن ان لوگوں نے سمجھانے کے باوجود اپنے انبیاءؑ کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا تو ہم نے انہیں اُکھیڑ پھینکا اور بالکل تباہ کر ڈالا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا

قومِ نوح بھی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کی گئی

فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کو دیکھ لو، انہوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا (کیونکہ ایک نبی کا انکار درحقیقت سب انبیاؑ کا انکار ہے) تو ہم نے اُنہیں غرق کر کے دنیا والوں کے لیے عبرت بنا دیا اور آخرت میں ہم نے ان کے لیے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا

قومِ عاد، قومِ ثمود اور بہت سی قومیں تباہ کر دی گئیں

اسی طرح قومِ عاد کو دیکھ لو، قومِ ثمود کو دیکھ لو، اسی طرح اُس قوم کو دیکھ لو جو "کچے کنویں" کے قریب آباد تھی جنہیں "اَصْحٰبَ الرَّسِّ" کہا جاتا ہے۔ ان سب کو اور ان کے بیچوں بیچ بہت سی اُمتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

"اَصْحٰبَ الرَّسِّ" کون ہیں؟

"رَسّ" کا لغوی معنی ہے "کچا کنواں" جس کی پختہ منڈیر نہ ہو، قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں نہ تو اس قوم کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور نہ ہی ان پر آنے والے عذاب کی کوئی تفصیل بتائی گئی ہے۔

اسرائیلی روایات اس بارے مختلف ہیں، راجح یہ ہے کہ یہ "قومِ ثمود" کے باقی ماندہ لوگ تھے جو کسی کنویں کے قریب آباد تھے، اسی مناسبت سے انہیں "اَصْحٰبَ الرَّسِّ" کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم! (معارف: ۶/۴۷۶)

تفسیرِ خازن میں ہے: "سعید بن جُبیر کا فرمان ہے کہ اس قوم کے نبی "حضرت حنظلہ بن صفوان" تھے، قوم نے انہیں شہید کر دیا۔ بعض دوسری تفسیروں میں اس کی یہ تفصیل مذکور ہے کہ قوم نے حضرت حنظلہ کو کنویں میں ڈال کر کنویں کا منہ بند کر دیا۔ حضرت کا خادم اور غلام رات کو چھپ کر وہاں جاتا اور حضرت کی خدمت کرتا جس کی وجہ سے حضرت کنویں میں بھی حیات رہے۔ کچھ دِنوں بعد قوم نے کنویں سے پتھر ہٹایا تو اس وقت بھی پیغمبر نے انہیں "توحید" کی دعوت دی تو قوم نے انہیں زندہ درگور کر دیا۔ اس پر آسمان سے عذاب کی صورت میں آگ اُتری اور پوری قوم کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

بعض تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر موٹی گردنوں والے پرندے مسلط کر دیے جو ان کے بچے اُٹھا کر لے جاتے تھے، پیغمبر کی دُعا سے یہ مصیبت ٹلی لیکن قوم پھر بھی ایمان نہ لائی اور پیغمبر کو شہید کر دیا۔ نتیجے میں قوم بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝

ان سب کی ہلاکت کے پیچھے تکبّر اور سرکشی کارفرما تھی

ہم نے ان سب قوموں کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے، ان کے توسط سے ہم نے اُنہیں مؤثر مضامین سنوائے، لیکن جب انہوں نے ہدایت قبول نہ کی تو ان سب کو ہم نے برباد کیا، اُکھیڑ کے پھینک مارا، قصۂ پارینہ بنادیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

مکہ والو! قومِ لُوط کے کھنڈرات سے عبرت پکڑو!

پھر اللہ نے حضور کے نہ ماننے والوں کو تخویف فرمائی، فرمایا کہ ڈروائے مکہ والو! ڈرو! تم فرعون سے زیادہ قوی نہیں ہو، قوم عاد اور ثمود سے زیادہ قوی نہیں ہو، قومِ نوح سے زیادہ قوی نہیں ہو، قومِ لوط کو ہی دیکھ لو جن پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی، تم اپنے سفروں میں ان کی بستیوں سے گزر کر جاتے ہو، ان کی رہائش گاہ کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہوتے ہیں، تم اپنی آنکھوں سے ان کھنڈرات کا مشاہدہ کرتے ہو، پھر بھی تم عبرت نہیں پکڑتے اور کفر و تکذیب سے باز نہیں آتے! اصل وجہ یہ ہے کہ تم کفر کو گناہ اور وبال کا باعث سمجھتے ہی نہیں ہو، تم قیامت کے دِن اٹھنے کی امید رکھتے ہی نہیں ہو، اس لیے تمہیں ان واقعات سے عبرت نہیں ہوتی اور انہیں تم محض اتفاقی واقعات سمجھتے ہو!

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اعتراض نمبر ۵

فرمایا کہ یہ تو پچھلی قوموں کا حال اور ان کا انجام ہے، میرے آخری نبی کی قوم کا حال یہ ہے کہ: "وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا" کہ جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، کہتے تھے کہ اللہ کو یہی رسول ملا تھا، (نعوذ باللہ!) کیا اللہ نے "عبداللہ" کے اس دُرِّ یتیم کو ہی نبوّت دینی تھی! اگر نبوّت دینی ہی تھی تو کسی مالدار اور رئیس کو نبوّت دی جاتی، ایسے غریب شخص کو تو رسول نہیں ہونا چاہیے تھا!

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ

مشرکینِ مکہ کی خوش فہمی

یہ لوگ اپنے گمان میں خود پر فخر کرتے تھے کہ شکر ہے ہم ہدایت پر (بتوں کی عبادت پر) ڈٹے رہے اور اس نبی (محمد) کے جھانسے میں نہیں آئے، ورنہ تو یہ ایسا جادو بیان ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا کر گمراہ کر کے ہی چھوڑتا! یہ تو ہمارے خداؤں سے ہمیں ہٹانا چاہتا ہے۔

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۝

جواب: مرتے ہی سب منظر صاف ہو جائے گا!

اللہ نے فرمایا: میرے حبیب! آپ صبر کریں، ابھی تو یہ خود کو ہدایت یافتہ اور آپ کو (معاذ اللہ) گمراہ سمجھ رہے ہیں، ابھی دُنیا میں جو مرضی آئے، کہتے رہیں، مرنے کے بعد جب اللہ کے عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت انہیں خوب معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا اور کون حق پر تھا!

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا۝

یہ سب خواہشاتِ نفس کے پجاری ہیں!

آپ نے ایسے شخص کو دیکھا جو صرف اپنی نفسانی خواہشات ہی کو مان کر چلتا ہے، اسی کی پوجا پاٹ کرتا ہے، گویا اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا رکھا ہے، حق سننے اور سمجھنے کو تیار ہی نہیں ہے، تو آپ بھی ان کے راہِ راست پر نہ آنے سے پریشان مت ہوئیے اور نہ ہی ان سے ہدایت پر آنے کی توقع کیجیے، آپ ان کے نگران نہیں ہیں، آپ کا کام صرف حق پہنچا دینا ہے، بس!

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۝

اِن میں حق سننے، سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے!

آپ کو لگتا ہو گا کہ یہ لوگ حق سنتے یا سمجھتے ہیں! ایسا نہیں ہے، ان کے سننے اور سمجھنے کی قوت گویا کہ سلب ہو گئی ہے، یہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں، جانور مکلف نہیں، اس لیے ان کا نہ سمجھنا مذموم بھی نہیں، یہ لوگ تو مکلف ہیں، پھر بھی نہیں سمجھ رہے! یہ لوگ تو ہدایت کے مقابلے میں ضلالت لاتے ہیں، حق کے دشمن بنتے ہیں، اللہ کے دین کے راستوں میں رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں!

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا۝

دُھوپ اور چھاؤں بھی (اپنی تمام کیفیات کے ساتھ) اللہ کے وجود کی دلیل ہے

دُھوپ اور چھاؤں اللہ کی ایسی عظیم نعمتیں ہیں کہ اگر یہ نعمتیں بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت نہ ملیں تو ہر جاندار مصیبت کا شکار ہو جائے۔ یہ اللہ پاک کی کمال مہربانی ہے کہ یہ دونوں نعمتیں مسلسل عنایت ہو جاتی ہیں۔ اگر مسلسل دُھوپ رہے یا مسلسل سایہ اور اندھیرا چھایا رہے تو دُنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

اس لیے فرمایا: اے خدا کی توحید کے منکرو! خدا کی توحید کی آیات میں ذرا غور تو کرو، "اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ" "جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اللہ پاک چیزوں کے سائے کو کیسے پھیلا (لمبا) دیتا ہے، اگر اللہ چاہے تو سورج کی روشنی

ہی زمین تک نہ پہنچنے دے اور اگر وہ چاہے تو روشنی پھیلنے کے باوجود اشیاء کے سائے کو ایک ہی حالت میں رکھے، یہ سایوں کا گھٹنا، بڑھنا بھی رَبّ کی مہربانی ہے اور سورج کی قابلِ برداشت تپش کا انسانوں تک وصول بھی اسی کی عنایت ہے۔

نیز ان سایوں کے گھٹنے بڑھنے کا ظاہری سبب ہم نے سورج (کی روشنی کا مشرق سے مغرب کی طرف انحراف) کو بنایا ہے۔

"ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا۝" پھر ہم اس سائے کو اپنی قدرتِ کاملہ سے سمیٹ لیتے ہیں، صبح کو تو سایہ ہوتا ہے، لیکن جیسے جیسے دِن چڑھتا جاتا ہے، سایہ گھٹنا شروع ہوجاتا ہے، دوپہر کو سایہ ختم ہوجاتا ہے، پھر جب سورج مغرب کی طرف ڈھل جاتا ہے تو سایہ پھر سے بڑھنے لگتا ہے، شام کو سایہ پھیل جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا۝

رات اور دِن کی تخلیق بھی ہماری وحدانیت کی علامت ہے!

فرمایا کہ رات کو ہم نے تمہارے لیے اوڑھنا بنایا، ایک ایسی قُدرتی چادر بنایا جو کائنات پر ڈال دی جاتی ہے۔ نیند کو تمہاری تھکان کے ازالے کا ذریعہ بنایا، تھک ہار کے سوتے ہو اور صبح کو تر و تازہ اور فریش ہو کر اٹھتے ہو۔ نیند چونکہ "موت" کے مشابہ ہوتی ہے، اس لیے فرمایا کہ ہم نے دِن کو زندگی اور جی اُٹھنے کا ذریعہ بنایا ہے، تمہارے سارے کاروبار اور معاشی معاملات کے لیے دن جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا۝ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا۝

یہ خوشگوار ہوائیں اور بارشیں بھی ہمارا پتا دیتی ہیں!

ہم نے خوشگوار ہوائیں بھیجیں جو بارش کی علامت اور نشانی بن کر آتی ہیں، ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی (بارش کی شکل میں) اتارا، پھر ہم نے اس بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا، اپنی مخلوقوں کو بارش کا پانی پلایا، جانوروں کو پلایا، جنگلوں، ویرانوں میں رہنے والے انسانوں (جن کا عمومی گزارا بارش ہی کے پانی پر ہوتا ہے) کو اس نعمت سے سیراب کیا۔ اللہ نے کتنے اچھے اچھے دلائل دیے اپنی وحدانیت کو سمجھانے کے لیے!

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۝

بارشوں کی کمی بیشی میں بھی خدائی حکمت ہوتی ہے

فرمایا: ہم اپنے اختیار سے کسی علاقے میں کم اور کسی علاقے میں زیادہ بارشیں عطا کرتے ہیں، اس میں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ بارشوں کی قلت بھی آزمائش ہوتی ہے اور ان کی کثرت بھی (ہماری طرف سے) آزمائش ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

دوطرح کا پانی بنانا اور پھر انہیں اکٹھے نہ ہونے دینا ''صانعِ اعظم'' ہی کی صناعی ہے

ہم نے اپنی مخلوق کی ضروریات کے لیے دوطرح کا پانی بنایا، جہاں جہاں انسانی آبادی ہے، وہاں وہاں ہم نے (چشموں، دریاؤں، ندی نالوں کی شکل میں) میٹھا پانی بنادیا، ''هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ'' یہ میٹھا اور خوشگوار پانی ہے۔ باقی خشکی کے اردگرد ہم نے کھارے پانی کے سمندر بنائے ''وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ'' پھر جب یہ متضاد پانی آپس میں ملتے ہیں تو دور تک (کسی ظاہری حد اور رُکاوٹ کے نہ ہونے کے باوجود) ایک دوسرے سے الگ الگ چلتے ہیں، ''وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝'' ان کے درمیان، ہم نے آڑ بنادی، اِدھر کا پانی اُدھر مکس نہیں ہوتا اور اُدھر کا پانی اِدھر مکس نہیں ہوتا۔

دنیا میں ایسی بہت ساری جگہیں ہیں جہاں اس کیفیت کا عینی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، ایک کالے رنگ کا سمندر اور دوسرا سفید رنگ کا سمندر، ایک کا پانی کڑوا، اور دوسرے کا پانی میٹھا، اور دونوں اکٹھے چل رہے ہیں، ایک دوسرے میں مکس نہیں ہوتے، اگر موج اُدھر چلی بھی جاتی ہے تو پھر واپس چلی آتی ہے، ایسے بہت سے مشاہدات ہیں، یہ سب ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝

اِنسان اور اِنسانی رِشتوں کی تخلیق بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

اللہ وہ ہے جس نے گندے پانی (منی) سے انسان پیدا کیا، پھر انسان کو رشتہ داریاں بھی دیں، نسبی اور خونی رشتہ داریں بھی دیں اور سسرالی رشتہ داریاں بھی دیں۔ کچھ رشتہ داریاں تمہارے ماں باپ کی طرف سے بن گئیں اور کچھ رشتہ داریاں تمہارے سسرال کی طرف سے بن گئیں، یہ رشتہ داریاں خوشگوار زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ فرمایا: تیرا ربّ ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہے، جیسے چاہے بنادے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝

ان سب اِحسانات کے باوجود کافر لوگ پھر بھی باز نہیں آتے

ان سب خدائی کمالات کا لازمی تقاضا تو یہ تھا کہ صرف اسی ایک اللہ کی ہی عبادت کی جاتی، لیکن کافر لوگ پھر بھی غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں جن کی نہ عبادت نافع ہے اور نہ ہی اُن سے اعراض نقصان دہ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

کافروں کی بدبختی پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے

فرمایا کہ میرے نبی! آپ ان کافروں کی بدبختی اور حق کی مخالفت پر پریشان نہ ہوا کریں۔ حق قبول کریں گے تو

انہی کا فائدہ ہوگا اور اگر مخالفت کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔ ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا'' ہم نے آپ کو صرف (اہلِ ایمان کے لیے جنّت کی) خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ بس حق پہنچا دینا ہی آپ کی ذمہ داری ہے۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دعوتِ حق میں کسی پیغمبر کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہوتا

ان کافروں پر خوب واضح کر دیجیے کہ تمہاری اس اصلاح کی کوشش میں میرا کوئی مفاد نہیں ہے اور نہ تم سے کوئی معاوضہ اور فیس لینی ہے۔ تمہارے مفاد ہی کے خاطر یہ سب مشقتیں برداشت ہو رہی ہیں۔

نبوی سُنّت یہ ہے کہ دین کے کام پر اجرت نہیں ہوتی، دین کے کام پر کوئی پیسے کا مطالبہ اور تقاضا نہیں ہوتا۔ اسی کو ہمارے اکابر نے زندہ رکھا، بغیر کسی خودغرضی کے، بغیر کسی لالچ کے، بغیر کسی تقاضے کے، بغیر کسی مطالبہ کے دین کا کام کیا، اللہ نے اپنے نبی کی ضرورتوں کو بھی پورا کیا، اور اللہ کے نبی کے ورثاء جو بغیر کسی دُنیوی مفاد کے دین کا کام کرتے چلے آ رہے ہیں، اللہ ان کی بھی ضروریات پوری کر دیتے ہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا

اپنے خدا پر مکمل بھروسا رکھیے!

اے میرے نبی! آپ اپنے رَبّ پر توکّل کیجیے اور اُسی کی عبادت میں لگے رہیے، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون کیا کر رہا ہے! جسے جو مناسب سمجھے گا، سزا دے دے گا۔ آپ ان کی مخالفتوں سے پریشان نہ ہوں۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا

خدا کی معرفت ''اہلِ معرفت'' سے ملے گی

فرمایا: زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام تر اشیاء کا حقیقی خالق صرف ''رحمٰن'' ہی ہے۔ اور کوئی اس خدائی میں شریک نہیں ہے۔ اگر ''رحمٰن'' کے بارے جاننا ہے تو کسی باخبر سے پوچھ لیں۔ وہ راہبر خود حق تعالیٰ بھی ہیں (جنھوں نے قدم قدم پر اپنی معرفت کی راہیں اور نشانیاں دی ہوئی ہیں) جبرئیلِ امین بھی ہے اور کُتبِ سابقہ کے علماء بھی اس میں شامل ہیں جنھوں نے اپنے اپنے انبیاء سے اللہ کی معرفت حاصل کر رکھی ہے۔ (معارف: ۶/۴۸۷)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا

مشرک لوگ، عناد میں، جانتے ہوئے بھی ''رحمٰن'' سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو ''خدائے رحمٰن'' کے آگے سجدہ ریز ہونے کی دعوت دیتے تو مکہ کے مشرک، ضد میں آکر کہتے کہ ''یہ رحمٰن کیا ہے؟'' (حالانکہ اس کا مطلب سب جانتے تھے، لیکن اللہ پاک کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کرتے تھے) جس کے بارے بھی تم کہہ دو، ہم اُسے سجدہ کرنے لگ جائیں! اس طرح وہ مزید مخالفت اور نفرت میں آجاتے تھے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

زمین وآسمان کی یہ سب تخلیقات بے مقصد نہیں ہیں

وہ ذات بہت بابرکت اور شان والی ہے جس نے آسمان میں برج بنادیے، بڑے بڑے ستارے اور سیارے بنادیے، اس میں سورج اور چاند بنادیے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن لائے، یہ سب کائنات بے مقصد نہیں بنائی گئی بلکہ اس لیے بنائی گئی ہے تاکہ لوگ اس کی عجیب وغریب تخلیق اور فوائد کو دیکھ کر سمجھ سکیں کہ ان چیزوں کا بنانے والا ضرور کوئی ہے! یہ سارا حکیمانہ نظام یوں ہی نہیں چل رہا! اس نظام میں غور وفکر کرکے اپنے خالق ومالک کو پہچان سکیں (اس پہچان کے لیے مشاہداتی نگاہ ہی کافی ہے، کسی قسم کے سائنسی آلات وتحقیقات کی ضرورت نہیں) اور شکرگزار کو شکر کرنے کا موقع ملے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

''عبادالرحمٰن'' اور اُن کے پندرہ اوصاف

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن مخصوص ومقبول بندوں اور اولیاء اللہ کی نشانیاں اور علامات بیان فرمائیں، جن کی پوری زندگی شرعی احکامات کے تابع ہے، تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ ''اولیاء اللہ'' کون ہوتے ہیں، ان آیات میں ان پاکباز ہستیوں کی تقریباً پندرہ صفات اور نشانیاں اللہ پاک نے بیان فرمائی ہیں۔ ان نشانیوں کی روشنی میں مقبولانِ خدا ہستیوں اور بناوٹی پیروں فقیروں کے درمیان فرق، باآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا وصف: ''عبدیت'' یعنی سراپا اللہ کے بندے ہوتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک نے انہیں بڑا عالیشان لقب عنایت فرمایا کہ وہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' ہیں۔ ان کی پہلی صفت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے عبد، بندے اور غلام ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''بندہ'' کہلانے کا حق دار وہی شخص ہوسکتا ہے جو ہر حال

میں اپنے رَبّ کی رضا میں راضی رہے۔ اپنے نفس کا بندہ نہ رہے، بلکہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے۔ یہ لوگ بھی ایسے ہیں کہ صبح سے لے کر شام تک، اُن کا ہر کام اور ہر معمول، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ ہنسنا، بولنا، کھانا، پینا، حقوق العباد کی ادائیگی، بیوی بچوں کے حقوق، غرض سب اُمور، رَبّ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دیتا ہے۔

یہ ایسے بندے ہیں جو اپنے عقائد وخیالات اور اپنے ہر فعل اور ارادے کو اپنے رَبّ کے حکم اور مرضی کے تابع رکھتے ہیں۔ اپنی مرضی چلانا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا "عبدیت" کے خلاف ہے۔

دوسرا وصف: اُن میں "صفتِ رحمت" غالب ہوتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں، لیکن یہاں پر صفتِ "رحمٰن" ذکر فرمائی کہ "یہ اس ذات کے بندے ہیں جو بڑی مہربان ہے" اس سے معلوم ہوا کہ ان بندوں میں بھی صفتِ رحمت غالب ہوتی ہے، اُن کی طبیعت میں سختی نہیں ہوتی، اگر کبھی وہ سختی کرتے بھی ہیں تو ضرورت کی وجہ سے سختی کرتے ہیں، ورنہ حقیقت میں وہ بہت مہربان، بااخلاق اور نرم طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ تند خو، بد مزاج اور متکبر نہیں ہوتے۔

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا

تیسرا وصف: اُن کی چال میں اعتدال اور وقار چھلکتا ہے

ان کا تیسرا وصف یہ ہے کہ جب یہ چلتے ہیں تو ان کی چال میں اعتدال، بے تکلفی، سکینت اور وقار ہوتا ہے، نہ تو یہ اَکڑ اَکڑ کر اور متکبرانہ انداز میں چلتے ہیں (جہاد اور حج وعمرہ کے بعض افعال اس سے مستثنیٰ ہیں) اور نہ ہی بہ تکلف آہستہ آہستہ اور جھک جھک کر چلتے ہیں کہ دیکھنے والا انہیں بڑا بزرگ اور متقی سمجھے، یا پھر بیمار اور معذور سمجھے۔

عاجزی کا تعلق دل سے ہے، اللہ کے مقبول بندے، دل میں عاجزی رکھتے ہوئے چلتے ہیں، تکبّر کرتے ہوئے نہیں چلتے، اکڑتے ہوئے نہیں چلتے۔ ان کی چال میں تصنع اور بناوٹ نہیں ہوتی، اپنی فطری چال چلتے ہیں۔

لہٰذا اس طرح چلنے کی "ایکٹنگ" کرنا کہ لوگ آپ کو "بڑا حضرت" سمجھیں اور آپ کی بزرگی سے متاثر ہو جائیں، سخت ناپسندیدہ، تکبّر کی علامت اور گناہ ہے۔

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝

چوتھا وصف: گفتگو میں سلامتی

اللہ کے نیک بندوں کا جب جاہلوں سے واسطہ پڑ جائے تو وہ ان کو سلامِ متارکت کرتے ہیں، سلامِ اعراض کرتے ہیں، جاہلوں سے بحث میں اُلجھتے نہیں ہیں، سلام کر کے کنارہ کر لیتے ہیں۔

نیز اگر کبھی جواب دینا بھی پڑ جائے تو اُن کی گفتگو بڑی محتاط ہوتی ہے، وہ بدتہذیب نہیں ہوتے اور نہ ہی بدتمیزی کا

جواب بدتمیزی سے دیتے ہیں، بلکہ بدتہذیبی کے جواب میں بھی سلامتی والی بات کرتے ہیں، ان سے درگزر کرتے ہیں، انتقامی معاملہ نہیں کرتے۔

جاہل سے مُراد

اس سے مُراد "بے علم" آدمی نہیں بلکہ ہر وہ شخص مُراد ہے جو جہالت کی اور لغو بات کرے، خواہ وہ حقیقت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور "ویل ایجوکیٹڈ" ہو، بعض لوگ پڑھ لکھ کر بھی تہذیب سے جاہل رہتے ہیں۔

تہذیب سکھاتی ہے جینے کا قرینہ
تعلیم سے "جاہل کی جہالت" نہیں جاتی

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۝

پانچواں وصف: اُن کی خلوتیں اللہ کے لیے وقف ہوتی ہیں

راتوں کو عبادت کرنا اور تہجد کا اہتمام کرنا (جب کہ اس میں دکھلاوے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے) اولیاء اللہ کا خاص وصف ہے۔ منشا یہ ہے کہ ان کے دن رات، اللہ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول گزرتے ہیں، دِن میں دینی تعلیم، تبلیغ اور جہاد وغیرہ کی مصروفیات ہوتی ہیں، جب کہ راتوں کو تھکاوٹ کے باوجود چپکے چپکے اُٹھ کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں، ان کی راتیں کبھی سجدوں میں گزرتی ہیں اور کبھی قیام میں، راتیں بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ جس جس "ولی اللہ" کا بھی نام لیتے جائیں، اُسے جو کچھ بھی نصیب ہوا ہے، اُس میں تہجد کی نماز کا بہت بڑا دخل ہے۔ (اللہ پاک یہ دولت ہمیں بھی نصیب فرمائیں) اسی لیے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۝

چھٹا وصف: خشیتِ اِلٰہی اور خوفِ آخرت کا غلبہ رہتا ہے

اللہ کے یہ نیک بندے، دن رات اللہ کی عبادت وطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود اپنی نیکی اور تقویٰ پر مطمئن اور نازاں نہیں رہتے بلکہ ہر وقت خدا کے خوف اور فکرِ آخرت میں لگے رہتے ہیں اور دُعائیں بھی کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچا لیجیے۔ جہنّم بہت بُرا ٹھکانا اور مقام ہے۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝

ساتواں وصف: خرچ میں بھی اِعتدال ہوتا ہے

اللہ والے اگر مال بھی خرچ کرتے ہیں تو اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں "لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا" نہ تو بخل اور تنگی کرتے ہیں (کہ جہاں خرچ کرنا شرعاً ضروری ہو، وہاں خرچ ہی نہ کیا جائے یا ضرورت سے بالکل کم خرچ کیا جائے) اور نہ ہی اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں (کہ بلا ضرورت خرچ کریں یا ضرورت سے زائد خرچ کر دیں) بلکہ بڑے اعتدال سے خرچ کرتے ہیں۔ نہ کنجوسی دین میں پسندیدہ ہے اور نہ ہی فضول خرچی۔ دین کے ہر کام میں اعتدال ضروری ہے۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۝

آٹھواں وصف: شرک سے کوسوں دُور، پکے توحید پرست ہوتے ہیں

"وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ" اللہ کے ولی مشرک نہیں ہوا کرتے، شرک نہیں کیا کرتے (شرک کی تینوں قسموں: شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بَری ہوتے ہیں)۔ غیر اللہ کو بالکل نہیں پکارا کرتے، وہ توحید پرست، صحیح العقیدہ اور پکے مُوحد ہوتے ہیں۔

نواں وصف: قتلِ ناحق سے مکمل اِجتناب کرتے ہیں

"وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ" اللہ والے کسی حُرمت والی جان کو نہ تو خود قتل کرتے ہیں اور نہ ہی ناحق قتل کے جرم میں کسی بھی درجہ میں شریک اور معاون بنتے ہیں۔ البتہ جہاں حق ہو (یعنی قصاص کا معاملہ ہو یا شادی شدہ کو رجم یا ارتداد کی سزا دینی ہو، اسی طرح کُفّار کے ساتھ میدانِ جہاد سجا ہو) تو الگ بات ہے۔

دسواں وصف: زِنا سے اِجتناب

"وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ" یہ لوگ بدکار نہیں ہوتے، بدکاریاں نہیں کیا کرتے (بلکہ بدکاری کے اسباب کے قریب بھی نہیں جاتے) عرب معاشرے میں تین گُناہ بکثرت پھیلے ہوئے تھے: ۱۔شرک ۲۔قتلِ ناحق ۳۔زِنا۔ اللہ پاک نے "عبادالرحمٰن" کے عظیم اوصاف میں سے ان تینوں صفات کو بیان فرمایا کہ میرے نیک بندے، ان تینوں گناہوں سے دور رہتے ہیں، کیونکہ "وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۝" جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرے گا (جو اسی ایک آیت میں خاص طور سے بیان کیے گئے ہیں) ان کے لیے روزِ قیامت دردناک اور دوہرا عذاب ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ یہ عذاب دائمی ہوگا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

ہاں! جو قتل اور زِنا سے توبہ کرلیں اور ایمان لاکر اپنے اعمال اچھے اچھے کرلیں تو اللہ اُن کی بُرائیاں مٹا کر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

بُرائیوں کونیکیوں سے بدلنے کا مطلب

حضراتِ مفسرینؒ نے اس کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں، ہم ان میں سے چند مطلب ذکر کرتے ہیں:

پہلا مطلب

جب بندہ توبہ کرکے ایمان لے آتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس شخص کے گزشتہ زمانہ کے سارے گناہ مٹ جاتے اور معاف ہوجاتے ہیں۔ اب ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجے میں، سیئات کی جگہ حسنات اور نیک اعمال درج ہونا شروع ہوگئے۔ گناہوں کی جگہ نیکیوں سے نامۂ اعمال بھرنے لگ جاتا ہے۔ اس طرح اللہ پاک ان کی بُرائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کردے گا۔

دوسرا مطلب

ایمان لانے کے بعد جب جب ان لوگوں کو اپنے پچھلے گناہ یاد آئیں گے اور یہ اُن پر ندامت کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس ندامت کا اجر یوں دیں گے کہ اُن گناہوں کے بدلے میں نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ گویا حقیقت میں برائیوں کی جگہ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (معارف القرآن: ۶/ ۵۰۶، اُتدبر القرآن: ص ۱۲۶)

تیسرا مطلب

بعض علماء نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ توبہ سے پہلے وہ جو سیئات کرتے تھے، توبہ کے بعد انہیں حسنات کی توفیق ہوجائے گی، مثلاً پہلے شرک اور بُت پرستی میں مبتلا تھے تو ایمان لانے کے بعد توحید اور اخلاص کی توفیق مل گئی۔ پہلے فسق وفجور میں مبتلا تھے تو اب عفت واحسان حاصل ہوگیا۔ گویا مطلب یہ ہے کہ: "یبدل اللہ تعالیٰ أعمالھم السیئة قبل التوبة إلی أعمال صالحة بعد التوبة" (اُتدبر القرآن: ص ۱۲۶)

چوتھا مطلب

بعض علماء نے یہ تفسیر بھی کی ہے کہ پہلے وہ جتنے جائز کام کرتے تھے، لیکن کُفر اور بُری نیت کی وجہ سے اُنہیں ان کا ثواب نہیں ملتا تھا، ایمان اور توبہ کے بعد اب چونکہ مقصد ہی بدل گیا ہے، اس لیے اب وہی کام ان کے لیے نیکیاں بن جائیں گے، مثلاً پہلے وہ جائز نعمتوں کو بُرے اور خراب مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے اب ایمان لانے کے بعد انہی نعمتوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو نیت کی یہی درستگی، ان کے لیے نیکی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔
(عبادالرحمٰن: ص ۹۷)

وَالَّذِیۡنَ لَا یَشۡہَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا ﴿۷۲﴾

گیارہواں وصف: نہ باطل مجلسوں میں جاتے ہیں اور نہ ہی جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں

اللہ کے نیک بندے نہ تو شرک وکُفر کی محفلوں میں جاتے ہیں، نہ ہی بے حیائی اور گانے بجانے کی مجالس کا حصہ بنتے

ہیں اور نہ ہی فسق وفجور کے کسی اور معاملے میں شریک ہوتے ہیں۔ان سب چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ وہ جھوٹی گواہی بھی نہیں دیا کرتے۔

ہمارے لیے مقامِ عبرت ہے کہ ان سب گندگیوں سے ملوث ہونے کے باوجود خود کو بڑے پارسا اور ولایت کے ساتویں آسمان پر فائز سمجھتے ہیں! اگر اللہ کا قُرب مطلوب ہے تو ان عظیم لوگوں کی پیروی کرنی ہی پڑے گی، سب گناہوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا، اسی میں ہماری نجات ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝

بارہواں وصف: بے ہودہ مجالس سے سنجیدگی سے کنارہ کش رہتے ہیں

اللہ والے جب لغو مجلسوں اور فضول چیزوں کے پاس گزرتے ہیں تو باوقار طریقے سے گزرتے ہیں، نہ تو لغو مجلسوں اور سوسائٹیوں کا حصہ بنتے ہیں اور نہ ہی ان کی تحقیر اور خود کو افضل و برتر سمجھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بھی مراتب ہیں، اب اگر کوئی شخص ہر لغو مجلس والوں سے بحث ومباحثہ میں لگ جائے اور انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کرے تو وقت کا ضیاع تو ہوگا ہی، بسا اوقات لہجے کی کرختگی اور بے موقع وعظ ونصیحت سے لڑائی جھگڑے اور گالم گلوچ تک بھی نوبت آسکتی ہے۔اس لیے جہاں فتنے کا اندیشہ ہو تو وہاں (دل میں اُن کی مجلس کو بُرا جانتے ہوئے) چپکے سے اور عزّت کے ساتھ گزر جانا ہی مناسب ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا۝

تیرہواں وصف: شرعی اَحکام کو خُوب توجّہ سے سنتے ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے ہیں

اللہ والوں کے سامنے جب قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رکھی جاتی ہیں تو وہ بہرے نہیں بن جاتے، اندھے نہیں بن جاتے (یا تو توجہ ہی نہ دیں یا بے سوچے سمجھے، بس اندھا دُھند عمل شروع کردیں) بلکہ وہ ان نشانیوں کو کان کھول کر سنتے ہیں اور آنکھیں کھلی رکھ کر (بہت سوچ سمجھ کے اور مستند لوگوں سے سیکھ کر) ان احکامات پر عمل کرتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۝

چودہواں وصف: قریبی متعلقین (کی اصلاح) کے لیے دُعاؤں کا اہتمام اور اُن کے لیے دینی نمونہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "عبادالرحمٰن" کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ اپنے عمل کی درستگی کی کوشش بھی کرتے ہیں اور ساتھ میں اپنے اہل وعیال اور قریبی لوگوں کو بھی حکمت، شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ دین کے راستے پر چلانے کی فکر

کرتے ہیں (لٹھ لے کر اندھا دُھند پیچھے پڑ جانا بھی نقصان کا باعث بن جاتا ہے) اُن کی اصلاح کے لیے اللہ پاک سے دُعائیں بھی کرتے ہیں۔ اولاد کی دینی فکر ہی آدمی کے سچے دین دار ہونے کی نشانی ہے۔

اللہ والے اپنے شریکِ حیات اور اولاد کے نیک ہونے کے لیے دُعائیں بھی کرتے ہیں کہ اے اللہ! انہیں دینی، اخلاقی، جسمانی، ذہنی ہر لحاظ سے ایسا بنا دے کہ انہیں دیکھ دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں، نیز ہمیں اخلاق، کردار، تقویٰ اور دین داری میں اتنا بلند فرما دیجیے کہ ہم اوروں کے لیے عملی نمونہ بن سکیں، وہ ہم سے متاثر ہو کر جب دین پر عمل کریں گے تو ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بن جائے گا۔

ہر شخص کو قرآن وسنّت میں موجود یہ دُعائیں مانگنی چاہئیں۔ اولاد کا نیک ہو جانا انسان کے لیے صدقہ جاریہ ہوتا ہے، اگر اولاد بُری اور بے دین ہو جائے تو دُنیا اور آخرت میں رُسوائی کا باعث بن جاتی ہے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا

پندرہواں وصف: صابر بَن کر زندگی گزارتے ہیں

ان آیات میں ''عبادالرحمٰن'' کی آخری صفت یہ ذکر فرمائی گئی ہے کہ وہ پوری زندگی، مصائب، تکالیف، پریشانیوں اور خلافِ توقع امور پر ''صابر'' رہتے ہیں، ربّ کی رضا میں راضی رہتے ہیں، اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں، بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی شریعت سے ہٹتے نہیں پاتے۔

سب سے آخر میں ''صبر'' کے تذکرے کی ممکنہ حکمت

سب سے آخر میں ''صبر'' کا ذکر کرنے میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ مذکورہ بالا چودہ اوصاف صحیح معنوں میں تبھی حاصل ہو پائیں گے جب ''صبر'' سے کام لو گے، ''جیسا جیسا صبر ہوگا، ویسا ویسا اجر ملے گا'' ان شاء اللہ!

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝

خدائی اِنعام

فرمایا کہ جو ہمارے بندے اِن اوصاف کے حامل ہوں گے، اللہ انہیں جنّت کے اعلیٰ درجات اور بالا خانے عطا کریں گے، اور ان کے لیے جنّت میں دعاؤں اور سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گا۔ اللہ بھی سلام بھیجیں گے، جیسا کہ آیت میں ہے: ''سلام قولا من رب الرحیم'' اور فرشتے بھی اُنہیں مبارک باد اور سلام بھیجیں گے۔ ''وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ۔ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ'' (الرعد: ۲۳، ۲۴) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی خوب اور بہترین گھر ہے! ہمیشہ ہمیشہ انہیں بہترین قیام گاہوں میں عیش وعشرت سے رہیں گے۔

(''عباد الرحمٰن'' کے ان اوصاف کی وضاحت کے دوران ''معارف القرآن'' اور حضرت مولانا

مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم (اُستاذ الحدیث ومفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) کے رسالے "عبادالرحمٰن" سے استفادہ کیا گیا ہے۔مُرتب عفااللہ عنہ)

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

اِنسانوں کو تنبیہ: اللہ پاک تمہاری عبادت کا محتاج نہیں ہے!

سورت کے آخر میں اللہ پاک نے عام لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اللہ کو نہ پکارتے (بلکہ غیر اللہ کو پکارتے رہتے) تو اللہ کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہ ہوتی (یعنی اگر تم اللہ کی بندگی نہ کرو تو اللہ پاک کو بھی تمہاری کوئی پروا نہیں ہے) جو مخلوق اپنی تخلیق کا منشا پورا نہ کرے، اللہ کے نزدیک اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے! کچھ بھی نہیں۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

کُفّار کو ڈانٹ

کافروں سے خطاب ہے کہ جب تم نے رسالت اور ہماری عبادت سے منہ پھیر ہی لیا ہے تو یہ تکذیب اب تمہارے گلے کا ہار بن کر رہے گی اور تمہیں جہنّم کے ابدی عذاب تک پہنچا کے چھوڑے گی۔ اس تکذیب کے نتیجے میں تمہاری دُنیا بھی خراب ہوگی اور آخرت بھی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔اس سورت میں کُفّارِ مکہ کے چند مشہور اعتراضات نقل کر کے اُن کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۲۔مشرکین کی طرف سے ملنے والی پریشانیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیاں دی گئی ہیں کہ حضراتِ انبیاء کے ساتھ یہ سب ہوتا آیا ہے، اس لیے آپ فکر نہ کریں۔ یہ خود اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

۳۔پچھلی قوموں کی تباہی کی طرف اشارہ کر کے "کُفّارِ مکہ" کو تنبیہ کی گئی کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں ورنہ ان کا انجام بھی اچھا نہیں ہوگا۔

۴۔توحید پر دلالت کرنے کے لیے باری تعالیٰ کی "صناعی" کا خوب ذکر کیا گیا تاکہ ان میں غور و فکر کر کے لوگ خدائی رستے پر آجائیں، شرک و بت پرستی چھوڑ دیں۔

۵۔"عبادالرحمٰن" کی تقریباً پندرہ صفات بیان کی گئیں ہیں جو کھرے کھوٹے کو پرکھنے کے لیے "کسوٹی" کا درجہ رکھتی ہیں۔

تمت سورۃ الفرقان بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَآء

سورت کا تعارف

یہ سورت مکی ہے، ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، ترتیبِ قرآنی کے اعتبار سے چھبیس نمبر (۲۶) پر ہے، جبکہ نزولی ترتیب میں سینتالیس (۴۷) اور بعض روایات کے مطابق ستاون (۵۷) نمبر پر ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن) اس کی دوسو ستائیس (۲۲۷) آیات اور گیارہ (۱۱) رکوع ہیں۔

نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کے دو نام معروف ہیں:

۱۔ الشعراء: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کے ذہنوں پر شعروشاعری اور شعراء کا غلبہ تھا، لوگوں کی ذہن سازی کے لیے شعراء لوگ، موجودہ زمانے کے میڈیا جیسی اہم خدمات سرانجام دیتے تھے۔

کفارِ مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن، کبھی جادوگر اور کبھی شاعر کہا کرتے تھے، اس سورت کے آخری رکوع میں شعراء اور کاہنوں کی خصوصیات کا ذکر کرکے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ان میں سے کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی، اس لیے انہیں شاعر سمجھنا اور ان کے کلام کو شعروشاعری سمجھنا قطعاً غلط ہے، اسی وجہ سے اسے "سورۃ الشعراء" کہتے ہیں۔

۲۔ الجامعۃ: مفسرین کے نزدیک شاید یہ پہلی سورت ہے جس میں زمانہ قدیم کی اہم قوموں کے تذکرے کو عبرت کے لیے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اسے "الجامعۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ (آئینہ القرآن، ص:۱۲۷)

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت میں اللہ کی توحید کا بیان تھا، حضور کی رسالت کا بیان تھا، تسلی کا بیان تھا، یہاں بھی یہی بیان ہے، یہ سورت بھی مکی ہے، ہجرت سے پہلے اتری ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "ذرائع خبر رسانی کی اہمیت" ہے۔ پہلے زمانے میں یہ کام شاعر لوگ کیا کرتے تھے، جب کہ آج کل یہ خدمت "میڈیا" سرانجام دے رہا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ نے کچھ مضامین بیان فرمائے ہیں:

۱۔سب سے زیادہ تکالیف حضرات انبیائے کرامؑ نے برداشت فرمائی ہیں:

فرمایا کہ دین کے راستے میں مشکلات ومصائب آئیں گی، اس سورت میں جتنے بھی انبیائے کرامؑ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سب نے مصائب کا سامنا کیا۔ اس سلسلے میں حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں کے رویے کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲۔دینِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں آسانیوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت تکالیف اُٹھائی ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ نے بہت سی آسانیاں پیدا فرمائیں جو پہلے انبیائے کرامؑ کے لیے نہیں تھیں، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشکلات اٹھائی ہیں، لہٰذا دین کی راہوں پر چلتے ہوئے مشکلات آئیں گی، ان کا صبر واستقامت سے سامنا کرنے والے ہی کامیاب رہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

''طٰسٓمّٓ'' یہ حروفِ مقطعات ہیں، ان کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے (آغاز سورۂ یونس)۔ ''تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②'' یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

اے پیغمبر! پریشان مت ہوئیے! بس دعوت دیتے رہیے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے غم میں بہت پریشان رہتے تھے، اپنے آپ کو گھلاتے رہتے تھے، بالکل ایسے جیسا کہ کوئی شخص، کسی کو دُنیوی آگ میں جلتا ہوا دیکھے تو اس سے برداشت نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایمان نہ لا کر، اُمت، جہنم کی آگ میں جارہی ہے تو حضور یہ کیسے برداشت کر لیتے! یہ تو فطری امر ہے، اس لیے آپ اپنے آپ کو اسی غم میں گھلاتے رہتے تھے۔

اللہ نے فرمایا کہ میرے حبیب! آپ اپنے آپ کو اس بات پر ہلاک کر دیں گے کہ یہ مومن نہیں ہوتے! آپ ان کے کُفر سے اتنا افسوس نہ کیجیے کہ جان گھلنے لگے، ان لوگوں کی خاطر اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس مناسب انداز سے تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝

کسی کو زبردستی مومن بنانا ہماری منشا ہی نہیں ہے

اگر ہم چاہیں تو ہم ایسی نشانیاں آسمان سے اتار دیں کہ بے اختیار ان کُفّار کی گردنیں جھک جائیں، اور یہ سب بے اختیار مومن ہو جائیں، لیکن ہماری یہ مشیت نہیں، ہماری یہ حکمت نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اختیار سے خود ہماری نشانیوں میں غور وفکر کریں، اسی میں آزمائش ہے۔ جبراً مومن بنانے میں آزمائش باقی نہیں رہتی۔

پچھلی قوموں کے حالات ہمارے لیے عبرت کا ذریعہ ہیں

اس سورت میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ کثرت سے کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تو کئی رکوع پر مشتمل ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہے، نوح علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہے، قومِ عاد اور ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے، قومِ ثمود اور صالح علیہ السلام کا ذکر ہے، قومِ شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے، قومِ لوط کا ذکر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات ہیں، سارے واقعات ہم نے بارہا پڑھے اور سنے ہیں، قرآن کریم نے مختلف مقامات میں ہماری موعظت اور نصیحت کے لیے ان قصوں کو بار بار ذکر فرمایا ہے، جو بات بار بار کی جائے وہ دل میں بھی اتر جاتی ہے۔ اللہ کرے ہمیں بھی ان قصص سے عبرت حاصل ہو جائے۔ آمین

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائی ہدایات

اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ "اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝" فرعون کی ظالم قوم کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ مجھ سے نہیں ڈرتے۔

مقصد میں پیش آنے والی رُکاوٹیں

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ" یا اللہ! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

"وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ" ایسی صورت میں طبعی طور پر میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے، میری زبان نہیں چلتی، میرے بھائی ہارون کو بھی ساتھ بھیج دیں "وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ" پھر مجھ سے اُن کا بندہ بھی قتل ہو گیا تھا، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے اب قتل کر دیں گے۔

رُکاوٹیں دُور کر دی جاتی ہیں

اللہ نے موسیٰ اور ہارون دونوں کو نبی بنا کر فرعون کے پاس بھیجا "فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ" وہ دونوں وہاں گئے اور دربار میں جا کر فرعون اور اس کے حواریوں کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا۔

قوم کی آزادی کے لیے جدّوجہد کرنا انبیائے کرامؑ کا شیوہ ہے

خدائی حکم کی تعمیل میں ان پاکیزہ ہستیوں نے فرعون سے کہا: "أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ" کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجیں، چونکہ فرعون نے ان کو غلامی کی زندگی میں مبتلا کیا ہوا تھا، لہٰذا آپ نے اس سے کہا کہ ان کو آزاد کریں، اور ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

فرعون اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی گفتگو

فرعون نے نبوّت کے اعلان کو سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دو ذاتی الزامات لگائے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع میں جب کسی پر ذاتی الزام لگتا ہے تو عموماً وہ شخص شرمندہ ہو کر گفتگو میں ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

پہلا الزام: ہمارے نمک خوار ہو کر ہمارے ہی مقابلے میں آ گئے!

فرعون نے کہا: "أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾" اے موسیٰ! کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پالا نہیں تھا! ہمارے پاس ہی تو تم پل کر جوان ہوئے ہو، اب تمہیں اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ تم ہمارے سامنے بولو!

دوسرا الزام: جس قوم میں پلے ہو، اسی کے جوان کو بلاوجہ قتل کر ڈالا! تمہاری بات پر بھروسہ کیسے ہو؟

"وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ" تمہیں اپنا وہ فعل یاد ہے جو تم نے کیا تھا! تمہارے ہاتھ سے ایک بندہ قتل ہو گیا تھا، تم بڑے ناحق شناس ہو کہ میرا ہی کھایا، میرے ہی بندے کو مارا اور اب تم مجھے ہی اپنا تابع بنانے آ گئے!

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

فرعون کے دوسرے الزام میں چونکہ ایک گونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذاتی قصور نمایاں ہو رہا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس الزام کو پہلے صاف کیا۔

''قتلِ خطا'' مقامِ نبوّت کے منافی نہیں

فرمایا: ''فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ '' میں نے جان بوجھ کر اس کو قتل نہیں کیا تھا، میں نے تو اس کے قصور پر اُسے محض ایک تھپڑ مارا تھا تاکہ وہ ظلم سے رُک جائے، تھپڑ سے کون مرا کرتا ہے! خلاصہ یہ ہے کہ یہ قتلِ عمد نہیں بلکہ قتلِ خطا تھا، بے خبری میں ہونے والا قتل، نبوّت کے منافی نہیں۔

''فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ '' میں تمہارے خوف سے یہاں سے چلا گیا تھا، پھر اللہ نے کرم فرمایا اور مجھے نبوّت سے سرفراز فرمایا۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؀

پرورِش کے احسان کا جواب

اے فرعون! ذرا سوچو! غلام قوم کا بچہ کہاں اور شاہی دربار کہاں! تمہارے ظلم وستم اور بنی اسرائیلی بچوں کے قتلِ عام سے ڈر کر ہی میری ماں نے مجھے تابوت میں ڈالا تھا، یہ تو خدا تعالیٰ کا حکیمانہ انتظام تھا کہ جس بچے کے خطرے سے بچنے کے لیے تم نے ہزاروں بچے قتل کرا دیے تھے، خدا تعالیٰ نے اُسی بچے کو تمہارے گھر پرورش دلائی ہے، ذرا سوچو کہ اس میں تمہارا کیا احسان ہوا! اس پرورش کی اصلی وجہ تو تمہارے اپنے ظالمانہ کرتوت تھے! احسان جتلانے کے بجائے تمہیں اپنی ناشائستہ حرکات اور بچوں کے قتلِ عام پر شرمندہ ہونا چاہیے تھا! یہ تمہارا احسان نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ؀ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ؀

رَبّ کی حقیقت کیا ہے؟

فرعون نے کہا کہ اچھا چلو یہ بتاؤ کہ جس رَبّ کے رسول بن کر تم آئے ہوئے ہو، اس رَبّ کی حقیقت کیا ہے!

زمین وآسمان کا ہر ذرّہ باری تعالیٰ کا منہ بولتا تعارف ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ رَبّ کی تعریف اس کی حقیقت سے نہیں بلکہ اس کے اوصاف وکمالات سے ہوتی ہے، رَبّ تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک، انسانی ذہن کر ہی نہیں سکتا، فرمایا: ''رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ '' اگر سمجھنا چاہو تو بس اتنی بات سمجھ لو کہ آسمان وزمین اور اس کے درمیانی مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ؀ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ؀

فرعون کو یہ جواب پلّے نہ پڑا، اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ میں سوال کچھ کرتا ہوں، موسیٰ جواب کچھ دیتا ہے! شاید موسیٰ کو سوال سمجھ ہی نہیں آیا ہے۔

حضرت موسیٰ نے تاکیداً مزید فرمایا: "رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ" میں تو سوال سمجھ چکا اور جواب بھی دے چکا، مزید سمجھو کہ وہ خدا، تمہارا بھی ربّ ہے (تم خدا نہیں ہو) اور تمہارے آباء واجداد کا بھی ربّ ہے۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ۝

فرعون اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تمہارا بزعمِ خود رسول، مجنون لگتا ہے۔ میرے دربار میں، میرے سامنے کھڑے ہوکر کسی اور کو خدا بتانا جنونیت نہیں ہے تو اور کیا ہے! نیز میں رَبّ کی "حقیقت" کے بارے میں پوچھتا ہوں اور یہ اُس رَبّ کے "اوصاف" بتانے لگ جاتے ہیں، سوال سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شاندار جواب دیا کہ کم عقلی کا مظاہرہ تو تم خود کررہے ہو، اگر رَبّ کو پہچاننا چاہو تو زمین وآسمان، مشرق ومغرب اور ہر مخلوق کی تخلیق میں رَبّ کی وحدانیت اور صناعی چھلکتی ہے، زمین وآسمان کا ہر ذرّہ خود اللہ تعالیٰ کا "تعارف" ہے، الگ سے "تعریف" کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ۝

دلیل کا جواب دھمکی سے

فرعون نے لاجواب ہوکر کہا کہ اگر تم میرے علاوہ کسی اور کو خدا کہو گے تو میں تمہیں جیل ڈال دوں گا۔

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ۝ ......تا...... وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ۝

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۝

آیت نمبر ۳۰ سے آیت نمبر ۶۸ تک کا خلاصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تمہارے سامنے اپنی نبوّت کی کوئی دلیل پیش کردوں تب بھی نہیں مانو گے؟ فرعون نے کہا کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو!

دلیلِ نبوّت پیش کی گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (عصا سے سانپ بننے اور یدِ بیضاء والے) اپنے معجزات پیش کیے، فرعون نے کہا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے، اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں یہاں سے نکال دے۔ لہٰذا مشورہ دو کہ اب اس کا کیا کرنا چاہیے!

فرعون کی مرعوبیت

فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت اور معجزات سے اس قدر مرعوب ہوا کہ شہر اور ملک اُس کا اپنا، دربار اُس کا اپنا، لیکن صرف ان دو ہی آدمیوں (حضرت موسیٰ وہارونؑ) جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے، سے اس قدر خوف زدہ ہوگیا کہ یہ دو آدمی ہمیں، ہماری اس مملکت سے نکال دیں گے!

معجزہ اور جادو آمنے سامنے

بہرکیف! درباریوں کے مشورے سے طے ہوگیا کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لیے جادوگر لائے جائیں گے۔ دن، جگہ اور وقت طے ہوگیا، ہر جگہ اعلان کردیا گیا، جادوگر بلا لیے گئے، انہیں بھاری انعام اور فرعون کے قُرب کا لالچ دیا گیا۔

جادو ہار جاتا ہے، اور جادوگر ایمان لے آتے ہیں

مقابلہ شروع ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کا عصا، سب جادوگروں کی جادوگری کھا گیا، جادوگروں پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ موسیٰ کوئی جادوگر نہیں ہے، یہ کوئی خدائی طاقت ہے، سب جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

فرعون کی سیاسی چال

یہ دیکھ کر فرعون بڑا گھبرایا کہ کہیں ساری قوم ہی مسلمان نہ ہوجائے، جادوگروں سے کہنے لگا کہ تم لوگوں نے مجھ سے پوچھے بغیر یہ حرکت کیسے کی؟! اجازت لیے بغیر سجدے میں کیوں گر گئے؟ لگتا ہے کہ تم سب موسیٰ کے شاگرد ہو اور مجھے بے عزت کرنے کے لیے تم لوگوں نے مل کر مقابلے کی یہ سازش گھڑی ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا۔

جادوگروں کا ایمانی غیرت سے بھرپور جواب

جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ جو کرسکتے ہو، کرلو! ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر تم ہمیں سولی پر لٹکا بھی دو گے تو ہم اللہ کی خاطر شہید ہوجائیں گے، اللہ کے پاس ہی جائیں گے۔ تمہاری دھونس دھمکیوں سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔

زندگی بھر کفر وشرک میں مبتلا بھی نبی کی صحبت سے پکّا موحد بن جاتا ہے

یہ بھی پیغمبرانہ معجزہ ہے کہ ساری زندگی جادوگری کے کفر اور فرعون کی خدائی کو تسلیم کرکے شرک میں مبتلا رہنے والے، نبی کے مقابلے میں آنے والے، نبی کا معجزہ دیکھ کر نہ صرف ایمان لے آتے ہیں بلکہ ایمان کا اس قدر گہرا رنگ چڑھتا ہے کہ قوم کے سامنے فرعون کو صاف کہہ دیتے ہیں: تجھ سے جو ہوسکتا ہے، کرلے! ہم اب اپنے حقیقی ربّ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

صحبت کا اثر

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں کہ "نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"، اہل اللہ کی ایک لمحہ کی صحبت، ہزار سالہ بے ریا اطاعت سے بہتر ہے، یہ صحبت، شخصیت میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک لحظہ کی صحبت نے جادوگروں کو صاحبِ استقامت ولی بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ملتا ہے

بہرکیف! اس عظیم واقعے کے باوجود بھی جب فرعون باز نہ آیا اور بنی اسرائیلیوں کو آزادی دینے پر راضی نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ اپنی قوم کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ! موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر چل پڑے۔

قومِ فرعون کی طرف سے تعاقب اور غرقابی

صبح جب فرعون کو پتا چلا تو اُس نے پورے شہر میں اعلان کرا دیا کہ بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کیا جائے! ہمارے مقابلے میں یہ تھوڑے سے لوگ اور چھوٹی سی جماعت ہیں، یہ ہمارا مقابلہ کیا کر سکتی ہے! لہٰذا بے فکر ہو کر ان کا پیچھا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ! غرض خوب تیاری کر کے بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کرنے نکلے، انہیں تصور بھی نہیں ہوگا کہ اب دوبارہ کبھی اس شہر میں لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور وہ دریا میں بنے ہوئے معجزانہ راستوں سے پار ہو گئے جب کہ فرعون اور اس کے لشکر کو بحرِ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

یہ قصے عبرت کے لیے سنائے جاتے ہیں

اس لیے اے مکہ کے لوگو! اپنے نبی کو نہ جھٹلاؤ۔ اس قصے سے عبرت پکڑو! اگر اللہ چاہتا تو تمہیں بھی دُنیا میں سزا دے دیتا، ہم نے تمہیں مہلت دے رکھی ہے، اس مہلت کو اپنا حق نہ سمجھو اور عذاب سے بے فکر نہ ہو جاؤ!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۞

"ملّتِ اِبراہیمی" شرک پرستی کا نہیں، شرک بے زاری کا نام ہے

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کیا، یہ قصہ خصوصی طور پر اس لیے بھی سنایا گیا کیونکہ مشرکینِ مکہ خود کو "ملّتِ ابراہیمی" پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، تاکہ اس قصہ سے انہیں یہ نصیحت ہو کہ جس نبی کی ملّت ہونے کے تم دعویدار ہو، وہ خود شرک اور بت پرستی سے کس قدر بے زار اور متنفر تھے اور تم شرک پرستی کے کس قدر خوگر ہو! "ملّتِ ابرہیمی" پر ہونے کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جو بُت پرستی سے بیزار ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم کی باہمی گفتگو

فرمایا کہ "إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ" ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور اپنے باپ سے کہا کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ "قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ" انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں، انہی کے سامنے جھکتے ہیں، سارا دن انہیں کے سامنے "دھرنا" دیے بیٹھے رہتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معقول سوال

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ "هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۔ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ" یہ بت جن کے سامنے تم جھکتے ہو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں! (اگر تم ان کی عبادت کرو تو) کیا یہ تمہیں نفع دیتے ہیں! (اور اگر تم ان کی عبادت نہ کرو تو) کیا یہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں! کیونکہ ظاہر ہے کہ عبادت کا حق دار وہی ہے جو علم اور قُدرت کاملہ رکھتا ہو۔

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ۝

قوم کی طرف سے غیر معقول جواب

انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں پتا کہ سنتے ہیں یا نہیں، البتہ چونکہ ہمارے باپ دادا بھی انہیں کی پوجا کرتے آئے ہیں! ہم بھی اُنہی کی دیکھا دیکھی ان بتوں کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ۝

غور و فکر کی ابراہیمی دعوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۔ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ" تم دیکھو تو سہی! کم سے کم غور تو کرو کہ تم کس کی پوجا کر رہے ہو، تمہارے باپ دادا کس کی پوجا کرتے رہے! اپنے ان خود ساختہ خداؤں کی حقیقت تو سمجھنے کی کوشش کرو! جو نہ بولتا ہو، نہ سُنتا اور دیکھتا ہو، نہ نفع نقصان کا مالک ہو اور نہ ہی اپنی حفاظت کر سکتا ہو، وہ خدا اور مشکل کُشا کیسے ہو سکتا ہے! ذرا بھی نہیں سوچتے!

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝

بُت شکن کا بُت پرستی سے صاف انکار

"فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ" حضرت ابراہیمؑ نے بیزاری کا صاف اعلان فرمایا کہ میں تو ان بتوں کی پوجا نہیں کرتا، یہ تو میرے دشمن ہیں، جب میرے دُشمن ہیں تو تمہارے بھی دُشمن ہیں (نبی کا دُشمن، اُمتی کا دُشمن ہوتا ہے) ان کی

عبادت میں سوائے نقصان اور خسارے کے، کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں۔ میں تو ان سے بےزار ہوں اور صرف اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

قوم کی رغبت کے لیے مختصراً خدائی صفات کا تذکرہ

"الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ" میرا خدا وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، جو میرا خالق ہے، جس نے مجھے میرے مصالح تک مجھے ہدایت دی، مجھے اس قدر فہم وشعور عطا کیا کہ میں اپنے نفع نقصان کو سمجھتا ہوں۔ "وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ" میں جب بھوکا ہوتا ہوں تو وہی اللہ مجھے کھانا کھلاتا ہے، مجھے جب پیاس لگتی ہے تو وہی اللہ مجھے پلاتا ہے، "وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ" اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اگر بیماری کے بعد شفا ملتی ہے تو شفا بھی اُسی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، وہی اللہ ہی مجھے شفا دیتا ہے، "وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ" وہی میرا خدا ہے جو وقت پر مجھے موت دے گا اور وہی قیامت کے دن مجھے زندگی بخشے گا، "وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ" مجھے اُسی عظیم ذات سے اُمیدیں وابستہ ہیں کہ وہ قیامت کے دن میری بخشش بھی کر دے گا۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝

پیغمبر کی جامع دُعا

پھر دُعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے حکمت (علم وعمل میں جامعیت اور ترقی) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما، اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر جاری فرما دے، یعنی میری نسلیں بھی میرا ذکر خیر کریں کہ ہمارا ابا ابراہیم یہ نیکی کرنے والا تھا، یہ نیکی کرنے والا تھا، مجھے ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب فرما کہ بعد والے لوگ اعمالِ صالحہ میں میری پیروی کریں (اس طرح کی دُعا کرنا جائز ہے) مجھے جنت کا وارث بنا، اور میرے باپ کو (ایمان کی توفیق نصیب فرما کر اُسے) بخش دے۔

مشرک باپ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِستغفار کیوں کیا؟

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے والد کی زندگی میں ایک وقت تک اُن کے لیے اس نیت سے مغفرت کی دُعا کرتے رہے تھے کہ شاید اللہ پاک اُنھیں ایمان کی توفیق دے دیں، بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیمؑ پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ کُفر پر مرا ہے اور وہ اللہ کا دشمن تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے بیزاری کا اظہار فرما دیا۔ اسی بات کو ایک

دوسری آیت میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: ”وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ“ (التوبۃ: ۱۱۴) (مزید تفصیل معارف القرآن: ۶/ ۵۳۱ میں دیکھیے)۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ
الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ
يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ
شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

قوم کی تنبیہ کے لیے احوالِ قیامت کا کچھ تذکرہ

پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے قیامت کے دن کے کچھ احوال بھی بیان فرمائے تا کہ شاید قوم راہِ راست پر آ جائے۔ فرمایا کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ نہ کسی کو اس کا مال نفع دے گا اور نہ بیٹے نفع دے پائیں گے، سوائے اس شخص کے جو اللہ کے پاس سلیم اور تندرست دل لے کر پہنچے۔

”اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ“ کی تفسیر

اس آیت کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی تفسیر

”قلبِ سلیم“ سے مُراد ایمان اور نیک اعمال ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کو صرف اس کا اپنا ایمان اور نیک اعمال ہی کام آئیں گے، دنیوی مال و دولت اور بیٹے (جن سے امداد کی توقع ہو سکتی ہے) کام نہیں آئیں گے۔ بیٹیاں تو بے چاری ویسے بھی کمزور ہوتی ہیں، ان سے دست و بازو بننے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر

”قلبِ سلیم“ سے مراد ”ایمان“ ہے اور اس کا تعلق پچھلی آیت سے بھی ہے۔ یعنی ویسے تو آخرت میں نہ کسی کا مال کام دے گا اور نہ ہی اولاد نفع دے گی، البتہ جو شخص مومن مرا ہو، اس کا مال اور اولاد (یعنی دنیا میں جو مال اُس نے نیک کاموں میں خرچ کیا اور نیک اولاد چھوڑی) قیامت میں بھی اس کے لیے نافع ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نصوص میں جہاں یہ بات مذکور ہے کہ قیامت میں مال و دولت اور خاندانی تعلقات کام نہ آئیں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مؤمنین کو (چاہے وہ کسی نبی کی آل و اولاد ہی کیوں نہ ہو) کام نہ آئیں گے۔ مسلمان

فوت ہونے والے شخص کے لیے ان شاءاللہ یہ قیامت کے دن بھی نافع ہوں گے۔ اسی تفسیر کو اکثر حضراتِ مفسرین نے اختیار فرمایا ہے۔ (معارف: ۶/ ۵۳۱، ۵۳۲)

بہر کیف! قیامت کے دِن جنّت کو نیک لوگوں کے اور دوزخ کو گنہگار اور گُفّار کے سامنے کر دیا جائے گا۔ اُس دِن باطل معبودوں اور ان کے سب پیروکاروں کو اوندھے منہ جہنّم میں پھینک دیا جائے گا جہاں جا کر ان مشرکین کی آنکھیں کُھل جائیں گی اور وہ، اپنے باطل معبودوں کی حقیقت کو خوب جان لیں گے کہ انہی نے ہمیں گمراہ کیا، کہیں گے کہ کاش! ہمیں ایک موقع مل جاتا تا کہ ہم ان جھوٹے خداؤں کے بجائے سچّے رَبّ کی اطاعت کر لیں! لیکن ظاہر ہے کہ اب موقع ملنے والا نہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ابراہیمی واقعہ محض قصہ گوئی نہیں، قابلِ عبرت ہے!

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ابراہیمؑ کے قصے میں حق کے طلب گاروں کے لیے بڑی عبرت ہے کہ بُت پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کو دیکھیں اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آئیں، قیامت کے احوال سے ڈریں اور شرک چھوڑ دیں۔ لیکن "ملّتِ ابراہیمی" کے دعوے دار ہونے کے باوجود، مشرکینِ مکہ، حضرت ابراہیمؑ کی پیروی نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے بُت پرستوں کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائی اور بُت پرست ناکام ہوئے، مشرکینِ مکہ تم بھی بُت پرست ہو، میرے نبی کا مقابلہ کر کے ناکامی تمہارا بھی نصیب ہوگی۔ اللہ اس پر خوب قادر ہے کہ تمہیں بھی دُنیا میں سزا دے دے، لیکن اس نے اپنی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

آدمِ ثانی (حضرت نوح علیہ السلام) بھی قوم کی تکذیب سے نہ بچ سکے

"كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ" قومِ نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا، ایک نبی کی تکذیب، سارے انبیاء کی تکذیب سمجھی جاتی ہے (کیونکہ سب انبیاء کی دعوت ایک ہی ہوتی ہے، ایک کی دعوتِ حق کا انکار، سب نبیوں کی دعوت سے انکار ہے) جس نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا، گویا اُس نے سب انبیاء کو جھٹلایا۔ اسی طرح جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتا، گویا وہ سارے نبیوں کو نہیں مانتا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ مجھے تم سے کوئی لالچ اور دُنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، مجھ پر ایمان لے آؤ، بچ جاؤ گے، میں رب تعالیٰ کے احکامات، پوری امانت داری کے ساتھ تم تک پہنچا رہا ہوں۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝

قوم کے دو اِعتراضات

قوم نے پہلے تو یہ اعتراض کیا کہ تمہارے پیروکار اور ساتھی، حقیر اور بے وقعت لوگ ہیں، معاشرے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں، جب کہ ہم باعزت اور خاندانی لوگ ہیں۔ ہم ایسے حقیر لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو عار سمجھتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کا منشا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر تمہاری دعوت واقعی معقول ہوتی تو سمجھ دار لوگ اسے قبول کر لیتے، حالانکہ تمہاری پارٹی کے سارے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہم سمجھ دار نہیں کہ سکتے، معلوم ہوا کہ تمہاری دعوت بھی معقول نہیں، اور یہ لوگ کسی مفاد کی وجہ سے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔

قَالَ وَمَا عِلْمِىْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّىْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۞ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

پیغمبرانہ جواب

۱۔ حضرت نوحؑ نے جواب دیا کہ مجھے ان کے پیشوں اور عزت وذلت سے کیا غرض! دین میں تو یہ تفاوت معتبر ہی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لو کہ عزّت وذلت کا معیار، خاندانی حسب نسب کو سمجھنا حماقت ہے، عزّت وذلت کا اصل مدار اعمال واخلاق پر ہوتا ہے اور چونکہ ہر شخص کے اعمال سے ہم واقف نہیں ہوتے اس لیے ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقتاً کون شریف اور باعزّت ہے اور کون رذیل اور بے وقعت ہے!

۲۔ باقی جہاں تک تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ حقیقتاً ایمان نہیں لائے، تو اس کا حساب کتاب میرے اللہ نے لینا ہے، میں نے اور تم نے نہیں لینا۔ جو جس نیت سے ایمان لائے گا، اپنا حساب دے گا اور جو ایمان نہیں لائے گا، اپنا حساب خود دے گا، میرا فرضِ منصبی صرف یہ ہے کہ تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دوں بس! اپنا نفع، نقصان تم خود دیکھ لوگے! اس دعوت میں میرا نہ تو کوئی مفاد وابستہ ہے اور نہ ہی تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی نقصان ہے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۞

قوم کی دھمکی

جہاں دلیل کا جواب دلیل سے نہ دیا جا سکے، وہاں معاملہ بدزُبانی اور دھمکیوں پر اُتر آتا ہے، قومِ نوح بھی عاجز آ کر دھمکیوں پر اُتر آئی کہ "اے نوح! اس دعوت سے باز آ جاؤ ورنہ سنگسار کر دیے جاؤ گے۔"

ان سب تکالیف اور جان سے مارنے کی دھمکیوں کے باوجود حضرت نوحؑ، حق گوئی پر ڈٹے رہے اور سالہا سال قوم کو راہِ راست پر لانے کی لگن میں مگن رہے (تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے)۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِىْ كَذَّبُوْنِ ۞ فَافْتَحْ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِىْ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

قوم سے مایوس ہو کر پیغمبرانہ دُعا

جب قوم نے نافرمانی کی حد کر دی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ پاک سے دُعا کی: ”رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ“ میری قوم مجھے مسلسل جھوٹا کہہ رہی ہے، میری دعوت پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں۔ ”فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ“ اے اللہ! اب بس ہمارے درمیان عملی فیصلہ کر ہی دیجیے۔ جھوٹوں کو ہلاک کر دیجیے اور مجھ پر ایمان والوں کو مجھ سمیت نجات عطا فرمائیے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۝

پیغمبر کی دُعا رَدّ نہیں ہوتی

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم پیغمبر کی دُعا قبول کی، نوح علیہ السلام اور مومنین کو نجات ملی اور نہ ماننے والی ساری قوم سیلاب کے عذاب میں غرق کر دی گئی۔ یہ واقعہ بھی اہلِ مکہ کی عبرت کے لیے بیان کیا گیا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

”قومِ عادؑ“ نے بھی تکذیب کے مشن کو جاری رکھا

پھر اللہ پاک نے قومِ عادؑ“ کا ذِکر فرمایا، کہ قومِ عاد نے بھی اپنے نبی، سیّدنا ”ہودؑ“ علیہ السلام کو جھٹلا کر سارے نبیوں کو جھٹلا دیا، حضرت ہود علیہ السلام نے قوم سے وہی بات فرمائی جو دیگر انبیاء اپنی قوم سے فرماتے آئے کہ اللہ سے ڈرو، میں اللہ کا رسول ہوں، امین ہوں، میری پیروی کرو، میں تم سے اس دعوت کے بدلے پیسے نہیں مانگتا، کوئی مالی مفاد وابستہ نہیں ہے، میری اس محنت کا اجر تو صرف میرا اللہ ہی مجھے دے گا۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝

”قومِ عادؑ“ کی چند بُری اور فضول عادتیں

اس قوم میں شرک اور تکبّر کے علاوہ بھی کچھ عادتیں ایسی تھیں جن کا نہ دنیوی فائدہ تھا اور نہ اُخروی۔ ان آیات میں اس قوم کی ایسی تین عادتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو ہمارے لیے بھی قابلِ عبرت ہیں:

۱۔ اُونچی اُونچی یادگاریں بنایا کرتے تھے

یہ قوم، اونچی اونچی جگہوں پر ”یادگار“ کے طور پر بلند عمارتیں بنایا کرتے تھے تا کہ دُنیا میں ہمارا نام اونچا رہے،

اونچی اور بلند عمارتیں بنانے میں مقابلہ بازی کیا کرتے تھے، جیسے آج کل دنیا کے کئی ممالک میں مقابلہ چھڑ گیا ہے کہ کس ملک کی بلڈنگ اور ٹاور "بلند ترین بلڈنگ" کا اعزاز لیتا ہے، کبھی دنیا کا سب سے بڑا ٹاور ملائیشیا میں بن گیا، پھر دبئی میں بن گیا، پھر کسی نے کہا کہ سعودیہ میں اتنی منزلہ بلڈنگ بن گئی تو دبئی والوں نے پھر اس سے اونچا ٹاور بنادیا، قومِ عاد بھی اسی مقابلہ بازی میں مگن رہتی تھی۔

۲-ضرورت سے زائد محلات بنایا کرتے تھے

دوسرا کام یہ کرتے تھے کہ رہائشی ضرورت سے زائد محلات بنایا کرتے تھے۔ یہ وبا بھی اب عام ہوتی جارہی ہے کہ ہر پُرفضا مقام پر، ہر معروف شہر اور ملک میں اپنا الگ الگ مکان ہونا چاہیے۔ حالانکہ نبی کریم نے فرمایا: "أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا" يَعْنِي مَا لَا بُدَّ مِنْهُ۔" (سنن أبي داود: ۴/ ۵۴۰) یعنی ضرورت سے زائد اور غرضِ صحیح کے بغیر جو بھی تعمیر کی جائے گی، وہ اپنے مالک کے لیے قیامت میں وبال ثابت ہوگی۔

۳-طبیعت میں سختی اور بے رحمی تھی

فرمایا جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو خوب جابر بن جاتے ہو اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کا تکبر تھا جس کی وجہ سے فطری طور پر مزاج میں تیزی اور سختی آجاتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ تمہارے یہی برے اخلاق، اللہ پاک کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ اس لیے اللہ پاک اور اس کی گرفت سے ڈرو اور (بری عادتیں چھوڑ کر) ایمان لے آؤ اور میری اتباع کرلو۔ نجات پا جاؤ گے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

خدائی احسانات کا تقاضا بھی اطاعتِ باری ہے

اللہ نے تمہیں مال مویشی دیے، باغات دیے، پانی کے عمدہ چشمے عطا فرمائے، ایک انسان کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے! ان احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم اللہ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ مطیع و فرمانبردار بن کر رہتے لیکن تم نے تو سرکشی کو ہی اپنی عادت بنا رکھا ہے! اگر اپنی ان عادتوں سے باز نہ آئے تو مارے جاؤ گے!

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

قوم کا متکبرانہ جواب

اس قدر خیر خواہی کے جواب میں قوم نے کہا کہ "ہم تمہارے وعظ سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں، تم سے پہلے بھی

نبوت کے دعویدار ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے، یہ باتیں عرصے سے چلی آتی ہیں، اس لیے ہم ان باتوں سے ڈرنے والے نہیں، ہم پر کوئی عذاب نہیں آنے والا۔" خلاصہ یہ کہ اپنی وعظ و نصیحت اور دھمکیاں اپنے پاس رکھو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

تباہی ان کا مقدر بنی

غرض جب قوم نے اپنے نبی کی ہر لحاظ سے تکذیب کی اور ان پر حجت تام ہوگئی تو اللہ پاک نے سخت آندھی کا عذاب بھیج کر انہیں تباہ کر کے رکھ دیا، بلند و بالا ٹاور اور بلڈنگیں بھی انہیں اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکے۔

مکہ کے کافرو! میرے نبی کے دشمنو! ان واقعات سے عبرت حاصل کرو، وہ نہیں بچ سکے تم بھی نہیں بچ سکتے اس لیے یہ قصے تمہیں سنائے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی مہلت کو اپنا حق نہ سمجھو بلکہ سیدھے رستے پر آجاؤ!

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

"قومِ ثمود" کو بھی راہِ راست کی طرف بلایا گیا

قوم ثمود نے بھی اپنے نبی کو جھٹلا کر گویا سارے نبیوں کی تکذیب کردی، ان کے نبی حضرت صالحؑ نے ان سے بھی وہی باتیں کیں جو ہر نبی نے اپنی اُمت سے کی ہیں۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ۝ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ۝

خوشحالی اور عیش و عشرت سب عارضی ہے، اس پر اِتراؤ مت!

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ پاک نے بلاشبہ تمہیں دُنیوی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں اور ایسی حذاقت عطا فرمائی ہے کہ تم بڑی مہارت کے ساتھ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو، لیکن یاد رکھو کہ یہ سب نعمتیں عارضی ہیں، لہٰذا انہی پر بھروسہ کر کے حق کی تکذیب نہ کرو، خدا تعالیٰ کے دُشمنوں اور سرکشوں کی باتوں میں مت آؤ، بلکہ اُسی اللہ کی اطاعت کرو جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔ تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں ان نعمتوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا؟ تمہارا دنیا میں بس یہی مقصد ہے کہ کھاؤ، پیو، آرام کرو، بس، اور کوئی مقصد نہیں! ایسا نہیں چلے گا، اللہ کی فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۝ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

دعوتِ حق کا جواب: بھلا انسان بھی "نبی" ہو سکتا ہے!

قوم نے کہا: صالح! بھلا تمہیں ہو کیا گیا ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو! (نعوذ باللہ) تم اور وہ بھی نبی! کیا انسان بھی نبی ہوتا ہے! لگتا ہے تم پر کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے، اس لیے عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو!

فَأْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝

تمہاری نبوّت کی دلیل کیا ہے؟

قوم نے کہا ہمیں تو تمہارے دعوے پر یقین نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم اپنے دعویٰ میں سچے بھی ہو تو اس دعوے کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟ نبوّت کی نشانی اور معجزہ دِکھاؤ تو ہم مانیں!

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝

اُونٹنی کا منہ مانگا معجزہ عطا ہوتا ہے

قوم کے مطالبے پر اللہ پاک کی طرف سے خلافِ عادت، پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوتی ہے (تفصیل پہلے بیان ہو چکی) حضرت صالح قوم سے کہتے ہیں کہ یہ ہے اونٹنی، جو معجزہ بھی ہے اور میری رسالت کی دلیل بھی ہے، اس کے کچھ حقوق ہیں، جب تک اس کے حقوق کا خیال رکھو گے تو اللہ کی پکڑ سے محفوظ رہو گے۔

ایک حق تو یہ ہے کہ ایک دِن یہ اونٹنی پانی پیے گی اور دوسرے دِن تمہارے مال مویشی پانی پیا کریں گے۔ دوسرا حق یہ ہے کہ خبردار! برائی اور نقصان پہنچانے کے ارادے سے اسے چھونا بھی مت! ورنہ سب مارے جاؤ گے۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ۝ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۝

معجزے کی قدر نہ کی، مارے گئے

اتنا عجیب معجزہ دیکھ لینے کے باوجود قوم کے لوگوں نے نہ تو حضرت صالح کو رسول مانا اور نہ ہی اس اونٹنی کے حقوق ادا کیے بلکہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، بعد میں انہیں پشیمانی تو ضرور ہوئی لیکن ایسی پشیمانی کس کام کی جو توبہ اور ایمان سے خالی ہو۔ اس ظلم کے نتیجے میں اللہ کے عذاب کے حق دار ٹھہرے، فرشتے کی زبردست چنگھاڑ سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور سب نیست و نابود کر دیے گئے۔

اہلِ مکہ کو تنبیہ

قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی عطا کردہ اونٹنی کو نقصان پہنچایا تو ان کا حشر یہ ہوا، خود سوچو کہ جو شخص اللہ کے

رسول کے ساتھ گستاخی کرے، ان کا مذاق اڑائے تو اس کا انجام کیا ہوگا! اگر کوئی مساجد کی توہین کرے، بیت اللہ کی توہین کرے، حرمین کی توہین کرے تو ان کا کیا حال ہوگا! اس لیے اس واقعے سے عبرت حاصل کرو، یہ قصے عبرت ہی کے لیے سنائے جاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

''قومِ لوط'' بھی تکذیب کی روِش سے باز نہ آئی

قومِ لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، جب لوط علیہ السلام کی دعوتِ حق کی تکذیب کی تو گویا سارے رسولوں کی تکذیب پائی گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے وہی سب کچھ کہا جو دوسرے انبیاء نے اپنی اپنی قوموں سے کہا تھا، حق کی طرف دعوت دی اور اپنے خیر خواہ ہونے کی وضاحت فرمائی۔ سارے انبیاء کی ایک جیسی تقریر اللہ نے قرآن میں نقل کی ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝

ہم جنس پرستی (Homosexuality) خدائی قہر کا ذریعہ ہے

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ تم کیسی انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کرتے ہو! اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر ہم جنس پرستی کے مرتکب ہوتے ہو! ایسی خلافِ فطرت، نیچ اور گھٹیا حرکت تو تمہارے سوا دُنیا میں کسی انسان نے نہیں کی۔

آج کل ''Gay'' اور ''Lesbian'' ہونا فخر سمجھا جاتا ہے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس فعلِ بد کی وجہ سے اللہ پاک نے پوری قوم کو دردناک عذاب سے دوچار کیا، وہی فعل آج کی مہذب دُنیا میں قانونی قرار دیا جا رہا ہے۔ مرد بھی ہم جنس پرست ہیں اور خواتین بھی اسی لعنت میں مبتلا ہیں۔ بہت سے مردوں کی مردوں سے اور بہت سی خواتین کی خواتین سے نہ صرف شادی ہو رہی ہے بلکہ اپنے اس فعل کو فخریہ انداز میں بیان بھی کیا جا رہا ہے۔ جمہوریت کی آڑ میں خدا کی لعنت کا مستحق ہونا کہاں کی عقل مندی ہے! خدائی تعلیمات و تنبیہات کے باوجود بے حیائی اور فحاشی کو قانونی جواز فراہم کر کے خدائے بزرگ و برتر سے جنگ مول لینا کہاں کی سمجھ داری ہے؟ العیاذ باللہ العظیم!

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝

حضرت لُوط علیہ السلام کو جلاوطن کرنے کی دھمکی دی گئی

پیغمبرانہ دعوت کے جواب میں قوم سرکشی پر اُتر آئی اور اپنے پیغمبر کو دھمکی دی کہ اگر ہمارے افعال پر تنقید کرنے سے باز نہ آئے تو بستی سے نکال دیے جاؤ گے، تمہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔ یہاں رہنا ہے تو اپنے ہونٹ سی کر رہو۔

قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝

پیغمبرانہ جواب: مَیں بھی تمہارے اِن افعال سے سخت متنفر ہوں!

حضرت لوطؑ نے جواب دیا کہ خاموش تو وہ رہے جسے کوئی خوف ہو یا جو تمہاری ان حرکتوں کو درست سمجھتا ہو۔ مجھے نہ تو تمہاری دھمکیوں کی پروا ہے اور نہ میں تمہاری گندی حرکتوں کو شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً درست سمجھتا ہوں، اس لیے میں حق کی طرف دعوت دیتا ہی رہوں گا۔ تمہاری دھمکیوں سے حق چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾

تباہی ایسی قوم کا مقدر بنتی ہے

اس قدر سمجھانے کے باوجود قوم جب بدکاری اور بدبختی سے باز نہ آئی، تو حضرت لوطؑ نے دُعا کی کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے اعمال (کے متوقع وبال) سے نجات عطا فرما! بس پھر اللہ کا عذاب آیا، آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی گئی، اس عذاب سے صرف وہی لوگ بچے جنہوں نے کلمہ پڑھا، باقی سب ہلاک کر دیے گئے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی بھی اس عذاب سے نہ بچ سکی، کیونکہ اس نے کلمہ نہیں پڑھا تھا اور وہ اپنی قوم کے فعلِ بد کو غلط نہیں سمجھتی تھی۔

یہ قصہ بھی اہلِ مکہ کی عبرت کے لیے سنایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے باز آجائیں۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔـيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت الی الحق

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم "اصحاب الایکہ" تھی۔ "ایکہ" درختوں کے جھنڈ اور جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ جہاں یہ قوم آباد تھی، اس جگہ کے اردگرد جنگل تھے، اس لیے اس قوم کو "اصحاب الایکہ" یعنی "جنگل والے" کہا جاتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو دیگر انبیاء دیتے آئے ہیں۔ سب پیغمبروں کی دعوت ایک ہی ہوتی ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾

اس قوم کی بڑی خامی "ناپ تول میں گڑبڑ اور ڈکیتیاں" تھیں

حضرت شعیبؑ کی قوم، ایک تاجر قوم تھی۔ راہِ حق پر نہ ہونے کے علاوہ ان میں یہ بیماری بھی تھی کہ جب کسی سے کوئی

چیز ناپ تول کر لینی ہوتی تو خوب حساب کر کے سودا لیتے تا کہ مکمل حق وصول کیا جا سکے۔ ہمارا حق رہ نہ جائے۔ لیکن جب کسی کو ناپ تول کر چیز دینی ہوتی تو ناپنے تولنے میں ڈنڈی مار جاتے۔ ان میں دوسری خامی یہ تھی کہ یہ "ڈکیت" تھے، چوری ڈکیتی کرتے رہتے تھے۔ عموماً سرمایہ دار خائن اور غریب لوگ، چور ڈکیت ہوتے تھے۔

ہمارے بعض تاجروں میں بھی یہ خامی موجود ہے

آج کل ہمارے بعض دُکان دار اور تاجر بھی اسی عادتِ بد کا شکار ہیں۔ ان لوگوں نے یا تو تولنے والے باٹ کو کھوکھلا کیا ہوا ہوتا ہے یا پھر کانٹے کے وزن والے پلڑے کے نیچے شاپر میں بجے اور اینٹ کے ٹکڑے باندھ رکھے ہوتے ہیں تا کہ کچھ نہ کچھ چیز بچائی جا سکے یا پھر سودا تولتے ہوئے اتنے زور سے سامان کو پلڑے میں پھینکتے ہیں کہ پلڑا وزن سے جھک جائے، بس فوراً ہی وہ چیز اُٹھا کر گاہک کو دے دی جاتی ہے۔ یہ دونوں خامیاں ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ اللہ پاک ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

بہرکیف! حضرت شعیبؑ نے انہیں سمجھایا کہ: کم نہ ناپا کرو، کم نہ تولا کرو، سیدھا سیدھا اور پورا پورا وزن کیا کرو، چوریاں ڈکیتیاں نہ کیا کرو، اپنے پیدا کرنے والے رب سے ڈرو اور راہِ راست پر آ جاؤ!

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی

اس قوم نے بھی اپنی پیش رو قوموں کی طرح اپنے پیغمبر حضرت شعیبؑ کی تکذیب کی، انہیں جادو کا شکار سمجھا اور ان کی حق باتوں کو جادو کا اثر سمجھا۔ کہنے لگے کہ اگر اپنے نبوّت کے دعوے میں سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو تا کہ ہمیں تمہاری سچائی کا یقین آ جائے۔ انبیاء سے کیسے کیسے بے ہودہ مطالبے کیے گئے۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

اس قوم کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا

غرض حضرت شعیب علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود جب قوم اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئی تو اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئی۔ اللہ پاک کے حکم سے ان کے علاقے میں ایسی سخت گرمی پڑی کہ نہ کمرے کے اندر چین آتا تھا اور نہ ہی باہر سکون ملتا تھا، جب قوم گرمی سے بلبلانے لگی تو اللہ پاک کے حکم سے ان کے قریبی جنگل میں ایسا بادل نمودار ہوا جیسے ابھی بارش برسانے والا ہو، اس کے نیچے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے محسوس ہوتے تھے۔ ساری قوم دوڑ کر جب اس

بادل کے نیچے جمع ہوگئی تو اس بادل سے پانی کی بجائے انگارے برسائے گئے جس کے نتیجے میں ساری نافرمان قوم جل کر راکھ بن گئی۔ العیاذ باللہ العظیم!

پانچ معروف اور معذب قومیں

میں بار بار ذکر کر چکا ہوں کہ پانچ معذب قوموں (قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب) کا اللہ نے قرآن میں بار بار ذکر کیا ہے، یہ قومیں سیمپل (Sample) ہیں، ایگزمپل (Example) ہیں، قومیں تو اور بھی بہت سی ہلاک ہوئی ہیں، لیکن یہ پانچ قومیں چونکہ جزیرۃ العرب میں یا اس کے قریب رہتی تھیں اور عرب والوں کے لیے انہیں پہچاننا آسان تھا، ان کے آثار اور کھنڈرات نزدیک تھے، اس لیے قرآنِ پاک میں انہی کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ورنہ نبی تو ہر قوم میں آئے، کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں بھی انبیاء آئے ہیں لیکن چونکہ ہم ان کی تاریخ نہیں جانتے اور نہ ہی کسی نص میں ان کا تذکرہ ہے، اس لیے ان کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

ان قوموں کا مسکن کہاں تھا؟

ان پانچ بڑی قوموں میں سے چار قومیں تو جزیرۃ العرب میں آباد تھیں جب کہ پانچویں قوم (قومِ نوح) اس جزیرے سے ذرا باہر آباد تھی۔

قومِ عاد کا مسکن: اس قوم کا مسکن "ملکِ شام" تھا۔ پتھریلے علاقوں میں یہ قوم آباد تھی۔

قومِ ثمود کا مسکن: یہ قوم "یمن" کے قریب معروف صحراء "الربع الخالی" میں آباد تھی۔ اس قوم کا مسکن ریتیلے ٹیلے تھے، ہر طرف ریت ہی ریت تھی۔ اسی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا: "**وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ**" اور عربی میں "احقاف" ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

قومِ لوط کا علاقہ: یہ بدبخت قوم موجودہ "اُردن" کے سرحدی علاقے میں "بحرِ میت" (Dead Sea) کے کنارے آباد تھی، ان کی بستیوں کا نام "سدوم" اور "عمورہ" تھا۔

قومِ شعیب کا وطن: یہ قوم "خلیجِ عقبہ" کے دائیں کنارے، مشرق میں واقع "مدین" نامی شہر میں آباد تھی، یہ لوگ عربی النسل تھے۔ موجودہ سیاسی نقشے میں اگر غور کیا جائے تو اس کے مطابق یہ، موجودہ سعوی عرب کا جنوب مغربی سرحدی علاقہ بنتا ہے۔ (اَز مرتب عفا اللہ عنہ)

تاہم "وکی پیڈیا" میں درج تفصیل کے مطابق بعض محققین اسے "اُردن" کا حصہ جب کہ دوسرے بعض اسے "سعودی عرب" کا سرحدی علاقہ قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ اُردن اور سعودی عرب کی سرحد یہاں متصل ہے، اس لیے ایسا گمان ہونا غیر فطری نہیں) واللہ اعلم بالصواب!

قومِ نوح کا مسکن: اس قوم کا تعلق "وادیٔ دجلہ و فرات" سے ہے۔ ترکی، ایران اور آرمینیا کی سرحد پر ایک پہاڑی

سلسلہ ہے جس میں ایک پہاڑ ہے جسے عربی میں "جودی" اور اُردو میں "ارارط" کہتے ہیں، یہ بدنصیب قوم اسی پہاڑ کے قریب آباد تھی۔ (تفصیل کے لیے مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب دامت برکاتہم کی کتاب "کتاب الجغرافیہ" صفحہ ۲۹۳ سے ۲۹۵ تک ملاحظہ فرمایئے)۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

قرآن اپنا تعارف خود کراتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قرآن کا تعارف کرایا ہے۔ ہم اس تعارف کو سمجھانے کے لیے سوالاً جواباً نقل کر رہے ہیں۔ سوال خود ہماری طرف سے قائم کیے گئے ہیں جن کا جواب ترتیب سے قرآنی آیات میں موجود ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اے قرآن! تمہارا تعارف کیا ہے! کہاں سے آئے ہو؟ جواب ملتا ہے: "لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پوچھتے ہیں کہ قرآن! تجھے کون لے کر آیا؟ جواب آتا ہے: "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ" اے قرآن! تُو کس پہ نازل ہوا؟ جواب دیا: "عَلٰى قَلْبِكَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پہ اُترا۔ قرآن! تو کیوں اُترا؟ کہا: "لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ" اس لیے اُتارا گیا تا کہ آپ اس قرآن کے ذریعے ساری دُنیا کو اللہ سے ڈرادیں۔

سوال ہوا کہ اے قرآن! تُو کس زبان میں آیا؟ جواب ملا "بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ" یہ فصیح عربی زبان میں آیا۔ اے قرآن! تیرے مضامین کون سے ہیں؟ فرمایا: "وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ" قرآن کے بعض مضامین تو پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ اے قرآن! تیری صداقت کا گواہ کون ہے؟ جواب ملتا ہے: "اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾" کیا اس قرآن کی صداقت کے لیے اتنی دلیل کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء اسے خوب جانتے ہیں!

اسلام لانے والے علمائے بنی اسرائیل تو برسرِ اعلان اس کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں، عبداللہ بن سلام جیسے، اسد اور اُسید جیسے، عدی بن حاتم جیسے، اسی طرح یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے انصاف پسند لوگ، نجاشی جیسے لوگ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے۔ جو لوگ اسلام نہیں لائے وہ بھی خاص خاص لوگوں کے سامنے اقرار کرتے رہتے ہیں کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے لیکن اس کے باوجود ضد اور عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

یہ لوگ کسی صورت ایمان لانے والے نہیں ہیں

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ قرآن کسی عجمی شخص پر نازل کرتا اور وہ عجمی، عربی سے قطعاً نابلد ہونے کے باوجود لوگوں کو عربی میں قرآن سناتا (جو واقعی ایک معجزہ ہی ہوتا) تو تب بھی یہ بدبخت ایمان لانے والے نہیں تھے۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِىْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝

ان کے دِلوں میں کُفر رچ بس گیا ہے

فرمایا کہ ان کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ جب تک یہ خدائی عذاب کواپنی آنکھوں سے آتا نہ دیکھ لیں، تب تک قرآن پرایمان لانے والے نہیں ہیں۔ عذاب کے وقت اگر یہ ایمان لائیں یامہلت مانگیں بھی تواس وقت یہ سب امور بے کار ہوں گے۔ اوراگر کچھ مہلت مل بھی جائے توکس کام کی! طےشدہ عذاب توان کا مقدر ہی ہے۔ اس خدائی عذاب سے اُنہیں کوئی چیز نہیں بچاسکتی۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

اِتمامِ حُجت کے بغیر کسی قوم پر گرفت نہیں کی گئی

فرمایا کہ ہم نے جس قوم پر بھی گرفت کی، ابتداء میں ہم نے اُن کے پاس اپنے پیغمبر بھیجے، اُنہوں نے راہِ حق کی طرف بلایا، اِتمامِ حجت ہوئی، ڈرایا گیا، مہلتیں اورڈھیل دی گئی، اس کے بعد جا کر گرفت ہوئی ہے۔

اے اہلِ مکہ! یہ اتمامِ حجت توتمہارے حق میں بھی پایا جارہا ہے! پیغمبر موجود ہیں، راہِ راست کی طرف تمہیں صبح شام بلاتے ہیں، نافرمانی کی صورت میں اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اِتمامِ حجت کے لیے اورکیا چاہیے! ہم اپنی گرفت میں نہ صورتاً ظالم ہیں اور نہ معناً وحقیقتاً۔ قومیں خوداپنے کرتوتوں کی وجہ سے ماری جاتی ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝

شیطانوں اورکاہنوں کا یہ (قرآن) کلام ہوہی نہیں سکتا

بعض کُفّارِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کونعوذ باللہ کاہن اورقرآنِ پاک کوشیاطین کی طرف سے القاء کردہ کلام کہتے تھے، ان آیات میں اس کی تردید فرمائی گئی کہ یہ دووجہ سے شیطان کا کلام نہیں ہوسکتا:

وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝

۱۔ یہ کلام، شیطان کے مقاصد کے خلاف ہے

کیونکہ شیطان کا مقصد تولوگوں کوگمراہ کرنا ہے، شیطان سراسر گمراہی ہے جب کہ یہ کلام توسراسر ہدایت کا مجموعہ ہے۔ یہ قرآن توشیطان کے مفادات کے برعکس ہے توشیطان یہ کلام کیسے نازل کرسکتا ہے! نہ تواُسے ایسے مضامین کی آمد ہوسکتی ہے اورنہ یہ مضامین اس کی غرض کوپورا کرنے والے ہیں۔

۲۔ شیطان ایسے کلام پر قادر ہی نہیں ہے

شیاطین اور جنات کو آسمانی وحی سننے سے روک دیا گیا ہے، اس لیے وہ نہ تو ایسا کلام سن سکتا ہے اور نہ ایسا کلام کسی پر نازل کرسکتا ہے۔

انہی دونوں باتوں کو "وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَؕ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَؕ" میں بیان فرمایا گیا ہے۔

فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَۚ

اگر پیغمبر بھی شرک کرے گا تو پکڑا جائے گا

اللہ پاک نے شرک کی شناعت بتانے اور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے محمد! شرک کبھی نہ کرنا! اگر آپ نے بھی شرک کیا تو پکڑ ہوگی! بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر بالفرض پیغمبرِ خدا سے بھی شرک سرزد ہوجائے (حالانکہ اس کا تصور ہی ممکن نہیں) تو پیغمبر کو بھی معافی نہیں تو اور لوگوں کی تو حیثیت ہی کیا ہے! اس لیے شرک سے دور رہو۔ اللہ پاک، ہر گناہ معاف کرسکتے ہیں لیکن شرک کے گناہ کو ہرگز معاف نہیں کرنے والے۔

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَۙ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَۚ فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَۚ وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِۙ الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُۙ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ‏ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ

"دعوت" کو خاندان سے شروع کرنے کی حکمت

اس آیت میں دین کی تبلیغ سب سے پہلے اپنے خاندان سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ خاندان کے لوگ اس بات کے پہلے حق دار ہیں کہ ہر خیر کے کام کی ابتداء انہی سے کی جائے، نیز قریبی واقفیت کی وجہ سے بات سمجھنا سمجھانا آسان ہوتا ہے، قریبی جان پہچان کی وجہ سے خاندان میں جھوٹا بندہ کھپ نہیں سکتا، سب سے پہلے خاندان ہی اس شخص کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھولتا ہے، نیز جب قریبی رشتہ دار کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو وہ تحریک بہت جلد پھیلتی اور کافی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ملخصا: ۶/ ۵۵۳)

اس کے بعد فرمایا کہ ایمان لانے والوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرمایئے اور نافرمانوں سے صاف براءت کا اعلان کیجیے۔ ان کی تکالیف اور ایذاؤں سے پریشان نہ ہوں، ہر فعل وقول ہمارے سامنے ہے۔ ہم ہی انہیں اس کی سزا چکھائیں گے۔

هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُؕ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍۙ يُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَاَكۡثَرُهُمۡ كٰذِبُوۡنَؕ

شیطانی چیلوں کے اوصاف سنو اور اُن پر "محمد" کو پرکھ کر دیکھو!

ان آیات میں اللہ پاک نے فرمایا "هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ" آؤ میں تمہیں بتاؤں شیاطین کس

کے پاس آتے جاتے ہیں؟ "تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ" ہر بہتان تراش، جھوٹے اور گناہ گار پر شیطان آتے ہیں، شیطان کے ساتھ ان لوگوں کی دوستی ہوتی ہے، شیطان کا ان کے پاس آنا جانا ہے، استاد اور شاگرد میں مناسبت ہونا چونکہ ضروری ہے، اس لیے شیطان کا شاگرد بھی وہی ہوگا جو اپنے استاد کی طرح جھوٹا اور گناہ گار ہوگا، نیز اپنے استاد کی باتیں بڑی توجہ سے سنے گا اور استاد کی طرف سے سنائی گئی نامکمل اور جھوٹی خبروں کو خود سے لیپاپوتی کر کے مکمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان خود بھی جھوٹا اور گناہ گار ہے اور اس کے شاگرد بھی اُسی روش پر چلنے والے اور دروغ گو ہوتے ہیں۔ اب میرے محمد کو دیکھ کر بتاؤ کہ کیا ایسی پاکباز اور شیطان سے بغض رکھنے والی متقی شخصیت کا شیطان سے دُور دور کا بھی کوئی تعلق ہوسکتا ہے! پھر میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر "کاہن" ہونے کا اعتراض کیوں کر ہوسکتا ہے!

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝

شعر کی تعریف

لغت اور اہلِ منطق کی اصطلاح میں ہر خیالی اور غیر تحقیقی مضامین پر مشتمل کلام کو "شعر" کہا جاتا ہے جس کے لیے مسجع، مقفّٰی اور وزن دار ہونا ضروری نہیں۔ جب کہ شعراء کی اصطلاح میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے کا مطلب

اہلِ مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "شعراء" کی اصطلاح میں شاعر نہیں کہتے تھے کیونکہ وہ شعر کے طرز و طریق سے خوب واقف تھے اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد کا لایا ہوا یہ کلام، اشعار کا مجموعہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ کفارِ مکہ آپ کو اس لحاظ سے شاعر کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اُن کے گمان میں خیالی مضامین (قبر، حشر، معاد، جنت، جہنم وغیرہ) پر مشتمل ہوتا ہے۔

عام شعراء کی حقیقت اور اہم اوصاف

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں شعراء کے تین اوصاف بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہونے کی تردید فرمائی ہے کہ ان لغو اوصاف سے میرا محمد بھی بری ہے اور اس کا عالی کلام بھی ان سے خالی ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝

پہلا وصف: خیالی مضامین کہنا تو گمراہ لوگوں کا طریقہ ہے

فرمایا کہ وزن دار اور مقفّٰی (لیکن بے ہودہ، بے مقصد اور خدا بیزار) شاعری کرنے والے شُعراء کے متبعین تو گمراہ لوگ ہوتے ہی ہیں، خود ایسا خیالی شاعر بھی راہِ حق سے دور بھٹکتا پھرتا ہے۔ (بامقصد شاعری مذموم نہیں ہے لیکن اس میں بھی اس قدر انہماک کہ حقوق اللہ و حقوق العباد ضائع ہونے لگیں تو اس سے بھی روک دیا جائے گا)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝

دوسرا وصف: ان کا کلام ہوائی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے

فرمایا کہ ان کے شعروں کو تو ذرا سنو! خیالی مضامین میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہوتے ہیں "اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝" ہر خیالی وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہوتے ہیں، جس کی تعریف کرنے پہ آئے تو زمین و آسمان ایک کر دیا، اور جس کی مذمت کرنے پہ آئے تو اس کو انسانیت کے دائرے سے ہی نکال دیا۔

ہمارے طلبہ نے "دیوانِ متنبی" پڑھی ہے، متنبی جب کافر بادشاہ کی تعریف کرنے پر آتا ہے تو زمین آسمان ایک کر دیتا ہے اور جب اس کی مذمت کرتا ہے تو ایسی ایسی خامیاں نکالتا ہے کہ الامان والحفیظ..... توبہ توبہ!

لقد علمت قبل الخصی بأن الرؤوس مقر النهی

فلما اتهیدنا الی عقله وجدنا النهی کلها فی الخصی

وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۝

تیسرا وصف: ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے

فرمایا کہ شاعر لوگ اپنے اشعار میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جنہیں وہ خود کرتے نہیں ہیں، صرف بلند و بانگ دعوے ہی ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ یہ شعری مضامین عموماً خیالی اور غیر تحقیقی ہوتے ہیں جب کہ قرآنی مضامین سب کے سب تحقیقی اور غیر خیالی ہیں۔ لہٰذا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنا جنونیت تو ہو سکتی ہے، عقل مندی نہیں کہلائی جا سکتی۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝

بامقصد، تعمیری اور دینی نظم گوئی اس مذمت میں شامل نہیں

گزشتہ آیات میں چونکہ شاعروں کی مذمت بیان کی گئی ہے تو جو صحابہ کرام شاعر تھے جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ، یہ حضرات بڑے پریشان ہوئے کہ شاید قرآنِ پاک میں ہماری مذمت ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! یہ تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اہلِ ایمان نہیں ہیں، تم لوگ "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" والے استثناء میں داخل ہو۔

فرمایا کہ جو شاعر ایمان لائے اور اچھے اچھے عمل کیے، ان کے اشعار میں بے ہودگی نہیں، وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں (یعنی اپنے اشعار کو دینی خدمت اور اشاعت کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک طرح سے ذکر اللہ ہی

ہے) (اور اگر ان کے اشعار میں کوئی نامناسب مضمون یا سخت جملے اگر آئے بھی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مظلوم تھے، ان کی عزت و آبرو اور دینی شعائر پر حملہ کیا گیا جس کی وجہ سے وہ سخت زُبان سے جواب دینے پر مجبور ہوئے، وہ صرف بدلہ اور انتقام لینے کے لیے زُبان سخت رکھتے ہیں، یہ لوگ ان مذموم شعراء میں شامل نہیں ہیں)۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۝

جو شخص اب بھی (تکذیب اور اِلزام تراشیوں سے) باز نہ آئے، اس کا ٹھکانا جہنّم ہے

فرمایا کہ ہم نے اپنے پیغمبر پر لگنے والا ہر الزام، انتہائی معقول طریقے سے صاف کیا ہے، ہر ہر اِلزام کی حقیقت واضح کی ہے لیکن اس کے باوجود جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان نہیں لائے گا اور حقوق اللہ، حقوق الرسول یا حقوق العباد میں غفلت اور ظلم کا مرتکب ہوگا تو عنقریب اُسے اپنا ٹھکانہ (جہنّم) معلوم ہو جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔اس سورة کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی اور کُفّار کے بارے میں زیادہ پریشان ہونے سے منع فرمایا گیا کہ آپ بس بے فکری سے اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے رہیے، ہدایت دینا یا نہ دینا محض ہماری عطا ہے۔

۲۔اہلِ مکہ کی عبرت کے لیے تقریباً سات انبیائے کرام (حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب) علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوموں کے قصے بیان فرمائے گئے اور ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا کہ ان قوموں میں خرابیاں کیا کیا تھیں اور کس وجہ سے یہ قومیں تباہ ہوئی ہیں! لہٰذا ان قصص سے عبرت حاصل کرو اور اپنے نبی کی تکذیب سے باز آجاؤ! ورنہ تم بھی انہی کی طرح نشانِ عبرت بنا دیے جاؤ گے۔

۳۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زُبانی اللہ پاک نے اپنا عظیم الشان تعارف کرایا ہے اور بتوں کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی ہے کہ عقل مند کے لیے حقیقی رب اور خود ساختہ معبودوں کے درمیان واضح فرق سامنے آجاتا ہے۔

۴۔قرآنِ پاک کا تفصیلی تعارف کرایا گیا اور ساتھ میں کاہنوں اور شاعروں کے اوصاف بتا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن یا شاعر سمجھنے کی صریح تردید فرمائی گئی کہ شعراء اور کاہنوں کا کوئی وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پایا جاتا۔

۵۔ایسی شعروشاعری کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے جو محض خیالی، جھوٹ، لغو اور بے ہودہ مضامین پر مشتمل ہو یا جس کا مقصد اطاعتِ باری سے دور کرنا، خدا اور آخرت سے غافل کرنا اور لوگوں کی بے جا مذمت یا بے جا تعریف ہو، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برعکس ایسی شاعری جو مندرجہ بالا معاصی سے پاک ہو اور اس کا مقصد وعظ ونصیحت اور دینی شعائر کی تعریف یا ان کا دفاع ہو تو اچھے اور عمدہ مضامین پر مشتمل ایسی شاعری مرغوب ومحمود ہے اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ نیت کے مطابق اجر بھی ملے گا۔ اِن شاءاللہ! تاہم یہ شاعری بھی تب تک محمود ہے جب تک اس میں بے جا اشتغال نہ ہو (کہ حقوق ضائع ہونے لگ جائیں) ورنہ اسے بھی اعتدال میں لانا ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم!

۶-اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ قرآنی مضامین اور شاعرانہ مضامین میں زمین وآسمان کا فرق ہے:
کیونکہ قرآن منزل من اللہ اور حق مضامین پر مشتمل ہے۔قرآن کی دعوت، اس کے مضامین، اس میں موجود واقعات وامثال سب کے سب حق ہیں، جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔اس کا معجز طرزِ کلام ہی اس کی حقانیت بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔

جب کہ شاعرانہ کلام میں عموماً لغویات، بے ہودگی، فحش مضامین، فرضی قصے، فضول مدح وذم اور نہ جانے کیا کیا لغویات شامل ہوتی ہیں، اس لیے قرآنِ پاک کو شعروشاعری کے مضامین سے تعبیر کرنا ظلم اور کم عقلی کی انتہا ہے۔

ایسے ظالم لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی بنے گا۔

تمت سورۃ الشعراء بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ النَّمْلِ

سورت کا تعارف

یہ سورت ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ قرآنی ترتیب میں ستائیسویں (۲۷) نمبر پر ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے اڑتالیسویں (۴۸) نمبر پر ہے، اس سورت میں سات رُکوع اور ترانوے (۹۳) آیات ہیں۔

نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کے دو نام بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ النمل: ''نمل'' کا معنی ہوتا ہے ''چیونٹی'' اس سورت میں چیونٹی کے قصے کے علاوہ بھی دیگر بہت دلچسپ قصص ہیں۔ چیونٹی اللہ کی ایک چھوٹی سی لیکن بڑی منظم مخلوق ہے۔ چونکہ اس سورت میں ''چیونٹی'' اور اس کی ذہانت کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اسی لیے سورۃ کا نام ''سورۃ نمل'' رکھا گیا۔

۲۔ سلیمان: اس سورت کا ایک نام سورۃ ''سلیمان'' بھی ہے، کیونکہ اس میں بطورِ خاص حضرت سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا اس قدر تفصیلی قصہ کسی اور سورت میں بیان نہیں فرمایا گیا۔ (اَتدبرالقرآن: ص ۱۳۱)

ماقبل سے ربط

سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ اور توحید وغیرہ کے مضامین میں باہم مربوط ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''تہذیب وتمدّن کی سربلندی کا بیان'' ہے۔ حضرت سلیمانؑ، ملکۂ سبا اور دیگر قوموں کی تہذیب وتمدن کو اس سورت میں اُجاگر کیا گیا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ''عمدہ تہذیب'' کے چند مخصوص عناصر بیان فرمائے ہیں:

۱۔ نعمتوں کا شکر: اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، اُن نعمتوں کو خیر کے کاموں میں

استعمال کرو۔ حضرت سلیمانؑ نے اللہ کی عطا کردہ عظیم الشان نعمتوں کو "خیر" ہی کے کاموں میں استعمال فرمایا تھا۔ چیونٹی کی بات سن کر سلیمان علیہ السلام نے عطا شدہ نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کیا تھا۔

۲۔ علم اور اہل علم کی برتری اور فضیلت کا ذکر ہے۔

۳۔ اس سورت میں عسکری قوت کا ذکر ہے۔

۴۔ ایمان باللہ: اس سورت میں اللہ نے بتایا کہ ایمان ہر ہر فرد کے لیے ہدف ہے، ہر فرد کو ایمان لانا چاہیے، حتّٰی کہ پرندے بھی ایمان لاتے ہیں، "ہدہد" کے ایمان کا تذکرہ اس سورت میں موجود ہے۔

۵۔ نیز اس سورت میں اللہ پاک کی قُدرتِ کاملہ کو بھی خوب واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ان ساری تہذیبوں اور تمدنی عروج کے پیچھے اللہ پاک کی عظیم الشان "قُدرت" کارفرما ہے، لہٰذا اسباب پر بھروسہ کی بجائے مسبّب الاسباب پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت کرنا ہی اصل کامرانی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

طٰسٓ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍۙ۝ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَۙ۝

"طٰسٓ" یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے (آغاز سورۂ بقرہ اور آلِ عمران)۔ "تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِیْنٍۙ۝" یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیات ہیں، انہیں غور اور توجہ سے سنو! یہ واضح کر کر کے ہر بات بتا رہی ہیں۔ "هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَۙ۝" ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔

الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ۝

مومنین کی جامع صفات: عقائد کی درستگی کے ساتھ ساتھ عباداتِ بدنیہ و مالیہ کا اہتمام

ایمان والے وہ ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں (بدنی عبادات میں سے بڑی عبادت ہے) اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں (جو مالی عبادات میں سے سب سے بڑی عبادت ہے) اس کے ساتھ ساتھ وہ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (گویا وہ عقیدے کے لحاظ سے بھی ہدایت یافتہ ہیں)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَؕ۝ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۝

آخرت کے منکر سزا سے نہیں بچ سکیں گے

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو لوگ آخرت کے انکاری ہیں، ہم نے ان کی بدعملیوں کو اُن کی اپنی نظروں میں ایسا خوبصورت اور عمدہ بنا دیا ہے کہ وہ انہی کو درست سمجھے ہوئے ہیں اور نیک اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں سزا اور عذاب کے مستحق ہیں۔ انہیں نجات ملنے والی نہیں۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

''قرآن'' عالی شان ربّ کا عالی شان کلام ہے

فرمایا میرے حبیب! آپ کو قرآن اُس اللہ کی طرف سے ملا ہے جو بہت حکمتوں والے ہیں، بہت علم والے ہیں، معنی یہ ہوا کہ حکیم ذات کی طرف سے ملنے والے قرآن میں بہت حکمتیں ہیں، علیم ذات کی طرف سے ملا ہے تو اس کلام میں بہت علم ہے، قرآن حکمت کی کتاب ہے، علم کی کتاب ہے، اب وہ حکمتیں اور علم کیا ہیں؟؟ فرمایا کہ اس کے کچھ نمونے ہم آپ کو دکھاتے ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے ضمن میں بیان ہوں گے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾
فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا
اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت ملنے کا واقعہ

اس سورت میں سب سے پہلا نمونہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان فرمایا: ''اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا'' حضرت موسیٰؑ، مدین سے واپس مصر آرہے تھے، راستے میں تھے، لمبا سفر تھا، پیدل سفر تھا، اس زمانے کے سفر تو اسی طرح ہی ہوتے تھے، جنگل بیابان میں سے گزر رہے تھے کہ آپ مصر جانے کا رستہ بھول گئے۔ سردی کا زمانہ تھا، ٹھنڈ بھی خوب لگ رہی تھی۔ آپ نے ایسے وقت میں ایک جگہ آگ کا الاؤ جلتا دیکھا تو اپنے گھر والوں (اہلیہ محترمہ) سے کہا کہ میں نے آگ جلتی دیکھی ہے، شاید کسی مسافر نے جلا رکھی ہوگی، میں وہاں سے راستے کے بارے میں معلومات لے لوں گا یا کم سے کم کچھ آگ سلگا کر لے آؤں گا تاکہ آپ بھی اِس سخت سردی میں آگ سینک کر حرارت حاصل کر سکیں۔

جب آپؑ قریب گئے تو وہ آگ نہیں تھی، درحقیقت اللہ کا نور تھا، آگ لینے کی کوشش کی تو آگ پیچھے ہٹ گئی اور آواز آئی کہ ''اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' جو اس آگ کے اندر ہیں (فرشتے) اُن پر بھی برکت اور جو اس آگ کے پاس ہے (حضرت موسیٰؑ) اس پر بھی برکت ہو۔ (اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں) ممکن ہے کسی کو شبہ ہو جاتا کہ اللہ کی ذات آگ کی شکل میں کیسے ظاہر ہوئی! وہ تو رنگ، مکان، زمان سے پاک ہے! تو اس کی وضاحت فرما دی کہ ''وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ'' کہ یہ نور بذاتِ خود خدا نہیں ہے! اللہ تو ہر جہت، رنگ و شکل سے پاک ہے۔

''يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' اے موسیٰ! میں اللہ بول رہا ہوں جو غالب ہے، حکمتوں والا ہے۔ اللہ نظر نہیں آئے لیکن بات کی، اب تمہیں ٹیلیفون نے سمجھا دیا کہ بندہ سامنے نہ ہو، نظر نہ آئے پھر بھی بات کر سکتا ہے، اس زمانے میں تو اس کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن قرآن نے بتایا اور آج کے حالات نے اس کی تائید کر دی۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ

الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

معجزات عطا ہوتے ہیں

پھر اللہ نے بتایا کہ یہ تمہارا عصا تمہارے لیے معجزہ ہے "وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ" اپنی لاٹھی نیچے ڈالو! حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی تو وہ عصا بحکم خداوندی سانپ بن گیا، حضرت موسیٰ اس سے ڈرے تو تسلی عنایت ہوئی کہ "يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝" ڈرو نہیں، یہ آپ کا معجزہ ہے، اور پیغمبری ملتے وقت جو چیز نبوت کی دلیل کے طور پر عطا کی جائے، اُس سے پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ لہٰذا مطمئن رہیے اور اگر قبطی کے قتلِ خطا کا واقعہ پریشان کر رہا ہو تو اس کی بھی تسلی رکھیں کہ معافی مانگنے اور اعمالِ صالحہ کرنے سے ایسے گناہوں کی معافی مل جایا کرتی ہے۔

اس کے بعد "یدِ بیضا" کا معجزہ عطا کیا، مجموعی طور پر حضرت موسیٰؑ کو نو معجزات عطا کیے، فرمایا کہ اب جاؤ فرعون کے پاس اور اُسے جا کر حق کی تلقین کرو۔

فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

فرعون کو "تکبر" لے ڈوبا

اتنے صریح معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون نہ مانا، حقیقت جاننے کے باوجود اس کا تکبر اُسے لے ڈوبا اور بالآخر غرق ہوا۔ (تفصیلی واقعہ پہلے کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

نعمتوں پر شکر ادا کرنا انبیائے کرام علیہ السلام کا شیوہ ہے

فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ" ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بھی علم دیا تھا، علومِ نبوت کے ساتھ ساتھ انہیں دیگر علوم اور مہارتیں بھی عطا فرمائی گئی تھیں۔ دین اور دنیا دونوں کا علم دیا گیا تھا، حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں لوہا موم بن جایا کرتا تھا، زرہ سازی کی صنعت انہی سے منسوب ہے، اسی طرح اللہ پاک نے حضرت سلیمانؑ کو بے نظیر شاہی عطا فرمائی تھی اور پرندوں کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت بھی دی تھی۔

"وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝" حضراتِ انبیائے کرام کی عادت یہی ہے کہ

جب انہیں علم ملتا ہے تو وہ اس پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے بھی یہی کیا اور اس فضیلت پر اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ ہمارے لیے بھی یہی تعلیم ہے کہ علم ملنے پر تکبر نہیں، بلکہ عاجزی اور شکر کرنا چاہیے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی ''وراثت'' مال نہیں، علم ہوتی ہے

''وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ'' داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمانؑ ان کے وارث بنے۔

یاد رکھو! نبیوں کی مال کی وراثت نہیں چلا کرتی، حضور کی متواتر حدیث ہے: ''إنا معشر الأنبياء لا نورث ما تركنا صدقة'' (کنز العمال: ۱۲/ ۴۸۸) ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہم نہ وارث بنتے ہیں اور نہ بناتے ہیں، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اسی لیے جو لوگ کہتے ہیں کہ بی بی فاطمہؓ کو باغ فدک نہیں دیا گیا، تو ان کے لیے عرض ہے کہ بی بی فاطمہؓ ضرور گئیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس لیکن ان کے سامنے یہ حدیث نہیں تھی، جب حضرت ابوبکر سمیت کئی صحابہ نے یہ حدیث سنادی تو بی بی فاطمہؓ راضی ہو کر واپس آگئیں۔ آخر حضور کی تربیت یافتہ تھیں، اپنے بابا کی حدیث پر وہ خوش نہیں ہوں گی تو کون خوش ہوگا؟ باقی سارے قصے کہانیاں لوگوں نے گھڑ لیں اور بی بی فاطمہ کا سہارا لے کر کتوں کی طرح حضرت ابوبکرؓ کو بھونکا، حضرت عمرؓ کو بھونکا۔ اگر یہ باغ واقعی وراثت ہوتا تو حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کیوں نہیں لیا! کوئی ایک روایت دکھادیں کہ اس باغ کو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ نے اپنے گھر والوں پر استعمال کیا ہو! اگر یہ باغ پیغمبر کی وراثت تھی تو صدیقِ اکبرؓ نے اپنی بیٹی عائشہؓ کا حصہ اس میراث سے کیوں نہ لیا! اگر پیغمبر کی بیٹی فاطمہؓ کو حصہ نہیں دیا تو اپنی بیٹی عائشہؓ کو بھی حصہ نہیں دیا، عمرؓ نے بھی اپنی بیٹی حفصہ کو اس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لہٰذا اپنے ایمان خراب نہ کرو، پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو دل و دماغ میں بٹھا لو کہ انبیاء کی مادی وراثت نہیں ہوا کرتی، اُن کی وراثت، علم کی وراثت ہوتی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقف باغ کے متولی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت علیؓ ہی چلے آرہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کا یہ منصب اسی طرح برقرار رکھا اور اس کی آمدنی کو بالکل اسی طرح اہلِ بیت پر ہو بہو خرچ کروایا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہوتی آرہی تھی۔

طبقاتِ ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدہ فاطمہؓ، حضرت ابوبکرؓ سے خوش تھیں، یہی وجہ ہے کہ بی بی فاطمہؓ کی ایامِ علالت میں ان کی خدمت کی سعادت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس کے حصہ میں آئی، حتیٰ کہ آخری وصیت بھی سیدہ نے حضرت اسماءؓ کو فرمائی تھی اور ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمہؓ کا جنازہ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھایا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

بہر کیف! یہ آیت بھی اسی بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں، علمی ہوتی

ہے، روایات میں آتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انیس (۱۹) بیٹے تھے، اگر انبیاء کی مادی وراثت ہوتی تو پھر یہ سب اولاد کا حق تھی، اس آیت میں صرف سلیمانؑ کی تخصیص کیوں کی گئی! معلوم ہوا کہ مادّی وراثت مراد ہی نہیں بلکہ علوم نبوّت کی وراثت مراد ہے۔ (معارف: ۶/۵۶۶)

وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات

حضرت سلیمانؑ اس بات پر شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا (ہدہد کی وجہ سے پرندوں کی تخصیص کی گئی، ورنہ حضرت سلیمانؑ کو تمام جاندار مخلوق کی بولیاں سکھائی گئیں تھیں، جیسا کہ چیونٹی کی گفتگو سننے اور سمجھنے کا ذکر موجود ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ جایا کرتے تھے کہ یہ گائے کیا کہہ رہی ہے، یہ بلبل کیا کہہ رہی ہے، مور وغیرہ سب مخلوقات کی باتیں بھی سمجھ جایا کرتے تھے، اللہ نے ان کو پرندوں کی بولیوں کا علم دیا تھا اور دنیا کے تمام ضروری مال واسباب دیے تھے، فرمایا یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا فقید المثال پروٹوکول

حضرت سلیمان علیہ السلام، انسانوں، جنات اور پرندوں کی جماعتیں بنایا کرتے تھے، ان کو نظم وضبط میں رکھا جاتا تھا، سب ان کے تابع فرمان اور فرمانبردار تھے، تو جب آپ چلتے تھے تو ایک لشکر ساتھ ہوتا تھا، تم یہ وزراء کا پروٹوکول دیکھتے ہو کہ بڑے وزراء کے ساتھ پندرہ بیس گاڑیاں ہوتی ہیں اور چھوٹے کے ساتھ ایک دو گاڑیاں بھلا یہ بھی کوئی پروٹوکول ہے! پروٹوکول تو سلیمان علیہ السلام کا ہوا کرتا تھا، اور وہ پروٹوکول کیسا ہوا کرتا تھا کہ آپ کے ساتھ ساتھ انسان بھی چلتے تھے، جنات بھی چلتے تھے، اوپر پرندے بھی سایہ فگن ہوتے تھے، تخت پر بیٹھتے تھے تو چار سو علماء کے لیے سونے کی کرسیاں ان کے تخت پر ہوتی تھیں۔ ہوا ان کے تابع تھی، جہاں چاہتے، ہوا انہیں ان کے تخت سمیت وہاں پہنچا دیتی تھی۔ ان کے لیے مہینوں کا سفر، گھنٹوں میں سمٹ گیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے محیر العقول واقعات

حضرت سلیمانؑ کے شیشے اور لکڑی سے بنے ایک ہزار محل تھے جہاں حضرتؑ کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں رہائش پذیر تھیں۔ ان کے لیے جنات نے سونے اور ریشم کے تین ضرب تین میل میں پھیلے قالین بنائے تھے، اس قالین کے درمیان میں حضرت سلیمانؑ کے لیے منبر رکھا جاتا تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا۔

آپ کے اردگرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کُرسیاں رکھی جاتی تھیں، سونے کی کرسیوں پر انبیائے وقت علیہم السلام، چاندی کی کُرسیوں پر علمائے کرام اور ان کے اردگرد عام لوگ اور جنات بیٹھتے تھے۔

اوپر سے پرندے اس طرح اس تخت پر سایہ کر لیتے کہ کسی پر دھوپ نہ آتی تھی۔ اس پورے قالین کو تمام کُرسیوں سمیت صبح کی ہوا اُٹھاتی اور ایک ماہ کی مسافت تک اُڑا کر لے جاتی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے حکم سے پورے قافلے کو تیز و تند ہوا اپنے دوش پر لے لیتی اور نرم ہوا اسے چلاتی رہتی، ہوائی سفر کے دوران بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، کوئی بھی بولتا، ہوا اس کے الفاظ آپ کے کانوں تک پہنچادیتی تھی۔

ایک مرتبہ آپ پرواز کر رہے تھے کہ ایک کاشتکار نے حسرت سے کہا: ''داؤدؑ کی آل کو ملکِ عظیم دیا گیا ہے''، ہوا نے یہ بات آپ کے کانوں تک پہنچادی، آپؑ نیچے اُترے اور کاشت کار سے فرمایا کہ ایسی چیز کی آرزو نہ کرو جو بس میں نہ ہو، پھر فرمایا: ''ایک بار مقبول سبحان اللہ کہنا آلِ داؤدؑ کے سارے ملک سے بہتر ہے۔''

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کا گزر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرۃ ہے۔ وہ خوش قسمت ہوگا، جو ان پر ایمان لائے گا، وہ بھی خوش قسمت ہوگا جو ان کی اتباع کرے گا اور وہ بھی خوش قسمت ہوگا جو ان کی فرمانبرداری کرے گا۔'' (تفسیر روح البیان ملخصا)

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے لاؤ لشکر سمیت چیونٹیوں کی وادی سے گزر

آپ ایک موقع پر اپنے مکمل پروٹوکول کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستے میں چیونٹیوں کی ایک بستی پر گزر رہوا۔

چیونٹی کی فطرت وذہانت

یہ چیونٹی اگرچہ چھوٹی سی مخلوق ہے لیکن اللہ کی ذہین ترین مخلوق ہے، اس کی زندگی میں بہت نظم وضبط ہے، یہ اپنے قاعدے اور قانون کی بہت پکی ہے، ہمیشہ لائن میں چلتی ہے، گرمیوں میں خوراک اکٹھا کرتی ہے، اور سردیوں میں اپنے بلوں میں رہ کر اُسی خوراک کے جمع شدہ ذخیرے کو استعمال کرتی ہے، جہاں بھی چلی جائے واپس اپنے بل میں ضرور آتی ہے، اس کا ایک مخصوص دائرہ عمل ہوتا ہے جہاں تک اس نے جانا ہوتا ہے، آگے چلی جائے تو وہاں کی مخلوق سے معذرت کر کے واپس آجاتی ہے، اور بعض ماہرین علم الحیوانات نے لکھا ہے کہ چیونٹیوں میں جھوٹ کی سزا موت ہے، اس پر کئی واقعات لکھے ہیں، اس کی قوت شامہ (سونگھنے کی حِس) بہت تیز ہے، مٹھائی جتنی چھپا کے رکھ دی جائے، مجال ہے جو اس سے بچ جائے۔ ذہین اتنی ہے کہ گندم کا دانا لے کر ایسے نہیں کھاتی، پہلے اس کے دو ٹکڑے اور پھر چار ٹکڑے کرتی ہے، کیونکہ دانہ جب کئی ٹکڑے

ہو جائے تو اُگ نہیں سکتا، تو اس کو بالکل بے کار کر کے پھر کھاتی ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اس دانے کو کاشت نہ کر دیں یا میری بِل میں ہی دانہ نہ اُگ جائے۔

ان میں بھی ملکہ ہوتی ہے، ان میں ڈسپلن ہوتا ہے، نظم وضبط ہوتا ہے، اور تم انسان اشرف المخلوقات ہو کر بھی بالکل بے نظم ہو، نہ کوئی لائن نہ کوئی قطار نہ کوئی باری کا انتظار، کافر تو پھر بھی یہ سب کرتے ہیں جبکہ تم مسلمان تو بالکل بے ڈھنگے لوگ ہو، تمہارے یہاں کوئی میرٹ اور شفافیت نہیں ہے، جبکہ اللہ کی اس چھوٹی سی مخلوق میں بھی میرٹ کا اعلیٰ نظام موجود ہے۔

چیونٹی کی اپنی قوم سے گفتگو

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر اُن کی بستی سے ہوا (ان کی پوری بستیاں ہوتی ہیں) تو ان کی جو ملکہ تھی، اُس نے کہا: "يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" او چیونٹیو! سلیمان کا لشکر بہت بڑی تعداد میں آرہا ہے، جلدی سے اپنی بلوں میں گھس جاؤ، کہیں یہ تمہیں اپنے پیروں تلے روند نہ دیں، سلیمان کے لشکر کو تو پتا ہی نہیں چلے گا، تم مرجاؤ گی، کچلی جاؤ گی!

اب آپ اپنے حکمرانوں کا طرزِ عمل بھی دیکھ لیجیے! جب کوئی مصیبت آجائے تو یہ پہلے اپنے لیے مال واسباب جمع کر لیتے ہیں اور تمہیں تب خبر ہوتی ہے جب مصیبت سر پر آجائے۔ جب کہ یہاں چیونٹیوں کی ملکہ کا طرزِ عمل دیکھیے، یہ اپنی قوم کے لیے بھلائی سوچ رہی ہے۔ اس میں حکمرانوں کے لیے عبرت ہے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ

چیونٹی کی اس قدر ذہانت پر پیغمبر مسکرا دیے

اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کی یہ بات اپنے پیغمبر حضرت سلیمانؑ کو سنوا دی "فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا" سلیمان علیہ السلام اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے کہ اس قدر چھوٹا وجود بھی اتنا زیادہ ذہین اور محتاط ہے! خوش ہو گئے کہ اچھا چیونٹیوں میں بھی ہمارا ذکر ہے، چیونٹیاں بھی ہمیں جانتی ہیں!

اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا فرمایا

"وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ" جب اللہ کی کوئی نعمت آئے تو دل میں بڑائی نہ لانا، جب یہ سوچ ہو گی کہ یہ نعمت اللہ نے دی ہے تو تکبر پیدا نہیں ہوتا، بڑائی نہیں آتی، تو اپنے آپ کو بڑائی سے بچانے کے لیے فوراً یہ دُعا پڑھی "اے میرے رب مجھے دائمی توفیق دیجیے کہ میں ہر آن تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں، میں تکبر نہ کروں بلکہ تیری نعمت کا شکر ادا کروں، تو نے مجھ پر بھی نعمتوں کی برسات کر دی اور میرے ماں باپ پر بھی نعمتوں کی بارش کر دی، ان نعمتوں کے

بدلے میں مجھے ایسے نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے جو آپ کے یہاں مقبول ہوں۔ ایسے اعمال کروں جو تیری رضا اور خوشی کا باعث بنیں۔ اور اے اللہ! مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما!

ارے میاں! نعمت جتنی بڑی ہو شکر اتنا زیادہ کرنا چاہیے، اعمال اُتنے زیادہ کرنے چاہیں، کیونکہ یہ نعمت کا شکرانہ ہوتا ہے۔ اور صرف نیک اعمال کرنا ہی کافی نہیں، اللہ سے انکی مقبولیت کی دعا کرنا بھی ضروری ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ ۖ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝

ہد ہد کی کہانی، قرآن کی زبانی

اب پرندوں کی کہانی بھی سن لو ذرا! سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں بڑا ڈسپلن تھا، وہ ہر جماعت کی حاضری لیتے تھے، انسانوں کی بھی حاضری ہوتی تھی، جنات کی بھی حاضری ہوتی تھی، چرند پرند کی بھی حاضری ہوتی تھی۔

اپنی رعایا کی خبر گیری، حاکم کے فرائض میں شامل ہے

حضرت سلیمانؑ اپنے تابع ہر ہر جماعت کی حاضری لیا کرتے تھے، ان کی خبر گیری کیا کرتے تھے حتیٰ کہ پرندوں میں سے کمزور اور چھوٹا پرندہ ہد ہد جو ویسے بھی کم یاب ہوتا ہے، وہ بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ کامل اور بہترین حکمران وہ ہے جو اپنے تابع ہر طبقے اور جماعت کی نگرانی رکھتا ہو۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں کُتب میں لکھا ہے کہ فرمایا کرتے تھے: ''لو أن سخلة على شاطئ الفرات أخذها الذئب ليسأل عنها عمر'' (القرطبی: ۱۳/ ۱۶۰) اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کے بچّے کو بھیڑیا کھا گیا تو اس کی پوچھ گچھ بھی (قیامت کے دِن) عمر سے ہوگی۔ یہ ہوتی ہے احساسِ ذمہ داری!

بے ڈھنگا پن، ہرگز توکّل میں شامل نہیں ہے

آج کل لوگ ''توکل اور بزرگی'' اسی کو سمجھتے ہیں کہ زندگی میں کوئی نظم وضبط نہ ہو، کہتے ہیں کہ جی ہم تو بس اللہ والے اور فقیر لوگ ہیں، ہمارے ہاں کوئی حاضری نہیں ہوتی۔ ارے میاں! کیا تم سلیمان علیہ السلام سے بڑے اللہ والے ہو! ہر ضروری چیز کا ریکارڈ رکھنا چاہیے، اگر آپ کوئی تعلیمی ادارہ چلاتے ہیں تو ادارے میں طلباء کا ریکارڈ ہونا چاہیے، اساتذہ کا ریکارڈ ہونا چاہیے، وغیرہ ذالک۔ اس کے بہت سے دینی و دُنیوی فوائد ہیں۔

بہر حال سلیمان علیہ السلام کو ایک سفر درپیش ہوا تو ہد ہد کی ضرورت پڑی، ہد ہد ایک پرندہ ہے، جس کی لمبی چونچ ہوتی ہے، یہ زمین میں چونچ مار کر کیڑے نکال کر کھاتا ہے۔ اللہ نے اسے یہ صلاحیت دی ہے کہ چونچ مارنے سے اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ نیچے زمین میں پانی کتنی گہرائی میں ہے!

بہر کیف! دورانِ سفر ایک بار بیابان جگہ سے گزرے، پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہد ہد کو تلاش کیا گیا، ''وقال عبد الله بن سلام: إنما طلب الهدهد لأنه احتاج إلى معرفة الماء على كم هو من وجه الأرض لأنه كان نزل في مفازة عدم

فیھا الماء ثم کانت الجن تخرجه فی ساعة یسیرة تسلخ عنه وجه الأرض ما تسلخ الشاة قاله ابن عباس فیما روی عن ابن سلام ''(تفسیر القرطبی: ۱۳/ ۱۶۰) لیکن جناب ہد ہد موجود ہی نہ تھے، غیر حاضر تھے۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

بلا وجہ غیر حاضری، عتاب کا باعث ہوتی ہے

ہد ہد کی بلا اطلاع غیر موجودگی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آ گیا، فرمایا کہ کہاں ہے ہد ہد؟ آنے تو دو اس کو! ''لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ'' اس کی سخت پٹائی لگے گی (اُڑنے کے قابل نہیں چھوڑوں گا) اور ہو سکتا ہے کہ میں اس کو ذبح کر دوں، ''اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ'' ہاں! اگر اس کے پاس اس غیر حاضری کا کوئی واضح اور معقول عذر ہوا تو رعایت ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس کسی سے قصور سرزد ہو جائے، اُسے صفائی اور عُذر پیش کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ معقول عُذر ہو تو سزا معاف کی جا سکتی ہے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝

ہد ہد کی آمد اور غیر حاضری کی وجہ

بس تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہد ہد صاحب تشریف لے آئے، اب اس کو بھی پتا تھا کہ غیر حاضری لگ گئی ہو گی، طالبعلموں کی طرح میں نے بھی کوئی عذر تو بتانا ہے! لیکن اُس نے جھوٹ موٹ کوئی بہانہ نہیں بنایا (خلافًا لکم أیها الطلبة!) بلکہ اس نے صاف صاف کہا: ''اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ'' حضرت میری بات سُن لیں! میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس قدر زور دے کر ہد ہد نے اسی لیے کہا تا کہ اس کا عُذر واضح ہو جائے۔

پرند بھی جانتے ہیں کہ نبی ''عالم الغیب'' نہیں ہوتے

معلوم ہوا کہ علّام الغیوب صرف اللہ ہے، ہد ہد کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ''عالم الغیب'' اللہ ہے! تم کیسے انسان ہو کہ ہر کسی کو عالم الغیب بناتے ہو؟ ہد ہد کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ وقت کا نبی ''عالم الغیب'' نہیں ہے، صرف اللہ ہے۔ اس لیے اُس نے کہا کہ ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کے پاس نہیں ہے، اور وہ خبر ہے ''قومِ سبا'' کی، جو مصدقہ خبر ہے، پکّی خبر ہے، میں اُن کے حالات و کیفیات دیکھتا رہا، اس لیے آنے میں دیر ہو گئی۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ اَلَّا
يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

قومِ ''سبا'' کے حالات

ہدہد نے کہا کہ حضرت! ''قومِ سبا'' کی جو حکمران ہے وہ ایک عورت ہے، اس کا نام ''بلقیس'' ہے، اس کے پاس بہت وسائل ہیں، ساری ضروریات موجود ہیں، اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے (روایات میں آتا ہے کہ وہ تخت اَسّی (۸۰) ہاتھ لمبا تھا، چالیس (۴۰) ہاتھ چوڑا تھا، تیس (۳۰) ہاتھ اُونچا تھا، اس میں ہیرے جواہرات، سونا چاندی جڑا ہوا تھا)، بہت قیمتی تخت ہے۔

افسوس ہے کہ وہ سب مشرک ہیں!

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ''وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' وہ ملکہ خود اور اس کی ساری قوم سورج کی پجاری ہے، اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، ''وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ'' شیطان نے ان کو ان کا یہ عمل ایسے مزین کر کے پیش کیا ہے کہ وہ گمراہ ہو کے رہ گئے ہیں۔

پرندے بھی شرک سے نفرت رکھتے ہیں

''اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ'' شیطان نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ اللہ کو سجدہ نہ کرو جو ہر چیز کا خالق ہے، بس اسی سورج کی پوجا کرتے رہو۔

ہدہد نے کہا! بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو چھپی ہوئی چیزوں کو آسمان اور زمین سے نکال کر لاتا ہے! جس کا علم اور قدرت کامل ہے! میں اسی تعجب میں تھا اور ان کے حالات دیکھ رہا تھا، اسی لیے حاضری سے دیر ہو گئی۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝

''عذر'' کی تحقیق ضروری ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اچھا! ''سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ'' ہم تحقیق کریں گے کہ آیا تیری بات واقعی درست ہے یا محض ایک کہانی ہے جو تو نے گھڑ رکھی ہے!

یہ ہمارے پاس طلبہ پڑھتے ہیں، ان میں سے بعض جب گھروں سے تاخیر سے آتے ہیں تو عجیب عجیب کہانیاں گھڑ رکھی ہوتی ہیں، بعض اوقات کچھ کا جھوٹ پکڑا بھی جاتا ہے۔ وفاق المدارس کے عاملہ کے ایک رکن ہیں، جو ہمارے استاذ زادے بھی ہیں، انہوں نے مجھے ایک اجلاس کے موقع پر ظرافت طبع کے لیے ایک طالبعلم کا قصہ سنایا، فرمایا کہ ایک طالبعلم کافی دن ناغہ کرنے کے بعد جامعہ آیا تو اس نے مدرسہ آنے سے پہلے ہی ٹنڈ کروائی، ایک بوتل میں پانی بھرا اور کھجوریں لیے مہتمم صاحب کے پاس آیا کہ حضرت! میں عمرے پہ گیا تھا، یہ کھجور اور زمزم کا ہدیہ قبول فرما لیجیے! طلبہ ایسی ایسی کہانیاں بھی گھڑتے ہیں۔ الامان والحفیظ! تو سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم پہلے تحقیق کریں گے کہ تو سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے!

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ۝

ہُد ہُد سفیر بن کر جاتا ہے

حضرت سلیمانؑ نے ہُد ہُد کو اپنا ایک خط دیا کہ یہ میرا خط لے جا" اِذْهَبْ بِّكِتَابِيْ هٰذَا " ساتھ میں سفارت کاری کے آداب بھی سمجھا دیے کہ اُن کے سر پر مسلط نہ ہو جانا بلکہ خط دے کر تھوڑا ہٹ جانا تاکہ اُنھیں اطمینان سے جواب دینے کا موقع مل جائے۔

ہُد ہُد نے چونچ یا پنجے میں خط پکڑا، کسی زمانے میں کبوتر خط دے کر آتے تھے، اب تو خطوط کا زمانہ بھی نہ رہا، اب تو میسیج اور ای میل کا دور آ گیا، ہم جب طالبعلم تھے تو خط آتا تھا، روز عصر کے بعد مدرسہ میں خطوط تقسیم ہوتے تھے، ہم بھی روز لائن میں لگتے تھے کہ کوئی ہمارا خط بھی آیا ہو، پر کبھی پندرہ دنوں میں ایک بار ہمارا خط آیا ہوتا تھا، تو وہ خطوط کا زمانہ تھا۔

ہُد ہُد خط لے کر گیا، اس کے محل میں پہنچا، تو وہ ملکہ اپنی آرام گاہ میں آرام کر رہی تھی، اس کی آرام گاہ میں ایک روشن دان تھا، ہُد ہُد وہاں سے اندر گیا اور اس کے سینے پر وہ خط رکھ دیا" فدخل من كوة وطرح الكتاب على نحرها وهي مستلقية "(تفسیر الألوسی: ۱۴ / ۳۶۳ بترقیم الشاملة)

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝

خط کا جامع مضمون

خط کا مضمون بھی قرآنِ پاک نے نقل فرمایا ہے: " اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ " یہ خط سلیمان لکھ رہے ہیں، خط کے شروع شروع میں" بسم الله "لکھی ہوئی تھی۔" اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ " کہ میرے مقابلے میں تکبّر مت کرو، فوراً کلمہ پڑھ کر میرے پاس آ جاؤ، (معارف القرآن میں اس مقام پر خطوط لکھنے کے جامع آداب مذکور ہیں جو قابلِ مطالعہ ہیں)۔

جب جرأت اور طاقت ہوتی ہے تو بادشاہ یوں خط لکھا کرتے ہیں، ہارون الرشید کو ایک رومی بادشاہ نے خط لکھا کہ اب تک ہماری بادشاہ ایک خاتون تھی جو کمزور تھی، اس لیے خراج دیتی تھی، لیکن اب ہم خراج نہیں دیں گے، جو کرنا ہے کر لو، آپ نے جواب لکھا کہ" یا کلب روم !" اور رومی کتے، اس خط کا جواب تو دیکھ لے گا، اور وہ جوابی خط بھجوا دیا، اس کے پیچھے لشکر بھی بھیج دیا، کہ جاؤ اس کی طبیعت صاف کر کے آؤ!

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ۝

ملکۂ "سبا" کا اپنی کابینہ سے ہنگامی اجلاس

ملکہ جب اٹھی اور خط پڑھا تو پریشان ہو گئی، خط کا انداز اور مضمون ہی اس قدر جامع اور حاکمانہ تھا کہ اُس نے فوراً اپنی کابینہ کا اجلاس بلوایا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کابینہ کے تقریباً تین سو تیرہ (۳۱۳) وزیر تھے، ہر وزیر کے ماتحت دس دس ہزار آدمی تھے، "قال قتادة: ذكر لنا أنه كان لها ثلاثمائة وثلاثة عشر رجلا هم أهل مشورتها كل رجل منهم على عشرة آلاف" (القرطبی: ۱۳/ ۱۷۴)۔

بہر کیف! ان کا اجلاس بلوایا اور ان سے کہا کہ میں کوئی کام تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کرتی، لہٰذا مجھے مشورہ دو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے، یہ خط آیا ہے، اور یہ خط سلیمان نامی بادشاہ کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون یہ ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ تمہاری مشاورت کے بغیر میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرتی۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝

کابینہ کا جواب

جب آپ اپنے ماتحت لوگوں کو عزت دو گے تو وہ تمہاری خاطر جان لڑا دیں گے۔ بلقیس کی عزت افزائی کے جواب میں یہی بات کابینہ کے اراکین نے کہی کہ "نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ" "اگر لڑنا مقصود ہو تو ہم ہر طرح سے حاضر ہیں، ہماری طاقت پر کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے، ہم بڑے طاقتور اور جنگجو ہیں۔" "وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ" "تاہم فیصلے کا اختیار اور پاور آپ کے پاس ہے" "فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ" "جو فیصلہ ہوگا ہمیں قبول ہوگا۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

ملکہ کا فیصلہ (پہلے سلیمان کی حقیقت معلوم کر لی جائے)

ملکہ بڑی سمجھ دار تھی، اس نے کہا کہ جنگیں مسئلے کا حل نہیں ہیں، ڈائیلاگ مسئلے کا حل ہے، اور یاد رکھو جب بادشاہ کسی قوم پر چڑھائی کرتے ہیں تو وہاں فساد برپا کر دیتے ہیں، وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، اس لیے ہمیں پہلے دیکھنا چاہیے کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ اور لالچی انسان ہے، یا واقعی کوئی نیک انسان اور طاقتور بادشاہ ہے۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان

اس کا طریقہ یہ ہے کہ میں اس کے پاس کچھ تحفے اور گفٹ بھجواتی ہوں، دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر تو وہ بس ان ہدایا پر راضی ہو جاتے ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ صرف ایک بادشاہ ہی ہے۔ اس وقت پھر جنگ کے بارے میں سوچا جائے گا۔ اور اگر واقعی وہ اللہ کے نبی اور رسول ہوں گے تو ایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گے۔ ایسی صورت میں ان کی اتباع کی جائے گی، ان کی مخالفت سے بچا جائے گا۔

تاریخی روایات میں ہے کہ اس نے جو تحفے اور ہدایا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے، ان میں کچھ سونے

اور چاندی کی اینٹیں تھیں، ایک سو غلام اور ایک سو باندیاں تھیں (غلاموں کو زنانہ اور کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر بھیجا) ان کے ساتھ ساتھ بلقیس کا ایک خط بھی تھا جس میں حضرت سلیمانؑ کی جانچ کے لیے کچھ سوالات تھے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۵۸۱)

مختلف قسم کی اِمداد (Aid) کا مقصد آج بھی یہی ہے

یہ حکومتیں اسی طرح اندازیں لگاتی ہیں، پہلے امداد دیتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ یہ قبول کرتے ہیں یا نہیں، اگر قبول کرلیں تو پھر اپنا ایجنڈا ان پر نافذ کرتے ہیں۔ یہ جو گفٹ اور امدادیں ہوتی ہیں یہ ایجنڈا مسلط کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں، اب تم قادیانیوں کو اقلیتوں سے نکال دو، اب تم ناموس رسالت کا قانون ختم کردو، اب تم کرونا کے بہانے سے نمازیں بند کراؤ، پہلے دہشت گردی کے نام پر مدرسوں کو ذلیل کیا، اب کرونا کے نام پر مساجد اور دینداروں کو پریشان کیا جارہا ہے، تبلیغی جماعت کا زندگی میں پہلی بار کام بند ہے، باقی سارے کام کھل گئے ہیں، دکانیں کھل گئی ہیں، مارکیٹیں کھل گئی ہیں، نہیں کھلے تو مدارس نہیں کھلے، تبلیغی جماعت کا کام نہیں کھلا...... خیر! بات سے بات نکل ہی آتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا مقصد معلوم ہوجاتا ہے

قاصد یہ سب ہدایا لے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس ابھی پہنچے نہیں تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے تحفوں کی سب تفصیل معلوم ہوگئی۔ آپ نے جنات سے کہا کہ ان کے آنے سے پہلے ان کے راستے پر سونے اور چاندی کا فرش لگادو (دربار سے تقریباً تیس میل دور تک یہ فرش بچھایا گیا) اور اس فرش کے دونوں اطراف میں عجیب الخلقت مخلوق کو کھڑا کردیا جائے جن کا پیشاب پاخانہ بھی سونے چاندی کے اسی فرش پر ہو۔ اسی طرح دربار کو جواہرات سے مزین کیا گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی نشست کے دائیں بائیں سونے کی چار چار ہزار کرسیاں لگائی گئیں۔ (کذا فی معارف القرآن: ۶/ ۵۸۱)

اب وہ تو دو چار سونے کی اینٹیں لے کر آرہے تھے، یہاں پہنچ کر جب انہوں نے دیکھا کہ سونے چاندی کی اتنی طویل سڑک ہے تو وہ خود شرمندہ ہوگئے، کہ اس بادشاہ کو ہم کیا گفٹ دیں جس کے اپنے پاس مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہے!

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ نُمارِشوت کو قبول نہیں فرمایا

بہرحال وہ قاصد آئے، آپ کی حکومت دیکھی، جس سے بہت مرعوب ہوئے، ہدیے پیش کیے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے پاس اللہ پاک کا دیا سب کچھ ہے۔ دنیا بھی خوب حاصل ہے اور نبوّت کے ذریعے خدائی قُرب بھی۔ اپنے ہدایا پر خود ہی خوش رہو، ہمیں ضرورت نہیں۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ اس ہدیے کی وجہ سے ہم تمہارے کُفر پر نکیر نہیں کریں گے! ایسا ہرگز نہیں۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝

ایک ہی مطالبہ ہے (توحید پرست بن جاؤ یا پھر ہمارے حملے کے لیے تیار رہو!)

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے قاصد سے فرمایا کہ اپنے ہدایا واپس لے جاؤ اور جا کر اپنی ملکہ سے کہہ دو! یا تو فوراً آئے اور کلمہ پڑھ لے، اگر وہ نہیں آتی تو میں تمہارے خلاف ایسے ایسے لشکر لے کر آؤں گا کہ تم ان کے مقابل ٹھہر بھی نہ سکو گے اور ہم تم سب کو ذلیل کر کے تمہارے ملک سے نکال دیں گے۔

قاصد واپس گئے اور جا کر اپنے تاثرات پیش کیے، جسے سن کر ملکہ نے اپنی کابینہ سے کہا کہ چلو اب چلتے ہیں، مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ یہ کوئی عام بادشاہ نہیں بلکہ واقعی عظیم شخصیت ہے۔ اب تو یقین ہو گیا ہے۔ ان سے لڑنا گویا اللہ سے مقابلہ کرنا ہے جس کی ہمیں طاقت نہیں۔

چنانچہ وہ خدمت میں حاضری کی نیت سے اپنا لشکر لے کر چلی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی آمد کا کچھ پتہ نہ چلا، ایک دِن دور سے گرد و غبار اُڑتا دیکھا تو پوچھا کہ یہ دھول کیسی ہے! تب پتہ چلا کہ ملکہ بلقیس اپنے لشکر کے ساتھ آ رہی ہے (بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی)۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝

بلقیس کی آمد سے پہلے اُس کا تخت کون لائے گا؟

آپ نے اسی وقت اپنے درباریوں سے خطاب فرمایا کہ ''اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝'' کہ یہ جو چند کلومیٹر کے فاصلے پر لشکر ہے، اس کے یہاں مطیع بن کر پہنچنے سے پہلے پہلے ان کی ملکہ کا مشہورِ زمانہ تخت کون یہاں لے کر آئے گا! تا کہ وہ شاہانہ شوکت کے ساتھ ساتھ پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے جو اس کے ایمان لانے میں مُعین ثابت ہو گا۔

تخت ہی کیوں منگوایا گیا؟

بلقیس کے تمام اموال و دولت میں سے صرف تخت ہی منگوانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بلقیس کی تمام شاہی میں سے اس کا تخت ہی سب سے محفوظ ترین متاع سمجھا جاتا تھا، بلقیس کے اپنے آدمیوں کو اس تخت تک رسائی حاصل نہ تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تخت تک رسائی کئی کمروں سے گزر کر ہو سکتی تھی اور یہ سب کمرے مقفل رہتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اتنے سخت پہروں کے باوجود مقفل کمروں میں سے دروازہ اور تالا توڑے بغیر تخت نکال کر لے آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اس تخت کا کسی بار برداری کے بغیر، لمحوں میں اتنی طویل مسافت طے کر کے سلیمانؑ کے دربار میں آ جانا، حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ اور حضرت سلیمانؑ کی مافوق الفطرت شاہی کی دلیل تھا۔ اس طرح بلقیس کو اللہ پاک کی عظیم قُدرت کا جلدی یقین ہو سکتا تھا۔ (معارف: ۶/ ۵۸۴)

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۝

''دو مجلس ختم ہونے سے پہلے حاضر کردوں گا'' ایک جن کی آفر!

اس مجلس میں ایک بڑا دیو ہیکل اور لحیم شحیم قسم کا جن موجود تھا (تفسیری روایات میں اس کے مختلف نام بھی مذکور ہیں) اُس نے کہا کہ تخت لانے کے لیے میں تیار ہوں اور آپ اپنی اس مجلس سے اُٹھنے بھی نہ ہوں گے کہ میں وہ تخت لے کر آجاؤں گا۔ یقین کیجیے کہ میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں (اس تخت کے جواہرات میں خُرد بُرد نہیں کروں گا)۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے اس سے بھی جلدی چاہیے۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

''پلک جھپکنے سے بھی پہلے تخت حاضر ہوگا'' ایک اور صاحب کی صلاحیت!

آپ کے دربار میں ایک اہلِ علم تھا جن کا نام ''آصف بن برخیا'' تھا۔ اُس نے کہا: ''اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ'' میں یہ تخت آپ کی آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے پہلے لے آؤں گا، اور وہ واقعی اتنے سے لمحے میں تخت لے آیا۔

دراصل یہ ان صاحب کی کرامت تھی، انہیں ''اسمِ اعظم'' معلوم تھا، چنانچہ انہوں نے اسمِ اعظم پڑھ کر تخت حاضر کردیا۔

ولی کی کرامت بھی درحقیقت اُس کے نبی کا معجزہ اور حقانیت کی دلیل ہوتا ہے

میں اپنے والد گرامی (حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ، بانی جامعہ فاروقیہ شجاع آباد) کے انتقال کے بعد ان کی جگہ مدنی مسجد (المعروف اڈے والی مسجد، شجاع آباد) میں درسِ قرآن دیا کرتا تھا، وہاں ایک بزرگ تھے، جو ہمارے دادا کے ساتھی تھے، پھر ساری زندگی ہمارے والد صاحب کا درس سنا، پھر میرے درس میں بیٹھنے لگے، ان کا مطالعہ بھی تھا اور تجربہ بھی، ایک دن انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ اس قصے میں حضرت سلیمان علیہ السلام خود تو وہ تخت لا نہ سکے جب کہ آصف بن برخیا وہ تخت لے آئے، حالانکہ سلیمانؑ نبی ہیں، جبکہ آصف صحابی ہیں، کیا صحابی کا مقام نبی سے بڑھ گیا!

میں نے ان سے کہا کہ جو ولی کی کرامت ہوتی ہے وہ دراصل اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے، کیونکہ ولی، انسان تب تک بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ نبی کے نقشِ قدم پر نہ چلے۔

نیز اس واقعے میں یہ کہیں بھی ثابت نہیں کہ خود سلیمانؑ کو ''اسمِ اعظم'' معلوم نہ تھا بلکہ ممکن ہے کہ انہوں نے حکمت اسی میں سمجھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کے کسی اُمتی سے ظاہر ہوتا کہ بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے، اس لیے یہ کام خود سرانجام دینے کے بجائے اپنے اصحاب کو اس کام کے لیے فرمایا۔ (معارف: ۶/ ۵۸۵)

بہرحال جب وہ تخت آگیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا، آپ دیکھیں کہ حضرت سلیمان

علیہ السلام نے پہلے چیونٹی والے واقعہ میں اللہ کا شکر ادا کیا، پھر اب اس واقعہ میں ان کے شکر کا ذکر ہے، تو گویا آپ ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، اور یہی درس ہے اس واقعہ سے کہ ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ "هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۖ" یہ میرا امتحان ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا اپنے ربّ کی ناشکری کرتا ہوں۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

بلقیس کے امتحان کے لیے تخت میں تبدیلیاں کردی گئیں

آپ نے فرمایا کہ اس تخت میں کچھ تبدیلیاں کردو، ہم ملکہ بلقیس کی ذہانت کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ وہ اس تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں؟ اگر تو وہ پہچان لیتی ہے تو ثابت ہوگا کہ وہ عقل مند خاتون ہے اور عقل مند کے لیے حق بات سمجھنا اور سمجھانا آسان ہوتا ہے۔ بصورتِ دیگر حق پہچاننے کی امید بہت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ حسبِ منشا اس تخت میں کچھ تبدیلیاں کردی گئیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝

مبہم سوال کا مبہم جواب

جب وہ آئی تو اس سے پوچھا کہ کیا جناب کا تخت ایسا ہی ہے! یہ نہیں کہا کہ آپ کا تخت یہی ہے! کیونکہ اب یہ تبدیل ہوچکا تھا۔ بلقیس نے بھی اسی طرز میں جواب دیا کہ "كَاَنَّهٗ هُوَ" ایسے لگتا ہے کہ گویا یہ وہی ہے، لگتا تو ویسے ہی ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ "یقیناً یہ وہی ہے" کیونکہ یہ بالکل وہی تو نہیں تھا، اس میں تبدیلیاں ہوگئی تھی۔ کہنے لگی کہ ہم تو (بذریعہ قاصد) پہلے ہی جان چکے تھے کہ آپ سچے نبی ہیں اور ہم دل سے آپ کے تابع فرمان ہوچکے تھے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

بلقیس کی ذہانت کی تصدیق

اس آیت میں بلقیس کی سمجھداری کی طرف اشارہ ہے کہ تخت کا معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی حق جان لینا اور مان لینا اس کی عقل مندی اور سمجھداری کی دلیل ہے۔ لیکن چونکہ وہ کافر قوم میں پلی بڑھی تھی، اسی لیے ان کی دیکھا دیکھی یہ بھی غیر اللہ کی عبادت میں لگ گئی۔ حق سے بالکل غافل رہی۔ اب جیسے ہی حق سامنے آیا، اپنے باطل معبودوں کی حقیقت اس کی سمجھ میں آگئی جو ایک عقل مند انسان ہونے کی نشانی ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ
قَوَارِيْرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بلقیس کی "شیش محل" آمد کے احوال

حضرت سلیمانؑ نے چاہا کہ دینی منصب واضح ہونے کے بعد اب بلقیس کو اپنی دُنیوی شوکت بھی دِکھلانی چاہیے، اس غرض کے لیے ایک محل بنوایا گیا (ممکن ہے کہ انہی کے لیے بطورِ گیسٹ ہاؤس بنوایا ہو) اور اس محل کے صحن (داخلی رستہ) میں پانی کا حوض بنوا کر اس میں دریائی مخلوق (مچھلیاں وغیرہ) ڈلوادیں اور اس حوض کے اوپر ایسا صاف شفاف شیشہ لگوادیا جو سرسری طور پر دیکھنے سے نظر بھی نہیں آتا تھا۔

آج کل بھی مختلف پلازوں اور محلات میں ایسا ہوتا ہے کہ نیچے پانی ہوتا ہے اوپر شیشہ ہوتا ہے، آدمی اس پر چل رہا ہو تو لگتا ہے کہ جیسے پانی پر چل رہا ہے، جب محل میں جانے لگے اور راستے میں وہی تالاب آیا تو بلقیس نے اُسے پانی ہی سمجھا اور "وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا" پانی میں پاؤں رکھنے کے لیے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھالیا، اس نے سمجھا کہ ہمیں پانی سے گزر کر محل میں جانا پڑے گا۔

اُس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: "إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ" کہ یہ کیا کررہی ہیں! یہ تو سب کا سب شیشوں سے بنا ہوا ہے، شیش محل ہے، حوض پر بھی شیشہ پڑا ہوا ہے۔ کپڑے گیلے نہیں ہوتے۔

بلقیس ایمان لے آتی ہے

"قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" اس پر اُسے اپنے عجز پر افسوس ہوا کہ اتنی سمجھ دار ہو کر یہ بات بھی نہ سمجھ پائی، نیز اسے یہ بھی یقین ہوگیا کہ یہاں دُنیوی صنعت کاری کے عجائبات ایسے ہیں جو آج تک ہم نے نہ دیکھے اور نہ سُنے، اس طرح وہ ہر لحاظ سے حضرت سلیمانؑ کی عظمت کی قائل ہوگئی اور بے ساختہ کہنے لگی: "رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي" اے اللہ! میں اب تک شرک کرکے خود پر ظلم کرتی رہی، "وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" اب میں موحدہ بن کر سلیمان علیہ السلام پر ایمان لاتی ہوں اور انہی کی پیروی کرکے ان کی صحابیہ بن گئی ہوں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ۝ ...الی... وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝

"قومِ ثمود" نے اپنے پیغمبر کی اتباع نہ کی، ماری گئی

اس کے بعد اللہ نے قوم ثمود کا ذکر کیا، ان کے پاس صالح علیہ السلام آئے، اور انہیں اللہ کی طرف بلایا، یہ ذکر بار بار آرہا ہے، پچھلی سورت میں بھی تھا اس سے پچھلی سورت میں بھی تھا، تفصیل پہلے بیان ہوچکی ہے۔ قوم نے حق کی دعوت نہ مانی، تباہ اور برباد کردی گئی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۝ ...الی... وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ۝

''قومِ لوط'' نے بھی نافرمانی کی رَوِش نہ چھوڑی، صفحۂ ہستی سے مٹادی گئی

قومِ ثمود کے بعد اللہ پاک نے حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر کیا، انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اعلانیہ بے حیائی کرتے ہو، مردوں کے ساتھ اپنی شہوت پورا کرتے ہو! انہوں نے کہا کہ لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑا پاک باز بنتا ہے! یہی روش ہر اُس معاشرے کی ہے جہاں جرم، انسان کے رگ و ریشہ میں رچ بس جائے، اگر وہاں کوئی شخص نیکی کا حکم کرے، برائی سے روکے تو آگے سے یہی جواب ملتا ہے کہ تو بڑا نیک بنتا ہے، جانتے ہیں تجھے بھی۔ شقاوت و بدبختی کی انتہا ہوتی ہے کہ جب کسی واعظ کا وعظ سننے کے بعد لوگ نصیحت قبول کرنے کی بجائے اسی پر الزام تراشی شروع کر دیتے ہیں، پھر ہلاکت آیا ہی کرتی ہے، چنانچہ اس بدبخت قوم کے ساتھ بھی یہی ہوا، اللہ نے لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات دی، سوائے ان کی بیوی کے، نافرمان قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔ (یہ قصہ بھی تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، اعادے کی ضرورت نہیں)۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

سابقہ انبیاء اور ان کی اُمتوں کے کچھ حالات بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ اللہ پاک کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کی اُمت اس طرح کے عمومی عذاب سے مأمون کر دی گئی ہے۔ نیز انبیائے سابقین اور اللہ کے نیک صالح بندوں پر سلام بھیجیے۔

آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝

کُفّار کو تنبیہ

آیتِ مبارکہ کے اس حصے میں کُفّار کو تنبیہ ہے کہ ذرا غور تو کرو! کیا معبودیت کے لحاظ سے وہ اللہ بہتر ہے جس کے ایسے ایسے عظیم الشان کمالات و احسانات ہیں کہ تم شمار ہی نہیں کر سکتے! یا وہ خود ساختہ لات و منات بہتر ہیں جنہیں تم خدا کے برابر اور خدائی نظام میں اللہ وحدہٗ لاشریک کا پارٹنر تصور کرتے ہو!

ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ ہی بہترین انتخاب ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی ایک ہی خدا کی کرنی لازم ہے۔ دردر سجدے کرنے کے بجائے ایک ہی در کے پابند بن جاؤ۔ نجات تمہارا مقدر ہوگی۔

پارہ نمبر ۲۰

یہ پارہ، سورۃ ''النمل'' کے بقیہ حصے، سورۃ ''القصص'' مکمل اور سورۃ ''العنکبوت'' کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝

توحیدِ باری کے معقول اور ناقابلِ تردید دلائل

۱- آسمان و زمین کا خالق اور اس کارخانۂ عالم کا صانع کون؟

فرمایا کہ کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، آسمان سے بارش برسائی، پُر رونق درخت، پھل، پھول اگائے، جو تم خود اُگا ہی نہیں سکتے تھے، اُس ذات نے تمہارے لیے یہ سب کیا۔ کیا وہی ذات خدا ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی خدائی میں شریک ہے! افسوس کہ یہ لوگ پھر بھی اپنے بُتوں کو خدائے بزرگ و برتر کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

۲- نہروں اور پہاڑوں پر کس کی حکمرانی ہے؟

وہ کون ذات ہے جس نے زمین بچھادی، جس نے نہریں چلادیں، جس نے پہاڑ گاڑ دیے، جس نے دو دریاؤں کے درمیان غیر محسوس آڑ اور رکاوٹ پیدا کردی کہ وہ آپس میں ملتے نہیں ہیں۔ کیا ہے کوئی اللہ کے سوا یہ سب کرنے والا! افسوس کہ یہ لوگ ایسی واضح بات بھی نہیں سمجھتے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

۳- مشکل کُشا کون ہستی ہے؟

بھلا وہ کون ہستی ہے جو بے سہارا کی پکار سنتا بھی ہے اور اس کی مشکل بھی دور کرتا ہے، اسی نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہوا ہے، پچھلی قوموں کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا ہے۔ ان امور کے سرانجام دینے میں اور کوئی ہستی شریک ہے! افسوس ہے تم پر کہ یہ احسانات یاد ہی نہیں رکھتے ہو!

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

۴-ہادی و بشیر کون ہے؟

کون ہے جو تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں راستے بتاتا ہے! کون ہے جو بارش کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوائیں بھیجتا ہے!

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝

۵-زندگی، موت کا خالق اور مخلوقات کا رازِق کون؟

بھلا کون ذات ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا! کون ہے جو تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا! کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے، کیا کوئی ہے اللہ کے علاوہ؟ کوئی ہے تو بتاؤ؟ کوئی ہے تو دلیل پیش کرو! اس کا معبود ہونا اور یہ سب اُمور سرانجام دینے کی اہلیت رکھنا ثابت کرو!

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ۝

''عالم الغیب'' کون ہستی ہے؟

فرمایا زمین و آسمان میں کوئی ایک ذی روح، کوئی فرشتہ، کوئی جن، کوئی انسان، کوئی نبی اور کوئی رسول ایسا نہیں جسے ''علمِ غیب'' حاصل ہو۔ غیب کا علم صرف علام الغیوب کے پاس ہے۔ یہ اُسی ذات جل جلالہٗ کی صفت ہے۔ لہٰذا اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب قائم ہوگی یا ہوگی بھی یا نہیں! سب ہوگا، یقیناً ہوگا اور ہمارے علم کے مطابق ہی ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝

منکرین کا قدیم اِعتراض

کافر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے آباء و اجداد مر کھپ گئے، ہم بھی مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں قبروں سے اُٹھایا جائے گا! ہم تو آج تک بس ایسے قصے کہانیاں سنتے ہی آئے ہیں، کبھی عملی مظاہرہ دیکھا تو نہیں!

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۝

مجرم قوموں کے انجام سے عبرت پکڑو اور باز آجاؤ!

فرمایا کہ تم سے پہلے گزرنے والی جن قوموں نے ہمارے انبیاء کی اتباع نہیں کی بلکہ تمہارے جیسے بے تکے سوال

وجواب میں رہے، نشانِ عبرت بنادیے گئے۔ تم لوگ ذرا چل پھر کر دیکھو تو سہی! اُن لوگوں کے علاقے بھی تو تم سے زیادہ دور نہیں! لہٰذا عبرت پکڑو اور لغویات سے باز آجاؤ، پیغمبر کی اتباع میں آجاؤ!

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور اپنی کامل قدرت سے آگاہی

اللہ پاک نے ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ان لوگوں کی اُلٹی سیدھی باتوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ یہ لوگ تو غافل ہیں کہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اللہ چاہے تو دُنیا میں ان پر عذاب نازل کردے (جیسا کہ میدانِ بدر میں مکہ کے جگر گوشے پیوندِ خاک کردیے گئے، گزشتہ قوموں کی تاریخ بھی ان کے سامنے ہے) اللہ تعالیٰ سے دُنیا جہاں کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، ان کُفّار کے ظاہر و باطن سے بھی اللہ خوب واقف ہے اور خدائی ریکارڈ میں بھی ان کے کرتوت درج ہیں۔ عذاب کا واقع ہونا عقلاً بھی ممکن ہے، مشاہدہ بھی ہے اور کُتبِ سابقہ بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ پھر انکار کا کیا مطلب! یہ تو محض اس کا فضل وکرم ہے کہ وہ لوگوں پر جلدی گرفت نہیں فرماتا، لیکن لوگ احسان مند ہونے کے بجائے ناشکرے ہی رہتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

قرآن، حق و باطل پرکھنے کا معیار ہے

فرمایا یہ قرآن بنی اسرائیل کو وہ باتیں بھی بتاتا ہے جن میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ جن مسائل میں بنی اسرائیل کے علماء کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے، قرآن نے آکر ان کا محاکمہ کردیا اور صحیح فیصلوں کی طرف ہدایت دے دی۔ جو کلام، علماء کے مسائل کا فیصلہ کرے، وہ کلام خود کتنا عالی مرتبت اور ذیشان ہوگا! قرآن اہل ایمان کے لیے خاص ہدایت اور اللہ کی طرف سے خاص رحمت ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝

اللہ کی مدد اہلِ حق کے ساتھ ہوتی ہے

فرمایا کہ ان کُفّار کی باتوں اور حرکتوں سے آپ پریشان نہ ہوں! آپ اپنے رب پر بھروسہ کیجیے، یقیناً آپ ہی حق

پر ہیں۔ ان کو ہدایت دینا آپ کے بس میں نہیں ہے، ہدایت دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ اللہ خود ہی ان کے درمیان قیامت میں فیصلہ فرمائیں گے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف معلوم ہو جائے گا۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ۝

ایمان کے بغیر زندگی، زندگی ہی نہیں بلکہ موت ہے

فرمایا: ''إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ'' اس آیت کا سیاق وسباق دیکھیں، آگے پیچھے کُفّار کا تذکرہ چل رہا ہے، نہ قبر کا تذکرہ ہے اور نہ مردوں کا تذکرہ ہے! فرمایا کہ جن لوگوں نے دینِ حق کو قبول نہیں کیا، وہ اپنی فطری صلاحیت ہی کھو چکے ہیں، حق سے محروم دل لیے، یہ محض چلتے پھرتے لاشے ہیں، ان کے کان حق سننے سے محروم اور بہرے ہیں۔

بہرا پھر بھی اشاروں سے بات سمجھ لیتا ہے لیکن یہ تو ایسے بدبخت ہیں کہ جب آپ انہیں حق کی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ پیٹھ موڑ کر کھسک جاتے ہیں۔ (بہرا آدمی جب پیٹھ موڑے جا رہا ہو تو اسے بلانا اور متوجہ کرنا کس قدر دُشوار ہے!) لہٰذا اے پیغمبر! ان کافروں کو مردہ ہی سمجھو، ان کافروں کو بہرہ سمجھو، یہ قرآن کا اسلوب ہے، قرآن نے جابجا کافروں کو گونگا بھی کہا، بہرہ بھی کہا، اندھا بھی کہا اور مردہ بھی کہا۔

اسی اسلوب میں یہاں بھی فرمایا کہ میرے حبیب! آپ مُردوں کو نہیں سُنوا سکتے یعنی آپ کافروں کو حق نہیں منوا سکتے، آپ بہروں کو نہیں سنوا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، یہاں بھی بہروں سے مراد کافر ہیں۔

''سماعِ موتیٰ'' کے مسئلے سے اس آیت کا تعلق ہی نہیں

مُردوں کے سننے یا نہ سننے سے اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ مردوں کے سماع کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر ہماری شریعت کے بنیادی عقائد کا انحصار ہو، کچھ لوگ جن کو آتے ہی صرف یہی دو چار مسائل ہیں وہ سارا دن یہی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ ''نہیں سنتے، نہیں سنتے، نہیں سنتے'' او بھائی! مُردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے، اس سے تمہیں کیا تکلیف ہے!

''وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ'' یہاں بھی اندھے سے مراد کافر ہیں، اللہ نے ایک جگہ فرمایا: ''فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ'' (الحج:۴۶) کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ سینے میں موجود دل اندھے ہو چکے ہیں۔ اچھا پھر آپ سنواتے کس کو ہیں! فرمایا: ''إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ'' آپ ایمان والے کو منوا سکتے ہیں، کافر کو نہیں منوا سکتے، اگر مردوں کا مسئلہ ہوتا تو آیت کا مطلب ہوتا کہ آپ کافر مُردوں کو تو نہیں سنوا سکتے البتہ مومن مُردوں کو سنوا سکتے ہیں، حالانکہ قرآن کا مقصد یہ بیان کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ آیت کُفّار کی کیفیت اور گمراہی بیان کر رہی ہے، سماعِ موتیٰ کے مروّج مسئلہ کا اس سے تعلق ہی نہیں ہے۔

نوٹ:- ''سماعِ موتیٰ'' کے مسئلے کی جامع تفصیل دیکھنے کے لیے تفسیر معارف القرآن (۶/۶۰۲) ملاحظہ فرمایئے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ۝

''دابۃ الارض'' کا خروج

اس آیت میں اللہ پاک نے قیامت کی ایک بڑی نشانی بیان فرمائی: ''وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ'' جب قیامت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو اس وقت اللہ پاک، زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو لوگوں سے باتیں کرے گا، اس کی گفتگو کیا ہوگی! بعض مفسرینِ کرامؒ فرماتے ہیں کہ وہ عام انسانی انداز میں گفتگو کرتا ہوگا، جب کہ بعض حضراتؒ فرماتے ہیں کہ اس کی گفتگو یہی ہوگی جو قرآن نے بیان کی: ''اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ'' وہ اللہ پاک کی طرف سے لوگوں کو یہی بتاتا پھرے گا کہ ''آج سے پہلے بہت سے لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔'' آج اپنی آنکھوں سے نشانیوں کو پورا ہوتا دیکھتے رہیں۔ اب ایمان اور توبہ کا وقت ختم ہو گیا۔

قُربِ قیامت میں ایسی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی، ان میں ایک نشانی دجال کا نکلنا ہے، ایک نشانی عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر تشریف لانا ہے، ایک نشانی حضرت امام مہدی (محمد بن عبداللہ) علیہ السلام کا آنا، یاجوج ماجوج کا نکل پڑنا ہے، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اس عجیب الخلقت جانور کا زمین سے نکلنا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ یہ عجیب وغریب جانور، کوہ صفا سے نکلے گا (باقاعدہ کسی جانور سے پیدائش نہیں ہوگی) اور مٹی جھاڑتا ہوا ''مطاف'' میں آجائے گا۔ اس کی عجیب شکل وصورت ہوگی، بہت سے لوگ اس کو دیکھ کر مسجدِ حرام سے بھاگ جائیں گے، جو جماعت ثابت قدم رہے گی، ان کے چہروں کو روشن ستاروں کی طرح منوّر کر دے گا۔ پھر یہ وہاں سے نکل کر پوری روئے زمین کا گشت کرے گا، کافر اور مومن میں فرق واضح کرتا جائے گا، کوئی بھی اس سے چھپ نہیں سکے گا۔ اس کا خروج، قیامت کی بالکل قریب ترین علامتوں میں سے ایک ہے۔ (یہ علامتیں کُتبِ حدیث میں مفصل موجود ہیں، من شاء فلیراجع، مختصر تشریح معارف القرآن ۶/۶۰۵ میں بھی موجود ہے)۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ۝

قیامت کے دِن مجرموں کی کیفیت

فرمایا کہ قیامت والے دِن ہر ہر اُمّت میں سے (سابقہ اُمتوں میں سے بھی اور موجودہ اُمّت میں سے بھی) مجرموں کو الگ کر دیں گے، ان سب کو جمع کر کے اکٹھے ہمارے پاس لایا جائے گا۔ بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں ''یوزعون'' کا مطلب ہے کہ اُنہیں دھکے دے دے کر ہمارے پاس لایا جائے گا (العیاذ باللہ العظیم)۔

ہم ان کے جرائم اُن کے سامنے رکھیں گے، ان کو اُن کی تکذیب اور دیگر کرتوت یاد دلائیں گے اور ان جرائم کی

پاداش میں ان پر سزا کا فیصلہ سنائیں گے۔ جرم کے ٹھوس شواہد ہونے کی وجہ سے ان مجرموں کے پاس اپنے حق میں بولنے کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ۝

جب ''صور'' پھونکا جائے گا

فرمایا: ''وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ'' جب صور (قولِ راجح کے مطابق نفخۂ اُولیٰ مراد ہے، معارف القرآن) پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی ہر جان دار شئے پر گھبراہٹ طاری ہوجائے گی۔ جو زندہ ہوں گے، گھبرا جائیں گے۔ اس گھبراہٹ سے صرف وہی محفوظ رہیں گے جن کو اللہ پاک محفوظ رکھنا چاہے گا۔ نیز گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر کوئی نہیں بھاگ سکے گا (جیسا کہ دنیا میں ایسے موقعوں پر ہر کوئی اپنی اپنی جائے پناہ تلاش کرتا ہے) بلکہ وہ سب کے سب اللہ کے سامنے جھکے جھکے حاضر ہوں گے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ ''الا من شاء اللہ'' سے مراد چار مشہور فرشتوں (حضرت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت) کے ساتھ ساتھ وہ فرشتے ہیں جو اللہ کے عرش کو تھامے ہوئے ہوں گے۔ یہ فرشتے، اُس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے، بعد میں ان پر بھی موت طاری ہوگی۔ جب کہ بعض مفسرینِ کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس دن کی پریشانی سے حضراتِ شہدائے کرام بھی محفوظ ہوں گے۔ (معارف القرآن: ۶/۶۱۰)

یہ حالت تو جان داروں کی بیان ہوئی۔ آگے بے جان چیزوں کی حالت بیان فرمائی کہ: ''وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ'' آپ پہاڑوں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ اسی طرح جمے رہیں گے، کبھی حرکت نہ کریں گے! حالانکہ اُس دن وہ ایسے اُڑتے پھرتے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔

ان پہاڑوں کو مضبوطی دینے والا بھی اللہ ہے اور وہ جب چاہے، ان کی ایسی حالت بنادے، اللہ پاک تمہارے سب اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے۔

قیامت میں پہاڑوں پر کیا گزرے گی؟

قیامت میں اِن پہاڑوں پر مختلف مراحل گزریں گے۔ ابتدائی حالت یہ ہوگی کہ زلزلہ آئے گا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے: ''وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ'' (القارعۃ) یہ پہاڑ، دُھنی ہوئی رُوئی کے گالوں کی طرح ہوجائیں گے۔ پھر ایک اور حالت ہوگی کہ ''وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا۝'' (الواقعۃ) روئی کے گال تو پھر بھی اکٹھے ہوتے ہیں، ان پر ایسی حالت آئے گی کہ ان کا ذرہ ذرہ الگ الگ ہوجائے گا۔ پھر ایک حالت آئے گی کہ اللہ اِن ذرات کو بھی اڑادیں

گے: "وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا" (طٰہٰ) میں یہی حالت بیان ہوئی ہے۔ پہاڑوں کا یہ غبار چونکہ ساری زمین پر چھایا ہوگا تو ہوائیں انہیں اُٹھا کر اوپر لے جائیں گی، ساری زمین پر حاوی ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یوں لگے گا کہ یہ ذرات آپس میں جمے ہوئے اور بے حرکت ہیں، حالانکہ وہ ہواؤں کے زور پر اِدھر اُدھر تیزی سے حرکت کرتے ہوں گے۔ جیسے بادلوں کی کثرت دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے، حالانکہ وہ دھواں ہی ہوتا ہے جس میں جماؤ نہیں ہوتا "تَحْسَبُهَا جَامِدَةً" میں بادلوں کی اسی حالت کا بیان ہے۔ (معارف:۶/۶۱۱) پہاڑوں کی ان حالتوں میں سے کچھ تو نفخۂ اولیٰ کے وقت ہوں گی اور کچھ حالتیں نفخۂ ثانیہ کے وقت ہوں گی۔

تفسیر روح المعانی میں "تَحْسَبُهَا جَامِدَةً" کی یہی تفسیر بیان فرمائی گئی ہے:

وترى الجبال رأي العين ساكنة والحال أنها تمر في الجو مر السحاب التي تسيرها الرياح سيراً حثيثاً، وذلك أن الأجرام المجتمعة المتكاثرة العدد على وجه الالتصاق إذا تحركت نحو سمت لا تكاد تبين حركتها۔ (تفسير الألوسي، ۱۵/۶۰، بترقيم الشاملة)

نیز پہاڑوں کی ان کیفیتوں کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وحكى في "البحر" أن أول الصفات ارتجاجها ثم صيرورتها كالعهن المنفوش ثم كالهباء بأن تتقطع بعد أن كانت كالعهن ثم نسفها بإرسال الرياح عليها ثم تطييرها بالريح في الجو كأنها غبار ثم كونها سراباً۔ (تفسير الألوسي: ۱۵/۶۱، من الشاملة)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۗ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

جیسے اعمال لاؤ گے، ویسا بدلہ پاؤ گے

فرمایا جو شخص دُنیا میں نیکی کر کے آئے گا (ایمان بنیادی شرط ہے، ایمان کے بغیر کی گئی نیکی، آخرت میں کام نہ آئے گی) تو اسے اس کے اعمال کا اچھا بدلہ (نیکی کے اجر میں بھی اضافہ ہوگا اور جنّت بھی نصیب ہوگی) ملے گا اور قیامت کی گھبراہٹ اور خوف سے بھی محفوظ رہے گا، ورنہ وہاں تو کلیجے منہ کو آئیں گے۔ اور جو شخص بُرائیاں لائے گا اس کو اوندھے منہ جہنّم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے دُنیوی اعمال ہی کی سزا ہے جو تمہیں دی جارہی ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی: خود بھی دِین پر رہیں اور لوگوں کو بھی حق کی دعوت دیتے رہیں

میرے نبی! آپ اعلان کر دیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب (جمہور کے نزدیک اس سے مکہ مکرمہ

مراد ہے، مکہ کی فضیلت بتانے کے لیے یہ تخصیص کی گئی ہے، ورنہ اللہ پاک تو آسمانوں وزمینوں کے رب ہیں) کی عبادت کروں، جس نے اس شہر کو محترم بنایا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ عقائد واعمال ہر لحاظ سے اللہ کا مطیع وفرمانبردار رہوں۔

اور مجھے اللہ نے یہ بھی حکم فرمایا ہے: ''وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ'' میں تمہیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں، مجھے خدائی احکام کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہے، جو شخص اس تبلیغ کی وجہ سے ہدایت اختیار کرے گا تو اسی کو نفع ہوگا اور جو گمراہ ہوگا تو اپنا نقصان کرے گا، میرا اس میں کوئی ذاتی نفع یا نقصان نہیں ہے۔ میرا کام صرف انجام سے باخبر کر دینا ہے اور بس! باقی تم جانو اور تمہارے کرتوت جانیں!

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

اللہ پاک کے سب وعدے برحق ہیں

آپ یہ بھی کہہ دیجیے کہ سب خوبیاں، عظمت، قدرت حکمت اللہ ہی کے لیے ہیں۔ عنقریب وہ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں (قیامت وغیرہ کے احوال جن سے تم فی الحال انکاری ہو) دکھائے گا، پھر تم اِن علامات کو خوب اچھی طرح جان بھی جاؤ گے (لیکن اُس وقت کا جاننا کس کام کا!) میرا اللہ تمہارے کسی بھی عمل سے غافل نہیں ہے، تمہارے سب اعمال واقوال کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کی ابتدا میں حضرت موسیٰؑ کو نبوت اور معجزات ملنے کا ذکر ہے۔ نیز پیغمبر کی اتباع نہ کرنے پر قبطیوں، قومِ ثمود اور قومِ لوط کی ہلاکت بیان کر کے اہلِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے نبی کی مخالفت سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔

۲۔اللہ پاک نے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کا ذکر کر کے ہر صاحبِ اقتدار کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے! ان میں نظم وضبط کیسے پیدا کرنا ہے! نعمتِ خداوندی پر شکر کرنا ہے اور تکبر سے دور رہنا ہے۔

''ہدہد'' جیسے معمولی پرندے کی خبر گیری اس بات کی علامت ہے کہ حاکم کو اپنی کمزور ترین رعایا اور اس کی ضروریات بارے بھی ویسے ہی فکر مند رہنا چاہیے جیسا کہ دیگر طبقات کا حق ہے۔ اسی لیے نبی کریم نے ارشاد فرمایا: ''كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ (وَهُوَ مَسْئُولٌ) عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ'' (صحیح البخاری: ص ۷)۔

۳۔حضرت سلیمانؑ نے اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر خوب شکر ادا کیا اور فرمایا: ''رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ'' لہٰذا جس شخص کو بھی اللہ پاک دینی یا دُنیوی نعمتوں سے نوازیں تو وہ اس پر شکر ادا کرے اور حضرت سلیمانؑ کی اس مبارک دُعا کو اپنا وظیفہ بنالے۔

۴۔حضرت سلیمانؑ نے "بلقیس" کو حق پر لانے کے لیے اپنے دینی و دُنیوی کمالات کو خوب ظاہر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے کسی دینی شرف و کمال کو اس نیت سے لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے کی گنجائش ہے کہ لوگ حق قبول کرلیں۔ شرط یہ ہے کہ اس اظہار میں عجب، حُبّ جاہ اور اشرافِ نفس وغیرہ ہرگز شامل نہ ہو۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی قُدرتِ کاملہ کو مختلف انداز میں خوب خوب بیان فرمایا اور بار بار "ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ" کا سوال کرکے عقلِ انسانی کو جھنجھوڑا گیا کہ اس جیسا صاحبِ کمال کوئی اور ہوسکتا ہے! اتنی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی!

۶۔آخر میں کُفّار کے مشہور شبہات کو مختلف انداز میں نقل کرکے ان کے عقلی، نقلی جوابات دیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے کُفر پر ہرگز پریشان نہ ہوں، کسے ہدایت ملتی ہے اور کسے نہیں، یہ سب میرے اختیار میں ہے۔ ان کے اعتراضات کی قطعاً پروا مت کیجیے اور پوری دِل جمعی سے دعوت کا کام کرتے رہیے اور خود بھی دین پر ثابت قدم رہیے۔

اسی ضمن میں قیامت کے کچھ احوال بھی بیان فرمائے گئے ہیں کہ قیامت میں سب کچھ واضح ہوجائے گا اور سب لوگوں کو اپنے اعمال کی حقیقت اور انجام معلوم ہوجائے گا۔

تمت سورۃ النمل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ الْقَصَص

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرمارہے تھے تو مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان یہ سورت نازل ہوئی، قرآنی ترتیب میں یہ سورت اٹھائیسویں (۲۸) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا انچاس (۴۹) نمبر ہے۔ نو (۹) رُکوع اور اٹھاسی (۸۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام ''القصص'' رکھا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون و قارون کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ نمل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اِجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا، جبکہ سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ ذکر کیا جارہا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''اللہ رَبّ العزّت کے وعدے پر مکمل یقین اور ایمان رکھنے کا بیان'' ہے۔ نیز فرعون اور قارون کا قصہ ذکر فرما کر اللہ رَبّ العزّت کے وعدہ کی تکمیل کے نمونوں کو بیان کیا ہے، نیز یہ بھی بتایا کہ حق کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹ بالآخر ختم ہو کر رہ جاتی ہے، سب سے بڑی رکاوٹ اقتدار اور دولت ہوتی ہے، فرعون کی ہلاکت سے اقتدار اور قارون کی ہلاکت سے دولت کی رکاوٹ کے دور ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے عمومی طور پر درج ذیل مضامین کو بیان فرمایا ہے:

۱۔ فرعون کا قصہ، جسے اللہ رَبّ العزّت نے عظیم الشان سلطنت نصیب فرمائی، لیکن اس نے تکبّر کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا، تو اللہ عزوجل نے اسے ہلاک کر دیا۔

۲-قارون کا قصہ، جسے اللہ رَبّ العزّت نے بے شمار مال و دولت سے نوازا،لیکن اس نے ناشکری کی، اللہ رَبّ العزّت کے احسانات کو بھول گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا انکار کیا، تو اللہ رَبّ العزّت نے اسے ہلاک کر دیا۔

۳-اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو آپ کے شہر میں فتح یاب کر کے لوٹائیں گے، (اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ......الخ)۔

۴-اللہ رَبّ العزّت کی توحید اور ذات باری تعالیٰ سے تعلق کی مضبوطی کا بیان بھی اس سورت میں شامل ہے۔

۵-اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیلی طور پر ذکر فرما کر دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کے ساتھ کئی مشابہتیں ہیں، تو اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان مشابہتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں مماثلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے ساتھ جن اُمور میں مماثلت رکھتی ہے، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱-حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پالا اپنے دور کے جابر اور ظالم حاکم فرعون سے پڑا تھا جو کہ اقتدار والا تھا، مال و اسباب سے لیس تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اس نے آپ کے خلاف مہم جوئی کرنے کی کوشش کی، حضور علیہ السلام کا پالا بھی ابوجہل اور اپنے علاقے کے ظالم اور جابر قوتوں کے ساتھ رہا۔

۲-حضور علیہ السلام کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا گیا، موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہجرت پر مجبور کیا گیا، حضور علیہ السلام نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی، جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے مصر چھوڑ کر مدین کی طرف ہجرت کی۔

۳-حضور علیہ السلام سے اللہ کا وعدہ تھا کہ آپ کو آپ کے شہر میں واپس لائیں گے، موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک طرح کا اللہ کا وعدہ تھا کہ آپ کو مصر میں واپس لائیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہجرت کے آٹھ یا دس سال بعد مصر واپس تشریف لائے اور اللہ نے آپ کو وہاں غلبہ عطا فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ میں فاتح بن کر تشریف لائے، اور دسویں سال میں آپ کو اللہ نے پورے عرب کی حکومت عطا فرما دی۔

تو یہ کئی طرح کی مماثلتیں ہیں جن میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مشترک ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

طٰسٓمّٓ ۞ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۞

"طٰسٓمّٓ" یہ حروف مقطعات میں سے ہے، ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے (آغاز سورۂ یونس)۔ "تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞" یہ (جو مضامین آپ پر وحی کیے جاتے ہیں) واضح کتاب یعنی قرآن کی آیات ہیں۔ جن میں ہم ایمان

والوں کے نفع کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات و واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کریں گے، (کیونکہ ان قصوں کے بیان کرنے سے غرض عبرت کا حصول اور ان سے نبوّت پر استدلال کرنا ہے اور یہ غرض ایمان والوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ (بحوالہ معارف القرآن للشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝

فرعون کی سرکشی اور اس کے مظالم

فرعون نے سرزمین مصر میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا، اس طرح کہ ایک فریق یعنی قبطیوں کو معزز بنا رکھا تھا اور دوسرے فریق یعنی بنی اسرائیل کو کمتر درجہ پر رکھا، پھر بنی اسرائیل کو کمزور سمجھ کر ان پر مظالم ڈھائے، ان کے (نومولود) بچوں کو قتل کروا دیتا تھا، جبکہ ان کی عورتوں (لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا، تاکہ ان سے خدمت لی جاسکے، حقیقت یہ ہے کہ فرعون بڑا فسادی تھا۔

بنی اسرائیل پر اللہ ربّ العزّت کے احسانات

ادھر فرعون اور اس کے سرداروں نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے جبکہ دوسری طرف اللہ ربّ العزّت کی منشا اور ارادہ کچھ اور تھا، اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہماری منشا یہ تھی کہ ہم ان طاقتوروں، وڈیروں، حکمرانوں اور ظالموں پر، ان کمزور لوگوں کو غالب کردیں جن پر ظلم ڈھایا جا رہا تھا، اور ان کمزور لوگوں پر اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرما کر ان کو زمین (مصر) کا مالک اور وارث بنا دیں۔

اور مزید ان پر یہ انعام بھی کریں کہ ان کو اِقتدار عطا کردیں، اور فرعون اور اس کے لشکروں کو وہ چیز (زوال سلطنت) دکھا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے، اور جس سے بچاؤ کرنے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے قتل کروا دیے تھے، تو انہوں نے اپنا کام کیا اور اللہ ربّ العزّت نے اپنی تدبیر کی، اور ان کی تدبیر پر اللہ کی تقدیر غالب آ گئی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ۝ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعے کا آغاز

بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا وعدہ اور اس کی عملی صورت

ہوا یوں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، تو چونکہ یہ وہی زمانہ تھا جب فرعون نجومی کی پیشین گوئی کی وجہ سے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو پے در پے قتل کروا رہا تھا، اس لیے ان کی جان کو بھی خطرہ لاحق تھا، تو اللہ ربّ العزّت نے ان کی والدہ (جن کا نام ایارخا، بارخت یا یوحانذ تھا) کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ سردست آپ ان کو دودھ پلاتی رہیے، جب آپ کو خطرہ محسوس ہو تو بلا خوف و خطر ان کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیجیے، اور ان کے ضائع ہونے کا کوئی ڈر یا ان کے فراق کی کوئی فکر نہ رکھیے گا اور نہ ہی غمگین اور پریشان ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ میرا وعدہ ہے کہ ہم اس بچے کو آپ کی گود میں واپس پہنچا دیں گے، اور پھر اپنے وقت پر ان کو رسول بھی بنائیں گے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی رہیں، اور جب ان کو بات پھیلنے کا اندیشہ لاحق ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا، وہ صندوق پانی کے بہاؤ پر تیرتا ہوا جب کنارے پر لگا تو وہاں فرعون کے کارندوں نے اسے اٹھا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہی بچہ فرعونیوں کے لیے غم اور پریشانی کا باعث بن گیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر فرعون، ہامان اور اس کے لشکر نے اپنے حق میں بڑی غلطی کی، کیونکہ بے شمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ کی بنا پر قتل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رہنے دیا اور انجام کار وہی بچہ ان کے زوال کا سبب بنا۔ (تفسیر عثمانی)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لایا گیا تو فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے آپ کو دیکھتے ہی فرعون سے کہا کہ یہ بچہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا، یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا، لہٰذا اس بچے کو قتل مت کرنا، ہو سکتا ہے کہ یہ (بڑا ہو کر) ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں، اور ان لوگوں کو اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت ختم ہوگی۔

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾
وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١١﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ
فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا
تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

وعدۂ خداوندی کی تکمیل کا بیان

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے اہلکاروں نے اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کر دیا جبکہ ادھر موسیٰ علیہ السلام

کی والدہ کا دل (مختلف قسم کے اوہام اور خیالات کی وجہ سے) سخت بے قرار ہوگیا، بے قراری اتنی شدید تھی کہ اگر اللہ ربّ العزّت ان کا دل مضبوط نہ کرتے تو وہ یہ سارا واقعہ بیان کر کے موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کر دیتیں۔ لیکن اللہ نے انہیں ہمت اور حوصلہ عنایت فرمایا اور ان کے دل کو مضبوط کیے رکھا، اس لیے انہوں نے بمشکل اپنے دل کو سنبھالا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے دل کو تو بمشکل سنبھال لیا لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا سراغ لگانے کی کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰ علیہ السلام کا سراغ تو لگاؤ، تو وہ اپنی والدہ کے کہنے پر سراغ حال کے لیے گھر سے نکلیں اور پوچھتے پوچھتے فرعون کے محل تک پہنچ گئیں، وہاں پہنچ کر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دور سے یا غیر محسوس طریقے سے دیکھا جبکہ ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہیں اور اس کا پتا کرنے آئی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے محل میں موجود سب خواتین نے اپنا اپنا دودھ پلانے کی کوشش کی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر ایک کا دودھ پینے سے انکار کر دیا، جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن وہاں پہنچیں تو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہیں پیتے، جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتا بتاؤں جو تمہارے اس بچے کی پرورش بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں، انہوں نے اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور اس گھرانے کا پتہ پوچھا تو انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلایا، جس پر وہ بلوائی گئیں، اور موسیٰ علیہ السلام ان کی گود میں دیے گئے، انہوں نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا، جس پر انہیں دودھ پلانے کی ذمہ داری مستقل طور پر دے دی گئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ، فرعون اور اس کی اہل خانہ کی اجازت سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر لے آئیں۔

غرض اس طرح اللہ ربّ العزّت نے اپنے وعدہ کے موافق موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بچے کے فراق کا غم نہ رہے، اور تا کہ یہ بات مکمل یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے۔

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب سینے سے لگایا تو انہوں نے فوراً دودھ قبول کر لیا، اس پر سیدہ آسیہ فرعون کی بیوی نے کہا کہ آپ ہمارے محل میں رہ کر انہیں دودھ پلائیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میرا خاوند اور بچے بھی ہیں، جن کی خدمت کی ذمہ داری میری ہے، اس لیے میں محل میں تو نہیں رہ سکتی، البتہ میں اپنے گھر میں رہ کر دودھ پلا سکتی ہوں، حضرت آسیہ نے اس کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ معقول اجرت، انعام اور احسان کے طور پر کپڑے اور نقدی وغیرہ بھی پیش کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے اور انعامات لے کر خوشی خوشی گھر واپس آئیں، ان کا خوف وخطرہ، امن واطمینان میں بدل گیا، انہیں عزّت اور رزق بھی نصیب ہوا۔ حدیث پاک میں ہے:

مثل الذی یعمل ویحتسب فی صنعته الخیر کمثل ام موسی ترضع ولدها وتاخذ اجرها۔

ترجمہ:- اس شخص کی مثال جو نیک عمل کرے اور اپنے نیک عمل میں ثواب کی امید رکھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرح ہے، جو اپنے بچّے کو دودھ بھی پلاتیں اور اس پر اجرت بھی وصول کرتیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۞ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۞ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۞

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا ایک واقعہ

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا پس منظر بیان کیا جارہا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوگئے، تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں حکمت یعنی نبوّت اور علم عطا فرمایا۔

اسی زمانے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر میں کہیں باہر سے ایسے وقت میں پہنچے کہ وہاں کے اکثر باشندے بے خبر، غفلت کی نیند سو رہے تھے، یہ وقت یا تو دوپہر کا وقت تھا جب لوگ قیلولہ کے لیے سوجاتے ہیں یا یہ وقت کچھ رات گئے کا تھا۔ (کذا فی معارف القرآن بحوالہ درمنثور) تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں، ایک ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری کا تھا جنہیں اسرائیلی یا سبطی کہتے ہیں، جبکہ دوسرا فرعون کی برادری کا تھا جنہیں قبطی کہتے ہیں، تو جو بنی اسرائیلی اور سبطی تھا، اس نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے اپنے مدمقابل کے خلاف مدد طلب کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس قبطی کو سمجھایا لیکن جب وہ باز نہ آیا تو آپ علیہ السلام نے اسے ایک مکا (گھونسا) مارا، مکا لگتے ہی خلاف توقع وہ قبطی مرگیا، آپ علیہ السلام اس غیر متوقع نتیجے سے بہت پچھتائے، اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہے، اس لیے فوراً ذات باری تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ ربّ العزّت سے استغفار اور توبہ کی، اور کہنے لگے: "رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہوگیا، میں اپنے اوپر زیادتی کر بیٹھا، آپ مجھے معاف کردیجیے، سو اللہ ربّ العزّت نے آپ کو معاف کردیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی سے معافی مل گئی تو آپ نے اللہ ربّ العزّت سے عہد کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر بہت انعامات فرمائے ہیں اس لیے میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہیں کروں گا۔ (یہاں مجرموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیونکہ کسی سے گناہ کرانا بھی جرم ہے۔ بحوالہ معارف القرآن)۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ
لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۞ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ
نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۞

مذکورہ واقعے کا دوسرا حصہ

اس واقعے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر ہی میں تھے، لوگوں میں اس واقعے کا چرچا ہو چکا تھا لیکن کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس قبطی کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیونکہ اس واقعے کا واحد عینی شاہد وہ اسرائیلی شخص تھا، البتہ چونکہ اسی کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لیے اس نے اظہار نہیں کیا، لیکن موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا، یہاں تک کہ رات گزر گئی۔

اگلے دن صبح موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ڈرتے باہر نکلے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی شخص جس کی پکار پر گزشتہ کل موسیٰ علیہ السلام مدد کے لیے گئے تھے، وہ کسی اور قبطی سے لڑ رہا تھا، اس نے پھر آپ سے مدد طلب کی، موسیٰ علیہ السلام کو یہ دیکھ کر غصہ آیا، اور اس سے فرمایا: ''اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۞'' تو کھلا گمراہ ہے، کہ روز کسی نہ کسی سے لڑ پڑتا ہے۔

اس شخص کو ڈانٹنے کے بعد آپ علیہ السلام نے اس قبطی کو روکنے کا ارادہ کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس اسرائیلی دونوں کا دشمن تھا، کیونکہ آپ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے، اور قبطی یعنی فرعونی قوم کے افراد بنی اسرائیلیوں پر ظلم ڈھایا کرتے تھے، اور مذکورہ واقعہ میں بھی زیادتی اسی فرعونی کی جانب سے تھی، چنانچہ جب آپ اس فرعونی کو روکنے کی غرض سے اس کی طرف لپکے تو چونکہ اس سے پہلے اس اسرائیلی کو (جس کی کل مدد کی تھی) ڈانٹ پلا چکے تھے، اس لیے اس کو یہ شبہ ہوا کہ شاید آج مجھے سزا دیں گے، تو وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا آج آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے آپ نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا، یہ بات اس فرعونی نے سن لی اور اس نے فوراً جا کر فرعون کو خبر پہنچا دی، فرعون اپنے آدمی کے مارے جانے سے پہلے ہی نہایت غصہ میں تھا، یہ سن کر مزید آگ بگولا ہو گیا، اس نے فوراً اپنی کابینہ کو مشورہ کے لیے اکٹھا کیا، مشورہ میں طے پایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ؗ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ
النّٰصِحِيْنَ ۞ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞

موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ کا آپ کو اطلاع اور مشورہ دینا

جس مجلس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا، اس مجلس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک محب اور خیر خواہ بھی موجود تھا، وہ فوراً وہاں سے نکلے اور قریبی راستہ پر دوڑتے ہوئے قاتلوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے پاس پہنچ گئے اور آ کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ: ''اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۞'' فرعون اور اس کے درباری آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، اس لیے آپ جلد از جلد یہاں سے چلے جائیے، میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی بات سنی تو اسی وقت وہاں سے خوف اور وحشت کی حالت میں چھپتے چھپاتے نکل کھڑے ہوئے، اور ہجرت کا آغاز فرما دیا، چونکہ راستہ معلوم نہیں تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی "رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝" "اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات عطا فرما دیجیے، (اور امن کی جگہ پہنچا دیجیے)۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب مدین ہجرت

سورت کے عمومی مضامین میں اس بات کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں کئی لحاظ سے مماثلتیں ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعہ کو ذکر کرنے کا ایک مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا بھی ہے، چنانچہ اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ ذکر فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر آپ کو بھی اپنے شہر سے ہجرت کرنی پڑسکتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے مدین کی جانب ہجرت کرنا پڑی، لہٰذا آپ اس کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار رکھیے۔ اس لیے اب ہجرت کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ ربّ العزّت سے دُعا کر کے ایک سمت کو چل پڑے، جو مدین کی جانب جاتا تھا، تو چونکہ آپ علیہ السلام بے سروسامانی کی حالت میں مصر سے نکلے تھے اور راستہ کا علم بھی نہیں تھا اس لیے اس اضطرار کی حالت میں اللہ ربّ العزّت کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: "عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۝" "امید ہے کہ میرا ربّ مجھے سیدھے راستے پر چلائے گا، (اور کسی امن والی جگہ پہنچا دے گا)۔ اللہ ربّ العزّت نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور آپ مدین پہنچ گئے، جو ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے، یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، اور مصر سے آٹھ منزل کی مسافت پر واقع تھا۔

کنویں پر موجود لڑکیوں کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تو وہاں ایک کنویں کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، جس پر لوگ جمع تھے اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، اور ان لوگوں سے ایک طرف دو نوجوان لڑکیاں الگ تھلگ کھڑی تھیں جن کے پاس بکریاں بھی تھیں، لیکن وہ اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا رہی تھیں، موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے دریافت کیا کہ "مَا خَطْبُكُمَا" "کیا وجہ ہے کہ تم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا رہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتے جب تک یہ سارے مرد اپنے جانوروں کو پانی پلا کر گھر نہ چلے

جائیں، جب یہ مرد اپنے جانوروں کو ہٹا کر لے جاتے ہیں تو ہم باقی بچا کھچا پانی اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ پانی پلانے کے لیے ایک پتھر ہٹانا پڑتا تھا جو بہت بھاری تھا اور اسے دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے۔ اور ہم جانوروں کو پانی پلانے اس لیے آتی ہیں کہ ہمارے والد بزرگوار بوڑھے ہیں، وہ آنہیں سکتے، اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا مجبوری میں ہمیں ہی آنا پڑتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام خود خالی پیٹ تھے، کھانے کے لیے درختوں کے پتوں اور سبزی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، پاؤں سے جوتا بھی ٹوٹ کر نکل چکا تھا، اور بھوک کی وجہ سے اللہ کے اس محبوب بندے کا پیٹ کمر سے مل چکا تھا، اس کے باوجود جب آپ علیہ السلام کو ان لڑکیوں کی صورتحال کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام کو ان پر رحم آگیا، چنانچہ آپ نے اکیلے وہ بھاری پتھر ہٹایا جس کو دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے، اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، پانی پلانے کے بعد آپ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے، اور اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! (اس وقت) جو نعمت بھی آپ میرے پاس بھیج دیں گے، میں اس کا سخت ضرورت مند اور محتاج ہوں۔

حصولِ روزگار کا قرآنی وظیفہ

بزرگان ومشائخ فرماتے ہیں کہ بے روزگار آدمی کے لیے یہ قرآنی دُعا (رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۝) نہایت اکسیر ہے، جس شخص کا کوئی روزگار نہ ہو، گھر نہ ہو یا شادی نہ ہوتی ہو تو وہ یہ دُعا پڑھے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝

موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت اور حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دُعا کی تو اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمالی، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب وہ لڑکیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو ان کے والد نے معمول سے جلدی آجانے کی وجہ دریافت کی، تو انہوں نے پورا قصہ بیان کردیا، تو ان کے والد نے کہا کہ اچھا جاؤ اور اس اجنبی کو بلا کر لاؤ، تو ان میں سے ایک لڑکی حیا اور شرم کا پیکر بن کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی، غالباً اس کا نام صفورہ تھا، اس نے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ "اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ" "میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ کو آپ کی محنت کا صلہ دے سکیں، لہٰذا آپ میرے ساتھ تشریف لے آیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ویسے ہی امن والی جگہ اور کسی رفیق کی ضرورت تھی، لہٰذا اس خاتون کے ساتھ چل پڑے، لیکن اس خاتون سے کہا کہ آپ میرے پیچھے چلیں، تاکہ کسی اجنبی خاتون کے کسی عضو پر میری نظر نہ پڑے، اور پیچھے سے راستہ بتاتی رہیں، غرض اس طرح ان کے والد کے پاس پہنچ گئے۔

اس لڑکی کے والد جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ان کے پاس پہنچے تو ان کو سارا قصہ سنایا اور سارا حال بیان کر دیا، تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ ''لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ'' اندیشہ نہ کیجیے، آپ ظالم لوگوں سے بچ آئے ہیں، کیونکہ یہ ان کا ملک نہیں ہے، بلکہ ان کی عملداری سے خارج ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان مندرجہ بالا گفتگو ہوئی تو ان کی بیٹیوں میں سے اسی بیٹی نے کہا: ''یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ'' اے اَبّا جان! آپ ان کو ملازم رکھ لیجیے، کیونکہ ہم عورت زاد ہیں، گھر سے باہر نکل کر کام کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں، جبکہ آپ عمر رسیدہ ہیں، اور آپ کو کام کاج کے لیے آدمی کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ ان کو ملازم رکھ لیجیے۔ ''اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ'' کیونکہ ایک اچھے ملازم کی صفات اس میں موجود ہیں۔

قرآن کی روشنی میں اچھے ملازم کی صفات

اچھا ملازم کون ہوتا ہے اور ایک اچھے ملازم میں وہ کون سی صفات ہونی چاہئیں جن کی بنیاد پر کسی کو ملازم رکھا جائے؟ تو اللہ ربّ العزّت نے اس آیت میں اس کا میرٹ بتایا کہ جب کسی کو ملازم رکھنا ہو تو ان دو چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

۱۔ پہلی صفت ''القوی'': ملازم طاقتور ہو، یعنی جس کام کے لیے اس کو ملازمت پر رکھ رہے ہوں اس کو انجام دینے کی اس میں قوت اور طاقت بھی ہو، باہمت ہو، باصلاحیت ہو۔

اس خاتون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت کا مشاہدہ اس وقت کیا تھا جب آپ نے دس بندوں سے اٹھائے جانے والے پتھر کو اکیلے اٹھا لیا تھا۔

۲۔ اور دوسری صفت ''الامین'': وہ امانتدار ہو، خائن نہ ہو، کرپٹ نہ ہو، چور نہ ہو۔

اس خاتون نے موسیٰ علیہ السلام کی امانت اس وقت ملاحظہ کی تھی جب آپ نے اس کے ساتھ چلتے وقت اسے فرمایا تھا کہ تم پیچھے چلو تا کہ تمہارے کسی عضو پر، میری نظر نہ پڑ جائے، اور مجھے پتھر پھینک کر راستہ کی راہنمائی کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا حُسنِ انتخاب

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ لوگوں میں تین شخص سب سے زیادہ سمجھدار ثابت ہوئے:

۱۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، انہوں نے بوقت وصال خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

۲۔ عزیز مصر، جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اس بچّے کو اچھے انداز سے ٹھکانا دیں، یہ ہمارے لیے نفع کا ذریعہ ثابت ہوگا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔

۳۔ وہ خاتون جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

شریعت کی روشنی میں مزدوروں کے حقوق

لوگ مزدور ڈے/لیبر ڈے مناتے ہیں، حالانکہ ان کو مزدوروں کے حقوق تک معلوم نہیں ہوتے، اور نہ ہی مزدوروں کے فرائض کا ان کو ادراک ہوتا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے دیگر طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کی طرح مزدوروں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "عن عبد اللہ بن عمر، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أعطوا الأجیر أجرہ قبل أن یجف عرقہ" کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے دے دو۔ (سنن ابن ماجہ ۳/۵۱۰)

ایک روایت میں ہے:

عن أبی ھریرۃ -رضی اللہ عنہ- عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال اللہ: ثلاثۃ أنا خصمھم یوم القیامۃ، رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا فأکل ثمنہ، ورجل استأجر أجیرا فاستوفی منہ ولم یعط أجرہ۔ (صحیح بخاری شریف: ۱/۱۸۱)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کا ارشاد نقل فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے اعلان فرمایا ہے کہ تین لوگ ایسے ہیں جن سے میں بروزِ قیامت خود نمٹوں گا:

۱- ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر کسی سے کوئی عہد کیا اور پھر عہد سے مکر گیا۔
۲- دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد مرد یا عورت کو بیچا اور اس سے حاصل شدہ رقم کھا گیا۔
۳- تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر رکھا، اور اس سے کام تو پورا لیا لیکن اجرت نہیں دی۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ۝

حضرت شعیب علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی کے نکاح کی پیشکش

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے یہ بات کی، تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝" کہ چونکہ تمہیں گھر اور رفیق کی ضرورت ہے، جبکہ ادھر میں بیٹی والا ہوں اور مجھے اس کے رشتے کے لیے ایک نیک فرد کی ضرورت ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں، اور میری شرط یہ ہے کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، گویا یہ آٹھ سالہ نوکری اور خدمت ہی نکاح کا مہر

ہوگا، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آٹھ سالہ نوکری مہر کا مقدمہ تھا، مہر کے معاملات آگے طے ہوئے تھے، اس لیے کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہوگا، میری طرف سے کوئی جبر نہیں، اور میں اس معاملہ میں تم پر کوئی سختی بھی نہیں برتوں گا تم اگر ہمارے ساتھ رہنے پر رضامند ہوئے تو مجھے ان شاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے، اور ہمارا نبھاؤ، ہمارا اخلاق اور ہمارا چال چلن آپ کے لیے ان شاء اللہ خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگا۔

لڑکی والوں کا خود سے لڑکے والوں کو رِشتے کی پیشکش کرنا دُرست ہے

اس آیت کی روشنی میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر لڑکی والے از خود لڑکے والوں کو رشتہ کی پیشکش کردیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو از خود پیشکش کی تھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے اولیاء کو چاہیے کہ اگر کوئی نیک اور صالح مرد ملے تو اس بات کا انتظار نہ کریں کہ اسی کی جانب سے نکاح کے معاملہ کی بات چیت کا آغاز ہو، بلکہ از خود پیشکش کردینی چاہیے۔ (معارف القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہدے پر رضامندی کا اِظہار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات سن کر رضامندی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پکی ہوچکی ہے، اور میں ان دو مدتوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کروں مجھ پر کوئی جبر نہیں ہوگا، اور ہم جو یہ معاملہ کی بات چیت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا گواہ ہے، لہٰذا اس کو حاضر ناظر جان کر عہد پورا کرنا چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور اپنے پیٹ کے کھانے کے لیے اپنے آپ کو ملازم بنایا۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

اس عہد و پیمان کے بعد بعض حضرات کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال وہاں رہے، جبکہ دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ نے پورے دس سال مکمل کیے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے زیادہ مدت یعنی دس سال پورے کیے، کیونکہ انبیاء کی شان ہی یہی ہے کہ معاملات میں ایثار و قربانی سے کام لیتے تھے اور فریق ثانی کے فائدہ کا لحاظ کرتے تھے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زائد عطا فرمادیا کرتے تھے۔

بہرحال یہ مدت پوری کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی بیوی کو لے کر مصر یا شام کی جانب روانہ ہوگئے۔

موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں مماثلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں واضح مماثلت پائی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے مصر سے مدین کی جانب ہجرت کی، اور مدین میں آٹھ یا دس سال گزار کر واپس مصر تشریف لے آئے، اسی طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی، اور وہاں آٹھ سال رہنے کے بعد دوبارہ مکہ میں فاتح بن کر تشریف لے آئے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر واپسی کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال گزارنے کے بعد جب مصر واپس تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں آپ کی اہلیہ کو دردِ زہ شروع ہو گیا، تو چونکہ سردی بہت زیادہ تھی، اس لیے آگ کی ضرورت پڑی، چنانچہ آپ نے آگ کی تلاش میں نظریں دوڑانا شروع کر دیں، اور آپ کو دور ایک بلند مقام پر آگ نظر آ گئی، آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ آپ یہاں ہی ٹھہرے رہیں، میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہوں، یا شاید وہاں سے راستہ کی کچھ خبر ہی مل جائے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عجیب آگ ہے، جتنا اسے لینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں آگ اتنا ہی پیچھے چلی جاتی ہے، اسی کشمکش میں تھے کہ اسی آگ سے آواز آئی "یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝" اے موسیٰ! میں ربّ العالمین ہوں (یہ میری تجلی ہے)۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ۚ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۗ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۖ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۗ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝

"عصا" اور "یدِ بیضاء" کا معجزہ اور نبوّت ملنے کے بیان میں

پھر آواز آئی کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو، جیسے ہی انہوں نے عصا زمین پر ڈالا، تو وہ سانپ بن کر چلنے لگا، جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو ڈر گئے، اور پشت پھیر کر بھاگنے لگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، آواز آئی کہ اے موسیٰ کہ ڈرو نہیں، یہ سانپ تو آپ کا معجزہ ہے، اسے اٹھاؤ، جب اٹھایا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گئی۔

اس کے بعد دوسرا معجزہ عنایت فرمایا، اللہ ربّ العزّت نے حکم فرمایا کہ "اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۖ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ" اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالو، وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کے نکلے گا، آپ نے ایسا ہی کیا اور ہاتھ روشن ہو گیا، پھر اسے دوبارہ اپنے گریبان میں ڈالا تو وہ پہلے کی طرح ہو گیا۔

پھر اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ یہ دونوں تمہاری نبوّت کی نشانی اور دلیل ہیں، لہٰذا اب فرعون کے پاس جاؤ اور اسے جا کر دعوت ایمان دو، کیونکہ وہ بڑا نافرمان ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۫ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

بارگاہِ خداوندی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست

جب اللہ رَبّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت سے سرفراز فرما کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جانے کا حکم فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزانہ طور پر بارگاہ خداوندی میں عرض کی: ''رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾'' اے میرے پروردگار! میں جانے کے لیے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص مدد کی ضرورت ہے، کیونکہ مجھ سے ان کے ایک آدمی کا قتل ہو گیا تھا، تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان بھی زیادہ رواں نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں انگارا اپنی زبان پر رکھ لیا تھا، اس لیے دوسرے مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا بھی منقول ہے'' واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی '' (سورۂ طٰہٰ) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! میری زبان زیادہ رواں نہیں ہے، جبکہ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے، لہٰذا آپ اس کو میرا معاون بنا دیجیے، اور میرا مددگار بنا کر انہیں بھی میرے ساتھ رسالت عطا کر دیجیے، تاکہ وہ میری بات کی تائید اور تصدیق کر سکے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں گے۔

درخواست کی منظوری کا اعلان

اللہ رَبّ العزّت نے ان کی درخواست منظور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ ہم آپ کے بھائی کو بھی نبوّت دے کر آپ کا دست و بازو بنا دیتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوّت ملی، حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑا اپنے بھائی پر احسان کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ انہوں نے ان کے لیے سفارش کی اور سفارش قبول ہو گئی۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا: '' قد اوتیت سؤلك یموسٰی '' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بھائی اپنے بھائی کا دست راست اور مضبوطی کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: '' سنشد عضدك باخیك '' ہم آپ کے بھائی کے ذریعہ آپ کا بازو مضبوط کر رہے ہیں۔
بہر حال اللہ رَبّ العزّت نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوّت دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم تم دونوں

کو ایک خاص شوکت اور ہیبت عطا کریں گے جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا ہمارے معجزے لے کر ان کے پاس جاؤ، ہمارا وعدہ ہے کہ تم دونوں اور تمہارے متبعین ان لوگوں پر غالب رہیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی فرعون کے دربار آمد

اللہ ربّ العزت نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کو لے کر فرعون کے دربار پہنچے، اور وہاں پہنچ کر فرعون اور اس کے درباریوں کو دین حق کی دعوت دی اور معجزات کی شکل میں واضح نشانیاں بھی دکھائیں۔

فرعون نے ان کی بات سن کر اور معجزات دیکھ کر کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے، اور ہم نے تو ایسی بات پہلے کبھی نہیں سنی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ہٹ دھرمی دیکھی تو کہنے لگے: "رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝" "میرے پروردگار کو خوب معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں سے ہدایت والے کون ہیں اور ظالم کون ہیں، ہر ایک کو اس کا انجام جلد معلوم ہو جائے گا، یقیناً ہدایت والوں کا انجام ہی سب سے اچھا ہوگا جبکہ ظالم اور فاسق لوگ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝

فرعون کی شانِ خداوندی میں سنگین گستاخی

فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح دلائل دیکھ لیے تو اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ہمارے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں، لہٰذا لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا: اے اہل دربار مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور رب نظر نہیں آتا، پھر مذاق اڑاتے ہوئے اپنے وزیر ہامان سے کہا: اے ہامان! ہمارے لیے آگ جلا کر اس میں مٹی کی اینٹیں بنواؤ، پھر ان پختہ اینٹوں سے میرے لیے ایک بہت بلند محل بنواؤ، (بعض حضرات نے اس کی بلندی تقریباً تیرہ سو فٹ ذکر کی ہے)۔ میں اس محل پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں گا، کیونکہ میں تو موسیٰ (علیہ السلام) کے اس دعویٰ کو کہ کوئی اور خدا بھی ہے، جھوٹ ہی سمجھتا ہوں۔

کیا یہ محل واقعۃً تعمیر کیا گیا تھا؟

فرعون کے اس حکم نامے کے بعد یہ محل بنایا گیا تھا یا نہیں، اس میں حضرات مفسرین کے دونوں اقوال ہیں۔ بعض

حضرات فرماتے ہیں کہ فرعون نے یہ بات صرف طنز کرنے اور مذاق اڑانے کی غرض سے کی تھی، حقیقت میں یہ محل تعمیر نہیں کیا گیا تھا، جبکہ دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ محل حقیقتاً تعمیر کیا گیا تھا، اور جب یہ محل مکمل ہو گیا، تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، جنہوں نے اس محل پر اپنا ایک پر مارا، جس سے اس محل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اور فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی اس کے نیچے دب کر مر گئے۔ (مستفاد از معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

فرعون اور اس کے لشکروں کا عبرتناک انجام

فرعون نے جب پیغامِ خداوندی اور دینِ حق کی دعوت کا ایسا مذاق اڑایا تو اللہ ربّ العزّت نے اسے اور اس کے لشکروں کو دنیا میں بھی اپنے عذاب کا نشانہ بنایا، اور اسے اور اس کے لشکروں کو دریا میں غرق کر دیا۔ اور آخرت میں بھی ان کے متعلق فرمایا کہ یہ قیامت میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے، ان کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں ہوگا۔ یوں دنیا میں بھی لعنت کا شکار ہوئے اور قیامت میں بھی بے حال لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

نزولِ تورات عمومی عذابوں کے خاتمے کا ذریعہ بن گئی

مذکورہ آیت میں قوموں کی ہلاکت کے بعد تورات کے نزول کا بیان ہے۔

سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روئے ارض پر نزولِ تورات کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عمومی طور پر نہ آسمانی عذاب نازل فرمائے اور نہ ہی زمینی عذاب، سوائے اس بستی والوں کے جن کی شکلیں موسیٰ علیہ السلام کے بعد بندر کی صورت میں بدل گئی تھیں۔ نزولِ تورات کے بعد کفّار کی سزا کے لیے حق تعالیٰ نے اہلِ زمین کو کفّار سے جہاد و قتال کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک دلیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک دلیل بیان فرمائی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ سے شرف کلام کے واقعات، مدین کے سفر کے قصے، حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے معاملات اور کوہ طور کے یہ واقعات اور حالات اہل مکہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سننے کو ملے ہیں، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں موجود نہیں تھے، اس کے باوجود آپ کا ان واقعات کو اس قدر جزئیات کے ساتھ بیان فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رَبّ العزّت نے ان واقعات کی خبر دی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ
اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

پیغمبر کیوں بھیجے جاتے ہیں؟

اللہ رَبّ العزّت فرماتے ہیں کہ اگر ہم رسول نہ بھیجتے اور ان کفار اور مشرکین پر ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت آجاتی، تو یہ کہنے لگ جاتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم آپ کے احکام کی اتباع کرتے اور ہم بھی ایمان لے آتے۔ اس لیے ہم نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تا کہ ان پر حجت تام ہوجائے اور حق سے منہ پھیرنے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی اور اعتراضات

مشرکین مکہ کے پاس جب اللہ رَبّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ان کی ہدایت کے لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن جیسی مقدس کتاب نازل فرمائی تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتے اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے لیکن انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی شروع کردی اور کہنے لگے کہ آپ کو کوئی ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی، یعنی مکمل کتاب یک بارگی کیوں نہ دے دی گئی۔

اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اعتراض کا جواب دیا کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، یہ تو اس کے بھی منکر تھے بلکہ یہ تو قرآن اور تورات دونوں کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں جادو ہیں (معاذ اللہ)۔ لہٰذا تورات کو لے کر قرآن پر اعتراض کرنا سوائے ایک حیلہ اور شرارت کے کچھ نہیں ہے۔

پھر اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس حیلہ کا بھی جواب ارشاد فرما دیا۔

فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اگر قرآن کو نہیں مانتے تو اللہ رَبّ العزّت کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ، جو ان دونوں سے بہتر ہو، میں بھی اسی کی پیروی کرنے لگ جاؤں گا، لیکن اگر یہ لوگ آپ کی یہ بات نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجیے کہ ان کے ان اعتراضات اور سوالات کا منشا اور مقصد حق کی تلاش نہیں، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے جو اللہ کی کتاب پر اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیں، اور ایسے ظالموں پر اللہ ہدایت کے دروازے بند فرما دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝

قرآن پاک مکمل یکبارگی نازل کیوں نہیں ہوا؟

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین مکہ کے اس اعتراض (کہ قرآن بھی تورات کی طرح ایک ہی بار مکمل کیوں نہیں نازل کیا گیا) کا تشفی بخش جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت ایک ہی بار میں مکمل قرآن پاک نازل کرنے پر بھی قادر ہیں، مگر اللہ نے ان مشرکین کی مصلحت کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن پاک کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تاکہ یہ لوگ بار بار تازہ بہ تازہ قرآن سن کر نصیحت حاصل کریں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۝

اہلِ کتاب کے انصاف پسند لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں

اہلِ کتاب کے وہ لوگ جو انصاف پسند ہیں، وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور محض ضد اور عناد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے نہیں رکتے، بلکہ جب ان کے سامنے کوئی قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو یہ اس کی حقانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کا کلام ہے۔ بلکہ ہم تو اس کے آنے سے پہلے بھی اس قرآن کو مانتے تھے۔

مذکورہ بالا اہلِ کتاب کا اِنعام اور ان کی صفات

ایسے اہلِ کتاب جو اپنی کتاب پر بھی ایمان لائے اور پھر نزول قرآن کے بعد اس پر ایمان لائے، ان کو ان کے صبر کی وجہ سے دہرا اجر ملے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں قیامت کے دِن ہر نیکی کا دُہرا اجر ملے گا:

۱۔ ''رجل من اھل الکتاب آمن بنبیہ ثم آمن بی'' ان میں سے ایک وہ یہودی یا عیسائی ہے جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور پھر مجھ پر بھی ایمان لایا۔ صحابہ کرام میں سے ایسے افراد میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، جو اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے اور مسلمان ہو گئے، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، جو حاتم طائی کے بیٹے تھے اور پہلے عیسائی مذہب پر تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت اسد اور حضرت اسید رضی اللہ عنہما جو پہلے یہودی مذہب پر تھے لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے، وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی باندی کو تعلیم دی، اس کو ادب سکھایا، پھر اس کو آزاد کر دیا اور اس سے شادی کر لی، اس کو اپنا برابر کا حصہ دار بنا لیا، تو اس کے لیے بھی دہرا اجر ہے۔

۳۔ اور تیسرا وہ شخص جو غلام ہے، ملازم ہے، نوکر ہے، اور اس نے اپنے مالک کا حق بھی پورا ادا کیا اور اللہ کا حق بھی پورا ادا کیا تو اس کے لیے بھی دہرا اجر ہے۔ (صحیح البخاری، ص:۵۶)

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

ہدایت دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے

پھر اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا، اے میرے میرے حبیب! ہدایت آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ میرے ہاتھ میں ہے، لہٰذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جسے آپ چاہیں اسے ہدایت عطا فرما دیں۔

یہ آیت تب نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تھا، اور آپ کی شدید خواہش کے باوجود انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا، اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غم لاحق ہوا۔ تو اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما دی۔

اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ جب جناب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب ہوا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چچا جان کلمہ پڑھ لو تاکہ میں قیامت کے دِن اللہ کے ہاں آپ کی سفارش کر سکوں، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت خدمت کی تھی، آپ کو مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے ہر ممکن بچانے کی کوشش کی تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت بھی تھی، جس کی وجہ سے آپ کی بڑی تمنا تھی کہ یہ کسی طرح اسلام قبول کر لیں اور ایمان لے آئیں۔

بہر حال جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اسلام قبول کرنے اور کلمہ پڑھنے کی دعوت دی تو وہ تردد کا شکار ہوئے، کیونکہ کفارِ مکہ کے بڑے بڑے سردار بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے کہا: کیا تو مرتے وقت عبدالمطلب کا دین چھوڑ دے گا؟ تو جناب ابوطالب نے انکار کردیا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے یہ شعر پڑھے:

دعوتنی وزعمت انك صادق
وصدقت فيه وكنت ثمه اميناً
ولقد علمت بان دين محمد
خير من اديان البرية ديناً
لو لا الملامة او حذار مسبة
لوجدتني بذالك سمحاً مبيناً

جن کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے مجھے دینِ اسلام کی طرف دعوت دی اور مجھے پتا ہے کہ آپ اپنی اس بات میں سچے اور امین ہیں، اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین، دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مکہ کی عورتیں مجھے میرے مرنے کے بعد طعنہ دیں گی کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا تو میں ضرور اسلام قبول کرلیتا۔ پھر ان کی روح پرواز کرگئی، آپ علیہ السلام کو بہت صدمہ پہنچا، پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

کفار کو ایمان لانے سے کون سی چیزیں روکتی ہیں؟

کفارِ مکہ میں سے بعض لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں اور آپ کے ساتھ ہو کر اس دین پر چلنے لگیں تو ہمیں کچھ خطرات لاحق ہوجائیں گے، ایک خطرہ تو یہ ہے کہ ہم گھر سے بے گھر ہوجائیں گے اور دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہمیں معاشی تنگی بھی لاحق ہوجائے گی، اور تیسرا خطرہ یہ ہے کہ تکالیف اور پریشانیاں بہت آئیں گی۔ تو اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما کر کفار کے ان اندیشوں کا جواب دیا، اور فرمایا کہ ہم نے ان کو امن اور امان والے حرم میں جگہ دی ہے، جہاں کسی قسم کے جانی اور مالی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے، کیونکہ حرم کا سب احترام کرتے ہیں، اور وہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں، لہٰذا رزق کی پریشانی اور تنگی کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

اصل خطرہ جان یا مال کی پریشانی نہیں، بلکہ کفر اور شرک کا ارتکاب ہے

کفار کے ان اندیشوں کا جواب دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کو اصل خطرہ کی جانب متوجہ فرمایا، جس کا

حاصل یہ ہے کہ بہت سے لوگ اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں جن میں بسنے والے نہایت خوشگوار حالات میں زندگی بسر کرتے تھے، ان کو جان یا مال کی کوئی پریشانی لاحق نہیں تھی، ہر قسم کی نعمت انہیں حاصل تھی، لیکن انہوں نے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے تکبر کیا اور کفر اور شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا، اور آج بھی ان کے گھر اجڑے اور ویران پڑے ہیں، جو ان کے بعد کبھی آباد نہیں ہوئے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مال و دولت اور رزق کی تنگی اصل خطرہ نہیں، بلکہ کفر اور شرک میں مبتلا رہ کر زندگی بسر کرنا اصل خطرہ ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۝

قوموں کی ہلاکت سے متعلق ضابطۂ خداوندی

کفارِ مکہ کو ایک شبہ یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر ان سابقہ اقوام کی ہلاکت کی وجہ ان کا کفر اور شرک میں مبتلا رہنا ہے تو ہم بھی تو ایک مدت سے کفر کرتے آرہے ہیں، ہم کو ہلاک کیوں نہیں کیا گیا؟ تو اللہ رَبُّ العزّت نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے قوموں کی ہلاکت سے متعلق اپنا قانون بھی ارشاد فرما دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبُّ العزّت کسی بھی بستی یا قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک ان میں اپنے کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے، اور پیغمبر بھیجنے کے بعد بھی فوراً ان کو ہلاک نہیں کرتے بلکہ اس وقت تک ان کو مہلت دیتے ہیں جب تک وہ سرکشی اور عناد میں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝

کفار و مشرکین کے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چونکہ یہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے لہٰذا دنیا کی محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس کی وجہ سے یہ اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہتے تھے، تو اللہ رَبُّ العزّت نے اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے ہمیشہ باقی رہنے کو بیان فرما کر انہیں غور و فکر کی دعوت دی کہ دنیا میں جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ سب تو زندگی برتنے کا سامان ہے، جو تمہاری زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا، لیکن جو اجر اور ثواب اللہ رَبُّ العزّت کے پاس ہے، وہ اس سے کئی گنا بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی۔ لہٰذا اچھی طرح غور و فکر کرلو۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ۝

مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے!

اللہ رَبُّ العزّت فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس سے ہم نے جنّت کا وعدہ کیا ہے اور وہ جنّت میں یقیناً جائے گا (یعنی مومن شخص)، کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا کچھ روزہ فائدہ دے رکھا ہے اور قیامت کے دِن وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے (یعنی کافر شخص)۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝

اللہ کی توحید کے چند دلائل

اللہ رَبّ العزّت کی توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جارہے ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور پھر اپنی مخلوقات میں سے اور احکام میں سے جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے (اور انبیاء کے ذریعہ نازل فرماتا ہے، معارف القرآن)۔ لوگوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

توحید باری تعالیٰ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کا علم بالکل کامل ہے، وہ سینوں میں پوشیدہ امور اور اعلانیہ کیے جانے والے افعال اور باتوں کا مکمل علم رکھتا ہے۔

وہ شرک سے پاک ہے، دنیا اور آخرت میں حقیقی تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے، سارے فیصلے اسی کے اختیار میں ہیں، اور سب نے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۗ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۗ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

قدرتِ خداوندی کے نمونے

اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کے بے شمار نمونوں میں سے ایک نمونہ رات اور دِن کا یہ مرتب نظام ہے، رات اپنے وقت پر آتی ہے اور دِن اپنے وقت پر شروع ہوتا ہے، اللہ رَبّ العزّت کے علاوہ کوئی اس نظام کو سنبھالنے والا نہیں ہے، اگر اللہ دِن کو روک دے تو کوئی رات نہیں لاسکتا اور اگر اللہ رات کو روک دے تو کوئی دِن نکالنے پر قادر نہیں ہے۔

دن اور رات کا یہ مرتب نظام اللہ رَبّ العزّت کی خاص رحمت ہے کہ اس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا، اور دِن کو روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا، لہٰذا اس رحمت پر اللہ رَبّ العزّت کا شکر ادا کرو۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۝

قارون کا عبرت ناک انجام

قارون کون تھا؟

قارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل میں سے تھا، اور بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ ان ستر لوگوں میں سے ایک تھا جن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کی مناجات کے لیے انتخاب کیا تھا، نیز یہ تورات کا حافظ اور بہترین قاری تھا، اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اسے تورات یاد تھی، مگر درحقیقت یہ منافق تھا، اور اس کی منافقت کی وجہ دنیا کے مقام ومرتبہ کی حرص تھی، کیونکہ پورے بنی اسرائیل کی سرداری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھی تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد پیدا ہو گیا تھا، اور کہتا تھا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں، جب اسے نبوّت، حکومت اور سرداری مل گئی تو مجھے کیوں نہیں ملی؟

اللہ ربّ العزّت نے اسے بے پناہ دولت سے نوازا تھا، قرآن میں اللہ ربّ العزّت نے اس کی دولت کے بار میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے پاس اتنی دولت تھی کہ اس کے خزانے کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھا کر چلتی تھی، لیکن اس نے اس دولت پر اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرنے کے بجائے تکبّر کرنا شروع کر دیا، اور اپنے آپ کو قوم سے برتر سمجھنے لگا۔

قوم کی قارون کو سمجھانے کی کوشش

جب بنی اسرائیل نے قارون کے یہ طور طریقے اور طرزِ عمل دیکھا تو اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ تکبّر نہ کیا کر، کیونکہ اللہ ربّ العزّت تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، اور جو مال تجھے اللہ ربّ العزّت نے عنایت کیا ہے اس میں سے آخرت کی تیاری کا بھی کچھ سامان کر، اور جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کر۔

قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ مِنَ ٱلْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ
قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْـَٔلُ عَن ذُنُوبِهِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ ۝

قارون کا تکبّر اور اللہ ربّ العزّت کی اس پر تنبیہ

جب قوم نے قارون کو تبلیغ کی اور اسے سمجھایا کہ اللہ ربّ العزّت کے دیے گئے مال میں سے اس کی مخلوق پر خرچ کیا کر، تو اس نے تکبّر کرتے ہوئے جواب دیا کہ یہ مال و دولت مجھے میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، اس میں اللہ کا کوئی احسان نہیں ہے، تو اللہ ربّ العزّت نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے اس سے پہلے اُمتوں میں ایسے کئی لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے جو نہ صرف مالی قوت میں اس سے کہیں بڑھ کر تھے بلکہ ان کا مجمع اور تعداد بھی اس سے زیادہ تھی۔
تو جب اللہ ربّ العزّت ان کو ہلاک کرنے پر قادر ہے تو وہ اسے ہلاک کرنے پر بھی بطریق اولیٰ قادر ہے۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ فِى زِينَتِهِۦ ۖ قَالَ ٱلَّذِينَ يُرِيدُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا يَـٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِىَ قَـٰرُونُ إِنَّهُۥ لَذُو

حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا
الصَّابِرُونَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنتَصِرِينَ ۝ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝

قارون کی ہلاکت کا واقعہ

قارون کی سرکشی اور تکبر دِن بدن بڑھتا رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم اس کو سمجھاتی رہی لیکن اس نے ان کی نہ مانی، جس پر اسے اللہ رب العزت کے عذاب نے آ پکڑا اور وہ ہلاک ہوگیا، اس کی ہلاکت کے مکمل واقعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں مذکورہ واقعہ کچھ یوں مرقوم ہے کہ قارون بنی اسرائیل کا سب سے بڑا عالم وقاری، خوبصورت اور مالدار شخص تھا، موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سرکشی کرتے ہوئے اپنے حواریوں سمیت الگ ہوگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام قرابت داری کی وجہ سے بار بار اس کے پاس جاتے جبکہ یہ صرف آپ کو ستاتا رہتا۔

قارون نے ایک ایسا محل تیار کیا تھا جس کا دروازہ سونے کا تھا اور دیواروں پر سونے کے ٹکڑے خوبصورتی کے لیے جڑے گئے تھے، بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ صبح شام اس کے پاس آتے، گپ شپ کرتے، اس کے پاس کھاتے پیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زکوٰۃ کے حکم پر اس نے اپنے حواریوں کو جمع کرلیا اور کہنے لگا کہ تم ہر بات میں موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہو، اب وہ تم سے تمہارے مال بھی لینا چاہتا ہے، تو تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے بڑے ہو، جو چاہو ہمیں حکم کرو، اس نے کہا کہ میرا حکم یہ ہے کہ فلاں بدکار خاتون کو لے آؤ اور اسے مال و دولت دے کر موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگانے کے لیے تیار کرو۔

چنانچہ قارون نے اس خاتون کو بلا کر اسے ایک ہزار دینار، ایک ہزار درہم، سونے کی پلیٹ اور اپنے خاندان کی خواتین میں شامل کرنے کی لالچ دے کر تہمت پر تیار کرلیا۔ اگلے دِن مجمع عام میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زانی کی سزا بیان کررہے تھے تو قارون نے تہمت لگادی اور ثبوت میں اس خاتون کو آگے کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قسم دے کر سوال کیا، کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ یہ فعل کیا ہے؟ تو اللہ نے اسے ہدایت نصیب فرمائی، اس نے کہا کہ قارون نے مجھے لالچ دیا تھا، اس پر موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور بددعا کی، جواب میں وحی آئی کہ میں نے زمین کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، آپ زمین کو جو چاہیں حکم دیں، وہ تعمیل ارشاد کرے گی۔ آپ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ جو قارون کا ساتھی ہے اس کے ساتھ رہے، اور جو میرا ساتھی ہے وہ یہاں سے الگ ہوجائے۔ اس اعلان کے بعد قارون کے ساتھ صرف دو آدمی باقی رہے، موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لے، ان کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، پھر حکم دیا کہ انہیں پکڑ لے، تو

وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، پھر حکم دیا تو ان کا آدھا بدن زمین میں دھنس گیا، پھر حکم دیا تو گردن تک زمین میں چلے گئے، یہ منظر دیکھ کر لوگ گڑگڑا رہے تھے، قارون اللہ کے واسطے اور رشتہ داری کے واسطے دے رہا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت جلال میں تھے اور قارون کی جانب ذرا بھی التفات نہیں فرما رہے تھے، پھر آپ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ انہیں اپنے اندر لے کر بند ہو جا، چنانچہ وہ مکمل طور پر زمین میں دھنس گیا، اور اب تک زمین میں دھنسایا جا رہا ہے۔

اس کی ہلاکت پر بعض بنی اسرائیل نے تبصرے کیے کہ قارون کو ہلاک کر کے موسیٰ علیہ السلام اس کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بددُعا کی جس سے اس کا محل، خزانے اور مال و دولت سب زمین میں دھنس گئے۔

بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ کافروں میں واحد قارون ہے جسے زمین سلامت رکھے ہوئے ہے اور اس پر دھنسنے کا عذاب آج بھی جاری ہے۔(اعاذنا اللہ من غضبہ وعقابہ!)

قارون کے انجام سے قوم کو نصیحت

جب قوم نے اپنی آنکھوں سے قارون کا یہ انجام دیکھا تو وہ لوگ جو پہلے اس کے مال و جائیداد کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس جیسا بننے کی تمنا کرتے تھے، تو ان سب نے اجتماعی توبہ کی اور کہنے لگے کہ واقعی رزق کی فراخی یا تنگی کا مدار خوش نصیبی یا بدنصیبی پر نہیں بلکہ یہ تو اللہ رَبّ العزّت کی مشیت ہے کہ جسے چاہتا ہے روزی میں فراخی نصیب فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

دارِ آخرت کا ثواب کن لوگوں کے لیے ہے؟

اللہ رَبّ العزّت فرماتے ہیں کہ آخرت کا ثواب ہم صرف انہی لوگوں کو عطا کریں گے جو تکبّر نہیں کرتے اور زمین میں فساد نہیں پھیلاتے، یعنی ظاہری اور باطنی گناہوں سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔

ثواب اور عقاب کا اُخروی ضابطہ

پھر اللہ رَبّ العزّت نے ثواب و عقاب کا اخروی ضابطہ بیان فرمایا، جس میں اللہ رَبّ العزّت کی رحمت خوب آشکارا ہوتی ہے۔ فرمایا کہ جو شخص کوئی نیک عمل کرے گا تو اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا، جس کی وضاحت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں فرمائی ہے کہ ایک نیکی پر کم از کم دس گنا اجر ملے گا اور اخلاص کی زیادتی کے ساتھ ستر گنا سے لے کر سات سو گنا تک اجر بارگاہ خداوندی سے ملے گا۔

جبکہ دوسری طرف اگر کسی سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اسے صرف اتنی ہی سزا ہوگی جتنی برائی اس نے کی ہے۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ ربّ العزّت کا وعدہ

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی لیکن آپ کو مکہ مکرمہ سے بے انتہا محبت تھی جس کی وجہ سے آپ کو مکہ کی یاد ستاتی رہتی تھی اور آپ غمگین رہا کرتے تھے، تو اس آیت مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے آپ کو تسلی دی اور وعدہ فرمایا کہ آپ کا رب آپ کو مکہ ضرور واپس لے جائے گا، اور اس وقت آپ غالب اور صاحب سلطنت ہوں گے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا، اور آٹھ سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بن کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں "معاذ" سے مراد جنّت ہے، اگر یہ بھی مراد ہو تو کوئی حرج نہیں، دونوں مصداق ہو سکتے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہایت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوّت کا اثبات بھی کیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے دلائل ذکر فرما کر توحید باری تعالیٰ کا اثبات کیا گیا ہے۔

۴۔ قارون کی ہلاکت کا واقعہ اور اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کفّار و مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

تمت سورة القصص بحمد الله وعمده



مکتبہ رشیدیہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 3

سورۃ العنکبوت تا سورۃ الناس



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ (محمد: 24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 3

سورۃ العنکبوت تا سورۃ الناس



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد:24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انہی کے تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 3

سورۃ العنکبوت تا سورۃ الناس

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہ

مکتبہ رشیدیہ

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

نام کتاب: نقوشِ قرآن جلد 3

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زُبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

اشاعتِ اوّل: شعبان 1443ھ

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، ملتان، پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ، پُرانا ملتان روڈ، شجاع آباد، ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 0322-6102570, 061-4396067,

0300-4396067, 0301-6361990,

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پُروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے، قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ

بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم الله الرحمن الرحيم

وقل رب زدني علما

اجمالی فہرست

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

قرآنِ کریم حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی جانب آخری پیغام اور زندگی گزارنے کا بہترین دستور ہے، دُنیا وآخرت کی جملہ فوز وفلاح اسی سے وابستہ ہیں۔ قرآنِ کریم ہی آئین وقانون، دستور ومنشور، علم وعمل، موعظت وہدایت، شفا اور سکون ہے۔ عقیدہ وفکر سے لے کر عمل وآداب اور حُسنِ معاشرت تک سبھی کچھ قرآنِ کریم میں ہے۔ اسی سے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی وابستہ ہے۔ نظامِ مملکت، نظامِ عدل، نظامِ معیشت، نظامِ معاشرت، نظامِ اُسرَۃ (خاندانی نظام)، قوموں کا عروج وزوال، تاریخِ عالم، انسانیت کا ماضی، حال اور مستقبل، دُنیا، برزخ، آخرت، حیوانات، نباتات، جمادات، نُوری، خاکی، ناری، جنّت، جہنّم، خوفِ خدا، تقویٰ، پرہیزگاری، انبیاء ورُسل علیہم السلام کے حالات، صالحین وابرار، سیّئین وفجار، اسبابِ ترقّی اور اَسبابِ تنزّلی وغیرہ کے تذکرے بھی اسی میں موجود ہیں۔

قرآنِ کریم وحیٔ اِلٰہی بھی ہے اور کلامِ اِلٰہی بھی۔ یہ حق تعالیٰ کی شانِ جلال اور شانِ جمال کا مظہر ہے۔ بصورتِ قرآن، اللہ تعالیٰ بندوں سے ہم کلام بھی ہے اور تجبیہ وتسلی کناں بھی۔ قرآن ذِکر، فکر، لذّت آشنائی، معرفتِ اِلٰہی، حقوق العباد، باعثِ رحم انسانیت اور اِطمینانِ قلب ہے، تبھی تو حق تعالیٰ نے جابجا اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے، وابستہ ہونے، عمل کرنے اور اس کتاب کو اَپنانے کا حکم دیا۔ اسی کے ساتھ عزّتوں اور علم وعمل کے نُور کو وابستہ کیا، جبکہ اس سے اِنحراف کی صورت میں ذِلتیں اور جہالت کے اندھیرے مقدر فرمائے۔ اسی سے علم کے موتی اور عمل کے سانچے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی سے مفلوک الحال طبقات کی ڈھارس اور خوش حال لوگوں کی خوش حالی جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے اس کا حق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، سمجھا جائے، اس کی گہرائیوں میں اُترا جائے، عمل کیا جائے، اپنایا جائے، اس وفادار کلام سے دوستی کر کے قبر وحشر میں اسی کی رفاقت حاصل کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم کے ساتھ حریص تھے، ہر مَرد وزَن نے قرآنِ کریم کو اَپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ اِشتغال بالقرآن تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب گھروں کو لوٹ کر آتے تو ان کی اَزواج واَولاد ان سے یہ سوال کرتی کہ آج وحی کا کون سا حصّہ اُترا ہے؟ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی قصہ "صحیح بخاری" میں مذکور ہے:

آپ نے ایک انصاری صحابی سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ جب کسی وجہ سے وہ انصاری خدمتِ نبوی میں

> نہ جا سکتا تو حضرت عمرؓ اس دن حاضرِ خدمت ہوتے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضری سے معذور ہوتے تو انصاری دوست مجلسِ رسول میں حاضر ہوتے اور پھر دونوں ایک دوسرے کو اس دن اُترنے والا قرآنِ کریم کا حصہ سکھاتے۔ (صحیح بخاری: ۵۱۹۱)

اسی قرآنِ کریم کو سُن کر عتبہ بن ربیعہ جیسا متعصب کافر کا دل بھی اسلام کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ لیکن ابوجہل اس کے اسلام کے راستے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔ سیدنا اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ پر قرآنِ کریم کی تلاوت سُن کر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول مبارک تھا کہ وہ قرآنِ کریم سے راہنمائی کے حصول کے لیے میدانِ جہاد میں آیاتِ جہاد بالخصوص سورتِ انفال کی تلاوت کرتے، کاروبار میں آیاتِ تجارت، عبادت میں آیاتِ خشوع وخضوع، عدالتوں میں آیاتِ عدل وانصاف، موعظت میں آیاتِ خوف ورجاء، اور اسی طرح ہر موقع پر اس کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرماتے، ان کا عمومی مزاج گھروں میں تلاوتِ قرآنِ کریم اور تفکر وتدبر قرآنِ کریم کا تھا۔

رات بھر میں ختمِ قرآنِ کریم ان کا محبوب مشغلہ ہوتا۔ قرآنِ کریم سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی زندگیاں مبارک ہوگئیں۔ اس زمانے کا عمومی ماحول خیر وبرکت کا تھا، وہ حضرات ایک دوسرے سے ملاقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی مقدار کا سوال کرتے۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا، اہلِ ایمان کا قرآنِ کریم سے تعلق بھی کمزور ہوتا گیا، جس کی وجہ سے آج نہ تو عمل بالقرآن رہا اور نہ ہی مسلمانوں کی عزت وعظمت باقی رہی!

اہلِ اسلام کو اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے پھر سے اِنفرادی واِجتماعی طور پر قرآنِ کریم کو اپنانا ہوگا، اپنے اِنفرادی وجود سے لے کر اپنی ریاست تک کو قرآنِ کریم کی برکات سے آراستہ کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم سے صحیح معنوں میں استفادہ تبھی ممکن ہے، جب اسے خوب سمجھا جائے، اس میں تدبر کیا جائے، اس کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کی جائے۔

"نقوشِ قرآن" اسی اہم مقصد کی جانب ایک قدم ہے۔ یہ کتاب نہ تو باقاعدہ تفسیر ہے، اور نہ ہی نکات سے لبریز کوئی علمی تحقیق، بلکہ عوام الناس میں بیان کیے گئے دُروس کا مجموعہ ہے۔ ۴۲-۱۴۴۱ھ بمطابق 21-2020ء کرونا کی صورتِ حال اور اپنی علالت کی وجہ سے مسلسل دو سال رمضان المبارک میں گھر میں قیام کا موقع ملا تو اسی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے مسجد الرشید، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد میں عوام الناس کے سامنے، رمضان المبارک کی راتوں میں روزانہ کی تلاوت کی گئی منزل کا خلاصہ بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی زید شرفہٗ اور ان کے رُفقاء نے حد درجہ محنت کرتے ہوئے ان دُروس کی نہ صرف ریکارڈنگ کروائی، بلکہ آن لائن نشر بھی کیا۔ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ میں کرونا کی وجہ سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ موقوف تھا، احباب کو ریکارڈنگ سے کاغذ پر منتقل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جامعہ کے بعض طلبہ واساتذۂ کرام نے یہ کام شروع کیا۔ اس تحریری کام کا ایک حصہ مولانا مفتی محمد عامر شعیب زید مجدہٗ، اور دوسرا حصہ حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زید مجدہٗ نے دیکھنا شروع کیا۔ یہ حضرات تحریر کو دُرست کرتے، عناوین دیتے اور حوالہ وغیرہ کی تخریج کر کے عاجز کو پیش کرتے، عاجز

نظرِ ثانی کرتا۔ یوں رفتہ رفتہ کام جاری رہا۔ عیدالاضحیٰ ۱۴۴۱ھ کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا تو کام میں تعطل آ گیا۔ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ سے جامعہ کے فاضل مولانا مفتی محمد ہارون خان سلمہٗ کی صرف اسی کام کے لیے تقرری کی گئی۔ انہوں نے ماشاء اللہ آخری حصے کا بقیہ کام مکمل کیا، اور عاجز نے اسے حرف بہ حرف دیکھا، اور مناسب ترامیم واضافے کیے۔ پہلے حصے پر بھی دوبارہ کام شروع کیا گیا تاکہ دونوں حصوں میں موافقت پیدا ہو جائے۔ یہ کام بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شروع میں کتاب ایک جلد میں لانے کا خیال تھا، لیکن بڑھتے ہوئے صفحات کے ساتھ خیال ہوا کہ دو جلدوں میں کتاب کی طباعت کرائی جائے۔ لیکن جب کام مکمل ہوا تو اندازہ ہوا کہ کتاب تین جلدوں میں طبع کی جائے تو مناسب ہوگا۔

چنانچہ کتاب کی **پہلی جلد** "**سورۃ الفاتحہ** تا **سورۃ الانفال**"

دوسری جلد "**سورۃ التوبہ** تا **سورۃ القصص**"

اور **تیسری جلد** "**سورۃ العنکبوت** تا **آخرِ قرآنِ کریم**" طبع کی جا رہی ہے۔

"نقوشِ قرآن" عام آدمی کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ کتاب کا اُسلوب سادہ لیکن علمی رکھا گیا ہے۔ ہر سورت کا نمبر، ضروری تعارف، فضائل اور سابقہ سورت کے ساتھ ربط ذکر کرنے کا اِلتزام کیا گیا ہے۔ سورت کا مرکزی خیال اور عمومی مضامین چند سطروں میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں کہ چند منٹوں میں سورت کا اِجمالی خلاصہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اِجمالی خلاصہ کے بعد تفصیلی خلاصہ آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ بالاستیعاب تو مذکور نہیں، تاہم سورت کی بیشتر اور اہم ومقصودی مضامین پر مشتمل آیات اور ان کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ آیات کے شانِ نزول، فضائل، عبر وحکم، قصصِ قرآنیہ، علمی لطائف، بعض تحقیقی مباحث وغیرہ بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر سورت کے آخر میں سورت سے حاصل ہونے والے "اہم دُروس" کے عنوان سے پوری سورت کے اہم مضامین کو ایک بار پھر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ان شاء اللہ! عوام الناس کے ساتھ علمائے کرام ومدرسین عظام کے لیے بھی دُروسِ قرآن میں ممد ومعاون ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں یہ کتاب قبول اور عوام الناس کے لیے نافع ہو۔ حق تعالیٰ عاجز اور عاجز کے رُفقاء کے لیے اس خدمت کو باعثِ عمل، باعثِ نجات اور آخرت کا ذخیرہ فرمائیں۔

والسلام

زُبیر احمد صدیقی عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدیر ماہنامہ "صدائے فاروقیہ" شجاع آباد

۹ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

بمطابق 11 فروری 2022ء


محمد رسول الله


اللهم صل على سيدنا محمد وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْت

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، اور مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے پچاسی (۸۵) نمبر پر ہے، جبکہ قرآنی ترتیب کے اعتبار سے اُنتیس (۲۹) نمبر پر ہے، اس کے سات رُکوع ہیں اور اُنہتر (۶۹) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

عنکبوت دراصل مکڑی کو کہا جاتا ہے، اس سورت کا نام سورۃ العنکبوت اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے شرک کی مثال مکڑی کے جالے سے دی ہے، جیسے مکڑی کا جالا بہت کمزور ہوتا ہے، ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح ایک مشرک انسان جن جھوٹے معبودوں کو پکارتا ہے وہ بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے، مکڑی کے جالے کی طرح وہ بھی بالکل بے بس اور لاچار ہیں۔

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے دین پر چلنے والوں پر مصائب اور مشکلات آنے کا ذکر کیا، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ان مصائب اور تکالیف پر صبر کرنے اور انہیں برداشت کرنے کا درس دیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ”ہر اُمّت میں فتنوں اور آزمائشوں کا آنا“ ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف اقسام کی آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو آزماتے ہیں، تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ یہ دین پر کس حد تک قائم ہیں۔

ان آزمائشوں میں درج ذیل آزمائشیں شامل ہیں:

۱: والدین کی طرف سے آزمائش، جس کا ذکر اس آیت میں ہے: "وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ" (العنکبوت:۸)

۲: کبھی لوگوں کی طرف سے دھمکی یا تکلیف اور تعذیب کی صورت میں آزمائش آتی ہے، اس کا ذکر اس آیت میں ہے: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ" (العنکبوت:۱۰)

۳: کبھی شہوات اور نفسانی خواہشات کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے، اس کا ذکر اس آیت میں ہے: "وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ؗ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ" (العنکبوت:۲۸،۲۹)

۴: کبھی طاقت دے کر آزمایا جاتا ہے، کہ طاقت کا استعمال صحیح طور پر کیا جاتا ہے یا ناجائز مقام پر، جیسے اس آیت میں ذکر ہے: "وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝" (العنکبوت:۳۸)

۵: کبھی علم کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے، مثلاً فرمایا: "وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝" (العنکبوت:۴۷)

۶: کبھی دنیوی زندگی کی رنگینیوں کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے، اس کا ذکر اس آیت میں ہے: "وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ" (العنکبوت:۶۴)

۷: کبھی امن وامان کی نعمت دے کر آزمایا جاتا ہے کہ ان حالات میں وہ اللہ ربّ العزّت کو یاد کرتے ہیں یا اسے بھول جاتے ہیں، جیسا کہ ان آیات میں ذکر ہے:

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۛ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ٙ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝

۲۔ اس سورت میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد بھی مذکور ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

"الٓمّٓ" یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

مذکورہ آیات کا شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول وہ صحابہ کرام ہیں جو مکہ مکرمہ میں کُفّار کے ہاتھوں ستائے گئے، ان پر مختلف قسم کے تشدد کیے گئے، ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، جیسے حضرت خباب بن ارتؓ ایک صحابیٔ رسول تھے، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو کُفّارِ مکہ نے انہیں دہکتے انگاروں پر لٹادیا، ایسے ہی حضرت عمار بن یاسر اور ان کی والدہ، نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہم پر بھی تشدد کیا جاتا، تو ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی کہ کُفّارِ مکہ ہم پر یوں ظلم وستم ڈھاتے ہیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور ان آیات سے ان مظلوموں کو حوصلہ دیا گیا۔

اہلِ حق کو آزمایا جائے گا!

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ان صحابہ کرام کی شکایت کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں نے کیا گمان کیا ہے کہ وہ صرف اتنا کہہ دینے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے، اور ان کو بالکل آزمایا ہی نہیں جائے گا، جبکہ ہم نے ان سے پہلے والوں کو بھی ایسے ہی واقعات اور حالات کے ذریعہ آزمایا تھا، لہٰذا انہیں بھی آزمایا جائے گا، اور اس آزمائش کے نتیجہ میں اللہ ربّ العزّت اپنے دعویٔ ایمان میں سچے لوگوں اور جھوٹوں کو ظاہر کردے گا۔ لہٰذا یہ آزمائش سنّتِ مستمرہ ہے، جس سے نجات ممکن نہیں۔

ہر زمانے میں اہلِ حق پر آزمائشیں آئیں

چنانچہ زمانہ شاہد ہے کہ اہلِ حق اور اہلِ ایمان پر کتنی بڑی بڑی آزمائشیں آئیں، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاء اللہ اور اس اُمّت کے علماء کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، ہر دور میں ان حضرات پر آزمائشیں آئیں، وقت کے ظالم اور جابر حکمرانوں کے قہر کا نشانہ بنے، ان کی چمڑیاں ادھیڑ دی گئیں، ناخن کھینچ لیے گئے، جسموں پر آرے چلادیے گئے، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے جسم پر آرا چلادیا گیا تھا، اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے، جب ان کے دور کے بادشاہ نے اپنی بھانجی سے شادی کا ارادہ کیا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کو اس کام سے منع فرمایا، جس پر وہ شدید غصہ ہوا اور ان کا سر قلم کرنے کا حکم جاری کردیا، چنانچہ آپ علیہ السلام کا سر کاٹ کر طشتری میں رکھ کر اسے پیش کیا گیا۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے، ان کو برسرِ بازار محض اس جرم میں کوڑے لگائے گئے کہ انہوں نے حکومت میں حصہ لینے سے انکار کیا تھا، چنانچہ ان کو زہر کا پیالہ پلادیا گیا، یوں وہ شہید ہوگئے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو تیس ماہ تک قید میں رکھا گیا، انہیں روزانہ کی بنیاد پر کوڑے لگائے جاتے تھے، ان کا جنازہ بھی جیل سے نکلا، جس میں مختلف روایات کے مطابق تقریباً پندرہ سے تیس لاکھ افراد نے شرکت کی، اور تقریباً بیس ہزار یہودی صرف ان کے جنازے کو دیکھ کر مسلمان ہوگئے۔

حضرت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اسی مضمون کو نہایت خوبصورتی سے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے:

چوں بگویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی اور لا الہ کہنے کی کیا کیا مشکلات ہیں۔

بُرے اعمال کرنے والے اللہ سے بچ نہیں سکیں گے!

پھر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ جو لوگ برے اعمال کرتے ہیں کیا ان کا خیال یہ ہے کہ وہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے، ان کا خیال اور فیصلہ نہایت بیہودہ ہے۔ اس آیت میں گزشتہ آیت سے زیادہ توبیخ اور ڈانٹ ہے۔

مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ وَمَنۡ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝

نیک لوگوں کو تسلی اور ان کی جزا

جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، انہیں ان آزمائشوں اور تکلیفوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ سب تکلیفیں عارضی ہیں، اور جو ان تکلیفوں اور مشقتوں کو برداشت کرے گا، نیز نیکیوں پر جمنے اور گناہوں سے بچتے رہنے کا مجاہدہ کرے گا، تو وہ اپنا نفع ہی کمائے گا، اور اللہ ربّ العزّت ان کے نیک اعمال کا بہت بہترین بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا ؕ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ؕ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِى الصّٰلِحِيۡنَ ۝

خلافِ شریعت باتوں میں والدین کی فرمانبرداری جائز نہیں

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ والدین اگر کسی خلاف شریعت بات یا کام کرنے کا حکم دیں تو ان کی بات ہرگز نہیں ماننا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق" جس کام سے اللہ ربّ العزّت کی نافرمانی ہوتی ہو، اس کام میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۴۶/۱۲)

مذکورہ آیت کا شانِ نزول

یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار تھے، یہ جب مسلمان ہوئے، تو ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان بگڑ گئیں، انہوں نے کہا کہ سعد! جب تک تم محمد کا دین چھوڑ کر واپس نہ آجاؤ، تب تک نہ میں کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی، نہ نہاؤں گی، اور نہ دُھوپ سے اٹھوں گی، چنانچہ دو روز تک انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا، اور دُھوپ میں بیٹھ گئیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آکر سارا معاملہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد صبر کرو، بھوک لگے گی تو خود کھانا کھالیں گی، پیاس لگے گی تو پانی پی لیں گی، دھوپ ستائے گی تو خود ہی اٹھ جائیں گی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھر آئے اور آکر والدہ سے کہا کہ امّی جان! آپ میری والدہ ضرور ہیں لیکن اگر آپ کے بدن میں سو روحیں ہوتیں اور ایک ایک کر کے وہ سب نکلتی رہتیں، میں تب بھی حضور کی غلامی نہ چھوڑتا، ماں نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھالیا۔ اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (صحیح مسلم: ۱۸۷۷/ ۴، و معارف القرآن بحوالہ بغویؒ)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَمَا هُم بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُم مِّن شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣﴾

کفّار کا مسلمانوں کو بہکانے کا عجیب ہتھکنڈا

کفّار کی طرف سے مسلمانوں کو بہکانے اور اسلام کا راستہ روکنے کی تدبیریں مختلف طریقوں سے ہوتی چلی آرہی ہیں، کبھی طاقت کے بل بوتے پر، تو کبھی مال و زر کی لالچ سے، اور کبھی شکوک و شبہات پیدا کر کے اپنے مقصد میں کامیابی تلاش کرتے رہتے ہیں، اس آیت میں بھی ان کی ایک ایسی ہی تدبیر مذکور ہے:

کافر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم ہمارے دین پر آجاؤ، ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ بروزِ قیامت اگر کوئی عذاب یا سزا بھگتنا پڑی تو تمہاری جگہ ہم بھگت لیں گے اور تمہارے گناہوں کا سارا بوجھ ہم اپنے کندھوں پر لے لیں گے، لیکن اللہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ محض ان کا دھوکہ اور ایک چال ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ یہ تمہیں گمراہ کرنے اور راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بذاتِ خود ایک بڑا گناہ ہے، اس لیے ان کے گناہوں کا بوجھ دُگنا ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٤﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٥﴾

تذکرۂ نوح علیہ السلام

یہاں سے اللہ ربّ العزّت نے مختلف انبیاء علیہم السلام کے تذکرے فرمائے ہیں، سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا، جنہیں اللہ نے ایک قوم کی طرف بھیجا، آپ علیہ السلام نے ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال انہیں تبلیغ کی اور اللہ ربّ العزّت کی طرف بلایا، لیکن قوم نے آپ کی اطاعت نہیں کی، چنانچہ ان پر اللہ کا عذاب آیا، اور پوری قوم طوفان

میں غرق ہوگئی، صرف چند لوگ جو ایمان لے آئے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں سوار ہوگئے تھے، وہ بچ گئے۔ قوم نوح علیہ السلام کی ہلاکت کا واقعہ دنیا بھر کے لیے سامانِ عبرت بن گیا۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

تذکرہ ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ ربّ العزّت کے بہت جلیل القدر پیغمبر تھے، انہوں نے اپنی قوم کو اللہ ربّ العزّت کا پیغام پہنچایا اور انہیں بت پرستی سے روکا، ان کے سامنے ان کے معبودانِ باطلہ کی حقیقت بیان کی اور ان بتوں کا بے بس اور کمزور ہونا واضح کیا، اور یہ بھی بتلایا کہ رزق اور دوسرے سارے خزانے ایک ذات باری کے قبضہ قدرت میں ہیں، لیکن قوم نے ان کی بات نہ مانی بلکہ ان کی تکذیب کی، تو آپ نے انہیں جواب دیا کہ اگر تم مجھے جھٹلا رہے ہو، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، مجھ سے پہلے بھی بہت سی اُمتیں اپنے انبیاء کو جھٹلا چکی ہیں، مگر ان انبیاء کا کوئی نقصان نہیں ہوا، بلکہ وہ قومیں ہلاک ہوئیں، کیونکہ پیغمبر کے ذمہ صرف بات پہنچانا ہوتا ہے، منوانا اس کا کام نہیں، اور میں بھی تم تک اللہ ربّ العزّت کا پیغام پہنچا چکا ہوں۔ لہٰذا تم میری بات مان لو، ورنہ اللہ کے عذاب سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ۙ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب

جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو اللہ ربّ العزّت کا پیغام پہنچایا اور ان کو وعظ و نصیحت کی تو ان کی قوم بجائے ایمان لانے کے آپ کی جان کے درپے ہوگئی اور آپس میں کہنے لگے کہ ان کو کسی بھی طرح قتل کر دو، یا انہیں آگ میں جلا دو، چنانچہ انہوں نے آگ جلائی اور آپ علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا لیکن اللہ ربّ العزّت نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اتنی وعظ و نصیحت کے باوجود بھی ایمان نہ لائی، البتہ حضرت لوط علیہ السلام آپ پر

ایمان لے آئے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے یا بھتیجے تھے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اور اپنی اہلیہ حضرت سارہ کو ساتھ لیا اور عراق سے فلسطین کی جانب ہجرت کر لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کے لیے وطن چھوڑنا پڑا اور ہجرت کرنی پڑی ہجرت کے وقت ان کی عمر پچھتر (۷۵) سال تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں

اس ہجرت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد نصیب فرمائی، حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر ان کی نسل سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے اور یہ دونوں جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں، اس کے بعد بھی ان کی نسل سے کئی انبیاء مبعوث ہوئے، اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "ابوالانبیاء" کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے، سب انہی کی نسل سے تھے، ان کی اولادوں میں سے بعض انبیاء پر اللہ ربّ العزّت نے کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی عزّت نصیب کی تھی، سب ادیان کے لوگ آپ کی تعریف کرتے ہیں، اور آخرت میں بھی آپ اللہ ربّ العزّت کی تعریف کے مستحق ہوں گے۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝

تذکرہ لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی بڑی بدکاریوں میں مبتلا تھی، روئے ارض پر ایسے گھٹیا کام ان سے پہلے کسی قوم نے سرانجام نہیں دیے تھے، وہ لڑکوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے تھے، ڈاکے ڈالتے تھے، اور اپنی مجالس میں سرعام اعلانیہ طور پر گناہ کرتے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی، ان مکروہ افعال سے روکا، لیکن قوم نے ان کی بات نہ مانی، اور چونکہ ان کے پاس اور کوئی جواب نہیں تھا اس لیے وہ کہنے لگے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ، اس پر حضرت لوط علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دُعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے ان مفسد لوگوں پر غلبہ عطا فرما (اور انہیں عذاب دے کر ہلاک فرما)۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد

جب حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی تو اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی، اور عذاب کی اطلاع دینے کے لیے فرشتے بھیجے، اور دوسرا کام ان فرشتوں کے ذمہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی خوشخبری سنائیں، چنانچہ وہ فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اولاد کی خوشخبری سنائی اور اس کے بعد اپنی آمد کا دوسرا مقصد بھی بتا دیا کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ اس بستی میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں، تو کہیں ان کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، تو آپ نے اپنا یہ خدشہ فرشتوں کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بستی والوں سے خوب واقف ہیں، ہم لوط علیہ السلام اور ان کے خاص متعلقین کو بچا لیں گے، البتہ ان کی بیوی چونکہ کافروں میں سے ہے اس لیے وہ عذاب میں رہنے والوں میں سے ہوگی۔

وَلَمَّآ أَن جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِىٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ
إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِينَ ۝ إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰٓ أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ۝ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

حضرت لُوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری اور عذاب کی اطلاع دینے کے بعد فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو چونکہ وہ فرشتے بہت حسین وجمیل جوانوں کی شکل میں آئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بدکردار تھی، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے جب ان کو دیکھا تو تنگ دل ہوئے کہ میری قوم کو ان جوانوں کی آمد کی خبر نہ مل جائے اور وہ ان کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کریں۔

فرشتوں نے جب آپ کی پریشانی کو دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ پریشان نہ ہوں، ہم انسان نہیں، بلکہ عذاب کے فرشتے ہیں، ہم اس بستی پر اللہ کا عذاب نازل کرنے والے ہیں، لیکن آپ اور آپ کے قریبی متعلقین کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی، البتہ آپ کی بیوی چونکہ کافروں کے ساتھ ہے، اس لیے وہ عذاب کا شکار ہوگی۔ چنانچہ وہ بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھروں کی بارش کر دی گئی۔

نوٹ:- حضرت لوط علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی اقوام پر عذابات کی تفصیل سورۃ اعراف وغیرہ میں گزر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِى دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ۝

تذکرہ شعیب علیہ السلام

اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ کیا، حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف بھیجا گیا تھا، ان کی قوم کفر اور شرک کے ساتھ ناپ تول میں کمی بھی کرتی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی اور برے اعمال سے روکا، لیکن ان کی قوم ان کی دشمن بن گئی، اور ان کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر زلزلہ آیا اور ہولناک چیخ آئی، اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

فائدہ:- اس سورت میں بھی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی اقوام کی ہلاکت کے قصے اختصار کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس کا مقصد ایک تو تکذیب کرنے والوں کے انجام کو واضح فرمانا اور دوسرا سورت کے آغاز میں مذکور ہر اُمت و زمانہ میں آنے والے ابتلاء و امتحان، کفّار کی ہلاکت اور اہل حق کی کامیابی کو ظاہر کرنا ہے۔ ان اقوام کی ہلاکت سے شرک و کفر، ہم جنس پرستی، خدا تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ قوت کا غلط استعمال، ٹیکنالوجی اور فن کی مہارت پر خدا کی بغاوت، چوری، ڈکیتی، بد دیانتی و خیانت جیسے جرائم کی ہولناکیوں کو بیان کرنا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

تذکرہ قومِ عاد و ثمود

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ کیا، یہ دونوں بہت طاقتور اور خوشحال قومیں تھیں، لیکن ان میں بھی طرح طرح کی برائیاں پائی جاتی تھیں، اللہ ربّ العزّت نے قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام جبکہ قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے جا کر قوم کو تبلیغ کی، لیکن دوسری قوموں کی طرح انہوں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا، چنانچہ ان دونوں قوموں پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور دونوں قومیں ہلاک ہوئیں، ان کے مکانات آج بھی مقامِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

تذکرہ فرعون و قارون و ہامان

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قارون، فرعون اور ہامان کا ذکر فرمایا، یہ تینوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں تھے، فرعون اس وقت کا بادشاہ تھا، ہامان اس کا وزیر تھا، جبکہ قارون اس دور کا بڑا سرمایہ دار تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا عزیز تھا، جیسا کہ اس کا تفصیلی ذکر پہلے گزر چکا ہے، یہ تینوں سرکشی میں بہت بڑھ چکے تھے، فرعون و ہامان کے پاس حکومت جبکہ قارون

کے پاس دولت کی طاقت تھی، اللہ ربّ العزّت نے ان کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا، لیکن انہوں نے آپ کی بات نہ مانی، بلکہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے ان کو پکڑ لیا، اور ہلاک کر دیا۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے بہت اختصار کے ساتھ قوم عاد، قوم ثمود، فرعون، ہامان اور قارون پر بھیجے گئے عذابات کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ ان (پانچوں) میں سے ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہوں کے سبب پکڑا، چنانچہ ہم نے ان میں سے بعض پر سخت ہوا بھیجی (اس سے مراد قوم عاد ہے)، بعض کو ہولناک آواز اور ایک چیخ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا (اس سے مراد قوم ثمود ہے)، بعض کو اللہ ربّ العزّت نے زمین میں دھنسا دیا (اس سے مراد قارون ہے) جبکہ بعض کو اللہ ربّ العزّت نے پانی میں غرق کر دیا (اس سے مراد فرعون اور ہامان ہے)۔ (مستفاد از معارف القرآن)

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

شرک کی ایک بہت خوبصورت مثال

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے شرک کی ایک بہت خوبصورت مثال دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ ربّ العزّت کو چھوڑ کر دوسروں معبودوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ان سے نفع کے لیے پر امید ہوتے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے، جیسے مکڑی جالا بنتی ہے اور اسے اپنے لیے جائے پناہ سمجھتی ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ جائے پناہ بہت ہی کمزور ہوتی ہے جو کسی طور اس مکڑی کو کوئی پناہ نہیں دے سکتی، اسی طرح غیر اللہ کو پکارنے والے بھی اپنے معبودان باطلہ کو اپنی پناہ سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں ہیں، لہٰذا ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔

اللہ ربّ العزّت نے قرآن کریم میں جا بجا لوگوں کو سمجھانے کے لیے مختلف مثالیں ذکر کی ہیں، کیونکہ مثالوں سے بات کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے، لیکن ان مثالوں کو صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں، کیونکہ انہی کو حق کی طلب ہوتی ہے، اور یہ مشرک نرے جاہل ہی رہتے ہیں۔

الحمدللہ بیسواں پارہ اختتام پذیر ہوا!

پارہ نمبر ۲۱

یہ پارہ سورۃ العنکبوت کے بقیہ حصے، سورۂ روم، سورۂ لقمان، سورۂ سجدہ اور سورۂ احزاب کے کچھ حصے پر مشتمل ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝

تلاوتِ قرآن اور نماز کی پابندی کا اہتمام کیجیے!

مذکورہ آیت میں اللہ ربّ العزّت نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اُمتِ محمدیہ کو دو چیزوں کا حکم فرمایا ہے، پہلی چیز ہے "تلاوت قرآن"، جبکہ دوسری چیز ہے "نماز کی پابندی"، درحقیقت یہ دونوں چیزیں مصیبتوں سے بچنے کے نسخے ہیں۔

تلاوت قرآن پاک تمام کاموں کی روح اور اصل بنیاد ہے (معارف القرآن)۔ علماء فرماتے ہیں کہ ہر مہینے میں قرآن پاک کا ایک ختم لازمی ہونا چاہیے، اور زیادہ سے زیادہ ایک سال میں قرآن پاک کا ایک ختم کرنا، قرآن پاک کا حق ہے، لہٰذا زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کا معمول بنانا چاہیے۔

اسی طرح نماز کی پابندی کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ نماز بہت بڑی عبادت اور دین کا ستون ہے، اس کے بے شمار فوائد ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرے تو نماز اس کو بے حیائی کے کاموں اور دیگر گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے دو طرح کے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے:

۱– **فحشاء**: یہ ایسے گناہوں کو کہتے ہیں جس کی برائی کھلی ہوئی اور ایسی واضح ہو کہ ہر عقل والا خواہ مومن ہو یا کافر اسے برا سمجھے، جیسے زنا، قتل ناحق، چوری وغیرہ۔

۲– **منکر**: یہ ایسی برائی کو کہتے ہیں جس کو شریعت برا سمجھے، اور اس کے برائی ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نماز انسان کو ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو نماز کے پابند ہوتے ہیں لیکن بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا بھی ہوتے ہیں، تو یہ تو اس آیت کے خلاف ہے۔

تو اس کا جواب حضرات مفسرین کرام نے یہ دیا ہے کہ نماز میں تو واقعۃً یہ خاصیت اور تاثیر ہے کہ وہ اپنے پڑھنے

والوں کو گناہ سے روکتی ہے، لیکن جو شخص نماز بھی پڑھے اور گناہوں سے باز بھی نہ آئے تو یقیناً اس کی نماز میں کوئی خلل ہوگا، اس نے نماز کے آداب کا لحاظ نہیں رکھا ہوگا جس کی وجہ سے اس کی نماز میں مذکورہ تاثیر پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ”من لم تنهه صلوته عن الفحشاء والمنكر فلا صلوة له“ یعنی جس شخص کی نماز نے اسے فحش اور برے کاموں سے نہیں روکا تو اس کی نماز نہیں ہے۔ (ابن ابی حاتم)

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا آپ کی نبوّت کی دلیل ہے

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک دلیل بیان فرمائی ہے، اور وہ یہ کہ نبوّت ملنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ لکھ سکتے تھے اور نہ پڑھ سکتے تھے، اس کے باوجود اچانک آپ کے دہن اقدس سے اس قدر فصیح و بلیغ کلام کا جاری ہونا بلاشبہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ علیہ السلام اللہ ربّ العزّت کے سچے نبی ہیں، اور یہ کلام اللہ ربّ العزّت کا کلام ہے، کیونکہ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو لوگ شک میں پڑ جاتے کہ یہ پڑھے لکھے آدمی ہیں، آسمانی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کی مدد سے مضامین سوچ کر لکھ لیتے ہیں اور ہمیں سنا دیتے ہیں، لیکن آپ علیہ السلام کا امی ہونا ان کے اس اعتراض کا شافی جواب ہے۔ لہٰذا اب ان آیات کا انکار محض ظالم اور ضدی لوگ ہی کریں گے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

فرمائشی معجزات کے مطالبہ کا جواب

کفار اور مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ واقعی سچے پیغمبر ہیں تو ہماری من چاہی نشانیاں اور معجزات کیوں نہیں لاتے؟ اللہ ربّ العزّت نے بزبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیا کہ اے نبی! آپ انہیں بتا دیجیے کہ یہ نشانیاں اور معجزات میرے اختیار میں نہیں، بلکہ اللہ ربّ العزّت کے قبضہ قدرت میں ہیں، میں تو محض ایک پیغمبر ہوں، اور اگر تمہیں معجزہ ہی چاہیے تو کیا اللہ کا کلام تمہارے لیے کافی نہیں، جو سب سے بڑا معجزہ اور سب سے بڑی نشانی ہے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ
يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

مؤمنین کو ہجرت کا حکم

یہ آیات ان مؤمنین کے بارے میں نازل ہوئیں جو کفار کے شر اور ان کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات سے تنگ ہیں، اور کفار کے مصائب نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے، تو ان کو اللہ ربّ العزّت نے وہاں سے ہجرت کر گزرنے کا حکم دیا ہے، اور انہیں تسلی دی کہ اللہ کی سرزمین بہت وسیع ہے، لہٰذا اگر تم یہاں رہ کر عبادت نہیں کر سکتے تو یہاں سے کوچ کر جاؤ اور کہیں اور جا کر بس جاؤ، اور اگر تمہیں اپنے احباب اور عزیز و اقارب سے دوری گراں معلوم ہوتی ہے تو ایک دن تو سب کو موت آنی ہے اور سب نے جدا ہونا ہے، لیکن اگر تم نیک اعمال لے کر میرے پاس آؤ تو تمہیں جنّت کے بالا خانے نصیب ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، لہٰذا اللہ ربّ العزّت کی عبادت کرنے اور توحید پر برقرار رہنے کے لیے ہجرت کرو اور اس میں جو تکالیف آئیں تو ان پر صبر کرو، اور اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔

اور اگر تمہیں ہجرت کے دوران یا اس کے بعد رزق کی پریشانی ہو اور یہ فکر ہو کہ پردیس میں کھانے کو کہاں سے ملے گا، تو یہ سمجھ لو کہ تمام مخلوقات کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، سو وہ تمہیں بھی رزق عطا فرمائیں گے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ اللَّهُ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝

توحیدِ خداوندی کے دلائل

پھر اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے کچھ دلائل ذکر فرمائے، کہ اللہ ہی نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا، سورج اور چاند کو مسخر کر کے کام میں لگا دیا، آسمانوں سے پانی برسا کر لوگوں کے لیے رزق کا سامان مہیا فرمایا، اور پھر اس رزق کی تقسیم کی، کسی کو فراخی کے ساتھ اور کسی کو تنگی کے ساتھ رزق نصیب فرمایا، یہ سب قدرتیں اللہ ربّ العزّت کے اختیار میں ہیں، اور یہ کفار بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ جب وہ اللہ ربّ العزّت کی ان قدرتوں کے قائل ہیں تو اللہ ربّ العزّت کی وحدانیت کا بھی قائل ہو جائیں، کیونکہ زمین و آسمان میں اور کوئی ذات ایسی نہیں جس میں یہ صفات موجود ہوں، لیکن کفار میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔

وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا رَكِبُوا
فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ
وَلِيَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا ہے!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی زندگی کی حقیقت بیان فرمادی کہ یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے، حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، لیکن یہ کافر دنیا کی رنگینیوں میں اس قدر منہمک ہو چکے ہیں کہ آخرت کی یاد سے مکمل طور پر غافل ہیں، البتہ جب کبھی یہ کہیں سفر میں ہوں اور کسی مصیبت میں مبتلا ہوں تو اس وقت خالص اللہ ربّ العزّت کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں، اور جب اللہ ربّ العزّت انہیں اس مصیبت سے نکال دیتے ہیں تو احسان فراموش بن کر شرک کرنے لگتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ۝ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۝

''حرم'' اَمن کی جگہ ہے!

اللہ ربّ العزّت ان کفارِ مکہ کو اپنا احسان اور اپنی نعمت یاد کرواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا، یہ لوگ اس میں سکون سے رہتے ہیں، جبکہ اس کے اردگرد کے مقامات سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے، اسی طرح ساری دنیا سے لوگ امڈ امڈ کر حرم کی جانب کھنچے چلے آتے ہیں جس سے ان کے رزق اور معاش کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے اللہ ربّ العزّت کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور جھوٹے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اس سے زیادہ ظلم کی انتہا اور کیا ہوگی کہ یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور حقیقت کا انکار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جبکہ دوسری طرف جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کے لیے جنّت کی راہ آسان کر دیتے ہیں، اور دنیا اور آخرت میں ہماری خاص رحمت ان کے ساتھ ہوگی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو پہنچنے والی تکالیف اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے اور انہیں تسلی دی کہ حق کی راہ پر چلنے والوں کے راستے میں تکالیف اور مصائب ہمیشہ سے آتی رہی ہیں۔ ان پر صبر کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا ہی ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔

۲۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے والدین کے حقوق کو بیان کرتے ہوئے اس کی حدود بھی متعین فرمادی ہیں کہ والدین کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک کیا جائے، لیکن ان کا وہ حکم جو شریعت کے خلاف ہو اسے ماننا اور اس معاملہ میں ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ مختلف انبیاء علیہم السلام اور معذب قوموں کے احوال بیان فرما کر ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو تسلی دی کہ کفار اور مشرکین کے مصائب پر صبر کیجیے، عنقریب اللہ ربّ العزّت ان کو ہلاک فرما کر آپ کو نجات عطا فرمائیں گے، جیسے ماضی میں بھی قدرت کا قانون رہا ہے، اور دوسری طرف کفار اور مشرکین کو تنبیہ ہے کہ جیسے ماضی میں وہ لوگ جنہوں نے حق کو پہنچنے کے باوجود اسے تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کی مخالفت کے درپے ہوئے اور عذاب خداوندی کا شکار ہوئے، اسی طرح اگر تم بھی ان کی روش پر چلو گے تو تمہارا بھی وہی حال ہوگا۔

۴۔ شرک اور مشرکین کے ضعف اور کمزوری کو بیان کرنے کے لیے اللہ ربّ العزّت نے اس سورت میں مکڑی کی مثال کو بہت خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے، کہ جیسے مکڑی ایک جالا بنتی ہے اور اسے اپنے لیے جائے پناہ سمجھتی ہے، حالانکہ وہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ ہوا کے ایک جھونکے سے اکھڑ جاتا ہے، اسی طرح مشرکین جن معبودانِ باطلہ کو اللہ ربّ العزّت کے ساتھ شریک کر رہے ہیں اور انہیں اپنے لیے جائے پناہ سمجھ رہے ہیں، وہ بھی ایسے ہی کمزور ہیں۔

۵۔ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک اہم اور واضح دلیل بیان کی گئی، اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت ملنے سے پہلے اُمّی اور ان پڑھ تھے، نہ وہ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا، اس کے باوجود اتنا فصیح و بلیغ کلام ان کی زبانِ اقدس سے جاری ہوا، جو کہ دلیل ہے کہ یہ باری تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ ربّ العزّت ہی نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنایا ہوا نہیں ہے۔

۶۔ سورت میں ان اہلِ ایمان کو جن پر کفار نے ظلم و ستم ڈھا ڈھا کر عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا تھا، ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی اور ہجرت کے نتیجے میں جن خطرات کا اندیشہ تھا یعنی جان کا اندیشہ اور رزق کی پریشانی، تو ان اندیشوں کا بھی جواب دیا گیا ہے۔

۷۔ سورت کے آخر میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی زندگی کے دائمی ہونے کا بیان ہے، جس کے ضمن میں لوگوں کو یہ پیغام دیا گیا کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کے لیے زادِ راہ تیار کرو، کیونکہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

تمت سورۃ العنکبوت بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الرُّوْم

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، یہ سورت اس زمانے میں نازل ہوئی جب دنیا کی دو بڑی طاقتوں ایران اور روم کے درمیان شدید جنگ جاری تھی اور اس جنگ میں ایران کا پلہ بھاری تھا، قرآنی ترتیب کے اعتبار سے یہ سورت تیسویں (۳۰) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے پچاسی (۸۵) نمبر پر ہے، چھ رُکوع اور ساٹھ (۶۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کو "رُوم" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں رُوم کی فتح کی بشارت دی گئی ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کا پچھلی سورت سے ربط یہ ہے کہ پچھلی سورت میں دین پر چلنے والوں پر مصیبتوں کے آنے کا ذکر تھا، اور اس سورت میں ان مصیبتوں پر اللہ کی مدد آنے کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "وحی یعنی پیغامِ خداوندی پر صدقِ دل سے یقین رکھنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱-اس سورت میں ایک بڑے فتنے کا ذکر ہے، جو ہمارے زمانے میں زیادہ شدت اختیار کیا گیا ہے، اور وہ فتنہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص یا قوم دنیوی علوم وفنون میں سبقت حاصل کرلے اور سائنس وٹیکنالوجی کی وجہ سے دنیا میں اپنا مقام پیدا کرلے تو کمزور ایمان اور کم علم لوگ (نام نہاد دانشور) یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ ترقی ان کے حق پر ہونے کی دلیل ہے، جبکہ وہ قومیں جو دنیوی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئی ہیں وہ باطل پر ہیں، (جیسا کہ آج کل مغرب زدہ دانشوران کا یہی نظریہ ہے)، حالانکہ ان کی یہ سوچ جہالت کے سوا کچھ نہیں۔حق تعالیٰ شانہ نے ان حالات سے ہزاروں سال قبل سورۂ روم کی ابتدائی آیات نازل فرما کر ان ترقیات وفتوحات کو وقتی اور آنے جانے والی چیزیں قرار دیا، اور یہ واضح کردیا کہ یہ چیزیں حق وباطل کی علامت نہیں ہیں۔

۲۔ یہ سورت متعدد موضوعات پر محیط ہے:

۱: تاریخ: روم و ایران کی جنگ

۲: اقتصادیات: زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت اور سود کی حرمت اور نقصانات

۳: معاشرت: شادی کے اسرار و حکم

۴: آغازِ آفرینش

۵: نظامِ کائنات یعنی آسمان و زمین، رات و دن اور بارش وغیرہ کی تخلیق

ان سب چیزوں پر غور کرنے سے دل میں یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت وحدہ لاشریک ہے۔

شانِ نزول

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت ملی، اس وقت دنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک ایران کی حکومت، جس کے بادشاہ کو "کسریٰ" کہا جاتا تھا، اور دوسری بڑی طاقت روم (موجودہ اٹلی) کی تھی، اس کا حلقۂ اثر شام تک پھیلا ہوا تھا، اور اس کے بادشاہ کو "قیصر" کہا جاتا تھا، اہل ایران آتش پرست تھے، جبکہ اہل روم کی اکثریت عیسائی مذہب تھی، ان دونوں قوموں کے درمیان وقتاً فوقتاً جنگیں ہوتی رہتی تھیں، تو جس زمانے میں آپ کو نبوّت عطا ہوئی، اس زمانے میں بھی ان دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی، اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا، ایرانی چونکہ آتش پرست تھے، اس لیے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں، جبکہ اہل روم کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں، تو جب جب ایران کو کوئی فتح حاصل ہوتی تو مکہ کے مشرکین اس پر نہ صرف خوشی مناتے بلکہ مسلمانوں کا منہ چڑاتے کہ عیسائی جو آسمانی کتاب پر یقین رکھتے ہیں وہ مسلسل شکست کھاتے جا رہے ہیں، اور ایران کے لوگ جو کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے، انہیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے۔ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی، اور اس کے بالکل شروع میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ روم کے لوگ اگرچہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں، لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔

یہ پیشین گوئی ایسے حالات میں کی گئی جن میں دور دور تک اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے کوئی امکان نہیں تھے، اس لیے مشرکین نے اس پیشنگوئی کا بہت مذاق اڑایا، یہاں تک کہ ان کے ایک مشہور سردار ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث کے دوران یہ شرط لگائی کہ اگر آئندہ نو سال کے دوران روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آ گئے تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دے گا، اور اگر اس عرصہ میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو سو اونٹ دیں گے، (اس وقت تک اس قسم کی دو طرفہ شرط لگانا حرام نہیں کیا گیا تھا)، چنانچہ وقت گزرتا گیا، اور اس پیشین گوئی کے سات سال بعد رومی، ایرانیوں پر غالب آ گئے، جس وقت یہ خبر پہنچی، یہ ٹھیک وہ وقت

تھا جب بدر کے میدان میں سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی، اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔

اس وقت تک ابی بن خلف جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی، مر چکا تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹوں سے کہا تو انہوں نے شرط کے مطابق سو اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ادا کیے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت جوے کی حرمت نازل ہو چکی تھی اور دو طرفہ شرط بھی جوے کی ایک شکل ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ اونٹ خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیں۔

سورت میں روم کے ذکر کرنے میں شاید ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ رومی اہل اسلام کے لیے فتنہ کا باعث بنے تھے، آج کل بھی مغرب و یورپ کے فتنہ سے مسلمان گزر رہے ہیں، قربِ قیامت میں رومیوں کی اہل ایمان سے دوستی اور پھر دشمنی اور جنگیں ہونا احادیث میں منقول ہیں، اس سورت نے رومیوں سے اعتقاد متعلق کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کا درس دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿٣﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾

رُوم کی شکست اور ان کے دوبارہ غلبے کی پیشین گوئی

ان آیات میں رُومیوں کے مغلوب ہونے اور پھر غالب ہونے کی پیشین گوئی کا ذکر ہے، جس کا تفصیلی ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ ”فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ“ اللہ رب العزت نے رُومیوں کے غالب آنے کی پیشین گوئی کرتے ہوئے چند سالوں کا ذکر فرمایا ہے، ”بِضْع“ کا لفظ عربی زبان میں تین سے نو سال تک کے لیے بولا جاتا ہے، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ شروع میں اُبَیّ بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو شرط لگائی تھی وہ یہ تھی کہ اگر تین سال کے اندر رُومی فتح پا گئے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دس اُونٹ دے گا، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ قرآن پاک میں ”بِضْع“ کا لفظ ہے جس میں تین سے نو تک کا احتمال ہے، اس لیے تم شرط کی مدت بڑھا کر نو سال کر دو، اور اُونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی کیا، باقی قصہ گزر چکا ہے، (سنن ترمذی فی تفسیر سورۃ الروم)۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی وحدانیت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے زمین وآسمان کو کسی حکمت کے تحت ایک متعین میعاد کے لیے پیدا کیا ہے، ان میں غور وفکر کرنے سے اللہ ربّ العزّت کی قدرت خوب واضح ہوجاتی ہے۔اسی طرح زمین میں چل پھر کر اگر غور وفکر کیا جائے کہ اللہ ربّ العزّت نے ان سے پہلے والی قوموں کے ساتھ کیا کیا تو حق قبول کرنے کی صلاحیت اور توفیق نصیب ہوجاتی ہے۔لیکن اس کے باوجود جولوگ ایمان نہیں لاتے اور اللہ ربّ العزّت کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتے تو وہ دنیا میں بھی خسارے کا شکار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا
وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۝

مذکورہ آیات کی فضیلت

ان آیات کی بہت سی فضیلتیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ان آیات کو صبح پڑھ لے تو سارے دن کے اعمال میں جو کمی رہ جاتی ہے وہ پوری ہوجاتی ہے، اور اگر شام کو پڑھ لے تو رات بھر کے اعمال میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے اس کا ازالہ ہوجاتا ہے۔(المعجم الأوسط:۸/۲۸۰)

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لیے وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آیات کی تلاوت فرمائی۔(تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسند احمد)

دراصل ان آیات میں اللہ کی جانب سے صبح، شام، دوپہر اور عشاء کو توفیق اعمال دینے پر شکر کا اظہار ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ
خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ
مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ

تَخْرُجُونَ ۝ وَلَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

قدرتِ باری تعالیٰ کے چند نمونے

اس پورے رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے ہیں، جن سے مقصود توحید باری تعالیٰ کو ثابت کرنا ہے، چنانچہ پہلی آیت میں تخلیق انسانی کی ابتداء کو اپنی قدرت کے طور پر ذکر کیا، کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر انسانی شکل میں تمہیں روئے ارض پر پھیلا دیا۔ دوسری آیت میں ازدواجی زندگی کو اپنی نعمت کے طور پر بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں، جو تمہارے لیے سکون کا باعث ہیں، اور چونکہ وہ خاتون اجنبی خاندان سے جب بیاہ کر تمہارے پاس آتی ہے تو اسے وحشت ہوتی ہے لیکن اللہ ربّ العزّت اس وحشت کو محبت میں بدل دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ ربّ العزّت نے آسمان اور زمین بنائے، تمہاری مختلف زبانیں بنائیں، مختلف رنگ بنائے، رات اور دن کا نظام بنایا، راتوں کو سکون کا جبکہ دن کو رزق کا ذریعہ بنایا، یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اسی طرح کڑکتی بجلیاں اور آسمان سے برستی بارشیں بھی اسی خلاق عالم کی صناعت اور کاریگری پر دلالت کرتی ہیں۔ زمین اور آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں، اور ایک دن اسی کے حکم سے یہ سب نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا اور تم سب قبروں سے اٹھ کر اس کے دربار میں پیش ہو گے۔

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنٰكُمْ فَأَنتُمْ
فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ
ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نّٰصِرِينَ ۝

شرک کی مثال

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کو ایک مثال کے ذریعہ شرک کی حقیقت سمجھائی ہے، اور وہ یہ کہ ان مشرکین کو اللہ ربّ العزّت نے جو کچھ مال و دولت دے رکھا ہے تو کیا وہ اپنے غلاموں کو اس مال و جائیداد میں اپنے برابر کا حصہ دینے کو تیار ہوں گے، اور کیا وہ اپنے غلاموں کو اپنی دولت میں شریک کرنا چاہیں گے، تو جس طرح وہ یہ بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے اسی طرح اللہ ربّ العزّت کے لیے بھی ایسا عقیدہ نہ رکھو کہ اس نے اپنا اختیار اپنے غیر کو دے دیا۔ جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں پسند کرتے ہو؟

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ
الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

فطرت سے کیا مراد ہے؟

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا

الصلوات والتسلیمات سے فرمارہے ہیں کہ آپ یکسو ہوکر اپنے آپ کو دین کی طرف متوجہ رکھیے، اور اللہ رَبُّ العزّت کی اس فطرت کا اتباع کیجیے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، یہ اس کی خلقت ہے، جسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔

اللہ کی فطرت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ رَبُّ العزّت کی فطرت سے مراد "حق قبول کرنے کی استعداد" ہے، یعنی اللہ رَبُّ العزّت نے ہر شخص میں پیدائشی طور پر یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے، کسی آدمی کی صحبت خواہ کتنی ہی خراب ہو، اس صحبت کے زیرِ اثر اس کی یہ استعداد دب تو سکتی ہے لیکن مٹ نہیں سکتی۔

فطرت کا ایک معنی حضرات مفسرین کرام کے نزدیک "دینِ اسلام" ہے، بخاری شریف میں روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے بکری کا بچہ صحیح سالم ہوتا ہے لیکن لوگ اس کے کان کتر دیتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت "فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا" کی تلاوت فرمائی۔

تو آیت کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے کی صلاحیت یا اسلام پر پیدا کیا، لیکن لوگ اپنی یہ صلاحیت اور فطری دین ضائع کردیتے ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

قرابت داروں سے صلہ رحمی اور حُسنِ سلوک کا حکم

اس آیت میں اللہ رَبُّ العزّت ارشاد فرمارہے ہیں کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دو، اور مسکینوں اور مسافروں سے تعاون کیا کرو، کیونکہ یہی کامیاب لوگوں کا طریق ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝

"سود" اور "زکوٰۃ" کا تقابلی جائزہ

اس آیت میں اللہ رَبُّ العزّت نے سود اور زکوٰۃ کا ایک دوسرے سے تقابل کرکے اس کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ سود لیتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارا مال بڑھ جائے، اور ظاہری طور پر وہ مال بڑھ رہا ہوتا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ مال نہیں بڑھتا۔ سود کی مثال ایسے ہے جیسے ورم ہو، یعنی جیسے جسم پر ورم آجانے سے بندہ موٹا نہیں ہوجاتا، اسی طرح سود کھانے سے بندہ دولت مند نہیں ہوجاتا۔ جبکہ دوسری طرف تم جو مال زکوٰۃ میں دیتے ہو، وہ بظاہر گھٹ ہو رہا ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رَبُّ العزّت کے نزدیک وہ مال بڑھ رہا ہوتا ہے، اس میں برکت ہوتی ہے، دنیا میں

بھی وہ مال بڑھتا ہے اور آخرت میں بھی اس پر اجر ملے گا۔ یہ مضمون تفصیل سے سورۂ بقرہ میں آیت ’’ويمحق الله الربوا ويربي الصدقات‘‘ کے تحت گزر چکا ہے۔

’’سُود‘‘ اَحادیث کی روشنی میں

قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر سود کی مذمت اور سودی معاملہ کرنے والوں کے لیے وعیدیں بیان کی گئی ہے، ذیل میں چند احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

۱- عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: أتيت ليلة أسري بي على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم. فقلت من هؤلاء يا جبرائيل؛ قال هؤلاء أكلة الربا۔

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شب مجھے (معراج میں) سیر کرائی گئی، میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا جس کے پیٹ کمروں کے مانند تھے، ان میں بہت سے سانپ پیٹوں کے باہر سے دکھائی دے رہے تھے، میں نے کہا: جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ کہنے لگے کہ سود خور ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۶۳)

۲- عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه و سلم لعن آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه۔

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اسکی گواہی دینے والے اور اس کا معاملہ لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۶۴)

۳- عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: الربا سبعون حوبا. أيسرها أن ينكح الرجل أمه۔

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود میں ستر گناہ ہیں، سب سے ہلکا گناہ ایسے ہے، جیسے مرد اپنی ماں سے زنا کرے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۶۴)

’’زکوٰۃ‘‘ اور ’’صدقہ‘‘ کرنے کی فضیلت

قرآن وحدیث میں جہاں ایک طرف سود کی مذمت اور اس پر وعیدیں بیان ہوئی ہیں، تو دوسری طرف زکوٰۃ اور صدقہ کرنے کے بے شمار فضائل بھی ذکر کیے گئے ہیں، ذیل میں چند احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

۱- عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم - دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَحَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ وَأَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ۔ (السنن الكبرى للبيهقي: ۳/ ۳۸۲)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے مریضوں کا صدقہ کے ذریعہ علاج کرو اور اپنے مالوں کو زکوۃ کے ذریعہ محفوظ کرو اور مصائب و آزمائشوں سے بچنے کے لیے دُعا تیار رکھو۔

٢- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ:- إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ أَذْهَبْتَ عَنْكَ شَرَّهُ (السنن الكبرى للبيهقي: ٤/ ٨٤)

ترجمہ:- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دی تو تم نے اپنے آپ سے اس (مال) کے شر کو دور کر دیا۔

٣- عن أنس بن مالك: قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع عن ميتة السوء. (سنن الترمذي: ٣/ ٥٢)

ترجمہ:- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک صدقہ (اور زکوۃ) پروردگار کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۝

اِنسانوں کے گناہوں کے اثرات

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ خشکی اور تری میں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتیں آن پڑی ہیں، یعنی بارشوں کا نہ ہونا، قحط سالی کا آ جانا، وبائی امراض کا پھیل جانا، قتل عام ہونا، پھلوں اور اناج کا نقصان ہونا وغیرہ۔ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے اہل ایمان کے لیے آزمائش اور کفّار کے لیے سزا ہے۔ اور مقصد اس سے یہ ہے کہ لوگ صدق دل سے توبہ کر کے اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کریں۔

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا شفقت تھے، اس لیے آپ کی خواہش تھی کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر اللہ کے عذاب سے بچا لیں، جو لوگ آپ کے پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جا رہی ہو، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے آپ کو تسلی دی کہ آپ کا پیغام حق کو پہنچا دینا ہے، لوگوں سے منوانا نہیں، جو لوگ آپ کی بات نہیں مانتے اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ وہ خود حق قبول کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں، اور اس معاملہ میں یہ بالکل مردہ لاش کی طرح ہو گئے ہیں جو کسی کی بات سن کر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے،

اسی طرح یہ اس بہرے آدمی کی طرح ہو گئے ہیں جو بہرہ ہونے کے ساتھ پیٹھ موڑ کر بھاگ رہا ہو، جسے آپ بات سنانا بھی چاہیں تو نہیں سنا سکتے، یا یہ اندھوں کی طرح ہیں جو کسی کے راستہ بتانے کے بعد بھی اس راستہ کو نہیں دیکھ سکتے، لہٰذا آپ غم نہ کیجیے، ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

بعض لوگ اس آیت کے پیشِ نظر عوام میں یہ بیان کرتے نہیں تھکتے کہ مردے نہیں سنتے، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رہے کہ موتی دو قسم پر ہیں: ۱۔ انبیاء علیہم السلام ۲۔ غیر انبیاء علیہم السلام، حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعد از وفات حیات اور صلوٰۃ وسلام وغیرہ کے سماع پر تو اہل اسلام کا اجماع ہے، ۱۳۴۷ھ سے پہلے اُمّت میں کسی ایک شخص نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

غیر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تین قول ہیں: ۱۔ بالکل نہیں سنتے ۲۔ ہر بات سنتے ہیں ۳۔ بالجملہ سماع ثابت ہے، یعنی احادیث میں ذکر کردہ مقامات اور جو اللہ چاہے وہ سن لیتے ہیں، اکابر دیوبند اور جمہور اُمّت کا مسلک سماع کا ہے، کیونکہ مردوں کے سننے کی احادیث اس قدر اور اتنی پختہ ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بقول یہ احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ تاہم اس آیت کا اس مسئلہ سے تعلق موہوم سا ہے، آیت کا مفہوم وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دیا۔

فائدہ:۔ البتہ عام مُردوں کے سماع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی شروع میں اختلاف رہا تھا، اس لیے کسی فریق کو فتویٰ بازی نہیں کرنی چاہیے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝

اِنسانی زندگی کے مختلف مدارج

انسان کی پیدائش سے موت تک وہ کئی مدارج طے کرتا ہے، جب پیدا ہوتا ہے تو بالکل کمزور ہوتا ہے، نہ کوئی چیز پکڑ سکتا ہے، نہ اپنے آپ کو سنبھال سکتا ہے، پھر اللہ اسے قوت دیتا ہے اور وہ کڑیل جوان بن جاتا ہے، پھر جوانی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا آتا ہے اور ہمتیں پست ہو جاتی ہیں، طاقت کم ہو جاتی ہے، اور رفتہ رفتہ موت کے منہ میں چلا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا، اور نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ یہ سب اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانی اور دلیل ہے۔ لیکن کافر اور ناسمجھ لوگ اسے نہیں مانتے، تو وہ اللہ ربّ العزّت کے وعدہ کے مطابق دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں روم اور فارس کی جنگ میں رومیوں کے مغلوب ہونے اور بعد ازاں ان کے دوبارہ غلبہ کی

پیشین گوئی کی گئی ہے، اسی طرح مسلمانوں کو کفارِ مکہ پر فتح حاصل ہونے کی پیشین گوئی بھی کی گئی، جو اس وقت کے حالات کے مطابق بالکل ناممکن نظر آتی تھی، لیکن صرف سات سال کے عرصہ میں دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔

۲۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے توحید اور آخرت کے اثبات کے لیے مختلف دلائل اور نشانیاں بھی ذکر کی ہیں، اور تمام لوگوں کو ان نشانیوں میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، ان نشانیوں میں تخلیقِ انسانی، انجان لڑکی سے شادی کے بعد انس و محبت کا پیدا ہو جانا، آسمان و زمین کی پیدائش، رنگوں اور زبانوں کا مختلف ہونا، رات اور دن کا ایک مرتب نظام کے تحت چلنا، بارشوں کے ذریعہ رزق اور خوراک کی فراہمی وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔اس سورت میں انسان کی اس فطرت کو بھی بیان کیا گیا ہے جس پر اللہ ربّ العزّت نے انسان کو پیدا کیا ہے، اور اس فطرت سے مراد "حق قبول کرنے کی استعداد" ہے، یعنی اگر انسان حق سننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے لیے حق قبول کرنا کوئی مشکل نہیں ہے۔

۴۔سود اور زکوٰۃ کا باہم تقابل اور موازنہ کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ سود اگرچہ لوگوں کی نظروں میں بڑھتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ کم ہو رہا ہوتا ہے، اس کے برعکس زکوٰۃ بظاہر مال کی کمی کا سبب نظر آتا ہے لیکن درحقیقت زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے، اس میں برکت پیدا ہوتی ہے

۵۔اس سورت میں یہ بھی بتایا کہ انسانوں پر جو مصائب اور تکالیف آتی ہیں، ان کی ایک وجہ انسانوں کے برے اعمال بھی ہیں، ان کے گناہوں کی وجہ سے روئے زمین بلکہ بحر و بر میں فتنے اور مشکلات آتی ہیں، لہٰذا ان گناہوں سے حتی الامکان جان چھڑانی چاہیے، اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً بارگاہِ خداوندی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

۶۔سورت کے آخر میں انسانی زندگی کے مختلف مدارج بیان فرمائے کہ انسان اپنی پیدائش کے وقت بالکل کمزور ہوتا ہے، کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا، پھر آہستہ آہستہ وہ جوانی کی طرف قدم بڑھاتا ہے، اور ایک دن کڑیل جوان بن جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ بڑھاپے کی طرف سفر شروع کرتا ہے، اور ہر گزرتے دن کے ساتھ موت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، اور یوں چلتے چلتے بالآخر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

اللہ ربّ العزّت ہم سب کو موت کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائے اور تمام مراحل آسان فرمائے۔ آمین یا ربّ!

تمت سورۃ الروم بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ لُقْمٰن

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، اور مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں کفارِ مکہ کی مخالفت زوروں پر تھی، اور کافروں کے سردار حیلوں، بہانوں اور پرتشدد کاروائیوں سے اسلام کی نشر و اشاعت کا راستہ روکنے کی کوششیں کر رہے تھے، قرآن کریم کا اثر انگیز اسلوب جب لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا تو وہ ان کی توجہ ہٹانے کے لیے انہیں قصے کہانیوں اور شعر و شاعری میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کا تذکرہ اس سورت کے شروع میں کیا گیا ہے۔

یہ سورت قرآن پاک کی ترتیب میں اکتیس (۳۱) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے ستاون (۵۷) نمبر پر ہے، چار رکوع اور چونتیس (۳۴) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ لقمان اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت لقمان اور ان کی حکمت بھری باتوں کا ذکر کیا ہے۔

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کی برکت سے رومیوں کی فتح کی خوشخبری دی تھی، اس سورت میں بھی حضرت لقمان کی نصائح کے ضمن میں توحید کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''اللہ ربّ العزّت کی جانب سے انسانوں کی تربیت کی اہمیت'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن پاک کے حکمت بھرے مضامین پر مشتمل ہونے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے حکیم ہونے کو بیان کیا ہے۔

۲۔اس سورت میں حضرت لقمان کی ان نصیحتوں کا بھی ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں۔

۳۔اللہ ربّ العزّت کی توحید کے دلائل بھی اس سورت میں مذکور ہیں۔

۴۔اس سورت میں آخرت کی تیاری کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

قرآن ہدایت اور رحمت ہے

"الٓمّٓ" یہ حروف مقطعات میں سے ہے، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے (آغاز سورۂ عنکبوت)۔"تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۲﴾" یہ حکمت اور دانائی والی کتاب کی آیات ہیں، اس کا ہر ہر حکم اور ہر ہر آیت، عقل اور فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے۔حکمت کا معنی یہ ہے کہ جس میں خلل اور ٹکراؤ نہ ہو، نیز یہ ایمان والوں اور ان نیک اعمال کرنے والوں کے لیے جو شریعت کے پورے پابند ہوں، ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ان آیات میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے، حالانکہ یہ آیات مکی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اصل زکوٰۃ کا حکم مکہ معظمہ میں ہی نازل ہو چکا تھا، البتہ اس کی تفصیلات اور جزئیات مثلاً نصابوں کا تقرر اور واجب مقدار کی تفصیلات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾

قصہ گوئی اور موسیقی کفّار کا شیوہ ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان افراد کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے قرآن کا مقابلہ کرنے کی ناکام کوشش کی، چنانچہ فرمایا کہ کچھ لوگ قرآن پاک کی تاثیر کم کرنے کے لیے قرآن کے مقابلہ میں شہوات نفسانیہ پر مشتمل مضامین، لٹریچر اور کُتب پڑھتے ہیں، نیز عشقیہ مضامین پر مشتمل گیت، غزلیں اور گانے سنتے ہیں، اور اس کے پڑھنے اور سننے کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کو قرآن کی تلاوت اور اس کے مطالعہ سے روکا جائے، اور اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو قرآن سے روک کر گانے کی طرف متوجہ کیا جائے۔آج کے دور میں فحش فلمیں اور ڈرامے دیکھنا اور دکھانا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

مذکورہ آیات کا شانِ نزول

مکہ مکرمہ میں ایک شخص تھا، جس کا نام "نضر بن حارث" تھا اور وہ قرآن کا سخت مخالف تھا، پیشہ کے لحاظ سے وہ ایک

تاجر تھا اور تجارت کے لیے مختلف ملکوں کا سفر کیا کرتا تھا، تو ایک بار وہ تجارتی سفر پر ایران گیا، اور وہاں سے کچھ تاریخی کتابیں خرید کر مکہ لایا، جو کہ شاہانِ عجم جیسے سکندر، رستم وغیرہ کے قصوں پر مشتمل تھیں، نیز کچھ کتابیں ایسی تھیں جو فحش، ہیجان انگیز اور شہوانی جذبات بھڑکانے والے مضامین پر مشتمل تھیں، اس نے وہ کتابیں لوگوں کو دیں اور ان سے کہا کہ دیکھو یہ دلچسپ مضامین پر مشتمل ہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو (معاذ اللہ) تمہیں صرف عاد و ثمود کے قصے سناتا ہے، میں تمہیں رستم و دارا کے قصے سناؤں گا، یہ لوگ اس کے قصوں کو بہت شوق سے سننے لگے کیونکہ ان میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں، جس پر عمل کرنا پڑتا، صرف لذیذ قسم کی کہانیاں تھیں، اسی طرح اس نے ایک باندی خریدی جو نہایت خوش الحان تھی، اور وہ جس شخص کو دیکھتا کہ وہ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو رہا ہے تو باندی کو اس کے پاس بھیج دیتا، وہ اسے کھانا کھلاتی، شراب پیش کرتی اور اس کے سامنے گانا گاتی، اس کا دل بہلاتی، یہی اس کی ڈیوٹی تھی، قرآن نے ان آیات میں اسی کا ذکر فرمایا۔

کیا موسیقی رُوح کی غذا ہے؟

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین حضرات نے گانے بجانے کی حرمت پر مفصل کلام کیا ہے، اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ گانا بجانا اور آلات موسیقی استعمال کرنا حرام اور ناجائز ہے اور آیت میں ”لہو الحدیث“ سے مراد گانا ہے۔

بعض جاہل کہتے ہیں کہ گانا روح کی غذا ہے...... یاد رکھیں! یہ شیطانی روح کی غذا تو ہو سکتی ہے، لیکن ایک مسلمان کی روح کے لیے موسیقی غذا نہیں ہو سکتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”گانا دِل میں منافقت اور کفر کو ایسے اُگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔ (شعب الایمان: ۴/۲۷۸)“ اسی طرح ایک روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس کان میں گانا جاتا ہے، قیامت کے دن اس کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا (جامع الحدیث: ۴۳۹/۲۱)۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

اللہ ربّ العزت نے ایسے فحاشی و عریانی اور لوگوں کو قرآن کریم سے ہٹانے کے لیے گانے بجانے کی جانب دعوت دینے والوں اور راہِ خدا کو مذاق بنانے والوں کو ذلت آمیز عذاب کی خوشخبری دی۔ اور فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو تکبر سے منہ پھیر لیتے ہیں، جس سے یوں تاثر ملتا ہے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں یا ان کے کان نہیں ہیں، اے پیغمبر! آپ ایسے لوگوں کو عذاب الیم کی بشارت سنا دیجیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۝

اس رکوع میں حضرت لقمان علیہ السلام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت لقمان کون تھے؟

حضرت لقمان ایک مشہور و معروف تاریخی شخصیت ہیں، اور ان کی طرف بہت سی حکمت و دانائی کی باتیں منسوب

ہیں، حضرت وہب بن منبہؒ کی روایت کے مطابق یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھتیجے یا بھانجے تھے، ان کی عمر کافی دراز ہوئی، یہاں تک انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ بھی پایا۔ یہ حبشی النسل تھے اور پیشہ کے لحاظ سے بڑھئی یا درزی تھے، بکریاں بھی چراتے رہے اور بعض روایات کے مطابق بنی اسرائیل کے قاضی بھی رہے۔

کیا حضرت لقمان نبی تھے؟

حضرت لقمان علیہ السلام کے نبی ہونے یا نہ ہونے میں مختلف آراء ہیں، بعض حضرات جن میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کے نزدیک وہ نبی تھے، جبکہ جمہور سلف کے نزدیک وہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی اور حکیم تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب روایت منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت لقمان کو اختیار دیا تھا کہ نبوّت لے لو یا حکمت، انہوں نے حکمت کو اختیار کیا۔ بعد میں کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے حکمت کو نبوّت پر ترجیح کیوں دی؟ آپ نے فرمایا کہ نبوّت بڑی ذمہ داری کا منصب ہے، اگر اللہ مجھے بغیر میرے اختیار کے دے دیتا تو وہ خود اس کی کفالت فرماتے، اور اگر میں اپنے اختیار سے اس کو طلب کرتا تو ذمہ داری مجھ پر ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حکمت کا معنیٰ بعض اہل علم نے معرفت اور امانت سے کیا ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک حکمت دل میں دیے جانے والے نور کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ آدمی دل سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہے جیسے آنکھ سے دیکھتا ہے۔ وہب فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان نے حکمت کے بارہ ہزار باب ارشاد فرمائے۔ یہ حکمت بھری باتیں لوگوں کے کلام میں داخل ہیں۔

حضرت لقمان کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟

اللہ ربّ العزّت نے حضرت لقمان کو حکمت جیسی عظیم دولت سے نوازا، اور خلق خدا کو ان کی جانب مائل فرمادیا، لوگ جوق در جوق آپ کی مجالس میں شرکت کے لیے حاضر ہوتے، تو ایک دن جب آپ نے مجلس قائم فرمائی ہوئی تھی اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرما رہے تھے تو ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں وہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں: ایک ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا، اور ایک روایت کے مطابق آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہوجائے گا، وہ کام یہ ہیں: ”اپنی نگاہ کو پست رکھنا اور زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات میں سچائی پر قائم رہنا، عہد کو پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کی حفاظت کرنا اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔“ (تفسیر ابن کثیر)

تو اس رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت لقمان علیہ السلام کی چند حکمت بھری باتیں ذکر کی ہیں، جن میں اللہ کی توحید، شرک سے ممانعت، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر عبادات اور اخلاقیات پر مشتمل باتیں ہیں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو ایمان افروز نصیحتیں

پہلی نصیحت (عقائد سے متعلّق): شرک نہ کرنا

اب یہاں سے ان نصائح کا بیان شروع ہو رہا ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں، ان میں سے سب سے پہلی نصیحت عقیدے کی درستگی سے متعلق ہے، کہ بیٹا اللہ ربّ العزّت کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، کیونکہ شرک دنیا کا بدترین اور ناقابل معافی جرم ہے، اللہ سے ہر جرم کی معافی م جائے گی لیکن شرک اور کفر کی اللہ کے ہاں کوئی معافی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو بار بار کی نصیحت کا اثر یہ ہوا کہ بیٹا مشرک سے موحد بن گیا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ
الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

حقوق والدین سے متعلّق قرآنی نصیحت

حضرت لقمان کی نصائح کے درمیان اللہ ربّ العزّت نے والدین کے حقوق بیان کیے، فرمایا کہ تمہارے والدین تمہارے دنیا میں آنے کا ذریعہ ہیں، خاص کر تمہاری والدہ نے کراہتے ہوئے تمہیں دس ماہ تک تکلیف کی حالت میں پیٹ میں اٹھایا، پھر تمہاری پیدائش کے بعد دو سال تک تمہیں ہاتھوں میں اٹھا اٹھا کر دودھ پلاتی رہی، لہٰذا اپنے والدین کا شکریہ ادا کیا کرو، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ والدین کی اطاعت میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، اور کسی خلاف شریعت کام میں ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر والدین مشرک، کافر یا بے دین ہوں اور وہ تمہیں کفر و شرک اور گناہوں پر مجبور کریں تو ان کی بات نہیں ماننی، اور اللہ کو ناراض کر کے والدین کو راضی نہیں کرنا۔ لیکن اس کے باوجود یعنی اگر چہ وہ کافر و مشرک ہی کیوں نہ ہوں، ان کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک اور احسن انداز میں نباہ کرنا ہے۔ والدہ کا ذکر بطور خاص کر کے اشارہ کیا کہ والدہ کا حق والد سے بڑھ کر ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝

دوسری نصیحت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ اس بات کا مکمل اعتقاد یقین رکھا جائے کہ آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے، اس کے ایک ایک ذرہ پر اللہ تعالیٰ کا علم بھی محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے، کوئی

چیز خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو، وہ اللہ کے علم ونظر سے نہیں چھپ سکتی۔ لہٰذا جیسے جلوت میں اس کی نافرمانی سے بچا ایسے ہی خلوت میں بھی اس کی ناراضی کا کوئی سامان نہ کرنا۔ لہٰذا کوئی گناہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو حتیٰ کہ رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو اور مخفی ترین جگہ پر ہی کیوں نہ ہو، مثلاً کسی چٹان میں یا کسی بلند ترین جگہ میں جہاں کسی کی رسائی نہ ہو، اس برائی کو بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کریں گے اور اس پر محاسبہ فرمائیں گے۔

آج ہم لوگ خلوتوں میں کتنے بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں، وہ لوگ جو بظاہر بہت نیک نظر آتے ہیں، ان کی خلوتیں بھی پاک نہیں ہیں، ہماری تنہائیاں گناہوں سے خالی نہیں ہیں، اور آج کے دور میں تو ان موبائلوں اور انٹرنیٹ کی وجہ سے تنہائیوں میں گناہوں کی بہت کثرت ہوگئی ہے۔ تو لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا خلوت میں بھی اللہ کو ناراض نہ کرنا، کیونکہ خلوت تو صرف تیرے اور میرے لیے ہے، اللہ کے لیے تو سب جلوت ہی جلوت ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

اعمال سے متعلق کچھ نصائح

تیسری نصیحت: نماز کا اہتمام کرنا اور اسے پابندی اور خشوع وخضوع سے ادا کرنا

چوتھی نصیحت: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا

پانچویں نصیحت: تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو تیسری نصیحت اعمال میں سے نماز کے متعلق فرمائی، اعمال واجبہ تو بہت ہیں لیکن ان سب میں اہم اور بڑا عمل نماز ہے، جو خود اہم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے اعمال کی درستی کا بھی ذریعہ ہے، لہٰذا نماز کی حتی الامکان پابندی کرنی چاہیے، اس کے بعد امر بالمعروف (نیکی کی تلقین کرنا) اور نہی عن المنکر (برائی سے منع کرنے) کا حکم دیا، کیونکہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے، جس میں فرد کی اصلاح کے ساتھ جماعت اور معاشرہ کی اصلاح بھی اس کے نظام کا اہم جزو ہے، اس لیے نماز جیسے اہم فریضہ کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔

پھر چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسے احکام ہیں جن میں خاصی مشقت اور تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کے مفادات پر زد پڑتی ہے تو وہ آپ کے مخالف ہوجاتے ہیں، جیسا کہ اسوۂ انبیاء سے ہمیں علم ہوتا ہے، لہٰذا اس حکم کے فوراً بعد صبر کرنے کی تلقین فرمائی کہ اگر ان کاموں میں تمہیں کوئی تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر واستقامت سے کام لو۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُــوْرٍ ۝

چھٹی نصیحت (آداب معاشرت سے متعلق): تکبّر اور بڑائی نہ کرنا

حضرت لقمان نے عقائد اور اعمال سے متعلق نصائح فرمانے کے بعد معاشرتی آداب سے متعلق اپنے بیٹے کو چند نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ کبھی تکبّر مت کرنا، لوگوں سے ملاقات اور گفتگو کرتے ہوئے ان سے منہ نہ پھیرنا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا، کیونکہ یہ تکبّر کی علامت ہے اور اخلاق شریفانہ کے بھی خلاف ہے، اور اللہ ربّ العزّت بھی متکبر اور اکڑ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

''مختال'' اور ''فخور'' کی وضاحت

''مختال'' اسے کہتے ہیں جو اپنے عمل سے تکبّر ظاہر کرے اور ''فخور'' زبان سے شیخیاں بگھارنے والے کو کہتے ہیں۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

ساتویں نصیحت: چال میں میانہ روی اختیار کرنا

آٹھویں نصیحت: دھیمے لہجے میں بات کرنا

اس آیت میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو معاشرتی آداب سے متعلق کچھ مزید نصیحتیں فرمائی ہیں، فرمایا کہ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا، نہ بہت زیادہ تیز دوڑنا کیونکہ وہ وقار کے خلاف ہے، حدیث میں ہے کہ چلنے میں بہت جلدی کرنا مومن کی رونق ضائع کر دیتا ہے (معارف القرآن بحوالہ جامع صغیر) اور بہت زیادہ آہستہ بھی نہ چلنا جو تصنّع اور تکلّف کی علامت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کو یہود کی طرح تیز دوڑنے سے اور عیسائیوں کی طرح بہت آہستہ چلنے سے منع کیا جاتا تھا اور یہ حکم تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال کو اختیار کرو۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد نصیحت فرمائی کہ پست آواز میں بولا کرو، یعنی ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو اور شور نہ کرو اور اتنی بھی پست نہ کرو کہ مخاطب کو سنائی ہی نہ دے بلکہ درمیانے لہجے میں بات کرو۔ بہت زیادہ بلند آواز میں بات کرنا حیوانوں کی صفت ہے، جانوروں میں سب سے اونچی آواز گدھے کی ہوتی ہے لیکن سب سے بری آواز بھی اسی کی شمار ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''إذا سمعتم صياح الديكة فاسألوا الله من فضله فإنها رأت ملكا'' جب تم کسی مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ اس نے فرشتے کو دیکھا ہوتا ہے۔ ''وإذا سمعتم نهيق الحمار فتعوذوا بالله من الشيطان فإنه رأى شيطانا'' اور جب تم گدھے کے ہینکنے کی آواز سنو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آیا کرو، کیونکہ گدھے نے اس وقت شیطان کو دیکھا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری شریف: ۱/ ۳۶۹)

حضرت لقمان کے ایمان افروز اقوالِ زرّیں

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت لقمان کی ان نصائح کو ذکر فرمایا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں، اس کے علاوہ بھی ان سے بہت سے اقوالِ زریں منقول ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱- جب کسی مجلس میں پہنچو تو پہلے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کرو، پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ، دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو، اور اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر گپ شپ شروع کردیں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔

۲- آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔

۳- جب اللہ کو کوئی چیز سونپ دی جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اللہ ربّ العزّت کی معلومات اور نعمتیں بے پایاں ہیں

حضرت لقمان کی نصائح ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں، نیز انسان پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کا ذکر فرمایا جس سے مقصد شکر گزاری کا جذبہ ابھارنا، توحید اختیار کرنا اور شرک سے باز رکھنا ہے، نیز باپ دادا کی جاہلانہ تقلید چھوڑ کر حق کی اتباع کی دعوت دینا ہے، اس کے ضمن میں اپنی معلومات، اپنی صفات وکمالات اور اپنی نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ سب غیر متناہی ہیں، نہ کسی زبان سے وہ ادا ہوسکتی ہیں اور نہ کسی قلم سے ان کو لکھا جاسکتا ہے، مثال یہ ہے کہ اگر روئے زمین کے سارے درختوں کو کاٹ کر ان کو قلم بنالیا جائے اور سارے سمندر بلکہ اس جیسے مزید سات سمندر ملا کر سب کو روشنائی بنادیا جائے اور یہ سب قلم اللہ تعالیٰ کی معلومات اور صفات وکمالات کو لکھنا شروع کردیں تو سمندر ختم ہوجائے گا لیکن معلومات ختم نہیں ہوں گی۔ (اللّٰهم سبحانك حيث كنت)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ
إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ
وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ
أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

اللہ ربّ العزّت نے اس سورت میں جابجا اپنی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں، اور سورت کے آخر میں توحید کے دلائل کے بیان کے بعد قیامت کے دن کا مختصر تذکرہ فرمایا اور اس کی تیاری کی ہدایت فرمائی، فرمایا کہ وہ ایسا دن ہوگا جس

میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو نفع پہنچانے پر قادر ہوگا، بلکہ سب کو اپنی پڑی ہوگی۔ اس لیے دنیا کی زندگی کے دھوکے میں نہ آؤ، یہ چند روزہ رونق ہے۔

نوٹ:- یومِ محشر کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ وہاں کوئی باپ اپنے بیٹے اور بیٹا اپنے باپ کو ایک نیکی بھی دینے کے لیے تیار نہ ہوگا، نہ کوئی کسی کو بچا سکے گا، یہ حکم کفّار کے لیے ہے۔ جبکہ اہل اسلام گناہگار کا انبیاء علیہم السلام خصوصاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، شہداء، حفاظ اور صالحین کی شفاعت سے جنّت میں جانا، اسی طرح مقربین اور صالحین کی اولادوں کو ان کے آباء کی وجہ سے نفع پہنچنے کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ" (الطور:۲۱)

غیب کی کنجیاں صرف اللہ کی ملکیت ہیں

سورت کی آخری آیت میں اللہ نے غیب کی کنجیوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ یہ کنجیاں صرف میرے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور کسی کو ان کا علم نہیں ہے۔ غیب کی کنجیوں سے مراد وہ پانچ چیزیں ہیں جن کا علم صرف اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے اور ان پانچ چیزوں کو اللہ ربّ العزّت نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

مذکورہ آیت کا شانِ نزول

عمرو بن حارث ایک کافر تھا، اس نے حضور سے چند سوالات پوچھے، ۱۔ قیامت کب آئے گی؟ ۲۔ میں نے فصل اگائی ہے، تو مجھے بتائیں کہ بارش کب ہوگی؟ ۳۔ میری بیوی حاملہ ہے تو آپ بتائیں کہ اس کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی؟ ۴۔ آج کے کام تو میں نے کر لیے، مجھے یہ بتائیے کہ میں کل کیا کروں گا؟ ۵۔ اور مجھے یہ بتائیے کہ مجھے موت کب آئے گی؟

اللہ ربّ العزّت نے اس پر یہ آیت اتار دی، اور فرمایا کہ ان پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں، معلوم ہوا کہ غیب کے خزانوں کی چابیوں کا مالک صرف اللہ ہے، علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔

امام مالکؒ کو خواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، تو امام مالکؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ آپ نے کوئی جواب ارشاد نہیں فرمایا، بس پانچ کا اشارہ فرمایا، جب امام مالکؒ بیدار ہوئے تو ایک طرف تو حضور کی زیارت کی خوشی تھی لیکن دوسری طرف اضطراب یہ تھا کہ پانچ سے کیا مراد ہے؟ آیا پانچ دن، پانچ ہفتے، پانچ ماہ یا پانچ سال مراد ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، چنانچہ اس وقت کے تعبیر کے سب سے بڑے عالم جناب ابن سیرینؒ کی خدمت میں اپنا یہ خواب پیش کیا، علّامہ ابن سیرین عجیب شخصیت تھے، تو جب انہوں نے امام مالکؒ کا یہ خواب سنا تو ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کا اشارہ کر کے اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، گویا کہ آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ مالک! تمہارا سوال ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔ اور وہ پانچ چیزیں درج ذیل ہیں:

۱- قیامت کا علم، یعنی قیامت کب آئے گی؟ یہ صرف اللہ کو معلوم ہے۔
۲- بارش کب آئے گی؟ کتنی آئے گی؟ کہاں کہاں برسے گی؟ نفع مند ہوگی یا نقصان پہنچائے گی؟ ان سب باتوں کا تفصیلی اور یقینی علم بھی صرف اللہ کو ہے۔
۳- کائنات کی جتنی مادہ ہیں ان کے رحم میں پلنے والا بچہ نر ہوگا یا مادہ؟ پیدا ہوگا یا ضائع ہوگا؟ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ؟ نیک بخت ہوگا یا بدبخت؟ رزق کتنا ہوگا؟ ان سب باتوں کا علم بھی صرف اللہ کو ہے!
۴- آنے والے کل میں کون کیا کرے گا؟ یہ بھی صرف اللہ جانتا ہے!
۵- کون کہاں مرے گا؟ اس کا علم بھی صرف اللہ کو ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ علم غیب خاصۂ خداوندی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ مذکورہ بالا اشیاء کا یقینی علم اللہ ربّ العزّت ہی کے پاس ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بے بہا علم عطا فرمایا اور سب سے زیادہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو اس کی مخلوق میں فحاشی اور لغو چیزیں پھیلانے کا ذریعہ ہوتے ہیں، اور معاشرے میں ایسی چیزوں کی ترویج کا باعث بنتے ہیں جو اللہ کی مخلوق کو اللہ سے غافل کرنے کا سبب بنتی ہیں، جیسے آلات موسیقی، انٹرنیٹ اور میڈیا پر فحش اور بے کار مواد، فحش رسالے اور قصہ گوئی پر مشتمل مواد وغیرہ، لہٰذا ان امور سے حتی الامکان اجتناب کرنا لازم ہے۔
۲- سورت میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں اور آسمان اور زمین کی تخلیق بیان فرما کر اپنی قدرت کے نمونے بیان فرمائے ہیں۔
۳- اللہ ربّ العزّت نے حضرت لقمان حکیم کا تذکرہ فرمایا اور ان کی چند ایمان افروز نصیحتیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھیں، اور عقائد، اعمال اور آداب معاشرت پر مبنی تھیں، ذکر فرمائیں۔
ان نصائح میں توحید کا التزام، شرک کی مذمت، والدین کے ساتھ حسن سلوک، تکبّر کی ممانعت وغیرہ شامل ہیں۔
۴- اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر توحید کے دلائل بیان فرمائے، نیز قیامت کی ہولناکی کو بھی بیان فرمایا۔
۵- سورت کے آخر میں "غیب کی کنجیاں" بیان فرمائیں، یعنی وہ پانچ چیزیں جن کا علم اللہ ربّ العزّت کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

تمت سورۃ لقمان بعون اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ السَّجْدَة

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن کریم کی ترتیب میں اس کا بتیس (۳۲) نمبر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا پچھتر (۷۵) نمبر ہے، اس کے تین رکوع اور تیس آیات ہیں۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

۱- اس سورت کا ایک نام سورۃ السجدہ ہے، کیونکہ وہ سورتیں جن کا آغاز "الٓمٓ" سے ہوتا ہے، ان میں سے یہ واحد سورت ہے جس میں آیت سجدہ مذکور ہے، نیز اس سورت میں مؤمنین کی اس صفت کا بھی ذکر ہے کہ انہیں جب نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں، اس لیے اس کا نام سورۃ السجدہ رکھ دیا گیا۔

۲- اس سورت کا دوسرا نام "الم تنزیل السجدہ" ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انہی الفاظ سے اس سورت کی ابتداء ہوئی ہے۔ اور لفظ سجدہ ذکر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ تاکہ اس سورت کا "الٓمٓ" والی دوسری سورتوں سے امتیاز ہو جائے۔

سورت کی فضیلت

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں بکثرت یہ سورت پڑھا کرتے تھے، جبکہ دوسری رکعت میں اکثر سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:۲/۱)

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے دو سورتوں کی تلاوت ضرور فرماتے تھے، ایک سورۃ السجدہ اور دوسری سورۃ الملک۔ (مسند احمد:۲۶/۲۳) حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ بھی رات کو سونے سے پہلے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، کیونکہ یہ دونوں سورتیں خاص طور پر سورۃ الملک قبر کے عذاب سے بچانے والی ہیں، (سنن نسائی:۱۷۹/۶)۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں غیب کی کنجیوں یعنی ان پانچ چیزوں کا بیان تھا جن کا علم صرف اللہ رب العزت کی پاک ذات کو ہی ہے، اس سورت میں انہی پانچ چیزوں کی کچھ وضاحت ذکر کی گئی ہے۔ (اسرار ترتیب القرآن للسیوطیؒ)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ ربّ العزّت کے سامنے جھکنا اور خضوع کرنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین عرب اور قریش مکہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کوئی پیغمبر اور رسول نہیں بھیجا گیا، بلکہ آپ پہلے رسول ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو انبیاء کی دعوت بھی بالکل نہ پہنچی ہو، کیونکہ دوسری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا ہے کہ "وان من امة الا خلا فيها نذير" یعنی کوئی اُمّت اور جماعت ایسی دنیا میں ایسی نہیں جس میں کوئی اللہ سے ڈرانے والا اور اس کی طرف دعوت دینے والا نہ آیا ہو، خواہ وہ رسول اور پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب، خلیفہ یا عالم دین وغیرہ۔ لہٰذا فی الجملہ ان تک بھی توحید کی دعوت پہنچی تھی، اگرچہ کوئی باضابطہ رسول اور پیغمبر ان میں مبعوث نہیں ہوا۔

۲- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کی وحدانیت اور اس کی قدرت کا بیان ہے، اور یہ کہ وہی اس کائنات کا نظام نہایت احسن انداز میں سنبھالے ہوئے ہے۔

۳- انسان کی تخلیق کا مکمل احوال اس سورت میں بیان کیا گیا ہے، اور یہ بھی کہ اس تخلیقی دور میں انسان کن کن مراحل سے گزرا، ان سب کا تفصیلی احوال بیان کیا گیا ہے۔

۴- قیامت کے دن مشرکین اور مجرموں کو جس ذلت کا سامنا ہوگا، اس ذلت کے احوال بھی اس سورت میں ذکر کیے گئے ہیں۔

۵- دنیا میں مومنین کے احوال اور قیامت میں اللہ ربّ العزّت کے پاس ان کے لیے جو نعمتیں تیار ہوں گی، ان سب کا ذکر بھی اس سورت میں شامل ہے۔

۶- اس سورت میں کفّار کی بے وقوفی اور عناد کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عناد کی وجہ سے قیامت کے جلدی آنے کا مطالبہ کرتے ہیں، جبکہ درحقیقت وہ خود قیامت واقع ہونے کے منکر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

قرآن کی حقّانیت اور نزولِ قرآن کا مقصد

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اس مقدس کتاب قرآن مجید کی حقانیت کو بیان کیا، اور اس ضمن میں کفّار

مکہ کے ایک اعتراض کو ذکر کر کے اس کا رد بھی فرما دیا، کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑا ہے، تو اللہ ربّ العزّت نے اسے مکمل طور پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قرآن حضور کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اور یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کے ذریعہ مکہ کے کفار اور اہل عرب کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور اس کی توحید کی دعوت دیں۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے یہ بھی فرمایا کہ اہل مکہ ایسی قوم ہے جس میں آپ سے پہلے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، یہی مضمون سورۃ یٰسٓ میں بھی اللہ ربّ العزّت نے ذکر فرمایا ہے، لیکن ان آیات کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اہل مکہ تک توحید کی دعوت بالکل نہیں پہنچی تھی، کیونکہ زمانہ فترت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دین ابراہیمی پر قائم تھے، توحید پر ان کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کے لیے قربانی دینے سے وہ متنفر تھے۔ ان حضرات میں زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل وغیرہ شامل تھے۔

زید بن عمرو بن نفیل کا انتقال اس سال میں ہوا تھا جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، اور یہ واقعہ آپ کی نبوّت سے پانچ سال پہلے کا ہے، اور یہ اپنی زندگی میں قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے، اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت برا سمجھتے تھے اور مشرکین کے ذبائح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت سعید بن زید مسلمان ہوئے اور صحابہ میں سے عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کی سعادت بھی پائی، انہوں نے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے والد توحید پر قائم اور بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لیے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ان کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل اُمّت ہو کر اٹھیں گے۔ (معارف القرآن بحوالہ روح المعانی)

اسی طرح ورقہ بن نوفل جو آپ کے نبوّت کے ابتدائی زمانہ میں موجود تھے، توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا عزم رکھتے تھے، لیکن ان کی وفات ہو گئی۔

یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام عرب بھی دعوت الٰہیہ اور دعوت ایمان و توحید سے محروم نہیں تھی، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (معارف القرآن)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ
كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل

اس کے بعد اللہ نے اپنی توحید کے دلائل کا سلسلہ شروع کیا، اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی متعدد

صورتیں ذکر فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہے، اس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے، اور ایک دن اللہ کے ہاں ایک ہزار سال کا ہوتا ہے، اور چھے دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کرنے سے جبکہ وہ ایک ''کن'' فرما کر بھی یہ سب بنانے پر قادر تھا، در حقیقت اپنی مخلوق کو یہ تعلیم دینا مقصد تھا کہ تم بھی اپنے کام ٹھہر ٹھہر کر کیا کرو، تدبیر کے ساتھ کیا کرو۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝
ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَ
اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ
الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

اِنسانی زندگی کے مراحل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کی پیدائش سے اس کی موت تک کے تمام مراحل کو اختصار کے ساتھ نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے تخلیق انسان کی ابتداء مٹّی سے فرمائی، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹّی سے پیدا فرمایا، پھر انسانی نسل کو ایک بے قدر پانی یعنی نطفۂ منی سے بنایا، پھر رحم مادر میں اس کے اعضا درست کیے، پھر اس میں روح پھونکی اور آنکھ، کان اور دل عنایت فرما کر اسے زندگی بخشی، اور پھر ایک وقت مقررہ پر موت کا فرشتہ اللہ ربّ العزّت کے حکم سے ان کی جان قبض کر لیتا ہے، پھر انہیں اللہ ربّ العزّت کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ان سب نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرتا، لیکن افسوس کہ انسان بہت کم شکر ادا کرتے ہیں، اور بجائے شکر ادا کرنے کے الٹا وہ ذات باری تعالیٰ اور روزِ قیامت اس سے ملاقات کا ہی انکار کر دیتے ہیں، جو سخت بدبختی کی علامت ہے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ تَتَجَافٰى
جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ
اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

مومنین کی صفات

پہلی صفت

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مومنین کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے تمام حضرات کو تیسرا کلمہ اہتمام کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ تیسرے کلمہ میں ''سبحان اللہ'' بھی موجود ہے، ''الحمدللہ'' بھی

موجود ہے، "اللہ اکبر" بھی موجود ہے اور "لا الہ الا اللہ" بھی موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار کلام دنیا کے تمام کلاموں میں سب سے افضل ہیں، "سبحان اللہ الحمدللہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر" (صحیح بخاری شریف:۱/۲۸۸) ایک روایت میں آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہ" کہتا ہے، اس کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔" (صحیح بخاری شریف:۱/۱۷۸) اس لیے کثرت کے ساتھ تیسرا کلمہ پڑھنا چاہیے۔

دوسری صفت

ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ راتوں کو ان کے پہلو نرم و گداز بستروں سے جدا رہتے ہیں، جب ساری دنیا خواب خرگوش کے مزے لے رہی ہوتی ہے تب یہ اللہ کے نیک بندے اس کے سامنے مصلّی بچھا کر آہ وزاریاں کرتے ہیں اور ثواب کی امید اور عذاب کے خوف کے ساتھ اپنے ربّ کے سامنے دستِ دُعا دراز کرتے ہیں۔

یہ ایمان والوں کی نشانی ہے کہ ان میں ڈر بھی ہوتا ہے اور ان میں امید بھی ہوتی ہے، لہٰذا اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ "قہار" ہے، لیکن اس سے امید بھی رکھو کیونکہ وہ "غفار" ہے، ڈر چھوڑ دو گے تو جری ہو جاؤ گے، امید چھوڑ دو گے تو مایوس ہو جاؤ گے۔

تہجد پڑھنے والوں کا مقام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن منادی اعلان کرے گا: "این الذین تتجافی جنوبھم عن المضاجع" کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے جدا ہوا کرتے تھے، یہ اعلان سن کر میدان محشر میں تہجد گزار کھڑے ہو جائیں گے، جب وہ کھڑے ہوں گے تو اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ ان سب کو بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل کر دو۔ (شعب الایمان للبیہقی:۳/۱۶۹) اللّٰھم اجعلنا منھم۔ آمین

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

ان فی الجنۃ غرفۃ یری ظاھرھا من باطنھا و باطنھا من ظاھرھا، اعدھا اللہ لمن الان الکلام واطعم الطعام وتابع الصیام وصلی باللیل والناس نیام۔

کہ جنّت میں ایک نہایت شاندار محل ہے جس میں باہر سے اندر کا منظر نظر آتا ہے اور اندر سے باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے، یہ محل اللہ نے ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے جو نرم گفتگو کرتے ہوں، لوگوں کو کھانا کھلاتے ہوں، مسلسل روزے رکھتے ہوں اور جب ساری دنیا خواب خرگوش کے مزے لے رہی ہو تو وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہوں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی:۴/۳۰۰)

ایک مسئلے کی وضاحت

تہجد کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھیں کہ افضل تو یہ ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد تہجد ادا کی جائے لیکن اگر سونے کے بعد آنکھ نہ کھلنے کا اندیشہ ہو تو سونے سے پہلے ہی عشاء کی نماز کے ساتھ دو، چار، چھ یا آٹھ رکعت تہجد کی نیت سے ادا کر لینے چاہئیں۔ یہ بھی تہجد میں شمار ہو جائیں گی۔ (شامی: ج ۲، ص ۲۴)

تیسری صفت

اور ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو جو رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے وہ اس کی رضا کی خاطر اس کی مخلوق میں خرچ کرتے ہیں۔ زکوٰۃ اور صدقات دیتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

مؤمنین کا اجر

فرمایا کہ ایسے مؤمنین جن میں یہ تمام صفات موجود ہوں، ان کے لیے اللہ ربّ العزّت نے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، اور وہ نعمتیں ایسی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھی ہوں گی، نہ کسی کان نے سنی ہوں گی اور نہ کسی دل پر ان کا کھٹکا گزرا ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی پیشین گوئی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہونے کی خبر اور پیشین گوئی کی گئی ہے اور فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ اس میں شک نہ کریں کہ آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی، چنانچہ شبِ معراج میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان سے ملاقات ہوئی، پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے، نیز معراج کی رات آپ علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں بھی دیکھا، جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ (صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۴۵)

بنی اسرائیل کو امامت اور پیشوائی کیوں ملی؟

اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ جن میں مندرجہ ذیل دو صفات اور خوبیاں تھیں، اللہ ربّ العزّت نے انہیں امام اور پیشوا بنا دیا، وہ خوبیاں یہ ہیں:

۱۔ صبر یعنی احکام الٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا۔

۲۔ اللہ کی آیات پر یقین۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس وقت تک زمین میں اقتدار نہیں دیتے جب تک کہ اس کو آزما نہ لیں، اور اس وقت تک اسے امام نہیں بناتے جب تک کہ اسے صبر اور یقین نہ دیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی حقانیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی توحید کے کچھ دلائل بھی بیان فرمائے ہیں، جن میں زمین وآسمان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ ان کے مربوط اور مرتب نظام کا ذکر فرمایا۔

۲۔ اس سورت میں انسان کی پیدائش سے اس کی موت تک کے تمام مراحل کو اختصار کے ساتھ نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس میں دورانِ حمل کے مراحل، پھر پیدائش کے بعد کی زندگی کے مراحل اور پھر موت کے مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ اس سورت میں مؤمنین کی کچھ صفات بھی ذکر کی گئی ہیں جن میں تواضع اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، تسبیح وتحمید کرنا اور تہجد ادا کرنا شامل ہیں، نیز ان مؤمنین کا اللہ ربّ العزّت کے ہاں جو انعام ہے اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کی پیشگوئی بھی کی گئی ہے، جو معراج کے موقع پر پوری ہوئی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مفصل احوال اپنی اُمّت کو بتائے۔

۵۔ سورت کے آخر میں ایک بار پھر اپنی قدرت کی چند نشانیاں ذکر فرمانے کے ساتھ قیامت کے دن کا بھی تذکرہ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی کہ آپ ان کافروں پرواہ نہ کیجیے بلکہ اپنے کام میں لگے رہیے، اور انتظار فرمائیے، اللہ خود ان سے حساب لے لیں گے۔

تمت سورة السجدة بعون اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَحْزَاب

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی، قرآن کریم کی ترتیب میں اس کا تینتیس (۳۳) نمبر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ نوے (۹۰) نمبر پر ہے، اس کے نو (۹) رکوع اور تہتر آیات ہیں۔

وجہ تسمیہ

"احزاب" جماعتوں کو کہتے ہیں، اس سورت کو سورت احزاب اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ایک ایسے غزوہ کا ذکر ہے جس میں مشرکین کی کئی جماعتیں مسلمانوں کے خاتمہ کے لیے مدینہ منوّرہ پر چڑھ دوڑیں تھیں، لیکن اللہ ربّ العزّت نے انہیں ناکام ونامراد واپس لوٹا دیا۔ اس غزوہ کو بھی غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں سے اعراض کرنے اور ان کے انجام کا انتظار کرنے کا حکم فرمایا تھا، جبکہ اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے نبی کو تقویٰ اختیار کرنے اور کفار ومشرکین کی اطاعت نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

نیز گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے شرک کی تردید فرمائی تھی، جبکہ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے جاہلیت کی رسموں کی تردید کی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ ربّ العزّت کے احکام اور اس کی شریعت کی فرمانبرداری کرنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور بلند مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے، جس میں درج ذیل امور شامل ہیں:

۱: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اقدس نہ لیا جائے۔

۲: اللہ ربّ العزّت اور فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

۳: اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بنایا ہے۔

۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف نہ دی جائے۔

۵: جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف دے گا، اللہ ربّ العزّت اسے ذلّت والے عذاب میں مبتلا فرمائیں گے۔

۲- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، امہات مؤمنین اور تمام مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

۳- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کے تمام احکامات کی مکمل فرمانبرداری کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اسی ضمن میں غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی قوت ایمانی کا ذکر فرمایا، جب انہوں نے کفّار کی جماعتوں کو دیکھا، تو بھرپور قوت ایمانی سے کفّار کا مقابلہ کیا، اسی طرح امہات المؤمنین کی مثال بیان فرمائی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دنیا اور اس کی رونق یا آخرت اور اس کی نعمتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا تو انہوں نے آخرت کو ترجیح دی، اسی طرح جب پردہ کا حکم نازل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو وہ حکم سنایا تو انہوں نے بلا چوں چرا اس حکم پر عمل کرتے ہوئے پردہ کرنا شروع کر دیا۔

۴- اس سورت میں جاہلیت کی کچھ رسومات اور عادات بد کا بھی رد کیا گیا ہے، جن میں پہلی رسم یہ تھی کہ مشرکین عرب منہ بولے بیٹے کو حقیقی سگے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے، یعنی اس سے خاندان کی عورتوں کا پردہ نہیں ہوتا تھا اور خاندان کے بڑے کی وفات کی صورت میں منہ بولا بیٹا اس کا وارث سمجھا جاتا تھا، نیز منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔ اللہ ربّ العزّت نے اس رسم کی سختی سے تردید فرمائی۔

دوسری عادت بد مشرکین عرب میں یہ تھی کہ ان کی خواتین پردہ کا اہتمام نہیں کرتی تھیں، بلکہ سرِعام بغیر پردہ کے گھومتی پھرتی تھیں، اللہ ربّ العزّت نے اس بے پردگی کا بالکل خاتمہ فرمایا، اور پردہ کے احکامات نازل فرمائے۔

تیسری عادت بد ان میں یہ تھی کہ لوگوں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہو جاتے تھے، اور اگر کسی گھر میں بھی دعوت کے لیے جاتے تو کھانا کھانے کے بعد کافی دیر تک وہیں بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے، خواہ میزبان گھرانے کو تکلیف ہوتی ہو، اس کا ذرا احساس نہیں کرتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان کو اس طرزِ عمل سے روکا اور معاشرتی آداب سکھائے۔

۵- اس سورت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں احکامات شریعت کے برابر مکلّف ہیں۔

۶- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مؤمنین کے حق میں گواہی دی کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے

اللہ رب العزت سے کیا اپنا وعدہ پورا کیا اور کچھ ایسے ہیں جو اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں، ان سب کے لیے اللہ رب العزت نے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔

۷۔اس سورت میں اللہ رب العزت نے کافروں کے لیے سخت عذاب کی وعید بھی بیان فرمائی ہے۔

۸۔اس سورت میں شرعی احکامات کی ذمہ داری کی عظمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان احکامات کو نبھانا اور کما حقہ پورا کرنا بہت مشکل کام ہے، اسی لیے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے یہ ذمہ داری اٹھانے سے معذرت کر لی تھی، جبکہ حضرت انسان نے اس ذمہ داری کو اُٹھانے کی حامی بھر لی۔

۹۔اس سورت میں اللہ رب العزت نے رسول بھیجنے کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۙ۱ وَّ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ۲ وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۳

شانِ نزول

ان آیات کے سبب نزول میں مختلف روایات منقول ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل، بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں، اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند لوگ آپ کی خدمت میں آنے لگے اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے، دلوں میں ایمان نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا۔ اس لیے آپ ان لوگوں کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے اور ان کے چھوٹے بڑے آنے والوں کا اکرام فرماتے تھے اور کوئی بری بات بھی ان سے صادر ہوتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

ایک دوسرا واقعہ ابنِ جریرؒ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کُفارِ مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ پیشکش کی کہ ہم سب قریش کے آدھے اموال آپ کو دے دیں گے، اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں، اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنا دعویٰ اور دعوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن بحوالہ روح المعانی)

ان آیات میں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے میرے نبی! اللہ سے ڈریے، مفسرین کے نزدیک یہ خطاب دراصل اُمت کو ہے، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہہ کر ہمیں سنایا جا رہا ہے، کیونکہ حضور کو تو

اللہ کا ڈر پہلے سے تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کا مقصد اس حکم کی عظمت بیان کرنا ہے۔ جبکہ بعض مفسرین کرام نے آیت کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تقویٰ پر قائم ودائم رہیں یعنی احکامِ خداوندی بجالاتے رہیں اور دین پر ثابت قدم رہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ کافروں، منافقوں اور بے دینوں کی باتیں نہ مانیے، بلکہ اللہ رَبّ العزّت نے جو پیغامات اور شریعت آپ کو عطا کی ہے اس کی اتباع کیجیے، یہی حکم اُمّتِ مسلمہ کے لیے بھی ہے۔

ہم اپنی معاشرتی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ جب بھی ہم شریعت پر اور اپنے نبی کی سُنّت پر چلنا شروع کرتے ہیں تو بے دین قسم کے لوگ ہمیں طرح طرح کے وسوسوں اور طعن وتشنیع کے ذریعے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، مثال کے طور پر اگر آپ کوئی شادی، وفات کی کوئی رسم یا کاروبار وغیرہ سُنّت کے طریقے کے مطابق کرنا چاہیں تو ایسے لوگ کہتے ہیں کہ کچھ تو دنیاداری کا خیال کرنا چاہیے، برادری کی بھی ماننی پڑتی ہے، وغیرہ ذالک۔ تو اللہ رَبّ العزّت نے بطورِ خاص اس سورت کا آغاز ہی اسی سے فرمایا کہ ایمان والو نہ کفّار کی مانو، نہ منافقین کی مانو اور نہ بے دینوں کی مانو، بلکہ اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کی پیروی کرو، اور اگر اس ضمن میں تمہیں کسی قسم کی تکلیف یا اپنوں کے تلخ رویہ کا اندیشہ ہو تو اللہ رَبّ العزّت پر بھروسہ رکھو، وہ بہترین کارساز ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ۚ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

زمانہ جاہلیت کے رُسوم کی تردید

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے زمانہ جاہلیت کی چند رسوم کی تردید فرمائی ہے:

۱- زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ ایسے شخص کو جو زیادہ ذہین ہو، یہ کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں، (جمیل بن معمر قریشی جو نہایت ذہین شخص تھا کو بھی لوگ دو دلوں کا مالک سمجھتے تھے) یہ بات اگرچہ کسی مذہبی عقیدے یا عمل سے متعلق نہیں تھی بلکہ فنِ طب کا معاملہ تھا، اسی لیے شریعتِ اسلام کو اس کی تردید کی ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ اس بات کا غلط ہونا ظاہری بات تھی، اس لیے باقی دو مسئلوں کی تردید کے لیے اس بات کو بھی بطورِ تمہید ذکر کر دیا کہ جیسے اہلِ جاہلیت کا یہ کہنا غلط ہے اور اس کے غلط ہونے کو عام وخاص سب ہی جانتے ہیں، اسی طرح آنے والے دو مسائل میں بھی ان کا نظریہ غلطی پر مبنی ہے۔ (معارف القرآن)

۲- عرب کا دوسرا غلط نظریہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہہ دیتا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا میری ماں کی برابر اور مثل ہے تو اس عورت کو اپنی حقیقی ماں کی طرح ہمیشہ کے لیے حرام سمجھتے تھے۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان

کے اس نظریہ کی تردید فرمائی کہ محض اس طرح کہنے سے تمہاری بیویاں حقیقۃً ماں نہیں بن جاتیں، لیکن ایسا کہنا گناہ ہے، اس سے پرہیز واجب ہے، البتہ اس طرح کہنے کا بیویوں پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ اس کا تفصیلی ذکر اللہ ربّ العزّت نے اٹھائیسویں پارے میں سورۃ مجادلہ میں بیان کیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

۳۔اہل جاہلیت کا تیسرا غلط نظریہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیتا تو اس کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے اور اس پر سارے احکامات حقیقی بیٹے والے لاگو کرتے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس نظریہ کی تردید فرمائی کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا، کیونکہ جس طرح کسی شخص کے دو دل نہیں ہوسکتے اسی طرح دو باپ بھی نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا منہ بولے بیٹے کو اس کے حقیقی والد کی طرف منسوب کرنا لازم ہے، اس کو اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے پکارو، حقیقی باپ کی جگہ پرورش کنندہ کا نام لکھوانا یا کہلوانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام تھے، جن کا نام زید بن حارثہ تھا، یہ اصلاً عربی النسل تھے، لیکن انہیں کسی نے بچپن میں اغوا کر کے بیچ دیا تھا، اسی لیے یہ غلام بن گئے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ نے انہیں خرید لیا، اور خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد فرما کر اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا، جس پر لوگ انہیں زید بن محمد کہنے لگے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے ان کو ان کے حقیقی والد کی نسبت سے پکارنا شروع کر دیا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

شانِ نزول

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر لوگوں کو غزوہ کی تیاری کا حکم دیا تو کچھ لوگوں نے اپنے والدین سے اجازت لینے کی بات کی، تو اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین پر خود ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں

اس آیت مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور اطاعت تمام مخلوق سے زیادہ واجب ہونے کو بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ میرے نبی مؤمنین کے لیے ان کی اپنی جانوں سے زیادہ خیر خواہ اور شفیق ہیں، لہٰذا اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہر مومن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور ان کی اطاعت سب سے زیادہ ہو، جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے:

عن أنس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین۔

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت اپنے باپ، بیٹے اور سب انسانوں سے زیادہ نہ ہوجائے۔ (صحیح بخاری شریف، نسخہ طوق النجاۃ، ص ۱۴)

اللہ ربّ العزّت ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائے اور اس محبت کے تمام تقاضوں کو بجالانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اُمّت کی مائیں ہیں

آیت کے اگلے حصہ میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات عزّت اور احترام میں اور بزرگی اور اکرام میں ساری اُمّت کی مائیں ہیں۔ یعنی جیسے ان کے لیے ان کی اپنی حقیقی مائیں قابل احترام ہیں، ایسا ہی احترام ازواج مطہرات کا بھی ہے، البتہ ماں کے اور احکام مثلاً پردہ نہ ہونا یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت کا حکم وغیرہ یہاں لاگو نہیں ہوں گے۔ جبکہ خود ازواج مطہرات سے کسی اُمّتی کا نکاح حرام ہونا خود ایک مستقل آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ (معارف القرآن)

نیز اس آیت میں یہ بھی واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کا تعلق اگرچہ اُمّت سے اس قدر مضبوط ہے کہ ماں باپ سے بھی مقدم ہے، مگر میراث کے احکام میں اس کا کوئی دخل نہیں بلکہ میراث نسبی اور قرابتی رشتوں کی بنیاد پر ہی تقسیم کی جائے گی۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

”میثاقِ انبیاء“

اس آیت میں اللہ رب العزت نے تمام انبیاء سے ایک عہد لینے کا ذکر فرمایا ہے، یہ عہد نبوّت اور رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور باہم ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے سے متعلق تھا۔ اس آیت میں تمام انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد پانچ انبیاء کا بصراحت ذکر فرمایا، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام شامل ہیں، ان کو اولوالعزم انبیاء بھی کہا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ

طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝ ...... وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

آیت نمبر ۹ تا آیت نمبر ۲۷

غزوۂ اَحزاب کا تفصیلی واقعہ

مذکورہ بالا مکمل دو رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ اَحزاب کے واقعے کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے، یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال میں پیش آیا، جس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

یہود کے قبیلہ بنی نضیر اور قبیلہ بنی وائل کے تقریباً بیس افراد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے، مکہ مکرمہ پہنچے اور قریش کے سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ کیا، اور انہیں قائل کرنے کے لیے اپنے علم اور ضمیر کے خلاف یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا دین، محمد کے دین سے بہتر ہے۔ جس پر وہ مطمئن ہوئے اور جنگ کے لیے حامی بھر دی، قریش مکہ کو تیار کرنے کے بعد یہ افراد عرب کے ایک بڑے اور جنگجو قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور انہیں بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی اور بھاری رشوت کی پیشکش بھی کی، انہوں نے بھی شرکت کی حامی بھر لی۔ اس طرح یہ لوگ دیگر قبائل عرب کے پاس گئے اور انہیں بھی اپنے ساتھ جنگ میں شرکت پر آمادہ کر لیا۔ یوں تقریباً بارہ ہزار سے پندرہ ہزار تک کا لشکر جرار لے کر مدینہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

جبکہ دوسری طرف مسلمانوں کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ اور ان کے پاس صرف چھتیس گھوڑے تھے۔ اور مدینہ کی کل آبادی مردوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو ملا کر بھی بارہ ہزار نہیں بنتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس متحدہ لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کی، کہ چونکہ مدینہ کے تین طرف پہاڑ ہیں اور ایک جانب ہموار راہ ہے، تو اسی راہ پر گہری خندق کھود یں جس کو یہ عبور نہ کر سکیں، آپ کو یہ مشورہ پسند آیا، چنانچہ آپ نے دس دس آدمیوں کو ایک ٹکڑا دے دیا اور خندق کی کھدائی کا کام شروع کروا دیا، جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بھی بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ ادھر

خندق تیار ہو گئی ادھر لشکر آ پہنچا، ان کے پاس ایک ہزار اونٹ، کئی سو گھوڑے، اور کئی تلواریں تھیں، لیکن جب وہ پہنچے اور آگے خندق دیکھی تو حیران و پریشان رہ گئے، کیونکہ یہ ان کا پہلا تجربہ تھا، حضور نے یہ دفاعی جنگ لڑی تھی، یہ لوگ خندق کے اس پار تقریباً بیس یا پچیس دن تک کھڑے رہے، اس دوران خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے رہے، ایک یہودی نے اس کی کوشش کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا، کچھ اور لوگوں کی بھی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی، جبکہ تیر اندازی ہر دو طرف سے مسلسل جاری رہی۔

یہ بہت مشکل وقت تھا، اس وقت میں ایک تو مدینہ کے مسلمان قحط سالی کا شکار تھے، یعنی سخت سردی تھی اور کھانے پینے کا سامان ختم تھا، ادھر سے دشمن کا خوف بھی لاحق تھا، جبکہ دوسری طرف ایک اور افتاد یہ آن پڑی کہ مدینہ کے اندر یہود کا ایک قبیلہ رہائش پذیر تھا جس کا نام بنو قریظہ تھا، ان کا مسلمانوں کے ساتھ عہد تھا کہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے، لیکن بنو غطفان نے ان کو بھی عہد شکنی پر ابھارا جس پر انہوں نے بغاوت کر دی، اب مسلمان اندر اور باہر ہر دو اطراف سے دشمنوں کے چنگل میں پھنس گئے تھے، حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان کفّار سے صلح کر لی جائے، آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، تو انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہے، اور اگر آپ ہمیں تکلیف اور مشقت سے بچانے کے لیے یہ تدبیر کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان سے صلح نہیں کرنا چاہتے، ہم ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ ربّ العزّت ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

ایسے حالات میں اللہ نے مسلمانوں کی خاص مدد فرمائی اور ایک رات نہایت تند و تیز ٹھنڈی ہوا بھیج دی، ہوا اتنی تیز تھی کہ کفّار کی کھانے کی دیگیں الٹ گئیں، ان کے خیمے اکھڑ گئے، ہر طرف ریت اڑ رہی تھی، ساتھ ہی اللہ ربّ العزّت نے آسمان سے فرشتے نازل کیے جنہوں نے ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوسفیان نے واپسی کا اعلان کیا، اور پورا لشکر ناکام، خائب و خاسر اور نامراد ہو کر واپس لوٹ گیا، حضور علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا کہ "الآن نغزوهم ولا يغزوننا" اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، یہ ہم پر چڑھائی نہیں کر سکیں گے، اور ایسا ہی ہوا۔ (معارف القرآن)

غزوۂ احزاب میں منافقین اور مؤمنین کا طرزِ عمل

غزوۂ احزاب کے آغاز سے انجام تک منافقین نے مسلسل حیلے بازی اور دھوکہ دہی سے کام لیا، جنگ کے آغاز میں مختلف قسم کے بہانے بنا بنا کر جنگ سے فرار کی راہیں تلاش کرنے لگے، کچھ ویسے ہی چھپ گئے، جبکہ بعض منافقین جنگ کے درمیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دے کر بھاگ گئے، اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا، مسلمانوں کو طعنے دیتے رہے، غرض ہر طرح سے مسلمانوں کو زچ کرنے کی کوششوں میں مصروفِ عمل رہے۔

جبکہ دوسری طرف ایمان والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کی، ان سخت اور مشکل ترین حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل ساتھ دیا، بہادری اور ہمت کے ساتھ جبکہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بے حال تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ کی حفاظت کے لیے ڈٹ کر کھڑے رہے، اللہ رب العزّت نے ان آیات میں ان کی تعریف بھی فرمائی کہ جب ایمان والوں نے کفّار کے لشکروں کو دیکھا تو بجائے خوفزدہ ہونے کے ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ یقیناً اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ پورا ہوگا۔

غزوۂ بنو قریظہ

اس کے بعد اللہ نے غزوہ بنی قریظہ کا ذکر کیا، انہوں نے غزوۂ احزاب کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے عہد شکنی کی تھی، چنانچہ جب غزوہ احزاب ختم ہو گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے لیے تشریف لے گئے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے، ان کے جسم پر گرد و غبار تھا، انہوں نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے ہتھیار اتار دیے، حالانکہ فرشتوں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے، اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کریں اور میں آپ سے آگے وہیں جا رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ بنو قریظہ کی طرف چلو، وہ مدینہ کے شمال میں رہتے تھے، ان کو جب اطلاع ملی تو وہ قلعہ بند ہو گئے، صحابہ کرام نے جا کر ان کا محاصرہ کیا، جب محاصرہ طول پکڑ گیا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھجوایا کہ ہم قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوہ احزاب میں زخمی ہو گئے تھے، اس لیے وہ مسجد نبوی میں ہی رہتے تھے، ان کو لایا گیا، تو چونکہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی اس لیے انہوں نے ان کے متعلق تورات میں ذکر کردہ عہد شکنی کی سزا کے مطابق سزا تجویز کی، تورات میں عہد شکنی کی سزا یہ درج تھی کہ عہد شکنی کرنے والوں کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے، تو آپ نے بھی یہی فیصلہ کیا، جس پر ان کے سینکڑوں مردوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام اور باندی بنا لیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

مذکورہ آیات کا شانِ نزول

غزوۂ احزاب کے بعد بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں کسی حد تک خوشحالی پیدا

کردی تھی، تو ازواج مطہرات کو بھی یہ خیال آیا کہ اب ان کے نان ونفقہ میں بھی کچھ اضافہ کیا جانا چاہیے، کیونکہ وہ بدستور تنگی کا شکار تھیں، تو انہوں نے جمع ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیصر وکسری کی بیویاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں اور ان کی خدمت کے لیے کنیزیں ہیں، جبکہ ہمارا حال فقر وفاقہ کا ہے، اس لیے اب ہم پر کچھ وسعت سے کام لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ مطالبہ پسند نہ آیا اور آپ کو اس سے بہت دُکھ ہوا، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر مسجد نبوی کے قریب بنے بالا خانہ میں چلے گئے، اور آپ نے قسم اٹھائی کہ میں ایک ماہ تک بیویوں کے پاس نہیں جاؤں گا، ادھر مدینہ میں افواہ پھیل گئی کہ حضور نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے کیونکہ ان کی بیٹی بھی حضور کی گھر والی تھی، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو وہ حاضر ہوئے اور دونوں حضرات بالا خانے میں چلے گئے، وہاں حضور سے جا کر اصل صورتِ حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے طلاق نہیں دی، جس پر انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹیوں کو ڈانٹا کہ حضور کا احترام کرو، اور آج کے بعد ان سے دنیا کی کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرنا۔

جب ایک مہینہ گزر گیا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی، کہ میرے نبی اپنی بیویوں سے ارشاد فرما دیجیے کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر لو، اگر دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کی خواہش ہے تو میں تمہیں کچھ سامان دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں گا،، اور اگر اللہ، رسول اور آخرت کی طلبگار ہو تو صبر سے میرے ساتھ زندگی گزارو، اللہ تعالیٰ تمہیں آخرت کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات کہتا ہوں تم اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا، پھر آپ نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی، اس پر انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا میں اس کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی، ''اخترت اللہ ورسولہ'' میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چنا۔ اس کے بعد تمام ازواج مطہرات نے بھی اسی سے ملتا جلتا جواب دیا اور سب نے اس فانی دنیا کے مقابلے میں ہمیشہ رہنے والی آخرت کو ترجیح دی۔

اکیسواں پارہ اختتام پذیر ہوا

پارہ نمبر ۲۲

یہ پارہ سورۂ احزاب کے بقیہ حصے، سورۂ سبا، سورۂ فاطر اور سورۂ یٰسٓ کے کچھ حصے پر مشتمل ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ

الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مقام ومرتبہ

اس پارے کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ازواج مطہرات کے مقام ومرتبہ کو بیان فرمایا ہے کہ ازواج مطہرات کا معاملہ عام عورتوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ ان کا مقام ان سے کہیں بڑھ کر ہے، یہی وجہ ہے اگر یہ کوئی نیکی سرانجام دیں گی تو ان کو دگنا اجر ملے گا اور اگر خدانخواستہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو ان کو عام عورتوں سے دگنی سرزنش کی جائے گی۔ کیونکہ جتنا کسی کا اعزاز واکرام ہوتا ہے اتنا ہی اس کی طرف سے غفلت اور سرکشی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

تو چونکہ ازواج مطہرات کا مقام اور مرتبہ عام اُمت کی خواتین سے کئی زیادہ ہے، اس لیے اگلی آیات میں ازواج مطہرات کو خطاب فرما کر کچھ نصائح کی گئی ہیں، یہ نصائح اور احکام اگرچہ ساری مسلمان عورتوں کے لیے ہیں لیکن ازواج مطہرات کو بطور خاص خطاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ان اعمال اور احکام کا دوسروں سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بارگاہِ خداوندی سے چند ہدایات

پہلی ہدایت

پردہ سے متعلق آواز اور کلام پر پابندی ہے، یعنی کسی غیر محرم سے پس پردہ بات کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو کلام میں نزاکت اور لطافت کے لہجہ سے بہ تکلف پرہیز کیا جائے، اس نرمی اور نزاکت سے مراد ایسی نرمی ہے جو مخاطب کے دل میں میلان پیدا کردے۔

دوسری ہدایت

مکمل پردہ کرنے کی ہے، حکم فرمایا کہ اپنے گھروں میں بیٹھو اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح نہ گھومتی پھرو۔ یعنی عورتوں کے لیے اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھروں میں رہیں اور باہر نہ نکلیں، ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لیے ہوئی ہے، لہٰذا اسی

میں مصروف رہیں، لیکن اگر کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے باہر نکلنا پڑ جائے تو مکمل پردہ اختیار کرتے ہوئے گھر سے باہر قدم رکھیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔

تیسری، چوتھی اور پانچویں ہدایت

ازواج مطہرات کو اللہ ربّ العزّت نے تیسری ہدایت نماز سے متعلق فرمائی کہ نماز قائم کریں، چوتھی ہدایت زکوٰۃ کی ادائیگی سے متعلق فرمائی کہ زکوٰۃ ادا کیا کریں اور پانچویں ہدایت یہ فرمائی کہ ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کریں۔

پھر اللہ ربّ العزّت نے ازواج مطہرات کو ان احکامات اور ہدایات کا خصوصی مخاطب بنانے کی وجہ بھی ارشاد فرمادی کہ اللہ ربّ العزّت کی غرض یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو گناہوں کی گندگیوں سے پاک کردیں۔ اس آیت میں اہل بیت سے مراد خاص طور پر ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ آیت سے پہلے اور بعد میں مکمل خطاب انہی سے ہے، البتہ حدیث نبوی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور فاطمہ رضی اللہ عنہا، اور حضرات حسنین کریمین بھی اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

چھٹی ہدایت

پھر اللہ ربّ العزّت نے ازواج مطہرات کو ایک اور ہدایت فرمائی کہ آپ کے گھروں میں قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنّت جو پڑھی جاتی ہیں، اس کو یاد کرکے اس پر عمل کریں، نیز ان تعلیمات کو اُمّت تک پہنچائیں۔

اس آیت میں جس طرح آیات قرآن کی تبلیغ و تعلیم اُمّت پر لازم کی گئی ہے، اسی طرح لفظ حکمت فرما کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے، اور قرآن پاک کی طرح احادیث نبویہ کو بھی نہایت احتیاط کے ساتھ اُمّت تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا۔

واضح رہے کہ اگرچہ مذکورہ بالا ہدایات ازواج مطہرات کو دی گئی ہیں تاہم یہ ان کے لیے خاص نہیں ہیں، بلکہ پوری اُمّتِ مسلمہ کی خواتین کے لیے یہ ہدایات ہیں کہ وہ مذکورہ بالا احکام کی پابندی کریں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

شانِ نزول

قرآن کریم کے عام احکام میں اگرچہ مرد و عورت دونوں شامل ہیں، مگر خطاب عام طور پر مردوں کو ہی کیا گیا ہے،

عورتیں اس میں ضمناً شامل ہیں، حضرت مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے علاوہ کسی عورت کا نام اللہ رَبّ العزّت نے قرآن میں ذکر نہیں فرمایا، اور حضرت مریم کا نام ذکر کرنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کسی باپ کی طرف نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے ماں کی طرف نسبت کرنا تھی تو اس نسبت کے لیے ان کا نام ظاہر کیا۔ تو قرآن کریم کے اس اسلوب میں اشارہ ہے کہ عورتوں کے سب معاملات پردہ پوشی پر مبنی ہیں، حتیٰ کہ ان کے ناموں کا اظہار بھی پسندیدہ نہیں ہے، لیکن بعض خواتین کو اس اسلوب سے یہ گمان ہوا کہ شاید عورتوں میں کوئی خیر نہیں ہے، اور ان کو ڈر ہوا کہ شاید ان کی عبادت بھی قبول نہ ہوتی ہو، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اللہ رَبّ العزّت نے قرآن پاک میں سارے احکام مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمائے ہیں، عورتوں کو کبھی خطاب نہیں فرمایا، ان خواتین میں حضرت ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں، تو اللہ رَبّ العزّت نے ان کی دلجوئی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

اسی طرح ام المؤمنین سیّدہ سلمہ رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جیسے مردوں کا ذکر قرآن کریم میں کیا جاتا ہے، ہمارا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا، اس پر مذکورہ آیت کا نزول ہوا جس میں مردوں کے ساتھ بطورِ خاص خواتین کا ذکر کر کے کہا گیا: ”بلاشبہ مسلمان مرد، مسلمان خواتین، مومن مرد، مومن خواتین، فرمانبردار مرد، فرمانبردار خواتین، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی خواتین، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی خواتین، جھکنے والے مرد اور جھکنے والی خواتین، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی خواتین، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی خواتین، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی خواتین، کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور خواتین، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔“

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۞

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد کسی کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا!

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کسی شخص کے غلام تھے، زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بازار عکاظ سے خرید لیا تھا، ابھی عمر بھی کم تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدنے کے بعد ان کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا اور ان کی پرورش فرمائی، جب یہ جوان ہوئے تو آپ علیہ السلام نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بیٹی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا اور انہیں ان کی طرف سے پیغام بھجوا دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ چونکہ آزاد کردہ غلام تھے، جبکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا قریش سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے انہوں نے اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اس رشتہ سے انکار کر دیا کہ ہم باعتبار خاندان کے ان سے اشرف و افضل ہیں۔ اس پر یہ آیت

نازل ہوئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کسی کام کا حکم (بطور وجوب) دے دیں تو اس پر وہ کام کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور اس کو نہ کرنے کا اختیار شرعاً نہیں رہتا، اور جو ایسا نہ کرے تو وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوگا، جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی نے یہ آیت سنی تو اپنے انکار سے رجوع کرلیا اور نکاح پر راضی ہو گئے، چنانچہ یہ نکاح کر دیا گیا۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَي النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا ۝

زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم کی تردید

حضرت زینب بنت جحش جن کا واقعہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے، کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہو تو گئی، لیکن دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے حالات سازگار نہ رہ سکے، حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بنا پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کی شکایت کیا کرتے تھے، دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کو طلاق دیں گے، جس کے بعد حضرت زینب آپ کے نکاح میں آئیں گی، اور اس سے مقصد اس قبیح رسم کا خاتمہ کرنا تھا اور یہ پیغام دینا تھا کہ منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا اور نہ اس کی بیوی، بہو کی طرح ہوتی ہے۔

تو ہوا یوں کہ ایک دن حضرت زیدؓ نے انہی شکایات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا چاہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ اس بات کا پہلے ہی علم ہو گیا تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں، بلکہ جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور مکروہ ہے، اس کے علاوہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ اندیشہ بھی پیدا ہوا کہ جب زید ان کو طلاق دیں گے اور وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی تو عرب طعنے دیں گے اور زبان درازی پر اتر آئیں گے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ وقت قابلِ توجہ ہے جب آپ اس شخص کو جس پر اللہ تعالیٰ اور آپ نے انعام کیا (حضرت زید رضی اللہ عنہ) سے کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو بساؤ اور خوف خدا کرو اور آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کرنا تھا، آپ لوگوں سے خوف زدہ تھے حالانکہ اللہ ہی اس لائق ہیں کہ ان سے ڈرا جائے، چنانچہ جب زید (رضی اللہ عنہ) نے ان (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) کو طلاق دے دی تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح

کردیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح کے بارے میں) کوئی تنگی نہ رہے۔ اور اللہ رب العزت کا یہ حکم تو پورا ہونے والا ہی تھا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

اعلانِ ختم نبوّت

اس آیت میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو اپنی رسم جاہلیت کے مطابق حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا کہتے تھے اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینبؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر طعن کرتے تھے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، اس کے رد کے لیے یہ کہہ دینا کافی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید کے باپ نہیں ہیں، بلکہ زید کے باپ حارثہ ہیں، لیکن اس میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ بھی نہیں ہیں، تو ایسے شخص پر جس کی اولاد میں کوئی بھی مرد نہ ہو، یہ طعنہ دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور اس کی مطلقہ بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ پر حرام ہے۔ (معارف القرآن)

پھر اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک امتیازی صفت اور مخصوص شان کا ذکر فرمایا اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت واضح فرمائی، ارشاد فرمایا: "وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیین ہیں۔ "خاتم" مہر کو کہتے ہیں، اور مہر کسی چیز کو بند کرنے کے لیے آخر میں لگائی جاتی ہے، گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلسلہ نبوّت ختم ہو کر بند ہوگیا اور اب آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کہ کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو، جہاں کچھ نہ رکھا، لوگ اسے چاروں طرف دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے: کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کرلی جاتی، سو میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۵۳۵)

"صحیح مسلم" میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں، مجھے جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں، رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے، میرے لیے غنیمتوں کے مال حلال کیے گئے ہیں، میرے لیے ساری زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنائی گئی ہے، میں ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر تمام نبیوں کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱/۳۷۱)

حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ میں پانچ سال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، میں نے خود سنا کہ وہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء علیہم السلام

کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی کو ان کا خلیفہ بنا دیتا تھا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۴۵۵)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں یعنی میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد ہی قیامت آجائے گی اور حشر برپا ہوگا، اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد کوئی اور نبی نہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۳۵۴)

ختمِ نبوّت پر اُمّت کا اِجماع ہے

ختمِ نبوّت اُمّت کا اجماعی عقیدہ ہے، بلکہ تاریخِ اسلام میں سب سے پہلا اجماع مسئلہ ختمِ نبوّت اور منکرِ ختمِ نبوّت کے مرتد اور واجب القتل ہونے پر ہوا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نبوّت کا دعویٰ کیا اور ایک بڑی جماعت اس کی پیروکار بن گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت سنبھالی تو انہوں نے سب سے پہلا کام اور سب سے پہلی مہم جو ئی ان کے خلاف کی، تمام صحابہ نے آپ کی تائید کی، انہوں نے اس کو اور اس کی جماعت کو کافر سمجھا اور ان کے خلاف جہاد فرمایا، یہاں تک کہ تقریباً بارہ سو (۱۲۰۰) کے قریب صحابہ و تابعین نے اس جنگ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ تب سے آج تک اُمّتِ مسلمہ میں بلا تفریق مسئلہ ختمِ نبوّت پر اجماع چلا آرہا ہے۔ (''ختمِ نبوّت'' از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

منکرینِ ختمِ نبوّت کا شرعی حکم

عقیدۂ ختمِ نبوّت ضروریاتِ دین میں داخل ہے، قرآن وحدیث کی نصوص کے مطابق ختمِ نبوّت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے، اس لیے جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا یا آپ کے بعد کسی بھی قسم کی نبوّت کے جاری رہنے کا قائل ہے وہ بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ان عورتوں کی عدت کے متعلق حکم بیان فرمایا ہے جن کو ان کے خاوند نکاح کر لینے کے بعد رخصتی سے پہلے طلاق دے دیں اور میاں بیوی میں خلوتِ صحیحہ کی نوبت نہ آئی ہو تو ان عورتوں پر عدت واجب نہیں ہے، وہ طلاق کے فوراً بعد اگر دوسرا نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔

پھر شوہروں کو حکم دیا کہ انہیں چاہیے کہ وہ ان عورتوں کو کچھ سامان (ایک جوڑا کپڑے وغیرہ) دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دیں، اچھے طریقے سے مراد یہ ہے کہ نہ زبان سے کوئی سخت بات کہیں اور نہ طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار کریں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ

عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چند خصوصی اَحکام

ان آیات مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے نکاح وطلاق سے متعلق ان سات احکام کا ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہیں، ان میں سے بعض احکام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت بالکل واضح ہے، جبکہ بعض احکام ایسے ہیں جو اگرچہ سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں، مگر ان میں کچھ قیود اور شرائط ایسی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہیں۔ ان احکام کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

۱- پہلا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیا گیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آپ کی سب موجودہ ازواج اور بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کردیے ہیں، حلال ہیں، یہ حکم بظاہر سب مسلمانوں کے لیے ہے لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ خصوصیت یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں موجود تھیں، اور عام مسلمانوں کے لیے چار سے زائد بیویوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حلال نہیں، تو یہ آپ کی خصوصیت ہوئی کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ کے لیے حلال کردیا گیا۔

۲- دوسرا حکم باندیوں سے متعلق ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وہ تمام عورتیں بھی حلال ہیں جو جنگوں میں مالِ غنیمت کے طور پر یا مالِ فئی کے طور پر حاصل ہوئی ہوں، اسی طرح وہ عورتیں اور باندیاں جنہیں آپ نے قیمتاً خریدا ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہیں۔

اب بظاہر یہ حکم بھی سب مسلمانوں کے لیے عام ہے، لیکن اس میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خصوصیات ہیں، ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ ربّ العزّت نے یہ خصوصی اختیار دیا تھا کہ مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں سے کسی چیز کا اپنے لیے انتخاب فرمالیں تو وہ آپ کی خاص ملکیت میں شامل ہوجاتی تھی، جیسا کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اپنے لیے مخصوص کرلیا تھا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اہل حرب کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو شرعی

حکم یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال کی ملکیت قرار دیا جاتا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا ہدیہ خصوصی طور پر حلال کر دیا گیا تھا۔ (بیان القرآن: ۱۸۶/۳)

اسی طرح اس ضمن میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جس طرح آپ کی ازواجِ مطہرات سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نکاح کرنا کسی اُمتی کے لیے جائز نہیں، اسی طرح جو کنیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حلال کی گئی، وہ آپ کے بعد کسی کے لیے حلال نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

۳- تیسرا حکم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاندان کی خواتین سے متعلق ہے، کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اپنے خاندان یعنی ددھیال اور ننھیال کی صرف وہ خواتین حلال ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہو، اور ان میں سے جس نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی، اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عورتوں کے ہجرت کرنے کی شرط صرف اپنے ماں باپ کے خاندان کی لڑکیوں میں تھی، عام اُمت کی عورتوں میں ہجرت کی شرط عائد نہیں کی گئی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا ہی کافی تھا۔ (معارف القرآن)

۴- چوتھا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ اور گفٹ کردے، یعنی بغیر مہر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنا چاہے، تو اگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لیے بغیر مہر کے اس سے نکاح کرنا حلال ہے، اور یہ حکم صرف آپ کے ساتھ خاص ہے، دوسرے مؤمنین کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

۵- مذکورہ آیات میں "مومنۃ" کی قید سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ عام اُمت کے لیے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی اہلِ کتاب کی خواتین سے نکاح کرنا حلال ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عورت کا مومن ہونا شرط ہے، اہلِ کتاب خواتین سے آپ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

۶- چھٹا حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے جس کو چاہیں قریب کریں اور جس کو چاہے مؤخر کردیں، یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ازواجِ مطہرات کے درمیان نفقہ اور شب باشی میں برابری کرنا لازم نہیں ہے، جبکہ عام اُمت کے لوگوں کے لیے جب ان کی متعدد بیویاں ہوں، تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے۔ (معارف القرآن)

اسی طرح اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ جس بیوی سے آپ ایک بار اجتناب کا ارادہ فرمالیں، پھر اگر اس کو قریب کرنے کا ارادہ ہو تو کر سکتے ہیں۔

فائدہ:- اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواجِ مطہرات میں برابری کرنے کے حکم سے مستثنیٰ فرمادیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ اس استثناء اور اجازت کے باوجود ازواجِ مطہرات کے درمیان ہمیشہ برابری کرنے کا التزام فرمایا۔ یہاں تک کہ مرض الوفات میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

ازواجِ مطہرات کے گھروں میں روزانہ منتقل ہونا مشکل ہو گیا تو آپ نے سب سے اجازت حاصل کر کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیماری کے دن گزارنا اختیار فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواج میں برابری فرماتے تھے اور یہ دُعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ جس چیز میں میرا اختیار ہے (نفقہ اور شب باشی) اس میں تو میں نے برابری کر لی مگر جس میں میرا اختیار نہیں (دل کی محبت) اس معاملہ میں مجھے ملامت نہ فرمائیں۔ (سنن ابوداؤد: ۲/۲۰۸)

۷۔ساتواں حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیا گیا کہ اس کے بعد یعنی ان ازواج مطہرات کے بعد یا ان تمام قسم کی عورتوں کے بعد جن کا ذکر پچھلی آیات میں ہو چکا ہے (علیٰ اختلاف القولین)، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کسی اور عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اور نہ آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَـيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور اُصولِ معاشرت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کے گھرانے کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں، جو دراصل اسلامی معاشرت کے زریں اصول ہیں۔

پہلا حکم: دعوتِ طعام اور مہمانی کے آداب

۱۔پہلا ادب یہ ہے کہ بلا اجازت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں داخل نہ ہو، جب تک تمہیں داخل ہونے کی اجازت نہ مل جائے۔ ۲۔اور اگر کبھی کھانے کی دعوت ہو تو وقت سے پہلے آ کر کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھ جاؤ، ۳۔اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے اپنے کاموں میں منتشر ہو جاؤ، وہیں بیٹھ کر آپس میں باتوں کی محفل نہ جماؤ۔

اور ان تینوں احکام کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنا میزبان کے لیے باعث کلفت اور پریشانی ہوگا، جیسا کہ اللہ ربّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے ایسا کرنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے، لیکن وہ حیاء اور شرم کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں فرماتے۔

دوسرا حکم: پردے سے متعلق ادب

دوسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ ازواج مطہرات سے اگر کوئی چیز مانگنے کی نوبت آئے تو سامنے آ کر نہ لیں، بلکہ پردہ کے پیچھے سے مانگیں، اور یہ پردہ کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے دلوں کو نفسانی خواہشات سے پاک رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔

تیسرا حکم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات کا کسی سے نکاح جائز نہیں

تیسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ ہر ایسا قول اور فعل جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور ایذاء ہوتی ہو، وہ حرام ہے، اس سے بچنے کا ہر ممکن التزام کرنا چاہیے، اس کے بعد فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے کسی کا نکاح حلال نہیں ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح کرنا سخت گناہ ہے، لیکن یہ ایسا گناہ ہے کہ دنیا میں بحمد اللہ اس کا ارتکاب نہیں ہوا۔

مذکورہ آیات کا شانِ نزول

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو لوگوں کی دعوت کی، وہ کھا پی کر باتوں میں بیٹھے رہے، آپ نے اٹھنے کی تیاری بھی کی، پھر بھی وہ نہ اٹھے، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، آپ کے ساتھ ہی کچھ لوگ تو اٹھ کر چل دیے، لیکن تین شخص پھر بھی وہیں بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پلٹ کر آئے تو دیکھا کہ وہ ابھی تک باتوں میں لگے ہوئے ہیں، آپ پھر لوٹ گئے، جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کو خبر دی، اب آپ گھر میں تشریف لے گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی جانا چاہا تو آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ کر دیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے رہا کریں!

اس آیت میں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا اظہار کرتے ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حق کو بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ اے ایمان والو اپنے نبی پر درود وسلام بھیجا کرو، کیونکہ اللہ رب العزت اور اس کے تمام فرشتے بھی اس عمل کی انجام دہی فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اس عمل کی نسبت اپنی ذات اقدس اور اپنے فرشتوں کی طرف فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور عظمت کو مزید بلند فرما دیا، اور ساتھ ساتھ اس عمل کے عظیم

اور مبارک ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ یہ ایسا عمل ہے جو اللہ ربّ العزّت خود بھی سرانجام دیتے ہیں، اور اس کے فرشتے بھی، لہٰذا ایمان والوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس عظیم اور مبارک عمل کو سرانجام دیں۔

صلوٰۃ وسلام کا معنی

لفظ "صلوٰۃ" عربی زبان میں چند معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ۱۔رحمت، ۲۔دُعا (مدح وثنا)۔

عربی زبان کے قواعد کے مطابق اس لفظ کی نسبت جب اللہ ربّ العزّت کی طرف ہو تو اس کا معنی رحمت ہوتا ہے، اور جب اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو مراد دُعا ہوتی ہے، اور جب اس کی نسبت اُمتِ مسلمہ کی جانب ہو تو اس سے مراد دُعا اور مدح وثنا دونوں ہوتے ہیں۔

جبکہ لفظ "سلام" کا معنی ہے سلامتی، اور مراد اس سے یہ ہے کہ جملہ نقائص اور عیوب اور آفات وغیرہ سے سلامتی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے۔ (معارف القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ میں سے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، صلوٰۃ اور سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (کہ السلام علیک ایہا النبی کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو: "اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید. اللّٰھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید" یعنی درودِ ابراہیمی کے کلمات ارشاد فرمائے۔

فضائلِ درود شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مقبول ترین عبادت ہے۔ ہر عبادت کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ شاید یہ مردود ہوجائے، لیکن درود شریف وہ واحد عبادت ہے جو ہر حال میں مقبول ہی مقبول ہے، اس میں مردود ہونے کا شبہ ہی نہیں ہوتا۔ (شامی)

دوسری بات یہ ہے کہ درود کی برکت سے دوسرے اعمال بھی قبول ہوتے ہیں، اگر دُعا میں درود نہ پڑھا جائے تو دُعا قبول نہیں ہوتی، اسی طرح وظیفے میں درود نہ پڑھا جائے تو وظیفہ قبول نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عن عمر بن الخطاب قال: إن الدعاء موقوف بين السماء والأرض لا يصعد منه شيء حتى تصلي على نبيك صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ:- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دُعا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتی

ہے، اور آسمان کی طرف چڑھتی ہی نہیں، جب تک کہ آپ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھ لیں۔ (سنن الترمذی: ۲/۳۵۴)

درود شریف کے بے شمار فضائل کتب احادیث میں نقل کیے گئے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى علي صلاة واحدة صلى الله عليه عشر صلوات وحطت عنه عشر خطيئات ورفعت له عشر درجات.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک بار مجھ پر درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے، اور اس کے دس درجات بلند کر دیے جائیں گے۔ (سنن نسائی: ۵۸/۳)

۲- عن عبد الله بن مسعود: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاة.

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا۔ (سنن الترمذی: ۲/۳۵۴)

۳- وعن علي - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - (البخيل من ذكرت عنده فلم يصل علي). رواه الترمذي

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔ (ریاض الصالحین بحوالہ ترمذی ۲/۱۴۴)

اس کے علاوہ بھی درود شریف کے ان گنت فضائل ہیں، جو کتب حدیث اور بزرگان دین کے مجربات سے ثابت ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو درود شریف کثرت سے پڑھنے کا التزام کرنا چاہیے۔ لیکن وہی درود شریف پڑھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلفؒ سے منقول ہیں، اور جہاں درود شریف پڑھنا لازم نہیں کیا گیا وہاں اپنی طرف سے لازم کر دینا ناجائز اور بدعت ہے، اسی طرح اپنی طرف سے درود شریف بنا لینا یا کھڑے ہونے کا التزام کرنا بھی بدعت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

والمرجفون في المدينة لنغرينك بهم ثم لا يجاورونك فيها الا قليلا ۝ ملعونين ۚ اينما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتيلا ۝ سنة الله في الذين خلوا من قبل ۚ ولن تجد لسنة الله تبديلا ۝

اَزواجِ مطہرات اور مومن خواتین کو پردے کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن خواتین کو فرما دیں کہ وہ اپنی چادریں قدرے لٹکالیا کریں اور پردہ میں رہا کریں، تا کہ جاہلیت کی عورتوں سے اور باندیوں سے ممتاز ہوجائیں۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں منافقین کے آوارہ قسم کے لوگ مسلمانوں کی باندیوں اور کنیزوں کو جب وہ کام کاج کے لیے باہر نکلتیں، چھیڑا کرتے تھے، آزاد عورتوں کو ان کے خاندان کی وجاہت کی وجہ سے چھیڑنے کی جرات نہیں کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی کنیزوں کے شبہ میں آزاد عورتیں بھی ان کے نرغہ میں آجاتی تھیں، تو اس لیے ضرورت پیش آئی کہ آزاد عورتوں کا کوئی خاص امتیاز ہوجائے تا کہ آسانی سے خود بخود ہی کم از کم آزاد عورتیں ان کے شر سے محفوظ ہوجائیں، باقی رہی کنیزیں اور باندیاں تو ان کی حفاظت کا انتظام اگلی آیت میں ان منافقین کو سزا کی وعید سنا کر کیا گیا کہ اگر وہ اپنے اس طرزِ عمل سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اپنے نبی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوائیں گے۔

پردے کی اہمیت اور پردہ نہ کرنے کی وعید

شریعت اسلامیہ میں عورتوں کے پردہ کی شدید اہمیت ہے اور پردہ نہ کرنے کی شدید مذمت کی گئی ہے، متعدد آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ پردہ کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں، ذیل میں چند احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

١۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اچانک عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ (نابینا صحابی) سامنے سے آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان سے پردہ کرو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ رہے۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو! کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (سنن ترمذی: ٢٧٧٨)

٢۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے اس گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد مدفون ہیں، پردہ کے کپڑے بغیر چلی جاتی تھی اور میں کہا کرتی کہ (گھر میں تو) میرے خاوند اور میرے والد ہی ہیں (لہٰذا ان سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت؟) لیکن جب حضرت عمران کے ساتھ مدفون ہوئے تو قسم بخدا عمر سے شرم کے باعث میں اچھی طرح کپڑے لپیٹ کر گھر میں داخل ہوتی۔ (مسند احمد: ٢٥٦٦٠)

ان دونوں روایات میں آج کی مسلمان خواتین کے لیے عبرت ہے کہ ازواج مطہرات جن کو بارگاہ خداوندی سے "طاہرات" کا لقب عطا ہوا ہے، ان کے پردہ کا یہ عالم ہے تو آج کی مسلمان خواتین کو پردہ سے استثناء کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟

۳۔ حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے مرد پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔ (سنن کبریٰ للبیہقی: ۱۳۹۵۰)

اس حدیث میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر حرام نظر، مستحق لعنت ہے، ناظر بھی ملعون ہے اور منظور بھی ملعون ہے اس قاعدہ کی بہت ساری جزئیات ہیں، جن میں سے کچھ یہاں تحریر کی جاتی ہیں:

۱۔ کوئی عورت ایسے مقام پر بلا حجاب چلی گئی جہاں اسے مرد دیکھ رہے ہیں تو حدیث کے مطابق دونوں مستحق لعنت ٹھہرے یعنی عورت بھی اور دیکھنے والے مرد بھی۔

۲۔ کوئی عورت دروازے یا کھڑکی سے باہر جھانکتی ہے اور غیر مردوں کو دیکھتی ہے تو بدنظری کی وجہ سے اور مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے کی وجہ سے مستحق لعنت ہے۔

۳۔ کسی مرد نے ناف سے گھٹنہ تک اپنے جسم کا کوئی حصہ بلا شرعی ضرورت کسی مرد کے سامنے ظاہر کر دیا تو دیکھنے اور دکھانے والے دونوں مستحق لعنت ہیں۔

۴۔ کسی عورت نے بلا عذر شرعی اپنے ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کا کوئی حصہ کسی عورت کو دکھلایا تو ناظرہ اور منظور دونوں مستحق لعنت ہوئے۔

۵۔ کسی عورت نے کسی بھی مرد کے سامنے (محرم ہو یا نا محرم) اپنا پیٹ یا پیٹھ وغیرہ بلا شرعی عذر کھول دی تو دونوں مستحق لعنت ہوں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پردہ کے وجوب پر اہل علم کا اجماع ہے، قرون اولیٰ سے لے کر اب تک صلحاء اور دیندار پردہ کرتے کراتے چلے آتے ہیں، پردہ ہی عزت وعظمت کی حفاظت اور فتنے سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اگر کسی خاتون کو اپنے نفس پر ہر طرح سے اعتماد ہو تب بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں پردہ کرنا لازم ہے، دور حاضر کے بیشتر جنسی جرائم سے بچاؤ کا ذریعہ بھی پردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمّت کی خواتین کو اس حکم شرعی پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

منافقین کو تنبیہ

منافقین کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ وقتاً فوقتاً جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے کہ اب فلاں قبیلہ مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے وہ سب کو ختم کر دے گا، اور ان خبروں سے مدینہ کے لوگوں اور مسلمانوں کے دلوں میں خوف اور ڈر پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو اللہ رب العزت نے اس آیت میں ان کی سزا کا بھی ذکر فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے (مدینہ میں افواہیں اڑانے سے اور مسلمانوں کی باندیوں کو چھیڑنے سے) باز نہ آئے تو اللہ رب العزت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ان کو کڑی سزا دلوائیں گے، ان کو مدینہ سے بے دخل ہونا پڑے گا، اور یہ لوگ جہاں رہیں گے لعنت اور پھٹکار ان کے ساتھ ہوگی، اور جہاں ملیں گے گرفتار کیے جائیں گے اور قتل کر دیے جائیں گے۔

فائدہ:- اس آیت سے ایک بات یہ بھی سمجھ آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی صرف ایک نہیں، بلکہ ایک سے زیادہ ہیں، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اپنی بیٹیوں سے فرما دیجیے، یعنی جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور کی صرف ایک بیٹی "حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا" تھیں، درست نہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں، لیکن حضور کی تین بیٹیاں اور بھی تھیں، جن کے نام حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝

شانِ نزول

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیا کرنے والے تھے، اور اپنے بدن کو مکمل طور پر چھپا کر رکھتے تھے، جب غسل کی ضرورت ہوتی تو پردہ کے اندر غسل کرتے، جبکہ ان کی قوم بنی اسرائیل میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ مرد سب کے سامنے ننگے ہو کر نہاتے تھے تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کسی کے سامنے نہیں نہاتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بدن میں کوئی عیب ہے، یا تو ان کو برص کی بیماری ہے، یا ان کے خصیتین بہت بڑھے ہوئے ہیں، یا کوئی اور مسئلہ ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس طرح کے عیوب سے براءت کا اظہار فرما دیں۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے خلوت میں غسل کرنے کے لیے اپنے کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے، جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہے تو یہ پتھر بحکم خداوندی حرکت میں آ گیا اور کپڑے لے کر بھاگنے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی اُٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے "**ثوبی حجر، ثوبی حجر**" یعنی اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، مگر پتھر چلتا رہا یہاں تک کہ ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا مجمع تھا، اس وقت بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو سر سے پاؤں تک ننگا دیکھا تو بہترین صحیح وسالم بدن دیکھا، جس میں ان کی جانب منسوب عیوب میں سے کوئی عیب نہیں تھا، جب پتھر وہاں ٹھہرا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے اُٹھا کر پہن لیے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو لاٹھی سے مارنا شروع کر دیا، اور اس پتھر میں موسیٰ علیہ السلام کی مار سے تین، چار یا پانچ نشان بن گئے۔ اس طرح اللہ ربّ العزّت نے موسیٰ علیہ السلام کی ان عیوب سے براءت ان سب کے سامنے ظاہر فرما دی۔ (صحیح البخاری، ص: ۳۳۰)

تو اس آیت میں اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایذاء نہ پہنچانا اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اِنسان نے بارِ اَمانت اُٹھالیا

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہم نے امانت یعنی احکام شرعیہ اور فرائض وغیرہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیے لیکن ان سب نے اس بوجھ کے اٹھانے سے معذرت کرلی، پھر اللہ ربّ العزّت نے حضرتِ انسان کے سامنے یہ امانت پیش کی تو وہ اس کے اُٹھانے پر آمادہ ہوگیا۔

امانت سے کیا مُراد ہے؟

لفظ امانت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر صحابہ وتابعین کے بہت سے اقوال منقول ہیں، مثلاً فرائض شرعیہ، عفت کی حفاظت، مال کی امانت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ، اس لیے جمہور مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ اس امانت میں دین کے تمام احکام اور اعمال شامل ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف ہونا ہے، جس پر پورا اترنے پر جنّت کی دائمی نعمتیں اور خلاف ورزی یا کوتاہی پر جہنّم کا عذاب ملے گا۔ تو اللہ ربّ العزّت نے پہلے آسمان پھر زمین اور پھر پہاڑوں کو فرمایا کہ اگر تم اَحکام شرعیہ کے مکلف بننا چاہو تو طاعت پر ثواب اور بدی پر عذاب ہوگا، تو ان سب بڑے بڑے اجسام نے یہ سن کر جواب دیا کہ ہم اس بوجھ کو اٹھانے سے خود کو عاجز پاتے ہیں۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور ان کو اس امانت اور اس کے نتیجے میں ملنے والے ثواب اور عذاب کی تفصیل بیان فرمائی تو وہ آمادہ ہوگئے۔ پھر جو لوگ اطاعت اَحکام شرعیہ میں پورے نہ اترے اور امانت کا حق ادا نہ کیا یعنی اُمّت کے کفّار ومنافقین، اور فساق وفجار وغیرہ ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ ظالم اور جاہل ہیں۔

اللہ ربّ العزّت ہم سب کو اس امانت کا حق ادا کرنے کی اور اَحکام شرعیہ کو بجالانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار مکہ کے چند رسوم اور عقائد بد کا ذکر فرما کر ان کا رد فرمایا ہے، مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ ذہین وفطین افراد کے دو دل ہوتے ہیں، اسی طرح وہ عورت جس کو اس کا شوہر اپنی کسی محرم یعنی ماں، بہن، بیٹی کے ساتھ مشابہت دے دیتا تو وہ اس عورت کو اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام سمجھتے تھے، اسی طرح منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھ کر حقیقی بیٹے والے سارے احکام اس پر لاگو کرتے تھے۔ تو اللہ ربّ العزّت نے ان سب باتوں کی تردید فرمائی۔

۲۔ اس سورت میں غزوۂ اَحزاب جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، سورت کے دو رکوع اس واقعہ پر مشتمل ہیں۔

۳۔ اس سورت میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی عظمت اور شان بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت اطہار کی رفعتِ شان بھی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات حقیقی اہلِ بیت ہیں، نیز اس ضمن میں ان کو چند اَحکام دیے گئے ہیں جس کی تعمیل پر دُگنے اَجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

۴۔ کُفّار کے رسمِ بد یعنی منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی مکمل تردید کرنے کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ان کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی سے کروایا۔ اس کا ذکر بھی اس سورت میں موجود ہے۔

۵۔ اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا واضح اعلان بھی موجود ہے۔

۶۔ سورت میں غیر مدخول بہا مطلقہ کی عدت بھی بیان کی گئی ہے۔

۷۔ اس سورت میں نکاح وطلاق کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ آداب بھی بیان کیے گئے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والوں کے لیے سخت عذاب کی وعید بھی ذکر کی گئی ہے۔

۸۔ اس سورت میں پردے کے اَحکامات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ الاحزاب بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ سَبَا

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن کریم کی ترتیب میں اس کا چونتیسواں (۳۴) نمبر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ اٹھاون (۵۸) نمبر پر ہے۔ اس کے چھ رُکوع اور چوّن (۵۴) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام "سورۂ سبا" اس لیے رکھا گیا کہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے "سبا" نامی مملکت کا قصہ تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین اور مشرکین کو عذاب دینے جبکہ مومنین کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے، جس کے لیے کامل ملکیت اور قدرت کی ضرورت ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے اعمال کی مکمل خبر ہو، تو اس سورت کے شروع میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے کمالِ ملک، قدرت اور کمالِ علم و حکمت کو بیان کیا۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "ایمان کے لیے اسلامی تہذیب و تمدن کی ضرورت کا بیان ہے"، اس سورۃ میں دو طرح کے تمدن کا بیان ہے:

۱- **ایمانی تمدن**: جس کا نمونہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں، جنہیں ملک عطا کیا گیا تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کی، ان کے لیے اللہ نے لوہا مسخر کردیا تھا اور کائنات مسخر کردی تھی، ان کے صاحبزادہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی ہر چیز مسخر تھی۔

۲- **دوسرا تمدن**: خدا کی نافرمان قوم، قومِ سبا کے تمدن کا ذکر فرمایا ہے، انہیں کے نام سے سورۃ موسوم ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور عذابِ الٰہی کی مستحق ٹھہری اور ختم ہوگئی۔

دونوں نمونوں سے اشارہ فرمایا کہ جس قوم کے تمدن میں کفر و عصیان شامل ہوگا، وہ تباہ و برباد ہوگی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝

جبکہ اس کے برعکس وہ تمدن جو احکام خداوندی کی بجا آوری کا ذریعہ ہو، وہ تسخیر کائنات اور نعمتوں کا ذریعہ ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے آج پورا عالم اسلام مغربی ثقافت و تمدن کی لپیٹ میں ہے، جس کی بنیاد کفر و الحاد، زندقہ اور فسق و فجور پر ہے، نیز دنیا بھر میں تہذیبوں کا تصادم چل رہا ہے۔ اللہ ربّ العزّت اُمتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں۔ آمین یا ربّ العالمین!

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کا شکر کرنا ان نعمتوں کے باقی رہنے کا سبب ہے، جبکہ ناشکری اور ان نعمتوں سے تکبّر کرتے ہوئے منہ پھیرنا یا ان نعمتوں پر اترانا اور فخر کرنا ان نعمتوں کے چھن جانے کا سبب ہے، ایسے افراد دنیا اور آخرت میں خسارے میں رہیں گے۔

۲۔ اس سورت میں کُفّار کے قیامت کے متعلق شکوک و شبہات کا بیان ہے۔

۳۔ اس سورت میں یہ عقیدہ بھی کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔

۴۔ اس سورت میں جہنمیوں کے آپس میں جھگڑے کا بیان ہے۔

۵۔ اس سورت میں اصول دین یعنی توحید باری تعالیٰ، اثبات رسالت اور اثبات قیامت کا بیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

قدرتِ خداوندی کے نمونے اور اِثبات قیامت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے بیان فرمایا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے، اور اس کا علم بھی کامل ہے، زمین و آسمان کے ذرّے ذرّے کی اس کو خبر ہے۔

اس کے بعد کفار کے انکار قیامت کو ذکر کرنے کے بعد قسم کھا کر قیامت کو ثابت کیا، فرمایا کہ کافر کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی، اے میرے حبیب! آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے، آسمان وزمین میں کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے، قیامت ضرور آئے گی۔

اس کے ساتھ وقوع قیامت کی عقلی وجہ بھی پیش کی کہ دنیا میں نیک بھی ہیں اور بد بھی، ظالم بھی ہیں اور مظلوم بھی، اور دنیا میں اکثر انہیں جزا وسزا نہیں ملتی، جبکہ نیک کو جزا اور بد کو سزا ملنا انصاف کا تقاضا ہے، اس لیے فرمایا کہ قیامت اس لیے آئے گی تاکہ ایمان والوں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے، وہ مغفرت اور رزق کریم یعنی اجر عظیم سے نوازے جائیں، جبکہ جن لوگوں نے اللہ رَبّ العزّت کی آیات ماننے سے انکار کیا، انہیں بدترین عذاب اور سخت سزائیں ہوں اور انصاف کا تقاضا پورا ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

حضرت داؤد علیہ السلام پر اِنعاماتِ خداوندی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوّت، آپ کے معجزات اور آپ پر اللہ رَبّ العزّت کے انعامات کو ذکر فرمایا ہے جو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں عنایت فرمائے تھے، ان میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ایسی خوش الحانی عطا کی تھی، کہ جب آپ اللہ کے ذکر یا زبور کی تلاوت میں مشغول ہوتے تو پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے سننے کو جمع ہو جاتے، اسی طرح جب آپ تسبیح وتحمید کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ مل کر وہ کلمات دہراتے۔ آپ جب تلاوت کرتے تو جانور بھی ہمہ تن گوش آپ کی تلاوت سنتے اور رونے لگ جاتے۔

دوسرا معجزہ یہ تھا کہ اللہ رَبّ العزّت نے ان کے لیے اس طرح لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی، بلکہ وہ جس طرح چاہتے اس کو موڑ لیتے تھے، جیسے موم یا دوسری نرم چیزوں کو موڑ لیتے ہیں، چنانچہ آپ علیہ السلام اس سے زرہ سازی کا کام کرتے تھے اور اسی پیشے کو ذریعہ روزگار بنایا تھا۔ ایک زرہ تقریباً ایک ہزار درہم کی فروخت کرتے، اس آمدنی سے اپنا گزر بسر بھی کرتے اور صدقہ وخیرات بھی فرماتے تھے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۖ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۖ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعامِ خداوندی

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اللہ ربّ العزّت نے ان کے صاحبزادہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی بہت سے معجزات سے نوازا تھا، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلا معجزہ یہ تھا کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر سوار ہو کر ہوا کو حکم فرماتے تو وہ ان کو اُڑا کر جہاں وہ چاہتے، لے جاتی، اور ہوا کے دوش پر تیرتا ہوا وہ تخت صبح کے وقت میں ایک مہینے کی مسافت طے کر لیتا تھا، اور شام کے وقت میں بھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کے متعدد افراد اور علمائے کرام بھی اس تخت پر موجود ہوتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملک مصر سے کابل تک تھا، جبکہ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ آپ پوری روئے ارض کے بادشاہ تھے۔ آپ کا تخت کئی میلوں پر محیط تھا جو آپ کے حکم پر پرواز کرتا اور اترتا تھا۔

دوسرا معجزہ اللہ ربّ العزّت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ عنایت فرمایا کہ ان کے لیے تانبے کا چشمہ جاری فرما دیا، یعنی تانبے جیسی سخت دھات کو اللہ ربّ العزّت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے پانی کی طرح سیال بنا دیا، تاکہ آسانی سے اس کے برتن اور دوسری ضروریات بنا سکیں۔

تیسرا معجزہ آپ علیہ السلام کو یہ عنایت ہوا تھا کہ جنات آپ کے تابع کر دیے گئے تھے، چنانچہ جنات آپ کے حکم کی مکمل تعمیل کرتے تھے اور آپ کے لیے بڑے بڑے مشکل کام سرانجام دیتے تھے۔ یعنی آپ علیہ السلام ان سے بڑی بڑی عمارتیں، حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں تعمیر کرواتے، اور جنات کو آپ کے حکم سے سرمو انحراف کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان جنات کو جو آپ کی اطاعت سے انحراف کرے، آگ کے عذاب کی وعید سنائی گئی تھی۔

جنّات عالم الغیب نہیں ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کا کام جنات کے ذمہ لگایا تھا، ابھی تعمیر کچھ باقی تھی کہ بارگاہ خداوندی سے آپ علیہ السلام کی موت کا حکم جاری ہو گیا، ادھر جنات کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرتے تھے تو اندیشہ ہوا کہ اگر آپ کی وفات کا علم جنات کو ہو گیا تو وہ کام چھوڑ دیں گے، اور یوں تعمیر ادھوری رہ جائے گی۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم سے اس کا یہ انتظام کیا کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ اپنی محراب میں داخل ہو گئے، جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں اور

اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لیے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے، وقت مقرر پر آپ کی روح قبض کر لی گئی، مگر وہ اپنے عصا کے سہارے باہر سے ایسے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے، حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے، یہاں تک کہ مکمل سال بھی گزر گیا اور بیت المقدس کی تعمیر کا بقیہ کام بھی پورا ہو گیا، تو اللہ ربّ العزّت نے دیمک کے کیڑے کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا پر مسلط کر دیا، دیمک نے عصا کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصا کا سہارا ختم ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے، اس وقت جنات کو ان کے موت کی خبر ہوئی اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم غیب کا علم رکھتے ہوتے تو اتنا عرصہ اس سخت تکلیف اور پریشانی میں نہ رہتے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ بیت المقدس کی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات طیبہ میں ہی ہو گئی تھی، سیّدنا سلیمان علیہ السلام اپنے حجرۂ عبادت میں ایک یا دو سال یا کم وبیش عرصہ کے لیے سامانِ خورد ونوش کے ساتھ داخل ہوتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ جب فرشتے نے آپ کو آپ کی وفات کی خبر دی تو آپ نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے اللہ! میری موت سے جنات کو لاعلم رکھیے، کیونکہ جنات انسانوں سے کہتے تھے کہ ہم عالم الغیب ہیں، تو آپ نے اس بات کو واضح کرنے کے لیے کہ اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے، یہ دُعا فرمائی، اور پھر کفن پہن کر خوشبو لگا کر کرسی پر عصا کا سہارا لے کر محوِ عبادت ہو گئے، اسی دوران آپ کی روح قبض کر لی گئی۔ ایک عرصہ کے بعد کیڑے نے آپ کے عصا کو کھوکھلا کر دیا، جس سے عصا ٹوٹ گیا، اور آپ گر پڑے، تب یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کے سوا کوئی غیب دان نہیں ہے۔

کچھ لوگ اس واقعہ کو غلط رنگ دے کر انبیاء علیہم السلام کی عدمِ حیات پر استدلال کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے، اس واقعہ سے تو انبیائے کرام علیہم السلام کی بعد از وفات حیات کا پتہ ملتا ہے، اس لیے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بدن مبارک سے روح کا تعلق نہ ہوتا تو کیڑا بجائے خشک لکڑی کے اس گوشت وپوست پر واقع ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود کو سلامت رکھا اور کیڑے نے لکڑی کو کھایا، سلیمان علیہ السلام کے وجود کو کچھ نہ ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل مولانا زاہد الحسینیؒ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا نام خواب میں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''رحمتِ کائنات'' تجویز فرمایا۔ آپ اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ لاٹھی کے ٹوٹنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے، اس گرنے کے لیے قرآن پاک میں لفظ ''خرّ'' بولا گیا، قرآنی اسلوب میں بیشتر مقامات پر ''خرّ'' زندہ کے گرنے پر بولا گیا ہے، مثلاً ''خرّ راکعا واناب'' اور ''خرّوا له سجدا'' وغیرہ۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات سے ایمانی تمدن کی بقاء اور ضرورت کی جانب بھی اشارہ ہو گیا۔

طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ
خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۗ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ وَجَعَلْنَا
بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۗ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا
اٰمِنِيْنَ ۝ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۗ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

قومِ سبا کا عبرت انگیز واقعہ

"سبا" یمن میں ایک قوم تھی، اللہ ربّ العزّت نے ان پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیے تھے، اور اپنے انبیاء کے ذریعہ ان کو اللہ کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت کے ذریعہ نعمتوں کے شکر کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ لوگ نعمتوں بھری زندگی اور ہر طرح کی راحت وعیش سے مالا مال رہے، پھر عیش وعشرت میں انہماک سے خدا تعالیٰ سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہنچ گئی، تو اللہ ربّ العزّت نے ان کی تنبیہ کے لیے اپنے تیرہ انبیاء بھیجے، مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی اور اپنی غفلت سے باز نہ آئے تو ان پر سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس نے ان کے شہر اور باغات سب کو ویران وبرباد کر دیا۔

ہوا یوں کہ یمن میں صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر "مآرب" نامی شہر آباد تھا، جس میں قوم سبا رہتی تھی، یہ شہر دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں واقع تھا، دونوں پہاڑوں کے درمیان سے اور پہاڑوں کے اوپر سے بارش کا سیلاب آتا تھا، تو اس شہر کے بادشاہ نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مضبوط بند (ڈیم) تعمیر کیا تھا، اس بند نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے سیلابوں کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا تھا، پہاڑوں کی بارش کا پانی بھی اس میں جمع ہونے لگا تھا، اس ڈیم کے اندر اوپر نیچے تین دروازے رکھے گئے تھے، تا کہ پانی کا یہ ذخیرہ انتظام کے ساتھ شہر کے لوگوں کے اور ان کی زمین وباغ کی آب پاشی کے کام آئے، ڈیم کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا، جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر بارہ نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہنچائی گئی تھیں۔ شہر کے دائیں بائیں طرف دو پہاڑ تھے، ان کے کناروں پر باغات لگائے گئے تھے، جن میں پانی کی نہریں جاری تھیں، ان باغات میں ہر طرح کے درخت اور ہر قسم کے پھل اس کثرت سے پیدا ہوتے تھے کہ ائمہ سلف قتادہؒ وغیرہ کے بیان کے مطابق ان باغوں میں ایک عورت اپنے سر پر خالی ٹوکری لے کر چلتی تو درختوں سے خود بخود ٹوٹ کر گرنے والے پھلوں سے یہ ٹوکری بھر جاتی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر) یہاں کا موسم ایسا خوشگوار تھا کہ یہاں نہ مکھی تھی، نہ مچھر اور نہ پسو، باغات میں سیب، الائچی وغیرہ ہمہ قسم کے پھل موجود تھے، پھلوں کے ساتھ پھول اور خوشبوؤں سے یہ زمین مہکی رہتی تھی۔

اللہ ربّ العزّت کی ایسی وسیع نعمتوں پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرتے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگے رہتے، لیکن انہوں نے اللہ ربّ العزّت کی نافرمانی کی اور اس کے احکام سے مسلسل روگردانی کی روش اختیار کیے رکھی، جس پر اللہ ربّ العزّت نے ان پر عذاب نازل فرمایا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ جو بند اور ڈیم ان کی خوشحالی اور حفاظت کا ذریعہ تھا، اللہ ربّ العزّت نے اسی کو ان کے لیے آفت و مصیبت بنادیا، وہ ڈیم ٹوٹ گیا اور پانی ساری وادی میں پھیل گیا، تمام مکانات منہدم اور درخت تباہ ہوگئے، اور جو باغات تھے وہ سب خشک ہوگئے۔ اور یوں ایک جنتی بستی اور آباد وادی جھاڑ جھنکاڑ میں تبدیل ہوگئی، اور ان پھلوں اور پھولوں کے باغات کی جگہ بیری، جھاڑ وغیرہ کے درختوں نے لے لی۔

پھر اس قوم پر اللہ ربّ العزّت کا ایک اور احسان اور عظیم نعمت یہ تھی کہ ان بستی والوں کو ملکِ شام کی طرف کثرت سے سفر کرنا پڑتا تھا، جو کہ ان کی بستی سے کافی طویل مسافت پر واقع تھا، اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے یہ سہولت پیدا فرمائی کہ ان کی بستی سے ملک شام تک کے راستے میں جگہ جگہ بستیاں آباد فرمادیں، جو کہ برلبِ سڑک واقع تھیں، ان کا فائدہ یہ تھا کہ ان کا مسافر اگر آرام کرنا چاہتا یا کھانا کھانا چاہتا تو سہولت سے کسی بستی میں پہنچ کر یہ کام کرسکتا تھا۔ لیکن ان ظالموں نے اللہ کی اس نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی اور بارگاہ خداوندی میں خود یہ دُعا کی کہ ہمارے سفر میں دوریاں پیدا فرمادے، تو اللہ ربّ العزّت نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نافرمانی پر مشتمل تمدن بالآخر زوال پذیر ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ࣙ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا
مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ
كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ
نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

بارگاہِ خداوندی میں کفّار کا باہمی مکالمہ

ان آیات مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کی ضد اور سرکشی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کافروں نے یہ

طے کرلیا ہے کہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، جبکہ آخرت میں یہ ایمان نہ لانے کے عذر کے طور پر ایک دوسرے پر الزامات عائد کرتے پھریں گے، ان میں جو کمزور اور تابعدار تھے وہ اپنے مقتداء اور وڈیروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہاری وجہ سے برباد ہوئے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لاتے، اس پر وہ وڈیرے جواب میں کہیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت پر عمل کرنے سے زبردستی روکا تھا؟ تم خود ہی قصوروار ہو۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت ان سب کو عذاب میں مبتلا فرما دیں گے۔

''دولت'' مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں!

ازل سے اہل دنیا کا یہ طریق چلا آرہا ہے کہ دنیا کی دولت اور عیش وعشرت کے نشہ میں مخمور افراد نے ہمیشہ حق کی مخالفت اور انبیاء وصلحاء سے عداوت اور دشمنی کا طریقہ اختیار کیا ہے، سوائے چند افراد کے جن پر اللہ کا خاص فضل وکرم ہو، وہ دولت کے نشے میں دھت لوگ اپنی دولت اور مال وجائیداد کی کثرت کو اس بات کی دلیل بھی بناتے ہیں کہ وہ ربّ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مہربانی ان پر نہ ہوتی تو انہیں یہ نعمتیں نصیب نہ ہوتیں، اور جب دنیا میں وہ مہربان ہے تو آخرت میں بھی وہ مہربان ہی رہے گا۔ اللہ ربّ العزّت نے قرآن پاک میں جابجا اس کی تردید فرمائی، چنانچہ یہاں بھی فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت اپنی حکمت سے جس کی روزی کشادہ کرنا چاہے کشادہ کردیتا ہے، اور جس کی روزی تنگ کرنا چاہے تنگ کردیتا ہے، مالدار ہونا یا تنگ دست ہونا اس کی رضامندی اور ناراضگی کی دلیل نہیں، بلکہ اس میں اور ہی حکمتیں ہوتی ہیں، جنہیں اکثر لوگ نہیں جان سکتے۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

کُفّارِ مکہ کو دعوت

ان آیات مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّارِ مکہ پر حجت تمام کرنے کے لیے ایک مختصر راستہ بتلایا ہے کہ صرف ایک کام کرلو کہ اللہ ربّ العزّت کے لیے کھڑے ہوجاؤ، یعنی اللہ کو راضی کرنے کے لیے پچھلے تمام باطل خیالات وعقائد سے توبہ کرکے حق کی تلاش میں لگو تاکہ پچھلے خیالات وعقائد قبول حق کی راہ میں رکاوٹ نہ ہوں۔ اور تم غور وفکر کرو تو تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہارے شہر کے رہنے والے ہیں، تمہاری برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے دن رات کے ساتھی ہیں، جن کی کوئی حالت اور کیفیت تم سے مخفی نہیں، اور تم نے بھی کبھی اس سے پہلے ان پر کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کیا، تو لہٰذا اب بھی ان کی بات مان لو، کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ڈرانے والے ہیں، اور وہ تم سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے، بلکہ وہ تو تمہارے خیرخواہ ہیں۔ لہٰذا ان کی اطاعت کرو۔

سورت کا اجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قیامت سے متعلق کفارِ مکہ کے نظریہ کو بیان فرما کر اس کی مکمل تردید فرمائی۔ نیز قیامت کے دن کی حکمت بھی بیان فرمائی کہ قیامت کا دن جزاء و سزا کا دن ہے، ایمان والوں کو ان کے نیک اعمال کی جزاء اور بُرے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

۲۔اس سورت میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیے جانے والے معجزات کا ذکر فرمایا۔ جس کے ضمن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور جنات کے عالم الغیب نہ ہونے کو بھی بیان فرمایا ہے۔ نیز ایمانی تمدن کی بقاء اور کافرانہ تمدن کے خاتمہ کی جانب بھی اشارہ فرمایا۔

۳۔اس سورت میں "سبا" نامی ایک قوم کا تفصیلی قصہ بھی بیان کیا گیا ہے، جس کو اللہ ربّ العزّت نے بے پناہ نعمتوں سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کی اور مسلسل کفر کی روش اختیار کیے رکھی تو اللہ ربّ العزّت نے ان پر عذاب نازل فرمایا جس سے وہ قوم مکمل ہلاک ہوگئی۔ اور ان کی تہذیب بھی ختم ہو کر رہ گئی۔

۴۔سورت کے آخری دو رکوعات میں قدرتِ باری تعالیٰ کے دلائل، اثباتِ رسالت اور اثباتِ قیامت کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ السبا بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ فَاطِر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے اعتبار سے اس کا پینتیس (۳۵) نمبر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ سورت تینتالیس (۴۳) نمبر پر ہے، اس کے پانچ رُکوع اور پینتالیس (۴۵) آیات ہیں۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

ا۔ اس سورت کا ایک نام "سورۂ فاطر" ہے، "فاطر" دراصل اللہ ربّ العزّت کی صفت ہے، جس کا معنی ہے: "بغیر کسی نمونہ کے کسی چیز کو پیدا کرنے والی ذات" تو اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی اس صفت کا ذکر فرمایا ہے، اسی لیے اس سورت کو سورۂ فاطر کہا جاتا ہے۔

۲۔ اس سورت کا دوسرا نام "سورۂ ملائکہ" ہے، کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں فرشتوں کا ذکر ہے، اسی لیے اسے "سورۃ الملائکۃ" بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورتِ سبا میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہوئے توحید باری تعالیٰ، اثبات رسالت اور اثبات قیامت جیسے عقائد کو بیان فرمایا تھا، اس سورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ ربّ العزّت کی اپنے بندوں پر بے پناہ رحمت کا بیان" ہے۔

عمومی مضامین

ا۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے دنیا میں اپنے بندوں پر کی جانے والی بے شمار نعمتیں گنوائی ہیں، جن سے اس کے بندے شب و روز مستفید ہوتے ہیں۔ نیز دنیوی نعمتوں کے ساتھ روحانی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا۔

۲- انبیاء اور رسولوں کا بھیجنا اللہ رَبّ العزّت کی بہت بڑی نعمت اور اس کی رحمت کی دلیل ہے، کیونکہ انبیاء اور رسولوں کے ذریعے ہی اور ان کے طریقے پر چل کر ہی انسان اپنے رَبّ کو پاسکتا ہے۔

۳- اس سورت میں اس بات کا بیان ہے کہ حقیقی عزّت اللہ رَبّ العزّت کی فرمانبرداری میں ہے۔

۴- اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان فرما کر اپنی توحید کو بھی ثابت فرمایا ہے۔

۵- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے قرآن کریم پر عمل کرنے اور اس کے احکامات کی پاسداری کرنے سے متعلق لوگوں کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں، بعض ایسے ہیں جو قرآن کے احکامات پر آگے بڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ بعض ان احکامات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

۶- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے مؤمنین اور کافرین کی جزاء اور سزا کو بھی بیان فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

اللہ تعالیٰ کے پیغام رساں فرشتوں کا تذکرہ

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی چند صفات ذکر فرمائیں، جن میں سرفہرست آسمان و زمین کی تخلیق ہے، اس کے بعد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے فرشتوں کو رسول یعنی پیغام رساں بنا کر بھیجا، وہ اللہ رَبّ العزّت کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں۔ پھر فرشتوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتوں کو اللہ رَبّ العزّت نے پروالے بازو عطا فرمائے ہیں جن سے وہ اڑ سکتے ہیں، اور پروں کی تعداد مختلف ہے، بعض کے دو دو پر ہیں، بعض کے تین تین جبکہ بعض کے چار چار پر ہیں، اور اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی حدیث سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہونا ثابت ہیں۔ (صحیح بخاری: ۱/۲۴۲، صحیح مسلم: ۱/۱۵۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو بار دیکھا تھا، ایک بار شبِ معراج میں، ان کے چھ سو پر تھے، اور آسمان کا مشرقی کنارہ ان کے پروں میں چھپ گیا تھا، جبکہ دوسری بار ''اَجیادؔ'' نامی مقام میں جبکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پروں نے آسمان کو بھر دیا تھا۔ (سنن الترمذی ۳۹۴/۵)

''آیتِ فتح'' کے فضائل

اس سورت کی دوسری آیت ''مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ''کو'' آیتِ فتح'' کہا جاتا ہے، اس آیت کے بے شمار فضائل ہیں، بزرگانِ دین اس آیت کو مشکلات میں پڑھا کرتے تھے، کیونکہ یہ آیت دافع بلیات ہے، اس آیت کے پڑھنے سے مشکلات و مصائب دور ہو جاتے ہیں اور اللہ ربّ العزّت کی طرف سے کشادگی ہو جاتی ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اگر کسی کے لیے کوئی رحمت کھول دیں تو اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور اگر اللہ اپنی کوئی رحمت روک لیں تو اسے کوئی بھیج نہیں سکتا، یعنی اللہ ربّ العزّت اگر کسی کو نوازنا چاہیں تو ساری کائنات مل کر بھی اسے روک نہیں سکتی، اور اگر اللہ کسی کو اپنی رحمت سے محروم کر دیں تو ساری کائنات مل کر بھی اسے وہ رحمت نہیں دے سکتی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

شیطان تمہارا دشمن ہے، اسے دشمن ہی سمجھو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ روزِ قیامت جو روزِ جزاء ہے، وہ برحق ہے، لہٰذا احتیاط کرو! کہیں دنیا کی زندگی کی رونقیں تمہیں اس دن سے غافل نہ کر دیں، اور یہ بھی یاد رکھو کہ شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے، وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، لہٰذا تم اسے دشمن ہی سمجھو اور اس کی باتوں میں آ کر اپنا نقصان نہ کرا بیٹھو۔ کیونکہ وہ تو تمہیں جہنم کی راہ پر گامزن کرنے کی کوششوں میں ہے اور جو لوگ اس کے دام میں پھنس کر اس کی راہ پر چل پڑیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

نیک اعمال کرنے والے اور بُرے اعمال کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ وہ شخص جو اپنے بُرے عمل کو اچھا سمجھتا ہے اور اسی پر ڈٹا رہتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو بُرے کو بُرا سمجھتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ ان میں سے ایک جہنمی ہے اور دوسرا جنتی ہے، کیونکہ ان دونوں کا برابر ہونا اور جزاء و سزا میں ان دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہ رکھنا فطرت (Nature) کے بھی خلاف ہے اور انصاف کے بھی۔ عقل کا تقاضا ہے کہ نیکوکار کو جزا ملنی چاہیے اور بدکار کو سزا ملنی چاہیے۔

''فلا تذهب نفسك عليهم حسرات'' یہ جملہ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا کہ میرے نبی! آپ ان پر افسوس کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ کیونکہ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿٩﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿١٠﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ڮ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ۭ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾

قدرتِ باری تعالیٰ کے چند نمونے

ان آیات مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کاملہ کے چند نمونے بیان فرمائے ہیں:

۱۔سب سے پہلے بارش کے نظام کا ذکر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت پہلے ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو اٹھا کر خشک زمینوں کی طرف لے جاتی ہیں، پھر ان بادلوں سے بارش برساتا ہے جس سے اس خشک اور بنجر زمین میں جان پڑ جاتی ہے اور وہاں لہلہاتی فصلیں اور باغات اگ آتے ہیں۔اسی سے عقیدہ قیامت اور موت کے بعد مردوں کا دوبارہ جی اٹھنا بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔جیسے مردہ زمین کو حق تعالیٰ زندہ کرتے ہیں، ایسے ہی مردہ جسموں کو اللہ تعالیٰ روزِ محشر زندہ فرمائیں گے۔

قدرت باری تعالیٰ کے نمونوں کے بیان کے درمیان میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کو حصول عزّت کا طریقہ بتلایا ہے، فرمایا کہ جو عزّت کا طالب ہے وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرے، کیونکہ ساری عزّت کا مالک وہی پاک ذات ہے، پھر فرمایا کہ اسی کی طرف پاکیزہ کلمات یعنی (کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" اور "سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر" وغیرہ) چڑھتے ہیں اور نیک اعمال ان کلمات کو بارگاہ خداوندی میں بلند کرتے ہیں۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص عزّت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ان دو چیزوں کا اہتمام کرے:

۱۔**پاکیزہ کلمات**: یعنی کلمہ توحید اور ذکرِ الٰہی کے کلمات۔

۲۔**عمل صالح**: یعنی دل سے ایمان لانا اور اس کے مطابق شریعت پر عمل پیرا ہونا۔

پاکیزہ کلمات کے بعد عمل صالح ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کلمات کی قبولیت میں عمل صالح

کا بہت عمل دخل ہے، کیونکہ عمل صالح میں ایمان بھی شامل ہے جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور ایمان کے علاوہ دوسرے نیک اعمال بھی قبولیت تامہ میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

یہ مضمون بیان فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے دوبارہ اپنی قدرت کی نشانیاں ذکر فرمائیں۔

۲- اللہ ربّ العزّت نے تخلیق انسانی کے مختلف مراحب کا ذکر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے ابتدائی طور پر انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس کی نسل چلانے کے لیے ان کے درمیان رشتہ ازدواج کا سلسلہ جاری فرمایا اور نطفہ سے انسان کی تخلیق فرمائی، اور جس طرح اس کی قدرت کامل ہے اسی طرح اس کا علم بھی کامل ہے، چنانچہ دورانِ حمل بچے کی جنس اس کے علم میں ہوتی ہے کہ یہ نر پیدا ہوگا یا مادہ، اسی طرح اس کی عمر کم ہوگی یا زیادہ، یہ سب اللہ ربّ العزّت کے پاس ریکارڈ (لوحِ محفوظ) میں موجود ہوتا ہے۔

۳- اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے ایک عجیب نمونے کو بیان فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے دو مختلف اقسام کے دریا برابر جاری فرمادیے، ان میں سے ایک میٹھے پانی کا دریا ہے جبکہ دوسرا سخت کھارے پانی والا ہے، ان دریاؤں سے مچھلیوں کی صورت میں تازہ گوشت حاصل ہوتا ہے، نیز زیور اور موتی جواہرات بھی ان دریاؤں سے نکلتے ہیں، اس کے علاوہ ان میں چلنے والی کشتیاں اور جہاز جن سے تمہاری روزی وابستہ ہے بھی اللہ ربّ العزّت کی قدرت اور فضل وکرم کے نمونے ہیں۔

۴- رات اور دن کا مرتب نظام اور سورج اور چاند کا ایک خاص ترتیب سے اپنے مدار میں چلنا بھی اس کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

کُفّار کے معبودانِ باطلہ کی بے بسی

معبود برحق کی قدرت کاملہ کی نشانیاں بیان فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کے معبودان باطلہ (بت وغیرہ) کی بے بسی بھی بیان فرمائی کہ وہ تو ایسے ہیں کہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کے بھی مالک نہیں ہیں، اور اتنے عاجز اور بے بس ہیں کہ اگر ان کو پکارا جائے تو سن تک نہیں سکتے۔ اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے اور نہ تمہاری پکار اور دُعا کو قبول کر سکتے ہیں، بلکہ وہ تو خود قیامت والے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ لہٰذا ایسے عاجز، بے بس معبودوں کو پوجنا حد درجہ کی بے وقوفی ہے۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ
وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝

اس آیت کا نزول مشرکین مکہ کے جھوٹے معبودوں کے متعلق ہوا، ان کے معبود اصنام اور بت تھے، اس آیت کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ، سماع صلوٰۃ وسلام یا سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی مشرکین مکہ موتی

کو پکارتے تھے نہ ہی قبروں پر جاتے تھے، البتہ اللہ کے علاوہ کسی زندہ یا مردہ کو پکارنا یا ان کی پوجا کرنا حرام اور شرک ہے، اور قبرستان جا کر سلام کرنا سنت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ۞ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۞ وَمَا
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ ۞ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ وَاِنۡ تَدۡعُ مُثۡقَلَةٌ اِلٰى حِمۡلِهَا لَا يُحۡمَلۡ مِنۡهُ شَىۡءٌ وَّلَوۡ كَانَ
ذَا قُرۡبٰى ؕ اِنَّمَا تُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنۡ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفۡسِهٖ ؕ
وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ۞

سب لوگ اللہ کے محتاج ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ تمام انسان خواہ مالدار ہوں یا غریب، سب اللہ ربّ العزّت کے محتاج ہیں، جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز ذات ہے، اور اسے اتنی قدرت حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔ اور یہ کام اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا ایمان لے آؤ، ورنہ بروز قیامت سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے، اور وہ ایسا دن ہوگا جس میں کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، بلکہ اگر کوئی بوجھ والا کسی دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کی درخواست کرے گا تو بھی وہ اس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا چاہے وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا ؕ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ
مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ۞ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى
اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ۞

قدرتِ باری تعالیٰ کے چند دلائل

ان آیات میں ایک بار پھر دلائل قدرت کے ذریعہ عقیدہ توحید کو ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس پانی کے ذریعہ مختلف رنگوں والے پھل پیدا فرمائے، زمین میں مختلف رنگوں والے پہاڑ پیدا فرمائے، اسی طرح انسانوں اور چوپایوں میں بھی مختلف رنگوں والے حیوانات پیدا فرمائے۔ یہ سب اللہ ربّ العزّت کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔ رنگوں کے اس اختلاف اور تنوع سے ہی کائنات میں خوبصورتی قائم ہے، جیسا کہ مشہور شعر ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

حقیقی عالم کون ہوتا ہے؟

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے علماء کی فضیلت اور شان بھی بیان فرمائی ہے اور اسی ضمن میں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ در حقیقت عالم کون ہوتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں" اس میں علماء کے ایک خاص وصف بیان فرمایا کہ خشیت باری تعالیٰ یعنی اللہ ربّ العزّت کا خوف علماء کا خاص وصف ہے۔

"علماء" سے مراد اس آیت میں وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ ربّ العزّت کی کما حقہ معرفت حاصل ہو، اور ان کے دل اللہ ربّ العزّت کے خوف سے لبریز ہوں۔ صرف عربی زبان یا اس کے قواعد اور فنون بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا۔

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو۔ (معارف القرآن)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

ليس العلم بكثرة الحديث ولكن العلم عن كثرة الخشية۔

یعنی محض زیادہ احادیث یاد کر لینا علم نہیں، بلکہ علم وہ ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

اسی لیے کہتے ہیں کہ علم بغیر عمل وبال، عمل بغیر علم ضلال یعنی گمراہی، جبکہ دونوں کا جمع کرنا کمال ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ۝ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ۝

مومنین کی صفات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مومنین کی بعض صفات بیان کرنے کے بعد ان کا اجر وثواب ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے کہ جس شخص میں تین صفات موجود ہوں ان کو ان کا پورا پورا اجر ملے گا بلکہ ان کے اجر سے زیادہ اللہ ربّ العزّت اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائیں گے، وہ تین صفات درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن مجید کی تلاوت

۲۔نماز قائم کرنا

۳۔اللہ کی راہ میں اعلانیہ اور پوشیدہ خرچ کرنا

اُمتِ محمدیہ اور بالخصوص ان کے علماء کا اعزاز

اللہ ربّ العزّت نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم جیسی مقدس کتاب نازل فرمائی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کتاب کی حفاظت کے لیے، اس کے پڑھنے پڑھانے کے لیے ایک قوم کو قرآن کا وارث بنایا، اور اس قوم کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ وہ سب میرے چنیدہ لوگ ہیں، جمہور مفسرین کرام کے نزدیک اس سے مراد اُمتِ محمدیہ کے علماء کرام اور ان کے واسطے سے باقی اُمت ہے۔

لہٰذا جس شخص نے بھی قرآن پڑھا اور پڑھایا، اس کے احکامات پر عمل کیا، اور اس کی منع کردہ چیزوں سے رک گیا، وہ اس اعزاز میں شامل ہے۔ یہ اُمتِ محمدیہ کے علمائے کرام، قراء عظام، حفاظ، مفسرین، محدثین، فقہاء عظام اور قرآن مجید پڑھنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

حاملینِ قرآن کی اقسام

اللہ ربّ العزّت نے جن لوگوں کو منتخب اور پسند فرما کر اپنے مقدس کلام کا وارث بنایا، وہ تین طرح کے ہیں، جن کو اللہ ربّ العزّت نے درج ذیل عنوان سے ذکر فرمایا ہے:

۱۔ ''ظالم'' سے مراد حاملین قرآن میں سے وہ شخص ہے جو بعض واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض محرمات کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے۔

۲۔ ''مقتصد'' وہ آدمی ہے جو تمام واجبات شرعیہ کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات سے بچتا ہے، مگر بعض اوقات مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳۔ ''سابق بالخیرات'' سے مراد وہ شخص ہے جو تمام واجبات اور مستحبات کو ادا کرتا ہے اور تمام محرمات ومکروہات سے بچتا ہے اور بعض مباحات کو عبادت میں مشغولیت یا حرمت کے شبہ کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان تینوں طبقات سے اللہ ربّ العزت نے مغفرت اور جنّت کا وعدہ فرمایا ہے، اگرچہ درجات کے اعتبار سے ان میں فرق ہوگا۔ جو لوگ تیسری قسم "سابق بالخیرات" یعنی نیکیوں میں پیش قدمی کرنے والوں میں شامل ہیں، وہ تو بغیر حساب وکتاب کے جنّت میں داخل ہوں گے، اور جو "مقتصد" یعنی درمیانی راہ چلنے والے ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اور جو "ظالم" یعنی اعمال میں کوتاہی کرنے والے اور گناہوں کی لغزش میں مبتلا ہونے والے ہیں، ان کو اس مقام میں سخت رنج وغم طاری ہوگا، یہ جنّت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو جائیں۔ پھر ان کو بھی جنّت میں داخل کر لیا جائے گا۔ (معارف القرآن)

یہ تینوں طبقات جنّت میں داخل ہوں گے، جہاں ان کو سونے اور موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے اور ریشم کے لباس زیب تن کروائے جائیں گے، جس پر یہ سب اللہ العزت کا شکر ادا کریں گے۔

کُفّار کا انجامِ بد

مومنین کے برخلاف جن لوگوں نے دنیوی زندگی میں کُفر کیا اور اسی کُفر کی حالت میں ان کو موت آگئی تو آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے جہنّم کا عذاب تیار ہوگا، جہاں نہ ان کو موت آئے گی اور نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی، جہنّمی وہاں چیخ وپکار کر رہے ہوں گے اور اللہ ربّ العزّت سے فریادیں کر رہے ہوں گے کہ ہمیں اس عذاب سے نجات عطا فرما دیجیے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اب نیک اعمال کریں گے، لیکن ان کی فریاد کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی، بلکہ اللہ ربّ العزّت انہیں جواب میں کہیں گے کہ ہم نے تمہیں سمجھنے کے لیے دنیا کی زندگی نہیں دی تھی؟ کیا ہم نے تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں بھیجے تھے، لیکن تم نے ان کی بات نہ مانی، لہٰذا آج اس عذاب کا مزہ چکھو۔ (اعاذنا اللہ منہ!)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ
مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ
يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿﴾

کُفّار اپنی قسم سے پھر گئے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کُفّارِ مکہ نے زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا یعنی پیغمبر آجائے تو وہ دوسری تمام اُمتوں کی بنسبت اس پیغمبر کی زیادہ اطاعت کریں گے، پھر اللہ ربّ العزّت نے جب ان کے پاس اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے تو وہ اپنی قسم سے پھر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور نفرت میں بڑھتے گئے۔ اور اسلام قبول کرنے سے تکبّر کیا، اور حضور اور اسلام کے خلاف بری تدبیریں کرنے لگے، حالانکہ قدرت کا قانون ہے کہ بری

تدبیر کا وبال، خود تدبیر کرنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس جس نے دین کو مٹانے کی کوشش کی وہ خود مٹ گیا، ابرہہ کی مثال ہمارے سامنے ہے جو خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا تھا لیکن اللہ کے غضب کا نشانہ بنا، اور ہلاک ہو گیا۔ لہٰذا قدرت کے قانون کے مطابق ان سے پہلے والی قوموں کی طرح یہ کفارِ مکہ بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے اور تباہ و برباد ہو گئے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل جا بجا تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، اور یہ دلائل بیان فرما کر عقیدہ توحید ثابت کیا ہے، جس کے ضمن میں آسمان و زمین کی پیدائش، فرشتوں کی تخلیق، ہواؤں اور بارشوں کا نظام، تخلیقِ انسان اور اس کے مراتب، رات اور دن کے مرتب نظام وغیرہ مضامین ذکر کیے ہیں۔

۲۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کو شیطان کی اتباع سے روکتے ہوئے اس کے دشمن ہونے کو واضح فرمایا ہے، اور شیطان کی اتباع کرنے والوں کے لیے عذابِ جہنم کی وعید سنائی ہے۔

۳۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے علماء کی شان اور حقیقی عالم کی پہچان بتلائی ہے، نیز حاملینِ قرآن کی مختلف اقسام ذکر فرما کر ان کا اخروی اچھا انجام بھی بیان فرمایا اور ان کے برخلاف کفار اور ان کے انجامِ بد کو بھی بیان فرمایا ہے۔

۴۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے معبودانِ باطلہ کی نفی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان معبودانِ باطلہ نے زمین و آسمان میں کوئی چیز پیدا نہیں کی، یہ صرف کفارِ مکہ کا ایک دوسرے کو دھوکہ ہے۔ لہٰذا کفر و شرک سے اجتناب کرو اور ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اور اسی کو مشکلات میں پکارو۔

۵۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے زمین میں چلنے اور گھومنے کی ترغیب دی ہے، اور اس کی غرض بھی ذکر فرما دی کہ پہلے والی قوموں کے آثار اور باقیات دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کی جائے۔

تمت سورۃ الفاطر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ یٰسٓ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چھتیس (۳۶) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اکتالیس (۴۱) ہے۔ پانچ رُکوع اور تراسی (۸۳) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کو سورۂ یٰس اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا آغاز لفظ "یٰسٓ" سے ہے۔

سورۃ یٰسٓ کے فضائل

سورۂ یٰسٓ کے بے شمار فضائل احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یٰسٓ قلب القرآن" سورہ یٰس قرآن کا دل ہے، جو شخص سورۂ یٰس کو خالص اللہ اور آخرت کے لیے پڑھتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اس کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو۔ (سنن نسائی شریف: ۶/۲۶۵)

۲۔ جس نے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی، اس کو دس مرتبہ مکمل قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔ (سنن الترمذی ۵/۱۶۲)

۳۔ جس شخص نے دن کے آغاز میں سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی، اس کی سارے دن کی ضروریات پوری کی جائیں گی۔ (سنن الدارمی ۲/۵۴۸)

۴۔ ہمارے شیخ اول حضرت مولانا قاری شہاب الدینؒ فرماتے تھے کہ ان کے مرشد اول حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ایک عالم دین کو نصیحت کی اور فرمایا کہ روز سورۂ یٰسٓ پڑھا کرو، یہ ایسا ہے گویا کہ میں تمہیں سمندر کے کنارے بٹھا رہا ہوں، جتنا مرضی لے لو، کوئی خطرہ ہی نہیں ہے کہ پانی ختم ہو جائے، اسی طرح سورۂ یٰسٓ پڑھ کر اللہ سے جو مرضی لے لو، کوئی خطرہ ہی نہیں ہوگا کہ نہ ملے۔ اور فرمایا کہ میرا اپنا چالیس سال سے سورۂ یٰسٓ پڑھنے کا معمول ہے۔

بندہ نے یہ بات اس وقت سنی تھی جب میں شجاع آباد میں نیا نیا آیا تھا اور یہاں کام شروع کیا تھا، مدرسے (مدرسہ عربیہ فاروقیہ) کے چار کمرے تھے، اور کل قطعہ اراضی سات مرلے پر مشتمل تھا، تب سے لے کر آج تک میں نے اپنے مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ سے درخواست کی ہوئی ہے، ہم ہر روز سورۂ یٰس پڑھتے ہیں۔ اور اللہ کی توفیق سے میں خود بھی اس تیس پینتیس سال کے عرصہ میں پڑھتا چلا آیا ہوں۔ تو اسی سورۂ یٰس کی برکت ہے کہ "مدرسہ عربیہ فاروقیہ" آج "جامعہ فاروقیہ شجاع آباد" کی صورت میں اپنی کرنیں ہر طرف بکھیر رہا ہے۔ اسی لیے آج میں آپ سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ سورۂ یٰس کو لازم پکڑلو، بس کچھ عرصہ گزرے گا اور فتوحات شروع ہو جائیں گی۔

ماقبل سے ربط

سورۂ فاطر میں اللہ ربّ العزّت نے کفارِ مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے وہ قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ اس کی اتباع کریں گے، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ اپنی قسم سے پھر گئے اور حضور کی رسالت کا انکار کر دیا، اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قسمیں کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی سچائی کو بیان فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اثباتِ عقیدۂ قیامت" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے بیان فرمایا کہ انسانوں کے تمام اعمال اللہ ربّ العزّت کے ہاں محفوظ ہوتے ہیں، جن کا انہیں بدلہ دیا جائے گا، اگر اچھے اعمال ہوں گے تو جنّت نصیب ہوگی اور اگر برے اعمال ہوں گے تو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

۲۔ اس سورت میں مومنین اور کافروں کے کچھ احوال اور ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ عقیدہ قیامت کو عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

۴۔ کائنات میں پھیلی قدرت کی نشانیوں کے ذریعہ اللہ ربّ العزّت کی توحید کو ثابت کیا گیا ہے۔

۵۔ داعی کو دعوت کے دوران اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کی جانب تفویض کرنے اور ہمہ قسم خطرات کے باوجود دعوت پر جمے رہنے کا بھی ذکر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰسٓ ۝١ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٥
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧ اِنَّا جَعَلْنَا
فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝٩ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ
اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝١١ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ مَا
قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۣۚ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝١٢

"يٰسٓ" مشہور قول کے مطابق یہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے (آغاز عنکبوت میں)، البتہ اس کے بارے میں چند مزید اقوال بھی پائے جاتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ اللہ ربّ العزّت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، حضرت ابن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔ (معارف القرآن)

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن حکیم کی قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا، اس کے بعد نزول قرآن کی غرض بیان فرمائی کہ یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل ہوا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ اپنی قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں، اور جو لوگ آپ کی بات کی تصدیق نہ کریں تو آپ اس کا غم نہ کیجیے، کیونکہ ان پر اللہ ربّ العزّت کی جانب سے مہر لگ چکی ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے، ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔ آپ ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلیں اور جن کے دل میں اللہ ربّ العزّت کا خوف ہو۔ اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت کی طرف سے مغفرت اور بہترین اجر کا وعدہ ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٣ اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا
بِثَالِثٍ فَقَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝١٤ قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝١٥ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّاۤ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝١٦ وَمَا عَلَيْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝١٧ قَالُوْۤا اِنَّا
تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٨ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۚ اَئِنْ
ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝١٩ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰی قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا
الْمُرْسَلِيْنَ ۝٢٠ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝٢١

ایک علاقے کے لوگوں کا دردناک واقعہ

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے منکرین رسالت کو متنبہ کرنے کے لیے ایک بستی کے باسیوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے، قرآن کریم میں اس بستی کا نام مذکور نہیں تھی، البتہ تاریخی روایات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کعب احبارؓ وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ بستی "انطاکیہ" تھی، جمہور مفسرین کرام نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

اس بستی کے رہنے والے مشرک اور کافر تھے، اللہ رَبّ العزّت نے اس بستی میں تین رسول بھیجے تھے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت کعب احبار رحمہ اللہ وغیرہ سے یہی منقول ہے، ایک روایت میں ان حضرات کے نام "صادق، صدوق اور شمعون" بیان کیے گئے ہیں۔

جبکہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ نبی اور پیغمبر نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے تھے۔

قصے کی تفصیل یہ ہے کہ ابتدائی طور پر اللہ رَبّ العزّت نے اس بستی میں دو رسول بھیجے، بستی والوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی تو اللہ رَبّ العزّت نے ان کی تائید اور تقویت کے لیے تیسرا رسول بھی بھیج دیا، اور ان تینوں حضرات نے بستی والوں کو تبلیغ کی۔ لیکن بستی والے نہ مانے، بلکہ الٹا ان سے کہنے لگے کہ "تم تو ہماری طرح کے انسان ہو، اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم جھوٹ بولتے ہو" ان رسولوں نے ان کے انکار کے باوجود تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا تو سرکش قوم کہنے لگی کہ تم لوگ منحوس ہو، تمہاری وجہ سے بستی میں قحط آ گیا ہے، لہٰذا اب اگر تم نے اپنی تبلیغ کا سلسلہ بند نہ کیا تو ہم تمہیں سخت سزا دیں گے اور سنگسار کر دیں گے۔

رسولوں نے جواب دیا کہ یہ نحوست اور قحط تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے، تمہیں چاہیے تھا کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرتے، لیکن تم تو حد سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔

شہر کے کنارے سے آنے والے شخص کا واقعہ

جب قوم اور بستی والوں نے ان رسولوں کی تکذیب کی تو اسی اثناء میں شہر کے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، بعض روایات میں اس شخص کا نام "حبیب نجار" ذکر کیا گیا ہے، یہ بڑھئی تھا اور لکڑی کا کام کرتا تھا۔ اس نے آ کر قوم کو سمجھایا کہ اے میری قوم ان رسولوں کی پیروی کر لو، یہ اللہ رَبّ العزّت کے بھیجے ہوئے ہیں، اور ان کی صداقت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ تم سے کسی قسم کی کوئی اُجرت طلب نہیں کرتے، اور یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

بائیسواں پارہ مکمل ہوا

پارہ نمبر ۲۳

یہ پارہ سورۂ یٰسٓ کے بقیہ حصے، سورۂ صافات، سورۂ صٓ اور سورۂ زُمر کے کچھ حصے پر مشتمل ہے۔

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي
شَفَٰعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَلَا يُنقِذُونِ ۝ إِنِّيٓ إِذًا لَّفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝ إِنِّيٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَٱسْمَعُونِ ۝ قِيلَ ٱدْخُلِ
ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ ٱلْمُكْرَمِينَ ۝

مذکورہ شخص کے قصے کا بقیہ حصہ

اس شخص نے قوم کو انبیاء اور رسولوں کی اتباع کی نصیحت کرنے کے بعد خود ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور انبیاء ورسل کی پیروی اختیار کر لی، اور قوم کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگا کہ تم سب کو لوٹ کر اسی معبود برحق کی طرف جانا ہے، اور جن معبودانِ باطلہ کی تم پرستش کر رہے ہو، وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ لہٰذا تم سب گواہ ہو جاؤ میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جو سب کا رب ہے۔

جب اس شخص نے بستی والوں کے سامنے ایمان لانے کا اعلان کیا تو قوم اس پر حملہ آور ہو گئی، سب مل کر اس پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر اس کو شہید کر دیا۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کے لیے جنّت کا اعلان فرما دیا۔ جب یہ جنّت پہنچا اور وہاں کی نعمتیں دیکھیں تو اسے اپنی قوم یاد آئی اور تمنا کی کہ اے کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ رسولوں پر ایمان لانے کی جزا میں اللہ ربّ العزّت نے مجھے کتنے اعزاز و اکرام اور کتنی نعمتوں سے نوازا، تو شاید وہ بھی ایمان قبول کر لیتے۔

اس شخص کی شہادت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اسے شہید کرنے والوں پر اپنا عذاب نازل فرمایا، جس کے بارے میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہمیں اس قوم کو عذاب میں جکڑنے کے لیے کوئی لشکر نہیں بھیجنا پڑا، بلکہ ایک فرشتے نے ایک زوردار آواز لگائی جس سے یہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَءَايَةٌ لَّهُمُ ٱلْأَرْضُ ٱلْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَٰهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّٰتٍ مِّن
نَّخِيلٍ وَأَعْنَٰبٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ ٱلْعُيُونِ ۝ لِيَأْكُلُوا۟ مِن ثَمَرِهِۦ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝
سُبْحَٰنَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلْأَزْوَٰجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَءَايَةٌ لَّهُمُ
ٱلَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ ٱلنَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۝ وَٱلشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ
ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ ۝ وَٱلْقَمَرَ قَدَّرْنَٰهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَٱلْعُرْجُونِ ٱلْقَدِيمِ ۝ لَا ٱلشَّمْسُ يَنۢبَغِي لَهَآ
أَن تُدْرِكَ ٱلْقَمَرَ وَلَا ٱلَّيْلُ سَابِقُ ٱلنَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ وَءَايَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ

فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

قدرتِ خداوندی کے دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کاملہ کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

۱- پہلی نشانی یہ بیان فرمائی کہ اللہ ربّ العزّت مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کردیتے ہیں، یعنی ویران اور بنجر زمین کو سرسبز وشاداب بنادیتے ہیں، اس سے نباتات اگاتے ہیں، کھجور اور انگور کے باغات اگاتے ہیں، چشمے جاری کرتے ہیں، جس سے انسان اور مویشیوں کو رزق نصیب ہوتا ہے۔

۲- دوسری نشانی رات اور دن کے مرتب نظام کی ذکر فرمائی کہ پہلے رات ہوتی ہے، پھر اللہ رات کی چادر کھینچ لیتے ہیں اور دن کو ظاہر فرمادیتے ہیں۔

۳- تیسری نشانی میں اجرام فلکیہ کے سب سے اہم رکن "سورج اور نظام شمسی" کو بیان فرمایا جو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے گردش کرتا ہے اور ایک وقت مقرر تک اپنے مدار میں گردش کرتا رہے گا۔ صحیح بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: کیا تجھے علم ہے کہ سورج جب غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ سورج سارا دن کرنیں بکھیرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت کے عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں سجدہ کرتا ہے، پھر اگلے دن طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے، وہ وقت قریب ہے جب وہ سجدہ کرے گا تو قبول نہیں کیا جائے گا، اور اجازت مانگے گا تو اجازت نہیں دی جائے گی، اسے کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہاں لوٹ جا، تو وہ مغرب سے طلوع کرے گا، مسلم شریف کی روایت کے مطابق اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ (صحیح بخاری شریف: ۱/۲۲۸)

۴- چوتھی نشانی یہ بیان فرمائی کہ سورج، چاند، دن اور رات کا ایک مدار مقرر ہے، سب اپنے مدار میں حرکت کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی اپنے مدار سے باہر نہیں جاتا۔

۵- پانچویں نشانی یہ بیان فرمائی کہ سمندری جہاز اور کشتیاں سمندر کا سینہ چاک کرتے ہوئے سامان کی منتقلی کرتے ہیں، دنیا بھر کی ضرورت کا سامان آج بھی انہی بحری جہازوں کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے۔ یہ جہاز اور دوسری سواریاں بھی اللہ کی نشانیاں ہیں، اگر رب چاہے تو ان جہازوں اور کشتیوں کو غرقاب کردے، انہیں کوئی نہیں بچاسکے گا۔ اس کی رحمت کی وجہ سے سب سمندروں کے دوش پر بحفاظت سفر کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ
رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ

أَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن
كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً
وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝

کفار کی کج روی اور ڈھٹائی

ان آیات میں اللہ رب العزت نے کفار کی ڈھٹائی کی دو مثالیں ذکر کی ہیں:

ایک تو یہ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ کے عذاب سے ڈرو جو دنیا میں بھی آ سکتا ہے اور آخرت میں بھی، اور اس سے بچاؤ کے لیے ایمان لے آؤ، تو وہ یہ سن کر اعراض کرنے لگتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ غریبوں اور فقیروں کی امداد کرو اور بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، تو مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ سب مخلوقات کا رازق اللہ ربّ العزّت ہے تو جب اس نے ان کو نہیں دیا، تو ہم کیوں دیں، اگر اللہ انہیں رزق دینا چاہتا تو خود ہی دے دیتا۔

اسی طرح ان کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ وہ قیامت کا انکار کرتے تھے اور مذاق اڑانے کے لیے مسلمانوں سے پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ قیامت کے منتظر ہیں، حالانکہ قیامت جب آئے گی تو عالم یہ ہوگا کہ ایک زوردار چیخ ہوگی جو سب کو اس طرح پکڑے گی کہ لوگ باہم جھگڑوں میں لگے ہوں گے، چنانچہ انہیں ذرا سی بھی مہلت نہیں ملے گی، نہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر لوٹ سکیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا
مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝
فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ
فَاكِهُونَ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ۝
سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ۝ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا
تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ
جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ
تَكْفُرُونَ ۝ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ وَلَوْ
نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ
فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ۝ وَمَن نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۝

متقین و مجرمین کا اُخروی انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے وقوعِ قیامت کے کچھ احوال بیان فرما کر متقین اور مجرمین کا انجام بیان فرمایا

ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اپنی قبروں سے نکل کر رب العالمین کی طرف دوڑیں گے، جہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

نیک لوگ اس دن مزے میں ہوں گے، اور کئی طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، انہیں ان کی من چاہی نعمتیں دستیاب ہوں گی اور اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر سلام بھیجا جائے گا۔

جبکہ دوسری طرف جو لوگ دنیوی زندگی میں برے اعمال میں مبتلا رہے اور انبیاء کی تعلیمات کو پس پشت ڈالے رکھا انہیں اس دن الگ کر دیا جائے گا اور اللہ ربّ العزّت ان سے ڈانٹتے ہوئے خطاب فرمائیں گے کہ کیا میں نے تمہیں شیطان کی پیروی کرنے سے نہیں روکا تھا، کیا میں نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کا نہیں کہا تھا؟ لیکن تم نے بات نہ مانی اور شیطان کی راہ پر چل پڑے، لہٰذا آج جہنّم کی آگ اور عذاب کا مزہ چکھو۔ اس دن ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی، اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بولیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ وہ بہت سخت دن ہوگا۔

ان کفّار کی تخویف کے لیے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو اسی دنیا کی زندگی میں ان کے کفر کی سزا میں ان کی آنکھیں مٹا دیں، یا ان کی صورتیں بدل ڈالیں اور ان کو اپاہج بنا دیں، لیکن یہ ہمارا فضل ہے کہ ہم نے انہیں مہلت دی ہے، جس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اللہ ربّ العزّت کی اطاعت کی طرف لوٹنا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی اور اس کی رونقیں عارضی ہیں، انسان کو ہی دیکھ لو، جس طرح انسان کی عمر بڑھ جاتی ہے اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے، تو اس کا حسن و جمال، عقل و شعور اور سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں ایسے ہی دنیا کی رونق ختم ہو جائے گی اور دنیا فنا ہو جائے گی۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ
الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں

کفّار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور قرآن پاک کو شعر کہا کرتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے اس آیت میں ان کی تردید فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی ہم نے سکھائی ہی نہیں، اور نہ ہی ان کے لیے شعر گوئی مناسب ہے، اور نہ قرآن پاک شعر ہے بلکہ یہ تو اللہ ربّ العزّت کی طرف واضح نصیحت ہے، اور اس کے نازل ہونے کی غرض یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے آگاہ کر کے انہیں ڈرائیں اور یہ بھی کہ کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ
وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ
يُنْصَرُوْنَ ۝ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا

مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ
خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰی ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْــًٔا اَنْ
یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

قدرتِ باری تعالیٰ کے چند مزید دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند مزید دلائل بیان فرمائے ہیں، فرمایا کہ ہم نے انسان کے نفع کے لیے چوپائے اور جانور بنائے اور انسانوں کو ان پر قابو دیا، چنانچہ وہ اس پر سوار بھی ہوتے ہیں اور ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں، اور اس کے علاوہ بھی ان سے دیگر منافع حاصل کرتے ہیں، ان کا دودھ پیتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود وہ اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ اللہ ربّ العزّت کے علاوہ دوسروں کو معبود بنا کر اس سے مدد مانگتے ہیں، حالانکہ وہ خود اپنی مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں تو ان کی مدد کیا خاک کریں گے۔ اس لیے اپنے منعم کو پہچانتے ہوئے اسی کی عبادت کریں، اسی کو ایک جانیں، زندگی اسی کی اطاعت میں صرف کریں، یہی نمک حلالی اور وفا شعاری ہے۔

ایک کافر کا قصہ

سورۂ یٰسٓ کی آخری آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک کافر کے اعتراض کو بیان فرما کر اس کا جواب دیا ہے، یہ کافر اکثر روایات کے مطابق عاص بن وائل تھا، ہوا یوں کہ اس نے ایک دن ایک بوسیدہ ہڈی اٹھائی، اور اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا اللہ اس ہڈی کو زندہ کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ تجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تجھے جہنّم میں داخل کرے گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس انسان کو دیکھو جو حقیر نطفہ سے پیدا ہوا اور اب پروردگارِ عالم سے مقابلے پر اتر آیا اور اس کی قدرت کا انکار کر دیا، یہ اپنی حقیقت اور اپنی پیدائش بھول گیا کہ ایک حقیر اور ناپاک قطرہ میں جان ڈال کر اس کو پیدا کیا گیا۔ تو اے پیغمبر آپ اسے بتا دیجیے کہ اس ہڈی کو دوبارہ وہی رب پیدا کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا تھا۔ وہ ہر چیز پر قادر بھی ہے اور ہر چیز کا عالم بھی۔

قدرتِ خداوندی کا عجیب نمونہ

اس کی قدرت کا نمونہ یہ ہے کہ وہ سرسبز درختوں سے آگ نکالتا ہے۔ عرب میں دو درخت تھے، ایک کا نام ''مرخ''

تھا اور دوسرے کا نام "عفار" تھا، ان کی قلمیں بنائی جاتی تھیں، اور پھر ایک کی قلم دوسرے پر مسلنے سے آگ پیدا ہوتی تھی، فرمایا کہ جو رب اتنی قدرتوں والا ہے تو وہی معبود بھی ہے، اور وہی تمہیں زندہ بھی کرے گا۔

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کی ایک جھلک بیان فرمائی کہ اللہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں تو انسانی مصنوعات کی طرح ان کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی کہ پہلے مواد جمع فرمائیں، پھر کاریگر بلوائیں، پھر ایک مدت تک کام کرکے وہ چیز تیار ہو، بلکہ وہ جب اور جس وقت کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہیں تو ان کو صرف حکم دے دینا اور "کن" کہہ دینا کافی ہوتا ہے اور وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی ذات ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، اس کی بادشاہت کامل ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن پاک کی صداقت کو بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے نازل ہونے کی غرض بھی بیان فرمائی ہے۔ اور قرآن پاک پر ایمان لانے والوں اور نہ لانے والوں کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔

۲۔ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک بستی کا واقعہ بیان فرمایا، جس میں اللہ نے تین پیغمبر بھیجے تھے، لیکن بستی والوں نے ان کی تکذیب کی، اور ان کو اذیت دینے کے درپے ہو گئے، تو انہی میں سے ایک شخص نے ان پیغمبروں پر ایمان لا کر ان کی حمایت کا اعلان کر دیا تو بستی والوں نے مار مار کر اس کو شہید کر دیا، جس پر اللہ رَبّ العزّت نے ان پر عذاب بھیج کر انہیں ہلاک کر دیا۔

۳۔ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں، جن میں زمین اور اس سے اگنے والی بے شمار نباتات وغیرہ، رات اور دن کا مرتب نظام، سورج اور چاند کی اپنے مدار میں ایک مرتب نظام کے تحت گردش کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ اس سورت میں احوال قیامت، نفخہ صور اور روز محشر کی ہولناکی بھی بیان کی گئی ہے اور مومنین اور کافرین کا انجام بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

تمت سورۃ یٰسٓ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الصّٰفّٰت

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں اس کا سینتیس (۳۷) نمبر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ چھپن (۵۶) نمبر پر ہے، اس کے پانچ رُکوع اور ایک سو بیاسی (۱۸۲) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام "صافات" ہے، جس کا معنی ہے صفیں بنانے والی جماعتیں۔ چونکہ سورت کے شروع میں اللہ ربّ العزّت نے صف بنانے والے فرشتوں کی قسم کھائی ہے، اسی لیے اس سورت کا نام سورۂ صافات رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پچھلی سورت میں قیامت کا تذکرہ تھا، اس سورت میں بھی قیامت کے احوال کا بیان ہے، نیز پچھلی سورت میں مومنین و مجرمین کا انجام بیان کیا گیا تھا اس سورت میں بھی یہ مضمون وارد ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اولیاء اللہ کی عزّت اور اللہ کے دشمنوں کی ذلت" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے اولیاء کا مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے اور ان کی قسم کھائی ہے۔

۲- اس سورت میں کفّار کی ہلاکت کے اسباب بیان کیے گئے ہیں، جن میں درج ذیل اسباب شامل ہیں:

۱: اللہ ربّ العزّت کی آیات کا مذاق اڑانا

۲: نصیحت سے اعراض کرنا

۳: نبوّت اور رسالت کا انکار کرنا

۴: قیامت کا انکار کرنا

۵: تکبّر کرنا

۶: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) مجنون اور شاعر کہنا

۷: اپنے باپ دادا کی اندھی تقلید کرنا

۳- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی مدد کے نمونے بھی بیان فرمائے ہیں۔

۴- اس سورت میں کفّار کی بے وقوفی اور کم عقلی کا بیان ہے۔

۵- کفّار کے لیے اللہ ربّ العزّت نے جو عذاب تیار کر رکھا ہے، اس کا ذکر بھی اس سورت میں فرمایا گیا ہے۔

۶- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مومنین سے مدد اور غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

فرشتوں کے اوصافِ بندگی کا بیان

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف اوصاف بندگی کے حامل فرشتوں کی قسم کھا کر عقیدہ توحید کو بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ ان فرشتوں کی قسم جو اللہ ربّ العزّت کے سامنے صف بنا کر کھڑے ہوتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی قسم کھائی جو شیاطین کو عالم بالا تک پہنچنے سے روکتے ہیں اور انہیں ڈانٹ کر ہانک دیتے ہیں، یا بادلوں کو بارش برسانے کے لیے مختلف مقامات پر ہانکتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی قسم کھائی جو اللہ ربّ العزّت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان قسموں سے مقصد فرشتوں کی بزرگی، کثرت عبادت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، تسبیح، تحمید اور تقدیس کو بیان کرنا ہے، اور یہ بھی کہ فرشتے تو اللہ ربّ العزّت کی اطاعت وعبادت کرتے ہیں وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں؟ یہ تین قسمیں کھانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، اسی سے تعلق بناؤ، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے، وہ مشرقوں اور مغربوں کا رب ہے۔

فائدہ:- ویسے تو مشرق ایک ہے لیکن یہاں "مشارق" جمع کے ساتھ اس لیے کہا ہے کہ سورج سال کے ہر دن میں ایک نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، اسی بنا پر یہاں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

ستاروں کی تخلیق کا مقصد

توحید کا مضمون بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ستاروں کی تخلیق کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ ستاروں کو اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ ان کے ذریعہ آسمانِ دنیا کو مزین کیا جاسکے، اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعہ شیاطین کو عالم بالا کی طرف آنے سے روکا جاسکے، اب شیاطین اوپر نہیں جاسکتے، جو شیطان اوپر جانے کی کوشش کرتا ہے اس کے لیے عذاب تیار ہوتا ہے، اور جو شیطان کوئی بات چرانے کی کوشش کرتا ہے، تو اسے ستارہ ٹوٹ کر لگتا ہے۔

کیا ستاروں کی چال سے قسمت کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے؟

بہت سے لوگ نجومی کے پاس اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے جاتے ہیں، اور نجومی کہتا ہے کہ تیرا ستارہ گردش میں ہے، تیرا یہ ہفتہ ایسے گزرے گا، وغیرہ۔ یہ بالکل بے اصل اور خلافِ شریعت کام ہے، اس سے مکمل اجتناب لازم ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے قرآن پاک میں ستاروں کی تخلیق کے تین مقاصد گنوائے ہیں، پہلا مقصد "آسمان کی زینت" ہے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ ستارے شیطانوں کو بھگانے کا ذریعہ ہیں، جبکہ تیسرا مقصد یہ ہے کہ ستاروں سے راستوں کی تعیین ہوتی ہے، رات کو ستاروں کو دیکھ کر آدمی اپنی سمت متعین کرتے ہیں، خاص طور پر قطب ستارہ سے سمت کی تعیین میں بہت مدد ملتی ہے، پہلے زمانے میں اور آج بھی سمندری سفر کے دوران سمت کی تعیین کے لیے ستاروں کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ان تین مقاصد کے علاوہ ستاروں سے کوئی اور مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو عبث تھکا دینے کے مترادف ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص نے ستاروں سے مذکورہ تین مقاصد کے علاوہ کوئی مقصد حاصل کیا اس نے باطل کام کیا۔ لہٰذا نجومیوں کے پاس جا کر اپنا ایمان ضائع نہ کیجیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نجومی کے پاس جا کر اس سے کچھ دریافت کرے اللہ اس کی چالیس دن کی عبادات قبول نہیں فرماتے۔ (صحیح مسلم: ۴/۱۷۵۱)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝
وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ
لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا
كُنَّا غٰوِيْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا
قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ
وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ

مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

روزِ قیامت مجرمین کا عبرتناک انجام

توحید کے بیان کے بعد قیامت کا مضمون پیش کیا گیا، دونوں مضامین کو ثابت کرنے کے لیے اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں پیش کی گئیں، اور اس کے ساتھ تفصیل سے حشر و نشر کے حالات پیش کیے گئے۔

چنانچہ فرمایا کہ بروز قیامت اللہ ربّ العزّت کی جانب سے اعلان ہوگا کہ مشرکوں، ان کے ہم مشربوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کو جمع کر کے جہنّم کا راستہ دکھلاؤ، جب فرشتے ان کو لے کر چلیں گے تو پل صراط کے قریب پہنچنے کے بعد حکم ہوگا کہ ان کو ٹھہراؤ، ان سے سوال ہوگا۔ پھر ان کو رسوا کرنے کے لیے کہا جائے گا" مالکم لا تناصرون" تمہارے خدا تمہارے ساتھ ہیں، تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے، لیکن اس دن وہ سب فرمانبردار بن جائیں گے۔ اور اس قدر رسوائی کو دیکھنے کے بعد وہ معبودان باطلہ اور ان کے پجاری، بڑے اور چھوٹے کافر ایک دوسرے کی مدد کرنے کے بجائے، ایک دوسرے کو طعنے دیں گے اور آپس میں بحث و مباحثہ شروع کر دیں گے، ہر ایک اپنی گمراہی کے لیے دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ اور بالآخر سب کو عذاب میں جھونک دیا جائے گا، اور بتایا جائے گا کہ مجرمین کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔ ان مجرمین سے جب توحید کی بات کی جاتی تھی تو وہ تکبّر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم ایک شاعر اور دیوانے کے لیے اپنے خداؤں کو کیسے چھوڑ دیں۔

مومنین کا اُخروی انجام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مومنین کے انجام کو ذکر فرمایا، کہ ایمان والوں کے لیے اللہ ربّ العزّت کی طرف سے معلوم رزق ہے، یعنی میوہ جات ہیں، وہ انواع و اقسام کی نعمتوں میں ہوں گے، تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے، جنّت کے خدام ان کے سامنے شراب کے پیالے لے کر گھوم رہے ہوں گے، اور وہ شراب سفید رنگ کی انتہائی لذیذ ہوگی، دنیا کی شراب سے سر چکراتا ہے، اس شراب سے نہ سر چکرائے گا، نہ کوئی بہکے گا۔ خوبصورت، حیادار، نیچی نگاہوں والی بیویاں ہوں گی، اور خوبصورت بھی ایسی جیسے چھپے ہوئے موتی ہوں۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝

دو دوستوں کا باہمی مکالمہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے دو دوستوں کے مکالمے کو ذکر کیا، دنیا میں دو دوست تھے، ان میں سے ایک مومن وموحد تھا اور دوسرا مشرک وکافر تھا، تو موت کے بعد مومن دوست جنّت میں چلا گیا اور مشرک دوست جہنّم میں چلا گیا، جنّت میں جانے کے بعد ایک دن جنّتی دوست کو اپنے اس مشرک دوست کو دیکھنے کی آرزو ہوئی، اس نے اللہ سے دُعا کی کہ مجھے وہ دوست دکھا دیجیے، تاکہ میں اس سے کچھ بات چیت تو کرسکوں...... قرآن پاک میں ان دونوں کی تعیین وتفصیل نہیں بیان کی گئی، البتہ تفاسیر میں ان سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے، جو ان آیات کے شانِ نزول کے طور پر ذیل میں درج ہے:

مذکورہ آیات کا شانِ نزول

دو دوست کاروبار میں شریک تھے، ایک مسلمان تھا اور دوسرا کافر تھا، جس کے نتیجے میں آٹھ ہزار دینار منافع آیا، دونوں نے چار چار ہزار دینار لے لیے، تو کافر نے مومن سے کہا کہ مجھے ہزار دینار کی ایک زمین مل رہی ہے، میں وہ خریدتا ہوں، مومن نے کہا کہ میں بھی جنّت میں زمین خریدتا ہوں اور ہزار دینار صدقہ کردیے، کچھ دن بعد کافر دوست نے کہا میں نے ہزار دینار کا گھر بنالیا ہے، تو مومن دوست نے بھی ہزار دینار صدقہ کردیے اور اللہ سے دُعا کی کہ میں جنّت میں گھر بنوانا چاہتا ہوں، پھر کچھ دن بعد کافر دوست نے کہا کہ میں نے ہزار دینار کا باغ لگایا ہے، تو مومن دوست نے بھی ہزار دینار اللہ کی راہ میں دیے اور کہا کہ میرا بھی جنّت میں باغ لگ جائے، پھر اس کافر نے ہزار دینار خرچ کر کے ایک عورت سے شادی کی یا باندی خریدی تو مومن نے بھی اپنے آخری ہزار دینار اللہ کی راہ میں صدقہ کردیے، اور تمنا ظاہر کی کہ مجھے جنّت کی حور مل جائے، اب جب سارے پیسے ختم ہوگئے، تو اتفاق سے اس مومن بندے کو کوئی شدید حاجت پیش آئی، اسے خیال ہوا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاؤں تو شاید وہ کچھ رقم قرض دے دے۔ چنانچہ اس نے اسی کافر دوست سے رجوع کیا، اس نے پوچھا کہ تو نے اپنے پیسوں کا کیا کیا، تو اس نے بتایا کہ میں نے وہ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کردی، جس پر اس کافر نے اس کا مذاق اڑایا، اور قرض دینے سے انکار کردیا، دونوں دنیا سے چلے گئے، مرنے کے بعد مسلمان دوست جنّت میں چلا گیا، اور کافر دوست جہنّم میں چلا گیا، تو جنّتی نے اللہ سے درخواست کی کہ مجھے وہ کافر دوست دکھا دیجیے تاکہ میں اس سے کچھ بات چیت کرسکوں، اللہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن بحوالہ درمنثور)

تو جب وہ مومن شخص جنّت میں اللہ ربّ العزّت سے اس کافر دوست کو دیکھنے کی درخواست کرے گا تو اللہ ربّ العزّت جنّت اور جہنّم کے درمیان سارے پردے ہٹادیں گے، جنّتی ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر ہوں گے، جبکہ جہنّمی ساتوں زمینوں سے نیچے ہوں گے، اللہ ان کی آن لائن ملاقات کروائیں گے، جس زمانے میں قرآن پاک نازل ہورہا

تھا، اس زمانے میں آن لائن کا تصور نہیں تھا، لیکن اب یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے۔ تو یہ اپنے دوست کو دیکھے گا کہ وہ جہنم کے درمیان میں جل رہا ہوگا، یہ اس کو دیکھ کر کہے گا کہ اللہ کی قسم تو تو مجھے بھی تباہ کرنے ہی والا تھا، اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں پڑا ہوتا، اب تو ہمیں موت بھی نہیں آنی، بس وہی موت تھی جو ایک بار آ گئی، لہٰذا اب تم ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہو، اور ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں میں رہیں گے۔ اور یہی حقیقی کامیابی ہے، اسی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝

مختلف انبیاء علیہم السلام کے تذکرے اور نمونے

ان آیات میں اللہ رب العزت نے مختلف انبیاء علیہم السلام کے چند نمونے ذکر کیے اور فرمایا کہ ہمیشہ سے ماننے والوں کو عزت جبکہ نہ ماننے والوں کے مقدر میں ذلت لکھی گئی ہے۔ کل سات قصے بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ
۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ
۳۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا قصہ
۴۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ
۵۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا قصہ
۶۔ حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ
۷۔ حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ

ان قصوں کو بیان کرنے سے ایک مقصد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے اور دوسرا مقصد کفار کو تنبیہ کرنا اور ڈرانا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

نوح علیہ السلام نے اللہ رب العزت کو پکارا، اکثر مفسرین کے مطابق اس سے حضرت نوح علیہ السلام کی وہ دعا مراد ہے جو سورۂ نوح میں مذکور ہے "رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا" اللہ نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور انہیں کامیابی، عزت اور نجات دی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا۔ اور ان کی اولاد سے نسل آدم کا سلسلہ جاری فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد پوری نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث سے پھیلی۔ اور ان کا تذکرہ خیر بعد میں آنے والی اُمتوں میں باقی رکھا۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝ اَئِفْكًا

أٰلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ فَرَاغَ إِلٰى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ بھی اسی گروہ انبیاء سے تعلق رکھتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے بتوں سے نفرت کا اظہار کیا اور جا کر بتوں کو توڑ دیا، جس پر انہوں نے آپ کو آگ کے چیخے میں ڈالا، لیکن آپ محفوظ رہے، یوں آپ کے حصے میں عزت اور ان کے حصے میں ذلت آئی، تفصیلی واقعہ پہلے (سورۂ انبیاء میں) گزر چکا ہے۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلٰى رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يٰإِبْرٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰؤُا الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِينَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى إِبْرٰهِيمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى إِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ ۝

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا واقعہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا ایک دوسرا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی پیش کی، واقعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے اہل وطن سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے قوم کے سامنے ہجرت کرنے کا اعلان فرمایا، چنانچہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ اور بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالآخر شام تشریف لے آئے، اس وقت تک آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، تو آپ نے اللہ سے اولاد کی دُعا کی کہ مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما، چنانچہ آپ کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو ایک بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ یہ بیٹا آپ علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوا اور ان کا نام اسماعیل رکھا گیا۔

جب بچہ تھوڑا بڑا ہوا تو اللہ ربّ العزّت نے ایک اور امتحان لیا، آپ علیہ السلام کو خواب میں دکھلایا گیا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے، اس لیے اس خواب کا مطلب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ نے یہ بات اپنے بیٹے سے ارشاد فرمائی تو سمجھدار بیٹے نے جواب دیا کہ "اَبّا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ کر گزریے"، یوں دونوں نے اللہ ربّ العزّت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی گردن پیش کر دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی، لیکن چونکہ اللہ ربّ العزّت کو درحقیقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کروانا مقصود نہیں تھا، اس لیے چھری نہیں چلی، بلکہ اللہ ربّ العزّت نے آسمان سے دُنبہ بھیج دیا، اور فرمایا کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، ہم نیک لوگوں کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں، چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے ان کا تذکرہ خیر تمام اُمتوں اور شریعتوں میں جاری فرما دیا۔ اور انہیں ایک اور بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری بھی سنائی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۚ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۖ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۞ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ان دونوں حضرات پر بہت سے احسانات فرمائے، انہیں اور ان کی قوم کو بڑے غم (فرعون) سے نجات عطا فرمائی، فرعون کی تکالیف کے خلاف ان کی مدد فرمائی، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی اور بعد میں آنے والے لوگوں میں ان کا تذکرہ خیر جاری فرما دیا۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۚ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۞ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۖ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۞ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا، ان کی اُمت بعل نامی بت کی پجاری تھی، اور انہوں نے بعل بت کے چار سو جھوٹے نبی بنائے ہوئے تھے، حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو شرک سے باز رہنے کی تلقین کی، لیکن قوم نے ان کی نہ مانی، یہ پہاڑ پر چلے گئے، اکیلے رہتے تھے، وہاں قوم کے لیے بددعا کی، جس کی وجہ سے قوم پر قحط آ گیا، اب واپس

آئے اور بادشاہ سے کہا کہ تمہارے لیے مجھے آزمانے کا بہترین موقع ہے، میں دُعا کروں گا، اللہ تعالیٰ قحط دور فرمادیں گے، تم ایمان لے آنا، انہوں نے دُعا کی، قحط دور ہوا، لیکن بادشاہ اور اس کی بیوی نے پھر بھی نہ مانا، بلکہ آپ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن اللہ نے آپ کو عزت دی، اور بادشاہ اور اس کی بیوی کے مقدر میں ذلت رہی، اور وہ ہلاک ہوگئے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝
وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

حضرت لُوط علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کی بدکردار قوم پر بھی اللہ رب العزت کی طرف سے عذاب آیا تھا، لیکن آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والے اس عذاب سے محفوظ رہے، البتہ آپ کی بیوی چونکہ قوم کے ساتھ ملی ہوئی تھی، اس لیے وہ عذاب کا شکار ہوئی۔ اس کے بعد اہل مکہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم شام کے تجارتی سفر میں قوم لوط کے علاقہ "سدوم" سے دن رات گزرتے ہو، لیکن اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ
الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ
بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا
فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے، ان کی قوم نے جب مسلسل تبلیغ کے باوجود ان کی بات نہ مانی تو یہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے، اور دریا کے کنارے پہنچ کر کشتی میں سوار ہوکر جانے لگے تو راستے میں طوفان آیا اور کشتی والوں نے قرعہ اندازی کرکے ان کو دریا میں ڈال دیا، جہاں اللہ رب العزت کے حکم سے ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا، مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے توبہ واستغفار کیا تو اللہ رب العزت نے انہیں مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر وہ تسبیح اور استغفار نہ کرتے، تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے، لیکن اللہ کے تعلق اور تسبیح کی برکت سے اللہ نے انہیں عزت عطا کی۔

دوسری طرف ان کے جانے کے بعد قوم پر عذاب کے آثار شروع ہوئے تو انہوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اجتماعی طور پر توبہ کی اور ایمان لے آئے، جس کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل گیا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

مشرکین کے بعض نظریات کی تردید

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کے بعض عقائد ونظریات کی تردید کی ہے، مشرکین کا نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور جنات کے سرداروں کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا معاذ اللہ جنات کے سرداروں کی بیٹیاں اللہ تعالیٰ کی زوجیت میں ہیں۔ تو اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ تمہارا یہ عقیدہ تو تمہارے اور رسم ورواج کے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم خود بیٹیوں کو باعث عار سمجھتے ہو، تو جو چیز تمہارے لیے باعث عار ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے ثابت کر سکتے ہو؟

پھر جنات کے سرداروں کی بیٹیوں کو تم کیسے اللہ تعالیٰ کی زوجیت میں قرار دے سکتے ہو حالانکہ جنات خود اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ آخرت میں ان کو اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اور جو اللہ ربّ العزّت کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں ان کو عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاۗءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

انبیاء علیہم السلام ہی بالآخر کامیاب ہوتے ہیں

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی ایذا رسانیوں سے رنجیدہ نہ ہوں، عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ آپ غالب اور فتح یاب ہوں گے اور یہ لوگ مغلوب۔ کیونکہ ہم نے پہلے سے یہ بات طے کر رکھی ہے کہ ہمارے خاص بندے یعنی پیغمبر ہی غالب ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ ان سے اعراض کیجیے، عنقریب یہ اپنے انجام کو دیکھ لیں گے، جب عذاب خداوندی ان پر نازل ہوگا تو ان کی صبح بہت ہی بری ہوگی۔

سورت کا اختتام ان مبارک کلمات پر فرمایا: ''سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' تیرا ربّ پاک ہے، وہ عزّت والا ہے، اور وہ ان الزامات سے پاک ہے جو یہ اللہ پر لگاتے ہیں، رسولوں پر سلام ہو، اور تمام تر تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

ان تین مختصر آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے پوری سورت کا خلاصہ بیان کردیا ہے۔ نیز ان آیات کی عظیم الشان فضیلت تفاسیر میں وارد ہوئی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

> جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن اسے بھرپور پیمانے سے اجر ملے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی ہر مجلس کے آخر میں یہ (تین آیات) پڑھا کرے۔ (معارف القرآن، تفسیر ابن کثیر)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے فرشتوں کی قسم کھا کر عقیدۂ توحید ثابت کیا ہے، نیز ستاروں کی تخلیق کا مقصد اور غرض بھی بیان فرمائی ہے کہ ان کے ذریعہ آسمان کی خوبصورتی کے علاوہ شیاطین کی روک تھام کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

۲۔ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے مؤمنین اور مجرمین کا انجام بیان فرمایا ہے، مؤمنین کو ملنے والے اجر و ثواب اور اخروی نعمتوں جبکہ مجرمین کے لیے تیار کردہ عذاب کا بھی بیان ہے۔

۳۔ اس سورت میں مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو تسلی دی گئی ہے کہ بالآخر فتح اہلِ حق کا مقدر بنے گی۔

۴۔ سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے کفّار کے ایک نظریہ کی تردید کرتے ہوئے عقیدۂ توحید کو ثابت کیا ہے اور شرک کی نفی کی ہے۔

تمت سورۃ الصافات بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ صٓ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب اور نزولی ترتیب دونوں میں یہ اڑتیس (۳۸) نمبر پر ہے۔ اس کے پانچ رُکوع اور اٹھاسی (۸۸) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کو سورۂ صٓ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس سورت کا آغاز لفظ ''صٓ'' سے ہوا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ صافات میں اللہ رَبُّ العزّت نے کچھ انبیاء کے تذکرے فرمائے ہیں، اس سورت میں مزید کچھ انبیاء کا تذکرہ فرمایا ہے، جن کا ذکر سورۂ صافات میں نہیں تھا۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''حق کی طرف رجوع کرنا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں کُفّار کا حق سے اعراض کرنے اور باطل کے ذریعہ حق کا مقابلہ کرنے کا بیان ہے۔

۲- اس سورت میں تکبّر کرنے والوں اور انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

۳- اس سورت میں کُفّار کے عناد کی شدت اور وعیدوں کی پروا نہ کرنے کا بیان ہے۔

۴- اس سورت میں اللہ رَبُّ العزّت اور حق کی جانب رجوع کرنے کے چند نمونے بیان کیے گئے ہیں، جس کے ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

۵- مؤمنین کے لیے تیار کردہ اجرِ عظیم اور بے شمار نعمتوں کا بیان اس سورت میں مذکور ہے۔

۶- کُفّار کے لیے اللہ رَبُّ العزّت کی طرف سے تیار کردہ عذاب کا ذکر بھی اس سورت میں فرمایا گیا ہے۔

۷۔ جہنم میں جہنمیوں کے آپس میں جھگڑے کا منظر بھی اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ حق سے تکبر کرنے والوں کا نمونہ اور ان کا اور ان کے متبعین کا انجام اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا
وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ
الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِکُمْ ۚ اِنَّ
هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْۢ
بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ
الْوَهَّابِ ۝ اَمْ لَهُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۟ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝ جُنْدٌ مَّا هُنَالِکَ
مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۝ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ
وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْکَةِ ؕ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ۝ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ وَمَا یَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا
صَیْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام کی مکمل دیکھ بھال کیا کرتے تھے، جب وہ ایک بیماری میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور دوسرے سرداران مکہ شریک ہوئے، مشورہ یہ ہوا کہ ابوطالب بیمار ہیں، اگر وہ اس دنیا سے گزر گئے اور اس کے بعد ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لیے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں طعنے دیں گے کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے اس وقت تک تو یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنا لیا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ابوطالب کی زندگی میں ان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ کا فیصلہ کروالیں تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ لوگ ابوطالب کے پاس پہنچے اور جا کر ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، آپ انصاف سے کام لے کر ان سے کہیے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کچھ نہ کہیں، جناب ابوطالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں بلوایا اور آپ سے کہا کہ بھتیجے! یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو، انہیں ان کے مذہب پر چھوڑ دو اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی

بہتری ہے؟ ابو طالب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہوجائے اور پورے عجم کے مالک ہوجائیں، اس پر ابوجہل نے کہا کہ بتاؤ وہ کیا کلمہ ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: "لا اِلٰہ الا اللہ!" یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کرلیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے! اس موقع پر سورۂ ص کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

جن میں فرمایا گیا کہ عزت والے قرآن کی قسم کفار تکبر و مخالفت میں ہیں، ان سے قبل ہم نے بہت سے لوگ ہلاک کیے، وہ چیخ و پکار کرتے رہے لیکن انہیں کوئی نفع نہ ہوا۔ انہیں تعجب ہے کہ انہیں میں سے ایک شخص نبی بنا کر بھیج دیا گیا، اس لیے وہ کہنے لگے کہ یہ جادوگر ہے، جھوٹا ہے، یہ بہت سے خداؤں کو ایک خدا ہی قرار دینا چاہتا ہے، جو کہ بہت عجیب بات ہے۔

ان میں سے ایک جماعت یہ کہتی ہوئی چل پڑی کہ چلو اور اپنے خداؤں پر جمے رہو، یہ ایسی چیز ہے جس کا مکر کیا گیا ہے، ہم نے تو اس کے متعلق پہلے کبھی نہیں سنا، یہ تو من گھڑت چیز ہے۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزت نے کفار مکہ کو تنبیہ کرتے ہوئے گزشتہ اقوام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جس طرح انہوں نے (یعنی قوم نوح، قوم عاد اور میخوں والے فرعون نے) اللہ کے پیغام اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، اسی طرح اگر تم بھی ان کے روش پر چلو گے تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا۔

فائدہ:– فرعون کو "میخوں والا" کہنے کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

۱– یا تو اس سے اس کی سلطنت کے استحکام کی طرف اشارہ ہے۔

۲– یا اس لیے کہ وہ اپنے مخالفین کو اس طرح سزا دیتا تھا کہ اسے چت لٹا کر اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیتا تھا۔

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ
وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ کُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ وَهَلْ
اَتٰىکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ
بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْکُمْ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ
وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَکْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ
نَعْجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِکَ ؕ
وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

کفار کی تکذیب واستہزاء سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ ہوا تھا، اسے دور کرنے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کی غرض سے اس سورت میں مختلف انبیاء علیہم السلام کے تذکرے کیے گئے ہیں، جن میں سے پہلا تذکرہ حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے۔

اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو، وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع اور مسخر کر دیا تھا، وہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیحات کیا کرتے تھے، ہم نے انہیں مضبوط ملک دیا تھا، حکمت دی تھی اور فیصلہ کر دینے والے خطاب کی صلاحیت دی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام شب بیدار اور ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز روزہ رکھتے تھے، اپنی خاص لے اور انداز میں تسبیح کرتے تھے، آپ کی تسبیح پر پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ہم آواز ہوتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک امتحان کا قصہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک امتحان کا تذکرہ فرمایا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے اہل خانہ میں عبادت کے اوقات تقسیم کیے ہوئے تھے، خود بھی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی کہا ہوا تھا، گھر میں چوبیس گھنٹوں میں ایک منٹ ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں کوئی عبادت میں مصروف نہ ہو، ایک روز انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ پروردگار! دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں داؤد کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی آپ کی عبادت، نماز اور تسبیح و ذکر میں مشغول نہ ہو، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد! یہ سب کچھ میری توفیق سے ہے، اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو یہ بات تمہارے بس کی نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر اور عبادت کا وقت تھا، جس کے لیے وہ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے، دروازے پر دربان مقرر کیا اور اسے کہا کہ کسی کو بھی اندر مت آنے دینا، لیکن دو آدمی لڑتے لڑتے دیوار پھلانگ کر آ گئے، اور آ کر اپنا مقدمہ پیش کیا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کرو۔

مقدمہ یہ تھا کہ ایک نے کہا: "ان هذا اخی" یہ میرا بھائی ہے، اس میں فریق اول نے مخالف فریق کو بھائی کہا، جبکہ

آج کل اگر بھائی بھائی لڑ رہے ہوں تو ایک دوسرے کو ماں بہن کی گالیاں دیتے ہیں، اس اسلوب کے ذریعہ یہ سمجھا دیا کہ اگر کسی سے جھگڑا بھی ہو جائے تو دینی اُخوت کو ختم نہ کرو، اور اپنی زبان پر قابو رکھو، بہر حال اس شخص نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری ایک دنبی ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دے تاکہ میری سو ہو جائیں، اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے، اپنی منہ زوری کی وجہ سے میری بات چلنے نہیں دیتا، حضرت داؤد علیہ السلام نے دوسرے فریق کا موقف سنے بغیر فوراً کہا: "لقد ظلمك بسوال نعجتك الى نعاجه" تو ظالم ہے، ننانوے دنبیوں کا مالک ہو کر تجھے اس کی ایک دنبی بھی برداشت نہیں، بہت سارے شریک ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں۔

پھر داؤد علیہ السلام کو احساس ہوا کہ ان سے کوئی لغزش ہو گئی ہے، اور اللہ ربّ العزّت نے انہیں آزمایا ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً استغفار کیا اور سجدے میں گر پڑے۔ اللہ ربّ العزّت نے انہیں معاف کر دیا، اور ان کو اپنے قرب اور اچھے انجام کی بشارت سنا دی۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْٓ
اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ
وَالْاَعْنَاقِ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ
مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ
اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ
اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے، اور اسی ضمن میں ان پر آنے والی دو آزمائشوں اور امتحانات کا بھی ذکر ہے۔

پہلا اِمتحان

ایک دِن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے شام کے وقت عمدہ اور اصیل گھوڑے پیش کیے گئے جو جہاد کی غرض سے رکھے گئے تھے، آپ علیہ السلام ان کے معائنہ میں ایسے مشغول ہوئے کہ نماز عصر کا وقت نکل گیا اور نماز قضا ہو گئی، اور آپ کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے کسی خادم کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ کو مطلع اور متنبہ کر دے، پھر جب آپ کو خود احساس ہوا تو کہنے لگے کہ افسوس میں اس مال کی محبت میں اپنے ربّ کی یاد سے غافل ہو گیا، یہاں تک کہ آفتاب چھپ گیا، پھر آپ نے

خادموں کو حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو دوبارہ میرے سامنے لاؤ، چنانچہ لائے گئے، تو آپ نے ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلوار سے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا اور ان سب کو ذبح کر دیا، اس غیرت میں کہ یہ مال عبادت خداوندی میں رکاوٹ کا ذریعہ بنا ہے، ان سب کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔

دوسرا امتحان

ہوا یوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ ایک دن انہوں نے کہا کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا، یاد رہے کہ ایک نبی کی طاقت چالیس جنتی مردوں کے برابر ہوتی ہے اور ایک جنتی انسان کی طاقت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہوگی، تو گویا کہ ایک نبی کے پاس چار ہزار مردوں کی قوت ہوتی ہے، اس لیے اگر کسی نبی کی سو شادیاں ہو جائیں تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں کے پاس جا کر ان کا وظیفہ زوجیت ادا کروں گا، اور ان تمام سے بیٹے پیدا ہوں گے، تو میں ان سب کو مجاہد بناؤں گا، لیکن ان شاء اللہ کہنا بھول گئے، چنانچہ رات کو تمام بیویوں کے پاس گئے، ننانوے بیویوں کو تو حمل ٹھہرا ہی نہیں، ایک بیوی کو حمل ٹھہرا، لیکن ان کا بھی ادھورا بچہ پیدا ہوا اور انہوں نے وہ دھڑ لا کر آپ کی کرسی پر رکھ دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو احساس ہوا کہ مجھ سے ان شاء اللہ کہنا رہ گیا تھا، جس پر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اپنی اس لغزش پر استغفار کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دُعا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا مانگی کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو میسّر نہ ہو، اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور انہیں بے مثال سلطنت نصیب فرما دی، ہواؤں کو ان کے تابع کر دیا، جو ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی، اسی طرح جنات و شیاطین بھی آپ کے تابع فرمان بنا دیے گئے تھے۔ وہ آپ کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَسَّنِىَ ٱلشَّيْطَٰنُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝ ٱرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ أَهْلَهُۥ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ۝ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَٱضْرِب بِّهِۦ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ ٱلْعَبْدُ ۖ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ ۝

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے جو کہ سورۃ الانبیاء میں تفصیل سے گزر چکا ہے، یہاں ان آیات میں موجود واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق

ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے آپ بہت تکلیف میں مبتلا تھے، آپ کی عزیز بیوی جنہوں نے اس بیماری اور تکلیف میں آپ کا ہر قسم کا خیال رکھا، وہ بھی آپ کے لیے بہت پریشان رہتی تھیں، تو ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں آپ کی بیوی کو ملا، انہوں نے اسے طبیب سمجھ کر اس سے علاج کی درخواست کی، اس نے کہا کہ اس شرط سے علاج کروں گا کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو یوں کہہ دینا کہ تو نے ان کو شفا دی ہے، انہوں نے آکر حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو شیطان تھا۔ اور اس سے آپ کو بہت رنج اور دکھ پہنچا کہ میری بیماری کی وجہ سے شیطان کا اتنا حوصلہ بڑھا کہ میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانے کی کوشش کی جن سے شرک کا شائبہ پیدا ہوتا ہے، حالانکہ شفا کی نسبت طبیب کی طرف مجازی ہوسکتی ہے، حقیقی شفا دینے والے ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے، تاہم آپ کو یہ شائبہ بھی گوارا نہ ہوا، اس لیے اس رنج اور غصے میں آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفا دے دے تو میں تجھ کو سو قمچیاں (پتلی اور لچک دار لکڑی) ماروں گا، اس کے بعد نہایت تضرع سے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی، تو اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو، چنانچہ آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو وہاں سے ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ آپ کے غسل کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے ہے، یعنی اس سے غسل بھی کرو، اور اس کو پیو بھی! آپ نے ایسے ہی کیا جس سے آپ کی بیماری ساری چلی گئی، اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے آپ کو آپ کے اہل خانہ بھی عطا کر دیے، اور ان کے ساتھ مزید بھی ان کے برابر عطا فرما دیے۔

جب آپ شفایاب ہوگئے تو آپ کو اپنی اس قسم کا خیال آیا جو آپ نے اپنی بیوی کے بارے میں اٹھائی تھی کہ صحت یابی کے بعد اسے سو قمچیاں ماروں گا، لیکن اب آپ کو احساس ہوا کہ بیوی تو بے قصور ہے، وفا شعار ہے، اس کو سزا دینا تو زیادتی ہوگی، تو قسم کیسے پوری جائے؟

اللہ ربّ العزّت نے آپ کو اپنی قسم پوری کرنے کا حل بتا دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو، جس میں سو سینکیں ہوں، اور اپنی بیوی کو اس سے ایک بار مار لو، یوں قسم پوری ہو جائے گی اور بیوی کو زیادہ تکلیف بھی نہیں ہوگی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت ایوب علیہ السلام کی تعریف فرمائی کہ وہ بہت اچھے بندے تھے اور ہم نے ان کو صابر پایا، وہ خدا کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ۝ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ۝

چند انبیائے کرام علیہم السلام کا اِجمالی تذکرہ

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے چند انبیاء علیہم السلام کا اِجمالی تذکرہ فرمایا ہے، جو اللہ رَبّ العزّت کی جانب رجوع کرنے والے تھے، جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت یسع علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام شامل ہیں۔ اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ سب ہمارے منتخب کردہ اور سب سے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا
بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ
هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝
هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا
بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝
قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ
الْاَشْرَارِ ۝ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝

متقین اور سرکشوں کا اُخروی انجام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے متقین اور مجرمین کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے، کہ پرہیزگاروں کے لیے آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے، انواع واقسام کے میوہ جات ہوں گے، نیچی نگاہوں اور ہم عمر حوریں ہوں گی۔

اس کے برعکس جو لوگ سرکشی پر اترے ان کے لیے برا ٹھکانا ہوگا، یعنی ان کو جہنم میں جھونکا جائے گا، جہاں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور پیپ موجود ہوگا اور کئی طرح کے عذاب ہوں گے۔ پھر جہنم میں جہنمی آپس میں جھگڑا کریں گے، ہر ایک دوسرے پر الزام لگائے گا اور ایک دوسرے کے حق میں بددُعائیں کریں گے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ
سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ
مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ
مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ
رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ
لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ

وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور شیطان کے اعلانِ بغاوت کے واقعے کو بیان فرمایا ہے، جو سورۂ بقرہ میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، سب فرشتوں نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کو مانتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے تکبّر کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں جبکہ آدم مٹّی سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے میں ان سے افضل ہوں، اللہ ربّ العزّت نے ابلیس کی اس حکم عدولی پر اسے ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ بنا دیا۔ یہاں یہ واقعہ ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ابلیس نے محض حسد اور تکبّر کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی طرح مشرکینِ عرب بھی حسد اور تکبّر کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مان رہے، لہٰذا جو انجام ابلیس کا ہوا وہی ان کا بھی ہونا ہے۔ (معارف القرآن بحوالہ تفسیر کبیر)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی قسم کھا کر کفّار کی سرکشی اور ضد و عناد کو بیان فرمایا، اور اس ضمن میں جناب ابو طالب کے انتقال کے وقت ان کی ہٹ دھرمی کی مثال بھی بیان فرمائی۔

۲۔ سورت میں مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے کیے گئے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے تذکرہ میں ان پر آنے والے بعض امتحانات کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ بالکل اجمالی طور پر کیا گیا ہے۔ یہ سب رجوع الی اللہ کرنے والی شخصیات تھیں۔

۳۔ اس سورت میں مؤمنین و کافرین کے اخروی انجام کو بھی بیان کیا گیا ہے اور جنّت و جہنّم کے کچھ احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۴۔ سورت میں اثباتِ رسالت کے عقیدے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

۵۔ سورت کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان کر کے کُفّارِ مکہ کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

تمت سورۃ صٓ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ الزُّمَر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن کریم کی ترتیب میں اس کا انتالیس (۳۹) نمبر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا اُنسٹھ (۵۹) نمبر ہے، اس کے آٹھ رکوع اور پچھتر (۷۵) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

"زُمر" کا معنی ہے جماعتیں، چونکہ اس سورت میں اس بات کا ذکر ہے کہ جنتی اور جہنمی گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں جنت اور دوزخ میں داخل ہوں گے، اس لیے اس سورت کو سورۂ زُمر کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱- گزشتہ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے صداقت قرآن کو بیان فرمایا تھا، اس سورت کے آغاز میں بھی یہی مضمون وارد ہے۔

۲- گزشتہ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کو بیان فرمایا تھا، اس سورت میں حضرت آدم اور ان کی زوجہ حضرت حوا سے ان کی ذریت اور اولاد یعنی تمام انسانوں کی تخلیق اور تخلیق کے مراحل کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "خالص توحید" ہے، یعنی ایسی توحید اختیار کرو جس میں شرک کی ذرا سی بھی آمیزش نہ ہو۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے خالص توحید کو بیان فرمایا ہے۔ نیز اخلاص کی اہمیت کو واضح فرمایا کہ ہمارے جملہ اعمال خصوصاً عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوں۔

۲- عقیدہ توحید ثابت کرنے کے لیے کائناتی دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

۳- عقلی دلائل اور مثالیں بیان فرما کر اللہ رَبّ العزّت کی وحدانیت کو بیان فرمایا ہے۔

۴- شرک سے ممانعت اور باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۵- اس سورت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے کہ توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا ہے، خواہ مومن ہوں یا کافر۔

۶- قیامت کے دِن مومن اور کُفّار کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ②
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ
اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ
يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا
هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا
يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

''اِخلاص'' تمام اعمال کی رُوح ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی حقانیت بیان فرمانے کے بعد خالص توحید اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے، توحید خالص سے مراد ایسی توحید ہے جس میں شرک کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو، جبکہ عمل میں اخلاص سے مراد یہ ہے کہ عمل میں ذرا بھی ریا اور دکھلاوے کی آمیزش نہ ہو۔

اس سورت کی آیت نمبر ۱۱ تا ۱۵ میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کروں۔ نیز حکم ہوا کہ آپ اعلان کر دیجیے کہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی بندگی کرتا ہوں، خالص اسی کو پکارتا ہوں۔

یہی مضمون سورت کے آخر میں یوں پیش کیا گیا ''قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ '' یعنی فرما دیجیے کہ تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کا کہتے ہوا ے جاہلو!

مشرکین کا دھوکا اور فریب

مشرکین عرب بتوں کی عبادت کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ یہ بت مقام و مرتبہ میں

اللہ ربّ العزّت کے قریب ہیں اور اس کے پیارے ہیں، اس لیے اگر ہم ان کی عبادت کریں گے تو یہ اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے اور ہمیں اللہ کے قریب کردیں گے۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا جن تک پہنچنے کے لیے وزراء اور افسران کا واسطہ درکار ہوتا ہے، حالانکہ اس پروردگار کی ذات پاک ہے اور اس کی کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے، تو اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس نظریہ کی تردید کی اور فرمایا کہ بروز قیامت اللہ ربّ العزّت فیصلہ فرمادیں گے جس سے حق اور سچ واضح ہوجائے گا۔

اسی طرح مشرکین عرب کا ایک اور نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہوتی تو وہ اپنی مخلوقات میں سے اپنی پسند کی مخلوق کو اولاد بنالیتے، تاہم اولاد کا اپنے والد کی جنس میں سے ہونا ضروری ہے اور مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں ہوسکتی، اس لیے مخلوق کو اللہ ربّ العزّت کی اولاد قرار دینا بھی درست نہیں ہے، اس کی ذات اولاد سے پاک ہے۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے دلائل

اللہ ربّ العزّت نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا، رات اور دن کا مرتب نظام بنایا، سورج اور چاند بنائے، تمام انسانیت کو آدم علیہ السلام اور امّاں حوا علیہا السلام سے پیدا فرمایا، انسانوں کے نفع کے لیے جانوروں کے آٹھ جوڑے (نر و مادہ) پیدا کیے (اونٹ، گائے بھینس، بکری، بھیڑ کا جوڑا جوڑا، جن کا ذکر آٹھویں پارہ میں سورۂ انعام میں گزر چکا ہے)، ماں کے پیٹ میں بچے کو تین اندھیروں میں رکھتا ہے، ایک اندھیرا پیٹ کا، دوسرا اندھیرا رحم کا اور تیسرا اندھیرا اس جھلی کا جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے۔ ان متعدد اندھیروں میں تخلیق کمال قدرت کی دلیل ہے۔ ان سب دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ ربّ العزّت کی وحدانیت کا اقرار کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، لیکن اس سب کے باوجود اگر کوئی کفر اور ناشکری اختیار کرے تو اللہ ربّ العزّت کی ذات اس سے بے پروا ہے، اور اگر کوئی شکر کی راہ پر گامزن ہو تو اللہ ربّ العزّت کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ حاصل کرلے گا۔ آخر کار سب نے اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں انہیں ان کے اعمال کی خبر ہوجائے گی۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ
اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ
لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا
لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ
ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى

اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۚ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَعْدَ اللّٰهِ ۚ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝

تقویٰ اختیار کرنے اور ہجرت کا حکم

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور انہیں خوشخبری سنائی ہے کہ جو اس دنیا میں نیک عمل کرے گا اس کے لیے جنت ہوگی، اور اگر کسی کو نیک اعمال کرنے میں کوئی تنگی یا رکاوٹ درپیش ہو اور کسی خاص ملک و شہر یا کسی خاص ماحول میں رہتے ہوئے احکام شرعیہ کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس ملک و شہر کو چھوڑ دو، اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، کسی ایسی جگہ اور ایسے ماحول میں رہو جو اطاعت احکام الٰہیہ کے لیے سازگار ہو۔ اور ہجرت کرنے میں جو مشکلات تمہیں درپیش ہوں ان پر صبر کرو، کیونکہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب اور بغیر کسی مقرر اندازے اور پیمانے کے بے حساب اور بے اندازہ دیا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے دوبارہ عبادت میں اخلاص کا ذکر فرمایا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ میرے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بندگی خالص اللہ کی کروں، اور مجھے یہ بھی حکم ہے کہ میں پہلا پہلا فرمانبردار بن جاؤں، اس سے اگلی آیت میں پھر فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی ہی کے لیے اپنی بندگی کو خالص کرتا ہوں، تم جس کی چاہو عبادت کرتے پھرو، اور خسارے والے وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بروز قیامت خسارے میں ڈال دیا۔

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ توحید اور اخلاص ایمان کی بنیاد ہیں۔ اول الذکر کے بغیر ایمان بے سود ہے اور اخلاص کے بغیر عمل میں جان نہیں رہتی۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

''شرحِ صدر'' اللہ کی طرف سے ایک نُور ہوتا ہے

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے اس شخص کا تذکرہ فرمایا ہے جسے اللہ نے شرحِ صدر کی دولت سے نوازا ہو، شرحِ صدر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دل میں اتنی استعداد موجود ہو کہ وہ کائنات میں پھیلی قدرت باری تعالیٰ کی نشانیوں میں غور کر کے عبرت حاصل کر سکے، اسی طرح وہ آیات الٰہیہ جو کسی الہامی کتاب میں نازل ہوئی ہوں ان میں غور کر کے استفادہ کر سکے۔ تو ایسے شخص کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ایسے شخص کے دل میں درحقیقت اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ایک نُور رکھا جاتا ہے جس کی روشنی سے اسے حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

''شرحِ صدر'' کی دو نشانیاں ہیں

۱- التجافی عن دار الغرور: دنیا سے دوری اور بے رغبتی۔

۲- الانابة الی دار الخلود: آخرت کی طرف توجہ۔

یعنی جس کا دل اللہ ربّ العزّت اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں، وہ دنیا سے دور اور بے رغبت ہو جاتا ہے، دنیا کی رونقیں اسے راہِ حق سے گمراہ نہیں کر سکتیں، اور اپنا رُخ آخرت کی طرف موڑ لیتا ہے۔

قُرآن مجید کی چند صفات

شرحِ صدر کے بیان کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی چند صفات کا ذکر کیا، چنانچہ فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے ایک نہایت بہترین کتاب تمہارے لیے نازل کی ہے جس کے مضامین، واقعات اور احکام ملتے جلتے ہیں، اور وہ ایسی پُرتاثیر کتاب ہے کہ جب وہ پڑھی جاتی ہے تو اللہ کا خوف رکھنے والوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں وران کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ان آیات میں قرآن کریم کے تین آداب کی جانب بھی اشارہ ہے:

۱- قرآن کریم کی آیات کی سماعت کرنا اور خود تلاوت کرنا۔

۲- آیاتِ قرآنیہ کی سماعت سے حد درجہ ادب، خشیت، اللہ تعالیٰ سے امید اور اس سے محبت کی وجہ سے سجدوں میں گر جانا اور گریہ کا طاری ہو جانا۔ اس ادب کو سورۂ انفال اور سورۂ فرقان میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ انفال میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔'' اور سورۂ فرقان میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۝''

۳- قرآن کریم کی تلاوت سنتے ہوئے ادب بجا لانا جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادب کو

مذکورہ بالا آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، دل ذکر اللہ کی جانب نرم ہوجاتے ہیں، وہ نہ تو چیختے اور چلّاتے اور نہ ہی تکلّف کرتے، بلکہ ثابت قدمی، سکون، ادب اور خشیت خداوندی کا مظاہرہ کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝

''مشرک'' اور ''موحد'' کی ایک خوبصورت مثال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرک اور موحد کی بہت پیاری اور واضح مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک غلام ایسا ہو جس کے کئی مالک ہوں اور ان سب میں باہم ضد بھی ہو، تو اسے کتنی دشواری ہوگی، ایک کہے گا کہ میرا کام کرو، دوسرا کہے گا کہ پہلے میرا کام کرو، یوں اس کے لیے سب کو راضی اور خوش رکھنا کتنا مشکل ہوگا۔

جبکہ دوسرا غلام ایسا ہے جس کا صرف ایک مالک ہے، تو وہ آرام میں رہے گا کہ اسی کا کہا مانے گا اور اس پر عمل کرے گا۔ تو اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ موحد صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے، صرف اسی کے سامنے جھکتا ہے، صرف اسی سے مانگتا ہے، اس کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کا صرف ایک آقا ہو، جبکہ وہ مشرک جو در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے، جس نے کئی معبود بنا رکھے ہیں، اس کی مثال اس غلام کی سی ہے جس کے بہت سے مالک ہوں، وہ ان کو راضی نہیں رکھ سکتا، جبکہ موحد اپنے اللہ کو بآسانی راضی کرسکتا ہے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کفّار کو تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ میرے نبی! اگر یہ لوگ دنیا میں کسی عقلی اور نقلی فیصلہ کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کیجیے کیونکہ آپ نے بھی دنیا سے جانا ہے، اور انہوں نے بھی مرنا ہے، مرنے کے بعد آپ کی مہمانی بھی میرے پاس ہوگی اور یہ بھی میرے پاس ہی آئیں گے، تو میرے پاس ہی تم سب کا فیصلہ ہوگا کہ موحد سچا ہے یا مشرک؟ توحید حق ہے یا شرک؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے متعلّق چند اُمور

اس آیت میں اطلاع دے دی گئی کہ حضور علیہ السلام نے بھی دنیا سے جانا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن حضور کی وفات اور عام آدمیوں کی موت میں فرق ہے، نبی اور غیر نبی کی موت ایک جیسی نہیں ہوتی، اگر حضور کی موت بھی عام انسانوں کی موت جیسی ہوتی تو انہیں ایک صیغہ میں بیان کیا جاتا، الگ الگ صیغوں سے ذکر نہ کیا جاتا، لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ حضور کی حیات بھی اعلیٰ ہے اور حضور کی موت بھی اعلیٰ ہے۔

''حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' سے متعلّق اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ

دوسری بات یہ ہے کہ اس بات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے، یعنی

وفات پا گئے، لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک چونکہ ہر انسان کا موت کے بعد روح سے ایک تعلق ہوتا ہے جس کی بنا پر اگر وہ نیک ہو تو قبر میں ثواب ملتا ہے، اور اگر بد ہو تو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا آپ کی روح مبارک سے تعلق بہت زیادہ مضبوط اور قوی ہے، اس لیے حضور اور دیگر سارے نبی اپنی اپنی قبروں میں حیات ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری قبر پر آ کر درود پڑھے، تو وہ میں خود سنتا ہوں، اور جو دور سے پڑھے تو وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۱۸/۲)

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام" جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ رب العزت میری روح لوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۹/۲)

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور لطف کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ: ۱۴۷/۶)

لہٰذا موت کا طاری ہونا اور موت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات ہونا دونوں باتیں درست ہیں۔

تیئیسواں پارہ مکمل ہوا

پارہ نمبر ۲۴

یہ پارہ سورۂ زُمر کے بقیہ حصے، سورۂ مومن اور سورۂ حٰم السجدہ کے اکثر حصہ پر مشتمل ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

حق کی تکذیب کرنے والا سب سے بڑا ظالم ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ جو شخص اللہ ربّ العزّت پر جھوٹ باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی پوجا کا حکم دیا ہے اور حق یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائے، اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے۔ اور ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جبکہ جن لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے قرآن وفرامین کی تصدیق کی وہ متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں۔ ان لوگوں کو آخرت میں ان کی من چاہی زندگی نصیب ہوگی۔

"وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ" سے مراد جبرائیل علیہ السلام اور "وَصَدَّقَ بِهٖ" سے مراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یا "وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور "وَصَدَّقَ بِهٖ" سے مراد اہل ایمان خصوصاً صحابہ کرام مراد

ہیں۔ بعض مفسرین کرام کے نزدیک "وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور "وَصَدَّقَ بِهِ" سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے اور موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائی، آیت میں دونوں کو متقی فرمایا گیا ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ ۝

مذکورہ آیات کا شانِ نزول

کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے، ان کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ ربّ العزّت اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کافی ہیں، اور یہ جو آپ غیر اللہ سے ڈراتے ہیں یہ گمراہی ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

نیند کے وقت بھی رُوح قبض ہوتی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے ایک نمونے کو بیان فرمایا ہے، کہ جب تم سوتے ہو تو اللہ ربّ العزّت اس وقت تمہاری روح قبض کر لیتے ہیں، جیسے تمہاری موت کے وقت روح قبض کی جاتی ہے۔ لیکن موت کے وقت روح قبض کرنے میں اور نیند کے وقت روح قبض کرنے میں دو فرق ہیں:

۱۔ پہلا فرق جو اللہ ربّ العزّت نے خود قرآن میں بیان فرمادیا ہے کہ "موت" کے وقت جب روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ ربّ العزّت اسے اپنے پاس روک لیتے ہیں، وہ دوبارہ عالم دنیا میں نہیں آتی۔ لیکن "نیند" کے وقت جب روح قبض کی جاتی ہے تو وہ ایک مقرر وقت کے لیے ہوتی ہے، جب بیداری کا وقت ہوتا ہے تو روح لوٹا دی جاتی ہے۔ اسی لیے "نیند" کو "موت کی بہن" کہا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے اُمّت کو تلقین فرمائی کہ جب تم سو کر اٹھو تو کہو کہ "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانِي بَعْدَ مَا أَمَاتَنِي وَإِلَيْهِ النُّشُورُ" کہ یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تُو نے مجھے مرنے کے بعد پھر زندہ کر دیا، اور تیرے پاس ہی مجھے جانا ہے۔

۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ سوتے وقت جب روح نکالی جاتی ہے تو اس کے جسم پر تین طرح کے اثرات باقی رہتے ہیں:

۱: نبض چلتی رہتی ہے اور خون دوڑتا رہتا ہے۔

۲: کھانا ہضم ہوتا رہتا ہے۔

۴: انسان میں احساس اور شعور بھی کام کر رہا ہوتا ہے۔

لیکن جب موت ہوتی ہے تو اس صورت میں روح کا جسم سے تعلق ایک درجہ کا رہتا ہے، اس صورت میں نبض بھی نہیں چلتی، خون بھی نہیں دوڑتا، اور کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا، بس احساس کام کر رہا ہوتا ہے، اگر مرنے والا نیک ہو تو اللہ کی طرف سے جزا کا احساس ہوتا ہے اور اگر بد ہو تو سزا کا احساس ہوتا ہے، اس لیے کہ عذاب قبر یا ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے خواب دیکھا کہ اس کو کوئی شخص مار رہا ہے، یا اس کو سانپ کاٹ رہا ہے تو بدن کو تکلیف محسوس ہوتی ہے حالانکہ قریب بیٹھے لوگ اس تکلیف سے بے خبر ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں کو اس آیت کی وجہ سے مغالطہ لگ گیا، انہوں نے کہا کہ مرجانے کے بعد چونکہ روح واپس نہیں آتی اس لیے قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب، عذاب وثواب یا شہداء اور انبیاء علیہم السلام کے لیے حیات نہیں ہے۔ اس آیت کے ظاہر کا سہارا لے کر دیگر نصوص کا بالکلیہ انکار کر دیا، حالانکہ احادیث صحیحہ کثیرہ سے میت سے قبر میں سوال و جواب، قبر میں عذاب وثواب ثابت ہے۔ شہداء کی حیات قرآن کریم کی نص سے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات اقتضاء النص اور احادیث سے ثابت ہے۔ دراصل آیت سے مرنے والے کی روح کے امساک اور روکنے سے مراد عالم دنیا سے روکنا ہے، اس روح کو اللہ تعالیٰ جسم میں لوٹا کر ظاہر زندگی عطا نہیں فرمائیں گے، اصلی زندگی تو اب قیامت کے بعد ہوگی۔ قبر میں روح کا اعادہ اور سوال و جواب وغیرہ، عالم دنیا میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ عالم برزخ عالم آخرت کی تمہید ہے۔ عالم آخرت میں تو سب کے نزدیک روح کا اعادہ ہوگا۔ احادیث کی رو سے عالم برزخ میں بھی اعادہ ہوتا ہے۔ تو موت اور نیند کے اس نظام میں غور و فکر کرنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

اللہ کے ذکر کے وقت مشرکین کی حالت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کی اس حالت اور کیفیت کو بیان فرمایا جو ان کے سامنے ذکر اللہ کیے جانے کے وقت ان کی ہوتی ہے، کہ مشرک کے سامنے صرف اللہ کی توحید اور اس کی صفات کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل مرجھا جاتا ہے، اور جب غیر اللہ کا ذکر کیا جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

آج کل بھی اس طرح کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں جن کے سامنے آپ اللہ کی توحید کی بات کریں تو انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ آپ اگر کہیں کہ سجدوں کے لائق صرف ایک اللہ ہے، عبادت کے لائق صرف وہی ہے، نذر و نیاز کے لائق صرف وہی ہے، تو وہ اس بات پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں، اور جواب میں طعن و تشنیع پر اتر آتے ہیں۔ اور اگر آپ کبھی اللہ کی

توحید کے ساتھ ساتھ پیروں فقیروں کی جھوٹی تعریفیں اور ان کی من گھڑت کرامات بھی بیان کریں تو ان کی واہ واہ ختم نہیں ہوگی، بلکہ آپ کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیں گے، اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ جو کرامت بیان کی جارہی ہے وہ قرآن وسنت کے خلاف تو نہیں ہے، مثلاً ایک مولوی صاحب کی تقریر میں نے سنی، وہ حضرت پیران پیر، محبوب سبحانی، قطب ربانی، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی کرامت بیان کررہے تھے، کہ جوان کو جس دن دیکھ لیتا تھا اس دن اس کی روح نہیں نکلتی تھی، تو ایک دن ان کے پاس ایک بڑھیا اپنے بچے کو لے کر آئی، پیران پیر کی زیارت کی، لیکن اسی دن ملک الموت نے اس کے بچے کی روح قبض کرلی، تو وہ پیران پیر کے پاس شکایت لے کر آئی کہ آج تو میرے بچے نے آپ کی زیارت بھی کی تھی پھر بھی ملک الموت نے روح قبض کرلی، تو پیران پیر نے یوں ہاتھ بلند کیا، اور ملک الموت سے روحوں والی تھیلی چھینی اور اس میں جتنی روحیں تھیں وہ سب آزاد کردیں، جتنے لوگوں کی اس دن وفات ہوئی تھی وہ سب زندہ ہوگئے۔ مجمع واہ واہ کر اٹھا، نعرہ تکبیر، نعرہ رسالت اور نعرہ غوثیہ لگنے لگے، "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" حالانکہ اللہ کے نظام میں کون دخل دے سکتا ہے؟ حتیٰ کہ کسی نبی نے بھی اپنے دور میں ایسا کوئی دعویٰ یا فعل سرانجام نہیں دیا جو نظام قدرت میں یوں خلل اندازی کرے۔

"قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... الخ" کے فضائل

صحیح مسلم میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز (تہجد) کو کس چیز سے شروع فرماتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ جب تہجد کی نماز کو اٹھتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے: "اللّٰهم رب جبريل وميكائيل واسرافيل فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، اهدني لما اختلف فيه من الحق باذنك انك تهدي من تشاء الى صراط مستقيم "(صحیح مسلم: ۱/۵۳۴)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کی ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اس کو پڑھ کر آدمی جو دُعا کرتا ہے وہ قبول ہوتی ہے، پھر یہی آیت بتلائی۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبح وشام پڑھنے کے لیے یہ دُعا تلقین فرمائی تھی:

اللّٰهم فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة لا إله إلا أنت رب كل شيء ومليكه أعوذ بك من شر نفسي ومن شر الشيطان وشركه وأن أقترف على نفسي سوءا أو أجره إلى مسلم۔

(سنن الترمذی: ۵/۵۴۲)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

قرآن کی سب سے زیادہ اُمید افزا آیت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی بے پایاں رحمت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے گنہگار بندوں کو خواہ وہ کافر اور مشرک ہی ہوں، بہت زیادہ امید اور توبہ کی ترغیب دلائی ہے، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب آیتوں سے زیادہ امید افزا ہے۔ (معارف القرآن)

شانِ نزول

کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جنہوں نے بہت سے ناحق قتل کیے تھے، زنا کا ارتکاب کیا تھا، اور بہت سے بڑے گناہ کیے تھے، تو انہوں نے آکر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت اچھا لیکن فکر ہے کہ جب ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے، اب اگر مسلمان ہو بھی گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو جائے گی، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری:۱/۲۷۱)

اور یہ آیت نازل فرما کر اللہ ربّ العزّت نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے امید کی ایک کرن عطا فرما دی ہے، اور فرما دیا کہ میرے وہ بندو! جنہوں نے گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، اللہ سارے گناہوں کو بخش دیں گے، وہ بخشنے والے ہیں، رحم کرنے والے ہیں۔ لہٰذا کوئی کتنا ہی بڑا ظالم کیوں نہ ہو، کافر و مشرک کیوں نہ ہو، اسے امید نہیں توڑنی چاہیے۔ بقول شخصے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ:- واپس آجا! واپس آجا! تُو جو کوئی بھی ہے واپس آجا۔ اگر تُو کافر اور مشرک اور بت پرست بھی ہے تو واپس آجا۔ ہماری یہ درگاہ نا اُمیدی کی درگاہ نہیں ہے۔ اگر تُو سو بار بھی توبہ توڑ چکا ہے، پھر بھی واپس آجا!

توبہ کی ترغیب دلانے کے ساتھ ساتھ اللہ ربّ العزّت نے اس کی طرف رجوع کرنے اور قرآن پاک کی پیروی و اتباع کرنے کا بھی حکم فرما دیا اور ساتھ ہی تنبیہ بھی فرما دی کہ توبہ کرنے اور اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرنے میں جلدی کرو، مبادا تم تاخیر سے کام لو اور عذاب الٰہی تم کو آپہنچے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آؤ، تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی عبادت کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ میرے حبیب آپ ان سے کہ دیجیے کہ ارے جاہلو! تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہو، کہ میں اللہ کو چھوڑ کر لات، منات اور عزیٰ جیسے بتوں کا پجاری بنوں، یہ تو جہالت کی انتہا ہے۔

"توحید" جملہ انبیاء کی مشترکہ دعوت

اللہ ربّ العزّت نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل میں سے ہر ایک کو وحی کی اور انہیں شرک کے انجام سے ڈرایا اور فرمایا: "لئن اشركت ليحبطن عملك" کہ اگر آپ نے شرک کیا تو زندگی بھر کی ساری نیکیاں اور اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ تمہاری نمازیں، روزے، زکوٰۃ، حج، سب کچھ ضائع ہو جائیں گے، لہٰذا شرک ہرگز نہ کرنا۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ
الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝
وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ حَاۗفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

جنتیوں اور جہنمیوں کا انجام

سورت کے آخری رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے جہنمیوں کے جہنّم میں جانے اور جنتیوں کے جنّت میں جانے کا منظر بیان فرمایا ہے۔ پہلے جہنمیوں کا تذکرہ فرمایا:

جہنّم کی مثال جیل کی سی ہے، جیسے جیل کا پھاٹک ہوتا ہے، اسی طرح جہنّم کا بھی ایک پھاٹک ہوگا، اور کافروں کو گروہ در گروہ جہنّم کی طرف ہانکا جائے گا، جیسے جانوروں کو ہانکا جاتا ہے، پیچھے سے فرشتوں کے ڈنڈے پڑ رہے ہوں گے، جہنّم کے پھاٹک کے پاس آئیں گے، پھاٹک کھلے گا، اور سب کو جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ!

جہنّم میں داخل ہونے کے بعد وہاں کا داروغہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے، جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتے تھے، اور کیا انہوں نے تمہیں اس دن کی ملاقات سے نہیں ڈرایا تھا؟

تو وہ جواب میں کہیں گے: کیوں نہیں! رسول تو آئے تھے، لیکن ہماری بدبختی کہ ہم پر عذاب ثابت ہو گیا۔

اس کے بعد اعلان ہوگا کہ اب تم سب جہنم میں داخل ہو جاؤ، تم نے ہمیشہ ہمیشہ اب جہنم میں ہی رہنا ہے۔ (اللّٰھم انا نعوذبك من غضبك وعقابك واجرنا برحمتك من دیرانك!)۔

دوسری طرف اہل ایمان واہل تقویٰ ہوں گے، ان کو اعزاز واکرام کے ساتھ لایا جائے گا، عزّت اور پورے پروٹوکول کے ساتھ گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں لایا جائے گا، جنّت کے دروازے ان کے آنے سے پہلے ہی کھول دیے جائیں گے، وہاں کا فرشتہ ان جنتیوں کو سلامی پیش کرے گا اور کہے گا کہ بہت اچھے رہو، اور اب تم جنّت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

جنّتی کہیں گے کہ یا اللہ تیرا شکر ہے، ہم نے تیرے رسول اور تیری کتاب میں جو وعدے پڑھے اور سنے تھے، وہ سچے ثابت ہوئے، ہمیں آپ نے جنّت کا مالک بنا دیا، مزے کی زندگی ہے، جہاں چاہتے ہیں جنّت میں رہتے ہیں۔

سورت کے آخر میں اللہ رب العزت نے قیامت کے دن کا ایک اور منظر بیان کیا کہ اللہ کے فرشتے اس دن اس کے عرش کو چاروں جانب سے گھیرے ہوئے ہوں گے، اللہ ربّ العزّت اس دن جلال میں ہوں گے، ایک آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا "ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانیة" "اس دن اللہ کے فرش کو آٹھ فرشتوں نے تھاما ہوا ہوگا، اور وہ فرشتے بھی نہایت طاقتور ہوں گے، ان کی جسامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے پاؤں تحت الثری میں جبکہ ان کے کاندھے پر عرش کا پایہ ہے، تو آٹھ فرشتوں نے عرش اٹھایا ہوا ہوگا جبکہ باقی فرشتے عرش کے اردگرد ہوں گے، اور وہ مسلسل اللہ ربّ العزّت کی تسبیح بیان کر رہے ہوں گے، وہ کہہ رہے ہوں گے "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔"

اللہ ربّ العزّت اپنے عرش پر مخلوقات کے درمیان فیصلے کروائیں گے، جنّتی جنّت میں اور جہنمی جہنّم میں چلے جائیں گے، قضیہ ختم ہو جائے گا اور کہا جائے گا "الحمد للہ رب العلمین۔"

فائدہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، خلفائے راشدین کے زمانے میں اور بعد کے ایک زمانہ تک بیت اللہ میں ایک طرف جماعت ہوتی تھی، لیکن رش بہت ہونے لگا جس کی وجہ سے جگہ کی تنگی ہونے لگی، تو ایک اُموی خلیفہ نے اس آیت سے استدلال کیا اور کہا کہ روزِ محشر اللہ کے فرشتے اللہ کے عرش کے چاروں جانب ہوں گے، تو کیوں نہ ہم بیت اللہ کے چاروں طرف نماز پڑھیں، تب سے بیت اللہ میں چاروں طرف نماز شروع ہوئی، اللہ ہم سب کو بار بار حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے۔ آمین

سورت کا اِجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کے کچھ غلط

نظریات کی تردید فرمائی ہے۔ جس میں بتوں کو اللہ ربّ العزّت کے دربار میں سفارشی قرار دینا، فرشتوں کو اللہ ربّ العزّت کی اولاد قرار دینا وغیرہ شامل ہے۔

۲۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرما کر عقیدہ توحید کو ثابت فرمایا ہے اور شرک کی تردید کی ہے۔

۳۔ اس سورت میں توحید اور شرک کی نہایت خوبصورت اور جامع مثال بیان کی گئی ہے۔

۴۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے یہ مضمون بھی بیان فرمایا ہے کہ اللہ ربّ العزّت نیند کے وقت بھی روح قبض فرما لیتے ہیں، جیسے موت کے وقت روح قبض کی جاتی ہے، لیکن دونوں میں کچھ فرق ہے جو اللہ ربّ العزّت نے اس سورت میں بیان فرمایا ہے۔

۵۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار و مشرکین سمیت تمام گنہگاروں کو توبہ کی ترغیب دی ہے اور اس ضمن میں انہیں معافی کی نہایت امید دلائی ہے۔

۶۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے دن کے کچھ احوال اور جنّتی اور جہنّمی لوگوں کے جنّت و جہنّم میں داخلے کے مناظر بیان فرمائے ہیں۔

تمت سورة الزمر بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِن

”حوامیم“ کا تعارف

”آل حم یا حوامیم“ قرآن پاک کی ان سورتوں کو کہا جاتا ہے جن کے آغاز میں لفظ ”حٰمٓ“ مذکور ہو، یہ کل سات سورتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے قرآن پاک میں مذکور ہیں، ان کا آغاز ۱-اس سورت (سورۂ مومن) سے ہوتا ہے، باقی سورتوں میں ۲-سورۂ حم سجدہ، ۳-سورۂ شوریٰ، ۴-سورۂ زخرف، ۵-سورۂ دخان، ۶-سورۂ جاثیہ اور ۷-سورۂ احقاف شامل ہیں۔ ان سورتوں کے اسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو ادبی حسن ہے اس کی وجہ سے انہیں ”عروس القرآن“ یعنی قرآن کی دلہن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ان سورتوں کو ”لباب القرآن“ یعنی قرآن کا خلاصہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ ان سات سورتوں میں کچھ چیزیں مشترک ہیں:

۱- ان سب سورتوں کے شروع میں ”حٰمٓ“ ہے، اسی وجہ سے ان سورتوں کو ”حوامیم سبعہ“ کہا جاتا ہے، اور ”حٰمٓ لا ینصرون“ دشمن پر فتح کے لیے بہت موثر وظیفہ ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۹۷/۴)

۲- یہ سب سورتیں مکی ہیں۔

۳- ان سب سورتوں میں ”حم“ کے بعد قرآن کا ذکر ہے۔

۴- ان سب سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

۵- ان میں سے چار سورتوں (سورۂ فصلت، سورۂ شوریٰ، سورۂ زخرف اور سورۂ جاثیہ) میں دین کے اندر تفرقہ پھیل جانے کی صورت میں دین کے خراب ہونے کا ذکر ہے۔

۶- ان میں سے تین سورتوں (سورۂ شوریٰ، سورۂ جاثیہ اور سورۂ احقاف) میں سلسلہ نبوّت و رسالت کے بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں منتقل ہونے کا ذکر ہے۔

۷- ان میں سے پانچ سورتوں (سورۂ شوریٰ، سورۂ زُخرف، سورۂ دُخان، سورۂ جاثیہ اور سورۂ اَحقاف) میں مہلت دینے اور درگزر کرنے کا حکم ہے۔

۸- یہ جملہ سات سورتیں اُمتِ محمدیہ کو توحید اختیار کرنے، رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل اور ان کی دعوت کو بیان کر رہی ہیں۔

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن کریم کی ترتیب میں یہ چالیس (۴۰) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا ساٹھ (۶۰) نمبر ہے۔ اس کے نو (۹) رکوع اور پچاسی (۸۵) آیات ہیں۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے مشہور نام دو ہیں:

۱- سورۂ غافر: ''غافر'' کا معنی ہے معاف کرنے والا، چونکہ اس سورت کے آغاز میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اسی لیے اس کا نام ''غافر'' بھی رکھا گیا ہے۔

۲- سورۂ مومن: اس سورت میں فرعون کے خاندان کے ایک مردِ مومن کا تذکرہ کیا گیا ہے جو دوسری کسی سورت میں مذکور نہیں ہے، اس لیے اس سورت کا نام ''مومن'' رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے عبادت میں اخلاص پیدا کرنے کو بیان فرمایا تھا، اس سورت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ پکار میں بھی اخلاص پیدا کرو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو۔

گزشتہ سورت کے آغاز میں بھی صداقتِ قرآن کا بیان تھا اور اس سورت کے آغاز میں بھی یہی بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''اللہ ربّ العزّت اور اس کے دین کی جانب دعوت دینے کی اہمیت اور دعوت کے مختلف اسالیب'' کا بیان ہے، نیز دعوت میں پیش آمدہ مصائب و مشکلات اور ان مشکلات میں داعی کو معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا بیان ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوتِ حق دینے کا بیان ہے اور اس ضمن میں ان کے اسلوبِ دعوت کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۲- فرعون کے خاندان کے ایک مردِ مومن کی تبلیغ اور دعوت بھی اس سورت میں ذکر کی گئی ہے اور اس کے اسلوبِ دعوت کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اس مردِ مومن نے اپنی تقریر میں نہایت عمدہ اسلوب اختیار کیا تھا، اس نے دلیل سے بات کی، لہجہ نرم رکھا، پیار بھری ڈانٹ بھی دی، گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے تذکرے بھی سنائے، آخرت کے دن اور اللہ ربّ العزّت سے ملاقات بھی یاد دلائی اور یہ سب کر کے آخر میں اپنا معاملہ اللہ ربّ العزّت کے سپرد کر دیا۔

دراصل یہی وہ صفات ہیں جو ایک داعی کو اپنی دعوت میں کامیاب کرتی ہیں اور اسے کامیاب داعی بناتی ہیں۔

۳- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کی بندوں پر کی گئی نعمتوں کا بیان ہے تا کہ بندے ان میں غور و فکر کر کے اللہ ربّ العزّت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

حٰمٓ (1) تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (2) غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى
الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (3) مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِى
الْبِلَادِ (4) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ
وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (5) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (6) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا
وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (7) رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (8) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ
يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (9)

صداقتِ قرآن اور صفاتِ باری تعالیٰ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی صداقت کو بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد اپنی چند صفات بیان فرمائی ہیں۔

۱- ''عزیز'' وہ سب پر غالب ہیں۔

۲- ''علیم'' وہ ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔

۳- ''غافر الذنب'': وہ گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

۴- ''قابل التوب'': توبہ قبول کرنے والے ہیں۔

۵- ''شدید العقاب'': سخت عذاب والے ہیں۔

۶- ''ذی الطول'': وسعت اور طاقت والے ہیں۔

۷- ''لا إلٰہ الا ہو'': اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پہلی تین آیات کی فضیلت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص شروع دن

میں آیت الکرسی اور سورۂ مومن کی پہلی تین آیات "حٰم" سے "الیہ المصیر" تک پڑھ لے وہ اس روز ہر برائی اور تکلیف سے محفوظ رہے گا۔ (سنن ترمذی: ۵/۱۵۷)

حضرت ثابت بنانیؒ ایک تابعی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کے گردونواح میں تھا، میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز شروع کی اور اس میں سورۂ مومن کی تلاوت کرنے لگا، میں ابھی "والیہ المصیر" تک پہنچا ہی تھا کہ ایک شخص نے جو میرے پیچھے سفید خچر پر سوار تھا جس پر یمنی چادریں تھیں، مجھ سے کہا: جب "غافر الذنب" کہو تو "یاغافر الذنب اغفرلی ذنبی" اور جب "قابل التوب" پڑھو تو کہو "یاقابل التوب اقبل توبی" اور جب "شدید العقاب" پڑھو تو کہو "یاشدید العقاب لا تعاقبنی" حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے گوشۂ چشم سے دیکھا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا، فارغ ہو کر میں دروازہ پر پہنچا تو وہاں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان سے میں نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس سے گزرا ہے جس پر یمنی چادریں تھیں۔ انہوں نے کہا نہیں ہم نے تو کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کے متعلق علم ہوا جو آپ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا کہ وہ شرابی بن گیا ہے، اس کو تو شراب سے فرصت ہی نہیں ملتی، حضرت عمر رضی اللہ نے ایک خط لکھا اور اس خط میں یہ آیت لکھی، اور وہ خط ایک شخص کے حوالے کر کے اس شرابی کے پاس بھیجا، اور اسے کہا کہ یہ خط اس شرابی کو اس حال میں دینا کہ وہ نشے میں نہ ہو، خط کا مضمون یہ تھا: "من عمر بن الخطاب الی فلان بن فلان سلام علیك فانی احمد الیك الله الذی لا اله الا هو غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا اله الا هو الیه المصیر" پھر آپ نے تمام حاضرین مجلس سے فرمایا کہ سب مل کر اس کے لیے دُعا کرو، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو پھیر دے اور اس کی توبہ کو قبول فرمائے۔ جب وہ خط اس شخص کو ملا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، وہ بار بار خط میں درج کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے بھی ڈرایا گیا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے، پھر اس نے سچے دل سے شراب سے توبہ کر لی اور دوبارہ کبھی شراب نوشی کی طرف نہیں گیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو آپ بہت خوش ہوئے اور لوگوں سے فرمایا کہ ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے تو اس کو درستی پر لانے کی فکر کرو اور اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ دلاؤ اور اللہ سے اس کے لیے دُعا کرو کہ وہ توبہ کر لے، اور تم اس کے مقابلہ میں شیطان کے مددگار نہ بنو، یعنی اس کو برا بھلا کہہ کر یا غصہ دلا کر اور دین سے دور نہ کرو، کیونکہ یہ شیطان کی مدد ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

جو لوگ اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت دین کی خدمت سے منسلک ہیں ان کے لیے اس حکایت میں ایک عظیم الشان ہدایت ہے کہ جس شخص کی اصلاح مقصود ہو اس کے لیے خود بھی دُعا کریں، پھر نرم تدابیر سے اس کو درستی کی طرف لائیں، اشتعال انگیزی نہ کریں کہ اس سے اس کو نفع نہیں پہنچے گا بلکہ شیطان کی امداد ہوگی اور وہ اس کو اور زیادہ گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔ (معارف القرآن)

عرش تھامنے والے فرشتوں کی ایمان والوں اور ان کے خاندان والوں کے لیے دُعائے مغفرت

آغازِ سورت میں قرآن کریم کی صداقت بیان کر کے ترغیب وترہیب کا پہلو اختیار کیا گیا ہے اور کفار کی دولت وسرمایہ سے متاثر نہ ہونے اور پچھلی اُمتوں کی ہلاکت کے تناظر میں ان کی ناکامی کا بیان ہے، اس کے ساتھ اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا۔ نیز گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے یہ بیان فرمایا کہ اس کے فرشتے عرش کے اردگرد اس کی تسبیح کرتے ہیں، یہاں ان سے متعلق ایک اور بات بتائی گئی ہے جو ہمارے لیے خوشخبری بھی ہے، اور وہ یہ کہ یہ مقرب فرشتے یعنی عرش کو تھامنے والے فرشتے اور دیگر فرشتے اس کے عرش کے اردگرد تسبیح بھی کرتے ہیں تحمید بھی کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ وہ ایمان لانے والے اور توبہ کرنے والے کے لیے دُعائے مغفرت بھی کرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ تیرے وہ بندے جو تجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں تو انہیں بخش دے، اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے، پھر وہ مزید دُعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ تو ان کو بھی جنت دے، اور ان کے والدین کو، ان کی ازواج کو اور ان کی اولادوں کو بھی ان کے ساتھ جنت میں اکٹھا کردے۔ بشرطیکہ والدین، زوجہ اور اولاد ایمان والے ہوں۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ مومن جب جنت میں جائے گا تو اپنے باپ، بیٹے، بھائی وغیرہ کو پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں، اس کو بتلایا جائے گا کہ انہوں نے تمہارے جیسا عمل نہیں کیا اس لیے وہ یہاں نہیں پہنچ سکیں گے، تو وہ مومن کہے گا کہ میں نے جو عمل کیا تھا وہ صرف اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے اور ان کے لیے بھی کیا تھا تو حکم ہوگا کہ ان کو بھی جنت میں داخل کردو۔ (تفسیر ابن کثیر)

لہٰذا نیک بنو، نیکی پھیلاؤ، اولاد کو بھی نیک بناؤ، گھر والوں کو بھی نیک بناؤ، تو جو کمی کوتاہی ہوگی، ربّ سب کو دور فرما کر تم سب کو جنت میں اکٹھا کردیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝
قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ۝ ذَٰلِكُم
بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ
آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ۝ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ
كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ
يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝
الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ
إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ

وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۖ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

کفّار جہنّم میں اپنے جرائم کا اعتراف کریں گے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کی حالت کو بیان فرمایا کہ جب وہ جہنّم میں ڈال دیے جائیں گے تو فرشتے ان سے کہیں گے کہ دنیا میں تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی لیکن تم کفر اختیار کرتے تھے، آج اللہ ربّ العزّت تم سے ناراض ہیں، تو اس وقت کفّار اپنے سارے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور جہنّم سے نکلنے کی درخواست کریں گے، لیکن اس وقت کوئی راہ نہ ہوگی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے کچھ دلائل دیے، جس کے نتیجہ کے طور پر فرمایا "فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین" خالص اللہ کو پکارو، اس کے سوا کسی کو نہ پکارو، "ولو کرہ الکافرون" اگرچہ یہ بات کافروں کو ناگوار گزرے گی، لیکن تم نے ان کی پروانہیں کرنی۔

یہ آیت اس سورت کا جوہر اور خلاصہ ہے۔ مشکلات و مصائب میں اللہ تعالیٰ کو ہی پکارا جائے، وہی سب کی سنتا اور قبول کرتا ہے۔ آج بعض اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے جن، بھوت، فرشتے، زندہ بزرگ، مردہ بزرگ حتیٰ کہ نبی اور ولی کو پکارتے نہیں تھکتے اور بزعم خود ان کی توحید اور ایمان میں کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔ افسوس یہ ہے کہ مساجد جو اللہ تعالیٰ کا گھر اور اللہ ربّ العزّت سے مانگنے کی جگہیں ہیں وہاں بھی لکھا ہوتا ہے:

امداد کن امداد کن، از غم بندہ آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن، یا عبدا لقادر

جس کا مطلب ہے کہ: امداد کریں، امداد کریں، بندے کو غم سے آزاد کریں، دین و دُنیا میں خوش کریں، اے عبدالقادر جیلانی!

ہم مسلمان قرآن سے دُور نکل گئے ہیں، اس لیے "یا اللہ!" کہنے کی بجائے مخلوقات کو پکارتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالؔی کے بقول:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کواکب میں مانے کرشمے تو کافر — جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں — پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اِماموں کا رُتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دُعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے — نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اس کے بعد قیامت کے دن کے چند احوال بیان فرمائے ہیں کہ اس دن سب اللہ رب العزّت کے سامنے کھڑے ہوں گے، ان میں سے کوئی اللہ سے چھپا ہوا نہیں ہوگا، اس دن آواز آئے گی: ''لمن الملك اليوم'' آج کس کی بادشاہت ہے؟'' جواب آئے گا: ''لله الواحد القهار'' آج ایک اللہ کی بادشاہت ہے جو قہار ہے۔

اس دن اللہ پوچھیں گے: ''این الجبارون؟'' کہاں ہیں دنیا کے ظالم لوگ؟ ''این الملوك؟'' کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ؟ پھر اللہ خود ہی فرمائیں گے کہ آج صرف اللہ کی بادشاہت ہے جو قہار ہے۔

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ قوم کو قیامت کے اس دن سے ڈرائیں جب دل حلق تک پہنچ جائیں گے، گھٹنے زمین پر لگے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے، وہ آنکھوں کی چوری اور سینہ کے خیالات سے بھی واقف ہے۔ روزِ محشر اللہ تعالیٰ ہی فیصلے فرمائیں گے، غیر اللہ تو فیصلے نہیں کر سکتے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا
جَاءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ
الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ
أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ
الْحِسَابِ ۝ ...... وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ
وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ
دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُونَ
مَا أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا ۖ وَحَاقَ
بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا
آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ رب العزّت نے اسلوب دعوت کی وضاحت، داعی کی استقامت اور اہل ایمان کی فتح مندی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ ہم نے ان کو اپنی آیات اور نشانیاں دے کر فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا، انہوں نے آپ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا، اور آپ کی قوم پر ظلم وستم کرتے رہے، بالآخر آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا، فرعون نے کہا کہ میں موسیٰ کو قتل کروں گا، اسے کہو کہ اپنے خدا کو پکارے، سورۂ قصص میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ فرعون نے آپ کے قتل کے جواز کے لیے آپ کے ہاتھ سے نادانستہ طور پر قتل ہو جانے والے قبطی کے قتل کا بہانہ بنایا۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کے جواب میں اللہ رب العزّت سے

پناہ مانگی "وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ" کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ داعی کے ساتھ ہونے والے سلوک اور داعی کے تعلق باللہ کو اس واقعہ میں واضح کر دیا گیا۔

آلِ فرعون کے مردِ مومن کا تذکرہ

فرعون کی آل اور اس کے درباریوں میں ایک شخص تھا، جو چھپ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا، لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے اپنے ایمان کو اس وقت تک چھپا رکھا تھا، بعض مفسرین کے نزدیک یہ فرعون کا چچازاد بھائی تھا اور یہ وہی شخص تھا جس نے قبطی کے قتل کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینے کے مشورہ کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جا کر دی، اور انہیں مصر سے ہجرت کر لینے کا مشورہ دیا تھا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین تشریف لے گئے۔

اس شخص کو جب فرعون کے اس ارادے کی خبر ہوئی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس نے فرعون، اس کی کابینہ اور قوم کو تبلیغ کی، اور فرعون اور آل فرعون کو مختلف عنوانات سے حق اور ایمان کی طرف بلایا، اور ان کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رہنے کا کہا، اس کا اسلوب دعوت نہایت شاندار اور بہترین تھا جو اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں نقل فرمایا ہے۔

سب سے پہلے اس شخص نے فرعون اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ایک آدمی کو محض اس بنیاد پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے دلائل لے کر آیا ہے، فرض کرو کہ وہ جھوٹا ہے، تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا، لیکن اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو تمہیں عذاب کی دھمکیاں دیتا ہے وہ آ کر رہے گا، پھر تم بچ نہیں سکو گے۔

پھر اس نے کہا کہ اے قوم! آج تو تم زمین میں حاکم ہو، اگر خدا کا عذاب آ گیا تو ہمیں کون بچائے گا، اس لیے ہوش کرو، اور اس بندے کے قتل سے باز آ ؤ۔

فرعون نے اس کے وعظ و نصیحت کے جواب میں کہا کہ میں نے اپنی بصیرت کے مطابق تم سے بات کی ہے، میں تم سے صحیح بات کر رہا ہوں۔ اس پر وہ شخص بولا: اے میری قوم! مجھے تم پر عذاب کا خوف ہو رہا ہے، جیسے قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح اور ان کے بعد والوں پر عذاب آیا، اور مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں چیخ و پکار کا دن تم پر نہ آ پڑے، جب عذاب کی وجہ سے تم چیخ و پکار کر رہے ہو گے، لیکن کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔

سلسلہ کلام کو مزید بڑھاتے ہوئے اس شخص نے کہا کہ تمہارے پاس تو حضرت یوسف علیہ السلام بھی آئے تھے، اور جب ان کا انتقال ہوا تو تم نے کہا کہ اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا، حالانکہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیج دیا ہے، لہٰذا جھگڑو نہیں، اور حضرت موسیٰ پر ایمان لے آؤ۔

فرعون نے اس شخص کی بصیرت افروز تقریر کے جواب میں اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ ایک محل تیار کرو جس پر چڑھ

کر میں (نعوذ باللہ) موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھ لوں، مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے، یہ قصہ پہلے بھی گزر چکا ہے، بعض روایات کے مطابق اس نے وہ محل تیار کروالیا تھا لیکن فرشتے نے ایک پر مارا اور وہ سارا محل زمیں بوس ہو گیا۔

اس شخص نے اپنی تقریر کے دوران یہ بھی کہا کہ لوگو! یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، آخرت باقی رہنے والا گھر ہے، اچھے عمل کرو گے تو جنت ملے گی، برے عمل کرو گے تو سزا ملے گی، لہٰذا میری بات مان لو میں تمہیں سیدھے راستے کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔

اس شخص نے مزید کہا کہ اے میری قوم میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو، اس کے بعد اس نے اپنے ایمان کو کھول کر بیان کر دیا، اس نے کہا کہ تم مجھے کفر کرنے کی دعوت دے رہے ہو جبکہ میں تمہیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں جو عزیز اور غفار ہے، حالانکہ کفر و شرک کا نہ دنیا میں کوئی مقام ہے اور نہ آخرت میں، اور میری بات غور سے سنو، ایک وقت آئے گا جب تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی، اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

سبحان اللہ! کیا خوبصورت تقریر کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس صحابی نے، اور جرأت کی بات یہ ہے کہ فرعون کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے یہ ساری باتیں کیں، لیکن فرعون سے یہ سب برداشت نہیں ہوا، اور اس نے اس شخص کے بھی قتل کا حکم صادر کر دیا، جس پر یہ شخص کہیں پہاڑوں میں جا کر روپوش ہو گیا، اور ان کی گرفت میں نہ آ سکا۔

بالآخر موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر وہاں سے چل پڑے، فرعون نے ان کا تعاقب کیا، موسیٰ علیہ السلام دریا سے پار ہو گئے، فرعون بمع لشکر ڈوب گیا، اس طرح اللہ نے اس شخص کی بھی حفاظت فرمائی۔ اور فرعون اور اس کی آل کو عذاب میں مبتلا فرما دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح اور شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں، اور جہنم کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانا یہ ہے۔ (معارف القرآن)

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ
مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ
الْكِتَابَ ۝ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ
إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ
مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۙ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ
عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

اللہ کی مدد دُنیا اور آخرت میں اہلِ حق کے ساتھ ہوتی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے رسولوں اور اہل ایمان کے ساتھ اپنی مدد کا وعدہ کیا ہے کہ دنیا میں بھی ان کی مدد کریں گے اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا ہر قسم کی تکالیف ومصائب پر صبر کیجیے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: ”**واستغفر لذنبك**“ کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے پاک تھے، اس لیے اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اپنی اُمت کے گناہوں کی معافی مانگئے، یا اس کا مطلب ہے کہ اپنے درجات کی بلندی کی دُعا کیجیے۔ بعض اہل علم نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ اپنی چھوٹی موٹی لغزشوں کی معافی مانگیں۔ اور آپ کو یہ حکم اُمت کی تعلیم کے لیے دیا گیا ہے تا کہ اُمت اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اُمتِ محمدیہ کو دُعا کی تلقین کی اور اس دُعا کی قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا، اور جو لوگ دُعا نہیں مانگتے اور تکبر کرتے ہیں ان کے لیے عذاب کی وعید سنائی ہے کہ وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ
الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا
فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

قدرتِ خداوندی کے چند نمونے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے ہیں اور اس ضمن میں اپنی توحید کو بھی ثابت فرمایا ہے۔ چنانچہ رات اور دن کے مرتب نظام کو بیان فرمایا، زمین وآسمان کی تخلیق اور ان کی مضبوطی کو بیان فرمایا، انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل اور مختلف صورتوں میں اس کی بناوٹ کو بیان فرمایا، نیز یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا، جبکہ جن معبودان باطلہ کو تم پوجتے ہو، وہ یا تو مرے ہوئے ہیں یا مر جائیں گے، اور معبود وہ ہونا چاہیے

جسے کبھی موت نہ آئے، لہٰذا یہ اقرار کرلو کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور اخلاص کے ساتھ اسی کو پکارو۔ سورت میں دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ۝ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ
فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ۝ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ
يُسْجَرُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو
مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۝ ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا
كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ۝ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ
اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝

جہنم اور جہنمیوں کے احوال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے جہنم اور جہنمیوں کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہماری کتابوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان نہیں لائے، ان کی گردنوں میں طوق ڈالا جائے گا، انہیں زنجیروں سے باندھا جائے گا، پھر فرشتے ان زنجیروں سے انہیں گھسیٹیں گے، اور لے جا کر انہیں سخت کھولتے ہوئے پانی میں ڈبکی دیں گے، اس کے بعد جہنم میں جھونک دیں گے، پھر کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے جھوٹے خدا جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے؟، وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے دور ہو گئے، ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، پھر دوزخی مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو انہیں پکارتے ہی نہیں تھے۔ اس کے بعد انہیں مکمل دھتکار دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ کے لیے اسی جہنم میں جلتے رہیں گے۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین

جہنمیوں کے احوال بیان فرمانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ صبر کیجیے، ہم آپ کو ان کا انجام دنیا میں ہی یا آخرت میں دکھا دیں گے۔ یہی داعی کے لیے درس ہے اسے صبر سے کام لینا چاہیے، یا تو اللہ تعالیٰ کامیابیاں دنیا میں ہی ظاہر فرما دیتے ہیں یا بعد از وفات آخرت میں اس محنت کا صلہ عطا فرمائیں گے۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً
فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي
الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ
فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ
وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ

مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

زمین میں چلو پھرو، تاکہ عبرت حاصل کرسکو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمانے کے بعد زمین میں چلنے پھرنے کی دعوت دی ہے اور اس کا مقصد بھی بیان فرمادیا کہ تاکہ یہ دیکھ لو کہ تم سے پہلے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا، ان کی تباہ شدہ بستیاں آج بھی عبرت کا نشان بنی موجود ہیں، حالانکہ وہ سب طاقت، قوت، دولت، اقتدار اور ثقافت وتمدن کے لحاظ سے تم سے بڑھ کر تھے، لیکن یہ سب چیزیں انہیں عذاب سے نہ بچاسکیں، جب انہوں نے ہمارے نبی کو جھٹلایا تو اللہ کے عذاب نے انہیں آپکڑا، اور یہی قانون قدرت ہے، جھٹلانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کا مضمون بیان فرمانے کے ساتھ اپنی کچھ صفات کا بھی بیان فرمایا ہے، نیز جھٹلانے والوں کا انجام بیان فرما کر اس اُمّت کو ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲-سورت میں جابجا اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، جن سے اللہ ربّ العزّت کی وحدانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۳-سورت میں دو مقام پر زمین میں چلنے پھرنے اور ہلاک شدہ اقوام کی باقیات کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۴-حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جزوی واقعہ کی تفصیل کے بیان کے ساتھ آل فرعون کے ایک مردِ مومن کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا، اس نے اپنی قوم کو تبلیغ کی، اور مختلف پیرائیوں میں موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو بیان کیا، قوم کو نہ ماننے کی صورت میں ان کے انجام سے ڈرایا، لیکن قوم نہ مانی اور ان کو قتل کرنے کے درپے ہوگئی، جس پر وہ روپوش ہوگئے اور ان کے ہاتھوں سے بچ نکلے۔

۵-سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو دُعا مانگنے کا حکم دیا ہے، اور دُعا کی قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا ہے، جبکہ دُعا نہ مانگنے والوں کے لیے سخت وعید ذکر کی گئی ہے۔

۶-جو لوگ اللہ ربّ العزّت کی آیات اور رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، ان کا انجام اور جہنم میں ان کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ المؤمن بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن کریم کی ترتیب میں یہ اکتالیس (۴۱) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ اکسٹھ (۶۱) نمبر پر ہے۔ اس کے چھ رکوع اور چوّن (۵۴) آیات ہیں۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے مشہور نام دو ہیں:

۱۔ فُصِّلَتْ: اس سورت کو "فُصِّلَتْ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس کتاب کی آیات کھول دی گئی ہیں۔

۲۔ حٰمٓ السجدہ: اس سورت کو حٰم سجدہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ حوامیم میں یہ واحد سورت ہے جس میں آیت سجدہ ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے توحید کے دلائل، صداقت قرآن، اثبات قیامت اور اسلوب دعوت کو بیان فرمایا، ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے انجام کو بیان فرمایا، اس سورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ ربّ العزّت کی الوہیت، وحدانیت اور قدرت کے دلائل بیان کرنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اثبات اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرے انسانوں سے افضل ہونے کا بیان۔

۲۔ اللہ ربّ العزّت کی الوہیت اور وحدانیت پر کائنات کے طول وعرض میں پھیلے بے شمار دلائل قدرت کا بیان۔

۳۔ انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کی تاریخ اور ان کے انجام کا بیان۔

۴۔مشرکین کے عقائد باطلہ کا بیان اور یہ کہ انہوں نے اللہ ربّ العزّت کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کا حق تھا۔
۵۔اللہ ربّ العزّت کے احکام پر استقامت کی فضیلت اور استقامت رکھنے والوں کی صفات کا بیان
۶۔تنگی اور فراخی کے وقت انسان کے احوال کا بیان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ
بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۞

قرآن کی صداقت پر ایک عجیب شہادت

تفسیر ابن کثیر میں متعدد روایات میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں قریش اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ اپنے میں سے کسی اچھے جادوگر، نجومی اور شاعر کا انتخاب کر کے اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجو، اس شخص نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال رکھی ہے اور ہمارے درمیان اختلاف پیدا کر دیا ہے، ہمارے دین کو برا بھلا کہتا ہے، تو وہ جادوگر اس سے بات کرے اور اسے سمجھائے اور اس کا جواب لائے۔ سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ عتبہ ان اوصاف کا حامل ہے، لہٰذا اسے بھیجا جائے۔

چنانچہ عتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ بہتر ہیں یا آپ کے والد عبداللہ؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش ہو گئے، اس نے دوبارہ سوال کیا، آپ خاموش رہے، پھر وہ کہنے لگا کہ اگر آپ کے باپ دادا آپ سے بہتر ہیں تو انہوں نے انہیں معبودوں کی پوجا کی جنہیں آپ برا بھلا کہتے ہیں، اگر آپ بہتر ہیں تو پھر آپ ہم سے بات کریں تاکہ ہم آپ کی بات سنیں، آپ سے بڑھ کر ہماری قوم میں برا کوئی نہیں ہے، آپ نے ہمارے اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے، ہمیں عرب میں رسوا کر کے رکھ دیا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ قریش میں جادوگر ہے، کاہن ہے۔

آپ اگر مال کے طالب ہیں تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ عرب کے سب سے مالدار انسان بن جائیں گے، اگر شادی کی خواہش ہے تو قریش کی عورتوں کا انتخاب کریں، ہم دس خواتین کی آپ سے شادی کرا دیتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر ارشاد فرمایا کہ آپ بات کر چکے؟ عتبہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے اسی سورت کی تلاوت شروع فرمائی، جب تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے "فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ" تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہنے لگا کہ بس کریں۔ اور قریش کی طرف

جانے کے بجائے اپنے گھر چلا گیا۔ جب ابوجہل کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ عتبہ بھی محمد کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اسے یا تو محمد کا کھانا پسند آ گیا ہے یا اس کی کوئی ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ اس کے بعد وہ دیگر زعمائے قریش کو لے کر عتبہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ عتبہ! آپ ہمارے پاس واپس کیوں نہیں آئے، کیا آپ محمد کی طرف مائل ہو گئے ہیں؟ کیا انہوں نے آپ کی کوئی ضرورت پوری کر دی ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم آپ کی ضروریات کے لیے مال اکٹھا کر دیتے ہیں جس سے آپ کو محمد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس پر عتبہ کو غصہ آیا اور قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ محمد سے کبھی بات نہیں کرے گا، اور کہنے لگا کہ قسم بخدا تم سب جانتے ہو میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ میں نے محمد سے بات کی ہے، اس نے مجھے کچھ ایسا سنایا ہے جو نہ شعر ہے، نہ کہانت اور جادو ہے اور اس نے مجھے عذاب کی وعید سنائی ہے، جس پر میں نے اس کو رشتہ داری کا واسطہ دے کر روک دیا۔ اور تم جانتے ہو کہ محمد جھوٹ نہیں بولتے، مجھے تو ڈر لگا کہ کہیں تم پر عذاب ہی نہ آ جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی

اس سورت میں بھی اللہ رب العزت نے "حٰمٓ" کے بعد قرآن مجید کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے اس کی آیات کھول کھول کر بیان کر دی ہیں، تاکہ وہ ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب کی وعید سنا کر ڈرا سکے، لیکن اس کے باوجود قریش عرب نے (کہ وہی قرآن کے پہلے مخاطب ہیں کیونکہ انہی کے سامنے قرآن مجید نازل ہوا) قرآن کی طرف توجہ نہ کی، بلکہ ہٹ دھرمی اور ضد وعناد کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہمارے دل پردے میں ہیں، ہمارے کان بند ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان دوہرے پردے ہیں، اس لیے ہم پر تمہاری باتوں کا اثر نہیں ہوتا، سو آپ اپنا کام کریں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک انسان اگر مسلسل گمراہی کی راہوں پر چلتا رہے، گمراہی کے اسباب اختیار کرتا رہے تو اللہ رب العزت اس کے دل پر قبول حق کے دروازے بند کر دیتے ہیں، اور ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتے ہیں، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ ایمان لانے پر قادر نہیں ہو سکتے۔

کفار کا بے جا مطالبہ اور اس کا جواب

کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آسمان سے کوئی کتاب لے آؤ، مکہ میں باغات لگا دو، اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میرے نبی آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تم میں سے ایک بشر ہوں، اگرچہ تمہاری طرح کا بشر نہیں ہوں کیونکہ مجھ پر وحی آتی ہے، میرے پاس تمہارے لیے بھی پیغام ہے کہ تمہارا معبود فقط ایک ہی ہے، اسی کی طرف متوجہ رہو، اسی سے استغفار کرو۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ
فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى

إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۚ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝١١ فَقَضَاهُنَّ
سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ
تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝١٢

قدرتِ باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان فرمائے ہیں، اور مشرکین سے شرک کرنے پر شکوہ فرمایا ہے کہ جو پروردگار اتنی قدرتوں کا مالک ہو اس کے ساتھ کسی کو کس طرح شریک کیا جاسکتا ہے؟ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے صرف دو دنوں میں یہ پوری زمین بنائی، پھر اس نے اس میں پہاڑ اور برکتیں اور روزی رکھ دی، نباتات اگا دیے، نہریں چلا دیں، اس کے اندر پانی رکھ دیا، سونا اور چاندی کے ذخائر رکھ دیے، اور یہ سارا کام صرف چار دن میں ہوا۔

پھر اس نے دو دن میں آسمان بنایا، آسمان دھویں کی شکل میں تھا، اللہ نے اس کو موجودہ شکل میں کر دیا، اس کے بعد اللہ نے آسمان و زمین دونوں سے پوچھا کہ تم میرے تکوینی حکم کو خوش ہو کر مانتے ہو یا ناخوش ہو کر، دونوں نے کہا کہ ہم خوش ہو کر آپ کے حکم پر راضی ہیں، تو دو دن میں اللہ نے ساتوں آسمان بنا دیے، اور پھر ہر آسمان میں اپنا امر نافذ کر دیا، پھر اس نے پہلے آسمان پر ستارے، چاند اور سورج لگا دیے، فرمایا یہی اللہ عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝١٣ إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ
وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝١٤
فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ
هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝١٥ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ
لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝١٦ وَأَمَّا ثَمُودُ
فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝١٧
وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝١٨

پیغامِ الٰہی نہ ماننے والوں کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جنہوں نے اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے دلائل دیکھنے کے باوجود راہِ حق کو اختیار نہ کیا اور اللہ ربّ العزّت کے پیغام کو ماننے سے انکار کر دیا تو فرمایا کہ اگر تم نہیں مانتے تو میں تمہیں ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسے قوم عاد و ثمود پر عذاب آیا۔

قوم عاد نے جب حق قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر تند و تیز ہوا بھیجی گئی جو تقریباً آٹھ دن سات راتوں تک چلتی رہی، جس سے ساری عمارات گر گئیں اور ساری قوم تباہ ہو گئی۔

قوم ثمود کو بھی اللہ ربّ العزّت نے سیدھی راہ دکھائی لیکن انہوں نے گمراہی کو چنا، چنانچہ ایک فرشتے نے ان پر چیخ ماری، اور وہ سب بھی ہلاک ہو گئے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ
وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ
شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا
أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي
ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝ فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا
فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ۝ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝

روزِ محشر انسانی اعضا گواہی دیں گے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کی رسوائی اور بے بسی کا منظر بیان فرمایا ہے کہ روزِ محشر اللہ کے یہ دشمن گروہوں کی شکل میں لائے جائیں گے، یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، اور اپنے گناہوں کا انکار کریں گے، اللہ ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے اعضا بولیں گے، ان کے ہاتھ، پاؤں اور چمڑے بولیں گے، اور اس شخص کے خلاف گواہی دیں گے، ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضا اپنے سے ہونے والے جرائم کا اقرار کریں گے، بقول شخصے:

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

یہ اپنے اعضا سے کہے گا کہ میں تمہیں ہی بچانے کے لیے یہ سب کر رہا تھا، تو تم نے میرے خلاف کیوں گواہی دی، وہ کہیں گے کہ ہمیں اللہ ربّ العزّت کی قدرت سے زبان ملی ہے، وہی ہمارا خالق ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تو اس سے غلط بیانی کیسے کی جا سکتی ہے جبکہ وہ پہلے سے ہر چیز پر عالم ہے۔ بہر حال اعضا کی گواہی کے بعد ان سب کو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا، جہاں ان کی چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں ہو گا اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی، بلکہ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
عَذَابًا شَدِيدًا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا دَارُ
الْخُلْدِ ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ
نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝

کفّار کی اِسلام مخالف چالیں

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے کفّار کی مخالفت اسلام کو بیان فرمایا ہے، اور اس ضمن میں ان کی ایک چال بھی بیان فرمائی ہے جس کو لوگوں کو دین سے روکنے کے لیے وہ اپناتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن پڑھیں تو شور مچاؤ، تا کہ تم جیت جاؤ۔ یہی طریقہ کار اور وطیرہ ہر دور میں کافروں اور منافقوں کا رہا ہے کہ ہدایت سے روکنے کے لیے لوگوں کو قرآن سے روکتے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن پڑھتے تھے تو یہ کافر لوگ سیٹیاں بجاتے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر میں اللہ رَبّ العزّت نے ایسی تاثیر رکھی تھی کہ جو بھی سنتا وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ پاتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب تلاوت فرماتے تھے تو لوگوں کی چیخیں نکل جاتی تھیں، عورتیں، بچے اور غلام جمع ہو جاتے تھے، بیویاں شوہروں سے پوچھے بغیر کلمہ پڑھ لیتی تھیں، اس لیے وہ شور کیا کرتے تھے، تا کہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

اللہ رَبّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہم ان کافروں کو سخت عذاب چکھائیں گے، اور ان کو ان کے اس عمل کا سخت بدلہ دیں گے۔

اِستقامت کی فضیلت

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے استقامت والوں اور دین پر جمنے والوں کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ ان کے لیے بہت بڑی خوش خبری بھی سنائی ہے، فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور پھر اس پر جم گئے، ان کی موت کے وقت ان کے پاس فرشتے آ کر خوشخبری سناتے ہیں کہ تم نہ کسی قسم کا خوف کرو اور نہ غم کرو، تمہیں جنّت مبارک ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اس آیت میں ایمان پر استقامت رکھنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے استقامت کی یہ تعریف منقول ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے تمام اوامر، نواہی اور احکام پر سیدھے جمے رہیں، اور اس سے ادھر ادھر لومڑیوں کی طرح راہِ فرار نہ نکالیں۔ (تفسیر معارف القرآن بحوالہ مظہری)

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ استقامت ایک مختصر لفظ ہے لیکن تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے، جس میں تمام احکامِ الٰہیہ پر عمل اور تمام حرام کردہ امور سے اجتناب شامل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ ایک صحابی حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ یا

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اسلام کی ایک جامع بات بتلا دیجیے جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ نہ پوچھنا پڑے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "قل آمنت بالله ثم استقم " یعنی تم اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کرو پھر اس پر مضبوطی سے جمے رہو اور اس کے تقاضوں کے مطابق اعمال صالحہ بھی سرانجام دیتے رہو۔ (سنن نسائی: ۶/ ۴۵۸)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا
السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

سب سے اَحسن کلام "دعوتِ حق" کا کلام ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے تبلیغ اور دعوت دین و دعوت الی اللہ کی فضیلت اور اس کا ایک اہم اصول بیان فرمایا ہے، چنانچہ سب سے پہلے فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی طرف دعوت دینے والے شخص کا کلام سب سے اچھا کلام ہے، اس سے اچھا کلام کس کا ہوسکتا ہے۔ اس میں دعوت الی اللہ کی سب صورتیں داخل ہیں، زبان سے، تحریر سے یا کسی اور عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے۔

پھر چونکہ جب تبلیغ کی جاتی ہے تو لوگوں کی طعن و تشنیع اور گالم گلوچ کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، تو اسی لیے فرمایا کہ تم گالیوں کا جواب گالیوں سے نہ دو، کیونکہ نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتے، نیکی اپنے اچھے اثرات چھوڑتی ہے، برائی اپنے برے اثرات چھوڑتی ہے، نیکی، نیکی کو کھینچ کر لاتی ہے اور بدی، بدی کو کھینچ کر لاتی ہے، لہٰذا تم درگزر اور معاف کرو، اور احسن انداز میں جواب دو، اس طرز پر تبلیغ کرنے کا اثر یہ ہوگا کہ جو شخص تمہارا دشمن بنا ہوا ہے، کل کو وہی تمہارا دوست بن کر ہدایت پر آجائے گا، لیکن چونکہ یہ کام بہت حوصلہ والا ہے اس لیے یہ کام وہی کریں گے جو صبر والے اور حوصلے والے ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝
لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ
لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا
فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ
وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝

''اِلحاد'' کفر کی ایک قسم ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایسے افراد کا ذکر کیا ہے جو الحاد کرتے ہیں، الحاد سے مراد یہ ہے کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان و تصدیق کا دعویٰ کرے لیکن ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن وسنّت کی نصوص اور جمہور اُمّت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے۔ مثال کے طور پر اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ''السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما'' یعنی جو شخص چوری کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اب بعض نام نہاد محقق جو دراصل ملحد ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں چور سے مراد سرمایہ دار ہے، اور آیت میں ہاتھ کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دار کا مال چھین لو، اور یہ مطلب نصوصِ قرآنی اور جمہور اُمّت کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح قرآن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خاتم النبیین'' کہا گیا ہے، تو قادیانی کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنادیں وہ بھی نبی ہے، جبکہ اس آیت کا یہ مطلب جمہور اُمّت میں سے کسی نے بیان نہیں کیا اور نہ ہی یہ مطلب قرآن وحدیث کی دوسری نصوص کے مطابق ہے، تو آیاتِ قرآنیہ کی اس طرح کی تفسیر کرنا اور ان کا من چاہا مطلب بیان کرنا الحاد کہلاتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ جو لوگ الحاد کرتے ہیں، وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور وہ امن سے نہیں رہیں گے۔

قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ ربّ العزّت نے لیا ہے

پھر اللہ ربّ العزّت نے قرآن پاک کے بارے میں فرمایا کہ باطل نہ اس قرآن کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، کیونکہ یہ اللہ ربّ العزّت کا کلام ہے، اس کی طرف سے نازل شدہ ہے، اور اسی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

اور قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں بھیجتے تو قریش عرب جو قرآن کے پہلے مخاطب ہیں ان کو یہ شکایت ہوتی کہ یہ کتاب ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور تعجب سے کہتے کہ نبی تو عربی ہے اور کتاب عجمی ہے جو فصیح نہیں، لہٰذا یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، اس لیے عربی میں ہی قرآن نازل فرمایا۔

قرآن کی فضیلت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی فضیلت بیان فرمائی کہ قرآن پاک اہل ایمان کے لیے ذریعہ ہدایت اور روحانی وجسمانی امراض سے شفایابی کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ قرآن کے منکر ہیں دراصل وہ بہرے اور اندھے ہیں، اس لیے قرآن پاک سنتے اور دیکھتے ہی نہیں۔

پارہ نمبر ۲۵

یہ پارہ سورۂ حٰم السجدہ کے بقیہ حصے، سورۂ شوریٰ، سورۂ زخرف، سورۂ دخان اور سورۂ جاثیہ پر مشتمل ہے۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ
وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ۝ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ
قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ۝ لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝
وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ
اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ۝ وَاِذَاۤ
اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۝ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى
یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ
اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۝

کامل علم صرف اللہ رَبّ العزّت کے پاس ہے!

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے علم کے کمال کو بیان فرمایا ہے کہ ہر چیز کا علم اللہ رَبّ العزّت کے پاس ہے، لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ تو اس کا علم بھی صرف اسی کے پاس ہے، اس کے علاوہ جو پھل بھی اپنے خول سے نکلتا ہے، یا مادہ حاملہ ہوتی ہے یا حمل جنتی ہے ان سب کا علم اللہ رَبّ العزّت کے پاس ہے۔

توحید اور ایمان سے بے بہرہ شخص حریص بھی ہوتا ہے اور نا اُمید بھی

جو شخص توحید اور ایمان سے بے بہرہ ہو تو اس کے اخلاق و اعمال کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کسی حالت میں یعنی فراخی ہو یا تنگی اس کا دل نہیں بھرتا جو انتہائی حرص کی علامت ہے۔ اور اگر اس کو کچھ تکلیف پہنچ جائے تو نا امید اور مایوس ہو جاتا ہے جو انتہائی ناشکری اور اللہ تعالیٰ سے بدگمانی کی علامت ہے، اور جب تنگی دور ہو جائے تو اسے اللہ رَبّ العزّت کی مہربانی نہیں سمجھتا بلکہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے ملنا ہی تھا، یہ میری محنت اور ذہانت کا نتیجہ ہے، اس میں انتہائی ناشکری اور تکبّر ہے۔ اور اس تکبّر میں وہ قیامت تک کا انکار کر دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اوّل تو قیامت آئے گی ہی نہیں، اور اگر بالفرض آ بھی گئی تو میرے لیے وہاں بھی بہتری ہی ہوگی، کیونکہ میں اسی کا مستحق ہوں۔ حالانکہ یہ محض دھوکا ہے۔ اسے قیامت میں سخت عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔

قدرتِ خداوندی کی نشانیاں حق ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ مکہ کے ان کافروں کو ہم عنقریب اس جہانِ رنگ و بو میں بھی اور

خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھا دیں گے، جس سے انہیں یقین ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں، اور اللہ ربّ العزّت نے انہیں وہ نشانیاں بدر میں دکھا دیں، جب یہ قتل ہوئے اور انہوں نے فرشتوں کو اُترتے دیکھا تو جان گئے کہ حضور سچے نبی ہیں، اور پھر پورے عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہو گئی، مکہ بھی فتح ہو گیا، عرب کے یہودی بھی شکست کھا گئے، تو اللہ نے یہ نشانیاں دکھا کر ثابت کر دیا کہ دین سچا ہے، توحید کا عقیدہ سچا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کا مضمون بیان فرما کر کفّار کی ہٹ دھرمی اور ضد و عناد کو بیان فرمایا، اور انہیں ان کے انجام بد کی وعید سنائی۔

۲- آیات قدرت، آسمان و زمین کی تخلیق اور ان دونوں کا بطوع و رغبت اللہ ربّ العزّت کے احکام کی اطاعت کرنے کو بیان فرما کر کفّار کو تنبیہ کی کہ اگر تم اب بھی نہ مانے تو تم پر قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح عذاب نازل ہو گا۔

۳- اس سورت میں کفّار اور مجرمین کی بے بسی اور رسوائی کو بھی بیان فرمایا۔ روز قیامت جب سب لوگ اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو کوئی بھی اللہ ربّ العزّت کے سامنے اپنے گناہوں سے انکار نہیں کر سکے گا، کیونکہ اگر کوئی زبان سے انکار کر بھی دے تو اس کے اعضا ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

۴- کفّار کی ضد اور عناد کو بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے ان کے حیلے بیان کیے، کہ وہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے تھے تا کہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل نہ ہو سکیں۔

۵- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ایمان اور استقامت کی فضیلت بیان فرمائی، اور استقامت والوں کو جنّت کی بشارت بھی سنائی۔

۶- اس سورت میں دعوت الی اللہ اور دعوت الی الدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس ضمن میں داعی کے لیے دعوت کے کچھ اُصول بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۷- سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کی فطرت بیان فرما کر اس سے شکوہ کیا ہے کہ جب اس کو کوئی نعمت مل جائے تو ناشکری کرتے ہوئے اسے اپنی محنت کا پھل قرار دیتا ہے اور جب اس پر کوئی تنگی آئے تو نا امید، مایوس اور اللہ ربّ العزّت سے بدگمان ہو جاتا ہے۔

تمت سورۃ حٰم السجدۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں یہ سورت بیالیس (۴۲) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا باسٹھ (۶۲) نمبر ہے، اس کے پانچ رُکوع اور ترپن (۵۳) آیات ہیں۔

سورت کے نام اور وجہِ تسمیہ

۱۔ شوریٰ: اس سورت کا نام "سورة الشوریٰ" اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں اہل ایمان کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں ان میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ اہل ایمان کے باہمی معاملات مشورے سے طے ہوتے ہیں، "شوریٰ" کا معنی مشورہ ہے، جو اسلامی حکومت کا اہم ستون ہوتا ہے، کیونکہ اسلامی حکومت کا نظام شورائی طرز پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام "سورة الشوریٰ" رکھا گیا ہے۔

۲۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ: اس سورت کا نام "سورہ حٰم عسق" اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت کا آغاز اللہ رَبّ العزّت نے انہیں کلمات مبارکہ سے فرمایا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں توحید باری تعالیٰ، صداقت قرآن اور اثبات قیامت کا ذکر تھا، اس سورت میں بھی یہی مضامین مذکور ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت میں وحدتِ اُمّت اور تمام کاموں میں مشورہ کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے کہ یہ اُمّت وحدت اور اتحاد کا مظاہرہ کرے اور باہمی مشورے سے تمام معاملات سرانجام دے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ رُوئے ارض کا مرکز ہے۔

۲۔حسد اور ظلم ہلاکت اور تفرقہ کا باعث ہیں۔

۳۔اچھی نیت اور آخرت کی امید رکھنے کی فضیلت اس سورت میں بیان کی گئی ہے۔

۴۔گناہ تکلیف اور مصیبتوں کا باعث بنتے ہیں۔

۵۔وحی الٰہی کی اقسام بھی اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔

۶۔اس سورت میں ان مومنین کی صفات کا بھی ذکر ہے جو اللہ ربّ العزّت کے دین کے قیام اور بقاء کا ارادہ رکھتے ہیں، اس ضمن میں ان کی درج ذیل صفات ذکر کی گئی ہیں:

۱۔عقیدے کی درستگی۔

۲۔گناہوں سے اجتناب۔

۳۔پاکیزہ اخلاق بالخصوص درگزر کر دینے والی صفت سے متصف ہونا۔

۴۔اللہ ربّ العزّت کے احکامات پر استقامت۔

۵۔حقوق اللہ (نماز) اور حقوق العباد (زکوٰۃ) کی ادائیگی کا التزام کرنا۔

۶۔باہمی امور کا مشورہ کے ساتھ طے کرنا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ⑥ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ⑧ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑨

اللہ ربّ العزّت کے رُعب وجلال سے آسمان کانپتا ہے

''حٰمٓ عٓسٓقٓ'' یہ حروف مقطعات ہیں، جن کا مفہوم اللہ ربّ العزّت ہی جانتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کو بیان فرمایا ہے کہ یہ قرآن اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل کردہ ہے جو غالب ہے، حکمتوں والا ہے اور آسمان وزمین کا مالک ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ فرشتوں کی کثرت اور ان کے بوجھ سے اور اللہ ربّ العزّت کے رعب وجلال کی وجہ سے یوں

لگتا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا، کیونکہ فرشتے آسمان میں بہت کثرت سے ہیں، حدیث مبارکہ میں ہے کہ "آسمان چر چراتا ہے، اور اسے حق ہے کہ وہ چر چرائے، کیونکہ آسمان میں چار انگلیوں کے برابر بھی کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اللہ کے سامنے سجدہ میں نہ جھکا ہوا ہو" (سنن الترمذی: ۵۵۶ / ۴) اور وہ فرشتے اللہ رَبّ العزّت کی تسبیح اور تحمید کرتے ہیں، اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں، اہل زمین کے لیے استغفار کرنے کے دو مطلب ہیں:

۱- اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ہم میں سے جو اہل ایمان ہیں ان کے لئے فرشتے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سورت میں بھی اس کا ذکر آیا تھا کہ اللہ کے عرش کے اردگرد جو فرشتے ہیں وہ تسبیح وحمد کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

۲- بعض مفسرین نے فرمایا یہاں "من فی الارض" سے مراد روئے ارض کے سب لوگ ہیں اور یہ فرشتے عرش والے نہیں، عرش والوں کے علاوہ آسمان کے دیگر فرشتے ہیں اور یہ پوری زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، اور استغفار سے مراد یہ ہے کہ زمین والوں کے لیے رزق کی دُعا مانگتے ہیں۔

مکہ مکرمہ رُوئے ارض کا مرکز ہے

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل کرنے کی غرض بیان فرمائی اور اسی ضمن میں مکہ مکرمہ کی فضیلت اور شان بھی بیان فرمادی کہ اے میرے حبیب! جس طرح تم سے پہلے انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی، اسی طرح آپ پر بھی ہم نے یہ قرآن نازل فرمایا جو عربی زبان میں ہے تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو یعنی مشرق ومغرب سمیت تمام اطراف عالم والوں کو اللہ رَبّ العزّت کے احکام اور اس کے عذابوں سے اور قیامت کے دن سے آگاہ کردیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پوری دنیا کے لیے ہے۔

اس آیت میں مکہ مکرمہ کو "اُمّ القریٰ" کہا گیا ہے جس کا مطلب ہے: "وہ بستی جو تمام بستیوں کی اصل اور مرکز ہو۔" مکہ مکرمہ کو "اُمّ القریٰ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل اور بہتر ہے اور دنیا کے تمام شہروں کا مرکز بھی ہے، مکہ مکرمہ کو اللہ رَبّ العزّت نے بہت عزت اور مقام بخشا ہے، اور اس کی بہت سی فضیلتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شہر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> اے مکہ! قسم ہے اللہ رَبّ العزّت کی، تو اللہ کی ساری زمین سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب اور افضل ہے، اگر میں تجھ سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ (سنن ترمذی: ۷۲۲/ ۵)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ

ويقدر ۚ انه بكل شيء عليم ﴿١٢﴾ شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي اوحينا اليك وما
وصينا به ابرهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه ۚ كبر على المشركين ما
تدعوهم اليه ۚ الله يجتبي اليه من يشاء ويهدي اليه من ينيب ﴿١٣﴾ وما تفرقوا الا من بعد ما جاءهم
العلم بغيا بينهم ۚ ولولا كلمة سبقت من ربك الى اجل مسمى لقضي بينهم ۚ وان الذين اورثوا
الكتب من بعدهم لفي شك منه مريب ﴿١٤﴾ فلذلك فادع ۚ واستقم كما امرت ۚ ولا تتبع
اهواءهم ۚ وقل امنت بما انزل الله من كتب ۚ وامرت لاعدل بينكم ۚ الله ربنا وربكم ۚ لنا
اعمالنا ولكم اعمالكم ۚ لا حجة بيننا وبينكم ۚ الله يجمع بيننا ۚ واليه المصير ﴿١٥﴾ والذين يحاجون
في الله من بعد ما استجيب له حجتهم داحضة عند ربهم وعليهم غضب ولهم عذاب شديد ﴿١٦﴾ الله
الذي انزل الكتب بالحق والميزان ۚ وما يدريك لعل الساعة قريب ﴿١٧﴾ يستعجل بها الذين لا
يؤمنون بها ۚ والذين امنوا مشفقون منها ۚ ويعلمون انها الحق ۚ الا ان الذين يمارون في الساعة لفي
ضلل بعيد ﴿١٨﴾ الله لطيف بعباده يرزق من يشاء ۚ وهو القوي العزيز ﴿١٩﴾

اگر آپس میں اختلاف ہو جائے تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دو!

ان آیات میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ رب العزت پر چھوڑ دو، کیونکہ اصل حکم صرف اللہ رب العزت کی ذات کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

''ان الحکم الا للہ'' فیصلہ صرف اللہ رب العزت کا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے عقائد اور اخلاقیات ایک ہی تھے

اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو بھی وہ دین دیا ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک اور متفق علیہ ہے، آیت میں انبیائے کرام علیہم السلام میں سے پانچ (حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر فرمایا، ان پانچوں انبیائے کرام علیہم السلام کا شمار اولوالعزم انبیاء میں ہوتا ہے۔ ان انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام اور سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۷ میں بھی انہیں پانچ پیغمبروں کا یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

واذ اخذنا من النبين ميثاقهم ومنك ومن نوح وابرهيم وموسى وعيسى ابن مريم ۚ واخذنا
منهم ميثاقا غليظا ﴿٧﴾ (الاحزاب)

تو اللہ رب العزت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا کہ وہ دین جس میں سب انبیاء علیہم السلام مشترک اور متحد ہیں اس دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف اور تفرقہ نہ ڈالو، دین سے مراد اصول اور عقائد یعنی توحید، رسالت، آخرت پر

ایمان وغیرہ ہیں، اسی طرح چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ، فریب، دوسروں کو بلاوجہ ایذاء دینے اور عہد شکنی کی حرمت وغیرہ جیسے احکام ہیں جو سب ادیانِ سماویہ میں مشترک چلے آرہے ہیں، جبکہ بعض فروعی احکامات میں انبیاء کی شریعتوں کے درمیان جزوی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے:

وَالْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ لِعَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ. (صحیح البخاری،ص:۳۵۳)

ترجمہ:-انبیاء باپ شریک بھائی ہیں، ان کی مائیں الگ الگ ہیں جبکہ ان کا دین ایک ہے۔یعنی سب انبیاء توحید کے قائل ہیں لیکن ہر نبی کی شریعت اور فروعی احکام جدا جدا ہیں۔

سورۂ مائدہ میں اللہ ربّ العزّت نے یہی مضمون بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا'' (المائدۃ:۴۸) یعنی ہم نے ہر اُمّت کے لیے الگ شریعت اور الگ راستہ مقرر کیا ہے۔

ایک آیت......دس اَحکام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۗ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے اور ہر جملہ خاص احکام پر مشتمل ہے، اس کی نظیر پورے قرآن میں ایک آیۃ الکرسی کے علاوہ کوئی نہیں۔ذیل میں ان دس احکام کی مختصر وضاحت درج کی جاتی ہے:

۱-فلذلك فادع: آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلا حکم یہ دیا گیا کہ اگرچہ مشرکین پر آپ کی دعوت توحید گراں گزرتی ہے مگر اس کی وجہ سے آپ اپنی دعوت نہ چھوڑیں، بلکہ انہیں جملہ انبیاء علیہم السلام کے مشترکہ عقیدہ کی دعوت دیتے رہیں۔

۲-واستقم کما امرت: آپ اس دین پر استقامت اختیار کریں جس کی دعوت لوگوں کو دیتے ہیں اور یہ استقامت ایسی ہونی چاہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے یعنی تمام احکام عقائد، اعمال، اخلاق و عادات اور معاشرت میں اعتدال پر رہیں، کسی طرف افراط وتفریط کا ادنیٰ میلان نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے دشوار حکم استقامت کا ہی تھا، کیونکہ جیسی استقامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلوب تھی وہ کوئی آسان کام نہیں تھا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کے سفید بال آجانے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''شیبتنی ھود'' مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا، سورۂ ہود میں بھی یہی حکم انہی الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔(معارف القرآن: ج۴،ص:۶۷۰) بعض مفسرین کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر اس حکم استقامت نے توڑ کر رکھ دی تھی۔جس کا ذکر سورۃ الم نشرح میں یوں کیا گیا ہے ''الذی انقض ظھرك''۔

۳-ولا تتبع اھواءھم: آپ اپنے فریضہ تبلیغ میں کسی مخالف کی پروا نہ کریں۔

۴-قل آمنت بما انزل اللہ من کتاب: آپ اعلان فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، میرا ان سب پر ایمان ہے۔

۵-امرت لاعدل بینکم: میرے پاس جو معاملات باہمی جھگڑوں کے آئیں ان کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان میں عدل وانصاف سے کام لوں۔

۶-اللہ ربنا وربکم: یعنی اللہ ہم سب کا پالنے والا ہے، اس کی ربوبیت کا اقرار کریں

۷-لنا اعمالنا ولکم اعمالکم: ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے، تمہیں اس سے کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچے گا اور تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے ہمیں اس سے کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچے گا۔

۸-لا حجۃ بیننا وبینکم: حجت سے مراد بحث ومباحثہ ہے، مراد یہ ہے کہ حق واضح ہوجانے کے بعد بھی اگر تم (کفارِ مکہ) عناد سے کام لیتے ہو تو اب گفتگو فضول ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان اب کوئی بحث نہیں۔ یہ حکم جہاد سے قبل تھا۔ حکم جہاد آجانے کے بعد ایسے احکام منسوخ ہوگئے۔ اب منکرین توحید کے لیے شروط وقیود کے ساتھ جہاد کا حکم ہے۔

۹-اللہ یجمع بیننا: قیامت کے روز اللہ ربّ العزّت ہم سب کو جمع فرمائیں گے اور ہر ایک عمل کا بدلہ دیں گے۔

۱۰-الیہ المصیر: ہم سب کو اللہ ربّ العزّت کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

رِزق میں وسعت کا مجرّب قرآنی نسخہ

اس رُکوع کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: ”اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝“ کہ اللہ ربّ العزّت اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، وہ جسے چاہتے ہیں خاص رزق عطا فرماتے ہیں، وہ طاقتور اور غالب ہیں۔

یہ سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۹ ہے۔ ہمارے بزرگوں کا اس آیت کے بارے میں تجربہ ہے کہ کوئی شخص اگر فرض نماز کے بعد ستر مرتبہ اس آیت کو پڑھ لے تو اللہ ربّ العزّت اس کے رزق میں برکت عطا فرمائیں گے اور اس کے رزق میں وسعت ہوجائے گی۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ
الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا
وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ
اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

شَكُوْرٌ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

اللہ ربّ العزّت اِنسان کو اس کے اِرادے پر ہی چلاتے ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ہم ہر ایک سے اس کے ارادے کے مطابق پیش آتے ہیں، اگر کوئی شخص آخرت کا طالب ہو اور آخرت کے لیے کھیتی بوئے یعنی نیک اعمال کرے تو ہم اس کی کھیتی کو پھل لگاتے ہیں اور اس کی کھیتی میں اضافہ فرما دیتے ہیں، یعنی اس کے اعمال صالحہ کا دُگنا اجر عطا فرماتے ہیں، اور اگر کوئی شخص دنیا کا طالب ہو یعنی سارے اعمال کا مقصد دنیا کا نفع اور ساز وسامان کا حصول ہو، آخرت کے لیے کوئی کوشش نہ کرے تو ہم اس کو کچھ دنیا دے دیتے ہیں، لیکن آخرت میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ آخرت کی کھیتی کا طالب مسلمان جبکہ محض دنیا کا طالب کافر ہوتا ہے، کافر کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفّار اور مومنین کے انجام کو بیان فرمایا کہ کفّار اور مشرکین کو آپ بروزِ قیامت دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے، جبکہ وہ وبال ان پر ضرور پڑے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ مومن ہوں گے ان کے لیے جنّت کے باغات اور من چاہی نعمتیں ہوں گی۔

داعی کا اِخلاص

مومنین کا انجام خیر بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے حبیب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کروایا کہ اے میرے حبیب! آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں جو تمہیں دین کی دعوت دیتا ہوں اس پر تم سے کوئی اجرت اور فیس نہیں مانگتا، میں بس اتنا کہتا ہوں کہ میں تمہارا رشتہ دار بھی ہوں، میری اور تمہاری قرابت بھی ہے، اور اس قرابت کے ناطے میرے تم پر کچھ حقوق ہیں، سو اگر تم میری نبوّت کا اقرار نہیں کرتے تو کم از کم میری رشتہ داری کا حق تو ادا کر دو، اور میرے ساتھ اس برے سلوک اور رویے سے باز آ جاؤ۔ دین کے داعی کو اس طرح کا اخلاص اختیار کرنا چاہیے کہ دین کی دعوت بغیر معاوضہ اور بغیر کسی دنیوی لالچ وحرص کے دی جائے۔ ایسی دعوت ہی پُر تاثیر اور مفید ہوتی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین اسی اخلاص سے دعوتِ دین دیتے رہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۝ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۝ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ۝

ترغیب وطریق توبہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے بندوں کو توبہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور خوشخبری دی کہ میں تمہاری توبہ قبول کروں گا اور تمہارے گناہ بخش دوں گا۔

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ توبہ کے صحیح اور معتبر ہونے کے لیے تین شرائط ہیں اور وہی توبہ کی حقیقت ہے:

۱۔ جس گناہ میں مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کر دے۔

۲۔ ماضی میں جو گناہ ہوا اس پر نادم اور شرمندہ ہو۔

۳۔ آئندہ اسے ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور اگر کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہو تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے، اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اس پر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں ہے اور اس کے ورثہ موجود ہیں تو ان کو لوٹائے، اگر ورثاء بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے، بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے، اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہو مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہو، برا بھلا کہا ہو یا اس کی غیبت کی ہو تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کر کے اس سے معافی حاصل کرے۔ اس طرح توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے کوئی بندہ جنگل و بیابان میں ہو اور اس کا سامان خورد و نوش اس کی سواری پر بندھا ہوا ہو اور اس کی سواری گم ہو جائے، وہ سواری سے مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے (موت کے انتظار میں) لیٹ جائے کہ اتنے میں اس کی سواری واپس آجائے اور یہ سواری کی لگام پکڑ کر خوشی کی انتہا میں بھول کر یہ کہہ دے کہ اے ربّ! تو میرا بندہ، میں تیرا ربّ۔ (صحیح مسلم: ۲۱۰۴/۴) تو جیسے یہ بندہ خوش ہوتا ہے ایسے ہی باری تعالیٰ بندہ کی توبہ پر خوش ہوتے ہیں۔

دولت کی فراوانی فتنے کا باعث ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے خوبصورت نظامِ معیشت اور اس کی ایک حکمت کو بیان فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے دنیا میں سب انسانوں کو برابر رزق نہیں دیا اور نہ ہی ہر انسان پر رزق اور نعمتوں کی فراوانی فرمائی ہے، اس لیے کہ اگر سب پر ہر قسم کے رزق اور نعمتوں کی فراوانی کر دی جاتی تو انسانوں کا ایک دوسرے پر ظلم بڑھ جاتا، کیونکہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے کوئی کسی کا محتاج نہ ہوتا اور نہ کوئی کسی سے دبتا، دوسری طرف دولت مندی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ جتنی دولت بڑھتی ہے اتنا ہی حرص و ہوس میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک دوسرے کے املاک پر قبضہ جمانے کے لیے زور زبردستی بھی بڑھ جاتی، لڑائی جھگڑے، سرکشی اور دوسری بداعمالیاں حد سے زیادہ بڑھ جاتیں، اس

لیے اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو ہر قسم کا رزق دینے کے بجائے ان نعمتوں کو اپنے بندوں پر ایک خاص انداز ے سے تقسیم فرمایا ہے کہ کسی کے پاس مال و دولت زیادہ ہے، کوئی صحت و قوت میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہے، کوئی حسن و جمال سے مالا مال ہے، کسی کے پاس علم و حکمت دوسروں سے زیادہ ہے، غرض ہر شخص کسی نہ کسی چیز کے لیے دوسروں کا محتاج ہے، اور اسی ایک دوسرے کے محتاج ہونے پر تمدن کی عمارت قائم ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۞ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞

''گناہ'' تکالیف و پریشانیوں کا باعث بنتے ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو جو بھی تکلیف و مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس کے اعمال اور گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور ہر گناہ کی سزا اللہ ربّ العزّت نہیں دیتے بلکہ اکثر گناہ اللہ ربّ العزّت معاف فرما دیتے ہیں۔

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح جسمانی تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اسی طرح باطنی امراض بھی کسی گناہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آدمی سے کوئی ایک گناہ سرزد ہو جائے تو وہ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ اور ان تکالیف و مصائب سے بچاؤ کا حل توبہ اور استغفار ہے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۞ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۞ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۞

دُنیوی مال و متاع محض زندگی سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی نعمتوں اور اس کی دولت و رنگینیوں کا ناقص اور فانی ہونا اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتوں کا کامل اور دائمی ہونا بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ تمہیں دنیا کی نعمتوں میں سے جو بھی ملا ہے وہ محض دنیوی زندگی برتنے اور گزارنے کے لیے ہے، جو زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا، جبکہ جو اجر و ثواب اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے وہ اس سے کئی گنا بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

مومنین کے چند اَوصاف

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے جس اجر وثواب کا وعدہ فرمایا تھا اس کے لیے اولین شرط ایمان ہے، جس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں، اس لیے سب سے پہلے ایمان کا ذکر فرمایا، اس کے بعد چند خاص اعمال کا ذکر فرمایا جو اجر وثواب کے حصول میں معاون ثابت ہوتے ہیں، اور وہ ذیل میں درج ہیں:

۱- علی ربھم یتوکلون: یعنی ہر کام اور ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ رکھیں، اس کے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہ سمجھیں۔

۲- الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش: جو کبیرہ گناہوں سے خصوصاً بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرنے والے ہیں۔

۳- واذا ما غضبوا ھم یغفرون: یعنی جب وہ غصہ میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے، کیونکہ کسی کی محبت یا کسی پر غصہ یہ دونوں چیزیں جب غالب آتی ہیں تو اچھے بھلے عاقل شخص کو اندھا بہرا کر دیتی ہیں۔

سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم کا عجیب واقعہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین اکٹھی تھی، ایک دفعہ ان دونوں حضرات کے دونوں کے مزارع آپس میں لڑ پڑے، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مزارع نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں آ کر شکایت کی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزارع نے ہمیں مارا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے حاکم تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اگر آج کے بعد آپ کے مزارع نے میرے مزارع کو مارا تو اچھا نہیں ہوگا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب وہ خط پہنچا تو انہوں نے اپنی شوریٰ کے لوگ بلائے اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ یہ خط آیا ہے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے، اس کو کیا جواب دوں؟ ایک آدمی نے کہا کہ حضرت آپ سنتری بھیج کر گرفتار کروالیں، آپ نے فرمایا: تم میری شوریٰ کے قابل نہیں ہو، اور اس کو نکال دیا، پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اے اللہ کے رسول کے حواری اور ساتھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے! آپ کا خط مجھے پہنچا ہے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ آپ کے مزارع کے ساتھ میرے مزارع نے زیادتی کی ہے، اگر میں آپ کے قریب ہوتا تو حاضر ہو کر معافی مانگتا لیکن چونکہ میں دور ہوں اس لئے میں معافی بھی مانگ رہا ہوں اور یہ جو میری زمین ہے جس کی وجہ سے آپ کے مزارع کو تکلیف پہنچی، میں یہ ساری زمین آپ کو ہدیہ میں پیش کرتا ہوں، قبول کر لیجئے۔

۴- الذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ: اللہ ربّ العزّت کی طرف سے جو حکم ملے اسے فوراً بغیر چوں چرا

قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے، چاہے وہ حکم اپنی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف، ہر حال میں اس کی تعمیل کرے۔

۵- **واقاموا الصلوٰۃ**: اور یہ لوگ نماز کو اس کے تمام واجبات اور آداب کے ساتھ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں۔

۶- **وامرھم شوریٰ بینھم**: ان کے کام آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

''مشورے'' کی اہمیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کیسے عمل کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> اس کے لیے میری اُمّت کے عبادت گزاروں کو (اور بعض روایات میں ہے کہ فقہاء کرام کو) جمع کر لو اور آپس میں مشورہ کر کے طے کر لو، کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔ (معارف القرآن)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت فرما دے گا، یعنی اس کا رخ اسی طرف پھیر دے گا جو اس کے لیے انجام کار خیر اور بہتر ہو۔ (المعجم الاوسط: ۸/۱۸۱)

۷- **مما رزقنھم ینفقون**: یعنی وہ لوگ اللہ ربّ العزّت کے دیے ہوئے رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں، جس میں زکوٰۃ، فرض اور نفلی صدقات سب شامل ہیں۔ اسی طرح اس آیت کے مفہوم میں مال کے علاوہ علم اور حکمت بھی شامل ہے، یعنی جو اللہ ربّ العزّت کے دیے ہوئے علم اور حکمت میں سے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

۸- **والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون**: جب ان پر کوئی ظلم کرتا ہے تو یہ برابر کا انتقام لیتے ہیں، اس میں حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ کیونکہ قانونِ فطرت ہے کہ برائی کا بدلہ اس جیسا ہی ہے، یعنی جتنا کوئی تمہارا نقصان کرے تم اس سے اتنا ہی بدلہ لو، یہ عدل اور انصاف کا راستہ ہے، لیکن اگر کوئی معاف کر دے اور اصلاح کا راستہ اختیار کرے تو اللہ ربّ العزّت اسے اس عمل پر اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ
سَبِيْلٍ ۝ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ
الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝

دُنیا کی لذتوں کے طلب گار کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جو مومنین صالحین کے برعکس فکر آخرت کرنے کے بجائے صرف دنیا کی لذت اور راحت کے طلبگار رہے۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگ بڑی ذلت کے ساتھ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے، ان کی نگاہیں اور جسم جھکے ہوئے ہوں گے، اور ان کو ہمیشہ کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا، جہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ لہٰذا تم اپنے رب کا حکم مان لو اور قیامت کا عذاب آنے سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ
يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا
وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ
اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

قدرتِ خداوندی کے دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ آسمان اور زمین کی ملکیت صرف اللہ ربّ العزّت کی ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ ہر چیز کا خالق ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز بنانے پر اس کو پوری قدرت حاصل ہے، وہ جب چاہے جو چاہے پیدا فرما دیتا ہے، اسی سلسلہ میں انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں دے دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بیٹے دے دیتا ہے، کسی کو بیٹا اور بیٹی دونوں دے دیتا ہے تو کسی کو بالکل بانجھ کر دیتا ہے کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی۔

فائدہ:– اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے بچوں کی تقسیم میں پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں ہے، اسی وجہ سے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

وحی کی اَقسام

آیت مبارکہ "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ" دراصل یہود کے ایک اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی، یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ پر کیسے ایمان لے آئیں جبکہ آپ نہ خدا کو دیکھتے ہیں اور نہ ان سے بالمشافہ کلام کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کلام کرتے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھتے تھے۔ تو اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں ہے، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ ربّ العزّت سے بالمشافہ کلام نہیں کیا بلکہ پس پردہ آواز سنی۔

اس آیت میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ کسی بشر سے اللہ ربّ العزّت کے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱-**وحیًا**: یعنی کسی مضمون اور بات کو دل میں ڈال دینا، یہ جاگتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے اور نیند میں بصورت خواب بھی، جیسا کہ بہت سی احادیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''القی فی روعی'' میرے دل میں یہ بات القاء کی گئی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، ان میں شیطانی تصرف نہیں ہوسکتا۔

۲-**من وراء حجاب**: یعنی جاگتے ہوئے کوئی کلام پس پردہ سنے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ ربّ العزّت کا کلام سنا مگر زیارت نہیں ہوئی۔

۳-**یرسل رسولاً**: یعنی کسی فرشتہ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام وغیرہ کو کلام دے کر بھیجا جائے اور وہ رسول کو پڑھ کر سنا دے، یہی طریقہ عام رہا ہے، قرآن مجید پورا اسی طرح نازل ہوا ہے۔ فرشتہ کبھی اپنی شکل میں آتا، کبھی انسانی شکل میں، کبھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شکل میں تو کبھی حضرت اسرافیل علیہ السلام کی شکل میں آتا تھا اور اللہ ربّ العزّت کا پیغام آپ کو پہنچا دیتا تھا۔

قرآنِ کریم سے ہی رُوحانی زندگی وابستہ ہے

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح بشر کے ساتھ ہمارے ہم کلام ہونے کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی اپنی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ اس آیت میں وحی کو روح سے تعبیر کیا، جس کی وجہ ظاہر یہ ہے کہ روح دراصل زندگی کا ذریعہ ہے، تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ وحی اور قرآن تمہاری روحانی اور ایمانی زندگی کا ذریعہ ہے، جس طرح تمہاری مادی زندگی کا انحصار پانی پر ہے اسی طرح تمہاری روحانی زندگی کا انحصار قرآن پاک پر ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت اور توحید کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں، نیز شرک کی تردید اور معبودان باطلہ کا عجز بھی بیان فرمایا ہے۔

۲-حضرت آدم علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک تھا، ان سب کے عقائد اور اصول مشترک تھے، البتہ فروعی احکامات میں تمام شریعتوں کے درمیان جزوی اختلاف پایا جاتا رہا ہے۔

۳-انسان کو جو بھی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے، اس کی وجہ اس کے اپنے اعمال اور گناہ ہوتے ہیں، جس سے بچاؤ کی صورت توبہ اور استغفار کرنا ہے۔

۴-اس سورت میں مؤمنین کی چند صفات بھی ذکر کی گئی ہیں جن میں اللہ ربّ العزّت پر توکل، کبیرہ اور فحش گناہوں سے اجتناب، غصہ پر قابو، اللہ ربّ العزّت کے جملہ احکام کی پاسداری، نماز کی ادائیگی، باہمی معاملات کا مشورہ سے طے کرنا اور اللہ ربّ العزّت کے عطا کردہ رزق اور علم وفہم سے راہِ خدا میں خرچ کرنا شامل ہیں۔

۵-اولاد کی تقسیم اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے صرف بیٹے عطا فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے صرف بیٹیوں سے نوازتا ہے، جسے چاہتا ہے دونوں عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ رکھتا ہے، انسان کو ہر حال میں اللہ ربّ العزّت کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے۔

۶-دنیا میں کسی بشر کے لیے اللہ ربّ العزّت سے بالمشافہ کلام کرنا ممکن نہیں ہے، بلکہ اللہ ربّ العزّت خود جس سے چاہتے ہیں کلام فرماتے ہیں، اور اس کے لیے کبھی دل میں بات ڈال دیتے ہیں، کبھی پس پردہ صرف آواز سنا دیتے ہیں تو کبھی فرشتے کے ذریعہ کلام بھیج دیا جاتا ہے۔

تمت سورۃ الشوریٰ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الزُّخْرُف

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے (۴۳) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے تریسٹھ (۶۳) نمبر پر ہے۔ سات رُکوع اور نواسی (۸۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"زخرف" سونے کو کہتے ہیں، اس سورت کا نام "زخرف" اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورت میں سونے اور دنیا کی زیب وزینت اور اس کے ساز وسامان کے فتنوں کا ذکر ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں آخرت کی طرف متوجہ رہنے اور دنیا سے بچنے کی ترغیب تھی، اس سورت میں دنیا کی رنگینیوں اور اس کے مال ودولت کے دھوکا میں آنے سے بچنے کی ترغیب ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "دنیا اور اس کی رنگینیوں کے فتنے سے ڈرانا" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے پر وعید سنائی ہے، اور اس ضمن میں ان سے پہلے انبیائے کرام کے جھٹلانے والوں کا انجام بھی ان کو یاد دلایا ہے۔

۲- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل اور اپنی نعمتیں بیان فرمائی ہیں، جس میں آسمان وزمین کی پیدائش، بارش کا آنا، سمندروں کا سینہ چیرتی کشتیاں اور سواریاں وغیرہ شامل ہیں۔

۳- اس سورت میں جاہلیت کے چند رسوم اور عقائد باطلہ کو بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ان کا نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں ہیں، تو ان کے اس نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

۴۔اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شرک اور بتوں سے اعراض اور اعلان براءت کا بھی ذکر ہے۔

۵۔اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں اپنا فضل فرماتے ہیں، لیکن دنیوی مال ودولت اور عہدے اللہ ربّ العزّت کے نزدیک مقبولیت کا معیار نہیں ہیں۔

۶۔اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سرکش فرعون کا تذکرہ بھی مذکور ہے، نیز یہ بھی کہ فرعون دنیوی مال ودولت، عہدے اور بادشاہت کی وجہ سے دھوکے میں آگیا تھا۔

۷۔اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بھی مذکور ہے، نیز یہ بھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قربِ قیامت دوبارہ دنیا میں نزول فرمانا قیامت کی نشانی ہے۔

۸۔آخرت کی نعمتوں اور اللہ ربّ العزّت نے مومنین کے لیے جو اجر وثواب تیار کر رکھا ہے، اس کا تذکرہ بھی اس سورت میں شامل ہے، جبکہ کفّار کے ٹھکانے کا تذکرہ بھی اللہ ربّ العزّت نے اس سورت میں فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ
حَكِيْمٌ ۝۴ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي
الْاَوَّلِيْنَ ۝۶ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝۸ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۹ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۰ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ
فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۱ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝۱۲ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝۱۳ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۴ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۚ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵

مبلغ اور داعی کو مایوس نہیں ہونا چاہیے

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی قسم کھا کر اس کی صداقت اور حقانیت کو بیان فرمایا، اور قرآن مجید کو واضح کتاب فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے وعظ ونصیحت پر مشتمل مضامین بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں، لیکن جہاں تک اس سے احکامِ شرعیہ کے استنباط کا تعلق ہے وہ بلاشبہ ایک مشکل کام ہے جو اجتہاد کی پوری صلاحیت کے بغیر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ کیا ہم تم سے اس نصیحت بھرے قرآن کو صرف اس وجہ سے ہٹالیں گے

کہ تم اپنی سرکشی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کر رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ ہم تمہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہو اسے ہر شخص کے پاس پیغام حق لے کر جانا چاہیے، اور کسی جماعت یا گروہ کو اس بنا پر تبلیغ کرنا نہیں چھوڑنا چاہیے کہ وہ بے دین یا فاسق و فاجر ہیں۔

اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے چند نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے اور دلائل بیان فرمائے ہیں، جن سے اللہ ربّ العزّت کی توحید ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے آسمان و زمین کی تخلیق فرمائی، زمین کو بچھونا بنایا، زمین میں راستے بنائے، آسمان سے بارش برسائی، مردہ زمین کو زندہ کیا، ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا، بحر و بر میں سفر کے لیے سواریوں کا انتظام فرمایا، سمندر کے سینے پر کشتیاں چلائیں، خشکی پر جانور اور دیگر سواریاں مہیا فرمائیں، تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو، اور ہر نعمت کی طرح اس نعمت پر اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرو اس کا ایک شکر یہ ہے کہ جب اس پر سواری کرنے لگو یہ دُعا پڑھو: "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! تیری ذات کس قدر پاک ہے کہ تو نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر فرما دیا ورنہ آپ کی مدد کے بغیر ہم اس کو قابو میں نہیں لا سکتے تھے، اور بالآخر ہمیں آپ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝

بیٹی کی پیدائش پر غمگین ہونا کافرانہ طرز عمل ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفار کے ایک باطل عقیدہ کی تردید فرمائی ہے، کفار کا نظریہ یہ تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں فرمایا کہ تم اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہو جبکہ اللہ ربّ العزّت کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہو، تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو تمہارے چہرے کا رنگ اتر جاتا ہے، اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہو تو حیرت ہے کہ جس چیز کو خود ناپسند کرتے ہو اسے اللہ ربّ العزّت کی طرف کیسے منسوب کر دیتے ہو۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: "تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ" یہ تو ناانصافی کی تقسیم ہے کہ ایسی شخصیت جس نے زیورات میں پرورش پائی ہو اور جھگڑے میں بات بھی واضح نہ کر سکے، یعنی خاتون، اور ظاہر و باطن میں ناقص ہو، اس کی اللہ تعالیٰ کی جانب نسبت کی جائے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹی کی پیدائش پر والدین کا ناخوش ہونا اور افسوس کا اظہار کرنا کافرانہ طرز عمل ہے، جس سے مکمل اجتناب لازم ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً
بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَمَّا
جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ
عَظِيمٍ ۝ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا
بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَوْلَا أَن
يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا
يَظْهَرُونَ ۝ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ ۝ وَزُخْرُفًا ۚ وَإِن كُلُّ ذَٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا ۚ وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ۝

مشرکین عرب کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کے شرک اور عقائد باطلہ کی تردید کی تھی، ان آیات میں ان مشرکین کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے، کیونکہ سارے مشرکین اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے پر فخر کیا کرتے تھے، تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرما کر انہیں ابراہیمی بننے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر تم نے اپنے آباؤ اجداد کے راستے پر ہی چلنا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستے پر کیوں نہیں چلتے جو تمہارے سب سے افضل جد اعلیٰ ہیں اور جن کے ساتھ وابستگی کو تم اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہو، وہ نہ صرف توحید کے قائل تھے بلکہ شرک اور مشرکین سے اعلانیہ اظہار براءت فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کی توحید کی دعوت کو ان کی نسلوں میں باقی رکھا تا کہ ان کی نسل توحید کی جانب پلٹ آئے، لیکن اس کے باوجود کفار اپنے کفر اور اپنی ضد پر اڑے رہے، اور قرآن کریم کی تکذیب کرتے رہے۔

مشرکینِ مکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت ملنے پر اعتراض

مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ ربّ العزّت نے کسی کو نبوّت دینی ہی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیوں کیا؟ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں تھے، تو یہ منصب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت مند مثلاً ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو کیوں نہیں دیا گیا؟

اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کے دو جواب دیے ہیں:

۱- پہلا جواب اللہ ربّ العزّت نے یہ دیا کہ تمہیں اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ ربّ العزّت نبوّت کا منصب کسے دے رہے ہیں اور کسے نہیں؟ نبوّت کی تقسیم تمہارے ہاتھ میں نہیں کہ کسی کو نبی بنانے

سے پہلے تم سے رائے لی جائے، یہ کام اللہ رَبّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، وہ اپنی عظیم مصلحتوں کے مطابق اسے انجام دیتا ہے۔ اللہ رَبّ العزّت نے جس طرح تمہاری روزی کی تقسیم تمہارے ذمہ نہیں رکھی بلکہ تقسیم معیشت کا کام خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، اسی طرح تقسیم نبوّت کا کام بھی اللہ رَبّ العزّت ہی کے پاس ہے جسے وہ اپنی منشا کے مطابق انجام دیتے ہیں۔

۲- دوسرا جواب اللہ رَبّ العزّت نے یہ دیا ہے کہ بے شک نبوّت کے لیے کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال و دولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوّت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا اللہ رَبّ العزّت کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتے۔ (سنن الترمذی: ۵۶۰/ ۴) اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوّت کے لیے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن)

نبوّت کے انتخاب کی اس بحث کے ضمن میں انسانوں میں معاشی عدم مساوات کی حکمت بھی بیان فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر معیشت عطا نہیں فرمائی بلکہ بعض کو کم اور بعض کو زیادہ رزق عطا فرمایا تا کہ تم ایک دوسرے کے کام آسکو اور نظام حیات چلتا رہے، کسی کو دولت کی ضرورت ہے اور کسی کو چیز یا کام کی، چیز اور کام والا دولت مند کو خدمت فراہم کرے اور دولت مند اسے رقم ادا کرے، یونہی نظام چلتا رہے گا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ
الْقَرِيْنُ ۝ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ
تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِيَنَّكَ
الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝

اللہ رَبّ العزّت کی یاد سے اعراض شیطان کے مسلط ہونے کا سبب ہے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی نصیحت یعنی قرآن سے جان بوجھ کر اعراض کرے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو دنیا میں بھی اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اسے نیکیوں سے روک کر برائیوں پر ابھارتا

رہتا ہے، اور آخرت میں بھی جب یہ شخص قبر سے اٹھے گا تو یہ شیطان اس کے ساتھ ہوگا، وہ تمنا کرے گا کہ کاش یہ شیطان مجھ سے جدا ہو جائے، لیکن اس کی تمنا پوری نہیں ہوگی، یہاں تک کہ دونوں جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ربّ العزّت کی یاد سے اعراض کی اتنی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے کہ انسان کی صحبت خراب ہو جاتی ہے اور شیاطین خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے، اس کو بھلائیوں سے دور اور بُرائیوں سے قریب کرتے رہتے ہیں، وہ کام سارے گمراہی کے کرتا ہے لیکن سمجھتا ہے کہ بہت اچھا کام کر رہا ہے۔

’’توحید‘‘ اِجماعی عقیدہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ اے میرے حبیب! ہم نے آپ سے پہلے جو رسول اور پیغمبر دنیا میں بھیجے، آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا ہم نے اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کوئی اور معبود بنایا ہے یا نہیں؟ یعنی توحید تمام انبیاء اور رسولوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ ہر زمانے میں ہر رسول نے عقیدہ توحید کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہیں کیا حکم دے کر بھیجا گیا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں توحید کا اور شرک مٹانے کا حکم دیا گیا تھا۔ (درمنثور)

فائدہ: عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس آیت ’’وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ‘‘ سے مفسرین کرام نے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنی کتاب ’’مشکلات القرآن‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں: ’’یستدل به علی حیوة الانبیاء‘‘ (ص:۲۷۷)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا
هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ
الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ
مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ
اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ﴿﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیچھے بار بار گزر چکا ہے، یہاں ان کا واقعہ یاد دلانے اور ان کا تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ کفارِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر آپ کے مالدار نہ ہونے سے جو شبہ کر رہے ہیں یہ کوئی نیا شبہ نہیں،

بلکہ فرعون اور اس کی قوم نے یہی شبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت پر کیا تھا۔ فرعون کا کہنا یہ تھا کہ میں ملک مصر کا مالک ہوں اور میرے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس لیے میں موسیٰ علیہ السلام سے (معاذ اللہ) افضل ہوں، پھر میرے مقابلے میں انہیں نبوت کیسے مل سکتی ہے، تو جس طرح اس کا یہ اعتراض بالکل لغو اور فضول تھا اسی طرح کفّار مکہ کا اعتراض بھی لغو ہے۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ ربّ العزّت کے حکم سے فرعون اور اس کی قوم کے پاس گئے اور انہیں اللہ ربّ العزّت کا پیغام سنایا اور معجزات دکھائے، لیکن فرعون اور اس کی قوم اپنے کفر پر ڈٹی رہی اور موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑایا، جس پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر مختلف قسم کے عذاب آئے جس میں طوفان کا عذاب، ٹڈی دل کا عذاب، جوؤں کا عذاب، مینڈکوں کا عذاب اور خون کا عذاب وغیرہ شامل ہیں، فرعون اور اس کی قوم ہر عذاب کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کرواتی اور وعدہ کرتی کہ ہم اس عذاب کے ختم ہو جانے کے بعد ایمان لے آئیں گے لیکن ہر بار عذاب ختم ہو جانے کے بعد وہ اپنے عہد سے مکر جاتے۔

معجزات کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ فرعون کا اس سے بڑا جرم یہ تھا کہ اس نے تکبّر کیا اور اپنی دولت کے بل بوتے پر موسیٰ علیہ السلام کو حقیر سمجھا اور خدائی کا دعویٰ کر دیا اور قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے پاس ارض مصر کی بادشاہی ہے، جبکہ یہ (موسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ) حقیر ہیں، اگر یہ واقعی سچے پیغمبر ہوتے تو ان کو سونے کے کنگن عطا کیے جاتے یا ان کے ساتھ فرشتے چل رہے ہوتے، قوم نے اس کی باتیں سن کر اس کی تائید کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگے، جس پر قانون خداوندی حرکت میں آیا اور وہ سب اللہ ربّ العزّت کے عذاب کا شکار ہوئے اور دریا میں غرق ہو کر بعد والوں کے لیے نشان عبرت بن گئے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوا ءَأٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرٰٓءِيلَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلٰٓئِكَةً فِى الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ۝ وَإِنَّهُۥ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِى تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ۝ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّى وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنۢ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ الْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اور کفّار و مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں حضرات مفسرین نے مختلف روایات نقل کی ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے قریش کے لوگو! اللہ رَبّ العزّت کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ آپ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے نیک بندے اور نبی مانتے ہیں، ان کے اس اعتراض کے جواب میں مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

۲۔ جب قرآن مجید کی یہ آیت: "انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم" (بلاشبہ اے مشرکو! تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنّم کا ایندھن بنیں گے) نازل ہوئی تو ایک کافر عبداللہ بن الزبعری نے کہا کہ اس آیت کا میرے پاس بہترین جواب موجود ہے اور وہ یہ کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنّم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی "ان الذين سبقت لهم منا الحسنى اولئك عنها مبعدون" اور سورۂ زخرف کی مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی جاتی ہے تو آپ کی قوم کے لوگ یکا یک شور مچانے لگتے ہیں، اور آپ سے جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام تو ہمارے ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا تھا، اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں، اس لیے تم اس میں شک نہ کرو۔

قیامت کی بڑی نشانیاں

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باہر جھانکا اور دریافت فرمایا کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو:

۱۔ دجّال کا نکلنا۔

۲۔ دابۃ الارض (زمین سے ایک جانور) کا نکلنا (جو انسانوں سے باتیں کرتا ہوگا)۔

۳۔ مغرب کی طرف سے سورج کا نکلنا۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا۔

۵۔ یاجوج ماجوج کا نکلنا۔

۶، ۷، ۸۔ مشرق، مغرب اور جزیرہ عرب میں زمین دھنسنے کے تین واقعات کا ہونا۔

۹۔ دھویں کا پھیل جانا۔

۱۰۔ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۲۲۶/۴)

دوستی درحقیقت وہی ہے جو اللہ رَبّ العزّت کے لیے ہو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل گنوانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قیامت کے دن دوستیوں کے احوال بیان فرمائے ہیں کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام کی پرواتک نہیں کرتا، یہ قیامت کے روز نہ صرف یہ کہ کچھ کام نہیں آئیں گی بلکہ یہ دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی، سوائے اس دوستی کے جو اللہ رَبّ العزّت کے لیے ہو اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو دوست مومن تھے اور دو دوست کافر، مومن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اسے جنّت کی خوشخبری سنائی گئی تو اسے اپنا دوست یاد آیا، اس نے دُعا کی کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید کرتا، بھلائی کا حکم دیتا اور بُرائی سے روکتا تھا اور یہ یاد دلاتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے، لہٰذا اس کو میرے بعد گمراہ نہ کیجیے گا تاکہ وہ بھی جنّت کے مناظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے اور آپ جس طرح مجھ سے راضی ہوئے ہیں اسی طرح ان سے بھی راضی ہو جائیں، اللہ رَبّ العزّت اس کی دُعا قبول فرمائیں گے اور جب اس دوسرے دوست کی وفات ہوگی تو دونوں کی روحیں جمع ہوں گی، اللہ رَبّ العزّت کے سامنے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا کہ یہ بہترین بھائی، بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برخلاف جب دو کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اسے بتایا جائے گا کہ اس کو جہنّم میں ڈالا جائے گا تو اسے بھی اپنا دوست یاد آجائے گا، اس وقت وہ دُعا کرے گا کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتا تھا، برائی کی تاکید کرتا تھا اور بھلائی سے روکتا تھا، لہٰذا یا اللہ! اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجیے گا تاکہ وہ بھی دوزخ کے وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں، اس کے بعد جب اس دوسرے دوست کا انتقال ہوگا تو دونوں کی روحیں جمع کی جائیں گی تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا کہ یہ بدترین بھائی، بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس لیے دنیا اور آخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو، جن دو دوستوں میں صرف اللہ رَبّ العزّت کے لیے محبت ہو، ان کے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدانِ حشر میں یہ لوگ اللہ رَبّ العزّت کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ (صحیح بخاری: ۲۳۰/۱)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا
الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ
الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ
فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ
اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝

اہلِ ایمان اور اہلِ کُفر کا اُخروی انجام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے نیک بندوں اور گنہگار بندوں کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے نیک بندوں کو روزِ قیامت کسی قسم کا خوف اور غم نہیں ہوگا، اور انہیں اور ان کی ایمان والی بیویوں کو اعزاز واکرام کے ساتھ جنّت میں داخل کیا جائے گا، جہاں انہیں سونے کی رکابیوں میں کھانا اور مشروبات پیش کیے جائیں گے، اور من چاہی لذتیں دستیاب ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کے برعکس جو گنہگار اور کافر لوگ ہوں گے وہ جہنّم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ تکلیف کی شدت میں دوزخ کے داروغہ ”مالک“ نامی فرشتے کو پکاریں گے کہ اے مالک! تم ہی دُعا کرو کہ تمہارا پروردگار ہمیں موت دے کر ہمارا کام ہی تمام کردے، وہ جواب دے گا کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۝ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا
نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا اَوَّلُ
الْعٰبِدِيْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى
يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاۗءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝
وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَا
يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

کُفّار کے چند باطل نظریات اور ان کی تردید

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے کُفّار کے انجام بد کا ذکر فرمایا تھا، ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اس انجام اور ان پر آنے والے عذابات کی وجہ بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ان کُفّار پر یہ عذاب اس لیے آیا

کہ انہوں نے ہمارے بھیجے ہوئے سچے دین کی تکذیب کی اور اس کا مذاق اڑایا اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کے ایک باطل نظریہ کی تردید فرمائی، کفار کا نظریہ تھا کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے اور فرشتوں کو اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں سمجھتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے اس کی تردید کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ ربّ العزّت کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ یعنی اگر صحیح دلائل سے خدا کی اولاد کا وجود ثابت ہو جاتا تو میں اسے ضرور مان لیتا، لیکن عقل و نقل کی ہر دلیل اس کی تردید کرتی ہے، اس لیے ماننے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

آخر میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے چند دلائل بیان فرمائے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی کہ اگر یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو آپ ان سے منہ موڑ لیجیے، یہ عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کا مضمون بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت کاملہ کے چند دلائل اور توحید باری تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کا انجام بد بھی بیان فرمایا ہے۔

۲۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کفار مکہ کے باطل عقائد اور نظریات کی تردید بھی فرمائی ہے، خاص طور پر ان کا یہ نظریہ کہ اللہ ربّ العزّت کی اولاد ہے اور فرشتے اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں ہیں، اس نظریہ کی اللہ ربّ العزّت نے شدت سے تردید فرمائی۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ بھی اس سورت میں کیا گیا ہے، جس سے مقصود کفار کو تنبیہ کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا تھا۔

۴۔ دوستی درحقیقت وہی ہے جو اللہ ربّ العزّت کے لیے ہو اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو، ورنہ یہ دوستی بروز قیامت کسی کام نہیں آئے گی بلکہ دشمنی میں بدل جائے گی۔

۵۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے متقین اور مجرمین کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے، نیز اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ کفار ایمان نہیں لاتے تو آپ غم نہ کریں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، یہ عنقریب اپنا انجام خود دیکھ لیں گے۔

تمت سورة الزخرف بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ الدُّخَان

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چوالیس (۴۴) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے چونسٹھ (۶۴) نمبر پر ہے۔ تین رُکوع اور انسٹھ (۵۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام "الدخان" ہے، جس کا معنی ہے "دُھواں"، اس سورت کو "دُخان" اس لیے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بددعا کے سبب مکہ والوں پر قحط سالی کا عذاب آیا تھا، اس قحط میں بھوک کی شدت اتنی تھی کہ کفار جب آسمان کی طرف دیکھتے تو انہیں بھوک کی وجہ سے دھواں سا نظر آتا، تو اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اس عذاب کا ذکر فرمایا ہے، اسی لیے اس سورت کا نام "الدخان" رکھ دیا گیا۔

سورت کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ دُخان پڑھ لے تو صبح کو اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔ (معارف القرآن)

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کی رات یا دِن میں سورۂ دُخان پڑھ لی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت میں گھر بنائیں گے۔ (معارف القرآن)

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی زیب وزینت کا ذکر فرمایا تھا اس سورت میں دنیا کے دھوکے سے بچنے کا حکم ہے۔

۲۔ گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا تذکرہ فرما کر کفارِ مکہ کو اپنے اعمالِ بد اور عقائدِ باطلہ سے باز رہنے کی تلقین کی تھی، اس سورت میں بھی فرعون اور دیگر قوموں کے انجام کو بیان فرما کر کفارِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ”حکومت اور طاقت کے دھوکہ سے بچانا“ ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے جھٹلانے والوں کو مہلت دینے کا ذکر کیا ہے۔

۲۔اللہ ربّ العزّت کے احکامات کو جھٹلانے والوں پر ہمیشہ تکالیف اور عذابات آتے رہیں گے، جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں یا اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر پکڑ نہ آجائے۔

۳۔اس سورت میں فرعون کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو اپنی طاقت اور حکومت کی وجہ سے دھوکہ میں پڑ گیا تھا، یہاں تک کہ اس پر اللہ ربّ العزّت کی پکڑ آگئی اور وہ ہلاک ہوگیا۔

۴۔اس سورت میں مومنین اور کافرین کے انجام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٤﴾
اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٧﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِيْ
شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾

قرآن مجید مبارک شب میں نازل ہوا

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی عظمت اور بعض خاص صفات بیان فرمائی ہیں، جن میں سے ایک خاص صفت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ایک ایسی مبارک رات میں نازل فرمایا ہے جس میں تمام اہم معاملات ہمارے حکم سے طے کیے جاتے ہیں۔اس مبارک رات سے کون سی رات مراد ہے اس میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں:

جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے، کیونکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ ربّ العزّت نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ”انا انزلنه فی لیلة القدر“ کہ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی مبارک رات سے مراد شب قدر ہی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے جتنی کتابیں ابتداء دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب ماہ رمضان ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل فرمائی ہیں۔(معارف القرآن)

قرآن مجید کے شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن آسمانِ دنیا پر اسی رات میں نازل کر دیا گیا تھا، پھر تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

جبکہ بعض مفسرین کرام مثلاً حضرت عکرمہؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں مبارک رات سے مراد شب براءت یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے، کیونکہ ان آیات میں اس مبارک رات کی جو صفت ذکر کی گئی ہے کہ اس میں تمام اہم امور کے فیصلے کیے جاتے ہیں، یہ صفت بعض احادیث مبارکہ میں نصف شعبان کی رات کے متعلق ذکر کی گئی ہے۔

اہل علم نے دوسرے قول کے مقابلے میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کا نزول شب قدر میں ہوا ہے۔

کیا شب براءت کی عبادت ثابت ہے؟

مذکورہ بالا تفسیر تو آیت مبارکہ میں موجود "لیلۃ مبارکۃ" کی ہے، جس کا مصداق راجح قول کے مطابق شب قدر ہے۔ جبکہ شب براءت یعنی نصف شعبان کی رات کی اہمیت وعبادت اور اس رات میں رزق اور عمروں کے فیصلوں کے سلسلے میں بھی متعدد احادیث مذکور ہیں، جو مجموعی لحاظ سے درجہ حسن کو پہنچ کر لائق اعتماد ہیں۔ نیز چودہ صدیوں سے اُمت کا تعامل شب برات کی عبادت اور اگلے روز نفلی روزہ کا چلا آرہا ہے۔ اس شب کی فضیلت سورہ دخان کی اس آیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ ایک سے زائد احادیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ:

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب براءت میں اللہ ربّ العزّت آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کی تعداد سے بھی زیادہ افراد کی مغفرت فرماتے ہیں۔ (سنن ترمذی:۱۱۶/ ۳)

۲۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات (شب برات) آجائے تو اس رات میں عبادت کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اس رات غروب آفتاب کے بعد اللہ ربّ العزّت آسمان دنیا کی طرف اترتے ہیں اور فرماتے ہیں: کیا نہیں ہے کوئی استغفار کرنے والا جسے میں بخش دوں! کیا نہیں ہے کوئی رزق طلب کرنے والا جسے میں رزق دوں! کیا نہیں ہے کوئی مصیبت میں گرفتار جسے میں نجات عطا کروں!! اور اسی طرح پکارتے رہتے ہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/۴۴۴)

۳۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نصف شعبان کی رات (شب برات) کو جھانکتے ہیں اور مشرک اور کینہ رکھنے والے شخص کے علاوہ سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/۴۴۵)

البتہ شب برات میں جو خرافات معاشرہ میں رائج ہیں مثلاً مخصوص کھانے بنانا، حلوہ بنانا، چراغاں کرنا، آتش بازی کرنا وغیرہ اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ سب رسومات اور بدعات ہیں۔

فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۝ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۝ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ۝ اَنّٰی لَهُمُ الذِّكۡرٰی وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ۝ یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰی ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ۝

دُھویں کا عذاب

مذکورہ بالا آیات کی مفسرین کرام سے دو تفاسیر منقول ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق ان آیات میں جس دھویں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دھواں ہے جو مشرکین مکہ پر عذاب کے طور پر چھا گیا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کو قبول کرنے سے انکار اور اپنے کفر پر اصرار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بددعا فرمائی کہ یااللہ! ان پر ایسا قحط ڈال دے جیسا کہ آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں ڈالا تھا، اس بدؤعا کا اثر یہ ہوا کہ لوگ شدید قحط میں مبتلا ہوگئے، یہاں تک کہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے لگے، یہ لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو انہیں دھویں کے سوا کچھ نظر نہ آتا، اس کے بعد وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اپنے قبیلہ کے لیے اللہ ربّ العزّت سے بارش کی دُعا کریں ورنہ وہ سب ہلاک ہوجائیں گے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُعا فرمائی تو اللہ ربّ العزّت نے بارش دے دی، اور قحط دور ہوگیا، لیکن اس کے بعد کفار مکہ دوبارہ اپنی سابقہ روش پر آگئے تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں سختی سے پکڑا اور بدر کے میدان میں انہیں ان کے انجام سے دوچار کیا، چنانچہ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور ان کا غرور ٹوٹ گیا۔ آیت مبارکہ میں "یوم نبطش البطشة الکبریٰ" سے مراد غزوۂ بدر ہی ہے۔ (معارف القرآن)

۲۔ بعض مفسرین کرام کے نزدیک اس دھویں سے مراد وہ دھواں نہیں جس سے مشرکین مکہ دوچار ہوئے، بلکہ یہ دُھواں علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے جو قیامت کے بالکل قریب واقع ہوگا، اور مختلف احادیث مبارکہ میں اس دُھویں کی وضاحت ملتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ قرب قیامت میں ایک دھواں پھیلے گا جو مومن کے لیے ایک طرح کا زکام پیدا کردے گا جبکہ کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر مسام سے نکلنے لگے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہ قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہوگا۔ قیامت کی بڑی نشانیاں ایک حدیث میں بیان کی گئی ہیں جو درج ذیل ہے:

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم قیامت کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، فرمایا کیا باتیں کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو:

۱-دُھواں ۲-دجال ۳-جانور ۴-سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

۵-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ۶-یاجوج ماجوج ۷-تین جگہ زمین کا دھنسنا، مشرق میں

۸-مغرب میں ۹-جزیرہ عرب میں ۱۰-آخری نشانی ایک آگ ہوگی جو مشرق سے نکلے گی اور لوگوں کو ان کے محشر تک لے آئے گی۔ (صحیح مسلم: ۲۲۲۵/۴)

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۙ أَنْ أَدُّوْٓا إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
أَمِيْنٌ ۙ وَّأَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۚ وَإِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ ۫ وَإِنْ
لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ أَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ فَأَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ
وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۟ وَأَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا
كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ إِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ
الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ۝ إِنَّ
هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۙ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝ فَأْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ أَهْلَكْنٰهُمْ ۫ إِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

نیک آدمی کی وفات پر زمین و آسمان روتے ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن مجید میں کئی مقامات پر بالخصوص حوامیم میں تفصیل سے گزر چکا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے وہاں جا کر ان کو اللہ ربّ العزّت کا پیغام سنایا، فرعون چونکہ پہلے سے آپ کے قتل کے درپے تھا، اس لیے آپ نے اپنے آپ کو اللہ ربّ العزّت کی پناہ میں دے دیا اور انہیں کہا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے دور رہو، لیکن میری قوم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو، ان پر مزید ظلم و ستم نہ کرو، فرعون پر آپ کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہوا، وہ اپنی ڈھٹائی پر ڈٹا رہا، تو آپ نے ان کے خلاف اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں بددعا کی، اللہ ربّ العزّت نے آپ کو راتوں رات وہاں سے بنی اسرائیل کو لے کر نکل جانے کا حکم دیا، آپ نے حکم خداوندی کے مطابق قوم کو ساتھ لیا اور وہاں سے نکل گئے، فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ کے پیچھے چلا، راستے میں دریا پڑتا تھا جس میں اللہ ربّ العزّت کے حکم سے آپ علیہ السلام کے لیے راستہ بن گیا، آپ اپنی قوم کے ساتھ پار ہو گئے، جبکہ فرعون اپنی قوم کو لے کر آپ کے پیچھے چلا لیکن وہ اور اس کا لشکر غرق ہو گیا۔

اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ان کی ہلاکت پر زمین اور آسمان نہیں روئے، کیونکہ انہوں نے زمین پر کوئی ایسا نیک عمل نہیں کیا تھا کہ ان کے مرجانے سے زمین روئے، اور نہ ہی ان کا کوئی نیک عمل آسمان تک پہنچا تھا کہ ان کو آسمان روئے۔
اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ نیک لوگوں کی وفات پر زمین و آسمان روتے ہیں، اور متعدد احادیث مبارکہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نیک بندے کی موت پر آسمان و زمین روتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آسمان میں ہر بندے کے لیے دو دروازے مقرر ہیں، ایک سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور دوسرے سے اس کا عمل اوپر پہنچتا ہے، چنانچہ جب وہ بندہ مرتا ہے تو یہ دروازے اسے یاد کرکے روتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

”تُبّع“ کون تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے تذکرہ کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کے ایک باطل نظریہ کی تردید فرمائی ہے، کفّار قیامت کی وعیدیں سن کر بھی قیامت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آخرت کی زندگی کچھ نہیں ہے، اور نہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے، اور اگر تمہاری بات واقعی سچ ہے تو ہمارے باپ دادوں کو ابھی زندہ کرکے دکھا دو۔
اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس باطل نظریہ کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ قوت اور طاقت میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گزری ہیں، ہم نے ان سب کو ہلاک کردیا تھا، تو ان کو بھی اپنے انجام کی فکر ہونی چاہیے۔
ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ”تبع“ کا ذکر کیا ہے، جو دراصل کسی خاص فرد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ یمن کے ان حمیری بادشاہوں کا لقب رہا ہے جنھوں نے ایک عرصہ تک یمن کے مغربی حصہ کو دارالسلطنت قرار دے کر عرب، شام، عراق اور افریقہ کے بعض حصوں پر حکومت کی۔ یہاں جس تبع کا ذکر ہو رہا ہے اس کا نام اسعد ابو کریب یمانی ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کم از کم سات سو سال پہلے گزرا ہے۔

بعثتِ نبوی کی عظیم الشان شہادت

ایک مرتبہ یہ بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ کی بستی سے گزرا اور اس پر چڑھائی کا ارادہ کیا، اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دن کے وقت اس سے جنگ کرتے اور رات کو اس کی مہمانی کرتے، اس سے اس کو شرم آئی اور اس نے مدینہ والوں سے لڑائی کا ارادہ منسوخ کردیا، اسی دوران وہاں کے دو یہودی عالموں نے اسے تنبیہ کی کہ اس شہر پر اس کا زور نہیں چل سکتا، کیونکہ یہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہجرت ہے، چنانچہ وہ ان یہودی عالموں کو ساتھ لے کر یمن چلا آیا اور ان کی تعلیم و تبلیغ سے متاثر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کرلیا جو اس وقت برحق اور سچا دین تھا، پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور اہل مدینہ کو بطور امانت دے کر چلا گیا کہ جب وہ آخری نبی آئیں تو ان کو میرا یہ قصیدہ پہنچا دیا جائے، چنانچہ وہ قصیدہ نسل درنسل ان کے پاس رہا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے

وقت وہ قصیدہ جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھا جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان تھے، تو انہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ خط پہنچا دیا، جس میں درج ذیل اشعار مذکور تھے:

شهدت على احمد انه رسول من الله بارى النسم

فلو مد عمرى الى عمره لكنتم وزيرا له وابن عم

جاهدت بالسيف اعداءه و فرجت عن صدره كل غم

ترجمہ:- میری تہ دل سے گواہی ہے کہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں جو تمام جانداروں کا پیدا کرنے والا ہے، اگر میں آپ کے زمانہ تک زندہ رہا تو اللہ کی قسم آپ کی ساتھی اور آپ کا معاون بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جہاد کروں گا اور کسی کھٹکے اور غم کو آپ کے پاس تک پھٹکنے نہ دوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر و معارف القرآن)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۛ ۚ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۙ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۖ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۙ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۚ كَذٰلِكَ ۟ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۙ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۙ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۙ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۟

آخرت کے کچھ احوال

ان آیات میں اللہ رب العزت نے آخرت کے کچھ احوال بیان کیے ہیں، اور قرآن پاک کے اسلوب کے مطابق دوزخ اور جنت کے احوال ایک ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

چنانچہ پہلے جہنم کا تذکرہ فرمایا کہ جہنم میں زقوم (تھور) کا درخت ہوگا، جو جہنمیوں کا کھانا ہے، اور وہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، جو پیٹ میں جا کر ایسے کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے، اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر تیز گرم پانی انڈیل دو۔ (اعاذنا اللہ منہ!)

اس کے بعد اللہ رب العزت نے متقین کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ امن وسکون کی جگہ میں ہوں گے، جہاں باغات اور چشمے ہوں گے، ان جنتیوں نے قیمتی ریشمی لباس زیب تن کیا ہوگا، بڑی آنکھوں والی خوبصورت حوروں سے ان کی شادی کردی جائے گی، ہر قسم کے میوہ جات سے لطف اندوز ہوں گے، انہیں کبھی موت نہیں آئے گی بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جنت میں رہیں گے۔

سورت کا اجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اسے ایک مبارک رات یعنی شب قدر میں نازل فرمایا ہے۔

۲-اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار پر آئے ایک عذاب کا بھی ذکر فرمایا جو دھویں کی شکل میں تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے کفّار پر چھا گیا تھا، نیز اس عذاب میں کفّارِ مکہ کو بدترین قحط سالی کا بھی سامنا کرنا پڑا، پھر بعد میں کفّار کی التجاء اور درخواست کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو وہ عذاب ختم ہو گیا۔

۳-سورت میں فرعون اور قوم تبع وغیرہ کا ذکر کر کے کفّارِ مکہ کو تنبیہ کی گئی کہ جب اتنے طاقتور لوگ اپنے کفر کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے نہیں بچ سکے تو تم بھی نہیں بچ سکو گے، لہٰذا یہ روش تبدیل کرو، اور اللہ ربّ العزّت پر ایمان لے آؤ۔

۴-سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے جنتیوں اور جہنمیوں کے انجام کا ذکر فرمایا ہے۔

تمت سورة الدخان بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں پینتالیس (۴۵) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ پینسٹھ (۶۵) نمبر پر ہے، سینتیس (۳۷) آیات اور چار رکوع پر مشتمل ہے۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے مشہور نام تین ہیں:

۱-الجاثیۃ: یہ دراصل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو گھٹنے کے بل کھڑے ہوں، اس سورت کو "الجاثیۃ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے اعمال کے ڈر سے قیامت کے دن گھٹنے کے بل کھڑے ہوں گے۔

۲-الشریعۃ: اس سورت کو "الشریعۃ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص شریعت عطا کرنے کا اور اس کی اتباع کرنے کا حکم فرمایا ہے

۳-الدھر: دہر عربی زبان میں زمانے کو کہا جاتا ہے، اس سورت کو "الدھر" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کے اس باطل نظریہ کو ذکر فرما کر اس کی تردید فرمائی، وہ کہتے تھے کہ ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے، اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ محض ان کے دماغ کا خلل ہے۔

ماقبل سے ربط

۱-گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے ایک عذاب کا ذکر فرمایا تھا، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے عذاب سے بچنے کے طریقے بیان فرمائے ہیں۔

۲-گزشتہ سورت میں پچھلی اُمتوں میں تکبّر کرنے والوں کا ذکر تھا اس سورت میں ان کی روزِ محشر ذلت کا بیان ہے۔ یہ اُمتیں روزِ محشر گھٹنے کے بل کھڑی ہوں گی۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''تکبّر اور خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع سے بچنا'' ہے۔ نیز متکبرین کی اُخروی ذلت کا بھی بیان ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں آفاق عالم میں پھیلی اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں اور اللہ رَبّ العزّت کے اپنے مخلوق پر احسانات اور نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ اللہ رَبّ العزّت کی نشانیوں سے تکبّر کرنے والوں کا انجام بھی اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ خواہشات نفسانیہ کی اتباع کے خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے۔

۴۔ بنی اسرائیل پر اللہ رَبّ العزّت کی نعمتیں اور احسانات ذکر کیے گئے ہیں، جن کا شکر ادا کرنے کے بجائے انہوں نے ناشکری اور انکار سے کام لیا۔

۵۔ ملحدین اور دہریوں کے عقیدے کی کمزوری بھی اس سورت میں بھی بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ
خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

توحیدِ خداوندی کے آفاقی دلائل

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے صداقت قرآن کا تذکرہ فرمایا ہے جو ''حوامیم سبعہ'' کا ایک مستقل موضوع ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو غالب ہیں اور حکمتوں والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل ذکر فرمائے ہیں جن میں آسمان و زمین کی تخلیق، انسان اور زمین میں چلنے پھرنے والے حیوانات کی تخلیق، رات اور دن کا مرتب نظام نیز بارشوں اور ہواؤں کا چلنا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ نشانیاں ایک طرف اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کو آشکارا کرتی ہیں، تو دوسری طرف اس خلاق عالم کی صناعت اور کاریگری کے ذریعہ اس کے وجود کو بھی ثابت کرتی ہیں کہ یہ سارا نظام عالم ایسے ہی معرض وجود میں نہیں آیا جیسا کہ ملحدین اور

دہریہ لوگوں کا نظریہ ہے، بلکہ کوئی ذات ہے جس نے ان سب کو وجود بخشا ہے۔ جس شخص کو اللہ ربّ العزّت نے ذرا سی عقل سلیم عطا کی ہو وہ ان نشانیوں میں غور کر کے ان کے بنانے والے کو پہچان سکتا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ مِّن وَرَائِهِمْ
جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝
هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ۝

اللہ ربّ العزّت کی نشانیوں میں غور و فکر نہ کرنے والوں کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اور ان کے بارے میں سن کر بھی تکبر کرتے ہیں، تکبر کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور قرآن کریم کو سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے تکبر کرنے والوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے جو جہنم کی صورت میں ہوگا اور انہیں چاروں جانبوں سے گھیر لے گا، تب انہیں دولت کام دے گی نہ جھوٹے خدا۔ بلکہ عذاب ہی بھگتنا پڑے گا۔

تکبر خطرناک روحانی مرض ہے جو کفر اور قرآن کریم کے انکار تک پہنچا دیتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ "لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر" یعنی جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۹۳/۱) تکبر نے ہی شیطان کو راندۂ درگاہ بنا دیا۔ بقول شاعر:

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندان لعنت گرفتار کرد

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝
وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

منکرینِ قیامت کی زیادتیوں سے درگزر کر دیا کریں!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کیا کریں جو قیامت کے منکر ہیں اور ہماری ملاقات پر یقین نہیں رکھتے، ہم خود ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

شانِ نزول

غزوہ بنو المصطلق کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا، منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا، اس نے اپنے غلام کو کنویں

سے پانی بھرنے کے لیے بھیجا، اسے واپسی میں دیر ہو گئی، عبداللہ بن ابی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام کنویں کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا، اس نے کسی کو اس وقت تک پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشکیزے نہیں بھر گئے۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم پر تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ "سمن کلبك یاکلك" "اپنے کتے کو موٹا کرو تو وہ تمہیں کھا جائے گا، اس جملہ میں اس بدبخت نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بدترین گستاخی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ تلوار سنبھال کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

کیا گزشتہ شریعتوں پر عمل کیا جا سکتا ہے؟

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہم نے آپ کو ایک خاص شریعت پر رکھا ہے، لہٰذا آپ اسی کی پیروی کیجیے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔" یہ بات واضح رہے کہ دین اسلام کے کچھ تو اصول اور عقائد ہیں مثلاً توحید و آخرت وغیرہ، اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں، جہاں تک اصول و عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی اُمّت میں یکساں رہے ہیں اور ان میں کبھی ترمیم اور تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن عملی احکام مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں، مذکورہ آیت میں انہی دوسری قسم کے احکام کو "ایک خاص طریقہ اور شریعت" سے ذکر کیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے فقہائے کرامؒ نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے لیے صرف شریعتِ محمدی ہی کے احکام واجب العمل ہیں، پچھلی اُمتوں کو جو احکام دیے گئے تھے وہ ہمارے لیے اس وقت تک واجب العمل نہیں جب تک قرآن و سنّت سے ان کی تائید نہ ہو جائے۔

جاہلوں کی خواہشات کا اِتباع نہ کریں!

شریعت کی اتباع کے حکم کے ساتھ ساتھ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے واسطہ سے ساری اُمّت کو یہ حکم دیا ہے کہ جاہل لوگوں کی خواہشات کی بالکل پیروی نہ کیجیے، یعنی ان کی خواہش تو یہ ہے کہ آپ تبلیغ ترک کر دیں، اور اسی لیے یہ طرح طرح سے آپ کو پریشان کرتے ہیں تاکہ آپ تنگ ہو کر تبلیغ چھوڑ دیں، لیکن آپ ہرگز ان کی پروا نہ کیجیے گا، کیونکہ یہ لوگ اللہ ربّ العزّت کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آ سکتے، اور نہ ہی یہ آپ کے دوست اور خیر خواہ ہیں، کیونکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، جبکہ متقی اور پرہیزگاروں کا دوست اللہ ربّ العزّت خود ہوتا ہے۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو کہ ہمارا تجربہ بھی ہے کہ اگر آپ میں سے کوئی شخص یہ عہد کر لے کہ آج سے میں شریعت کے مطابق سارے معاملات سرانجام دوں گا اور اپنی زندگی مکمل طور پر شریعت کے مطابق گزاروں گا تو لوگ آپ کے مخالف ہو جائیں گے، برادری آپ کو چھوڑ دے گی، لیکن اللہ ربّ العزّت آپ کی مدد فرمائیں گے۔

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا ایمان افروز واقعہ

ہمارے کئی بزرگوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، انہوں نے جب اپنے علاقوں میں دین کا کام کرنا شروع کیا، اللہ ربّ العزّت کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی بات کی تو لوگ ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور انہیں طرح طرح سے تکلیفیں اور اذیتیں دینے لگے، حتیٰ کہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔

ہمارے شیخ التفسیر امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ لاہور تشریف لائے، آپ ایک سکھ کے بیٹے تھے، لیکن خدا کی تقسیم ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کو سکھ گھرانے سے اٹھا کر قرآن کا مفسر اور امام الاولیاء بنا دیا، آپ صاحب کشف ولی تھے، وہ چیزیں جو عام طور پر نظر نہیں آتیں حضرت لاہوریؒ کو نظر آ جاتی تھیں، آپ کی کرامات کے بہت واقعات زبان زد خاص و عام ہیں، تو آپ جب لاہور تشریف لائے تو شیرانوالا دروازہ نامی علاقہ میں درس قرآن کا آغاز کیا، وہاں کا ماحول سازگار نہیں تھا، لوگ آپ کے مخالف اور دشمن ہو گئے، نیز چونکہ قرآن پاک سے لوگوں کے باطل نظریات اور غلط عقائد پر بھی زد پڑتی ہے، اس لیے وہاں کے مولوی حضرات بھی آپ کے خلاف ہو گئے، حتیٰ کہ آپ کی دشمنی میں اتنا آگے بڑھے کہ ایک بدمعاش کو آپ کے قتل کے لیے بھیجا، اور اسے سبق یہ پڑھایا کہ یہ نبی کا گستاخ ہے، چنانچہ وہ بدمعاش چھری لے کر آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلا، پلان یہ تھا کہ حضرت جب صبح تہجد کے وقت گھر سے نکل کر مسجد اور مدرسہ تشریف لائیں گے، اس وقت قتل کروں گا، لیکن چونکہ حضرت کو پہچانتا نہیں تھا، اس لیے اس وقت کوئی نقصان نہ پہنچا سکا، اور آپ کے درس میں شریک ہو گیا، اللہ والوں کا جو درس ہوتا ہے اس میں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے انوارات کی برسات ہوتی ہے، ایک تو خود قرآن کریم کی مجلس جس کی فضیلت و شان کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اور پھر اللہ والے کی زبان سے اس قرآن کا درس ہو رہا ہو تو اس کی تاثیر کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ بہرحال حضرت نے قرآن کی تفسیر بیان کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صفات کا تذکرہ فرمایا تو اس کا دل بدل گیا، اور سوچنے لگا کہ مجھے ان کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا، لیکن یہ تو اس کے بالکل برعکس شخصیت ہیں، درس کے بعد سب لوگ حضرت لاہوریؒ سے ملنے لگے تو یہ بھی آگے بڑھا اور مصافحہ کیا، حضرت نے دریافت کیا کہ کیسے آئے ہو؟ کہنے لگا: آیا تو کسی اور نیت سے تھا، لیکن اب مجھے بیعت فرما لیں، پھر سارا واقعہ سنا دیا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ

بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا
وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ
مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

''مشرک'' اور ''موحد'' برابر نہیں ہو سکتے!

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا ہے کہ مومن اور نیک اعمال کرنے والے اور مشرک کبھی برابر نہیں ہو سکتے، کیا زندگی اور موت برابر ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح ایمان و کفر اور نیکی و بدی بھی کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ مجرمین یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کے برابر رکھیں گے تو ان کا یہ گمان بالکل غلط اور فاسد ہے۔ اللہ رَبّ العزّت عدل و انصاف کے ساتھ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ عنایت فرمائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے، اسی طرح بدکار لوگ نیکوکار لوگوں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خواہشاتِ نفسانی کو معبود نہ بناؤ!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان لوگوں کا ذکر کیا جنھوں نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے، یعنی وہ لوگ جو صرف اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں اور جو ان کے دل میں خیال گزرتا ہے اسی پر عمل کرنے لگتے ہیں، جبکہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ خواہشات نفسانیہ پر نہیں چلتا بلکہ اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کی پیروی کرتا ہے، تو اللہ رَبّ العزّت نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو اللہ رَبّ العزّت نے علم کے باوجود گمراہ کر دیا، ان سے ہدایت چھین لی، اور ان کے کان اور دل پر مہر لگا دی جس سے ہدایت کی کوئی بات ان کے دل میں اترتی ہی نہیں، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس سے انہیں کوئی دلیل نظر ہی نہیں آتی، تو اللہ کے سوا انہیں اب کون ہدایت دے سکتا ہے؟ لہٰذا ان سے عبرت حاصل کرو۔

''دہریئے'' کے نظریے کی تردید

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو سرے سے خدا کے وجود کے منکر ہیں، انہیں دہریہ کہا جاتا ہے، جو کفر کی ایک سنگین قسم ہے، یہ طبقہ تقریباً ہر زمانے میں پایا جاتا رہا ہے، اور آج کل اس طبقہ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ تو اللہ رَبّ العزّت نے ان کے نظریہ کو ذکر فرما کر اس کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ ملحد اور دہریہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف یہ دنیا کی زندگی ہے، ہم اسی میں مرتے اور جیتے ہیں، اس کے سوا کوئی اور زندگی نہیں ہے، اور ہمیں تو موت

بھی صرف زمانہ کی گردش سے آتی ہے، یہ زمانہ ہی ہے جو ہمیں غریب بناتا ہے، امیر بناتا ہے، زمانہ کی گردش سے ہی ہم بیمار اور تندرست ہوتے ہیں، غرض ہمارے سارے حالات و کیفیات زمانے کی گردش کے تابع ہیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس اللہ ربّ العزّت کی ذات کے وجود پر کائنات میں بے شمار دلائل موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا شخص اللہ ربّ العزّت کی ذات کو تسلیم کرنے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی بنانے والا ہے۔ ذیل میں اس حوالے سے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جن میں اللہ ربّ العزّت کے وجود کو نہایت سادہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے:

وجودِ باری تعالیٰ پر چند سادہ اور عام فہم دلائل

دیہاتی بڑھیا کا واقعہ

ایک دیہاتی بڑھیا سے کسی نے پوچھا: کیا آپ کے خیال میں اللہ ہے؟ اس نے کہا: جی ہے۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کے وجود کی کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا: میں چرخہ کاتتی ہوں اور سوت بنتی ہوں، یہ چھوٹا سا چرخہ میرے چلائے بغیر خود بخود نہیں چلتا، تو یہ اتنی بڑی کائنات کا نظام خود بخود کیسے چل رہا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی اس کا چلانے والا ہے جو اللہ ربّ العزّت کی ذات اقدس ہی ہے۔

چرواہے کا واقعہ

ایک چرواہے سے کسی نے اللہ ربّ العزّت کے وجود پر دلیل طلب کی تو اس نے کہا: "البعرة تدل على البعير، وآثار الاقدام على المسير، فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج وبحار ذات امواج الا تدل على العليم الخبير" دلیل یہ ہے کہ جب میری بکری یا اونٹ گم ہو جائے تو میں اس کی مینگنیاں دیکھ دیکھ کر اس کو تلاش کرتا ہوں اور اس کے قدموں کے نشانات پر چل کر اسے ڈھونڈ لیتا ہوں، تو جب مینگنی سے اونٹ کا پتہ چل جاتا ہے اور قدموں کے نشانات سے گزرنے والے کی خبر ہو جاتی ہے تو اس سارے جہاں اور اس پوری کائنات میں پھیلی قدرتِ خداوندی کی ان گنت نشانیوں سے اللہ ربّ العزّت کی ذات کی خبر کیوں نہیں ہوتی؟

امام احمد رحمہ اللہ کا واقعہ

امام احمد رحمہ اللہ بہت بڑے عالم ہیں، ان سے کسی نے اللہ ربّ العزّت کے وجود کی دلیل پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک سفید گھر دیکھا ہے، جس میں کوئی کھڑکی اور دروازہ نہیں ہے، لیکن کوئی ذات ہے جو اس بند گھر میں ایک مخلوق کو پیدا کرتی ہے اور اسے زندہ بھی رکھتی ہے، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ کوئی ذات ہے جو اس مخلوق کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور اسے اس بند گھر میں جہاں آمد و رفت کا کوئی راستہ نہیں، اس مخلوق کو آکسیجن فراہم کر رہی ہے، اور وہ ذات اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔

پوچھنے والے نے پوچھا کہ حضرت کچھ مزید وضاحت فرما دیجیے، تو آپ نے فرمایا کہ سفید بند گھر سے مراد انڈا ہے، جس میں اللہ ربّ العزّت چوزہ پیدا کرتا ہے اور اس کو زندگی عطا کرتا ہے۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ کا واقعہ

امام شافعی رحمہ اللہ سے کسی نے اللہ ربّ العزّت کے وجود کی دلیل مانگی تو آپ نے جواب میں شہتوت کے پتا کو بطور دلیل پیش فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اس پتے کو بکری کھاتی ہے تو سفید دودھ دیتی ہے، ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم پیدا کرتا ہے، حالانکہ پتا ایک ہے، جسے ایک ہی پانی لگا ہے، اور زمین بھی ایک ہے، اس کے باوجود اس سے مختلف نتائج اور ثمر حاصل ہو رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ذات ہے جس نے ایک ہی چیز سے مختلف نتائج پیدا فرمائے اور وہ اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔

اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا واقعہ

ایک دہریہ نے خدا کے وجود پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بحث کرنا چاہی، امام صاحب نے اسے مناظرہ کی دعوت دے دی، جس پر وہ رضامند ہو گیا، اور مناظرہ کے لیے وقت اور جگہ طے ہو گئی، جس دن مناظرہ طے تھا، اس دن سب لوگ جمع ہو گئے، دہریہ مناظر وقت پر آ گیا لیکن امام صاحب دانستہ طور پر تاخیر سے تشریف لائے، جب آپ تشریف لائے تو اس دہریہ نے امام صاحب سے تاخیر کی وجہ پوچھی تو امام صاحب نے فرمایا: دراصل آج میں نے ایک ایسی عجیب بات دیکھی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، اسی لیے دیر ہو گئی، ہوا یوں کہ مجھے دریا کے پار سے آنا تھا، تو جب میں دریا پر پہنچا تو دیکھا کہ کوئی کشتی موجود نہیں ہے، میں پریشان وہاں کھڑا رہا، اسی پریشانی کے عالم میں کیا دیکھتا ہوں کہ اچانک درخت گرنا شروع ہو گئے، اور خود بخود ان کی لکڑیوں سے تختے بننے شروع ہو گئے، پھر تختے آپس میں ملتے ملتے کشتی تیار ہو گئی، اور خود بخود چل کر دریا کے کنارے آ کھڑی ہوئی، میں اس میں سوار ہوا، پھر وہ خود بخود بغیر ملاح کے چل پڑی اور میں نے دریا پار کر لیا، اس وجہ سے مجھے تاخیر ہوئی۔ دہریے نے یہ سب سن کر امام صاحب کا مذاق اڑایا اور کہا کہ عجیب آدمی ہو، بھلا کبھی ایسا بھی ہوا کہ درخت خود ٹوٹ کر تختے بنے ہوں، پھر تختے جڑ کر کشتی بنی ہو، اور وہ خود بخود چل کر دریا عبور کر لیتی ہو، ایسا تو ممکن نہیں ہے۔
امام صاحب نے فرمایا کہ بس مناظرہ ہو گیا، جب تمہارے نزدیک ایک کشتی خود بخود نہیں بن سکتی تو پھر یہ سارا جہاں بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود کیسے بن گیا؟ اس دہریہ کی سمجھ میں بات آ گئی اور اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ
كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا
كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ
نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝
ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

قیامت کے چند ہولناک مناظر

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر اُمّت خوف اور دہشت کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گر جائے گی، پھر اللہ ربّ العزّت ہر جماعت کو ان کے نامہ اعمال میں درج اعمال کے حساب کی طرف بلائیں گے، ہر کوئی اپنا اعمال نامہ دیکھے گا، اللہ ربّ العزّت کی طرف سے اعلان ہوگا کہ یہ نامہ اعمال ہمارا لکھوایا ہوا رجسٹر ہے جو تمہارے بارے میں بالکل ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے، ہم دنیا میں تمہارے سارے اعمال لکھواتے تھے، اس کے بعد جو لوگ ایمان والے ہوں گے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہوں گے تو انہیں اللہ ربّ العزّت اپنی رحمت یعنی جنّت میں داخل فرمائیں گے، جبکہ جو لوگ کافر ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں ہماری آیات کا انکار کیا تھا، اور قیامت کے دن کو بھی بالکل فراموش کر دیا تھا، لہٰذا آج ہم بھی تمہیں اپنی رحمت سے فراموش کر رہے ہیں، تمہارا ٹھکانا جہنّم ہے، جس سے تمہیں کبھی نہیں نکالا جائے گا، اور نہ کوئی تمہاری مدد کر سکے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے صداقت قرآن کو بیان فرما کر اپنی توحید اور اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں، جس میں آسمان و زمین کی پیدائش، رات اور دن کا مرتب نظام، بارشوں اور ہواؤں کا چلنا وغیرہ شامل ہیں، اس کے بعد ان نشانیوں کو نہ ماننے والوں کے انجام کا بھی ذکر کیا ہے۔

۲۔ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص شریعت کا ذکر ہے جس کی اتباع کرنا ہم سب پر لازم ہے، جبکہ پچھلی شریعتوں کے احکام میں سے ہم پر صرف ان احکام کی اتباع لازم ہوگی جن کو ہماری شریعت میں بھی برقرار رکھا گیا ہو۔

۳۔ اس سورت میں ملحدین اور دہریوں کا تذکرہ فرما کر نہایت بلیغ انداز میں ان کا رد کیا گیا ہے۔

۴۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں، نیز مومنین اور کفّار کا اُخروی انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

تمت سورة الجاثية بعون الله سبحانه وتعالى

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْاَحْقَاف

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن پاک کی ترتیب میں چھیالیس (۴۶) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا چھیاسٹھ (۶۶) نمبر ہے، چار رکوع اور پینتیس (۳۵) آیات پر مشتمل ہے۔ یہ سورت حوامیم سبعہ میں سے آخری سورت ہے، یعنی جن سات سورتوں کے آغاز میں "حٰمٓ" آیا ہے ان میں آخری سورت ہے۔

وجہ تسمیہ

"احقاف" دراصل ریت کے ٹیلوں کو کہتے ہیں، اس سورت میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کا مسکن یمن میں ریت کے ٹیلوں میں تھا، اس وجہ سے اس سورت کا نام "الاحقاف" رکھ دیا گیا۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں مشرکین کو شرک کرنے پر سرزنش کی گئی تھی، اس سورت کی ابتداء میں بھی یہی مضمون ذکر کیا گیا ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں ذکر کیے گئے منہج کو اس سورت میں قبول کرنے اور قبول نہ کرنے والوں کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ "ہدایت اور حق قبول کرنے کی صلاحیت اللہ رب العزت کی طرف سے ہے، وہ جسے چاہتے ہیں یہ صلاحیت بخش دیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں اس صلاحیت سے محروم کر کے گمراہ کر دیتے ہیں، جیسے قوم عاد کو اس صلاحیت سے محروم کر دیا جبکہ جنات کو یہ صلاحیت دے کر ہدایت بخش دی۔"

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں حق قبول کرنے والے اور حق سے اعراض کرنے والوں کے نمونے بیان کیے گئے ہیں۔

۱: چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نمونہ پیش فرمایا جو یہودی تھے، پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۲: اس بچے کا نمونہ پیش کیا جو والدین کا فرمانبردار اور حق قبول کرنے والا ہے نیز اس بچے کا نمونہ بھی پیش کیا جو اپنے رب کا بھی نافرمان ہے اور اپنے والدین کی اطاعت بھی نہیں کرتا۔

۳: قوم عاد کا نمونہ پیش کیا جنہوں نے اللہ ربّ العزّت کے احکام سے اعراض کیا اور کفر پر ڈٹے رہے۔

۴: جنوں کی ایک جماعت کا نمونہ بھی پیش کیا جنہوں نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کو مانا بلکہ اس کے داعی بھی بن گئے اور اپنے بھائیوں کو بھی دین کی دعوت دینے لگے۔

۲- والدین بالخصوص والدہ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

۳- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیوں خاص کر زمین و آسمان کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، کیونکہ جو بھی صدق دل سے آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرے گا وہ ضرور حق کو پالے گا۔

۴- کفار اور مشرکین کا اُخروی انجام بیان کیا گیا ہے کہ اپنے تکبّر، فسق اور کفر کی وجہ سے جہنّم کی آگ ان کا ٹھکانا بنے گی۔

۵- اس سورت میں حق کی دعوت دینے اور دعوت کے راستے میں آنے والی تکالیف اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

پارہ نمبر ۲۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

مشرک سے زیادہ گمراہ کون ہوسکتا ہے؟

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے دیگر حوامیم کی طرح صداقت قرآن کو بیان فرمایا ہے کہ یہ قرآن اللہ ربّ العزّت کا کلام ہے، جو حکمتوں والے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل میں سے آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ ہم نے آسمان و زمین کو اور ان کے درمیان کی ساری مخلوقات کو حکمت کے ساتھ ایک معین وقت تک کے لیے پیدا کیا ہے، اس کے بعد یہ سب چیزیں فنا ہوجائیں گی اور قیامت کا دن برپا ہوگا جس سے یہ کفار اعراض کرتے ہیں۔

پھر اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کے دعاویٔ شرک کو باطل کرنے کے لیے ان سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ

کیا؟اور فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اس شرک اور بت پرستی کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو تو اسے پیش کرو، اگر دلیل عقلی ہے تو مجھے ذرا یہ دکھاؤ کہ تمہارے ان جھوٹے معبودوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا کون سے آسمان کی تخلیق میں ان کا حصہ ہے؟ اور اگر دلیل نقلی ہے تو میرے پاس کوئی آسمانی کتاب لاؤ جس میں شرک اور بت پرستی کی اجازت دی گئی ہو یا کسی نبی کا قول ہی لے آؤ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی مشرک ایسے دلائل نہیں لاسکتا۔ لہٰذا اس شرک اور بت پرستی سے باز آؤ۔

اس سب کے باوجود اگر کوئی مشرک اپنے باطل عقیدے سے باز نہ آئے تو اس کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو دلیل سے عاجز آنے کے باوجود حقیقی معبود کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہ دیں اور جنہیں اس کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو، نیز بروزِ قیامت وہ جھوٹے معبود اپنے ان پجاریوں کی عبادت کا ہی انکار کر بیٹھیں اور ان کے دشمن ہو جائیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا
بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اِثباتِ رِسالت اور اس کے دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو دلائل کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے، اور اس ضمن میں کفّار اور مشرکین کے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

چنانچہ فرمایا کہ جب ان کفّار پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو واضح جادو ہے یا کہتے ہیں کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود گھڑ لیا ہے، تو اللہ ربّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی ان کو جواب دلوایا کہ اگر یہ قرآن میں نے اپنی طرف سے گھڑا ہے تو اللہ ربّ العزّت مجھے اس کی سزا دینے پر قادر ہیں اور تم مجھے اس سے بچا نہیں سکتے، مگر مجھے اس کی طرف سے کوئی سزا اور سختی درپیش نہیں ہوئی، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ میں اپنے دعوائے نبوّت میں جھوٹا نہیں ہوں۔

نیز میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر آ چکے ہیں جن کی خبر تم نے بھی سنی ہے، اسی طرح میں علم غیب کا دعویٰ بھی نہیں کرتا، مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ مجھے غیب کی باتوں میں سے صرف وہ معلوم ہیں جو وحی سے مجھے بتادی گئی ہیں، غیب کی اور کسی بات کی مجھے خبر نہیں۔

اور اے کفّارِ مکہ تم یہ تو سوچو کہ اگر واقعۃً یہ قرآن اللہ ربّ العزّت کی جانب سے نازل کیا گیا ہو اور تم اس کا انکار

کرتے رہو تو تمہارا کیا انجام ہوگا، خصوصاً اس صورت میں کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بڑا عالم اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کردے اور مسلمان ہوجائے اور تم اس علم کے باوجود اپنی ضد اور کفر پر ڈٹے رہو تو تم کس قدر عذاب کے مستحق ہوگے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی فضیلت

گزشتہ آیت میں اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کے کسی عالم کا تذکرہ فرمایا جس نے قرآن کے حق ہونے اور اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل شدہ ہونے کی تصدیق کی اور مسلمان ہوگیا، لیکن اس عالم کا نام نہیں لیا گیا اور نہ ہی کسی خاص عالم کو متعین کیا گیا، اس لیے بعض مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت سے مراد کوئی خاص عالم نہیں، بلکہ بنی اسرائیل کے وہ سب علماء مراد ہوسکتے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ البتہ جمہور مفسرین کرام کے نزدیک یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہود کے بہت بڑے عالم تھے اور بعد میں مسلمان ہوگئے۔

قبولِ اسلام کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنتے ہی آپ کے دیکھنے کے لیے حاضر ہوا، ''فلما رأيت وجهه عرفت أن وجهه ليس بوجه كذاب'' اور میں آپ کے چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے، اور پہلا کلام جو میں نے آپ کی زبان اقدس سے سنا وہ یہ تھا:

ايها الناس اطعموا الطعام وافشوا السلام وصلوا الارحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام۔ (سنن الترمذی:۶۵۲/۴)

ترجمہ:- اے لوگو! کھانا کھلایا کرو اور آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات میں نماز پڑھو جبکہ لوگ خدا سے غافل سو رہے ہوں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔

پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات کیے جن کے جواب نبیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتے، میں نے پوچھا کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہوگا؟ اور کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی اپنے باپ کے؟

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کردے گی، جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی ہوگی، اور تیسرے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ جوابات سنتے ہی میں نے اسلام قبول کرلیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۳۳۲۹)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا
وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۚ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۚ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ
اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ
اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ
اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۚ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۞ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ اُخْرَجَ
وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ
اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۞ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ وَيَوْمَ يُعْرَضُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۚ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۞

پورے دِین کا خلاصہ

ان آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے بڑی بلاغت کے ساتھ پورے دین یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ کو جمع کر دیا ہے، اور وہ اس طرح کہ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ ربّ العزّت کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور پھر اس پر استقامت رکھتے ہیں تو ان کو آئندہ نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خوف ہوگا اور نہ ماضی کی کسی تکلیف پر رنج و افسوس رہے گا۔ تو "ربنا اللہ" کا اقرار پورے ایمان کو شامل ہے جبکہ اس پر استقامت میں ایمان پر ثابت قدم رہنا اور ایمان کے تمام تقاضوں پر عمل کرنا دونوں شامل ہیں۔

والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت اور بدسلوکی کرنے کی مذمت بیان فرمائی ہے، اور اس ضمن میں انسان پر اس کے والدین کے احسانات کا اور اولاد کے لیے سخت محنت و مشقت برداشت کرنے کا تذکرہ بھی فرمایا ہے، نیز فرمانبردار اور نافرمان اولاد کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے والدین کے بارے میں انسان کو نصیحت کی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، کیونکہ انہوں نے تمہاری پیدائش سے لے کر جوانی تک تمہارے لیے بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں، خصوصاً ماں کی مشقت اور محنت بہت ہی زیادہ نمایاں ہے، کیونکہ وہ ایک طویل مدت تک یعنی نو ماہ تک بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے، جس میں اس کو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں، پھر ولادت کے وقت سخت درد اور تکلیف کے ساتھ بچے کو جنم دیتی ہے، پھر اتنی مشکلات اور تکالیف کے بعد بھی ماں کو محنت اور مشقت سے فراغت نہیں ملتی، کیونکہ اس کے بعد بچے کی غذا

بھی قدرت نے ماں کی چھاتیوں میں اتاری ہے اور وہ اس کو دودھ پلاتی ہے۔ چونکہ ماں کی تکالیف اور مشکلات باپ کی بنسبت کئی گنا زیادہ ہیں اس لیے شریعت اسلامیہ نے ماں کے حقوق کو باپ کے حقوق پر فوقیت دی ہے اور ماں کے تین حق مقرر کیے ہیں جبکہ والد کا ایک حق مقرر کیا گیا ہے۔ارشادِ نبوی ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! من أحق الناس بحسن صحابتي قال أمك قال ثم من قال أمك (ثم أمك) قال ثم من قال أمك (ثم أمك) قال ثم من قال ثم أبوك۔

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:۵۹۷۱)

حمل کی کم از کم مدت چھ مہینے ہے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ بچے کا حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی کل مدت تیس مہینے ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ کی ہے، کیونکہ قرآن پاک میں دودھ پلانے کی اکثر مدت دو سال متعین کی گئی ہے، اور یہاں حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کے دو سال یعنی چوبیس مہینے نکالنے کے بعد حمل کے چھ مہینے ہی رہ جاتے ہیں، جس کو کم سے کم مدت حمل قرار دیا گیا ہے۔

فرمانبردار اولاد کے اَحوال

پھر فرمایا کہ یہ بچہ جس کو اس کی ماں نے سخت تکالیف جھیل کر پیدا کیا، جب یہ جوان ہو گیا اور اپنی مضبوطی کی عمر کو پہنچ گیا، یعنی اس کی عمر چالیس سال ہو گئی اور عقل پختہ ہو گئی تو اب جو سعادت مند ہوتا ہے وہ اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل بالکل پختہ ہو جاتی ہے، زندگی کے تجربات حاصل ہو جاتے ہیں، اور اس کے بعد عمر ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے، لہٰذا اس وقت اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تو سعادت مند شخص اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو اس بات کی توفیق دیجیے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں، اور مجھے اس بات کی بھی توفیق

اور پابندی نصیب فرمایئے کہ میں نیک اعمال کیا کروں جس سے آپ راضی ہوں اور میری اولاد کی بھی اصلاح فرما دیجیے، میں آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور آپ کی فرمانبرادی کا اقرار کرتا ہوں۔

یہ ماں باپ کے فرمانبردار اور نیک اولاد کا تذکرہ تھا جس نے اللہ رَبُّ العزّت کی طرف رجوع کیا اور اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے خیر اور سعادت کا سوال کیا۔ حضرات مفسرین کرامؒ کے نزدیک اس آیت کا سب سے پہلا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات ہے، جو صحابہ کرام میں واحد صحابی ہیں جو خود بھی صحابی ہیں، ان کے والد بھی صحابی ہیں اور ان کی اولاد بھی صحابیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئی۔ گویا آپ کے خاندان کی تین پشتیں صحابی رسول ہیں۔

پھر اللہ رَبُّ العزّت نے اس نیک اولاد کی فضیلت اور ان کا صلہ و اجر بیان فرمایا کہ ہم ان کے نیک اعمال قبول کرتے ہیں اور ان کی خطاؤں سے درگزر کر دیتے ہیں، یہ لوگ جنّت کے مستحق ہوں گے۔

نافرمان اولاد کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے ماں باپ کی نافرمان اولاد کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جنھیں والدین نے نہایت مشقت اور محنت سے پالا، باپ نے اس کی پیدائش اور پرورش پر خرچ کیا، ماں نے اس کی تربیت میں مشقتیں جھیلیں، لیکن جب یہ بڑا ہوا اور جوان ہو کر اپنی مضبوطی کی عمر کو پہنچ گیا تو کافر اور ماں باپ کا نافرمان بن گیا، اور جب اس کے والدین نے اس کو حق کی اور اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگا کہ تف ہے تم پر، کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں قیامت میں دوبارہ زندہ ہو کر قبر سے نکالا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر گئیں، مگر آج تک اس جیسی کوئی بات سامنے نہیں آئی کہ کوئی مر کر دوبارہ زندہ ہوا ہو۔ اور وہ دونوں (غریب ماں باپ اس کے کفر سے گھبرا کر) اللہ رَبُّ العزّت سے فریاد کرتے ہیں اور اس کی ہدایت کے لیے ہر پل دُعا کرتے ہیں اور اسے سمجھاتے رہتے ہیں کہ تیرا ناس ہو، ایمان لے آ، اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن وہ پھر بھی تسلیم نہیں کرتا بلکہ اپنی ڈھٹائی پر اڑا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب دقیانوسی باتیں ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ رَبُّ العزّت کا عذاب آیا کرتا ہے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن
كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا
تَجْهَلُونَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم
بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ

عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

قومِ عاد کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قوم عاد کا تذکرہ فرمایا ہے جو یمن کے قریب ریت کے ٹیلوں پر فروکش تھی، ان کے پاس حضرت ہود علیہ السلام اللہ ربّ العزّت کا پیغام لے کر آئے، انہوں نے ان سے کہا کہ شرک چھوڑ دو، اور ایک اللہ ربّ العزّت کی عبادت کرو، اور اگر تم میری بات نہیں مانو گے اور اپنے کفر اور شرک پر ڈٹے رہو گے تو مجھے تم پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے، اس پر قوم نے حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیرنے کے لیے آئے ہو، یہ کبھی نہیں ہوگا، تم جس عذاب کی ہمیں دھمکیاں دیتے ہو وہ لے آؤ۔ غرض جب انہوں نے کسی طرح حق کو قبول نہ کیا تو اللہ ربّ العزّت نے ان پر سخت آندھی کا عذاب بھیجا، جس کا آغاز یوں ہوا کہ ایک بادل اٹھا، جب ان لوگوں نے بادلوں کو دیکھا تو خوش ہو کر کہنے لگے کہ اب بارش آئے گی، حالانکہ وہ برسنے والا بادل نہیں تھا بلکہ درحقیقت وہ عذاب خداوندی تھا، چنانچہ اس کے بعد سخت تند و تیز ہوا چلی جس نے تمام آدمیوں اور مویشیوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکا اور ہلاک کر دیا، یہاں تک کہ ان کے مکانات کے سوا اور کچھ نہ بچا۔ (قوم عاد کی ہلاکت کا تفصیلی واقعہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے)۔

ان کی ہلاکت کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفارِ مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگ طاقت اور قوت میں تم (کفارِ مکہ) سے بڑھ کر تھے، اللہ ربّ العزّت نے انہیں بھی کان، آنکھ اور دل دیے تھے، لیکن چونکہ وہ اللہ ربّ العزّت کی آیات کا انکار کرتے تھے اس لیے جب ان پر عذاب آیا تو نہ ان کے کان ان کے کام آئے، نہ آنکھیں اور نہ ان کے دل کچھ کام آسکے۔ اور وہ سب ہلاک ہو گئے، اس لیے تم بھی حق کو قبول کر لو تا کہ عذاب خداوندی سے محفوظ رہ سکو۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

جنوں کے قبولِ اسلام کا ایمان افروز واقعہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل مکہ کو عار دلانے کے لیے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جنات تو تکبر اور غرور میں تم سے بھی بڑھ کر ہیں مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہو گئے اور وہ مسلمان ہو گئے، تمہیں تو اللہ ربّ العزّت نے جنات سے زیادہ عقل و شعور بخشا ہے مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔ واقعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا اور جو جن آسمانی خبریں سننے کے لیے اوپر جاتا تو اس پر شہاب ثاقب پھینک کر دفع کیا جانے لگا، تو جنات میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہیے کہ کون سا نیا واقعہ دنیا میں ہوا ہے جس کی وجہ سے جنات کو آسمانی خبروں سے روک دیا گیا، جنات کے مختلف گروہ دنیا کے مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لیے پھیل گئے، ان کا ایک گروہ جو تقریباً سات یا نو افراد پر مشتمل تھا اور ان کا تعلق مقام نصیبین سے تھا، حجاز کی طرف بھی پہنچا، اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ وادی نخلہ کے بطن میں تشریف فرماتے اور آپ عکاظ بازار کی طرف تشریف لے جانے کے ارادے سے نکلے تھے۔ تو جب وہ جنات یہاں سے گزرے، اس وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، تو جب انہوں نے قرآن پاک سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو، جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ بس یہی وہ نئی بات ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوئی ہے، اس کے بعد وہ سب اسلام کی حقانیت پر یقین و ایمان لا کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی اور انہیں بھی اسلام کی تبلیغ کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت ان کے آنے کی خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ اللہ ربّ العزّت نے سورۂ جن نازل فرمادی اور اس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ (معارف القرآن)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ
كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۝

تمام اُولوالعزم انبیائے کرام علیہم السلام صابر تھے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے آسمان و زمین کی تخلیق کا نمونہ پیش فرما کر قیامت اور معاد کے عقیدے کو بیان فرمایا کہ جو ربّ آسمان و زمین جیسی عظیم مخلوقات کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور ان عظیم مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو ذرا تھکاوٹ تک نہیں ہوئی تو وہ ذات مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہو سکتی؟ اس کے باوجود جو لوگ اپنی ڈھٹائی پر اڑے رہے اور کفر پر ڈٹے رہے تو ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور فرمایا کہ آپ صبر کیجیے جیسا کہ دیگر اولوالعزم انبیاء علیہم السلام نے صبر کیا، اور ان کفار کے لیے عذاب الٰہی مانگنے کی جلدی نہ کیجیے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے، اور جب وہ عذاب آئے گا تو اس عذاب کی شدت کی وجہ سے ان کو ایسا لگے گا گویا یہ دنیا

میں صرف ایک گھڑی رہے ہیں، یعنی دنیا کی یہ طویل زندگی بہت تھوڑی اور کم لگے گی۔ آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہے، آپ اپنا پیغام پہنچاتے رہیے، اگر انہوں نے آپ کے پیغام کو تسلیم نہیں کیا تو عنقریب یہ ہلاک ہوں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے صداقت قرآن کا مضمون بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمائے، نیز کفار اور مشرکین کو ان کے شرک پر نہایت بلیغ انداز میں تنبیہ فرمائی۔

۲۔ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے والدین بالخصوص والدہ کے حقوق پر بہت زور دیا، والدہ کی تکالیف اور پریشانیوں کا ذکر کیا جو اسے بچے کی پیدائش اور پرورش میں جھیلنی پڑتی ہیں، اور اس ضمن میں فرمانبردار اور نافرمان اولاد کے احوال بھی بیان فرمائے۔

۳۔ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے قوم عاد اور دیگر ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ فرمایا اور کفارِ مکہ کو تنبیہ کی کہ وہ سب طاقت اور قوت میں تم سے بڑھ کر تھے، اس کے باوجود جب انہوں نے اللہ کے احکام کو نہ مانا تو عذاب کا شکار ہوئے، لہٰذا تم بھی ان کی روش پر چلنے سے باز آجاؤ۔

۴۔ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے جنات کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو بھی بیان فرمایا جنہوں نے دوران گشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر سے قرآن پاک کی تلاوت سنی اور مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی اسلام کی طرف دعوت دی۔

۵۔ سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کفار کے مصائب پر صبر کی تلقین فرمائی۔

تمت سورۃ الاحقاف بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ مُحَمَّد

سورت کا تعارف

یہ سورت مدنی ہے، قرآنی ترتیب میں سینتالیس (۴۷) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا پچانوے (۹۵) نمبر ہے، چار رکوع اور اڑتیس (۳۸) آیات پر مشتمل ہے۔

سورت کے نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱- سورۃ محمد: اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام یعنی "محمد" قرآن پاک میں چار بار ذکر فرمایا ہے، جس میں سے ایک اس سورت میں ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام "سورۃ محمد" رکھا گیا ہے۔

۲- سورۃ القتال: اس سورت کا ایک نام سورۃ القتال بھی ہے، کیونکہ اس سورت میں قتال اور جہاد کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ رب العزت نے فرمایا تھا کہ "فاسق لوگ ہی بالآخر ہلاک ہوں گے" اس سورت میں ان کی ہلاکت اور ان کے خلاف جہاد کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے اعراض کرنے والے کی سزا" ہے، نیز اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر اعمال قبول ہونے کا مدار ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ رب العزت نے کفار کے لیے مختلف سزاؤں اور ذلت و رسوائی کی مختلف صورتوں کو ذکر فرمایا ہے۔

۲- مؤمنین کے لیے عزت اور بلندی کی مختلف صورتیں بھی اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔

۳- اس سورت میں مؤمنین کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اس وقت تک جہاد ترک نہ کریں جب تک ان کے ہاتھوں کُفّار کو ذلت اور رسوائی نہ پہنچ جائے۔

۴- اس سورت میں ان چند چیزوں کو بھی بیان کیا گیا ہے جن سے انسان کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱: خود کُفر کرنا اور دوسروں کو اللہ ربّ العزّت کے راستے سے روکنا
۲: باطل کی اتباع کرنا
۳: اللہ ربّ العزّت کے نازل کردہ اَحکامات کو ناپسند کرنا
۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنا
۵: ریا اور منافقت اختیار کرنا
۶: مُرتد ہو جانا
۷: کُفر پر موت کا آجانا

۵- اس سورت میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی شخص میں بخل کا ہونا اس کے ذلیل ہونے کے لیے کافی ہے، کیونکہ بخل کی صفت رسوائی کی سب سے قبیح صورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ① وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ② ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ③

''کُفر'' اور دوسروں کو اِسلام سے روکنا اعمال ضائع ہونے کا سبب ہے

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے خود بھی کُفر کیا اور دوسروں کو بھی حق سے یعنی اسلام سے روکا، اللہ ربّ العزّت کے ان کے وہ نیک اعمال جو انہوں نے دنیا میں کیے، مثلاً مساکین کی امداد و اعانت، سخاوت اور خیرات وغیرہ سب ضائع کر دیں گے اور آخرت میں ان کا کوئی اجر و ثواب ان کو نہیں ملے گا، کیونکہ اعمال کی قبولیت اور آخرت میں ان پر اجر و ثواب ملنے کے لیے ایمان کا ہونا لازمی شرط ہے جس سے یہ محروم ہیں۔

جبکہ دوسری طرف وہ لوگ جو اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے، اور پھر نیک اعمال کرتے رہے اور خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیے گئے قرآن اور احکام شریعت کو دل سے تسلیم کیا تو اللہ ربّ العزّت ان کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور ان کے دنیا و آخرت کے تمام کاموں کو درست کر دیں گے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ۟ۛ ذٰلِكَ ؕۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۠ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

جہاد اور قتال حکمِ خداوندی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کی طرف سے پھیلائے گئے شر اور فساد کو ختم کرنے کے لیے مومنین کو جہاد کا حکم فرمایا ہے کہ جب تمہارا کفّار سے مقابلہ اور مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب کفّار کی شوکت اور قوت اور ان کا زور ٹوٹ جائے تو اس وقت ان کو قید کرلو، پھر اس کے بعد تمہیں دو باتوں کا اختیار ہے کہ یا تو بلا معاوضہ ان کو چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔

دراصل جنگ بدر میں کفّار کے جو ستر آدمی گرفتار ہوئے تھے، ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اکثریت کے مشورہ سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا، جس پر سورۂ انفال میں اللہ ربّ العزّت نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جب تک کافروں کی طاقت اچھی طرح کچلی نہیں جاتی اس وقت تک قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا مناسب نہیں تھا، کیونکہ ان حالات میں دشمنوں کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کی طاقت کو اور مضبوط کیا جائے۔ تو سورۂ انفال کی ان آیات سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ شاید آئندہ بھی جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہ ہو، اس آیت نے یہ وضاحت فرمادی کہ اس وقت قیدیوں کے چھوڑنے پر اللہ ربّ العزّت نے ناراضگی کا جو اظہار فرمایا تھا وہ اس لیے کہ دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچلے بغیر انہیں رہا کردیا گیا، لیکن جب ان کی طاقت کچلی جاچکی ہو تو اس وقت انہیں چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مسلمان حاکم کے لیے دونوں صورتیں جائز ہیں، چاہے کوئی فدیہ یعنی معاوضہ لیے بغیر احسان کے طور پر انہیں چھوڑ دے، یا کوئی فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ چنانچہ اس آیت کی روشنی میں اسلامی حکومت کو چار قسم کے اختیار حاصل ہیں:

۱۔ قیدیوں کو بلا معاوضہ احسان کے طور پر چھوڑ دے۔

۲۔ ان سے کوئی فدیہ یا معاوضہ لے کر چھوڑ دے، جس میں قیدیوں کا تبادلہ بھی شامل ہے۔

۳۔ اگر ان کو زندہ چھوڑنے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے لیے خطرہ بنیں گے تو انہیں قتل کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

۴۔ اگر ان میں یہ صلاحیت محسوس ہو کہ وہ زندہ رہ کر مسلمانوں کے لیے خطرہ بننے کے بجائے اچھی خدمات انجام دے سکیں گے تو انہیں غلام بنا کر رکھا جائے اور ان اسلامی احکام کے مطابق رکھا جائے جو غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتے ہیں اور انہیں بھائیوں جیسا درجہ دیتے ہیں۔

ان چاروں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی لازمی نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت حالات کے مطابق کوئی بھی صورت اختیار کرسکتی ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب دشمنوں سے جنگی قیدیوں کے بارے میں کوئی معاہدہ نہ ہو۔ اگر ایسا کوئی معاہدہ ہو تو

مسلمانوں پر اس کی پابندی لازم ہے۔ آج کل بین الاقوامی طور پر اکثر ملکوں نے جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ معاہدہ کیا ہوا ہے کہ وہ قیدیوں کو نہ قتل کریں گے اور نہ غلام بنائیں گے، تو جو ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں اور جب تک شریک ہیں، ان کے لیے اس کی پابندی شرعاً لازم ہے۔ (مستفاد از ''آسان ترجمہ قرآن'')

اُمّتِ مسلمہ کو جہاد کا حکم کیوں دیا گیا؟

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مشروعیت جہاد کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کو جہاد کا حکم کیوں دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ ربّ العزّت چاہتے تو ان کفّار پر خود براہِ راست کوئی عذاب نازل کر کے ان سے انتقام لے سکتے تھے لیکن اس نے تم پر جہاد کا فریضہ اس لیے عائد فرمایا ہے کہ تمہارا امتحان مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر تم میں سے کون ثابت قدمی سے اپنی جان خطرے میں ڈالتا ہے اور ان کافروں کا بھی امتحان مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت دیکھ کر ایمان کی طرف مائل ہوتے ہیں یا نہیں۔

شہید کے لیے اِنعامات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے شہید کے لیے چار انعامات ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ اللہ ربّ العزّت ان کے اعمال ضائع نہیں فرماتے، یعنی اگر انہوں نے کچھ گناہ بھی کیے ہوں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے نیک اعمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات ان کے نیک اعمال ان کے گناہوں کا کفّارہ بن جاتے ہیں۔

۲، ۳۔ اللہ ربّ العزّت ان کو ہدایت دے گا اور ان کے حالات درست کر دے گا۔ حالات سے مراد دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کے حالات ہیں، دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہوا، سلامت رہا، وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہو گیا۔ اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے اور محشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور کچھ لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کر کے اس کی خلاصی کرا دیں گے۔ اور موت کے بعد ہدایت دینے سے مراد یہ ہے کہ ان کو ان کی منزل مقصود یعنی جنّت میں پہنچا دیں گے۔

۴۔ ان کے دلوں میں جنّت میں اپنے مقام اور اس میں ملنے والی نعمتوں سے ایسی واقفیت پیدا کر دی جائے گی جیسے وہ ہمیشہ سے انہی میں رہے تھے اور ان سے مانوس تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى بِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا'' یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! جس طرح تم میں سے ہر ایک شخص اپنے دنیوی گھر کی راہ جانتا ہے اور گھر کو پہچانتا ہے اس سے بہت زیادہ وہ جنتی اپنی منزل اور اپنی جگہ سے واقف ہوں گے۔ (صحیح بخاری شریف، ص: ۲۳۱)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ أَفَمَنْ كَانَ
عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ
فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ۚ وَأَنْهَارٌ

مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا
مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿۱۵﴾

جنّت کی دلفریب نعمتیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اے میرے حبیب! ان لوگوں نے آپ کو آپ کے شہر مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے آپ کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا تو آپ اس کا غم نہ کیجیے، ہم ان سے آپ کا بدلہ لیں گے، ہم نے ان سے زیادہ طاقتور بستیوں اور قوموں کو ہلاک کر دیا، جنہیں کوئی بچانے والا نہیں تھا۔ اسی طرح ہم انہیں بھی ہلاک کر دیں گے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ نیک لوگ اور گنہگار لوگ نہ دنیا میں برابر ہیں اور نہ آخرت میں، جس طرح دنیا میں ان کے اعمال کے درمیان تفاوت ہے اسی طرح آخرت میں ان کے انجام کے درمیان بھی تفاوت ہوگا۔ نیک لوگ جنّت اور ثواب کے مستحق ہوں گے جبکہ اہلِ باطل عذاب کے مستحق ہوں گے۔

پھر اللہ ربّ العزّت نے جنّت کی چند دلفریب اور خوش کن نعمتیں بیان فرمائی ہیں کہ جس جنّت کا متقین سے وعدہ کیا جاتا ہے اس میں چار طرح کی نہریں ہوں گی:

۱۔ بعض نہریں پانی کی ہوں گی، لیکن وہ پانی ایسا ہوگا کہ اس میں کبھی بھی تغیر اور بدلاؤ نہیں آتا، نہ اس میں بو پیدا ہوتی ہے، نہ رنگ تبدیل ہوتا ہے اور نہ ذائقہ میں فرق آتا ہے، بلکہ وہ ہمیشہ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہی رہتا ہے۔

۲۔ بعض نہریں دودھ کی ہوں گی، جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔

۳۔ بعض نہریں شراب کی ہوں گی لیکن وہ شراب دنیا کی شراب جیسی نہیں ہوگی، بلکہ اس شراب میں نہایت لذت ہوگی۔

۴۔ بعض نہریں شہد کی ہوں گی جو نہایت صاف شفاف ہوگا، دنیا کے شہد میں میل اور موم وغیرہ ہوتا ہے جبکہ جنّت کی شراب ان آلائشوں سے بالکل پاک ہوگی۔

اس کے علاوہ جنّت میں جنتیوں کے لیے انواع واقسام اور من چاہے میوہ جات ہوں گے جن سے وہ ہمہ وقت لطف اندوز ہو سکیں گے۔

جہنمیوں کا بُرا انجام

اس کے برعکس وہ لوگ جو اپنے کفر اور اللہ ربّ العزّت کے احکام کی تکذیب کی وجہ سے جہنّم میں جا پڑے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور اگر وہ پینے کے لیے پانی مانگیں گے تو انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ

ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

قیامت کی اکثر نشانیاں آچکی ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ کیا یہ کافر لوگ قیامت کے اچانک آنے کا انتظار کر رہے ہیں، جبکہ قیامت کی (متعدد) نشانیاں آچکی ہیں، تو جب وہ قیامت آجائے گی تو ان کو نصیحت ماننے کا موقع کہاں ملے گا؟

علامات قیامت کی ابتدا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہوجاتی ہے، کیونکہ ختمِ نبوت بھی قربِ قیامت کی علامت ہے۔ اسی طرح چاند کے دو ٹکڑے ہوجانے کے معجزہ کو بھی قرآن میں قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے۔ یہ وہ قریبی علامات اور نشانیاں ہیں جو قرآن پاک نازل ہونے کے زمانے میں ظاہر میں ہو چکی تھیں، اس کے علاوہ بھی متعدد علامات اور نشانیاں احادیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ علامات قیامت یہ ہیں:

۱۔ علم اٹھ جائے گا۔

۲۔ جہل بڑھ جائے گا۔

۳۔ زنا کی کثرت ہوگی۔

۴۔ شراب نوشی کی کثرت ہوگی۔

۵۔ مرد کم رہ جائیں گے۔

۶۔ عورتیں بڑھ جائیں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی کفالت کرنے والا ایک مرد ہوگا۔ (صحیح مسلم:۲۰۵۶/۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مالِ غنیمت کو شخصی دولت سمجھ لیا جائے اور امانت کو مالِ غنیمت قرار دے دیا جائے اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے اور علم دین دنیوی اغراض کے لیے حاصل کیا جانے لگے اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے اور مساجد میں شور وشغب ہونے لگے اور قوم کا سردار ان میں سے فاسق اور بدکردار آدمی ہوجائے اور قوم کا نمائندہ ان میں سے ذلیل شخص ہوجائے اور شریر آدمی کا اکرام صرف اس لیے کرنا پڑے کہ اس کا اکرام نہ کریں گے تو یہ ستائے گا اور تنگ کرے گا، اور گانے والی عورتوں کا گانا عام ہوجائے، اور مزامیر یعنی آلات موسیقی پھیل جائیں، اور شرابیں پی جانے لگیں، اور اس اُمّت کے آخری لوگ اپنے اسلاف پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم لوگ انتظار کرو ایک سرخ آندھی کا اور زلزلہ کا اور لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا اور صورتیں مسخ ہوجانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور دوسری علامات قیامت کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے موتیوں کی لڑی کو کاٹ دیا جائے اور موتی ایک ایک کرکے نیچے آگرتے ہیں۔ (سنن ترمذی:۴۹۵/۴)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ
اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ
سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ
اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝

منافقین جہاد سے جی چُراتے ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین کی ایک صفت کو بیان فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی ایسی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ ربّ العزّت نے جہاد اور قتال کے احکام دیے ہوں تو ان منافقین کے منہ بن جاتے ہیں، جس کی وجہ ان کا خوف اور بزدلی ہے، اس کے برعکس مومن لوگ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مزید کلام الٰہی نازل ہوتا کہ ایمان تازہ ہو اور نئے احکام ملیں تو ان پر عمل کا ثواب بھی حاصل کرلیں۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے جہاد کی تاکید اور اس سے پیچھے رہنے والوں کو خطاب کر کے ترک جہاد کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ اگر تم جہاد سے رک جاؤ اور اس میں شریک نہ ہو تو کوئی بعید نہیں کہ تم زمین میں فساد کرنے لگو گے اور قطع تعلقی کرنے لگو گے، یعنی زمانہ جاہلیت میں جو تمہاری حالت تھی، اسی حالت میں دوبارہ چلے جاؤ گے، کیونکہ جہاد کا بڑا فائدہ عدل اور انصاف اور امن کا قیام ہے، اگر جہاد چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے گا اور لوگوں کی حفاظت کا انتظام نہیں ہو سکے گا اور تم بھی ان مفسدین میں شامل ہو جاؤ گے۔ جبکہ ایسے لوگوں پر جو زمین میں فساد کریں اور قطع تعلقی کرنے لگیں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے پھٹکار اور لعنت برستی ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اگر اللہ ربّ العزّت تمہیں حکومت دے دیں تو کیا تم زمین میں فساد کرو گے اور قطع رحمی کرو گے، حالانکہ ایسے حکمرانوں پر جو زمین میں فساد کریں اور قطع رحمی سے کام لیں اور اقتدار کے نشے میں مخلوقِ خدا پر ظلم کرنے لگیں، اللہ ربّ العزّت لعنت فرماتے ہیں۔

اس آیت سے قطع رحمی کی سنگینی کا اندازہ ہو رہا ہے کہ زمین میں فساد کرنا اور رشتے توڑنا کس قدر سنگین گناہ ہے اور اس پر لعنت اور گمراہی کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص رشتے توڑتا ہے اللہ ربّ العزّت اسے توڑتے ہیں اور جو شخص رشتے جوڑتا ہے اللہ ربّ العزّت اسے جوڑتے ہیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۹۸۹)

اس کے ساتھ ہی قرآن کریم میں غور وفکر نہ کرنے پر سخت ڈانٹ پلائی گئی ہے۔ فرمایا کہ لوگ قرآن کریم میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ چکے ہیں۔ اگر آیت کو ماسبق کے ساتھ جوڑا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ فساد فی الارض اور قطع رحمی کے مرتکبین کے ملعون اور گمراہ ہونے کے قرآنی ذکر میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔ اس سے جہاں قرآن کریم کے ساتھ تعلق کرنے کا حکم ہے، وہاں فساد اور قطع رحمی کے جرم کی سنگینی بھی بڑھ جاتی ہے۔

باطل کی ادھوری اتباع، حق سے مکمّل محرومی کا باعث بن سکتی ہے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے منافقین کی گمراہی کی ایک وجہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ جنہوں نے حق کو واضح طور پر دیکھ لینے اور جان لینے کے بعد پیٹھ پھیر لی، ان کو شیطان نے بے وقوف بنایا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہود کے سرداروں سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکامات کو ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے، یعنی تم ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے منع کرتے ہو، تو ہم بعض مصلحتوں کی وجہ سے ظاہراً تو تمہاری بات نہیں مان سکتے لیکن باطن کے لحاظ سے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ غرض قومی تعصب کی بنا پر حق سے محروم ہو گئے اور دشمنان خدا کی اتباع کی، لہٰذا اب ان کا انجام یہ ہوگا کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کر کے لے جا رہے ہوں گے تو ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفّار اور فساق کو قبر کا عذاب مرتے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ فرشتے انہیں مارتے ہیں لیکن جس طرح موت کے وقت کا یہ عذاب نظروں سے اوجھل ہوتا ہے ایسے ہی قبر میں جانے کے بعد بھی نظر نہیں آتا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم
بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ
مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ۝

اللہ ربّ العزّت ایمان والوں کا امتحان لیتے ہیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے دل کا کینہ اور حسد ظاہر نہیں کریں گے، حالانکہ اگر اللہ ربّ العزّت چاہیں تو ان سب منافقین کی شخصی طور پر تعیین فرما دیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ان کو ظاہر فرما دیں، لیکن کسی مصلحت اور حکمت کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے انہیں اس طرح رسوا کرنا پسند نہیں فرمایا، البتہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسی بصیرت عطا فرما دی کہ آپ خود منافقین کو ان کے کلام اور ان کی باتوں سے پہچان لیں۔

پھر فرمایا کہ ہم کلمہ پڑھنے والوں کو ضرور آزمائیں گے تاکہ ہم ان لوگوں کو ظاہر فرما دیں کہ کون صبر کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا

اللهَ شَيْـًٔا ۚ وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا
أَعْمَالَكُمْ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ۝ فَلَا
تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۝ إِنَّمَا الْحَيَاةُ
الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ۝ إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا
فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ۝ هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَنْ
يَبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَاللهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝

وہ اعمال جن سے نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں

یہ آیات دراصل منافقین اور بنی قریظہ و بنی نضیر کے یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان اعمال کا تذکرہ فرمایا ہے جو انسان کے نیک اعمال کو ضائع اور غارت کر دیتے ہیں، اور وہ اعمال درج ذیل ہیں:

۱۔خود بھی کُفر اختیار کرنا اور دوسروں کو بھی اللہ ربّ العزّت کے راستے سے روکنا: یہ پہلا عمل ہے جس سے نیک اعمال غارت ہوجاتے ہیں، یعنی انہوں نے دنیا میں جو نیک اعمال مثلاً صدقہ اور خیرات وغیرہ کیے تھے وہ سب ضائع ہوجائیں گے۔

۲۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے لائے ہوئے احکام اور شریعت کی مخالفت کرے اس کے بھی سارے اعمال ضائع ہوجائیں گے۔

۳۔کُفر پر موت کا آنا: جس شخص کو حالت کُفر پر موت آئی ہو اس کے بھی تمام دنیوی نیک اعمال ضائع ہوجائیں گے اور ان کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔

بخل کی مذمّت

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے بخل کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت تم سے تمہارے مال نہیں مانگتا، اس نے تمہیں جو زکوٰۃ و صدقات وغیرہ کا حکم دیا ہے وہ بھی تمہارے اپنے نفع کے لیے ہے کہ تمہارے غریبوں کی پرورش ہو اور تمہارے لیے آخرت میں باعث ثواب ہو۔ اور اگر بالفرض اللہ ربّ العزّت تم سے سارے مال کا مطالبہ فرمالیتے تو تم بخل کرنے لگتے اور بخل کی وجہ سے جو ناگواری اور کراہت تمہارے دلوں میں ہوتی وہ سب ظاہر ہوجاتی۔ اس لیے اس نے تم پر تمہارے مالوں میں سے نہایت معمولی حصہ فرض کیا ہے، اس میں بھی بعض لوگ بخل کرنے لگے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جو بخل کرتا ہے وہ اللہ ربّ العزّت کا کوئی نقصان نہیں کرتا، بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل کے ذریعہ کرتا ہے کہ آخرت کے ثواب سے بھی محروم ہوجاتا ہے اور فرض چھوڑنے کا وبال بھی اس کے گلے پڑتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت کو اس کے مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، تم ہی حاجت مند ہو، اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری حاجت پوری ہونے کا سبب اور ذریعہ ہے۔

اور اگر اس کے باوجود بھی تم اس کے احکام کی تعمیل نہ کرو اور مسلسل روگردانی کرتے رہو تو جس طرح اللہ رب العزت کو تمہارے مالوں کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح وہ خود تمہارا بھی محتاج نہیں ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم پیدا کردے جو اس کی اطاعت کرے گی اور تمہاری طرح اس کے احکام شرعیہ سے روگردانی نہیں کرے گی۔

اِمامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی فضیلت

بعض مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت کا مصداق امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں، ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ کون سی قوم ہے کہ اگر ہم (خدانخواستہ) احکام دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہیں کرے گی؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (جو کہ مجلس میں موجود تھے) کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم، اور اگر (بالفرض) دین حق ثریا ستارے پر بھی ہوتا (جہاں لوگوں کی رسائی مشکل ہوتی) تو فارس کے کچھ لوگ وہاں بھی پہنچ کر دین کو حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے۔ (سنن ترمذی: ۵/۳۸۴)

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی کوفہ، فارس کے رہنے والے تھے۔ اسی وجہ سے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب ہیں، کیونکہ فارس والوں میں سے کوئی جماعت علم کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچی جس پر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب پہنچے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رب العزت نے جہاد کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں، جس کے ضمن میں جنگی قیدیوں کے متعلق اسلامی حکومت کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔

۲۔ اس سورت میں اللہ رب العزت نے مومنین اور کافروں کے اخروی انجام کو بھی بیان فرمایا ہے، نیز جنت کی بعض نعمتوں اور دلفریب مناظر کا بھی اس سورت میں ذکر ہے۔

۳۔ اس سورت میں مختلف پیرایوں میں منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور ان کے کئی مکر اور حیلوں کا بھی ذکر ہے۔

۴۔ اس سورت میں اللہ رب العزت نے بعض ان اعمال کا ذکر فرمایا ہے جن سے نیک اعمال ضائع اور غارت ہوجاتے ہیں۔

۵۔ سورت کے آخر میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور بخل کی مذمت بیان کی گئی ہے، اور اس ضمن میں فرمایا گیا کہ اگر تم اللہ رب العزت کے احکام سے روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو اس کی فرمانبردار ہوگی۔

تمت سورۃ محمد بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْفَتْح

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، قرآنی ترتیب کے اعتبار سے اڑتالیس (۴۸) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو گیارہ (۱۱۱) نمبر پر ہے۔ چار رُکوع اور اُنتیس (۲۹) آیات پر مشتمل ہے۔

شانِ نزول

ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، اور احرام سے فارغ ہونے کے بعد کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سر کا حلق کرایا، جبکہ بعض نے بال کٹوا لیے، نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے اس لیے اس صورت کا واقع ہونا تو یقینی تھا، لیکن خواب میں اس واقعہ کے لیے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا، مگر جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو ان سب کے سب نے مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے شوق میں فوراً ہی تیاری شروع کر دی اور جب صحابہ کرام کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارادہ فرما لیا کیونکہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا تھا، یہ احتمال بھی تھا کہ ابھی یہ مقصد حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آپ چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، (یہ جگہ آج کل شمسیہ کہلاتی ہے) وہاں سے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا ایلچی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ وہاں کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ کے ارادے سے تشریف نہیں لائے، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور عمرہ کر کے پر امن طور پر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے تو کفارِ مکہ نے انہیں ادھر روک لیا، جبکہ دوسری طرف مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے یہ بیعت لی کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے خلاف جہاد کریں گے، اور حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ آپ کے حکم سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، اس لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت ہے۔

دوسری طرف جب کفارِ مکہ کو اس بیعت کا علم ہوا تو ان پر اللہ ربّ العزّت نے مسلمانوں کا رعب طاری کر دیا اور وہ خود صلح پر آمادہ ہو گئے، اور مکہ مکرمہ سے کئی ایلچی اور وفود صلح کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے، سب سے آخر میں سہیل بن عمرو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ساتھ معاہدہ فرمالیا۔

اس معاہدہ کی شقیں ظاہری لحاظ سے مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت غم و غصہ کی کیفیت میں تھے۔ قریش نے پہلی شرط یہ رکھی کہ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں، اور اگلے سال بغیر ہتھیاروں کے عمرہ کے لیے آجائیں اور تین روز مکہ مکرمہ میں قیام کریں، اپنے جانوروں کی قربانی کریں اور احرام کھول دیں۔

معاہدہ کی دوسری شق یہ تھی کہ دس سال تک دونوں فریق آپس میں جنگ نہیں لڑیں گے، اور عرب کا جو قبیلہ مسلمانوں یا عرب میں سے جس کے ساتھ شامل ہونا چاہے ہو سکتا ہے۔ جس پر قبیلہ بنو خزاعہ نے کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوتے ہیں، اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عہد میں داخل ہیں۔

تیسری شق یہ تھی کہ اگر مکہ والوں میں سے کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس جائے گا تو آپ اس کو واپس کر دیں گے اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہو اور مسلمانوں میں سے جو کوئی قریش کے پاس آئے گا ہم اس کو واپس نہیں کریں گے۔

یہ سب شرائط مسلمانوں کے لیے بظاہر بہت بھاری تھیں اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجہ میں آخرکار قریش کا اقتدار ختم ہو۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کے حکم سے یہ شرائط منظور کر لیں۔

جب معاہدہ طے پا گیا تو سہیل نے کہا لائیے ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلح نامہ لکھ لیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ لکھو: ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی اور کہا کہ لفظ رحمٰن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے، آپ وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے، یعنی ’’باسمک اللّٰھم‘‘ آپ نے اس کو مان لیا اور اسی طرح لکھوا دیا۔ اس کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہ روکتے۔ آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور فرما کر حضرت علی

سے فرمایا کہ جولکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں یہ تو نہیں کرسکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت آپ نے خود اپنے قلم سے یہ لکھ دیا "هذا ما قاضى محمد بن عبدالله وسهيل ابن عمرو اصلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيه الناس ويكف بعضهم عن بعض" یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لیے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں، ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔

معاہدہ طے پا گیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کردیں اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام کی مسلسل رنج وغم کی وجہ سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لیے اٹھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم ہوئے اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر کیا، اُمّ المؤمنین نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرام کو اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج پہنچا ہے، آپ ان سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا سر منڈوالیں اور احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کردیں۔ آپ نے ان کے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہوگئے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کے لیے دُعا فرمائی۔ اس کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا۔ راستے میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں اس صلح کو "فتحِ مبین" قرار دیا گیا۔

وجۂ تسمیہ

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دے کر اس کا تذکرہ فرمایا، اس کے علاوہ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو فتوحات کرنی تھیں ان میں سے بہت سی فتوحات کا تذکرہ فرمایا۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام "سورۃ الفتح" رکھا گیا۔

سورت کی فضیلت

جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ مجھ پر رات ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی ساری سورتوں سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹/۱)

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے قتال اور جہاد کے احکام بیان فرمائے تھے، اس سورت میں جہاد کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی فتح کا ذکر فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کو اُمت کو اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے عطا کردہ فتوحات اور انعامات'' ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے عطا کردہ مختلف انعامات کا ذکر ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کی تکمیل۔

۲۔ اللہ رَبّ العزّت کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد اور نصرت کا ذکر۔

۳۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ پر سکینت کا نزول۔

۴۔ اللہ رَبّ العزّت کا مؤمنین سے جنّت کا وعدہ اور اس کی خوشخبری سنانا۔

۵۔ اللہ رَبّ العزّت کا مؤمنین صحابہ کرام سے راضی ہونا۔

۶۔ دنیا میں مؤمنین پر اللہ رَبّ العزّت کا فضل و کرم ہونا اور مختلف انعامات کا ملنا۔

۷۔ مکہ مکرمہ کے دشوار حالات میں مؤمنین کے دلوں کو طمانیت اور سکون بخشنا۔

۸۔ فتح مکہ کی خوشخبری۔

۹۔ ساری دنیا میں دین کے غلبہ کا وعدہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

''صلح حدیبیہ'' غلبۂ اسلام کا پیش خیمہ

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''فتح مبین'' یعنی واضح اور مکمل فتح کی خوشخبری

سنائی، اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ حالانکہ جن حالات اور جن شرائط پر صلح حدیبیہ ہوئی تھی وہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، اسی وجہ سے صحابہ کرام میں ان شرائط اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے سخت ناگواری تھی، اور یہ انہی کا ایمان تھا کہ ان سب حالات میں ایمان اور اطاعت رسول پر جمے رہے۔ چنانچہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ فتح مبین ہے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے اس صلح کا فتح مبین ہونا کھل کر واضح ہو گیا۔ اسی صلح کی وجہ سے راستے مامون ہو گئے اور دعوت اسلام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے لیے راستے کھل گئے۔ عرب کے وفود کو آپ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے گوشہ گوشہ میں دعوت اسلام کو پھیلایا، دنیا کے بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کے لیے خطوط بھیجے گئے، ان میں سے چند بڑے بادشاہ متاثر ہوئے۔ اسی عرصہ میں سات ہجری میں خیبر فتح ہو گیا جس کی بدولت مسلمانوں کو بڑی مقدار میں سامان مل گیا اور ان کی مادی قوت مستحکم ہو گئی۔ اور اس صلح کو دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی جو اس سے پہلے نہیں تھی۔

اس صلح کے دو سال کے اندر اندر کفار مکہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کر دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پیغام بھیجا کہ یا تو وہ اس کی تلافی کریں یا معاہدہ ختم کر دیں، قریش نے اس وقت غرور میں آ کر کوئی بات نہ مانی جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیغام بھیج دیا کہ آپ کا اور ہمارا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ اس وقت تک قریش کا غرور ٹوٹ چکا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خونریزی کے بغیر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے اور قریش کے لوگوں نے شہر آپ کے حوالے کر دیا۔ یوں صلح حدیبیہ کی وجہ سے اسلام عرب سے نکل کر چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ جس سے اس کا فتح مبین ہونا واضح ہو گیا۔ جو کہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت بڑا انعام تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ ربّ العزّت کا دوسرا انعام

فتح مبین عطا کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرا انعام یہ عطا فرمایا کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کو اللہ ربّ العزّت نے معاف فرما دیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، اس لیے ایسے مقامات پر جہاں کسی نبی کی طرف "ذنب" یا "عصیان" جیسے الفاظ منسوب کیے گئے ہوں تو وہاں ان سے مراد خلاف اولیٰ کام ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی شان اور بلند مقام کے اعتبار سے افضل نہیں ہوتا، یا ان سے مراد گناہوں سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔

تیسرا اِنعام

اللہ ربّ العزّت نے آپ کو ہدایت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کر دیا۔ کیونکہ ہدایت کے درجات مختلف ہیں، تو ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے درجے کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی نبی یا ولی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے "اہدنا الصراط المستقیم" کی دُعا نماز کی ہر رکعت میں کرنے کی تعلیم جیسے اُمّت کو ہے ایسے ہی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہے، تو اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کو اپنے قرب و رضا کا بہت اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے۔

چوتھا اِنعام

چوتھا انعام اللہ ربّ العزّت کی طرف سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ تھا کہ اللہ ربّ العزّت نے آپ کو اپنی مدد و نصرت سے نوازا جس کی بدولت آپ کو اتنی فتوحات حاصل ہو گئیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اللہ ربّ العزّت کے اِنعامات

جب اس سورت کی شروع والی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ انعامات تو آپ کے لیے ہیں، ہمارے لیے کیا ہے؟ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کے دلوں پر سکینت نازل فرما دی تھی جس کی وجہ سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا اور یہ جہاد کی طرف پیش قدمی دل و جان سے تیار ہو گئے اور دوسرا یہ کہ کُفّار کی بے جا ضد کے وقت اپنے جوش و غصہ کو قابو میں رکھا۔ نیز اس واقعہ سے ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جس کا اخروی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ربّ العزّت ان کو دائمی جنتوں میں داخل فرمائیں گے اور ان کی خطاؤں کو بخش دیں گے۔

اس کے برعکس منافقین اور مشرکین کا اخروی انجام یہ ہوگا کہ وہ اللہ ربّ العزّت کے عذاب کا شکار ہوں گے اور اس کی رحمت سے دور ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْــــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ

الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًا
بُورًا ۝ وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ۝ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ
يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت درحقیقت اللہ ربّ العزّت سے بیعت ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اس بیعتِ جہاد کا تذکرہ فرمایا جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کی۔ اس بیعت کے متعلق اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یہ بیعت کی، چونکہ اس سے مقصود اللہ ربّ العزّت کے حکم کی تعمیل اور رضا جوئی تھی اس لیے گویا خود انہوں نے اللہ ربّ العزّت سے بیعت کی اور جب انہوں نے رسول کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو گویا اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

فائدہ:۔ اللہ ربّ العزّت کا ہاتھ ہونا، یہ متشابہات میں سے ہے، جس کی کیفیت اور حقیقت نہ کسی کو معلوم ہے اور نہ معلوم کرنے کی فکر میں رہنا درست ہے۔

''بیعت'' کیا ہے؟

بیعت دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مختلف کاموں پر بیعت لیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کبھی جہاد کی بیعت لیا کرتے تھے، کبھی اعمال کی بیعت لیا کرتے تھے، ہمارے مشائخ اور بزرگوں میں جو بیعت مروج ہے وہ عام طور پر اعمال کروانے اور گناہ چھڑوانے کی بیعت ہوتی ہے۔ مردوں کے لئے بیعت کا قدیم اور مسنون طریقہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنے کا ہے، اگرچہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا شرط اور ضروری نہیں، لیکن جس کام کا کسی سے عہد کیا جائے اس کی پابندی شرعاً واجب ہے اور خلاف ورزی حرام ہے اسی لیے فرمایا کہ جو شخص اس عہد بیعت کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اور جو اس عہد کو پورا کرے گا تو اس کو اللہ ربّ العزّت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ (معارف القرآن)

''صلح حدیبیہ'' میں شرکت نہ کرنے والے منافقین کے حیلے بہانے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کرنے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے اردگرد کے دیہات والوں کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن ان میں سے، بہت سے لوگوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہمیں قریش مکہ سے لڑوانا چاہتے ہیں جو ساز و سامان والے اور طاقتور ہیں، اور ان (مسلمانوں) کا اپنا انجام یہ ہوگا کہ یہ اس سفر سے زندہ واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان منافقین کا تذکرہ فرما کر ان کا

پردہ چاک فرما دیا، چنانچہ فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد طرح طرح کے بہانے بنائیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں اپنے مال اور اولاد سے فرصت نہیں ملی، ہم ان کی ضروریات میں مشغول رہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ باتیں ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔ ان کے آپ کے ساتھ نہ چلنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کا گمان تھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سفر سے واپس نہیں آئیں گے۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے ان کو ان کے اُخروی انجام کی وعید سنائی کہ جو لوگ اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول پر (صدقِ دل سے) ایمان نہیں لائے گا تو اس کا ٹھکانا جہنّم ہوگا۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِن تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِن تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُم مِّن قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

’’صلح حدیبیہ‘‘ میں پیچھے رہنے والے غزوۂ خیبر میں شرکت نہ کرسکیں گے!

ان آیات میں اس واقعہ کا ذکر ہے جو حدیبیہ سے واپسی پر سات ہجری میں پیش آیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کا ارادہ فرمایا تو صرف ان لوگوں کو ساتھ لیا جو سفرِ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی فتح اور وہاں سے اموالِ غنیمت ملنے کا وعدہ فرمایا تھا، اس وقت دیہات کے وہ لوگ جو سفرِ حدیبیہ میں کسی عذر کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے ان لوگوں نے بھی خیبر میں ساتھ چلنے کا ارادہ کیا، ان کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے حکم کو بدلنا چاہتے ہیں جبکہ اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ غزوہ خیبر اور اس سے حاصل ہونے والی غنیمتیں صرف ان لوگوں کے ساتھ خاص ہیں جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ لہٰذا آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ ان پیچھے رہ جانے والوں سے فرما دیں کہ اگر ایک خیبر میں نہ گئے تو نہ سہی، ثواب حاصل کرنے کے اور بھی مواقع آنے والے ہیں چنانچہ عنقریب تمہیں ایسے لوگوں سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا جو سخت لڑنے والے ہوں گے، اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک رُوم اور فارس کے غزوات ہیں، جن کا انعقاد ہونا باقی ہے، کیونکہ ان کی فوجیں تربیت یافتہ اور مسلح تھیں۔ تو اگر اس وقت تم اطاعت کرو گے اور ان سے جہاد کرو گے تو تم کو اللہ ربّ العزّت بہترین اجر عطا فرمائیں گے اور اگر تم اس وقت بھی روگردانی کرو گے جیسے پہلے حدیبیہ وغیرہ میں روگردانی کرچکے ہو تو اللہ ربّ العزّت تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا فرما دیں گے۔

لَّيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اوپر کی آیات میں جہاد کی شرکت سے ہٹنے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید آئی تو کچھ معذور لوگ جو صحابہ کرام میں تھے اور سچے مسلمان تھے، ان کو فکر ہوئی کہ ہم تو شرکت جہاد کے قابل نہیں، کہیں ہم بھی اس وعید میں شامل نہ ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اندھے، لنگڑے اور بیمار کو جہاد کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ (معارف القرآن)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ
وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ
كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

بیعتِ رضوان کا قصہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے پھر ان صحابہ کا تذکرہ فرمایا ہے جنھوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ گزشتہ آیات میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرمادیا ہے اسی لیے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔ اس بیعت میں جتنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل تھے ان کو باقی صحابہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے، جس طرح بدر میں شریک صحابہ کرام کے لیے قرآن واحادیث مبارکہ میں فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں، اسی طرح اس بیعت میں شریک صحابہ کرام کے لیے بھی قرآن وحدیث میں کئی فضائل ذکر کیے گئے ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد چودہ سو تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ”انتم خیر اهل الارض“ یعنی تم لوگ تمام روئے زمین کے انسانوں سے بہتر ہو۔ (صحیح بخاری: ۲۹۳/۱)

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرة“ یعنی جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا۔

(سنن ابی داؤد: ۳۴۴/۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن وتشنیع اس آیت کے خلاف ہے

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جن خیارِ اُمت (اُمت کے بہترین لوگ) کے متعلق اللہ ربّ العزّت نے معافی اور

بخشش کا اعلان فرما دیا ہے، اگر ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اس کی معافی کا اعلان ہے، پھر ان کے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور اس آیت کی مخالفت ہے۔

"فتحِ خیبر" اور دیگر فتوحات کی بشارت

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے صحابہ کرام کو خیبر کی فتح اور دیگر بہت سی فتوحات کی خوشخبری سنائی، چنانچہ فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی ان سے اللہ راضی ہو گیا، ان کے دلوں پر سکون اتار دیا اور انہیں ایک قریبی فتح بھی عنایت کی جائے گی، جس میں بہت سا مال غنیمت انہیں حاصل ہوگا، اس سے مراد بالاتفاق فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد سات ہجری میں فتح ہوا۔ اور اس سے مسلمانوں کو بے شمار غنیمت حاصل ہوئی۔

اس کے علاوہ ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مسلمانوں کو دیگر فتوحات کی خوشخبری بھی سنائی جو آگے مسلمانوں کو حاصل ہونے والی تھی، چنانچہ چشم فلک نے دیکھا کہ صحابہ کرام نے ایک کے بعد ایک معرکہ فتح کیا اور اللہ رَبّ العزّت کا یہ وعدہ پوری طرح سچ ثابت ہوا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچ ثابت ہوا

جب صلح حدیبیہ مکمل ہو گئی اور یہ بات طے ہو گئی کہ اس وقت مکہ میں داخل ہوئے اور عمرہ کیے بغیر مسلمان واپس جائیں گے، اور صحابہ کرام کا عمرہ کا یہ ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی بنا پر ہوا تھا جو ایک طرح کی وحی تھی، اب بظاہر اس کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہونے لگے کہ معاذ اللہ آپ کا خواب سچا ثابت نہ ہوا۔ دوسری طرف کفار و منافقین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ رَبّ العزّت نے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بالکل سچا تھا، تم ضرور مسجد حرام میں امن اور اطمینان سے داخل ہو گے، وہاں عمرہ بھی کرو گے، اور بعض حضرات حلق (سر منڈوانا) کروائیں گے جبکہ

بعض قصر (بال ترشوانا) کروائیں گے، مگر یہ سب اس سال نہیں ہوگا، بلکہ اس سال کے بعد ہوگا، خواب میں اس کا وقت متعین نہیں کیا گیا تھا، صحابہ کرام نے اپنے اشتیاق کی وجہ سے اسی سال عزم سفر کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موافقت فرمائی جس میں اللہ ربّ العزّت کی بڑی حکمتیں تھیں جن کا ظہور صلح حدیبیہ کے وقت ہوا۔ ایک بڑی حکمت اور مصلحت یہ بھی تھی کہ اللہ ربّ العزّت نے چاہا کہ اس سے پہلے خیبر فتح ہو جائے تاکہ مسلمانوں کی قوت اور سامان میں اضافہ ہو جائے اور وہ فراغت اور اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا کر سکیں۔

آئندہ کرنے والے کاموں کے لیے "اِن شاء اللہ" کہنے کی تاکید

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے آئندہ ہونے والے مسجد حرام میں داخلہ کے لیے "ان شاء اللہ" کا لفظ استعمال فرمایا، حالانکہ اللہ ربّ العزّت خود اپنی مشیت کو جانتے ہیں، ان کو اس کے کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اپنے رسول اور سب بندوں کو تعلیم دینے کے لیے اس جگہ اللہ ربّ العزّت نے لفظ "ان شاء اللہ" استعمال فرمایا، چنانچہ ہمیں بھی اپنے آئندہ ہونے والے تمام کاموں اور ارادوں کے ساتھ "ان شاء اللہ" کہنے کی عادت بنانی چاہیے۔

غلبۂ اسلام کی بشارت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت دین اسلام کو دیگر تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ دینے کی بشارت بھی سنائی، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اسلام کے ابتدائی دور یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بھی اسلام پوری دنیا میں پھیلا اور تمام ادیان پر غالب رہا، اور آخری دور یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد بھی اللہ ربّ العزّت اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب فرما دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ مبارک ذِکر کرنے کی وجہ

سورت کی آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

پورے قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے کے بجائے عموماً آپ کی صفات کے ساتھ آپ کا ذکر کیا گیا، صرف چار مقامات ایسے ہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک "محمد" ذکر فرمایا ہے، اور وہاں آپ کا نام ذکر کرنے میں ہی کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں آپ کے نام کے ساتھ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار قریش نے اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھنے پر اصرار کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق اس کو منظور فرما لیا، تو اللہ ربّ العزّت نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لا کر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا جائے گا۔ (معارف القرآن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور فضائل

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے کچھ اوصاف اور فضائل اور خاص علامات بیان فرمائی ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔صحابہ کرام کا سب سے پہلا وصف یہ ذکر کیا گیا کہ وہ کفّار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے نرم اور مہربان ہیں۔ کفّار کے مقابلے میں سخت ہونا ان کا ہر موقع پر ثابت ہوتا رہا ہے کہ نسبی رشتے ناطے تک اسلام پر قربان کردیے، اور آپس میں مہربان اور نرم ہونا خصوصیت سے اس وقت ظاہر ہوا جب مہاجرین اور انصار میں مواخات اور بھائی چارہ قائم ہوا اور انصار نے اپنی سب چیزوں میں مہاجرین کو شریک کرنے کی دعوت دی۔

۲۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا دوسرا وصف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ رکوع وسجدہ اور نماز میں مشغول رہتے ہیں، ان کے چہروں پر نماز اور سجدوں کے مخصوص آثار اور انوار نمایاں ہوتے ہیں، خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے اور عبادت کرنے والوں کے چہروں پر جو نور ہوتا ہے وہ ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

صحابہؓ کا تذکرہ تورات وانجیل میں

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام کی جو علامت اوپر بیان کی گئی ہے یعنی سجدوں اور نمازوں کا نور ان کی پیشانیوں سے ظاہر ہوتا ہے، ان کی یہی علامت اور مثال توراۃ میں بھی بیان کی گئی ہے۔ جبکہ انجیل میں ان کی ایک اور مثال یہ دی گئی ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشتکار زمین میں بیج اگائے تو پہلے وہ ایک کمزور سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر اس میں شاخیں نکلتی ہیں پھر وہ اور مضبوط ہوتا ہے پھر اس کا مضبوط تنا بن جاتا ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ابتدا میں بہت کم تھے، پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتلائی گئی ہے۔

توہینِ صحابہ حرام!

اور یہ سب یعنی صحابہ کرام کو ان صفات کے ساتھ مزین فرمانا اور ضعف کے بعد قوت، قلت کے بعد کثرت عطا کرنا اس وجہ سے ہوا کہ ان کو دیکھ کر کافروں کو غصہ آئے اور وہ حسد کی آگ میں جلیں۔ حضرت ابو عروہ زبیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی مجلس میں شریک تھے کہ ایک شخص نے بعض صحابہ کرام کی شان میں کچھ نامناسب کلمات کہے تو امام مالک نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ غیظ اور غصہ ہو تو اسے اس آیت کی وعید ملے گی۔ (معارف القرآن)

قرآن پاک کی کئی آیات اور کئی احادیث مبارکہ میں صحابہ کرام کو معیارِ حق قرار دیا گیا ہے اور ان کے متعدد فضائل

بیان کیے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو وہ میرے صحابہ کے خرچ کیے ہوئے ایک مٹھی بھر یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ (صحیح بخاری: ۱۳/۱) اسی وجہ سے اُمّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ عادل اور ثقہ ہیں، اور ان کی تنقیص اور ان کی شان میں دریدہ دہنی بہت بڑا جرم ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے چند انعامات کا تذکرہ فرمایا جو صلح حدیبیہ کے ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئے جن میں لغزشوں کی معافی، اور اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے نصرت اور مدد کا ملنا وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان صحابہ کرام کی خصوصاً اور جملہ صحابہ کرام کی عموماً تعریف فرمائی جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگرچہ انہوں نے ظاہراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے لیکن درحقیقت وہ بیعت اللہ رَبّ العزّت کے ہاتھ پر ہوئی۔

۳۔اس سورت میں منافقین کی مذمت بھی بیان کی گئی ہے جو مشکل نظر آنے پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اور جب حالات موافق ہوجائیں تو مسلمانوں کے ساتھ ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان منافقین کا پردہ چاک فرمایا ہے۔

۴۔اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے مسلمانوں کو فتح خیبر سمیت دیگر کئی فتوحات کی بشارت دی جو بعد میں بالکل سچ ثابت ہوئی، اسی طرح اللہ رَبّ العزّت نے اس سورت میں غلبہ اسلام کی بھی بشارت عطا فرمائی ہے۔

۵۔سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند اوصاف اور گزشتہ کُتبِ سماویہ میں ان کی جو علامات مذکور ہیں، ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

تمت سورۃ الفتح بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْحُجُرَات

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں انچاس (۴۹) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو چھ (۱۰۶) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور اٹھارہ (۱۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

''حجرات'' عربی میں ''حجرۃ'' کی جمع ہے، کمرے کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی چوتھی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ حجرات رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں کُفّار سے قتال کرنے کا بیان تھا، اس سورت میں باغیوں سے قتال کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ گزشتہ سورت کے شروع میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو بیان کیا گیا تھا، اس سورت کے آغاز میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام و مرتبہ کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ ''اخلاق پورے معاشرے کی بنیاد ہے۔''

عمومی مضامین

۱۔ اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب اختیار کرنا لازم ہے، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آواز اونچی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

۲۔ کسی بھی خبر کو قبول کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کرنا ضروری ہے، اور فاسق آدمی کی بات کو ماننے سے بچنا لازم ہے۔

۳- دو جھگڑنے والوں میں کتاب وسنّت کے مطابق صلح کروانے کا حکم بھی اس سورت میں مذکور ہے۔

۴- اسلامی اُخوّت اور ایسے اخلاق کو اپنانے کی تلقین بھی اس سورت میں کی گئی ہے جس سے عزتوں اور حقوق کی حفاظت ہو جائے۔

۵- اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمام انسان برابر ہیں، نیز ایمان اور اسلام کی حقیقت اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے تقاضے بھی اس سورت میں مذکور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ
اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ
قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بات زیرِ غور تھی کہ اس قبیلے پر کس کو حاکم بنایا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قعقاع ابن معبد کے بارے میں رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کے متعلق رائے دی۔ اس معاملے میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان آپس میں کچھ تلخ کلامی کی نوبت آ گئی جس میں دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (صحیح بخاری: ۱/۲۹۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند آداب بیان کیے گئے ہیں:

پہلا ادب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا ادب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی قول یا فعل میں پیش قدمی نہ کرو بلکہ انتظار کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جواب دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر آپ چل رہے ہوں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے، کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے، غرض کسی کام یا کسی بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھے۔

علمائے کرام کا ادب

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے بہتر ہے۔ (معارف القرآن) اس لیے علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد اور مرشد کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔

دوسرا ادب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مجلس کا دوسرا ادب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں، ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہے۔ (درمنثور: ۵۴۸/۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے بعد اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے، یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔ (معارف القرآن)

روضۂ اقدس کے سامنے بھی بلند آواز سے گفتگو کرنا ممنوع ہے!

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا آپ کی زندگی میں تھا۔ اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام اور گفتگو کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لیے خاموش ہو کر اس کا سننا واجب اور ضروری تھا اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔

تیسرا ادب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا ادب یہ ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان میں تشریف فرما ہوں، اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا، خصوصاً نام لے کر پکارنا، بے ادبی ہے، عقل والوں کے یہ کام نہیں ہیں۔

یہ آیت دراصل اسی قبیلہ بنو تمیم کے وفد کے متعلق نازل ہوئیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ دوپہر کے وقت

مدینہ منورہ پہنچے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ آدابِ معاشرت سے ناواقف تھے اسی لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کے باہر سے ہی آپ کو پکارنا شروع کر دیا اور کہنے لگے: ''اخرج الینا یا محمد!'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کا حکم دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

شانِ نزول

قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار جن کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا اُمّ المؤمنین ہیں فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، میں نے اسلام قبول کیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ اب میں اپنی قوم میں جا کر ان کو بھی اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی طرف دعوت دوں گا، جو لوگ میری بات مان لیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا، اور آپ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ تک اپنا کوئی قاصد میرے پاس بھیج دیں تا کہ جو رقم زکوٰۃ کی میرے پاس جمع ہو جائے اس کو سپرد کر دوں گا، پھر جب حارث نے حسبِ وعدہ ایمان لانے والوں سے زکوٰۃ جمع کر لی اور وہ مہینہ اور تاریخ جو قاصد بھیجنے کے لیے طے ہوئی تھی گزر گئی اور آپ کا کوئی قاصد نہ پہنچا تو حارث کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کسی بات پر ناراض ہیں ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ وعدے کے مطابق اپنا آدمی نہ بھیجتے۔ حارث نے اس خطرہ کا ذکر اسلام قبول کرنے والوں کے سرداروں سے کیا اور ارادہ کیا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ادھر واقعہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقررہ تاریخ پر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیج دیا تھا مگر ولید بن عقبہ کو راستہ میں خیال آیا کہ اس قبیلہ کے لوگوں سے میری پرانی دشمنی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس خوف کی وجہ سے وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے، اور بعض روایت میں ہے کہ وہ قبیلہ پہنچے تو بستی کے لوگ ان کے استقبال اور تعظیم کے لیے باہر نکلے، ان کو شبہ ہوا کہ شاید یہ پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آئے ہیں، اس وجہ سے وہیں سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر یہ کہا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور میرے قتل کا ارادہ کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا، ادھر یہ دستہ روانہ ہوا ادھر سے حارث اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے نکلے، مدینہ کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حارث نے ان سے پوچھا کہ آپ کن لوگوں کی طرف بھیجے

گئے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ حارث نے وجہ پوچھی تو ان حضرات نے ان کو ساری بات بتادی۔ حارث نے یہ سن کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے، میں نے ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں، اور نہ وہ میرے پاس آئے۔ اس کے بعد حارث جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حارث نے کہا کہ ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو پیغام حق دے کر بھیجا ہے، نہ وہ میرے پاس آئے ہیں نہ میں نے ان کو دیکھا، پھر جب مقررہ وقت پر آپ کا قاصد نہ پہنچا تو مجھے خطرہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی قصور ہوا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے، اس لیے میں حاضر خدمت ہوا۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر یا فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے یا ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر پر بغیر تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو ایک اور ہدایت فرمائی کہ اگر کسی معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے مشورہ طلب کریں آپ اپنی رائے دے دو، لیکن یہ کوشش مت کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کے مطابق ہی عمل کریں، کیونکہ اللہ رب العزت نے جو فراست اور دانش اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کے مطابق عمل کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان اور مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ
تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑨
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩

مومنین کے درمیان صلح کروادیا کرو

اس آیت میں اللہ رب العزت نے معاشرتی آداب میں سے ایک اور ادب بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروادیا کریں، پھر صلح کے بعد بھی اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے اور لڑائی بند نہ کرے تو اس زیادتی کرنے والے گروہ کو مجبور کردو کہ وہ لڑائی بند کردے۔ کیونکہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اگر بھائیوں میں کوئی رنجش آجائے تو ان میں صلح کروادینی چاہیے تاکہ یہ اسلامی برادری قائم رہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ
خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ
لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ
وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا

اللهَ ۭ اِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

چند معاشرتی آداب کا بیان

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند معاشرتی آداب کو بیان فرمایا ہے جو ایک بہتر اور پر امن معاشرہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۱۔کوئی کسی کا مذاق نہ اُڑائے!

پہلا ادب یہ بیان فرمایا کہ کوئی بھی شخص خواہ مرد ہو یا عورت، کسی دوسرے مرد یا عورت کا مذاق نہ اڑائے، یعنی اس کی تحقیر اور توہین کے لیے اس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر نہ کرے جس سے لوگ ہنسنے لگیں، اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی اعضا یعنی ہاتھ پاؤں سے بھی ہوتا ہے کہ اس کی نقل اتاری جائے۔ تو اللہ ربّ العزّت نے یہاں مذاق اڑانے سے منع فرما دیا اور مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو مرد یا عورت کسی دوسرے مرد یا عورت کا مذاق اڑاتا ہے اسے کیا خبر کہ شاید وہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک استہزاء کرنے اور مذاق اڑانے والے سے بہتر ہو۔

۲۔کسی کی عیب جوئی نہ کرو!

دوسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی دوسرے میں کوئی عیب دیکھو تو اس کو ظاہر نہ کرو، اسی طرح اس کو اس عیب کا طعنہ بھی نہ دو۔ بلکہ اس کے برعکس ہر شخص اپنے عیوب پر نظر رکھے اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔

۳۔کسی کو بُرے لقب سے نہ پکارو!

تیسرا ادب یہ بیان فرمایا گیا کہ کوئی شخص کسی کو برے لقب اور برے نام سے نہ پکارے جس سے وہ ناراض ہوتا ہو، جیسے کسی کو لنگڑا، لولا یا اندھا کہہ کر پکارنا یا اسی طرح ایسے ناموں سے پکارنا جو تحقیر کے لیے استعمال ہوتے ہوں۔

اسی طرح اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا ہو، اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ۔ جس نے کسی گناہ سے توبہ کر لی ہو اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائے (بعض روایات میں ہے جس سے اس نے توبہ کر لی ہو) تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (سنن ترمذی: ۶۶۱/۴)

۴۔بدگمانی سے اجتناب کیجیے!

چوتھا ادب یہ بیان فرمایا کہ کسی کے متعلق بدگمانی رکھنے سے مکمل اجتناب کیا جائے، کیونکہ اکثر اس طرح کے گمان

بالکل غلط ہوتے ہیں جو انسان کو گناہ تک لے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ'' یعنی بدگمانی سے بچو، کیونکہ گمان سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ (صحیح بخاری: ۷/۱)

۵۔ کسی کے عیب تلاش کرنے میں نہ لگے رہو!

پانچواں ادب یہ بیان کیا گیا کہ کسی کے عیب تلاش کرنے میں اور ایسی باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو جس کو لوگوں نے تم سے چھپایا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں کے عیوب کی جستجو نہ کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے۔'' (سنن ابی داؤد: ۲۲۱/۴)

اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سنی جائیں یا اپنے آپ کو سوتا ہوا ظاہر کر کے دوسروں کی باتیں سنی جائیں۔ البتہ اگر کسی سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے نقصان پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کو جاننے کی کوشش کرے تو جائز ہے۔ (معارف القرآن)

۶۔ غیبت سے بچیں!

چھٹا ادب یہ بیان کیا کہ کوئی شخص کسی کی غیبت نہ کرے۔ یعنی اس کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہے جس کو اگر وہ سنتا تو اس کو تکلیف ہوتی، اگرچہ وہ بات سچ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ بات ہی غلط اور جھوٹ پر مبنی ہو تو وہ تہمت کہلائے گی، جس کی حرمت الگ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

غیبت کی حرمت اور اس کی شناعت بیان کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے کسی مسلمان کی غیبت اور آبرو ریزی کو اس کا گوشت کھانے کے مشابہ قرار دیا ہے کہ کسی کی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے کسی مردہ انسان کا گوشت کھایا جائے۔

۷۔ کوئی کسی کو کمتر یا حقیر نہ سمجھے!

ساتواں ادب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو خود سے کمتر اور حقیر نہ سمجھے، اور اپنے نسب اور خاندان یا مال و دولت وغیرہ کی بنا پر فخر نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں در حقیقت فخر کرنے کا باعث نہیں ہیں۔ بلکہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں۔ خاندان اور قبائل یا مال و دولت کے اعتبار سے جو فرق ہے وہ محض تعارف کے لیے ہے۔ عزّت اور فخر کی چیز در حقیقت صرف ایمان اور تقویٰ ہے، جو جتنا زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا وہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک اتنا ہی شرف اور عزّت والا ہوگا۔

یہ آیت دراصل فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ

عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ہیں، ان کو یہ روز دیکھنا نہیں پڑا، اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا جو مسجد حرام میں اذان دے۔ ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کردے گا۔ چنانچہ حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کرلیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

ایمان کا اصل دارومدار قلبی تصدیق پر ہے

شانِ نزول

قبیلہ بنو اسد کے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قحط کے زمانے میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے مومن نہیں تھے، محض صدقات حاصل کرنے کے لیے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا، اور چونکہ واقع میں مومن نہ تھے اور اسلامی اَحکام سے بے خبر اور غافل تھے، اس لیے انہوں نے مدینہ کے راستوں پر غلاظت ونجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کی قیمت بڑھا دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتلایا کہ ہم خود آپ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہوئے لہٰذا ہماری قدر کرنی چاہیے۔ اس پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان کے جھوٹے دعوائے ایمان کی نفی کی اور احسان جتلانے پر ان کی مذمت کی۔ چنانچہ فرمایا کہ تمہارا ایمان لانے کا دعویٰ غلط ہے، تم نے صرف ظاہری طور پر اقرار کیا ہے، جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دِلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور تمہارا احسان جتلانا بھی بالکل غلط ہے، کیونکہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے، بلکہ تمہیں اللہ ربّ العزّت کا احسان ماننا چاہیے کہ اس نے تمہیں اسلام کی راہ دکھائی۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ آداب بیان فرمائے، جس میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی کرنے، آپ کے سامنے اونچی آواز میں گفتگو کرنے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں تو حجرے کے باہر سے آپ کو آواز دینے منع فرمایا گیا ہے۔

۲۔اس سورت میں متعدد اجتماعی معاشرتی آداب بیان کیے گئے ہیں جو کسی بھی صحت مند اور پرامن معاشرے کے لیے نہایت ضروری ہیں، جن میں بغیر تحقیق کسی کی بات پر عمل نہ کرنا، اگر دو مسلمان گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کروا دینا وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔اسی طرح اس سورت میں چند معاشرتی برائیوں سے بھی منع کیا گیا ہے، جن میں کسی کا مذاق نہ اڑانا، کسی کی عیب جوئی نہ کرنا، برے القابات سے پرہیز، بدگمانی سے اجتناب، کسی کی عیبوں کی تلاش میں رہنا اور غیبت سے گریز وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔سورت کے آخر میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی توفیق اللہ رب العزت کا خاص انعام اور احسان ہے، کسی شخص کا ذاتی کمال نہیں۔ اس لیے ایمان یا دیگر نعمتوں پر اترانا اور احسان جتلانا ہرگز درست نہیں ہے۔

تمت سورۃ الحجرات بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ قٓ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآن کریم کی ترتیب میں پچاسویں (۵۰) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا چونتیس (۳۴) نمبر ہے۔ تین رکوع اور پینتالیس (۴۵) آیات پر مشتمل ہے۔

وجۂ تسمیہ

چونکہ اس سورت کا آغاز حروف مقطعات میں سے حرف "ق" سے کیا گیا ہے، اسی بنا پر اس سورت کا نام سورۂ ق رکھ دیا گیا۔

سورت کی فضیلت

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو اور سورۂ قمر کو عیدین کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ (سنن ترمذی: ۲/۴۱۵)

۲۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبہ میں سورۂ ق پڑھا کرتے تھے، اور میں نے یہ سورت وہیں سے سن سن کر یاد کی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲/۵۹۵)

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال کے جزا کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، اس پوری سورت میں قیامت اور جزا وسزا کے اثبات کو بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "وقوعِ قیامت اور جزا وسزا کا اثبات" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں قیامت اور جزا وسزا کو ثابت کرنے کے لیے عقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

۲۔ گزشتہ قوموں میں جن لوگوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا تھا ان کا انجام اس سورت میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ اس سے عبرت حاصل کی جاسکے۔

۳- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت کے علم کی وسعت بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر چیز سے اور ظاہری اور باطنی تمام اعمال سے واقف ہے۔

۴- اس سورت میں آخرت کا تذکرہ اور اس کے کچھ احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۵- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے مومنین سے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے۔

۶- صبر کے حصول کے لیے نماز اور اللہ رَبّ العزّت کا ذکر اکسیر ہے۔

۷- اس سورت میں قرآن کے بیان کردہ دلائل، وعدے و بشارتوں اور وعیدوں کی مضبوطی بھی بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝۱ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝۲ ءَاِذَا
مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۝۳ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۝۴ بَلْ
كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝۵ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا
وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝۷ تَبْصِرَةً
وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝۸ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ ۝۹ وَالنَّخْلَ
بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

موت کے بعد کی زندگی حق ہے

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے قرآن مجید کی قسم کھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور موت کے بعد کی زندگی کے حق ہونے کو بیان فرمایا۔ اور اس پر کفّار کے اعتراض کو ذکر فرما کر اس کا جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر آ گیا جو کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے، یہ تو بہت عجیب بات ہے۔ بھلا جب ہم مر جائیں گے اور مٹّی مٹّی ہو جائیں گے تو پھر کیسے دوبارہ اٹھیں گے؟

اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا بہت خوبصورت جواب ارشاد فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ناممکن تب ہو سکتا ہے جب اللہ رَبّ العزّت کو ان کے لوٹانے پر قدرت نہ ہو یا اسے علم نہ ہو کہ ان کے جو اجزاء مٹّی میں مل چکے ہیں وہ کہاں بکھرے ہیں، جبکہ اللہ رَبّ العزّت کی قدرت بھی کامل ہے اور علم بھی۔ بلکہ اس کے علم کی تو یہ شان ہے کہ ان کے وہ اجزاء جو مٹّی میں مل کر بکھرتے جاتے ہیں انہیں بھی وہ جانتا ہے۔ اور یہ آج سے نہیں بلکہ ازل سے یہ سب اللہ رَبّ العزّت نے لوحِ محفوظ میں لکھ دیے ہیں جو اس کے پاس محفوظ ہے۔

اور اس کی قدرت کے دلائل تو کائنات میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً آسمان جو برسہا برس سے اسی مضبوطی اور خوبصورتی سے قائم ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی رخنہ اور دراڑ تک نہیں پڑی۔ اسی طرح زمین ہے جس کو اللہ رَبّ العزّت نے

پانی پر پھیلا دیا ہے اور اسے مضبوط بنانے کے لیے اس میں پہاڑ گاڑ دیے، پھر اسے نباتات اگانے کے قابل بنا دیا۔ اس کے علاوہ اللہ ربّ العزّت نے آسمان سے بارش برسائی جس کا پانی نہایت صاف اور برکت والا ہے، پھر اس پانی کے ذریعہ مختلف قسم کے باغات اور اناج اگائے اور کھجور کے اونچے اونچے درخت جن میں تہ بہ تہ خوشے ہوتے ہیں۔

تو جس رب کا علم اور قدرت اتنی کامل ہو، اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا بھی بالکل آسان ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝

چند ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ماضی کی چند ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ جن قوموں نے اللہ ربّ العزّت کے پیغام کو جھٹلایا، انبیاء کو تکالیف پہنچائیں، اہلِ حق کا مذاق اڑایا اور انہیں ستایا اور قیامت کا انکار کیا تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان اقوام میں قومِ نوح، کنویں والے، قومِ ثمود، قومِ عاد، فرعون، قومِ لوط، گھنے جنگل والے، اور قومِ تبع وغیرہ شامل ہیں۔

”أصحاب الرس“ (کنویں والے) کون ہیں؟

کنویں والوں سے مراد قومِ ثمود کے وہ باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد بچ گئے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضرموت میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے، اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ یہ لوگ یہیں رہنے لگے۔ پھر ان کی نسل میں بت پرستی شروع ہو گئی، ان کی اصلاح کے لیے اللہ ربّ العزّت نے ایک نبی بھیجا جن کو انہوں نے قتل کر ڈالا، ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا اور ان کا کنواں جن پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بے کار ہو گیا، اور عمارتیں ویران ہو گئیں۔ (معارف القرآن)

”أصحاب الأیکہ“ (گھنے جنگل والے) کون ہیں؟

”ایکہ“ گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ ایک ایسے ہی مقام پر آباد تھے، ان کی طرف اللہ ربّ العزّت نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، انہوں نے نافرمانی کی اور بالآخر عذاب سے دوچار ہوئے۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ وَجَاءَتْ

سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۖ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ
نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ
حَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ قَرِيْنُهُ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ
مُّرِيْبِ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ قَالَ قَرِيْنُهُ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهُ
وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ
وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اللہ ربّ العزّت انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں

قیامت اور جزا و سزا کے وقوع پر مشرکین کو یقین نہیں آتا تھا، وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو محال سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے متعدد دلائل سے ثابت کیا کہ معبود برحق کو دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت ہے، وہ کامل قدرت اور کامل علم والا ہے، اس کے علم کا عالم تو یہ ہے کہ وہ انسان کے وساوس کو بھی جانتا ہے کیونکہ وہ انسان سے اتنے قریب ہیں کہ اس کی شہ رگ جس پر اس کی زندگی کا مدار ہے وہ بھی اس کے اتنی قریب نہیں۔ اللہ ربّ العزّت کے شہ رگ سے قریب ہونے کا مطلب اکثر مفسرین کرامؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے علم کے لحاظ سے شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ (معارف القرآن)

ہر انسان کے ساتھ اعمال لکھنے والے دو فرشتے ہوتے ہیں

پھر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ہم نے ہر انسان کے ساتھ اس کے تمام اچھے برے اعمال لکھنے اور ان کا ریکارڈ رکھنے کے لیے دو فرشتے مقرر کیے ہیں جو ہر وقت اس کی دائیں بائیں موجود ہوتے ہیں، یہ انتظام صرف اس لیے کیا گیا ہے تاکہ انسان کے اعمال نامہ کو قیامت کے دن خود اس کے سامنے حجت کے طور پر پیش کیا جا سکے ورنہ اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال جاننے کے لیے کسی اور کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ انسان کے دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی بخوبی واقف ہیں، جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

موت کی سختی برحق ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسان کو متنبہ کرنے کے لیے فرمایا کہ کہ ایک وقت آئے گا جب موت اپنی سختی اور شدت کے ساتھ آئے گی، اس وقت انسان کو کہا جائے گا کہ یہی وہ موت ہے جس سے تم بھاگتے تھے اور بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

اس آیت سے موت کی سختیوں کا حق ہونا ثابت ہو گیا، احادیث مبارکہ میں بھی موت کی سختی کو بیان کیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حالت (نزع) پیش آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرہ

مبارک پر ملتے اور فرماتے: "لا الہ الا اللہ ان للموت سکرات" یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی سختیاں ہوتی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۱/۲۲۱)

قیامت کے چند احوال

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند احوال اور مناظر بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ایک مقررہ وقت پر صور پھونکا جائے گا، جس کے بعد ہر شخص پروردگارِ عالم کے دربار کی جانب چلے گا، اور ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے، ایک فرشتہ اس لیے ہوگا کہ وہ انہیں میدانِ حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور دوسرا فرشتہ اس لیے ہوگا کہ وہ حساب و کتاب کے وقت اس کے اعمال کی گواہی دے۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو دنیا میں اس کا نامۂ اعمال لکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ ربّ العزّت ان فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کافروں کو جہنم میں ڈال دو کیونکہ یہ حق کے پکے دشمن تھے، دوسروں کو بھلائی سے روکتے تھے، حد سے زیادتی کرتے تھے اور اللہ ربّ العزّت کے ساتھ دوسروں کو معبود بناتے تھے۔ آج ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔

اس موقع پر وہ کافر لوگ یہ چاہیں گے کہ اپنے حصے کی سزا یہ کہہ کر اپنے سرداروں اور خاص طور پر شیطان پر ڈال دیں کہ اس نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اس کے جواب میں شیطان کہے گا کہ یا اللہ! میں نے انہیں گمراہ نہیں کیا، کیونکہ مجھے ایسا اختیار نہیں تھا کہ میں انہیں زبردستی گمراہی کے راستے پر ڈالوں۔ زیادہ سے زیادہ میں نے انہیں ترغیب دی تھی، گمراہی میں تو یہ خود پڑے تھے۔ اللہ ربّ العزّت فرمائیں گے کہ اب جھگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، میں نے دنیا میں ہی تمہیں عذاب کی وعید سنا دی تھی کہ کفر اختیار کرنے والا اور کفر کی ترغیب دینے والا دونوں جہنم کے مستحق ہیں، اب وہ بات بدلی نہیں جا سکتی۔ لہٰذا تمہیں عذاب کا مزہ چکھنا ہی پڑے گا۔

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ۝ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ۝ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ۝ لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝

اللہ ربّ العزّت اور جہنم کا مکالمہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنا اور جہنم کا ایک مختصر مکالمہ ذکر فرمایا ہے کہ اللہ ربّ العزّت روزِ حشر حساب و کتاب اور جہنمیوں کو جہنم میں ڈال دینے کے بعد جہنم کو مخاطب کر کے فرمائیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ کہے گی کہ اگر کچھ اور گناہگار ہوں تو انہیں بھی مجھ میں ڈال دیجیے۔ ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم میں گنہگار ڈالے جائیں گے اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یعنی مزید مانگتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ ربّ العزّت اپنے شان کے مطابق اپنا قدم اس میں رکھیں گے تو وہ کہے گی کہ بس بس۔ (صحیح بخاری: ۱/۲۹۹)

جنت کا مستحق کون ہے؟

پھر اللہ رَبُّ العزّت نے مستحقین جنت کو بیان فرمایا ہے کہ روزِ قیامت جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی اور متقین سے مراد ہر وہ شخص ہے جس میں مندرجہ ذیل چار صفات موجود ہوں:

۱۔ اوّاب: ''اوّاب'' کا معنی ہے رجوع کرنے والا، یعنی وہ شخص جو گناہوں کو چھوڑ کر اللہ رَبُّ العزّت کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک اوّاب سے مراد وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے۔

۲۔ حفیظ: ''حفیظ'' سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر سکے۔ بعض حضرات کے نزدیک حفیظ سے مراد وہ شخص وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو یاد رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں (اشراق) پڑھ لے وہ اوّاب اور حفیظ ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲۱/۱۷)

۳۔ جس کے دل میں بن دیکھے اللہ رَبُّ العزّت کا ڈر موجود ہو۔

۴۔ جو اللہ رَبُّ العزّت کے پاس ''قلبِ منیب'' (رجوع کرنے والا دل) لے کر آئے، یعنی ایسا دل جو اللہ رَبُّ العزّت کے ادب کو ہر وقت مستحضر رکھے، اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔ (معارف القرآن)

تو جس شخص میں یہ چاروں صفات موجود ہوں گی ان کے لیے اللہ رَبُّ العزّت کا وعدہ ہے کہ ان کو ایسی جنت ملے گی جہاں ان کے لیے من چاہی نعمتیں تیار ہوں گی اور وہ سلامتی کے ساتھ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۖ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝

مجرمین اللہ رَبُّ العزّت کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے!

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان سے پہلے بہت سی ایسی قومیں گزری ہیں جو قوت اور طاقت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں اور وہ تجارت کی غرض سے مختلف ملکوں اور خطوں میں گھومتی پھرتی رہیں، لیکن جب اللہ رَبُّ العزّت کی پکڑ آئی تو کوئی جگہ ان کو موت سے پناہ نہ دے سکی۔ اس لیے آپ صبر کیجیے اور ان کی تکلیف دہ باتوں اور تکلیفوں کی پروانہ کیجیے، بلکہ صبح و شام اللہ رَبُّ العزّت کی تسبیح اور اس

کی عبادت میں لگے رہیے، یعنی طلوع آفتاب سے پہلے بھی تسبیح کیجیے اور (فجر کی) نماز پڑھیے، اور غروب آفتاب سے پہلے بھی (عصر کی) نماز پڑھیے۔ اسی طرح وہ اذکار اور تسبیحات جن کے صبح وشام پڑھنے کی احادیث میں ترغیب وارد ہوئی ہے اور وہ اذکار جن کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی ترغیب احادیث میں مذکور ہے، وہ بھی پڑھتے رہیں۔

مختلف تسبیحات اور اذکار کے فضائل

حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت سو سو مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھا کرے تو قیامت کے روز کوئی آدمی اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا، سوائے اس کے کہ وہ بھی یہ تسبیح اتنی یا اس سے زیادہ پڑھتا ہو۔ (سنن ترمذی: ۵/۵۱۳)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے دن میں سو مرتبہ ''سبحان اللہ وبحمدہ'' پڑھا اس کے گناہ معاف کردیے جائیں گے، اگرچہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔ (صحیح بخاری: ۸/۱۶۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ ''سبحان اللہ''، ۳۳ مرتبہ ''الحمد للہ''، ۳۳ مرتبہ ''اللہ اکبر'' اور ایک مرتبہ ''لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر'' پڑھ لیا کرے تو اس کی خطائیں معاف کردی جائیں گی اگرچہ وہ دریا کی موجوں کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم: ۱/۴۱۸)

سورت کا اجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت اور موت کے بعد کی زندگی سے متعلق کفارِ مکہ کے ایک باطل شبہ کو ذکر فرما کر اس کا جواب دیا ہے اور اپنی قدرت کے دلائل ذکر فرما کر بعث بعد الموت کو ثابت فرمایا ہے۔

۲-اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ فرما کر کفار اور مشرکین کو تنبیہ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔

۳-اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے موت کے وقت کی سختی کو بیان فرمانے کے ساتھ موت کے بعد کے احوال اور جنّت اور جہنم کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں، جنّت اور جہنم کے مستحقین کا تذکرہ بھی اس سورت میں موجود ہے، نیز پروردگارِ عالم اور جہنم کا مکالمہ بھی اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

۴-سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کی تلقین کی ہے اور کفار کو ان کے انجام سے ڈرایا ہے۔

تمت سورۃ قٓ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰت

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنِ کریم کی ترتیب میں اکاون (۵۱) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ (۶۷) نمبر پر ہے۔ تین رُکوع اور ساٹھ (۶۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

چونکہ اس سورت کا آغاز لفظ "ذاریات" سے کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام "سورۃ الذاریات" رکھ دیا گیا۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت اور جزا و سزا کا ذکر فرمایا تھا، اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قسمیں کھا کر جزا و سزا کے حق ہونے اور قیامت کے واقع ہونے کو بیان فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "مسئلۂ رزق" ہے۔ یعنی اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رزق کی تقسیم اور رزق کی فراخی و تنگی صرف اللہ ربّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رزق اللہ ربّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق جس کو جتنا چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں۔

۲۔ اس سورت میں رزق کی بعض اقسام بیان کی گئی ہیں، جس میں غذا اور اولاد وغیرہ شامل ہے۔

۳۔ اس سورت میں مؤمنین کی ان چند صفات کو بیان کیا گیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت اور جنّت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

۴۔ اس سورت میں جھٹلانے والوں کے چند نمونے اور ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

۵-انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد بھی اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝
وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝
قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ
يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝
اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝
وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ
لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

قیامت ضرور واقع ہو کر رہے گی

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے چند چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ قیامت ضرور واقع ہوگی اور یہ کہ اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ سب سچ ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ان ہواؤں کی قسم کھائی جو غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں، پھر بادلوں کی قسم کھائی جو اپنے اندر پانی لیے ہوئے ہیں، پھر ان کشتیوں کی قسم کھائی جو نرمی سے چلتی ہیں اور پھر ان فرشتوں کی قسم کھائی جو اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق زمین والوں میں چیزیں تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً جہاں جس قدر بارش کا حکم ہوتا ہے اتنی بارش برساتے ہیں وغیرہ۔ ان قسموں کے بعد اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ تم سے جس قیامت کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور جزاو سزا کا معاملہ ضرور ہو کر رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

محض اندازوں کی بنا پر حق کا انکار کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو بغیر کسی دلیل کے محض اپنے اندازے کی بنا پر قیامت کا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ایسے لوگ درحقیقت جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اسی جہالت کی بنا پر قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ جب وہ دن آئے گا تو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

متقین کے احوال

گنہگار اور مجرمین کے احوال بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآنی اسلوب کے مطابق متقین کے احوال اور ان کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ متقین ایسی جنتوں میں ہوں گے جہاں چشمے بہہ رہے ہوں گے، اور

اللہ رَبّ العزّت سے خوشی خوشی اپنا اجر وثواب وصول کریں گے۔ اور اس انعام واکرام کی وجہ یہ ہے کہ وہ درج ذیل صفات کے حامل تھے:

متقین کے اوصاف

۱۔ ان لوگوں نے دنیوی زندگی میں اللہ رَبّ العزّت کے احکام کی فرمانبرداری کی، اپنی زندگی قرآن اور شریعت محمد یہ کے مطابق بسر کی۔ نیکیوں کے کام سرانجام دیے اور برائیوں سے بچنے کا التزام کیا۔

۲۔ متقین کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں صرف کرتے تھے اور کچھ حصہ اپنے آرام میں گزارتے تھے۔

۳۔ ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارنے کے باوجود رات کے آخری حصہ میں خود کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا سمجھ کر استغفار کیا کرتے ہیں۔

رات کے آخری حصے میں اِستغفار کے فضائل

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے مؤمنین کی ایک صفت یہ بیان کی کہ وہ رات کے آخری حصہ میں استغفار کرتے ہیں، ایک دوسری آیت میں بھی اللہ رَبّ العزّت نے رات کے آخری پہر میں استغفار کرنے والوں کی فضیلت بیان کی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "والمستغفرین بالاسحار" (آل عمران:۱۷)۔ اسی طرح مختلف احادیث مبارکہ میں رات کے آخری پہر استغفار کرنے والوں کی فضیلت ذکر کی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَىٰ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ۔ (صحیح البخاری، ص:۱۰۸)

ترجمہ:- ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں اللہ رَبّ العزّت آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مجھ سے پکار کرنے والا کہ میں اس کی پکار سنوں (قبول کروں)، ہے کوئی مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں، ہے کوئی مجھ سے استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔

اسی طرح رات کے آخری پہر تہجد کے بھی بے شمار فضائل منقول ہیں۔

۴۔ متقین کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اور سوالی اور غیر سوالی کی مدد کرتا ہے، یعنی ان محتاج اور غریب لوگوں کی بھی مدد کرتا ہے جو اپنی حاجت اور ضرورت لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیں اور ان فقراء اور غریبوں کو بھی دیتا ہے جو اپنی شرافت اور عزّتِ نفس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے گریز کرتے ہیں۔

ہر کسی کا رزق مقرر ہے، جو اسے مل کر رہے گا!

پھر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا رزق آسمان میں ہے جو تمہیں مل کر رہے گا۔ آسمان میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ تمہارا رزق جتنا ہے اور جس شکل میں بھی ہے وہ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جو ہر حال میں تمہیں مل کر رہے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے مقررہ رزق سے بھاگنے کی کوشش کرے تو رزق اس کے پیچھے پیچھے بھاگے گا جیسے موت سے انسان بھاگ نہیں سکتا، ایسے ہی رزق سے بھی فرار ممکن نہیں۔ (معارف القرآن)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۞ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۞ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۞ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۞ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۞ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۞ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۞

پارہ نمبر ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۞ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۞ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۞ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۞ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۞ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۞ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۞ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۞ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۞ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۞ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۞ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۞ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۞ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞

گزشتہ اُمتوں میں سے مختلف انبیاء علیہم السلام کے نمونے

یہاں سے اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے گزشتہ اُمتوں میں سے چند انبیاء کے واقعات بیان فرمائے ہیں، جن کو ان کی اُمتوں نے جھٹلایا تو وہ اللہ ربّ العزّت کے عذاب کا شکار ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد

سب سے پہلے اللہ ربّ العزّت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا۔ ان کے پاس انسانی شکل میں

چند فرشتے آئے تھے، انہوں نے آکر سب سے پہلے سلام کیا جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو نہ پہچانا کہ یہ فرشتے ہیں اس لیے وہ ان کی خاطر تواضع میں لگ گئے، اور گھر والوں کے پاس جا کر ذرا سی دیر میں بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت تیار کر کے لے آئے، اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ فرشتے چونکہ کھانے پینے سے پاک ہیں اس لیے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام خوفزدہ ہو گئے، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت شرفاء کا تعامل یہ تھا کہ مہمان کچھ نہ کچھ مہمانی قبول کرتا اور کھاتا تھا۔ جو مہمان اتنی بھی مہمانی قبول نہ کرتا اس سے خطرہ ہوتا تھا کہ شاید یہ دشمن نہ ہو جو تکلیف پہنچانے آیا ہو۔ اس وقت کے چوروں اور ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھالیا اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ اس لیے ان فرشتوں کا نہ کھانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے خوف کا سبب بن گیا۔

فرشتوں نے جب دیکھا کہ ہمارے نہ کھانے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوف محسوس ہو رہا ہے تو انہوں نے عرض کی کہ آپ خوف نہ کیجیے، ہم فرشتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نرینہ اولاد کی خوشخبری سنائی۔ آپ کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام بھی پاس ہی موجود تھیں، انہوں نے جب سنا تو حیرت کے مارے کہنے لگیں کہ میں تو بوڑھی اور بانجھ ہوں۔ مجھ سے اولاد کیسے ہو گی؟ فرشتوں نے کہا کہ اللہ ربّ العزّت ہر چیز پر قادر ہے، وہ اسی حالت میں اولاد پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس خوشخبری کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال جبکہ حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر ننانوے سال تھی۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد ان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی کہ ہم حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان پر پتھر برسائے جائیں گے جن پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے خاص علامت لگی ہو گی۔ بعض مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا تھا جس کو ہلاک کرنے کے لیے یہ بھیجی گئی تھی۔ وہ جس طرف بھاگا اس کنکری نے اس کا تعاقب کیا۔ (معارف القرآن) پہلے یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پانچ قسم کے عذاب آئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

قومِ لُوط کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر فرمایا۔ کہ اللہ ربّ العزّت نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغامِ حق دے کر فرعون کے پاس بھیجا تو فرعون نے آپ سے رخ پھیر لیا اور اپنی فوج اور وزراء کی طرف متوجہ ہو گیا، تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے اسے اور اس کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔

قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ نوح کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قوم عاد، قوم ثمود اور قوم نوح کا مختصر تذکرہ فرمایا، ان پر آنے والے عذابات کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے قوم عاد پر ایسی تند و تیز ہوا بھیجی جس نے سامنے آنے والی ہر چیز کو تباہ و برباد

کر دیا۔ اور قوم ثمود پر ہم نے فرشتے کی چیخ کا عذاب نازل فرمایا جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب ہلاک ہوگئے۔ اور قوم نوح پر طوفان کا عذاب آیا جس سے سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، باقی سب ہلاک ہوگئے۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ ان قوموں پر عذابات کی تفصیل بھی گزر چکی ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ۚ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ۚ

اللہ ربّ العزّت کی طرف دوڑو

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے جس میں آسمان و زمین کی تخلیق کا ذکر فرمایا نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے۔ ان دلائل کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسانوں کو ترغیب دی ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی طرف لوٹ آؤ۔ اس کی طرف دوڑ کر آؤ، یعنی اپنے گناہوں کو چھوڑ کر توبہ کے ذریعہ اللہ کی طرف رجوع کرو، اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۝

اِنسانوں اور جنّات کی تخلیق کا مقصد

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنی کسی ضرورت کے لیے پیدا نہیں فرمایا، نہ ہی میں ان سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے رزق دیں یا کھانا کھلائیں، بلکہ میں نے انہیں صرف اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، میری توحید کو پہچانیں، اور اپنے رزق کی پرواہ نہ کریں، میں ان کے رزق کا ضامن ہوں، انہیں رزق عطا کروں گا، ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہوجا، میں تیرا سینہ تونگری و بے نیازی سے بھر دوں گا اور تیری فقیری روک دوں گا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو مختلف مشغولیات سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۴۲/ ۴)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا۔ نیز مجرمین اور متقین کے چند خصوصی احوال بیان فرمائے۔

۲-اس سورت میں اللہ رب العزت نے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی قوموں کا تذکرہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے تو آپ غم نہ کیجیے، آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء گزرے ہیں سب کے ساتھ ان کی قوموں نے یہی کیا۔

۳-اس سورت میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔

۴-سورت کے آخر میں اللہ رب العزت نے انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد بیان فرمایا ہے۔

تمت سورۃ الزاریات بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الطُّوْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآن کریم کی ترتیب میں باون (۵۲) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چھہتر (۷۶) ہے۔ دو رکوع اور انچاس (۴۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے طور کی قسم کھائی ہے، اسی وجہ سے اس سورت کو "سورۂ طور" کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۃ الذاریات کے شروع میں متقین اور آخر میں کُفّار کا انجام بیان کیا گیا تھا، اس سورت کے شروع اور آخر میں بھی یہی مضامین ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "عقیدہ قیامت سے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں منکرین قیامت کو اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو یقیناً واقع ہو کر رہے گا۔

۲۔اس سورت میں مؤمنین سے جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے اور جنّت کی کچھ نعمتیں بیان کی گئی ہیں۔

۳۔منکرین قیامت کے شبہات اور جھوٹے دلائل کا رد بھی اس سورت میں مذکور ہے۔

۴۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے، نیز آپ کو اور آپ کے واسطہ سے تمام اُمّت کو نماز کا اور تمام اوقات میں اللہ ربّ العزّت کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ

الْمَسْجُورِ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ۝ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝
فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝ يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هَٰذِهِ النَّارُ
الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ۝ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا ۚ سَوَاءٌ
عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

قیامت واقع ہو کر رہے گی!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے پانچ قسمیں کھا کر قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا ہے۔

۱- سب سے پہلی قسم طور پہاڑ کی اٹھائی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا، بعض روایات میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنّت کے ہیں ان میں سے ایک طور ہے۔ (قرطبی)

۲- دوسری قسم ایک لکھی ہوئی کتاب کی اٹھائی ہے جس سے مراد یا تو انسان کا نامۂ اعمال ہے یا اس سے مراد قرآنِ کریم ہے۔

۳- تیسری قسم بیت المعمور کی اٹھائی ہے جو آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے، اور دنیا کے کعبہ کے بالکل سیدھ میں ہے، حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جب ساتویں آسمان پر پہونچے تو آپ کو بیت معمور کی طرف لے جایا گیا، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لیے داخل ہوتے ہیں، پھر کبھی ان کو دوبارہ یہاں پہونچنے کی نوبت نہیں آتی (کیونکہ ہر روز دوسرے نئے فرشتوں کا نمبر ہوتا ہے)۔ (صحیح بخاری: ۱/۲۳۲)

۴- چوتھی قسم آسمان کی اٹھائی گئی ہے۔

۵- پانچویں اور آخری قسم بھڑکائے ہوئے سمندر کی ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قیامت کے روز سارے سمندر آگ بن جائیں گے۔

ان پانچ قسموں کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کفّار پر تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا، اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، پوری کائنات کی ساری طاقتیں مل کر بھی اس کے عذاب کو دور نہیں کر سکتیں۔ اور یہ عذاب اس روز واقع ہوگا جس روز آسمان ٹوٹ جائیں گے اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے، یعنی قیامت کا دن مراد ہے۔ تو اس دن جو لوگ قیامت کو جھٹلانے والے ہوں گے اور قیامت کے دن کی تکذیب میں مشغول ہوں گے، ان کے لیے ہلاکت ہوگی اور انہیں جہنّم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہی جہنّم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے، اب تم اس میں داخل ہو جاؤ۔ تم جیسے اعمال کرتے تھے تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ۝ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝ كُلُوا
وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ۝ وَالَّذِينَ

اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

متقین کا اُخروی انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے جنہوں نے دنیا میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گزاری، چنانچہ فرمایا کہ پرہیزگار لوگ جنت کے باغوں اور مختلف قسم کی نعمتوں میں ہوں گے، اور انہیں عیش وآرام کی جو چیزیں ان کے پروردگار نے عطا کی ہوں گی وہ اس میں خوش ہوں گے، ان کا پروردگار انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ خوب مزے کے ساتھ کھاؤ اور پیو۔ وہ برابر بچھائے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور اللہ ربّ العزّت بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کی شادی کر دیں گے۔

اگر ایمان ہوا تو بزرگوں کے ساتھ نسبی تعلق آخرت میں نفع دے گا

اہلِ ایمان متقی اور پرہیزگاروں کا اُخروی انجام بیان فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی مومن ہوئی تو ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ شامل کر دیں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کی اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے، اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ (شرح مشکل الآثار ۱۰۵/۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس سے کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے، اس لیے ان کا جنت میں الگ مقام ہے، یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لیے اور ان سب کے لیے تھا تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجۂ جنت میں اس کے ساتھ رکھا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان روایات سے یہ ثابت ہوگیا کہ نیک والدین کی برکت سے ان کی اولاد کو فائدہ پہنچے گا اور عمل میں ان کا درجہ کم ہونے کے باوجود وہ اپنے والدین کے درجہ میں پہنچا دیے جائیں گے بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔ اور ان نیک ماں باپ کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اللہ ربّ العزّت محض اپنے فضل وکرم سے ان کا درجہ بڑھا دیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوگا کہ نیک لوگوں کے پورے خاندان کو جنت میں جمع فرما دیں گے، نیز والدین کی شفقت دنیا کی طرح آخرت میں بھی باقی رہے گی۔

نیک اولاد سے والدین کو بھی نفع پہنچتا ہے

جس طرح ان آیات میں نیک ماں باپ کی برکت سے اولاد کو فائدہ پہنچنا ثابت ہوا، اسی طرح نیک اولاد کی وجہ سے والدین کو نفع پہنچنا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنّت میں اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنّت میں اس کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کردیں گے، تو وہ شخص دریافت کرے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا، میرا عمل تو اس قابل نہ تھا تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لیے استغفار و دُعا کی اس کا یہ اثر ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲/۱۲۰۷)

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ
تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

اثباتِ رسالت اور کفّار کے اعتراضات کے جوابات

اس رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے چند اعتراضات ذکر فرما کر ان کے متعدد جوابات دیے ہیں اور اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی ثابت فرمایا ہے۔

کفّار اور مشرکینِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے، کبھی آپ کو کاہن کہتے تھے تو کبھی مجنون اور کبھی آپ کو دوسرے شعراء جیسا کوئی شاعر سمجھتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا تذکیر و تبلیغ والا کام جاری رکھیے کیونکہ اللہ کے فضل و کرم سے آپ نہ کاہن ہیں، نہ مجنون اور نہ ہی آپ شاعر ہیں۔ اور آپ انہیں کہہ دیجیے کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں، نتائج اللہ ربّ العزّت پر چھوڑ دیتے ہیں، وقت کے ساتھ معلوم ہوجائے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور کس کے انجام میں کامیابی ہے اور کون ناکام ہوگا۔

کفّارِ مکہ کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گھڑ لیا ہے، یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ قرآن ان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس طرح کا فصیح و بلیغ کلام بنا کر لے آؤ۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ
خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ۝ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ فَذَرْهُمْ حَتّٰى
يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ
رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝

اللہ ربّ العزّت کی وحدانیت کے چند دلائل

رسالت کے مضامین کے بعد اللہ ربّ العزّت نے توحید کا مضمون شروع فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ یہ کفّار اور مشرکین اللہ کی وحدانیت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ کیا یہ لوگ بغیر کسی پیدا کرنے والے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں، یا انہوں نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف ضد اور عناد یا جہالت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

نبوّت اللہ کے اِنتخاب سے ملتی ہے

کفّار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر اللہ نے نبوّت دینی ہی تھی تو مکہ اور طائف کے فلاں فلاں سرداروں کو کیوں نہ دی؟ اللہ ربّ العزّت اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے ربّ کی نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں نبوّت دے دیں یا یہ لوگ حاکم ہیں کہ جسے چاہے نبوّت دلوا دیں۔ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ آسمان سے وحی سن کر آ جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نبوّت محض اللہ ربّ العزّت کا انتخاب ہے، وہ اپنے فضل وکرم سے جسے چاہتا ہے اس اعزاز سے نوازتا ہے، اس میں کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

مشرکین کے ایک شرکیہ عقیدے کی تردید

پھر اللہ ربّ العزّت نے مشرکین کے ایک شرکیہ عقیدہ کی تردید فرمائی ہے۔ مشرکین کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ کیا تم خدا کے لیے وہ چیز تجویز کرتے ہو جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ اللہ ربّ العزّت اولاد سے پاک ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ صافات کے آخر میں گزر چکا ہے۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان مخالفین کی مخالفت اور دشمنی سے تنگ دل نہ ہوں، آپ ہماری حفاظت میں ہیں، ہم آپ کو ان کے شر سے بچائیں گے، آپ صبر کیجیے اور اپنے ربّ کی تسبیح اور حمد بیان کیجیے جب آپ کھڑے ہوں۔ اس سے مراد سو کر اٹھنا بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جو شخص رات کو بیدار ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے تو جو دعا کرے گا وہ قبول کی جائے گی، وہ کلمات یہ ہیں: ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ”پھر اگر اس نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور وضو کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔“ (سنن ترمذی: ۵/ ۴۸۰)

اور کھڑے ہونے سے مراد مجلس سے کھڑا ہونا بھی ہو سکتا ہے، یعنی جب کوئی آدمی اپنی کسی مجلس سے اُٹھے تو تسبیح کرے اور اِستغفار پڑھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور اس میں اچھی بری باتیں ہوں تو اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے اگر وہ یہ کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب خطاؤں کو جو اس مجلس میں ہوئی تھیں معاف فرما دیں گے، وہ کلمات یہ ہیں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔“ (سنن ترمذی: ۵/ ۴۹۴)

”وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ“ ”اس کے علاوہ رات میں تسبیح کیجیے، اس میں نماز مغرب و عشاء بھی داخل ہے اور عام تسبیحات بھی، نیز ستاروں کے غائب ہونے کے بعد بھی تسبیح کیجیے، اس سے مراد نماز فجر اور اس وقت کی تسبیحات ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے چند قسمیں کھا کر عقیدہ قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ نیز جھٹلانے والوں کے انجامِ بد اور ماننے والوں کے اچھے انجام کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

۲۔ اس سورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر والدین نیک اور صالح ہوں تو ان کی وہ اولاد جو مومن ہو لیکن ان کے اعمال میں کچھ کوتاہی ہو، ان کو بھی جنّت میں اپنے والدین کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور ان والدین کے اجر میں سے کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

۳۔ اس سورت میں کفّار و مشرکین مکہ کے توحید اور رسالت پر چند اعتراضات بیان کر کے ان کے جوابات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔ سورت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ ربّ العزّت نے تسلی دی ہے کہ آپ مخالفین کی شرارتوں سے تنگ دل نہ ہوں، آپ ہماری حفاظت میں ہیں۔ آپ صبر کیجیے اور ذکر و تسبیح کرتے رہیے۔

تمت سورة الطور بعون الله سبحانه و تعالى

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَةُ النَّجْم

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی، قرآنِ کریم کی ترتیب کے لحاظ سے یہ ترپن (۵۳) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر تیئس (۲۳) ہے۔ دو رکوع اور باسٹھ (۶۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

"نجم" عربی زبان میں ستارے کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ستارے کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ نجم کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ طور میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کا یہ اعتراض ذکر کیا کہ قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنالیا ہے، اس سورت کے شروع میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے اس اعتراض کا رد فرمایا ہے۔

سورت کی خصوصیات

۱- سورۂ نجم وہ پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا۔ (معارف القرآن)

۲- یہ وہ پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت کیا۔ اس سجدہ میں ایک عجیب بات یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت مجمع عام میں تلاوت فرمائی جس میں مسلمان اور کفّار سب شریک تھے، جب آپ نے آیت سجدہ پر سجدہ ادا کیا تو مسلمانوں نے تو آپ کی اتباع میں سجدہ کیا، لیکن تعجب کی بات یہ پیش آئی کہ جتنے کفّار و مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے، صرف ایک متکبر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے، ایسا رہا جس نے سجدہ نہیں کیا مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پیشانی سے لگالی اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرا ہوا دیکھا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۰۶۷، ۱۰۷۱)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''وحی کی سچائی اور عظمت کا بیان'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل، زبان اور کلام، آپ کے معلم حضرت جبرائیل علیہ السلام، آپ کے دل اور نگاہ کے تزکیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفار کے عقائد و نظریات کی بنیاد ظنی باتوں، خواہشات نفسانیہ، جہالت اور اندھی تقلید پر ہے۔

۳۔اس سورت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اصولی عقائد (قیامت، حساب و جزاء وغیرہ) میں مشترک ہیں۔

۴۔آسمان و زمین کی تخلیق کی حکمت بھی اس سورت میں بیان کی گئی ہے۔

۵۔اس سورت میں بعض ہلاک شدہ قوموں کا اجمالی تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ عَلَّمَهٗ
شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ
اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ
وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ستارے کی قسم کھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ستارے کی قسم جب وہ ڈوب رہا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ صراطِ مستقیم اور رضائے الٰہی کا صحیح راستہ ہے، نہ آپ راستہ بھولے ہیں اور نہ غلط راستہ پر چلے ہیں۔ آپ کی عقل کامل ہے۔ ''ستارے کی قسم'' اس لیے کھائی کہ جس طرح ستارہ چمکدار ہوتا ہے اسی طرح حضور کی تعلیم اور آپ کا نور بھی چمکدار ہے، جس طرح ستارہ اللہ ربّ العزّت کے حکم سے اپنے مدار میں چلتا ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے حکم کے مطابق

عمل کرتے ہیں، جس طرح ستارے سے راستہ ڈھونڈنے میں مدد ملتی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

احادیثِ رسول بھی وحی اور حجت ہیں

پھر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بات بھی فرماتے ہیں وہ سب اللہ ربّ العزّت کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، آپ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں فرماتے، اور نہ ہی اس بات کا کوئی امکان ہے کہ آپ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اللہ ربّ العزّت کی طرف منسوب کریں۔ بلکہ جس طرح قرآن مجید اللہ ربّ العزّت کی وحی ہے، اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام اور آپ کی احادیث مبارکہ بھی وحی ہی ہیں، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جبکہ احادیث مبارکہ کے معانی تو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل ہوتے ہیں البتہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم (حضرت جبرائیلؑ) کی صفات اور آپ کی ان سے ملاقات

پھر اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا، ان کی چند صفات ذکر فرمائیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سکھانے والا جو فرشتہ ہے وہ بڑا مضبوط اور قوت والا ہے، اور پیدائشی طاقتور ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زیارت بھی کی ہے، یعنی ان کو ان کی اصل شکل وصورت میں بھی دیکھا ہے۔ اور ایسا دو مرتبہ ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے خواہش کی کہ مجھ کو اپنی اصلی صورت دکھلا دو، آپ غارِ حراء میں تشریف رکھتے تھے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان کے مشرقی افق میں اپنی اصل شکل میں ظاہر ہوئے، ان کے چھ سو پر تھے، اور اس قدر پھیلے ہوئے تھے کہ مغربی اُفق تک آسمان ان کے دو پروں نے گھیرا ہوا تھا، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی تسکین کے لیے نیچے اُتر آئے، اور آپ کے قریب ہوئے، اور اتنے نزدیک آگئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے آپ پر جو وحی فرمانی تھی وہ اس فرشتہ (حضرت جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعے فرمائی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوش وحواس برقرار تھے، آپ کے دل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کا دِیدار کیا ہے؟

اس میں حضرات مفسرین کرامؒ بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی اختلاف تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس بات کے قائل تھے کہ آپ

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ رَبّ العزّت کا دیدار کیا ہے، یہ حضرات ان آیات میں ذکر کردہ تمام صفات یعنی "شدید القوٰی ذو مرۃ فاستوٰی، اور دنیٰ فتدلیٰ" کو اللہ رَبّ العزّت کی صفات قرار دیتے ہیں۔

جبکہ دوسری طرف اکثر صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ائمہ تفسیرؒ نے ان آیات کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پوری اُمّت میں سب سے پہلے مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت (ولقد راٰہ بالافق المبین) کا مطلب دریافت کیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے۔ آیت میں جس رؤیت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حضرت جبرائیلِ امین کو آسمان سے زمین کی طرف اُترتے ہوئے دیکھا کہ ان کے جثّے نے زمین و آسمان کے درمیان کی فضا کو بھر دیا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹/۱)

جبرائیلِ امین علیہ السلام سے دوسری ملاقات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصل شکل و صورت میں معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا تھا۔ "سدرۃ المنتہیٰ" بیری کا ایک درخت ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے واقع ہے، عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے، بعض روایات میں ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے احکام پہلے عرش سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں، پھر یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال نامے وغیرہ بھی فرشتے یہیں تک پہونچاتے ہیں (تفسیر ابن کثیر) اسی بیری کے درخت کے پاس جنّت واقع ہے، اور اس پر انوارات برستے رہتے ہیں۔

پھر اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رَبّ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں، اور اس دیکھنے میں آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، اور نہ ہی آپ علیہ السلام کو کسی قسم کا کوئی التباس ہوا۔

أَفَرَءَيْتُمُ اللَّٰتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَوٰةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝

شرک اور معبودانِ باطلہ کی تردید

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین عرب کے باطل نظریات اور شرک کی عادت کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے بغیر کسی دلیل کے مختلف بتوں کو اپنا کارساز اور معبود بنا رکھا ہے، اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

مشرکین عرب بے شمار بتوں کی عبادت کرتے تھے لیکن ان میں سے تین زیادہ مشہور ہیں، اور ان کی عبادت

پر عرب کے بڑے بڑے قبائل لگے ہوئے تھے، ان بتوں میں لات، منات اور عزّیٰ شامل ہیں۔ ''لات'' قبیلۂ ثقیف (اہلِ طائف) کا بت تھا، ''عزّیٰ'' قریش کا، اور ''منات'' بنی ہلال کا بت تھا۔ ان بتوں کے مقامات پر مشرکین نے بڑے شاندار مکانات بنا رکھے تھے جن کو کعبہ کی حیثیت دیتے تھے، فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو منہدم کرا دیا۔ (معارف القرآن)

تو اللہ ربّ العزّت نے ان بتوں کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ کیا کبھی تم نے ان بتوں کے حال میں غور بھی کیا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہوتا کہ وہ قابلِ پرستش ہیں یا نہیں، اور تم جن فرشتوں کو اللہ ربّ العزّت کی بیٹیاں قرار دیتے ہو تو کیا تم نے کبھی اس بات میں غور کیا ہے کہ تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کی ہیں، یعنی جن لڑکیوں کو تم خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے اور تم عار اور شرم کی وجہ سے انہیں زندہ درگور کر دیتے ہو انہیں تم اللہ ربّ العزّت کی طرف منسوب کرتے ہو، یہ نہایت بے ڈھنگی اور غیر منصفانہ تقسیم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جتنے باطل اور جھوٹے خدا تم نے بنائے ہوئے ہیں، یہ صرف نام کے خدا ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی اللہ ربّ العزّت نے ان کی عبادت کے لیے کوئی دلیل نازل فرمائی ہے۔ تم صرف اپنے ظن اور بے بنیاد خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ان کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس اللہ ربّ العزّت کی جانب سے اس شرک اور معبودانِ باطلہ کی اتباع کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی صورت میں ہدایت آ چکی ہے، تمہیں چاہیے کہ ان کی اتباع کرو۔

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ
هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ
الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ۝ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ
إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ
أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۝

کفار کی جدّوجہد اور تعلیم صرف دُنیا کی آسائشوں کے گرد گھومتی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! اگر یہ کفار ایمان قبول نہیں کرتے بلکہ آپ کو ایذا اور تکالیف پہنچانے کے درپے رہتے ہیں تو آپ ان سے اعراض کر لیں، کیونکہ ان کا مطمحِ نظر صرف اور صرف دنیا اور اس کی آسائشیں ہیں، انہیں صرف دولت، پیسہ، جائیداد اور شہرت مطلوب ہے، یہی ان کے علم کی انتہا بھی ہے۔

قرآن کریم نے یہ حال ان کفار کا بیان فرمایا ہے جو آخرت اور قیامت کے منکر ہیں، افسوس ہے کہ انگریزوں کی تعلیم

اور دنیا کی ہوس نے آج کل ہم مسلمانوں کا بھی یہی حال بنا دیا ہے کہ ہمارے سارے علوم وفنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں، جبکہ آخرت کے معاملات کا بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں، اور آپ کی شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں جبکہ حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ (معارف القرآن)

اس کے برعکس جو حقیقی مومن ہیں اور اللہ ربّ العزّت کی طرف سے آئی ہدایت اور احکامات کی پیروی کرتے ہیں ان لوگوں کو اللہ ربّ العزّت ان کا اجر ضرور عطا فرمائیں گے، اور ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے عموماً اور فحش و بے حیائی کے کاموں سے بالخصوص دور رہتے ہیں۔

''اِلَّا اللَّمَمَ'' کی تفسیر

''لَمَم'' کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، بعض مفسرین کرامؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جو انسان سے اتفاقی طور پر کبھی سرزد ہو گیا، پھر اس سے توبہ کر لی اور توبہ کے بعد اس کے پاس نہیں گیا۔ تو ایسے لوگ بھی اللہ ربّ العزّت کے نزدیک ''محسنین'' یعنی نیکوکاروں کی فہرست میں شامل ہوں گے۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ۝ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ۝ أَعِندَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ۝ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ
مُوسَىٰ ۝ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ۝ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۝ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۝ وَأَنَّ
سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ۝ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ۝ وَأَنَّهُ
هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ۝ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۝ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ
الْأُخْرَىٰ ۝ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۝ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ ۝ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۝ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ۝
وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ۝ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ۝ فَبِأَيِّ
آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۝ هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ۝ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ۝
أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ۝ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ۝ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۩

شانِ نزول

ایک شخص اسلام لے آیا، تو اس کے کسی ساتھی نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، وہ بولا کہ تو مجھے کچھ دے دے تو میں آخرت میں تیرا عذاب اپنے سر لے لوں گا، تو عذاب سے بچ جائے گا، چنانچہ اس نے کچھ دے دیا، اس نے اور مانگا تو کچھ اور بھی دے دیا اور بقیہ کی دستاویز گواہوں کی موجودگی میں لکھ دی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے حق سے منہ موڑ لیا اور اللہ ربّ العزّت کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کے بعد رک گیا، کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے جس کی وجہ سے اسے علم ہو گیا کہ فلاں شخص میرے گناہوں کا عذاب اپنے سر لے لے گا، کیا اسے یہ خبر نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی یہ بات درج تھی کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اس طور پر اپنے سر نہیں لے سکتا کہ گناہ کرنے والا بری ہو جائے اور دوسرے کو سزا مل جائے، بلکہ قانون شریعت یہی ہے کہ جس شخص کا گناہ ہوگا اسی کو سزا ملے گی۔ ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے گا، ہر کسی کو اسی کے عمل کی جزا ملے گی۔

کیا ایصالِ ثواب ثابت ہے؟

اوپر ذکر کردہ آیت سے جس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتا، اسی طرح اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ ہر شخص کو صرف اس کے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا، اس سے بظاہر ایصال ثواب کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ ایصال ثواب میں ایک شخص کے نفلی اعمال کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جاتا ہے، تو یہاں ایصال ثواب کی مشروعیت پر سوال پیدا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایصال ثواب یعنی ایک شخص کی دُعا اور صدقہ وغیرہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، کئی احادیث میں ایصال ثواب کا ثبوت موجود ہے، اور اس پر اُمّت کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔ (معارف القرآن)

ذیل میں ایصال ثواب کے ثبوت پر چند احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

عن عائشة أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن أمي افتلتت نفسها ولم توص وأظنها لو تكلمت تصدقت أفلها أجر إن تصدقت عنها؛ قال: نعم (صحيح مسلم: ۲/۶۹۶)

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری امی کا اچانک انتقال ہو گیا ہے، انہیں کوئی وصیت کرنے کا موقع نہیں ملا، جبکہ مجھے یقین ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرنے کا کہتیں، تو آیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا انہیں اجر ملے گا؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جی ہاں!

عن أبي هريرة أن رجلا قال للنبي صلى الله عليه وسلم إن أبي مات وترك مالا ولم يوص فهل يكفر عنه أن أتصدق عنه؛ قال: نعم! (صحيح مسلم: ۳/۱۲۵۴)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کی کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے، اور انہوں نے اپنے پیچھے مال چھوڑا ہے لیکن کوئی وصیت نہیں کر سکے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں تو کیا یہ ان کی طرف سے شمار ہوگا؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جی ہاں۔

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث موجود ہیں جس میں مختلف اعمال کے ایصالِ ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔ آیت مذکورہ میں جس سعی کی دوسروں کو کام نہ آنے کا ذکر ہے وہ ''سعی ایمانی'' ہے، یعنی کسی ایک شخص کا ایمان دوسرے غیر مومن کے کام نہیں آئے گا۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے چند نمونے

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے کہ اللہ رَبّ العزّت ہی ہنساتے ہیں اور رُلاتے ہیں، یعنی خوشی اور غمی اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے، زندگی اور موت بھی اللہ رَبّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے وہی زندگی دیتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں، اسی نے ہر چیز کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور اس کے جوڑے جوڑے (نر اور مادّہ) کردیے، وہی دوبارہ پیدا فرمائیں گے، وہی لوگوں کو مالداری سے نوازتے ہیں اور وہی ہیں جو بقدرِ ضرورت رزق عنایت فرماتے ہیں، اور اللہ رَبّ العزّت ہی ''شعریٰ'' نامی ستارے کے بھی رب ہیں، چونکہ عرب کے بعض قبائل اس ستارے کی پرستش کرتے تھے اس لیے بطورِ خاص اس ستارے کا تذکرہ فرمایا۔

اللہ رَبّ العزّت ہی ہیں جس نے قوم عاد اور قوم ثمود جیسی طاقتور قوموں کو ان کی نافرمانیوں اور حق سے اعراض کے سبب ہلاک فرمادیا۔ اسی طرح قوم نوح اور قوم لوط بھی اللہ رَبّ العزّت کے عذاب سے نہ بچ سکیں، یہ سب قومیں نافرمانی، شرک کرنے اور حق سے روگردانی میں مبتلا تھیں، چنانچہ پروردگار عالم کی طرف سے ان سب پر مختلف قسم کے عذاب آئے، جس سے یہ سب ہلاک ہوگئے۔

توحید باری تعالیٰ کا مضمون بیان فرمانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے رسالت اور قیامت کا تذکرہ فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پہلے رسولوں کی طرح اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں جو صراطِ مستقیم اور دین و دنیا کی فلاح پر مشتمل ہدایات لے کر آئے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو اللہ رَبّ العزّت کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ قیامت قریب آچکی ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو، قرآن کریم جو ایک معجزہ ہے اس پر تعجب کرتے ہوئے ہنستے ہو اور اپنی کوتاہیوں پر روتے نہیں ہو۔ ابھی بھی وقت ہے، سنبھل جاؤ اور اللہ رَبّ العزّت کی طرف رجوع کرو، خشوع وخضوع کے ساتھ اس کے سامنے جھکو اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

سورت کا اجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ستارے کی قسم کھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے اور آپ پر نازل ہونے والی وحی میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔

۲-اس سورت میں واقعہ معراج کے چند جزوی واقعات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ان کی اصل شکل میں ملاقات کے تذکرے بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

۳-سورت میں کفّار اور مشرکین کے چند باطل نظریات کا تذکرہ فرما کر ان کی تردید کی گئی ہے، نیز بت پرستی کے غلط ہونے کو بھی کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

۴-اس سورت میں اس بات کو بھی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا عذاب اپنے سر نہیں لے سکتا، اور نہ ہی کسی ایک کا عمل کوئی دوسرا سرانجام دے سکتا ہے۔

۵-اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بھی بیان فرمائے ہیں، نیز رسالت اور قیامت کے اثبات کو بھی بیان فرمایا ہے۔

تمت سورة النجم بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْقَمَر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں چوّن (۵۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے سینتیس (۳۷) نمبر پر ہے۔ تین رُکوع اور پچپن (۵۵) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

چونکہ اس سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشانی معجزہ "شق قمر" یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا ذکر ہے، اسی لیے اس سورت کا نام "سورۂ قمر" رکھ دیا گیا۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں اثباتِ رسالت کا بیان تھا، اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ "شق قمر" کا بیان ہے۔

۲۔ گزشتہ سورت میں چند ہلاک شدہ قوموں کا اجمالی تذکرہ اللہ رَبّ العزّت نے بیان فرمایا تھا، اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان ہلاک شدہ قوموں کا قدرے تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے۔

سورت کی فضیلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں میں سورۂ قمر اور سورۂ ق کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۶۰۷)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ رَبّ العزّت کی نشانیوں کو جھٹلانے والے کے بارے میں اللہ رَبّ العزّت کی سنّت اور عادت کا بیان" ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان قوموں کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں نے اللہ رَبّ العزّت کی آیات کو جھٹلایا

اور ان کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔ اور اس سے مقصد دیگر لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ وہ اس گمراہی سے رک جائیں۔ نیز یہ بھی بیان کرنا مقصد ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے بندوں کے تمام اعمال سے واقف ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ⑥ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ⑦ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ⑧

شانِ نزول

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے، چاندنی رات تھی، مشرکین مکہ نے آپ سے نبوّت کی نشانی طلب کی، اللہ ربّ العزّت نے یہ کھلا ہوا معجزہ دکھایا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف چلا گیا، اور دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں پہاڑ حائل نظر آنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب حاضرین سے فرمایا کہ دیکھو اور شہادت دو، جب سب لوگوں نے صاف طور پر یہ معجزہ دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے، اس کھلے ہوئے معجزے کا انکار تو کسی صاحب بصیرت و بصارت سے ممکن نہ ہو سکتا تھا، مگر مشرکین کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے، لیکن سارے جہان پر تو آپ جادو نہیں کر سکتے، اس لیے دوسرے ممالک سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو، بعد میں تمام اطراف عالم سے آنے والے مسافروں سے ان لوگوں نے تحقیق کی تو سب نے ایسا ہی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا اعتراف کیا۔ (معارف القرآن) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

چاند کا دو ٹکڑے ہونا قیامت کی نشانی ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا قیامت کی نشانی ہے، چنانچہ جن احادیث مبارکہ میں قربِ قیامت کی علامات ذکر کی گئی ہیں ان میں چاند کا دو ٹکڑے ہونا بھی مذکور ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کے اظہار کے طور پر رونما ہو چکا۔ لیکن جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین مکہ کو یہ کھلا معجزہ دکھایا تو وہ بجائے ایمان لانے کے یہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو چلتا آ رہا ہے۔ اور انہوں نے اس معجزہ کو بھی جھٹلا دیا، اس پر اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ ان سے اعراض کیجیے، جب قیامت قائم ہو گی تو ان کو خود اپنے اعمال کا بدلہ معلوم ہو جائے گا، اس دن یہ ذلت اور ہیبت کے مارے جھکی ہوئی نظریں لے کر آئیں گے اور قبروں سے ایسے اٹھیں گے جیسے بکھری ہوئی ٹڈیاں ہوں۔ اور اس دن کی سختیاں دیکھ کر یہ کافر کہیں گے کہ یہ تو بڑا سخت دن ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ⑨ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰي

ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَیْفَ
كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ
وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ
مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

چند ہلاک شدہ قوموں کے نمونے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کی عبرت اور نصیحت کے لیے ان سے پہلے کی چند ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ فرمایا ہے، جنھوں نے حق کو پہچانتے ہوئے اس سے اعراض کیا اور باطل پر ڈٹے رہے تو اللہ ربّ العزّت نے ان کو تباہ کر دیا۔

قومِ نوح کا تذکرہ

سب سے پہلے قومِ نوح کا تذکرہ کیا گیا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تبلیغ کی اور اللہ ربّ العزّت کا پیغام سنایا لیکن ان کی قوم نے ان کی بات نہ مانی بلکہ الٹا ان کو اذیت پہنچانے کے درپے ہو گئے، ان پر مجنون ہونے کا الزام لگایا اور انہیں دھمکیاں بھی دیں کہ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ہم آپ کو سنگسار کر دیں گے، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی سرکشی اور ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں کو دیکھ کر اللہ ربّ العزّت سے مدد کی دُعا کی، اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور ان پر طوفان کا عذاب بھیجا، آسمان کے بانے کھول دیے، زمین سے پانی ابلنے لگا، یہاں تک وہ سب ہلاک ہو گئے، اور اللہ ربّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ دوسرے مومنین کو اس عذاب سے نجات دی اور انہیں سرخرو فرمایا، انہوں نے اللہ ربّ العزّت کے حکم سے ایک کشتی بنائی جس میں تمام مومنین اور چوپایوں میں سے ایک ایک جوڑا سوار کیا اور اس طوفان سے بحفاظت نکل گئے۔

”وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ“

اس مختصر قصہ کے اختتام پر نیز اس سورت میں جا بجا اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ”ذکر“ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ ذکر کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

۱۔ ذکر کے معنی یاد کرنے اور حفظ کرنے کے بھی آتے ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن پاک کو حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا ہے، یہ بات اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ پوری کتاب تورات، انجیل یا زبور کسی کو زبانی مکمل یاد ہو، جبکہ اللہ ربّ العزّت کی قدرت ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زیر زبر کا فرق نہیں آتا، چودہ سو برس سے ہر زمانہ، ہر طبقے اور ہر خطے میں ہزاروں لاکھوں حافظوں کے سینوں میں اللہ کی یہ کتاب محفوظ ہے۔ (معارف القرآن)

۲۔ ذکر کا معنی نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کے بھی آتے ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کے عبرت اور نصیحت سے بھرپور مضامین کو اس قدر آسان کر دیا ہے کہ جس طرح بڑے سے بڑا عالم اور فلسفی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ہر عامی اور جاہل انسان بھی عبرت اور نصیحت کے مضامین کو سمجھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

فائدہ:- اس آیت میں اگرچہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنایا گیا ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن سے مسائل اور احکام کا استنباط کرنا بھی آسان ہے، وہ بہرحال ایک مشکل فن ہے جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء ہی کو حصہ ملتا ہے۔ بدقسمتی سے آج کل بہت سے لوگ اس آیت کی وجہ سے اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ قرآن سے مسائل کا استنباط بھی ہر کوئی کر سکتا ہے، اور ایسے لوگ قرآن کریم کی مکمل تعلیم اور اس کے اصول و قواعد سے واقفیت حاصل کیے بغیر مجتہد بن بیٹھتے ہیں جو بلاشبہ کھلی گمراہی ہے۔

''قومِ عادؑ'' کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے قوم عاد کا تذکرہ فرمایا، جن کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، لیکن انہوں نے بھی اپنے پیغمبر کی بات نہ سنی، جس پر اللہ ربّ العزت کی جانب سے ان پر سخت تند و تیز آندھی بھیجی گئی جو مسلسل ایک ہفتہ تک چلتی رہی، اس ہوا نے ان لوگوں کو ایسے اکھاڑ پھینکا جیسے کھجور کے گرے ہوئے تنے ہوں، اور یوں پوری قوم ہلاک ہوگئی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

''قومِ ثمودؑ'' کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے قوم ثمود کا تذکرہ فرمایا، جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو خدا کا پیغام پہنچایا، حق کی طرف بلایا اور کفر و شرک سے باز رہنے کی ہدایت کی، لیکن قوم نہ مانی، بلکہ آپ کی دشمن ہوگئی، اور کہنے لگی کہ کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں گے جو ہماری جنس کا ہی ہے، اور کیا ہم سب کو چھوڑ کر اللہ ربّ العزت نے اسی پر اپنی وحی نازل کی ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ شخص بڑا جھوٹا اور شیخی باز ہے (نعوذ باللہ من

ذٰلِکَ ا)، اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور شیخی باز ہے۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے انہیں ایک معجزے کے طور پر پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دی اور ان کی آزمائش کے لیے انہیں حکم دیا کہ اونٹنی اور تمہارے مویشیوں کے درمیان پانی کی باری تقسیم کی گئی ہے، لہٰذا اب اس کی خلاف ورزی نہ کرنا، لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور بجائے حکم کی بجا آوری کے اونٹنی کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگے، یہاں تک کہ ایک بدبخت قدار نامی شخص نے اونٹنی کو مار ڈالا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا، ایک فرشتے نے چیخ ماری جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ ان کانٹوں کی باڑ کی طرح ہو گئے جسے جانور روند روند کر چورا بنا دیں، اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔

''قومِ لُوط'' کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قوم لوط کا تذکرہ فرمایا، جو اپنی سرکشی اور برائیوں میں بہت آگے جا چکی تھی، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور ان سب برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کی، لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، پھر ایک دن حضرت لوط علیہ السلام کے پاس چند فرشتے خوبصورت نوجوان لڑکوں کی صورت میں تشریف لائے، جب قوم کو ان نوجوانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بری نیت اور ارادے سے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور ان نوجوانوں کو پھسلانے کی کوشش کی، لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی آنکھوں میں اپنا پر مارا جس سے وہ سب اندھے ہو گئے، اور اگلی صبح اللہ ربّ العزّت نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا، ان پر پتھروں کی بارش ہوئی، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کی بستیوں کو اپنے پروں پر اٹھا کر آسمان تک لے گئے اور وہاں سے انہیں الٹے منہ نیچے پھینک دیا۔ اور یوں وہ ساری قوم ہلاک ہو گئی، جبکہ حضرت لوط علیہ السلام اور مومنین کو اللہ ربّ العزّت نے محفوظ فرما لیا۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۞ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۞ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۞ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۞ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۞ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۗ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۞ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۞ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۞ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞ وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ۞ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۞ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۞ فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۞

فرعون کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے فرعون کا تذکرہ فرمایا، جو اپنی سرکشی اور تکبر میں اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا، اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اس کے پاس بھیجا، انہوں نے جا کر فرعون کو تبلیغ کی، اللہ ربّ العزّت کی طرف سے عطا کردہ معجزات دکھائے، لیکن فرعون اپنی سرکشی سے باز نہ آیا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے اسے پانی میں غرق کر کے نمونۂ عبرت بنا دیا۔

کُفّار و مشرکینِ مکہ کو تنبیہ

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اقوامِ عالم میں سے پانچ مشہور قوموں کا تذکرہ فرما کر کُفّارِ مکہ کو تنبیہ فرمائی کہ جب وہ قومیں جو قوت اور طاقت میں تم سے بڑھ کر تھیں، اللہ رَبّ العزّت کے عذاب اور ہلاکت سے نہیں بچ سکے تو تم کیسے بچ سکو گے، عنقریب تمہاری جماعت شکست کھا جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی، غزوۂ بدر اور غزوۂ اَحزاب میں یہ پیشین گوئی مکمل ہوئی، اور صرف دنیوی شکست پر ہی بس نہیں ہوگی بلکہ قیامت میں بھی تمہارے لیے جہنّم کا عذاب تیار ہے، جس میں منہ کے بل جھونک دیے جاؤ گے۔

متقین کا انجام

کُفّار اور مشرکین کے انجام کے برعکس جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں وہ جنّت کے باغوں اور نہروں میں مزے سے رہیں گے، جہاں انہیں بادشاہِ حقیقی اور تمام قدرتوں کے مالک پروردگار کا قرب بھی حاصل ہوگا۔ (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ ''شقِ قمر'' یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کو بیان فرمایا۔ جس کے ضمن میں کُفّار کی ڈھٹائی اور حق ظاہر ہو جانے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے انکار کرنا بھی بیان فرمایا۔

۲- اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اقوامِ عالم میں سے پانچ مشہور قوموں کا تذکرہ فرمایا جنھوں نے حق کو تسلیم کرنے سے اعراض کیا اور کُفر و شرک اور دیگر برائیوں میں مبتلا رہے، جس پر اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان قوموں میں قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور قومِ فرعون شامل ہیں۔

۳- اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے مشرکینِ مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جب وہ قومیں جو طاقت اور قوت میں تم سے بڑھ کر تھیں، حق کو جھٹلانے کے سبب اللہ رَبّ العزّت کے قہر اور عذاب کا شکار ہو گئیں، تو تم اگر ان کی روش اختیار کرو گے تو کیسے بچ پاؤ گے؟

۴- سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے کُفّار اور متقین کے انجام کو بیان فرمایا کہ کُفّار دنیا میں بھی شکست اور رُسوائی کا شکار ہوں گے اور آخرت میں منہ کے بل جہنّم میں جھونک دیے جائیں گے، جبکہ مومنین اور متقین جنّت کے باغوں میں آرام کریں گے اور اللہ رَبّ العزّت کے قرب سے لطف اندوز ہوں گے۔

تمت سورۃ القمر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الرَّحْمٰن

سورت کا تعارف

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کرامؒ کا اختلاف ہے، عام طور پر قرآن کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ قرطبیؒ نے کئی روایتوں کی بنا پر یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے یہ سورت پچپن (۵۵) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ستانوے (۹۷) ہے۔ تین رُکوع اور اٹھتر (۷۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورت کا آغاز اللہ ربّ العزّت کے وصفی نام "الرحمٰن" سے کیا گیا ہے، اسی لیے اس سورت کو "سورۃ الرحمٰن" کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں وقوعِ قیامت کا ذکر تھا، نیز متقین اور مجرمین کے احوال کو اجمالی طور پر بیان کیا گیا تھا، اس سورت میں انہی موضوعات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

سورت کی فضیلت

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوْسٌ وَعَرُوْسُ الْقُرْآنِ الرَّحْمٰنُ. (شعب الإیمان للبیہقی: ۲/۴۹۰)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر چیز کی دلہن ہوتی ہے، اور قرآن کی دلہن "سورۃ الرحمٰن" ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع لوگوں کو اللہ ربّ العزّت کی دنیوی واخروی نعمتیں اور احسانات یاد کروانا یعنی تذکیر بآلاء اللہ ہے اور اس کے ضمن میں دعوت ایمان ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کی وہ نعمتیں بیان کی گئی ہیں جو دنیا میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے بندوں کے لیے تیار کی ہیں۔

۲۔اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جنتیوں کے درجات مختلف ہوں گے، کچھ اعلیٰ درجات میں ہوں گے اور کچھ ان کی بنسبت ادنیٰ درجہ میں ہوں گے۔

۳۔اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے انسانوں اور جنات دونوں کو مخاطب فرما کر ایمان اور توحید کی دعوت دی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انسان اور جنات دونوں مکلّف ہیں، اور دونوں کو نیک اعمال پر ثواب اور برے اعمال پر سزا ملے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـٰٔتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

”رحمٰن“ معلمِ قرآن ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی ایک خاص صفت ”رحمٰن“ بیان فرمائی، جس کی وجہ یہ تھی کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ”رحمٰن“ سے واقف نہیں تھے، اسی لیے کہتے تھے کہ ”وما الرحمٰن؟“ ”رحمٰن کیا چیز ہے؟“ ان لوگوں کو واقف کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے رحمٰن کا انتخاب کیا گیا۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی دنیوی اور دینی نعمتوں کا سلسلہ شروع فرمایا، اور اپنی سب سے بڑی نعمت

قرآن کریم سے آغاز فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ رحمٰن نے ہی قرآن کی تعلیم دی، قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ صفت رحمٰن ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سراسر خدا کی رحمت ہے، جس کو قرآن کی صحبت نصیب ہوئی اسے اللہ ربّ العزّت کی رحمت مل گئی، جس نے قرآن سیکھا وہ اللہ ربّ العزّت کی رحمت سے سرفراز ہوگیا، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "خیرکم من تعلم القرآن وعلمه" (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۰۲۷) یعنی تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ "اشراف أمتي حملة القرآن واصحاب الليل" (شعب الایمان للبیہقی: ۲/۵۵۶) یعنی میری اُمّت کے سب سے زیادہ عزّت والے لوگ وہ ہیں جو قرآن والے اور رات کو تہجد پڑھنے والے ہیں۔

اظہار مافی الضمیر کی قدرت پروردگارِ عالم کی نعمت ہے

اللہ ربّ العزّت نے اپنی ایک دینی و روحانی نعمت (تعلیم قرآن) بیان فرمانے کے بعد دنیوی اور جسمانی نعمت بیان فرمائی کہ اللہ ربّ العزّت نے انسان کو پیدا کیا جو بجائے خود ایک نعمت اور احسان ہے، جانوروں، حشرات الارض اور دیگر مخلوقات کا خالق بھی تو اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے، اس نے ہمیں انسان بنایا، جانور، سانپ، بچھو وغیرہ نہیں بنایا، یہ اس کا کتنا بڑا انعام ہے۔ پھر اس نے انسان کو بیان اور اظہار مافی الضمیر کی قدرت بھی عطا فرمائی۔ اس بیان کی قدرت میں زبانی بیان بھی شامل ہے اور تحریر و خط بھی، نیز افہام و تفہیم کے جتنے ذرائع اللہ ربّ العزّت نے پیدا فرمائے ہیں وہ سب بیان میں شامل ہیں۔

اللہ ربّ العزّت کی آفاقی نعمتیں

روحانی اور جسمانی نعمتوں کے بیان کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی آفاقی نعمتوں کا بیان شروع فرمایا جو اطراف و آفاقِ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں، مختلف مخلوقات ان سے استفادہ کرتی ہیں، اور وہ پروردگارِ عالم کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ کی روشن دلیلیں ہیں۔ ان نعمتوں میں چاند اور سورج کا مرتب نظام سرِفہرست ہے، جو اپنے اپنے مدار میں سالوں سے چل رہے ہیں، اور انسانی زندگی کے بہت سے معاملات کا مدار ان پر موقوف ہے۔ اسی طرح درخت اور بوٹے بھی اللہ ربّ العزّت کے تابع فرمان ہیں، زمین و آسمان کو اللہ رب العزت نے پیدا فرمایا، پھر زمین سے مختلف قسم کے پھل اور پھول نکالے جس میں کھجور، انار وغیرہ شامل ہیں اور غلہ اور دانے نکالے، انسان کو کھنکتی ہوئی مٹی سے جبکہ جنات کو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے سے پیدا فرمایا، یہ سب نشانیاں اللہ ربّ العزّت کی صناعی پر دلالت کرتی ہیں اور پکار پکار کر "هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" کہتی ہیں۔

"رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ○" کی وضاحت

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا ربّ ہے، یہ دو مشرق اور

مغرب دراصل سردی اور گرمی کے اعتبار سے ہیں، چونکہ سردی اور گرمی میں سورج کا مطلع بدلتا ہے، سردی میں مشرق یعنی آفتاب کے نکلنے کی جگہ اور مغرب یعنی آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ اور ہوتی ہے جبکہ گرمی کے زمانے میں دوسری، انہی دو جگہوں کو آیت میں مشرقین اور مغربین کہا گیا ہے۔

"مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝"

اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے دلائل میں سے ہے کہ اس نے دو دریاؤں کو ساتھ ساتھ چلایا، اور ان کے درمیان ایک نہ نظر آنے والی آڑ رکھ دی جس کی وجہ سے ایک کا پانی دوسرے میں خلط نہیں ہوتا۔ ان میں سے ایک دریا شیریں ہے اور دوسرا کھارا، اور ان دریاؤں سے موتی اور مونگے جیسے قیمتی پتھر بھی نکلتے ہیں، اور ان دریاؤں اور سمندروں میں بڑی بڑی کشتیاں چلتی ہیں جن سے انسان کا رزق اور روزگار وابستہ ہوتا ہے۔ یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں اور نعمتیں ہیں، تو اے انسان اور جنات کی جماعت! تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

"فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ"

یہ جملہ اس سورت میں بار بار ذکر کیا گیا ہے، تقریباً اکتیس (۳۱) مرتبہ اس سورت میں یہ جملہ مذکور ہے، اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے جواب میں "لا بشیء من نعمك ربنا نکذب فلك الحمد" کہنا چاہیے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام کے سامنے سورۂ رحمٰن پوری تلاوت فرمائی، یہ لوگ سن کر خاموش رہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو اثر قبول کرنے کے لحاظ سے وہ تم سے بہتر رہی، کیونکہ جب میں قرآن کے اس جملے پر پہنچتا تھا "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝" تو جنات سب کے سب بول پڑتے تھے کہ "لا بشیء من نعمك ربنا نکذب فلك الحمد" یعنی اے پروردگار! ہم آپ کی کسی بھی نعمت کی تکذیب وناشکری نہیں کریں گے، آپ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۳۲۹۱)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿﴾ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾

دُنیا فانی ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک ایسی حقیقت بیان فرمائی ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں اور وہ یہ کہ یہ دنیا اور اس میں موجود ہر چیز ایک مخصوص مدت تک رہے گی اور بالآخر ان سب نے فنا ہو کر ختم ہو جانا ہے، باقی رہنے والی ذات صرف پروردگارِ عالم کی ہے، زمین و آسمان کی ہر مخلوق اسی پاک ذات کی محتاج ہے، اسی کے در کی سوالی ہے، وہ سب کو دینے والا ہے، اس کی نرالی شان ہے۔ اور ہر وقت ہر لحظہ اس کی ایک خاص شان ہوتی ہے، وہ کسی کو زندہ کرتا ہے تو کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو عزّت دیتا ہے تو کسی کو ذلت دیتا ہے، کسی تندرست کو بیمار تو کسی بیمار کو تندرست کرتا ہے، کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے تو کسی غم زدہ رونے والے کو ہنسا دیتا ہے، کسی سائل کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دیتا ہے تو کسی کا گناہ معاف کر کے جنّت میں داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے، کسی قوم کو بلند و صاحبِ اقتدار بنا دیتا ہے تو کسی قوم کو پست و ذلیل کر دیتا ہے، غرض ہر لحظہ ہر آن اس کی ایک خاص شان ہوتی ہے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے جنات اور انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا اور اس کے ایک ایک عمل پر جزا اور سزا ہوگی، اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوگی کہ روزِ جزا کی حاضری اور اعمال کے حساب سے راہِ فرار اختیار کر سکے اور نہ ہی کسی کی یہ مجال ہے کہ وہ موت یا روزِ قیامت سے کہیں بھاگ کر بچ نکلے۔ اور اگر کسی کو یہ گمان ہو کہ وہ کہیں بھاگ کر نکل جائے گا اور حساب و کتاب سے بچ جائے گا تو اپنی قوت اور طاقت آزما کر دیکھ لے، اگر وہ آسمان و زمین کے مدار سے باہر نکل سکتے ہیں تو نکل جائیں، لیکن ایسا ہونا محال ہے۔

قیامت کے دو دَردناک عذاب

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے دِن کے دو عذاب بیان فرمائے ہیں جو نافرمان اور منکر جنات اور انسانوں پر مسلط کیے جائیں گے، ان میں سے ایک عذاب آگ کے شعلوں کا ہے اور دوسرا عذاب دُھویں کا۔ جس سے وہ بچ نہ سکیں گے۔ اور اس دِن مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ ان کے جسموں پر ایسی علامات اور نشانیاں ہوں گی جن سے وہ پہچان لیے جائیں گے، ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی، فرشتے انہی علامات کے ذریعہ ان کو پکڑیں گے اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر ان کو جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ عذاب اور پکڑ کی اطلاع دینا بھی ہماری نعمت ہے، سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾
فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ
وَّرُمَّانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِى الْخِيَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِى الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

جنّت کے باغات کا تذکرہ

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مجرمین کی سخت سزاؤں کو بیان فرمایا تھا، اب ان کے بالمقابل ان آیات میں مؤمنین اور نیک اعمال کرنے والوں کے لیے تیار کردہ انعامات کا بیان ہے، جن میں سے بعض مقربین یعنی اللہ ربّ العزّت کے خاص لوگ ہوں گے اور باقی عام مؤمنین۔ ان سب کے لیے جنّت میں باغات تیار کیے گئے ہیں، لیکن چونکہ مقربین کا درجہ عام مؤمنین سے بڑھ کر ہوگا، اس لیے ان کے باغات بھی عام مؤمنین کے باغات سے اعلیٰ درجہ کے ہوں گے۔ ذیل میں ان دونوں قسموں کے باغات کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے:

مقربین کے باغات کا تذکرہ

مقربین وہ لوگ ہیں جو ہر وقت ہر حال میں اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیش ہونے اور حساب وکتاب سے ڈرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں کسی گناہ کے قریب نہیں جاتے، تو ایسے لوگوں کو جو باغات ملیں گے وہ بہت شاخوں والے ہوں گے یعنی گھنے باغات ہوں گے، ان میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے، وہ جنّتی تختوں پر سہارا لگائے بیٹھے ہوں گے، ان تختوں پر ریشم بچھی ہوگی، اور وہاں نیچی نگاہ والی پاک دامن بیویاں ہوں گی جنہیں ان جنّتیوں سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے چھوا ہوگا۔ ان کا حسن وجمال ایسا ہوگا جیسے یاقوت ومرجان ہوں، یہ سب ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے، کیونکہ نیکی کا بدلہ اچھائی کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟

عام مؤمنین کے باغات کا تذکرہ

مقربین کو ملنے والے باغات اور نعمتیں بیان فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عام مؤمنین کو ملنے والے باغات

اور نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ عام مومنین کو جو باغات ملیں گے وہ درجے میں ان باغات سے کم ہوں گے جو مقربین کو ملیں گے، ان باغات کا رنگ گہرا سبز ہوگا جو سیاہی کی طرف مائل ہوگا، ان میں بھی دو چشمے اُبل رہے ہوں گے، مختلف قسم کے میوہ جات ہوں گے، انار اور کھجور کے درخت ہوں گے، اور ان میں ایسی حوریں ہوں گی جو ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے بھی نہایت خوبصورت ہوں گی اور سیرت وکردار کے لحاظ سے بھی بالکل پاک دامن ہوں گی، وہ خیموں میں بند ہوں گی، یعنی پردے میں ہوں گی، انہیں نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ ان جنتیوں سے پہلے کسی انسان یا جن نے انہیں چھوا ہوگا۔ ان باغات میں سبز ریشمی قالینوں پر خوبصورت بچھونوں کے ساتھ تکیہ لگائے جنتی بیٹھے ہوں گے۔ یہ سب اس پاک ذات کی نعمتیں ہیں، جس کا نام بہت برکت والا ہے، کافروں کے لیے جلال والا اور مومنوں کے لیے اکرام والا ہے۔

جنّت کی حوروں کی خوبیوں میں ان کے پردہ کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ عورت کی خوبی اور جنّتی خواتین کی علامت ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی صفت "رحمٰن" ذکر فرما کر انسان پر اپنی چند نعمتیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سرِفہرست روحانی نعمت تعلیم قرآن اور جسمانی نعمت بیان کا ملکہ عطا کرنا ہے، اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی چند آفاقی نعمتیں یعنی سورج وچاند کی تخلیق وغیرہ بیان فرمائی ہیں۔ اور ہر نعمت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ایک سوال بار بار دہرایا ہے کہ "تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" جس سے مقصد باری تعالیٰ کی ان نعمتوں میں غور وفکر کرکے ان کا شکر ادا کرنا اور ان کے عطا کرنے والے پر ایمان لانے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی ترغیب ہے۔

۲۔ اس سورت میں انسانوں اور جنات دونوں کو مخاطب فرما کر ان کے مکلف ہونے کا اعلان کیا گیا ہے کہ انسان اور جنات میں سے ہر کوئی اپنے اعمال کا بروزِ قیامت جوابدہ ہوگا۔

۳۔ سورت میں نیک اعمال کرنے والوں کا انجام خیر اور انہیں ملنے والی نعمتوں کو بیان فرمایا گیا ہے، نیز مومنین صالحین کے درجات میں تفاوت بھی اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ سورت میں منکرین اور مجرمین کے انجام بد کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الرحمٰن بعون اللہ وتوفیقہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْوَاقِعَة

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآن پاک کی ترتیب میں یہ چھپن (۵۶) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چھیالیس (۴۶) ہے۔ تین رُکوع اور چھیانوے (۹۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کی پہلی ہی آیت میں "واقعہ" کا لفظ آیا ہے، جس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے، تو اسی کے نام پر اس سورت کو سورۂ واقعہ کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی قیامت کے احوال اور جنت و جہنم کے مناظر بیان کیے گئے تھے، اس سورت میں بھی یہی مضمون ذکر کیے گئے ہیں۔

سورت کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرض وفات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لے گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "ما تشتکی؟" (تمہیں کیا تکلیف ہے؟) تو انہوں نے فرمایا: "ذنوبي" (اپنے گناہوں کی تکلیف ہے) پھر پوچھا: "ما تشتهي؟" (آپ کیا چاہتے ہیں؟) تو فرمایا: "رحمة ربي" (اپنے رَبّ کی رحمت چاہتا ہوں) پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے کسی طبیب کو بلاتا ہوں، تو فرمایا: "الطبيب امرضني" (مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے) پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے بیت المال سے کوئی عطیہ بھیجوں؟ تو فرمایا: "لا حاجة لي فيها" (مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عطیہ لے لیجیے وہ بعد میں آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا، تو فرمایا کہ آپ کو میری لڑکیوں کے بارے میں یہ فکر ہے کہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، مگر مجھے یہ فکر اس لیے نہیں کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں،

کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ''مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا''
(شعب الإیمان: ۴/۱۱۹) یعنی جو شخص ہر رات میں سورۂ واقعہ پڑھا کرے وہ کبھی فاقہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قیامت کے دن انجام کے لحاظ سے لوگوں کے تین مختلف درجات (کیٹیگریز)'' بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں قیامت کے واقع ہونے پر رونما ہونے والی ہولناکیوں کا بیان ہے۔

۲- سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ روزِ قیامت حساب و کتاب کے وقت لوگ تین درجات میں تقسیم ہوں گے:

۱: بعض ان میں سے مقربین کے درجہ پر فائز ہو کر جنتی ہوں گے۔

۲: بعض اصحاب الیمین (دائیں ہاتھ والے) یعنی عام جنتی ہوں گے۔

۳: بعض اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) یعنی دوزخی ہوں گے۔

۳- سورت میں خالق یعنی ذات باری تعالیٰ کے وجود پر، اس کی قدرت پر اور اس کی وحدانیت اور معبودیت پر دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

۴- سورت میں قرآن کریم کا مقام و مرتبہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ قرآن مجید نے جتنی خبریں دی ہیں وہ سب سچ ہیں، ان میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَبُسَّتِ
الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا ﴿٦﴾ وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾
وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ﴿١٠﴾ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾ فِي جَنَّاتِ
النَّعِيمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ﴿١٦﴾
يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا
يُنزِفُونَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا
أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾ وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ﴿٢٩﴾ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ﴿٣٠﴾ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾ وَفَاكِهَةٍ
كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا

أَتْرَابًا ۝ لِّأَصْحٰبِ الْيَمِينِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ وَأَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَا أَصْحٰبُ
الشِّمَالِ ۝ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِينَ ۝
وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۝ وَكَانُوا يَقُولُونَ ۙ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظٰمًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝
أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ ۙ إِلٰى مِيقٰتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا
الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ۝ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝ فَشٰرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ
الْحَمِيمِ ۝ فَشٰرِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝

قیامت کی ہولناکی کے چند مناظر

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی، اس کے واقع ہونے کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا، اس دِن بہت سی بلند مرتبہ قومیں اور افراد پست اور ذلیل ہو جائیں گے جبکہ بہت سی پست اور حقیر قومیں سربلند اور با عزت ہو جائیں گی۔ زمین میں سخت زلزلہ آئے گا اور زمین ہلا دی جائے گی، پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور پراگندہ غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔

میدانِ حشر میں حاضرین کی اقسام

قیامت کے دِن سب لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک قوم عرش کے داہنی جانب ہوگی، ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھوں میں دیے جائیں گے، کیونکہ جنّت عرش کی دائیں جانب ہے، یہ سب لوگ جنّتی ہوں گے۔ دوسری قوم عرش کے بائیں جانب جمع ہوگی، ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے، کیونکہ جہنّم عرش کی بائیں جانب ہے، یہ سب لوگ جہنّمی ہوں گے۔ جبکہ تیسرا گروہ سابقین کا ہوگا جو اللہ ربّ العزّت کے نزدیک خصوصی امتیاز اور قرب کے مقام میں ہوں گے، جن میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صدیقین، شہداء اور اولیاء اللہ شامل ہوں گے۔ اور یہ سابقین اس اُمّت کے ابتدائی زمانہ (جس کو خیر القرون کہا جاتا ہے یعنی صحابہ و تابعین کے زمانے) میں سے زیادہ جبکہ بعد والے زمانے میں سے کم ہوں گے۔

مقربین کے لیے خصوصی اِنعامات

پھر اللہ ربّ العزّت نے ان سابقین اور مقربین کے لیے تیار کردہ خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا کہ یہ مقربین جنّت میں سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ان کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، کبھی بڑے نہیں ہوں گے، اور شراب کے جام اور پیالے لے کر گھوم رہے ہوں گے اور سب کو پیش کریں گے، اور وہ شراب ایسی ہوگی جس سے نہ سر میں درد ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا، اس کے علاوہ من

چاہے میوے ہوں گے اور من چاہے پرندوں کا گوشت ملے گا، اور ان کے لیے گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں (حوریں) ہوں گی، ان کی رنگت ایسی صاف شفاف ہوگی جیسے حفاظت سے پوشیدہ رکھا ہوا موتی، اس جنّت میں نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بیہودہ بات، بلکہ ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔ مقربین کے لیے اس خاص اعزاز و اکرام اور نعمتوں میں پرتعیش شہری زندگی کی جھلک ہے۔

عام جنتیوں کے لیے اِنعامات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عام جنتیوں کے مقام اور ان کے لیے تیار کردہ انعامات کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ دائیں طرف والے کیا ہی اچھے لوگ ہیں، ان کے لیے جنّت میں ایسے باغات ہوں گے جن میں بے خار اور بغیر کانٹوں والی بیریاں ہوں گی، تہ بہ تہ کیلے ہوں گے، لمبے لمبے سائے ہوں گے، بہتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان پر کوئی روک ٹوک ہوگی۔ اور اونچے اونچے فرش ہوں گے، اور ایسی عورتیں (جن میں حوریں بھی شامل ہیں اور دنیا کی عورتیں بھی) ہوں گی جن کو ہم نے خاص طور پر ایسا بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ کنواری رہیں گی، اپنے شوہروں سے پیار کرنے والی ہوں گی اور ان کی ہم عمر ہوں گی۔ یہ سب نعمتیں داہنی جانب والوں کے لیے ہیں۔ اور یہ داہنی جانب والے اگلے لوگوں (خیر القرون) میں سے بھی بہت کثیر تعداد میں ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی ان کی ایک بڑی جماعت ہوگی۔ عام جنتیوں کی جزا اور ان کے لیے تیار کیے گئے انعامات میں پرتعیش آرام دہ دیہاتی زندگی چھلک رہی ہے۔

بائیں طرف والوں (کُفّار و مشرکین) کا انجام

مقربین اور جنتیوں کے انعامات بیان فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے بائیں طرف والوں یعنی کُفّار اور مشرکین کا انجام اور ان کی سزا بیان کی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو بائیں جانب والے ہیں وہ کتنے برے ہیں، یہ لوگ آگ اور کھولتے ہوئے پانی میں جلیں گے، ان کو سائے کی جگہ سیاہ دھواں ملے گا جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ ہی کوئی لذت اور آرام کا باعث ہوگا، اور ان کو یہ سزائیں اس وجہ سے ملیں گی کہ وہ اس سے پہلے دنیا کی زندگی میں بڑی خوشحالی میں رہتے تھے اور اس خوشحالی کے غرور میں بڑے بڑے گناہ یعنی کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے رہے، اور موت کے بعد کی زندگی اور اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیش ہونے سے منکر ہو گئے تھے، اور طنزیہ طور پر کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا اس کے بعد ہم اور ہمارے آباؤ اجداد زندہ کیے جائیں گے؟ اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے: اگلے اور پچھلے سب ایک مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے، پھر ان منکرین کو زقوم نامی جھاڑی دار درخت سے کھانا ملے گا، اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا، اور ان کو کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا، یہی ان کی مہمانی ہوگی۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا
بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ

عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُونَ ۝
لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي
تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝
أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً
وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے چند دلائل

سورت کے آغاز سے یہاں تک اللہ ربّ العزّت نے میدان محشر میں انسانوں کی تین قسموں کی جزا وسزا کو بیان فرمایا، اب ان آیات میں ان گمراہ لوگوں کو تنبیہ ہے جو سرے سے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے کے ہی قائل نہیں، یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، اس ضمن میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید اور اپنی قدرت کے چند نمونے بھی بطور دلائل پیش فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

پہلی دلیل

تمہاری پیدائش اور تمہاری موت ہمارے ہی قبضۂ قدرت میں ہے، ہم ہی تمہیں پیدا کرتے ہیں اور ہم ہی تمہیں مارتے ہیں، یہ بتاؤ کہ رحم مادر میں ایک ناپاک پانی کے قطرہ سے بچّے کی پیدائش تم خود کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں؟ ہم ہی نے تمہیں اس ناپاک پانی کے قطرے سے پیدا کیا ہے، پھر ہم ہی تمہیں ایک مقررہ وقت تک زندگی دے کر موت دے دیں گے۔

دوسری دلیل

اسی طرح جو بیج اور گٹھلی وغیرہ تم زمین میں بوتے ہو اس سے درخت اور فصلیں تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کھیت اور درخت وغیرہ کو خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم تہی دست رہ جاؤ۔ یعنی ان فصلوں کا اگانے والا بھی اللہ ربّ العزّت ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی اللہ ربّ العزّت کی مشیت اور مرضی پر موقوف ہے۔

تیسری دلیل

اسی طرح جو پانی تم پیتے ہو اس کو بادلوں سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں، پھر ہماری دوسری نعمت یہ ہے کہ ہم نے اس پانی کو پینے کے قابل بنا دیا، اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا بنا دیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟

بارش کا پانی باوجودیکہ اس کے بخارات کڑوے پانی اور سمندروں سے پیدا ہوتے ہیں، میٹھا اور قابل استعمال، شفاف اور شفا بخش ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔

چوتھی دلیل

اسی طرح آگ میں غور و فکر کرو، یہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو (عرب میں دو درخت تھے، ایک کا نام "مرخ" تھا اور دوسرے کا نام "عفار" تھا، ان کی قلمیں بنائی جاتی تھیں، اور پھر ایک کی قلم دوسرے پر مسلنے سے آگ پیدا ہوتی تھی، جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں گزر چکا ہے) تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے اس آگ کو جہنم کی آگ کی یاد دہانی اور دنیوی فائدہ یعنی کھانا پکانے، حرارت حاصل کرنے وغیرہ کا سبب بنایا ہے۔ ان سب نعمتوں پر اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرو، اور اس کے نام کی تسبیح کرو، اور اس کی حمد و ثنا کرتے رہو۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝
لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ
رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ
مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاَمَّآ اِنْ
كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ
مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

قرآن ایک مقدس اور پاک کتاب ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ستاروں کی قسم کھا کر قرآن کی حقانیت اور اس کی پاکیزگی کو بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کہ قرآن ایک مکرم اور محفوظ کتاب ہے، جو اللہ ربّ العزّت کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے اور نہ ہی شیطان کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈالا گیا ہے۔ یہ لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے، اور نہایت پاک کتاب ہے، اسی لیے اسے صرف پاک فرشتے اور پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں جو ہر قسم کی ظاہری اور معنوی نجاست یعنی حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہوں، حدثِ اصغر سے مراد بے وضو ہونا ہے، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے، جبکہ حدثِ اکبر جنابت اور حیض و نفاس سے لاحق ہوتی ہے، جس سے طہارت کے لیے غسل ضروری ہے۔

قیامت حق ہے!

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر عقیدۂ قیامت کو ثابت فرمایا اور منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی کہ جب کسی شخص کی روح جسم سے جدا ہو رہی ہوتی ہے اور حلقوم تک پہنچ جاتی ہے، اور میت کے عزیز و اقارب اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ شخص زندہ رہے اور اس کی روح جسم سے نہ نکلے لیکن کسی کے بھی اختیار میں نہیں ہوتا کہ روح کو

جسم سے نکلنے سے روک سکے، اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اگر واقعی تمہارا حساب و کتاب نہیں ہونا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہے تو تم اس مرنے والے کی روح کو جسم سے نکلنے سے روک لو یا نکلنے کے بعد دوبارہ جسم میں لوٹا دو، اور جب تم سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا تو اللہ ربّ العزّت کی قدرت کاملہ پر یقین رکھو اور خود کو اس کی گرفت سے باہر نہ سمجھو اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنے سے باز آجاؤ۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور میدان محشر میں جمع ہونا یقینی اور حق ہے، اس دِن سب کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی، اگر مرنے والا نیک اور مقرب لوگوں میں سے ہوا تو راحت ہی راحت اور آرام ہی آرام ہے، اور اگر مقربین میں سے نہیں ہے لیکن عام مؤمنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنّت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا، اور اگر گنہگار و مشرکین میں سے ہوا تو جہنّم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی میں اسے ڈالا جائے گا۔ اس لیے ہر کوئی اپنے خاتمہ کی فکر کرے اور اس کے لیے دنیا میں ہی تیاری کرے، اور اللہ ربّ العزّت کو ہمیشہ یاد رکھے، اس کی تحمید و ثنا بیان کرے اور اس کے نام کی تسبیح کرتا رہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی کے چند مناظر بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ روزِ قیامت میدان محشر میں جمع ہونے والے لوگوں کی اقسام اور ان کا انجام تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۲- سورت میں توحید باری تعالیٰ کے دلائل اور قدرت باری تعالیٰ کے چند نمونے بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۳- سورت میں قرآن کریم کی حقانیت اور اس کی پاکیزگی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

۴- سورت کے آخر میں ایک بار پھر اثبات قیامت اور مذکورہ بالا تینوں اقسام کے لوگوں کے انجام کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الواقعۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْحَدِيْد

مسبحات کا تعارف اور فضیلت

قرآن پاک کی ان سورتوں کو جن کے شروع میں تسبیح کا ذکر ہے، "مسبحات" کہا جاتا ہے، ایسی کل سات سورتیں ہیں جنہیں مسبحات سبعہ کہا جاتا ہے، سورۃ الحدید سے ایسی پانچ سورتیں شروع ہو رہی ہیں، اور وہ پانچ سورتیں وہ ہیں جن کے شروع میں سبح یا یسبح آیا ہے۔ ان میں ۱- پہلے نمبر پر یہی سورت یعنی سورۂ حدید ہے، جبکہ باقی سورتوں میں ۲- سورۂ حشر، ۳- سورۂ صف، ۴- سورۂ جمعہ، ۵- سورۂ تغابن شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سورۂ اسراء اور سورۂ اعلیٰ بھی ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے یہ مسبحات پڑھا کرتے تھے، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۷۴/۴)

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ستاون (۵۷) جبکہ نزول کے اعتبار سے چورانوے (۹۴) نمبر پر ہے، چار رکوع اور انتیس (۲۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

"حدید" عربی زبان میں لوہے کو کہتے ہیں، اس سورت کی آیت نمبر پچیس (۲۵) میں لوہے کا ذکر آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۃ الحدید رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے تسبیح اور ذکر باری تعالیٰ کا حکم دیا تھا، اس سورت کے آغاز میں بھی تسبیح اور ذکر کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "انفاق فی سبیل اللہ" ہے، اللہ رَبّ العزّت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دل کی سختی کا سب سے مؤثر علاج ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اللہ رَبّ العزّت کی تسبیح، اس کی قدرت اور اس کے علم کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔انسان کے پاس جتنا مال ہے وہ سب اللہ رَبّ العزّت کا دیا ہوا ہے، انسان کو صرف خرچ کرنے کا اختیار ہے، حقیقی مالک اللہ رَبّ العزّت کی ذات ہے۔

۳۔مؤمنین نے اللہ رَبّ العزّت سے جو عہد کیا تھا، اس سورت میں اس کی یاد دہانی کروائی گئی ہے۔

۴۔اس سورت میں منافقین اور حق قبول کرنے میں تردد کرنے والوں کا اخروی انجام بیان کیا گیا ہے۔

۵۔اس سورت میں فانی دنیا کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے۔

۶۔تقدیر پر ایمان تکلیفوں اور پریشانیوں کے وقت مؤمن کے دل کو مضبوط رکھتا ہے، اسے حوصلہ فراہم کرتا ہے، اسی طرح راحتوں اور مسرتوں کے وقت اسے غرور اور تکبّر سے محفوظ رکھتا ہے۔

۷۔اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے رسول بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے، اور وہ حکمت عدل اور حق کا بول بولا کرنا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۚ وَهُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے چند دلائل

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی توحید کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ رَبّ العزّت کی تسبیح بیان کرتی ہے، وہی آسمان و زمین کا مالک ہے، زندگی اور موت بھی اسی کے

قبضۂ قدرت میں ہے، اس کی قدرت بھی با کمال ہے، ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر چیز سے اول ہے کیونکہ ساری موجودات اور مخلوقات اسی کی پیدا کردہ ہیں، اور وہی سب سے آخر ہے یعنی تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، اس کی ذات اپنے ظہور میں ساری چیزوں سے فائق اور برتر ہے، جبکہ اس کی حقیقت تک کسی عقل وخیال کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس نے زمین وآسمان کو چھ دِن میں پیدا فرمایا، اس کا علم نہایت کامل ہے، جو چیز زمین کی طرف اترتی ہے یا جو زمین سے نکلتی ہے وہ سب سے واقف ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، اس کے حالات سے واقف ہے، اسی کی مشیت وقدرت سے سب کچھ ہوتا ہے، دِن اور رات کا مرتب نظام بھی اسی پاک ذات کی قدرت کی نشانی ہے۔

آیت ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' کی فضیلت

۱۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ (سنن ابوداود: ۴/ ۴۷۳)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ آیت سورۂ حدید کی مذکورہ بالا آیت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دینِ حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ مذکورہ بالا آیت پڑھ لیا کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ
كَبِيْرٌ ۞ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ
اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ
وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۞

مال کا حقیقی مالک اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایمان لانے اور اللہ ربّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس کا ہم نے تمہیں جانشین بنایا ہے، جانشین بنانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مال جو آج تمہارے ہاتھوں میں ہے، یہ تم سے پہلے کسی اور کے پاس تھا اور اسی طرح تمہارے بعد کسی اور کے ہاتھ میں چلا جائے گا، تو جب یہ چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے تو اس کو جوڑ جوڑ کر رکھنا اور بالکل خرچ نہ کرنا نری حماقت ہے۔ لہٰذا اس کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرو، اس پر بہت اجر وثواب ملے گا۔

پھر جولوگ ایمان نہیں لاتے یا اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان سے اللہ ربّ العزّت نے سوال کیا کہ تمہارے ایمان نہ لانے کا سبب کیا ہے، جبکہ اللہ کے رسول تمہارے درمیان موجود ہیں اور تمہیں ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور تمہیں واضح آیات پڑھ کر سناتے ہیں، اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔ اسی طرح اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا سبب کیا ہے جبکہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ربّ العزّت کا ہے اور اسی کا رہ جائے گا، کیونکہ دنیا کے عارضی مالک سب دنیا سے چلے جائیں گے، تو جب سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے تو خوشی سے کیوں نہ اس پروردگار کی راہ میں خرچ کیا جائے کہ ثواب بھی ہو۔

”فتحِ مکہ“ سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کا مقام بعد والوں سے زیادہ ہے

پھر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ مسلمانوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے وہ صحابہ جو فتحِ مکہ سے پہلے ایمان لے آئے اور اللہ ربّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کیا وہ درجے میں ان صحابہ سے افضل ہیں جو فتحِ مکہ کے بعد ایمان لائے اور مال خرچ کیا۔ کیونکہ فتحِ مکہ سے پہلے جو لوگ ایمان لائے ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور مشرکین کی ایذاؤں کا سلسلہ تھا، اس کے باوجود انہوں نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کی خدمت ونصرت میں اپنا جان ومال لگایا، ان کی قوت ایمان اور اخلاص عمل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ فتحِ مکہ کے بعد حالات بدلتے چلے گئے، پورے عرب پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی، مسلمانوں کو قوت حاصل ہوگئی، اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اللہ ربّ العزّت نے ان سے بھی مغفرت، رحمت اور جنّت کا وعدہ فرمایا ہے، البتہ درجات کا فرق ہوگا۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے

اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ جو شخص اللہ ربّ العزّت کو قرض حسنہ دے یعنی اخلاصِ نیت کے ساتھ اس کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ ربّ العزّت دنیا میں بھی اس کے مال میں برکت اور وسعت عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی اس کے اجر وثواب کو بڑھائیں گے، کسی کو دس گنا زیادہ اجر وثواب عطا فرمائیں گے تو کسی کو ستر گنا زیادہ، جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اتنا زیادہ اجر وثواب ملے گا۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ
بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ
فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞

روزِ قیامت مؤمنین کے آگے پیچھے نُور ہوگا

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان کو پُل صراط پر گزرنے سے کچھ پہلے ایک نُور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی میں وہ پُل صراط عبور کریں گے، جبکہ منافقین اس نُور سے محروم ہوں گے تو وہ مؤمنین سے درخواست کریں گے کہ ذرا ٹھہرو، ہم بھی تمہارے نُور سے کچھ فائدہ اُٹھالیں، کیونکہ دنیا میں ہم بھی تمہارے ساتھ نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ میں شریک رہا کرتے تھے، تو انہیں کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور وہیں نُور تلاش کرو، چنانچہ منافقین پیچھے لوٹیں گے لیکن وہاں کوئی نُور نہیں ملے گا، پھر اس طرف آئیں گے تو ان کے اور مؤمنین کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی، اور دیوار کی اس جانب جہاں مؤمنین ہوں گے، رحمت ہوگی جبکہ منافقین کی جانب عذاب ہوگا۔

میدانِ حشر میں نُور اور اندھیرے کے اَسباب

احادیثِ مبارکہ میں کئی ایسے اعمال کا تذکرہ ملتا ہے جو محشر میں نور کا باعث بنیں گے، اسی طرح ایسے اعمال بھی موجود ہیں جو قیامت کے دن اندھیرے کا سبب ہوں گے، ذیل میں ان میں سے چند اعمال کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱- عَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۲۰)

ترجمہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں ان لوگوں کو قیامت کے روز مکمل نور کی خوشخبری سنادو۔

۲- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا. فَقَالَ: مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا، وَلَا بُرْهَانًا، وَلَا نَجَاةً، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ، وَفِرْعَوْنَ، وَهَامَانَ، وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ.

(مسند عبد بن حميد: ص: ۱۳۹)

ترجمہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا، (یعنی ان کے اوقات اور آداب کو پابندی کے ساتھ بجا لائے گا) اس کے لیے یہ نماز قیامت کے روز نور اور برہان اور نجات بن جائے گی، اور جو اس پر محافظت نہیں کرے گا نہ اس کے لیے نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات، اور وہ قارون، ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا۔

۳- عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ بِإِسْنَادِهِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ كَمَا أُنْزِلَتْ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (السنن الكبرى للبيهقي: ۲۴۹/۳)

ترجمہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی ایسے تلاوت کی جیسے وہ نازل ہوئی ہے تو اس کے لیے قیامت کے دن نُور کا باعث ہوگی۔

۴- عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات يوم القيامة. (صحيح مسلم: ۱۹۹۶/۴)

ترجمہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ظلم سے بچو کیونکہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیرے ہوں گے۔

خشوعِ قلب کی تلقین

مؤمنین اور منافقین کے احوال بیان کرنے کے بعد اللہ رَبُّ العزّت نے اہل ایمان کو خشوعِ قلب کی تلقین اور معمولات وعبادات میں سستی پر تنبیہ فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کے ذکر کے سامنے جھک جائیں، یعنی دل سے طاعات کی پابندی اور گناہ چھوڑنے کا عزم کرلیں۔ اور یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جائیں جو اللہ رَبُّ العزّت کی کتاب ملنے کے باوجود شہوات اور گناہوں میں منہمک رہے جس سے ان کے دل سخت ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے کئی افراد آج بھی کافر ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

دُنیا کی حقیقت

ان آیات میں اللہ رَبُّ العزّت نے دنیوی زندگی کی حقیقت اور فانی دنیا کے ناقابلِ اعتماد ہونے کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ، ظاہری زیب و زینت اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، دنیا کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسے کسی زمین پر بارش برسے تو زمین سے فصلیں اور پودے اُگتے ہیں جو کاشتکاروں کو بہت اچھے لگتے ہیں، پھر وقت گزرتا ہے اور وہ کھیتی خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے، اسی طرح دنیا چند روزہ بہار ہے، جس کے بعد زوال آئے گا۔ اس کے بالمقابل آخرت کی زندگی حقیقی زندگی ہے، لہٰذا اس زندگی کو

بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ آخرت میں نیک لوگوں کے لیے خدا کی طرف سے مغفرت اور رضا کا پروانہ اور وسیع و عریض جنت ہوگی، جبکہ کفّار اور مشرکین کے لیے سخت عذاب ہوں گے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝

تقدیر پر ایمان مصائب پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرنے کا باعث ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو دنیا میں کوئی بھی تکلیف یا مصیبت پہنچتی ہے خواہ وہ قحط کی شکل میں ہو یا زلزلہ کی شکل میں، تجارت میں نقصان ہو یا کسی دوست احباب کا بچھڑ جانا اسی طرح ان کو پہنچنے والے زخم اور چوٹ وغیرہ یہ سب تکالیف اللہ ربّ العزّت نے پہلے سے ہی ایک کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں درج کی ہوئی ہیں، لہٰذا اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر زیادہ افسوس اور حسرت نہ کرو کیونکہ وہ پہلے سے طے شدہ تھی، اسی طرح اگر دنیا میں کوئی نعمت اور راحت تمہیں پروردگارِ عالم کی جانب سے نصیب ہو تو اس پر فخر اور غرور کرنے سے بھی گریز کرو کیونکہ وہ بھی تمہارے ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ ربّ العزّت کی عطا کردہ ہے جو تقدیر میں تمہارے لیے پہلے ہی لکھی جا چکی تھی۔ اور اللہ ربّ العزّت اِترانے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

آسمانی کتابوں اور انبیاء و رُسل بھیجنے کا مقصد

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انبیاء و رسل بھیجنے اور آسمانی کتابیں نازل کرنے کا مقصد بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے انبیاء و رسل کو واضح احکام اور معجزات دے کر مبعوث فرمایا، آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، میزان یعنی ترازو بھی اتارا، ان تینوں چیزوں سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ معاشرے میں عدل و انصاف قائم کیا جا سکے۔ جس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں: ۱- کتاب اللہ ۲- میزان، کتاب اللہ سے حقوق کی ادائیگی اور اس میں کمی بیشی کی ممانعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں جبکہ میزان سے وہ حصے متعین ہوتے ہیں جو دوسروں کے حقوق ہیں، نیز ادائیگی حقوق کا پیمانہ بھی میزان ہے۔

لوہے کی تخلیق کے فوائد

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے لوہا بھی اتارا یعنی پیدا کیا ہے، اس کے بڑے فائدے دو ہیں، ۱- ایک تو یہ کہ اس سے مخالفین پر رعب پڑتا ہے اور سرکشوں کو اس کے ذریعہ اللہ ربّ العزّت کے احکام کا پابند بنایا جا سکتا ہے، جہاد اور اَحکامِ خداوندی کی تنفیذ اسی سے ممکن ہے اور عدل و انصاف بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور ۲- دوسرا فائدہ یہ ہے کہ

اس میں لوگوں کے لیے بہت سے منافع اللہ ربّ العزّت نے رکھے ہیں، دنیا میں جس قدر صنعتیں اور ایجادات و مصنوعات ہوئی ہیں ان سب میں لوہے کی ضرورت ہے۔

فائدہ:- اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اصل چیزیں دو ہیں:
۱- کتاب اللہ، ۲- میزانِ عدل۔ انہی دونوں کے ذریعہ خلقِ خدا کی اصلاح اور عدل وانصاف کا نظام قائم کیے جانے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن چونکہ ہر قوم اور معاشرے میں چند ایسے سرکش موجود ہوتے ہیں جن کی اصلاح تعلیم و تربیت سے نہیں ہوتی تو ان کے لیے اللہ ربّ العزّت نے لوہا پیدا فرمایا ہے یعنی ان پر سختی کرکے عدل وانصاف کی فضا قائم کی جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا
رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

چند انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا، اور ان دونوں کی اولاد میں بھی نبوّت کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر ان کے بعد ہم نے یکے بعد دیگرے کئی انبیاء ورسل بھیجے، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں، انہیں ہم نے انجیل عطا کی تھی، اور ان کے ماننے والوں کے دل میں اللہ ربّ العزّت نے شفقت اور رحم پیدا کر دیا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ یا ساری مخلوق خدا کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں فسق و فجور کی کثرت ہوگئی تو ان میں سے بعض لوگوں نے دنیا کی ساری جائز لذتیں چھوڑ کر آبادی سے دور بسیرا کر لیا اور اس طرز زندگی کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور بدعت گھڑ لی، جو درحقیقت اللہ ربّ العزّت نے ان پر لازم نہیں کی تھی، ان کو راہب کہا جانے لگا، لیکن بعد میں یہ لوگ اس رہبانیت پر بھی پورا نہ اتر سکے اور انہوں نے رہبانیت کے نام پر دنیا طلبی اور عیش وعشرت کا سلسلہ شروع کر لیا، اللہ ربّ العزّت نے ان کی مذمت بیان فرمائی۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ تو تمہیں دوہرا اجر ملے گا، ایک اجر

اپنے نبی پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ یہی مضمون ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے:

أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ عِنْدَهُ وَلِيدَةٌ فَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا وَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِي فَلَهُ أَجْرَانِ وَأَيُّمَا مَمْلُوكٍ أَدَّى حَقَّ مَوَالِيهِ وَحَقَّ رَبِّهِ فَلَهُ أَجْرَانِ۔ (صحیح البخاری: ص:۹۰)

ترجمہ:- جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اسے اچھی تعلیم دے، اچھی طرح ادب سکھائے پھر اسے آزاد کردے اور اس سے شادی کرلے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے، اور اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے، اور وہ غلام جس نے اپنے مالکوں کا حق بھی ادا کیا اور اپنے رب کا حق بھی ادا کیا اس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبُّ العزّت نے اپنی توحید کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں، جس کے ضمن میں آسمان وزمین کی تخلیق، اس کی ملکیت، اللہ رَبُّ العزّت کے علم اور قدرت کے کامل ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

۲- سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو جو مال دیا گیا ہے اس کا حقیقی مالک اللہ رَبُّ العزّت ہے، انسان کو صرف اسے خرچ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اسی لیے مال کو اللہ رَبُّ العزّت ہی کے راستے میں خرچ کرنا چاہیے۔

۳- سورت میں روزِ محشر پلِ صراط پر مؤمنین اور منافقین کی حالت اور منظر کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ مؤمنین کو اللہ رَبُّ العزّت کی جانب سے ایک نور عطا کیا جائے گا، جبکہ منافقین اس سے محروم ہوں گے۔

۴- سورت میں دنیا کی فانی زندگی کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں آخرت کی دائمی زندگی کے لیے تیاری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

۵- سورت میں انبیاء ورسل کی بعثت، آسمانی کتابوں کے نزول اور لوہے کی تخلیق کے مقاصد اور فوائد بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۶- سورت کے آخر میں چند انبیائے کرام کا اِجمالی تذکرہ کیا گیا ہے اور اہل کتاب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الحدید بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَة

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنِ کریم کی ترتیب میں اٹھاون (۵۸) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو پانچ (۱۰۵) نمبر پر ہے۔ تین رُکوع اور بائیس (۲۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

مجادلہ عربی زبان میں بحث کرنے کو کہا جاتا ہے، اس سورت کا نام مجادلہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاتون کے بحث کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی چند صفات ذکر فرمائی تھیں اور اپنے علم کے کمال کو بیان فرمایا تھا، اس سورت میں اسی کا ایک نمونہ پیش فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ ربّ العزّت کے کمالِ علم" کو بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں ظہار (اپنی بیوی کو اپنی کسی ایسی رشتہ دار خاتون کے کسی نا قابلِ دید عضو سے تشبیہ دینا جس سے نکاح ہمیشہ حرام ہوتا ہے) کا شرعی حکم بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ سورت میں باہم سرگوشیوں کے دوران بھلائی کی باتیں کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شرانگیز سرگوشیوں سے منع کیا گیا ہے۔

۳۔ اس سورت میں اہلِ علم اور ان کی مجالس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۴- اس سورت میں دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ رَبّ العزّت، نبی کریم صلی اللہ علیہ اور دین کو ٹھہرایا گیا ہے، اور یہ حکم دیا گیا ہے جو شخص اللہ رَبّ العزّت، اس کے رسول یا اس کے دین کا دشمن ہو تو اس سے دشمنی رکھو اگر چہ وہ تمہارا قریبی رشتہ دار ہو۔

پارہ نمبر ۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①
اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا اڷِّــيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ
مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَـمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

شانِ نزول

حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہہ دیا کہ "انت علی کظھر امی" تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یعنی میری ماں کی طرح مجھ پر حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لیے بولے جاتے تھے، اور اس سے طلاق سمجھی جاتی تھی۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ پیش آنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئیں، اس وقت تک اس خاص مسئلہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ نے پہلے سے رائج قانون کے مطابق ان سے فرمادیا کہ "ما اراك الا قد حرمت علیه" یعنی میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہو گئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہو گئی، اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گزارا کیسے ہوگا؟ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے مسئلہ ظہار کا تفصیلی حکم بیان فرمانے کے ساتھ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی بھی فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم اس خاتون کی باتیں سن رہے تھے جو اپنے شوہر کے معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کر رہی تھیں، اور اللہ رَبّ العزّت سے فریاد کر رہی تھیں کہ وہ اس کے مسئلہ کا حل نازل فرمادے، اللہ رَبّ العزّت نے اس کی پکار کو سنا اور مسئلہ کا حل نازل فرمادیا۔

''ظہار'' کی تعریف

شرعی اصطلاح میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ یعنی ماں، بہن یا بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ دائمی حرمت کے لیے بولا جاتا تھا، اور طلاق کے لفظ سے بھی زیادہ شدید سمجھا جاتا تھا، کیونکہ طلاق کے بعد تو رجوع یا دوبارہ نکاح ہوکر پھر بیوی بننے کی صورت ہوسکتی ہے مگر ظہار کی صورت میں رسم جاہلیت کے مطابق ان کے آپس میں میاں بیوی ہوکر رہنے کی قطعی کوئی صورت نہیں تھی۔

اللہ رب العزت نے سب سے پہلے تو جاہلیت کی اس رسم کی تردید فرمائی کہ ظہار کرنے سے عورت محرمات ابدیہ کی طرح حرام ہوجاتی ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، بلکہ ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا یہ قول جھوٹ بھی ہے اور گناہ بھی۔ اس لیے ایسا بول بولنے سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ظہار کا شرعی حکم بیان فرما دیا کہ اگر کوئی دین کے احکام سے ناواقف شخص یا غافل آدمی ایسا کر بیٹھے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، ذیل میں وہ حکم بیان کیا جاتا ہے:

''ظہار'' کا شرعی حکم

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے، پھر وہ اپنے کہے پر نادم ہو اور اپنی بیوی کو دوبارہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہو تو اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے، کفارہ ادا کیے بغیر بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی، اور کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرے، اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت نہ ہو جیسے آج کل غلام نہیں ہیں تو دو مہینے لگاتار مسلسل روزے رکھے، اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوڑ دیا تو از سر نو دوبارہ روزے رکھنے پڑیں گے، اور جب تک دو مہینوں کے روزے مکمل نہ ہوں میاں بیوی ایک دوسرے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، اور اگر کسی بیماری یا ضعف کی وجہ سے اتنے روزے بھی نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، اور کھانا کھلانے کے قائم مقام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک فطرانہ کی مقدار گندم یا اس کی قیمت دے دے۔ فطرانہ کی مقدار پونے دو سیر گندم ہے۔ (معارف القرآن)

حدیث میں ہے کہ جب ظہار کے شرعی حکم کے متعلق مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اسے یہ آیات پڑھ کر سنائیں اور کفارہ کا حکم سنایا کہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں غریب آدمی ہوں، میری یہ قدرت نہیں کہ غلام خرید کر آزاد کروں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھو، اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا، میری

حالت یہ ہے کہ اگر دن میں دو تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری نگاہ بالکل ہی جاتی رہتی ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ یہ بھی میری قدرت میں نہیں، سوائے اس کے کہ آپ ہی کچھ مدد کریں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو کچھ غلہ عطا فرمایا پھر کچھ دوسرے لوگوں نے جمع کر دیا اس طرح ساٹھ مسکینوں کو فطرانہ کی مقدار دے کر کفّارہ ادا کر دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ
إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ
وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۫ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُولُونَ
فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ
شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں متعدد واقعات ہیں، جن کو ذیل میں اجمالی طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ یہود اور مسلمانوں میں صلح تھی، لیکن یہود جب کسی مسلمان کو دیکھتے تو اسے پریشان کرنے کے لیے آپس میں سرگوشی کرنے لگتے، وہ مسلمان سمجھتا کہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اس سے منع فرمایا، مگر وہ باز نہ آئے، اس پر آیت: "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوٰى" نازل ہوئی۔

۲۔ منافقین بھی مسلمانوں کو دیکھ کر اسی طرح باہم سرگوشیاں کرتے تھے جس سے اہلِ ایمان کو تکلیف پہنچتی تھی، اس پر یہ آیات: "يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝" نازل ہوئیں۔

۳۔ یہود اور منافقین جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو شرارت کے طور پر بجائے "السلام علیکم" کہنے کے "السام علیکم" کہتے، جس کا معنی ہے کہ آپ پر موت ہو، اس پر آیت: "وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ" نازل ہوئی۔

سرگوشی کے اَحکام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے سرگوشی سے متعلق چند احکامات اور ہدایات ذکر فرمائی ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپس میں سرگوشیاں اور خفیہ مشورے کرتے ہیں انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ رَبّ العزّت ان کی ہر سرگوشی سے واقف ہے، اس کا علم ساری کائنات پر حاوی ہے، تم لوگ جتنا چھپ کر مشورہ کیوں نہ کرلو اللہ رَبّ العزّت اس سے واقف ہوتے ہیں، اگر اس میں کوئی گناہ یا کسی پر ظلم کا منصوبہ بناؤ گے تو سزا سے نہیں بچ سکو گے، اس لیے اپنی سرگوشیوں اور مشوروں میں اس بات کا دھیان رکھو کہ اللہ رَبّ العزّت ہمارے سب حالات اور گفتگو سے واقف ہیں، لہٰذا کسی خلاف شرع بات یا کسی پر ظلم وغیرہ کی بات سرگوشی میں بھی نہ کرو، اور جب بھی مشورہ کرو تو نیک کاموں کے لیے کرو۔

اسی طرح اس بات کا بھی خاص خیال رکھو کہ تمہاری سرگوشی سے کسی کو ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے، جیسے یہود اور منافقین مسلمانوں کو دیکھ کر انہیں تنگ کرنے کے لیے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگ جاتے جس سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوتا کہ یہ ہمارے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں اور اس سے انہیں تکلیف ہوتی، اسی لیے حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الْآخَرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ أَجْلَ أَنْ يُحْزِنَهُ'' یعنی جس جگہ تم تین آدمی جمع ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم سرگوشی اور خفیہ باتیں نہ کیا کرو، جب تک دوسرے آدمی نہ آجائیں، کیونکہ اس سے اس (تیسرے) کی دل شکنی ہوگی۔ (صحیح البخاری، ص: ۱۳۴۰) یعنی اسے غیرت اور اجنبیت کا احساس ہوگا اور ممکن ہے کہ اسے ایسے شبہات پیدا ہوجائیں کہ شاید یہ دونوں میرے خلاف کوئی بات کر رہے ہیں۔

کفّار کی شرارت پر اِعتدال کے ساتھ جواب دینا چاہیے

آیات کے شانِ نزول کے ضمن میں یہ بات گزری تھی کہ یہود اور منافقین کی ایک شرارت یہ تھی کہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہتے تھے، جس کے معنی موت کے ہیں، ایک روز ایسا ہی ہوا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں، انہوں نے جب یہ سنا تو ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم'' یعنی تم پر ہلاکت ہو اور خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایسا کہنے سے روکا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش کلام کو پسند نہیں فرماتے، آپ کو سختی و درشتی سے بچنا چاہیے اور نرمی اختیار کرنی چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ نے نہیں سنا کہ ان لوگوں نے آپ کو کیا کہا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں سن بھی لیا اور اس کا معتدل بدلہ بھی لے لیا، کہ میں نے جواب میں کہا ''وعلیکم'' یعنی ہلاکت ہو تم پر۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوگی جبکہ میری دعا قبول ہوگی، اس لیے ان کی شرارت کا بدلہ ہوگیا۔ (صحیح بخاری: ۶۴۰۱)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا
فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

مجلس کے چند آداب

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مجلس کے چند آداب بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور بعد میں کچھ لوگ آجائیں تو جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں انہیں چاہیے کہ بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ دینے کی کوشش کریں اور سمٹ کر بیٹھ جائیں۔ ایسا کرنے پر اللہ ربّ العزّت نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے لیے وسعت پیدا فرمادیں گے۔

مجلس کا دوسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ اگر مجلس کا امیر یا منتظم کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لیے کہیں تو اُٹھ جانا چاہیے اور منتظمین سے مزاحمت یا اُلجھنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات خود صاحب مجلس کسی ضرورت سے خلوت اختیار کرنا چاہتا ہے یا کچھ مخصوص لوگوں سے کوئی راز کی بات کرنا چاہتا ہے یا بعد میں آنے والے حضرات کے لیے اس کے سوا کوئی انتظام نہیں ہوتا کہ بعض بے تکلف لوگوں کو مجلس سے اٹھادے جن کے متعلق معلوم ہو کہ ان کا کوئی نقصان مجلس سے اُٹھنے میں نہیں ہوگا، یہ دوسرے وقت میں استفادہ کرسکیں گے۔ البتہ صاحب مجلس یا منتظمین مجلس کے لیے لازم ہے کہ طریقہ ایسا اختیار کریں کہ اُٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے اور اسے کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچے۔

فائدہ:- اس آیت سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ اگر صاحب مجلس یا انتظامیہ کے ارکان کسی مصلحت کی بنا پر کسی شخص کو مجلس سے اٹھنے کا کہیں تو اسے اٹھ جانا چاہیے، لیکن کسی آنے والے کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے جگہ بنانے کی خاطر کسی بیٹھے ہوئے شخص کو مجلس سے اٹھنے کا کہے، حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا، وَتَوَسَّعُوْا" یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کرکے آنے والے کو جگہ دے دیا کرو۔ (صحیح مسلم: ۴/۱۷۱۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ
وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ
فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شب وروز تعلیم واصلاح خلق میں مشغول رہتے تھے، اور عام مجلس میں سب لوگ آپ کے

ارشادات عالیہ سے مستفید ہوتے تھے، لیکن بعض اوقات کچھ لوگ آپ سے علیحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہتے اور آپ ان کو وقت عنایت فرمادیا کرتے تھے، اس پر بعض منافقین نے یہ شرارت کی کہ مخلص مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی کا وقت مانگتے اور پھر مجلس کو طویل کردیتے، اللہ ربّ العزّت نے اس پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے والوں کو حکم فرمایا ہے کہ جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ کرے، اس صدقہ کی کوئی مقدار اللہ ربّ العزّت نے مقرر نہیں فرمائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل باطل اس سرگوشی سے رک گئے کیونکہ مال کی محبت کی وجہ سے صدقہ ان کو گوارا نہیں تھا، لیکن دوسری طرف بہت سے آدمی ضروری بات کرنے سے بھی رک گئے اور بعض مخلص صحابہ کو بھی تنگی پیش آنے لگی، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے اگلی آیت میں اس حکم کی منسوخی کا اعلان فرمادیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی ہیں جنھوں نے اس آیت کے حکم پر عمل فرمایا اور انہوں نے ایک دینار صدقہ کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔

الم تر الى الذين تولوا قوما غضب الله عليهم ما هم منكم ولا منهم ويحلفون على الكذب وهم يعلمون ۝ اعد الله لهم عذابا شديدا انهم ساء ما كانوا يعملون ۝ اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله فلهم عذاب مهين ۝ لن تغني عنهم اموالهم ولا اولادهم من الله شيئا اولئك اصحب النار هم فيها خلدون ۝ يوم يبعثهم الله جميعا فيحلفون له كما يحلفون لكم ويحسبون انهم على شيء الا انهم هم الكذبون ۝ استحوذ عليهم الشيطن فانسىهم ذكر الله اولئك حزب الشيطن الا ان حزب الشيطن هم الخسرون ۝ ان الذين يحادون الله ورسوله اولئك في الاذلين ۝ كتب الله لاغلبن انا ورسلي ان الله قوي عزيز ۝ لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الاخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا اباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشيرتهم اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه ويدخلهم جنت تجري من تحتها الانهر خلدين فيها رضي الله عنهم ورضوا عنه اولئك حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون ۝

کفار سے دوستی کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جو اللہ کے دشمنوں کافروں سے دوستی رکھیں، کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ وغیرہ، کسی مسلمان کے لیے ان سے دلی دوستی رکھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مومن کا اصل سرمایہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، کفار اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں، اور جس شخص کے دل میں کسی کی سچی محبت ہو اس سے یہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت اور دوستی رکھے۔

واضح رہے کہ کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی اور حسن اخلاق سے پیش آنا یا تجارتی اور اقتصادی معاملات کرنا دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں، یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر دلیل ہے۔ البتہ ان سب چیزوں میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان کے ساتھ ایسے معاملات رکھنا اپنے دین کے لیے مضر نہ ہو، اور اس سے اپنے ایمان اور عمل میں سستی نہ پیدا ہو جائے۔

تو ایسے لوگوں (منافقین) کے بارے میں فرمایا جو کفار سے دلی دوستی رکھتے ہوں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہوں کہ ان کے لیے اللہ ربّ العزّت نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، جس سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

اس کے برعکس جو خالص مؤمن ہیں وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ ربّ العزّت کا مخالف یعنی کافر ہو، اگرچہ وہ ان کا باپ، بھائی، اولاد یا کوئی اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال بھی یہی تھا، ذیل میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غیرت ایمانی کے چند واقعات ذکر کیا جاتے ہیں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غیرتِ ایمانی

۱۔ عبد اللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کے منافق باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمہ بولا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرما دیا۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اتنا غصہ آیا کہ زور سے طمانچہ رسید کر دیا جس سے ابو قحافہ گر پڑے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

۳۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے والد غزوۂ احد میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آئے تو میدانِ جہاد میں وہ بار بار حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتے، جب انہوں نے مسلسل ایسا کیا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کر دیا۔ (معارف القرآن)

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اَبّا جان! غزوۂ بدر میں آپ میری تلوار کی زد میں آئے تھے میں نے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، اس وقت بیٹا کافروں کے ساتھ تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بیٹا! اگر تو میری تلوار کی زد میں آ جاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان صحابہ کرام کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے

دلوں میں ایمان پیوست کردیا ہے، اور روح الامین یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی۔ اور آخرت میں بھی ان کو جنّت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے، اللہ ان سے راضی ہیں، وہ اللہ ربّ العزّت سے راضی ہیں۔ اور یہی درحقیقت اللہ ربّ العزّت کا گروہ ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ظہار کا شرعی حکم بیان فرمایا ہے، نیز ظہار کے متعلق کفّار کے غلط نظریہ اور رسم باطل کی تردید فرمائی ہے۔

۲۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے سرگوشی سے متعلق چند احکام اور چند دیگر معاشرتی احکام بیان فرمائے ہیں، جن میں آدابِ مجلس وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ سورت میں کفّار کے ساتھ قلبی لگاؤ اور دلی تعلق و دوستی سے منع فرمایا گیا ہے، نیز اس ضمن میں مخلص مؤمنین کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص سے دوستی اور دلی تعلق نہیں رکھتے جو اللہ ربّ العزّت کا مخالف یعنی کافر ہو، اگرچہ وہ ان کا باپ، بھائی، اولاد یا کوئی اور قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

۴۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کی تعریف فرمائی اور ان کو آخرت کے انعامات کی خوشخبری سنائی اور اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمایا۔

تمت سورة المجادلة بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْحَشْر

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے یہ انسٹھ (۵۹) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو ایک (۱۰۱) نمبر پر ہے۔ تین رُکوع اور چوبیس (۲۴) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔ **سورۃ الحشر**: ''حشر'' کا معنی ہے جمع ہونا، اس سورت کو سورۃ الحشر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہودیوں کے خلاف ایک لشکر کشی کا ذکر ہے جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایک جگہ جمع کر کے ان کا محاصرہ کیا تھا اور پھر ان کو جلاوطنی کی سزا سنائی تھی۔

۲۔ **سورۃ بنی النضیر**: اس سورت کو سورۃ بنی النضیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں غزوۂ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ان منافقین کی مذمت بیان فرمائی تھی جو یہود سے دوستی اور قلبی تعلق رکھتے تھے، اس سورت میں یہود پر دنیا کی سزا (جلاوطنی) اور آخرت کے عذاب کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''اللہ ربّ العزّت کا مؤمنین کو عزّت دینے اور کافروں کو ذلیل کرنے پر قادر ہونا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اللہ ربّ العزّت کی تسبیح اور اس کی پاکی کا بیان نیز اس کی قدرت، عزّت اور اس کی حکمت کاملہ کا بیان اس سورت میں مذکور ہے۔

۲-اس سورت میں یہود اور منافقین کی ذلت اور رسوائی کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

۳- اس سورت میں مہاجرین اور انصار کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے کہ کیسے وہ اس مقام اور مرتبہ کو پہنچے کہ اللہ رَبّ العزّت نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے بعد والے ان کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔

۴-اس سورت میں مالِ فئی کے احکام بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۵-اس سورت میں قرآن پاک کی عظمت اور اس کی تاثیر کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي
الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٢ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٤ مَا
قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے یہود سے آپ نے صلح کا معاہدہ فرمایا جس میں یہ طے پایا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گے، اگر ان پر کوئی حملہ آور ہوا تو مسلمان ان کی مدد کریں گے وغیرہ ذالک، ان یہودیوں کے مختلف قبائل تھے، جن میں سے ایک قبیلہ بنونضیر کا تھا، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے دو قتل ہو گئے جس کا خون بہا سب کو مل کر ادا کرنا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اس کے لیے چندہ کیا، پھر یہ ارادہ ہوا کہ یہود بھی صلح نامہ کی رو سے مسلمانوں کے ساتھ ہیں لہٰذا خون بہا کی رقم میں ان کو بھی شریک کیا جائے، اس کام کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی سازش کی، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ بٹھا دیا اور کہا کہ ہم خون بہا کی رقم جمع کرنے کا انتظام کرتے ہیں، اور آپس میں خفیہ مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس دیوار کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں کوئی شخص اوپر چڑھ کر کوئی بڑا بھاری پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پھینک دے تاکہ (نعوذ باللہ!) آپ کا کام تمام ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کی اس سازش کا علم ہو گیا، آپ وہاں سے اٹھ کر واپس تشریف لے آئے اور ان کے پاس پیغام بھجوایا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح توڑ دی اس لیے اب تمہیں دس روز کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں تم جہاں جانا چاہو چلے جاؤ، اس کے بعد جو یہاں نظر آئے گا اس کی گردن ماری جائے گی، انہوں نے چلے

جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی منافق نے ان کو روکا کہ کہیں نہ جاؤ، میرے پاس دو ہزار آدمیوں کی جماعت ہے جو اپنی جان دے دیں گے لیکن تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ یہ لوگ ان کے کہنے میں آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بجھوا دیا کہ ہم کہیں نہیں جائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ فرمایا، یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا اور ان کے درخت جلوا دیے، کچھ کٹوا دیے، آخر تنگ آ کر انہوں نے جلاوطن ہونا منظور کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دے دیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جاسکتے ہو لے جاؤ، سوائے ہتھیاروں کے وہ ضبط کر لیے جائیں گے، چنانچہ یہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل گئے، کچھ شام چلے گئے، کچھ نے خیبر کا رُخ کیا۔ یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے بعد ربیع الاوّل ۴ھ میں پیش آیا۔

غزوۂ بنی نضیر کے مختصر اَحوال

شانِ نزول کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مدینہ میں یہود کے مختلف قبائل آباد تھے جن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کا معاہدہ فرمایا تھا، ان قبائل میں سے ایک قبیلہ بنونظیر تھا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی، اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں اس قبیلہ کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں، مثلاً ایک مرتبہ قبیلہ بنونضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف اپنے یہودیوں کے چالیس افراد کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچا اور وہاں کے کفّار کے ساتھ ملاقات کی، اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارا اور اپنے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی۔ جس پر ان کے درمیان معاہدہ طے پایا۔ کعب بن اشرف جب اس معاہدہ کے بعد مدینہ منورہ واپس آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی تفصیل بتا دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمایا، چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نامی صحابی نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنونضیر کی مختلف سازشیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتی رہیں جن میں سے ایک وہ واقعہ تھا جو شانِ نزول میں ذکر کیا گیا، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ فرمایا اور ان کا محاصرہ فرمالیا، اور بالآخر انہیں مدینہ منورہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اسی محاصرہ اور ان کی جلاوطنی کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے اہلِ کتاب یہود کو ان کے گھروں سے پہلی مرتبہ نکلنے پر مجبور کر دیا۔ پہلی دفعہ اس لیے فرمایا کہ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان یہود کو جزیرۃ العرب سے باہر چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا جو ان کی دوسری جلاوطنی تھی۔ مستقبل میں ہونے والی اس جلاوطنی کے پیشِ نظر اسے پہلی جلاوطنی قرار دے کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے کارنامہ کی جانب اشارہ فرما دیا۔

تو اس پہلی جلاوطنی کے وقت یہود ابتداءً سمجھتے تھے کہ مسلمان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہمارے قلعے بہت مضبوط

ہیں، چنانچہ وہ قلعہ بند ہوگئے، لیکن اللہ ربّ العزّت نے ان کے دِلوں میں رُعب ڈال دیا، اِدھر باہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کچھ درخت جلادیے اور کچھ کٹوادیے، جس کی وجہ سے انہوں نے قلعوں سے نکلنے پر آمادگی ظاہر کردی اور جلاوطنی پر راضی ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ انہیں یہ اختیار دے دیا تھا کہ اسلحہ کے علاوہ اپنے ساتھ جتنا سامان لے جانا چاہو لے جاسکتے ہو، چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کی کڑیاں اور شہتیر تک اُتار لیے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ اللہ ربّ العزّت نے انہیں مقامِ عبرت بنادیا۔

وَمَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ
يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٦﴾ مَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ
فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٧﴾ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ
أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ
الصّٰدِقُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ
صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٩﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾

''مالِ فَئ'' کے مصارف

گزشتہ آیات میں قبیلہ بنونضیر کی جانوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ فرمایا اس کا بیان تھا، ان آیات میں ان سے حاصل ہونے والے اموال کا بیان ہے۔

کُفار سے حاصل ہونے والا مال دو طرح کا ہوتا ہے:

۱- **مالِ غنیمت**: اس مال کو کہا جاتا ہے جو کُفار سے جہاد اور قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

۲- **مالِ فَئ**: وہ مال جو بغیر جہاد و قتال کے مسلمانوں کو حاصل ہو، خواہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں یا رضامندی سے جزیہ و خراج کی صورت میں ان سے حاصل ہوتا ہو۔

ان دونوں طرح کے اموال کے مخصوص احکام اور مصارف ہیں، مالِ غنیمت کے احکام اور اس کے مصارف کا تفصیلی بیان سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے، جبکہ مالِ فَئ سے متعلق احکام اور مصارف ان آیات میں ذکر کیے گئے ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ مالِ فَئ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے مکمل اختیار اور صوابدید پر ہوتا ہے، وہ

چاہیں تو اسے عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے روک لیں اور بیت المال میں جمع کر دیں، اور چاہیں تو تقسیم کر دیں، لیکن اگر تقسیم کرنا ہو تو اس کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے پانچ قسم کے مصارف بیان کیے ہیں کہ ان پانچ قسم کے لوگوں کے درمیان تقسیم کیے جائیں، وہ پانچ مصارف یہ ہیں: ۱۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حصہ ۲۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ۳۔یتیم ۴۔مساکین ۵۔مسافر۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں بھی انہی مصارف پر مالِ فَیْ خرچ فرمایا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء بھی اسی ترتیب پر عمل درآمد کرتے رہے۔

''احادیثِ رسول'' بھی حجّت ہیں

''مالِ فَیْ'' کے احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ یہ آیت اگرچہ مالِ فَیْ کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے اور اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مالِ فَیْ میں اگرچہ اللہ رَبّ العزّت نے مستحقین کے طبقات بیان کر دیے ہیں لیکن ان میں سے کس کو کتنا دینا ہے؟ اس کی تعیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دی ہے، اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ جس کو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جتنا عطا فرما دیں اس پر راضی ہو جائیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں۔

لیکن چونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں، صرف مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ احکام بھی اس میں شامل ہیں، اس لیے آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کوئی حکم یا مال یا کوئی چیز آپ میں سے کسی کو عطا فرمائیں وہ اس کو لے لینا چاہیے اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رکنا چاہیے۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اس آیت کی بنا پر قرآن ہی کا حکم اور واجب التعمیل قرار دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو، اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں، پھر یہی آیت پڑھ کر سنا دی۔ (معارف القرآن)

زکوٰۃ وصدقات میں دینی خدمات انجام دینے والے حاجت مندوں کو مقدّم کیا جائے

گزشتہ آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے عام یتیموں، مساکین اور مسافرین وغیرہ کو ان کے فقر کی بنا پر مالِ فَیْ کے مستحقین میں شمار کیا تھا، ان آیات میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اگرچہ اس مال میں تمام فقراء ومساکین حق دار ہیں لیکن پھر ان میں وہ حضرات دوسروں سے مقدم ہیں جن کی دینی خدمات معروف ہیں۔

”مہاجرین“ کے اوصاف اور فضائل

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ان اموال میں سے خاص طور پر ان فقراء کو بھی حصہ دیا جائے جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور صرف اس جرم میں کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی و مددگار ہو گئے تھے، انہیں ان کے وطن اور مال وجائیداد سے بے دخل کر دیا گیا، ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے جس کی وجہ سے وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اور اس ہجرت کرنے سے ان کا مقصد کوئی دنیای فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ محض اللہ رب العزت کا فضل اور اس کی رضا مطلوب تھی، وہ اپنے اعمال اور اقوال میں سچے تھے۔

”انصار“ کے اوصاف اور فضائل

مہاجرین کی طرح انصار نے بھی اسلام کی خاطر بہت قربانیاں دی ہیں، یہ مدینہ منورہ کے اصل باشندے تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر اپنی جانیں اور مال اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیے، ہجرت مدینہ کے موقع پر انہوں نے نہایت خلوص اور ایثار کا مظاہرہ کیا، مکہ مکرمہ سے آنے والے مہاجرین کو دل سے قبول کیا، انہیں گلے لگایا، اور خود فقر و فاقہ برداشت کر کے مہاجرین کی راحت کا سامان کرتے رہے، ان کی حاجت اور خواہش کو اپنی حاجت اور خواہش پر ترجیح دیتے تھے۔

”انصار“ کے اِیثار کے چند واقعات

۱- ایک مرتبہ ایک انصاری کے گھر رات کو کوئی مہمان آ گیا، ان کے پاس صرف اتنا کھانا تھا کہ یہ خود اور ان کے بچے کھا سکیں، انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو تو کسی طرح سلا دو اور گھر کا چراغ گل کر دو، پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر برابر بیٹھ جاؤ کہ مہمان سمجھے کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، مگر ہم نہ کھائیں گے، تاکہ مہمان بافراغت کھانا کھا سکے، اس پر یہ آیت مذکورہ ”وَيُؤْثِرُونَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی: ۵/ ۴۰۹)

۲- ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بھوک سے پریشان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے ایک کے پاس اطلاع بھیجی تو ان کا جواب آیا کہ ہمارے پاس تو اس وقت سوائے پانی کے کچھ نہیں، دوسری کے پاس پیغام بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا، پھر تیسری چوتھی یہاں تک کہ تمام امہات المؤمنین کے پاس بھیجا اور سب کا ایک ہی جواب آیا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں، اب آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ کون ہے جو آج رات اس شخص کی مہمانی کرے، ایک انصاری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں کروں گا، اور ان کو ساتھ لے گئے اور جا کر گھر میں پوچھا کہ کھانے کے لیے کچھ ہے تو بیوی نے بتایا کہ صرف اتنا ہے کہ ہمارے بچے کھا لیں، انصاری بزرگ نے بچوں کو سلا دینے کے لیے فرمایا اور فرمایا کہ مہمان کے سامنے کھانا رکھنے اور خود

ساتھ بیٹھ جانے کے بعد اٹھ کر چراغ گل کر دینا کہ ہمارے نہ کھانے کا مہمان کو احساس نہ ہو، مہمان نے کھانا کھا لیا، جب یہ صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس معاملے کو جو تم نے گزشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۵۴)

اُمّت کے حق پر ہونے کی پہچان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبّت وعظمت ہے

صحابہ کرام اور بالخصوص مہاجرین وانصار کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عام اُمّت کے مسلمانوں کا تذکرہ فرمایا کہ اگر ان میں کوئی مذکورہ بالا پانچ مصارف سے تعلق رکھتا ہو تو وہ بھی مالِ فئی کے حقدار ہوگا۔ گزشتہ آیات میں مہاجرین وانصار کے حقدار ہونے کے ضمن میں ان کے کئی فضائل اللہ ربّ العزّت نے بیان فرمائے، جبکہ بعد والے عام مسلمانوں کے فضائل واوصاف میں سے صرف ایک چیز بیان فرمائی کہ وہ اپنے سے پہلے والوں یعنی صحابہ کرامؓ کی سبقت ایمانی اور ایمان واسلام کے ہم تک پہنچنے کا ذریعہ ہونے کو دل سے تسلیم کریں اور سب کے لیے دُعائے مغفرت کرتے رہیں اور اپنے لیے یہ دُعا کریں کہ ہمارے دل میں کسی مسلمان سے کینہ ونفرت نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان واسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرام کی عظمت ومحبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان کے لیے دُعا کرتے ہوں۔ (معارف القرآن)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا ۙ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ۝

غزوۂ بنی نضیر میں منافقین کا کردار

غزوۂ بنی نضیر میں منافقین کے سردار نے قبیلہ بنو نضیر سے کہا تھا کہ تم جلاوطنی سے انکار کر دو، ہم تمہارا مکمل ساتھ دیں گے اور تمہارے شانہ بشانہ لڑیں گے، اور اگر بالفرض تمہیں نکلنا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں، یہ کبھی بھی ان یہودیوں کی مدد نہیں کریں گے اور نہ ہی جلاوطنی کی صورت میں ان کے

ساتھ اپنا وطن چھوڑ کر جائیں گے، بلکہ انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آخر میں بنی نضیر نکالے گئے تو منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلے اور نہ ہی محاصرہ کے آغاز میں ان یہودیوں کا کوئی ساتھ دیا۔

قبیلہ بنو قینقاع کا انجام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے یہود کے ایک دوسرے قبیلہ بنو قینقاع کا ذکر کیا ہے۔ گزشتہ آیات کی تفسیر میں گزر چکا کہ مدینہ میں یہود کے تین بڑے قبائل آباد تھے، جن میں سے ایک قبیلہ بنو نضیر تھا جن کا ذکر گزشتہ آیات میں تفصیل سے گزر چکا، دوسرا قبیلہ بنو قینقاع تھا جس کا تذکرہ ان آیات میں کیا جارہا ہے، جبکہ تیسرا قبیلہ بنو قریظہ تھا۔

قبیلہ بنو نضیر کی طرح بنو قینقاع نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، جس کی شرائط میں یہ داخل تھا کہ ان میں سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے کسی مخالف کی امداد نہیں کرے گا، لیکن چند ہی مہینوں بعد قبیلہ بنو قینقاع نے عہد شکنی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا شروع کردی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی ان حرکات کا علم ہوا تو آپ نے ان کے خلاف اعلان جنگ فرمایا اور ان کا بھی محاصرہ فرمالیا، چند روز یہ اپنے قلعہ میں محصور رہے، بالآخر انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ ان کے مردوں کو قتل کردینے کا تھا کہ عبداللہ بن ابی منافق نے بے حد اصرار کرکے ان کی جان بخشی کروائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلاوطن فرمادیا۔

قبیلہ بنو نضیر اور منافقین کی مثال

پھر اللہ ربّ العزّت نے قبیلہ بنو نضیر اور منافقین کے طرز عمل کی نہایت خوبصورت اور جامع مثال بیان فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قبیلہ بنو نضیر کی مثال اس قبیلہ اور قوم کی سی ہے جو ان سے پہلے اپنے کرتوتوں کا انجام بھگت چکے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، اس سے مراد قبیلہ بنو قینقاع ہے، جس کا تذکرہ ابھی گزرا۔

جبکہ منافقین جنہوں نے قبیلہ بنو نضیر کو سبز باغ دکھائے، انہیں اپنی مدد کی یقین دہانی کروائی، لیکن عین موقع پر کوئی بھی مدد کو نہ پہنچا، ان کی مثال شیطان کی سی ہے جس نے ایک شخص کو کفر پر آمادہ کیا اور اس سے طرح طرح کے وعدے کیے، لیکن جب وہ کفر میں مبتلا ہوگیا تو ان سب وعدوں سے مکر گیا اور کہنے لگا کہ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔

ایک عبرت انگیز واقعہ

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار راہب تھا، جو ہمیشہ اپنے عبادت خانہ میں عبادت میں مصروف رہتا تھا، ستر سال اس نے عبادت میں گزار دیے تھے، شیطان لعین اس کے پیچھے پڑ گیا، اور اس کو بہکانے کی خاطر راہب کا بھیس بنا کر اس کے پاس پہنچ گیا، اور اس راہب سے بھی بڑھ کر عبادت گزاری میں مصروف ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس راہب کا اعتماد جیتنے میں

کامیاب ہوگیا، اس کے بعد اس نے اس اصل راہب کو کچھ ایسی دعائیں سکھائیں جس سے بیماروں کو شفا ہو جاتی تھی، پھر اس نے بہت سے لوگوں کو اپنے اثر سے بیمار کر کے ان کو خود ہی اس راہب کا پتہ دیا، جب یہ راہب ان پر دُعا پڑھتا تو یہ شیطان اپنا اثر اس سے ہٹا لیتا، وہ شفایاب ہو جاتا تھا، اور عرصۂ دراز تک یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ایک دن اس نے ایک اسرائیلی سردار کی حسین لڑکی پر اپنا یہ عمل کیا اور اس کو بھی راہب کے پاس جانے کا مشورہ دیا، یہاں تک کہ اس کو راہب کے عبادت خانے تک پہنچانے میں کامیاب ہوگیا، اور رفتہ رفتہ اس کو اس لڑکی کے ساتھ زنا میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہوا، جس کے نتیجہ میں اس کو حمل ہوگیا، تو رسوائی سے بچنے کے لیے اس کو قتل کرنے کا مشورہ دیا، قتل کرنے کے بعد شیطان نے ہی سب کو قتل کا واقعہ بتا کر راہب کے خلاف کھڑا کر دیا، یہاں تک کہ لوگوں نے اس کا عبادت خانہ گرا دیا اور اس کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دینے کا فیصلہ کر لیا، اس وقت شیطان اس کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اب تو تیری جان بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، ہاں اگر تو مجھے سجدہ کرلے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں، راہب نے سجدہ کر لیا، اس وقت شیطان نے صاف کہہ دیا کہ تو میرے قبضہ میں نہیں آتا تھا، میں نے یہ سب مکر تمہیں کفر میں مبتلا کرنے کے لیے کیے تھے، اب میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کو شیطان کے مکر اور سُوءِ خاتمہ سے محفوظ رکھے۔ آمین یا ربّ العالمین! (معارف القرآن)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کرنے کا حکم

ان آیات میں اللہ ربّ العزت نے اہلِ ایمان کو آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کرنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس بات کی فکر کرو کہ تم میں سے ہر ایک نے آخرت کے لیے کیا سامان آگے بھیجا ہے، اور دنیا میں رہ کر اللہ کو نہ بھول جانا، ورنہ آخرت میں وہ بھی تم کو بھلا دے گا اور پھر تم نقصان میں رہ جاؤ گے۔ کیونکہ جنتی اور جہنمی برابر نہیں ہو سکتے، کامیابی صرف جنتی لوگوں کے مقدر میں ہوگی جبکہ جہنمی ناکام ہوں گے۔

قرآن کی عظمت اور کُفّار کی ڈھٹائی

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی عظمت اور کُفّار کی ڈھٹائی بیان فرمائی کہ یہ قرآن اتنی عظیم الشان

کتاب ہے کہ اگر یہ پہاڑوں جیسی سخت چیز پر نازل ہوتی تو پہاڑ بھی اس کی عظمت کے سامنے جھک جاتے بلکہ ریزہ ریزہ ہوجاتے، لیکن انسان اپنی خواہش پرستی اور خودغرضی میں اس قدر مبتلا ہو چکا ہے کہ اپنا فطری شعور ہی کھو بیٹھا ہے، اس لیے وہ قرآن سے متاثر نہیں ہوتا۔

سورۂ حشر کی آخری تین آیات کی فضیلت

اس سورت کی آخری تین آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی چند صفات اور اسماء الحسنٰی ذکر فرمائے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں ان آیات کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، جو ذیل میں درج ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ ''اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم'' اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں: ''ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو'' سے آخر سورت تک پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دُعا کرتے رہتے ہیں، اگر اس دن میں وہ مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہوگی، اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لیے تو یہی درجہ اس کو حاصل ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۱۸۲/۵)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قبیلہ بنو نضیر کے انجام اور جلا وطنی کو بیان فرمایا، نیز یہ کہ کیسے اللہ ربّ العزّت نے انہیں دنیا میں ہی ذلیل کیا اور اہلِ ایمان کو عزّت بخشی۔

۲- سورت میں کُفّار سے بغیر جنگ وجدل کے حاصل ہونے والے اموال کا حکم اور ان کے مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

۳- اس سورت میں مہاجرین وانصار کے چند اوصاف اور فضائل بیان کیے گئے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے صحابہ کرام کو اُسوہ اور نمونہ بنایا گیا ہے، اور انہیں صحابہ کرام کے حق میں دعائے خیر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۴- سورت میں یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کا انجام اور جلا وطنی بھی بیان کی گئی ہے۔

۵- سورت کے آخر میں آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ نیز قرآن کریم کی عظمت اور کُفّار کی ڈھٹائی کا بیان بھی مذکور ہے۔

تمت سورۃ الحشر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ساٹھویں (۶۰) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے اکانوے (۹۱) نمبر پر ہے، دو رکوع اور تیرہ (۱۳) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

''ممتحنۃ'' کا معنی امتحان لینے والی کے ہیں، چونکہ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان عورتوں کا امتحان لینے کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کریں، اس لیے اس سورت کا نام ''ممتحنۃ'' رکھا گیا۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں ان یہودیوں کا تذکرہ تھا جن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن اور صلح کا معاہدہ فرمایا تھا، اس سورت میں ان مشرکینِ مکہ کا تذکرہ ہے جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ فرمائی تھی۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ دوستی اور دشمنی کا مدار اسلام اور دین ہونا چاہیے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اور اس کے اسباب اور وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔

۲۔ مشرکین سے اظہار براءت کی مثال اور نمونے کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔

۳۔ سورت میں ان مسلمان عورتوں کے امتحان لینے کا بھی حکم ہے جو ہجرت کر کے دارالاسلام آئیں، اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ایسی خواتین کو واپس دارالکفر ہرگز نہ بھیجا جائے۔

۴۔ دارالاسلام میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کا بھی ذکر ہے۔

۵-اہلِ کتاب اور کفار کے ساتھ دلی لگاؤ رکھنے اور حسن سلوک کرنے میں واضح فرق ہے، اول الذکر ناجائز جبکہ ثانی الذکر جائز ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ
مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ
وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۤ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا
بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا
حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا
عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ
يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

شانِ نزول

غزوۂ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ کی ایک مغنیہ (گویا) عورت جس کا نام سارہ تھا، پہلے مدینہ منورہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو تو کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا پھر تم مسلمان ہو کر آئی ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہاں کس غرض سے آئی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے اعلیٰ خاندان کے لوگ تھے، اب مکہ کے بڑے سردار غزوۂ بدر میں مارے گئے ہیں تو میرا گزارہ مشکل ہو گیا ہے، میں سخت حاجت و ضرورت میں مبتلا ہو کر آپ سے مدد لینے یہاں آئی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تو مکہ مکرمہ کی پیشہ ور مغنیہ ہو، اس نے کہا کہ واقعۂ بدر کے بعد سے کسی نے مجھے نہیں بلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد المطلب کو اس کی امداد کرنے کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد اور پوشاک وغیرہ دے کر رخصت کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صلح حدیبیہ کے معاہدہ کو کفار قریش نے توڑ ڈالا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر کے اس کی خفیہ تیاری شروع کر رکھی تھی، اور یہ دعا بھی کی تھی کہ ہمارا راز اہل مکہ پر کسی بھی طرح فاش نہ ہو، ادھر مہاجرین اولین میں ایک صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو اصل سے یمن کے باشندے تھے، پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، ان کے اہل و عیال ابھی مکہ مکرمہ میں ہی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد مشرکین مکہ ان مسلمانوں کو جو مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ستاتے اور پریشان کرتے رہتے تھے، جن

مہاجرین کے اعزہ واقارب مکہ میں موجود تھے، ان کو تو کسی درجہ میں تحفظ حاصل تھا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق تھی کہ میرے اہل وعیال کو دشمنوں کی ایذاؤں سے بچانے والا وہاں کوئی نہیں ہے، انہوں نے اپنے اہل وعیال کے تحفظ کا موقع غنیمت جانا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان کردیا جائے تو وہ ان کے بچوں پر ظلم نہ کریں گے۔ ان کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حق تعالیٰ فتح ہی عطا فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا اسلام کو یہ راز فاش کردینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اور میرے بچوں کی حفاظت ہوجائے گی، چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر اسی مغنیہ عورت سارہ کے حوالہ کردیا جو مکہ جارہی تھی، اور اس خط میں اس بات کی اطلاع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تم لوگوں پر حملہ کرنے کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ ربّ العزّت نے بذریعہ وحی اس معاملہ کی اطلاع دے دی، اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگیا کہ وہ عورت اس وقت "روضۂ خاخ" کے مقام تک پہنچ چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً حضرت علی، حضرت ابومرثد اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہوکر اس عورت کا تعاقب کرو، وہ تمہیں روضۂ خاخ میں ملے گی، اور اس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط بھی ہے، اس کو پکڑ کر وہ خط واپس لے کر آؤ، وہ تینوں صحابہ وہاں پہنچے تو وہ عورت وہاں موجود تھی، انہوں نے اس عورت کو پکڑ لیا اور کہا کہ وہ خط نکالو جو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، انہوں نے اس کی تلاشی لی مگر خط نہ ملا، تو انہوں نے دل میں سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غلط نہیں ہوسکتی، ضرور اس نے خط کہیں چھپایا ہے، تو انہوں نے اس عورت کو کہا کہ یا تو خط نکال دو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتروائیں گے، جب اس نے دیکھا کہ اب خط دیے بنا کوئی چارہ نہیں ہے تو اس نے اپنے ازار یا سر کے جوڑے میں سے یہ خط نکالا، اور وہ حضرات خط لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی ہے مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ایمان میں اب بھی ذرا فرق نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اہل مکہ پر احسان کردوں تاکہ وہ میرے اہل وعیال کو کچھ نہ کہیں، میرے سوا دوسرے مہاجرین میں کوئی ایسا نہیں جس کا کنبہ وہاں موجود نہ ہو جو ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ اس نے سچ کہا، اس کے معاملہ میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ اہل بدر میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کے سب شرکاء کی مغفرت اور ان کے لیے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے، یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

کفّار کو دوست نہ بناؤ!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو مخاطب کرکے تنبیہ فرمائی کہ اے ایمان والو! میرے اور اپنے

دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، کیونکہ وہ تمہارے دین اور قرآن کے منکر ہیں، اور انہوں نے تمہیں اور تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے وطن عزیز سے نکالا، اور اس نکالنے کی وجہ کوئی دنیاوی سبب نہیں تھا بلکہ تمہارا ایمان اس کا سبب تھا لہٰذا جب تک تم مؤمن ہو وہ تمہارے دوست نہیں بن سکتے۔ نیز یہ کہ اگر کبھی ان کو تم پر غلبہ حاصل ہوا تو وہ تم سے دشمنی ہی کریں گے اور تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے، لہٰذا ان سے دوستی کی یا اس بات کی امید رکھنا کہ وہ تمہارے ساتھ رواداری سے پیش آئیں گے ہرگز درست نہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ اولاد یا رشتہ داریوں کی محبت میں مبتلا ہو کر بھی دین یا ایمان کا سودا ہرگز نہ کرنا، کیونکہ قیامت میں تمہارے رشتے ناطے اور تمہاری اولاد تمہارے کسی کام نہیں آئیں گی، اس دن اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ اولاد سے بھاگتے پھریں گے، لہٰذا اپنے دین کو اور اللہ کو یاد رکھو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ

پھر اللہ رب العزت نے کفار سے تعلقات ختم کرنے اور دل لگاؤ نہ رکھنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا کہ ان کا سارا خاندان مشرکین کا تھا، انہوں نے سب سے بیزاری اور براءت کا اعلان فرما دیا تھا، اور بتلا دیا تھا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہیں لاؤ گے اور اپنے شرک سے باز نہیں آؤ گے ہمارے تمہارے درمیان تعلقات بحال نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کو چاہیے کہ اُسوۂ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے شرک اور مشرکین سے اعلانِ براءت کریں۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

کفار اور مشرکین سے حُسنِ سلوک کیا جاسکتا ہے، دوستی نہیں!

گزشتہ آیات میں کفار کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے سے منع فرمایا گیا تھا، ان آیات میں ان سے حسنِ سلوک کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ گزشتہ آیات کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کفار سے بالکل قطع تعلق کرلی تھی، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ جب انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، ان سے ملنے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچیں، (ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا)، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے کے لیے آئی ہیں اور وہ کافر ہیں، میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (صحیح بخاری: ۲۶۲۰)

تو ان آیات میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ وہ کفار جنہوں نے مسلمانوں سے قتال نہیں کیا، اور ان کا

مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں تھا، ان کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرنا چاہیے، البتہ وہ کفار جو مسلمانوں کے خلاف جنگ وقتال میں بھی شریک رہے، اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی انہوں نے کردار ادا کیا، ان کے ساتھ موالات اور دوستی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ
عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ
اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ
وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ
فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ
شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ
وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

شانِ نزول

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ میں جو شرائط لکھی گئی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلمانوں کی طرف سے کافروں میں چلا جائے وہ واپس نہیں دیا جائے گا اور جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی جانب چلا جائے تو وہ کافروں کو واپس دیا جائے گا، چنانچہ بعض مسلمان مرد آئے اور واپس کر دیے گئے، پھر بعض خواتین مسلمان ہو کر آئیں تو ان کے اقارب اور رشتہ داروں نے ان کی واپسی کی درخواست کی، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور ان میں ان عورتوں کو واپس کرنے سے منع فرما دیا گیا۔

چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی مومن عورت ہجرت کر کے آئے تو اس کا امتحان لو کہ آیا واقعی اس کی ہجرت کا مقصد اسلام اور ایمان ہے یا کوئی دنیوی غرض ہے، اگر قرائن یا اس کے اقرار سے اس کا ایمان معلوم ہو جائے تو ان عورتوں کو کفار کے پاس واپس نہ لوٹاؤ، کیونکہ نہ یہ خواتین ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مردان کے لیے حلال ہیں۔ اور ان مومنات خواتین کے کافر شوہروں نے ان کے نکاح میں جو مہر وغیرہ ان کو دیا تھا وہ سب ان کے شوہروں کو واپس دے دیا جائے۔ اس کے بعد اگر کوئی مومن مردان میں سے کسی خاتون سے نکاح کرنا چاہے تو ان کا حق مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر سکتا ہے۔ البتہ کسی مسلمان مرد کا کسی مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔

اور اگر کسی مسلمان مرد کی بیوی خدانخواستہ مرتد ہو کر مشرکین کے پاس چلی جائے یا پہلے سے ہی کافر ہو اور مسلمان شوہر کے قبضے سے نکل جائے تو مسلمان مرد نے اس کو جو مہر وغیرہ دیا تھا اس کی واپسی کا کفار سے مطالبہ کیا جائے گا اور ان پر بھی

اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔ اور اگر کافر وہ رقم ادا نہ کریں تو تم بھی ان کی خواتین کی مہر کی رقم ان کو ادا نہ کرو بلکہ اس رقم سے ان مسلمان شوہروں کے خرچ کیے ہوئے مہر وغیرہ ادا کرو جن کی عورتیں کفارِ مکہ کے قبضہ میں آ گئی ہیں۔

مسلمان عورتوں کی بیعت

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے مسلمان خواتین سے بیعت لینے کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں ایمان وعقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ عورتوں کی یہ بیعت محض زبانی کلامی تھی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ وَمَا بَايَعَهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ" یعنی اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے کبھی کسی عورت کے کے ہاتھ کو بیعت میں نہیں چھوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو محض زبانی بیعت فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری، ص: ۴۱۹)

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مومن خواتین سے ان باتوں پر بیعت لیں کہ وہ اللہ ربّ العزّت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور چوری نہیں کریں گی، بہت سی عورتیں اپنے شوہر کے مال میں چوری کرنے کی عادی ہوتی ہیں، اس سے منع فرمایا، تیسری بات یہ کہ زنا سے پرہیز کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر بہتان نہیں باندھیں گی، اور کسی نیک کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ جب خواتین ان باتوں پر آپ سے بیعت کرلیں تو ان کے لیے بخشش کی دُعا فرمائیں۔ اللہ ربّ العزّت بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ایمان والوں کو کفار کے ساتھ دوستی کرنے اور قلبی تعلقات رکھنے سے منع فرمایا، اور اس حکم کے کئی اسباب بھی بیان فرمائے۔

۲۔ اس حکم کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل کو بطورِ نمونہ پیش فرمایا، انھوں نے بھی اپنے والد اور رشتہ داروں سے ان کے کفر کی بنا پر قطع تعلق اور اعلانِ براءت فرما لیا تھا۔

۳۔ سورت میں عام کفار کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

۴۔ اس سورت میں ان مسلمان خواتین کے چند احکام بیان کیے گئے ہیں جو ہجرت کر کے دارالاسلام آ جائیں۔

۵۔ سورت کے آخر میں مسلمان خواتین سے عقائد وایمانیات اور احکامِ شرع کی پابندی پر بیعت لینے کا حکم ہے۔

تمت سورۃ الممتحنہ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الصَّفّ

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے اکسٹھ (۶۱) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سونو (۱۰۹) نمبر پر ہے، دو رکوع اور چودہ (۱۴) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ان مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کے راستے میں صف بنا کر جہاد کرتے ہیں، اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ صف رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ رب العزت کی راہ میں جہاد کرنے کا اجمالی تذکرہ تھا اس سورت میں جہاد کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "دین کی نصرت و مدد" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں قول اور فعل کے تضاد کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

۲- انبیاء ورسل کی مخالفت اور ان کو ایذاء پہنچانے کا وبال بھی اس سورت میں مذکور ہے۔

۳- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سنائی تھی اس کا بھی اس سورت میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

۴- اللہ ربّ العزّت کے نزدیک سب سے افضل اعمال اس پر ایمان لانا، اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے، اور یہی دراصل فائدہ مند تجارت ہے۔

۵- اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دین کی مدد و نصرت ہر مسلمان پر واجب اور ضروری ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا
تَفْعَلُوْنَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا
كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ
بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى
الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٩﴾

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم چند صحابہ آپس میں یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرے کہ اللہ ربّ العزّت کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے، ابھی ہم گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد پہنچا اور ہم میں سے ایک ایک کو بلا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، جب ہم سب جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پوری سورہ صف کی تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد: ۲۰۵/۳۹) جس میں ذکر ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک سب سے محبوب عمل ایمان لانے کے بعد اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

جس کام کو کرنے کا اِرادہ نہ ہو، اس کا دعویٰ بھی نہ کرو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو ایسے دعوے کرنے سے منع فرمایا ہے جن کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو، اور اگر ارادہ ہو تو بھی اپنے نفس پر بھروسہ کر کے دعویٰ کرنا شان عبدیت کے خلاف ہے۔ اور اگر کبھی دعویٰ کرنے کی نوبت آہی جائے تو دعوے کے ساتھ "ان شاء اللہ" کہہ دینا چاہیے۔ کیونکہ ایسے کاموں کا دعویٰ کرنا جن کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو اللہ ربّ العزّت کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔

ایک غلط فہمی کی اصلاح

مذکورہ بالا تفسیر سے یہ معلوم ہو گیا کہ مذکورہ آیات میں ان کاموں کا دعویٰ کرنے سے منع کیا گیا ہے جو آدمی نے کیے نہ ہوں، اکثر لوگوں کو اس آیت سے یہ غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے کہ جو کام آدمی خود نہیں کرتا اس کی نصیحت اور دعوت بھی دوسروں کو نہیں دے سکتا۔ جبکہ یہ آیت کے مفہوم میں شامل نہیں ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ انسان جب دوسروں کو نیکی کی دعوت دے یا کسی کو کوئی نصیحت کرے تو اسے چاہیے کہ پہلے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص خود کسی نیک کے کام پر عمل نہیں کرتا تو دوسروں کو دعوت بھی نہیں دے سکتا۔ بلکہ دوسروں کو دعوت دینے اور نصیحت کرنے کا سلسلہ ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے، امید ہے کہ اس وعظ و نصیحت کی برکت سے اس کو بھی عمل کی توفیق ہو جائے۔ الغرض اس آیت میں دعویٰ سے منع فرمایا گیا ہے، دعوت سے نہیں۔

اللہ ربّ العزّت کے نزدیک محبوب عمل

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اس عمل کو بیان فرمایا جو اس کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ لوگ ہیں جو صف بنا کر اللہ ربّ العزّت کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح ثابت قدم رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک سب سے محبوب عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تو آپ نے ان کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور کوئی انوکھی بات لے کر نہیں آیا بلکہ مجھ سے پہلے جو کتاب یعنی تورات اللہ ربّ العزّت نے بھیجی ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ میرے بعد ایک پیغمبر تشریف لائیں گے جن کا نام نامی اور اسم گرامی احمد ہوگا، تو جب وہ تشریف لے آئیں تو تمہارا فرض ہوگا کہ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی اطاعت کرو۔ لیکن بدقسمتی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کے پیغام کو جادو کہا اور دوسرے الزامات لگائے، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ ربّ العزّت نے بھیجا ہے اور وہی آپ کے دین کو دُنیا میں غالب فرمائے گا۔ یہ لوگ اسلام کا نور بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ ربّ العزّت کے فضل و کرم اور اس کی مشیت سے ہمیشہ سے اس میں ناکام رہے ہیں اور رہیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝١٠ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١١ يَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۚ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝

دُنیا کی سب سے نفع مند تجارت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک نہایت نفع مند تجارت کے بارے میں اہلِ ایمان کو آگاہ فرمایا ہے کہ اگر وہ یہ تجارت کرلیں تو انہیں دنیا اور آخرت میں نفع ہی نفع پہنچے گا، اور جس میں نقصان کا ذرا احتمال نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! ایک تجارت ایسی ہے جس پر اگر تم عمل پیرا ہوئے تو دنیا اور آخرت کے عذابوں سے بچ جاؤ گے، اور وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسولوں پر پختہ ایمان لاؤ، اور اپنی جان و مال کے ذریعے اس پاک پروردگار کی راہ میں جہاد کرو، اگر تم نے یہ تجارت کرلی اور ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا سرمایہ اس تجارت میں لگا دیا تو بدلے میں اللہ ربّ العزّت تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے، اور تمہیں ایسی جنّت عطا فرمائیں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور پاکیزہ اور بہترین مکانات عطا فرمائیں گے جن میں ہر طرح کے عیش و آرام کے اسباب ہوں گے، یہ سب انعامات تو آخرت میں ملیں گے، دنیا میں اس تجارت کا نقد نفع یہ ملے گا کہ اللہ ربّ العزّت تمام حالات میں بالخصوص حالتِ جنگ میں تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہیں دشمنوں پر فتح نصیب فرمائیں گے۔

اللہ کے دِین کے مددگار ہوجاؤ!

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ ربّ العزّت کے دین کے مددگار ہوجاؤ، اس کے لیے اپنی جان اور مال قربان کرنے سے گریز نہ کرو، اور اس دین کی ایسی نصرت کرو جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں (حواری وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی) نے دینِ عیسوی کی اشاعت میں خدمات انجام دیں، جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دشمنوں سے تنگ آکر لوگوں میں اعلان کیا کہ "من انصاری الی اللہ" یعنی اللہ کے دین کی اشاعت میں کون میرا مددگار بنے گا، تو اس پر بارہ افراد نے وفاداری کا عہد کیا اور اس عہد کو نبھایا، تو مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اللہ ربّ العزّت کے دین کے انصار اور مددگار بنیں۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی ایسی تعمیل کی کہ پچھلی اُمتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور دین کی خاطر سب عرب و عجم سے دشمنی مول لی، ان کی ایذائیں سہیں، اپنی جان و مال اور اولاد کو اس پر قربان کردیا، اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح و نصرت سے نوازا اور سب دشمنوں پر ان کو غالب فرمادیا۔

سورت کا اجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو ان کاموں کے دعویٰ کرنے سے منع فرمایا جن کو کرنے کا ارادہ نہ ہو، البتہ اس سے ان کاموں کی دعوت دینے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔

۲- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دورِ نبوّت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری اپنی اُمّت کو سنائی تھی، اس سورت میں اس خوشخبری کا تذکرہ ہے۔

۳- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کے نزدیک محبوب عمل کی وضاحت بھی فرمائی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ ایمان کے بعد جہاد فی سبیل اللہ ایسا عمل ہے جو اللہ ربّ العزّت کو بہت محبوب ہے اور وہی دراصل کامیاب ترین تجارت ہے۔

۴- سورت کے آخر میں اہل ایمان کو دین اسلام کی نصرت اور اس کی اشاعت میں اپنا کردار ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور بطور مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جیسے انہوں نے دین عیسوی کی ترویج واشاعت میں خدمات سرانجام دیں، تم بھی ایسے ہی اسلام کی تبلیغ وترویج میں اپنی خدمات سرانجام دو۔

تمت سورۃ الصف بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃ

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر باسٹھ (۶۲) ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ ایک سو دس (۱۱۰) نمبر پر ہے، دو رکوع اور گیارہ (۱۱) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

یہ قرآن کریم کی واحد سورت ہے جس میں جمعہ کی نماز کا ذکر ہے، اسی لیے اس سورت کا نام سورۃ الجمعہ رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر تھا جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق اپنی قوم کو سنائی تھی، اس سورت میں اسی بشارت کی تکمیل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "دینِ اسلام کے شعائر اور خاص چیزوں کی حفاظت کرنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں اللہ ربّ العزت کی تسبیح، اور اس کی چند صفات عالیہ کا بیان ہے۔

۲- اللہ ربّ العزت کا عالم عرب پر فضل اور احسان ہے کہ ان میں اپنا جلیل القدر پیغمبر مبعوث فرمایا۔

۳- بنی اسرائیل کا دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر اللہ ربّ العزت کے عطا کردہ دین اور امانت کو ضائع کر دینے کا مضمون بھی مذکور ہے۔

۴- اس سورت میں جمعہ کی نماز کی پابندی اور اس کے چند احکام بیان کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۗ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اِحسانِ عظیم ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس پروردگارِ عالم کی تسبیح بیان کرتی ہے جو بادشاہ ہے اور ہر عیب سے پاک ہے۔ اس نے اُمّی یعنی ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول بھیجا، عرب میں چونکہ پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا، بہت کم لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے، اس لیے انہیں "اُمّی" کہا جاتا ہے، تو اللہ ربّ العزت نے ان میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہیں، یعنی بظاہر امی ہی ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کی زبانِ اطہر سے علم وحکمت اور عقل ودانش کے چشمے بہہ پڑے، آپ نے جب اپنی امی قوم کی اصلاح کا کام شروع کیا تو ان میں وہ علماء اور حکماء پیدا ہوگئے جن کی علم وحکمت نے سارے جہان سے اپنا لوہا منوالیا۔

بعثتِ نبوی کے تین مقاصد

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تین مقاصد بیان فرمائے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ **تلاوت آیات**: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد یہ ہے کہ آپ کلام اللہ کی آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔

۲۔ **تزکیۂ نفس**: آپ کی بعثت کا دوسرا مقصد اُمت کا تزکیہ کرنا اور انہیں کفر وشرک اور برے عقائد واعمال اور اخلاق وعادات سے پاک کرنا ہے۔

۳۔ **تعلیم کتاب وحکمت**: آپ کی بعثت کا تیسرا مقصد کتاب اور حکمت کی تعلیم دینا ہے، کتاب سے مراد قرآن پاک جبکہ حکمت سے مراد وہ تعلیمات وہدایات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی یا عملی طور پر ثابت ہیں۔ جسے عرفِ عام میں سُنّت کہا جاتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اپنے فرائض منصبی نہایت خوش اسلوبی سے نبھائے، اور اپنے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد والوں کے لیے ہدایت ونصیحت کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا۔

یہودیوں کی اور بے عمل عالم کی مثال

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان یہودیوں کا تذکرہ فرمایا جن کو اللہ رَبّ العزّت نے تورات عطا فرمائی تھی اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں بھی مذکور تھیں، جس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ پر ایمان لے آتے، لیکن ان کو دنیا کے جاہ و مال نے تورات کے احکام سے اندھا کر دیا اور باوجود تورات کا علم ہونے کے وہ آپ پر ایمان نہ لائے، ان لوگوں کی مذمت مذکورہ آیت میں اس طرح کی گئی کہ یہ لوگ جن پر تورات لادی گئی تھی یعنی ان کو بغیر مانگے اللہ رَبّ العزّت کی یہ نعمت دے دی گئی تھی، مگر انہوں نے اس کے اٹھانے کا حق ادا نہیں کیا یعنی تورات کے احکام کی پرواہ نہ کی، ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پیٹھ پر علوم وفنون کی بڑی بڑی کتابیں لاد دی جاتی ہیں، یہ گدھا ان کا بوجھ تو اٹھاتا ہے مگر ان کے مضامین کی نہ اس کو کچھ خبر ہے نہ ان سے کوئی فائدہ اس کو پہنچتا ہے، یہود کا بھی یہی حال ہے۔ اور یہی مثال اس عالم دین کی ہے جو اپنے علم پر عمل نہ کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

جمعہ کی نماز سے متعلق چند احکام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے جمعہ کی نماز سے متعلق چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کی نماز کے لیے اذان دی جائے تو سب کام کاج چھوڑ کر اللہ کے ذکر یعنی جمعہ کی نماز یا جمعہ کے خطبہ کی طرف دوڑو، اور خرید وفروخت یا اسی طرح کا ہر وہ معاملہ جو نماز کی طرف متوجہ ہونے میں خلل ڈالے، اس کو ترک کر دو۔

فائدہ:- ابتدائے اسلام میں جمعہ کی صرف ایک اَذان ہوتی تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے کہی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک ایک اَذان رہی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور مدینہ کے اطراف میں بھی مسلمانوں کی آبادی پھیل گئی تو امام کے سامنے کہی جانے والی خطبہ کی اَذان دور تک سنائی نہ دیتی تھی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اور اَذان مسجد سے باہر مقام زوراء میں شروع کرادی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اس لیے جمعہ کی اس دوسری اَذان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا، اور اَذانِ جمعہ کے وقت خرید وفروخت وغیرہ تمام مشاغل کے ممنوع ہونے کا جو حکم پہلے اَذانِ خطبہ کے بعد ہوتا تھا، اب پہلی اَذان کے بعد سے شروع ہوگیا۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کی نماز پڑھ لو تو اپنے تجارتی مراکز، کاروبار اور اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام کرو۔ بعض سلف صالحینؒ سے منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد تجارتی کاروبار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر مرتبہ برکات نازل فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

شانِ نزول

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ منورہ کے بازار میں پہنچا، اور ڈھول باجوں سے اس کا اعلان ہونے لگا، مدینہ میں اشیاء خورد و نوش کی شدید کمی تھی، اس لیے جب صحابہ نے یہ آواز سنی تو بہت سے صحابہ اٹھ کر بازار چلے گئے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جو آخرت کا ثواب اور وہاں کی نعمتیں اللہ ربّ العزّت کے پاس ہیں وہ اس دنیاوی تجارت اور اس کے معمولی نفع سے زیادہ بہتر ہے، رزق کا مالک اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے اور وہ سب سے بہترین رزق دینے والا ہے، لہٰذا اللہ ربّ العزّت کے ذکر کو چھوڑ کر دنیاوی تجارت یا دنیوی مشاغل میں مصروف ہونا ہرگز درست نہیں ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ذکر فرمایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقاصد نبوّت بھی بیان فرمائے۔

۲۔ سورت میں ان یہودیوں کی مذمت کی گئی جو تورات کا علم رکھنے کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔

۳۔ سورت میں جمعہ کی نماز سے متعلق چند ضروری احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ الجمعۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْن

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے تریسٹھ (۶۳) نمبر جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو چار (۱۰۴) نمبر پر ہے، دو رکوع اور گیارہ (۱۱) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت میں منافقوں کے احوال بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ منافقون رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مؤمنین کا ذکر فرمایا تھا، اس سورت میں ان کی ضد منافقین کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "منافقین کی مذمت" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں منافقین کی چند بری عادات اور صفات ذکر کی گئی ہیں تاکہ اہل ایمان ان سے بچنے کی کوشش کریں، ان صفات میں جھوٹ بولنا، بزدلی دکھانا، جھوٹی قسمیں اٹھانا، مؤمنین سے بغض اور کینہ رکھنا اور تکبر وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ اس سورت میں مؤمنین کو صدقہ دینے پر ابھارا گیا ہے، کیونکہ صدقہ کے دنیا اور آخرت میں بہت فضائل ہیں۔

۳۔ مال اور اولاد کے فتنے سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ

وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۖ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۗ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۚ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

شانِ نزول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ حارث بن ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔ جو بعد میں مسلمان ہو کر ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔ کے والد ہیں، جو بعد میں خود بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی جنگی تیاری کی خبر ملی تو آپ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے نکلے، اس جہاد کے لیے نکلنے والے مسلمانوں کے ساتھ بہت سے منافق بھی اس امید پر ساتھ چل پڑے کہ ہمیں بھی مالِ غنیمت میں حصہ ملے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی المصطلق کے مقام پر پہنچے تو حارث بن ضرار کے لشکر سے پانی کے ایک چشمہ پر جس کا نام مریسیع تھا، سامنا ہوا، اس لیے اس غزوہ کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں، اس مقام پر دونوں طرف سے جنگ کی صفیں مرتب ہوئیں اور تیروں کے ساتھ مقابلہ ہوا، بنی المصطلق کے بہت سے آدمی مارے گئے، باقی بھاگ گئے، اللہ ربّ العزّت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح نصیب فرمائی، ان کے کچھ مالِ غنیمت اور مرد وعورتیں قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

غزوہ کے بعد ابھی مسلمانوں کا لشکر اسی مریسیع نامی پانی کے چشمے پر جمع تھا کہ ایک ناگوار واقعہ پیش آیا، ہوا یوں کہ ایک مہاجر اور ایک انصاری میں اسی پانی پر جھگڑا ہو گیا اور نوبت قتل وقتال تک جا پہنچی، مہاجر نے اپنی مدد کے لیے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کو آواز دی، دونوں کی مدد کے لیے کچھ افراد پہنچ گئے، قریب تھا کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی فتنہ کھڑا ہو جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ فوراً موقع پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا کہ یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟ کہ وطنی اور نسبی قومیت کو بنیاد بنا کر امداد اور دفاع کا معاملہ ہونے لگا، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس نعرہ کو چھوڑ دو، یہ بدبودار نعرہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا۔

منافقین کی وہ جماعت جو مالِ غنیمت کی لالچ میں مسلمانوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی، ان کا سردار عبداللہ بن اُبَی تھا، اس کو جب مہاجرین وانصار کے اس جھگڑے کی خبر ملی تو اس کو مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا موقع مل گیا، اس نے اپنی مجلس میں جس میں صرف منافقین تھے اور مؤمنین میں سے صرف حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا کہ تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا، اپنے اموال وجائیداد ان کو تقسیم کر کے دیے، یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر اتر آئے ہیں، اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے، اس لیے تمہیں چاہیے کہ آئندہ ان کی مالی امداد بند کر دو، تو یہ خود ہی اِدھر اُدھر بھاگ جائیں گے، اور اب تمہیں چاہیے کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم میں سے جو عزّت والا ہے وہ ذلیل کو باہر نکال دے۔ اس کی مراد عزّت والے سے خود اپنی جماعت جبکہ ذلیل سے مراد نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ تھے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جب اس کا یہ کلام سنا تو فوراً بولے کہ واللہ تو ہی ذلیل وخوار اور مبغوض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رَبُّ العزّت کی طرف سے دی ہوئی عزّت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن اُبَی کا یہ سارا واقعہ کہہ سنایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت گراں گزری، پھر یہ بات مسلمانوں کے سارے لشکر میں پھیل گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! اس سے کیا ہوگا، لوگوں میں شہرت ہو جائے گی کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے عبداللہ بن اُبَی کو بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے یہ بات کی ہے؟ اس نے قسمیں کھائیں کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا، یہ لڑکا (زید بن ارقم) جھوٹا ہے، عبداللہ بن اُبَی کی اپنی قوم میں عزّت تھی، اس لیے سب نے کہا کہ شاید حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو کوئی مغالطہ لگا ہے، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کی قسم کو قبول کر لیا، اور لوگوں کا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ پر غصہ اور ان پر ملامت اور تیز ہو گئی، اور یہ اس رسوائی کے ڈر سے لوگوں سے چھپ کر رہنے لگے، پھر اللہ رَبُّ العزّت نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور عبداللہ بن اُبَی کی حقیقت بیان کرنے کے لیے یہ مکمل سورت نازل فرما دی۔ (معارف القرآن)

چنانچہ اللہ رَبُّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ منافق آپ کے پاس آ کر قسمیں کھاتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں، اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو صرف اپنی جان و مال بچانے کے لیے ڈھال بنایا ہوا ہے۔ یہ ظاہری طور پر تو بہت پُرکشش ہیں اور انہیں باتیں بنانے کا فن بھی بخوبی آتا ہے، لیکن یہ اندر سے کھوکھلے ہیں، اور تمہارے چھپے دشمن ہیں۔

عبداللہ بن اُبیؔ کی ہٹ دھرمی

جب عبداللہ بن اُبیؔ اور دیگر منافقین کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی تو لوگوں نے اس کو کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ تیرے بارے میں قرآن میں کیا نازل ہوا ہے، اب بھی وقت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا اور اعتراف جرم کر لے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لیے استغفار فرما دیں گے، اس نے جواب میں کہا کہ میں تمہارے کہنے پر اس پر ایمان لایا، پھر اپنے مال میں سے زکوٰۃ دینے لگا، اب اس کے علاوہ میں اور کیا کروں، غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے سے انکار کر دیا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے مذکورہ بالا آیات میں واضح کر دیا کہ جب اس کے دل میں ایمان ہی نہیں تو اس کے لیے کسی کا استغفار نافع نہیں ہو سکتا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اس کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ ربّ العزّت اس کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ کیونکہ مغفرت کے لیے اوّلین شرط ایمان ہے جس سے وہ محروم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ
اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞

مال اور اولاد فتنہ ہیں!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہل ایمان کو دنیا کی محبت میں مدہوش ہونے سے تنبیہ فرمائی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی چیزیں دو ہیں جو انسان کو اللہ ربّ العزّت سے غافل کرتی ہیں، مال اور اولاد، اس لیے ان دونوں کا نام لے کر ارشاد فرمایا کہ اپنے مال اور اولاد سے ہوشیار رہو، کہیں یہ تمہیں اللہ ربّ العزّت کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔

واضح رہے کہ مال اور اولاد سے محبت اگر ایک حد میں ہو تو یہ مذموم نہیں، مگر ان دونوں کے ساتھ اس حد تک مشغول ہو جانا کہ یہ چیزیں انسان کو اللہ ربّ العزّت کے ذکر اور اس کے احکام سے غفلت میں ڈال دیں، جائز نہیں۔ اور اگر کوئی ان دونوں کی محبت میں مبتلا ہو کر فرائض و واجبات میں کوتاہی کرنے لگے یا حرام اور مکروہات میں مبتلا ہو جائے تو وہ لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں۔

زندگی میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا آخرت کے نفع کا باعث ہے

پھر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ موت سے پہلے پہلے اپنی صحت اور قوت کی حالت میں اللہ ربّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کر کے آخرت کے درجات حاصل کر لو، ورنہ موت کے بعد یہ مال وغیرہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا، پھر تم

تمنا اور آرزو کرتے رہو گے کہ ایک مرتبہ دنیا میں جانے کا موقع مل جائے تو صدقہ اور خیرات کر سکوں، لیکن تب موقع نہیں ملے گا۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ سب سے زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے وقت میں اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ کرنا جب انسان تندرست ہو اور آئندہ ضروریات کے پیشِ نظر یہ خوف بھی ہو کہ مال خرچ کر ڈالا تو کہیں بعد میں خود محتاج نہ ہو جاؤں، نیز فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو اس وقت تک نہ ٹالو جب تک کہ روح تمہارے حلق میں آجائے اور مرنے لگو تو اس وقت کہو کہ اتنا مال فلاں کو دے دو، اتنا فلاں کام میں خرچ کر دو۔ (صحیح بخاری: ۱۴۱۹)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔اس سورت میں منافقین کی چند عادات اور صفات ذکر کی گئی ہیں تا کہ اہلِ ایمان ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

۲۔مال اور اولاد کی محبت میں غرق ہو کر اللہ ربّ العزّت کی یاد سے غافل ہونے پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۳۔زندگی اور صحت کے زمانے میں راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب بھی اس سورت میں دی گئی ہے۔

تمت سورۃ المنافقون بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّغَابُن

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے چونسٹھ (۶۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو آٹھ (۱۰۸) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور اٹھارہ (۱۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

''تغابن'' کا معنی ہے نقصان اور حسرت میں مبتلا کرنا، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر نو (۹) میں قیامت کے دن کو ''یوم التغابن'' کہا گیا ہے (جس کی وجہ اپنے مقام پر ذکر کی جائے گی) اس لیے اس سورت کا نام سورۂ تغابن رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں منافقین کی عادات وصفات بیان فرما کر مسلمانوں کو ان سے بچنے کا ذکر تھا، اس سورت میں کافروں کی عادات بیان فرما کر ان سے بچنے کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قیامت کے دن کافروں کا خسارہ اور نقصان اٹھانا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں ایمان کے نفع ونقصان کو بیان کیا گیا ہے کہ مؤمن لوگ ایمان لا کر نفع مند رہے جبکہ کافر ایمان سے محروم رہ کر خسارے میں پڑ گئے۔

۲- اس سورت میں طاعات اور نیکیوں کے نفع ونقصان کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ نیکیاں کرنے والے نفع مند رہے جبکہ نیکیوں میں کوتاہی کرنے والے گھاٹے میں پڑ گئے۔

۳- اس سورت میں مال خرچ کرنے کے نفع ونقصان کو بھی بیان کیا گیا ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے والے نفع مند رہے جبکہ بخل کرنے والے نقصان میں مبتلا ہو گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۖ فَذَاقُوْا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۞ ذٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَّأْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْا أَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۖ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۚ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْ أَنْزَلْنَا ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

”ستیزہ کار رہا ہے اَزَل سے تا امروز، چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!“

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی تسبیح اور تحمید اور اپنی کامل بادشاہت کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسانوں کو پیدا کیا، جس کے بعد ان میں سے کچھ کافر ہو گئے اور کچھ مومن رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابتداءِ آفرینش میں کوئی کافر نہیں تھا، یہ کافر و مؤمن کی تقسیم بعد میں انسان کے اپنے کسب و اختیار سے ہوئی ہے۔ ایک حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ: ”كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ“ یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے مگر پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (صحیح البخاری، ص:۲۰۷)

قرآن مجید نے اس جگہ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے، کافر اور مؤمن، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ساری ایک برادری ہے اور پوری دنیا کے انسان اس برادری کے افراد ہیں، اس برادری کو توڑنے والی اور ایک الگ گروہ بنانے والی چیز صرف کفر ہے، جو شخص کافر ہو گیا اس نے انسانی برادری کا رشتہ توڑ دیا، اس طرح پوری دنیا میں انسانوں کی گروہ بندی صرف ایمان و کفر کی بنا پر ہو سکتی ہے، رنگ اور زبان، نسب و خاندان، وطن اور ملک میں سے کوئی چیز ایسی

نہیں جو انسانوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ اسلام نے رنگ، نسل اور زبان کی بنیاد پر ہونے والی گروہ بندی کے بتوں کو پاش پاش کر دیا، اور تعلیم دی کہ مؤمن خواہ کسی ملک اور کسی خطہ کا ہو، کسی رنگ و زبان کا ہو وہ سب ایک برادری کے ہیں۔

اَقوامِ سابقہ کی ہلاکت کے اَسباب

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفارِ مکہ کو تنبیہ کرتے ہوئے اقوامِ سابقہ کی ہلاکت کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ گزشتہ قوموں میں سے جو قومیں ہلاک ہوئیں، ان کی ہلاکت کے بڑے اسباب دو تھے:

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب۔

۲۔ قیامت کا انکار۔

ان کے پاس جب انبیاء علیہم السلام ہمارا پیغام لے کر جاتے اور انہیں دینِ حق کی دعوت دیتے تو وہ تعجب اور استہزاء کے انداز میں کہتے کہ کیا بشر اور انسان ہماری رہنمائی کریں گے، یعنی وہ بشریت کو نبوّت اور رسالت کے منافی سمجھتے تھے، جیسے آج بدقسمتی سے بعض مقامِ نبوّت سے جاہل لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر پائے جاتے ہیں، اور ان کا دوسرا بڑا جرم یہ ہے کہ وہ قیامت کے منکر تھے اور یہ گمان رکھتے تھے کہ موت کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی تردید کی اور قسم کھا کر قیامت کے حق ہونے کو ثابت فرمایا۔

قیامت سود وزیاں کا دِن ہے

قیامت کو ثابت کرتے ہوئے اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ایک دِن اللہ ربّ العزّت ضرور سب کو جمع کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا، وہ دِن سود وزیاں اور نفع ونقصان کا ہوگا۔ اس دِن کافر سراسر نقصان اور خسارے میں ہوں گے، جبکہ مؤمن جنتوں اور فائدے میں ہوں گے۔ بعض ایسے افراد بھی ہوں گے جو نیکیوں کے باوجود خسارے میں پڑ جائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نیکیاں تو بہت کی ہوں گی، لیکن انہوں نے دنیا میں کسی پر ظلم کیا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کو مارا یا قتل کیا ہوگا، کسی کا مال ناحق لیا ہوگا، تو وہ سب لوگ جمع ہوں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے، کوئی اس کی نماز لے جائے گا، کوئی روزہ، کوئی زکوٰۃ اور کوئی دوسری نیکیاں، جب ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا اور بالآخر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ احادیث مبارکہ میں ایسے شخص کو ''مفلس'' کہا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۱)

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ
تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ۞ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ
حَلِيْمٌ ۞ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

تقدیر پر ایمان مصیبتوں پر صبر کرنے میں معاون ہوتا ہے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو بھی دنیا میں کوئی تکلیف یا پریشانی پہنچتی ہے وہ اللہ ربّ العزّت کے حکم اور اس کی اجازت سے پہنچتی ہے، اور جس شخص کا اس بات پر ایمان ہو اور وہ اللہ ربّ العزّت اور اس کی تقدیر پر یقین رکھتا ہو تو اللہ ربّ العزّت مصیبت کے وقت اس کے دل کو سکون اور قرار عطا فرماتے ہیں، اور اسے یہ اطمینان نصیب فرما دیتے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوا، اور جو مصیبت مجھے پہنچی ہے وہ پہنچ کر ہی رہنی تھی، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا تھا، جس کے نتیجہ میں اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس صبر پر اس کو ثواب و اجر ملے گا۔

مال اور اولاد کا فتنہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر وہی مضمون بیان فرمایا جو گزشتہ سورت کے آخر میں بیان فرمایا تھا کہ مال اور اولاد فتنہ اور آزمائش ہیں، اور بعض بیویاں اور اولاد ایسی بھی ہوتی ہیں جو انسان کو خیر کے کاموں سے روک دیتی ہیں، یا برائیوں میں مبتلا کرنے کا سبب بنتی ہیں، جیسے شوہر کو داڑھی منڈوانے پر مجبور کرنے یا جہاد، تبلیغ، دینی تعلیم اور دین کی خدمت وغیرہ میں شرکت سے روکنے والی بیویاں اور اولاد، ایسی بیویوں اور اولاد کو ان آیات میں انسان کا دشمن قرار دیا ہے اور ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے بڑا دشمن انسان کا کون ہو سکتا ہے جو اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب اور جہنم کی آگ میں مبتلا کر دے۔

لیکن ایسے بیوی اور بچوں سے بھی زیادتی اور ظلم و تشدد کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ان سے عفو و درگزر اور معافی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ کیونکہ معاف کر دینا اللہ ربّ العزّت کی صفت ہے۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے تقویٰ اختیار کرنے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی تلقین فرمائی۔ نیز مال خرچ کرنے پر یہ فضیلت بھی بیان فرمائی کہ جو اللہ ربّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کرے گا اللہ ربّ العزّت اسے دگنا کر کے عطا فرمائیں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱-سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی تسبیح وتحمید بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی صفت تخلیق کو خاص طور پر بیان فرمایا۔

۲-سورت میں کفارِ مکہ کو ان کے کفر اور اعمال بد پر تنبیہ کی گئی، اور گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب بیان فرما کر ان سے بچنے کی تلقین کی گئی۔

۳-سورت میں قیامت کے دِن کے چند مناظر بیان کیے گئے، جب لوگ حسرت اور خسارے میں مبتلا ہوں گے، کافر لوگ اپنے کفر پر افسوس کریں گے، جبکہ مؤمن اس بات پر کہ ہم کچھ مزید نیکیاں کر لیتے۔

۴-سورت میں مال اور اولاد کے فتنہ کو بیان فرما کر اس سے بچنے کی تلقین کی گئی، نیز اللہ ربّ العزّت سے ڈرنے، اس کے احکام کی پاسداری اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔

تمت سورة التغابن بعون الله سبحانه وتعالى

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الطَّلَاق

سورت کا تعارف

یہ سورت مدنی ہے۔ قرآنی ترتیب میں اس کا نمبر پینسٹھ (۶۵) ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ ننانوے (۹۹) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور بارہ (۱۲) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔ سورۂ طلاق: چونکہ اس سورت میں طلاق کے تفصیلی احکام ذکر کیے گئے ہیں، اس لیے اسے سورۂ طلاق کہا جاتا ہے۔

۲۔ سورۃ النساء القصریٰ: چونکہ اس سورت میں عورتوں سے متعلق احکام ہیں، اس لیے اسے سورۂ نساء قصریٰ یعنی چھوٹی سورۂ نساء بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سورۂ نساء کے نام سے قرآن میں ایک طویل سورت (سورۂ نمبر ۴) موجود ہے، جسے سورۂ نساء کبریٰ کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا تھا کہ بعض بیویاں اپنے شوہروں کی دشمن ثابت ہوتی ہیں، اور بیویوں کی دشمنی کا نتیجہ بالآخر طلاق کی صورت میں نکلتا ہے، تو اس سورت میں طلاق کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

سورت کا مرکزی موضوع یہ بیان کرنا ہے کہ "تقویٰ اور اللہ ربّ العزّت کا خوف، خاندان، معاشرے اور پوری اُمّت کی حفاظت کا ضامن ہے۔"

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں طلاق، عدّت اور نفقہ کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۲-تقویٰ کے ثمرات وفوائد اور فرد اور معاشرے پر اس کے اثرات بھی اس سورت میں مذکور ہیں۔

۳-گناہوں اور تقویٰ سے محروم ہونے کا وبال اور نحوست کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

۴-ایمان اور نیک اعمال کی جزاء بھی بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ
مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝١ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝٢ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝٣ وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ
مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ۚ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ
اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝٤ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ۚ
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝٥ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ
وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ
اُخْرٰى ۝٦ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا
اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝٧

طلاق کے چند اَحکام

واضح رہے کہ نکاح کے معاملہ میں شریعت کی طرف سے یہ ہدایات دی گئی ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک صاف رکھنے کی کوشش کی جائے اور اگر کبھی تلخی پیدا ہو جائے تو اس کے ازالے کی ہر ممکن کوشش کی جائے لیکن بسا اوقات ان تمام کوششوں کے باوجود رشتے کا آگے بڑھنا ناممکن ہو جاتا ہے اور طرفین کی راحت اسی میں ہوتی ہے کہ تعلق ختم کر دیا جائے ایسے موقع کے لیے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے اور اس کے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں، اور ساتھ یہ بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ طلاق اللہ ربّ العزّت کے نزدیک سب سے مبغوض کام ہے، اس لیے جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا

چاہیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى الطَّلَاقُ" یعنی حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔ (سنن أبي داود: ۲۲۰/۲) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تزوجوا ولا تطلقوا فإن الطلاق يهتز منه العرش" یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے۔ (کنز العمال: ۹/ ۶۶۱)

بہر حال اسلام اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا بلکہ حتی الامکان اس سے رکنے کی تلقین کرتا ہے، لیکن بعض مواقع پر جبکہ طلاق کے بنا کوئی چارہ نہ ہو، طلاق کی اجازت دی ہے اور اس کے لیے کچھ اصول وقواعد تشکیل دیے ہیں، مذکورہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے طلاق سے متعلق چند احکام ذکر فرمائے ہیں جو ذیل میں مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں:

پہلا حکم

طلاق کے متعلق پہلا حکم اس سورت میں یہ دیا گیا ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینی ہی ہو تو ان دنوں میں دے جب وہ پاک ہو، حالتِ حیض میں طلاق دینا درست نہیں ہے، ۔ اور اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو وہ بھی واقع ہو جائے گی، لیکن خلاف شریعت کام کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا۔

دوسرا حکم

طلاق کے بعد چونکہ عدت گزارنا لازم ہے، اس لیے اگلا حکم عدت سے متعلق ارشاد فرمایا کہ عدت کے دنوں کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ بھول میں پڑ کر عدت ختم ہونے سے پہلے ہی ختم سمجھ لے۔ اگر خواتین ایسی ہوں جن کو حیض آتا ہو تو ان کی عدت تین حیض ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے ان کو حیض نہ آتا ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کی عدت وضع حمل ہے، اس کی تفصیل آگے مستقل بیان ہوگی۔

تیسرا حکم

تیسرا حکم یہ ہے کہ صرف طلاق دے دینے سے عورت کا حق سکونت ختم نہیں ہو جاتا بلکہ عدت کے دنوں میں بھی عورت کو اسی جگہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اور ان کو گھر سے نکال دینا ظلم اور حرام ہے۔ اسی لیے مردوں کو حکم دیا گیا کہ عدت کے دوران عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں، الا یہ کہ خاتون خود نکل جائے یا اس سے کوئی سنگین گناہ مثلاً بدکاری سرزد ہو جائے اور اس کی سزا کے لیے نکالنا پڑے یا خاتون زبان دراز اور لڑائی جھگڑا کرنے والی ہو تو ان صورتوں میں اسے گھر سے نکالنے کی گنجائش ہے۔

چوتھا حکم

اگر طلاق رجعی کی صورت میں مطلقہ خاتون کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو اب چونکہ نکاح سے نکل جانے کا وقت آ گیا، اس لیے اس وقت دوبارہ سنجیدگی سے غور کر لو کہ نکاح رکھنا بہتر ہے یا اسے ختم کر دینا، اگر نکاح برقرار رکھنے کا ارادہ ہو تو اسے اچھے انداز میں روک لو جس کی مسنون صورت یہ ہے کہ اسے زبان سے کہہ دو کہ میں نے اپنی طلاق سے رجوع کیا اور اس پر دو گواہ بھی بنا لو۔ اور اگر اب بھی یہی رائے قائم ہو کہ نکاح ختم کرنا ہے تو خوش اسلوبی سے اسے آزاد کر دو، یعنی عدت ختم ہونے دو، عدت ختم ہوتے ہیں وہ آزاد اور خود مختار ہو جائے گی۔

فائدہ:- گزشتہ آیت میں عدت کے ختم ہونے کے وقت مرد کو رجوع کرنے یا نکاح ختم کرنے کا اختیار دیا ہے، جس سے ضمنی طور پر یہ ثابت ہوا کہ اگر بالفرض کبھی طلاق دینے کی نوبت آ ہی جائے تو ایسی طلاق دینی چاہیے جس میں رجوع کا حق باقی رہے۔ لہٰذا ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام اور ناجائز ہے، لیکن اگر کسی نے تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں تو وہ باوجود حرمت کے واقع ہو جائیں گی اور نکاح ختم ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔

''تقویٰ'' کی فضیلت

طلاق اور عدت کے احکام کے درمیان میں اللہ ربّ العزّت نے جا بجا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین اور تقویٰ کی فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ ربّ العزّت سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر مشکل و مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور اس کو ایسے مقام سے رزق عطا فرمائیں گے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ اور جو شخص اللہ ربّ العزّت کی ذات پر بھروسہ کرے گا اللہ ربّ العزّت اس کے تمام کاموں کے لیے کافی ہو جائیں گے۔

کچھ آیات کے بعد تقویٰ کی چند مزید برکات اور فضائل بیان کیے گئے ہیں، جن میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ ربّ العزّت اس کے ہر کام میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں، اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا اجر بڑھا دیتے ہیں۔

احکام طلاق بیان کرتے ہوئے تقویٰ کی بار بار تاکید کی غرض یہ ہے کہ مخالفت اور عداوت کی صورت میں بھی خوفِ خدا قائم رہے اور جھوٹ، ظلم اور حق تلفی سے باز رہا جائے۔

پانچواں حکم

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ عام حالات میں عدت طلاق کی مدت تین حیض ہے، لیکن وہ عورتیں جن کو عمر کی زیادتی یا کسی

بیماری کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہے، ان کی عدت تین مہینے ہے۔ جبکہ وہ خواتین جو حمل سے ہوں ان کی عدت وضع حمل یعنی بچہ جننا ہے، خواہ بچہ دس ماہ بعد پیدا ہو یا اگلے لمحہ ہی پیدا ہو جائے۔

چھٹا حکم

عدّت کے دوران خواتین کو اپنی وسعت و قدرت کے مطابق رہنے کا مکان دیں، جہاں آپ خود رہتے ہیں اسی مکان کے کسی حصہ میں ان کو بھی ٹھہرائیں، اور انہیں تنگ یا پریشان نہ کریں کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

ساتواں حکم

اگر دورانِ عدّت مطلقہ خاتون حمل سے ہو تو اس کا نفقہ اس وقت تک شوہر پر لازم ہے جب تک کہ بچہ پیدا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح عدّت کے دوران ہر طرح کی مطلقہ کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب ہے۔

آٹھواں حکم

وہ مطلقہ عورتیں جو حاملہ ہوں اور پھر حمل سے بچہ پیدا ہو جائے تو ان کی عدّت مکمل ہو جائے گی، اس لیے ان کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ لازم نہیں رہے گا، البتہ اگر یہ خاتون اس بچے کو دودھ پلائے اور اس دودھ پلانے کا معاوضہ شوہر سے لینا چاہے تو لے سکتی ہے، اور باہمی رضامندی سے جو اجرت طے ہو وہ شوہر کو کے ذمہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر کسی وجہ سے بچے کی والدہ دودھ نہ پلانا چاہے تو کسی دوسری خاتون کو دودھ پلانے کے لیے رکھا جا سکتا ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ
وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ
مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

منکرین اور مومنین کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے اللہ ربّ العزّت کے احکام کو پس پشت ڈالا اور اس کی حکم عدولی کی، اور اس کے بالمقابل جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے اجر و ثواب کا ذکر بھی فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو اس جرم کی وجہ سے ہلاک کر دیا کہ انہوں نے ہمارے حکم سے منہ

موڑا، اور ان پر سخت عذاب نازل کیا گیا، جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بھی ہلاک ہوگئے اور آخرت میں بھی وہ خسارے اور نقصان میں ہوں گے۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے رسولوں کی تصدیق کی، اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، ان کے لیے پروردگارِ عالم نے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہی ان کا ٹھکانا ہوگا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ اس سورت میں طلاق اور عدّت کے بعض بنیادی احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۲۔ سورت میں تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب اور فضائل بھی جابجا موجود ہیں۔

۳۔ سورت میں نیکوکار اور بدکار لوگوں کے دنیوی اور اُخروی انجام کو بیان فرمایا گیا ہے۔

۴۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت کی توحید کے چند دلائل بھی مذکور ہیں۔

تمت سورۃ الطلاق بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّحْرِيْم

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے چھیاسٹھ (۶۶) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو سات (۱۰۷) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور بارہ (۱۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

تحریم کا لغوی معنی ہے "حرام کرنا"، چونکہ یہ سورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اوپر شہد حرام کر دینے سے متعلق نازل ہوئی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ تحریم رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کا گزشتہ سورت کے ساتھ ایک مناسبت تو یہ ہے کہ دونوں کے آغاز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا ہے، اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں عورتوں سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اسلامی خاندان کی تربیت کے لیے نصائح" بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لغزش پر اللہ ربّ العزت کی طرف سے پیار بھری تنبیہ اور اس کے بعد اس لغزش کو بالکل معاف کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے راز کو فاش کرنے کا انجام اور اثرات بھی اس سورت میں مذکور ہیں۔

۳۔ اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اولاد کی دینی تربیت کی ذمہ داری والدین پر ہے۔

۴۔سورت میں گزشتہ لوگوں کے چند عبرت ناک قصے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔توبہ کرنا ہر انسان پر ہر لحظہ اور ہر لحہ میں واجب اور ضروری ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

شانِ نزول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اپنی تمام بیویوں کے پاس خبر گیری کے لیے تشریف لے جاتے تھے، ایک روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے اور شہد پیا تو مجھے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) رشک آیا اور میں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں تو وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے، مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدبو والی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے، اس لیے آپ نے قسم کھالی کہ پھر میں شہد نہ پیوں گا اور اس خیال سے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا دل نہ ٹوٹ جائے باقی ازواج مطہرات کو حکم فرمادیا کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ کرنا، مگر ان میں سے کسی ایک بیوی نے دوسری کو یہ بات بتادی۔اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

کسی حلال چیز کو حرام کرنا دُرست نہیں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز یعنی شہد استعمال نہ کرنے کی قسم کھائی تھی گویا قسم کے ذریعے شہد کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے سورت کے آغاز میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت محبت بھری تنبیہ فرمائی کہ اے نبی! آپ اس چیز کو حرام کیوں کرتے ہیں جو اللہ ربّ العزّت نے حلال کی ہے، آپ اپنی ازواجِ مطہرات کی خوشنودی چاہتے ہیں، حالانکہ اس معاملے میں ان کی خوشنودی اور ان کو راضی کرنا آپ پر لازم نہیں تھا، بہرحال

اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں، مہربان ہیں۔ اور اس نے ایسی صورتوں میں جہاں قسم توڑنا ضروری یا مستحسن ہو (جیسا اس صورت میں ہے) ان قسموں سے حلال ہونے کا راستہ نکال دیا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیأتھا ولیکفر عن یمینہ" "جس شخص نے کسی بات پر قسم کھائی پھر اس کے برعکس معاملے کو بہتر پایا تو وہ اس برعکس معاملے پر عمل کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ (صحیح مسلم: ۳/۱۲۷۱) چنانچہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس قسم کو توڑا اور کفارے کے طور پر ایک غلام آزاد فرمایا۔ (بیان القرآن)

فائدہ:- کسی بھی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کی تین صورتیں ہیں، جن کا حکم ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ کسی حلال چیز کو عقیدۃً (دل سے) حرام قرار دینا، یہ کفر اور گناہ عظیم ہے۔

۲۔ اگر دل سے حرام نہ سمجھے مگر بلا کسی ضرورت اور مصلحت کے اپنے اوپر قسم کھا کر حرام کرلے تو یہ گناہ ہے، اس قسم کو توڑنا اور اس کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ اور کوئی ضرورت و مصلحت ہو تو جائز، مگر خلاف اولیٰ ہے۔

۳۔ نہ دل سے حرام سمجھے اور نہ قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرے، مگر عملاً اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا دل میں عزم کرے تو یہ عزم اگر اس وجہ سے ہے کہ یہ باعثِ ثواب ہے، یہ بدعت اور رہبانیت ہے جو شرعاً ناجائز اور گناہ ہے، اور اگر اس کو ثواب نہیں سمجھتا بلکہ اپنے کسی جسمانی یا روحانی مرض کے علاج کے طور پر کرتا ہے تو بلا کراہت جائز ہے۔ بعض صوفیائے کرام سے جو بعض چیزیں چھوڑ دینے کی حکایتیں منقول ہیں وہ اسی صورت پر محمول ہیں۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد اللہ رَبّ العزت نے مذکورہ بالا معاملہ میں ازواج مطہرات کے عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ پینے کی قسم کھائی اور یہ فرمایا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو تاکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو رنج نہ ہو مگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ظاہر دیا، اللہ رَبّ العزت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے اس عمل کی خبر دے دی کہ انہوں نے آپ کا راز فاش کر دیا ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے شکوہ کیا مگر پوری بات نہ کھولی۔ یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن سلوک تھا کہ پوری بات کھولنے سے ان کو زیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی اس لیے مختصراً بات ذکر فرمائی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے راز فاش کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا مگر اللہ رَبّ العزت نے حضرت جبرائیل امین کو بھیج کر ان کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ یہ بہت نماز پڑھنے والی اور بکثرت روزہ رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ واقعے سے حاصل ہونے والے فوائد و دروس

حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے مذکورہ واقعہ سے چند مسائل پر استدلال کیا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ازواج مطہرات، امہات المؤمنین کا یہ عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں، ورنہ آپ سے مغافیر کی بو کا تذکرہ نہ کرتیں۔

۲۔ ازواج مطہرات کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر نہیں ہیں، ورنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا باہم مشورہ کر کے منصوبہ نہ بناتیں۔

۳۔ آپ کی اَزواج مطہرات کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کل نہیں ہیں، ورنہ آپ کی شہد اپنے اوپر حرام کرنے کی قسم آپ سے نہ تڑوائی جاتی۔ یہی اہل حق کا نظریہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا
يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞

جہنم کا ایندھن بننے سے خود کو بچائیں!

ان آیات میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو حکم فرمایا ہے کہ جہنم کی آگ سے خود کو بھی بچائیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی۔ کیونکہ وہ ایسی سخت اور ہولناک آگ ہے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہاں سخت گیر فرشتوں کی ڈیوٹی ہوگی جو اللہ رب العزت کا کوئی حکم نہیں ٹالتے، اس لیے کوئی جہنمی طاقت یا رشوت وغیرہ کے زور پر ان فرشتوں کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اپنی بیوی اور اولاد کو تعلیم و تربیت دینا، انہیں فرائض شرعیہ اور حلال و حرام کے احکام سے واقف کرانا ہر شخص پر لازم اور فرض ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ
جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَّامْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ
يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِينَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا امْرَأَتَ
فِرْعَوْنَ ۘ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِينَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا
وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِينَ ۝۱۲

گناہوں کی معافی کے لیے ”توبۂ نصوح“ کا ہونا ضروری ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اہلِ ایمان کو توبۂ نصوح کرنے کا حکم دیا ہے۔ ”توبۂ نصوح“ سے مراد ایسی خالص اور سچی توبہ ہے، جس میں تین باتیں پائی جائیں:

۱۔اپنے گزشتہ عمل پر ندامت۔

۲۔گناہ کو چھوڑ دینا۔

۳۔آئندہ کے لیے اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ عزم۔ جس شخص نے ایسی توبہ کر لی، اللہ ربّ العزّت اس کے گناہ معاف فرما دیں گے، اسے جنّت عطا فرمائیں گے، قیامت کے دن کی رسوائیوں سے بھی محفوظ فرما لیں گے اور اسے قیامت کے دن ایک نُور عطا فرمائیں گے جو اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہر طرف چمک رہا ہوگا۔

چار عورتوں کی مثالیں

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے چار خواتین کی مثالیں بیان کی ہیں، پہلی دو عورتیں پیغمبروں کی بیویاں تھیں، ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی تھی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی، ان دونوں نے دین کے معاملے میں اپنے شوہروں کی مخالفت کی، کفّار و مشرکین کی امداد اور خفیہ حمایت کرتی رہیں، اس کے نتیجے میں جہنم میں گئیں، پیغمبروں کی بیوی ہونا انھیں جہنم سے نہ بچا سکا۔

تیسری عورت وقت کے سب سے بڑے کافر اور خدائی کے دعویدار فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں، فرعون نے ان پر بہت ظلم ڈھائے، لیکن ان کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی، اس کا صلہ اللہ ربّ العزّت نے انھیں یہ عطا فرمایا کہ دنیا میں ہی انھیں ان کا جنّت کا مقام دکھا دیا۔ شوہر کی فرعونیت اور مظالم ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکیں۔

چوتھی خاتون حضرت مریم ہیں جو کسی کی بی بی نہیں، مگر ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے انہیں برگزیدہ بنادیا، ان کی کوکھ میں اپنی روح پھونکی اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنم لیا۔

ان سب مثالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ ایک مومن کا ایمان اس کے کسی کافر عزیز کے کام نہیں آسکتا، اور ایک کافر کا کفر اس کے کسی مومن عزیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و بزرگوں کی بیویاں اس پر بے فکر نہ ہوں کہ ہمیں ہمارے شوہروں کی وجہ سے ہی نجات مل جائے گی، اور کسی کافر فاجر کی بیوی یہ فکر نہ کرے کہ اس کا کفر میرے لیے کسی نقصان کا باعث بن جائے گا، بلکہ ہر ایک مرد و عورت کو اپنے ایمان و عمل کی فکر کرنی چاہیے۔ (معارف القرآن)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ایک واقعہ کے پس منظر میں حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے سے منع فرمایا اور جس نے کوئی ایسی قسم کھائی ہو انہیں قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔

۲۔ سورت میں تقویٰ اختیار کرنے اور سچی توبہ کرنے کا جابجا حکم دیا گیا ہے، اور اہل ایمان کو اپنی اور اپنے اہل خانہ کی اصلاح کی فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔ سورت میں کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم بھی اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے چار خواتین کی مثالیں ذکر فرما کر یہ واضح فرمایا کہ کسی مومن کا ایمان اس کے کافر عزیز کے کسی کام نہیں آئے گا، اور کسی کافر کا کفر اس کے کسی مومن عزیز کو قیامت میں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہر کسی کو اپنے ایمان اور عمل کی فکر کرنی چاہیے۔

تمت سورۃ التحریم بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ الْمُلْک

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے یہ سرسٹھ (۶۷) جبکہ نزول کے اعتبار سے ستتر (۷۷) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور تیس (۳۰) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں:

۱- **الملک**: اس کو سورۂ ملک اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ ربّ العزّت کے ملک کا ذکر ہے، اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چیز اللہ ربّ العزّت کی ملکیت ہے۔

۲- **تبارک**: اس سورت کو سورۂ تبارک اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت کا آغاز اس لفظ سے کیا گیا ہے۔

۳- **مانعہ/منجیہ**: مانعہ کا معنی ہے روکنے والی، اور منجیہ کا معنی ہے نجات دینے والی، اس سورت کو مانعہ اور منجیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو قبر کے عذاب سے نجات دیتی ہے۔

سورت کے فضائل

احادیث مبارکہ میں اس سورت کے کئی فضائل ذکر کیے گئے ہیں، جن میں سے چند ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ تبارک قبر کے عذاب کو روکنے والی اور اس سے نجات دینے والی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۸۹۰)

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک میں ایک سورت جو تیس آیات پر مشتمل ہے، جو اپنے پڑھنے والے کی (بارگاہِ خداوندی) میں سفارش کرے گی، یہاں تک کہ اس کو بخشوا دے گی، اور وہ سورت "**تبارک الذی بیدہ الملک**" ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۸۹۱)

۳- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورۂ الم تنزیل اور سورۂ ملک کی تلاوت نہ فرما لیتے۔ (سنن ترمذی: ۲۸۹۲)

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے چار خواتین کی مثالیں بیان فرمائی تھیں، جن میں سے دو پیغمبروں کے گھر رہ کر بھی کافر رہیں، جبکہ باقی دو ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں، اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے علم اور اپنی تدبیر کو بیان فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق میں جو عجائبات چاہتا ہے، ظاہر کرتا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ ”کائنات کا نظام اور اس کی بادشاہت صرف اللہ رَبّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے۔“

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں مخلوقات کی تخلیق کی حکمت بیان کی گئی ہے۔
۲۔کائنات کا نظام نہایت عجیب اور انوکھا ہے اور اس میں کوئی کمی یا کجی نہیں ہے۔
۳۔قیامت کے دن کافروں کا انجام اور ان کے احوال اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں۔
۴۔کفار کو غور وفکر کرنے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

پارہ نمبر ۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

قدرتِ خداوندی کے چند نمونے

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ ذات بہت برکت والی ہے جس کے ہاتھ میں پوری کائنات کی ملکیت ہے، وہ بادشاہ مطلق ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے زندگی اور موت کو پیدا کیا، وہی پیدا کرتا ہے وہی موت دیتا ہے، اس نے تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کیے جو ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اسی آب وتاب کے ساتھ قائم ہیں، ان میں نہ کوئی کمی ہے نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ، نہ ان کے رنگ میں کوئی تغیر آیا ہے،

اللہ ربّ العزّت کی ہر تخلیق اسی شان اور کمال کی دلیل ہے۔ پھر آسمانوں کی تزئین و آرائش کے لیے اس نے ستاروں کو پیدا کیا، نیز وہ ستارے شیاطین سے آسمان کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہیں۔

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝
تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا
نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ
مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ ۖ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ أَلَا
يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

کفّار اور مومنین کا اُخروی انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار اور اہل ایمان کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے جہنّم کا سخت ترین عذاب تیار کیا گیا ہے، جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو جہنّم جوش مار رہی ہوگی، اور یوں لگے گا جیسے غصے کے مارے جہنّم پھٹ پڑے گی، جہنّم پر تعینات فرشتے ان کافروں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس پیغمبر اللہ ربّ العزّت کا پیغام لے کر نہیں آئے تھے تو وہ سب کہیں گے کہ پیغمبر تو آئے تھے لیکن ہماری بدبختی کہ ہم نے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، اگر ہم نے ان کی بات سنی اور سمجھی ہوتی اور اس پر عمل کیا ہوتا تو آج ہم اس حال میں نہ ہوتے۔

اس کے برعکس جو لوگ پروردگارِ عالم پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں، اور ان کے دل میں اللہ ربّ العزّت کا ڈر ہے، تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ انہیں جنّت اور اس کی نعمتیں ملیں گی جہاں وہ ہمیشہ خوش و خرم زندگی بسر کریں گے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝ أَأَمِنْتُمْ مَنْ
فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ
حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى
الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۝ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي
هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ۝ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ
أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۚ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ۝ أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝ قُلْ
هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا

الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ
اَلِيْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر اپنی قدرت کے نمونے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔
چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے زمین کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس میں چل پھر سکو اور تجارتی اسفار اور مال کی درآمد و برآمد کر کے اللہ ربّ العزّت کا رزق کھاؤ، اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو لیکن اپنی موت اور آخرت سے بے فکر نہ ہو جانا، تمہیں بالآخر اللہ ربّ العزّت کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تمہارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے، اور یہ کوئی فرضی بات نہیں بلکہ ایسا ہو چکا ہے کہ گزشتہ اقوام میں سے جس نے بھی اللہ ربّ العزّت کی، اس کے پیغام کی، اس کے پیغمبروں کی اور آخرت کے دن کی تکذیب کی ان پر اللہ ربّ العزّت نے مختلف عذاب نازل فرمائے اور ان سب کو ہلاک کر دیا۔ اس لیے تمہیں بھی اپنی آخرت کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ ربّ العزّت جب کسی پر اپنا عذاب نازل فرماتے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی اور نہ تمہارے سپاہی، فوج اور لشکر تمہیں اس سے بچا سکیں گے، اس لیے کسی دھوکے میں نہ رہو۔ آج دنیا میں اس کی جتنی نعمتیں تمہیں مل رہی ہیں یہ سب اللہ ربّ العزّت کی ہی عطا ہے، اگر وہ اسے روکنا چاہے تو روک سکتا ہے۔ اسی طرح جو پانی کنوؤں کے ذریعہ بآسانی نکال کر پی رہے ہو، اگر وہ پانی گہرائی میں چلا جائے تو تمہاری کون سی طاقت ہے جو اس پانی کو حاصل کر سکے۔ لہٰذا ہر دم ہر وقت اس پاک پروردگار کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی نہ کرو۔ قیامت اچانک آئے گی اور اس دن ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ مل جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر کفّار و مشرکین کو غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔

۲۔ اس کے بعد نہ ماننے والوں کے انجام اور عذاب جبکہ ماننے والوں کے ثواب اور اُجر کو بیان فرمایا۔

۳۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے ایک بار پھر اپنی توحید کے دلائل، کفّار کو تنبیہ اور قیامت کے چند احوال بیان فرمائے ہیں۔

تمت سورۃ الملک بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ الْقَلَم

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے یہ اڑسٹھ (۶۸) جبکہ نزول کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ہے۔ دو رُکوع اور باوَن (۵۲) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔القلم: اس سورت کو "القلم" اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورت میں اللہ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔

۲۔ن: اس سورت کو "ن" اس لیے کہا جاتا ہے کہ سورت کا آغاز اسی لفظ سے کیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار اور مشرکین کو اپنی قدرت کے دلائل میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی اور ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب سے ڈرایا، اس سورت کے آغاز میں ان کفّار کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اچھے اخلاق اپنانے اور برے اخلاق چھوڑنے کی ترغیب دینا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی مدح اور تعریف کی گئی ہے۔

۲- برے اخلاق جیسے غیبت، جھوٹ، فحش گوئی اور جھوٹی قسمیں اٹھانے کی مذمت کی گئی ہے۔

۳- ایک باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

۴- حسد کی مذمت کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى
خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ
مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ
وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

کفار کے اعتراضات کا جواب

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفارِ مکہ کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کرتے تھے اور اس مقصد کے لیے جواب سے پہلے قلم کی قسم کھائی، اس قلم سے مراد عام قلم بھی ہو سکتا ہے اور خاص تقدیر کا قلم بھی مراد ہو سکتا ہے، جسے اللہ ربّ العزّت نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ، قلم نے عرض کیا: کیا لکھوں، تو حکم دیا کہ تقدیر الٰہی کو، تو قلم نے ابد تک ہونے والے تمام واقعات اور حالات کو لکھ دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۷۰۲)

"ن" حروفِ مقطعات میں سے ہے، جس کا معنی اللہ ربّ العزّت ہی بہتر جانتے ہیں، بعض اہلِ علم نے اس کا معنی دوات کیا ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا "قلم، دوات اور اس کی قسم جسے لوگ لکھتے ہیں، آپ اپنے ربّ کی نعمت سے مجنون نہیں ہیں۔

اس کے بعد کفار کے ایک اعتراض کا جواب دیا، کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) مجنون کہتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں، بلکہ آپ جو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اس پر آپ کو اجرِ عظیم ملنے والا ہے اور اجر بھی ایسا جو دائمی ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ آپ تو اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہیں، لہٰذا آپ ان کی باتوں کی پروا نہ کریں، عنقریب یہ بھی اپنے کیے کا انجام دیکھ لیں گے اور آپ بھی ان کے انجام کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اطہر میں اللہ ربّ العزّت نے تمام اخلاقِ حسنہ بدرجہ کمال جمع فرما دیے تھے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا: "انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔(سنن کبریٰ بیہقی: ۲۱۳۰۱) ذیل میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حسنہ کے کچھ نمونے ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اس پوری مدت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے کبھی اف تک نہیں فرمایا اور نہ ہی کبھی یہ فرمایا کہ ایسا کیوں کیا یا یہ کام کیوں نہیں کیا۔(صحیح بخاری: ۶۰۳۸)

۲۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے۔(صحیح مسلم: ۲۳۲۷)

۳۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے نہیں فرمایا ہو۔(صحیح بخاری: ۶۰۳۴)

۴۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے نہ فحش کے قریب جاتے تھے، نہ بازاروں میں شور وشغب کرتے تھے، برائی کا بدلہ کبھی برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معافی اور درگزر کا معاملہ فرماتے تھے۔(صحیح ابن حبان: ۶۴۴۳)

مداہنت فی الدین حرام ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان جھٹلانے والے کافروں کی بات نہ مانیں، یہ تو چاہتے ہیں کہ آپ تبلیغ احکام میں کچھ ڈھیلے پڑ جائیں اور شرک وبت پرستی سے ان کو روکنا چھوڑ دیں تو یہ بھی نرم پڑ جائیں اور آپ پر طعن وتشنیع اور آپ کی ایذاء رسانی چھوڑ دیں۔لیکن کفار کی ایسی بات ماننا اور ان سے ایسی صلح کرنا جس سے احکامِ شرع پر زد آئے ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس شخص کی بات بھی نہ مانیں جو:

۱۔بہت قسمیں کھانے والا ہو۔

۲۔ذلیل ہو۔

۳۔لوگوں پر عیب لگانے والا ہو۔

۴۔چغل خوری کرنے والا ہو۔

۵۔نیک کاموں سے لوگوں کو روکنے والا ہو۔

۶۔ظلم وجور میں حد سے بڑھنے والا ہو۔

۷۔بکثرت گناہ کرنے والا ہو۔

۸۔بخیل ہو۔

۹۔بدمزاج ہو۔

۱۰۔اور جس کا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو۔

یہ سب صفات ایک خاص شریر کافر ولید بن مغیرہ کی ہیں جو اسلام اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سخت دشمن تھا اور اسلام دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا تھا، اس کے سامنے جب قرآن کریم کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو یہ کہتا تھا کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن اس کی ناک پر داغ لگادیں گے جس سے اوّلین وآخرین میں اس کی رُسوائی ظاہر ہوجائے گی۔

یہ کافر ولید بن مغیرہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ تھا، اس گستاخ کی اللہ تعالیٰ نے دس بُری صفات وعادات ذکر کی ہیں، اس پر اہل علم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کے لیے مذکورہ بالا دس بُرائیاں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے والے کے لیے دس رحمتیں ہیں۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا
طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ
إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ۝ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ۝ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ۝ وَغَدَوْا
عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ
لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ۝ قَالُوا
يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ۝ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ۝ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

باغ والوں کا قصہ

ایک نیک آدمی تھا، وہ باغ کا مالک تھا، اور اس کے کھیت بھی تھے، اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب اس کی کھیت میں سے فصل نکلتی تو جو دانے زمین پر رہ جاتے انہیں غریبوں کے لیے چھوڑ دیا کرتا۔اسی طرح جب پھل توڑنے کا وقت آتا تو جو پھل نیچے گر جاتا وہ بھی فقراء کے لیے چھوڑ دیتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ جب اس کی کھیتی کٹنے یا پھل توڑنے کا وقت آتا تو بہت سے فقراء

ومساکین جمع ہوجاتے تھے، اس کا ایک اور عمل یہ تھا کہ جب فصل اترتی تھی تو اس کے تین حصے کرتا تھا، ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا، دوسرا حصہ فصل پر ہی لگاتا تھا، جبکہ تیسرا حصہ اپنے ذاتی خرچ میں لاتا تھا۔ جب یہ فوت ہوا اور اس کی اولاد کو یہ کھیت اور باغات وراثت میں ملے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا، خواہ مخواہ اتنا سارا مال یونہی ضائع کر دیتا تھا، اس دفعہ ہم کسی کو کچھ بھی نہیں دیں گے، چپکے سے صبح سویرے جائیں گے اور پھل چن کر واپس آجائیں گے۔ اپنے منصوبے پر انہیں اتنا یقین تھا کہ ان شاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔

اگلے دن صبح وہ چپکے چپکے نکلے تا کہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو اور کوئی غریب، مسکین مانگنے نہ آجائے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں تو کچھ ہے ہی نہیں، اللہ ربّ العزت نے پورے باغ اور کھیت کو ایک شب پہلے ہی جلا کر راکھ کر دیا تھا، پہلے تو کہا کہ شاید ہم راستہ بھول گئے پھر جب غور کیا اور نشانیاں دیکھیں تو کہا کہ نہیں، بلکہ ہم تو محروم ہوگئے۔ جو ان میں سے درمیانہ تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ تم اللہ کی تسبیح بیان کرو، پھر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا: "قالوا سبحن ربنا انا کنا ظالمین" پھر انہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور دُعا کی کہ اللہ انہیں یہ باغ دوبارہ عطا کر دے، چنانچہ اللہ نے دُعا قبول فرمائی، انہیں وہ باغ دوبارہ ملا اور پہلے سے بہتر پیداوار اور پھل ہوئے۔ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان مکہ کے باسیوں کو بھی ان باغ والوں کی طرح آزمایا، لیکن یہ بھی ہماری آزمائش پر پورا نہ اُترے اور احکامِ خداوندی کی تکذیب کی وجہ سے قحط میں مبتلا ہوئے، یہاں تک کہ مردار اور حرام جانور تک کھانے پر مجبور ہوگئے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ
تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ
يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا
بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ۝ فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ
بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ أَمْ تَسْأَلُهُمْ
أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ۝ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن
كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۝ لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝
فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝

''متقین'' کا اُخروی انجام

کفار اور مجرمین کے انجام کے بعد اللہ ربّ العزّت نے متقین اور مؤمنین کے اخروی انجام اور اجر کو بیان فرمایا کہ متقی اور نیک لوگ جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ اور ہر قسم کے عیش و آرام میں مزے کر رہے ہوں گے۔

اس کے بعد وقوعِ قیامت کی عقلی دلیل بیان فرمائی کہ فرمانبردار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے، اسی لیے قیامت کا وقوع ہوگا تاکہ فرمانبرداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا دی جاسکے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت فرمائی کہ آپ ان لوگوں کی طرف سے ملنے والی ایذاء اور تکالیف پر صبر کریں اور حضرت یونس علیہ السلام کی طرح ان کی ہلاکت کی دُعا میں جلدی نہ کریں۔ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے بار بار عذاب کے مطالبے سے تنگ آ کر اس بستی سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے، بستی والوں پر جب عذاب کے آثار ظاہر ہوئے تو انہوں نے خلوصِ دل سے اللہ ربّ العزّت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور توبہ کی، اللہ ربّ العزّت نے ان کو معاف فرما دیا اور عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو جب علم ہوا کہ عذاب ٹل گیا ہے تو انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اب قوم مجھے جھوٹا سمجھے گی، اس بدنامی کے اندیشہ سے بستی واپس تشریف نہ لائے بلکہ ساحل کا رخ کیا اور کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے، راستہ میں کشتی بھنور میں پھنس گئی تو لوگوں نے باہمی مشورہ سے آپ کو دریا میں ڈال دیا، جہاں آپ کو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے مچھلی نے نگل لیا، حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کیا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نکال کر اپنے سابقہ انعامات کے دروازے کھول دیے۔

وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۞ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۞

شانِ نزول

مکہ مکرمہ میں ایک شخص نظر لگانے میں بڑا مشہور تھا، وہ اونٹوں اور جانوروں کو نظر لگاتا تو وہ فوراً مر جاتے تھے۔ کفارِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تھی اور وہ ہر طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نقصان پہنچانے اور قتل کر دینے کی کوشش کیا کرتے تھے، ان کو یہ سوجھی کہ اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگواؤ، اس کو بلا لائے، اس نے نظرِ بد لگانے کی پوری کوشش کی، مگر اللہ ربّ العزّت نے آپ کی حفاظت فرمائی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اے نبی! یہ کافر آپ کو غضبناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی جگہ اور مقام سے گرادیں، اور قرآن سن کر کہتے ہیں کہ آپ مجنون ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام تمام جہان والوں کے لیے نصیحت اور ان کی کامیابی کا ضامن ہے۔

نظرِ بد کے علاج کا مجرب وظیفہ

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس شخص کو نظر بد لگ گئی ہو اس پر یہ آیات پڑھ کر دم کر دیا جائے، تو اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں کفار و مشرکینِ مکہ کے ایک اعتراض کو نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی۔

۲۔ اس سورت میں کفار و مشرکینِ مکہ کو ان کے اعمال سیئہ پر تنبیہ کی گئی اور انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

۳۔ کفار کو تنبیہ کرنے کے لیے دنیوی عذاب کے نمونے کے طور پر ایک باغ والوں کا قصہ بھی ذکر فرمایا۔

۴۔ سورت میں اہل ایمان کے اخروی انجام اور ان کے اجر و ثواب کا بھی ذکر ہے۔

۵۔ سورت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تکالیف اور مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تمت سورۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْحَآقَّة

سورت کا تعارف

یہ بھی مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے انہتر (۶۹) جبکہ نزول کے اعتبار سے اٹھتر (۷۸) نمبر پر ہے۔
دو رکوع اور باون (۵۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"حاقہ" کا معنی ہے واقع ہونے والی/ثابت ہونے والی، یہ قیامت کے مختلف ناموں میں سے ایک نام ہے۔
چونکہ اس سورت میں قیامت کے احوال و مناظر بیان کیے گئے ہیں، اس لیے سورت کا نام "حاقہ" رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں وقوعِ قیامت کا اجمالی ذکر تھا، اس سورت میں قیامت کا تفصیلی احوال بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اثباتِ قیامت" یعنی قیامت کے حق ہونے کو ثابت کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی وجہ سے گزشتہ اُمتوں کی ہلاکت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
۲- مؤمنین اور کافرین کا اخروی انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔
۳- اس سورت میں قرآن کے حق ہونے اور منزل من اللہ ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ؕ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا
بِالطَّاغِیَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا
فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۚ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِیَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ

قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ
فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ۝

قیامت واقع ہو کر رہے گی!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا۔"الحاقۃ" کا معنی حق اور ثابت کے آتے ہیں، چونکہ قیامت کا وقوع یقینی اور حق ہے، اس لیے قیامت کو حاقہ کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ اس سورت میں قیامت کے دو اور نام "قارعہ اور واقعہ" بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

اَقوامِ سابقہ کی ہلاکتوں کے نمونے

قیامت کے تذکرہ کے بعد اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی ان تباہ شدہ قوموں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے اپنے دور میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، قیامت کو جھٹلایا اور اللہ ربّ العزّت کے بھیجے گئے پیغام کو پس پشت ڈال دیا، چنانچہ سب سے پہلے قوم عاد اور قوم ثمود کا تذکرہ فرمایا، ان دونوں قوموں نے قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کیا تو ان کو اللہ ربّ العزّت نے اپنے عذاب میں پکڑ لیا، قوم ثمود پر فرشتے نے ایک چیخ ماری جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ سب ہلاک ہو گئے، اور قوم عاد پر سخت تند و تیز سرد ہوائیں چلیں اور مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی، جس نے ان کو اور ان کی ہر چیز کو تہس نہس کر دیا اور یہ کٹے ہوئے درختوں کی طرح زمین پر مردہ پڑے رہے۔

اسی طرح قوم فرعون اور قوم لوط علیہ السلام نے بھی اپنے اپنے دور میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو وہ بھی اللہ ربّ العزّت کی سخت پکڑ کا شکار ہوئے، فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت دریا میں غرق ہو گیا جبکہ قوم لوط پر متعدد عذاب آئے، ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا، ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی تباہ شدہ قوموں میں سے ایک تھی، حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال انہیں اللہ ربّ العزّت کی طرف بلاتے رہے لیکن وہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے، جس پر اللہ ربّ العزّت نے طوفان بھیجا اور ان سب کو ہلاک کر دیا، صرف کشتی کے وہ چند لوگ باقی بچے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ
الْوَاقِعَةُ ۝ وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ
يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ۝ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ
اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۝ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوفُهَا
دَانِيَةٌ ۝ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ
يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ۝ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ

هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ۝ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝
إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ۝ وَلَا
طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝

قیامت کے احوال ومناظر

ان آیات میں اللہ رب العزت نے قیامت کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا، تو آسمان وزمین کی ہر چیز تباہ کردی جائے گی، صرف اللہ رب العزت کی ذات اقدس باقی رہے گی، زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹادیے جائیں گے اور ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے، آسمان پھٹ جائے گا، فرشتے آسمان کے کناروں پر آجائیں گے، پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو حساب وکتاب کا عمل شروع ہوگا، اللہ رب العزت کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے اٹھایا ہوگا، وہ فرشتے عرش اٹھا کر میدان محشر میں لائیں گے، پھر ہر ذی روح حساب وکتاب کے لیے اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا، اور ہر ایک کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا، جس شخص کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ خوشی سے آس پاس کے لوگوں کو کہے گا کہ میرا نامۂ اعمال پڑھ لو، یہ جنتی لوگ ہوں گے اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

اس کے برعکس جن لوگوں کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ نہایت حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ کاش مجھے میرا نامۂ اعمال دیا ہی نہ جاتا، کاش میں موت کے بعد دوبارہ زندہ ہی نہ کیا جاتا اور موت کے ساتھ ہی میرا قصہ تمام ہوجاتا، مجھے نہ میرا مال کام آیا اور نہ ہی میرا اقتدار مجھے بچا سکا۔اتنے میں اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس شخص کو پکڑلو، اس کے گلے میں طوق پہنادو، اسے ایسی زنجیر میں جکڑ لو جو ستر گز لمبی ہوگی، اور اسے جہنم میں پھینک دو، یہ اپنی زندگی میں اللہ رب العزت پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور دوسروں کو بھی نیکی کی اور غرباء کو کھانا کھانے کی ترغیب نہیں کرتا تھا، یعنی خدا کی عظمت اور مخلوق کی شفقت دونوں سے اس کا کردار خالی تھا، اس لیے آج وہ عذاب کا مستحق ہوا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا
تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ وَإِنَّهُ
لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ۝
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

”قرآن“ باری تعالیٰ کا کلام ہے!

سورت کے آخر میں اللہ رب العزت نے قسم کھا کر قرآن پاک کی حقانیت کو بیان فرمایا۔ارشاد فرمایا کہ میں

ان چیزوں کی بھی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے، یہ قرآن اللہ ربّ العزّت کا کلام ہے اور اسے ایک معزز فرشتہ لے کر آیا ہے، یہ کسی شاعر یا کاہن کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ پیغمبر خود اپنی طرف سے قرآن گھڑ کر اسے بیان کرتے اور اسے ہمارا کلام کہتے تو میں ان کو بھی سخت سزا دیتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن متقین کے لیے نصیحت ہے اور کافروں کے حق میں حسرت کا سبب ہے، کیونکہ اس کی تکذیب کی وجہ سے وہ عذاب خداوندی کا شکار ہوں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں قیامت کا اثبات فرمانے کے بعد ان قوموں کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے انکار کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے دوچار ہوئی۔

۲- اس کے بعد قیامت کا تفصیلی تذکرہ، قیامت کے احوال و مناظر اور اخروی اعتبار سے کامیاب اور ناکام انسانوں کے حالات بیان فرمائے۔

۳- سورت کے آخر میں حقانیت قرآن کو مختلف عقلی و نقلی دلائل سے ثابت فرمایا۔

تمت سورۃ الحاقۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْمَعَارِج

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ستر (۷۰) جبکہ نزول کے اعتبار سے اناسی (۷۹) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور چوالیس (۴۴) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

۱-المعارج: معارج کا معنی ہے سیڑھیاں، اس سورت میں اللہ ربّ العزت نے فرشتوں کے آسمانوں پر چڑھنے کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے اسے سورۂ معارج کہا جاتا ہے۔

۲-سَاَلَ سَآئِلٌ: چونکہ سورت کا آغاز اس لفظ سے کیا گیا ہے اس لیے اس سورت کو "سورۂ سَاَلَ سَآئِلٌ" بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی قیامت کے احوال و مناظر بیان کیے گئے تھے، اس سورت میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "ایمان کے درجات میں ترقی کرنے کی ترغیب دلانا" ہے۔

عمومی مضامین

۱-اس سورت میں قیامت کی ہولناکی کے چند مناظر بیان کیے گئے ہیں۔

۲-اس سورت میں جہنم کے مختلف قسم کے عذابات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۳-سورت میں کچھ اعمال صالحہ کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ انسان ان پر عمل کرکے ایمان کے درجات میں ترقی کرسکے۔

۴-سورت میں کفار کو ان کی بعض اُخروی سزاؤں کی وعید سنائی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ۝ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِؕ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ الرُّوْحُ
اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍۚ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا۝ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًاۙ۝ وَّ نَرٰىهُ
قَرِیْبًاؕ۝ یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِۙ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِۙ۝ وَ لَا یَسْــٴَـلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًاۚۖ۝
یُّبَصَّرُوْنَهُمْؕ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِیْهِۙ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِیْهِۙ۝ وَ فَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ
تُــٴْـوِیْهِۙ۝ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاۙ ثُمَّ یُنْجِیْهِۙ۝ كَلَّاؕ اِنَّهَا لَظٰىۙ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰىۚۖ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ
وَ تَوَلّٰىۙ۝ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى۝

شانِ نزول

ایک کافر تھا جس کا نام نضر بن حارث تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی تکذیب میں اس قدر آگے بڑھ گیا کہ کہنے لگا: "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ" یعنی یہ دُعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن حق ہے اور آپ کی طرف سے (نازل کردہ) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاکت سے دوچار کرا دیا۔ (معارف القرآن) اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

قیامت کی ہولناکیاں

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے شانِ نزول میں ذکر کردہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک مانگنے والے نے اللہ تعالیٰ کا عذاب خود مانگا ہے، یہ عذاب ان کافروں پر ضرور واقع ہو کر رہے گا، اسے کوئی روک نہیں سکتا، کیونکہ یہ عذاب اس پاک پروردگار کی طرف سے ہوگا جو بلند درجات والا ہے، ان درجات میں فرشتے اور روح الامین یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سب اس کی جانب چڑھتے ہیں، اور یہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ یہ دن کافروں کے لیے اتنا دراز ہوگا جبکہ مؤمنین کے لیے اس کی مقدار ایک فرض نماز ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگی۔ (مسند احمد: ۱۱۷۱۷) لہٰذا اے نبی! آپ صبر کیجیے، قیامت زیادہ دور نہیں ہے۔

اس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگین روئی کی طرح اڑتے پھریں گے، اس دن کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا، اور کافر یہ تمنا کریں گے کہ ہم کسی طرح عذاب سے بچ جائیں، اگرچہ انہیں اپنی اولاد، اپنی بیوی، اپنے بھائی، اپنے سارے کنبہ بلکہ تمام روئے ارض کو اپنے فدیہ میں دینا پڑے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ انہیں اور ہر اس شخص کو جس نے دنیا میں حق سے پیٹھ پھیری ہوگی اور دوسروں کا حق مار کر یا حرص کی وجہ سے مال جمع کیا ہوگا، ایسی شعلے مارتی آگ میں جلنا ہوگا جو ان کی کھال تک اُتار دے گی۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ
هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ
يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝
وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ
ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم
بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ۝

حقیقی نمازی کے اوصاف

ان آیات میں اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا کہ انسان بہت کم ہمت ہے، جب اس کو ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع اور ہائے ہائے کرنے لگتا ہے اور جب اسے خوشحالی اور فارغ البالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، لیکن وہ لوگ جو حقیقی نمازی ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حقیقی نمازی سے مراد وہ نمازی ہیں جن میں درج ذیل صفات ہوں:

۱۔ جو پوری نماز میں اپنی نماز کی طرف متوجہ رہتے ہوں اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتے ہوں، ادھر ادھر التفات نہ کرتے ہوں۔

۲۔ جو اپنے مال میں سے مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں سب کو دیتے ہوں۔

۳۔ جو قیامت کو حق مانتے ہوں۔

۴۔ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہوں۔

۵۔ جو اپنے کردار کی حفاظت کرنے والے اور اپنی شرمگاہوں کو حرام سے بچانے والے ہوں۔

۶۔ جو امانتوں اور اپنے کیے ہوئے عہد کا پاس رکھتے ہوں۔

۷۔ جو گواہی دینے میں کمی بیشی نہ کرتے ہوں اور ٹھیک ٹھیک گواہی دیتے ہوں۔

۸۔ جو باقاعدگی سے نماز ادا کرتے ہوں۔

تو جن نمازیوں میں یہ سب صفات موجود ہوں وہ حقیقی نمازی کہلانے کے مستحق ہیں، اور ایسے لوگ عزت کے ساتھ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ۝ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ۝ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن
يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ۝ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ۝ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا
لَقَادِرُونَ ۝ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا

يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

کفار کی جاہلانہ رَوِش

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفار کی جاہلانہ روش کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کفار حق کی تکذیب کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جماعتیں بنا بنا کر دوڑے چلے آتے ہیں، اور پھر اس باطل اور جاہلانہ رَوش پر بجائے افسوس کرنے کے اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور جنّت کی امید رکھتے ہیں۔ حالانکہ جب قیامت قائم ہوگی اور یہ قبروں سے نکلیں گے تو ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت ان پر چھا رہی ہوگی، اور اس دن انہیں اپنے کیے کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں کفارِ مکہ کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔ اس کے بعد قیامت کے چند احوال اور مناظر پیش کیے گئے ہیں۔

۳۔ پھر حقیقی نمازیوں کے اوصاف ذکر فرما کر ان کا اخروی ثواب اور اجر بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ سورت کے آخر میں کفار کی جاہلانہ رَوش اور ان کا اُخروی انجام ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورة المعارج بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ نُوْح

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب اور نزول دونوں اعتبار سے اکہتر (۷۱) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور اٹھائیس (۲۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

چونکہ اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا تفصیلی قصہ مذکور ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ نوح رکھا گیا۔

ماقبل سے ربط

سورۂ معارج کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت اس بات پر قادر ہے کہ وہ مشرکینِ مکہ سے بہتر اور اچھے لوگ لے آئے، اس سورت میں گزشتہ اقوام میں سے اسی کا ایک نمونہ پیش فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب آیا جس سے تمام کافر غرق ہو گئے اور وہ لوگ زندہ بچے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور وہ یقیناً ان کافروں سے بہتر تھے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''دعوت الی اللہ میں خود کو فنا کر دینا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں توحید کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

۲- دعوت دینے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ترغیب اور ترہیب کے ذریعہ دعوت دینا ہے، اس کا بھی اس سورت میں ذکر ہے۔

۳- دعوت دینے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، بلکہ دن رات میں ہر لحظہ اور ہر لمحہ دعوت دینی چاہیے۔

۴- انفرادی اور اجتماعی ہر دو طریقوں سے دعوت دینی چاہیے۔

۵-اس سورت میں استغفار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور دنیا اور آخرت میں استغفار کے ثمرات وفضائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۶-اس سورت میں کائنات میں چہار سو پھیلی قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

۷-سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی مومنین کے حق میں دُعا اور کافروں کے حق میں بددُعا بھی مذکور ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ
نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى
إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾
فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ
وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّى دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّىٓ أَعْلَنتُ
لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم
مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ
وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ انہیں وعظ ونصیحت کریں اور میرے عذاب سے ڈرائیں، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا، انہیں ترغیب اور ترہیب دونوں لحاظ سے سمجھایا، اللہ ربّ العزّت کا وعدۂ مغفرت انہیں سنایا کہ اگر تم اس کی عبادت کرو گے تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا، ساڑھے نو سو سال آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی، لیکن قوم اپنی سرکشی سے باز نہ آئی، بلکہ الٹا آپ کو اذیت پہنچانے اور تکلیف دینے کے درپے ہوگئی، بعض روایات میں ہے کہ آپ کی قوم آپ پر تشدد کرتی لیکن آپ ان کو اللہ کی طرف بلاتے رہے، جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو بالآخر آپ نے بارگاہ خداوندی میں دست دُعا دراز فرمائے اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو شب وروز، اعلانیہ وپوشیدہ غرض ہر طرح آپ کا پیغام سنایا، انہیں وعظ ونصیحت کی، لیکن وہ باز نہ آئے بلکہ اپنی سرکشی میں مزید بڑھ گئے، اور میں جب بھی انہیں آپ کا پیغام سناتا وہ اپنے کانوں میں انگلی ڈال لیتے اور تکبر

کرتے تھے۔ میں اس پر انہیں استغفار کرنے کی تلقین کرتا اور انہیں استغفار کے فضائل بیان کرتا تھا۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام نے استغفار کے چند فضائل اور فوائد بیان فرمائے ہیں:

"اِستغفار" کے دُنیوی اور اُخروی فوائد

اِستغفار کا اُخروی فائدہ تو یہ ہے کہ اس کی برکت سے اللہ ربّ العزّت گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ جبکہ اس کے دنیوی فوائد بے شمار ہیں، اس کی برکت سے اللہ ربّ العزّت موسلا دھار بارشیں برساتے ہیں، مال اور اولاد میں برکت عطا فرماتے ہیں، باغات اور نہروں سے نوازتے ہیں، گویا استغفار رضائے الٰہی اور معاشی ترقی کا ذریعہ ہے، استغفار کی برکت سے رزق، مال، اولاد اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے، لیکن افسوس کہ انسان اللہ ربّ العزّت کا حق اور اس کی قدر نہیں پہچانتا۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝
وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ
وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۚ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ
أَنصَارًا ۝ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا
يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَّبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَلَا
تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ۝

قوم کا حضرت نوح علیہ السلام کو جواب

حضرت نوح علیہ السلام کی شب و روز اعلانیہ و پوشیدہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم نے اپنا طرز اور رَوِش نہیں بدلی، اور اپنے کُفر اور شرک پر ڈٹے رہے، اور کہا کہ ہم اپنے خداؤں خاص کر "وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر" کو نہیں چھوڑیں گے، یہ ان کے پانچ بتوں کے نام تھے، جو دراصل اپنے زمانے میں اللہ ربّ العزّت کے نیک و صالح بندے تھے، ان کے بہت سے معتقد اور متبعین تھے، ان کی وفات کے بعد شیطان نے ان کے متبعین کو بہلا پھسلا کر ان کی عبادت پر لگا دیا، یہاں سے بت پرستی شروع ہوئی تھی، ان پانچ بتوں کی عظمت چونکہ قوم کے دلوں میں سب سے زیادہ تھی اس لیے ان کا نام خاص طور پر لیا۔ ان کے اس جواب پر حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے خلاف بددُعا کی اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے پروردگار! آپ زمین پر ان کافروں کا ایک بھی گھر آباد نہ چھوڑیے، کیونکہ اگر آپ نے ان کو مزید مہلت دی تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے، اللہ ربّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام کی بددُعا قبول فرمائی اور ان پر طوفان کا عذاب بھیجا جس میں یہ ساری قوم غرق ہو کر ہلاک ہوگئی، صرف وہ چند لوگ بچے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔

اللہ رب العزت نے ان ہلاک شدہ لوگوں کے بارے میں اطلاع دی کہ یہ لوگ ہلاکت کے فوراً بعد آگ کے عذاب میں مبتلا کر دیے گئے۔ جس سے مراد قبر اور برزخ کا عذاب ہے، کیونکہ جہنم کا عذاب تو قیامت کے حساب و کتاب کے بعد ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عذاب قبر قرآن سے بھی ثابت ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا تفصیلی قصہ ذِکر کیا گیا ہے، ان کی تبلیغ، وعظ و نصیحت اور قوم کی سرکشی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲۔ سورت میں اِستغفار کے دنیوی اور اُخروی فضائل اور فوائد بھی مذکور ہیں۔

۳۔ اللہ ربّ العزّت کی توحید کے چند دلائل بھی اس سورت میں ذِکر کیے گئے ہیں۔

۴۔ سورت کے آخر میں حضرت نوح علیہ السلام کی بددُعا اور قوم کی ہلاکت کا ذِکر ہے۔

تمت سورة نوح بعون الله سبحانه وتعالى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْجِنّ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے بہتر (۷۲) جبکہ نزول کے اعتبار سے چالیس (۴۰) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور اٹھائیس (۲۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کو سورۃ الجن اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں جنات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے استغفار کے فوائد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ استغفار کی برکت سے اللہ ربّ العزّت موسلادھار بارش برسائیں گے، اس سورت میں استقامت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہی مضمون ارشاد فرمایا۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ انسانوں کی طرح جنّات بھی احکامِ شرعیہ کے مکلف ہیں۔

عمومی مضامین

۱- جنّات کا قرآن پاک پر ایمان لانے کا واقعہ اس سورت میں مذکور ہے۔
۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جنّات کے احوال کا بیان۔
۳- ساری مساجد اللہ ربّ العزّت کی ہیں۔
۴- عالم الغیب صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے، قیامت کا علم بھی صرف اسی کو ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ

نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ أَحَدًا ۝ وَأَنَّهُۥ تَعَٰلَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا ٱتَّخَذَ صَٰحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝ وَأَنَّهُۥ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى ٱللَّهِ
شَطَطًا ۝ وَأَنَّا ظَنَنَّآ أَن لَّن تَقُولَ ٱلْإِنسُ وَٱلْجِنُّ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا ۝ وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلْإِنسِ يَعُوذُونَ
بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا۟ كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ ٱللَّهُ أَحَدًا ۝ وَأَنَّا لَمَسْنَا
ٱلسَّمَآءَ فَوَجَدْنَٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَٰعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ
ٱلْـَٔانَ يَجِدْ لَهُۥ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ وَأَنَّا لَا نَدْرِىٓ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِى ٱلْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبلیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے تھے تو وہاں سے واپسی کے سفر میں آپ وادی نخلہ پہنچے، آپ نے وہاں فجر کی نماز پڑھائی، اسی دوران جنات کی ایک جماعت جو دراصل ایک سروے ٹیم تھی، وہ یہاں سے گزری، اور وہ اس بات کی تحقیق کر رہی تھی کہ زمین میں ایسا کون سا غیر معمولی واقعہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے ہمارا آسمانوں پر جانا بند ہو گیا ہے۔ تو جب یہاں سے گزرے اور انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن سنا تو وہ فوراً ہی مسلمان ہو گئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے ایک درخت نے اطلاع دی، پھر اللہ ربّ العزّت نے یہ سورت نازل فرما دی جس میں ان کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

جنّات کی حقیقت

جن اللہ ربّ العزّت کی مخلوقات میں سے ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو جسم اور روح کا مرکب ہے اور انسانوں کی طرح عقل و شعور رکھتی ہے، مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہے، ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے، ان میں بھی انسانوں کی طرح نر اور مادہ ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے۔ یہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی ہیئت اور شکل بدل سکتے ہیں۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنّت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

جنّات کے ایمان لانے کا واقعہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے جنات کے قرآن سننے اور ایمان لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو شان نزول کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ وہ تقریباً سات یا نو جن تھے جو نصیبین کے رہنے والے تھے، انہوں نے مقام نخلہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے قرآن کریم کی تلاوت سنی تو قسمیں کھا کر ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہی وہ کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل بنا ہے، انہوں نے وہیں ایمان قبول کیا اور اپنی قوم کو جا کر اطلاع دی کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی جانب رہنمائی کرتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اس کی ذات بلند و بالا ہے، اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اولاد، اب تک ہم جہالت

میں رہے کیونکہ ہماری قوم کے بے وقوف اللہ ربّ العزت کی شان میں بے سروپا باتیں کرتے تھے اور ہمیں یہ گمان نہیں تھا کہ کوئی انسان یا جن اللہ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرتا ہو، اب ہم پر حقیقت واضح ہوگئی ہے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ جب کسی جنگل میں قیام کرتے تو اس جنگل کے جنات کی پناہ مانگتے تھے، اس سے جنات یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم تو انسان سے بھی افضل ہیں، اس بات نے جنات کی گمراہی اور سرکشی میں مزید اضافہ کر دیا۔ لیکن اب حالات بدل چکے ہیں، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی ہے، اس لیے اب جنات آسمانی خبریں سننے کے لیے اوپر نہیں جا سکتے، اگر کوئی جن یہ کوشش کرے گا تو اسے تارہ ٹوٹ کر لگے گا۔

بعض صحابہؓ کی جنّات سے ملاقات

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن ایک مقام پر ایک بوڑھے جن کو دیکھا جو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہا تھا اور اس نے اون کا جبہ پہنا ہوا تھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ تم اس جبہ کو دیکھ کر تعجب کر رہے ہو، یہ جبہ سات سو سال سے میرے بدن پر ہے، اسی جبہ میں میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی، پھر اسی جبہ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور میں ان جنات میں سے ہوں جن کے بارے میں سورہ جن نازل ہوئی ہے۔ (معارف القرآن)

ایک اور صحابی رسول جن کا نام حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ تھا، وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ایک وادی میں گئے، اور وہاں پہنچ کر اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہی کہا کہ میں اس وادی کے جن سردار کی پناہ میں آتا ہوں، تو ایک جن نے انہیں جھنجھوڑا، اور کہا کہ ایسا مت کہو، تم کسی کی پناہ میں نہیں ہو، تم یوں کہو: ''اعوذ باللہ ربّ محمد من ھذا الوادی'' میں محمد کے ربّ اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں اس وادی (کے شر) سے! انہوں نے پوچھا کہ محمد کون ہے؟ تو جن نے بتایا کہ وہ اللہ ربّ العزّت کے نبی ہیں، اور یثرب میں رہتے ہیں۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بعد مدینہ گیا، وہاں جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، ان کو سارا واقعہ سنایا، حضور نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں مسلمان ہو گیا۔ (معارف القرآن)

ایک عجیب وغریب واقعہ

تفسیر ''روح البیان'' میں ایک عجیب وغریب واقعہ مذکور ہے۔ ایک شخص سے مروی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور بتایا کہ ہم سفر میں تھے، ہم نے اچانک خون میں لت پت ایک سانپ پایا، ہمارے ایک ساتھی نے اپنے عمامے (پگڑی) سے کپڑے کا ایک ٹکڑا پھاڑا، اور اس میں اس سانپ کو لپیٹ کر دفن کر دیا، شام کو ہم ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے تو ہمارے پاس دو خواتین آئیں جو جنوں کی

حسین ترین خواتین میں سے تھیں، کہنے لگیں کہ تم میں عمرو کے ساتھی کون ہیں؟ تم میں سے سانپ کو دفن کرنے والے کون ہیں؟ ہم نے اس ساتھی کی جانب اشارہ کیا، وہ کہنے لگیں کہ یہ سانپ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم سننے والے جنّات میں سے آخری جن تھے، جو مسلمان اور کافر جنّات کی باہمی لڑائی اور جہاد میں شہید ہوگئے، اگر آپ نے انہیں دُنیوی معاوضے کے لیے دفن کیا ہوتو ہم بدلہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم نے تو رضائے الٰہی کے لیے ایسا کیا ہے! وہ کہنے لگیں: تم نے بہت اچھا کیا! اور چلی گئیں۔ کپڑے میں لپیٹنے والے صحابی کا نام حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ اور یہ جن عمرو بن خابر رضی اللہ عنہ تھے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

ساری مساجد اللہ ربّ العزّت کی ہیں!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ مساجد اور سجدہ گاہیں اللہ ربّ العزّت کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں، اس لیے مساجد کو اعمالِ باطلہ سے پاک اور صاف رکھو۔ بعض اہلِ علم فرماتے ہیں کہ مساجد سے مراد سجدے ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے سجدے صرف اللہ ربّ العزّت کے لیے مخصوص ہیں، اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں ہے، لہٰذا غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔

"مختارِ کُل" اللہ تعالیٰ ہے!

اور ان مشرکین کی حالت یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اردگرد بھیڑ لگا دیتے ہیں، اور نہایت تعجب اور عداوت کا اظہار کرتے ہیں، اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں، اور میں خود سے نہ تمہارے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا، یعنی تم جو یہ فرمائشیں کرتے ہو کہ اگر آپ رسول ہیں تو ہم پر عذاب نازل کردیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مختارِ کل اللہ تعالیٰ ہے۔

"عالم الغیب" صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے!

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ عالم الغیب ذات صرف اللہ ربّ العزّت کی ہے، وہ غیب کی باتوں پر ہر کسی کو مطلع نہیں فرماتے، ہاں اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر اور رسول کو اگر غیب کی کسی بات پر مطلع کرنا چاہتے ہیں تو انہیں خبر کر دیتا ہے۔ اور اللہ ربّ العزّت جب انبیاء علیہم السلام کو کوئی وحی فرماتے ہیں تو فرشتوں کے ذریعے اس کی مکمل نگرانی بھی کرواتے ہیں۔

قرآن وسنّت کی سینکڑوں نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے، البتہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں اللہ ربّ العزّت نے بذیعہ وحی بتائی ہیں اور انبیاء علیہم السلام اسی حد تک غیب کی خبریں بتاتے ہیں، تاہم اس سے انہیں عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ صرف اللہ ربّ العزّت ہی کی صفت ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے جنات کے ایمان لانے کا ایک واقعہ بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ جنات سے متعلق کفار ومشرکین کے چند باطل عقائد کی تردید فرمائی۔

۲۔ اس سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مساجد اور سجدہ گاہیں اللہ ربّ العزّت کی ملکیت ہیں، اور سجدہ بھی صرف اسی کو روا ہے، اس کے علاوہ کسی غیر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ کفارِ مکہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے جا مطالبات کا جواب بھی اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا ہے۔

۴۔ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ عالم الغیب صرف اسی کی ذات ہے، انبیاء علیہم السلام کے پاس جو غیب کی باتیں ہیں وہ اللہ ربّ العزّت کی بتائی ہوئی ہیں۔

تمت سورۃ الجن بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں تہتر (۷۳) جبکہ نزول میں تیسرے نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور بیس (۲۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجۂ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل لقب سے خطاب فرمایا ہے، اس لیے سورت کا نام سورۂ مزمل رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور نماز کا تذکرہ فرمایا تھا، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ تہجد اور آہِ سحر گاہی دین کے داعیوں کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے، اسی لیے دین کے داعیوں کو تہجد کا اہتمام کرنا چاہیے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند احکام مرحمت فرمائے ہیں:

۱۔ تہجد کی نماز کا حکم، (ابتدائے اسلام میں تہجد کی نماز فرض تھی)۔

۲۔ قرآن کریم کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم۔

۳۔ اللہ ربّ العزّت کو کثرت سے یاد کرنا۔

۴۔ ہر معاملے میں اللہ ربّ العزّت پر اعتماد اور توکّل کرنا۔

۵- مشرکین کی ایذا و تکالیف پر صبر کرنا۔

۶- اُمّت کے حق میں تہجد کی فرضیت کی منسوخی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس کی فرضیت برقرار رکھنے کا حکم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ
سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ
قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ
وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝

شانِ نزول

سب سے پہلے غارِ حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرائیل امین نازل ہوئے اور سورۂ علق کی ابتدائی آیات آپ کو سنائیں، یہ فرشتے کا نزول اور وحی کی شدت چونکہ پہلی مرتبہ ہوئی تھی جس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ ہوگئی، آپ گھر تشریف لائے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پکارا اور ارشاد فرمایا: ”زملونی زملونی“ مجھے کمبل اوڑھاؤ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو چادر اوڑھادی، آپ چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

تہجد کی نماز کے احکام

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ آدھی رات یا اس سے کم و بیش حصہ اللہ ربّ العزّت کی عبادت میں گزاریں۔

اس آیت کی رو سے تہجد کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اُمّت پر فرض کی گئی تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں۔ ان آیات میں تہجد کی نماز کو صرف فرض ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کم از کم ایک چوتھائی رات مشغول رہنا بھی فرض قرار دیا گیا، اس حکم کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رات کے اکثر حصے کو نمازِ تہجد میں صرف فرماتے تھے یہاں تک کہ ان کے قدموں پر ورم آ گیا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے کچھ عرصہ بعد اس سورت کا آخری حصہ نازل فرمایا جس نے اس طویل قیام کی پابندی منسوخ کردی اور اختیار دے دیا کہ جتنی آسانی سے ممکن ہو، اتنا وقت خرچ کرنا نمازِ تہجد میں کافی ہے۔

قرآنِ کریم کو ترتیل سے پڑھنا واجب ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم فرمایا۔ ترتیل کا معنی کلمات کو سہولت اور ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنے کے ہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن میں جلدی نہ کریں بلکہ ترتیل وتسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر اور غور کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ کی خاص ہدایات

تہجد کی نماز اور قرآن کریم کی تلاوت کے حکم کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مزید ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، جن میں اللہ ربّ العزّت کا ذکر اور اس کو کثرت سے یاد کرنا سرفہرست ہے، اور دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ آپ تمام مخلوقات سے قطع نظر کر کے صرف اللہ ربّ العزّت کی رضا جوئی اور اس کی عبادت میں لگ جائیں۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا اور مافیہا کو چھوڑ کر اللہ ربّ العزّت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ لیکن اس کا مطلب رہبانیت اختیار کرنا نہیں ہے، کیونکہ رہبانیت اس ترک دنیا اور ترک تعلقات کا نام ہے جس میں تمام لذائذ اور حلال طیب چیزوں کو عبادت کی نیت سے چھوڑ دیا جائے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ ان حلال چیزوں کو چھوڑے بغیر اللہ ربّ العزّت کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ جبکہ یہاں جس ترک تعلقات کا حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے تعلق پر کسی دوسری مخلوق کا تعلق غالب نہ آئے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ ربّ العزّت پر توکل اور کفار کی ایذا اور تکالیف ومصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں، میں ان کو سخت سزا اور عذاب دوں گا۔ جب قیامت قائم ہو گی تو ان سب کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور انہیں ایسا کھانا دیا جائے گا جس کو نہ نگلا جا سکے گا نہ باہر اگلا جا سکے گا۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

قیام اللیل (تہجد) کی فرضیت منسوخ ہو گئی

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں پر قیام اللیل کو فرض قرار دیا

تھا اور اس قیام کا طویل ہونا بھی فرض تھا، مگر طوالت میں اختیار تھا کہ آدھی رات سے کچھ کم یا زیادہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اس فرض کی ادائیگی پر عمل کرنے لگے اور رات کا زیادہ وقت نماز میں گزار دیتے جس سے ان کے پاؤں پر ورم آ گئے۔ صحابہ کرام کی یہ محنت اور مشقت اللہ کے سامنے تھی وہ اس سے بخوبی واقف تھے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے صحابہ کرام کی سہولت کی خاطر یہ حکم (قیام اللیل کی فرضیت) منسوخ کر دیا۔ البتہ اس کا استحباب اور اللہ ربّ العزّت کے نزدیک پسندیدہ ہونا پھر بھی باقی رہا اور حکم فرما دیا کہ اب وقت اور تلاوت قرآن کی کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ ہر شخص اپنی اپنی طاقت و فرصت کے مطابق جتنے وقت میں تہجد ادا کر سکے کر لے اور اس میں جتنا قرآن پاک سہولت سے پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ اور اب یہ نماز نفل ہوگی، اور درجات کی ترقی کا باعث بنے گی، اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اس میں طویل قراءت اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنے کی تلقین فرمائی۔

۲- سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف ہدایات دی گئی ہیں، جن میں ذکر باری تعالیٰ کی کثرت، اللہ ربّ العزّت پر توکل اور کفار کی ایذا اور تکالیف پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳- سورت کے آخر میں تہجد کی فرضیت منسوخ کر دی گئی اور حسب سہولت تہجد پڑھنے اور اس میں اپنی سہولت کے مطابق تلاوت قرآن کرنے کی رخصت دی گئی۔

تمت سورۃ المزمل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے چوہتر (۷۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہے۔ جبکہ بعض روایات میں اس سورت کا سورۂ علق کے بعد نازل ہونا بھی وارد ہے، یہ سورت دو رکوع اور چھپن (۵۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدثر کہہ کر خطاب فرمایا ہے، اسی لیے اس سورت کا نام سورۂ مدثر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ مدثر اور سورۂ مزمل ایک ہی قصہ سے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ سورۂ مزمل وحی کی ابتداء سے متعلق نازل ہوئی جبکہ سورۂ مدثر پہلی وحی کے بعد فترت کے زمانے کے اختتام پر دوسری وحی کے موقع پر نازل ہوئی۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع دعوت الی اللہ کی خوب کوشش کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دین کا بیڑا اٹھانے کا حکم فرمایا ہے۔

۲۔ کفار کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۳۔ دینِ حق سے اعراض کرنے والوں کے نمونے اور ان کے اعراض کے سبب بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ جہنم کی آگ کی ہولناکی اور جہنم کے داروغوں کے اوصاف بھی اس سورت میں مذکور ہیں۔

۵۔ آخرت میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے درمیان ہونے والے مکالمہ کو بھی اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔ جب کفارِ مکہ کو دینِ حق کی دعوت دی جاتی تو ان کا جو ردِّعمل ہوتا تھا اسے بھی اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝
وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝ ذَرْنِيْ
وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ
اَزِيْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ
قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ
هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ
لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝

شانِ نزول

یہ سورت بھی نبوّت کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی۔ پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ (تقریباً چھ ماہ تک) وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، جسے ”فترتِ وحی“ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے انتظار میں بہت مضطرب رہتے تھے۔ اس زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جارہے تھے، اوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں سورۂ اقرأ کی آیات لے کر آیا تھا وہ ہی آسمان کے نیچے فضا میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی طبعی رُعب وہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو غارِ حرا میں پہلی وحی کے وقت ہوئی تھی، سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر واپس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ”زملونی زملونی“ یعنی ”مجھے چادر اُڑھاؤ! مجھے چادر اُڑھاؤ!“ اس پر سورۂ مدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے والے سات اَحکام

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سات حکم دیے ہیں جن کا تعلق دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ خلق سے ہے، اس لیے یہ احکام تمام داعیانِ دین کے لیے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں:

۱۔ **قم:** آپ کھڑے ہوجایئے، یعنی اب کمر کس لیجیے اور ہمت کر کے خلقِ خدا کی اصلاح کی خدمت سنبھالیے، اور اُمت کو دوزخ کی تاریک راہوں سے نکال کر جنّت کی چکا چوند روشنیوں کی طرف لے جایئے۔

۲-فانذر: انسانوں کو اللہ ربّ العزّت کی پکڑ، اس کے عذابات اور جہنم سے ڈرائیے۔

۳-وربک فکبر: اپنے ربّ کی بڑائی بیان کیجیے۔

۴-وثیابک فطہر: اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے۔ اس سے مراد ظاہری طہارت اور پاکی بھی ہے اور باطنی بھی، یعنی اپنے عقائد، اخلاق اور اعمال بھی پاک کیجیے اور ظاہری طور پر اپنے لباس کو پاک صاف رکھیے۔

۵-والرجز فاھجر: بت پرستی، شرک اور گناہوں کی گندگی سے خود کو محفوظ رکھیے۔

۶-لاتمنن تستکثر: کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجیے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آج کل شادی بیاہ میں جو نیوتہ کی رسم رائج ہو چکی ہے اور لوگ یہ سوچ کر پیسہ دیتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے زیادہ پیسے دیں گے، شرعاً درست نہیں ہے۔

۷-ولربک فاصبر: اور اللہ ربّ العزّت کے احکام کی پابندی پر اپنے نفس کو قائم رکھیے اور دعوتِ دین کی وجہ سے ملنے والی تکالیف اور مصائب پر بھی صبر کیجیے۔

ایک مال دار کافر کا واقعہ

مکہ مکرمہ میں ایک بہت مالدار کافر تھا جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا، (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے ہیں) اس کو اللہ ربّ العزّت نے دنیا کی مال و دولت اور اولاد نہایت فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی، اس کی زمین و جائیداد اور باغات مکہ مکرمہ سے طائف تک پھیلے ہوئے تھے اور اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ دینار تھی، یہ عرب کا سردار مانا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو بے ساختہ اسے کلام الٰہی ماننے پر مجبور ہو گیا اور کہنے لگا کہ واللہ یہ کلام نہ کسی انسان کا ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا، اس میں بڑی حلاوت اور شیرینی ہے۔ جب ابوجہل اور قریش کے دوسرے کافر سرداروں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہیں فکر ہوئی کہ یہ مسلمان نہ ہو جائے، ابوجہل نے کہا کہ میں اس کے پاس جا کر اسے ٹھیک کرتا ہوں، چنانچہ وہ اس کے پاس گیا اور اس کو غصہ دلانے کے لیے کہا کہ شاید تم بھوکے ہو اسی لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے ہو تاکہ کچھ کھانے کو مل جائے، اگر ایسا ہے تو ہم تمہاری امداد کر دیتے ہیں۔ ولید نے جب یہ بات سنی تو اسے غصہ آ گیا اور کہنے لگا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا محتاج نہیں ہوں، میرے مال و جائیداد کی کثرت تمہیں معلوم ہے۔ البتہ تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہے تو یہ بات اتنی بے سروپا ہے کہ کوئی اس پر یقین نہیں کر سکتا، تم انہیں شاعر کہتے ہو حالانکہ انہیں کبھی شعر کہتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، تم انہیں جھوٹا کہتے ہو حالانکہ زندگی میں کبھی بھی ان کے منہ سے کوئی جھوٹی بات نہیں نکلی، ابوجہل نے ان سب باتوں کا اقرار کیا، اور ولید سے پوچھا کہ پھر ان کو کیا کہا جائے، اس پر اس نے پہلے دل میں سوچا، پھر ابوجہل کی طرف نظر اٹھائی، پھر منہ بسورا جس سے نفرت کا اظہار ہوا اور آخر میں کہنے لگا کہ ان کو مجنون، شاعر، کاہن یا کذاب تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ ان کو ساحر اور جادوگر کہہ سکتے ہیں۔

اللہ رب العزّت نے اس کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اسے مال وجائیداد عطا کی، اسے اولاد دی جو اس کے پاس حاضر اور موجود رہتی تھی، اس نے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ہماری آیات کا انکار کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا اور قرآن کو انسان کا کلام کہا، اس لیے اس کا ٹھکانا جہنّم ہے، جس کی ہولناکی کا اسے اندازہ تک نہیں، وہ کچھ بھی نہیں چھوڑے گی، اور چمڑے کو جلا کر راکھ کردے گی، اس کے انیس داروغے ہیں۔

جہنّم کے داروغوں کی تعداد اور کُفّار کا اِستہزا

جب کُفّار نے سنا کہ جہنّم کے انیس داروغے ہیں تو ان میں سے ایک شخص (جس کو ابوالاسلین کہا جاتا تھا) نے کہا کہ اے قریش کی قوم! تم فکر نہ کرو، ان انیس کے لیے تو میں اکیلا کافی ہوں، اس پر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ وہ داروغے فرشتے ہیں جنہیں شکست دینا اور ان پر غالب آنا تمہارے بس میں ہی نہیں، اور یہ انیس کی تعداد بھی دراصل تمہارا امتحان ہے، اس سے تمہارا کُفر کھل گیا اور اہلِ کتاب کا اس بات پر یقین کامل ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت حق ہے، کیونکہ ان کی اپنی کتاب میں بھی جہنّم کے داروغوں کی یہی تعداد درج ہے، اور اس سے اہل ایمان کے ایمان اور پختہ ہوگئے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝

اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم کا باہمی مکالمہ

قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال میں جکڑا بندھا ہوگا سوائے ان لوگوں کے جن کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملا ہوگا اور انہوں نے دنیا میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کردیے ہوں گے وہ جنّت میں جائیں گے، اور جنّت کے بالاخانوں میں بیٹھ کر جہنّم والوں کو بدترین عذابوں میں دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچے؟ اور کس وجہ سے جہنّم کی آگ کا ایندھن بنے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، اور غرباء ومساکین کے کھانے کا خیال نہیں رکھتے تھے، یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، گویا نہ رب کی عبادت کی نہ مخلوق کے ساتھ احسان کیا، اور بحث کرنے والوں کے ساتھ مل کر بحث مباحثہ میں مشغول رہتے تھے اور قیامت کے دن کی بھی تکذیب کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی، اور ہم مبتلائے عذاب ہوگئے۔ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ اب کوئی سفارش ان کے کام نہیں آئے گی، کیونکہ جب دنیا میں نصیحت

قبول کرنے کا وقت تھا تب یہ اس نصیحت سے ایسے بھاگتے تھے جیسے وحشی گدھے شیر سے بھاگتے ہیں، انھیں آخرت کا ذرا خوف نہیں تھا، اس لیے یہ مغفرت کے لائق نہیں ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تقریباً سات احکام عنایت فرمائے جن کا تعلق دعوت وتبلیغ سے ہے اور یہ احکام دعوت دین کے کام میں تمام داعیوں کے لیے اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲- اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے مکہ مکرمہ کے ایک خاص کافر کا تذکرہ فرمایا، اس کی بدبختی اور اسلام سے دشمنی کو بیان فرمایا اور اس کے اُخروی انجام کو بھی ذکر کیا۔

۳- سورت میں جہنم کی ہولناکیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

۴- اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا مکالمہ اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے کے اسباب بھی اس سورت میں ذکر کیے گئے ہیں۔

تمت سورة المدثر بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں پچھتر (۷۵) جبکہ نزول کے اعتبار سے اکتیس (۳۱) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور چالیس (۴۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں قیامت کے احوال اور اس کی ہولناکیوں کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۃ القیامۃ رکھا گیا۔

ماقبل سے ربط

سورۂ مدثر کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے جہنمیوں کے جہنّم میں جانے کا ایک سبب یہ بیان فرمایا تھا کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے حق ہونے کے دلائل اور قیامت کے احوال بیان فرمائے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قیامت'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں قیامت کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور قیامت سے متعلق مختلف شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۲- اس سورت میں انسان کی تخلیق کے مراحل ذکر فرما کر قیامت کے وقوع کی دلیل دی گئی ہے کہ جو ذات انسان کو اتنے مراحل سے گزار کر پیدا کر سکتا ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝

نفسِ انسانی کی اَقسام

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے دِن اور نفسِ لوامہ کی قسم کھا کر قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا۔ انسانی نفس کی تین اقسام ہیں:

۱۔ **نفسِ اَمّارہ**: جو انسان کو گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے خلاف ایسے ہی جنگ کرنی چاہیے جیسے شیطان کے خلاف کی جاتی ہے۔ اس کے تقاضوں کو دبانا چاہیے اور اس پر محنت کرنی چاہیے، جب اس پر محنت کی جاتی ہے اور ریاضت ومجاہدہ کیا جاتا ہے تو یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے۔

۲۔ **نفسِ لوّامہ**: جو خود اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، انسان کو توبہ کی جانب مائل کرتا ہے، اسے استغفار پر ابھارتا ہے۔ جب اس پر مزید محنت کی جائے اور اعمال صالحہ اور اللہ ربّ العزّت کے قرب کے حصول کی مسلسل کوشش کی جائے تو یہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔

۳۔ **نفسِ مطمئنہ**: وہ نفس ہے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلافِ شرع کام سے طبعی نفرت ہونے لگے۔

تو اللہ ربّ العزّت نے یہ قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا کہ انسان کیا سمجھتا ہے کہ جب وہ موت کے بعد مٹی ہو جائے گا اور اس کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گی تو ہم ان کو دوبارہ کیسے جمع کریں گے، جبکہ ہم تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پورے بھی دوبارہ اسی طرح بنا دیں۔ حالانکہ اربوں انسانوں میں ایک انسان کے پورے دوسرے انسان سے نہیں ملتے، ہر ایک کا فنگر پرنٹ دوسرے سے مختلف ہے، اسی لیے ہر زمانے میں انگوٹھے کے نشان اور فنگر پرنٹس کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر سرکاری دستاویزات اور عدالتی فیصلوں میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔

قیامت کے اَحوال

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند احوال بیان فرمائے کہ جب قیامت آئے گی تو نگاہیں چندھیا جائیں گی، چاند اور سورج بے نور کر دیے جائیں گے، انسان اس دن اپنے لیے کوئی راہِ فرار تلاش کرے گا، لیکن اس کو کوئی

جائے فرار نہیں ملے گی، ہر ایک کو اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہوگا، جہاں اسے اس کے اگلے پچھلے سب اعمال کی اطلاع دی جائے گی، انسان اس دن مختلف بہانے بنائے گا اور مختلف عذر بیان کرے گا لیکن اس کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ۝ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۝ وَقِیْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ ࣙالْمَسَاقُ ۝ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰى ۝ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِ ࣧ الْمَوْتٰى ۝

اللہ ربّ العزّت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص ہدایت

حضرت جبرائیل علیہ السلام جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس وحی لے کر نازل ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یاد رکھنے کی غرض سے جلدی جلدی پڑھنا شروع کر دیتے تا کہ وحی کا کوئی حصہ یاد سے رہ نہ جائے، یہ عمل کافی دشوار گزار ہوتا، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیک وقت وحی کو کان لگا کر سننا بھی پڑتا اور یاد رکھنے کی غرض سے اسے دہرانا بھی پڑتا تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سہولت کی غرض سے فرمایا: ”لا تحرك به لسانك لتعجل به“ کہ اے حبیب! آپ قرآن پاک کو عجلت کے ساتھ نہ پڑھا کیجیے، کیونکہ قرآن پڑھانا اور ان تمام آیات کو آپ کے دل میں جمع کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے اور پھر اس کو آپ سے اسی طرح پڑھوا دینا اور اس کی تشریح و وضاحت کروانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس لیے اب سے آپ وحی نازل ہوتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ اس وقت خاموش ہو کر سنا کریں اور جب وہ فارغ ہو جائیں تب پڑھ کر سنا دیا کریں۔

اس آیت سے دو فائدے حاصل ہوئے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- اَحادیث حُجت ہیں

۱- پہلا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن جمع کرنے کی ذمہ داری بھی لی اور اس کی وضاحت اور تشریح کی ذمہ داری بھی اپنے ذمہ لی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن کریم حجت ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین بھی حجت ہیں، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین اور احادیث مبارکہ دراصل قرآن پاک کی تشریح اور وضاحت ہی ہیں جو اس آیت کی رو سے اللہ ربّ العزّت کے ذمہ ہے، تو گویا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث اللہ ربّ العزّت ہی کی تعلیم کردہ باتیں ہیں۔

۲-اِتباعِ قرآن کا معنی

۲-اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن پاک پڑھ کر سنا رہے ہوں تو آپ ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں، بلکہ اس وقت خاموشی اختیار کرکے ان کی تلاوت سماعت فرمایا کریں۔اس سے ایک فقہی مسئلہ میں احناف کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ باجماعت نماز میں جب امام قراءت کررہا ہو تو مقتدیوں کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے، اور امام کے پیچھے قراءت نہیں کرنی چاہیے۔اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے الفاظ اور معانی وغیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے لی ہے، لہٰذا دنیا کی کوئی طاقت دین اور قرآن وحدیث کو ختم یا تبدیل نہیں کرسکتی۔

قیامت کے چند مزید اَحوال

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قیامت کے چند مزید احوال بیان فرمائے کہ اس دن بعض چہرے تر وتازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہوں گے، جبکہ بعض چہرے اس دن نہایت بد رونق ہوں گے، اور وہ اللہ رَبّ العزّت کے عذاب کا سوچ سوچ کر دل میں ڈر رہے ہوں گے۔

موت کا منظر

قیامت کے احوال بیان فرمانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے موت کے وقت کی حالت بیان فرمائی ہے اور انسان کو متوجہ کیا ہے کہ وہ اپنی موت کو نہ بھولے اور موت سے پہلے پہلے ایمان اور عمل صالح کی طرف آجائے تاکہ آخرت میں نجات مل سکے، چنانچہ مذکورہ بالا آیات میں موت کا نقشہ کچھ یوں کھینچا کہ جب موت سر پر آکھڑی ہو اور روح ہنسلی میں اٹک جائے اور تیماردار عیادت کرنے والے دوا اور علاج سے عاجز آکر جھاڑ پھونک کرنے والوں کو تلاش کرنے لگیں اور ایک پاؤں کی پنڈلی دوسری پر لپٹنے لگے، ایڑی ایڑی سے ملنے لگے تو یہ وقت اللہ رَبّ العزّت کے پاس جانے کا ہوتا ہے، اس وقت نہ توبہ قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی عمل کام آتا ہے، اس لیے عقل مند پر لازم ہے کہ اس وقت سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے۔کیونکہ جو خالی ہاتھ اپنے پروردگار کے پاس گیا اور اس نے اپنی زندگی میں نہ نماز پڑھی ہو اور نہ صدقہ دیا ہو، بلکہ احکام شرع کو جھٹلاتے ہوئے تکبّر کرتا رہا ہو تو اس شخص کے لیے سوائے پچھتاوے اور ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

تخلیقِ اِنسانی کے مراحل

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے انسان کی تخلیق کے مراحل بیان کرتے ہوئے موت کے بعد کی زندگی کو ثابت فرمایا۔چنانچہ ارشاد فرمایا کہ انسان کو کیا لگتا ہے کہ اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا اور اس سے کوئی سوال وجواب اور حساب وکتاب نہیں ہوگا۔ذرا انسان کی تخلیق پر غور کیجیے کہ اسے منی کے ایک ناپاک قطرے سے پیدا کیا گیا، پھر وہ جمے ہوئے

خون کا ایک لوتھڑا بن گیا، پھر اللہ ربّ العزّت نے اس کے اعضا برابر کر کے اسے زندگی دے دی، اور انہیں جوڑا جوڑا بنا دیا۔ تو جس رب نے انسان کو اتنے مراحل سے گزار کر زندگی دی ہو کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندگی دے سکے۔ (کیوں نہیں! یقیناً پروردگارِ عالم اس پر قادر ہے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۂ قیامہ کی اس آیت کی تلاوت کرے تو اس کو یہ کلمات کہنا چاہئیں: "بلی وانا علی ذلك من الشاهدين" یعنی اب میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں جو اس کی گواہی دیتے ہیں۔ (معارف القرآن)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں قسمیں کھا کر قیامت کے حق ہونے کو ثابت کیا گیا اور اس پر وارد ہونے والے بعض شبہات کا جواب بھی دیا گیا۔

۲۔اس کے بعد قیامت کے چند احوال ذکر کیے گئے ہیں۔

۳۔سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے وحی کے متعلق ایک خاص ہدایت بھی دی گئی ہے۔

۴۔سورت کے آخر میں موت کے مناظر، اور تخلیقِ انسان کے مراحل ذکر فرما کر انسان کو آخرت کی یاد اور قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا۔

تمت سورۃ القیامۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةُ الدَّهْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چھہتر (۷۶) جبکہ نزول کے اعتبار سے اٹھانوے (۹۸) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور اکتیس (۳۱) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱۔ **الدہر:** "دہر" زمانے کو کہتے ہیں، اس سورت کی پہلی آیت میں زمانے کا ذکر ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ دہر رکھا گیا ہے۔

۲۔ **الانسان:** اس سورت میں انسان کی حقیقت، اس کی تخلیق کی ابتداء اور انتہا سے متعلق بحث کی گئی ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ انسان بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں تخلیق انسانی کے مختلف مراحل بیان کیے گئے تھے، اس سورت میں ابتداء آفرینش اور پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے۔

۲۔ گزشتہ سورت میں قیامت کا تفصیلی اور جنت و جہنم کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے، اس سورت میں جنت اور جہنم کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت میں اشرف المخلوقات یعنی انسان کو اعلیٰ ترین مقصد یعنی جنت کے حصول پر اُبھارا گیا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں انسان کی حقیقت اور اس کی تخلیق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲-انسان کو احکام شرع کا مکلف بنانے کا ذکر بھی اس سورت میں موجود ہے۔
۳-نیک لوگوں کے لیے تیار کردہ انعامات کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔
۴-ان اعمال کا تذکرہ جن پر عمل کرکے انسان جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔
۵-کفار کے احوال کا بیان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ
نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ
سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ
اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۝ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ۝ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى
حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ
رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا
صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِیْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا ۝ وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ
ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا ۝ وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَا۠ ۝ قَوَارِیْرَا۟
مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا ۝ وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ۝ عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِیْلًا ۝
وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا
وَّمُلْكًا كَبِیْرًا ۝ عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ
شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

تخلیقِ انسانی کی ابتدا

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ابتداء آفرینش اور انسان کی تخلیق کی ابتداء کا تذکرہ فرمایا کہ انسان پر ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ کہیں اس کا نام ونشان یہاں تک کہ ذکر وتذکرہ بھی نہیں تھا، پھر ہم نے اسے مرد وعورت کے ملے جلے نطفہ پیدا کیا، اسے سننے اور دیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی، اور اسے شعور بخشا، اس سب سے ہماری غرض اور حکمت انسان کی آزمائش تھی کہ وہ ہمارے کہے پر چلتا ہے یا ہماری نافرمانی اختیار کرتا ہے، چنانچہ انبیاء اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ اسے دو راستے دکھادیے کہ یہ راستہ جنت کی طرف اور دوسرا دوزخ کی طرف جاتا ہے، اور اسے اختیار دے دیا کہ ان میں سے جو چاہے اختیار کرے، اس پر ان میں دو گروہ ہوگئے، ایک گروہ ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان کر اس کا شکر ادا کیا اور اس پر ایمان لایا، جبکہ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوا جنہوں نے ہماری نعمتوں کی ناشکری کی اور کافر رہے۔

سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے زنجیریں، طوق اور آگ کا عذاب ہوگا، جبکہ ایمان والوں اور اطاعت گزار لوگوں کے لیے مختلف انواع واقسام کی نعمتیں ہوں گی۔

جنّت کا ایمان افروز تذکرہ

اہلِ جنّت کو جنّت میں جو نعمتیں ملیں گی ان کا تفصیلی تذکرہ اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا ہے کہ ان کو ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، کافور جنّت کے ایک چشمہ کا نام ہے، اس شراب میں لذت وسرور بڑھانے کے لیے اس چشمہ کا پانی اس میں شامل کیا جائے گا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ شراب جس میں کافور ملائی جائے گی یہ عام مومنین کے لیے ہوگی، جبکہ جو لوگ مقربین ہوں گے ان کے لیے بغیر کسی ملاوٹ کے خالص شراب ہوگی۔

پھر چند آیات کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے جنّت کی کچھ مزید نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان جنتیوں کو ریشمی لباس پہنایا جائے گا، وہ آرام وہ مسہریوں پر عزّت وآرام سے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ وہاں گرمی ہوگی اور نہ سردی، بلکہ فرحت بخش معتدل موسم ہوگا، جنّت کے درختوں کے سائے ان جنتیوں پر جھکے ہوئے ہوں گے، اور ان درختوں کے میوے ان کی دسترس میں ہوں گے، جب چاہیں بلا مشقت لے لیں، ان کو چاندی اور شیشہ کے برتنوں میں کھانا اور مشروبات پیش کیے جائیں گے، نیز ان کو ایسی شراب بھی پلائی جائے گی جس میں سلسبیل نامی چشمہ کی آمیزش ہوگی، ان کی خدمت کے لیے حسین وجمیل نوجوان لڑکے ہردم وہر وقت تیار رہوں گے، اس کے علاوہ بھی ان کے لیے بے شمار نعمتیں موجود ہوں گی۔ اور یہ سب نعمتیں ان کو ان کے اعمال اور دنیوی زندگی کی مشقتیں برداشت کرنے کے صلہ میں ملیں گی۔

جنّت میں لے جانے والے اعمال

جنّت کی نعمتوں کے تذکرہ کے درمیان میں اللہ رَبّ العزّت نے چند ان اعمال کا تذکرہ فرمایا جو جنّت میں جانے کا سبب بنتے ہیں، ذیل میں ان اعمال کا اِجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ **منّت پوری کرنا**: پہلا عمل یہ ہے کہ اگر اللہ رَبّ العزّت کے لیے کسی کام کی منّت مانی جائے تو اس کو ہر حال میں پورا کرنا چاہیے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جس کام کی منّت مانی جائے وہ جائز وحلال ہو، معصیت نہ ہو، اگر کسی نے گناہ اور ناجائز کام کی منّت مانی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ناجائز کام نہ کرے، اپنی قسم کو توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

۲۔ **قیامت کا ڈر**: دوسرا عمل روزِ حساب اور اللہ رَبّ العزّت کے سامنے پیشی کا خوف دل میں رکھا جائے، کیونکہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ رَبّ العزّت کے سامنے حاضری کا ڈر ہو وہ گناہوں کے قریب جانے سے گریز کرے گا اور نیکیوں پر عمل کرنے میں جلدی کرے گا۔

۳- **مسکین، یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلانا:** تیسرا عمل غرباء و مساکین، یتیم بچے اور بچیوں اور قیدیوں کو کھانا کھلانا ہے۔ بشرطیکہ کھانا کھلانے کی غرض اللہ ربّ العزّت کی رضا کا حصول ہو، اور کسی دنیوی منفعت یا واہ واہ کی طلب نہ ہو۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُوْرًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ إِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۚ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝ إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِيْنَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ کی خاص ہدایات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ایک خاص انعام کا تذکرہ فرما کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ خاص ہدایات مرحمت فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا ہے، جس کی تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کو یقیناً تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن آپ ان مصائب اور پریشانیوں پر صبر کیجیے، اور جو کافر اور فاسق لوگ آپ کو آپ کے کام سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں ان کی بات پر توجہ نہ دیجیے، صبح شام اللہ ربّ العزّت کا ذکر کرتے رہیے، اور راتوں کو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جایئے، اس سے ان شاء اللہ! کفار کی اذیتوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

یہ کافر تو دنیا کی محبت اور یہاں کی فانی لذتوں میں اس قدر مست ہو چکے ہیں کہ اپنے انجام اور آخرت کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے ان کو مختلف طریقوں سے نصیحت کی ہے، سو اب اگر کوئی شخص اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائے تو ٹھیک، ورنہ ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کی تخلیق کی ابتداء اور اسے نیکی و بدی کا شعور دینے کا تذکرہ فرما کر نیکی کی راہ پر چلنے والوں کے انعامات اور بُرائی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی سزا بیان فرمائی ہے۔

۲- سورت میں جنّت کی نعمتوں کا نہایت دلفریب اور دلکش انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

۳- سورت میں جنّت میں لے جانے والے چند اعمال کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

۴- سورت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چند خاص ہدایات دی گئی ہیں اور کفار کے کفر پر ڈٹے رہنے کی وجہ بیان کر کے ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

تمت سورۃ الدھر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰت

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ستتر (۷۷) جبکہ نزول کے اعتبار سے تینتیس (۳۳) نمبر پر ہے۔ دو رکوع اور پچاس (۵۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۂ مرسلات اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اسی لفظ سے سورت کا آغاز ہوا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اس عذاب کے یقینی طور پر واقع ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''اثباتِ قیامت'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ فرشتوں اور ہواؤں کی قسمیں کھا کر قیامت کی حقانیت کو ثابت فرمایا ہے۔

۲۔ کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم اپنی روش پر برقرار رہے تو اقوامِ سابقہ کی طرح ہلاکت سے دوچار ہو جاؤ گے۔

۳۔ اطرافِ عالم میں پھیلی قدرت کی ان گنت نشانیوں کو جھٹلانے والے لوگوں کو اس سورت میں توبیخ و تنبیہ کی گئی ہے۔

۴۔ روزِ قیامت کافروں کو دیے جانے والے عذاب اور مؤمنین کو ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ بھی اس سورت میں موجود ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًاۙ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًاۙ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًاۙ۝۳ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًاۙ۝۴ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًاۙ۝۵
عُذْرًا اَوْ نُذْرًاۙ۝۶ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌؕ۝۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْۙ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْۙ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ
نُسِفَتْۙ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْؕ۝۱۱ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْؕ۝۱۲ لِیَوْمِ الْفَصْلِۚ۝۱۳ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِؕ۝۱۴ وَیْلٌ
یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ۝۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَؕ۝۱۶ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ۝۱۸ وَیْلٌ
یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ۝۱۹ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍۙ۝۲۰ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍۙ۝۲۱ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍۙ۝۲۲ فَقَدَرْنَا ۖ
فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ۝۲۳ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ۝۲۴ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًاۙ۝۲۵ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًاۙ۝۲۶ وَّجَعَلْنَا
فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًاؕ۝۲۷ وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ۝۲۸

قیامت یقینی طور پر آئے گی!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے پانچ قسمیں کھا کر قیامت کے حق ہونے اور اس کے یقینی طور پر واقع ہونے کو بیان فرمایا ہے، ان پانچ قسموں کا مصداق یا فرشتے ہیں یا ہوائیں، مفسرین کرام سے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں، علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں سے پہلی تین قسمیں ہواؤں کی ہیں جبکہ آخری دو قسمیں فرشتوں کی، اس قول کے مطابق تمام اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ بہر حال اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ان ہواؤں کی قسم جو نرمی سے چلتی ہیں، اور ان ہواؤں کی قسم جو آندھیوں کی شکل میں چلتی ہیں، اور ان ہواؤں کی قسم جو بارش ختم ہونے کے بعد بادلوں کو پھیلا دیتی ہیں، اور ان فرشتوں کی قسم جو وحی الٰہی نازل کر کے حق اور باطل میں فرق واضح کر دیتے ہیں اور ان فرشتوں کی قسم جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی نازل کرتے ہیں۔ ان پانچ قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم سے جو وقوع قیامت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ آگے اس کے واقع ہونے کے وقت کے چند حالات بیان فرمائے کہ جب وہ وعدہ پورا ہوگا اور قیامت آجائے گی تو ستارے بے نور ہو جائیں گے، آسمان پھٹ جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے، وہ فیصلہ کا دن ہوگا، اس دن کافروں اور حق کا انکار کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی۔

اَقوامِ سابقہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے!

اس کے بعد کفّار اور مشرکین کو پچھلی اُمتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے والوں کو بھی ان کے کُفر اور عناد کی وجہ سے ہلاک کر دیا، سو اگر تم بھی اپنی موجودہ روش سے باز نہ آئے اور کُفر اور شرک نہ چھوڑا تو ہم تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے، جیسے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ مجرموں کے لیے ہمارا یہی اصول ہے۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے تاکہ ان میں غور وفکر کر کے یہ راہِ راست پر گامزن ہوسکیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنی خلقت پر ذرا غور کرو، ہم نے تمہیں ذلت والے پانی (مادۂ منویہ) سے پیدا کیا، جسے ہم نے ایک مقررہ مدت تک ماں کے رحم میں رکھا، اور پھر تمہیں زندگی بخش دی اور اس جہان رنگ وبو میں بھیج دیا۔ اسی طرح تم اپنے اردگرد نظریں دوڑاؤ تو تمہیں ہر طرف اس پروردگار کی قدرت کے بے شمار نمونے نظر آئیں گے، اس نے زمین کو پیدا فرمایا جس پر انسان کی زندگی بسر ہوتی ہے اور موت کے بعد اسی مٹی میں دفنا دیا جاتا ہے جہاں وہ پھر مٹی ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ اونچے اونچے پہاڑ اس کی قدرت کی نشانی ہیں، اس نے زمین سے میٹھے پانی کے چشمے جاری فرمادیے۔ ان سب نشانیوں میں غور وفکر کرو تاکہ تمہیں علم ہو کہ اس کائنات کا خالق اور مالک صرف ایک ہی ذات ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ
اللَّهَبِ ۭ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۚ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۭ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا يَوْمُ لَا
يَنْطِقُوْنَ ۙ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ
وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۧ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ
وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَيْلٌ
يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ
ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۧ

”منکرین“ کا انجام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے منکرین قیامت کے انجام کو بیان فرمایا کہ جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہوگی، ان کے لیے تین شاخوں والا دھواں ہوگا، جو نہ سایہ دے گا نہ آگ سے بچائے گا، اس میں سے آگ کے اتنے بڑے بڑے شعلے برسیں گے جیسے کوئی بڑا محل ہو، اور جب وہ شعلے زمین پر پہنچ کر ٹوٹیں گے تو ایسے لگیں گے جیسے اونٹ ہوں۔ اللہ ہم سب کو اس عذاب سے بچائے۔ آمین

”متقین“ کا انجام

اس کے برعکس جو متقین ہوں گے وہ اللہ کی جنتوں کے سایہ میں ہوں گے، اور چشموں میں ہوں گے اور من چاہے میووں سے لطف اندوز ہوں گے، ان سے کہا جائے گا کہ مزے سے کھاؤ پیو، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف قسمیں کھا کر قیامت کی حقانیت کو ثابت فرمایا ہے، اور قیامت کے چند احوال ومناظر بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۲۔سورت میں گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے تذکرے کیے گئے ہیں اور کائنات میں پھیلے قدرت کے چند نمونوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ کافران میں غور وفکر کر کے راہِ راست پر گامزن ہوسکے۔

۳۔سورت میں حق کو جھٹلانے والوں کا انجام اور ان کی سزاؤں اور ایمان والے متقین کا ثواب اور ان کے لیے تیار کردہ نعمتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورة المرسلات بعون اللہ سبحانہ وتعالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَةُ النَّبَاِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں اٹھتر (۷۸) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اسی (۸۰) ہے، دو رکوع اور چالیس (۴۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں:

۱۔ النبأ: نبأ کا معنی خبر ہے، اور اس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے، سورت کے آغاز میں کفار کا قیامت کے بارے میں مذاکرہ اور سوال وجواب کا ذکر ہے، اسی لیے اس سورت کا نام سورۃ النبأ رکھا گیا ہے۔

۲۔ عم یتساءلون: چونکہ سورت کا آغاز اسی لفظ سے ہوا ہے اس لیے اس سورت کو سورۂ عم یتساءلون بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی قیامت اور جنت وجہنم کا تذکرہ کیا گیا تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''عقیدۂ قیامت'' کو ثابت کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں قیامت کے بارے میں کفار کا باہمی مذاکرہ ومباحثہ ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ آفاقِ عالم میں پھیلی قدرت کی مختلف نشانیوں کا تذکرہ ہے۔

۳۔ کفار اور مؤمنین کی اُخروی سزا اور جزا کا ذکر بھی اس سورت میں موجود ہے۔

پارہ نمبر ۳۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا
سَيَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ
سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّجَعَلْنَا
سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

قیامت کے متعلق کفّار کا باہمی مذاکرہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوّت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو قرآن کریم پڑھ کر سنایا اور انہیں قیامت کے دن سے آگاہ کیا تو کفّارِ مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق رائے زنی اور چہ میگوئیاں کرنے لگے، عام طور پر ان کا یہ باہمی مذاکرہ اور آپس میں سوال و جواب محض طنز و استہزاء کے لیے ہوتا تھا، اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں ان کے اسی مکالمہ کو بیان فرمایا کہ وہ کافر آپس میں کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں، بڑی خبر کے بارے میں (قیامت کے بارے میں)، اس کے متعلق یہ بہت جلد واقف ہو جائیں گے۔

قدرتِ خداوندی کے چند نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمائے، جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ کاملہ سے یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس سارے جہان کو ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پھر ویسا ہی پیدا کر دے۔ ان دلائل و نشانیوں میں زمین اور پہاڑوں کی تخلیق، انسان کی تخلیق، مرد اور عورت کے جوڑے کی صورت کا بیان، اور انسان کی راحت و صحت اور معاش کے اسباب اور اس کے لیے سازگار حالات پیدا کرنے کا ذکر فرمایا، ان نعمتوں میں نیند کا تذکرہ فرمایا جو تھکان اتارنے کا ذریعہ ہے۔ رات اور دن کے مرتب نظام اس پاک ذات نے بنایا، آسمان بنائے، سورج بنایا، بادلوں سے پانی برسایا، زمین سے پھل پھول اور باغات اگا دے۔ تو جو پروردگار اتنی شاندار کائنات بنا کر اسے نہایت احسن انداز میں چلانے پر قادر ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝
وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا
يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝
وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ

مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَاَعۡنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَاۡسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً
مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوۡمَ
يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۗ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ
فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۖۚ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ
الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

قیامت کی ہولناکی اور کفار کا انجام

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی اور کفار کے انجام کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کا وقت متعین ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو صور پھونکا جائے گا، اور ساری کائنات فنا ہو جائے گی، دوسری مرتبہ صور پھونکنے پر سب زندہ ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائیں گے، پہاڑ اپنی جگہوں سے چلا دیے جائیں گے، اس دن کفار اور سرکش مجرموں کو جہنّم میں ڈال دیا جائے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور مختلف قسم کے عذابات کا مزہ چکھیں گے، نہ انہیں وہاں کوئی راحت نصیب ہوگی نہ کوئی ٹھنڈک، پینے کے لیے سخت کھولتا پانی اور جہنمیوں کے زخموں کی پیپ ملے گی۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

"متقین" کا اُخروی انجام

جبکہ اس کے برعکس جو لوگ ایمان اور تقویٰ والے ہوں گے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوں گے، انہیں آخرت میں جنت نصیب ہوگی جہاں انہیں من چاہی زندگی اور نعمتیں ملیں گی، مختلف باغات ہوں گے، ہم عمر دوشیزہ بیویاں ملیں گی، چھلکتے ہوئے جام دستیاب ہوں گے، وہاں نہ کوئی فضول بات سننے کو ملے گی اور نہ کوئی جھوٹ بولے گا، اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں قیامت کے متعلق کفار کا باہمی مذاکرہ بیان کرنے کے بعد قیامت کے کچھ احوال بیان کیے گئے ہیں۔
۲۔ اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے چند نمونے اور اس کی توحید کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔
۳۔ کفار و مشرکین اور مؤمنین و متقین کا اُخروی انجام بھی اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

تمت سورة النباء بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰت

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآن کریم کی ترتیب میں یہ سورت اناسی (۷۹) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اکیاسی (۸۱) ہے۔ دو رکوع اور چھیالیس (۴۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ سورت کا آغاز اسی لفظ سے کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ نازعات رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی قیامت کے احوال، نیک مسلمانوں کے انجام اور کافروں کے ٹھکانے کا ذکر کیا گیا تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قیامت کی ہولناکیوں سے آگاہ کرنا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں قیامت کے بعض احوال بیان کیے گئے ہیں۔

۲- آفاق عالم میں پھیلی قدرت کی نشانیاں اور توحید کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۳- قیامت میں لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں ہوں گے، مومنین الگ گروہ میں ہوں گے جبکہ کافروں کا الگ گروہ ہوگا۔

۴- سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا علم صرف اللہ رب العزت کی ذات کو ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ يَوْمَ

تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۙ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ۙ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۙ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۙ

وقوعِ قیامت پر کفّار کے شبہ کا جواب

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے فرشتوں کی چند صفات بیان کر کے ان کی قسم کھا کر قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا اور وقوعِ قیامت پر کفّار کے ایک شبہ اور اعتراض کو ذکر فرما کر اس کا رد کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ان فرشتوں کی قسم جو سختی سے روح نکالتے ہیں، اس سے مراد کافروں کی روح ہے، اس کے بعد ان فرشتوں کی قسم کھائی جو مومن کی روح نرمی سے نکالتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی قسم کھائی جو روحوں کو تیزی سے لے جاتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی قسم جو اللہ کے حکم میں سبقت کرتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی قسم جو روحوں کے ٹھکانوں کا انتظام و انصرام کرتے ہیں، کہ کن کو جنّت میں لے جانا ہے اور کن کو جہنّم میں لے جانا ہے۔

ان سب فرشتوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ قیامت آ کر رہے گی۔ اور جب وہ آئے گی تو دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا، پہلی دفعہ میں کائنات فنا ہو جائے گی اور دوسری دفعہ میں سب دوبارہ زندہ ہو کر اپنے پروردگار کے دربار میں پہنچیں گے، وہ دن بہت ہیبت ناک ہوگا، دل دہل رہے ہوں گے، آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ یہ ان کا اخروی انجام ہوگا، جبکہ ان کی دنیوی حالت یہ تھی کہ جب ان کو قیامت کے بارے میں آگاہ کیا جاتا تھا تو یہ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ کیا جب ہم مٹی مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ (ایسا تو ناممکن لگتا ہے) اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ ہمارے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں، جب وہ دن آئے گا تو صرف ایک چیخ کی آواز ہوگی اور سب اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوں گے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۖ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۖ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۗ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اِجمالی تذکرہ

قیامت کے تذکرہ کے دوران اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور حوصلہ کے لیے اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے کہ جب وہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ مدین سے مصر تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں انہیں ایک جگہ آگ دکھائی دی، جب وہ اس آگ کے قریب پہنچے تو اللہ ربّ العزّت

نے ان سے کلام فرمایا اور انہیں نبوّت سے سرفراز فرمایا، اور انہیں حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اسے حق کا پیغام سناؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رَبّ العزّت کے حکم کے مطابق فرعون کے پاس تشریف لے گئے، اسے اللہ رَبّ العزّت کا پیغام سنایا، دینِ حق کی طرف دعوت دی، اسے معجزات دکھائے، لیکن فرعون نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور لوگوں کو جمع کر کے خطاب کیا جس میں اس نے کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے اسے ہلاک کر دیا، اور اسے اس کے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا، پھر اس کی لاش کو نشانِ عبرت بنا دیا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۟ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۪
وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۪ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۙ مَتَاعًا لَّكُمْ
وَلِاَنْعَامِكُمْ ؕ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۟ۖ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ
يَّرٰى ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ فِيْمَ اَنْتَ
مِنْ ذِكْرٰىهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا
عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝

قدرتِ خداوندی کے نمونے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے منکرین قیامت کے اس شبہ کے جواب میں کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ کیے جائیں گے، اپنی قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تمہیں اپنی دوبارہ پیدائش پر تعجب ہو رہا ہے تو ذرا یہ بتاؤ کہ تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا اتنے وسیع و عریض آسمان کی، اسے بھی ہم نے بنایا ہے، پھر رات اور دن کا مرتب نظام بنایا، اتنی وسیع و عریض زمین بنائی، اس میں سے چارہ اور پانی نکالا، اونچے اونچے مضبوط پہاڑ بنائے، تو جو ذات ان سب کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تمہیں بھی دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

''مجرمین'' اور ''متقین'' کا اُخروی انجام

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایمان والوں اور کافروں کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص اپنے اعمال کو یاد کرے گا، تو جو شخص دنیا میں سرکشی پر قائم رہا ہوگا اور اس نے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی پر دُنیا کی فنا ہو جانے والی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو اس کا ٹھکانا جہنّم ہوگا۔ جبکہ اس کے برعکس جو شخص دنیا میں ہی آخرت کی تیاری میں لگا رہا اور اسے قیامت میں اللہ رَبّ العزّت کے سامنے پیشی کا ڈر اور خوف لاحق رہا جس کی وجہ سے وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہا تو اس کا ٹھکانا جنّت ہوگا، جہاں وہ من چاہی زندگی کا لطف حاصل کرے گا۔

قیامت کا علم صرف اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے!

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے کفار کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے کہ وہ کب آئے گی؟ اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت صرف اپنے پاس رکھا ہے، اس کی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی، اس لیے یہ مطالبہ لغو ہے۔ لہٰذا قیامت کا وقت معلوم کرنے کے بجائے اس کی تیاری میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا چاہیے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے فرشتوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے حق ہونے کو ثابت فرمایا، اور اس ضمن میں کفار کے ایک شبہ کو ذکر فرما کر اس کا رَدّ بھی فرمایا ہے۔

۲۔ سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اِجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ سورت میں قدرتِ باری تعالیٰ کے چند نمونے ذکر کیے گئے ہیں تاکہ ان میں غور وفکر کر کے قیامت کے واقع ہونے کو تسلیم کیا جا سکے۔

۴۔ سورت کے آخر میں منکرینِ قیامت اور مؤمنین کا اخروی انجام بیان فرمایا گیا ہے اور کفار کے ایک سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ النازعات بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَةُ عَبَسَ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے اسی (۸۰) نمبر پر واقع ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ چوبیس (۲۴) نمبر پر ہے، ایک رکوع اور بیالیس (۴۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، چونکہ سورت کا آغاز اسی لفظ سے ہوا ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۂ عبس رکھ دیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں بھی قیامت کے چند احوال کا بیان تھا، اس سورت کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "کمزور اور ضعیف مسلمانوں کا خیال رکھنا اور ان کی غمخواری کرنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک واقعہ پر پیار بھری ڈانٹ پلائی ہے۔

۲۔اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم عقل اور فہم رکھنے والوں کے لیے نصیحت کا سب سے بڑا سامان ہے۔

۳۔مختلف قدرت کی نشانیاں بیان فرما کر توحید باری تعالیٰ کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔

۴۔قیامت کی ہولناکی اور نیک و بدلوگوں کا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا
مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝
فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝
بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفّار کے بعض بڑے سرداروں کے ساتھ میٹنگ اوران کودعوت دین دینے میں مشغول تھے جن میں ابوجہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف اور شیبہ وغیرہ شامل تھے، کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی جن کا نام حضرت عبداللہ بن ام مکتوم تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قرآن سیکھنے کی غرض سے حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ "عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ" یعنی جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے اس میں سے مجھے بھی سکھایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرا، جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ پکے مسلمان اور ہر وقت کے حاضر باش تھے وہ کسی دوسرے وقت میں بھی سوال کرسکتے تھے، اس لیے ان کے جواب کو مؤخر کرنے میں کسی دینی نقصان کا اندیشہ نہیں تھا، جبکہ دوسری طرف قریش کے سرداران ہر وقت آپ کی خدمت میں آتے اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا جاسکتا تھا، اور اس وقت وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات سن رہے تھے جس سے ان کے ایمان لانے کی توقع تھی، اس لیے آپ کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرا، لیکن چونکہ آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اس لیے زبان سے ان کو کچھ نہ کہا البتہ پیشانی پر شکن آگئی، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ایک نابینا (صحابی) کے آنے سے چیں بہ جبیں ہوئے اور آپ نے تیوری چڑھالی، حالانکہ وہ دین سیکھنے اور نصیحت حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی خدمت میں آیا تھا، اس کی طلب صادق تھی، جبکہ جن لوگوں کو آپ تبلیغ کر رہے تھے ان کو تو طلب ہی نہیں ہے، اور آپ طلب والے کو چھوڑ کر بے طلب لوگوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ایسا نہ کیجیے۔ کیونکہ اس صحابی کا نفع تو یقینی ہے جبکہ ان لوگوں کا نفع غیر یقینی، تو یقینی نفع کو چھوڑ کر غیر یقینی نفع کے پیچھے پڑنا درست نہیں ہے۔

اس واقعے کے بعد حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو

آپ ان کو دیکھ کر فرماتے: "مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِي فِيهِ رَبِّي" "اس شخص کو خوش آمدید جس کے لیے مجھے میرے رب نے ڈانٹ پلا دی۔ (تفسیر عثمانی)

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِنْ نُطْفَةٍ ۭ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ۝ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ۝ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۝ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝

قدرتِ خداوندی کے چند نمونے

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے، اور اپنی ان نعمتوں کو ذکر فرما کر جو انسان کی تخلیق سے آخر تک اس کو بارگاہِ خداوندی سے دی جاتی ہیں اور اسے ان نعمتوں پر شکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ انسان کس قدر ناشکرا ہے، ہم نے اسے کتنی نعمتیں دیں، اس کے باوجود وہ خدا کا بھی انکار کرتا ہے، قیامت کا بھی منکر ہے، حالانکہ وہ اپنی تخلیق پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے، وہ ایک ناپاک پانی کے قطرے سے پیدا کیا گیا ہے، پھر اس کو ایک خاص حکمت اور اندازہ سے بنایا، اس کے قد و قامت اور شکل وصورت کو ایک خاص اندازہ سے ترتیب دیا، پھر اسے جہان رنگ وبو میں زندگی دے کر بھیج دیا، جہاں اس کے لیے انواع واقسام کی نعمتیں مہیّا کر دیں، اسے خوراک اور غذا عطا کی، جس کے لیے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، زمین سے سبزہ اگایا، مختلف قسم کے پھل اور ترکاریاں پیدا کیں، جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا، میوہ جات اور باغات بنائے، یہ سب انعامات اس پر کرنے کے بعد جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو اسے قبر بھی ہم عطا کرتے ہیں۔ ان سب نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کا شکر ادا کرے اور اس کے احکامات کی پاسداری کرتا رہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

قیامت کی ہولناکی اور مؤمنین ومجرمین کا انجام

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی اور اہلِ ایمان اور کفّار کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچے گا، کسی کو کسی کی پروا نہیں ہوگی، آدمی اپنے

ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں سے بھاگے گا، ہر کسی کو اپنی نجات کی پڑی ہوگی۔ اس دن وہ لوگ جو دنیا میں ایمان اور نیک اعمال کرتے رہے ہوں گے، ان کے چہرے تر و تازہ اور روشن ہوں گے، ان کے چہروں پر مسکراہٹ ہوگی، جبکہ اس کے برخلاف جو لوگ دُنیا میں کُفر کی زندگی گزار کر آئے ہوں گے ان کے چہروں پر تاریکی اور گرد و غبار چھایا ہوگا، اور وہ نہایت پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک واقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار بھری ڈانٹ پلائی اور کُفّار و مشرکین پر مؤمنین کو ترجیح دینے کا حکم فرمایا۔

۲۔ سورت میں قدرت خداوندی کے بعض نمونے ذکر فرما کر توحید باری تعالیٰ کو ثابت فرمایا اور انسان کو ایمان و شکر کی ترغیب دی۔

۳۔ سورت کے آخر میں قیامت کی ہولناکی اور مؤمنین و کُفّار کے اُخروی انجام کو بیان فرمایا۔

تمت سورۃ عبس بعون اللہ سبحانہ و تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّكْوِيْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں اکیاسی (۸۱) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ساتواں ہے، ایک رُکوع اور اُنتیس (۲۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کی پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے سورج کے لپیٹ دیے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے، اور لپیٹنے کو عربی میں ''تکویر'' کہا جاتا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ تکویر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ عبس کے آخر میں قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ تھا، اس سورت میں بھی قیامت کے احوال اور اس کی ہولناکی کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ ''اللہ کے راستے پر چلنے میں تمہارے لیے امن ہے، اللہ کے راستے کو چھوڑو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔''

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں قیامت کی ہولناکی اور نفخہ اولیٰ و نفخہ ثانیہ کے بعد کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔

۲۔ سورت میں وحی کی حقیقت بھی بیان کی گئی ہے، جس کے لیے چند دلائل قدرت کی قسم کھائی گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو ثابت کیا گیا اور قرآن کریم کے وحی ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی مشیت اللہ ربّ العزّت کی مشیت پر غالب نہیں آ سکتی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا

الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ
قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ۝

قیامت کی ہولنا کی

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولنا کی کو بیان کرتے ہوئے وقوعِ قیامت کے وقت دنیا کی اور میدانِ محشر کے چند احوال بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو سورج لپیٹ دیا جائے گا، ستارے بے نور ہو جائیں گے، پہاڑ اپنی جگہ سے سرکا (ہلا) دیے جائیں گے، دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں (جو عرب کا سب سے قیمتی سرمایہ شمار ہوتی ہے) ایسے ہی چھوڑ دی جائیں گی، وحشی جانور بدحواس ہو کر انسانوں میں آجائیں گے، سمندروں میں آگ لگا دی جائے گی، اور میدانِ محشر میں لوگ جوڑے جوڑے بنا دیے جائیں گے، ایمان والے ایک جگہ، کافر ایک جگہ، پھر مختلف اعمال والے لوگ ایک ساتھ ہوں گے، جیسے زانی ایک طرف، شرابی ایک طرف، بے نمازی ایک طرف وغیرہ، پھر اللہ ربّ العزّت ان بچیوں کے متعلق سوال کریں گے جن کو ان کے والدین نے زندہ دفن کر دیا تھا، کہ کس گناہ میں وہ قتل ہوئیں؟ زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ لڑکی کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے تھے اور اس کو زندہ ہی دفن کر دیتے تھے، اسلام نے یہ رسم بد مٹائی۔ پھر اعمال نامے پھیلا دیے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، آسمان کو کھول دیا جائے گا، دوزخ دہکا دی جائے گی اور جنّت قریب لائی جائے گی۔ اس دن ہر آدمی کو اس کے اعمال کے نتیجے کا علم ہو جائے گا۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
كَرِیْمٍ ۝ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ
بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ۝ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

قرآن وحیِ برحق ہے!

قیامت کے تذکرہ کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں قرآن کریم کی حقانیت کو بیان فرمایا اور اس کے لیے متعدد قسمیں کھائیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مجھے ستاروں کی قسم، رات کی تاریکی کی قسم اور صبح کے سویرے کی قسم، یہ (قرآن باری تعالیٰ کا کلام ہے) اور اسے اللہ ربّ العزّت کی جانب سے ایک ایسا فرشتہ لایا ہے جو عزّت والا بھی ہے اور طاقتور بھی، وہ اللہ ربّ العزّت کے عرش کے پاس رہتے ہیں، آسمان کے فرشتے ان کا حکم بجالاتے ہیں، اور اللہ ربّ العزّت کے نزدیک وہ امانت دار ہیں، وہ وحی لانے اور انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ ربّ العزّت کا پیغام پہنچانے میں کوئی خیانت اور کمی بیشی نہیں

کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے، آپ ان سے خوب واقف ہیں، اس لیے وحی میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ تو اللہ ربّ العزّت کی طرف سے تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے، اس لیے اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے، اور اپنی ہدایت کے لیے باری تعالیٰ کی طرف رجوع بھی کرنا چاہیے، کیونکہ اس کی مشیت کے بغیر کسی کو نصیحت اور ہدایت نہیں مل سکتی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی اور نفخۂ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں۔

۲- سورت میں حقانیت قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کفّار کے ایک اعتراض کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

۳- سورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اوصاف بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ التکویر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَار

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔قرآنی ترتیب اور نزول دونوں اعتبار سے یہ سورت بیاسی (۸۲) نمبر پر ہے،ایک رُکوع اور اُنیس (۱۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

انفطار کا معنی ہے: ''پھٹنا'' چونکہ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزت نے آسمان کے پھٹنے کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ انفطار رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی قیامت کی ہولناکی اور اس کے احوال کا بیان تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''فانی دنیا کے دھوکے میں نہ آنے کی تلقین کرنا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں قیامت کے چند احوال بیان کیے گئے ہیں۔
۲۔انسان کا دنیا کے دھوکے میں آجانے اور اپنے پروردگار سے غافل ہوجانے کا بیان ہے۔
۳۔سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں۔
۴۔نیک اور بدلوگوں کے اخروی انجام کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۝ وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۝
یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ وَ مَا هُمْ
عَنْهَا بِغَآىٕبِیْنَ ۝ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ
لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ۝

قیامت کے چند مناظر

اس سورت کے آغاز میں بھی اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند اَحوال اور مناظر بیان فرمائے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، دریا بہہ پڑیں گے، قبریں اکھیڑ دی جائیں گی، اس دن ہر شخص کو اپنے اعمال اور ان کے نتائج کا پتہ چل جائے گا۔

اللہ ربّ العزّت کا انسان سے شکوہ

قیامت کا احوال بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسان کو اپنی چند نعمتیں گنوا کر اس سے شکوہ کیا ہے کہ اے انسان! تجھے تیرے کریم رب سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے، تجھے بہترین شکل وصورت میں بنایا، تمہارے اعضا کو ایک اندازہ اور برابری سے پیدا فرمایا، ان سب کا تقاضا تھا کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، لیکن تم بجائے شکر ادا کرنے کے قیامت کا انکار کرتے ہو، جبکہ اللہ ربّ العزّت نے تم پر نگران فرشتے مقرر فرمائے ہیں وہ تمہارا ایک ایک عمل اپنے پاس درج کر رہے ہیں، تمہارے ہر عمل اور ہر قول وفعل سے واقف ہیں۔ اس لیے تمہارا قیامت کا انکار کرنا بالکل بے کار ہے۔ قیامت تو واقع ہو کر رہے گی، اس دن ہر کسی کو اس کے عمل کی جزا اور بدلہ ملے گا، نیک لوگ اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں میں جبکہ کافر اور فاسق فاجر لوگ جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے، اور کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا، اسی دن سب اختیار اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہوگا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے چند احوال اور مناظر بیان فرمائے ہیں۔

۲۔اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے چند انعامات کا تذکرہ فرما کر انسان سے شکوہ کیا ہے کہ تم ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے اپنے رب کے احکام سے روگردانی کرتے ہو۔

۳۔سورت کے آخر میں نیک اور بد لوگوں کی جزا اور سزا اور دنیا میں ان کے اعمال کی نگرانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الانفطار بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْن

سورت کا تعارف

یہ سورت بعض حضرات کے نزدیک مکی ہے اور بعض کے نزدیک مدنی، قرآنی ترتیب میں تراسی (۸۳) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چھیاسی (۸۶) ہے۔ ایک رکوع اور چھتیس (۳۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

مطففین، تطفیف سے مشتق ہے، تطفیف کسی کے حق مارنے کو کہتے ہیں، اس سورت کے آغاز میں حق تلفی کرنے والوں کی ہلاکت کی وعید سنائی گئی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ مطففین رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ انفطار کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے نافرمانی کرنے والوں کے انجام کو بیان فرمایا تھا، اس سورت کے آغاز میں بھی نافرمان لوگوں کے لیے ہلاکت اور تباہی کی وعید بیان کی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اسلام میں اخلاقِ حسنہ کا مقام اور درجہ بیان کرنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں دوسروں کا حق مارنے والوں کو ہلاکت اور تباہی کی وعید سنائی گئی ہے۔

۲۔ کفار کو جہنم کی وعید سنانے کے ساتھ، ان کے کفر کے اسباب بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۳۔ مؤمنین کو جنت کی بشارت سنائی گئی ہے اور انہیں بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

۴۔ مؤمنین کو پہنچنے والی تکالیف اور مصائب کا تذکرہ فرما کر انہیں تسلی اور بشارت دی گئی ہے کہ انجام کار بھلائی اور خیر تمہیں حاصل ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝
اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ
الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝
ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ
عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت وہاں یہ رواج عام تھا کہ جب اہلِ مدینہ خود کسی سے سودا لیتے تو ناپ تول کر پورا پورا لیتے تھے اور جب دوسروں کو بیچتے تو اس میں کمی اور چوری کیا کرتے تھے، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس کے بعد وہ لوگ اس بری عادت سے باز آ گئے اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہلِ مدینہ ناپ تول پورا کرنے میں مشہور و معروف ہیں اور مدینہ کا تول ضرب المثل بن گیا ہے۔

دوسروں کا حق مارنے والوں کی مذمت

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو دوسروں کا حق مارتے ہیں، خواہ وہ حق مالی معاملہ اور ناپ تول کا ہو یا کسی اور صورت میں، بہر صورت کسی کا حق مارنے اور حقدار کو اس کا حق نہ دینے کی بھی وعید ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں اور دوسروں کا حق مارنے والوں کے لیے ہلاکت ہے، اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اپنی ذمہ داریوں اور ڈیوٹی وغیرہ میں کوتاہی کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنا حق لینے کا وقت ہو تو پورا لیتے ہیں اور جب دینے کی باری آئے تو کمی کرتے ہیں، یہ گمان نہیں ہے کہ کل اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، اللہ کے سامنے اٹھنا ہے۔

''سجّین'' اور ''علیّین'' کا تعارف

سجّین اور علیین دراصل دو مقامات ہیں۔ سجّین ساتویں زمین کے نچلے طبقہ میں ہے جبکہ علیین ساتویں آسمان میں عرش تلے ہے، مؤمنین اور نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے علیین میں رکھے جاتے ہیں جبکہ کفار و فجار کی روحیں اور ان کے اعمال نامے سجّین میں رکھے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝ يُسْقَوْنَ مِنْ
رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝ عَيْنًا

يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَإِذَا مَرُّوْا بِهِمْ
يَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوْا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوْا إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَضَالُّوْنَ ۝ وَمَا
أُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ۝
هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

جنتیوں کے احوال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے جنّتی لوگوں کے احوال بیان فرمائے کہ وہ نعمتوں میں ہوں گے تختوں پر بیٹھ کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر رونق ہوگی، اللہ ربّ العزّت ان کو مہر لگی ہوئی خالص شراب پلائیں گے، جس کی مہر کستوری کی ہوگی، تسنیم نامی چشمہ سے اس شراب میں ملاوٹ کی جائے گی جس سے اس کے سرور میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ اس لیے تمام لوگوں کو ان جیسی چیزوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، دنیا میں جن چیزوں کو مرغوب سمجھ کر ان کے حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ سب فانی نعمتیں ہیں جو اس قابل نہیں کہ ان کو زندگی کا مقصود بنا کر ان کے حصول میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی دوڑ میں لگ جاؤ۔

اہلِ باطل کا دُنیا میں اہلِ حق سے اِستہزا کا انجام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرزِ عمل کا نقشہ بیان فرمایا کہ کفّار اہل باطل مؤمنین پر ہنستے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے، جب اہل حق ان کے سامنے سے گزرتے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو آنکھ سے اشارے کرتے تھے جس سے مقصود ان کو ایذاء پہنچانا ہوتا تھا، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس طرزِ عمل کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کل قیامت میں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، اس دِن اہل ایمان کافروں کا مذاق اڑائیں گے، ایمان والے جنّت میں ہوں گے، کافر جہنّم میں ہوں گے۔ اور کافروں کو ان کے کیے کا بدلہ ملے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے دوسروں کا حق مارنے والوں اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

۲۔ سورت میں اہل ایمان اور کفّار کے اخروی انجام کو بھی ذکر فرمایا، کافروں کو آخرت میں ملنے والی سزاؤں اور مؤمنین کو ملنے والے اجرِ عظیم اور نعمتوں کا تذکرہ بھی فرمایا۔

۳۔ دنیا میں اہل حق اور دینداروں پر ہنسنے والوں اور ان کا مذاق اڑانے والوں کو ان کے انجام سے باخبر کرتے ہوئے انہیں تنبیہ فرمائی اور انہیں اس برے عمل سے باز رہنے کی تلقین کی گئی۔

تمت سورۃ المطففین بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاق

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چوراسی (۸۴) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر تراسی (۸۳) ہے، ایک رُکوع اور پچیس (۲۵) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

انشقاق کا معنی ہے "پھٹنا" چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں قیامت کے دن آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ انشقاق کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ مطففین میں کفّار اور مؤمنین کے اعمال ناموں کے مقام کا تذکرہ تھا، اس سورت میں اعمال نامہ لوگوں کے ہاتھ میں دیے جانے کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "قیامت کے دن اعمال اور ان کے نتائج کا ظاہر ہو جانا" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اعمال اور نیت کے خالص ہونے کی اہمیت کا بیان ہے۔
۲- متقین اور کفّار کی اخروی جزا اور سزا کا ذکر بھی موجود ہے۔
۳- اللہ ربّ العزّت کی قدرت اور علم کے کمال کو بھی اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۙ
وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۙ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ
ظَهْرِهِ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ۝
بَلَىٰ ۚ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۩ ۝ بَلِ الَّذِينَ
كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ۝ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

قیامت کی ہولناکی کے چند مناظر

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی کے چند مناظر بیان فرمائے ہیں کہ جب قیامت واقع ہوگی تو آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گا اور اس کی اطاعت کرے گا، زمین پھیلا دی جائے گی، حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دِن زمین کو اس طرح کھینچ کر پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے کو کھینچ کر بڑا کر دیا جاتا ہے، اور زمین اپنے اندر کی ہر چیز یعنی مردے، خزانے اور معدنیات وغیرہ سب اگل دے گی اور بالکل خالی ہوجائے گی۔

اس کے بعد فرمایا کہ انسان اپنے رب کے پاس پہنچنے تک یعنی اپنی موت کے وقت مسلسل کام اور کوشش میں لگا رہتا ہے، کوئی نیک اعمال میں مصروف رہتا ہے تو کوئی برے اعمال میں، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا دِن مقرر کیا جائے جس میں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ مل سکے، کیونکہ اگر ایسا کوئی دِن نہ ہو تو عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے وہ دِن اللہ ربّ العزّت نے مقرر فرما دیا ہے جس میں انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اس دِن لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ''متقین'' کا اُخروی انجام

ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ ایمان اور نیک اعمال والے لوگ ہوں گے، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان کا حساب و کتاب آسان ہوگا، جس سے وہ فارغ ہو کر اپنے گھر والوں اور متعلقین کے پاس خوش خوش آئیں گے۔

۲۔ ''کفّار'' کا اُخروی انجام

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یہ کفّار کا گروہ ہوگا، ان کو ان کا نامۂ اعمال ان کی پیٹھ کی جانب سے ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا جس کے بعد ان کو جہنّم کے عذاب میں دھکیل دیا جائے گا، یہ لوگ اس دِن تمنّا کریں گے کہ کاش وہ پھر مر کر مٹی ہو جائیں اور کسی طرح عذاب سے بچ جائیں لیکن یہ ناممکن ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ

بیان فرمائی کہ یہ لوگ دنیا میں اپنے اہل وعیال میں آخرت سے بے فکر ہو کر مگن اور خوش رہا کرتے تھے، بخلاف مؤمنین کے کہ ان کو دنیا کی زندگی میں کبھی بے فکری نہیں ہوتی، ہر عیش و راحت کے وقت بھی آخرت کی فکر ضرور لگی رہتی ہے۔

''انسانی زندگی'' تغیرات اور انقلابات کا نام ہے!

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے چار قسمیں کھا کر انسانی زندگی کے تغیرات اور انقلابات کی طرف اشارہ فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مجھے ۱۔شفق کی قسم، یعنی اس سرخی کی قسم جو غروب آفتاب کے بعد افق پر چھائی ہوتی ہے۔اور ۲۔رات کی قسم۔ ۳۔رات کے اندھیرے میں چھپ جانے والی چیزوں کی قسم، ۴۔مکمل چاند یعنی چودھویں کے چاند کی قسم، انسان ہمیشہ ایک طبقہ اور ایک حالت سے دوسری حالت میں سفر کرتا رہتا ہے، انسان کی پوری زندگی ایک جاری سفر سے عبارت ہے، یعنی وہ اپنی تخلیق کی ابتداء سے اپنی انتہا تک ایک حال پر نہیں رہتا، بلکہ اس کے وجود پر تدریجی انقلابات آتے رہتے ہیں، اس کی تخلیق کا آغاز نطفہ سے ہوتا ہے، پھر وہ خون بنتا ہے، پھر گوشت، پھر ہڈیاں بنتی ہیں، پھر اعضا مکمل ہوتے ہیں، پھر جب وہ پیدا ہو کر اس جہان رنگ و بو میں آجائے تو بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کی منازل طے کرتا ہوا موت کی طرف سفر کرتا رہتا ہے، یہ سفر ایسا ہے کہ اگر انسان اس میں غور و فکر کرے تو اس کی ہدایت کا سبب بن سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود اپنے خالق پر ایمان نہیں لاتا، جب اس کے سامنے اللہ رَبّ العزّت کی واضح ہدایات سے بھرا ہوا قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ اللہ کی طرف نہیں جھکتا، بلکہ الٹا کفر اور شرک اختیار کر کے سرکشی میں بڑھتا جاتا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔اور جو لوگ اللہ رَبّ العزّت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس پر ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں ان کے لیے نا ختم ہونے والا اجر اور ثواب ہوگا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی کے چند مناظر بیان فرمائے۔
۲۔اس کے بعد وقوعِ قیامت کی ایک عقلی وجہ بیان فرمائی کہ قیامت کا واقع ہونا کیوں ضروری ہے؟
۳۔کفّار اور مؤمنین کے اُخروی انجام کا ذکر کیا گیا۔

تمت سورۃ الانشقاق بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْبُرُوْج

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں پچاسی (۸۵) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ستائیس (۲۷) ہے۔ ایک رُکوع اور بائیس ۲۲ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

چونکہ سورت کا آغاز برجوں والے آسمان کی قسم سے کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورہ بروج رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے شروع میں بھی آسمان کا تذکرہ تھا، اس سورت کے آغاز میں بھی آسمان کا ذکر ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں ایمان والوں اور کفّار کے اخروی انجام کو بیان فرمایا تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "عقیدہ کی پختگی اور اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے ڈٹے اور جمے رہنا" ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں خندق والوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے، جو ظاہری طور پر اسباب اور قوت میں کمزور ہونے کے باوجود اپنے عقیدہ پر پختہ رہے، یہاں تک کہ ان کے بادشاہ نے ان کو قتل کروادیا، لیکن ان کے پایۂ استقلال میں جنبش تک نہیں آئی اور انہوں نے ایمان کی حالت میں جان دے دی۔

۲- اس سورت میں ان لوگوں کے لیے وعید بیان کی گئی ہے جو لوگوں کو دینِ حق سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳- سورت میں کامیابی حاصل کرنے کا اصل طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ حقیقی کامیابی ایمان اور نیک اعمال کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔

۴-اس سورت میں گزشتہ اقوام میں سے چند قوموں کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے اپنے وقت میں اللہ رب العزت کے احکام کو جھٹلایا پھر اللہ رب العزت نے انہیں ہلاک فرما دیا۔

۵-سورت میں قرآن کریم کی عظمت اور رفعت شان بھی بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝۱۲ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝۱۳ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝۱۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝۱۵ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝۱۶ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝۱۷ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝۱۸ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝۱۹ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝۲۰ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝۲۱ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۲۲

شانِ نزول

ایک کافر بادشاہ تھا جس کا نام یوسف ذونواس بیان کیا جاتا ہے، اس کے پاس ایک کاہن اور جادوگر تھا جو اپنے فن میں بہت ماہر تھا، جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا علم اور فن میرے ساتھ چلا جائے گا، اس لیے مجھے کوئی سمجھدار لڑکا دے دیا جائے تاکہ میں اسے اپنا علم اور فن سکھا سکوں۔ چنانچہ ایک لڑکے کا انتخاب کیا گیا، جس کا نام عبداللہ بن تامر تھا، اس کی عمر دس سال تھی، اور وہ اس کاہن کے پاس جانے لگا، راستے میں ایک راہب رہتا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماننے والا تھا، اور اس زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین ہی دینِ حق تھا، اس لڑکے نے وہاں بھی آنا جانا شروع کر دیا، اور اس راہب سے انجیل کی تعلیم حاصل کرنے لگا، اور خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا۔

ایک دن اس لڑکے نے دیکھا کہ شہر کے درمیان میں ایک شیر نے راستہ روکا ہوا ہے، جس کی وجہ سے اللہ رب العزت کی مخلوق پریشان ہے، تو اس نے ایک پتھر اٹھایا اور اللہ سے دُعا کی کہ یا اللہ اگر اس راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر میں اتنی قوت پیدا فرما کہ یہ اس شیر کو لگے اور وہ مر جائے، اس نے بسم اللہ پڑھ کر پتھر مارا جس سے شیر مر گیا، شہر میں اس کا چرچا ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے اور اس کے پاس بڑی قوت ہے۔ لوگ اس کے پاس آنے لگے، بیمار آتے دُعا کرواتے تو وہ ٹھیک ہو جاتے۔ بادشاہ کا ایک وزیر اپنے ایک نابینا بیٹے کو اس کے پاس لے کر آیا اور آ کر عرض کی کہ اس کو ٹھیک کر دے، تو اس نے جواب دیا کہ اس کو ٹھیک کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا

پہلے تم کلمہ پڑھو پھر میں اللہ سے دُعا کروں گا، چنانچہ اس وزیر نے کلمہ پڑھا اس نے اللہ سے دُعا کی، وہ اندھا بیٹا ٹھیک ہو گیا۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے اس لڑکے، راہب اور اس وزیر کو گرفتار کروا دیا، اس نے راہب اور وزیر کو تو بے دردی سے قتل کروا دیا اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو پہاڑ پر لے جا کر نیچے گرا دو۔ چنانچہ حسب حکم بچے کو پہاڑ پر لے گئے، لیکن جب گرانے لگے تو جو گرانے آئے تھے وہ خود گر گئے، لڑکا صحیح سلامت واپس لوٹ آیا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو سمندر میں غرق کر دیا جائے، چنانچہ اس کو لے جایا گیا لیکن وہاں بھی جو ڈبونے گئے تھے وہ خود ڈوب گئے اور بچہ صحیح سلامت رہا۔

پھر اس لڑکے نے خود کہا کہ اگر مجھے مارنا چاہتے ہو تو میں ایک طریقہ بتاتا ہوں، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ میرے ترکش سے ایک تیر نکالو اور کہو کہ "باسم رب ھذا الغلام" یعنی اس بچے کے رَبّ کے نام کے ساتھ، پھر وہ تیر مجھے مارو تو میں مر جاؤں گا، انہوں نے ایسا ہی کیا، اور لڑکا شہید ہو گیا۔ جب یہ شہید ہوا تو اس واقعہ کو دیکھ کر پوری قوم نے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئی۔ بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکانِ سلطنت کے مشورے سے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں، ان میں آگ بھڑکائی اور اعلان کر دیا کہ جو شخص اسلام سے نہیں پھرے گا اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا، چنانچہ بہت آدمی جلائے گئے۔ پھر اللہ رَبّ العزّت کا عذاب آیا، جس میں یہ بھی ہلاک ہوا اور اس کی ساری کابینہ بھی ہلاک ہوئی۔ (معارف القرآن)

دِینِ حق سے روکنے والوں کے لیے تنبیہ!

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے قسمیں کھا کر ان لوگوں کی ہلاکت اور تباہی کو بیان فرمایا جنہوں نے بے گناہ لوگوں کو صرف ایمان لانے کے جرم میں آگ کی خندقوں میں جلا ڈالا تھا، چنانچہ سب سے پہلے آسمان کی قسم کھائی اور ارشاد فرمایا کہ برجوں والے آسمان کی قسم، برجوں سے مراد جمہور مفسرین کے مطابق بڑے بڑے ستارے ہیں، اس کے بعد قیامت کے دِن کی، جمعہ کے دِن کی اور عرفہ کے دِن کی قسم کھائی، ان چاروں قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ خندقوں والے (یعنی وہ لوگ جنہوں نے ان ایمان والوں کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا) ہلاک ہو گئے اور اللہ رَبّ العزّت کے غضب کا شکار ہوئے، اور آخرت میں بھی ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ جبکہ ان کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے آخرت میں اللہ رَبّ العزّت نے نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، ان کے لیے جنّت ہو گی جو بڑی کامیابی ہے۔

چند صفاتِ باری تعالیٰ کا بیان

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اپنی چند صفات بیان فرمائی ہیں کہ اللہ رَبّ العزّت ہی ابتداءً پیدا کرنے والا ہے، اور وہی دوبارہ سب کو پیدا کرے گا، اس کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ بہت بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے، اور اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہے، اگر وہ کسی کو پکڑنا چاہے تو کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ اللہ رَبّ العزّت اپنے ہر ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر قادر ہے، وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

گزشتہ ہلاک شدہ اَقوام کا تذکرہ

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے گزشتہ اقوام میں سے چند ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ فرمایا کہ فرعون اور اس کی قوم اور قومِ ثمود نے ہمارے احکام سے روگردانی کی اور کفر اختیار کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور نشانِ عبرت بنا دیا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں ان لوگوں کے لیے وعید بیان فرمائی جو اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے اہل ایمان کو دین حق سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔

۲۔سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی چند صفات بیان فرمائی ہیں اور گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

تمت سورۃ البروج بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الطَّارِق

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے یہ سورت چھیاسی (۸۶) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چھتیس (۳۶) ہے۔ ایک رُکوع اور سترہ (۱۷) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"طارق" سے مراد چمکتا ہوا ستارہ ہے، جس کی سورت کے آغاز میں قسم کھائی گئی ہے، اسی لیے اس سورت کا نام سورۂ طارق رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کا گزشتہ سورت سے ایک ربط یہ ہے کہ ان دونوں کے آغاز میں آسمان کی قسم کھائی گئی ہے، اور دوسرا ربط یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں مردوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "انسان کی تخلیق کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ربّ العزّت اپنے بندوں کے تمام اعمال سے واقف ہے۔

۲۔ سورت میں مردوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے کا ذکر ہے۔

۳۔ قرآن کریم کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے۔

۴۔ کفار کے لیے عذاب اور ہلاکت کی وعید ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝

ہر انسان پر نگران اور محافظ مقرر ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے آسمان اور چمکتے ستارے کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ ہر انسان پر محافظ اور نگران مقرر ہے جو اس کے تمام افعال و اعمال اور حرکات و سکنات کو اپنے پاس محفوظ کرتا جاتا ہے، اور مختلف مصائب و آفات سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہر مؤمن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سو ساٹھ فرشتے حفاظت کے لیے مقرر ہیں جو اس کے ہر ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں، ان میں سے سات فرشتے صرف انسان کی آنکھ کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں، یہ فرشتے انسان سے ہر بلا اور مصیبت کو دور کرتے ہیں، سوائے اس تکلیف کے جو اللہ ربّ العزّت نے اس کے نصیب اور مقدر میں لکھ دی ہے۔ (معارف القرآن)

اِنسان کی تخلیق بعث بعد الموت کی دلیل ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسان کی تخلیق کو ذکر فرما کر اسے غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ تم ذرا غور کرو کہ تمہاری اصل اور ابتداء کس چیز سے ہوئی ہے، تم ایک ناپاک پانی سے پیدا کیے گئے ہو جو مرد کی پشت اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے، جو رب تمہیں ناپاک پانی کے قطرے کے ذریعہ عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ تمہاری موت کے بعد قیامت میں تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس دِن نہ تمہیں عذاب سے بچانے والا کوئی ہوگا اور نہ تم اپنے زور پر اس سے بچ سکو گے۔

قرآن اللہ ربّ العزّت کا فیصلہ کن کلام ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے آسمان اور زمین کی قسم کھا کر قرآن کریم کی حقانیت کو بیان فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ بارش والے آسمان اور کھیتی والی زمین کی قسم، یہ قرآن فیصلہ کن بات ہے، جو حق اور باطل میں فیصلہ کرتا ہے، یہ کوئی مذاق نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے۔

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ کافر لوگ قرآن کو مٹانے کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کی تدبیریں کر رہے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی فکر نہ کیجیے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، میں ان کے خلاف تدبیر کروں گا، یہ میری پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

سورت کا اجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان پر ہم نے نگران اور محافظ فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو ان کے اعمال بھی لکھتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔

۲- اس کے بعد انسان کی تخلیق کو ذکر فرما کر اسے غور و فکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اس میں غور و فکر کر کے وہ اللہ رَبّ العزّت کی توحید اور قیامت پر ایمان لے آئے۔

۳- پھر اللہ رَبّ العزّت نے قرآن کی حقانیت بیان فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی سازشوں کو نظر انداز کرنے کی تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میں ان کے لیے کافی ہوں، اس لیے آپ ان کی فکر چھوڑ دیجیے۔

تمت سورۃ الطارق بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب میں ستاسی (۸۷) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر آٹھواں ہے۔ ایک رُکوع اور اُنیس (۱۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے بلند نام کی تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ اعلیٰ کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں انسان اور نباتات کی تخلیق کا ذکر تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''مؤمنین کو آخرت کی یاد دلانا'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں تخلیقِ انسان کو بیان فرمایا گیا ہے۔

۲۔ سورت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ تقدیر اور ہدایت اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے۔

۳۔ سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے یاد رہنے کی خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آپ کو کبھی قرآن نہیں بھولے گا۔

۴۔ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۵۔ کامیابی کا راستہ اور طریقہ بھی اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۙ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۭ﴿۷﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ښ﴿۸﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۭ﴿۹﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿۱۰﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۱۳﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

اللہ ربّ العزّت کے نام کی تسبیح کیجیے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو، تسبیح سے مراد اللہ ربّ العزّت کا ذکر بھی ہے، نیز اس سے مراد اللہ ربّ العزّت کے نام کی تعظیم وتکریم کرنا بھی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حکم فرمایا کہ "اجعلوھا فی سجودکم" یعنی یہ کلمہ "سبحان ربی الاعلیٰ" اپنے سجدہ میں کہا کرو۔ (معارف القرآن)

توحید باری تعالیٰ کے چند دلائل

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت وہ ہے جس نے ہر ایک کو پیدا کیا، اور ہر ایک کو جو وجود عطا فرمایا اس کی جسامت اور شکل وصورت میں ایک خاص تناسب کا لحاظ رکھا، پھر ہر چیز کو کسی خاص کام میں لگا دیا اور اس کے مناسب اس کو وسائل عطا فرما دیے اور اسے اس کام کا شعور بھی عطا فرما دیا، اسی نے زمین سے چارہ اور سرسبز گھاس نکالا پھر اسے خشک کر کے سیاہ رنگ کر دیا۔ لہٰذا انسان کو سوچنا چاہیے کہ یہ جسم کی شادابی اور خوبصورتی اور چستی وچالاکی اللہ ربّ العزّت کی عطا کردہ ہے، اور انجام کار ہر ایک کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُستاذ حق تعالیٰ ہیں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کوئی آیت سناتے تو آپ کو یہ فکر لاحق ہوتی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ ذہن سے نکل جائیں، اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آپ بھی قرآن کے الفاظ پڑھتے جاتے تھے، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے آپ کو تسلی دی کہ اے نبی! آپ کو قرآن یاد کرانا ہمارے ذمہ ہے، اس لیے آپ بے فکر رہیے، آپ قرآن کی کوئی چیز نہیں بھولیں گے، سوائے اس کے جس کو خود اللہ ربّ العزّت آپ کے

ذہن سے بھلا دیں۔اس لیے آپ اپنے تبلیغ کے کام پر توجہ دیجیے اور ان کو نصیحت کرتے رہیے، شاید ان میں کوئی ڈر والا ہو جسے نصیحت نفع دے، اور نصیحت سے محروم وہی رہتا ہے جو بدبخت ہو، اور ایسے بدبخت کا ٹھکانا جہنم ہے۔جبکہ جس شخص نے اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرلیا، اپنا تزکیۂ نفس کرلیا، اللہ رَبُّ العزّت کے ذکر میں لگا رہا اور نماز ادا کرتا رہا، وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگا۔لہٰذا دنیا کی زندگی کو ترجیح نہ دو، آخرت باقی رہنے والی ہے اور وہی مومنین کے لیے بہتر ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ رَبُّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا۔

۲۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے فریضۂ پیغمبری یعنی تبلیغ احکام کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔شریعت اسلامیہ کے احکامات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے انجام کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الاعلیٰ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْغَاشِيَة

سورت کا تعارف

یہ سورت مکی ہے۔ قرآنی ترتیب میں اٹھاسی (۸۸) نمبر پر ہے جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اڑسٹھ (۶۸) ہے۔ ایک رکوع اور چھبیس (۲۶) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

''غاشیہ'' کا معنی ہے ڈھانپ لینے والی، یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، چونکہ سورت کے آغاز میں قیامت کے احوال بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ غاشیہ رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں وقوعِ قیامت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، اس سورت میں اس کے تفصیلی احوال بیان کیے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''نیک اور برے لوگوں کی جزا اور سزا کا بیان اور قیامت کے احوال کا تذکرہ'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں کفار کی اخروی سزا بیان کی گئی ہے۔

۲۔ مؤمنین کا اخروی انجام اور ان کے لیے تیار کردہ نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۳۔ قدرتِ باری تعالیٰ کے چند نمونے بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب سے بھی ڈرایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۞ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۞ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۞ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۞ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۞ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۞ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۞ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۞ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۞ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۞ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۞ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۞ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۞ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۞ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۞ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۞

کُفّار اور مؤمنین کا اُخروی انجام

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے دن کُفّار اور مؤمنین کے احوال کو بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو مؤمن اور کافر الگ الگ ہوجائیں گے، وہ اپنے چہروں سے پہچانیں جائیں گے، کافروں کے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، ان پر ذلت اور رسوائی کے آثار نمایاں ہوں گے، پھر انہیں جہنّم کی سخت ترین آگ میں جھونک دیا جائے گا، جہاں انہیں پینے کو سخت کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا، اور کھانے میں خاردار گھاس دی جائے گی جس سے نہ بھوک ختم ہوگی اور نہ ان کی جان بنے گی۔

جبکہ ان کے برعکس مؤمنین کے چہرے تر و تازہ ہوں گے، اور دنیا میں جو مشقتیں اور تکالیف جھیل کے وہ آئے ہوں گے جب اس کا ثواب اور اَجر دیکھیں گے تو اس پر راضی اور خوش ہوجائیں گے، انہیں اونچی جنتوں میں رہائش ملے گی جہاں وہ کوئی فضول اور لغو بات یا گالی گلوچ نہیں سنیں گے، وہاں کے چشموں سے لطف اندوز ہوں گے، تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، مشروبات وغیرہ کے جام ان کے قریب ہی رکھے ہوں گے، قیمتی قالین بچھے ہوں گے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۞ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۞ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۞ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۞ فَذَكِّرْ ۥ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۞ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۞ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۞ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۞ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۞ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۞

قدرتِ باری تعالٰی کے نمونے!

قیامت کے احوال اور مؤمن و کافر کے انجام کو بیان کرنے کے بعد کُفّارِ مکہ کو غور و فکر کرنے کی تلقین کرنے کے لیے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کیسے پیدا کیا، چونکہ عرب اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کرتے تھے اسی لیے ان کے حال کے مطابق اونٹ کا ذکر کیا، اس کے بعد آسمان و زمین اور پہاڑوں کا ذکر فرمایا کہ ان سب کو دیکھ کر ان میں غور و فکر کرو کہ جو رب ان جیسی بڑی مخلوقات کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تمہیں بھی قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو نصیحت کرتے رہیے، اگر یہ آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ فکر نہ کیجیے، کیونکہ منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ ان سب نے لوٹ کر ہمارے پاس آنا ہے، اور ہم ہی ان کا حساب وکتاب کریں گے، اور ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں کفار اور مؤمنین کے اخروی انجام کو بیان فرمایا۔

۲۔ بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کے لیے اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے چند دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الغاشیۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ الْفَجْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں نواسی (۸۹) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے یہ سورت دسویں نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور تیس (۳۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے فجر کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ فجر کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی کفّار کے لیے عذاب اور ہلاکت کی وعیدوں اور اہلِ ایمان کے لیے جنّت کے وعدوں کا تذکرہ تھا، اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت تمام انسانوں کے اعمال اور حرکات وسکنات کو دیکھ رہے ہیں اور انہیں اس پر جزا اور سزا عطا فرمائیں گے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں ان گزشتہ قوموں کا تذکرہ کیا گیا جنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا جس کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے انہیں ہلاک کردیا۔

۲۔سورت میں تنگی اور وسعت کے وقت انسان کی کیفیت اور حالت کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال کی محبت انسان کو صدقہ کرنے سے روکتی ہے۔

۴۔سورت میں قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور قیامت کے دن کفّار کی ندامت اور پشیمانی اور مؤمن وکافر کے اُخروی انجام کو بھی بیان فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

اعمال کی جزا اور سزا کا ہونا لازمی امر ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے پانچ چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تم دنیا میں جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزا اور سزا کا ہونا لازمی اور یقینی ہے، تمہارا رب تمہارے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے۔ جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ان میں فجر کا وقت، ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں، یوم عرفہ یعنی نو ذوالحج، یوم النحر یعنی دس ذوالحج اور رات شامل ہیں۔ فجر کا وقت چونکہ بہت بابرکت اور نورانی وقت ہوتا ہے اس لیے اس کی قسم کھائی گئی ہے، اسی طرح ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی احادیث مبارکہ میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ عبادت کے لیے اللہ ربّ العزّت کے نزدیک سب دنوں میں ذوالحج کے ابتدائی دس دن افضل ہیں، اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور اس کی ہر رات کی عبادت شب قدر کے برابر ہے۔ (سنن ترمذی:۷۵۸) اسی طرح نو اور دس ذی الحج یعنی یوم عرفہ اور یوم نحر کے دن کی قسم کھائی جو بہت بابرکت دن ہیں اور رات کی قسم کھائی، یہ سب قسمیں کھانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے غفلت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو ایک خاص انداز میں سوچنے سمجھنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ کیا عقل والے آدمی کے لیے یہ قسمیں کافی ہیں۔ اگر انسان ذرا سا غور کرے تو اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ ہر عمل کا آخرت میں حساب و کتاب اور اس پر جزا و سزا کا ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

چند ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے گزشتہ اقوام میں سے چند قوموں کا تذکرہ فرمایا جو اپنے زمانے میں طاقت اور قوت کے لحاظ سے بہت زیادہ تھیں، لیکن انہوں نے اللہ ربّ العزّت کے پیغام کو جھٹلایا، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور کفر و شرک کی روش پر ڈٹے رہے تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ ان قوموں میں قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ فرعون شامل ہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ

قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۝ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

رزق کی تنگی یا فراخی، مقبول یا مردود ہونے کی نشانی نہیں!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انسانی فطرت کے چند گوشوں کو بیان فرمایا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت انسان کو مختلف صورتوں میں آزماتے ہیں، کبھی مشکلات اور پریشانیاں دیتے ہیں، کبھی رزق تنگ فرما دیتے ہیں، تو کبھی آسانیاں عطا فرما کر اور رزق میں فراخی فرما کر آزمائش میں مبتلا فرماتے ہیں۔ تو جب اللہ ربّ العزّت رزق میں وسعت اور دولت، صحت اور تندرستی سے نوازیں اور نعمتیں دے دیں تو انسان اس زعم باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں تو اللہ کا چہیتا اور پسندیدہ ہوں اور اس کا مقبول بندہ ہوں، اسی لیے اس نے مجھے یہ دولت اور صحت کی نعمت دی ہے، اور یہ میری ذاتی استعداد تھی جس کی بنا پر مجھے یہ سب نعمتیں ملیں۔ اور اگر اللہ ربّ العزّت کسی مصلحت کے تحت رزق تنگ کر دیں تو خفا ہو جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ میں تو انعام اور اکرام کا مستحق تھا، مجھے اللہ ربّ العزّت نے بلا وجہ ذلیل اور حقیر کر دیا۔

اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں یہ واضح فرمایا کہ رزق کی وسعت و تنگی، صحت یا بیماری کا ملنا مقبولیت یا مردود ہونے کی علامت نہیں ہے، بلکہ یہ آزمائش اور ابتلاء ہے، اللہ ربّ العزّت کسی کو مال دے کر آزماتے ہیں اور کسی کو فقیر بنا کر آزماتے ہیں، اسی طرح کسی کو صحت دے کر آزماتے ہیں اور کسی کو بیمار کر کے آزماتے ہیں۔

کُفّار کے اعمال وخصائل

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کچھ ایسے اعمال اور خصلتیں بیان فرمائی ہیں جو در اصل کافروں کی خصلتیں ہیں، اس لیے ہر مسلمان کو ان اعمال اور خصلتوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کُفّار یتیموں کا اکرام نہیں کرتے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا خیال نہیں کرتے، ان پر ضروری خرچ نہیں کرتے، اور مسکینوں اور بھوکوں کا خیال نہیں رکھتے، نہ خود ان پر خرچ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو ان پر خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ میراث کا مال کھا جاتے ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کو ان کا حق نہیں دیتے۔ ان سب خصلتوں کی وجہ یہ ہے کہ کافر مال کی محبت میں اندھے اور مستغرق ہوتے ہیں، ان کا مطمحِ نظر صرف مال ہوتا ہے۔ جبکہ مومن کے پیشِ نظر آخرت اور اللہ کی رضا ہوتی ہے۔

قیامت کی ہولناکی

اس کے بعد پھر قیامت کی ہولناکی اور اس کے چند احوال بیان فرمائے کہ جب قیامت آئے گی تو زمین کوٹ دی جائے گی، فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے، جہنّم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ایک لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے یعنی چار کروڑ نوے لاکھ فرشتے جہنّم کو کھینچ رہے ہوں گے۔ اس وقت انسان کو سمجھ آئے گی کہ مجھے دنیا

میں نیک اعمال کرنے چاہئیں تھے، لیکن میں نے گناہوں میں زندگی گزار دی، لیکن اس وقت یہ سمجھ میں آنا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ تو عذاب اور پکڑ کا وقت ہوگا اور اللہ ربّ العزّت کی پکڑ کے برابر کسی کی پکڑ نہیں ہوسکتی۔

اس کے برعکس نیک اور مؤمن آدمی کو اس کی موت کے وقت سے ہی راحتیں نصیب ہوں گی، اسے فرشتے کہیں گے کہ اے نیک جان! اپنے رب کے پاس لوٹ جا، اس حال میں کہ تیرا رب تجھ سے راضی ہے اور تو اپنے رب سے راضی ہے، جب یہ روح اللہ ربّ العزّت کے دربار میں پیش ہوگی تو اللہ ربّ العزّت اسے فرمائیں گے کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنّت میں داخل ہوجا۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے پہلے اپنے خاص اور نیک بندوں میں شامل ہونے کا حکم دیا پھر جنّت میں داخل ہونے کا حکم فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ جنّت کے حصول کے لیے دنیا میں بھی نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے کیونکہ جو دنیا میں نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اللہ ربّ العزّت اسے قیامت کے دِن بھی نیک لوگوں کی نصیب فرماتے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قسمیں کھا کر قیامت کے حق ہونے کو بیان فرمایا۔

۲۔سورت میں گزشتہ قوموں میں سے چند ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ کیا گیا۔

۳۔سورت میں یہ مضمون خاص طور پر بیان کیا گیا کہ دنیا میں رزق کی فراوانی یا تنگی اللہ ربّ العزّت کے نزدیک کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی علامت نہیں ہے، بلکہ یہ فراوانی یا تنگی آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

۴۔سورت میں کفّار کے چند اعمال اور خصائل بیان فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مؤمنین ان خصائل سے اپنے آپ کو بچائیں۔

۵۔سورت کے آخر میں ایک بار پھر قیامت کی ہولناکی اور اس کے چند احوال بیان کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ الفجر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْبَلَد

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے نوّے (۹۰) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے پینتیس (۳۵) نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور بیس (۲۰) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"بلد" شہر کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے، چونکہ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ بلد رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو مال کی بے جا محبّت میں مبتلا رہتے ہیں، اور مال ہونے کے باوجود اس کو درست مصارف میں خرچ نہیں کرتے، اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے چند مصارف کو ذکر فرمایا جہاں مال والوں کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ "دنیا آزمائشوں اور مشقتوں کا گھر ہے۔"

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے تمام پہلوؤں کو بیان فرمایا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن (مکہ مکرمہ)، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ، ان لوگوں کا ذکر جن کے پاس آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، اور اس پیغامِ الٰہی کا بیان جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔

۲- سورت میں ایک دوسرے کو صبر کی اور رشتہ داریاں نبھانے کی تلقین کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اکثر لوگ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین تو کرتے رہتے ہیں، جبکہ رشتہ داریاں نبھانے کی تلقین کرنے والے کم ہیں۔

۳۔سورت میں یہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان مشقت میں پیدا کیا گیا ہے، جب کوئی شخص اس حقیقت کو سمجھ کر تسلیم کرلے تو اس کے لیے اللہ ربّ العزّت کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرنا اور مشکلات ومصائب پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝٤
اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝٥ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝٧ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ
عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝٩ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝١٠ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝١١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝١٢ فَكُّ
رَقَبَةٍ ۝١٣ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝١٤ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝١٥ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝١٦ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝١٧ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝١٨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ
اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝١٩ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝٢٠

اِنسان فطرتاً مشقت میں پیدا کیا گیا ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے شہر مکہ کی قسم کھائی جو ایک مقدس اور بابرکت شہر ہے مگر اس کی فضیلت اس بات سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس شہر میں موجود ہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد کی قسم کھائی، ان سب قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، یعنی اس کو اس فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔ پہلے ماں کے پیٹ میں رہا، پھر ولادت کے وقت کی مشقت اور محنت، پھر ماں کا دودھ پینے اور اس کے چھوٹنے کی مشقت، پھر اپنے معاش اور ضروریات زندگی کی مشقت، پھر بڑھاپے کی تکلیفیں پھر موت، پھر قبر، پھر حشر اور اس میں اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیشی اور اپنے اعمال کی جواب دہی، پھر جزا اور سزا، یہ سب دور اس پر گزرتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی کی یہ خواہش ہے کہ دنیا میں ہمیشہ راحت ہی راحت ملے، کسی تکلیف سے کبھی پالا نہ پڑے تو یہ گمان غلط اور خیال باطل ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ مشقت اور تکلیف ہر حال میں اٹھانی پڑے گی، اس لیے عقل مند کا کام یہ ہے کہ وہ محنت اور مشقت اس چیز کے لیے کرے جو اس کو ہمیشہ کام دے گی اور دائمی راحت کا سامان بنے گی اور وہ ایمان اور اللہ ربّ العزّت کی اطاعت ہے۔ (معارف القرآن)

اِنسان کی غفلت اور اللہ کے اِنعامات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انسان کی غفلت اور سرکشی کو بیان فرمایا کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا، اس کے اعمالِ بد سے کوئی واقف نہیں ہے، اور اسے سزا دینے پر کوئی قادر نہیں ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت اس کے ہر عمل سے واقف ہے اور ہر چیز پر قادر بھی۔ اسی نے تو انسان کو آنکھیں دیں، زبان دی، ہونٹ دیے

اور اچھائی اور برائی میں فرق کرنے کے لیے شعور دیا اور اسے دو واضح راستے دکھا دیے جن میں سے ایک خیر اور فلاح کا راستہ ہے جبکہ دوسرا شر اور ہلاکت کا۔ اس لیے سمجھ دار انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ ربّ العزّت کے عطا کردہ عقل و شعور سے کام لیتے ہوئے اپنے لیے اس راستے کا انتخاب کرے جو اسے کامیابی اور خیر کی طرف لے جائے، نہ کہ ناکامی اور ہلاکت کی طرف۔

چند نیک اعمال کا تذکرہ

پھر اللہ ربّ العزّت نے انسان کا شکوہ کرتے ہوئے چند نیک اعمال کا ایک خاص انداز میں تذکرہ فرمایا کہ انسان گھاٹی میں داخل نہیں ہوا، یعنی اس نے نیک اعمال اختیار نہیں کیے، جس طرح گھاٹی کا راستہ دشوار ہوتا ہے لیکن انسان کو دشمن سے نجات دلانے کا سبب بن جاتا ہے، اسی طرح نیک اعمال بجا لانا بھی نفس پر دشوار ہوتا ہے لیکن بالآخر انسان کو دوزخ سے بچا کر جنّت میں لے جاتا ہے۔ ان نیک اعمال میں غلاموں کو آزاد کرنا، بھوکوں اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا، یتیموں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، ان پر شفقت کا معاملہ کرنا شامل ہیں۔ اس لیے ہر مؤمن کو یہ نیکیاں اختیار کرنی چاہئیں، اور نہ صرف یہ کہ خود ان نیکیوں پر عمل کرے بلکہ دوسروں کو بھی نیکیوں اور صلہ رحمی کی ترغیب اور گناہوں سے بچنے کی تلقین کرے، یہی حقیقی مؤمن کی شان ہے۔ اور جو لوگ یہ نہ کریں بلکہ اللہ ربّ العزّت کی آیات کا انکار کریں، ان کے لیے جہنّم کا دردناک عذاب ہوگا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف قسمیں کھا کر یہ مضمون ارشاد فرمایا کہ انسان فطرتاً مشقت میں پیدا کیا گیا ہے، اس لیے مکمل راحت دنیا میں نہیں مل سکتی۔

۲۔ اس کے بعد کفّار کے چند باطل خیالات و نظریات کی تردید فرما کر مؤمن کو نیک اعمال اختیار کرنے کی ایک خاص انداز میں ترغیب فرمائی۔

۳۔ سورت کے آخر میں کفّار کے انجام اور ان کے لیے وعید بیان فرمائی ہے۔

تمّت سورۃ البلد بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الشَّمْس

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے اکیانوے (۹۱) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے چھبیس (۲۶) نمبر پر ہے۔ ایک رکوع اور پندرہ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے سورج کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ شمس رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں کفّار کے اخروی انجام کا بیان تھا، اس سورت میں ان کے دنیوی انجام کا ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا اور اپنے باطن کو صاف رکھا، وہ کامیاب ہوگیا، اور جس نے اپنا نفس گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہوگیا۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے یکبارگی گیارہ چیزوں کی قسم کھائی ہے، اور یہ کسی بھی سورت میں کھائی جانے والی قسموں کی تعداد میں سب سے زیادہ ہے۔

۲۔ اس سورت میں قومِ ثمود کی ہلاکت کا اجمالی واقعہ اور سبب بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا
بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹

وَقَدْ خَابَ مَن دَسّٰىهَا ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

کامیابی اور ناکامی کا قرآنی معیار

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے متعدد قسمیں کھا کر کامیابی اور ناکامی کا معیار بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ سورج اور اس کی روشنی کی قسم، چاند کی قسم، دن کے اجالے کی قسم، رات کی تاریکی کی قسم، آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم، زمین اور اس کے بچھانے والے کی قسم، نفسِ انسانی اور اسے درست کرنے والے کی قسم، جس نے اس نفس میں نیکی اور برائی کا شعور پیدا فرمایا۔ یہ سب قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے دل کو گناہوں سے پاک کرلیا، اپنے باطن کی اصلاح کرلی تو وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا تو وہ ناکام ہوگیا۔

حقیقی ناکامی کا ایک دُنیوی نمونہ

کامیابی اور ناکامی کا معیار بتا کر اللہ ربّ العزّت نے ناکام لوگوں کا ایک نمونہ بیان فرمایا، جس سے مقصد لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانا ہے کہ ان کو آخرت میں تو سزا ملے گی ہی، بعض اوقات دنیا میں بھی ان کو سزا دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ قومِ ثمود کا تذکرہ فرمایا جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، اللہ ربّ العزّت نے ان کے سامنے یہ معجزہ ظاہر فرمایا تھا کہ ایک دس ماہ کی گابھن اونٹنی چٹان چیر کے باہر آئی تھی۔ لیکن قوم کے ایک شخص نے دوسروں کے ایماء پر اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں اور اسے مار ڈالا، جس پر اللہ ربّ العزّت نے اپنا عذاب نازل فرمایا اور ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے حقیقی کامیابی اور ناکامی کا معیار بیان فرمایا ہے۔

۲۔ حقیقی طور پر ناکام لوگوں کا ایک دنیوی نمونہ بھی لوگوں کی عبرت کے لیے اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الشمس بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الَّیۡل

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے اعتبار سے بانوے (۹۲) جبکہ نزول کے اعتبار سے نویں نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور اِکیس (۲۱) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے رات کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ لیل کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کامیابی اور ناکامی کا معیار بیان فرمایا تھا اس سورت میں ان اوصاف کا بیان ہے جس سے انسان کو کامیابی حاصل ہوتی ہے یا ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''سخاوت اور بخل'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مال خرچ کرنے والوں کی تعریف بیان فرمائی۔

۲- سورت میں بخل کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

۳- سخاوت کرنے والوں اور بخل کرنے والوں کا اخروی انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی

وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝
فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ
مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝

حقیقی کامیابی اور ناکامی کے اسباب

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف قسمیں کھائی ہیں اور ارشاد فرمایا کہ رات کی قسم، دن کی قسم، اور جس ذات نے مذکر اور مؤنث کو پیدا فرمایا اس کی قسم، یہ سب قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا کہ انسان کی کوشش اور عمل مختلف ہوتے ہیں، کچھ لوگ اپنی جدوجہد اور محنت سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض اپنے اعمال سے ہمیشہ کا عذاب مول لے لیتے ہیں۔ پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے جبکہ دوسرا ناکام لوگوں کا۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان اوصاف اور اعمال کا تذکرہ فرمایا جو کامیابی یا ناکامی کا باعث بنتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو کامیاب لوگ ہیں ان کے تین اعمال ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ اللہ ربّ العزّت کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ ربّ العزّت کا ڈر اور تقویٰ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

۳۔ کلمہ توحید یعنی لا الٰہ الا اللہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

تو جس میں یہ تینوں صفات پائی جائیں ان کے لیے اللہ ربّ العزّت جنّت کی راہ آسان کر دیتے ہیں جو حقیقی کامیابی کا نتیجہ ہے۔ جبکہ جو ناکام لوگ ہیں ان کے بھی تین اعمال ہیں، وہ اللہ ربّ العزّت کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں، زکوٰۃ اور صدقات واجبہ بھی ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں، اور اللہ ربّ العزّت کی طرف جھکنے اور اس کی اطاعت کرنے کے بجائے اس سے بے نیازی اور بے رخی اختیار کرتے ہیں، اور اچھی بات یعنی کلمہ طیبہ کا انکار کرتے ہیں، تو جس میں یہ صفات ہوں، اس کے لیے اللہ ربّ العزّت جہنّم کی راہ آسان کر دیتے ہیں، اور جب ان کو جہنّم کی آگ میں ڈالا جائے گا تو ان کا مال ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ جبکہ تقویٰ والے اور اللہ ربّ العزّت کی رضا کے لیے اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرنے والے اس آگ سے محفوظ رہیں گے اور انہیں اللہ ربّ العزّت کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان!

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیات خلیفہ بلا فصل، افضل البشر بعد الانبیاء سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جن کا مزاج یہ تھا کہ جب کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال کا تقاضا فرماتے تھے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر میں سوئی بھی رکھ کر نہیں آتے تھے۔ اور سب کچھ حضور کے قدموں میں نچھاور کر دیتے تھے۔ جب اسلام قبول فرمایا تو

ان کے پاس چالیس ہزار کی رقم موجود تھی، انہوں نے ساری لاکر حضور کے قدموں میں ڈھیر کردی۔ غزوہ تبوک میں جب حضور نے چندہ کا اعلان فرمایا تو یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جن کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

اصحاب پاک مصطفیٰ کو ربّ نے کیا جگر دیا کسی نے نصف گھر دیا، کسی نے ثلث گھر دیا
پر عائشہ کے باپ نے دیا تو اس قدر دیا جو کچھ بھی گھر میں تھا وہ سارا لا کے دھر دیا

مکہ میں سات غلام تھے جو کلمہ پڑھ چکے تھے، اور ان پر ان کے کافر آقا ظلم ڈھاتے تھے، ان میں حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شامل تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ایک کو خرید کر آزاد کرتے رہے، اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کے اخلاص کی گواہی بھی دی اور انہیں اس اُمت کا سب سے متقی انسان بھی قرار دیا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے کامیابی اور ناکامی کا ذریعہ اور سبب بننے والے اعمال اور اوصاف کا تذکرہ فرمایا۔

۲۔سورت میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب ہلاکت آتی ہے تو مال کسی کام نہیں آیا کرتا۔

۳۔سورت کے آخر میں بخیل کُفّار اور سخی مؤمن کا اخروی انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ اللیل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الضُّحٰی

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ترانوے (۹۳) جبکہ نزول کے اعتبار سے گیارہویں نمبر پر ہے، ایک رکوع اور گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے ضحیٰ (چاشت کے وقت) کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ ضحیٰ رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور شان کا بیان تھا، اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور شان کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''اللہ ربّ العزّت کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ'' ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

۲- سورت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر باری تعالیٰ کے تین انعامات بیان فرما کر ان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ

يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝
فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند دن تک وحی نہ آئی اور ایک دو رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کے لیے آنکھ نہ کھلی تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور وہ ان سے ناراض ہو گیا ہے۔ ان طعنہ دینے والوں میں ابولہب کی بیوی ام جمیل پیش پیش تھی، اس نے کہا کہ جو شیطان محمد کے پاس آتا تھا اس نے آنا جانا بند کر دیا (نعوذ باللہ)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان طعنوں سے بہت تکلیف اور پریشانی ہوئی، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے چند قسمیں کھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے جس سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ ربّ العزّت کے نزدیک مقام ومرتبہ واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم، نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔ لہٰذا آپ ان کُفّار کے طعنوں کو خاطر میں نہ لائیے اور ان کی وجہ سے پریشان ہونا چھوڑ دیجیے، یہ سب دنیا کے طالب ہیں، حالانکہ آخرت دنیا سے بہت بہتر ہے، اور آخرت میں آپ کا رب آپ کو بے حد نوازے گا اور آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ دنیا میں بھی ہر بعد میں آنے والی گھڑی پہلے والی سے بہتر ہوگی اور آپ پر مسلسل اللہ ربّ العزّت کے انعامات ہوتے جائیں گے، اور علوم ومعارف، قرب الٰہی اور اسلام کے پھیلنے میں مسلسل ترقی ہوگی۔ جیسا کہ ایک وقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے اکیلے صحابی تھے اور پھر چشم فلک نے وہ وقت بھی دیکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو سوا لاکھ صحابہ آپ کے فراق میں نم آنکھیں لیے غمگین تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین اِنعامات کا ذِکر

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے تین انعامات بیان کیے، اور ان تین انعامات پر بطور شکرانہ تین احکام دیے:

پہلا اِنعام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تھے تو آپ کے والد اس دُنیا سے جا چکے تھے۔ چھ سال کے ہوئے تو والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

سائے نہ پسند آئے پروردگار کو بے سایہ کردیا اس سایہ دار کو

حضور کو بے سایہ کرنے کی وجہ درحقیقت یہ ثابت کرنا تھا کہ لوگوں کے لیے دنیا میں سہارے ان کے والدین اور آباؤاجداد ہوا کرتے ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا خود پروردگارِ عالم ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو یتیمی کی حالت میں ٹھکانا دیا، آپ کو سنبھالا، آپ کی سرپرستی کی، آپ کو پالا پوسا، آپ کا اکرام کیا اور آپ کو نبوّت سے سرفراز کیا۔

دوسرا اِنعام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہیں تھے، آپ نے کبھی کسی درسگاہ سے علم حاصل نہیں کیا، اللہ ربّ العزّت نے آپ کو اپنی طرف سے بے بہا علم کے خزانے عطا کردیے، یکا یک ایک امی کی زبان پر وہ قرآن جاری ہوگیا جس کے سامنے سارے علم والوں کے علم جواب دے گئے۔ حضور کے دہنِ اقدس سے علم کے ایسے دریا جاری ہوئے جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

تیسرا اِنعام

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تنگدست تھے اللہ ربّ العزّت نے آپ کو غنی کردیا۔ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اجرت پر اہلِ مکہ کی بکریاں چراتے رہے، پھر اللہ ربّ العزّت نے آپ کو مال عطا فرمایا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی مالدار اور وفا شعار بیوی عنایت فرمائی، جنہوں نے اپنا سارا مال آپ پر قربان کردیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا دوست عطا فرمایا جنہوں نے اپنے گھر کا سارا ساز و سامان لاکر آپ کے قدموں میں ڈھیر کردیا۔

مذکورہ بالا تین اِنعامات کے شکرانے کا طریقہ

ان تین انعامات کو ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور شکر کرنے کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا۔

پہلے اِنعام کا شکرانہ

پہلے انعام کا شکرانہ یہ ہے کہ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خود یتیم تھے اور ہم نے اس یتیمی کی حالت میں آپ کو ٹھکانا دیا لہٰذا اب آپ کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے، ان کا خیال رکھیے۔

یتیم کی کفالت کے فضائل

احادیث مبارکہ میں یتیم کی کفالت اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کے کئی فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں قیامت میں اس طرح ساتھ ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔ (سنن ابوداود: ۵۱۵۲) ایک حدیث میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے

گھروں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۶۷۹)

دوسرے اِنعام کا شکرانہ

دوسرے انعام کا شکرانہ یہ ہے کہ چونکہ آپ خود تنگدستی والی زندگی گزار کر آئے ہیں جس کے بعد ہم نے آپ کو فراخی عطا کی تو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ اب اگر آپ کے پاس کوئی مانگنے والا آجائے تو اسے جھڑکا نہ کیجیے گا اور اسے برا بھلا نہ کہیے گا۔

تیسرے اِنعام کا شکرانہ

تیسری نعمت اللہ رَبّ العزّت نے اس سورت میں یہ بیان فرمائی تھی کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے علم نہیں تھا، آپ پڑھے لکھے نہیں تھے، پھر اللہ رَبّ العزّت نے آپ کو علم عطا فرمایا، تو اس کا شکرانہ یہ ہے کہ اس علم کو چھپا کر نہ رکھا جائے بلکہ اسے بیان کیا جائے اور دوسرے لوگوں کو سکھایا جائے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱-سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے قسمیں کھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کفّار کے اعتراض کا جواب دیا۔

۲-اللہ رَبّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے تین انعامات بیان فرما کر ان کے شکرانے کی تلقین فرمائی اور اس کا طریقہ بھی بیان فرمایا۔

تمت سورۃ الضحیٰ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَح

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ قرآنی ترتیب کے لحاظ سے چورانوے (۹۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے بارہویں نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرحِ صدر کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ انشراح رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں بھی اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے چند انعامات کا تذکرہ فرمایا تھا اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے اللہ ربّ العزّت کے انعامات خاصہ کا بیان“ ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مقام و مرتبہ کا بیان ہے۔
۲۔ سورت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ① وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑤ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑥ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مقام

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے چند انعامات بیان فرمائے کہ ہم نے آپ کا سینہ مبارک کھول دیا، یعنی اسے علوم و معارف اور اخلاق کریمہ کے لیے ایسا وسیع بنادیا کہ بڑے بڑے عقل والے آپ کے علم و حکمت کی گرد کو بھی نہ پاسکے، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ جو نبوّت کا اور پوری اُمّت کی ذمہ داری کا بوجھ تھا، اس کو ہم نے ہلکا کردیا اور ہم نے پوری کائنات میں آپ کا ذکر اور تذکرہ بلند کردیا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ تمام اسلامی شعائر میں اللہ رَبّ العزّت کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک لیا جاتا ہے، اذانوں اور نمازوں میں، کلمہ طیبہ وغیرہ میں باری تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کے نام کا تذکرہ لازماً کیا جاتا ہے۔

ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اے نبی اگر راہِ خدا میں آپ کو کوئی پریشانی لاحق ہو تو آپ اس کی پروا نہ کیجیے، کیونکہ ہر مشکل کے بعد اللہ رَبّ العزّت آسانی ضرور پیدا فرماتے ہیں، لہٰذا آپ اپنے کام میں لگے رہیے اور جب اس تعلیم و تبلیغ والے کام سے فراغت مل جائے تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عبادت میں خوب لگ جایئے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کچھ انعامات کا تذکرہ فرمایا۔
۲- پھر اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکلات و مصائب پر تسلی دی ہے۔

تمت سورۃ الانشراح بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التِّیْن

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں پچانوے (۹۵) جبکہ نزول کے اعتبار سے اٹھائیس (۲۸) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"تین" عربی زبان میں انجیر کو کہتے ہیں، سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے انجیر کی قسم کھائی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ تین رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ ربّ العزّت کے انعامات کا تذکرہ تھا، اس سورت میں عام انسانوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی خیال

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے تخلیقِ انسانی کو بیان فرمایا۔

۲۔ گناہوں اور معاصی میں مبتلا ہو کر شرفِ انسانیت کھو دینے والوں کا تذکرہ بھی اس سورت میں موجود ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۙ

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۝

انسان تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے چند قسمیں کھائی ہیں جن میں انجیر، زیتون، طور پہاڑ اور شہر مکہ کی قسم شامل ہے، یہ چار قسمیں کھا کر اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو خوبصورت ترین شکل عطا فرمائی ہے اور اسے اپنی مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین بنایا ہے۔

ایک عجیب طلاق کا واقعہ

عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے، ایک بار چاندنی رات میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، بیوی کی محبت میں آ کر کہنے لگے کہ تم اگر چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تمہیں تین طلاق ہے، یہ سنتے ہی بیوی اٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی، عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم میں گزار دی، صبح کو خلیفہ وقت کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سنایا، خلیفہ نے شہر کے فقہاء کو جمع کیا اور ان سے اس معاملہ میں رہنمائی طلب کی، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہوگئی، کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لیے امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے، خاموش بیٹھے رہے، منصور نے پوچھا کہ آپ کچھ فرمائیں، تو انہوں نے سورۂ تین کی تلاوت کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں انسان کو ہر چیز سے زیادہ حسین پیدا کیے جانے کا دعویٰ فرمایا ہے، اس لیے عیسیٰ بن موسیٰ کی بات درست ہے، اور طلاق واقع نہیں ہوئی، یہ سن کر سب علماء و فقہاء حیرت میں رہ گئے، اور سب نے ان کی موافقت فرمائی۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ پھر انسان پر ایک وقت آتا ہے جب یہ حسن ختم ہو جاتا ہے اور انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ چمک دمک ختم ہو جاتی ہے، بالوں کی بناوٹ ختم ہو جاتی ہے، گلاب جیسے رخسار مرجھا جاتے ہیں، گلاب کی پنکھڑی جیسے ہونٹوں کی رعنائی زائل ہو جاتی ہے، اور دوسروں پر بوجھ اور بار بن کر رہ جاتا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان کا اجر و ثواب آخرت میں موجود ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ لہٰذا قدرتِ الٰہی کے ایسے مناظر دیکھنے کے بعد بھی کیا گنجائش ہے کہ آخرت اور قیامت کا انکار کیا جائے، کیا اللہ رَبّ العزّت سب حکمرانوں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو کہتے: "بلیٰ وانا علیٰ ذلک من الشاھدین" کیوں نہیں! اور میں اس پر گواہ ہوں۔

سورت کا اجمالی درس

۱-سورت میں اللہ ربّ العزّت نے مختلف قسمیں کھا کر انسان کو سب سے زیادہ حسین و جمیل پیدا کیے جانے اور پھر ڈھلتی عمر کے ساتھ اس کے حسن کے زوال کا تذکرہ فرمایا ہے۔

۲-سورت میں ایمان والوں کے اجر و ثواب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۳-منکرین قیامت کو تنبیہ بھی کی گئی ہے۔

تمت سورة التين بعون الله سبحانه وتعالى

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوْرَةُ الْعَلَق

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چھیانوے (۹۶) جبکہ نزول کے اعتبار سے پہلے نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور اُنیس آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

خون کے لوتھڑے کو عربی میں "علق" کہتے ہیں، اس سورت میں انسان کی تخلیق کے بیان میں خون کے لوتھڑے کا ذکر ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ علق رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں انسان کی صورت کی تخلیق کا بیان تھا، اس سورت میں انسان کی تخلیق کا مادہ بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کی عزّت اور رفعت دین، آخرت اور وحی کے علم میں ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں پہلی وحی کا بیان ہے۔
۲۔ سورت میں علم فضیلت اور ذرائع علم کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔
۳۔ سورت میں ابوجہل کی مذمت کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۝٢ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۝٣ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۝٤
عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۝٥ كَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓى ۝٦ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى ۝٧ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى ۝٨ اَرَءَيۡتَ
الَّذِىۡ يَنۡهٰى ۝٩ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى ۝١٠ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى ۝١١ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ۝١٢ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَذَّبَ

وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے سلسلہ کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا، آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آجاتا، پھر آپ کی طبیعت خلوت پسند ہوگئی، آپ کئی کئی دن کا کھانا لے کر غارحرا میں چلے جاتے۔ وہاں نفلی اعتکاف اور عبادات کرتے۔ ایک دن وہاں اعتکاف میں تشریف فرماتے کہ ایک فرشتہ (جبرائیل امین) آیا اور آپ سے کہا: ”اقرأ!“ (پڑھیے) آپ نے فرمایا: ”ما انا بقارئ“ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں)، اس پر فرشتے نے آپ کو اپنی آغوش میں لے کر بھینچا (دبایا) اور پھر کہا کہ پڑھیے، آپ نے وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتے نے دوبارہ آغوش میں لے کر بھینچا (دبایا) اور کہا پڑھیے، اس طرح تین مرتبہ ہوا، تیسری مرتبہ میں جبرائیل امین نے اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات آپ کو پڑھ کر سنائیں۔ (معارف القرآن)

تعلیم کا سب سے اہم ذریعہ قلم ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم فرمایا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو عذر تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس عذر کا جواب بھی ارشاد فرمایا کہ اگرچہ آپ پڑھے ہوئے نہیں ہیں، لیکن ہم آپ کو سکھائیں گے، کیونکہ حقیقی علم اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے، وہی انسانوں کو نامعلوم چیزوں کا علم عطا فرماتا ہے، اور یہی علم ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور اشرف واعلیٰ بناتا ہے، پھر تعلیم کی عام طور پر دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک زبانی تعلیم اور دوسری بذریعہ قلم وتحریر، اللہ ربّ العزّت دونوں صورتوں سے تعلیم فرماتے ہیں، لیکن یہاں خاص طور پر دوسرے طریق تعلیم یعنی قلم کے ذریعہ تعلیم کا ذکر فرمایا، جو تعلیم کا بہت مضبوط ذریعہ ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے لکھنے کا فن حضرت ادریس علیہ السلام کو دیا گیا تھا، یہ فن کتابت اللہ ربّ العزّت کی بہت بڑی نعمت ہے، اسی کے دم سے دنیا کا کاروبار اور دین کا بہت بڑا حصہ محفوظ ہے۔

ابوجہل کی مذمّت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ایک کافر کا ذکر فرما کر اس کی مذمت فرمائی اور اسے سختی سے تنبیہ فرمائی، اس کافر سے مراد ابوجہل ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ اگر نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ معاذ اللہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ بدبخت ہمارے بندے کو نماز سے روکتا ہے، جبکہ ہمارا بندہ تو ہدایت پر ہے وہ تو تقویٰ کا حکم کرتا ہے، اور یہ منع کرنے والا تو اللہ کا منکر ہے، کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ ربّ العزّت دیکھ رہا ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنی روش سے باز آجائے، وگرنہ ہم اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے اور اگر اسے اپنے گروہ پر غرور ہے تو اسے اپنی مدد کے لیے بلا لے، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے، جن کے سامنے اس کا گروہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اے میرے حبیب! آپ صبر کیجیے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرتے رہیے، اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے سجدوں کی کثرت کیجیے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے علم کی فضیلت اور ذرائع علم کی اہمیت بیان فرمائی۔

۲- انسان کی تخلیق کے مادہ کو بھی بیان فرمایا۔

۳- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دشمن کا تذکرہ فرما کر اس کی مذمت کی گئی اور اس کو تنبیہ بھی فرمائی۔

۴- سورت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ العلق بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْقَدْرِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے اعتبار سے ستانوے (۹۷) جبکہ نزول کے اعتبار سے پچیس نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور پانچ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت میں شب قدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ قدر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھنے کا حکم فرمایا تھا، اس سورت میں نزولِ قرآن کا ابتدائی زمانہ بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''شب قدر کی فضیلت'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں نزول قرآن کا وقت اور زمانہ بیان کیا گیا ہے۔
۲۔شب قدر کے مختصر احوال اور فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا ذکر فرمایا جو ایک ہزار مہینے تک دن میں جہاد کرتا

رہا اور رات میں عبادت میں مصروف رہا، صحابہ کرام کو یہ سن کر تعجب ہوا اور بہت رشک آیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

قرآن ''شبِ قدر'' میں نازل ہوا!

سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا، یعنی لوح محفوظ سے پورا قرآن اس رات میں اتارا گیا تھا، پھر حضرت جبرائیل اس کو تدریجاً تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا لاتے رہے۔

''شبِ قدر'' کے فضائل

شب قدر بہت بابرکت اور فضیلت والی رات ہے، اس سورت میں اس کے کچھ فضائل بیان کیے گئے ہیں، ایک فضیلت تو یہ ذکر کی گئی کہ یہ رات ہزار مہینوں سے افضل ہے، ہزار مہینوں کے تراسی سال چار ماہ بنتے ہیں۔ اس رات میں حضرت جبرائیل امین فرشتوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور جتنے اللہ کے بندے مرد اور عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں ان سب کے لیے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ اور یہ رات طلوعِ فجر تک سلامتی ہی سلامتی والی ہے۔

اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی اس رات کے بہت سے فضائل ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اس رات میں عبادت کے لیے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوگئے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۰۱) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم اور بدنصیب ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۶۴۴)

''شبِ قدر'' کی مخصوص دُعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شبِ قدر کو پالوں تو کیا دُعا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دُعا کرو: ''اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي'' یعنی یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں، معافی کو پسند کرتے ہیں، میری خطائیں معاف فرمادے۔ (سنن نسائی: ۷۰۴/۴)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں نزولِ قرآن کے ابتدائی زمانہ کو بیان کیا گیا ہے۔
۲- شبِ قدر کے کچھ فضائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ القدر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَة

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے اٹھانوے (۹۸) جبکہ نزول کے اعتبار سے سو (۱۰۰) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"بینۃ" کا معنی روشن اور واضح دلیل ہے، اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ذکر کیا گیا ہے، اسی بنا پر اس سورت کا نام سورۂ بینہ رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزت نے نزولِ قرآن کا وقت بیان فرمایا تھا، اس سورت میں نزولِ قرآن کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت میں اللہ ربّ العزت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ کا دین ایک ہے اسی ایک دین کی پیروی کرو۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں نزولِ قرآن کی وجہ ذکر کی گئی ہے۔

۲- مشرکین اور اہلِ کتاب سے شکوہ کیا گیا ہے۔

۳- کُفّار اور اہلِ ایمان کا اُخروی انجام ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۗ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۗ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۗ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۧ

قرآن کیوں نازل کیا گیا؟

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی کہ آپ کی بعثت سے پہلے دنیا میں کُفر و شرک اور جہالت کا انتہائی غلبہ تھا، اور لوگ کُفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں قید تھے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی رسول مبعوث ہو جو ان کو ان تاریکیوں سے آزاد کروا کر روشنیوں اور اجالوں کی طرف لے جائے، انہیں اللہ ربّ العزّت کا پیغام پڑھ کر سنائے، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور آپ کو قرآن کریم جیسی مقدس کتاب عطا فرمائی۔

اہلِ کتاب سے شکوہ

پھر اللہ ربّ العزّت نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے شکوہ کیا، کیونکہ جب تک آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی تب تک تمام یہود و نصاریٰ آپ کی بعثت پر متفق تھے، اور آپ کا واسطہ دے کر دعائیں کیا کرتے تھے، کیونکہ تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوّت اور آپ کی خاص صفات مذکور تھیں جس کے سبب ان کو آپ کی بعثت کا پہلے سے علم تھا، لیکن جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے محض ضد اور عناد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرآن ان کو پڑھ کر سنایا اس میں اعتقادی طور پر وہی مضامین تھے جو پہلے والی کتابوں میں تھے، کوئی نئی بات نہیں تھی، ان میں بھی اللہ ربّ العزّت نے یہی احکام دیے تھے کہ عبادت میں اخلاص پیدا کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور یہی مضامین قرآن مجید میں دیے گئے ہیں، اس کے باوجود ان کا انکار کرنا سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے کچھ نہیں ہے۔

کفّار اور مؤمنین کا اُخروی انجام

سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار اور اہلِ کتاب اور اہلِ ایمان کا اخروی انجام بیان فرمایا ہے کہ

کفّار اور وہ اہلِ کتاب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہ بدترین لوگ ہیں، جبکہ ان کے برعکس اہلِ ایمان اور نیک اعمال کرنے والے جنّت میں جائیں گے اور ہمیشہ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، انہیں اللہ ربّ العزّت کی رضا کا پروانہ حاصل ہوگا، وہ اللہ سے راضی ہوں گے اور اللہ ان سے راضی ہوگا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نزولِ قرآن اور بعثتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ بیان فرمائی۔

۲۔کفّار اور اہلِ کتاب سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانے پر شکوہ کیا۔

۳۔کفّار و اہلِ ایمان کا اخروی انجام بیان کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ البینۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الزِّلْزَال

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ننانوے (۹۹) جبکہ نزول کے اعتبار سے ترانوے (۹۳) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کے دن زمین میں ہونے والے زلزلہ کا ذکر فرمایا، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ زلزال رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں کفّار اور اہلِ ایمان کے اُخروی انجام کو بیان کیا گیا تھا، اس سورت میں اس انجام کا وقت بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع حساب وکتاب کی باریکی کو بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱- اس سورت میں قیامت کے احوال اور اس کی ہولناکی کو بیان کیا گیا ہے۔
۲- سورت میں حساب وکتاب کی جامعیت اور کاملیت بھی بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

قیامت کی ہولناکی

سورت کے آغاز میں اللہ رب العزت نے قیامت کے چند احوال اور وقوع قیامت کے وقت کی ہولناکی کو بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت واقع ہوگی تو زمین ہلا دی جائے گی، اور زمین اپنے اندر کے خزانے اور مردے نکال کر باہر پھینک دے گی، اس وقت وہ خزانے اس قدر بے وقعت ہو چکے ہوں گے کہ جس شخص نے مال کے لیے کسی کو قتل کیا ہوگا وہ ان خزانوں کو دیکھ کر افسوس کرے گا، اس دن زمین اپنے اوپر ہونے والے اعمال کی گواہی دے گی، یعنی اگر کسی نے اس کے اوپر کوئی نیکی کا کام کیا ہوگا تو اس کی بھی گواہی دے گی اور اگر کوئی گناہ کیا ہوگا تو اس کی بھی خبر دے گی، اس دن سب لوگ الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

حساب وکتاب کی باریکی

اس دن ہر کسی کو اس کے ہر عمل کا بدلہ دیا جائے گا، اگر کسی نے دنیا میں ایمان کی حالت میں رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی کی ہوگی تو وہ اسے وہاں پالے گا اور اسے اس کا اجر وثواب دیا جائے گا، اور اگر کسی نے دنیا میں رائی کے دانے کے برابر بھی گناہ کیا ہوگا جس سے اس نے توبہ نہ کی ہو تو اسے اس کا وبال اٹھانا پڑے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں قیامت کی ہولناکی اور وقوع قیامت کے وقت کے چند احوال بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔سورت میں حساب وکتاب کے وقت کی باریکیوں اور ہر طرح کے عمل کی جزا وسزا ملنے کا بیان ہے۔

تمت سورۃ الزلزال بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰت

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ایک سو (۱۰۰) نمبر پر جبکہ نزول کے اعتبار سے چودہ (۱۴) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

عادیات سے مراد تیز دوڑنے والے گھوڑے ہیں، چونکہ سورت کی پہلی آیات میں ان گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ عادیات رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال کا ذکر تھا، اس سورت میں قیامت کا اجمالی تذکرہ ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "انسان کی ہلاکت کے اسباب" کا بیان ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں انسان کی چند بری عادات وخصائل کو بیان کیا گیا ہے۔

۲-سورت میں روحانی مرض اور اس کے علاج کا بیان ہے۔

۳-قیامت کا اجمالی تذکرہ بھی اس سورت میں موجود ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ
الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي
الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱

اِنسان اپنے رَبّ کا بڑا ناشکرا ہے!

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے جنگی گھوڑوں کی کچھ صفات بیان فرما کر ان کی قسم کھائی کہ مجھے ان گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے تیز دوڑتے ہیں، اور جو پتھروں پر ٹاپ مار کر آگ کی چنگاریاں بکھیرتے ہیں، جو صبح کے وقت لشکروں میں غارت گری مچاتے ہیں، اور غبار اڑاتے ہیں اور دشمن کے لشکر میں جا گھستے ہیں، ان سب قسموں کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے رَبّ کا بڑا ناشکرا ہے۔

گھوڑوں کی قسمیں کھانے کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑے میدانِ جہاد میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر انسان کے اشارے پر سخت خدمات سرانجام دیتے ہیں، اور اپنے مالک کے بہت وفادار ہوتے ہیں، حالانکہ ان کے مالک نے ان کو پیدا نہیں کیا، وہ صرف انہیں گھاس اور چارہ وغیرہ دیتا ہے، اور گھوڑا اپنے مالک کے اتنے سے احسان کو پہچان کر اس کی قدر کرتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے، اس کے برخلاف انسان کو اللہ رَبّ العزّت نے پیدا فرمایا، اسے عقل وشعور عطا فرمایا، اس کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کی تمام ضروریات کو پورا فرمایا، مگر ان سب کے باوجود انسان اللہ رَبّ العزّت کا شکر گزار نہیں ہوتا۔

اور انسان کی دوسری بری خصلت یہ ہے کہ وہ مال کی شدید محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور مال کی محبت میں اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ احکامِ شریعت اور اللہ رَبّ العزّت کے اوامر ونواہی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا، حالانکہ مال اللہ رَبّ العزّت کا عطا کردہ ہے تاکہ انسان اس سے اپنی ضروریات پوری کر سکے، اس لیے اس کے ساتھ دل لگا لینا اور اس کی محبت میں خدا کے احکام کو پس پشت ڈال دینا ہرگز درست نہیں۔ مال کی محبت خطرناک روحانی مرض ہے۔

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے انسان کو موت کی یاد دلا کر اس مرض کے علاج کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ کیا انسان یہ بھول گیا کہ اسے موت بھی آنی ہے، پھر قبر میں جانا ہے، اور اس کا سارا مال یہیں رہ جائے گا، اور جب قیامت کے دن قبریں پھٹیں گی اور سینوں کے راز ظاہر ہو جائیں گے، اس دن اللہ رَبّ العزّت ہر ایک کو ان کے اعمال کی خبر دے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے جنگی گھوڑوں کی قسمیں کھا کر انسان کی چند بری عادات وخصائل کو بیان فرمایا ہے۔

۲۔قیامت کا اِجمالی اور مختصر تذکرہ بھی انسان کے روحانی امراض کے علاج کے طور پر کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ العادیات بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ایک سو ایک (۱۰۱) جبکہ نزول کے اعتبار سے تیس (۳۰) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"قارعہ" کا معنی ہے کھڑکھڑانے والی، یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، چونکہ سورت کا آغاز اسی لفظ سے کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ قارعہ رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں قیامت کا اجمالی ذکر کیا گیا تھا، اس سورت میں قیامت کے تفصیلی احوال بیان کیے گئے ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں قیامت کے مختلف احوال بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔نیک اور بُرے لوگوں کا اخروی انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْقَارِعَةُ ۞ مَا الْقَارِعَةُ ۞ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۞ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۞ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۞ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۞ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۞ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۞ نَارٌ حَامِيَةٌ ۞

قیامت کی ہولنا کی

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قیامت کی ہولنا کیوں کو بیان فرمایا کہ قیامت دلوں اور کانوں کو کھڑکھڑادینے والی چیز ہے، جب قیامت آئے گی تو لوگ بکھرے ہوئے پریشان پروانوں کی طرح ہوجائیں گے، جس طرح کمزور ہوتے ہیں اسی طرح لوگ بھی کمزور اور عاجز ہوں گے، پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روئی کی طرح اڑتے پھریں گے، اس دِن اللہ ربّ العزّت میزان عدل قائم فرمائیں گے اور لوگوں کو ان کے ہر عمل کا بدلہ ملے گا، تو جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا اس کے وارے نیارے ہوجائیں گے، وہ من چاہی زندگی اور عیش و آرام میں ہوگا، اور جس کا بدقسمتی سے نیکیوں والا پلڑا ہلکا اور گناہوں والا پلڑا بھاری ہوگیا وہ سخت خسارے اور نقصان میں ہوگا، اس کا ٹھکانا اس دِن جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں قیامت کے احوال اور اس کی ہولنا کیوں کو ذکر کیا گیا ہے۔

۲- نیک اور بدلوگوں کے انجام اور ان کے اعمال کے بدلے کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ القارعۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالٰی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ التَّكَاثُر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ایک سو دو (۱۰۲) جبکہ نزول کے اعتبار سے سولھویں نمبر پر ہے، ایک رکوع اور آٹھ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

تکاثر کا معنی ہے مال وغیرہ کی کثرت پر فخر کرنا، چونکہ سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ تکاثر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں قیامت کی ہولناکی اور نیک و بد لوگوں کے انجام کو بیان کیا گیا تھا، جس میں برے لوگوں کے جہنم میں جانے کا ذکر تھا، اس سورت میں لوگوں کے جہنم میں جانے کی ایک وجہ بیان کی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع آخرت سے غفلت پر تنبیہ کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ زیادہ مال جمع کرنے کی حرص آخرت سے غفلت کا سبب بنتی ہے۔

۲۔ آخرت سے غافل لوگوں کا اخروی انجام اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ
عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

مال جمع کرنے کی حرص غفلت کا سبب ہے!

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کو اس کی غفلت پر متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو مال وجائیداد اور اولاد کی کثرت اللہ ربّ العزّت کی یاد اور ان کے انجام سے غافل کر دیتی ہے، یہاں تک کہ انہیں موت آلیتی ہے اور وہ قبروں میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں انہیں ان کی غفلت کا انجام معلوم ہوگا اور قیامت کے دن وہ اپنی آنکھوں سے اس غفلت کے انجام یعنی جہنّم کو دیکھ لیں گے، اس دن اللہ ربّ العزّت ان سے اپنی ہر نعمت کا حساب لیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محشر میں کوئی آدمی اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکے گا جب تک کہ پانچ سوالوں کا جواب اس سے نہ لے لیا جائے:

ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کو کن کاموں میں فنا کیا؟

دوسرے یہ کہ اس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں خرچ کیا؟

تیسرے یہ کہ جو مال اس نے حاصل کیا وہ کس طریقے سے حاصل کیا؟

چوتھے یہ کہ اس مال کو کہاں خرچ کیا؟

پانچویں یہ کہ جو علم اللہ ربّ العزّت نے اسے دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ (سنن ترمذی:۲۴۱۶)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں انسان کو غفلت اختیار کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔

۲۔ غفلت کے اسباب اور اس کا اُخروی انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ التکاثر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْعَصْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو تین (۱۰۳) جبکہ نزول کے اعتبار سے تیرھویں نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کا آغاز اسی لفظ سے کیا گیا ہے، اسی لیے اس سورت کا نام سورۂ عصر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں مال و اولاد میں حد سے زیادہ مشغولیت اور آخرت کی تیاری سے غفلت کی مذمت کی گئی تھی، اس سورت میں ان چیزوں کو بیان فرمایا جن میں انسان کو مشغول ہونا چاہیے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع حقیقی کامیابی اور حقیقی نقصان کو بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں انسانی زندگی کا دستور بیان کیا گیا ہے۔
۲۔ سورت میں انسان کو چار چیزوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳

حقیقی کامیابی اور نقصان کا معیار

یہ سورت نہایت مختصر ہے، لیکن ایسی جامع ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اسی سورت کو غور و فکر کے ساتھ

پڑھ لیں تو دین ودنیا کی درستی کے لیے کافی ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے کو یہ سورت سناتے تھے۔ (معارف القرآن)

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے زمانے کی یا عصر کے وقت کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ انسان خسارے میں ہے اور گھاٹے کا سوداگر ہے، اس خسارے سے وہ لوگ بچ جائیں گے جو چار باتوں کے پابند ہوں، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ان کا ایمان پختہ ہو۔

۲۔ عمل نیک ہو۔

۳۔ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہوں۔

۴۔ دوسروں کو صبر کی تلقین کرتے ہوں۔

جس شخص میں یہ چار صفات پیدا ہو جائیں وہ دین ودنیا کے خسارے سے محفوظ ہو کر عظیم نفع کا مستحق بن جائے گا۔ ان چار چیزوں میں سے پہلی دو چیزیں اپنی ذات کی اصلاح سے متعلق ہیں، جبکہ دوسری دو چیزیں دوسرے مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت کے بارے میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی کامیابی حاصل کرنے اور حقیقی نقصان سے بچنے کے لیے صرف اپنی ذات کی اصلاح کرلینا کافی نہیں ہے، بلکہ دوسروں کی اصلاح کی فکر اور کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ ربّ العزّت ہمیں ان چاروں کاموں کا پابند بنا دے۔ آمین یا ربّ العالمین!

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے حقیقی کامیابی اور نقصان کا معیار بیان فرمایا ہے۔

۲۔ حقیقی نقصان سے بچنے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے چار اجزا پر مشتمل نسخہ بھی تجویز کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ العصر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو چار (۱۰۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے بتیس (۳۲) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور نو (۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

''ہمزہ'' کا معنی ہے لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی غیبت کرنے والا یا طعنے دینے والا، سورت کی پہلی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ ہمزہ رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا تھا کہ نیک مسلمانوں کے علاوہ ہر انسان خسارے میں ہے، اس سورت میں ان خسارہ اٹھانے والے لوگوں میں سے چند کا تذکرہ فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مال کے دھوکے اور فتنے کو بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں غیبت کرنے والوں اور طعنے دینے والوں کو اُخروی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔
۲- سورت میں ان لوگوں کی بھی مذمت کی گئی ہے جو مال جمع کرنے میں بہت حریص ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ﴿۲﴾ یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۫ۖ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّہَا عَلَیۡہِمۡ مُّؤۡصَدَۃٌ ۙ﴿۸﴾ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ ٪﴿۹﴾

غیبت، طعنہ زنی اور حرصِ مال کی مذمت

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے تین سخت گناہوں پر شدید عذاب کی وعید سنائی ہے اور اس عذاب کی شدت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ ان گناہوں میں لوگوں کی پیٹھ پیچھے ان کی غیبت کرنا، کسی کو طعنہ دینا، اور مال کی حرص اور مال کی محبت میں اندھا ہو جانا شامل ہیں۔

غیبت کبیرہ گناہ ہے، قرآن و حدیث میں غیبت پر کئی وعیدیں ذکر کی گئی ہیں۔ قرآن کریم میں غیبت کو اپنے مسلمان بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے، (سورۂ حجرات: ۱۲) احادیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو زنا سے بھی بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی: ۶۷۴۱)

اسی طرح کسی کو اس کے کسی عیب یا گناہ کا طعنہ دینا اور عار دِلانا بھی سخت گناہ ہے، اور چونکہ کسی کو روبرو بُرا بھلا کہنا اس کی توہین اور تذلیل بھی ہے اور اس کے لیے باعثِ ایذاء بھی، اس لیے اس کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔

تیسرا گناہ جس کی اس سورت میں مذمت کی گئی ہے وہ مال کی حرص اور اس کی محبت میں اس قدر اندھا ہونا ہے کہ اس کی وجہ سے احکامِ شریعت کی بھی پروا نہ رہے اور مال کی حرص کی وجہ سے اسے بار بار گنتا رہے۔

تو جن لوگوں میں یہ برائیاں یا ان میں سے کوئی برائی ہو اور وہ اس سے توبہ نہ کرے تو ان کے لیے قیامت میں سخت عذاب ہوگا، جہنم کی آگ ان کا ٹھکانا ہوگی، اور وہ اتنی سخت اور شدید آگ ہے جو ان کے دلوں تک پہنچ جائے گی اور انہیں جلا کر راکھ کر دے گی۔ اللہ ربّ العزّت ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین!

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں تین کبیرہ گناہوں کا تذکرہ فرما کر ان پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۲۔ جہنم کی ہولناکی اور اس کی آگ کی شدت کا تذکرہ بھی اس سورت میں کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الھمزۃ بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْفِیْل

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ایک سو پانچ (۱۰۵) جبکہ نزول کے اعتبار سے اُنیس (۱۹) نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور پانچ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

"فیل" عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے ہاتھی والوں کی ہلاکت کا قصہ بیان فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ فیل رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں چند برے اعمال اپنانے والوں کا اخروی انجام بیان کیا گیا تھا، اس سورت میں دنیوی سزا کا تذکرہ ہے کہ کبھی برے اعمال اور عقائد اپنانے والوں کو دنیا میں بھی سزا دے دی جاتی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "قریش پر اللہ ربّ العزّت کا فضل و انعام" ہے۔

عمومی مضامین

۱۔اس سورت میں یمن کے بادشاہ ابرہہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

۲۔حق کا مقابلہ کرنے والوں کے انجام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

شانِ نزول

یمن کا ایک عیسائی حکمران جس کا نام ابرہہ تھا، اس کو جب علم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں اللہ رب العزت کا ایک گھر ہے جس کا حج کرنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں، تو اسے خانہ کعبہ پر حسد ہو گیا، اس نے خانہ کعبہ کے مقابلے میں یمن میں ایک بہت بڑا کنیسہ بنوایا، اسے سونے اور چاندی سے مزین کروایا اور پوری مملکت کے لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ آج کے بعد کوئی بھی مکہ والے کعبہ میں حج کے لیے نہ جائے، اس کنیسہ میں آ کر عبادت کرے۔

عرب کے لوگ کعبہ سے دلی محبت رکھتے تھے، اس لیے ان کے دلوں میں بے حد رنج اور غصہ پیدا ہوا۔ جس کے نتیجے میں عرب کا کوئی شخص اس کنیسہ میں گیا اور وہاں جا کر پاخانہ کر دیا، بعض روایت میں آتا ہے کہ اسے آگ لگا دی، جب ابرہہ کو علم ہوا تو وہ شدید غصہ ہوا اور اس نے اعلان کیا کہ چونکہ میرے کنیسہ کی توہین کی گئی ہے، اس لیے اب میں ان کے کعبہ کو گراؤں گا، چنانچہ وہ بہت بڑا لشکر لے کر جس میں ہاتھی بھی موجود تھے مکہ کی طرف چل پڑا، راستے میں چند عرب قبائل نے اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے بڑے لشکر کے سامنے نہ ٹھہر سکے، جب ابرہہ مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے مکہ والوں کو پیغام بھجوایا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا، میرا مقصد کعبہ کو گرانا ہے، اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، اس دوران اس نے قریبی چراگاہ سے جناب عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی اپنے قبضہ میں لے لیے تھے، جب خواجہ عبدالمطلب کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اس کے پاس گئے اور اونٹوں کا مطالبہ کیا، اس نے کہا کہ اونٹ تو واپس کر دیتا ہوں، لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم مجھ سے اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہو، اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ گرانے آیا ہوں، اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی، جناب عبدالمطلب نے کہا کہ اونٹوں کا مالک میں ہوں، میں ان کی بات کروں گا، بیت اللہ کا مالک ایک عظیم ہستی ہے، وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ اس نے جناب عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیے، آپ وہ لے کر واپس آ گئے، اور کعبہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا فرمائی، اس کے بعد آپ مکہ کے لوگوں کو لے کر قریبی پہاڑیوں پر چلے گئے۔

اگلی صبح ابرہہ نے تیاری کی اور اپنے ہاتھی "محمود" کو چلنے کے لیے تیار کیا، اسی وقت ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے اس ہاتھی کے کان میں کہا کہ تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیونکہ تو اللہ کے محفوظ شہر میں ہے، ہاتھی یہ سنتے ہی وہیں بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اسے اٹھانا چاہا، اسے مار مار کے تھک گئے لیکن اس نے اٹھنے کا نام نہیں لیا، اتنے میں ساحل کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندے جو کبوتر سے چھوٹے تھے، ان کے غول کے غول آئے، ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں، انہوں نے آ کر وہ کنکریاں برسانا شروع کر دیں، ان کنکریوں نے وہ کام کیا جو گولی بھی نہیں کر سکتی، جس پر وہ کنکری برستی، اس کے بدن کو چیرتے ہوئے نکل جاتی، یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے، ایک ہاتھی وہیں رہا وہ اس کنکری

سے ہلاک ہو گیا، لوگ تتر بتر ہو گئے، ابرہہ بیمار ہو گیا، اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا تھا جس سے اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسے اسی حال میں یمن لایا گیا جہاں وہ مر گیا، دو آدمی جو محمود نامی ہاتھی کے ہاتھی بان تھے، وہ مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، مگر ان کی آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی اور وہ اپاہج ہو گئے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے انہیں مکہ میں دیکھا تھا، وہ بھیک مانگا کرتے تھے۔ (معارف القرآن)

اللہ رَبّ العزّت نے اس سورت میں اسی واقعہ کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رَبّ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، اللہ رَبّ العزّت نے ان کے پلان اور تدبیروں کو بے سود اور ناکارہ کر دیا، پرندوں کے ذریعہ ان پر کنکریاں برسائیں، جس کے نتیجے میں وہ ایسے ہلاک ہو گئے جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہوتا ہے۔ اس سے اشارہ فرمایا کہ حق کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ابرہہ اور اس کے لشکر کا ہوا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ابرہہ کا واقعہ بیان فرمایا جو اپنے لشکر کے ساتھ کعبہ کو گرانے آیا تھا اور اللہ رَبّ العزّت نے اسے اس کے لشکر سمیت ہلاک کر دیا۔

۲۔ سورت میں حق کی مخالفت پر کمر بستہ رہنے والوں کو بھی تنبیہ ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق سے ٹکرانے والوں کا انجام یہی ہوا کرتا ہے۔

تمت سورۃ الفیل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ قُرَيْش

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو چھ (۱۰۶) جبکہ نزول کے اعتبار سے اُنتیس (۲۹) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور چار آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت میں قریش پر اللہ ربّ العزّت کے انعامات کا تذکرہ ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۂ قریش رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اہل مکہ کو اپنے انعامات یاد دلائے تھے، اس سورت میں بھی اہل مکہ پر اللہ ربّ العزّت کے انعامات کا تذکرہ ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قریش پر اللہ ربّ العزّت کے انعامات'' کا تذکرہ ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں قریش کے لیے تجارتی اسفار کی آسانی کو بیان کیا گیا ہے، یعنی مشائخ قریش پر اللہ کی نعمتوں کا بیان ہے۔

۲- اللہ ربّ العزّت نے قریش پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرما کر انہیں شکر ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

قریش پر اللہ ربّ العزّت کے اِنعامات

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے قریش پر اپنے چند انعامات کا تذکرہ فرما کر انہیں شکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ قریش عرب کا ایک معروف قبیلہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بھی اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو ہاشم سے تھا، عرب کے دیگر تمام قبائل اس قبیلہ کا بہت احترام کرتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اللہ ربّ العزّت نے خانہ کعبہ کی تولیت سپرد فرمائی تھی، یہ بیت اللہ کے خادم تھے، یہ لوگ سال میں دو مرتبہ تجارتی سفر کیا کرتے تھے، سردیوں میں یمن کی جانب اور گرمیوں میں شام کی جانب سفر کیا کرتے تھے، تو چونکہ اس قبیلہ کا دیگر قبائل عرب کے دلوں میں احترام تھا، اس وجہ سے یہ راستے کے خطرات سے محفوظ رہتے تھے، تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں اپنا یہ احسان یاد دلایا کہ اس نے تمہارے لیے یہ سفر آسان کر دیے ہیں، جس سے تم بہت منافع کماتے ہو، اس لیے اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے محسن کو پہچانو اور اس کی اطاعت کرو، اور جس بیت اللہ کی وجہ سے تمہاری پورے عرب میں عزت ہے، اس کعبہ کے رب کی عبادت کرو، کیونکہ وہی تمہیں کھلانے والا ہے اور اسی نے تمہارے لیے امن کے ذرائع پیدا فرمائے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں قریش پر باری تعالیٰ کے چند احسانات بیان فرمائے گئے ہیں۔

۲۔ قریش کو ان احسانات کے شکر کے طور پر اللہ ربّ العزّت کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ القریش بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمَاعُوْن

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ایک سو سات (۱۰۷) اور نزول کے اعتبار سے سترہ (۱۷) نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور سات آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

''ماعون'' استعمال کی معمولی چیزوں کو کہا جاتا ہے، اس سورت کی آخری آیت میں یہ لفظ ذکر کیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ماعون رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے قریش پر اپنے انعامات گنواتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اسی نے تمہیں بھوک کی حالت میں رزق دیا اور کھانا کھلایا، اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع حقوق اللہ میں سے نماز اور حقوق العباد میں سے زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ کی ترغیب وتلقین کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں ان کافروں کی مذمت کی گئی جو قیامت کا انکار کرتے ہیں، یتیموں کو دھکے دیتے ہیں اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔

۲-سورت میں ان لوگوں کی بھی مذمت کی گئی ہے جو دکھاوے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور بخل کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ؕ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ؕ﴿۳﴾ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۙ﴿۶﴾ وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۠﴿۷﴾

کفّار اور منافقین کے بعض افعال اور ان پر وعید

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار اور منافقین کے بعض برے افعال کا ذکر فرما کر ان پر جہنم کی وعید سنائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے نبی! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو بدلے اور حساب و کتاب کا انکار کرتا ہے، یعنی اس کا عقیدہ غلط ہے، اور وہ یتیموں کو دھکے دیتا ہے، ان کے ساتھ شفقت اور پیار کا معاملہ نہیں کرتا، اور مساکین کے کھانے کا خیال نہیں رکھتا، نہ خود انہیں کھلاتا ہے نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ سب افعال نہایت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور کفر کے ساتھ تو ان گناہوں کا انجام اور وبال مزید سخت ہو جاتا ہے۔

اور بعض منافقین بھی ایسے ہیں جو نمازوں میں غفلت کرتے ہیں، یعنی نہ نمازوں کے اوقات کا خیال رکھتے ہیں اور نہ نماز کے آداب کی پروا کرتے ہیں، اور جب پڑھتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھتے ہیں، اور بخیل اتنے ہیں کہ اگر کوئی ان سے استعمال کی معمولی چیز بھی مانگ لے مثلاً نمک، ماچس، کھانے پینے کے برتن وغیرہ، جن کے مانگنے کو عام طور پر عیب نہیں سمجھا جاتا اور جو ان میں بخل کرے اسے بہت کنجوس سمجھا جاتا ہے، یہ منافق ایسی چیزیں دینے میں بھی بخل کرتے ہیں۔ ان سب کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں کفّار اور منافقین کے بعض افعال بیان کر کے ان کی مذمت کی گئی ہے۔

۲۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی کرنے والوں کے لیے وعید ذکر کی گئی ہے۔

تمت سورۃ الماعون بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْكَوْثَر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو آٹھ (۱۰۸) جبکہ نزول کے اعتبار سے پندرہ نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا کیے جانے کا ذکر فرمایا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ کوثر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں کُفّار اور منافقین کے افعال بیان فرما کر ان کے لیے وعید بیان کی گئی تھی، اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما کر آپ کو خیرِ کثیر کی بشارت سنائی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ ربّ العزّت کے احسانات وانعامات“ کا بیان ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں حضور پر اللہ ربّ العزّت کے احسانات بیان فرما کر ان پر شکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو تنبیہ اور وعید سنائی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

شانِ نزول

ایک کافر جس کا نام عاص بن وائل تھا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

یا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل ختم ہوگئی، آپ کے بعد آپ کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

فائدہ:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے تھے، قاسم، ابراہیم اور عبداللہ جنہیں طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے، ان تینوں کا کم سنی (چھوٹی عمر) میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔

''کوثر'' کیا ہے؟

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دی، اس کوثر سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ کوثر سے مراد دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں ہیں، بعض حضرات کے نزدیک کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے، نیز کوثر ایک حوض کا نام بھی ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت قیامت کے دن پانی پینے آئے گی، اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اور اس کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت کے بقدر ہوگی۔ اللہ رَبّ العزّت ہم سب کو حوضِ کوثر سے جام نصیب فرمائے۔ آمین یا رَبّ!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس احسان اور انعام پر شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور شکر ادا کرنے کا طریقہ بیان فرمایا کہ آپ اپنے رب کی خاطر نماز پڑھتے رہیں اور اسی کی خاطر قربانی کریں، یعنی بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کے ذریعہ اللہ رَبّ العزّت کا شکر ادا کرتے رہیں۔

مزید فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دشمنوں کے طعنوں کی پروانہ کریں، آپ کی نسل کبھی ختم نہیں ہوگی، بلکہ آپ کی نسبی اولاد بھی باقی رہے گی اور آپ کی روحانی اولاد بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی، جبکہ آپ کے دشمنوں کا کوئی نام لینے والا نہیں رہے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ رَبّ العزّت کے احسانات گنوا کر شکر کی تلقین کی گئی ہے، اور شکر کا طریقہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۲- دشمن کے طعنوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الکوثر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْن

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو نو (۱۰۹) جبکہ نزول کے اعتبار سے اٹھارویں نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور چھ آیات پر مشتمل ہے۔

لطیفہ:- عقائد کے اعتبار سے انسانوں کی تین اقسام ہیں: ۱- مومن، ۲- کافر، ۳- منافق۔ اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں ان تینوں کے نام پر سورتیں نازل فرمائیں، ایک سورۂ مومنون ہے، ایک سورۂ منافقون ہے، اور یہ سورۂ کافرون ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار سے دوٹوک انداز میں بات کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور سورت کی پہلی آیت میں "کافرون" کا لفظ موجود ہے، اسی وجہ سے سورت کا نام سورۂ کافرون رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اس سورت میں آپ کو غیر اللہ کی عبادت سے برات کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورت کے فضائل

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (مسند داری: ۴۳۶۵)

۲- ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں کوئی دُعا بتا دیجیے جو ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں، آپ نے یہی سورت پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ شرک سے براءت ہے۔ (مسند داری: ۳۴۳۰)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع شرک سے براءت ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں مشرکین کے عمل سے بیزاری کا اظہار اور اعلان کیا گیا ہے۔

۲-کفار سے کوئی بھی ایسا سمجھوتہ کرنے کی ممانعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں دین اسلام کے کسی حکم پر زد پڑے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ کفار کے چند سردار ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور امیہ بن خلف وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپس میں اس بات پر صلح کر لیتے ہیں کہ ایک سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اس پیشکش کو سختی سے رد کرنے اور اسے ٹھکرانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ انہیں دوٹوک لفظوں میں کہہ دیں کہ میں کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کروں گا، نہ فی الحال مجھ سے اس کی امید رکھو اور نہ آئندہ کبھی میں اس پر آمادہ ہوں گا، میں اپنے دین پر قائم ہوں تم بھی اپنے دین پر مصر ہو جس کا انجام بھی تمہیں بھگتنا پڑے گا۔

فائدہ:- واضح رہے کہ کفار کے ساتھ ایسی مصالحت اور صلح کا معاہدہ کرنا جس میں دین اسلام کے کسی حکم پر زد آئے یا شعائر اسلام مجروح ہوتے ہوں تو ایسا معاہدہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ ربّ العزّت نے سختی سے منع فرما دیا، البتہ اگر کفار سے معاہدہ میں اسلام کے کسی حکم یا شعار پر کوئی زد نہ پڑے اور اس میں مسلمانوں کا مفاد بھی ہو اور مصلحت بھی اسی میں ہو تو صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ اور دیگر کئی مواقع پر کفار اور اہل کتاب سے صلح فرمائی ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱-سورت میں کفار کے دین سے اظہار براءت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۲-دین اسلام کے کسی حکم پر زد آنے کی صورت میں کفار سے مصالحت درست نہ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الکافرون بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ النَّصْر

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں ایک سو دس (۱۱۰) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو چودہ (۱۱۴) نمبر پر ہے۔ ایک رُکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنے دین کی نصرت اور مدد اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فتح عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ نصر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک سے اظہار براءت اور اسلام پر جمے رہنے کی تلقین کی گئی تھی، اس سورت میں اسلام کے غلبے اور کُفر کے مٹ جانے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کے قریب آجانے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ سورت میں فتح مکہ اور اسلام کے پھیل جانے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔
۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح و استغفار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠

"فتحِ مکہ" کی بشارت

سورت میں اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی ہے کہ عنقریب اللہ رب العزت کی مدد آجائے گی اور وہ تمہیں فتح نصیب فرمائیں گے، جس کے بعد اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہورہے ہوں گے، چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق کچھ عرصہ بعد مکہ فتح ہوگیا اور اسلام عرب سے نکل کر عجم میں پھیل گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات

اس سورت میں دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جب مکہ فتح ہوجائے اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگیں تو آپ تسبیح واستغفار میں لگ جائیں، گویا آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہوچکا۔

روایات میں آتا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی، سب اس کو سن کر خوش ہوگئے کہ اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے، مگر (حضرت ابوبکر) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے، جب پوچھا گیا کہ رونے کا سبب کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی طرف اشارہ ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی تصدیق فرمائی۔ (معارف القرآن)

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے اور آتے جاتے ہر وقت میں یہ دُعا پڑھتے تھے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ۔"

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں فتح مکہ اور غلبہ اسلام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آنے کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

۳۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسبیح واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ النصر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ اللَّھَب

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو گیارہ (۱۱۱) جبکہ نزول کے اعتبار سے چھٹے نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور پانچ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت ابولہب کی مذمت میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اس کا نام سورۂ لہب رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اہل ایمان کے ساتھ مدد اور فتح کا وعدہ کیا گیا تھا، اس سورت میں ایک کافر کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اللہ ربّ العزّت کی راہ سے روکنے والے کافر کا اخروی انجام بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں مشہور کافر ابولہب کی مذمت اور اس کے اخروی انجام کو بیان کیا گیا ہے۔
۲۔ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل کی بھی مذمت کی گئی ہے۔
۳۔مال اور اولاد عذابِ خداوندی سے نہیں بچا سکتی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

شانِ نزول

جب قرآن پاک کی آیت ”وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ“ نازل ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفا پہاڑی پر

چڑھ کر اپنے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا، جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں، یہ سن کر آپ کے چچا ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابولہب تھی، نے کہا کہ "تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا!" یعنی ہلاکت ہو تیرے لیے، کیا تُو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا، اور آپ کو مارنے کے لیے ایک پتھر اُٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

"ابولہب" کا انجام

اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ابولہب کی گستاخی اور اس کی دین دشمنی کی وجہ سے اس کی ہلاکت کی وعید سنائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے اور وہ ہلاک ہوا، نہ اس کی دولت اس کے کام آئی اور نہ اولاد اس کو بچا سکی۔ ہوا یوں کہ غزوۂ بدر کے سات دن بعد اس کے گلے میں طاعون کی گلٹی نکلی، جو ایک متعدی مرض تھا، اس لیے گھر والوں نے اسے الگ ڈال دیا، یہاں تک کہ اسی بے بسی کی حالت میں مر گیا، اور تین روز تک اس کی لاش یونہی پڑی رہی، جب سڑنے لگا تو گھر والوں نے عار کے ڈر سے مزدور بلوا کر اسے اٹھوایا، انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور ایک لکڑی سے اس کی لاش کو گڑھے میں پھینک دیا، اور اوپر سے پتھر بھر دیے۔ (معارف القرآن) یہ تو اس کا دنیوی انجام تھا، آخرت میں بھی وہ بھڑکتی ہوئی اور شعلے مارتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا اور ہمیشہ اسی میں جلے گا۔

"ابولہب" کی بیوی کا انجام

ابولہب کی بیوی جس کا نام اُمِّ جمیل تھا، وہ بھی اس کی طرح گستاخ تھی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی میں پیش پیش رہتی تھی، اللہ رَبّ العزّت نے اس کے انجام کو بھی بیان فرمایا کہ یہ بھی جہنم میں جائے گی، اور اس کا دُنیوی انجام یہ ہوا کہ یہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتی تھی، اور انہیں رسی سے باندھ کر رسی اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی، ایک دن لکڑیاں کاٹ کر لا رہی تھی کہ وہی رسی اس کی گردن میں پھنس گئی اور گلا گھٹنے کی وجہ سے دَم توڑ گئی اور یوں ہلاک ہوئی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں ابولہب اور اس کی بیوی کا دُنیوی اور اُخروی انجام بیان کیا گیا ہے۔

۲- سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ رَبّ العزّت کا عذاب آتا ہے تو نہ اولاد کام آتی ہے اور نہ مال فائدہ دیتا ہے۔

۳- اللہ رَبّ العزّت اور دین کا دشمن دنیا اور آخرت میں ناکام اور نامراد رہے گا۔

تمت سورۃ اللھب بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْاِخْلَاص

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے ایک سو بارہ (۱۱۲) جبکہ نزول کے اعتبار سے بائیس (۲۲) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور چار آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کی خالص توحید کا بیان ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ اخلاص کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں توحید کے ایک دشمن کا اُخروی انجام ذکر کیا گیا تھا، اس سورت میں خالص توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

سورت کے فضائل

۱- ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت (سورۂ اخلاص) سے بڑی محبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تمہیں جنّت میں داخل کر دیا۔ (صحیح بخاری: ۷۷۴)

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۳)

۳- آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت آخری تینوں سورتیں پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے جسم پر پھیرا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۱۷)

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ’’توحید‘‘ ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں اللہ ربّ العزّت کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

۲- اللہ ربّ العزّت کی چند صفات بیان کی گئی ہیں اور کفّار و اہلِ کتاب کا رد کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔(معارف القرآن)

ذاتِ باری تعالیٰ کا تعارف

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نے اپنا تعارف خود اپنی زبانی بیان فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے اور یکتا ہے، یعنی وہ اپنی ذات میں بھی یکتا ہے، اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اور اپنے افعال و اعمال میں بھی یکتا ہے، وہ بے نیاز ہے، ساری دنیا اس کی محتاج ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کے ماں باپ ہیں، یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ ربّ العزّت کا نسب پوچھا تھا، کیونکہ نسب ان کا ہوتا ہے جو توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں، جبکہ اللہ ربّ العزّت نہ کسی کی اولاد ہیں اور نہ اس کی کوئی اولاد، اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنا تعارف پیش فرمایا ہے۔
۲۔کفّار اور اہل کتاب کے باطل نظریات کی تردید فرمائی ہے۔
۳۔منکرینِ توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔

تمت سورۃ الاخلاص بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

معوّذتین

معوّذتین کا اِجمالی تعارف

قرآن پاک کی آخری دو سورتوں سورۂ فلق اور سورۂ ناس کو "معوذتین" کہا جاتا ہے، یہ دونوں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات ایسی ہیں کہ کوئی انسان ان سے مستغنی نہیں ہوسکتا، جادو، نظرِ بد اور تمام جسمانی اور روحانی اثرات کے دور کرنے کے لیے یہ سورتیں بہت تاثیر رکھتی ہیں۔

سورۂ فلق جان کی حفاظت کے لیے اور سورۂ ناس ایمان کی حفاظت کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے، یہ دونوں سورتیں مکی بھی ہیں اور مدنی بھی، کیونکہ ان کا نزول دو بار ہوا ہے۔

معوّذتین کا شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ میں ایک یہودی لبید بن اعصم (جو ایک مشہور اور ماہر جادوگر تھا اور بہت سخت قسم کے جادو کیا کرتا تھا) نے جادو کر دیا تھا جس کے لیے اس نے نر کھجور کے خوشے لیے، ایک کنگھا لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لیے، اور ان بالوں میں گانٹھیں دیں، اس کے ساتھ حضور کا مجسمہ بنایا جس میں سوئیاں چبھوئیں، اس کے بعد ان سب کو لے کر ایک کنویں میں جس کا نام بئر ذروان تھا، ایک چٹان کے نیچے دبا دیا، اس جادو کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ دنیاوی معاملات میں آپ کو بھولنے کی شکایت ہوئی، بسا اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا، آپ بہت پریشان تھے، ایک رات آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سوئے ہوئے تھے، خواب میں دو فرشتے آئے، ایک نے دوسرے سے پوچھا: اس شخص کو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو ہوا ہے، پہلے نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے، پہلے نے پوچھا کہ کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے بتایا کہ نر کھجور کے خوشے اور کنگھے اور بالوں میں، پہلے نے پوچھا کہ یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ دوسرے نے بتایا کہ بئر ذروان میں چٹان کے نیچے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے تو آپ صحابہ کرام کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، کنواں خالی کیا، چٹان ہٹائی تو یہ سب چیزیں سامنے آگئیں، اس وقت اللہ ربّ العزّت نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں، ان دونوں سورتوں کی مجموعی طور پر گیارہ آیات ہیں اور وہاں گیارہ گانٹھیں تھی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایک آیت پڑھتے جاتے تھے اور ایک ایک گانٹھ کھولتے جاتے تھے، جب ساری گانٹھیں کھل گئیں تو اچانک آپ سے ایک بوجھ سا اتر گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جادو حق ہے۔ لیکن یاد رہے کہ قرآن اور اللہ ربّ العزّت کا کلام جادو کا علاج ہے، جادوگر کی طاقت اللہ سے زیادہ نہیں اور جادوگر کے کلام کی طاقت اللہ ربّ العزّت کے کلام کی طاقت سے زیادہ نہیں۔ اس لیے کسی بھی پریشانی کی حالت میں اللہ ربّ العزّت کے کلام کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ

سورت کا تعارف

اس سورت کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، اس لیے یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی، قرآنی ترتیب میں ایک سو تیرہ (۱۱۳) جبکہ نزول کے اعتبار سے بیس (۲۰) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور پانچ آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ

وجۂ تسمیہ

فلق کا معنی ہے "صبح"، اس سورت کی پہلی آیت میں فلق کا تذکرہ موجود ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ فلق رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت کی توحید کا بیان ہوا تھا اور یہ بیان کیا گیا تھا کہ دنیا کی ہر مخلوق اللہ ربّ العزّت کی محتاج ہے، اس سورت میں ان چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو توحید میں خلل انداز ہوتی ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع دنیوی شرور سے اللہ کی پناہ مانگنے کا بیان ہے۔

عمومی مضامین

۱- سورت میں مختلف چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے۔

۲- حسد کی مذمت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

مختلف دُنیوی آفات سے حفاظت کا نسخہ

سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ میں ہر مخلوق کے شر سے صبح کے ربّ کی پناہ میں آتا ہوں، اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے، اور پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے اور حاسدین کے شر سے، ان سب چیزوں سے اللہ ربّ العزّت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھونک مارنے والی عورتوں کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ جس یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرایا تھا، اس نے کچھ لڑکیاں رکھی ہوئی تھیں، جو گرہوں میں پھونک مار کر جادو کیا کرتی تھیں، ان کے شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ اور حاسد کے حسد سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت اور راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ خواہش کرنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے، یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان پر کیا گیا، اور یہی سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا۔ آسمان پر ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اور زمین پر قابیل نے ہابیل سے حسد کیا تھا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں دُنیوی شرور و آفات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲- حسد اور جادو کا کام کرنے والوں کی مذمت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الفلق بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ النَّاس

سورت کا تعارف

اس سورت کا نزول بھی دو مرتبہ ہوا تھا، اس لیے یہ مکی بھی ہے اور مدنی بھی، قرآنی ترتیب میں یہ سورت ایک سو چودہ (۱۱۴) جبکہ نزول کے اعتبار سے اکیس (۲۱) نمبر پر ہے، ایک رُکوع اور چھ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ ناس رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں جان کی حفاظت کا نسخہ بیان کیا گیا تھا، اس سورت میں ایمان کی حفاظت کا نسخہ بیان کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ان چیزوں سے پناہ مانگنا ہے جو دین میں خرابی پیدا کرتی ہیں۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں ان وسوسہ ڈالنے والوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲-سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ وسوسہ ڈالنے والے صرف شیاطین ہی نہیں ہوتے بلکہ کچھ انسان بھی وسوسہ ڈالنے کا کام کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ
فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

ایمان اور دِین کی حفاظت کا نسخہ

سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی مختلف صفات بیان فرما کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے واسطے سے

پوری اُمّت کو وسوسہ ڈالنے والوں سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ فرما دیجیے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں جو لوگوں کا بادشاہ بھی ہے اور ان کا معبود بھی، ان لوگوں کے شر سے جو چھپ چھپ کر غیر محسوس طریقے سے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں، خواہ وہ وسوسے ڈالنے والے انسان ہوں یا جِنّ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کچھ انسان بھی ایسے ہوتے ہیں جو وسوسے ڈالتے ہیں اور لوگوں کا ایمان خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انسان کا اپنا نفس بھی ایسے وسوسے پال لیتا ہے۔ ان سب سے اللہ ربّ العزّت کی پناہ مانگنی چاہیے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی مختلف صفات بیان فرمائی ہیں۔

۲- سورت میں اللہ ربّ العزّت نے وسوسہ ڈالنے والوں سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔

تمت سورۃ الناس بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝


نقوشِ قرآن
نقوشِ اسلام
نقوشِ علم
مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد